بُری عورت

1

رفعت سراج

A contact loved ones.
ایک رابطہ اپنوں سے
Aik Rabta Apno Se.
پاکستانی پوائنٹ
www.PakistaniPoint.Com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وقار عظیم
پاکستان پوائنٹ ڈاٹ کام

بُری عورت

ملنے کے پتے

مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور 37355743
مکتبہ العلم 17 اردو بازار لاہور 37211788
اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ لاہور 37223508
مشتاق بک کارنر اردو بازار لاہور 37230350
علم و عرفان پبلی کیشنز اردو بازار لاہور 37232336
منیر برادرز مین بازار جہلم
احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ راولپنڈی
بنگش بک ڈپو اردو بازار سیالکوٹ 052-4595359
اسلم بک ڈپو کلوال سیالکوٹ 0347-6841995
چوہدری بک ڈپو مین بازار دینہ
ضیاء القرآن پبلشرز گنج بخش روڈ لاہور
نیو الیاس کتب محل کچہری بازار جڑانوالہ
ادریس کتاب محل مین بازار منڈی سمڑیال
عمر بک سنٹر جی ٹی روڈ سرائے عالمگیر 653057
چغتائی بک ڈپو پوڈیال آزاد کشمیر
اتفاق بک ڈپو بھلوال
کوالٹی ڈیپارٹمنٹل سٹور کالج روڈ بورے والا 3355889
شاہین بک ہاؤس منڈی بہاؤالدین
بختار سنز قصہ خوانی بازار پشاور
بلال بک ڈپو گجرات
الفضل کتاب گھر میر پور آزاد کشمیر
مسٹر بکس سپر مارکیٹ اسلام آباد 2278843-5
جہانگیر بک ڈپو لاہور 37220897
سعد پبلی کیشنز فسٹ فلور اردو بازار لاہور 37122943
مسلم بک لینڈ بینک روڈ مظفر آباد
یونائیٹڈ بک ہاؤس کچہری روڈ منڈی بہاؤالدین
نیو وہاڑی کتاب گھر جناح روڈ وہاڑی 62310
الکریم نیوز ایجنسی گول چوک اوکاڑہ
شائلہ بک ایجنسی محلہ چوہدری پارک ٹوبہ ٹیک سنگھ
ڈار برادرز تحصیل بازار جہلم
فضلی سنز اردو بازار کراچی
کھوکھر بک سٹال مسلم بازار، گجرات
مکتبہ رشیدیہ چکوال
بٹ بک ڈپو جہلم
اشفاق بک ڈپو پاڑیاں والہ
حبیب لائبریری، واہ کینٹ
شاہین بک سنٹر، وہاڑی
شہاب بک ڈپو مانوالہ
سلیم بک سنٹر، لاھائی بازار سیالکوٹ 052-4592767
کتاب گھر علامہ اقبال روڈ راولپنڈی

ویلکم بک پورٹ اردو بازار، کراچی
بلال کاپی ہاؤس لیاقت روڈ میاں چنوں 662650
میاں ندیم مین بازار جہلم 0544-621126
دار الادب تلمبہ روڈ میاں چنوں الرحمت سٹیشنری ڈسکہ
اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک راولپنڈی
شمع بک ایجنسی فیصل آباد
ہاشمی برادرز کتب و رسائل گوردت سنگھ روڈ کوئٹہ
الیاس بک ڈپو جلال پور جٹاں
اسلامی کتب خانہ حافظ آباد
خان بک ڈپو حافظ آباد
نظامی کتب خانہ پاکپتن شریف
شکیل بک ڈپو سمندری
خالد کتاب محل اگوکی سیالکوٹ روڈ
لاثانی لائبریری ربوہ
زمان لائبریری ربوہ
سلیمی بک ڈپو احمد پور شرقیہ
جالندھر بک ڈپو ڈسکہ
پاکستان بک ڈپو مین بازار جلال پور جٹاں
کارنر سٹیشنری مارٹ مین بازار کھاریاں 510274
کتاب نگر حسن آرکیڈ ملتان کینٹ 061-510444
صابر بک سٹال نسبت روڈ لاہور 37230780
کارواں بک سنٹر ملتان کینٹ
علمی بک ہاؤس لاہور
عزیز سٹیشنری مارٹ مین بازار کھاریاں
کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اردو بازار لاہور
سلطان بک پیلس گجرات پنجاب بک ڈپو سرکلر روڈ گجرات
حافظ بک ایجنسی اقبال روڈ سیالکوٹ
وارث سنز بک ڈپو صرافہ بازار پنڈ دادنخان جہلم
کارواں بک سنٹر بہاولپور۔
مکہ بک سنٹر جلالپور جٹاں
مکتبہ کشمیر لالہ موسیٰ
رائل بک سنٹر چوک نواب گجرات
مقدر بک ڈپو گول چوک اوکاڑہ
کوثر بک ڈپو، لالہ موسیٰ
عثمان بک ڈپو، لالہ موسیٰ
ایشیاء بک ڈپو، پاڑیاں والہ
پنجاب بک ڈپو، ڈنگہ
النور بک کارنر، میر پور آزاد کشمیر
لکی جنرل اسٹور، مرید کے
فرینڈ بک ڈپو گجرات
خالد بک ڈپو، گجرات

بُری عورت

(حصہ اوّل)

رفعت سراج

خزینہ علم وادب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37211468 - 37314169

دیدہ زیب اور
خوبصورت کُتب کا
واحد مرکز

تزئین واہتمام
نذیر محمد، طاہر نذیر

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام وقار عظیم

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : بُری عورت (حصہ اوّل)
مصنفہ : رفعت سراج
سن اشاعت: جنوری 2015ء
اہتمام : محمد نذیر، طاہر نذیر
کمپوزنگ : عاصم شہزاد 0306-4171117
مطبع : ریاض شہباز پرنٹرز، لاہور
قیمت : 650/- روپے

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

ہوا کے ہوتے ہوئے روشنی تو کر جائے

کوئی میری طرح زندگی تو کر جائے

انتساب

اُدھوری آگہی کے نام

☆......☆......☆

(امتحانی پرچہ)

زیرِاہتمام : ورلڈ یونیورسٹی
مضمون : زندگی
دورانیہ : جب تک بحکمِ ربّی آپ بقیدِ حیات ہیں

نوٹ : تمام سوالات لازمی ہیں، نمبر مساوی ہیں۔
(سچائی صرف کہنے کے لئے نہیں، ثابت کرنے کے لئے بھی ہوتی ہے)

1) آخر لوگ اُدھوری پیشیوں پر عورت کے ساتھ پورا انصاف کیوں کرتے ہیں......؟
2) مرد، عورت کے ساتھ غیر ذمہ دارانہ معاملات کیا سوچ کر کرتا ہے......؟
3) عورت کو بے کنار خواہشات کیوں تنگ کرتی ہیں......؟
4) دل ملتے ہیں تو ذہن کیوں نہیں ملتے ؟
5) دیوانے کا سچ برداشت ہو جاتا ہے، عورت کا کیوں نہیں......؟
6) بُری صرف عورت ہوتی ہے......؟
7) ایک ہاتھ سے تالی بجتی ہے......؟
8) اکیلا چنا بھاڑ پھوڑتا ہے......؟
9) جو اصلاح نہیں کر سکتا، وہ تنقید کیوں کرتا ہے......؟
10) جس کے پاس حل نہیں، وہ بحث کیوں کرتا ہے......؟
11) کیا گالی وہ دیتا ہے جسے اپنا پردہ ہٹنے کا خوف ہو......؟
12) حشر کا ایک دن طے ہے، تو یہ حشر سے پہلے حشر کس نے اُٹھایا ہے......؟

محبتوں کے ساتھ
رفعت سراج

☆......☆......☆

کچھ مصنفہ کے بارے میں

ناول ''بُری عورت'' کی تخلیق کار ''رفعت سراج'' کا نام اُردو ناول اور افسانہ نگاری و ڈرامہ نگاری میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ وہ ایک منجھی، سلجھی ہوئی اور ماہر قلم کار کی حیثیت سے اپنی ایک منفرد شناخت رکھتی ہیں۔

''بُری عورت'' سے پہلے اُن کے بہت سے ناول اور افسانوں کے مجموعے چھپ کر قبولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ جن کا مختصر تعارف کچھ اس طرح سے ہے۔

''سچے موتی جیسے لوگ''	''دیارِ دل''	''دِل، دِیا، دہلیز''
''خوشبو کا دریا''	''شہریاراں''	''گلابی کاغذ اور زرد پھول''
''طائر لاہوتی''	''سنڈریلا، ازابیلا اور شکیلہ''	''شاہکار''
''گوری ماں''	''دِل دَریا تن صحرا''	''ایک گلاب''
''حرم محرم اور بھرم''	''رشتوں کے ریشم''	''دِلِ آباد''
''کستوری''		

حال ہی میں ان ایک نیا ناول ''امانت'' بھی شائع ہو چکا ہے جو کہ ایک شاہکار ناول ہے، اور ''بُری عورت'' اس وقت آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں وہ اپنے نئے ناول تحریر کرنے میں مصروفِ عمل ہیں۔ اس کے علاوہ مصنفہ کے تحریر کردہ مختلف ٹی وی چینلز سے پیش کئے گئے ڈراموں کو بھی ناظرین نے بہت زیادہ سراہا ہے۔

''رفعت سراج'' کی مہارت اور فنی پختگی کا اعجاز یہ ہے کہ وہ قارئین و ناظرین کو پوری طرح اپنی گرفت میں لیے رکھتی ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ گرفت مضبوط تر اور بلند پایہ ہوتی چلی جاتی ہے۔

اللہ کرے زورِ قلم ہو اور زیادہ......!

(ادارہ)

☆......☆......☆

بُری عورت

مغرب کی اذان سے دس پندرہ منٹ پہلے برقی قمقمے روشن ہو چکے تھے۔ جھلمل جھلمل جلتی بجھتی روشنیاں گھر کے مکینوں کے جذبات کی گویا بھرپور ترجمانی کر رہی تھیں۔ گھر میں مہمانوں کی موجودگی کی علامت وقفے وقفے سے اُبھرنے والے اجتماعی قہقہے تھے۔ فی الحال بچہ پارٹی ڈھولکی پر پریکٹس میں مصروف تھی۔ چند لمحوں کے لیے ڈھولکی پر بے ترتیب تھاپ پڑتی اور بچوں کی چیخ پکار میں دَب جاتی۔

فیاض احمد اور سلمٰی بیگم کی دلی مراد پوری ہو رہی تھی۔ بڑے صبر آزما انتظار کے بعد آج ان کی بڑی بیٹی مریم اپنے گھر کی ہو رہی تھی۔ فیاض احمد کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑا بیٹا حماد، اُس سے چھوٹی مریم اور مریم سے صرف دو سال چھوٹی انعم۔ مریم کو کیریئر وومن بننے کا خبط تھا۔ وہ مسلسل ہر رشتے سے انکار کر رہی تھی، بلکہ دوٹوک انداز میں ماں کو کہہ چکی تھی کہ وہ اپنے کیریئر کی سمت کا تعین کیے بغیر شادی نہیں کرے گی۔

مریم فیاض احمد کی ہونہار بیٹی تھی، بڑی نپی تلی بات کرنے والی، بلا کی ذہین، شائستہ اور مہذب۔ اس کا سارا تعلیمی دور اعزازات سے بھرپور تھا۔ مسلسل اسکالرشپ دورانِ تعلیم یورپ و امریکہ کے دورے۔ ان سب باتوں نے مریم کو بہت میچور اور پُراعتماد بنا دیا تھا۔ اُس کا I. Q. Level غیر معمولی تھا۔ وہ بہت کم عمری میں اپنے ذہن سے سوچنے اور دُنیا کو اپنی نظر سے دیکھنے کی عادی ہو چکی تھی۔ ایک حسین، خوش لباس، خوش گفتار لڑکی جو اتنی عملی تھی کہ رومانس کو خرافات کہتی تھی۔ کو ایجوکیشن کے باوجود اس کی کسی لڑکے سے گہری دوستی نہ ہو سکی۔

عشوہ غمزے جو کسی دوشیزہ کا خطرناک ہتھیار سمجھے جاتے ہیں، مریم کا ان سے دُور تک کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس کی چال میں اتنی روانی و تیزی ہوتی تھی کہ اسے پکارنا، متوجہ کرنا بڑا ہی مشکل کام لگتا تھا کہ پکارنے کے بعد جانے کہاں رُک کر پلٹے اور پکارنے والے کو بھاگ کر اُس کے قریب جانا پڑے اور پھولی ہوئی سانسوں میں اپنا مدعا بیان کرنا پڑے۔

سلمٰی بیگم نے بڑی چاہ سے اپنی ہونہار بیٹی کے لئے ایک خوب صورت، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور خاندانی نوجوان کا انتخاب کیا تھا۔ یہ قطعی ارینج میرج تھی۔ جس طرح مریم نے اپنی شادی کا معاملہ والدین پر چھوڑا ہوا تھا، اسی طرح اس کے ہونے والے شوہر عدیل نے بھی اپنی ماں کو اختیار دے دیا تھا کہ جو لڑکی اُن کی سمجھ میں آئے، اُن کو بہو کے رُوپ میں بھائے وہ اُسے منظور ہوگی۔ یہی وجہ تھی کہ آج کے دور میں جبکہ والدین کی پسند سے شادی کرنے کا رُجحان بہت کم رہ گیا ہے، مریم اور عدیل کا اپنے

والدین پر انحصار کرنا بہت ہی بڑی خوشی کا باعث بن گیا تھا۔ دونوں طرف اپنا مطلوبہ معیار پا کر خوشی کی کوئی حد نہ تھی۔

آج رسمِ مایوں، مہندی اور نکاح سے پہلے طے کی جانے والی تفصیلات کا دِن تھا۔ عدیل کی ماں کے تقریباً تمام ہی قریبی رشتے دار دیارِ غیر میں بسے ہوئے تھے۔ وہ خود چھوٹے بیٹے کے ساتھ U.K میں مقیم تھیں۔ عدیل نے پاکستان میں ایک بہت بڑے بزنس کا سیٹ اَپ بنایا تھا اور اس کا زیادہ وقت پاکستان ہی میں گزرتا تھا۔ اس وجہ سے اُس کی ماں سارہ احمد نے اُس کی شادی یہیں کسی مناسب سمجھ دار لڑکی سے کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اُن کی کسی فیملی فرینڈ نے فیاض احمد کے گھر تک اُن کو رسائی دی تھی۔ مریم ایک نظر میں اُن کو پسند آئی تھی۔ پہلی نظر کے انتخاب کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ پہلی نظر کی پسند ضد کی طرح ہوتی ہے ''یہی چاہیئے'' کی ضد۔ اور پھر صرف بیس دن میں سب معاملات طے ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

''آپ جو کہیں گی، وہی مہر رکھا جائے گا۔''

مسز سارہ نے سلمٰی اور فیاض کو بھرپور انداز میں مطمئن کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھیں، یہ مہر وغیرہ تو ضابطے کی کارروائی ہی سمجھئے، بات تو ساری ایک دوسرے پر اعتبار اور بھروسے کی ہے۔''

فیاض احمد نے ماحول میں مزید اپنائیت کا احساس بڑھاتے ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں فیاض میاں......!''

سلمٰی بیگم کے بھائی عرف بھائی میاں نے فیاض احمد کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''بہتر تھا کہ نکاح نامہ پُر کرتے ہوئے مریم کو بھی شامل کر لیا جاتا۔''

مسز سارہ کے کزن جن کو مسز سارہ سگے بھائی کا درجہ دیتی تھیں اور معاملات طے کرنے کے لئے اپنے ہمراہ لائی تھیں اور اختر بھائی کہتی تھیں، بڑی متانت سے گویا ہوئے۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ......؟ معاف کیجئے گا، لڑکیوں سے کہاں صلح مشورے کئے جاتے ہیں......؟ اور پھر ہمیں اپنی بیٹی پر اعتماد ہے کہ وہ ہمارے فیصلے کو درست مانے گی۔''

فیاض احمد، اختر بھائی کی بات پر Shocked ہو کر گویا ہوئے۔

''ٹھیک ہے......! مگر آج کی لڑکی پڑھی لکھی اور باشعور ہے۔ پھر جس کی شادی ہو رہی ہے، اُس سے مشورہ کرنے میں کیا قباحت ہے......؟''

اختر بھائی اپنی روشن خیالی سے دست بردار ہونے کو تیار نہ ہوئے۔

''آپ سے تو بس حد ہے۔ آج تک کبھی سنا ہے کہ جس لڑکی کی شادی ہو رہی ہو، اُس سے مہر یا نکاح کی شرائط وغیرہ پر مشورہ کیا جائے......؟''

مسز اختر بھی شوہر پر معترض ہوئیں اور سب کے چہروں کا بنظر غائر جائزہ لیا۔ اُسی لمحے مریم کی بھابی یعنی حماد کی بیوی نوکر (شوکت) کے ساتھ ٹی ٹرالی لیے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

''آؤ بھئی فرح......! یہاں اتنی ساری باتیں ہو گئیں، تم پتا نہیں کہاں غائب ہو......؟''

سلمٰی بیگم نے اپنی بہو کو بڑی چاہت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا......!اتنی ساری باتیں......؟ٹاپک کیا رہا......؟''

فرح ہنستے ہوئے خالی پلیٹیں سرو کرنے لگی۔نوکر لوازمات سرو کر رہا تھا۔

''بھئی......!جس کام کے لئے جمع ہوئے ہیں،وہی ٹاپک ہوگا،یعنی حق مہر......!''

حماد نے ہنستے ہوئے بیوی کی طرف دیکھا۔

''اے ہے......!میں تو بالکل ہی بھول گئی۔انابی کہاں ہیں فرح......؟اُنھیں تو بلواؤ۔بچوں کی طرح رُوٹھ جائیں گی کہ مجھے تو فالتو سامان سمجھ کر ایک طرف کر دیا جاتا ہے،میری تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔''

سلمٰی بیگم کو انابی کا خیال آیا تو پیشانی پر ہاتھ مار کر متاسف ہوئیں۔

''میں بلواتی ہوں امی......!''

فرح بھی جیسے انابی کا تصور کرتے ہوئے بے ساختہ مسکرائی۔

''یہ انابی......ملاقات تو اُن سے ہو چکی ہے مگر کلیئر نہیں ہوا کہ وہ بچوں کی نانی ہیں یا دادی......؟''

مسز سارہ نے مسکرا کر سلمٰی سے پوچھا۔

''ارے بھئی ! ہماری بیگم کے ساتھ جہیز میں آئی تھیں۔''

فیاض احمد نے رول اُٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے شگفتہ انداز میں کہا۔

''اصل میں میری Mother کی Death کے بعد مجھے اور میرے چھوٹے بھائی عاصم کو جو امریکہ میں سیٹلڈ ہیں،انابی نے ہی پالا ہے۔میں تو انہیں اپنی ماں کا درجہ ہی دیتی ہوں۔''

سلمٰی بیگم نے وضاحت کی۔

''اوہ......!''

مسز سارہ کو جیسے بات سمجھ آ گئی۔

''بہت اچھی بات ہے،اور یہ Values خاندانی لوگوں ہی میں ملتی ہیں۔''

''شوکت......!انابی کو بلا کر لاؤ۔''

فرح نے شوکت سے کہا تو وہ فوراً وہاں سے چلا گیا۔

''ہاں تو ہم بات کر رہے تھے لڑکیوں سے صلح مشورے کی۔''

بھائی میاں نے پھر وہیں سے سرا پکڑا جہاں چھوڑ دیا گیا تھا۔

''ارے بھئی...... !بس ہو گئی بات۔آپ بسم اللہ کریں۔میری چھوٹی بیٹی کا بھی مہر پانچ لاکھ لکھا گیا تھا اور بہو کا بھی،اور مریم کا بھی یہی لکھ لیں۔''

''ارے ہٹیں،سلمٰی......!کیا ہو گیا ہے تمھیں......؟پانچ سال پہلے اتنی مہنگائی نہیں تھی۔''

انابی اندر داخل ہوئے قدرے بُرا مان کر معترض ہوئیں۔

''انابی......!حق مہر لکھوا رہے ہیں۔بجٹ نہیں بنا رہے۔''

فیاض احمد نے اپنی فطری شگفتہ مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

''چلیں،آپ انابی کی بات رکھ لیں۔پانچ لاکھ سے زیادہ رکھ لیں،مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

مسز سارہ نے اعتماد واپنائیت سے کہا۔انابی کی آنکھوں میں اس عزت افزائی پر جیسے چمک سی آ گئی۔

''ارے بھئی......!دو ہی تو ہماری بیٹیاں ہیں۔انصاف ہونا چاہیے۔مریم کا مہر بھی پانچ لاکھ ہوگا۔''

فیاض احمد نے قطعی اور حتمی انداز میں کہا۔انابی نے بُرا مان کر رُخ موڑ لیا اور اپنا پان کا بٹوا کھولنے لگیں۔

''دو بیٹیوں پر یاد آیا کہ اس اہم موقع پر انعم اور اُس کا شوہر موجود نہیں۔عموماً داماد تو اس موقع پر ضرور بلائے جاتے ہیں۔''

مسز سارہ نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''ارے ہاں......!خوب یاد دلایا۔یہ انعم کیوں نہیں پہنچی ابھی تک......؟فون کرکے پتا کرو۔''

انابی کے چہرے پر فکر مندی تھی۔

☆......☆......☆

''ہمارے ہاں مرد عورتوں سے اس انداز میں بات نہیں کرتے۔لینگویج پلیز......!''

انعم نے ہیئر برش زور سے ڈریسنگ پر پٹخا اور پلٹ کر ناصر حسین کو گھورا۔

''تو پھر اپنے باپ کے گھر چلی جاؤ۔حد ہوتی ہے ہر بات کی۔''

ناصر حسین نے دھڑ سے وارڈروب کا پٹ بند کیا۔

''باپ کے گھر کیوں......؟میں کوئی بے بس و مجبور عورت نہیں جو ساری زندگی Emotionally بلیک میل ہوتی رہوں۔''

انعم نے دانت پیس کر قدرے توقف کیا۔پھر چند قدم ناصر کی طرف بڑھی۔

''میں کہیں بھی جا سکتی ہوں۔نئے سرے سے گھر بنا سکتی ہوں۔کیا کمی ہے مجھ میں......؟''

ناصر چند لمحے حیران سا آنکھیں پھاڑ کر انعم کی طرف دیکھتا رہا،جیسے بات کرنا ہی بھول گیا ہو۔پھر گہری گہری سانس لے کر جیسے خود کو کنٹرول کیا اور بمشکل کہا۔

''اوہ......!تو یہ بات ہے......!تم یہی سوچ کر اس گھر میں داخل ہوئی تھیں کہ مزید تجربات بھی کرو گی......؟''

پھر رُک کر طنزیہ مسکرایا اور تلخ لہجے میں گویا ہوا۔

''چار سال کی ایک بیٹی بھی ہے تمہاری۔سچ تو یہ ہے کہ تم نے اس گھر کو کبھی اپنا گھر ہی نہیں سمجھا۔بڑے دُکھ کی بات ہے۔''

''تو کیوں اُٹھا رہے ہو اتنے دُکھ......؟چھوڑ دو مجھے تاکہ دُکھ تمہیں چھوڑ دیں۔''

انعم آگے بڑھی اور بڑی بے حسی سے مسکراتے ہوئے پھر ہیئر برش اُٹھا لیا اور آئینے میں ناصر حسین کو گھورتے ہوئے طنزیہ مسکرائی۔

''حقیقت تو یہ ہے کہ ایک مڈل کلاس مرد اَپر کلاس بیوی اَفورڈ کر ہی نہیں سکتا۔''

وہ بولی۔ ناصر حسین نے بڑی سوچتی ہوئی گہری نظروں سے انعم کی طرف دیکھا۔ اس مرتبہ اُس کے لہجے میں عجیب سی شکستگی و تمکن تھی۔

''اب نظر آیا ہے تمھیں کلاس Difference......؟ شادی سے پہلے تم سے کچھ چھپایا تو نہیں تھا، سب پتا تھا تمھیں کہ 19th گریڈ کا سیدھا سادہ افسر ہوں، رشوت نہیں لیتا، صرف تنخواہ پر گزارا کرتا ہوں۔ تمھیں کسی نے اس شادی پر مجبور تو نہیں کیا تھا۔''

وہ بولتے بولتے چلتا ہوا انعم کے بالکل قریب آ کر رُکا۔ انعم غصے سے گھورتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگی۔

''میری تو عقل حیران ہے، پتا نہیں کیا پڑھ کر پھونکا تھا تم نے میرے ماں باپ پر، ملتے ہی تمہارا کلمہ پڑھنے لگے۔ سمجھ نہیں آتی کیسے بے وقوف بنایا تھا......؟''

آخری جملہ اُس نے اب بڑبڑاہٹ کے انداز میں ادا کیا۔

''پتا نہیں کیسی عورت ہو، جسے اپنی غلطی کا کبھی احساس نہیں ہوتا......؟ اور انتہائی غیر ذمہ دار ماں بھی جیسے صبح نوکر بتاتا ہے کہ اس کی بیٹی رات بھر بخار میں جلتی رہی۔''

انعم چند لمحے غصے کی شدت سے کانپتی ہوئی ناصر کو گھورنے لگی۔ پھر ایک دم تیزی سے وارڈ روب تک گئی اور جھٹکے سے وارڈ روب کا دروازہ کھولا اور زور سے چلائی۔

''تم ایسا کرو، اپنی بیٹی کے لئے کوئی اچھی سی ماں لے آؤ۔ میں جا رہی ہوں ہمیشہ کے لئے اس گھر سے۔''

اتنا کہہ کر وہ وارڈ روب سے کپڑے نکال نکال کر پھینکنے لگتی ہے۔ ناصر حسین گم صم سا چند لمحے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر گہری سانس کھینچ کر بالکل سپاٹ لہجے میں جیسے اُسے یاد دلانے لگا۔

''تمہاری بہن مریم کی شادی ہو رہی ہے۔ کیا خوشیوں کے گھر میں عذاب اُتارو گی جا کر......؟''

انعم کپڑوں کا گولہ بنا کر دُور پھینکتی ہے اور بڑے انداز سے چبا چبا کر کہتی ہے۔

"Its my own headach."

ناصر حسین گہری سانس لے کر واش روم میں چلا جاتا ہے اور واش روم کا دروازہ دھڑ سے بند کرتا ہے۔ انعم اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر زور سے چلاّتی ہے۔

''آخری بار سر پھوڑ رہے ہو میرا۔''

یہ کہہ کر دھڑ سے وارڈ روب کا پٹ بند کرتی ہے اور کمر پر ہاتھ رکھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگتی ہے۔ آنکھوں میں گہری سوچ کا عکس، جیسے کوئی پلاننگ کر رہی ہو۔

☆......☆......☆

''تمہاری ابھی تک واقعی بات نہیں ہوئی عدیل سے......؟''

سبین حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھ رہی تھی (سبین مریم کی ماموں زاد اور اس کی ہمراز و دم ساز قسم کی دوست تھی)۔

''کوئی فائدہ......؟''

مریم بہت اطمینان سے مسکرا رہی تھی۔ سبین نے شرارت سے مریم کی طرف گھور کر دیکھا اور مصنوعی خفگی سے بولی۔

''فائدے کی بچی......! دِل نہیں چاہتا سب سے چھپ کر اپنے ہونے والے دُلہا سے باتیں کرنے کو......؟ اس کی پیاری پیاری باتیں سننے کو......؟''

''تم سے کس نے کہہ دیا کہ وہ پیاری پیاری باتیں کرتے ہیں......؟''

مریم نے شگفتگی سے مسکرا کر بڑے انداز سے پوچھا۔

''ارے......! اپنی ہونے والی بیوی سے تو سب پیاری پیاری باتیں کرتے ہیں۔ خبرنامہ تو نہیں پڑھتے۔''

سبین نے مریم کے بازو میں شرارت سے چٹکی کاٹی۔

''اُف......! اتنی زور سے......؟ توبہ......!''

مریم ہنستے ہوئے بلبلائی۔

''ویسے یہ تو بتاؤ، یہ جو ہونے والا ہوتا ہے، اُس سے رشتہ کیا بنتا ہے......؟''

مریم نے شوخی سے سوال کیا۔ پھر اپنے بالوں کو سمیٹ کر کیچر لگاتے ہوئے بولی۔

''مجھے کوئی شوق نہیں مصنوعی خوابوں کی دُنیا کی باتیں سننے کا۔ میں ایک پریکٹیکل لڑکی ہوں۔ شادی بھی اس لئے کر رہی ہوں کہ لوگ شادی کو پریکٹیکل لائف کا آغاز کہتے ہیں۔''

''اے بوڑھی رُوح......! فارگاڈ سیک، اپنے اندر کچھ رنگینی پیدا کرو۔ وہ بہت رنگین مزاج نظر آتا ہے۔ یہ گاڑی کیسے چلے گی......؟''

سبین نے بڑی فکرمند نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ پھر ایک دم جیسے کچھ ذہن میں آیا۔ آنکھوں میں شوخ چمک بیدار ہوئی۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر سرگوشی میں بولی۔

''ویسے اُس نے لڑائی تو ضرور کی ہوگی تم سے بات کرنے کے لیے۔ یہ تو پکی بات ہے۔''

''ہاں......! کی تھی۔''

مریم نے شانِ بے نیازی سے اعتراف کیا۔

''پھر......؟''

سبین نے پُراشتیاق انداز میں بے ساختہ کہا۔

''پھر کیا......؟ پھر سے پُھر ہو گیا۔''

مریم اس کی کیفیت کو اِنجوائے کرتے ہوئے بولی۔

''کیا مطلب......؟''

سبین واقعی نہیں سمجھی۔

''مطلب یہ کہ میں نے کہہ دیا، امی سے بات کرلیں۔''

مریم نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

''مریم کی بچی......!''

سبین نے بیڈ سے تکیہ اُٹھایا اور مریم کو کھینچ مارا۔

''اگر وہ اپنی ماں سے کہہ دیتا، میں نہیں کرتا اس دقیانوسی لڑکی سے شادی۔ پھر کیا ہوتا......؟

سبین نے سخت گیر اُستاد کے انداز میں سوال کیا۔

''شادی نہیں ہوتی۔''

مریم از حد اطمینان سے بولی۔ اب سبین نے ذرا غور سے مریم کی شکل دیکھی جیسے کسی نتیجے پر پہنچ گئی۔

''ہوں......! اب سمجھی، تم مسٹری Create کر رہی ہو۔''

''کوئی مسٹری وسٹری نہیں۔ میں نے کہا ناں کہ میں ایک پریکٹیکل لڑکی ہوں۔ یہ شادی سے پہلے فون پر لمبی لمبی باتیں، فیوچر پلاننگ ان سے ہوتا کیا ہے......؟ پریکٹیکل لائف تو شادی کے بعد شروع ہوتی ہے۔''

سبین چند لمحے اُس کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔ پھر بے ساختہ مسکراتی ہے اور مریم کے قریب آ کر اُسے گلے سے لگا لیتی ہے۔

''آفرین ہے عدیل پر۔ بڑا صابر بندہ ہے۔''

☆......☆......☆

''بار بار لائن ڈراپ ہو جاتی ہے۔ پاپا کتنے بے چین ہو رہے ہوں گے بات کرنے کے لیے۔''

سلمٰی بیگم نے کوفت بھری نظروں سے موبائل کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے خود کلامی کی۔

''ہاں......! آپ نے بتایا تو تھا کہ آپ کے فادر بھی آج کل UK میں ہوتے ہیں۔ اُن کی طبیعت اب کیسی ہے......؟''

مسز سارہ نے پوچھا۔ گھر میں رونق بڑھتی جا رہی تھی۔ مسز سارہ، اختر بھائی اُن کی بیگم واپس جا رہے تھے۔ سلمٰی اور فیاض احمد انہیں کار تک چھوڑنے کے لئے باہر آئے تھے۔ کچھ دیر بعد مریم کی رسمِ اُبٹن شروع ہونا تھی۔ مہندی کے لئے رات دس بجے کا ٹائم تھا۔ مسز سارہ نے اپنے چند مہمانوں کے ساتھ مہندی کی رسم کے لئے آنا تھا، اِسی وجہ سے وہ جلدی جا رہی تھیں کہ تیاریاں کرنا تھیں۔

''الحمدللہ......! پاپا کی طبیعت اب بہت بہتر ہے۔ مگر ڈاکٹرز نے فی الحال انہیں فلائی کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔ بائی پاس کرانے ہی تو گئے تھے ورنہ وہ مریم سے اتنے دن کبھی دُور نہیں رہے۔ مریم اُن کی لاڈلی ہے، بلکہ مریم کا بچپن پاپا کے ساتھ ہی گزرا ہے۔ میں اُن دنوں بہت مصروف ہوتی تھی۔ مریم اسکول سے سیدھی پاپا کے پاس چلی جاتی تھی۔ پاپا سے بہت زیادہ اٹیچ ہے۔ آج کل تو انہیں یاد کر کے رو پڑتی ہے۔ کہتی ہے کہ اتنے اہم موقع پر نانا جانی نہیں ہیں۔ آپ لوگ اُن کا انتظار کر لیتے۔ میری شادی اتنی جلدی میں کیوں کر رہے ہیں......؟''

سلمٰی بیگم اب ہنس پڑیں۔

''اے ہے......! اب بھی جلدی......؟ اس سے چھوٹی انعم کی بچی اب اسکول جانے لگی ہے۔''

انا بی سلمیٰ کو تلاش کرتی کرتی باہر آ چکی تھیں اور دونوں کے پیچھے کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھیں۔ بڑی برجستہ بولی تھیں۔

''اللہ اللہ کر کے تو یہ لڑکی شادی کے لئے رضامند ہوئی ہے۔ ابھی یہ پڑھنا ہے، ابھی وہ پڑھنا ہے۔ عورت ذات کتنا پڑھ لے، مردوں کی طرح کام کر لے، مگر ہے تو عورت ہی ناں......! کیوں بی بی......؟''

انا بی نے بولتے بولتے مسز سارہ سے اصلاح چاہی۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں انا بی......!''

مسز سارہ نے بھرپور تائید کی اور انا بی جیسے پھولی نہ سمائیں کہ انہوں نے سمدھن کے سامنے کتنی پتے کی بات کہہ ڈالی ہے۔ مسز سارہ اور اختر بھائی، مسز اختر کار میں بیٹھ گئے۔ سلمیٰ بیگم نے جھک کر اُنھیں خاص طور پر خدا حافظ کہا اور شومز ڈرون کار آگے بڑھ گئی۔ کار نظروں سے اوجھل ہوئی اور سلمیٰ بیگم کے چہرے پر فکرمندی جھلکنے لگی۔ دُور تک نظریں دوڑا کر وہ واپس اندر جانے کے لیے مڑیں۔ انا بی نے اُن کی تقلید کی۔

''انا بی......! شام ہو گئی ہے، انعم ابھی تک نہیں پہنچی۔ مغرب کے بعد رسم شروع ہونا ہے۔''

وہ کہہ رہی تھیں، لہجہ انجانے اندیشوں سے لبریز تھا۔

''فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں سلمیٰ......! یہ لڑکی سدا کی سرپھری اور لاپرواہ ہے۔ آتی ہی ہوگی۔''

''میں نے اُسے کہا تھا کہ لنچ ہمارے ساتھ کرنا۔ مریم کے سسرال والے مہر وغیرہ پر بات کرنے آئیں گے اور یہ بھی کہا تھا کہ ناصر کو ضرور ساتھ لانا۔ موبائل بھی آف کیا ہوا ہے، گھر کا فون کوئی اُٹھا نہیں رہا، کہیں پھر ناصر سے جھگڑا کر کے نہ بیٹھی ہو۔''

سلمیٰ بیگم کی تشویش اپنی جگہ قائم تھی۔

''ارے......! ان کے جھگڑوں کی بھلی کہی۔ یہ تو روز کی بات ہے۔ لڑ جھگڑ کر خود ہی ٹھیک ہو جاتی ہے۔ تمھیں خواہ مخواہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

وہ برآمدے کے اسٹیپ چڑھ کر لاؤنج میں داخل ہونے ہی والی تھیں کہ پشت پر ہارن کی آواز سنائی دی۔ سلمیٰ بیگم نے غیر ارادی طور پر پلٹ کر گیٹ کی طرف دیکھا۔ چہرے پر ایک دم خوشی کی چمک پیدا ہوئی۔

''شکر خدا کا......! انعم آ گئی انا بی......!''

انا بی نے بھی پلٹ کر دیکھا۔

''ہاں......! آ تو گئی ہے، مگر اکیلی ہے۔ نہ ناصر ہے نہ بیبہ (بیٹی) ہے۔''

☆......☆......☆

دونوں اپنی جگہ رُک کر قدرے فکرمندی سے انعم کے کار سے اُترنے کا انتظار کرنے لگتی ہیں۔ انعم کار سے اُتر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر ایک درمیانے سائز کا ٹرالی سوٹ کیس کھینچ کر باہر نکالتی ہے۔ دھڑ سے دروازہ بند کرتی ہے۔ پھر اگلا دروازہ کھول کر Ignition سے چابی نکالتی ہے اور دروازہ بند کر کے لاک لگاتی ہے۔ ابھی تک اُس کی توجہ سلمیٰ بیگم اور انا بی کی طرف نہیں گئی۔ اُس کے چہرے پر ناراضگی اور تناؤ کی لکیریں کھنچی ہیں۔ وہ جیسے کسی تلخ سوچ کے حصار میں ہے۔ دروازہ بند کر کے پلٹ کر چوکیدار کی طرف دیکھتی ہے اور اُسے مخاطب کرتی ہے۔

''دریا خان......!''

اُس کی آواز میں تحکم واضح ہوتا ہے۔دریا خان دوڑتا ہوا آتا ہےاور مؤدبانہ انداز میں سر جھکا کر کہتا ہے۔

''جی بی بی......!''

''یہ گاڑی کی چابی رکھو۔اگر گاڑی باہر کھڑی کرنا ہوتو ڈرائیور کو دے دینا۔''

یہ کہہ کر تراتی کو دھکیلتی آگے بڑھتی ہے۔اب اُس کی نظریں سلمیٰ بیگم اور انا بی کی طرف اُٹھتی ہیں۔زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتی ہے۔

''السلام علیکم......!کیا میرے استقبال کے لئے کھڑی ہوئی ہیں آپ دونوں......؟''

اُس نے اپنے مخصوص لااُبالی پن سے سوال کیا تھا۔

''ظاہری بات ہے۔تمہاری سگی بہن کی شادی ہورہی ہےاور تم اب آرہی ہو،دُور کے مہمانوں کی طرح......؟''

سلمیٰ بیگم نے خفگی سے کہا۔

''امی......!بندے کے ساتھ دس مسئلے ہوجاتے ہیں۔آتو گئی ہوں،غیر حاضری تو نہیں لگائی ناں......!''

انعم اپنے مخصوص منہ پھٹ انداز میں کہہ کر آگے کی طرف بڑھی۔

''ناصر میاں اور بیبہ کہاں ہیں......؟''

انا بی نے تشویش بھری نظروں سے سلمیٰ کی طرف دیکھا اور سوال انعم سے کیا۔

''بیبہ جلدی سو جاتی ہے انا بی......!اُس نے آکر بس مجھے پریشان ہی کرنا تھا۔ناصر کی کوئی اہم میٹنگ چل رہی تھی،فارغ ہوجائیں گے تو آجائیں گے۔''

انعم نے جواب دینے کے لئے اُن کی طرف رُخ نہیں موڑا تھا،اسی طرح پشت کیے ہوئے تھی۔سلمیٰ بیگم اور انا بی نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھا۔سلمیٰ بیگم نے فوراً نظر چرا کر انعم سے کہا۔

''اچھا چلو ٹھیک ہے......!تم جلدی سے تیار ہوجاؤ۔اچھے خاصے مہمان آچکے ہیں۔تمہارے نانا کا بھی فون آنے والا ہے،تم بھی بات کرلینا۔بہت پوچھتے ہیں تمہیں۔کہتے ہیں،انعم کو تو نانا سے بات کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔''

''اوکے......!''

انعم بغیر رُکے بولی اور گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہوگئی۔

☆......☆......☆

مریم کی رسمِ اُبٹن شروع ہونے والی ہے۔اُس کی کزنز،دوست خوب صورت ملبوسات اور جیولری سے آراستہ و پیراستہ اُسے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔مریم بھی زرد رنگ کے چمکتے دَمکتے کپڑوں میں سر جھکائے بیٹھی ہے۔دُلہن کی خاص کرسی تازہ پھولوں سے سجائی گئی ہے۔بہت خواب ناک سا ماحول ہے۔سہیلیوں کی چھیڑ چھاڑ سے جو رنگ مریم کے چہرے پر اُتر رہے ہیں،ان رنگوں کے نام ہی تخلیق نہیں ہوئے۔انا بی ایک صوفے پر بیٹھی گھر کی فرد سے زیادہ مہمانِ خصوصی دکھائی دے رہی ہیں۔مکلف چکن کا سوٹ جس کے دوپٹے پر باریک گوٹے کی کناری لگی ہوئی ہے،اپنا زرق برق پان کا بٹوا کھولے گلوری نکال

رہی ہیں۔ ہر دس پندرہ منٹ بعد ایک گلوری اُن کے منہ میں چلی جاتی ہے۔ فیاض احمد اکثر اُن سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے کہتے تھے۔

''انا بی......! سلمٰی کا نان نفقہ کچھ خاص نہیں ہے، مگر آپ کے پانوں کا میں سالانہ ٹیکس Pay کرتا ہوں۔''

جس پر وہ بُرا منا کر کہتی تھیں۔

''سلمٰی......! تمہارے دُلہا ہر وقت میرے پانوں کو نظر لگاتے رہتے ہیں۔''

رسم ادا کرنے کے لئے تمام لوازمات تیار ہیں۔ دس بارہ لڑکیاں ڈھولکی پر مایوں کے گیت گا رہی ہیں۔ جس گھر میں ایسے مناظر چل رہے ہوں وہاں بیٹھنے والا اس وقت ساری کلفتوں کو بھول کر ہنستے گاتے ماحول کا حصہ بن جاتا ہے۔ مگر اِسی گھر کا ایک اہم فرد اس گھر کی بیٹی انعم، اسے ان خوشیوں بھرے لمحات سے کون دُور کئے جا رہا تھا......؟

☆......☆......☆

''شور دور نہیں ہے۔ بتایا تو تھا آج مریم کی مایوں ہے۔ گانا بجانا ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے، شور تو ہوگا۔''

انعم بولتے بولتے اِدھر اُدھر دیکھ کر دبی آواز میں کہتی ہے۔

''اچھا سنو! ایک خوش خبری ہے تمہارے لیے، میں اس ڈفر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر آ گئی ہوں۔ بس قصہ ختم ہی سمجھو۔''

انعم رُک کر سانس لیتی ہے۔ دوسری طرف کی بات سنتی ہے ساتھ ہی بُرے بُرے منہ بناتی رہتی ہے۔

''یار......! وہ شخص میرے لئے فل ٹائم مینٹل ٹارچر ہے۔ ہماری کیمسٹری میچ ہی نہیں ہے۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ چل ہی نہیں سکتے۔''

اپنی بات کہہ کر دوسری طرف کی بات سننے لگتی ہے۔ پھر جیسے تیزی سے بات کاٹ دیتی ہے۔

''دیکھو سلمان......! میں شادی کو ایک کنٹریکٹ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی اور پھر دوسری شادی کرنا کوئی جرم تو نہیں۔ میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ I love you......''

اُسی وقت سلمٰی بیگم کی آواز آتی ہے۔

''ارے بھئی انعم......! تم کہاں ہو......؟ اس وقت بھی تمہارے کان سے موبائل لگا ہوا ہے......؟ رسم شروع کرنا ہے۔ جلدی آؤ......!''

انعم اسی طرح دبی آواز میں چوروں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے سلمان سے کہتی ہے۔

''سلمان......! امی بلا رہی ہیں۔ لیٹ نائٹ باتیں کریں گے۔''

یہ کہہ کر سیل آف کرتی ہے۔ چہرے پر عجیب سی سرمستی کی چمک ہے۔ ہونٹوں میں دبی ہوئی مسکراہٹ جو پنجرے میں قید پرندے کی طرح آزادی واُڑان چاہ رہی ہو۔

ہنستے مسکراتے چہروں کے بیچ پہنچ کر اُسے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں تو ایک اور پروگرام چل رہا ہے یعنی اُس کے نانا بشر علی ہزاروں میل دُور ہو کر بھی محفل میں شریک ہیں۔ اس کے لئے یہ کوئی چونکا دینے والی بات نہیں تھی۔ اُس کی بہن مریم اور نانا بشر علی کی دوستی مثالی تھی۔ بشر علی نے گویا مریم کی تربیت کی تھی۔ مریم چھوٹی تھی، تب سلمٰی بیگم اپنی سوشل ایکٹو ٹیز میں بہت مصروف

ہوا کرتی تھیں اور اُس وقت بشر علی نے اپنی تنہائی کی ساتھی نواسی کو سب سے قریب ترین دوست کا مقام دے دیا تھا۔ دن کے تقریباً دس گھنٹے وہ نانا کے پاس ہی گزارتی تھی۔ اِسی وجہ سے اُس کی شخصیت پر اُس کے نانا بشر علی کی بہت واضح اور گہری چھاپ تھی۔ اس وقت مریم سب کچھ بھول بھال کر نانا سے بہت جوش وخروش سے بات کرنے میں مگن تھی۔ وہ بھول بیٹھی تھی کہ اُس کے نام پر چہار سو خوش گوار ہنگامہ برپا ہے۔ رنگ ونور کا سیلاب اُمڈ رہا ہے۔

''مجھے نہیں پتا......! بھلا یہ کہاں کی دوستی ہوئی......؟ میری زندگی کا اہم ترین موڑ اور آپ مجھے خدا حافظ کہنے کے لیے موجود نہیں......؟''

بولتے بولتے مریم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''مریم......! ماشاء اللہ اتنی سمجھ دار ہو کر کیسی باتیں کر رہی ہو......؟ پاپا دل کے مریض ہیں بیٹا......! تمہاری آنسو بھری آواز سنیں گے تو اُن کی طبیعت خراب ہو سکتی ہے۔''

سلمیٰ تیزی سے اُس کے قریب آئیں اور اُس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بہلانے، سمجھانے لگیں۔

''میری باری پر ہی نانا جان کے دل نے دھوکہ دینا تھا......؟''

مریم بچوں کی طرح بسورتے ہوئے اپنی آنکھیں پونچھنے لگی۔ تمام حاضر مہمان بے اختیار مسکرانے لگے۔

''میں بھی یہی سمجھ رہا تھا گڑیا......! کہ دل کا کام دھوکہ کھانا ہے۔ پتا چلا یہ ظالم تو دھوکہ بھی دیتا ہے۔''

ایئر پیس سے بشر علی کی آواز اُبھری۔

''میں تو سمجھ رہی تھی آپ رُک ہی نہیں سکتے۔ اس دل کو قابو میں کر ہی لیں گے۔''

مریم اب بشر علی کا دل رکھنے کی خاطر مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

''میرا بس چلے تو پَر لگا کر اُڑوں اور تمہارے پاس پہنچ جاؤں۔ یہ وقتی مجبوری ہے بیٹا......! انشاء اللہ ہم جلد ملیں گے۔ سلمیٰ بتا رہی تھی، تمہارا دُلہا بہت پیارا ہے۔ میں بہت خوش ہوں اور میں عدیل سے کہوں گا، میری بیٹی کا خیال رکھے جیسے بلور کے برتن کا خیال رکھا جاتا ہے، اور پھر میں تم سے کہاں دُور ہوں......؟ یہاں بیٹھا تمام تقریب کی کارروائی دیکھ رہا ہوں۔ تم زرد کپڑوں میں پھولوں کا زیور پہنے کتنی پیاری لگ رہی ہو۔ آج میں کتنا خوش ہوں، اتنا خوش تو میں تمہاری ماں کی شادی پر بھی نہیں تھا۔''

''توبہ......! پاپا کی تو جیسے جان اٹکی ہے مریم میں۔''

سلمیٰ بیگم سرخوشی کی کیفیت میں قریب کھڑی اپنی دوست کو ہنس کر بتا رہی تھیں۔

''بھئی......! لڑکیاں بہت اچھا گا نا گا رہی ہیں۔ ان سے کہو ذرا زور سے گائیں۔ ناچ نہیں سکتا تو جھوم ہی لوں۔''

بشر علی مریم کو بالکل چھوٹی بچی کی طرح بہلا رہے تھے۔ اسپیکر آن تھا۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر بشر علی کا چہرہ بہت نمایاں تھا اور اُن کی دلی خوشی کے تاثرات بھی۔ مریم ان کی باتوں سے واقعی بہل گئی تھی۔ قہقہوں کی آوازوں کے بیچ ڈھولکی کی تھاپ پر لڑکیوں کے گیت کی آواز، ہر چہرہ خوشی کا عکس لیے ہوئے تھا۔ صرف انعم کے چہرے سے لگتا تھا کہ وہ ذہنی طور پر غائب ہے، بظاہر محفل میں موجود ہے۔

☆......☆......☆

مریم کی آنکھوں سے نیند کوسوں دُور تھی۔ایک خیال جا رہا تھا ایک آ رہا تھا۔اس خیال سے ہی دل کو کچھ ہونے لگتا تھا کہ آج کی رات اس گھر میں دوشیزگی کی آخری رات ہے۔کل رات تک وہ اُس گھر میں پہنچ چکی ہوگی جسے عورت کا اپنا گھر کہا جاتا ہے۔سارے منظر، سارے دور اُس کے سامنے فلم کی صورت چل رہے تھے جو اس گھر میں وہ گزار چکی تھی۔کمرے میں مکمل تاریکی تھی۔وہ پٹ آنکھیں کھولے صوفہ کم بیڈ پر بالکل چت لیٹی تھی۔سینے پر دونوں ہاتھ یوں دھرے ہوئے تھے جیسے نماز کے لئے نیت باندھی ہوئی ہو۔اُس کے بیڈ پر انعم گہری نیند سو رہی تھی۔انعم کا شادی سے پہلے والا کمرہ شادی میں شرکت کرنے والی کزنز کی قیام گاہ بنا ہوا تھا۔اس لئے انعم نے سکون کی نیند سونے کے لئے مریم کے کمرے کا انتخاب کیا تھا۔سونے کی تو وہ سدا سے شوقین تھی،اپنے آرام اور اپنی نیند کی قربانی دینا اُسے کسی قیمت پر گوارا نہیں تھا۔مریم کی نظر انعم پر جا کر ٹھہر گئی۔

’’بہت ہی لاپرواہ اور غیر ذمہ دار ہے یہ انعم۔بچی کو گھر پر چھوڑ کر کیا مزے سے سو رہی ہے۔ناصر پر آرام سے سب کچھ چھوڑ کر بیٹھ جاتی ہے۔پتا ہے ناں وہ کتنا ذمہ دار ہے۔بہت گڈلک ہے انعم کی کہ ناصر جیسا ذمہ دار، چاہنے والا شوہر ملا ہے،ورنہ پتا نہیں اس کا کیا بنتا......؟‘‘

وہ زیرلب مسکرائی۔بہن کی خوش قسمتی پر دل قدرتی طور پر خوشی اور اطمینان کے احساسات سے بھر گیا تھا۔اُسی وقت انعم کے موبائل پر رِنگ ہوئی۔Volume بہت Low تھا۔سو رہی ہوتی تو شاید پتا بھی نہ چلتا جاگ رہی تھی تو چونک پڑی۔ اندھیرے میں وال کلاک کے نمبر چمک رہے تھے۔صبح کے چار بجنے والے تھے۔رِنگ مسلسل ہو رہی تھی۔اُس نے سوچا شاید ناصر کی آنکھ کھل گئی ہوگی تو بیوی کو فون کیا ہوگا۔کہیں بے بی نہ تنگ کر رہی ہو۔اس سے پہلے کہ وہ حرکت کرتی،انعم نے اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر اپنا موبائل اُٹھا لیا تھا اور نیند بھری آنکھوں سے نمبر دیکھ کر کان سے لگا لیا تھا۔کچھ بولنے کی بجائے اُس نے ’’ہوں‘‘ کہا اور ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گئی اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھا، پھر مریم اُسے دکھائی دے گئی۔

’’بند کرو......!میں پانچ منٹ بعد خود ملاتی ہوں۔‘‘

اُس نے سرگوشی میں کہا اور لائن کاٹ دی۔پھر فوراً ہی بیڈ سے اُتر گئی۔مریم نے کچھ غیر معمولی پن ماحول میں محسوس کر لیا تھا۔وہ حیران پریشان تھی۔اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔بس یہ محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی خاص بات ہے اور فون ناصر کا نہیں ہے۔ انعم نے سیدھی کھڑی ہو کر غور سے مریم کی طرف دیکھا جو پہلے ہی سوتی بن گئی تھی۔بمشکل تیز تیز دھڑکتے دل کو سنبھال رہی تھی۔ انعم چوروں کی طرح دبے قدموں سے باہر چلی گئی تھی۔دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز نے اس پر صورتِ حال واضح کر دی تھی کہ انعم اب کمرے میں نہیں ہے۔وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

’’شاید یہ پھر ناصر سے جھگڑا کر کے آئی ہے۔اُس بے چارے نے اسے منانے کے لئے فون کیا ہوگا۔یہی وجہ ہوگی جو ناصر آج آیا بھی نہیں۔سب ہی امی سے پوچھ رہے تھے۔بہت تنگ کرتی ہے اُسے۔بہت صبر اور برداشت ہے ناصر میں۔‘‘

معاً وہ اپنے اگلے خیال سے خود ہی چونک پڑی۔

’’لیکن اس کا انداز تو کچھ اور تھا۔وہ تو خود ملانے کی بات کر کے باہر گئی ہے۔کوئی مسئلہ ہے اس کے ساتھ۔کل تو عجیب افراتفری ہوگی۔مجھے اس سے پتا کرنا چاہئے کہ مسئلہ کیا ہے......؟کہیں کوئی سیریس قسم کا جھگڑا کر کے تو نہیں آ گئی......؟بچی کو بھی ساتھ نہیں لائی۔‘‘

مریم نے فکرمندی سے سوچتے ہوئے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ پھر آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ بے شمار قمقمے جیسے سرخوشی سے مسکرا رہے تھے۔ روشنیاں اپنی بند آنکھیں کھول رہی تھیں۔ دُور تک خاموشی تھی۔ انعم اُسے باہر نظر نہیں آئی۔ وہ بے نام تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر باہر آ گئی۔ انعم کی پُراسرار ادا نے اُسے چونکا سا دیا تھا۔ تب اُسے ناصر کی غیر موجودگی کا بھی واضح طور پر احساس ہوا تھا۔ وہ ننگے پاؤں تھی۔ اس کی چال میں چاپ نہیں تھی۔ وہ کوریڈور پار کر کے بیرونی حصے کی طرف آئی جہاں سے گھر کا داخلی گیٹ اور دو طرفہ لان دکھائی دیتا ہے۔ معاً اُسے بہت زور سے جھٹکا لگا تھا، جیسے اُس نے انجانے میں بجلی کے ننگے تاروں کو چھو لیا ہو۔ اُس کے دائیں طرف ستون کی اوٹ سے انعم کی آواز اُبھر رہی تھی۔

''سلمان......! میری جان......! یوں سمجھو آج میں وہ Chapter ہی Close کر کے آ گئی ہوں، بس ختم......Finish!......!''

یہ کہہ کر انعم نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ زمین مریم کے نیچے سے یوں ہلی جیسے وہ پانی پر تیرتے تختے پر کھڑی ہو۔

☆......☆......☆

انعم اپنی سرمستی میں پلٹ کر اندر جانے کے لئے قدم بڑھاتی ہے تو مریم کو سامنے پا کر ایک لمحے کے لئے سٹپٹا سی جاتی ہے۔ مریم دم بخود سکتے کی کیفیت میں کھڑی انعم کی طرف دیکھ رہی ہے۔ انعم بمشکل سنبھل کر بے نیازی سے مریم کے قریب سے گزرنے لگتی ہے تو جیسے مریم ایک دم حواسوں میں آ جاتی ہے۔

''یہ سلمان کون ہے......؟ کیوں دھوکہ دے رہی ہو ناصر کو......؟''

اس کی سپاٹ و سرد آواز رات کے سناٹے میں جیسے بگل بن کر گونجتی ہے۔ انعم ایک دم بوکھلا سی جاتی ہے، جیسے مریم کی طرف سے کوئی دھماکہ ہوا تھا۔ مگر فوراً ہی خود کو کنٹرول کر لیتی ہے اور ڈھٹائی سے مسکراتی ہے اور بڑی بے باک طنزیہ نظروں سے مریم کی طرف دیکھتی ہے۔

''Mind your own buisness (اپنے کام سے کام رکھو)''

اتنا کہہ کر جیسے پاؤں پٹختی اندر چلی جاتی ہے۔ مریم اپنی جگہ اسی طرح دم بخود صدمے سے نڈھال کھڑی ہے۔

''یہ انعم کس راستے پر چل نکلی ہے......؟ ایک بچی کی ماں ہے، کوئی ناسمجھ دوشیزہ تو نہیں''

وہ ایک سمت گھورتے ہوئے صدمے سے نڈھال سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہاج آفس جانے کے لئے تیار ہو رہا ہے۔ آئینے کے سامنے ٹائی کی ناٹ بنا رہا ہے اور مسکراتی نظروں سے علینہ کی طرف بھی دیکھ رہا ہے جو اُس کا کوٹ ہینگر سے اُتار رہی ہے۔ وہ کوٹ لے کر وہاج کی طرف بڑھتی ہے اور مسکرا کر بڑی ادا سے کہتی ہے۔

''وہاج......! اس وقت کچھ کیش ہے تمہارے پاس......؟ بینک جاؤں گی تو کافی ٹائم لگ جائے گا''

وہاج ہیئر برش سر میں چلاتے ہوئے پوچھتا ہے۔

''کتنا کیش چاہئے......؟ مشکل سے بیس ہزار ہوں گے، اس وقت میرے پاس''

علینہ سوچ میں پڑ جاتی ہے۔ پھر بُرا سا منہ بنا کر کہتی ہے۔

''جانو......! ان سے تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ بڑی مشکل ہوگئی یہ تو۔''

''چار پانچ سوڈالرز بھی ہوں گے میرے والٹ میں، دیکھو......!''

وہاج برش رکھ کر مڑ کر اُس کی طرف دیکھتا ہے۔ علینہ کی آنکھوں میں چمک سی آجاتی ہے۔ لپک کر وہاج کا والٹ اُٹھا کر دیکھتی ہے۔ پھر وہاج سے کہتی ہے۔

''جانو......! اس میں تو صرف تین سوڈالرز ہیں۔ ان سے بھی کام نہیں بنے گا۔''

''کرنا کیا ہے......؟ کچھ پتا تو چلے۔''

وہاج اُس کی طرف بڑھتا ہے۔ علینہ ڈالرز نکال کر والٹ اور کوٹ لے کر وہاج کی طرف بڑھتی ہے اور کوٹ پہنانے لگتی ہے۔ وہاج والٹ اُس کے ہاتھ سے لے کر کوٹ کی جیب میں رکھتا ہے۔ علینہ مسکرا کر بڑے پیار سے دیکھتی ہے اور کوٹ برش اُٹھا کر کوٹ پر چلانے لگتی ہے۔

''بہت شاندار لگ رہے ہو۔''

وہاج برش اُس کے ہاتھ سے لے کر پیار سے اُس کے سر پر مارتا ہے۔

''جس بندے کی جیب میں بیس ہزار پاکستانی کرنسی اور تین سوڈالرز ہوں، وہ واقعی بہت شاندار نظر آتا ہے۔''

''لیکن یہ تو اب میرے پاس ہیں۔''

علینہ نے شرارت سے نوٹ اور ڈالرز سینے سے لگا کر کہا۔

''سب کچھ تمہارا ہے میری جان......! کماتے کس کے لئے ہیں......؟''

وہ علینہ کے چہرے پر جھک کر شوخی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ علینہ اُس کے بازو سے سر ٹکا کر مسکرانے لگتی ہے۔

☆......☆......☆

عدیل تکیہ دبوچے گہری نیند سو رہا ہے۔ اُس کے موبائل پر رِنگ ہوتی ہے۔ اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر اپنا سیل فون اُٹھاتا ہے اور مندی آنکھوں سے نمبر دیکھتا ہے اور سیدھا ہو کر مسکرانے لگتا ہے۔ کال رسیو کر کے کہتا ہے۔

''علینہ یار......! آج تو سونے دو۔ بھول گئیں آج میری شادی ہو رہی ہے۔''

''ہماری بیڈلک ہے کہ ہماری شادی کا دن Same نہیں ہوا۔''

''اچھا شرارت چھوڑو، سونے دو مجھے۔ آج رات بھر جاگنا ہے۔ کچھ تو خیال کرو۔''

یہ کہہ کر کروٹ لیتا ہے۔

''بھئی......! تمہاری دوستی مجھے بے حد عزیز ہے عدیل......! مریم کے ہو کر مجھے Ignore مت کر دینا۔''

علینہ اب سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

''مریم، مریم ہے...... اور تم، تم ہو۔ وہ بیوی ہوگی، تم دوست ہو۔ Ignore کیسے کر سکتا ہوں......؟ یار......! میری بیوی کے سامنے زیادہ بے تکلفی مت دکھانا، کہیں نئی نویلی دُلہن شک نہ کرنے لگے۔''

''ہائے......! ابھی سے کیسی فکریں لگ گئیں......؟ ابھی سے شوہریت طاری ہوگئی......؟''

یہ کہہ کر علینہ ایک قہقہہ لگاتی ہے اور فون بند کر دیتی ہے۔ عدیل نئے سرے سے سونے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ہے۔

☆......☆......☆

مریم کی بیسٹ فرینڈ اور ماموں زاد سبین تو ایک ہفتے سے مریم کا سایہ بنی ہوئی تھی۔ کسی رات چلی جاتی تھی، کسی رات رُک جاتی تھی۔ سبین اور مریم کا بچپن کا ساتھ تھا۔ سبین کراچی یونیورسٹی سے ایم ایس کر رہی تھی۔ مریم کی شادی چٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق تھی۔ رشتہ آیا اور او کے ہوگیا۔ ساتھ ہی شادی کی تاریخ بھی طے ہوگئی۔ اس لئے سبین اور عدیل کا آمنا سامنا نہیں ہوسکا اور وہ مریم کے دُلہا کو تنگ کرنے کی حسرت بھی پوری نہ کرسکی۔ مریم دُلہن کے روپ میں اُس کے سامنے آئی تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور خود کو یقین دلانا پڑا کہ آج مریم پرائی ہوگئی۔ پھولوں کا زیور پہناتے ہوئے اُس نے مریم کے گال پر پیار کیا اور مسکرا کر غور سے دیکھا۔

''آج تو عدیل کی خیر نہیں......!''

''پندرہ سال یو کے میں گوری میموں کے ساتھ اٹکھیلیاں کر کے آیا ہے۔ اس کی خیر ہی خیر ہے۔''

مریم نے بھی شرارتاً جواب میں کہا۔

''ہائے......! کیوں الزام لگا رہی ہو اُس کی پارسائی پر......؟ تم سے شادی کرنے کے لئے سمندر پار سے آیا ہے۔ کتنا Strong ہے، کسی گوری کے دام میں نہیں آیا، اور کتنا معصوم ہے۔ جہاں اماں نے کہا، وہاں شادی کے لئے تیار ہوگیا۔''

اپنی بات کے اختتام پر سبین نے بھرپور قہقہہ لگایا۔

''لگتا تو ایسا ہی ہے۔ جس دن یہ لوگ ہمارے گھر آئے تھے، امی نے کہا، ڈرائنگ روم میں آکر سارہ آنٹی کو سلام کر لینا۔ میں گئی، سلام کیا، آنٹی نے پیار کیا۔ عدیل نے پتا نہیں مجھے کتنا دیکھا......؟ میں نے تو بس ایک نظر دیکھا تھا۔''

مریم بھاری دوپٹہ سنبھالتی ہوئی دھیرے سے ہنس رہی تھی۔

''ایک نظر دیکھا اور دل ہار دیا۔''

سبین نے چھیڑا۔

''دل وِل ہارنے والی لڑکی نہیں ہوں میں۔ بہت پریکٹیکل ہوں، میرے نانا جی کہتے ہیں......''

بولتے بولتے مریم ایک دم چُپ ہوگئی۔ سوچتی نظروں سے سبین کی طرف دیکھا۔

''ابھی تک نانا جی کا فون نہیں آیا......؟''

''تم تو چھ گھنٹے سے پارلر میں تھیں۔ سلمیٰ پھپھو کے پاس آیا ہوگا تو انہوں نے بتا دیا ہوگا کہ تم پارلر میں ہو۔''

سبین اُس کی اداسی کو سمجھ سکتی تھی۔

''زندگی کے اس اہم موڑ پر نانا جی نے کیسے دھوکہ دیا ہے مجھے......؟ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔''

مریم کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

''کیسی بچوں والی باتیں کر رہی ہو......؟ اللہ کا شکر ادا کرو کہ دادا جی کا سایہ ہمارے سر پر سلامت ہے۔ ورنہ کتنا شدید اٹیک ہوا تھا۔''

''شکر ہے میرے نانا جی زندہ سلامت ہیں۔ میں اُن سے روز بات کرتی ہوں، اُن کی آواز سنتی ہوں۔''

مریم نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بھیگی بھیگی آواز میں جیسے خود کو سمجھایا۔

''میں تو خدا سے دُعا کرتی ہوں کہ دادا جی کو کبھی کچھ نہ ہو۔ مجھے تو تمہاری اس محبت سے خوف آتا ہے جو تمہیں دادا جی سے ہے۔''

سبین نے اس کی بندیا ٹھیک کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''محبتوں میں شدت پسندی بہت نقصان دہ ہوتی ہے مریم......!''

سبین نے اُس کی نظر سے بلائیں لیتے ہوئے کہا۔

''شدت کا نام تو محبت ہے، اندھا دھند، بے ساختہ، بے اختیار جذبہ، اِسی کا نام محبت ہے۔''

''عدیل کو بھی یہی شدتیں دوگی......؟''

سبین نے چھیڑا۔

''دیکھتے ہیں، وہ کیا کچھ Deserve کرتا ہے۔''

مریم اب شرارت سے مسکرائی۔

''اچھا......! اس بے چارے کے ساتھ مول تول کروگی......؟''

سبین نے اُس کے رُخسار پر ہلکی سی پیار بھری چپت لگائی۔ اپنی سہیلی کے روپ پر آج تو جیسے وہ فدا ہوئی جاتی تھی۔ مریم پر روپ بھی ٹوٹ کر آیا تھا۔

☆......☆......☆

سبین نے اُس کا ذہن اِدھر اُدھر لگایا ہوا تھا۔ پھر پارلر کی بھاگ دوڑ۔ اب سبین خود تیار ہونے گئی اور وہ کمرے میں اکیلی ہوئی تو اس کا ذہن فوراً انعم کی طرف گیا۔ وہ اُسے صبح سے نظر نہیں آئی تھی۔ ایک خیال آیا اور اُس کا دل جیسے ڈوب گیا۔ کل رات پچھلے پہر کا منظر آنکھوں کے سامنے گھوم گیا اور دل جیسے بیٹھ گیا۔

''انعم کبھی بھی ایسی نہیں تھی۔ شادی سے پہلے اُس کی بہت دوستیاں تھیں۔ اُس کے کلاس فیلوز اور جم کے دوست۔ مگر اُس کا کبھی کوئی لوافیئر سامنے نہیں آیا۔ اگر وہ لو میرج کرنا چاہتی تو اُس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ اب شادی شدہ اور ایک بچی کی ماں ہو کر وہ لوافیئر چلا رہی ہے......؟ ناصر جیسے نفیس، مہذب اور انتہائی نیک فطرت بندے کو دھوکہ دے رہی ہے......؟''

یہ خیال آتے ہی اُس کے سر میں جیسے دھماکے ہونے لگے۔ انعم فطری طور پر جذباتی اور آزاد منش تھی۔ آسائش سے بھری زندگی نے اُسے خاصا لاپرواہ بھی بنا دیا تھا جس کی وجہ سے ناصر جیسا فرض شناس اور ذمہ دار بندہ اکثر اُس کی لاپرواہیوں پر ردِ عمل کا اظہار کرتا تھا اور انعم اُسے غلط ثابت کرنے کے لئے ہنگامہ کر دیتی تھی۔ میکے آ کر بیٹھ جاتی تھی۔ ہفتہ ہفتہ ناصر سے بات نہیں کرتی تھی۔ اپنی عزت اور گھر کی خاطر ناصر اُسے خود ہی منا کر لے جاتا تھا۔ ناصر کے اس طرح ناز برداریاں کرنے سے انعم

کی خودسری بڑھتی چلی گئی۔

ناصر کی فیملی بہت مختصر تھی۔اس کی بڑی بہن شہلا کینیڈا میں مقیم تھی اور چار بچوں کی ماں تھی۔ ماں باپ دُنیا میں نہیں تھے۔ تایا چچا عرصہ سے دُور دراز ملکوں میں رہتے بستے تھے۔ایک سگی خالہ جو کافی عمر رسیدہ تھیں، سرحد کے کسی گاؤں میں رہائش پذیر تھیں۔اُن کے شوہر کی زمینداری تھی۔اُن سے بھی سالوں میں ملاقات ہوتی تھی۔ لے دے کر ناصر کا سب کچھ اُس کا سسرال تھا۔اِسی وجہ سے وہ انعم کے ساتھ بہت کمپرومائز کرتا تھا۔اِسی نرم طبیعت اور صلح جو فطرت نے انعم جیسے کریلے کو نیم پر چڑھا دیا تھا۔

''انعم کو ناصر کے ساتھ اتنی زیادتی نہیں کرنی چاہیۓ۔ میں امی سے ضرور بات کروں گی کہ اُس کو کنٹرول کریں۔خوشیوں بھرے اس گھر میں فی الحال ایسی بات چھیڑی نہیں جاسکتی۔امی تو دُکھ سے پاگل ہو جائیں گی۔ناصر تو انہیں اولاد کی طرح عزیز ہے۔''

عین اُسی لمحے انعم اپنے مخصوص انداز میں دھڑ سے دروازہ کھول کر اندر آتی ہے۔مریم کو اکیلا پا کر ایک دم جز بزسی ہو کر کہتی ہے۔

''اکیلی بیٹھی ہو۔سبین کہاں ہے......؟''

انعم، مریم سے صرف تیرہ مہینے چھوٹی تھی۔انعم اور مریم کو پہلی نظر میں جڑواں ہی سمجھا جاتا تھا۔انعم نے جب بولنا سیکھا تو مریم کا نام لینے لگی۔انابی ہزار پٹیاں پڑھاتی تھیں۔

''مریم تمہاری بڑی بہن ہے، بڑی بہن کو آپا یا آپی کہتے ہیں۔''

تب انعم جھٹ مریم کے برابر جا کھڑی ہوتی اور کہتی۔

''یہ دیکھئے انابی......! میں بالکل مریم کے برابر ہوں۔اتنی سی بھی بڑی نہیں ہے مریم۔''

سب ہنس پڑتے۔فیاض احمد شروع سے کہتے تھے۔

''انعم Over-confident ہے سلمٰی......! اس کی دیکھ بھال بہت توجہ سے کرو۔من مانی کرنا اس کی فطرت میں ہے۔''

سلمٰی بیگم کی اپنی سوشل ایکٹوٹیز اتنی تھیں کہ وہ گھر پر زیادہ ٹائم دے ہی نہیں پاتی تھیں۔مریم کے فوراً بعد انعم کی پیدائش ہوئی تو سلمٰی ایک وقت میں جیسے جڑواں پالنے لگیں۔ایسے میں اُن کے شفیق ومہربان باپ نے ایک ماں کی طرح اُن کا ساتھ دیا اور مریم کی تقریباً ساری ذمہ داری انہوں نے خود لے لی۔اس طرح سے دونوں کی تربیت میں بھی بڑا فرق رہا۔

انعم مریم کی خاموشی کو جانے کیا سمجھی کہ مریم شاید خفگی کی وجہ سے اُسے جواب نہیں دے پا رہی یا دینا نہیں چاہتی۔منہ پھلا کر کمرے سے جانے لگی۔

''فی الحال تو میں اکیلی ہوں، مگر تم کیوں اکیلی ہو......؟ ناصر اور بیہ کہاں ہیں......؟''

مریم اپنی خفگی کا اظہار کیۓ بغیر رہ نہ سکی۔انعم نے ایک تیز نظر دُلہن بنی مریم پر دوڑائی۔چند لمحے جیسے اپنے کھولتے لہو پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''فون کر کے پتا کرلو۔ میں نے اُسے یہاں آنے سے نہیں رُوکا۔''
انعم اتنا کہہ کرفوراً کمرے سے نکل گئی، مریم کو پھر ایک زخمی سوچ دے کر۔

☆......☆......☆

بارات ٹھیک نو بجے پہنچ گئی تھی۔ کراچی جیسے شہر میں اپنی نوعیت کا انوکھا واقعہ تھا۔ ان حالات میں کہ جب بارات دو دو بجے پہنچنے کا رواج چل پڑا ہے۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ تھی کہ بارات کل پندرہ بیس افراد پر مشتمل تھی۔ ایک مسز سارہ یعنی عدیل کی ماں کے بھائی کی فیملی اور باقی عدیل اور مسز سارہ کے دوست تھے۔ اُنہوں نے فیاض احمد سے درخواست کی تھی کہ بارات میں چھ سات افراد وہ ہیں جو عدیل کی شادی میں شرکت کرنے کے لئے خصوصی طور پر لندن سے آئے ہیں۔ اس لئے پلیز، وقت کی پابندی کا خیال رکھئے گا۔ فیاض احمد نے یقین دلایا تھا کہ بارات پہنچتے ہی تقریب کا آغاز ہو جائے گا اور نکاح کے بعد فوراً ڈنر شروع ہو جائے گا۔ اُن کی طرف کے مہمان لیٹ پہنچیں گے تو وہ خود اُن کو ہینڈل کرلیں گے۔ اُن کی طرف سے Invitation میں وقت کی پابندی کی خصوصی تاکید بھی کردی گئی تھی اور یوں بارات آنے کے ٹھیک دس منٹ بعد چار پانچ لوگ نکاح کا فارم لیے مریم کے کمرے میں آگئے تھے۔ مریم کے ماموں نے نکاح پڑھانا شروع کیا۔

''بیٹی مریم بنت فیاض احمد......! بعوض پچاس لاکھ مہر معجّل سکہ رائج الوقت آپ کو عدیل احمد بن عقیل احمد کے نکاح میں دیا، کیا آپ نے قبول کیا......؟''

کمرے میں خاموشی طاری ہوگئی تھی۔ مریم کا سر جھکا ہوا تھا۔ اُس نے نکاح کے الفاظ بہت توجہ سے سنے تھے۔ سلمیٰ بیگم مسکراتی نظروں سے مریم کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اعتماد، یقین اور خوشی کا عکس اُن کے چہرے پر واضح تھا۔ مریم نے اُن کی پسند پر سر جھکایا تھا۔ ظاہر ہے، اُس نے ''جی'' کے علاوہ اور کیا کہنا تھا......؟ مریم کی خاموشی پر ایک بے چینی سی پیدا ہوئی تھی۔ فیاض احمد نے اُلجھی نظروں سے سلمیٰ کی طرف دیکھا تھا جو مریم کی خاموشی پر حیران تو تھیں، پریشان نہیں تھیں۔

''بیٹی......! سب آپ کی طرف سے جواب کے منتظر ہیں۔''

اختر ماموں نے بے کراں خاموشی کو آخر کار توڑا۔ مریم نے نظر اُٹھا کر اطراف میں کھڑے افراد پر ایک نظر دوڑائی۔ سلمیٰ بیگم کے ساتھ انعم بھی حیران کن تاثرات کے ساتھ مریم کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ماموں جان......! میں ''قبول ہے'' کہنے سے پہلے یہ نکاح کا فارم دیکھنا چاہوں گی۔''

مریم کی دھیمی آواز نے جیسے دھماکہ کیا تھا۔

''بیٹا......! نکاح کا فارم تو ایک جیسا ہی ہوتا ہے، پرنٹ ہوتا ہے۔''

فیاض احمد نے اپنی پریشانی چھپاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''یہی تو میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ اس میں کیا لکھا ہوتا ہے......؟ یہ ایک عہد نامہ ہوتا ہے۔ نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ میں یہ فارم پڑھے بغیر آنکھیں بند کر کے دستخط نہیں کروں گی۔''

مریم کے اس جملے نے جیسے قیامت برپا کردی تھی۔

''بیٹا......! لڑکی کا نان نفقہ، حق مہر، اصل اہمیت اسی کی ہوتی ہے اور یہ نکاح کے وقت طے کردیا جاتا ہے۔''

اختر ماموں نے ماحول کی خوف ناک سنجیدگی کو خوش گوار و نرم لہجے سے توڑنے کی کوشش کی۔

''بس......! اس کے علاوہ عورت کا کوئی حق نہیں ہوتا......؟ پلیز......! مجھے یہ فارم دکھا دیجئے۔''

مریم کا انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا۔ مسز سارہ کے بھائی جنہیں وہ بھائی میاں کہتی تھیں، انہوں نے بھی صورت حال سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے دوستانہ، مصالحانہ انداز میں کہا۔

''دکھا دیجئے......! یہ آج کے دور کی پڑھی لکھی سمجھ دار بچی ہے۔''

اختر ماموں جیسے دُلہا والوں کی اجازت ہی کے منتظر تھے، فوراً فارم مریم کے ہاتھ میں تھما دیا۔ مریم فارم پڑھ رہی تھی اور حاضرین کو جیسے سانپ سونگھا ہوا تھا۔ مریم فارم پڑھتے پڑھتے اپنے بڑے بھائی حماد کی طرف دیکھتی ہے۔

''حماد بھائی......! اگر پچاس لاکھ میری قیمت ہے تو بہت ہی کم ہے، بہت معمولی رقم ہے۔ میرا حق مہر شرعی ہوگا۔''

سب کے چہروں پر سکون سا جھلکنے لگتا ہے۔ مریم نے تو حق مہر ہی ٹھکرا دیا تھا جو ایسے موقعوں پر ایشو بھی بن جایا کرتا ہے۔

مریم کی دھیمی آواز ماحول کے سکوت کو پھر توڑتی ہے۔ وہ اپنے باپ، بھائی کی طرف ایک نظر ڈالتی ہے اور کہتی ہے۔

''فارم میں کنڈیشن نمبر 18 اور نمبر 19 ہے، مجھے یہ خالی جگہ فِل کرنا ہے۔''

حماد اُس کے ہاتھ سے فارم لے کر پڑھتا ہے تاکہ وہاں پر موجود لوگ بھی سن لیں۔ وہ پڑھنا شروع کرتا ہے۔ سلمٰی بیگم اور فیاض احمد کا دل بیٹھنے لگتا ہے۔ حماد کی آواز اُبھرتی ہے۔

''کنڈیشن نمبر 18: آیا شوہر نے طلاق کا حق بیوی کو تفویض کر دیا ہے......؟ اگر کر دیا ہے تو کون سی شرائط پر......؟''

وہ اتنا پڑھ کر رُکتا ہے اور وہاں پر موجود افراد کے چہرے دیکھتا ہے۔ سب چہروں پر حیرانی سے زیادہ پریشانی ہے۔ سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، مگر خاموش ہیں۔ حماد دوبارہ پڑھتا ہے۔

''کنڈیشن نمبر 19: آیا شوہر کے طلاق کے حق پر کسی قسم کی پابندی لگائی گئی ہے......؟''

جملہ مکمل ہوتے ہی حماد دُلہن بنی بہن کی طرف دیکھتا ہے اور قطعی انداز میں کہتا ہے۔

''یہ اب نہیں ہوسکتا، یہ ایشو ہے۔ عدیل اور اُس کی ممی سے ڈِسکس کرنا ہوگا۔''

''تو آپ ڈِسکس کر لیجئے۔ میں انتظار کر لیتی ہوں۔''

مریم پُرسکون انداز میں جواب دیتی ہے۔ سلمٰی بیگم شرمندہ شرمندہ سی وہاں پر موجود آس پاس کھڑے لوگوں کو دیکھتی ہیں۔ پھر مریم کے قریب آتی ہیں اور بڑے پیار سے مریم کو سمجھاتی ہیں، جیسے بچے کو بہلا رہی ہوں۔

''بیٹا......! یہ تو بس ایسے ہی لکھا ہوتا ہے۔''

''امی......! ایسے ہی نہیں لکھا ہوتا۔ یہ آرڈیننس 1961ء ہے جو خواتین کو تحفظ دے رہا ہے، جسے قانون تسلیم کر رہا ہے۔''

سلمٰی بیگم کے بھائی اختر آگے بڑھتے ہیں اور صورتِ حال کنٹرول کرتے ہیں۔

''سلمٰی......! مریم غلط نہیں کہہ رہی۔ اتنی اہم باتوں کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے عورت بعض اوقات بہت دُکھ اُٹھاتی ہے۔ بے گناہ ہوتے ہوئے سزائیں کاٹتی ہے۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ مریم آج کے دور کی باشعور لڑکی ہے۔ اس سے

صلاح مشورہ کرلو۔ خیر......! میں عدیل سے خود بات کرتا ہوں۔"
سلمیٰ بیگم اور فیاض احمد فکرمندی اور بے بسی سے اختر بھائی کی طرف دیکھتے ہیں۔

☆......☆......☆

گھر میں ایک کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ انا بی الگ بولائی بولائی پھر رہی تھیں۔ ہر شخص مختلف اندیشوں میں گھرا ہوا تھا۔
"ارے......! میرے دل کو تو پنکھے لگ رہے ہیں۔ اسی لئے اگلے وقتوں کے لوگ کہتے تھے کہ لڑکیوں کو زیادہ پڑھانا لکھانا نہیں چاہئے۔ ارے......! عورت ذات تو گھر کی شئے ہے۔ یہ تو مردوں کی باتیں ہیں۔ یہ ہونا چاہئے اور وہ ہونا چاہئے۔"
وہ ایک رشتے دار خاتون کو اپنا Stress شفٹ کر رہی تھیں۔
"ٹھیک بولیں انا بی۔ ارے......! اگر لڑکے والے بُرا مان کر بادات واپس لے گئے تو کتنی بے عزتی ہوگی۔ بات تو پھر لڑکی ہی پر آئے گی۔ خدانخواستہ عمر بھر باپ کی چوکھٹ پر ہی بیٹھی رہے گی۔"
رشتے دار بزرگ خاتون نے بھی خیال آرائی کی۔
"اے ہے......! یوں منہ بھر کر تو نہ بولو، خدانخواستہ۔ ارے......! میں تو لڑکے کے پاؤں پڑ جاؤں گی کہ بچی ہے، کم عقل ہے، جانے دو، عمر بھر اس گھر کا نمک کھایا ہے۔"
انا بی تو مزید حواس باختہ ہوگئیں۔ منہ میں ایک گلوری رکھ کر دوسری بھی رکھ لی۔ اختر بھائی، فیاض احمد کے ہمراہ دُلہا کے اسٹیج کی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔
"ہمارے معاشرے میں عورت کے ساتھ جو ہوتا آرہا ہے، اس کی وجہ سے آج کی لڑکی بہت پریکٹیکل ہو کر سوچنے لگی ہے۔"
"فیاض میاں......! مرد اور عورت کا آزادانہ میل جول روشن خیالی نہیں ہے۔ اصل روشن خیالی یہ ہے۔"
وہ بہت اعتماد اور فخر سے کہہ رہے تھے۔
"مگر دوسرے بھی تو تسلیم کریں۔ آپ خود بتائیں، آج سے پہلے کہیں اس طرح ہوا ہے......؟"
فیاض احمد بیٹی کے باپ ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان ہو رہے تھے۔
"بھئی......! کوئی بھی کام پہلی مرتبہ کہیں ہوتا ہے ناں، سمجھو ہماری بیٹی پہل کرنے والی ہے۔"
اختر بھائی بھانجی کو مسلسل سراہ رہے تھے۔
"بسم اللہ کر کے آپ ہی عدیل سے بات کیجئے۔ میری تو ہمت جواب دے رہی ہے۔"
فیاض احمد نے بڑی بے بسی سے اختر بھائی کی طرف دیکھ کر کہا۔
"ہم ہی کر لیتے ہیں۔ آپ مت پریشان ہوں، انشاء اللہ......! کچھ نہیں ہوگا۔ لڑکا پڑھا لکھا سمجھدار ہے۔"
اُنہوں نے تسلی دی۔ بات کرتے کرتے وہ عدیل کے قریب پہنچ چکے تھے۔ فیاض احمد رُک کر اضطراری کیفیت میں پہلو بدلنے لگے۔ اختر بھائی، عدیل کے برابر جا کر بیٹھ گئے اور تھوڑی سی تمہید باندھی۔
"اُصولاً تو ہمیں آپ کی والدہ سے ڈِسکس کرنا چاہئے تھا۔ پھر وہ آپ سے بات کرتیں۔ مگر میں نے سوچا، فیصلہ تو آپ

ہی نے کرنا ہے، اس لئے آپ سے براہِ راست بات کرنا ہی مناسب ہے۔"

"جی فرمایئے......! میں کچھ سمجھا نہیں۔"

عدیل فکرمندی سے اختر بھائی کی طرف دیکھنے لگا۔ اختر بھائی نے مناسب الفاظ میں مریم کے خیالات عدیل کو پہنچا دیئے۔ عدیل سر جھکائے بہت غور سے سن رہا تھا۔ قدرے فکرمند بھی نظر آ رہا تھا، جیسے ساتھ ساتھ مسئلے کا حل بھی سوچ رہا ہو۔ اختر بھائی نے بات مکمل کی۔ فیاض احمد نے گہری نظروں سے عدیل کا چہرہ دیکھ کر کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ عدیل کی گہری سوچ ہر طرف اضطراب بڑھا رہی تھی۔ چند منٹ سوچ کر عدیل نے جھکا سر اُٹھایا اور اختر بھائی کی طرف دیکھنے کی بجائے فیاض احمد کی طرف دیکھا اور گویا ہوا۔

"انکل......! مَیں پندرہ سال یورپ میں رہا ہوں۔ جہاں عورت مرد کو Equally treat کیا جاتا ہے، بلکہ میں تو خوش ہوں کہ میری ہونے والی بیوی بہت Broad minded ہے۔"

تمام لوگوں نے جیسے دیر بعد کھل کر سانس لی۔ آنکھوں میں خوشیوں کے عکس اُترنے لگے۔

"نو پرابلم، نو ایشو......! آپ فارم چینج کر دیجئے اور جس طرح مریم چاہتی ہے Fill کر لیجئے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"بہت بہت شکریہ بیٹا......! اس وقت آپ نے بہت سمجھ داری کا ثبوت دیا۔"

فیاض احمد نے آگے بڑھ کر گرم جوشی سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"میں یہاں تک آیا ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ میں آپ سب کو اپنا چکا ہوں۔"

عدیل نے فیاض احمد کا ہاتھ تھام کر کہا۔ اُسی لمحے مسز سارہ پریشان سی اُن کے قریب چلی آئیں۔ انہیں خود تو کوئی اعتراض نہیں تھا، بس یہی فکر تھی کہ عدیل کہیں اَنا کا مسئلہ نہ بنا لے۔

"ممی......! آپ پریشان نہ ہوں، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

عدیل نے ماں کا چہرہ پڑھ کر فوراً تسلی دی۔ مسز سارہ کے چہرے پر سکون جھلکنے لگا۔

☆......☆......☆

مریم ساتھ خیریت کے رُخصت ہوگئی۔ اُس کے رُخصت ہوتے ہی بشر علی کا امریکہ سے فون آ گیا۔ وہ مریم سے بات کرنا چاہ رہے تھے۔

"پاپا......! آپ کی لاڈلی رُخصت ہوگئی۔"

سلمٰی بیگم نے آنسوؤں سے بھیگی آواز میں باپ سے کہا اور بولیں۔

"آپ نے اُس کو باہمت اور خود اعتماد بنانے کے لئے بہت محنت کی، لیکن آج اُس نے بہت بڑا مسئلہ پیدا کر دیا تھا۔"

"ارے......! وہ کیا......؟"

بشر علی پریشان ہو کر پوچھنے لگے۔

"اس نے نکاح نامہ کے فارم پر اپنی شرائط لکھنے پر اصرار کیا، جو 1961ء کے صدارتی آرڈیننس میں دی گئی ہیں۔"

"بھئی......! کلاز ہوگی اُس نے Use کرنا چاہتی ہوگی۔ پھر اس میں مسئلے والی کون سی بات ہے......؟"

بشرعلی حیران ہوکر بلکہ معصومیت سے پوچھنے لگے۔

''پاپا......! آپ سے بھی حد ہے۔ یہاں یہ کلاز کنڈیشنز وغیرہ کون سمجھتا ہے......؟ بس نکاح نامے پر دُلہا، دُلہن، گواہوں اور وکیلوں کے دستخط ہو جاتے ہیں۔ یہی تو ہوتا ہے۔''

سلمیٰ بیگم جھلا کر بولیں۔

''تو غلط ہوتا ہے۔ اگر حکومت عورت کو تحفظ دے رہی ہے تو دوسروں کو اعتراض کیوں ہے......؟ پھر قانون بنانے کا فائدہ ہی کیا ہے جب اس پر عمل ہی نہ ہو......؟''

''پاپا......! یہ یورپ نہیں ہے۔ بہت بڑا مسئلہ ہوسکتا تھا۔ وہ تو شکر کریں کہ عدیل بہت Broad minded اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ بات سنبھل گئی۔''

سلمیٰ بیگم نے خفا خفا لہجے میں بات کی۔

''میں یہ سب سن کر کتنا خوش ہوا ہوں، تم اندازہ نہیں لگا سکتیں سلمیٰ......! مریم نے آج میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ میں نے اُس پر جو محنت کی تھی، وہ رائیگاں نہیں گئی۔ وہ صرف اپنے حقوق کا ہی تحفظ نہیں کرے گی سلمیٰ......! اُسے اپنے فرائض کا بھی احساس ہے۔ انشاءاللہ......! عدیل کو اُس سے کبھی شکایت نہیں ہوگی۔''

بشرعلی دل کھول کر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

''اور تو اور پاپا......! اُس نے پچاس لاکھ مہر معجّل بھی ٹھکرا دیا۔ کہنے لگی میرا مہر شرعی ہوگا۔ پچاس لاکھ اگر میری قیمت ہے تو بہت ہی کم ہے۔''

سلمیٰ بیگم نے یوں کہا جیسے شکایت کر رہی ہوں۔ بشرعلی نے زبردست قہقہہ لگایا۔

''واہ بھئی واہ......! کیا ہیرا تراشا ہے میں نے۔ ٹھیک تو کہہ رہی ہے میری نواسی، اتنی معمولی نہیں کہ پچاس لاکھ میں تولی جائے۔''

''پاپا......''

سلمیٰ بیگم ناراض ہوکر کچھ کہنے لگیں، مگر بشرعلی نے موقع ہی نہیں دیا اور سنجیدگی سے بولے۔

''سلمیٰ بیٹا......! اُس کی خوشیوں کے لئے دُعا کرو۔ پچاس لاکھ کا غم نہ کرو۔ دیکھو بیٹا......! اصل چیز میاں بیوی کا آپس میں خلوص و پیار ہے۔ خدانخواستہ اگر دونوں میں نہ بنے تو کیا بھاری بھرکم مہر ٹوٹتی ہوئی شادی کو بچا لیتا ہے......؟''

یہ سنتے ہی سلمیٰ بیگم ایک دم جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ......! اس کے لئے دُعا کیجئے پاپا......!''

وہ آہستگی سے بولی تھیں۔

''میری ساری دُعائیں اُس کے لئے، جس کے وجود میں نانا کی جان اَٹکی ہوئی ہے۔''

بشرعلی محبت سے سرشار لہجے میں کہہ رہے تھے۔

☆......☆......☆

مریم اپنے مہندی رَچے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے عدیل کی منتظر ہے۔آنکھوں میں مستقبل کے روپہلے سنہری خواب جھل
رہے ہیں۔دروازہ کھلتا ہے اور عدیل شہزادوں کی سی آن بان کے ساتھ اندر داخل ہوتا ہے۔ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے۔وہ مریم
ایک نظر ڈالتے ہوئے دروازہ لاک کرتا ہے۔مریم کی طرف بڑھتا ہے تو اُس کے قدموں کی آہٹیں مریم کی دھڑکنوں سے ہ
آہنگ ہونے لگتی ہیں۔لڑکی کتنی بھی باشعور و خود اعتماد ہو،شادی کی پہلی رات اپنے دُلہا کو نظر اُٹھا کر دیکھتے ہوئے کتراتی ہے
مریم کی جھکی نظریں اُٹھ نہ سکیں۔عدیل آہستگی سے اُس کے مقابل بیٹھ گیا اور شریر مسکراہٹ کے ساتھ سلام کر کے اپنا ہاتھ
مصافحے کے لئے بڑھا دیا۔مریم نے جھجکتے ہوئے آہستگی سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔عدیل نے شریر انداز میں اُس کا ہاتھ زور سے
دبایا اور جھک کر اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”مزاج بخیر......!“

مریم اپنا ہاتھ چھڑانے لگی،مگر عدیل کی گرفت بہت مضبوط تھی۔عین اُسی لمحے عدیل کے موبائل پر رِنگ ہوتی ہے۔وہ
ایک دم مریم کا ہاتھ چھوڑ دیتا ہے اور جیب سے موبائل نکالتا ہے۔موبائل سکرین پر دیکھتا ہے۔علینہ کی کال دیکھ کر ایک دم گھبرا کر
لائن کاٹ دیتا ہے۔رِنگ دوبارہ ہوتی ہے۔مریم اُلجھن بھری نظروں سے عدیل کی طرف دیکھتی ہے۔عدیل مسکراہٹ کی آڑ
میں خود کو سنبھال کر موبائل آف کر دیتا ہے۔

”ایک شریر دوست تنگ کر رہا ہے۔میں نے موبائل ہی آف کر دیا۔اب کوئی ہمیں تنگ نہیں کرے گا۔“

مریم مسکرا کر نظریں جھکا لیتی ہے۔عدیل اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہے اور جڑاؤ کنگن نکالتا ہے اور مریم کا ہاتھ تھام کر
پہنانے لگتا ہے اور مریم کا چہرہ بھی بہت دلچسپی سے دیکھتا ہے جو دُلہن کے روپ میں غضب ڈھا رہی ہے۔

”میں سوچ رہا تھا کہ اس یادگار موقع پر آپ کو کیا تحفہ دوں......؟ کل رات ممی نے یہ کنگن دیتے ہوئے کہا،یہ ہمارے
خاندانی کنگن ہیں اور گھر میں آنے والی پہلی بہو کو یہ رُونمائی میں دیئے جاتے ہیں۔“

اُس نے بہت پیار سے مریم کی کلائی میں کنگن ڈال دیئے اور غور سے سجی ہوئی کلائی دیکھنے لگا۔پھر نظریں مریم کے چہرے
پر جما دیں۔وہ مسکرا رہا تھا۔

”ویسے آج آپ نے لوگوں کو بہت پریشان کر دیا تھا۔“

اتنا کہہ کر رُکا اور شریر انداز میں مریم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

”آپ اتنی Bold لگتی تو نہیں ہیں۔“

”اگر حقوق کی بات کرنا Boldness ہے،تو اتنی بولڈ تو میں ہوں۔لوگ یورپ جا کر عورت کو Rights دیتے ہیں تو
یہاں کیوں نہیں دیتے......؟“

عدیل نے بے ساختہ اپنا استحقاق استعمال کرتے ہوئے لطیف سی شرارت کر ڈالی۔مریم کے دل میں حشر سا برپا ہو گیا۔
یہ اُس کے شوہر کے پہلے استحقاق پر اُس کا فطری ردِّعمل تھا۔پھر شرمائے شرمائے انداز میں بولی۔

”تھینک یو......!“

”کس بات کا......؟“

''رائٹس دینے کا......''

''......یا رائٹ استعمال کرنے کا......؟''

عدیل اب اُسے تنگ کرنے کے موڈ میں آ چکا تھا۔ مریم عجیب بے بسی محسوس کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

''فیاض......! آج تو مریم نے بڑا سرپرائز دیا۔ میں حیران رہ گئی۔ یقین کریں، میری تو خوف سے ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔''

سلمیٰ بیگم اُتاری ہوئی جیولری باکس میں رکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''وہ کیوں بھئی......؟ خوف کیسا......؟''

فیاض احمد تھکن سے چور چور نظر آ رہے تھے۔

''ارے......! مذاق بات ہے، اگر دُلہا والے بُرا مان کر خدانخواستہ واپس چلے جاتے تو......؟''

سلمیٰ بیگم کو جیسے اس بات سے چڑ ہوئی کہ فیاض احمد اُن کی سادہ سی بات کو نہ سمجھ سکے۔

''جو نصیب میں لکھا ہوتا ہے، وہ تو ہو کر ہی رہتا ہے۔ لیکن میری بیٹی کی جرأت نے وہاں موجود لوگوں کو سوچ تو دی۔ اچھی بات کا آغاز کہیں سے ہو، کسی طرح ہو، ہونا چاہئے۔ آخر کب تک لکیر کے فقیر بنے رہیں گے......؟ مجھے خوشی ہے کہ میری بیٹی بہت باشعور ہے۔''

فیاض احمد نے فخریہ لہجے میں کہا۔

''چلو، وہ سب ٹھیک......! اُس نے تو پچاس لاکھ مہر معجّل تک ٹھکرا دیا۔ پچاس لاکھ کوئی معمولی رقم تو نہیں ہے۔''

سلمیٰ بیگم کے لہجے میں ملال کی جھلک تھی۔

''روپیہ پیسہ تو عورت کے نصیب کا ہوتا ہے سلمیٰ بیگم......! خدانخواستہ میاں بیوی میں نہ بن سکے تو کیا بھاری بھرکم مہر ٹوٹتی شادی کو بچا سکتا ہے......؟''

فیاض احمد نے بڑی رسانیت سے سمجھایا۔ اُسی وقت انا بی ہولائی بولائی اندر آتی ہیں۔ فیاض احمد محتاط ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

''ارے سلمیٰ......! مریم نے کیا بے وقوفی کی......؟ کیا سوچتے ہوں گے اس کے سسرال والے......؟''

وہ بہت حواس باختہ نظر آ رہی تھیں۔

''ارے......! مارے پریشانی کے میرا تو پان کا بٹوا گم ہو گیا۔''

''اب تو مہمان جا چکے ہیں۔ بٹوا ڈھونڈ لیجئے۔ مگر خطرہ یہی ہے کہ کوئی اشرفیوں کی تھیلی سمجھ کر نہ لے گیا ہو۔ غریب رات بھر پان کھائے گا۔''

فیاض احمد نے انا بی سے چھیڑ چھاڑ کی۔ بٹوے کے غم میں مبتلا انا بی بُرا مان کر خفا خفا سے انداز میں باہر نکل گئیں۔

''آپ بھی حد کرتے ہیں فیاض......! دل جوئی کرنے سے گئے، اُلٹا دل دُکھا دیا۔''

سلمٰی ہنستے ہوئے بولیں۔فیاض احمد بھی مسکرا پڑے۔

☆......☆......☆

عدیل بیڈ پر بالکل بے سدھ سو رہا تھا۔مریم نہا دھو کر بہت فریش موڈ میں ڈریسنگ کے سامنے بیٹھی اپنے گیلے بال اُنگلیوں سے سلجھا رہی تھی۔عدیل کے موبائل پر رِنگ ہونے لگتی ہے۔مریم گردن موڑ کر عدیل کی طرف دیکھتی ہے۔عدیل اُسی طرح سویا ہوا نظر آتا ہے،کوئی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔مریم اُٹھنے لگتی ہے۔رِنگ بند ہو جاتی ہے۔مریم پھر اپنی جگہ بیٹھ جاتی ہے۔اُس کے بیٹھتے ہی رِنگ پھر سے ہونے لگتی ہے۔مریم کھڑی ہو جاتی ہے۔اپنے بال پیچھے کرتی ہوئی بیڈ کی طرف بڑھتی ہے۔اتنی دیر میں عدیل کسمساتے ہوئے اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر اپنا سیل اُٹھا لیتا ہے۔مریم واپس ڈریسنگ کے سامنے آکر بیٹھ جاتی ہے۔عدیل کی آواز بہت آہستہ تھی،مگر بات سمجھ آ رہی تھی۔وہ مسکرا کر آئینے میں عدیل کو دیکھتی ہے اور پھر اپنے بال سلجھانے لگتی ہے۔

''چین نہیں ہے تمہیں......؟اتنی پیاری میٹھی نیند سے جگا دیا۔''

مریم اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی مسکرا کر آئینے میں عدیل کو دیکھ رہی ہے۔عدیل کی خاموشی بتا رہی تھی کہ وہ دوسری طرف کی بات سن رہا ہے۔پھر کروٹ لے کر مریم کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے۔

''یار......!میری بیوی ضرورت سے زیادہ اچھی بلکہ بہت خوب صورت لگ رہی ہے۔''

پھر دبی زبان میں کہتا ہے۔(دوبارہ مریم کی طرف سے کروٹ لے لیتا ہے)۔

''یار علینہ......!فون بند کرو،وہ سامنے ہی بیٹھی ہے۔''

یہ کہہ کر فون Power off کر دیتا ہے۔مریم اب بالوں میں برش چلا رہی تھی۔جس کی وجہ سے اُس کی چوڑیاں چھن چھن بج رہی تھیں۔عدیل آنکھیں بند کر کے مسکراتا ہے۔

''What a Fantasy بیڈروم میں چوڑیوں کی کھن کھن......!''

مریم مسکراتی ہے اور کہتی ہے۔

''بہت شاعرانہ مزاج لگتا ہے۔''

عدیل گنگنانے لگتا ہے۔

''میں شاعر تو نہیں......

مگر اے حسین......!

جب سے......''

''بس بس......!بہت ہے۔میں اتنی آسانی سے بے وقوف بننے والی لڑکی نہیں ہوں۔''

وہ ہنستے ہوئے جیسے اُسے گنگنانے سے روکتی ہے۔

''ویسے کس کا فون تھا......؟کیا مجبوری تھی جو بیوی کی اتنی تعریفیں کرنا پڑیں......؟''

وہ شوخی سے پوچھ رہی تھی۔عدیل اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔معنی خیز انداز میں مسکراتا ہے۔

''ہر دس منٹ بعد فون کی گھنٹی بج جاتی ہے۔ کس کس کا پوچھیں گی......؟ یوں سمجھیں سارا شہر ہی ہمارا دوست ہے۔''
وہ اتنا کہہ کر اُٹھتا ہے اور واش روم میں چلا جاتا ہے۔ مریم بے فکری و بے نیازی اور سرشاری سے مسکرانے لگتی ہے۔

☆......☆......☆

مریم اور عدیل ڈائننگ میں آئے تو مسز سارہ ناشتے پر ان کی منتظر تھیں۔ مسز سارہ نے اُٹھ کر مریم کو گلے سے لگا کر پیار کیا اور بولیں۔

''میں تو صبح سویرے ناشتہ کر لیتی ہوں۔ مگر آج سوچا اپنی نئی نویلی بہو کے ساتھ ہی ناشتہ کروں گی۔''

''ارے ممی......! آپ ہماری وجہ سے ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہیں۔ میں تو صبح سے اُٹھی ہوئی تھی۔ البتہ عدیل تھوڑی دیر پہلے ہی سو کر اُٹھے ہیں۔''

''ارے......! تمہیں افسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ کبھی کبھی اِس طرح بھی چلتا ہے۔ آؤ، میرے سامنے بیٹھو......!''
مسز سارہ نے چیئر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ مریم ابھی بیٹھی ہی تھی کہ عجیب سا شور سنائی دیا۔ ملی جلی ہنسی کی آوازیں تھیں۔ اس نے گردن موڑ کر بے ساختہ پیچھے دیکھا۔ انعم، سبین اور فرح ہنستی ہوئی آ رہی تھیں۔ مسز سارہ اور عدیل اُنہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

''السلام علیکم آنٹی......!''

''السلام علیکم دُلہا میاں......!''

کی آوازیں بلند ہوئیں۔ تینوں آگے بڑھ کر مریم سے باری باری گلے ملیں۔ سبین کی شوخ سی سرگوشی نے مریم کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹیں بکھیر دیں۔

''آیئے......! آپ لوگ بھی ہمارے ساتھ ناشتہ کیجئے۔''
مسز سارہ نے سلام کے جواب کے بعد انہیں ناشتے کی طرف متوجہ کیا۔

''ارے......! یہ کیا......؟ اتنا اہتمام......؟ اور وہ جو ہم ناشتہ لے کر آئے ہیں......؟''
فرح نے میز پر نظر دوڑا کر جیسے حیرت سے چیخ ماری۔

''آپ لوگ جب کسی کے گھر جاتے ہیں تو اپنا ناشتہ، کھانا ساتھ باندھ کر لے جاتے ہیں......؟''
عدیل نے بڑی معصوم سی شکل بنا کر چھیڑ چھاڑ کی۔

''ارے......! آپ کو نہیں پتا......؟ شادی کے اگلے دن لڑکی کے میکے والے ناشتہ لے کر آتے ہیں۔ بھئی......! یہ بہت پرانی رسم ہے۔''
انعم نے مسز سارہ کی طرف دیکھ کر بہت حیرت سے کہا۔

''بھئی......! یو کے میں سیٹل ہوئے زمانے ہو گئے۔ سب رسمیں وسمیں بھول بیٹھے۔''
مسز سارہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہائے......! ہماری امی اور انا بی کو تو یہ رسمیں اپنی جان سے زیادہ پیاری ہیں۔ انا بی تو فجر کی نماز پڑھ کر اصلی گھی کے

پراٹھے بنانے بیٹھ گئی تھیں کہ مریم کے سسرال ناشتہ جائے گا۔''

فرح نے مسز سارہ کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے ہنس کر بتایا۔

''اصلی گھی کے پراٹھے......؟ بھئی......! ہم ضرور کھائیں گے۔ بہت دنوں سے کسی اصلی چیز کو قریب سے نہیں دیکھا۔''

عدیل نے برجستہ کہا۔ سب کے قہقہے بہت بے اختیاری تھے۔

''جناب......! دُلہن بھی ہم نے آپ کو اصلی ہی دی ہے۔ اتنی زیادتی کی اجازت ہم آپ کو نہیں دے سکتے۔''

سبین نے عدیل کو آڑے ہاتھوں لیا۔

''تو میں نے کون سا اجازت کے لئے آپ کو Application دی ہوئی ہے......؟''

''دہشت گرد دل بھر کر دہشت پھیلا رہے ہیں، حالانکہ ہوم منسٹر صاف صاف کہہ چکے ہیں کہ دہشت گردی کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ ایسے بدتمیز لوگ ہیں، بغیر اجازت کے سب کچھ کرتے ہیں۔ ان میں ہم بھی شامل ہیں۔''

عدیل نے آدابِ میزبانی نبھاتے ہوئے پلیٹیں Serve کرنا شروع کیں۔ اس کی بات پر محفل کشتِ زعفران بن چکی تھی۔

''منور......!''

مسز سارہ نے اپنے ملازم منور کو آواز دی۔ منور فوراً ہی حاضر ہو گیا۔

''منور......! یہ لے جاؤ اور ڈونگوں وغیرہ میں نکال کر لے آؤ۔''

انہوں نے دُلہن کے میکے سے آئے ہوئے ناشتے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''مریم......! لگتا ہے تم عدیل سے کبھی نہیں جیت سکتیں۔''

فرح نے ہنستے ہوئے کہا۔

''جیت کر دکھائیں، بتاتا ہوں اچھی طرح۔''

عدیل نے شوخی سے مریم کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہمارے سامنے دہشت گردی......؟''

سبین نے شور مچایا۔

''ارے......! یہ میری بہو کو تنگ کر کے تو دیکھے، بتاتی ہوں اِسے اچھی طرح۔''

مسز سارہ نے مصنوعی خفگی سے عدیل کی طرف دیکھا۔ ایک مرتبہ پھر سب کی ملی جلی ہنسی کی آوازیں بلند ہوئیں۔

☆......☆......☆

''ناصر کل شادی میں شریک نہیں ہوا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انعم پھر اس سے جھگڑا کر کے آئی ہے۔''

سلمیٰ بیگم اپنے بیڈروم میں فیاض احمد سے بڑی فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔

''میں نے انعم سے بات کی تھی، وہ تو یہی کہہ رہی تھی کہ ناصر لیٹ آئیں گے، مگر آئیں گے ضرور۔''

فیاض احمد کے چہرے پر بھی اب تشویش نظر آنے لگی۔

''پھر وہ مریم کی طرف سے جو نکاح نامہ کا ایشو چلا اور افراتفری مچی تو مجھے دھیان ہی نہ رہا اس پریشانی میں۔ یہ تو بہت غلط بات ہوگئی سلمٰی......! ناصر ہمارے بارے میں کیا سوچ رہا ہوگا......؟''

فیاض احمد بُری طرح فکرمند ہوگئے۔

''کیا سوچ رہا ہوگا......؟ یہی کہ ہم انعم کی طرفداری کر رہے ہیں اور اس کی پرواہ ہی نہیں۔ میں نے اُس کے سیل پر بات کرنا چاہی تھی فیاض......! مگر اُس نے اٹینڈ نہیں کیا۔''

''اگر تم مجھے شام کو بتا دیتیں تو میں تھوڑا وقت نکال کر اُسے لینے چلا جاتا۔ گھر کی شادی اور گھر کا بندہ شریک نہیں ہوا۔ افسوس کا مقام ہے۔''

فیاض احمد کے لہجے میں تاسف وملال کی کیفیت تھی۔

''پتا نہیں یہ لڑکی کیا چاہتی ہے......؟ ناصر حسین جیسا نیک فطرت، سادہ مزاج، قابل اور پڑھا لکھا شوہر ملنا تو بڑی خوش نصیبی کی بات ہوتی ہے۔ ٹھیک ہے، ہماری بیٹی ہے، مگر سچی بات یہ ہے کہ ناصر کی ہمت ہے۔ وہ انعم جیسی خودسر لڑکی کو بڑے صبر سے نباہ رہا ہے۔''

سلمٰی بیگم نے صاف گوئی مگر بہت دُکھ سے کہا۔

''انعم سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں سلمٰی......! وہ تو ہمیشہ کی طرح ایک ہزار الزامات اُس پر دھر دے گی۔ میں حماد سے بات کرتا ہوں کہ وہ فرح کے ساتھ جا کر ناصر اور بیہ کو لے کر آئے اور ہماری طرف سے کل کی غفلت پر بہت معذرت کرے۔ میں سچ کہہ رہا ہوں سلمٰی......! اگر مجھے یہ پتا چل جاتا کہ ناصر نہیں آئے گا، میں بارات آنے کے بعد بھی اُس کو جا کر لے آتا۔''

فیاض احمد نے ہنوز ملال کی کیفیت میں کہا۔

''بے وقوف بنا رہی تھی ماں باپ کو۔ مجھے بھی یہی کہہ رہی تھی کہ ناصر لیٹ آئیں گے۔ بتاؤ، کیسی لڑکی ہے......؟ بچی کو چھوڑ کر آئی ہوئی ہے۔ کوئی فکر نہیں......!''

سلمٰی بیگم غصے میں بڑبڑانے لگیں۔

''اچھا بس ٹھیک ہے......! جو ہونا تھا، سو ہوا۔ آج ولیمہ ہے۔ تم اُسے غصے میں کچھ مت کہنا۔ فضول میں بات بڑھ سکتی ہے۔ آج کا دن جیسے تیسے کر کے ٹالو۔''

فیاض احمد نے بڑی دانش مندی سے صورتِ حال سنبھالنے کی کوشش کی۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ......! مجھے تو سمجھ نہیں آتی اس لڑکی کی۔''

سلمٰی بیگم کے لہجے میں عجیب سی بے بسی تھی۔

☆......☆......☆

''کمال ہے......! ناصر بھائی میری شادی میں شریک نہیں ہوئے......؟''

مریم اپنی جیولری اُتار کر ڈریسنگ پر رکھتے ہوئے بڑے ذومعنی لہجے میں انعم سے کہہ رہی تھی۔ انعم خفگی اور بے زاری سے

مریم کی طرف دیکھتی ہے۔ پھر سپاٹ و سرد لہجے میں کہتی ہے۔

''سب کچھ تو جان چکی ہو، پھر کیوں زخموں پر نمک چھڑک [illegible]......؟''

''اور تم جو سب کو زخم لگانے جا رہی ہو، اس کا تو مرہم بھی نہیں [illegible]''

مریم کے لہجے میں خود بخود تلخی اُتر آئی۔

''جس پر پڑتی ہے، وہ جانتا ہے۔ تمہیں ملتا ناں ناصر جیسا کنزرویٹو (دقیانوسی) شوہر، تو آٹے دال کا بھاؤ پتا چل جاتا۔''

انعم مریم کے ولیمے کا جوڑا بہت احتیاط سے ہینگر کر رہی تھی۔ ایک [illegible] کر بولی۔

''انعم......! بے وفائی اور بے حیائی سے کبھی کسی کو سچی [illegible]......؟ راستہ بدلنا چاہتی ہو تو ناصر پر کیچڑ مت اُچھالو۔ سب جانتے ہیں، وہ بہت ہی اچھا اور شریف بندہ ہے۔''

مریم کے لہجے میں بہت دُکھ تھا۔

''ہونہہ......! دوسروں کی نظر میں۔ مجھے تو ہر پل یوں محسوس [illegible] میں نے ناصر سے شادی کر کے غلطی کی تھی۔''

انعم نے بے حسی والا پرواہی سے کہا۔

''تم نے ضرور غلطی کی ہوگی، مگر ناصر نے گھر بسانے کے لئے شادی کی تھی۔''

مریم نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ وہ بہت ضبط سے کام لے رہی تھی۔ اس لئے کہ آج کے دن وہ مزید کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔ انعم سے کچھ بعید نہیں تھا۔ وہ کوئی انتہائی ردّعمل بھی کر سکتی تھی۔

''ابھی تمہاری شادی کو چوبیس گھنٹے نہیں ہوئے۔ ابھی چند دن اپنا Sermon (خطبہ) روک لو۔''

انعم نے بڑے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''بغیر انڈرسٹینڈنگ کے دو بندوں کا ساتھ رہنا کتنا اذیت ناک ہوتا ہے۔''

انعم نے پھر کہا اور مریم کے کپڑے وارڈروب میں لٹکانے لگی۔

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شادی کے ایک سال تک تم ناصر کے ساتھ بہت مطمئن اور بہت خوش تھیں۔''

مریم نے یاد دلایا۔

''خوش نہیں تھی، خوش نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ناصر میرا آئیڈیل کبھی نہیں رہا۔''

انعم نے جیسے پتھر پھوڑے۔

''Typical روایتی مرد، مڈل کلاس Complex کا شکار۔''

انعم بڑبڑانے لگی اور زور سے وارڈروب کا دروازہ بند کر دیا اور بڑی تیکھی نظروں سے مریم کی طرف دیکھ کر طنزیہ مسکرائی۔

''ڈیئر......! میری فکر چھوڑو، اپنے میاں کی فکر کرو۔ مجھے تو بڑا رنگین مزاج لگتا ہے۔ زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ مرد کو بدلتے اور گھوڑے کو بِدکتے دیر نہیں لگتی۔''

☆......☆......☆

علینہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی میک اَپ کر رہی تھی۔ موڈ بہت خوش گوار تھا۔ ہلکی آواز میں کچھ گنگنا بھی رہی تھی۔ اُس کے بائیں طرف رکھے لینڈ لائن نمبر پر رِنگ ہوئی تو چونک پڑی۔ اپنی جگہ سے اُٹھ کر فون سیٹ کے قریب پہنچی اور جھک کر CLI پر کالر کا نمبر دیکھا۔ نمبر دیکھتے ہی بُرا سا منہ بنایا اور بڑی بے دلی سے بولی۔

''جناب......! گھر سے نکلے دیر ہی کتنی ہوئی ہے۔ کام میں دل لگایئے سرتاج......!''

دوسری طرف وہاج شوخی سے کہہ رہا تھا۔

''کام میں دل کہاں لگے گا......؟ وہ تو میں گھر چھوڑ کر آ گیا ہوں۔ ذرا نظر ڈالو، اِدھر اُدھر ہی کہیں پڑا ہوگا۔''

''بے وقوف بنانے کی ضرورت نہیں......! بنی بنائی ہوں۔''

علینہ بڑی ادا سے بولی۔

''ظالم......! تیری یہی تو قیامت باتیں ہیں جو تجھ سے دُور ہو کر بہت یاد آتی ہیں۔''

وہاج نے اسی طرح شوخی و برجستگی کا مظاہرہ کیا۔

''کام میں دل نہیں لگائیں گے تو پیسہ کیسے بنائیں گے......؟ وہ گیت نہیں سنا کہ

یار دلدار تیرے جیسا چاہئے
پیار کے لئے مگر پیسہ چاہئے''

ساتھ ہی زور سے قہقہہ لگاتی ہے۔ دوسری طرف سے وہاج کا قہقہہ بھی بلند ہوتا ہے۔ علینہ فون بند کر دیتی ہے اور بڑبڑاتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھتی ہے۔

''پتا نہیں کام بھی کرتا ہے یا نہیں......؟ یا کارڈ کھیل کر پیسہ بنا رہا ہے......؟''

دھپ سے دوبارہ اسٹول پر بیٹھ جاتی ہے۔ جیسے ہی بیٹھتی ہے، موبائل پر رِنگ ہونے لگتی ہے۔ گھور کر موبائل کی طرف دیکھتی ہے اور جھٹکے سے اُٹھ کر موبائل اُٹھاتی ہے۔ نمبر دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتی، خود کو بمشکل کنٹرول کرتے ہوئے کہتی ہے۔

''پھر کوئی بات یاد آ گئی سرکار......؟''

''ہائے بے بی......!''

دوسری طرف سے عدیل کی شریر آواز کان سے ٹکرائی۔ عدیل کی آواز سن کر وہ بے ساختہ انداز میں سیل چوم لیتی ہے، پھر کہتی ہے۔

''میں سمجھی پھر وہاج کا فون آ گیا۔ ذرا دیر نہیں ہوتی گھر سے نکلے اور فون آنے شروع ہو جاتے ہیں۔''

وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

''یا تو اُسے تم پر شک ہو گیا ہے یا واقعی اُسے تم سے عشق ہے۔''

عدیل کی آواز میں شوخی و شرارت کا تاثر غالب تھا۔

''مجھے دونوں باتوں کی پرواہ نہیں۔ شک ہے تو My foot......! عشق ہے تو Go to hell......!''

وہ بڑے ناز سے بات کرتی اپنے بیڈ پر دھپ سے بیٹھ گئی۔ عدیل کی پُرتاسف آواز سماعت سے ٹکراتی ہے۔

’’ہائے بے چارہ......! بُری بات......! تمہارا شوہر ہے۔ تمھیں اغواء کر کے تو نہیں لایا۔‘‘

’’اپنی بے چارگی پر غور کرو۔ جو کل رات سے شروع ہو چکی ہے۔‘‘

علینہ نے چڑایا۔

’’بے چارگی میں بریک آیا ہوا ہے۔ میری بیوی اپنے میکے گئی ہوئی ہے۔ وہ کوئی فضول سی رسم ہوتی ہے، شادی کے اگلے دن دُلہن اپنی ماں کے گھر جاتی ہے اور وہیں سے تیار ہو کر ولیمے میں آتی ہے۔‘‘

عدیل کو بولتے بولتے اچانک خیال آیا۔

’’تم آرہی ہوناں ولیمے میں......؟‘‘

وہ پوچھنے لگا۔ علینہ نے شریر انداز میں ٹھنڈی سانس بھری اور کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولی۔

’’کس دل سے تمہیں کسی کے پہلو میں بیٹھا ہوا دیکھوں......؟‘‘

’’جس دل سے میں تمہیں تمہارے شوہر کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں۔‘‘

عدیل نے برجستہ کہا۔

’’میں تم دونوں کو اپنے گھر ڈِنر پر بلاؤں گی۔ کیونکہ تم سے دوستی قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ تمہاری بیوی سے بھی دوستی کر لی جائے۔‘‘

علینہ نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

’’بہت سمجھ دار ہو۔‘‘

عدیل قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

’’تمہاری صحبت کا اثر ہے۔‘‘

علینہ بھی ہنس دی۔

’’تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ ولیمے میں آ ؤ گی ناں......؟ کم از کم مریم سے آج تمہارا تعارف تو ہو جائے گا۔‘‘

’’سوچتی ہوں۔ ویسے آج تم میری فکر چھوڑو۔ اپنی نئی نویلی دُلہن کو اِنجوائے کرو۔ ہماری دوستی تو ازل سے ابد تک قائم ہے۔ کیا مریم......؟ کیا واہ جی......؟ کوئی اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ بائے......! ٹیک کیئر......!‘‘

فون بند کر کے سیل ایک طرف رکھ دیتی ہے۔ اپنے خیال میں کھو کر مسکراتی ہوئی ڈریسنگ کی طرف بڑھتی ہے۔

☆......☆......☆

’’سلمان......؟‘‘

انعم اپنا سیل فون کان سے لگائے دبی آواز میں پوچھ رہی تھی۔ شاید وہ سلمان کی آواز پہچان نہیں پائی تھی۔

’’100 فی صد سلمان، میری جان......!‘‘

سلمان کی مست جھومتی آواز انعم کی سماعت سے ٹکرائی اور انعم کے چہرے پر خوشی کے عکس اُترنے لگے۔

’’کیسے ہو......؟‘‘

وہ بڑی ادا سے پوچھ رہی تھی۔

''ویسا ہی جیسا تم نے دیکھا تھا۔''

وہ بڑی بے خودی سے کہہ رہا تھا۔ اس وقت وہ اپنے چند بے فکرے دوستوں کے ساتھ بیٹھا اسنیکس اور بیئر انجوائے کر رہا تھا، اس لئے لب و لہجے میں مستی اُتری ہوئی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے......؟ لگتا ہے بہت خوش ہو۔''

انعم ادائے دلبرانہ سے کہہ رہی تھی۔

''جب سے تم ملی ہو، ہر طرف خوشی کا سماں ہے۔ چار سو پھلجھڑیاں چھوٹ رہی ہیں۔''

وہ پکے عاشق کی طرح وارفتہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

''میں پوچھ رہی ہوں، کیا کر رہے ہو اس وقت......؟ ہو کہاں......؟''

انعم کے اُنگ اُنگ میں مستی دوڑ رہی تھی۔

''بس......! ایک بزنس میٹنگ چل رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد تمہیں کال بیک کرتا ہوں جان......!''

وہ مست آواز میں کہہ رہا تھا۔

''اوکے......! بائے......!''

انعم نے پیار بھرے لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا اور مستقبل کے حسین سپنوں میں کھو گئی۔

☆......☆......☆

''نئی چڑیا کو دانہ ڈال رہے ہو......؟''

انعم کا فون بند ہوتے ہی سلمان کے دوست نے بڑے شریر انداز میں آنکھ مار کر پوچھا۔

''پرانی چڑیا ہے۔ پانچ سال پہلے دانہ ڈالا تھا، ابھی تک چُگ رہی ہے۔''

سلمان نے بڑے شاہانہ انداز میں جواب دیا۔ عجیب سا غرور اور اعتماد کا امتزاج اُس کے لہجے سے آشکار تھا۔

''فلورنس سے اَن بن ہو گئی ہے......؟ دوسرے دوست نے کارڈز بلینڈ کرتے ہوئے ایک نظر سلمان کی طرف دیکھا۔

''فلورنس سے اَن بن کر کے کہاں جائیں گے......؟ مارے جائیں گے۔ یہ بزنس ایمپائر اُسی کے دم سے، یہ سارے ٹھاٹ باٹ، عیاشیاں، امریکہ کا معزز شہری ہوں، ہیوی ٹیکس Pay کرتا ہوں اور پھر میرے دو شہزادوں کی ماں بھی تو ہے۔''

سلمان، فلورنس کا ذکر بہت پیار سے کر رہا تھا جو اُس کی بیوی تھی۔

''اس کا سیدھا سا مطلب تو یہ ہوا، ایک یہاں، ایک وہاں۔''

پہلے دوست نے جیسے بڑی نکتہ رسائی کی تھی۔

''دوسری شادی کا پروگرام ہے......؟''

سلمان کے دوسرے دوست یاسر نے پوچھا۔ سلمان نے اب بہت زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

''ابھی سوچا نہیں۔ ویسے ہی کام چل رہا ہے۔''

سلمان نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''کام چل رہا ہے تو چلاؤ یار......! کون سا تمہاری بیوی یہاں پہرے داری کر رہی ہے۔عیش کرو میری جان......!''

یاسر نے کارڈز کو بغور دیکھتے ہوئے سلمان کی حوصلہ افزائی کی۔

''ویسے بھی عورت کو بے وقوف بنانا کون سا مشکل کام ہے......؟ دو چار جملے اُس کے حسن کی تعریف میں بول چھوٹے موٹے گفٹ دے دو۔خوش ہو جاتی ہے بے وقوف۔''

پہلے دوست عابد جو سلمان کی عیاشیوں کا پرانا ساتھی تھا، نے ٹکڑا لگایا۔سلمان نے چکن اسٹک اُٹھا کر بھنبھوڑتے ہو شرارت سے دوستوں کو گھورا اور بولا۔

''دیکھو ناں......! اگر کوئی خوشی خوشی بے وقوف بننے کو تیار ہو تو ہم اس معصوم کا دل توڑنے والے کون ہوتے ہیں......؟

''بے وقوف عورتوں کی کوئی کمی نہیں۔''

یاسر نے ادائے بے نیازی سے برجستہ کہا۔

''ایک ڈھونڈو ہزار ملتی ہیں۔''

عابد نے بھی اضافہ کرنا اپنا فرض سمجھا۔

''بغیر ڈھونڈے بھی ملتی ہیں۔''

سلمان نے منہ سے اسٹک نکال کر گویا مطلع کیا۔سلمان کی اس بات پر کمرے میں فلک شگاف قہقہے گونجنے لگے تھے۔

☆......☆......☆

''مہرو......! یہ کیوں رو رہی ہے......؟''

بیہ کو بُری طرح روتے ہوئے دیکھ کر ناصر حسین پریشان ہو کر اپنی ملازمہ مہرو سے پوچھ رہا تھا اور بہت اُلجھا ہوا نظر آر تھا۔

''صاحب......! اپنی ماں کے لئے رو رہی ہے۔دودھ بھی نہیں پیا۔بس ایک ہی رَٹ لگائی ہوئی ہے کہ ماما کے پاس جا ہے۔''

مہرو، بیہ کو سنبھالتے ہوئے وضاحت سے بتا رہی تھی۔

''مر چکی اس کی ماں......!''

ناصر حسین جیسے برس پڑا۔

''اللہ نہ کرے صاحب......! ماں کے بغیر بچہ خوار ہے۔بھلے دس نوکرانیاں ہوں۔''

''یہ بات تمہیں سمجھ آتی ہے، اس کی ماں کو نہیں۔''

ناصر حسین اسی طرح بگڑ کر بولا۔

''صاحب......! آپ فون ملا کر بیہ سے بیگم صاحب کی بات کرا دیں۔کیا خبر بچی ماں کی آواز سن کر چپ ہو جائے۔''

مہرو، بیہ کے متواتر رونے سے پریشان ہو رہی تھی۔اب حل اُس کی سمجھ میں آ رہا تھا۔

’’ہوسکتا ہے بچی کا رونا سن کر اُن کا دل نرم ہو جائے اور اُن کا غصہ اُتر جائے۔‘‘
ناصر مہرو کی بات پر ایک دم ٹھنڈا سا ہو جاتا ہے۔ اپنی رِسٹ واچ پر نظر ڈال کر دھیرے سے ہنکارا بھرتا ہے۔
’’ہوں......! یہ بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں۔‘‘
اتنا کہہ کر وہ لینڈ لائن کنکشن سے انعم کا نمبر ملانے لگتا ہے۔ پھر چند سیکنڈ رابطہ ہونے کا انتظار کرتا ہے۔ رابطہ ہوتے ہی انعم کی آواز ایئر پیس میں اُبھرتی ہے۔
’’ہیلو......!‘‘
اُس کی آواز سے بے زاری صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ مہرو، بیبہ کو تھپک رہی تھی اور بڑی آس بھری نظروں سے ناصر حسین کی طرف دیکھ رہی تھی۔
’’یہ مہرو سے بات کرو......!‘‘
ناصر حسین نے بلا تمہید مطلب کی بات کی۔
’’کیوں......؟ کیا میں نے اُس کا قرضہ دینا ہے......؟ تمہاری ملازمہ ہے، خود ہی نمٹو......!‘‘
انعم نے گویا پتھر چھوڑے۔ سماعتیں چیخ چیخ گئیں۔ اتنا کہہ کر انعم نے فون بند کر دیا تھا۔ ناصر حسین دم بخود کھڑا رہ گیا۔ مہرو اُس کی کیفیت سے خود بخود بہت کچھ سمجھ گئی۔ ناصر حسین تیزی سے باہر چلا جاتا ہے۔

☆......☆......☆

’’فیاض......! بہت بُری بات ہو گی۔ مجھے تو لگ رہا ہے انعم اور ناصر کا زبردست جھگڑا ہوا ہے۔‘‘
سلمٰی بیگم از حد فکر مند نظر آ رہی تھیں۔
’’لگتا تو یہی ہے۔ ورنہ ناصر اتنا بامروّت تو ہے اور ہمارا اتنا تو احترام کرتا ہے کہ جیسے تیسے شادی میں شریک ہو ہی جاتا۔‘‘
فیاض احمد نے سلمٰی بیگم کی تائید کرتے ہوئے گم صم انداز میں کہا۔ وہ بہت پریشان تھے مگر بڑے صبر و ضبط سے کام لے رہے تھے۔
’’آج ولیمہ ہے۔ اُسے ضرور شریک ہونا چاہئے۔ مجھے تو یہی بات ہے، اس سے بات کرتے ہوئے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ جانے کیا کہہ دے......؟‘‘
سلمٰی بیگم نے کہا۔
’’تم کیا چاہتی ہو......؟ میں اس سے بات کروں......؟ مجھے تم سے زیادہ ڈر لگ رہا ہے۔ پتا نہیں انعم کیا کچھ کہہ سن کر آئی ہے......؟ خوامخواہ بے عزتی نہ ہو جائے۔ بات کھونے کا ملال بہت اذیت ناک ہوتا ہے سلمٰی......!‘‘
’’کچھ تو کرنا ہو گا فیاض......! یہی وہ مناسب موقع ہے جب بڑی سے بڑی بات سنبھالی جا سکتی ہے۔ لوگ کیا سوچیں گے فیاض......؟‘‘
سلمٰی بیگم بہت حواس باختہ تھیں۔
’’اب یہی ایک راستہ ہے کہ حماد سے کہوں کہ وہ جا کر ناصر کو منائے اور ساتھ ہی لے آئے۔‘‘

فیاض احمد نے بہرحال مسئلے کا حل سوچ لیا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ......! بلکہ حماد کو کہیں کہ فرح کو بھی ساتھ لے جائے۔ ذرا فرح کا لحاظ تو کرے گا۔''

''اچھی بات ہے......! میں حماد سے بات کرتا ہوں۔ مگر تم انعم سے تو جھگڑے کی وجہ پوچھو۔''

''اس سے کچھ پوچھنا بے کار ہے۔ اس کے پاس تو بس ایک ہی بات ہے کہ ناصر دقیانوسی ہے۔ مڈل کلاس کا م
مارا ہوا ہے، وغیرہ وغیرہ۔''

''حد ہوگئی......! مڈل کلاس سے ضرور تعلق ہے، مگر ماشاءاللہ......! خود تو اب بہت اچھی جاب کر رہا ہے۔ اس سیٹ
ہے کہ بڑے بڑے بااثر لوگ اُس سے سوچ سمجھ کر بات کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اس میں کسی قسم کا طنطنہ اور گھمنڈ نہیں
بہت سادہ مزاج ہے۔ ہماری بیٹی کو اس کی قدر نہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہی اس شادی کو نباہ رہا ہے۔ انعم کی خود
برداشت کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔''

فیاض احمد نے بڑی دیانت داری اور غیر جانب داری سے حقیقت کا اعتراف کیا۔

''بہرحال......! تم پریشان مت ہو، کچھ کرتے ہیں۔''

فیاض احمد تسلی دے کر فوراً ہی بیڈروم سے باہر چلے گئے۔ سلمٰی کے چہرے پر اُمید کی چمک نظر آنے لگی۔

☆......☆......☆

مسز سارہ نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے وسیع و عریض لان میں ولیمہ ڈِنر کا اہتمام کیا تھا۔ رنگ و نور اور خوشبوؤں کا س
اُمڈ آیا تھا۔ مسز سارہ کے چہرے پر سچی اور فطری خوشیوں کے عکس جگمگا رہے تھے۔ مریم اُن کا پہلی نظر کا انتخاب تھی۔ جب
اپنی پسند سے بہو لاتی ہے تو اُس کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ مریم اور عدیل مسز سارہ کے ساتھ مہمانوں کو lcome
کر رہے تھے۔ سلمٰی بیگم، فیاض احمد انعم کو لے کر آچکے تھے، مگر دونوں کے دل بہت بے قرار سے تھے۔ گھڑی کی ٹک ٹک
ساتھ اُن کے دل دھڑک رہے تھے۔ بار بار نظریں استقبالیہ کی طرف اُٹھتی تھیں۔ اُنہیں شدت سے اپنی بہو فرح اور بیٹے
انتظار تھا جو ناصر کو منانے اور ساتھ لانے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ انعم بڑی بے فکری سے بہت اچھی طرح تیار مہمانوں
والہانہ ملتی مسکراتی نظر آرہی تھی۔ چند خواتین نے اُس کی بھرپور تیاری کو سراہا تو اس کے ناز و ادا دیکھنے والے تھے۔ یو
سلمان کی وجہ سے آج کل وہ اور ہی ہواؤں میں اُڑ رہی تھی۔

''دیکھیں تو ذرا، اسے کوئی فکر ہے اپنی بیٹی کی......؟ کیسی مگن ہے۔''

سلمٰی بیگم نے بہت دُکھ سے فیاض احمد سے کہا۔

''کیا کریں......؟ شروع ہی سے ایسی ہے۔ غیر ذمہ دار اور لاپرواہ۔''

فیاض احمد نے بڑی متانت سے اپنے رُوحانی کرب کو چھپایا تھا۔

''اللہ کرے ناصر عقل سے کام لے لے۔ انعم سے تو کوئی اچھی اُمید نہیں ہے۔''

سلمٰی بیگم نے بڑے جذب سے جیسے دُعا کی۔

''آمین......! حوصلہ رکھو سلمٰی......! ماشاءاللہ......! ناصر بہت سمجھدار اور ذمہ دار ہے۔''

فیاض احمد نے بھرپور انداز میں سلمٰی کو تسلی دی۔ عین اُسی وقت دونوں کی نظریں استقبالیہ کی طرف اُٹھیں۔فرح اور حماد، ناصر حسین کے ساتھ داخل ہو رہے تھے۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم اور فیاض احمد کی کیفیت تو یہ تھی گویا سوکھے دھانوں پر پانی پڑا ہو۔سلمٰی بیگم نے خوشی کی کیفیت میں بے اختیار فیاض احمد کا بازو تھام لیا۔

''میں دیکھ رہا ہوں۔''

فیاض احمد کی آواز میں خوشی کا تاثر نمایاں تھا۔دونوں والہانہ انداز میں آگے بڑھے۔ناصر حسین کی نظر ساس سسر پر پڑی تو وہ خود تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔

''السلام علیکم......!''

اُس نے سلام کر کے دونوں کے سامنے اپنا سر خم کر دیا۔

''جیتے رہو......!''

سلمٰی بیگم نے سر پر ہاتھ پھیر کر سرخوشی کی کیفیت میں جواب دیا۔وہ ایک دم ہلکی پھلکی سی محسوس کر رہی تھیں۔فیاض احمد نے بڑے جذبے سے ناصر حسین کو سینے سے لگا لیا۔

''ناصر......!تم نے ہمارا مان رکھ لیا اور عزت بھی۔بیٹے......!ہم تمہارا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔''

''یہ کیسی بات کی آپ نے......؟بیٹا بھی کہتے ہیں اور شکریہ بھی ادا کرتے ہیں۔''

''بابا، امی اور میں واقعی تمہارا احسان مانتے ہیں ناصر......!انعم کی وجہ سے تمہیں بہت تکلیف پہنچی ہے۔مگر تم ہمیں جو پیار اور عزت دیتے ہو، وہ بڑی بات ہے۔آؤ، میں تمہیں کچھ خاص مہمانوں سے ملواؤں۔بہت لوگ تمہارا پوچھ رہے ہیں۔''

فیاض احمد نے ناصر کا بازو تھام کر قدم بڑھائے۔

''امی......!اب تو آپ خوش ہیں ناں......؟آپ کی فیملی اس وقت مکمل ہے۔''

فرح نے سلمٰی بیگم کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر کہا۔

''اللہ تمہیں ہر طرح کا سکھ دکھائے۔آج واقعی تم دونوں نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔''

سلمٰی بیگم نے محبت بھری نظروں سے بہو کو دیکھا۔

''مگر بیہ نظر نہیں آ رہی......؟وہ تو میری چہکتی ہوئی چڑیا ہے۔''

سلمٰی بیگم نے دُور دُور تک نظر دوڑاتے ہوئے فرح سے پوچھا۔

''ہمارے پہنچتے ہی وہ سونے کے لئے چلی گئی تھی۔ناصر نے کہا، یہ نو بجے سو جاتی ہے۔جاگے گی تو بہت تنگ کرے گی۔اس لئے میں نے زور نہیں دیا۔''

''اے ہے......!آ جاتی تو دُلہن بنی خالہ کی گود میں بیٹھ کر فوٹو تو بنوا لیتی۔ایسی تقریبات کی تصویریں تو زندگی بھر کی یادوں کا سرمایہ ہوتی ہیں۔''

''بس......!وہ ناصر نہیں چاہ رہے تھے تو میں نے بھی زور نہیں دیا۔''

فیاض احمد، ناصر کو مہمانوں سے ملوانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اِسی دوران انعم کی نظر ناصر پر پڑتی ہے۔ انتہائی حیرت کا تاثر نگاہ میں اُبھرتا ہے۔ ہم کلام خاتون اُس کی کیفیت دیکھ کر اُس کی نظر کا تعاقب کرتی ہیں۔ حیرت آمیز شوخی سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہیں۔

''بہت اچھا لگ رہا ہے تمہارا میاں۔ مگر تم تو یوں دیکھ رہی ہو جیسے مدت بعد دیکھ رہی ہو۔ پاس جا کر دیکھ لو۔''

''ارے نہیں......!وہ......میں دیکھ رہی تھی کہ بابا کس سے ملوا رہے ہیں ناصر کو......؟''

انعم نے جھینپ کر بات بنانے کی کوشش کی۔

''کیوں صفائیاں پیش کر رہی ہو......؟ ہم اعتراض تھوڑا ہی کر رہے ہیں۔ تمہارا میاں ہے۔ ہماری طرف سے اجازت ہے۔ آج کچھ نہ کرو، صرف اپنے میاں کو دیکھو۔''

رنگ و نور کے سیلاب کا اثر ہر موجود فرد کے روّیے میں زندگی اور تازگی بھر رہا تھا۔ دوسری مہمان خاتون نے جانے کب بدلہ اُتارا۔ خواتین کے زبردست قہقہوں نے حاضرین کو اُن کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ناصر حسین بہت شاندار نظر آ رہا تھا۔ اُس کے مزاج کی نفاست و نرمی کا اثر اُس کے چہرے پر چمک رہا تھا۔ مگر انعم کی بصیرت تو دُھند میں اَٹی ہوئی تھی۔ اُسے ناصر کا آنا بہت کھلا تھا۔ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہی تھی کہ وہ آیا ہی کیوں......؟ وہ اب اِس کے اور اپنے معاملے میں کوئی لچک رکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اپنی طرف سے وہ گھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر آ چکی تھی۔ وہ مہمان خواتین سے معذرت کرتی آگے بڑھی۔ اُس کے قدم گھر کے اندرونی حصے کی سمت اُٹھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

مریم اور عدیل اسٹیج پر مہمانوں میں گھرے ہوئے تھے۔ دونوں کے چہرے فطری خوشیوں سے جگمگا رہے تھے۔ مسز سارہ مہمانوں کو باری باری بٹھا کر یادگار تصاویر بنوا رہی تھیں۔ اُن کی خوشی قابلِ دید تھی جیسے بھولا کر اُنہوں نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہو۔ نظر ہی نظر میں بہو بیٹے کی بلائیں لے رہی تھیں۔

''ارے سلمٰی! مہمانوں سے بھی ملتی رہنا۔ فیاض بھائی کے ساتھ ایک پوز تو بنوالیں۔ حماد اور فرح کو بھی بلائیں ناں!''

اُنہوں نے بلند آواز سے سمدھن کو متوجہ کیا۔

''آتی ہوں اُنہیں لے کر۔ ناصر بھی تو آ چکا ہے۔ مگر انعم نظر نہیں آ رہی۔ میں اُسے لے کر آتی ہوں۔''

''جلدی سے آ جائیں، بس......!''

وہ یہ کہہ کر ایک اور کپل کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ سلمٰی بڑی حیرت سے دُور دُور نظریں دوڑا رہی تھیں۔ مگر انعم کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ دل میں اندیشے سے جاگنے لگے۔

''کہیں ناصر کی وجہ سے وہ تقریب کا بائی کاٹ تو نہیں کر گئی......؟ کیا بات اتنی زیادہ خراب ہو چکی ہے......؟''

''لیکن اگر بات حد سے بڑھی ہوتی تو ناصر کسی قیمت پر بھی یہاں نہ آتا۔''

اندر ایک تسلی و اُمید کے جذبے نے تھپکی لگائی۔ اُنھوں نے تنہائی میں جا کر اپنے سیل پر انعم سے رابطہ کیا۔ انعم نے فوراً ہی

فون اٹینڈ کرلیا تھا۔

''جی امی......!''

وہ سپاٹ لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''تم کہاں ہو انعم......؟ سب تمہیں تلاش کررہے ہیں۔''

سلمٰی بیگم نے رنگ ونور کے تاحد نظر اُمڈتے سیلاب کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''سب کیوں مجھے تلاش کررہے ہیں......؟ میرے سر میں درد ہو رہا تھا۔ میں اندر لاؤنج میں ذرا ریسٹ کررہی ہوں''

اُس نے اسی طرح سرد لہجے میں جواب دیا۔

''بیٹا......! مسز سارہ تمہیں بلارہی ہیں۔ دُلہا دُلہن کے ساتھ فیملی ممبرز کا فوٹو سیشن ہورہا ہے۔ شاباش......! آجاؤ، ورنہ مریم بہت Feel کرے گی۔ ماں سے سو باتیں منواتی ہو۔ ایک ماں کی بھی مان لو۔''

سلمٰی بیگم نے یوں بات کی کہ انعم کے پاس کسی بہانے کی گنجائش نہ رہے۔

''ٹھیک ہے امی......! میں آتی ہوں۔''

یہ کہہ کر اُس نے اپنا سیل فون بند کردیا۔ سلمٰی بیگم نے سکون کا سانس لیا اور اسٹیج کی طرف بڑھ گئیں، جہاں ہنسی شوخی کی فضاء بنی ہوئی تھی اور گاہے گاہے نسوانی قہقہے بلند ہورہے تھے۔ یقیناً لڑکیوں نے عدیل کو چاروں طرف سے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

ناصر، مریم کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ مریم اُسے تقریب میں موجود پاکر بہت خوش اور مطمئن نظر آرہی تھی۔ بہرحال، وہ اُن کے خاندان کا انتہائی اہم فرد تھا۔ بارات کے روز بھی اُس کی کمی شدت سے محسوس کی گئی تھی اور بہت سے لوگوں نے اُس کی غیر حاضری کی بابت استفسار کیا تھا۔

''ناصر......! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے اپنا دل بڑا کیا، ہم سب کا مان رکھا۔ یقین کریں، آپ کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہورہی ہے۔''

اُس نے بے ساختگی سے اپنے جذبات کا اظہار کردیا۔

''کیسی باتیں کررہی ہیں مریم......؟ یہ سب کچھ میرے اخلاقی فرائض میں شامل ہے۔ کل میرے سر میں اتنا شدید درد تھا کہ میں کوشش کے باوجود گھر سے نکلنے کی ہمت نہ کرسکا۔''

ناصر نے لگے ہاتھوں اپنی کل کی غیر حاضری کی وجہ بھی بیان کردی۔ معاً اُس کی نظر سامنے پڑی۔ انعم اپنا دوپٹہ ٹھیک کرتی آہستہ قدموں سے اسٹیج کی طرف آرہی تھی۔ چہرے پر خوشی کا کوئی عکس نہ تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے مارے باندھے کوئی کام کرنا پڑرہا ہے۔ پھر وہ دیکھتا ہے، ایک سمت سے سلمٰی بیگم تیر کی طرح انعم کی طرف لپکتی ہیں اور اُس کا بازو تھام کر اُس کے کان میں کچھ کہتی ہیں۔ انعم کے چہرے پر خفگی و بے زاری کے تاثرات اُبھرتے ہیں۔

''بیبہ کی کمی بہت محسوس ہورہی ہے۔ آجاتی تو خوب انجوائے کرتی۔''

مریم، ناصر کی کیفیت سے بے خبر اپنی دُھن میں کہہ رہی تھی۔

''آں......ہاں......!''

ناصر نے چونک کر گردن موڑ کر مریم کی طرف دیکھا اور زبردستی مسکرایا۔

''ارے......! آپ کی مسز نہیں آرہیں۔ بہن کے ولیمے پر آج تو اُن کی دُلہن سے زیادہ تیاری ہے۔ اُن کی تو بڑی اسپیشل تصویریں آپ کے ساتھ الگ سے بھی بننا چاہیں۔''

عدیل نے آگے کی طرف جھک کر ناصر کو دیکھتے ہوئے شرارتاً کہا۔

''Oh.....! sure.....! وہ آرہی ہیں بلکہ آچکی ہیں۔ بنوا لیتے ہیں۔ آپ اپنے فوٹو گرافر کو اسپیشل ہدایات دیجئے۔''

ناصر نے خود کو سنبھال کر جواباً شوخی کا مظاہرہ کیا۔ اتنی دیر میں انعم اور سلمیٰ بیگم اُوپر چڑھ چکی تھی۔ مسز سارہ ایک مہمان خاتون کی طرف متوجہ تھیں مگر اُن کی نظر انعم اور سلمیٰ بیگم پر پڑی تو خاتون سے معذرت کر کے فوراً اُن کے قریب آئیں۔

''ارے انعم......! کہاں غائب ہو......؟ ناصر کی اور تمہاری فوٹو تو دُلہا دُلہن کے ساتھ ضرور بننی چاہئے۔ میری بہو کی ایک بہن ایک بہنوئی۔ عدیل تو یہی کہتا تھا، امی......! آپ میری شادی اپنی مرضی سے کریں، مگر سسرال مختصر دیکھیں۔ میں بہت ساری سالیاں اُفورڈ نہیں کر سکتا۔ میرے بال تو شادی سے پہلے ہی گرنا شروع ہو گئے ہیں۔''

مسز سارہ کی بات پر بے ساختہ قہقہے اُبھرے۔ انعم کو بھی مسکرا کر ساتھ دینا پڑا۔ مسز سارہ نے بڑی محبت سے انعم کا بازو تھام کر عدیل کے برابر بٹھایا۔ سلمیٰ بیگم کے سامنے دونوں بیٹیاں اور دونوں داماد تھے۔ اُنہوں نے بہت محبت سے دیکھ کر جیسے دُعا کی۔

''یا اللہ......! میرے بچوں کو سچی خوشیاں نصیب کر۔''

کیمروں کے فلیش میں خوشیوں سے جگمگاتے چہروں کے بیچ ایک واحد چہرہ انعم کا تھا جسے خود کو خوش ظاہر کرنے کے لئے بہت جتن کرنا پڑ رہے تھے۔ ناصر کی موجودگی نے اُس کی ساری بشاشت چھین لی تھی۔ کچھ رشتے بھاری زنجیروں کی طرح مضبوط حوالوں میں جکڑے ہوتے ہیں، مگر صرف رشتے ہوتے ہیں۔ مثبت اور نیک خواہشات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

☆......☆......☆

کسی طرح سے علینہ تقریب میں آکر اسٹیج پر بیٹھے دُلہا دُلہن کا نظارہ کر کے واپس باہر پارکنگ میں کھڑی اپنی کار میں جا کر بیٹھ گئی تھی اور عدیل کو موبائل پر تنگ کر رہی تھی۔ اسٹیج کا نقشہ کھینچنے کے ساتھ ساتھ دُلہا دُلہن کے کپڑوں اور کھڑے مہمانوں کا ذکر اس انداز میں کر رہی تھی کہ عدیل پریشان ہو کر مہمانوں کے ہجوم پر مسلسل نظریں دوڑا کر آواز دبا کر باقاعدہ درخواست کر رہا تھا کہ خدا کے لئے سامنے آجاؤ۔ میں تم سے اپنی بیوی کا تعارف کراتا ہوں۔ مگر علینہ تو آج اُسے تنگ کرنے کا تہیہ کر کے گھر سے نکلی تھی اور اس وقت عدیل کی حواس باختگی کو انجوائے کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

عدیل کی توجہ اسٹیج کے ماحول سے نکل کر مہمانوں کے ہجوم میں بکھری ہوئی تھی۔ موبائل کان سے لگا تھا۔ مریم کی شوخ وشنگ سہیلیاں اور کزنز کی تیز نظریں اُس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''دُلہا میاں......! آپ ہماری دُلہن کی اِنسلٹ نہیں کرسکتے۔ اس وقت کون ہے جو آپ کی بیوی سے بلکہ نئی نویلی دُلہن سے زیادہ اہم ہے اور کباب میں ہڈی بن رہا ہے......؟''

سبین نے باقاعدہ اچھی خاصی جھاڑ پونچھ کرڈالی۔ عدیل نے گھبرا کر موبائل بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔

''ویسے ہی ایک شریر دوست تنگ کر رہا تھا۔ کوئی خاص بات نہیں......!''

عدیل نے جلدی سے سالی کو صفائی پیش کی۔

''یہ کیسا دوست ہے جس نے اتنی اہم تقریب میں غیر حاضری لگائی اور اُوپر سے فون پر تنگ بھی کر رہا ہے......؟''

ایک اور لڑکی نے شوخی و برجستگی کا مظاہرہ کیا۔

''وہ......اصل میں پاکستان سے باہر ہوتا ہے۔''

عدیل نے مسکراہٹ کی آڑ میں گھبراہٹ چھپائی۔

''اللہ......! آپ تو سچ مچ وضاحتیں کرنے لگے۔ ہم لوگ تو بس یوں ہی مذاق کر رہے تھے۔''

ایک اور پارہ صفت دوشیزہ نے عدیل کی کھنچائی کی۔

''ارے لڑکیو......! ہٹو، کیوں تنگ کر رہی ہو میرے معصوم سے داماد کو......؟''

سلمٰی بیگم رَش میں راستہ بناتی مریم اور عدیل کی طرف آ رہی تھیں۔ کان سے موبائل لگا تھا۔ چہرے پر فطری خوشیوں کی چمک تھی بلکہ خوشی سے نہال نظر آ رہی تھیں۔

''پاپا......! یہ لیجئے، مریم سے بات کیجئے، پھر داماد سے بات کیجئے گا۔''

اُنھوں نے بشر علی سے کہا اور موبائل مریم کی طرف بڑھا دیا۔

''مریم......! یہ لو، نانا جان سے بات کرو۔''

مریم کے چہرے پر خوشیوں کے رنگوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اُس نے بے صبری سے موبائل ہاتھ میں لے کر پیار بھرے لہجے میں بشر علی کو سلام کیا۔

''السلام علیکم نانا جان......!''

''وعلیکم السلام بیٹا......! نئی زندگی، نئی خوشیاں مبارک ہوں۔ اپنی غیر حاضری شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔ مگر تمہاری خوشیوں بھری آواز سے دل کو بہت راحت ہے۔ اللہ تمہاری خوشیوں کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے، آمین......!''

وہ مریم سے بات کر رہے تھے اور مریم کے پہلو میں بیٹھے عدیل کے سیل فون پر مسلسل علینہ مس کالز سے تنگ کر رہی تھی۔

اُس نے سیل چونکہ Vibration پر لگایا ہوا تھا، اس لئے حاضرین کو اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اس وقت کتنا بٹا ہوا ہے۔

''عدیل سے بات کراؤ بیٹا......! کل تو اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔''

بشر علی کی بات سن کر مریم نے سیل فون عدیل کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ لیجئے، نانا جان سے بات کیجئے۔''

اس نے دل پذیر مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔ عدیل نے جلدی سے سیل تھام لیا۔

''السلام علیکم نانا جان......!''

اُس نے اتنی گرم جوشی سے سلام کیا جیسے اِسی فون کا انتظار کر رہا تھا اور واری صدقے ہوا جا رہا ہو۔ نانا کے لئے عدیل کی اپنائیت کا مظاہرہ مریم کو بہت اچھا لگا۔ شریک سفر سے قربت کے احساس کو مزید نئے رنگ ملے۔

''وعلیکم السلام بیٹا......! جیتے رہو، خوش رہو، تم بہت خوش قسمت ہو بیٹا......! کہ مریم جیسی لڑکی تمہاری شریک سفر ہے۔ ڈیوٹی فل، اپنے ہر رشتے سے Sincere اور پریکٹیکل۔''

بشر علی بڑے فخر سے کہہ رہے تھے۔

''جی بس اللہ کا شکر ہے۔ میں نے تو اپنی ممی کی چوائس پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کیا ہے۔ بس......! آپ ہمارے لئے دُعا کیجئے گا۔''

عدیل نے ایک نظر مسکراتی شرماتی مریم پر دوڑا کر بڑے مؤدبانہ اور عاجزانہ انداز میں کہا۔

''میرے دل کی ہر دھڑکن بس دُعا ہی دُعا ہے بیٹا......! اس کا بہت خیال رکھنا۔ یہ بہت حساس ہے، اسے دُکھ نہ دینا۔''

بشر علی کی آواز میں محبت کا گداز تھا۔

''میں پوری کوشش کروں گا نانا جان......! کہ آپ کو کوئی شکایت نہ ہو۔''

عدیل بہت مؤدبانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ مریم کی رُوح میں بھرپور سرشاری کی کیفیت تھی۔ فوٹو سیشن کے دوران ہی کھانا شروع ہو چکا تھا۔ اب مسز سارہ کی توجہ اسٹیج سے ہٹ کر مہمانوں میں بکھر چکی تھی۔ وہ آدابِ میزبانی نبھانے اس طرف چل پڑیں جہاں پلیٹوں، چمچوں کی آوازیں اور اشتہا انگیز خوشبوئیں بکھری ہوئی تھیں۔

☆......☆......☆

ناصر تو ہوٹل سے ہی واپس اپنے گھر چلا گیا تھا۔ اسٹیج سے اُتر کر تقریب کے اختتام تک اُس کی اور انعم کی پھر نہ کوئی بات ہوئی نہ ہی آمنا سامنا ہوا۔ انعم خود ہی ایک کونہ لے کر بیٹھ گئی تھی۔ اُس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ آج ناصر کسی صورت تقریب میں شریک نہ ہو اور آئندہ کے لئے اُن کے رشتے میں کسی نرمی کی گنجائش نہ رہے اور سب کو محسوس ہو جائے کہ وہ ناصر سے کسی صورت نباہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ مگر ناصر نے آج اس اہم موقع پر شرکت کر کے اُس کے سارے منصوبوں کو ملیامیٹ کر دیا تھا اور اُس کے ماں باپ کے دل میں مزید جگہ بنا لی تھی۔ گھر پہنچ کر انعم نے کسی سے بات نہیں کی۔ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سلمیٰ اور فیاض اُس کا خراب موڈ نوٹ کر چکے تھے مگر مصلحتاً خاموش تھے اور انعم سے اُنہوں نے خود بھی ناصر کے موضوع پر بات نہیں کی۔ وہ اپنی بیٹی کی ہٹ دھرمی اور خودسری کو اچھی طرح جانتے تھے۔ فرح نے حماد کو کچھ جتانے کی کوشش کی تو حماد نے بُرا مان کر سنجیدگی سے کہہ دیا تھا۔

''پلیز فرح......! انعم کو ٹاپک بنا کر لاحاصل بحث مت کرنا۔ امی اور بابا خود سنبھال لیں گے۔ میرے کہنے سے وہ فوراً اپنے گھر نہیں چلی جائے گی۔''

☆......☆......☆

حسین سپنوں سے سجی نیند خود بخود ٹوٹ گئی تھی۔ مریم نے کروٹ بدلی تھی۔ بیڈ پر عدیل نہیں تھا۔ اُس نے نیند بھری

آنکھوں سے کمرے کے اطراف میں دیکھا۔ کمرہ خالی تھا۔ اُس نے یہ سوچ کر دوبارہ آنکھیں موندھ لیں کہ عدیل واش روم میں ہوگا اور دوبارہ سونے کے لئے ذہن بنانے لگی۔ ایک بار گہری نیند کسی بھی وجہ سے ٹوٹ جائے تو دوبارہ آسانی سے نہیں آتی۔ اُس کی آنکھیں ضرور بند تھیں، مگر ذہن جاگا ہوا تھا۔ اُسے محسوس ہوا کہ بیڈروم کا دروازہ آہستگی سے کھلا ہے۔ اُس کا رُخ دروازے کی طرف ہی تھا۔ اُس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے سلیپنگ سوٹ میں عدیل داخل ہو رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں موبائل اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی جیسے فون بند ہونے کے بعد کسی خوش گوار خیال کے زیر اثر ہو۔ مریم کی آنکھوں میں حیرت کا عکس اُبھرا۔ اُس نے وال کلاک کی طرف لاشعوری نگاہ ڈالی۔ صبح کے پانچ بج رہے تھے۔

''یہ تو لگتا ہے سرے سے سوئے ہی نہیں۔''

اس نے سوچا۔ عدیل کے چہرے پر گہری نیند سے جاگنے کا کوئی تاثر نہ تھا۔ اُس نے بے اختیار پوچھا تھا۔

''اس وقت کس کا فون آگیا......؟''

عدیل، مریم کی آواز پر بُری طرح ٹپٹایا۔ وہ ذہنی طور پر اتنا غیر حاضر تھا کہ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مریم جاگ رہی ہے۔ بڑی مہارت سے خود کو سنبھال کر مسکرایا۔ آگے بڑھ کر موبائل رکھتے ہوئے بولا۔

''ارے......! تم جاگ رہی ہو جان......؟ کتنی دیر سے......؟''

وہ بولتے ہوئے مریم کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

''ابھی ابھی آنکھ کھل گئی تھی۔ میں سمجھی، آپ واش روم میں ہیں۔''

مریم نے عام سے انداز میں کہا۔

''ہاں بس......! وہ...... یو کے سے ایک پرانے دوست کی کال آ گئی تھی۔ میں نے سوچا لمبی بات ہوگی اور تمہاری نیند خراب ہو جائے گی، اس لئے لاؤنج میں چلا گیا۔''

''ہوں......! بہت ساری باتیں جمع کر کے ہی کال کرتا ہوگا۔ ویسے کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے، بات شروع کرتے ہیں تو بھول جاتے ہیں کہ فون پر بات ہو رہی ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہو۔''

عدیل ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

ناصر ڈپریشن کی وجہ سے نیند کی گولی کھا کر سویا تھا۔ نیند بہت گہری تھی، مگر فون کی گھنٹی اتنے تواتر سے بجی کہ آنکھ کھل ہی گئی۔ کال لینڈ لائن نمبر پر آ رہی تھی۔ اُس نے موبائل اُٹھا کر ٹائم دیکھا۔ صبح کے پانچ بج چکے تھے۔

''اس وقت کس کا فون آ سکتا ہے......؟ ہوسکتا ہے رانگ نمبر ہو۔''

اُس نے سوچتے ہوئے ریسیور اُٹھایا اور نیند میں ڈوبی آواز میں ''ہیلو'' کہا۔

''ساری رات نیند نہیں آئی۔ صبح ہوگئی جاگتے جاگتے۔''

ایئر پیس میں انعم کی آواز اُبھری اور حیرت کے زوردار جھٹکے نے ناصر کے ذہن پر پڑی نیند کی گہری چادر نوچ کر ایک

طرف پھینک دی۔

''ان.......انعم.......؟''

اُس کے منہ سے بس یہی نکل سکا۔وہ منتظر تھا کہ اُس کے سوال سے پہلے انعم خود ہی فون کرنے کی وجہ بیان کرے۔

''پوچھوگے نہیں کہ میں نے صبح صبح کیوں فون کیا ہے.......؟''

انعم نے سرد سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''بیٹی یاد آرہی ہوگی۔اتنا مجھے یقین ہے کہ میری محبت میں تو ہرگز نہیں کیا ہے۔''

ناصر نے بھی سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''شکر ہے کہ تم بہت حقیقت پسند ہو۔مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنا ہے ناصر.......!''

انعم کا لہجہ اب بھی ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

''میں سن رہا ہوں۔''

ناصر کے تمام حواس قوتِ سماعت بن گئے۔

''اس طرح نہیں.......! آمنے سامنے بیٹھ کر بات ہوگی۔میں آرہی ہوں۔''

''اتنی ایمرجنسی ہے.......؟''

ناصر نے برجستہ کہا۔

''ایمرجنسی سے بھی کچھ زیادہ.......!''

انعم نے یہ کہتے ہی فون بند کردیا۔ناصر دم بخود سا ریسیور کو گھورتا رہ گیا۔

☆.......☆.......☆

انعم کے معنی خیز فون کے بعد نیند کس کافر کو آسکتی تھی.......؟ ہزاروں،لاکھوں اندیشوں کے ناگ چار سو سر سرانے لگے۔

''ایسی بھی کیا بات ہے جس کے لئے سورج نکلنے کا انتظار تک نہیں کیا جارہا.......؟''

ناصر بیڈ سے اُتر کر پردے سرکاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔معاً اُس کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور بے اختیار ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

''یہ یاد آرہی ہوگی۔کسی بہانے سے آنا چاہ رہی ہوگی۔ظالم میں اَنا بھی تو بہت ہے۔''

وہ اس خیال کے ساتھ ہی ہلکا پھلکا ہوگیا۔ہر اندیشے سے جان چھوٹ گئی۔اب وہ سوچ رہا تھا کہ انعم کے آنے سے پہلے شاور لے لے اور ایک کپ کافی پی کر تازہ دم ہوجائے۔

''گھر کی مالکن کے بغیر تو گھر،گھر ہی نہیں لگتا۔بہت ٹیڑھی کھیر ہے،مگر میں کیا کروں.......؟ لگاؤ تو ہے ناں.......! شاید اسی کو محبت کہتے ہیں۔بیوی ہے میری،میری پیاری سی بیٹی کی ماں ہے۔''

ناصر اب بہت خوب صورت تصورات میں کھوچکا تھا۔

☆.......☆.......☆

عدیل تو شاید رات بھر جاگنے کی وجہ سے گہری نیند سو چکا تھا، مگر مریم کو دیر تک کروٹیں بدلنے کے باوجود دوبارہ نیند نہیں آئی۔ آخر کار اُس نے بستر چھوڑ دیا اور کھڑے ہو کر زور سے اُنگڑائی لی۔ نئی دُلہن تھی، حسین تصورات کا ساتھ آٹھ پہر تھا۔ اُس نے گہری نیند سوئے عدیل پر ایک پیار بھری نظر ڈالی۔ اُس کی شوخیاں اور شریر باتیں اُس کے جذبات میں گداز پیدا کرنے لگیں۔

''پتا نہیں سنجیدہ ہو کر کیسے لگتے ہوں گے......؟ میں نے تو ابھی تک بچوں کی طرح خوشیاں مناتے ہی دیکھا ہے۔''

وہ حسین خیالات کے ساتھ وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی تاکہ آج کے دن پہننے کے لئے ملبوس کا انتخاب کرے۔ فرح بھابی نے سختی سے تاکید کی تھی روز نیا سوٹ پہنو گی۔

''خبردار......! جو شادی سے پہلے کے کسی فیورٹ ڈریس میں نظر آئیں۔''

فرح کی بات یاد آتے ہی وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ زندگی میں رنگ بکھرے ہوں تو نت نئے ملبوسات پہننے کا بھی مزہ آتا ہے۔

☆......☆......☆

''انعم......! اندر آ کر آرام سے تو بیٹھو۔''

ناصر، انعم کا موڈ دیکھ کر پھر ڈسٹرب ہو گیا۔

''میں بیٹھنے نہیں آئی ناصر......! فیصلہ کن بات کرنے آئی ہوں۔''

انعم نے پتھر پھوڑا۔

''فیصلہ کن......؟''

ناصر کو زور سے دھچکا لگا۔

''میں تو سمجھ رہا تھا تمہیں بیبا یاد آ رہی ہوگی، اس لئے تم رات بھر سو نہیں سکیں۔''

تم جو مرضی سمجھو۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ جب میں نے تمہارے ساتھ رہنا ہی نہیں تو مجھے کیا پڑی ہے کہ......''

''انعم......! انعم......! میاں بیوی میں جھگڑے بھی ہو جاتے ہیں۔ ایسا کیا ہو گیا جو تم اتنے اتنے بڑے فیصلے کرنے لگیں......؟''

ناصر حسین ششدر سا اُس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

''تمہارے نزدیک کچھ نہیں ہوا اور میں تمہارے ساتھ مر مر کر جی رہی ہوں۔ مگر اب میں مزید کمپرومائز نہیں کر سکتی۔''

انعم کا انداز برہم اور قطعی تھا۔

''انعم......! میں تو اپنی طرف سے تمہیں خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہوں۔ میر گھر، میرا دل تم سے آباد ہے۔''

''مگر میرا دل تم سے آباد نہیں ہے۔''

انعم نے برجستہ کہا اور بے چینی سے ٹہلنے لگی۔

''کیا مطلب......؟''

سادہ مزاج ناصر حسین واقعی اُس کی بات نہیں سمجھ پایا۔

''مطلب یہ کہ میں نے سنا ہے، مشرق کے مرد بہت غیرت مند ہوتے ہیں۔ اگر کسی شوہر کو پتا چل جائے کہ اُس کی بیوی کسی اور مرد سے محبت کرتی ہے، اُس سے ملتی ہے تو کھڑے کھڑے تین طلاقیں دے دیتے ہیں۔ سو......''

وہ بات کرتے کرتے سانس لینے کو رُکی اور پھر بے ناصر کو معنی خیز انداز میں دیکھ کر مسکرائی۔

''سو......تم ابھی اسی وقت مجھے تین طلاقیں دے کر فارغ کرو۔''

انعم نے بڑی بے باکی اور ڈھٹائی سے اپنی بات مکمل کی۔

''اوہ نو......!''

ناصر حسین پر گویا آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں ایک ٹک انعم کو گھورے جا رہا تھا۔

''انعم......!انعم......!''

کھڑے کھڑے اُس کی دُنیا لُٹ گئی تھی، الفاظ گم ہو گئے تھے۔

''میں نے سب سچائی تمہارے سامنے کھول دی ہے اور مجھے اُمید ہے کہ اب تم مجھے ایک منٹ برداشت کرنا پسند نہیں کرو گے۔ میں بیہ سے مل کر آتی ہوں۔ اتنی دیر میں تم نے جو سوچنا ہے سوچ لو۔''

انعم نے اندر کاریڈور کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ پھر چلتے چلتے ایک منٹ کے لئے اپنی جگہ رُک گئی اور بہت اعتماد ویقین سے گویا ہوئی۔

''سچ تو یہ ہے کہ میں نے تمہیں سوچنے کے لئے کچھ دیا ہی نہیں۔ تمہیں تو بس اب فیصلہ سنانا ہے، اور کام ختم......!''

وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ ناصر حسین کے سامنے قیامت برپا تھی۔ پہاڑ ہوا میں اُڑ رہے تھے۔ ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر آپس میں ٹکرا رہے تھے۔

☆......☆......☆

انعم، بیہ کے کمرے میں آئی تو دیکھا، بیہ اپنے جتنی گڑیا سینے سے لگائے بے سدھ سو رہی تھی۔ ایک لمحے کو اُس کے دل کو کچھ ہوا۔ چند لمحے بیہ کو دیکھتی رہی پھر جھک کر بیہ کی پیشانی چوم لی۔ بیہ کی آیا مہرو آہستگی سے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی اور یہ منظر بہت خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ انعم، بیہ کو پیار کر کے سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اب بھی اُس کی نظریں بیہ پر تھیں۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ آس پاس سے بالکل بے خبر تھی۔

''ناصر، بیہ سے بہت پیار کرتا ہے۔ یہ اُس کے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اپنی بیٹی کا بہت خیال رکھے گا۔''

وہ یہ سوچ کر پلٹی تو سامنے مہرو کو کھڑی پایا۔

''بہت یاد کر رہی تھی آپ کو۔ دودھ بھی نہیں پی رہی تھی۔ صاحب نے بڑی مشکل سے پلایا۔ خیر......! اب آپ آ گئی ہیں تو مسئلہ ہی ختم۔''

مہرو مؤدبانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

وقار عظیم پاکستانی ڈاٹ کام

''میں جا رہی ہوں مہرو......! اور شاید پھر اس گھر میں دوبارہ نہ آؤں۔''

انعم نے مہرو سے نظر چرا کر سپاٹ لہجے میں کہا۔

''جی......؟''

مہرو کو حیرت و دُکھ کا بڑا زور دار جھٹکا لگا۔

''بیبہ کا خیال رکھنا۔ میں الگ سے بھی تمہیں تنخواہ دوں گی۔ جو تمھیں ناصر دیتا ہے اس کے علاوہ۔''

انعم نے بڑی شاہانہ بے نیازی سے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔ انعم باہر جا رہی تھی اور مہرو ہکا بکا اُسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ انعم، بیبہ سے مل کر واپس لاؤنج میں آئی تو دیکھا، ناصر اُسی حالت میں اپنی جگہ کھڑا تھا، وہ جس حالت میں اُسے چھوڑ کر گئی تھی۔ اُس نے ناصر کی کیفیت سے نظر چرا کر قدم بڑھائے۔

''انعم......! ایک منٹ......!''

ناصر بے اختیار بولا تھا۔

''ہمارے درمیان اب کرنے کے لئے کوئی بات نہیں رہی۔''

انعم نے رُکھائی سے کہا۔

''انعم......! ہماری ایک بیٹی بھی ہے۔''

''میرے سارے سچ سن کر بھی ایسی بات کر رہے ہو۔''

انعم نے بڑی ڈھٹائی سے سوال کیا۔

''اسی لئے کر رہا ہوں۔ میں اُس وقت اس کا مستقبل دیکھ رہا ہوں۔''

''کمال ہے......! جو کچھ تم سے میں کہہ چکی ہوں، اس کے بعد بھی تم مجھے اپنا سکتے ہو......؟ تم تو پہلے ہی انتہائی درجے کے تنگ نظر اور دقیانوسی ہو۔''

انعم نے تمسخرانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اولاد کو نظر انداز کر کے اتنے بڑے بڑے فیصلے نہیں کئے جاتے۔''

''تو کیا میں اپنی زندگی نہیں گزاروں......؟ میرا اپنی زندگی پر کوئی حق نہیں ہے......؟ میں بھی خوش رہنا چاہتی ہوں۔ میں ڈبل مائنڈڈ ہو کر زندگی نہیں گزار سکتی ہوں۔''

''انعم......! یہ تو بدترین خودغرضی ہے۔ انعم......! ابھی بھی وقت ہے، تم سوچ سکتی ہو۔''

ناصر کا ذہن بُری طرح بکھرا ہوا تھا۔ ابھی اُسے ہوش نہیں تھا کہ انعم کھڑے کھڑے اُسے دُنیا کی سب سے ننگی گالی دے چکی ہے۔

''میں نے زندگی میں صرف ایک مرد سے محبت کی ہے اور میں باقی زندگی اُس کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ یہ جان کر بھی کہ میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں، تم میرے ساتھ رہنا پسند کرو گے......؟''

''میں تو اس حادثے کے بعد روپوش ہو جاؤں گا۔ دُنیا کو فیس نہیں کر سکوں گا۔''

ناصر حسین اب بہت کربناک لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''کیوں......؟ کیا یہ دُنیا کا پہلا واقعہ ہے......؟ اس سے پہلے طلاقیں نہیں ہوئیں......؟ مرد یا عورت کی دو دو، تین تین شادیاں نہیں ہوئیں......؟ تعلق مصیبت بن جائے تو الگ ہو جانا چاہئے۔ قانون اور مذہب دونوں اجازت دیتے ہیں۔''

اتنا کہہ کر انعم، ناصر کی طرف دیکھے بغیر کھٹ کھٹ کرتی باہر چلی گئی۔ ناصر حسین اب لب بستہ تھا جس پر کسی پتھر کے بت کا گمان ہوتا تھا۔

''پانچ سال میں کروڑوں لمحے، کیا یہ کسی لمحے سچ مچ میری ہوئی تھی......؟''

وہ سوچ رہا تھا۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم اور انا بی معمول کے مطابق صبح صبح اپنی اپنی تسبیح لے کر لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ درمیان میں کوئی ضروری بات بھی ہو جاتی تھی۔ باہر پورچ میں گاڑی رُکنے کی آواز آئی تو سلمیٰ بیگم نے حیرت سے انا بی کی طرف دیکھا۔

''یہ صبح صبح کون آ گیا......؟''

وہ سوچ رہی تھیں، مگر کچھ بولی نہیں۔ ایک دو منٹ بعد ہی انعم اپنی تیز چال کے ساتھ اندر آئی۔ ماں اور انا بی کو سامنے پا کر ایک لمحے کو ٹھٹکی، پھر انہیں نظر انداز کر کے زینے کی طرف بڑھی۔

''انعم......! اتنی صبح صبح کہاں گئی تھیں بیٹا......؟''

سلمیٰ کو کچھ خاص بات محسوس تو ہو رہی تھی، مگر وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

''ایک ضروری کام سے گئی تھی۔''

انعم نے رُکھائی سے کہا اور قدم آگے بڑھا دیئے۔

''وہی تو ہم پوچھ رہے ہیں بیٹا......! سویرے سویرے کون سے کام ہونے لگے......؟''

انا بی بولیں۔

''انا بی......! آپ اپنے کام سے کام رکھا کریں۔ ہر معاملے میں بولنا آپ کی ڈیوٹی نہیں ہے۔''

انعم نے بڑی بدتمیزی سے کہا اور تیزی سے زینہ چڑھنے لگی۔

☆......☆......☆

''کیا ہو گیا ہے انعم......؟ من مانی کرتی پھر رہی ہو۔ دوسروں کا ذرا احساس نہیں ہے تمہیں۔''

سلمیٰ بیگم کو انعم کے انداز بہت کھل رہے تھے۔ ایک دم بگڑ کر بولیں۔

''اے ہے......! یہ لڑکی تو سمجھو ہاتھوں سے نکل گئی۔''

انا بی نے یہ کہتے ہوئے جلدی جلدی تسبیح کے دانے گرانا شروع کر دیئے۔

''میں کوئی چھوٹی سی نا سمجھ بچی نہیں ہوں امی......! جو ہر وقت آپ کی نصیحتیں سنتی رہوں، اور ہاں......! انا بی کو بھی سمجھا دیں۔ میرے معاملات میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے اپنے فیصلے ہیں، رزلٹ جو بھی ہو، میں خود فیس کروں گی۔''

انعم نے تیز لہجے میں جواب دیا۔

''تم یورپ میں نہیں ہو انعم ......! یہاں اولاد کا کیا دھرا والدین کو بھی فیس کرنا پڑتا ہے۔''

سلمیٰ بیگم نے برہم نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''مت فیس کریں۔ مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔''

انعم بھڑک کر بولی۔

''یہ خودسری ہے، ہوش مندی نہیں۔''

سلمیٰ بیگم نے اب خود کو سنبھال کر بات کی۔

''آپ کو اتنی ٹینشن ہے تو آج ہی چھوڑ دیتی ہوں یہ گھر بھی۔''

انعم نے دھماکہ کر دیا۔

''اے ہے...... !سلمیٰ ......! کسی مولوی سے دم کرواؤ اس پر۔ مجھے تو آسیب کا اثر دکھائی دیتا ہے۔''

انا بی نے بہت تشویش سے انعم کی طرف دیکھا اور پہلے سے زیادہ تیزی سے تسبیح کے دانے گرانے لگیں۔ سلمیٰ بیگم حق دق کھڑی انعم کی شکل تک رہی تھیں۔ صدمے سے اُن کا دل بیٹھ رہا تھا۔

''تمہارے گھر چھوڑنے کے بعد لوگوں کے سوالوں کے جواب تو ہمیں ہی دینا ہوں گے۔''

وہ اب بہت کمزور سی آواز میں بولی تھیں۔

''کہہ دیجئے گا کہ آپ لوگوں نے مجھ سے ہر طرح کا تعلق ختم کر دیا ہے۔''

انعم نے اتنا کہا اور کھٹ کھٹ کرتی زینہ چڑھنے لگی۔ سلمیٰ بیگم اور انا بی آنکھیں پھاڑے منہ کھولے اُس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

''مریم! یہ ہمارے خاندانی زیورات ہیں۔ یہ عدیل کی دادی نے مجھے دیئے تھے اور آج میں تمہیں دے رہی ہوں۔''

مسز سارہ طلائی مرصّع زیورات مریم کے سامنے رکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''ممی......! یہ تو آپ اپنے پاس ہی رکھیں۔ اتنی قیمتی جیولری کی حفاظت کرنا بھی ایک کام ہے اور ویسے بھی مجھے جیولری کا کوئی خاص شوق نہیں ہے۔''

مریم تو بھاری بھرکم زیورات دیکھ کر ہی گھبرا گئی۔

''بیٹا......! یہ تو آنے والی دُلہن کی عزت افزائی ہوتی ہے۔ تم میری پہلی پہلی بہو ہو۔ یہ تو تمہارا خاندانی حق ہے۔ آج سے یہ تمہارے ہیں۔ تم جانو تمہارا کام۔ میں تو ایک ہفتے یا دس دن بعد یو کے چلی جاؤں گی نبیل کے پاس۔ وہ وہاں اکیلا ہے۔ شادی کرتا نہیں۔ کہتا ہے، ابھی مجھے قید نہ کریں، لائف اِنجوائے کرنے دیں۔ لا اُبالی ہے۔ ذمہ داریوں سے گھبراتا ہے۔''

بیٹے کا ذکر کرتے ہوئے مسز سارہ کے لہجے میں مامتا جھلکنے لگی۔

''عدیل سے کتنے چھوٹے ہیں نبیل......؟''

مریم نے مسز سارہ کی جذباتی کیفیت کے مدنظر دلچسپی سے پوچھا۔
''صرف ڈیڑھ سال۔ دیکھنے میں تو جڑواں ہی لگتے ہیں۔ ایک جیسی جسمانی ساخت، برابر کے قد، ہاں بس شکلوں میں تھوڑا فرق ہے۔''
مسز سارہ کے چہرے پر ممتا کے خوب صورت رنگ بکھرے ہوئے تھے۔
''تو اُنہیں لائف اِنجوائے کرنے دیں۔ شادی کے لئے زور مت ڈالیں۔''
مریم ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔
''بیٹا......! شادی کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔ مگر یہ آج کی نئی نسل، بس......! مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آتی۔''
مسز سارہ ہنستے ہوئے جواباً بولیں۔ ایک ماں کے لئے دُور بیٹھی ہوئی اولاد کے ذکر میں بہت کشش ہوتی ہے۔
''خیر......! تم یہ زیورات سنبھال کر رکھ دو۔ میں شاپنگ کے لئے جا رہی ہوں۔ ہوسکتا ہے لیٹ ہو جاؤں۔. لنچ پر میرا انتظار مت کرنا۔ عدیل کے ساتھ کر لینا۔ او کے بیٹا......!''
اُنہوں نے آگے بڑھ کر مریم کا شانہ پیار سے دبایا۔
''او کے ممی......!''
مریم نے اُن کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

☆......☆......☆

علینہ اور عدیل کار میں بیٹھے ہوئے اپنی باتوں میں مصروف تھے۔ عدیل اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے سگرٹ نکال کر سلگانے لگتا ہے تو علینہ اُس کے ہاتھ سے سگرٹ اُچک لیتی ہے اور خود سلگانے لگتی ہے۔
''برانڈ چینج کیا ہے......؟''
وہ شرارت سے دُھواں عدیل کے منہ پر چھوڑ کر سگریٹ اپنے ہونٹوں سے نکال کر عدیل کی طرف بڑھاتی ہے۔
''دو دن پہلے ہی چینج کیا ہے۔ قاضی کو فیس دی ہے۔ مہمانوں کو کھانا کھلایا ہے۔''
اپنی بات کے اختتام پر عدیل نے زوردار قہقہہ لگایا۔
''Very Funny......!''
علینہ بھی ہنس ہنس کر لوٹنے لگی۔
''اوہ......! مجھے ابھی ابھی خیال آیا تمہاری نئی نویلی بیوی تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔ بار بار ٹائم دیکھ رہی ہوگی۔''
علینہ نے ہنسی روک کر اب ذرا سنجیدگی سے بات کی۔
''عادی ہو جائے گی کچھ دنوں میں۔''
عدیل نے لاپرواہی سے کہہ کر سگرٹ کا لمبا کش لگایا۔
''پڑھی لکھی تو ہوگی۔ کیا کیا ہے......؟ کیا جاب وا ب بھی کرتی ہے......؟''
علینہ نے گردن موڑ کر عدیل کی طرف دیکھا۔

"MBA ہے۔فی الحال تو جاب نہیں کرتی۔لیکن کرنا چاہے گی تو میں منع نہیں کروں گا۔اچھا ہے Busy رہے گی ورنہ ہروقت میری چوکیداری ہی کرتی رہے گی۔Busy ہوگی تو میں بھی Easy feel کروں گا۔"

عدیل نے اب دُھواں علینہ کے چہرے پر بکھیرتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اپنے خیالات بتائے۔

"ہر پوائنٹ سے اپنا ہی فائدہ سوچتے ہو۔"

علینہ نے لطیف انداز میں طنز کیا۔

"نہیں......!اُس کا بھی فائدہ ہے۔کیریئر وومن کی لُک ہی اور ہوتی ہے۔بہت فِٹ اور اسمارٹ نظر آتی ہے۔"

عدیل نے برجستہ کہا۔

"میں تو جاب نہیں کرتی۔تمہیں کیسی نظر آتی ہوں......؟"

علینہ نے بڑی ادا سے اپنے بالوں میں اُنگلیاں چلاتے ہوئے پوچھا۔

"اب تو چاروں طرف مجھے اپنی نئی نویلی حسین سی بیوی نظر آتی ہے۔"

عدیل نے شریر لہجے میں کہتے ہوئے کن انکھیوں سے علینہ کی طرف دیکھا۔

"اور میں ایک نمبر کی بے وقوف۔صرف تمہیں Importance دیتی ہوں۔چوبیں گھنٹوں میں خوشیوں بھرا وقت وہی ہوتا ہے جب تم میرے ساتھ ہوتے ہو یا مجھ سے فون پر بات کرتے ہو۔"

علینہ کے لہجے میں لاشعوری طور پر افسردگی دَر آئی تھی۔

"Importance تو صرف تمہارے میاں کی ہونی چاہئے۔میں صرف تمہارا دوست ہوں۔اس کی سیٹ تو نہیں لے سکتا۔"

"اوکے......!اوکے......!"

علینہ کا چہرہ بجھ سا گیا تھا مگر اُس نے بات کو آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔

☆......☆......☆

مریم بہت خوب صورت احساسات کے ساتھ گل دان میں تازہ پھول سجا رہی تھی۔الوہی خوشیوں کے احساس سے اُس کا چہرہ دَمک رہا تھا۔وہ ہلکے سُروں میں کچھ گنگنا بھی رہی تھی۔معاً اُس نے باہر کار رُکنے پھر دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز بھی سنی۔یہی خیال آیا کہ مسز سارہ واپس آگئی ہیں۔اُس نے بے اختیار کلاک کی طرف دیکھا۔

"ممی اتنی جلدی آگئیں......؟کمال ہے......!"

وہ سوچ ہی رہی تھی کہ سلمٰی بیگم اندر داخل ہوئیں۔

"ارے ممی......!آپ اچانک......؟صبح تو آپ سے بات ہوئی تھی۔آپ نے بتایا ہی نہیں کہ آج آپ میرے پاس آرہی ہیں۔"

مریم کہتے ہوئے سلمٰی بیگم کے گلے لگ گئی۔اُسے واقعی ماں کو اچانک سامنے پا کر بے حد خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

"آیئے بیٹھیے......!اور یہ بتایئے،سیدھی گھر سے آرہی ہیں۔وہاں سب خیریت ہے......؟"

وہ ماں کو صوفے پر بٹھاتے ہوئے بہت پیار سے دیکھ بھی رہی تھی۔ سلمیٰ بیگم نے فوراً سر جھکا لیا۔ مریم ایک دم چونک پڑی۔ اُسے ماں کے چہرے پر محسوس ہونے والی اُداسی صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ پریشان سی ہو گئی۔

''امی......! کیا ہوا......؟ آپ تو مجھے پریشان نظر آ رہی ہیں۔''

وہ سلمیٰ بیگم کے پہلو میں بیٹھ گئی اور اُن کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''پریشانی کی بات تو ہے بیٹا......! فون پر کرنے والی بات نہیں تھی، اس لئے تمہیں بتانے تمہارے پاس آئی ہوں۔''

مریم کا دل زور سے دھڑکا۔ ذہن فوراً انعم کی طرف گیا۔ مگر وہ خاموشی سے انتظار کر رہی تھی کہ سلمیٰ پریشانی کی کیا وجہ بتاتی ہیں......؟

''انعم ہمارا ابھی گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ کہاں گئی، کچھ پتا نہیں ہے۔''

وہ جیسے آنسو پی رہی تھیں۔ بمشکل خود کو سنبھال رہی تھیں۔

''مجھے پتا ہے وہ کہاں گئی ہوگی۔''

مریم کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''کہاں......؟''

سلمیٰ بیگم نے چونک کر مریم کی طرف دیکھا۔

''اُسی کے پاس جس کی وجہ سے وہ ناصر کو چھوڑ کر آ گئی تھی۔ امی......! انعم ناصر جیسے شوہر کی مستحق ہی نہیں ہے۔''

مریم کو اب جیسے غصہ آ گیا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو مریم......؟ انعم تمہاری بہن ہے۔''

سلمیٰ کو مریم کی بات سے مزید تکلیف پہنچی۔

''معاف کیجئے گا امی......! جو انسان اپنی فطرت میں دھوکے باز ہوتا ہے، درحقیقت وہ کسی کا رشتے دار نہیں ہوتا۔ اُس کا صرف اپنے دل، اپنے نفس سے رشتہ ہوتا ہے۔ جو عورت اپنے دل کی وجہ سے شوہر کو چھوڑ دے، اولاد کو چھوڑ دے، وہ مجھ سے کیا رشتہ نبھائے گی......؟ وہ میری اور میں اس کی کیا لگتی ہوں......؟''

مریم صدمے کے احساس سے جیسے پاگل ہو گئی۔ آنے والی ذِلتوں کے خوف سے اُس کے اعصاب جواب دینے لگے۔

''میں تو سوچ سوچ کر پاگل ہو رہی ہوں۔ لوگ کیا کہیں گے......؟''

سلمیٰ بیگم نے نڈھال لہجے میں بولتے ہوئے اپنا سر تھام لیا۔

''جو وہ کر رہی ہے، وہی کہیں گے۔ بلکہ بڑھا چڑھا کر ہی کہیں گے، اور امی......! آپ کیوں چاہتی ہیں کہ آپ کی اولاد غلط کام بھی کرے اور اچھی بھی کہلائے......؟ مت کریں اُس کی فکر۔''

مریم کے لہو میں جیسے آگ بھر گئی تھی۔

''بیٹا......! خون کا رشتہ ہے۔ ایسے کیسے چھوڑ دوں......؟ اولاد تو ہے ناں......؟''

سلمیٰ بیگم کی آواز بالآخر آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

''امی ......! خود کو سنبھالنا تو پڑے گا، اور یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے......؟''

اُس نے بہت پیار اور ہمدردی سے، ماں کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر کہا۔

☆......☆......☆

انعم، سلمان کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھی جوس پی رہی تھی۔ چہرے سے لگتا تھا کہ جیسے خوشیاں اُس پر بارش کی طرح برس رہی ہوں۔

''مجھے یوں لگ رہا ہے، سلمان......! میں نے نیلسن منڈیلا کی طرح قید کاٹ کر مدت بعد سورج دیکھا ہے۔''

''اور یہ چودھویں کا چاند بھی جو تم سامنے بٹھا کر دیکھ رہی ہو۔''

سلمان نے شوخی کا مظاہرہ کیا۔

''اللہ اللہ......! کبھی تھے تم چودھویں کا چاند۔ اب تو اُس میم نے تمہارا حشر نشر کر دیا ہے۔''

انعم نے بہت پیار سے سلمان کو گھورا اور جوس کے سِپ لینے لگی۔ اِسی وقت اُس کے موبائل پر وائبریشن ہوئی جو اُس کے سامنے ٹیبل پر پڑا ہوا تھا۔ انعم نے موبائل کی طرف دیکھا اور برا سا منہ بنایا۔

''کس کی کال ہے......؟ اٹینڈ کیوں نہیں کر رہیں......؟''

سلمان نے اُس کے چہرے کے تاثرات نوٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''میری بہن مریم کا۔''

اُس نے یوں کہا جیسے کڑوی گولی نگل رہی ہو۔

''تو اٹینڈ کرو۔ مسئلہ کیا ہے......؟ آخر کار بہن ہے۔''

سلمان کو حیرت تھی کہ انعم بہن کا فون کیوں اٹینڈ نہیں کر رہی...... ؟

''بس یوں ہی......! سارے موڈ کا ستیاناس کر دے گی۔ فضول کی نصیحتیں، مشورے۔''

انعم نے بے حسی سے کہا اور پھر جوس پینے لگی اور پھر بے دلی سے موبائل اُٹھا کر کال اٹینڈ کی۔

''ہیلو......!''

اُس کا انداز لٹھ مار سا تھا۔

''تم اس وقت کہاں ہو انعم......؟''

مریم کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

''کوئی کام ہے مجھ سے......؟''

انعم نے لاتعلقی اور سرد مہری سے سوال کیا۔

''امی بتا رہی ہیں، تم بابا کا گھر بھی چھوڑ کر چلی گئی ہو......؟''

مریم کے انداز میں خفگی واضح تھی۔

''میں یہ جبر اور زیادتی برداشت نہیں کر سکتی۔''

انعم نے جواب دیا۔

''زیادتی تو تم ہم سب کے ساتھ کر رہی ہو۔شوق سے دوسری شادی کرو،مگر سوشل ویلیوز کا تو کچھ خیال کرو۔''

مریم نے لتاڑنا شروع کیا۔

''میں تو بالکل جاہل ہوں،تم مجھے بتا دو کہ سوشل ویلیوز کیا ہوتی ہیں......؟''

انعم نے دانت پیس کر کہا۔

''ناصر سے مناسب طریقے سے طلاق حاصل کرو۔عدت پوری کرو،پھر دوسری شادی کر لو۔کیوں تماشہ بنا رہی ہو اپنا اور ہم سب کا بھی......؟''

''اگر میں تمہارے بتائے ہوئے طریقے پر عمل نہیں کروں گی تو کیا سوشل بائی کاٹ کر دو گی میرا......؟''

انعم نے خودسری اور اکھڑ پن سے سوال کیا۔

''وہ خود بخود ہو جائے گا۔ٹھوکر کھا کر گرے ہوئے انسان اور نظروں سے گرے ہوئے انسان میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اگر تم گھر واپس نہ آئیں تو کم از کم مجھ سے تو کوئی تعلق مت رکھنا۔''

مریم نے دوٹوک انداز میں بات کی۔

''او کے مائی ڈیئر سسٹر......!میرا جوس گرم کافی بن رہا ہے۔بائے......!''

اُس نے مریم سے چڑانے والے انداز میں بات کی اور فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

علینہ،عدیل کو زبردستی ریسٹورنٹ میں لے آئی تھی حالانکہ عدیل کا بالکل موڈ نہیں تھا۔

''تمہاری شادی کے بعد تو میں تم سے ملنے کو ترس گئی ہوں۔سوچا ساتھ لنچ کرتے ہیں کچھ دیر اور تم سے باتیں کرنے کا موقع ملے گا۔''

علینہ نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔

''یہی سوچ کر میں بھی تمہارے ساتھ آ گیا ہوں کہ اب تو بہت کم تم سے ملاقات ہوا کرے گی۔آخر نئی نویلی دُلہن کو بھی تو ٹائم دینا پڑے گا۔''

عدیل نے مسکرا کر بیک سے ٹیک لگائی۔

''تو تم اُسے بتا دو کہ بھئی......!میری ایک دوست بھی ہے۔''

علینہ نے بے نیازی سے مشورہ دیا۔

''ایک دن میرا دل چاہا تھا کہ اُسے بتا دوں،پھر خدشہ ہوا کہ کہیں وہ روایتی بیویوں کی طرح React نہ کرے،اور میں تم سے بات ہی نہ کر سکوں۔ملاقات تو رہی پھر دُور کی بات۔''

عدیل نے بڑی صاف گوئی سے کہہ دیا۔اُسی وقت اس کے موبائل پر رِنگ ہوتی ہے۔عدیل موبائل جیب سے نکال کر دیکھتا ہے۔

''بڑی عمر ہے۔ یہ لیجئے ،بیگم صاحبہ کا فون بھی آ گیا۔''

اُس نے مسکرا کر موبائل علینہ کے سامنے کیا، پھر کال ریسیو کر کے کان سے لگالیا۔

''ہیلو جان......!''

اُس نے شریر انداز میں کہتے ہوئے علینہ کو آنکھ ماری۔

''کیا کر رہے ہیں......؟''

سماعت سے مریم کی پیار بھری آواز ٹکرائی۔

''کام،کام اور بس کام......! اتنے دنوں بعد آفس جوائن کیا ہے۔کام کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔''

وہ بڑی سنجیدہ شکل بنا کر بولا۔علینہ نے ٹیبل کے نیچے اپنے پاؤں سے عدیل کا پاؤں شرارت سے دبا دیا۔وہ اِنجوائے کر رہی تھی۔

''تم سناؤ......! کیا ہو رہا ہے......؟''

عدیل نے علینہ کی شرارت پر مسکرا کر اُس کی طرف دیکھتے ہوئے مریم سے بڑے لگاوٹ والے انداز میں پوچھا۔

''بور ہو رہی ہوں۔آپ کی یاد کے سوا کوئی کام نہیں۔''

مریم نے اپنائیت و محبت سے کہا۔احساسِ سپردگی اُس کی آواز سے واضح تھا۔نئی نویلی دُلہن اپنے نئے نئے شوہر سے اظہارِ محبت کر رہی تھی۔

''شادی کے بعد پہلا دن ہے کہ آپ میرے پاس نہیں ہیں۔''

وہ کہہ رہی تھی۔عدیل کے ہونٹوں پر شریر و معنی خیز مسکراہٹ تھی۔علینہ بغور اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''آپ اس وقت اکیلے ہیں یا......''

''تمہارے بغیر بالکل اکیلا......! بہت یاد آ رہی ہو۔''

عدیل نے شرارت سے علینہ کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔علینہ نے ادائے دلبرانہ کے ساتھ خفگی بھرے انداز میں عدیل کو گھورا۔

''کب تک آئیں گے......؟''

مریم پوچھ رہی تھی۔

''جلدی آنے کی کوشش کروں گا۔''

عدیل نے ایک نظر اپنی رسٹ واچ پر دوڑائی۔

''ٹھیک ہے......! آپ اپنا کام کیجئے،او کے......!''

مریم نے پیار بھرے لہجے میں کہہ کر فون بند کر دیا۔عدیل نے گہری سانس لے کر موبائل ٹیبل پر رکھ دیا۔

''کون......مریم......؟''

علینہ جیسے جان بوجھ کر انجان بن رہی تھی۔

’’Obviously......اور کون ہو سکتا ہے......؟‘‘

عدیل کھوئے کھوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

’’لگتا ہے، چار دن میں تمہیں سچ مچ اپنی بیوی سے محبت ہو گئی ہے۔‘‘

علینہ جانچتی ہوئی نظروں سے عدیل کو دیکھ رہی تھی۔

’’تو کیا نہیں ہونا چاہئے......؟ آخر کار میری بیوی ہے۔ میں نے اُس سے زبردستی تو شادی نہیں کی۔‘‘

عدیل نے نہ چاہتے ہوئے بھی صاف گوئی سے کہا۔

’’ہوں......!‘‘

علینہ کسی خیال میں کھو چکی تھی۔

’’خیر چھوڑو......! پتا نہیں کیوں میں یہ نئی سچویشن قبول نہیں کر پا رہی۔ بس......! یوں محسوس ہوتا ہے، ہماری دوستی کے درمیان کوئی آ گیا ہے۔ شیئر کر رہا ہے۔‘‘

وہ گم صم کیفیت میں بول رہی تھی۔

’’یہ تو ہو گا، اور اس سچویشن کو قبول بھی کرنا ہو گا۔‘‘

عدیل، علینہ کی بات پر قدرے اُلجھا ہوا نظر آنے لگا تھا۔ اُس نے بظاہر نارمل انداز میں جواب دیا۔

’’او کے......! کوشش کروں گی، پریشان مت ہوں۔‘‘

علینہ نے مسکرا کر اپنی کیفیت کو کنٹرول کیا۔

’’اِسے کہتے ہیں دو کشتیوں کا سوار......!‘‘

عدیل نے شریر لہجے میں کہتے ہوئے علینہ کی طرف دیکھا۔

’’خیال رکھنا، دو کشتیوں کا سوار اکثر ڈوب بھی جاتا ہے۔‘‘

علینہ نے بھی جواباً چھیڑ چھاڑ کی۔

’’فی الحال تو ہم تمہاری آنکھوں میں ڈوب چکے ہیں۔‘‘

عدیل نے بڑے رومانٹک انداز میں کہا۔ علینہ ادائے دلبرانہ کے ساتھ مسکرانے لگی۔

☆......☆......☆

’’امی......! انعم اور ناصر کی علیحدگی، پھر اُس کے گھر چھوڑ کر چلے جانے کی بات آپ نانا جان کو مت بتا دیجئے گا۔ وہ پہلے ہی دل کے مریض ہیں۔‘‘

حماد سنجیدگی اور دُکھ کی ملی جلی کیفیت میں کہہ رہا تھا۔ اس وقت سب گھر والے رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ فیاض احمد نے گہرے دُکھ کے ساتھ ایک نظر حماد پر ڈالی، مگر خاموش رہے۔ البتہ سلمیٰ بیگم نے خفا خفا مگر اُداس لہجے میں جواب دیا۔

’’یہی سوچ کر میں خاموش ہوں۔ میں نے پاپا کو ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ میں اپنے بوڑھے باپ کو کیوں آزماؤں......؟ وہ کر بھی کیا سکتے ہیں......؟‘‘

''عورت کی عقل کام کرنا چھوڑ دے اور وہ خودغرضی کے اندھیروں میں بھٹکنے لگے تو اسی طرح کے حادثات رُونما ہوتے ہیں۔''

فیاض احمد نے نہایت کرب سے کہا جیسے دُکھ کے بوجھ سے ٹوٹ رہے ہوں۔

''وہ عورت کوئی بھی ہو، خواہ ہماری ہی بیٹی۔''

وہ مزید گویا ہوئے۔

''مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی کہ انعم یہاں سے نکل کر گئی کہاں ہے......؟''

حماد کی بیوی فرح فکر و تشویش سے کہہ رہی تھی۔

''اسے کسی رشتے کا بھی پاس نہیں ہے۔''

فرح نے چاول پلیٹ میں نکالتے ہوئے تاسف کے انداز میں کہا۔

''بعض لوگ رشتوں کو بوجھ سمجھتے ہیں اور کسی دن انکشاف ہوجاتا ہے کہ یہی رشتے تو پناہ ہوتے ہیں۔ مگر جب یہ سچائیاں سامنے آتی ہیں تو وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے۔''

فیاض احمد کے لہجے میں کرب کی انتہاء تھی۔

''مگر میں وقت ہاتھ سے نکلنے نہیں دوں گا۔''

حماد نے چمچ پلیٹ میں رکھ کر بہت واضح اور فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''وہ تو جاچکی ہے۔ کیا کرلیں گے آپ......؟''

فرح نے حیرت سے شوہر کی طرف دیکھا۔

''شوٹ کردوں گا اُسے۔''

''کیسی بات کر رہے ہو حماد......؟ یہ مسئلے کا حل نہیں، بلکہ مسائل کا انبار لگنے کی بات ہے۔ میں بیٹی کی حماقت کی سزا اپنے بیٹے کو کاٹنے نہیں دوں گی۔ میری طرف سے جہنم میں جائے۔''

سلمٰی بیگم ایک دم تڑپ کر گویا ہوئی تھیں۔

''وہ تو غلطیاں کر رہی ہے۔ سزا پائے گی تو اپنی غلطیوں کی۔ تم نے کیا کیا ہے......؟ تمہارا کیا قصور ہے......؟ خبردار...... جو تم نے کوئی جذباتی حرکت کی۔''

فیاض احمد نے حماد کی جذباتی کیفیت کے سامنے بہت ہوش مندانہ کیفیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹوکا۔

''خود کو مزید مشکل میں پھنسانے سے پہلے یہ ضرور سوچ لیں کہ آپ اکیلے نہیں ہیں۔ میری اور اپنی بیٹی کی طرف بھی دیکھئے۔''

فرح نے خفگی کی کیفیت میں حماد کو کچھ محسوس کرانے کی کوشش کی۔ حماد مصلحتاً خاموش رہا۔ مگر اُس کا فشارِ خون مسلسل بلند رہا تھا۔

☆......☆......☆

''یار......!اب احساس ہوتا ہے،اتنے سال تمہارے بغیر گزار کر میں بہت نقصان میں رہا ہوں۔''

سلمان، انعم کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔اس وقت وہ اپنے گھر کے ٹیرس پر انعم کی کمپنی انجوائے کر رہا تھا۔دونوں ریلنگ تھامے بل کھاتی سڑک پر نظریں جمائے ایک دوسرے سے حالِ دل کہہ رہے تھے۔انعم نے مسکرا کر اپنا سر سلمان کے شانے سے ٹکا دیا۔

''یوں سمجھو، یہ سال میری زندگی میں شامل ہی نہیں ہیں۔''

سلمان نے اپنا ہاتھ انعم کے شانے پر رکھ کر اُسے مزید قریب کر لیا۔

''مجھ سے پوچھو۔اس ڈفر کے ساتھ میں نے یہ سال کیسے گزارے......؟''

انعم نے کھوئی کھوئی سی آواز میں کہا۔ایک پچھتاوا اور ملال اُس کے لہجے سے واضح ہو رہا تھا۔

''مائی گاڈ......!ایک بھیانک خواب سا لگتا ہے۔''

انعم نے جیسے خوف سے جھرجھری لی۔

''شکر ہے، آنکھ کھل گئی اور خواب ٹوٹ گیا، جان چھوٹی۔اب ہم اگلے مہینے شادی کر لیں گے۔''

انعم کے انداز میں خود سپردگی کی کیفیت تھی۔

''مجھ سے شادی تو تب ہی کرو گی ناں، جب اس ڈفر سے طلاق لے لو گی۔''

سلمان نے سنجیدگی سے معاملے کی پیچیدگی کی طرف متوجہ کیا۔

''میں صاف صاف طلاق کا مطالبہ کر چکی ہوں اور اُسے وہ سب کچھ کہہ دیا ہے کہ وہ ہر صورت طلاق دے دے گا۔ ڈونٹ وری......!''

''اگر اُس نے انتقاماً طلاق کا معاملہ لٹکا دیا۔یہ بھی سوچا تم نے......؟مشکل ہے، جو وہ اتنی آسانی سے جان چھوڑ دے۔''

سلمان ایک میچور مرد تھا۔معاملے پر ہر پہلو سے غور کر رہا تھا۔

''مشکل سے سہی، مگر چھوڑ دے گا۔اُس کی قوتِ برداشت خود ہی جواب دے جائے گی۔''

انعم کے لہجے میں یقین و اعتماد انتہاء پر تھا۔وہ مسکرا رہی تھی۔

''یوں بھی ہم تو ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ہمیں کیا فرق پڑتا ہے......؟''

وہ بے حسی و لاپرواہی سے کہہ رہی تھی۔

''اوہ......!شیور......!''

سلمان تو پُر لطف آزادی کے احساس ہی سے نہال ہو گیا۔

☆......☆......☆

''آج کچھ خاص ہے، بہت چُپ چپ سے ہو۔''

علینہ اس وقت عدیل کے آفس میں بیٹھی تھی۔جوس کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔اُسے عدیل کی کھوئی کھوئی کیفیت کھل رہی تھی بلکہ اُس کا موڈ خراب ہونے لگا تھا۔

''ہوں......آں......!''

عدیل اپنے دھیان سے چونک پڑا اور اپنی کیفیت کو غیر اہم ظاہر کرنے کی کوشش میں سامنے رکھا جوس کا گلاس اُٹھالیا اور مسکرانے لگا۔

''لگتا ہے، نئی نویلی بیگم سے لڑائی وڑائی ہوگئی ہے۔''

علینہ نے ایک سپ لے کر کھوجتی نظروں سے دیکھا۔

''ارے نہیں......! لڑنے وڑنے والی نہیں لگتی۔ بہت سیدھی سادی سی ہے، معصوم سی۔''

عدیل کی بات اُدھوری رہ گئی۔ علینہ نے ہاتھ اُٹھا کر اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''بس بس......! یہیں رُک جاؤ۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کہ تم کسی لڑکی کی تعریف میرے سامنے کرو۔ خواہ وہ تمہاری بیوی ہی کیوں نہ ہو۔''

''یار......! بیوی ہے۔ ذکر تو ہوگا۔''

اتنا کہہ کر عدیل دھیرے سے ہنس پڑا۔

''تم بھی تو وہاج کی اتنی باتیں کرتی ہو۔ میں کبھی جیلس ہوا ہوں......؟''

عدیل نے اب شرارت سے کہا۔

''میں اُس کی باتیں ضرور کرتی ہوں، مگر تعریف نہیں کرتی۔''

علینہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

''خیر چھوڑو......! مجھے سچ سچ بتاؤ، کوئی پریشانی ہے......؟ آج بہت چپ چپ لگ رہے ہو۔''

''ارے نہیں......! پریشانی تو کوئی نہیں ہے۔ بس......! وہ مریم بہت پیچھے پڑ رہی ہے۔ کہہ رہی ہے ہنی مون پر چلیں۔''

عدیل نے اب اصل وجہ بتا ہی دی۔ وہ علینہ سے کچھ چھپا ہی نہیں سکتا تھا۔

''اوہ......نو......!''

علینہ کو جیسے زور سے کرنٹ لگا تھا۔

''ہنی مون کا مطلب ہے، پورا ایک مہینہ غائب......؟ میں اتنے دن تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔''

علینہ مسلسل سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے عدیل کو گھور رہی تھی۔

''اگر تم گئے تو میں بتا رہی ہوں، پیچھے پیچھے پہنچ جاؤں گی۔''

علینہ نے دھمکی دی۔

''ارے بابا......!''

عدیل نے ہنستے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

''کیوں میرا گھر خراب کروگی......؟''

وہ کہتے ہوئے ہنس بھی رہا تھا۔

''کیوں......؟اس میں گھر خراب ہونے والی کیا بات ہے......؟ آخر مریم کو ایک نہ ایک دن تو پتا چلنا ہی ہے کہ We are good friends......!''

علینہ نے عدیل پر مکمل غلبہ کرلیا تھا۔ وہ عجیب سی بے بسی محسوس کررہا تھا۔ پھر اُسے ایک خیال آیا، اُس نے گہری نظروں سے علینہ کو دیکھا اور بولا۔

''وہاج کو یہ پتا ہے کہ ہم دوست ہیں، لیکن اگر اُسے یہ پتا چلے کہ ہم اس سے چھپ کر روز ملتے ہیں، ایک دوسرے کی کمپنی چاہتے ہیں......''

اس نے جملے کو سوالیہ رہنے دیا۔

''تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔''

علینہ نے بے نیازی سے کندھے جھٹک کر کہا۔

''مجھے طلاق تو دینے سے رہا۔ اگر ایسا کرے گا تو میرا بھائی اُس کی بہن کو طلاق دے دے گا۔ ڈونٹ کیئر......! وہاج اپنی بہن کی خاطر بہت کچھ برداشت کرسکتا ہے۔''

علینہ کے انداز میں بے فکری و بے نیازی تھی۔ عدیل نے چند لمحے کچھ سوچا پھر گہری سانس کھینچی اور مسکرا پڑا۔

''ٹھیک ہے......!''

وہ یہ کہہ کر جوس پینے لگا۔

''تو پھر نہیں جاؤ گے ناں ہنی مون پر......؟''

علینہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور چکر کھا کر عدیل کی پشت پر آ کھڑی ہوئی اور اپنا ہاتھ عدیل کے شانے پر رکھ دیا۔

''کیسے چلا جاؤں......؟ میں بھی تو بور ہو جاتا ہوں تمہارے بغیر۔''

عدیل نے مسکرا کر اُس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''تھینک یو......!''

علینہ خوشی سے جیسے کھل اُٹھی۔

☆......☆......☆

مریم شام سے میکے آئی ہوئی تھی۔ اُس کے چہرے پر افسردگی کا تاثر تھا۔ فرح، سلمیٰ بیگم اور انابی بھی اس وقت لاؤنج میں تھیں۔ سارے ماحول پر ایک اُداسی کی کیفیت طاری تھی۔ سلمیٰ بیگم بہت زیادہ نڈھال نظر آرہی تھیں۔

''ناصر بچی کو لے کر اسلام آباد چلا گیا ہے۔ سنا ہے اُس نے ٹرانسفر کے لئے بہت بھاگ دوڑ کی۔''

وہ مریم کو جیسے مطلع کررہی تھیں۔

''اور یہ بھی سنا ہے کہ وہ کہہ رہے تھے کہ وہ اپنی بچی کو انعم کے سائے سے بھی بچانا چاہتے ہیں تاکہ ایک غلط عورت اس پر اثر انداز نہ ہوسکے۔''

فرح نے قدرے چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''اے ہے......!ہماری بچی کوئی غلط عورت نہیں ہے۔بس عقل نہیں ہے،سیدھی ہے۔''
انا بی بدک کر برجستہ بولیں اور تیزی سے چھالیہ کاٹنے لگیں۔فرح،انا بی کی طرف بڑی خفگی سے دیکھتی ہے،پھر تلخ لہجے میں مریم سے کہتی ہے۔
''تمہیں پتا ہے مریم......!انعم نے فون پر مجھ سے کیا کہا......؟''
مریم،فرح کے لہجے کو محسوس کرتے ہوئے بہت پریشان ہو جاتی ہے۔
''کیا کہا......؟''
اُس کے انداز میں خوف واندیشے سرسرا رہے تھے۔وہ ایک ٹک فرح کی طرف دیکھ رہی تھی۔انا بی اور سلمٰی بیگم بھی فرح کی طرف دیکھنے لگتی ہیں۔
''وہ کہتی ہے،ان تمام حالات کی ذمہ دار مریم ہے۔''
فرح نے اب آہستہ آواز میں کہا تھا۔سلمٰی بیگم اور انا بی ایک دوسرے کی طرف دیکھتی ہیں جیسے کچھ سمجھ نہ آئی ہو۔
''میں......؟''
مریم کو زور سے جھٹکا لگتا ہے۔پھر بے بسی سے ماں کی طرف دیکھ کر کہتی ہے۔
''امی......!مم......میں ذمہ دار ہوں......؟سن رہی ہیں آپ......؟مگر کیوں......؟''
''وہ کہتی ہے کہ میں اور سلمان اچھے دوستوں کی طرح بھی رہ سکتے تھے۔ضروری تو نہیں تھا کہ ہم شادی کریں اور شاید ہماری دوستی کا ناصر کو پتا بھی نہ چلتا۔مگر مریم نے کہا کہ یہ مورل کرپشن ہے اور اُس نے اتنا زیادہ React کیا کہ میں ڈر گئی کہ مریم کہیں ناصر کو خود ہی نہ بتا دے اور وہ مجھے ذلیل کر کے گھر سے نکال دے۔میں نے سوچا میں خود ہی ناصر کا گھر چھوڑ دوں۔''
فرح اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی۔
''لیکن انعم تو ناصر سے لڑ کر خود ہی گھر چھوڑ کر آ گئی تھی۔میں نے تو اُسے لڑنے کے لئے نہیں کہا تھا۔''
مریم نے فرح اور سلمٰی بیگم کی طرف باری باری دیکھا۔انا بی بڑبڑاتی ہیں۔
''ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے بچی......!اُس کی تو عادت تھی،لڑ بھڑ کر آتی تھی پھر خود ہی چلی جاتی تھی۔میاں بیوی کی لڑائی میں کودنے والا بے وقوف۔یہ تو رشتہ ہی ایسا ہے۔''
''اور نہیں تو کیا......!وہ تو پہلے بھی دس ہزار مرتبہ لڑ کر آئی تھی۔تمہیں اتنا زیادہ جذباتی ہونے کی کیا ضرورت تھی......؟''
سلمٰی بیگم نے بھی انا بی کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔
''اُس کا مسئلہ تھا خود ہی نمٹاتی۔''
فرح نے بھی ترکی بہ ترکی کہا۔مریم حیران پریشان تینوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔جیسے سمجھ نہ آ رہی ہو کہ اسے کیوں تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے......؟اُس نے کون سی غلط بات کہی تھی......؟
''امی......!میں نے کچھ نہیں کیا۔ایک غلط کام میری نظروں کے سامنے ہو رہا تھا،میں نے غلط کام کو غلط کہا،تو کیا میرا قصور ہے یہ......؟غلط کام کو غلط نہیں کہنا چاہئے......؟''

''انعم تمہاری سگی بہن ہے۔ تمہیں اُس کا پردہ رکھنا چاہئے تھا۔ اپنے ہی اپنوں کا تماشہ بنانے لگیں تو......''

فرح نے جان بوجھ کر بات اُدھوری چھوڑ دی۔ مریم حیران پریشان فرح کی شکل دیکھ رہی تھی۔ فرح نے نظریں چرا لیں۔ نانی چھالیہ اور زیادہ تیز کاٹنے لگی۔ مریم نے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ پھر دو قدم آگے بڑھی اور ماں سے بولی۔

''امی......! یہ تو بدترین بُرائی ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میری بہن غلطی کرے تو ہر قیمت پر اُسے سزا سے بچایا جائے......؟ کسی اور کی بہن یہی غلطی کرے تو اُسے پتھر مارے جائیں......؟ کم از کم میں تو یہ برداشت نہیں کر سکتی۔''

''تمھیں پتا ہے کل کو ہمارا گھر تماشہ بن جائے گا۔ بدنامی ہوگی۔ آج میری بیٹی چھوٹی ہے، کل کو بڑی ہوگی تو یہ بدنامی آسیب بن کر ہمارے گھر پر منڈلاتی رہے گی۔ خاندانی لوگ ہمارے ہاں رشتہ کرتے ہوئے کترائیں گے۔''

فرح نے ناراضگی سے مریم سے کہا۔

''کمال ہے......! انعم کا جو دل چاہے کرتی پھر رہی ہے۔ اُس کو کوئی کچھ کہنے والا نہیں ہے۔ اُس نے اپنی جان چھڑانے کے لئے سارہ کچرا مجھ پر ڈال دیا۔ کیا میرے کہنے پر اُس نے شوہر اور باپ کا گھر چھوڑا ہے......؟''

مریم نے حیرانی اور تعجب سے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ انا بی فوراً بولتی ہیں۔

''ماشاءاللہ......! مریم بڑی عقل کی بات کرتی ہے۔''

''چھوڑیں انا بی......! آپ تو جس طرف منہ کرتی ہیں، اُس طرف کی بات کرنا شروع کر دیتی ہیں۔''

نانی بیگم چڑ کر بولتی ہیں۔ پھر مریم کو سمجھانے والے انداز میں کہتی ہیں۔

''جرم چھپ چھپ کر ہو رہا ہو تو پھر بھی پردہ پڑ جاتا ہے اور جب کسی کو بھانڈا پھوٹنے کا خوف رہنے لگے تو وہ اپنے جرم پر نڈر ہو جاتا ہے۔''

''سو کی ایک بات بولی بٹیا نے۔''

انا بی عادت سے مجبور تھی پھر منہ سے کچھ پھسل گیا۔ مریم پھٹی پھٹی، پریشان نظروں سے ماں کو دیکھ رہی تھی۔ اُسے واقعی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ سب پنجے جھاڑ کر اُس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں......؟

☆......☆......☆

مریم واپس اپنے کمرے میں آکر ٹہلنے لگتی ہے، جیسے وہ کسی اُلجھن میں مبتلا ہو یا کسی مسئلے کا حل نکالنا چاہتی ہو۔ ٹہلتے ٹہلتے یا۔ جگہ رُک جاتی ہے اور بیڈ پر پڑے ہوئے اپنے موبائل کی طرف دیکھنے لگتی ہے۔ چند لمحے کچھ سوچتی ہے پھر تیزی سے آگے بڑھ کر موبائل اُٹھا لیتی ہے اور انعم کا نمبر ڈائل کرتی ہے۔ دوسری طرف انعم، مریم کی کال ریسیو کرتی ہے۔ اُس کی بڑی بےزاری آواز اُبھرتی ہے۔

''ہیلو......!''

انعم کے لہجے میں بڑی اجنبیت اور بےمروّتی تھی۔

''کیا عذاب چھوڑ کر گئی ہو میرے لئے......؟''

مریم جیسے پھٹ پڑی۔

''کیوں......؟تمہیں کیا تکلیف ہے......؟تمہارا اپنا گھر ہے، آرام سے اپنے گھر میں بیٹھو۔''

انعم کے لہجے میں محسوس ہونے والی بے حسی تھی۔

''سب مجھے قصوروار ٹھہرا رہے ہیں۔ میں نے کیا کیا ہے......؟یہ سارہ کچرا میرے سر کیوں......؟''

مریم برہمی سے کہہ رہی تھی۔

''ہاں......!سب صحیح تو کہہ رہے ہیں۔تمہیں ضرورت کیا تھی میرے معاملے میں کودنے کی......؟اور میں نے تو تمہیں کہہ دیا تھا It's none of your business......!''

انعم نے یہ کہہ کر لائن کاٹ دی۔مریم موبائل کان سے لگائے پتھر کے بت کی طرح کھڑی تھی۔

☆......☆......☆

انا بی پان لگاتے ہوئے کہتی ہیں۔

''دُلہن......!میری ایک بات تم مانو، کسی طرح سے حماد پر دباؤ ڈالو کہ وہ کان سے پکڑ کر انعم کو گھر لے آئے۔ مجھے تو راتوں کو نیند نہیں آ رہی۔ ہائے ہائے......!دُنیا کیا تھوتھو کرے گی۔ایک مرتبہ بس گھر آ جائے وہ، پھر اُسے زنجیر ڈال دوں اور عزت سے اس گھر سے رُخصت کروں۔''

انا بی نے اتنا کہا اور گلوری اپنے منہ میں رکھ لی۔فرح نے ایک لمبی گہری سانس کھینچی اور انا بی کی طرف دیکھ کر بولی۔

''انا بی......!حماد تو ویسے ہی بارود کے ڈھیر پر بیٹھے رہتے ہیں۔ان سے بات کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔''

''ارے دُلہن......!تم حماد کی بیوی ہو۔مرد ایک وقت میں بیوی سے غصے میں بات کرتا ہے تو ایک وقت پیار سے بھی بولتا ہے۔جب اُس کا موڈ اچھا دیکھو تو طریقے سے بات کرلو۔''

انا بی نے بات کرتے کرتے پان کی پیک تھوکنے کے لئے ہاتھ بڑھا کر اُگل دان اُٹھایا۔فرح نے اپنی پیشانی کو دبانا شروع کردیا اور تھکے تھکے لہجے میں بولی۔

''انا بی......!آج کل حماد کا موڈ اچھا ہی کب رہتا ہے......؟''

''ہائے ہائے......!جوان بھائی کی غیرت پر تازیانہ مارا ہے نادان نے۔''

انا بی نے جیسے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

''ہاں بیٹا......!میں نے ہی تو کہا تھا کہ زندگی دُھوپ چھاؤں کا کھیل ہے۔''

مریم کے کان سے موبائل لگا ہوا تھا اور ائرپیس سے اُس کے نانا بشر علی کی آواز اُبھر رہی تھی۔

''لیکن نانا جان......!تیز دُھوپ کے دن لمبے ہو جائیں، دُور دُور تک بادل کا ٹکڑا دکھائی نہ دے تو خود کو کس طرح بہلانا چاہئے......؟''

مریم کے لہجے میں افسردگی تھی لیکن وہ خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔ بشر علی تو اُس کی بات سن کر بے حد فکر مند ہو گئے۔

''ارے ارے......! آج کیسی باتیں کر رہی ہو......؟''

''عدیل کے ساتھ خوش تو ہو ناں بیٹا......؟''

''جی جی......! میں تو اتنی خوش ہوں کہ بتا ہی نہیں سکتی۔ اصل میں نانا جان......! آج کل میری ایک دوست بہت زیادہ پریشان ہے۔ وہ اپنی پریشانی مجھ سے شیئر کرتی رہتی ہے۔''

مریم نے زبردستی ہنستے ہوئے بات بنائی۔

''کیا پریشانی ہے اس بے چاری کو......؟''

بشر علی فکرمندی سے پوچھ رہے تھے۔

''نانا جان......! وہ بالکل بے قصور ہے۔ اُس نے کوئی غلطی نہیں کی۔ مگر سچ بولنے کی وجہ سے سب اُس کو لعن طعن کرنے لگے ہیں۔ کیا وہ سچ بولنا چھوڑ دے......؟''

مریم جیسے اپنے نانا سے کوئی ایسی بات سننا چاہتی تھی جس سے اُس کے دل کو ڈھارس ملے اور وہ اپنے اندر سچ کہنے کا حوصلہ محسوس کرنے لگے۔

''سچ بولنا کیوں چھوڑ دے بھئی......؟''

بشر علی برجستہ انداز میں بولے تھے۔

''جب بُرائی ہار نہیں مانتی تو بھلائی کیوں ہار مانے......؟ یہ کیا مذاق ہے......؟''

''پھر کیا کرے وہ نانا جان......؟''

مریم نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں پوچھا تھا۔

''اگر وہ سچی ہے تو ڈٹی رہے۔ اگر انسان کا ضمیر مطمئن ہے تو اُسے آوازوں کے بے ہنگم شور پر کان دھرنے کی ضرورت نہیں۔ سمجھیں......؟''

''جی جی......! سمجھ گئی۔''

مریم نے جلدی سے کہا۔ اُس کے اندر جیسے نئے سرے سے توانائی دوڑ گئی تھی۔

''اپنی دوست کو احساس دلاؤ۔ حق بات قدرت کی امانت ہوتی ہے۔ جو اس میں خیانت کرتا ہے، اُسے زندگی بھر ضمیر سے جنگ کرنا پڑتی ہے۔''

بشر علی بات کرتے کرتے رُک جاتے ہیں جیسے بولتے بولتے اُن کی سانس پھول گئی ہو۔ چند لمحے توقف کرنے کے بعد پھر کہتے ہیں۔

''ضمیر سے جنگ کرتے کرتے انسان زندہ لاش بن جاتا ہے۔ زندگی اللہ کی امانت ہے بیٹا......! اسے دوسروں کے رحم و کرم پر کیوں چھوڑ دیں......؟ جس کی زندگی ہے، اسے ہی سنوارنا ہوگی۔''

بشر علی رُک کر دھیرے سے ہنستے ہیں۔ دوبارہ بولتے ہیں۔

''اپنا اپنا چراغ اپنی اپنی روشنی۔''

مریم دم بخود سانس روکے اپنے نانا جان کی بات سن رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر گہرا سکون جھلکنے لگا۔ مسکرا کر کہتی ہے۔

''نانا جان......! آپ نے تو میرا ذہن بالکل ہلکا کر دیا اور اس بات کی تو مجھے اور بھی خوشی ہے کہ آج بھی آپ اتنے ہی تازہ دم ہیں، جتنے بیس سال پہلے تھے۔''

''ارے بھئی......! بہت بہت شکریہ......!''

بشر علی کے لہجے میں پیار بھی تھا اور شرارت بھی۔

''بہت اچھی بات ہے کہ تم اپنے نانا کو اچھی طرح سمجھتی ہو۔''

''نانا جان......! آپ تو یوں میری ذات میں اُترے ہوئے ہیں کہ کبھی کبھی میں خود کو ڈھونڈنے لگتی ہوں کہ میں کہاں ہوں......؟''

بشر علی پیار بھرے انداز میں ہنس پڑتے ہیں۔

''جیتی رہو بیٹی......!''

مریم سر جھکائے بیڈ پر بیٹھی تھی جیسے ابھی تک بشر علی کی باتوں میں کھوئی ہوئی ہو۔ سلمٰی بیگم آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر آتی ہیں۔ مریم چونک کر سر اُٹھاتی ہے اور فکرمندی سے ماں کی طرف دیکھتی ہے۔

''کیا سوچ رہی ہو بیٹا......؟''

اُن کے لہجے میں خفگی کی بجائے نرمی اور پیار تھا۔

''کچھ نہیں امی......! بس ویسے ہی کچھ دیر پہلے میں نے نانا جان سے بات کی اور میرا ذہن پُرسکون ہو گیا۔''

مریم اب دھیرے سے مسکرانے لگی۔

''مجھے احساس ہے بیٹا......! کہ تمہیں میری اور فرح کی باتیں بُری لگی ہوں گی، مگر بیٹا......! تم اندازہ نہیں لگا سکتی کہ میں کس عذاب میں ہوں......؟ میں وہی عورت ہوں جو ہمیشہ یہ کہتی رہی ہے کہ سسک سسک کر جینا جرم ہے۔ بوجھ کی طرح کسی تعلق کو لے کر مت چلو۔ مگر آج میری اپنی بیٹی ایسا کچھ کر رہی ہے کہ میں بڑی بے بسی محسوس کر رہی ہوں۔ اولاد کے معاملے میں انسان کتنا مجبور ہو جاتا ہے۔''

سلمٰی بیگم، مریم کے برابر میں بیٹھ گئیں اور پیار سے مریم کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

''بیٹا......! فرح کی بات کا بُرا مت مانا کرو۔ وہ بہت اچھی ہے ورنہ بھابیاں تو سسرال کی ہر بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہیں۔''

سلمٰی بیگم ماں تھیں، مریم کو بُرا بھلا کہہ کر اُن کے دل پر بوجھ سا آ گیا تھا اور اب بہانے سے اُس کی دل جوئی کر رہی تھیں۔

''بیٹا......! اب رات کا کھانا کھا کر جانا۔ عدیل کو فون کر کے کہہ دو کہ وہ بھی یہیں آ جائے۔''

''نہیں امی......! بس، اب میں چلوں گی۔ میں نے عدیل کو کہہ دیا تھا کہ میں اُن کے آفس سے واپس آنے سے پہلے گھر پہنچ جاؤں گی۔''

مریم نے ماں کو جواب دیا۔

''ٹھیک ہے بیٹا......! جیسے تمہاری مرضی۔ تم عدیل کو لے کر سنڈے کو آ جانا اور رات کا کھانا یہیں کھانا۔''
سلمیٰ بیگم یہ کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆......☆......☆

حماد اپنے کمرے میں شدید غصے کی حالت میں ٹہل رہا تھا۔
''امی نے مجھے وقتی طور پر ٹھنڈا تو کر دیا ہے مگر جو آگ اندر لگی ہوئی ہے، وہ آسانی سے ٹھنڈی نہیں ہوگی۔''
اس نے یہ کہہ کر اپنی ہتھیلی پر زور سے گھونسہ مارا۔
''انعم تو بہانہ ڈھونڈ رہی تھی یہ گھر چھوڑنے کا۔ اب خواہ مخواہ مریم کو الزام دے رہی ہے۔ کتنی شرم ناک بات ہے کہ وہ پہلے شوہر سے طلاق لیے بغیر کسی غیر مرد کے ساتھ رہ رہی ہے۔''
یہ کہہ کر حماد رُکتا ہے اور فرح کو گھور کر دیکھتا ہے۔
''اور تم کہہ رہی ہو کہ یہ سب مریم کی وجہ سے ہوا۔''
فرح تیزی سے بات کاٹ دیتی ہے اور کہتی ہے۔
''میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ مریم کو کیا ضرورت تھی ناصر کا ہمدرد بننے کی......؟ انعم کا اپنا مسئلہ تھا، خود نمٹ لیتی۔''
''اوہو......! اگر کچھ غلط ہو رہا تھا تو ناصر سے کب تک چھپا رہتا......؟ اس میں مریم کو قصوروار ٹھرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مریم نے غلط کام کو غلط کہا، اور میں سمجھتا ہوں، مریم نے ٹھیک ہی کیا۔''
حماد نے اسی طرح غصے کی کیفیت میں فرح کو جواب دیا۔
''تو میں یہ کب کہہ رہی ہوں کہ انعم کا کسی غیر مرد کے پاس چلے جانا کوئی اچھی بات ہے......؟''
فرح جیسے بُرا مان کر بولی۔ حماد ایک دم گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ جاتا ہے اور خود کلامی کے انداز میں کہتا ہے۔
''اگر انعم کی ناصر کے ساتھ نہیں بن رہی تھی تو ہمیں بتاتی، ہم اُس کو ناصر سے طلاق دلوا دیتے۔ پھر جہاں اُس کی مرضی تھی، شادی کر دیتے۔ مگر اُس نے تو ہمارا تماشہ بنا کر رکھ دیا۔''
یہ کہہ کر حماد نے آنکھیں بند کر لیں جیسے اب اُس کا ذہن بالکل شل ہو چکا ہو۔
''آپ اب بھی اُس سے بات کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ ابھی بھی بات سنبھل سکتی ہے۔ فرح نے ذرا ڈرتے ڈرتے کہا۔
حماد نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں کھولیں پھر بند کر لیں اور پھر آہستہ سے بولا۔
''میں بات کرتا ہوں اس سے۔''
وہ تھکے تھکے انداز میں جیب سے موبائل نکالتا ہے۔

☆......☆......☆

انعم، سلمان کے بیڈ روم میں بیٹھی تھی۔ دونوں کے سامنے شراب کی ٹرالی رکھی تھی۔ انعم، سلمان کے لئے شراب کا پیگ بنا رہی تھی۔ اُس کے موبائل پر رِنگ ہونے لگتی ہے۔ وہ متوجہ ہو کر دیکھتی ہے۔ موبائل پر حماد کی فوٹو نظر آتی ہے۔ انعم کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ اُبھرتی ہے اور وہ لائن کاٹ دیتی ہے۔ حماد موبائل کان سے ہٹا کر ٹیبل پر پٹخ دیتا ہے۔

''وہ میری کال ہی attend نہیں کر رہی۔یعنی خودسری کی انتہا ہے۔''

وہ بڑبڑایا۔

''Take it easy......! مجھے تو بس آپ کی فکر ہونے لگی ہے۔''

فرح نے تشویش بھری نظروں سے حماد کی طرف دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

''سب میرے دُشمن ہو رہے ہیں۔کسی کو میری تکلیف کا احساس نہیں۔سب مزے میں ہیں اور صرف میں ہی تکلیف میں ہوں۔''

انعم آف موڈ میں بڑبڑا رہی تھی۔

''چلو اب تمہاری تکلیفیں ختم ہونے کے دن آ گئے۔ریلیکس میری جان......! ریلیکس۔''

سلمان شراب کا ایک گھونٹ لے کر انعم کو پُرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔

''ایک تو میرا پاسپورٹ بھی اُس جنگلی کے گھر میں ہے۔''

انعم دونوں ہاتھوں کی اُنگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر بڑی کوفت سے کہہ رہی تھی۔

''یار......! پاسپورٹ کوئی مسئلہ ہے۔دوسرا پاسپورٹ ایک دن میں بنوا سکتا ہوں۔لیکن تمہیں اس وقت پاسپورٹ کیوں یاد آ گیا......؟''

سلمان چونک کر پوچھنے لگا۔

''کیوں......؟ شادی کے بعد کیا میں تمہارے ساتھ امریکہ نہیں جاؤں گی......؟''

اب انعم، سلمان کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''امریکہ......؟ ابھی میں فوراً تو تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکوں گا۔''

سلمان رُکی ہوئی سانس باہر نکال کر بڑے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

''لیکن کیوں......؟ شادی کرنے کا فائدہ کیا......؟''

انعم Shocked ہو کر پوچھ رہی تھی۔

''بات فائدے یا نقصان کی نہیں ہے میری جان......! میں آتا جاتا رہوں گا۔بزنس کلاس میں میری سیٹ ہمیشہ ریزرو رہتی ہے۔پھر تمہیں وہاں پر ساتھ رکھنے کے لئے سیٹ اَپ بنانا ہوگا۔فلوری سے پیچھا چھڑانے کے لئے کچھ وقت تو چاہئے۔تمہیں پتا ہی ہے ناں، امریکہ میں طلاق کا عمل کتنا مہنگا پڑتا ہے۔مرد کی جان آسانی سے نہیں چھوٹتی۔ بہرحال، میں اپنی جان تو چھڑاؤں گا۔کیونکہ میری محبت تو صرف تم ہو۔''

سلمان کے ہونٹوں پر ایک شاندار مسکراہٹ کھل رہی تھی اور انعم سر جھکائے حسین خوابوں میں گم مسکرا رہی تھی۔

☆......☆......☆

مریم اپنے بیڈروم میں بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے خیالوں میں گم تھی۔

''خدایا......!اگر عدیل کوانعم کے بارے میں کچھ پتا چل گیا تو کیا ہوگا......؟ آخرایک دن پتا تو چل جائے گا۔کوئی بات کب تک چھپی رہ سکتی ہے......؟ جب عدیل کو پتا چلے گا تو وہ کیا سوچیں گے ہمارے بارے میں......؟ ہمارے خاندان کے بارے میں......؟''

اسی لمحے عدیل واش روم کا دروازہ کھول کر گیلے بالوں کوتولیے سے رگڑتے ہوئے باہر آجاتا ہے۔مریم کی گم صم کیفیت دیکھ کرمسکراتا ہےاورقریب آ کرمریم کوآنکھوں کے سامنے چٹکی بجاتا ہے۔مریم چونک پڑتی ہے،پھر سنبھل کرمسکراتی ہے۔

''کہاں کھوئی ہوئی ہو......؟ میں تمہارے پاس ہوں،تم کہیں اور..''

عدیل شوخی سے کہہ رہا تھا۔

''اوہ نو......!بس یوں ہی ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے۔ذہن اُس طرف چلا گیا تھا۔''

مریم نے مسکرا کر بات بنائی۔

''ڈونٹ وری......!مجھ سے شیئر کرو،ہوسکتا ہے میں تمہاری کچھ مدد کرسکوں۔''

وہ مریم کومسکرا کرغور سے دیکھ رہا تھا۔

''جی......؟''

مریم ایک دم گھبرا جاتی ہے۔

''نہیں نہیں......!اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔''

مریم بڑی مہارت سے خودکوسنبھال لیتی ہے۔

☆......☆......☆

انعم اور سلمان اب ڈائننگ میں کھانا کھارہے تھے۔انعم کے موبائل پر رنگ ہوتی ہے۔انعم اپنا موبائل اُٹھا کر دیکھتی ہے۔ پھر بُرا سا منہ بنا کر لائن کاٹ دیتی ہے۔

''کس کا فون ہے......؟''

سلمان غور سے انعم کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''بار بار حماد بھائی کی کال آرہی ہے۔پتا نہیں اُن کو کیا دورہ پڑا ہے......؟ آرام سے کیوں نہیں بیٹھ جاتے یہ لوگ......؟''

انعم جل بھن کر بڑبڑا رہی تھی۔

''تو اٹینڈ کرلو ناں......!بات کرلو،کیا حرج ہے......؟''

سلمان لاپرواہی سے کہہ رہا تھا۔

''یقیناً مریم نے اُنہیں پٹی پڑھائی ہوگی اور وہ میرے سر میں درد کریں گے۔''

''تم خودمختار ہو۔تمہارا بھائی تمہارا کیا بگاڑ سکتا ہے......؟''

سلمان اسی طرح لاپرواہی سے کہہ رہا تھا۔پھر مسکرا کرانعم کی طرف دیکھتا ہے۔

''آخر بھائی ہے،خیر خبر تو لے گا ناں......!''

وہ مزید گویا ہوا۔انعم کھاتے کھاتے رُک کر سلمان کو دیکھتی ہے۔

''وہ تمہیں شوٹ بھی کر سکتے ہیں۔''

''What's.....?......اوہ نو......!''

انعم زور سے ہنس پڑتی ہے۔

''ارے......!تم تو واقعی ڈر گئے۔میں تو مذاق کر رہی تھی۔بس میں Avoid کر رہی ہوں۔وہ بھی اس وجہ سے کہ مریم نے انہیں خوب بھر دیا ہوگا۔''

اب سلمان ذرا جھنجلا جاتا ہے۔

''مریم......!مریم......!مائی گاڈ......!''

اتنا کہہ کر وہ رُک جاتا ہے۔پھر انعم کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہتا ہے۔

''مریم تمہاری سگی بہن ہے،اُسے تو تم جیسا ہونا چاہیے۔''

انعم تیزی سے بات کاٹ دیتی ہے۔

''وہ مجھ جیسی نہیں ہے۔شاید وہ مجھ سے جلتی ہے۔''

''مگر تم سے کیوں جلتی ہے......؟اُسے کیا Complex ہے......؟''

سلمان تعجب سے پوچھ رہا تھا۔انعم لاپرواہی سے منہ بنا کر جواب دیتی ہے۔

''پتا نہیں......!حالانکہ اُس کی تو اب بہت شاندار اور ہینڈسم بندے سے شادی بھی ہو چکی ہے۔''

''میرا خیال ہے کچھ اور مسئلہ ہے۔''

سلمان لاپرواہی سے بولا۔اُسے انعم کے خاندان سے کوئی دِلچسپی نہیں تھی۔

''مسئلہ صرف یہ ہے کہ میرا تمہارا پیار سب کی آنکھوں میں کانٹا بن کر چبھ رہا ہے۔''

انعم بہت پیار بھرے لہجے میں بولی۔اُس کی محبت پاش نظریں سلمان کا طواف کر رہی تھی۔

''تو پھر چھوڑ دو مجھے۔''

سلمان شریر لہجے میں چھیڑنے لگا۔

''سب کچھ چھوڑ سکتی ہوں،مگر تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔''

انعم کے انداز میں خود سپردگی کا عالم تھا۔

''کھانا کھانے دوگی یا بتاؤں تمہیں......؟''

سلمان معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔انعم بھی زور سے ہنس پڑتی ہے۔

☆......☆......☆

فیاض احمد لاؤنج میں فائلوں اور رجسٹروں کا ڈھیر آگے رکھے بیٹھے ہوئے تھے۔ساتھ ہی چائے کے گھونٹ بھی بھر رہے تھے۔سلمٰی بیگم کمرے میں آتی ہیں۔اُن کے چہرے پر سنجیدگی اور گہری سوچ ہے۔پھر ایک دم جیسے چڑ کر کہتی ہیں۔

''گھر میں بھی دفتر کھولے بیٹھے ہیں، گھر کو گھر سمجھیں فیاض احمد......! سارے گھر میں آگ لگی ہوئی ہے اور آپ کا دفتر بند نہیں ہوتا۔''

یہ کہہ کر اُن کے سامنے صوفے پر بیٹھ جاتی ہیں۔ فیاض احمد چونک کر عینک اُتارتے ہیں اور سلمٰی بیگم کی طرف دیکھتے ہیں۔

''کیوں انگارے چبا رہی ہیں بیگم.....؟ اس ناچیز کا قصور تو بتائیں۔''

وہ بڑی سادگی سے گویا ہوئے۔

''چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے، منہ سے کیا پھول جھڑیں گے......؟''

سلمٰی بیگم پھر چڑ کر بولیں۔

''یہی فرق ہے مرد اور عورت میں کہ عورتوں میں برداشت بہت کم ہوتی ہے۔ ذرا سے دُکھ پر پھٹ پڑتی ہیں۔ اگر چہ میں جانتا ہوں کہ ہمارا دُکھ ذرا سا نہیں ہے، لیکن سلمٰی......! تم ہی بتاؤ، کیا میں ان فائلوں پر یہ لکھ دوں کہ میں اپنی بیٹی کی وجہ سے بہت پریشان ہوں، لہٰذا آپ لوگ اپنا کاروبار بند کر کے میرا دُکھ دُور ہونے کا انتظار کریں......؟ جن لوگوں کو ہم سے لاکھوں کروڑوں وصول کرنا ہے، اُنہیں ہمارے غم اور خوشی سے کوئی غرض نہیں۔ میرا بوجھ تم سے ڈبل ہے۔ مجھے پہاڑ جیسا دُکھ بھی اُٹھانا ہے اور اپنا کاروبار اور گھر بھی چلانا ہے۔''

وہ بہت تحمل اور بردباری سے کہہ رہے تھے۔ سلمٰی بیگم یہ سن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہیں۔

''سوری فیاض! میں نے آپ کو Hurt کیا، لیکن مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی، میں کیا کروں......؟ یوں لگتا ہے کہ چاروں طرف لوگ اُنگلیاں اُٹھا اُٹھا کر ہمارے گھر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ فیاض......! مجھے ساری رات نیند نہیں آتی۔''

وہ سسکیاں بھرتے ہوئے بول رہی تھی۔

''مجھے بھی گھر سے باہر نکلتے ہوئے خوف سا آنے لگا ہے۔ حادثہ کتنا ہی بڑا ہو، موت تو اپنے وقت پر آتی ہے۔''

فیاض احمد کے لہجے میں ایک تکلیف دینے والی اذیت تھی۔

''ذِلت و بدنامی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ انعم کو ناصر سے طلاق دلوا کر اُس کی دوسری شادی کر کے عزت سے رُخصت کر دیا جائے۔''

سلمٰی بیگم آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''تمہاری بات درست ہے۔ مگر ناصر جیسا داماد کھونے کے خیال ہی سے میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔ کتنا نیک اور شریف بچہ ہے۔''

''بیٹی نے راہ میں انگارے بچھا دیئے ہیں اور اس راہ سے گزر کر کسی منزل پر رُکنا ہے۔''

سلمٰی بیگم نے سسکیاں دبا کر کہا تھا۔

''میرے مالک......! میرے مولا......! ہم پر رحم کر دے۔''

فیاض احمد کے لہجے میں کلیجہ چھلنی کر دینے والا کرب تھا۔

☆ ☆ ☆

عدیل اور مریم ناشتہ کرنے میں مصروف تھے۔

"وہ...... یاد آیا مریم......! کل ہم اِنوائٹڈ ہیں۔"

مریم حیران ہو کر عدیل کی طرف دیکھتی ہے اور پوچھتی ہے۔

"کہاں......؟"

"میری ایک بہت اچھی دوست ہے، علینہ۔"

عدیل کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی جیسے وہ تصور میں علینہ کو دیکھ رہا تھا۔

"علینہ......؟ نام تو بہت پیارا ہے۔"

مریم مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"وہ خود بھی بہت پیاری ہے۔"

عدیل شریر مسکراہٹ کے ساتھ شوخ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"کیا مطلب......؟ اگر اتنی پیاری ہے تو اس سے شادی کیوں نہیں کی......؟"

مریم، عدیل کو غور سے دیکھتے ہوئے خوش دلی اور لاپرواہی سے کہہ رہی تھی۔

"اُس سے شادی نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے۔"

عدیل نے شرارت سے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"شکر خدا کا کہ وہ شادی شدہ ہے، ورنہ کوئی اچھی دوست کسی وقت زیادہ ہی اچھی لگ گئی تو بیوی بن سکتی ہے۔"

مریم بھی شریر انداز میں مسکرا رہی تھی۔ عدیل کے لئے چائے بناتے ہوئے ایک نظر اُس نے عدیل پر ڈالی اور بولی۔

"بہر حال دوست، دوست ہوتی ہے اور بیوی بیوی۔ اب یہ بندے کی خوش قسمتی ہے کہ اُس کی بیوی اُس کی دوست بھی بن جائے۔"

یہ کہہ کر اُس نے چائے کا کپ عدیل کی طرف بڑھایا۔

"کسی اور کی بیوی دوست بن جائے تو کیا ہرج ہے......؟"

عدیل اپنے دل کا چور شرارت کے پردے میں چھپا رہا تھا۔

"جی......؟"

مریم حیرت سے مسکرا رہی تھی۔ ابھی نئی نئی شادی کا خمار تھا۔ عدیل کی خوب صورت باتوں کا نشہ ہر وقت چھایا رہتا تھا۔ وہ عدیل پر شک کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"تم اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو......؟ کیا عورت مرد دوست نہیں ہو سکتے......؟"

مریم خود کو سنبھال کر دھیرے سے مسکراتی ہے۔

"لیکن سوچنے والی بات یہ ہے کہ ایک شادی شدہ عورت کو اتنی فرصت کیسے مل جاتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ساتھ کسی اور کے ساتھ بھی دوستی رکھے......؟"

''ہوسکتا ہے اُن کے درمیان انڈرسٹینڈنگ نہ ہو۔''

عدیل نے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔ درحقیقت وہ مریم کی بات پر لاجواب سا تھا۔

''لیکن بات کچھ سمجھ نہیں آتی کہ جب انڈرسٹینڈنگ نہیں ہے تو ساتھ رہتے ہی کیوں ہیں......؟ کسی ایسے بندے سے شادی کرلی جائے جس کے ساتھ انڈرسٹینڈنگ ہو۔ قانون اور مذہب کسی انسان پر اذیت ناک پابندی نہیں لگاتے۔''

عدیل چور نظروں سے مریم کی طرف دیکھتا ہے۔

''ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ جن کی آپس میں انڈرسٹینڈنگ ہو، لیکن شادی کرنے میں کوئی ایسی رکاوٹ ہو کہ وہ زندگی بھر ایک دوسرے سے شادی ہی نہ کرسکتے ہوں، اس صورت میں وہ اچھے دوستوں کی طرح بھی تو رہ سکتے ہیں۔''

مریم معنی خیز انداز میں مسکراتی ہے اور سر جھکا کر آہستگی سے کہتی ہے۔

''کیا گارنٹی ہے کہ وہ صرف اچھے دوست ہیں......؟''

عدیل لاجواب سا ہو کر جلدی سے بات بدل دیتا ہے۔

''ارے بابا......! چھوڑو، ہم بھی کیا فضول باتیں لے کر بیٹھ گئے......؟ ہمارے پاس کیا اپنی باتیں کم ہیں......؟''

عدیل کے لہجے میں ایک محبت بھری مٹھاس کا تاثر تھا۔ مریم اُس کی بات سن کر بڑی بے فکری سے مسکرا رہی تھی۔

☆......☆......☆

''پتا نہیں کیوں میرا دل چاہ رہا تھا کہ آپ کی خیریت پوچھوں، آپ کی آواز سنوں۔ پاپا......! آپ کی آواز سنتے ہی میرے اندر جیسے توانائی دوڑنے لگتی ہے۔''

سلمیٰ بیگم بیڈ پر نیم دراز بشرعلی سے فون پر باتیں کررہی تھی۔

''ارے بیٹا......! ہماری اپنی توانائی پتا نہیں کہاں گم ہوچکی ہے......؟ ہم تو خود جنریٹر پر چل رہے ہیں۔ اس پر بھی تمہیں ہم سے کچھ مل جاتا ہے تو اللہ کا احسان ہے۔''

''پاپا......! آپ کی یہی زندہ دلی تو ہمارے سروں پر تپتی دھوپ میں ٹھنڈے بادل کا سایہ ہے۔''

سلمیٰ بیگم کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک تھی لیکن لہجے سے لگتا تھا جیسے مسکرا رہی ہیں۔ دل تو چاہتا تھا کہ باپ کے سامنے دل کھول کر رکھ دیں، لیکن باپ بوڑھا بھی تھا اور دل کا مریض بھی۔ وہ جان بوجھ کر اپنے باپ کی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتی تھیں۔

''اچھا بھئی......! یہ تو مجھے یقین ہے کہ مریم اپنے نئے گھر میں خوش وخرم ہوگی۔ لیکن یہ انعم کہاں غائب ہے......؟ اتنے دن گزر گئے، اُس نے اپنے نانا کی خیریت تک نہیں پوچھی۔ ایسی کیا مصروفیات ہیں اُس کی کہ سب کچھ ہی بھول گئی......؟''

بشرعلی بڑے شفیق اور پیار بھرے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔ سلمیٰ بیگم کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ ایک لمحے کے لئے تو وہ بدحواس ہوگئیں۔ سمجھ نہیں آئی کہ کیا جواب دیں......؟ بڑے جتن کر کے خود کو سنبھال کر زبردستی ہنستی ہیں۔

''جی پاپا......! وہ......اصل میں وہ آج کل واقعی بہت مصروف ہے۔ سارا گھر Renovate کررہی ہے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ ہماری لاپرواہ سی انعم گھر کی ذمے داریوں کو سمجھنے لگی ہے اور اپنے گھر میں مصروف رہتی

ہے۔"

بشر علی کی آواز میں سچی اور رُوحانی خوشی کا تاثر نمایاں تھا۔

"اور بھئی......! اب اُس کے ناصر کے ساتھ جھگڑے تو نہیں ہوتے......؟"

بشر علی ہنستے ہوئے پوچھ رہے تھے۔ سلمیٰ بیگم کی آنکھیں بھر آتی ہیں۔ چند قطرے گالوں پر لڑھک آتے ہیں۔

"نہیں نہیں......! اب ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دونوں بہت سکون سے رہتے ہیں۔"

سلمیٰ بیگم آنسو پیتے ہوئے جواب دے رہی تھیں۔

"اچھا پاپا......! میں پھر آپ سے بات کروں گی، میرے دوسرے فون پر کال آ رہی ہے۔"

یہ کہتے ہی سلمیٰ بیگم نے فون بند کر دیا۔ اُنہیں محسوس ہونے لگا تھا کہ جیسے وہ خود پر سے کنٹرول کھو دیں گی۔ کہیں ایسا نہ ہو ساری احتیاطیں دھری کی دھری رہ جائیں اور باپ کو بھی اس طوفان کا شور سنائی دینے لگے جس سے آج کل یہ گھر لرز رہا تھا۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ آنچل سے پونچھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

عدیل کے سامنے فائلوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ کوٹ کرسی کی پشت پر لٹکائے، ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کیے ہوئے، کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے، آنکھیں بند کیے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ علینہ آہستگی سے دروازہ کھول کر چوروں کی طرح اندر جھانکتی ہے۔ عدیل پٹ سے آنکھیں کھول دیتا ہے۔ وہ زاویہ بدلے بغیر شریر انداز میں مسکرا کر علینہ کو دیکھتا ہے۔

"ہائے بے بی......! مجھے تمہاری خوشبو سے پتا چل گیا کہ تم آ گئی ہو۔"

علینہ بڑی ادا سے مسکراتی ہوئی اندر آ جاتی ہے۔

"یہ تو پرفیوم کی خوشبو ہے، جو کچھ دیر میں اُڑ جائے گی۔ ایک خوشبو انسان کی اپنی ہوتی ہے جو کبھی نہیں اُڑتی۔"

علینہ بولتے ہوئے عدیل کے سامنے بیٹھ جاتی ہے۔ عدیل ہنس کر کہتا ہے۔

"ویری گڈ......! فلسفہ چل رہا ہے۔ بڑی گہری باتیں کرنے لگی ہو۔ ویسے خیریت تو ہے، کس سلسلے میں تشریف آوری ہوئی ہے......؟"

"بس......! یوں ہی دل چاہ رہا تھا تمہیں دیکھنے کو، تم سے باتیں کرنے کو۔"

علینہ بڑی ادا سے مسکرائی۔

"لیکن میں دیکھ رہی ہوں، آج تو تم فائلوں کے پہاڑ تلے دبے ہوئے ہو۔ اتنا سارا کام آج ہی کرو گے کیا......؟"

وہ فائلوں پر نظر دوڑاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"مسلسل Pending میں ڈالتے ہوئے ہی تو یہ پہاڑ تیار ہوا ہے۔ واقعی یار......! کام بہت جمع ہو گیا ہے۔"

اب عدیل سنجیدگی سے بات کر رہا تھا۔

"مجھے اپنی سیکرٹری رکھ لو۔ ہمارا ساتھ بھی رہے گا اور تمہارا کام بھی ہلکا ہو جائے گا۔ تنخواہ نہیں لوں گی، گفٹ پر گزارا کر لوں گی۔"

علینہ شرارت سے کہہ کر ہنس پڑی۔

''اوہ......! تھینک یو یار......! مجبوری ہے، تمہارے ساتھ بیٹھ کر کام نہیں ہوسکتا۔ تمہیں پاس دیکھ کر تو کام کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ بس......! تم سے باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے۔''

عدیل نے مسکرا کر علینہ کو غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''باتیں بنانے میں تو تم اُستاد ہو۔''

علینہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

''میں تو تمہارے ساتھ کافی پینے اور شاپنگ کرنے آئی تھی۔ جلدی سے اُٹھو، میرے ساتھ چلو......!''

وہ بڑی ادا سے کہہ رہی تھی۔

''شاپنگ کے لئے پیسہ چاہئے اور پیسے کے لئے یہ فائلیں نمٹانا ہوں گی۔''

عدیل ہنستے ہوئے بولا۔ صاف لگ رہا تھا کہ اُس کا آفس سے اُٹھنے کا بالکل بھی موڈ نہیں ہے۔

''بہانے باز......!''

علینہ نے بڑی ادا سے خفگی کا اظہار کیا۔

''شام وام میں دیکھتے ہیں یار......!''

اُس نے جیسے علینہ کو ٹالا۔

''شام کو تو تم اپنی نئی نویلی بیوی کے پاس ہوگے۔''

علینہ نے آف موڈ میں بچوں کی طرح منہ بسور کر کہا۔

''نئی نویلی بیوی ایک دن پرانی بھی ہوگی۔ تھوڑا سا صبر کرلو۔''

عدیل شریر لہجے میں کہہ رہا تھا۔ علینہ نے بناوٹی غصے سے اُسے گھورا۔ عدیل بے ساختہ انداز میں قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

☆......☆......☆

حماد، سلمان کی شاندار کوٹھی کے سامنے گیٹ پر کھڑا ہوا واچ مین سے بات چیت کررہا تھا۔

''سلمان صاحب گھر پر ہیں......؟''

وہ پوچھ رہا تھا۔

''جی صاحب......!''

واچ مین نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

''میں ان سے ملنے آیا ہوں۔ میرا نام آصف ہے۔''

''ام پتا کرتا ہے صاحب......!''

واچ مین یہ کہہ کر انٹرکام کا بٹن پُش کرتا ہے، پھر کہتا ہے۔

''صاحب کو بولو کوئی آصف صاحب، صاحب سے ملنے کے واسطے آیا ہے۔''

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو کر جواب کا انتظار کرنے لگتا ہے۔ چند لمحے بعد اُسے جواب ملتا ہے۔ وہ جواب سن کر انٹر کام کا ریسیور لٹکاتے ہوئے حماد سے کہتا ہے۔

"صاحب بولتا ہے، مہمان کو اندر بٹھاؤ۔"

وہ گیٹ کا ذیلی دروازہ کھولتے ہوئے کہتا ہے۔ حماد اندر داخل ہو جاتا ہے۔

☆......☆......☆

"یہ آصف نام کا کون دوست ہے تمہارا......؟ میں نے پہلے تو کبھی نہیں سنا۔"

انعم ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے ناخنوں پر نیل فائلر چلا رہی تھی۔

"ہاں......! میں بھی نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے کوئی بزنس کے سلسلے میں بات وات کرنے آیا ہو، کسی کمپنی وغیرہ کا نمائندہ ہو۔"

سلمان ڈریسنگ گاؤن کی ڈوریاں باندھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر سوچ اور سنجیدگی تھی۔

"اچھا......! زیادہ دیر نہ لگانا۔ میں بور ہو جاؤں گی۔ جو بھی آیا ہے، بہت غلط وقت پر آیا ہے۔"

انعم نے کوفت بھرے انداز میں منہ بنا کر کہا۔

"دُنیا میں صحیح وقت پر صحیح کام ہو کہاں رہا ہے......؟ یہ آنے والا بے چارہ اکیلا قصوروار نہیں۔"

سلمان یہ کہہ کر ہنستے ہوئے بیڈروم سے باہر چلا گیا۔

☆......☆......☆

حماد ایک قیمتی صوفے پر بیٹھا ہوا ڈرائنگ روم کا جائزہ لے رہا تھا اور وقفے وقفے سے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر بھی نظر ڈال لیتا تھا۔ سلمان ڈرائنگ روم میں داخل ہوتا ہے۔ حماد بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہو جاتا ہے۔ سلمان گہری نظر حماد پر ڈالتا ہے۔ آنکھوں میں حیرت اور اُلجھن سی ہے۔ پُر تکلف اور محتاط انداز میں حماد کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے۔ حماد کھولتے ہوئے خود کو بمشکل ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور سلمان کا ہاتھ تھام کر اُسے سر سے پاؤں تک نظر سے تولتا ہے۔

"مجھے حماد کہتے ہیں۔ انعم کا بڑا بھائی ہوں میں۔"

حماد سرد لہجے میں گویا اپنا تعارف کراتا ہے۔ سلمان بُری طرح چونک پڑتا ہے، گویا بچھو نے ڈنک مارا ہو۔ چند لمحے تو ششدر سا حماد کی طرف دیکھتا رہتا ہے، پھر بڑی مہارت سے خود کو سنبھالتا ہے اور کھسیانے انداز میں صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"ٹیک یور سیٹ پلیز......!"

حماد بیٹھنے کی بجائے تیز سلگتی ہوئی نظروں سے سلمان کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔ سلمان اُس کے اندازِ نظر سے پزل ہو جاتا ہے۔

"یہ تو آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں......؟"

حماد سپاٹ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اوہ......! میں بالکل بھی نہیں سمجھا۔''

سلمان نے انجان بننے کی بھرپور اداکاری کی۔

''مسٹر سلمان......! آپ میرا اور اپنا وقت ضائع مت کریں۔''

حماد کے لہجے میں برہمی واضح تھی۔

''اوہ شیور......! واقعی وقت ایک بہت قیمتی شئے ہے۔ ایم سوری......! میں بالکل سمجھ نہیں پا رہا، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں......؟''

سلمان مسلسل انجان بننے کی اداکاری کر رہا تھا۔

''میں انعم کو لینے آیا ہوں، جا کر انعم کو بتا دیجئے۔''

حماد کے لہجے میں تلخی بھی تھی اور ایک غیرت مند بھائی کی بے بسی بھی۔ وہ ایک ایسے امتحان سے گزر رہا تھا جو انسان کو موت اور زندگی کی بحث سے بہت آگے لے جاتا ہے۔ وہ پوری دُنیا میں ایک قیامت برپا کر دینا چاہتا تھا، مگر نہیں کر سکتا تھا۔ غیرت مندوں کے ہاں رُسوائی سے بچنے کی سب سے بڑی پناہ خاموشی ہوتی ہے۔

''انعم......؟ مگر آپ سے کس نے کہا کہ انعم یہاں ہے......؟''

سلمان بڑی ڈھٹائی سے مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔

''مجھے پتا ہے کہ وہ یہیں ہے۔''

حماد نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ بے قصور ہوتے ہوئے بھی نظریں چرانا کیسی عظیم قیامت ہے۔

''لگتا ہے آپ کو شدید غلط فہمی ہو گئی ہے۔''

سلمان عادی چور کی طرح بڑے سکون سے صورتِ حال کا سامنا کر رہا تھا۔

''کاش کہ ایسا ہوتا۔ یہ محض غلط فہمی ہی ہوتی۔ آپ یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ انعم شادی شدہ ہے۔''

حماد سر جھکا کر بہت آہستہ آواز میں بول رہا تھا۔

''آخر آپ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتا رہے ہیں......؟''

سلمان اسی طرح ڈھٹائی سے بات کر رہا تھا۔ حماد اب نظریں اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر چند قدم آگے بڑھ کر سلمان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا ہے۔

''مسٹر سلمان......! آپ گھبرائیے مت۔ میں اکیلا آیا ہوں۔ پولیس میرے ساتھ نہیں ہے۔ اگر کوئی پولیس کے ساتھ آ سکتا ہے تو وہ اُس کا شوہر ہے۔''

حماد ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بغور سلمان کا چہرہ دیکھ رہا تھا، جیسے وہ سلمان کا ایک ایک تاثر اپنے ذہن میں محسوس کر رہا ہو۔ اتنا کہہ کر وہ اُس کے کندھے سے ہاتھ ہٹا لیتا ہے اور بڑی تلخی سے مسکراتا ہے۔

''چونکہ وہ بہت ہی شریف آدمی ہے، اس لئے وہ اس طرح کا قدم کبھی نہیں اُٹھائے گا۔''

حماد کے لہجے میں بہت کرب چھپا ہوا تھا۔

''پتا نہیں کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ......؟ میں نے کہا ناں کہ آپ کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔انعم میرے گھر میں نہیں ہے۔''
سلمان پر حماد کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔وہ مسلسل بے حسی اور ڈھٹائی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔
''زخم لگا کر نمک مت چھڑکیے مسٹر سلمان......! میں انعم کا سگا اور بڑا بھائی ہوں۔کچھ تو خیال کیجیے۔انعم اور آپ شادی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں،مگر پہلے وہ اپنے شوہر سے طلاق تو لے لے۔''
سلمان اب ذرا غصے سے چڑ کر بولتا ہے۔
''پتا نہیں یار......''
اُسی وقت انعم لہراتی،اٹھلاتی،مسکراتی ہوئی اپنی دُھن میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوتی ہے۔سلمان کی بات اُدھوری رہ جاتی ہے اور انعم،حماد کو سامنے دیکھ کر بُری طرح بدحواس ہو جاتی ہے،جیسے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا ہو۔وہ جہاں تک آئی تھی،وہیں رُک گئی اور چند لمحے تک کچھ بولنے کے قابل نہیں تھی۔حماد معنی خیز نظر سلمان پر ڈال کر انعم سے مخاطب ہوتا ہے۔
''چلو انعم......! میں تمہیں لینے آیا ہوں۔''
انعم حیران پریشان سلمان کی طرف دیکھتی ہے۔اُس کے اپنے ذہن نے جیسے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔سلمان،حماد کی نظر بچا کر انعم کو اشارہ کرتا ہے کہ اس وقت چلی جاؤ اور خود انجان سا بن کر ڈرائنگ روم سے چلا جاتا ہے۔حماد،انعم کو باہر کی طرف چلنے کا اشارہ کرتا ہے۔انعم تھوڑا سا ہچکچائی پھر کچھ سوچ کر باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم بے قراری سے ٹہل رہی تھیں۔اُن کے چہرے پر ایک گہری سوچ تھی۔انا بی چھالیہ کاٹتے ہوئے مسلسل اُن کا جائزہ لے رہی تھیں،آخر رہا نہ گیا تو وہ بول پڑیں۔
''اے سلمیٰ......! خیر تو ہے......؟ آدھے گھنٹے سے لیفٹ رائٹ کر رہی ہو۔ایسا لگتا ہے جیسے کسی کا انتظار ہے تمہیں......؟''
سلمیٰ بیگم اپنے دھیان سے چونک پڑتی ہیں۔پھر گہری سانس لے کر آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی صوفے پر آ کر بیٹھ جاتی ہیں۔
''کچھ نہیں انا بی......! حماد بڑے غصے میں گھر سے گیا تھا،بس اُسی کی فکر لگی ہوئی ہے۔کافی دیر ہو چکی ہے اور اُس نے اپنا موبائل بھی آف کیا ہوا ہے۔''
سلمیٰ بیگم کے لہجے میں بڑی گہری تشویش تھی۔
''ارے سلمیٰ......! ماشاءاللہ ہوش مند،سمجھ دار بچہ ہے۔جو قدم بھی اُٹھائے گا،سوچ سمجھ کر اُٹھائے گا۔''
انا بی نے جیسے تسلی دی۔
''انا بی......! جب بہن بیٹی کی عزت کا معاملہ ہو تو مرد بہت کم ہوش سے کام لیتے ہیں۔میرا جوان اکلوتا بیٹا......''
اُسی وقت باہر کی طرف سے انعم لاؤنج میں داخل ہوتی ہے۔سلمیٰ بیگم کی بات اُدھوری رہ جاتی ہے۔وہ بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے انعم کی طرف دیکھ رہی تھیں۔انعم نے ایک نظر ماں اور انا بی کی طرف دیکھا پھر پاؤں پٹختی ہوئی اُوپر جانے کے

لئے زینے کی طرف بڑھ گئی۔ سلمٰی بیگم پتھر کے بُت کی طرح اُس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ انا بی کا بھی منہ کھلا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کے پان کی پیک ٹپکتی، اُنہوں نے اُگال دان اُٹھا کر پان کی پیک تھوکی۔

”ارے سلمٰی......! یہ انعم......“

ابھی باقی جملہ اُن کے منہ میں ہی تھا کہ حماد بھی اندر آ جاتا ہے۔

”یہ......یہ......تمہارے ساتھ آئی ہے......؟ کہاں سے لے کر آئے ہو اسے......؟“

”بس......! اب لے آیا ہوں، سنبھال کر رکھئے اسے۔ اب اگر یہ گھر سے باہر نکلی تو میں وہ کچھ کر ڈالوں گا، جس کی توقع کسی پاگل ہی سے کی جاتی ہے۔“

حماد برہم لہجے میں کہتا ہوا زینے کی طرف بڑھ گیا۔ انا بی تو بُری طرح سہم گئیں اور سلمٰی بیگم اپنی جگہ دم بخود کھڑی تھیں۔

☆......☆......☆

فرح ڈائننگ ٹیبل پر پلیٹیں لگاتے ہوئے دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ اُس نے بڑی حیرت سے اُوپر آتی ہوئی انعم کی طرف دیکھا۔ وہ اپنا کام بھول بیٹھی تھی۔ انعم نے تو جیسے فوراً ہی اُس پر چڑھائی کر دی۔

”میری اپنی زندگی ہے، کوئی تماشہ نہیں ہے۔ کبھی ناصر کی ڈگڈگی پر ناچوں اور کبھی بھائی کی۔“

فرح اُس کی طرف غصے سے دیکھتی ہے اور بُرا مان کر کہتی ہے۔

”نو نو آپی، صاف صاف کہہ دیتی حماد سے۔ یہاں آ کر ہنگامہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”میں سلمان کے سامنے حماد بھائی کی Insult نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر آپ اب اُنہیں سمجھائیں کہ اُنہیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

فرح کا غصہ بڑھ جاتا ہے۔ اُسے خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔

”طلاق لیے بغیر تم سلمان کے ساتھ جو رہ رہی تھی، ہماری اور ہمارے خاندان کی عزت پر چار چاند ہی تو لگا رہی تھی۔ بڑا خیال ہے تمہیں بھائی کی عزت کا۔“

اس سے قبل کہ فرح مزید کچھ کہتی، حماد جو آخری سٹیپ پر کھڑا دونوں کی تکرار سن رہا تھا، تیزی سے چلتا ہوا انعم کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس نے انعم کا بازو پکڑا اور زور سے آگے کی طرف دھکا دیا۔

”اپنے کمرے میں جاؤ اور زیادہ بے غیرتی کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری آنکھوں کا پانی مر گیا ہے، مگر ہم ابھی خالی نہیں ہوئے ہیں۔“

وہ اتنی زور سے دھاڑا تھا کہ سلمٰی بیگم گرتی پڑتی اُوپر آئی تھیں۔ حماد کی نظر ماں پر پڑتی ہے تو براہِ راست اُن سے کہتا ہے۔

”امی......! اسے باندھ کر رکھیں، ورنہ میں اسے شوٹ کر دوں گا۔“

”آپ ہوتے کون ہیں......؟ میں کسی گاؤں یا دیہات میں رہنے والی اَن پڑھ لڑکی نہیں ہوں جسے غیرت کے نام پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں گاڑ دیا جائے۔“

”خاموش ہو جاؤ انعم......! یہ تمہارا بڑا بھائی ہے۔ دُنیا کا کوئی مرد تم سے کتنی ہی محبت کا اظہار کرے، تمہارے بھائی سے

زیادہ کوئی تمہارا خیر خواہ نہیں ہوسکتا۔"
سلمٰی بیگم نے زور سے ڈانٹا۔
"یہ تمہارے باپ بھائی کا اسٹیٹس ہے جس کی وجہ سے وہ تمہیں لفٹ کرا رہا ہے۔ کیا ہو تم ان رشتوں کے بغیر......؟"
فرح نے بھی تلخ لہجے میں انعم سے کہا۔
"نہیں ضرورت مجھے کسی رشتے کی۔ میں اپنے اچھے برے کی خود ذمہ دار ہوں۔"
انعم یہ کہتی، پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے جا رہی تھی۔ سلمٰی بیگم بڑی بے بسی کی کیفیت میں حماد کی طرف دیکھتی ہیں اور سر جھکا لیتی ہیں۔

☆......☆......☆

عدیل گہری نیند سو رہا تھا مگر مریم کی آنکھوں میں دُور دُور تک نیند کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہ بڑی دیر سے چھت کی طرف گھورے جا رہی تھی۔ چند لمحے بعد وہ گردن موڑ کر عدیل کی طرف دیکھتی ہے اور کچھ سوچ کر آہستگی سے بستر سے اُتر جاتی ہے اور اپنے بالوں کو سمیٹ کر جوڑا بناتی ہے۔ پھر ایک نظر عدیل پر ڈالتی ہے۔ اب اس کے قدم بیڈروم سے باہر جانے کے لئے دروازے کی سمت اُٹھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم ایک ہاتھ میں پانی کا گلاس پکڑے دوسرے ہاتھ سے نیند کی گولی منہ میں رکھ رہی تھیں۔ فیاض احمد آنکھوں پر بازو رکھے کسی خیال میں گم تھے۔ سلمٰی بیگم نے چند گھونٹ پانی کے لے کر گولی حلق سے نیچے اُتاری اور پانی کا گلاس ٹیبل پر رکھ کر ایک نظر فیاض احمد پر ڈالی۔
"کیا سوچ رہے ہیں......؟"
انہوں نے پوچھا۔ فیاض احمد چونک کر بازو آنکھوں سے ہٹا لیتے ہیں۔
"آں...... کچھ نہیں......! بس یہی کہ جب مریم کی شادی ہو رہی تھی تو میں خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا کہ شکر ہے بیٹیوں کا فرض ادا ہوا، لیکن......"
وہ جیسے سانس لینے کے لئے رُکے۔ سلمٰی بیگم سوالیہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھ رہی تھیں۔
"لیکن انعم نے جو کچھ کیا، وہ دُکھ اپنی جگہ مگر احساسِ ذلت نے تو جیسے کمر ہی توڑ دی ہے۔"
فیاض احمد کے لہجے میں جگر چھلنی کر دینے والا کرب تھا۔ یہ سن کر سلمٰی بیگم کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔
"ناصر کو میں نے کبھی داماد نہیں سمجھا۔ وہ مجھے حماد کی طرح عزیز ہے۔ مگر اب ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ جوان بیٹی ہٹ دھرمی پر اُتر آئی ہے۔ یقین کریں فیاض......! میرے اندر ہر وقت ایک خوف سا رہنے لگا ہے۔ انعم ہٹ دھرم ہے اور حماد کا خون گرم۔ جوان بچہ ہے، کہیں جوش میں آ کر کچھ کر نہ بیٹھے۔"
سلمٰی بیگم سہمے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔
"ایسی باتیں نہ کرو سلمٰی......! میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔ تم فکر نہ کرو، میں حماد کو سمجھاؤں گا کہ مسئلے کا حل جوش سے نہیں ہوش

سے نکلتا ہے۔"

وہ سلمٰی کو تسلی دے رہے تھے۔

"خدا کرے آپ کی بات حماد کی سمجھ میں آجائے۔"

سلمٰی بیگم نڈھال سے لہجے میں بول رہی تھیں۔

☆......☆......☆

مریم لاؤنج میں بیٹھی ریسیور کان سے لگائے اپنے پیارے نانا سے باتیں کر رہی تھی۔

"نانا جان......! پتا نہیں کیوں آپ اتنا یاد آنے لگے ہیں......؟"

وہ بڑے پیار بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔

"پہلے تو یہ بتاؤ کہ آج سے پہلے اتنا کیوں یاد نہیں آتا تھا......؟"

بشر علی ہنستے ہوئے بڑی شفقت سے پوچھ رہے تھے۔

"یہ بات نہیں ہے نانا جان......! یاد تو آپ ہمیشہ آتے ہیں، لیکن آج کل کچھ زیادہ ہی یاد آنے لگے ہیں۔"

مریم اتنا کہہ کر دھیرے سے ہنس پڑی۔

"پھر تو ضرور کوئی خاص وجہ ہے۔ تم ایسا کرو، جلدی سے وجہ تلاش کرو اور فوراً مجھے بتاؤ۔ تم نے تو خود میرے اندر تجسس پیدا کر دیا۔"

بشر علی بھی ہنستے ہوئے مذاق کے انداز میں بات کر رہے تھے۔

"ویسے بیٹا......! سب خیریت ہے ناں......؟"

اب اُنہوں نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"جی......! اللہ کا شکر ہے نانا جان......! سب خیریت ہے۔ بس کبھی کبھی یوں ہی طبیعت پریشان سی ہو جاتی ہے۔"

مریم ٹالنے والے انداز میں بات کر رہی تھی۔

"ماشاءاللہ......! گھر بار والی ہو گئی ہو۔ گھر کی نئی نئی ذمہ داریاں ہیں، تھک جاتی ہو گی۔ تھوڑے دنوں میں عادت ہو جائے گی۔"

بشر علی اُسے سمجھانے لگے۔

"ہاں......! شاید یہی وجہ ہو۔"

مریم نے آہستگی سے جواب دیا۔ اُس کا دل بھر آرہا تھا۔ وہ نانا کے سامنے دل کھول کر رکھ دینا چاہتی تھی مگر مجبور اور بے بس تھی۔ وہ دُور دیس بیٹھے نانا کو دُکھڑے سنا کر کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی جو پہلے ہی دل کے عارضے میں مبتلا تھے۔

"خوش رہنے کی کوشش کرتے ہیں بیٹا......! خوشی کا انتظار نہیں کرتے۔ جو کچھ موجود ہوتا ہے، اُسی میں سے خوشی کو کشید کرتے ہیں۔"

مریم بغور بشر علی کی بات سن رہی تھی۔ اس کے اندر کچھ کہنے کی بے تابی تھی۔ کچھ کہنے کے لئے ہونٹ پھڑ پھڑا رہے تھے مگر

عجیب بے بسی تھی۔

''میری آواز آ رہی ہے ناں بیٹا......؟''

بشر علی نے مریم کو چونکا دیا۔

''جی جی نانا جان......! میں سن رہی ہوں۔''

مریم نے جلدی سے خود کو سنبھالا۔

''بات یہ ہے بیٹا......! کہ حادثے ہو جاتے ہیں۔ انسان سمجھتا ہے یہ وقت رونے کے لئے آیا ہے۔ چلو رونا شروع کر تے ہیں۔ رونے سے کبھی مسئلے حل ہوتے ہیں۔ پل پل بدلتی زندگی اِسی کو کہتے ہیں۔ غم کے پیچھے ہنسی لگی ہوئی ہے اور ہنسی کے پیچھے غم۔ جو آج ہوتا ہے وہ ہمیشہ نہیں ہوتا۔ خوشی اور غم کی آنکھ مچولی آخری سانس تک چلتی رہتی ہے۔ ہمارا مذہب جو ہمیں صبر کی تاکید کرتا ہے، اس میں یہی فلسفہ ہے کہ مسئلے کے دوسرے سرے پر کوئی حل بھی موجود ہے۔ اگر اس وقت غم کی کیفیت ہے تو اگلا وقت اس غم سے نجات کا ہے۔ یہ مرحلہ صبر اور برداشت کا تقاضہ کرتا ہے۔ میری بات سمجھ آ رہی ہے ناں بیٹا......؟''

وہ پیار بھرے اور شفیق لہجے میں پوچھ رہے تھے۔ مریم جو اُن کے لہجے کے مقناطیسی حصار میں تھی، ایک دم چونک پڑی۔

''جی جی نانا جان......! بہت غور سے سن رہی ہوں۔ پتا ہے کیا نانا جان......! میں یہ بھی سوچ رہی ہوں، شاید آپ کی زندگی میں حادثے آئے ہی نہیں سوائے نانی جان کی وفات کے، جو آپ کو بہت جلدی چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔''

مریم نے بے ساختہ کہا۔

''ارے نہیں بیٹا......! تمہارے نانا کی زندگی میں تو حادثے گھٹا باندھ کر آئے تھے اور ان حادثوں نے ہی تو تمہارے نانا کو اتنا مضبوط بنایا۔ اللہ کا احسان ہے کہ اُس نے بہت کم عمری ہی میں مجھے یہ بات سمجھا دی تھی کہ غموں کی تصویر بن جانے والے لوگ بس تصویر ہی بن جاتے ہیں جو کسی دیوار پر لٹکا دی جاتی ہے۔ رابطے کم ہو جاتے ہیں یا بالکل ختم ہی ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ دُنیا ہنستے ہوئے کا ساتھ دیتی ہے جبکہ رونے والا اکیلا ہوتا ہے۔ وہ تو تم نے سنا ہی ہے، گرتی ہوئی دیوار کو ایک دھکا اور دو۔''

یہ کہہ کر بشر علی زور سے قہقہہ لگاتے ہیں۔ مریم بھی ہنس پڑتی ہے۔

''مجھے فخر ہے کہ میرے نانا جان اتنے مضبوط ہیں۔''

مریم کے لہجے میں پیار رَچا ہوا تھا۔

''میں نے تو تمہیں بھی بہت مضبوط بنانے کی کوشش کی ہے۔ تمہیں یاد ہے بیٹا......! تم صرف چار سال کی تھی اور تمہاری ماں بہت سوشل تھی۔ اُس کی بہت مصروفیات تھیں۔ تم اسکول سے سیدھی میرے پاس آتی اور رات تک میرے ساتھ رہتی تھی۔''

☆......☆......☆

عدیل کی نیند بھری آنکھوں میں حیرت تھی۔ وہ مریم کی خالی جگہ غور سے دیکھ رہا تھا۔ نظروں کا زاویہ بدلتا ہے اور وہ کمرے میں نظر دوڑانے لگتا ہے۔ نظر واش روم کے بند دروازے پر جا کر رُک جاتی ہے۔ سوچتا ہے کہ مریم واش روم میں ہوگی۔ دوسری طرف کروٹ لے کر پھر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ آنکھیں بند کئے ہوئے ابھی چند لمحے گزرے تھے کہ اُس کے موبائل پر رِنگ ہونے لگی۔ وہ ہاتھ بڑھا کر ٹٹولنے کے انداز میں موبائل اُٹھاتا ہے۔ نیند بھری آنکھوں سے موبائل کی طرف دیکھتا ہے۔ اسکرین

پر علینہ مسکرا رہی تھی۔وہ فوراً فون اٹینڈ کرتا ہے اور واش روم کی طرف دیکھتے ہوئے بہت آہستہ آواز میں کہتا ہے۔

''فون بند کرو، مریم جاگ رہی ہے۔بائے......!''

یہ کہہ کر وہ لائن کاٹ دیتا ہے اور جلدی سے فون رکھ کہ دوبارہ سوتا ہوا بن جاتا ہے۔مگر اب دوبارہ نیند کہاں سے آتی......؟ دماغ تو دو طرف دوڑیں لگا رہا تھا،کبھی مریم کی طرف،کبھی علینہ کی طرف۔کافی دیر تک جب کمرے میں کوئی ہلچل،کوئی آہٹ نہ ہوئی تو وہ چونک سا گیا کہ مریم ابھی تک واش روم میں ہی ہے۔یہ سوچتے ہی اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔چند لمحے تو واش روم کا بند دروازہ دیکھتا رہتا ہے پھر اس کی نظر سوئچ کی طرف جاتی ہے جو آف تھا جس سے صاف پتا چل رہا تھا کہ مریم واش روم میں نہیں ہے۔اُس کے چہرے پر اُلجھن کے تاثرات اُبھرتے ہیں۔وہ کچھ سوچ کر بیڈ سے اُتر گیا۔اپنی تسلی کے لئے اُس نے واش روم کا دروازہ بھی کھول کر دیکھا۔سیاہ ٹائلوں والے واش روم میں اندھیرے کا راج تھا۔اُس نے آہستگی سے واش روم کا دروازہ بند کر دیا تھا۔اب اُس کے قدم باہر کی طرف اُٹھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

''آپ سے باتیں کر کے کبھی نہیں لگتا کہ بہت باتیں ہوگئی ہیں،بس آپ جلدی سے آجائیں۔پورے ڈیڑھ سال ہوگئے ہیں آپ کو گئے ہوئے۔اب مجھ سے انتظار نہیں ہوتا۔اگر آپ جلدی نہیں آئے نہ تو میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آپ کے پاس پہنچ جاؤں گی۔''

مریم لاڈ بھرے انداز میں دھمکی دے رہی تھی۔اُسے احساس ہی نہیں ہوسکا کہ فاصلے پر عدیل کھڑا ہوا آنکھیں پھاڑے حیرت اور صدمے سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔شک کے گہرے تاثرات بھی نمایاں تھے۔اس کا وہاں کھڑا ہونا دوبھر ہوگیا تھا۔ وہ اُلٹے پاؤں پیچھے کی طرف چل رہا تھا اور اس کی نظریں مسلسل مریم پر تھیں۔اسے پلک جھپکنا محال تھا۔پھر ایک دم گھومتا ہے اور اپنے کمرے کی طرف پلٹ جاتا ہے۔مریم اب بشریٰ علی کو خدا حافظ کہہ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے نانا جان......!اب آپ آرام کیجئے۔میں پھر آپ کو فون کروں گی۔اپنا خیال رکھئے گا۔خدا حافظ......!''

☆......☆......☆

عدیل کمرے میں بے قراری سے ٹہل رہا تھا۔اُسے اس وقت بہت زور کا دھچکا لگا تھا۔

''کیا یہ بھی......؟ Oh No.....!''

اُسی وقت مریم دروازہ کھول کر اندر آگئی تھی۔عدیل کو جاگتا ہی نہیں ٹہلتا پا کر بُری طرح چونک گئی تھی۔

''ارے......!آپ جاگ رہے ہیں......؟''

وہ قریب آکر حیرت سے پوچھنے لگی۔عدیل جواب دینے کی بجائے گم صم اور مشکوک نظروں سے مریم کی طرف دیکھ رہا تھا اور مریم اُس کے آنکھوں کے تاثرات پر اُلجھن محسوس کر رہی تھی۔

''تم کہاں تھی......؟اور اُس وقت کیا کر رہی تھی......؟''

عدیل کے لہجے میں عجیب طرح کی اجنبیت اور بے مروّتی تھی۔مریم بے ساختہ مسکرا پڑی تھی۔

''بس......!نیند نہیں آئی تو نانا یاد آگئے۔''

وہ مسکرا کر بولی اور بیڈ کی طرف بڑھ گئی۔ عدیل کو جیسے زور کا جھٹکا لگا تھا۔

''مائی گاڈ......!''

اُس کے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا۔

''لوگوں کو مشکل وقت میں نانی یاد آتی ہے اور مجھے اپنے نانا یاد آتے ہیں۔''

وہ اپنی دُھن میں مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔

"What do you mean.....? Nana."

عدیل آنکھیں پھاڑ کر مریم کو دیکھ رہا تھا۔ مریم کو اُس کی پریشانی پر حیرت ہو رہی تھی۔ اُس بے خبر کو کیا خبر تھی کہ چور کی داڑھی میں تنکے کے مصداق تھوڑی ہی دیر میں عدیل کے ذہن نے کتنی ہی قلابازیاں کھائی تھیں۔

''ہاں نانا، بھئی......! میرے نانا جان، میری امی کے پاپا۔''

پھر بڑی معصوم سی شکل بنا کر عدیل سے پوچھا تھا۔

''کیا آپ کے نانا نہیں تھے......؟''

''لاحول ولاقوۃ......!''

عدیل کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ وہ اپنی حماقت پر خود ہی ماتم کر رہا تھا۔ درحقیقت وہ بُری طرح پھسلا گیا تھا۔ مریم غصے سے عدیل کی طرف گھورنے لگی۔

''خبردار جو میرے نانا جان پر لاحول پڑھی۔ اتنے اچھے نانا تو پوری دُنیا میں کسی کو نہیں ملے ہوں گے۔''

عدیل گرنے کے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

''مائی گاڈ......! نانا......؟''

وہ بڑبڑا رہا تھا۔ مریم کی سمجھ میں اُس کی کیفیت نہیں آ رہی تھی۔ وہ ایک ٹک اُس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

''مگر تمہیں نیند کیوں نہیں آ رہی تھی......؟''

خود پر تھوڑا سا کنٹرول ہوتے ہی عدیل کو جیسے اچانک خیال آیا۔ مریم بیڈ پر لیٹ گئی اور عدیل کی طرف کروٹ لیتے ہوئے بولی۔

''یوں ہی جیسے اکثر آپ رات کو دیر تک جاگتے ہیں۔''

اس نے دونوں ہاتھ باندھ کر گال کے نیچے رکھ لئے تھے، پلک جھپکائے بغیر عدیل کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

''ایک بات تو بتائیں......! آپ کو نیند کیوں نہیں آتی......؟''

''اچھا بھئی......!''

عدیل نظریں چرا کر بولا۔

''میری طرف سے ساری رات جاگ کر نانا سے باتیں کرو۔''

یہ کہہ کر وہ خود بھی لیٹ گیا اور اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔

''اوہ گاڈ......!نانا......؟''

اُس نے جیسے بہت دیر بعد گہری سانس لی تھی اور اپنے آپ پر ہنس رہا تھا۔

☆......☆......☆

انا بی بڑے خشوع خضوع سے تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں۔فرح،فرزین کو اسکول کے لئے تیار کر کے نیچے لائی تھی۔

''ماما......!آج آپ نے مجھے لنچ میں کیا دیا ہے......؟''

فرزین،فرح سے پوچھ رہی تھی۔

''ایک سینڈوچ بنائے ہیں بیٹا......!اور آپ بچاؤ گی بھی نہیں،پورے Finish کروگی۔آپ نے ناشتہ بھی ٹھیک سے نہیں کیا ہے۔''

فرح،فرزین کا ہاتھ پکڑے ہوئے دوسرے ہاتھ میں اُس کا بیگ تھامے ہوئے تھی اور اُسے باہر کی طرف لے کر بڑھ رہی تھی۔انا بی اب آنکھیں کھولے دونوں ماں بیٹی کو جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔اُن کی آنکھوں میں ایک گہری سوچ تھی۔وہ اپنی سوچ سے اس وقت چونکیں جب انعم اُن کے سامنے والے صوفے پر آ کر دھب سے بیٹھ گئی۔اُس کا موڈ آف تھا۔چلّا کر ملازم کو آواز دی۔

''او بھئی......!کافی جلدی لے کر آؤ۔امی کو تو بس ایسے ہی نوکر ملتے ہیں۔''

وہ بڑبڑانے لگی۔

''بیٹا......!خالی پیٹ کیا گرم گرم کافی چڑھا رہی ہو۔ٹھیک سے ناشتہ کرلو۔''

انا بی نے بڑی شفقت سے اُسے مخاطب کیا۔

''آپ کو پتا ہے،میں اتنی صبح صبح ناشتہ نہیں کرتی۔''

انعم نے بڑی بدتمیزی سے انا بی کو جواب دیا۔انا بی اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں۔اس گھر میں اُنہیں ایک فیملی ممبر کی حیثیت دی جاتی تھی۔کوئی اُن کو ملازمہ کی طرح ٹریٹ نہیں کرتا تھا۔اُنہوں نے اس وقت بہت سبکی سی محسوس کی تھی۔اپنی عزت اپنے ہاتھ کے مصداق خاموش ہو کر رہ گئیں۔اتنی دیر میں فرح واپس اندر آ چکی تھی۔اُس کی نظر انعم پر پڑی۔ایک دم محتاط سی ہوگئی اور چہرے پر خفا خفا سے تاثرات اُبھرے۔وہ بغیر بات کئے زینے کی طرف بڑھ گئی۔انعم نے اُسے جاتے ہوئے دیکھا اور بڑی تلخ مسکراہٹ کے ساتھ معنی خیز لہجے میں فرح سے مخاطب ہوئی۔

''بھابی......!وہ آپ کے شوہر ابھی تک سو کر نہیں اُٹھے۔مجھے ایک ضروری کام سے باہر جانا تھا اور اُنہوں نے میرے باہر جانے پر پابندی لگائی ہوئی ہے۔کار کی چابی اپنے پاس رکھی ہوئی ہے۔میں امی کے ساتھ تو باہر جاسکتی ہوں۔''

فرح زینہ چڑھتے ہوئے رُک گئی تھی اور اُس نے پلٹ کر انعم کی طرف ناراض نظروں سے دیکھا پھر بولی۔

''تمہیں جو بھی بات کرنا ہے،ڈائریکٹ اپنے بھائی سے کرو۔مجھے میڈیم بنانے کی ضرورت نہیں۔''

اتنا کہہ کر فرح تیز تیز زینہ چڑھ گئی تھی۔انا بی حیران پریشان اپنی جگہ بیٹھی تھیں۔

☆......☆......☆

مسز سارہ، عدیل اور مریم بہت خوش گوار ماحول میں ناشتہ کر رہے تھے۔ مسز سارہ بہو بیٹے کو خوش دیکھ کر جیسے خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھیں۔ مریم اُن کا انتخاب تھی۔ اُنہوں نے اسے دل و جان سے اپنے بیٹے کے لئے پسند کیا اور اُنہیں بہت اطمینان تھا کہ اُن کے بیٹے کو مریم پسند آ گئی ہے اور وہ اس سے بہت خوش ہے۔

''میں تو ہفتہ دس دن بعد واپس لندن چلی جاؤں گی کیونکہ وہاں نبیل اکیلا ہوتا ہے اور مجھے اُس کی بہت فکر رہتی ہے۔ شادی کرنے کے لئے ابھی وہ تیار نہیں ہے۔ شادی کر لیتا تو مجھے بے فکری ہو جاتی۔''

''ممی......! آپ کو یورپ میں رہتے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا، مگر آپ ابھی تک پاکستانی ماں ہیں۔ نبیل کوئی دودھ پیتا بچہ ہے جو آپ کو اتنی ٹینشن رہتی ہے......؟ یورپین مائیں اٹھارہ سال بعد اپنے بچوں کو آزاد چھوڑ دیتی ہیں۔''

عدیل ہنستے ہوئے ماں کو چھیڑ رہا تھا۔

''ممی......! عدیل ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں۔ لندن میں سب Facilities موجود ہیں۔ پلک جھپکتے ہوئے وہ سارے کام ہو جاتے ہیں جن کاموں میں ہماری پاکستانی عورتیں گھنٹوں مصروف رہتی ہیں۔''

مریم نے عدیل کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

''میں نے اصل میں اپنے بچوں کو کبھی خود سے دُور نہیں ہونے دیا اور اپنی ذمہ داریوں کو ایک مشرقی ماں بن کر نبھانے کی کوشش کی۔ میں اندھی تقلید کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

مسز سارہ نے آملیٹ کا ٹکڑا اپنی پلیٹ میں نکالتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''قصہ مختصر، ممی ایک ہفتے بعد لندن ضرور جائیں گی۔ میں اور مریم ممی کو کسی دلیل سے نہیں روک سکتے۔''

عدیل نے ہنستے ہوئے ماں کو چھیڑا۔

''اور ممی......! میرا نہیں سوچا آپ نے کہ آپ کے جانے کے بعد میں کتنی اکیلی ہو جاؤں گی......؟''

مریم نے بڑے لاڈ سے اپنی ساس کو مخاطب کیا۔

''اتنا پیارا سا بیٹا میں نے تمہارا ساتھی بنایا ہے۔ خدانہ کرے تم اکیلی ہو۔''

مسز سارہ نے محبت بھری نظروں سے مریم کی طرف دیکھا۔

''عدیل تو چند دنوں بعد ٹھیک سے آفس جانا شروع کر دیں گے۔ رات گئے گھر آیا کریں گے۔ اتنی دیر تک تو میں اکیلی ہی رہوں گی ناں......!''

مریم نے اُنہیں قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ مان لیں کہ وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔

''بیٹا......! جب گھر بن جاتا ہے تو گھر میں بہت سے کام نکلنے لگتے ہیں۔ آہستہ آہستہ تم گھر میں اتنا Busy ہو جاؤ گی کہ ممی سے فون پر بات کرنے کی فرصت نہیں ہوگی۔ دو چار بچے ہو جائیں گے، پھر تو تمہیں اپنا ہوش بھی نہیں رہے گا۔''

اُنہوں نے مسکرا کر چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔ عدیل جوس کا گلاس اُٹھا چکا تھا۔ گھونٹ بھرتے بھرتے رُک گیا۔ اُس کے ہونٹوں پر شریری سی مسکراہٹ تھی۔

''ممی......! صرف دو چار بچے......؟ کم سے کم دس پندرہ تو ہونے چاہئیں۔ دو ہی تو ہم بھائی ہیں۔ ہم دونوں نے ہی تو

اس مختصر سے خاندان کو ایک بڑا قبیلہ بنانا ہے۔"

"تم اپنے ارمان پورے کرنے سے پہلے بے چاری مریم سے تو پوچھ لو کہ اس بے چاری میں قبیلے کی سرداری بننے کی ہمت بھی ہے یا نہیں......؟"

مریم نے شرمندہ سی ہو کر ٹیبل کے نیچے عدیل کے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھ کر زور سے دبایا جیسے اُسے احساس دلا رہی ہو کہ ماں کے سامنے کیا اُلٹی سیدھی باتیں کر رہا ہے۔ جبکہ مسز سارہ بیٹے کی باتوں کو بہت اِنجوائے کر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

انعم اپنے بیڈروم میں صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے کوئی فیشن میگزین دیکھ رہی تھی کہ اُس کے موبائل پر رنگ ہونے لگی جو اُس کے برابر میں ہی رکھا ہوا تھا۔ اُس نے موبائل کی طرف دیکھے بغیر ٹٹولنے کے انداز میں موبائل اُٹھا لیا اور ایک نظر موبائل پر ڈالی۔ اُس کے انداز میں بیزاری سی تھی، کیونکہ اُسے اندازہ تھا کہ سلمان کی کال تو نہیں ہو سکتی۔ وہ تو سو کر ہی بارہ ایک بجے اُٹھتا ہے، ابھی تو دن کے دس ہی بجے تھے۔ مگر موبائل پر نظر ڈالتے ہی وہ بُری طرح چونک گئی تھی۔ اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"اوہ......! نانا جان......!"

وہ ڈبل مائنڈڈ ہو رہی تھی کہ کال اٹینڈ کرے یا نہیں......؟ سوچنے کے دوران ہی رنگ بند ہو گئی۔ اُس نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں، لیکن رنگ دوبارہ ہونے لگی تھی۔ موبائل اُس کے ہاتھ ہی میں تھا۔ اُس نے خود پر جبر کرتے ہوئے بالآخر کال اٹینڈ کر لی اور مرے مرے انداز میں بولی۔

"السلام علیکم نانا جان......!"

"وعلیکم السلام......! ارے بھئی......! تم کہاں غائب ہو......؟"

بشر علی جیسے انعم کی آواز سن کر خوشی سے کھل اُٹھے تھے۔

"کہیں نہیں نانا جان......! بس یوں ہی گھر میں مصروفیت رہتی ہے۔"

وہ بڑی بے دلی سے بات کر رہی تھی۔

"ہاں ہاں......! مجھے پتا چلا ہے، آج کل تم بہت مصروف ہو گئی ہو۔ اپنا گھر Renovate کرا رہی ہو۔ سیدھی سی بات ہے، گھر تو عورت ہی بناتی ہے۔ مجھے تو سن کر بہت ہی خوشی ہوئی کہ میری لاپرواہ سی انعم بڑی ذمہ دار ہو گئی ہے۔"

"جی......؟ جی جی......!"

انعم ایک دم بوکھلا سی گئی تھی۔

"یہ آپ سے کس نے کہا نانا جان......؟"

"بھئی تمہاری ماں کے علاوہ مجھے اور کون بتائے گا......؟"

بشر علی ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"جی جی......! ٹھیک ہے نانا جان......! آپ کو امی نے بالکل ٹھیک بتایا۔"

انعم اب خود کو سنبھال چکی تھی۔

''میں گھر کو نئے سرے سے سجا رہی ہوں۔''

انعم کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

''میں نے گھر کا سارا فرنیچر بدل دیا ہے۔''

وہ طنزیہ لہجے میں مسکراتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

''ارے بھئی......! پرانا فرنیچر بھی سنبھال کر رکھو۔ کچھ عرصے بعد یہ فرنیچر Antique ہو جائے گا۔''

بشر علی خوش دلی سے ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''پرانی چیزوں کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے، بعض اوقات کام آ جاتی ہیں۔''

''جی جی......!''

انعم، بشر علی کے شفیق اور مہربان لہجے کے سامنے بڑی بے بسی محسوس کر رہی تھی۔

''چلو خیر......! یہ باتیں چھوڑو، تمہارا ناصر کے ساتھ اب جھگڑا وگڑا تو نہیں ہوتا ناں......؟''

بشر علی پوچھ رہے تھے۔ انعم ایک دم سٹپٹا گئی تھی۔

''جی بس...... نانا جان......! تھوڑا بہت تو چلتا ہے۔''

وہ جلدی سے سنبھل کر بولی۔

''اللہ نے تمہیں بہت نیک ساتھی دیا ہے۔ اس کی قدر کرو۔ بڑا شریف بچہ ہے۔ اچھا ساتھی ملنا بھی بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔''

بشر علی اب بڑی سنجیدگی سے بات کر رہے تھے۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں نانا جان......! اچھا ساتھی واقعی ایک نعمت ہوتا ہے، اگر مقدر سے کسی کو مل جائے۔''

انعم جیسے سلمان کو تصور میں دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

''جیتی رہو، جیتی رہو......!''

بشر علی بڑی سادگی سے اپنی دلی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

''اچھا بیٹا......! خدا حافظ......! آج تو تم سے بات کر کے واقعی بہت خوشی ہوئی، اللہ تمہیں خوش رکھے۔''

''خدا حافظ نانا جان......!''

انعم نے سپاٹ لہجے میں کہہ کر موبائل پھینکنے کے انداز میں صوفے پر رکھ دیا اور ایسا بُرا منہ بنایا جیسے نیم کے پتے چبا رہی ہو۔

☆......☆......☆

علینہ، عدیل کے آفس میں عدیل کے سامنے بیٹھی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔

''او گاڈ......! نا نا......؟''

اُس نے ہنستے ہنستے اپنا پیٹ پکڑ تے ہوئے کہا۔

''یار......! میں تو واقعی ڈسٹرب ہو گیا تھا کہ اتنی رات کو چپکے چپکے کس سے باتیں کر رہی ہے......''

''پتا چلا کہ اپنے پیارے نانا جان سے۔''

علینہ نے عدیل کی بات کاٹ کر برجستہ کہا۔

''کاش تم اُس وقت اپنی صورت آئینے میں دیکھتے۔ ایسی فوٹو کبھی نہیں کھنچی ہوگی تمہاری۔''

وہ عدیل کا مذاق اُڑا رہی تھی۔ عدیل نے کھسیا کر اپنا سر کھجایا۔

''ظاہر ہے یار......! بندہ بیوی کے معاملے میں بڑا ایچی ہوتا ہے۔''

''اگر تمہاری بیوی کی بھی کسی کے ساتھ ایسی فرینڈ شپ ہو جیسے میری اور تمہاری ہے، پھر کیا کرو گے تم......؟''

عدیل کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی طاری ہو جاتی ہے۔

''پہلی بات تو یہ کہ وہ اس طرح کی نہیں ہے۔ میں نے بہت ٹھوک بجا کر ارینج میرج کی ہے۔''

''خود جو دل چاہے کرو......!''

علینہ مزاحیہ انداز میں اُسے گھور کر کہہ رہی تھی۔

''میں مرد ہوں۔ میرے حسین جرائم نشان نہیں چھوڑتے۔ لیکن میں اتنا بھی خراب نہیں ہوں۔ Limits کراس کرنا پسند نہیں کرتا۔''

عدیل نے بڑا سینہ تان کر اکڑ کر جواب دیا۔

''خیر......! تم چھوڑو، اپنی بات کرو۔ مریم تو گھر کا سامان ہے، اُس نے کہاں جانا ہے......؟ ہمیں تو ملنے، باتیں کرنے کے لئے موقع نکالنا ہوتا ہے۔ ہم اپنا وقت فضول باتوں میں کیوں ضائع کریں......؟ ویسے بھی تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں، وہ بہت سیدھی سادھی لڑکی ہے۔''

عدیل نے لاپرواہی سے کہا۔

''آج کے زمانے میں سیدھی لڑکی......؟''

علینہ نے عدیل کو یوں گھورا جیسے اُس نے کوئی احمقانہ بات کی ہو اور وہ اُس کو جتا رہی ہو۔

''میں صحیح کہہ رہا ہوں علینہ......! وہ واقعی بہت سیدھی ہے۔''

یہ کہہ کر وہ ہنستا ہے اور اپنا ہاتھ اُونچا اُٹھا کر شریر انداز میں مسکراتا ہے۔

''بانس کی طرح، بالکل سیدھی۔''

''یوں کیوں نہیں کہتے کہ بہت بے وقوف ہے، تبھی تو آدھی رات کو میاں سے باتیں کرنے کی بجائے نانا سے باتیں کرتی ہے۔''

علینہ مذاق اُڑانے والے انداز میں ہنس رہی تھی۔ اُس نے ہنستے ہوئے عدیل کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔ عدیل نے بھی قہقہہ لگاتے ہوئے علینہ کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''نانا دی گریٹ......!''

علینہ نے اپنے ہاتھ میں اُس کا ہاتھ زور سے دبایا۔

''پھر یاد دلا دیا یار......!''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ اُسی لمحے مریم دروازہ کھول کر اندر آ چکی تھی۔ عدیل کی نظر پہلے پڑی تھی کیونکہ مریم، علینہ کی پشت پر سے آ رہی تھی۔ عدیل Shock ہو جاتا ہے۔ غیر متوقع طور پر مریم کو سامنے پا کر وہ بھی ایسی صورتِ حال میں کہ علینہ کے ساتھ بیٹھا ہوا اُس کا مذاق اُڑا رہا تھا۔ دل کا چور آنکھ چرانے پر مجبور کر رہا تھا۔ حالت غیر ہونے لگی کہ مریم نے کہیں کچھ سن نہ لیا ہو۔ علینہ، عدیل کے بدلتے ہوئے تاثرات سے چونک پڑی تھی۔ یہ تو اُسے بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ کوئی آیا ہے اور عدیل کی توجہ آنے والے پر ہے۔ عدیل نے بہت محتاط انداز میں اپنا ہاتھ علینہ کی گرفت سے چھڑا لیا تھا اور اُسی وقت علینہ نے پیچھے مڑ کر بھی دیکھا۔ مریم کو سامنے پا کر اُس کا چہرہ دُھواں دُھواں ہو گیا۔

مریم کی اپنی حالت یہ تھی کہ اُسے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی۔ وہ تو یہ سوچ کر کمرے میں داخل ہوئی تھی کہ عدیل اس وقت فائلوں میں سر کھپا رہا ہوگا۔ وہ بہت احتیاط سے دروازہ کھولنے والی تھی کہ اندر سے آنے والی ہنسی کی آوازوں نے اُسے بے ساختہ دروازہ کھولنے پر مجبور کر دیا تھا اور سامنے کا منظر دیکھ کر حیرت سے اپنی جگہ پتھر سی ہو گئی تھی۔ صورتِ حال تو عدیل کو سنبھالنا تھی۔ اُس کے دماغ نے تیزی سے کام کرنا شروع کیا اور وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''آؤ آؤ......! مریم......! یہ علینہ ہیں۔ میری وہی دوست جس کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا اور یہ میری مسز مریم۔ اگر تم میری شادی attend کر لیتی تو آج یہ تعارف کرانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔''

عدیل بہت سمجھداری اور ہوشیاری سے situation سنبھال رہا تھا اور علینہ کے لئے یہ ایک مہلت تھی۔ مہلت ملتے ہی اُس کے ذہن نے کام کرنا شروع کر دیا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور بڑے عام سے انداز میں مسکرا کر بولی۔

''تمہاری مسز سے ملاقات کا ہی تو راستہ نکالا ہے میں نے۔ کل تم دونوں میرے گھر ڈِنر پر آ رہے ہو۔''

علینہ اب خود کو مکمل طور پر سنبھال چکی تھی اور اُس نے مریم کو بُری طرح اُلجھا دیا تھا۔ کچھ دیر پہلے کا منظر اور اب اپنے گھر مدعو کرنے کی بات دونوں مختلف کیفیات کے منظر تھے۔

''اوہ شیور......! تم بلاؤ گی تو کیوں نہیں آئیں گے......؟''

عدیل بھی اب نارمل حالت میں بات چیت میں حصہ لینے لگا۔

''اچھا عدیل......! اب میں چلوں۔ تم دونوں میاں بیوی میرے گھر آنے کی تیاریاں کرو۔''

علینہ نے اپنا بیگ کندھے پر لٹکایا اور مریم کی طرف مڑی اور اپنا ہاتھ مریم کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

''All the best.....!''

مریم نے بھی روبوٹ کے انداز میں اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے دیا اور بڑے تکلف سے جیسے زبردستی مسکرائی۔

''آپ نے بڑی زحمت کی۔''

وہ بولی۔ علینہ نے حیرت سے مریم کی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب......؟ زحمت کی کیا بات......؟ کھانے پر بلانا تو ایک عام بات ہے اور عدیل میرا اتنا اچھا دوست ہے کہ اس کی شادی کی خوشی میں دعوت کرنا تو میرا فرض ہے۔ او کے بائے......!''

وہ یہ کہتی ہوئی تیزی سے باہر نکل گئی۔ مریم نے گردن موڑ کر اُسے باہر نکلتے ہوئے دیکھا اور ایک گہری سانس لی۔ عدیل کے دل میں چور تھا اس لئے وہ مریم کے تاثرات بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

''خیریت تو ہے، تم اچانک آفس آ گئی......؟''

اُس نے ہنستے ہوئے مریم سے یوں پوچھا جیسے اُسے کھوج ہو کہ مریم آفس کیوں آ گئی......؟

''میں شاپنگ کے لئے نکلی تھی پھر سوچا بھوک سے بُرا حال ہو رہا ہے، آپ کے ساتھ لنچ کر لیتی ہوں۔''

مریم نے بے تاثر لہجے میں جواب دیا۔ عدیل نے چونک کر اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی۔

''اوہ......! لنچ ٹائم ہو گیا، پتا ہی نہیں چلا۔''

''اچھا دوست پاس بیٹھا ہو تو واقعی وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔''

مریم نے بظاہر مسکرا کر کہا۔ اُسے خود اپنی کیفیت کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ کوئی خاص بات بھی نہیں ہوئی تھی لیکن پھر یہ کیا تھا......؟ دل میں یہ کیسی کھٹک تھی......؟ کچھ نہیں ہوا تھا، مگر کچھ محسوس کیوں ہو رہا تھا......؟ اگر کچھ نہیں ہوا تھا تو کیوں کچھ محسوس ہو رہا تھا......؟ کیا محسوس ہو رہا تھا......؟ وہ خود کو بھی نہیں سمجھا پا رہی تھی۔ ہونے اور نہ ہونے کے بیچ کچھ تھا۔

☆......☆......☆

مہرو، بیبہ کو لنچ کروا رہی تھی کہ ایک دم فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مہرو نے پلیٹ ٹیبل پر رکھی اور آگے بڑھ کر ریسیور اُٹھا لیا۔ دوسری طرف ناصر تھا۔ ناصر کی آواز سنتے ہی مہرو نے سلام کیا۔

''السلام علیکم صاحب......!''

''وعلیکم السلام......! بیبہ اسکول سے آ گئی ہے......؟''

ناصر پوچھ رہا تھا۔

''جی صاحب......! آ گئی ہے۔ میں اُسے لنچ کرا رہی ہوں۔''

''کسی کا فون تو نہیں آیا......؟''

ناصر ہچکچاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں صاحب......! فون تو کسی کا نہیں آیا۔''

مہرو نے جواب دیا۔

''وہ......کیا انعم کا بھی نہیں......؟''

ناصر اسی طرح سوچ سوچ کر پوچھ رہا تھا۔

''نہیں صاحب......! بیگم صاحبہ مجھے کیوں فون کریں گی......؟''

مہرو نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

میں نے سوچا، شاید اُسے اپنی بیٹی کا خیال آیا ہو۔ بہر حال، تم بیہ کو لنچ کرواؤ، میں بعد میں فون کرتا ہوں۔"
ناصر نے گم صم کیفیت میں کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

عدیل خاصا لیٹ گھر آیا تھا، اسی وجہ سے رات کا کھانا کھاتے کھاتے اچھی خاصی دیر ہو گئی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد عدیل، مریم، مسز سارہ کے ساتھ لان میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔ عدیل کا اپنی ماں سے لگاؤ بہت زیادہ تھا کیونکہ وہ محسوس کرتا تھا کہ اُس کی ماں صرف ماں نہیں ہے، باپ بھی ہے جس نے اپنے دونوں بیٹوں کو معاشرے میں اچھا مقام دلانے کے لیے بہت محنت کی تھی۔ وہ کتنا بھی مصروف ہوتا، کتنا بھی تھکا ہوا ہوتا، گھر آ کر اپنی ماں کو ضرور وقت دیتا تھا۔ اس نے کبھی گھر آنے کے بعد ماں سے یہ نہیں کہا کہ امی......! بہت تھک گیا ہوں۔ آرام کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت بھی وہ ماں کو کمپنی دینے کی نیت سے ہی ماں کے ساتھ لان میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔

"مریم......! کل تم میرے ساتھ میری دوست کے گھر چلو گی۔"

مسز سارہ کو اچانک خیال آیا تھا۔

"کتنے بجے چلنا ہو گا ممی......؟"

مریم نے چائے کا سیپ لے کر مسز سارہ سے پوچھا۔

"شام کو پانچ چھ بجے تک چلیں گے۔ شام کی چائے وہیں پییں گے۔"

مسز سارہ نے جواب دیا۔

"لیکن کل تو ہم عدیل کی دوست کے گھر invited ہیں۔"

مریم نے عدیل کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"عدیل کی دوست......؟ کون دوست......؟"

مسز سارہ کو حیرت سی ہوئی۔

"ممی......! وہ علینہ ہے ناں......!"

عدیل نے جلدی سے وضاحت کی۔

"اوہ......! علینہ، اچھا اچھا......! کافی دنوں سے تم نے اُس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ میں سمجھی آج کل وہ باہر ہوتی ہے۔ اچھا، تو کل تم اُس کے ہاں invited ہو......؟ ٹھیک ہے......!"

وہ سوچتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہنے لگیں۔ مریم نے اب بہت غور سے مسز سارہ کی طرف دیکھا تھا۔

"آپ جانتی ہیں ممی......! علینہ کو......؟"

"ارے بھئی......! بہت اچھی طرح۔ یہ تو ہمارے Neighbours میں سے ہیں اور کالج تک تو علینہ، عدیل کی کلاس فیلو رہی ہے۔"

مسز سارہ نے مسکرا کر بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔

''عدیل کی دوست ہے، آپ کو بھی اچھی لگتی ہے۔ پھر آپ نے عدیل کی شادی کیوں نہیں کر دی اُس سے......؟''
مریم نے برجستہ انداز میں سوال کیا تھا۔ آج دن میں جو کانٹا چبھا تھا، اُس کی کسک ابھی معدوم نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس وقت تو اُس کی حیرت میں اضافہ ہو گیا تھا کہ مسز سارہ، علینہ اور عدیل کی دوستی سے واقف ہیں، پرانی جان پہچان ہے، علینہ کے لئے اچھے جذبات بھی رکھتی ہیں تو اُنہوں نے علینہ کو کبھی بہو بنانے کا کیوں نہیں سوچا......؟

''ارے بھئی......! وہ ماڈرن دیہاتی ہیں۔ اُن کے ہاں بچپن میں ہی رشتے طے ہو جاتے ہیں اور وہ بھی ادلے بدلے میں۔''

عدیل نے ماں کی بجائے بے ساختہ انداز میں خود جواب دیا تھا۔

''اُن کے ہاں تو ہوش سنبھالتے ہی پتا چل جاتا ہے کہ کس کی شادی کس کزن کے ساتھ ہو گی۔''

مسز سارہ نے عدیل کے جواب میں اپنی طرف سے اضافہ کیا۔

''مائی گاڈ......!''

مریم نے بے ساختہ اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور زور سے دباؤ ڈالا۔

''یہ کون سے زمانوں کی بات ہو رہی ہے ممی......! آج کل جبکہ نیٹ پر شادیاں ہو رہی ہیں، دیکھنے میں تو علینہ بہت زیادہ ماڈرن دکھائی دیتی ہے۔''

اُسے سچ مچ حیرت ہو رہی تھی۔

''جب علینہ گود میں تھی، اُس وقت نیٹ پر شادیاں نہیں ہوتی تھیں۔''

مسز سارہ نے ہنستے ہوئے بہو کی طرف دیکھا۔ ''تمہیں یہ خیال کیوں آیا کہ میری شادی علینہ سے ہونی چاہئے تھی......؟ ہم ماڈرن لوگ ہیں، کسی لڑکی سے یہ سوچ کر دوستی نہیں کرتے کہ اُس سے شادی کرنا ہے۔ ہم تو عورت کو treat Actually کرتے ہیں Male یا Female کے خانے نہیں بناتے۔''

عدیل کو ہاتھ صاف کرنے کا اچھا موقع مل گیا تھا۔ اسے تو یوں لگا جیسے اُس نے ماں کے تعاون سے کوئی بوجھ اُتار پھینکا ہو۔ اب وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ مریم کی کیفیت بھی تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ بھی اب ذہنی طور پر خود کو پُرسکون محسوس کر رہی تھی۔

''اوکے......! ٹھیک ہے......! پھر کل تم لوگ علینہ کی طرف جاؤ۔ میں تو اپنی دوست کی طرف ضرور جاؤں گی کیونکہ کئی سال سے میری اُس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ امریکہ کے بہت دُور افتادہ قصبے میں رہتی ہے اور میں لندن میں۔ یوں سمجھو، ہم دونوں ہی کافی عرصے بعد وطن واپس آئے ہیں اور ایک دوسرے سے ملنے کے لئے بے تاب ہیں۔''

مسز سارہ بڑے خوش گوار موڈ میں کہہ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

ناصر کروٹیں بدل بدل کر تھک گیا تھا۔ جب کسی صورت نیند نہ آئی تو اُس نے مجبوراً نیند کی گولی کھانے میں ہی عافیت سمجھی اور تھوڑی دیر بعد ہی گہری نیند سو گیا تھا۔ اُس کی نیند اتنی گہری تھی کہ فون کی گھنٹی مسلسل ہو رہی تھی اور اُسے دُور کی آواز سنائی دے

رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اُس کی نیند ٹوٹی تھی لیکن آنکھیں نہیں کھل پا رہی تھیں۔ اُس نے اندازے سے ٹٹول کر ریسیور اُٹھایا اور نیند بھری آواز میں آہستہ سے ''ہیلو'' کہا۔ جواب میں انعم کی آواز سماعت ٹکرائی جس کے لہجے میں بے مروّتی اور اجنبیت تھی۔

''ہیلو......! انعم بات کر رہی ہوں۔''

انعم کی آواز سنتے ہی ناصر نیند کی کیفیت سے ایک دم باہر آ گیا تھا اور اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

''ہاں......! بولو انعم......! کیسی ہو......؟''۔

وہ ایک دم بدحواس سا ہو کر پوچھنے لگا۔

''ٹھیک ہوں......! تمہیں میری فکر کرنے کی ضروری نہیں ہے۔''

انعم کی آواز میں اسی طرح اجنبیت اور سرد مہری تھی۔

''انعم......! اب بس کرو۔ میری برداشت جواب دے چکی ہے۔ جب تمہیں مجھ سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تو فون کیوں کر رہی ہو......؟ تم مجھے دُنیا کی سب سے ننگی گالی دے چکی ہو، اب اور کیا کہنا چاہتی ہو......؟''

ناصر جیسے پھٹ پڑا تھا۔

''تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو کب کا مجھے طلاق دے چکا ہوتا۔ میں نے یہ ہی معلوم کرنے کے لئے فون کیا ہے کہ تم مجھے کب طلاق کے پیپر دے رہے ہو......؟''

''تمہیں کوئی فرق پڑتا ہے۔ تم کس قانون کو مانتی ہو......؟''

''مجھے تو کوئی فرق نہیں پڑتا، مگر دوسرے لوگوں کو شاید پڑ رہا ہو۔''

انعم نے بڑی تلخی سے جواب دیا۔

''ایک دن آئے گا جب تمہیں بھی فرق پڑے گا۔ تم ایسا کرو، خلع کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکاؤ۔ میرے پاس فضول کاموں کے لئے وقت نہیں ہے۔''

یہ کہہ کر ناصر نے ریسیور بڑے زور سے کریڈل پر پٹخ دیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ ذہن میں نئے سرے سے آندھیاں اُٹھنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

آج صبح ہی سے بہت مصروفیت رہی تھی۔ اُسے کچھ ضروری شاپنگ کرنا تھی۔ ایک دو گھنٹے بازار میں لگ گئے۔ پھر سلمٰی بیگم کا فون آ گیا۔ وہ انعم کے ٹاپک پر دیر تک اُس سے باتیں کرتی رہیں۔ اس کے بعد اُس نے اپنے اور مسز سارہ کے لیے لنچ بنایا۔ پھر اُن کے ساتھ لنچ کیا۔ پھر یہ سوچ کر آرام کی نیت سے اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئی کہ دو تین گھنٹے آرام کے بعد علینہ کے ہاں ڈِنر پر جانے کی تیاری شروع کرے گی، چونکہ صبح سے بھاگ دوڑ میں لگی ہوئی تھی، اس لئے لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ نئی نئی شادی تھی، سوتے سوتے صبح ہی ہو جاتی تھی، نیند پوری نہیں ہوتی تھی۔ ویسے تو گھر میں خانساماں موجود تھا۔ اگر وہ صبح کو نہ بھی اُٹھتی تو عدیل کو ناشتہ کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ لیکن اُسے اچھا لگتا تھا کہ وہ عدیل کے ساتھ صبح کو ناشتہ کرے اور اُسے گیٹ تک خدا حافظ کہے۔ یہ چیز اُس کے لاشعور میں کہیں موجود تھی کہ ہوش سنبھالتے ہی اُس نے اپنی ماں کو یہی کچھ کرتے دیکھا تھا۔

جب کہ گھر میں انا بی سمیت تین ملازمین تو لازمی ہوتے تھے لیکن اُس نے سلمیٰ بیگم کو کبھی دن چڑھنے تک سوتے نہیں دیکھا تھا۔ ناشتے کی ٹیبل سے لے کر باپ کے آفس جانے کی تیاری تک وہ صرف فیاض احمد کے لئے وقف نظر آتی تھیں۔انا بی بچوں کو اسکول کی تیاری میں مدد دیتی تھیں۔لیکن سلمیٰ بیگم، فیاض احمد کا ایک ایک کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ایک مرتبہ اُس نے مذاق سے ماں سے کہا بھی تھا۔

''امی......! آپ تو بابا جان کا ایسے خیال رکھتی ہیں جیسے وہ کوئی دودھ پیتے بچے ہوں۔''

اس پر سلمیٰ بیگم نے جواب دیا تھا۔

''بیٹا......! میاں بیوی کا رشتہ بڑا عجیب رشتہ ہے۔کچے سوت کی طرح کمزور اور فولاد کی طرح مضبوط۔مرد رشتے نہیں نبھاتے، رشتے عورت نبھاتی ہے۔صبح آنکھ کھلتے ہی جب بیوی اپنے شوہر کے ساتھ نظر آتی ہے۔اُس کو گھر سے باہر رُخصت کرتے ہوئے جیسے یاددہانی کراتی ہے کہ یہ تمہارا گھر ہے، یہاں تم سے محبت کرنے والے رہتے ہیں، یہاں تمہارا انتظار رہتا ہے۔جو عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ کئی بچوں کی مائیں بن جانے کے بعد اُن کا اپنے شوہر سے تعلق بہت مضبوط ہو چکا ہے، تو یہ اُن کی خام خیال ہے۔عورت کی لاپرواہی سے یہ مضبوط رشتہ ہر وقت خطرے سے دوچار رہتا ہے۔اُس مرد کی زندگی میں اچانک کسی بہت زیادہ خیال رکھنے والی عورت کی جگہ نکل سکتی ہے۔اگر کوئی عورت ہمارے شوہر کو وہ سب کچھ دینے کے لئے تیار ہو جائے جو ہمیں دینا چاہئے تو غلطی تو ہماری ہوئی ناں......! ہم نے اتنی گنجائش نکالی ہی کیوں کہ میاں بیوی کے بیچ کسی تیسرے کے لئے جگہ بننے لگے......؟''

یہ سن کر مریم نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''توبہ امی......! آپ نے تو ڈرا ہی دیا۔مجھے تو شادی کے نام سے خوف آنے لگا۔''

اس پر سلمیٰ بیگم نے کہا تھا۔

''لوگ شادی کو خوش گوار تبدیلی اور معمول کی بات سمجھتے ہیں جبکہ یہ بہت بھاری ذمہ داری ہے۔شادی کا مطلب ایک خاندان ہے جس میں نئے رشتے تیار ہوتے ہیں اور ہر رشتہ اپنی جگہ پر بہت اہم ہوتا ہے۔دُنیا کی سب سے حسین عورت، عزت دار عورت وہ ہوتی ہے جو اپنے خاندان کو بنا کر رکھتی ہے اور ہر رشتے سے لطف اندوز ہوتی ہے۔خاندان عورت کی سیفٹی وال ہوتا ہے۔''

یہی سب سوچتے دیکھتے مریم عدیل کے گھر پہنچ چکی تھی۔سلمیٰ بیگم کی تربیت کی وجہ سے اُسے بھی اپنا گھر بہت عزیز تھا۔ وہ اس گھر کو بہت مضبوط بنانا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

مریم اور عدیل سے پہلے فوزیہ اور عارف، علینہ کے گھر پہنچ چکے تھے۔علینہ کی بھابی اُس کے شوہر کی سگی بہن تھی اور عارف علینہ کا سگا بڑا بھائی۔یہ ادلے بدلے کی روایتی شادیاں تھیں، آپس میں فسٹ کزن تھے یعنی چچا تایا کی اولادیں۔دونوں جوڑے اپنی اپنی جگہ بہت خوش گوار زندگی گزار رہے تھے۔علینہ تو بالکل ہی بے فکری کی زندگی گزار رہی تھی اس لئے کہ اُس کے ساس سسر دونوں ہی حیات نہیں تھے۔وہاج کی صرف اکلوتی بہن فوزیہ تھی جو اُس کے بھائی کے گھر میں تھی۔البتہ فوزیہ کی زندگی

میں تھوڑی سی پریشانی ہر وقت رہتی تھی۔ کیونکہ اُس کی ساس یعنی کہ علینہ کی ماں اُس کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ بڑی ٹھسے دار چودھرانی تھی۔ سارے گھر پر اس کا راج تھا۔ عارف بھی ماں کے سامنے نہیں بولتا تھا۔ فوزیہ کی تو وہ ویسے تائی تھی، وہ اُس کے مزاج سے واقف تھی، اس لئے اُس نے تائی کے ساتھ صبر اور برداشت سے رہنے کا ہنر سیکھ لیا تھا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ باقی اُن کی زندگی میں کوئی مسئلہ نہ تھا۔ آپس میں شیر و شکر ہو کر رہتے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ بہانے بہانے کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتے تھے جیسے کہ آج نئے دُلہا دُلہن کے اعزاز میں دعوت تھی تو وہاج نے بہن بہنوئی کو بھی بلا لیا تھا۔ عدیل، عارف اور وہاج دونوں کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ دونوں جانتے تھے کہ وہ علینہ کا کلاس فیلو رہا ہے۔ قریبی پڑوسی تو تھا ہی۔

فوزیہ آتے ہی علینہ کی مدد کرنے لگ گئی تھی۔ جب مریم اور عدیل، علینہ کے گھر میں داخل ہوئے تو ڈِنر کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ مریم بہت خوب صورت نظر آ رہی تھی۔ اُس نے روایتی دُلہنوں والا بھاری کام دار سوٹ پہنا ہوا تھا اور اسی مناسبت سے میک اَپ اور جیولری استعمال کی تھی۔ فوزیہ نے بے ساختہ اپنے مخصوص انداز میں عدیل سے کہا۔

''عدیل بھائی......! آپ کی دُلہن بہت پیاری ہے، لیکن ہمیں آپ سے شکایت ہے۔ آپ نے اپنی شادی میں ہمیں نہیں بلایا۔''

علینہ Salad کا باؤل لے کر کچن کی طرف سے آ رہی تھی۔ عدیل نے بڑی شوخ نظروں سے علینہ کی طرف دیکھتے ہوئے فوزیہ کو جواب دیا۔

''جن کو بلایا تھا، وہ کون سا آ گئے تھے......؟''

''یقین کرو، جن دنوں تمہاری شادی تھی، میں اسلام آباد میں تھا۔''

وہاج نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

''اب علینہ نہیں گئی تو اس کا جواب یہ خود ہی دے گی۔''

وہاج نے بڑی محبت بھری نظروں سے علینہ کی طرف دیکھا۔ علینہ نے بڑی ادا سے مسکرا کر باؤل ٹیبل پر رکھ دیا۔

''میں اکیلی جا کر کیا کرتی......؟ ایسی gathering میں تو اپنے پارٹنر کے ساتھ ہی جانا اچھا لگتا ہے۔''

''مکھن لگانا تو کوئی آپ سے سیکھے۔''

وہاج نے چھیڑ چھاڑ کی۔

''لیکن آج میرے پرس میں صرف دو سو روپے پڑے ہوئے ہیں۔''

''اچھا......! تو تم میری بہن کو مطلبی کہہ رہے ہو، وہ بھی میرے سامنے......؟''

عارف نے مصنوعی خفگی سے وہاج کو گھورا۔

''تم میری بہن کو کہہ کر حساب برابر کر دو۔''

وہاج نے برجستہ کہا۔

''ادلے بدلے کی شادی کا کوئی فائدہ تو ہونا چاہئے۔ حالانکہ Concept تو یہی ہے کہ ادلے بدلے کی شادی کا۔

مطلب جھگڑے والی شادی، اور ہمارے ہاں یہ جھگڑا ختم کرنے والی شادی۔''
وہاج کی اس بات پر قہقہے بلند ہوئے اور اسی کے ساتھ علینہ نے سب کو کھانے کی میز پر آنے کو کہا۔ لاشعوری طور پر بار بار اُس کی نظریں مریم کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔ مریم کی خوب صورتی اور معصومیت نے جیسے اُسے اُلجھا سا دیا تھا۔ ڈائننگ میں لگے ہوئے دیوار گیر بڑے سے آئینے میں اُس نے غیر ارادی طور پر اپنے سراپے کا جائزہ لیا تھا۔ اُسے خود بھی معلوم نہیں تھا وہ ایسا کیوں کر رہی ہے......؟ اُس کا اور مریم کا تو مقابلے کا بظاہر کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔

☆......☆......☆

انعم بے قراری سے اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ ٹہلتے ٹہلتے رُکتی تھی اور ہاتھ میں پکڑے موبائل کو گھورنے لگتی تھی۔

''کیا ابھی سے پی پلا کر سو گیا......؟''

وہ بڑبڑائی۔

''اس وقت تو اُس کی رات شروع ہوتی ہے۔''

یہ کہہ کر اُس نے پھر کوشش کی۔ ایک اچھی اُمید کے ساتھ کہ شاید اب سلمان فون attend کر لے، مگر دوسری طرف سے وہی ریکارڈنگ سنائی دے رہی تھی۔

''آپ کا مطلوبہ نمبر اس وقت بند ہے۔ برائے مہربانی تھوڑی دیر بعد کوشش کیجیے۔''

''اس کا نمبر بند کیوں ہے......؟ کیا کر رہا ہے اس وقت......؟''

انعم کو باقاعدہ تشویش ہونے لگی۔ اُس نے بے دلی سے موبائل بیڈ پر اُچھال دیا اور خوب گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دیواریں پھلانگ کر سلمان تک پہنچے۔

''حماد بھائی سوچ رہے ہیں، وہ مجھے زنجیروں میں باندھ کر بٹھا دیں گے اور میں بیٹھ جاؤں گی۔''

اُس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''میں ایک آزاد انسان ہوں۔ میرا اپنی ذات پر پورا حق ہے۔ یہ لوگ کون ہوتے ہیں......؟''

وہ بے بسی کی کیفیت میں اپنوں کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی، کیونکہ اس وقت یہی کر سکتی تھی۔

''اس سلمان کو دیکھو، موبائل آف کر کے بیٹھا ہوا ہے۔ اس سے دو چار باتیں ہو جاتیں تو بھی ذرا سکون مل جاتا۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے اس وقت میں جیل کی اے کلاس میں ہوں۔''

وہ بڑبڑاتے ہوئے گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

رات کا آخری پہر تھا۔ ناصر ابھی تک جاگ رہا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔ اُس کے ہاتھوں میں چھوٹا سا ریوالور تھا جس کو وہ مسلسل گھور رہا تھا۔ اُس کے کانوں میں انعم کی آواز گونج رہی تھی۔

''میں سلمان کے ساتھ ہر Limit کراس کر چکی ہوں۔ لہٰذا تم اپنی شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے فوراً مجھے طلاق دے دو۔''

ناصر شدید اذیت سے گزرتے ہوئے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ پھر ایک دم آنکھیں کھول کر کھڑا ہو جاتا ہے اور پاگلوں کے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہے اور خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتا ہے۔

''میں نہیں جانتا ماڈرن سوسائٹی میں کیا ہو رہا ہے......؟ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ بیوی عزت کی علامت ہوتی ہے۔''

یہ کہہ کر پھر ریوالور پر نظریں جما دیتا ہے۔

''بے غیرتی کی زندگی سے تو موت اچھی ہے۔ آخر انسان کو ایک دن مرنا تو ہے ہی، روز روز کی موت سے تو ایک دفعہ مر جانا اچھا۔''

اب اُس کی سوچ انتہا کو چھو رہی تھی۔ وہ ریوالور کی نال اپنی کنپٹی پر رکھتا ہے اور اُسی وقت پشت سے بیہ کی آواز آئی تھی۔

''پاپا......!''

ناصر نے ایک دم بوکھلا کر ریوالور کنپٹی سے ہٹا لیا تھا اور بغل میں دبا کر چھپا لیا تھا۔ بیہ اُس کے سامنے آ چکی تھی۔ ناصر نے بمشکل خود کو سنبھالا اور زبردستی مسکرایا۔

''بیٹا......! آپ ابھی تک سوئی نہیں ہو......؟''

ناصر نے پیار سے بیہ کے گالوں کو چھو کر کہا۔

''مجھے نیند ہی نہیں آ رہی پاپا......! ماما آج بھی نہیں آئیں۔ وہ مجھے بہت یاد آ رہی ہیں۔''

بیہ نے منہ بسور کر کہا۔ ناصر نے بے اختیار اُسے گود میں اُٹھایا تو ریوالور نیچے گر پڑا۔ ناصر نے بیہ کو سینے سے لگایا اور تھپکتے ہوئے ریوالور پاؤں سے سرکا کر صوفے کے نیچے کر دیا۔

''چلو، ٹھیک ہے......! آج بیہ، پاپا کے ساتھ سوئے گی۔''

اب وہ بیہ کو بہلا رہا تھا۔

☆......☆......☆

مریم کا بہت دل چاہ رہا تھا کہ وہ انعم سے ملے، اُسے کچھ سمجھانے کی کوشش کرے۔ لیکن سلمیٰ بیگم نے اُسے منع کر دیا تھا کہ وہ بہت بدلحاظ ہو رہی ہے۔ سب کے ساتھ بدتمیزی کر رہی ہے۔ اُس کے ساتھ فی الحال سر کھپانے کی ضرورت نہیں۔ وہ رُک تو گئی تھی مگر ذہن اٹکا ہوا تھا۔ دن تو گزر گیا تھا مسز سارہ کے ساتھ باتیں کر کے اور کچھ چھوٹے موٹے گھر کے کام کر کے۔ عدیل بھی مغرب کی اذان سے کچھ پہلے گھر واپس آ گیا تھا اور اس وقت واش روم میں تھا۔ اُس نے بڑے اہتمام سے مغرب کی نماز ادا کی اور انعم کے لئے دیر تک دُعا کی، جس نے اس وقت پورے خاندان کا سکون برباد کیا ہوا تھا۔ دُعا کے دوران ہی عدیل واش روم سے باہر آ گیا تھا۔ اُس نے وائٹ کلف لگا کُرتا پاجامہ پہنا ہوا تھا اور فریش نظر آ رہا تھا۔ دُعا مانگتے مریم نے ایک نظر اُس پر ڈالی تھی اور اُس کے خوش گوار موڈ کو محسوس کرتے ہوئے سوچا تھا۔ چلو آس پاس موجود لوگوں میں کوئی تو خوش ہے۔ دُعا کے بعد جب وہ جاء نماز طے کر رہی تھی تو عدیل نے پیچھے سے آ کر اس کی کمر میں اپنا بازو حمائل کر دیا اور شرارت سے سرگوشی میں پوچھنے لگا۔

''اتنی لمبی لمبی دُعاؤں میں کیا مانگتی ہو......؟ میں تو مل گیا ہوں، اب اور کیا چاہئے......؟''

مریم کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ اُبھری۔

''اور بھی تو اتنے سارے لوگ ہیں، سبھی کے لئے دُعا کرتی ہوں۔ دُعا کرنا اچھا لگتا ہے۔''

مریم نے ٹالنے والے انداز میں جواب دیا۔

''اچھی بات ہے......!''

عدیل نے اُسے خود سے الگ کرتے ہوئے لاپرواہی سے مسکرا کر کہا اور ڈریسنگ کے سامنے کھڑا ہو کر بالوں میں برش چلانے لگا۔

''سارا دن آپ کا سوٹ اور ٹائی میں گزر جاتا ہے۔ گھر آ کر بھی کلف والے کپڑے پہنے ہیں، آپ کو اُلجھن نہیں ہوئی......؟''

مریم نے حیرت سے عدیل کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''Actually میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا، میرے ایک دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ میں ہسپتال جا رہا ہوں۔''

عدیل نے اب سنجیدگی سے جواب دیا۔ یہ الگ بات کہ وہ مریم سے نظریں چرا رہا تھا۔

''ایکسیڈنٹ......؟''

مریم چونک پڑی۔

''خدانخواستہ کیا کوئی سیریس ایکسیڈنٹ ہوا ہے......؟''

وہ تشویش سے پوچھ رہی تھی۔

''ابھی کچھ ٹھیک سے پتا نہیں۔ کسی نے مجھے فون پر بتایا ہے۔ جا کر دیکھوں گا تو پتا چلے گا۔''

عدیل نے سائیڈ ٹیبل سے ریسٹ واچ اُٹھا کر اپنی کلائی پر باندھتے ہوئے جواب دیا۔ کوشش کر رہا تھا کہ جتنی پریشانی چہرے سے ظاہر کر سکتا ہے، کر ڈالے۔

''میں بھی آپ کے ساتھ چلوں......؟''

مریم نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

''ارے نہیں نہیں......!''

عدیل کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اُس نے بڑی مہارت سے خود کو سنبھال لیا اور بولا۔

''پتا نہیں کتنا سیریس ایکسیڈنٹ ہے۔ تم کہاں گھنٹوں میرے ساتھ پریشان رہو گی......؟ ہو سکتا ہے ساری رات ہسپتال ہی میں گزرے۔''

اُس نے اپنا والٹ اُٹھا کر کُرتے کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی گاڑی کی چابی اُٹھائی۔

''ساری رات......؟''

مریم کا انداز بے ساختہ تھا، فکرمندی کا اظہار تھا۔

''ہاں......! ظاہری بات ہے، اتنا قریبی دوست ہے۔ اگر اُسے میری ہیلپ کی ضرورت ہوئی تو مجھے اُس کے پاس رُکنا

پڑے گا۔"

عدیل نے باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ اُس کے انداز میں اب عجلت تھی۔ اب وہ مزید مریم کے سامنے کھڑا ہونے سے خود کو بچا رہا تھا اور مریم کے کسی نئے سوال کا جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ مریم گم صم لاجواب سی اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم لاؤنج میں فون پر بات کر رہی تھیں۔ انعم بڑے آف موڈ میں تیز تیز چلتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔ ماں کو فون پر مصروف دیکھ کر وہ اسی انداز میں آگے بڑھی اور دھک سے ماں کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ سلمٰی بیگم نے جو دوسری طرف کی بات سن رہی تھیں، ایک نظر انعم کے چہرے پر ڈالی اور اس کے موڈ کا اندازہ کرتے ہوئے جیسے فون بند کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"اچھا عفت......! میں تمہیں صبح فون کر کے بتاؤں گی، ٹھیک ہے......! خدا حافظ......!"

سلمٰی بیگم نے فون بند کر کے انعم کی طرف دیکھا۔

"خیریت ہے، بہت غصے میں نظر آ رہی ہو......؟"

اُنہوں نے تشویش بھری نظروں سے انعم کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"امی......! یہ تو آپ کو پتا چل ہی گیا ہے کہ میں ناصر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور میں ناصر کو بھی یہ بتا چکی ہوں کہ مجھے کسی صورت بھی اُس کے ساتھ نہیں رہنا ہے۔ حیرت ہے، وہ مجھے طلاق دینے میں اتنی دیر کیوں کر رہا ہے......؟ آپ اُس پر دباؤ ڈالیں کہ مجھے فوراً طلاق دے۔"

"ہم بھی اُس سے Contact کر رہے ہیں، مگر وہ ہمارا فون بھی attend نہیں کر رہا۔ جیسے ہی اُس سے رابطہ ہوگا، ہم اُس سے بات کریں گے۔"

سلمٰی بیگم نے تسلی دینے والے انداز میں جواب دیا۔

"اگر اُس سے رابطہ نہیں ہوا تو کیا میں انتظار میں بیٹھی رہوں گی......؟"

انعم ایک دم بھڑک کر بولی۔

"آپ اُس کے گھر جائیں، وہاں جا کر بات کریں اس سے۔ ظاہری بات ہے، وہ تو مجھے لٹکا کر رکھنا چاہے گا تاکہ میں دوسری شادی نہ کر سکوں۔"

انعم اسی طرح غصے میں بول رہی تھی۔

"ہاں ہاں......! کچھ سوچتے ہیں، کچھ کرتے ہیں......Take it easy"

سلمٰی بیگم نے دھیمے لہجے میں اُسے قابو کرنے کی کوشش کی۔

"کیسی easy رہوں......؟ یہ مڈل کلاس، یہی رہ گیا تھا میرے لئے......؟"

وہ بڑی تلخی سے کہہ رہی تھی۔

"تم مجھے Guilty کروانا چاہتی ہو۔ مگر تمہاری شادی ہم نے زبردستی نہیں کی تھی۔ تم سے پوچھا گیا تھا۔ اُس وقت تو

اُس میں تمہیں کوئی خامی نظر نہیں آئی تھی۔"

سلمٰی بیگم کے لہجے میں اب تھوڑی سی خفگی تھی۔

"ظاہر ہے، آپ جب اتنی تعریف کر رہے تھے اور میرے پاس بھی کوئی دوسرا Option نہیں تھا۔"

انعم جھنجلا کر بولی۔

"تم نے اتنے اچھے انسان کی قدر نہیں کی۔ انعم......! میرا دل کہتا ہے، تم ایک دن پچھتاؤ گی۔"

سلمٰی بیگم کے لہجے میں گہرا دُکھ تھا۔

"یہ میں جانتی ہوں کہ یہ پانچ سال میں نے اُس کے ساتھ کس طرح گزارے......؟ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ مڈل کلاس کے شوہر کتنے تنگ نظر ہوتے ہیں اور بیوی کو خریدی ہوئی عورت سمجھتے ہیں جو ہر وقت اُن کی خدمت کرتی رہے۔"

انعم یہ کہہ کر اُٹھی اور پاؤں پٹختی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ سلمٰی بیگم بے بسی اور ملال کی کیفیت میں اُس کو جاتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

مریم کی کزن جو اُس کی بیسٹ فرینڈ بھی تھی، اپنے گھر کے لاؤنج میں کتابیں بکھرائے بیٹھی تھی۔ آج کل وہ ایم ایس کی تیاریوں میں بہت busy تھی۔ اُس کے سیل پر رِنگ ہوتی ہے۔ وہ بڑے مصروف انداز میں سیل کی طرف دیکھتی ہے۔ اُس کے چہرے پر ایک دم خوشی کی چمک نمودار ہوجاتی ہے۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر سیل اُٹھایا اور فون attend کیا۔

"ہیلو مریم......! فرصت مل گئی تمہیں اپنے نئے نویلے میاں سے......؟"

اُس کے انداز میں شوخی اور شگفتگی تھی۔

"بھئی......! مجھے تو ممانی جان نے بتایا تھا کہ تم آج کل سٹڈی میں بہت مصروف رہتی ہو۔ میں تو ویسے احتیاط کر رہی تھی کہ تم ڈسٹرب ہوگی۔"

مریم نے جیسے صفائی پیش کی۔

"اور تم نے خود بھی تو ایک دفعہ بھی فون نہیں کیا۔"

مریم نے بھی گلہ کیا۔

"بھئی......! میں تو اس وجہ سے فون نہیں کر رہی تھی کہ تم اپنے میاں سے اچھی اچھی باتیں کر رہی ہوگی اور میں خواہ مخواہ کباب میں ہڈی بن جاؤں گی اور یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ تمہیں کب میرا خیال آتا ہے......؟"

سبین ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"داناؤں نے کہا ہے، دوستوں کو آزمانا نہیں چاہئے۔"

مریم نے فوراً گرہ لگائی۔

"تم تو ہمیشہ اُسی طرح مجھے لاجواب کر دیتی ہو۔"

"خیر سناؤ......! کیسی گزر رہی ہے......؟ ہمارے ہاں کب آرہی ہو عدیل بھائی کو لے کر......؟"

"عدیل نے تو آفس جانا شروع کر دیا ہے۔ کسی سنڈے کو ہی پروگرام بناؤں گی، لیکن اچھا تو یہی ہوگا تم سمسٹر سے فارغ

ہو جاؤ۔"

مریم نے جواب دیا۔

"ہاں......!امی بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ تم سمسٹر سے فارغ ہو جاؤ تو مریم کو کھانے پر بلاتے ہیں۔"

"ارے......!بس چھوڑو تکلفات کو،ہمیں جس دن بھی وقت ملا،ہم آ جائیں گے۔"

"نہیں بھئی......!تمہاری دعوت کرنا تو ہمارا فرض ہے۔دوست بھی ہو اور رشتے دار بھی ہو۔لگتا ہے عدیل بھائی بہت لیٹ آتے ہیں،جب ہی تم اتنے آرام سے باتیں کر رہی ہو۔"

سبین نے اندازہ لگا کر کہا۔

"نہیں......!اتنا لیٹ بھی نہیں آتے۔آج تو وہ کسی ایمرجنسی کی وجہ سے گھر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"خیریت......؟کیسی ایمرجنسی......؟"

سبین نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اُن کے کسی دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے،اسی کو دیکھنے ہسپتال گئے ہیں۔"

مریم نے جواب دیا۔

"تو تم بھی ساتھ چلی جاتی۔اکیلی بیٹھی یہاں اب انتظار کرو گی۔"

"میں نے تو کہا تھا،مگر وہ بہت جلدی میں تھے۔"

مریم نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

"نئی بیوی کو تو لوگ بہانے بہانے سے اپنے ساتھ باہر لے کر جاتے ہیں۔تمہارا میاں تو ویسے ہی بڑا جانِ محفل قسم کا بندہ ہے۔نظر رکھا کرو۔"

سبین نے جیسے نصیحت کی۔

"ارے نہیں......!وہ ایسے نہیں ہیں۔اُنہوں نے اپنی ماں کی پسند سے شادی کی ہے۔اگر اُنہوں نے پھنسنا ہوتا تو شادی سے پہلے کہیں پھنس جاتے۔"

مریم نے بڑے اعتماد سے کہا تھا۔

"اللہ تمہارے اس بھروسے کو ہمیشہ قائم رکھے۔"

سبین کے لہجے میں بڑا خلوص تھا۔

"آمین......!"

مریم یہ کہہ کر ہنس پڑی۔

☆......☆......☆

عدیل کی کار جیسے ہی علینہ کے گھر کے گیٹ کے سامنے رُکی،اُسی وقت اُس کے موبائل پر رِنگ ہونے لگی۔اُس نے کوفت بھرے انداز میں جیب سے موبائل نکالا۔اُس کا خیال تھا کہ مریم کی کال ہوگی۔یہ ہی سوچ کر اُس نے موبائل پر نظر

ڈالی، مگر اُسے حیرت کا جھٹکا لگا، کال تو علینہ کی تھی۔
''بالکل بھی صبر نہیں ہے اس میں۔ حالانکہ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ راستے میں ہوں۔''
وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا اور مسکراتے ہوئے کال attend کی۔
''ہیلو......!''
اُس کے لہجے میں تازگی سی تھی۔ آنے والے خوب صورت لمحوں کا خیال بڑی خوشگوار سی کیفیت پیدا کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

''عدیل......! تم اس وقت کہاں ہو......؟''
ائیر پیس میں علینہ کی گھبرائی ہوئی آواز اُبھری۔
''تمہارے گھر کے مین گیٹ پر۔''
عدیل نے علینہ کی گھبراہٹ محسوس کر لی تھی اور وہ اُلجھ سا گیا تھا۔
''I am sorry عدیل......! تم فوراً واپس چلے جاؤ۔ وہاج کی فلائٹ مس ہو گئی ہے۔ وہ واپس گھر آ رہا ہے۔''
علینہ اسی طرح گھبرائے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی۔
''لیکن تم نے تو مجھے بہت ایمرجنسی میں بلایا تھا کہ کوئی سیریس مسئلہ ہے۔ وہ کیا مسئلہ ہے......؟''
عدیل اُلجھے ہوئے انداز میں پوچھ رہا تھا۔
''مسئلہ کچھ نہیں تھا، میں تو بس تمہاری کمپنی انجوائے کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر Bad luck''
علینہ نے آف موڈ میں کہا۔
''تم جلدی سے چلے جاؤ۔ وہاج بس پہنچنے ہی والا ہوگا۔''
علینہ نے بس اتنا کہا اور فون بند کر دیا۔ عدیل نے جلدی سے موبائل جیب میں ڈالا، کار اسٹارٹ کی اور فل اسپیڈ سے سڑک پر ڈال دی۔

☆......☆......☆

''مریم......! عدیل کا بہت خیال رکھنا بیٹا......! وہ بڑا لاابالی سا ہے۔''
مسز سارہ، مریم سے کہہ رہی تھیں۔
''ممی......! آپ کو جانے کی اتنی جلدی کیوں ہے......؟ کچھ دن اگر اور رُک جاتیں تو کیا حرج تھا......؟''
مریم نے بولتے ہوئے اپنا سر مسز سارہ کے کندھے سے ٹکا دیا۔ وہ اس وقت مسز سارہ کے کمرے میں اُن کے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ مسز سارہ کی صبح کی فلائٹ تھی۔ وہ تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔
''بھئی......! عدیل کی طرف سے تو مجھے بے فکری ہو گئی ہے کہ اس کا خیال رکھنے والی بیوی اُس کے ساتھ ہے اور نبیل کی فکر بڑھ گئی ہے جو اکیلا ہے۔ باہر کے کھانے کھا کھا کر وہ تنگ آ چکا ہے۔ روز فون آ جاتا ہے کہ ممی جلدی آ جائیں۔ عدیل کھانے کے معاملے میں بہت لاپرواہ ہے، جو مل جائے کھا لیتا ہے۔ مگر نبیل کو تو میرے ہاتھ کا کھانا کھانے کی عادت ہے۔ کہتا ہے، ممی

جب تک صبح کو آپ کے ہاتھ کا گرم گرم پراٹھا نہ کھاؤں تو لگتا ہے نیا دن ہی شروع نہیں ہوا۔"

مسز سارہ نے نبیل کا تصور کرتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں مریم کو جواب دیا اور اُٹھ کر سوٹ کیس میں کپڑے لگانے لگیں۔

"تو آپ نے عادت خراب کی ہے ناں......!"

مریم نے ہنس کر کہا۔ مسز سارہ کے چہرے پر ایک دم گہری سنجیدگی چھا گئی۔

"یہ بات نہیں ہے مریم......! اصل میں میرے بچے باپ کے سائے سے محروم اور قریبی رشتوں سے بہت دُور تھے، اس لئے میں نے اُنہیں زیادہ سے زیادہ اپنے قریب رکھنے کی کوشش کی۔ اپنے ہاتھ سے اُن کے کام کئے، اس لئے کہ وہ لڑکے تھے۔ باہر کی آزاد فضا میں تھے۔ کسی بُری کمپنی میں بھی بیٹھ سکتے تھے۔ بس اِسی خیال سے میں نے پل پل اُنہیں اپنی توجہ اور محبت کا احساس دلایا۔ اُن کی ماں تو میں ہوں ہی، اُن کا باپ اور دوست بھی مجھے بننا پڑا۔ اب یہ ہی دیکھ لو کہ آج کے زمانے میں جبکہ بچے اپنے فیصلے خود کرنا چاہتے ہیں، عدیل نے میری پسند سے شادی کی ہے۔"

مسز سارہ نے ایک ساڑھی کی تہہ بناتے ہوئے مریم کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُسے اپنی ماں کا انتخاب پسند آیا۔"

"ہاں ممی......! آپ واقعی بہت لکی ہیں۔ عدیل آپ کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ مجھ سے کہتے ہیں، ہماری ماں نے اپنی جوانی ہم دونوں بھائیوں پر قربان کر دی حالانکہ جب وہ بیوہ ہوئیں تو وہ پچیس سال کی بھی نہیں تھیں۔ میں تو بہت چھوٹا تھا اور نبیل گود میں تھا۔ اتنی عمر میں تو اکثر لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے۔"

مریم نے بھی اب سنجیدگی سے کہا تھا۔ وہ مسز سارہ کے پھیلے ہوئے کپڑوں کی تہہ بنانے لگی تھی۔ مریم کی بات سن کر مسز سارہ کے چہرے پر کرب کی ایک لہر اُبھری اور فوراً غائب ہو گئی۔ اُن کے سینے سے ایک آہ سی نکلی تھی اور وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ مریم اُن کی کیفیت سے بے خبر کپڑوں کی تہہ بنانے میں مگن تھی۔

☆......☆......☆

عدیل اپنے بیڈ روم میں اپنے بیڈ پر بے ترتیب انداز میں لیٹا ہوا تھا۔ اُسے بہت زور سے بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ تو یہ سوچ کر گھر سے نکلا تھا کہ ڈنر علینہ کے ساتھ ہی کرے گا۔ ساتھ ہی یہ بھی سوچا تھا کہ ڈنر چائینیز میں کرے گا۔ ڈنر تو دُور کی بات، ابھی تک ایک گلاس پانی بھی نہیں پیا تھا اور اب لیٹا ہوا مریم کا انتظار کر رہا تھا کہ مریم آئے تو اُسے کھانا لگانے کے لئے کہے۔ یہ تو اُسے اندازہ تھا کہ وہ ممی کے پاس ہی ہوگی۔ اسی وقت مریم کمرے میں آ گئی تھی اور حیرت سے عدیل کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ اتنی جلدی آ گئے......؟"

وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ عدیل ایک دم ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔

"ہاں......! بس یار......! جلدی سے کھانا لگواؤ، بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

وہ نظر چرا کر کہہ رہا تھا۔

"آپ کا دوست تو خیریت سے ہے ناں......؟ زیادہ زخمی تو نہیں ہوا......؟"

مریم تشویش سے پوچھ رہی تھی۔
"اللہ کا شکر ہے، وہ خیریت سے ہے، مگر بھوک سے میرے پیٹ میں زخم پڑ رہے ہیں۔"
عدیل اب جھلا کر کہہ رہا تھا۔
"ڈونٹ وری......! آپ ڈائننگ میں آ جائیں۔ میں نے اور ممی نے بھی ابھی کھانا نہیں کھایا ہے۔ میں دومنٹ میں آپ کو کھانا دیتی ہوں۔ بس، آپ جلدی سے آ جائیں۔"
مریم بولتی ہوئی تیزی سے کمرے سے باہر جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

ناصر، بیبہ کو گود میں لے کر کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ بیبہ سو چکی تھی مگر وہ غیر دماغی کی کیفیت میں مسلسل اُسے تھپک رہا تھا۔ بیبہ کی آیا مہرو، بیبہ کو دیکھنے آئی تھی اور دروازے میں رُک کر ہی پریشانی سے ناصر کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ اُسے ناصر سے خوف سا آ رہا تھا کیونکہ ناصر کی آنکھوں میں وحشت تھی اور وہ مسلسل بڑبڑا رہا تھا۔
"مر گئی تمہاری ماں، مر گئی تمہاری ماں۔"
مہرو کچھ بولنے کی ہمت ہی نہ کر سکی۔ چپ چاپ واپس پلٹ گئی۔

☆......☆......☆

مریم اور عدیل مسز سارہ کو see off کرنے ائیر پورٹ جا رہے تھے۔ مریم اور مسز سارہ نے تو ناشتہ کر لیا تھا لیکن عدیل چونکہ دیر سے سو کر اُٹھا تھا، اس لئے اُس نے ناشتہ ابھی تک نہیں کیا تھا۔ مسز سارہ اُسے مسلسل کہہ رہی تھیں کہ ناشتہ کر لو، اور وہ لاپرواہی سے کہہ رہا تھا۔
"چھوڑیں ممی......! ایئر پورٹ پر ہی سینڈوچ وغیرہ کھا لوں گا۔ آپ لیٹ ہو جائیں گی۔ اگر ایئر پورٹ پر کچھ نہ کھا سکا تو آفس میں آرام سے ناشتہ کر لوں گا۔"
عدیل نے لاپرواہی سے کہا اور مسز سارہ کا سوٹ کیس دھکیلتا ہوا باہر جانے لگا۔
"گھر میں بیوی آ گئی ہے، اب آفس اور ہوٹلوں میں ناشتے نہیں ہوں گے۔"
مسز سارہ نے مصنوعی ناراضگی سے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔
"مریم......! ممی تمہیں سنا رہی ہیں کہ خبردار جو میرا بیٹا بغیر ناشتے کے باہر گیا۔"
عدیل نے شرارت سے مریم کو چھیڑا۔
"مجھے مریم کو کچھ سنانے کی ضرورت نہیں۔ مریم خود بہت سمجھ دار ہے۔ اُسے اپنی ذمہ داریوں کا شعور ہے۔"
مسز سارہ نے محبت بھری نظروں سے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"مکھن کا ڈبل کوٹ ہے مریم......! سمجھنے کی کوشش کرو۔ ممی تمہارے ذہن میں اچھی طرح بٹھا رہی ہیں کہ تمہیں ممی کی طرح میرا خیال رکھنا ہوگا۔"
عدیل نے پھر چھیڑ چھاڑ کی۔

''اب میں ممی تو نہیں بن سکتی کیونکہ ماں تو بس ماں ہوتی ہے۔ماں جیسا تو کوئی نہیں ہوتا۔''
مریم ہنستے ہوئے عدیل کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔
''دیکھا ممی......!کتنی ذہین ہے مریم،کتنی ہوشیاری سے خود کو بچالیا۔''
عدیل کی بات سن کر مسز سارہ ہنسنے لگیں۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم تیار ہو کر نیچے آئیں۔عین اُسی وقت دھب دھب کرتی ہوئی انعم بھی پیچھے سے آ گئی۔انا بی سامنے بیٹھی ہوئی بڑے اہتمام سے پان لگا رہی تھیں۔اُنہوں نے چشمے کے عکسوں سے ماں بیٹی کو گھورتے ہوئے دیکھا۔
''خیریت تو ہے......؟صبح صبح کہاں کی تیاری ہے......؟''
انا بی نے پوچھا۔
''بس......!وہ انا بی......!ایک اسپیشل بچوں کا فنکشن ہے۔''
''اے ہائے......!وہ کون ہیں......؟کیا سرکار کے بچے ہیں......؟''
انا بی نے حیرت سے پوچھا اور انعم پر بھی ایک نظر ڈالی جو بہت صبر و ضبط سے انا بی اور سلمٰی بیگم کے سوال جواب سن رہی تھی۔
''ارے نہیں انا بی......!بس،جن بچوں میں اللہ کی طرف سے کوئی کمی،کوئی خامی رہ جاتی ہے،اُن بچوں کے لئے ہم لفظ ''اسپیشل'' استعمال کرتے ہیں تاکہ اُن بچوں میں احساسِ کمتری پیدا نہ ہو۔''
سلمٰی بیگم نے وضاحت کی۔
''اچھا اچھا......!یعنی معذور بچوں کو 'اسپیشل' بچے کہتے ہیں۔''
انا بی نے سمجھ کر گردن ہلائی۔سلمٰی بیگم اس وقت انعم کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔
''خیریت ہے انعم......؟کچھ کہنا چاہتی ہو......؟''
سلمٰی بیگم نے غور سے انعم کی شکل دیکھی۔
''جی امی......!مجھے لگ رہا ہے،میرا بی پی شوٹ کر رہا ہے۔میں کلینک جا رہی ہوں۔''
انعم نے آف موڈ اور سرد لہجے میں جواب دیا۔
''ہاں تو ٹھیک ہے......!میرے ساتھ چلو،میں تمہارا چیک اَپ کرا دیتی ہوں۔''
''آپ رہنے دیں،میں چلی جاؤں گی۔''
''تمہاری طبیعت صحیح نہیں ہے تو کیسے ڈرائیو کرو گی......؟میرے ساتھ چلنے میں کیا حرج ہے......؟''
اس مرتبہ سلمٰی بیگم کے لہجے میں ہلکی سی خفگی تھی۔
''آپ صاف صاف کہیں ناں کہ آپ کو مجھ پر شک ہے۔میں کہیں بھاگ جاؤں گی۔''
انعم نے غصے سے کھنکار کر کہا۔اُسے تو یوں بھی ہر رشتہ بھاری بوجھ کی طرح لگ رہا تھا۔آس پاس موجود ہر شخص گویا اُس کی

خوشیوں کا قاتل تھا۔

''تمہارا تو دماغ خراب ہو چکا ہے۔''

سلمٰی بیگم نے ڈانٹا۔

''ماں ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹا......! تمہاری طبیعت اچھی نہیں ہے۔ ماں ساتھ ہو گی تو تسلی تو رہے گی۔''

انا بی سے رہا نہ گیا، بے اختیار بول پڑیں۔

''ایک تو آپ نے اس بڑی بی کو اس گھر کی چودھرائن بنایا ہوا ہے۔ ہر معاملے میں ٹانگ اڑاتی ہیں۔''

انعم نے انا بی کو گھورتے ہوئے بدتمیزی سے کہا اور کھٹ کھٹ کرتی باہر کی طرف چلی۔ سلمٰی بیگم گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئیں اور اپنا سر پکڑ لیا۔

''یا اللہ......! ہمیں کس گناہ کی سزا مل رہی ہے......؟ پاپا کہتے تھے، بیٹی اور بیٹے میں فرق مت کرنا۔ بیٹی بھی انسان ہوتی ہے بلکہ بیٹی کے احساسات تو بہت نازک ہوتے ہیں۔ میں نے آپ کی بات مانی پاپا......! بیٹیوں کو گھٹن اور دباؤ میں نہیں پالا، اُن کے جذبات کا احترام کیا، تو کیا میں نے غلطی کی تھی......؟''

سلمٰی بیگم دیوانوں کی طرح اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھیں۔ اُنہیں خوف آ رہا تھا کہ اگر حماد کو پتا چل گیا تو وہ تو حشر اُٹھا دے گا۔ انا بی اپنی جگہ دم سادھے بیٹھی تھیں۔ انعم کی بدتمیزی سے اُنہوں نے بہت سبکی محسوس کی تھی۔

☆......☆......☆

''امی......! آپ کو کہا بھی تھا، اُسے اکیلے باہر مت جانے دیں۔''

حماد لاؤنج میں غصے سے ٹہل رہا تھا۔ سلمٰی بیگم مجرم کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھیں اور اُن کے پہلو میں فرح بھی بالکل خاموش بیٹھی تھی۔

''وہ ہسپتال گئی ہے۔ اُس کی شکل سے پتا چل رہا تھا کہ اُس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

سلمٰی بیگم نے جیسے حماد کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

''تو آپ ساتھ چلی جاتیں۔''

سلمٰی بیگم کے جواب کا حماد پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اسی طرح آف موڈ میں بات کر رہا تھا۔

''کیا بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو......؟ تمہاری میری بات مان کر گھر میں بیٹھی گئی ہے، اس کو بھی غنیمت جانو۔ وہ شادی شدہ ایک بچی کی ماں ہے، کتنا دباؤ ڈال سکتے ہو اُس پر......؟''

سلمٰی بیگم اب ذرا جھنجلا کر بولیں۔

''آپ ٹینشن مت لیں حماد......! آپ اُس کو ایک مرتبہ گھر لے کر آ گئے ہیں۔ اُس کو بھی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ آپ کیا کچھ کر سکتے ہیں......؟ وہ اس طرح کی حرکت دوبارہ نہیں کریں گی، Relex''

''ہاں ہاں......! وہ ہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ وہ آ جائے گی، اُس کی طبیعت خراب لگ رہی تھی۔''

سلمٰی بیگم نے بھی پھر سے تسلی دینے کی کوشش کی۔ اُسی لمحے فیاض احمد لاؤنج میں داخل ہوئے۔ ماحول کا اندازہ کر کے

جہاں تک آئے تھے وہیں رُک گئے۔تینوں کے چہروں پر ایک نظر ڈالی اور بولے۔

"مذاکرات ہو رہے ہیں۔لگتا ہے انعم نے پھر کوئی مسئلہ کر دیا ہے۔"

پھر دو قدم بڑھ کر حماد سے کہنے لگے۔

"پھر انعم سے جھگڑا ہوا ہے۔"

اُن کے لہجے میں گہری فکر مندی اور تشویش تھی۔

"وہ گھر پر ہی نہیں ہے۔"

حماد نے غصہ ضبط کرتے ہوئے باپ کو جواب دیا۔

"کہاں گئی ہے......؟ کچھ بتا کر گئی ہے......؟"

فیاض احمد نے براہِ راست سلمٰی بیگم سے پوچھا۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے،ہسپتال گئی ہے۔"

سلمٰی بیگم نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔حماد کی بے کلی اور بڑھی اُن کے اعصاب کا بوجھ بنی ہوئی تھی۔طرح طرح کے وہم اور انجانے سے خوف اُن کو نڈھال کر رہے تھے۔

"اکیلی چلی گئی......؟ کسی کو اُس کے ساتھ جانا چاہیے تھا۔"

فیاض احمد بھی ایک دم فکر مند نظر آنے لگے۔

"یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔"

حماد بہت زیادہ ٹینس نظر آرہا تھا اور برجستہ بولا تھا۔

"ایک فراڈ یا اُس کی زندگی برباد کر رہا ہے اور اُسے سمجھ نہیں آرہی۔"

حماد بڑبڑاتے ہوئے ٹہلنے لگا۔

☆......☆......☆

انعم کو حیرانی ہو رہی تھی کہ گارڈ اُسے جانتا ہے،پھر بھی گیٹ کیوں نہیں کھلوا رہا......؟ وہ اپنی طرف کا شیشہ نیچے کر کے زور زور سے ہارن دیتی ہے تاکہ گارڈ اُس کے پاس آجائے۔ہارن سن کر گارڈ بہت تیزی سے اُس کے قریب آیا تھا اور اپنی پیشانی تک ہاتھ لے جا کر انعم کو سلام کیا تھا۔

"میری شکل کیا دیکھ رہے ہو......؟ چوکیدار سے بولو گیٹ کھولے۔"

انعم نے گارڈ کو غصے سے گھور کر دیکھا۔ملازمین کے سلام کا جواب دینا ویسے بھی اُس کی شان کے خلاف تھا۔

"صاحب گھر پر نہیں ہیں بیگم صاحب......!"

گارڈ نے ادب سے جواب دیا۔انعم نے چونک کر گارڈ کی شکل دیکھی۔

"گھر پر نہیں ہے......؟"

وہ بڑبڑائی۔

''واپس تو آئے گا ناں......!تم گیٹ کھولو۔''

اُس نے گارڈ کو حکم دیا۔

''وہ تو امریکہ چلا گیا ہے۔''

گارڈ نے پھر مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

''امریکہ......؟''

انعم کو جیسے بہت زور سے جھٹکا لگا تھا۔اُس کی آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت تھی۔

''کب......؟تمہارے صاحب کب گئے......؟''

وہ بہت کمزور سے لہجے میں بولی۔

''وہ تو کل رات دو بجے گھر سے نکلا ہے۔''

گارڈ نے مشینی انداز میں جواب دیا۔انعم چند لمحے دم بخود سی بیٹھی رہتی ہے،جیسے اُس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہوگئی ہو۔وہ چند لمحے اِسی کیفیت میں بیٹھی رہی۔پھر بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا اور مرے مرے انداز میں بٹن پش کر کے کار کا شیشہ اُوپر کیا اور انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے سوچنے لگی۔

''اُف......!کیا میں گھر تک ڈرائیو کر سکوں گی؟مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے میرا دماغ اندھیروں میں ڈوب رہا ہے۔''

سلمان کا بغیر مطلع کئے امریکہ چلے جانا ایک بہت بڑی قیامت تھی۔وہ خود کو کسی اَنجانی دلدل میں دھنسا ہوا محسوس کر رہی تھی۔بالآخر اُس نے ایکسلیٹر دبایا اور کار کو روڈ کی طرف موڑ دیا۔

☆......☆......☆

''دیکھ رہے ہیں بابا جان......!ابھی تک واپس نہیں آئی ہے......؟''

حماد کا ایک ایک پل گویا ایک ایک صدی کے برابر تھا۔فرح کو خوف محسوس ہو رہا تھا کہ شدید اعصابی دباؤ کی وجہ سے کہیں حماد کا بی پی نہ شوٹ کر جائے۔اُسے انعم پر شدید غصہ آ رہا تھا جس کی وجہ سے بے گناہ،بے قصور ہوتے ہوئے بھی وہ مفت کی اذیت اُٹھا رہے تھے۔اُن کی ہنستی کھیلتی زندگی خزاں کا موسم بن رہی تھی۔

''بیٹا......!ہسپتال جانا کیا مذاق ہے......؟مریضوں کا کتنا رَش ہوتا ہے۔گھنٹہ دو گھنٹہ لگنا تو معمول کی بات ہے۔''

سلمیٰ بیگم بیٹے کو تسلی دینے کے لئے مناسب ترین الفاظ سوچ کر بول رہی تھیں۔

''امی......!آپ خود کو بہلاتی رہیے۔وہ انسان ہی کیا جسے ایک ٹھوکر سے ہوش نہ آئے......؟''

حماد اب جھنجلا کر بولا۔

''حماد ٹھیک کہہ رہا ہے۔اب ہم اور کوئی رِسک afford نہیں کر سکتے۔''

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فیاض احمد کی تشویش بھی بڑھ گئی تھی۔اُسی وقت باہر پورچ میں کار رُکنے کی آواز آتی ہے۔

سلمیٰ بیگم کی تو جیسے جان میں جان آ گئی۔اُنہوں نے سکون کا سانس لیا اور بولیں۔

''لگتا ہے،انعم آ گئی ہے۔''

وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''چند لمحوں بعد انعم اپنی دُھن میں اندر آئی، مگر تینوں کو سامنے پا کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹک گئی۔ ایک خفا خفا سی نظر اُس نے حماد پر ڈالی پھر بڑی بے حسی اور خفگی سے کھٹ کھٹ کرتی آگے بڑھ گئی۔

''یا اللہ......! تیرا شکر ہے۔''

فیاض احمد نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا اور صوفے کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندھ لیں۔ فرح کا چہرہ بہت سپاٹ تھا۔ وہ چپ چاپ اُٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

''میں کہہ رہی تھی ناں، اب وہ کوئی اُلٹی سیدھی حرکت نہیں کرے گی۔ اُسے اچھا خاصا سبق مل چکا ہے۔ اُسے پتا چل گیا ہے، بھائی ہوتا ہے تو فکر بھی کرتا ہے اور بہت کچھ کر بھی سکتا ہے۔''

سلمیٰ بیگم نے اتنا کہا اور لاؤنج سے چلی گئیں۔ حماد گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ شدید اعصابی جنگ نے اُسے نڈھال کر دیا تھا۔ فیاض احمد اسی طرح آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے۔

☆......☆......☆

انعم اپنے کمرے میں بیڈ پر ٹیک لگائے بُت کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔ اُس کے دماغ میں بھونچال اُٹھ رہے تھے۔ طرح طرح کے بُرے گمان اُس کی حالت غیر کئے جا رہے تھے۔ جس کے بل بوتے پر اُس نے انتہائی قدم اُٹھایا، اگر اُسی نے دھوکہ دے دیا تو وہ کہیں کی نہیں رہے گی۔ ساری زندگی سر جھکا کر جینا پڑے گا۔ اپنوں سے نظریں نہیں ملا سکے گی۔ یہ احساس اُسے کھائے جا رہا تھا اور اسی احساس میں اتنی قوت تھی کہ اس نے اُس کی فطرت کو جیسے سوتے سے جگا دیا۔

''تم میری اتنی insult نہیں کر سکتے۔ مجھے cheat کیا تو چھوڑوں گی نہیں۔''

اُس کی سوچ میں اتنی شدت تھی کہ اُس نے کس کے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔ جذبۂ انتقام میں اتنی ہی قوت ہوتی ہے جتنی کہ عزم میں۔ فرق صرف سوچ کا ہوتا ہے۔ مثبت اور منفی سوچ کے ساتھ بے قراری اتنی بڑھی کہ وہ بیڈ سے اُتر کر ٹہلنے لگی۔

''یہ سب مریم کی وجہ سے ہوا ہے۔ میری بہن میری دُشمن ہے۔ خود تو رنگ رلیاں منا رہی ہے، بڑی پارسا بنتی ہے۔ امی بابا نے بھی اُس کے لئے دولت مند رشتہ ڈھونڈا ہے۔ عیش ہو رہے ہیں۔ دوسروں کی زندگی میں آگ لگا رہی ہے۔ اُسے بھی کوئی ناصر جیسا ملتا تو پتا چلتا۔''

اپنی غلطی پر اصرار کرنے والے لوگ اپنی تکلیفوں کا ذمہ دار ہمیشہ دوسروں کو ٹھہراتے ہیں۔ اپنے ہی ہاتھوں کمائی ہوئی تکلیف اگر برداشت سے زیادہ ہو تو ذہنی توازن قائم نہیں رہتا۔ انسان غلطی پر غلطی کرتا چلا جاتا ہے اور دوسروں پر الزام تراشی کرنے لگتا ہے۔ اس وقت انعم بھی زخمی ناگن کی طرح بل کھا رہی تھی۔ چونکہ اُس کی ذہنی حالت متوازن نہیں تھی، اس لئے اُسے اپنی تمام تکلیفوں کی ذمہ دار مریم نظر آ رہی تھی۔

☆......☆......☆

گھوم پھر کر پھر اذیتوں کا بوجھ اُٹھائے نئی رات سامنے کھڑی تھی۔ ناصر بیڈ سے ٹیک لگائے کنپٹی پر ریوالور رکھے ایک فیصلہ کن لمحے کو اپنی گرفت میں لینے کے لئے اندرونی جنگ میں مبتلا تھا۔

''یہ میں کیا کر رہا ہوں......؟اس طرح تو انعم کی جان بڑی آسانی سے چھوٹ جائے گی۔انعم......!تم تو بڑے آرام سے اپنی مرضی کی زندگی گزارنے لگو گی،لیکن میری بیٹی کا کیا ہوگا......؟''

یہ خیال آتے ہی وہ ریوالور اپنی کنپٹی سے ہٹا لیتا ہے۔

''میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا انعم......!اسی طرح لٹکا کر رکھوں گا۔تم جیسی عورت کی یہی سزا ہے۔''

اب اُس کا ذہن ایک نقطے پر آ کر ٹھہر گیا تھا۔ریوالور ایک طرف رکھ کر بیڈ سے اُترتے اُترتے رُک جاتا ہے اور دونوں ہاتھوں کا وزن اُس نے اپنے گھٹنوں پر ڈالا ہوا تھا۔چاروں طرف شعلے بھڑک رہے ہیں۔ان شعلوں کو بجھانے کے لیے سات سمندر بھی کم ہیں۔اُس کے چہرے پر بڑی بے بسی کی کیفیت تھی۔وہ بڑی اذیت سے گزر رہا تھا۔ایسی اذیت جو نا قابلِ بیان ہوتی ہے،جو صرف اللہ جانتا ہے اور وہ جو اس اذیت سے گزر رہا ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

''ناصر نے پندرہ دن سے چھٹی لی ہوئی تھی اور آج پتا چلا ہے کہ اُس نے اپنی پوسٹنگ اسلام آباد کروالی ہے۔''

سلمٰی بیگم،انعم کو مطلع کر رہی تھیں۔انعم ہکا بکا اُن کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''اسلام آباد چلا گیا ہے......؟''

انعم کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''ہاں......!اُس نے یہ شہر ہی چھوڑ دیا ہے اور وہ ہم میں سے کسی کا فون بھی attend نہیں کرتا۔''

سلمٰی بیگم،انعم کے کمرے میں بیڈ پر بیٹھ کر انعم کے بالکل قریب ہو کر باتیں کر رہی تھیں۔

''شہر بھی چھوڑ گیا ہے،فون بھی اٹینڈ نہیں کرتا،تو امی......!میرا مسئلہ کس طرح حل ہوگا......''

''اس طرح کے معاملات ویسے بھی فون پر نہیں نمٹائے جاسکتے۔''

سلمٰی بیگم نے فوراً اُس کی بات کاٹ کر کہا۔

''پھر کیا کریں گے آپ لوگ......؟''

انعم تو جیسے گم صم سی ہوگئی تھی۔یوں بھی اس وقت وہ ذہنی طور پر بہت منتشر تھی۔سلمان نے جیسے اُسے توڑ پھوڑ کر پھینک دیا تھا۔اس وقت اُس کے لئے طلاق کی بات کوئی خاص بات نہیں تھی۔اس وقت تو خاص بات یہ تھی کہ سلمان بغیر بتائے چلا گیا ہے اور اس کا فون بھی مسلسل بند مل رہا ہے۔

''مجھے اور تمہارے پاپا کو اسلام آباد جانا پڑے گا۔سامنے بیٹھ کر ناصر سے بات کرنا ہوگی۔''

سلمٰی بیگم نے اپنا اگلا پروگرام بتایا۔

''ہوں......!''

انعم نے غائب دماغی کی کیفیت میں ہنکارا بھرا۔سلمٰی بیگم نے اُس کے انداز میں بڑی تبدیلی محسوس کی۔آج وہ اُنہیں بڑی چپ چپ لگ رہی تھی۔

''خیریت ہے......؟بہت چپ چپ ہو......؟دوا کھائی تھی......؟''

''کھا چکی ہوں۔''

انعم نے بے دلی سے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے......! پھر تم آرام کرو۔''

سلمٰی بیگم اُٹھتے ہوئے بولیں۔

☆......☆......☆

عدیل نہا دھو کر سفید کُرتا پاجامہ پہنے بہت فریش نظر آرہا تھا۔ مریم کمرے میں داخل ہوئی، اُس کی طرف مسکرا کر دیکھا اور آگے بڑھ کر پرفیوم اُٹھا کر عدیل پر اسپرے کرنے لگی۔

''اتنے کلف دار کپڑے پہن کر کہاں تشریف لے جا رہے ہیں......؟''

وہ مسکراتی نظروں سے عدیل کا چہرہ دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

''وہ جس دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا ناں، اُسی کو دیکھنے جا رہا ہوں۔''

عدیل نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا اور آئینے کے سامنے سے ہٹ گیا۔

''ہاں......! وہ تو میں بھول ہی گئی تھی۔ اب کیسی طبیعت ہے......؟ اُس کو زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں......؟''

مریم کو یاد آیا تو ایک دم سنجیدہ ہو کر پوچھنے لگی۔

''ہاں......! ٹھیک ہے......! ہسپتال سے تو ڈِسچارج ہو گیا ہے۔ شکر ہے، ایکسیڈنٹ زیادہ سیریس نہیں تھا۔''

عدیل، مریم کی طرف سے پشت کئے جواب دے رہا تھا۔

''میں بھی ساتھ چلوں......؟''

مریم نے بچوں کے سے پُرشوق انداز میں پوچھا۔

''تم......؟''

عدیل ایک دم سٹپٹا سا گیا۔

''کیوں......؟ کیا حرج ہے......؟ عیادت کرنا تو ثواب کا کام ہے اور میں یہاں اکیلی بیٹھ کر کیا کروں گی......؟''

''مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ ڈونٹ وری......! پھر مجھے آفیشل کام کے سلسلے میں ایک اور بندے سے بھی ملنا ہے۔ تم بور ہو جاؤ گی۔ ٹی وی پر کوئی اچھا سا پروگرام دیکھ لو یا مووی لگا لو۔''

عدیل نے جیسے اُسے بچوں کی طرح بہلایا۔

''جب دو جگہ جائیں گے تو جلدی کیسے آئیں گے......؟''

مریم نے اُس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے کہا۔

''کیا سوال پر سوال کئے جا رہی ہو......؟ اب بندہ ہر جگہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر تو نہیں بیٹھ سکتا ناں......!''

عدیل ذرا سا جھنجلایا تو مریم خاموش ہو کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

بیبہ بہت رو رہی تھی۔ جب کسی طرح مہرو کے قابو میں نہیں آئی تو وہ بے بس ہو کر ناصر کے کمرے میں اُسے لے آئی۔ اُس نے دروازے پر دو تین دفعہ دستک دی تھی اور کوئی جواب نہ پا کر خود ہی دروازہ کھول کر اندر آ گئی تھی۔ اُسے حیرت تھی کہ بیبا تنے زور سے رو رہی ہے، مگر ناصر کی طرف سے کوئی ردِعمل نہیں آ رہا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس کی نظر ناصر پر پڑی جو صوفے پر آڑے ترچھے انداز میں لیٹا ہوا تھا۔ مہرو کو حیرت ہوئی کہ بیبہ کے رونے کی آواز پر بھی ناصر کی نیند نہیں ٹوٹی۔ وہ بیبہ کو تھپکتے ہوئے ناصر کے اور قریب آتی ہے اور اپنی حیران نظروں سے ناصر کا جائزہ لیتی ہے تو اُسے اُس کے پاؤں کی طرف پڑے ہوئے ریوالور کو دیکھ کر جیسے زور کا جھٹکا لگتا ہے۔ اُس کے چہرے پر خوف کی کیفیت نمودار ہوتی ہے۔ بے یقینی کی کیفیت میں وہ پھر ناصر پر نظر دوڑاتی ہے اور سہمے ہوئے انداز میں دو قدم پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ ساتھ ہی بیبہ کو بھی تھپک رہی تھی۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی ہو۔ اُس کے منہ سے بے اختیار ایک زوردار چیخ نکلی تھی اور وہ بیبہ کو سنبھال کر باہر کی طرف بھاگی تھی۔

☆......☆......☆

چوکیدار پھول خان ڈرائیور کے ساتھ بڑے منجھے ہوئے سیاست دان کی طرح موجودہ حالات پر تنقید کرنے میں مصروف تھا کہ اُس نے دیکھا، مہرو چیخیں مارتی ہوئی باہر آ رہی تھی۔ وہ گھبرا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ ڈرائیور تو پہلے ہی کھڑا ہوا تھا۔ وہ چوکیدار سے پہلے مہرو کی طرف بڑھا۔

''کیا ہوا مہرو......؟ کیوں چیخ رہی ہو......؟''

ڈرائیور نے فکرمندی سے پوچھا۔ بیبہ، مہرو کی گود میں مہرو سے زیادہ چیخیں مار رہی تھی۔

''عبدالقیوم......! وہ اندر صاحب...... پستول......''

خوف کے مارے مہرو کے منہ سے بے ربط الفاظ نکل رہے تھے۔ وہ ڈرائیور کو کچھ بتانا چاہ رہی تھی مگر بتا نہیں پا رہی تھی۔

''کیسا بات کرتا ہے تو......؟ ادھر تو کوئی نہیں آیا۔ صاحب کے پاس کون بیٹھا ہے پستول لے کر......؟ تم نے کوئی بھوت ووت تو نہیں دیکھا......؟''

چوکیدار بُری طرح گھبرا گیا۔ اُسے تو سب سے پہلے یہی خیال آیا کہ اُس کی نوکری خطرے میں پڑ گئی ہے۔

''کوئی نہیں......! صاحب اندر اکیلے ہیں۔ وہ پستول...... جلدی کرو، اندر جا کر دیکھو۔''

مہرو اسی طرح گھبرائے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔ چوکیدار اور ڈرائیور اندر کی طرف بھاگتے ہیں۔ مہرو اُن کے پیچھے جانے لگتی ہے تو بیبہ اُس کی گود میں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے پہلے سے زیادہ چیخیں مار کر رونے لگی تھی۔ مہرو نے اُسے بمشکل قابو میں کیا ہوا تھا۔ لاؤنج میں پہنچ کر وہ اتنی شل ہو چکی تھی کہ اُس نے بیبہ کو صوفے پر بٹھا دیا اور خود بھی گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ اُسے چکر آ رہے تھے۔ دو قدم اب چلنے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ تھکے تھکے انداز میں بیبہ کی منت کر رہی تھی۔

''بیٹا......! خاموش ہو جاؤ۔ بیٹا......! خاموش ہو جاؤ۔ آپ تو اچھی بیٹی ہو۔''

بیبہ پر مہرو کی منت، خوشامد کا کوئی اثر نہیں تھا۔ وہ اسی طرح روئے جا رہی تھی۔ خوف اور صدمے نے مہرو کو بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ اُس کا ذہن جیسے اُس کا ساتھ چھوڑ رہا تھا۔ پھر اُس نے چوکیدار کی آواز سنی۔

''صاحب بے ہوش ہے۔اس کو گولی وولی نہیں لگا۔جلدی کرو،صاحب کو گاڑی میں ڈالو۔لگتا ہے خدانخواستہ اسے دل کا دورہ پڑا ہے۔پستول سے کوئی گولی نہیں چلا۔''

''دل کا دورہ......؟''

مہرو نے بے اختیار اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔چند ہی لمحوں بعد چوکیدار ناصر کو اپنے کندھے پر ڈالے ہوئے لاؤنج میں آ گیا تھا۔ڈرائیور اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔

''گھبراؤ نہیں مہرو بی بی......!ہم صاحب کو ہسپتال لے کر جا رہے ہیں۔صاحب بے ہوش ہیں،اُن کو گولی وولی نہیں لگی ہے۔پستول کمرے میں ہے۔تم اُسے ہاتھ مت لگانا۔صاحب ہسپتال سے واپس آئیں گے تو اپنا پستول خود اُٹھا کر رکھیں گے۔''

ڈرائیور نے جلدی کے باوجود مہرو کو تاکید کرنے کی مہلت نکالی۔یہ بھی اب سہمی ہوئی نظروں سے باپ کی طرف دیکھ رہی تھی جو چوکیدار کے کندھے پر سر رکھے دُنیا و مافیہا سے بے خبر نظر آ رہا تھا۔مہرو کی جان میں جان آئی تھی۔کم از کم یہ سکون تو ملا تھا کہ صاحب کو گولی نہیں لگی البتہ اتنی تشویش تو قدرتی طور پر ہوئی تھی کہ ناصر بے ہوش کیوں ہے......؟

☆......☆......☆

''بہت مشکل سے دو سیٹیں ملی ہیں۔''

حماد،فیاض احمد کے سامنے دو ٹکٹ رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''چلو،شکر ہے......!مل تو گئیں۔''

فیاض احمد نے سنجیدگی سے کہا۔

''بابا......!آپ کہیں تو میں چلا جاتا ہوں امی کے ساتھ۔''

حماد کے چہرے پر تفکر کی گہری لکیریں نقش تھیں۔

''نہیں نہیں......!تم یہیں رہو۔''

فیاض احمد نے برجستہ انداز میں کہا۔

''تمہاری یہاں زیادہ ضرورت ہے۔تم سے ہی تو تھوڑا بہت ڈرتی ہے۔''

فیاض نے سنجیدگی اور دُکھ کی ملی جلی کیفیت میں کہا۔

''کیا مصیبت ہے......؟اب میں سارے کام چھوڑ کر اُس کی پہرے داری کرتا رہوں گا......؟''

''آپ اُسے اُس کی ذمہ داریوں کا احساس دلائیں۔''

حماد بڑی برہمی سے بولا۔

''اپنی طرف سے ہر طرح کی کوشش کر رہے ہیں بیٹا......!''

فیاض احمد مجرم کی طرح سر جھکائے کہہ رہے تھے۔یہ جرم کیا کم تھا کہ وہ ایک خودسر سرکش بیٹی کے باپ تھے۔

☆......☆......☆

رات کا پچھلا پہر تھا، انعم نیند کی گولی کھا کر بے خبر سو رہی تھی۔ اُس کے موبائل پر ایک مرتبہ رِنگ ہوئی تو وہ ذرا کسمسائی، مگر فون attend نہیں کیا اور پھر سے گہری نیند میں ڈوب گئی۔ رِنگ دوبارہ ہوئی۔ پھر مسلسل ہونے لگی اور اتنے تواتر سے ہوئی کہ بالآخر انعم کی گہری نیند ٹوٹ گئی۔ اُس نے ٹٹولنے کے انداز میں ہاتھ بڑھایا اور موبائل اُٹھا کر کال کرنے والے کا نام دیکھے بغیر کان سے لگالیا اور نہایت بے زار کن لہجے میں بولی۔

''ہیلو......!''

''ہیلو جان......!''

ائیر پیس میں سلمان کی آواز اُبھری اور انعم کے کان میں جیسے بم پھٹا تھا۔ ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ بے یقینی کی کیفیت تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ سلمان کی آواز دوبارہ اُبھری۔

''ہیلو......! میری آواز آرہی ہے۔''

''س س......سلمان......؟''

''جی سلمان۔ میری جان......! صرف تمہارا سلمان۔''

انعم پر تو جیسے شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ جذبات کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ بے قرار ہو کر بیڈ سے نیچے اُتر گئی۔ نیند تو جیسے ساتویں آسمان پر چلی تھی۔

''جاؤ، میں تم سے بات نہیں کرتی۔''

وہ ادائے دِلبرانہ سے خفگی کا اظہار کرنے لگی۔

''مجھے بتائے بغیر اتنی دُور چلے گئے۔ یہ ہے تمہاری محبت......؟ سنو ڈارلنگ......! تم نے تو مجھے مار ہی ڈالا تھا، اگر میں خود کشی کر لیتی تو......''

''یار......! میری بھی تو سنو......! اتنی ایمرجنسی میں فلائی کرنا پڑا کہ اپنا سیل فون تک پاکستان میں بھول کر آ گیا۔ بریف کیس میں دو جوڑے کپڑے رکھے اور بھاگم بھاگ یہاں پہنچا۔''

''ایسی بھی کیا ایمرجنسی تھی......؟ کیا تمہاری بیوی بیمار ہوگئی تھی......؟ یا خدانخواستہ کسی بچے کا مسئلہ تھا......؟''

انعم سب کچھ بھول بھال بڑی فکرمندی سے پوچھنے لگی۔

''نہیں......! کورٹ سے سمن آیا ہوا تھا۔''

''سمن......؟''

انعم بُری طرح چونک پڑی اور گھبرا کر پوچھا۔

''ہاں......! وہ ایک کورٹ ٹرائل چل رہا ہے میرا۔ اسی سلسلے میں......''

''کورٹ ٹرائل......؟ کیوں......؟ تم نے کیا جرم کیا ہوا ہے......؟''

انعم بُری طرح پریشان ہوگئی۔

''ارے......! جرم ورم میں نے کچھ نہیں کیا۔ بزنس میں ہزار مسئلے ہوتے ہیں۔ لیگل ایشوز بھی آ جاتے ہیں۔ یہ اتنی کوئی

بڑی بات نہیں۔ خوش حالی زیادہ ہوتی ہے تو مسئلے بھی اسی حساب سے ہوتے ہیں۔ ڈونٹ وری......!''

سلمان لاپرواہی کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ انعم کے چہرے پر سکون سا چھا گیا۔ اب وہ کھل کر مسکرائی۔

''تھینک گاڈ......! میں نے تمہاری آواز تو سنی۔ دو دن سے مری پڑی تھی۔''

یہ کہہ کر اب وہ ہنس پڑی۔

''پورے دس دن بعد چہرہ بھی دیکھو گی۔ ابھی ریڈیو پر گزارہ کرو، ٹی وی بعد میں۔''

سلمان شوخ انداز بات کرنے لگا۔

''دیکھنے کے لئے بس اب یہی چہرہ تو رہ گیا ہے۔ یقین کرو، میں تو نیند کی گولی کھائے بغیر سو ہی نہیں سکتی وہ بھی ڈبل ڈوز۔ آئندہ مجھے اس طرح چھوڑ کر مت جانا۔''

انعم کے لہجے میں عورت پن کے تمام تاثرات بہت واضح تھے۔

''کبھی نہیں......! انعم تو میری زندگی ہے بلکہ میری رُوح ہے۔ رُوح کے بغیر میں کیا ہوں......؟ ایک ڈیڈ باڈی......؟''

''توبہ توبہ......! ایسی خوف ناک باتیں نہیں کرو۔''

انعم نے جلدی سے اُس کی بات کاٹی۔

''میں تمہیں اپنی رُوح کہہ رہا ہوں۔ کیا یہ خوف ناک بات ہے......؟''

''لیکن ساتھ میں ڈیڈ باڈی کا لفظ بھی تو استعمال کر رہے ہو۔ اللہ کرے میں تم سے پہلے مر جاؤں۔''

انعم نے بڑی ادا سے کہا۔

''ساتھ ہی کیوں نہ مر جائیں......؟''

سلمان نے شریر لہجے میں کہا۔

''توبہ......! جب سے تم ملے ہو، مجھے تو موت کے نام سے ہی خوف آتا ہے۔''

انعم نے جیسے جھرجھری لی۔

''چلو، پھر زندگی کی باتیں کرتے ہیں۔''

سلمان ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا اور انعم کے انگ انگ میں سرمستی کی کیفیت تھی۔

☆......☆......☆

''امی اور بابا تو اسلام آباد پہنچ چکے ہیں۔ رات کی فلائٹ سے چلے گئے تھے۔''

فرح افسردہ چہرے کے ساتھ مریم کو بتا رہی تھی۔

''جی......! وہ تو امی نے جانے سے پہلے فون کر کے بتایا تھا۔ میں تو بس ویسے ہی آپ کے پاس آ گئی کہ امی اسلام آباد چلی گئی ہیں، انعم بھی یہیں ہے اور ویسے بھی آج کل اُس کا موڈ خراب ہے۔ میں نے سوچا کہیں آپ کو پرابلم نہ ہو رہی ہو۔''

مریم نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی۔

''جب تک انعم اپنے گھر واپس نہیں چلی جاتی، پرابلم تو ہے۔''

پاکستان ڈائجسٹ ڈاٹ کام

فرح نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مریم کو جواب دیا۔

''اب اُسے ناصر کے پاس جانا بھی نہیں چاہیئے۔ جو چوٹ اُس نے ناصر کو دی ہے، اس کا مرہم ملنا مشکل ہے۔''

مریم خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''ہاں......! میں تمہیں بتانے ہی والی تھی کہ ناصر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ ہسپتال میں ایڈمٹ ہے۔''

فرح نے مریم کی بات بڑی عجلت میں کاٹ کر اطلاع دی۔

''ایڈمٹ ہے......؟''

مریم کو بڑے زور کا دھچکا لگا تھا۔

''یہ بات تو آپ کو فوراً بتانا چاہیئے تھی۔ میں ابھی فون کر کے امی سے پتا کرتی ہوں۔ مائی گاڈ......! یہ کیا ہو گیا......؟ بیہ اتنی چھوٹی سی ہے۔ ماں اُس کی اِدھر ہے، باپ ہسپتال میں ایڈمٹ ہو گیا۔ تھینک گاڈ کہ امی پاپا وہاں پہنچ گئے۔''

''دُعا کرو، اللہ اُس معصوم بچی کے سر پر اُس کے باپ کا سایہ قائم رکھے۔''

فرح بہت دل سوزی سے کہہ رہی تھی۔

''آمین......!''

مریم نے اپنے بیگ سے موبائل نکالتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے فرح کی دُعا پر مہر لگائی تھی اور جلدی جلدی ماں کا نمبر ملانے لگی۔ ایک بے چینی اور بے قراری اُس کی ایک ایک حرکت سے واضح تھی۔ فرح نے اُسے فون کی طرف متوجہ دیکھا تو اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں تمہارے لئے چائے بھجواتی ہوں۔ تم آرام سے بات کرو۔ میں تھوڑی دیر میں آ کر بیٹھتی ہوں تمہارے پاس۔''

فرح بولی۔ مریم نے اشارے سے کہا۔

''ٹھیک ہے......!''

موبائل اُس کے کان سے لگا تھا۔ رِنگ پاس ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

''بس بیٹا......! کیا بتاؤں......؟ جیسے ہی یہاں پہنچے، پتا چلا ناصر ہسپتال میں ایڈمٹ ہے۔ تمہارے بابا تو اُسی وقت ہسپتال چلے گئے تھے۔ میں گھر میں بیہ کے پاس ہوں۔''

سلمٰی بیگم، مریم کو بتا رہی تھیں۔

''لیکن امی......! ناصر کو ہوا کیا ہے......؟''

مریم فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

''پتا نہیں بیٹا......! بس یہی معلوم ہوا ہے کہ وہ گھر میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ نوکر اُسے ہسپتال لے گئے۔ ڈاکٹر نے اُسے ایڈمٹ کر لیا۔ تمہارے بابا سے تھوڑی دیر پہلے بات ہوئی تھی، بتا رہے تھے کہ ناصر ابھی تک ہوش میں نہیں آیا۔ خدانخواستہ ایسا لگتا ہے کہ نروس بریک ڈاؤن نہ ہوا ہو یا پھر ڈاکٹروں نے تمہارے بابا کو بتا دیا ہے اور وہ مجھ سے چھپا رہے ہیں۔''

سلمیٰ بیگم بہت غم زدہ انداز میں مریم کو بتا رہی تھیں۔

''اوہ......!''

مریم کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''تو آپ ہسپتال چلی جائیں ناں امی......!''

وہ تشویش بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''میں تو جانا چاہ رہی تھی، تمہارے بابا منع کر گئے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں، ناصر تو بے ہوش ہے، کیا کرو گی آ کر......؟ بچی کے پاس ہی رہو۔''

سلمیٰ بیگم نے جواب دیا۔

''اچھا......!''

مریم کھوئی کھوئی کیفیت میں بولی۔

''ٹھیک ہے امی......! میں کچھ دیر بعد پھر آپ کو فون کروں گی۔ آپ حوصلے سے کام لیجئے اور ناصر کے لئے دُعا کیجئے۔''

مریم کا سارا وجود جیسے بے جان سا ہو رہا تھا۔ ایک بازگشت سی تھی جو چاروں طرف گونج رہی تھی۔

''اللہ کرے ناصر کو کچھ نہ ہو۔ اللہ کرے ناصر کو کچھ نہ ہو۔''

اسی لمحے انعم نے اُوپر سے ملازم کو آواز دی تھی۔

''عبدالکریم......! کافی بنا رہے ہو یا کھانا پکا رہے ہو......؟ آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے۔ ایک تو امی بغیر دیکھے بھالے نوکر رکھ لیتی ہیں۔''

انعم بُرا بھلا کہتی ہوئی ریلنگ پکڑ کر نیچے جھانکنے لگی، پھر ایک دم ٹھٹک گئی۔ اُس کی نظر مریم پر پڑی تھی۔ عین اُسی وقت مریم نے بھی اُس کی طرف دیکھا تھا۔ ایک لمحے کے لئے دونوں کی نظریں ملیں لیکن انعم نے خفا خفا انداز میں اپنی نظروں کا رُخ موڑ لیا تھا اور فوراً ہی اندر کی طرف غائب ہو گئی۔ مریم نے گہری سانس لی اور آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم نے ناصر کی بڑی بہن شہلا کو جو برسوں سے کینیڈا میں مقیم تھی، فون کر کے اطلاع دے دی تھی۔ وہ تو یہ بُری خبر سن کر اتنی پریشان ہوئی کہ یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

''آنٹی......! میں پاکستان کے لئے سیٹ کنفرم کرا رہی ہوں۔ سیٹ کنفرم ہوتے ہیں میں آپ کو بتا دوں گی۔ بس، میرے پہنچنے تک آپ ناصر کا خیال رکھیں۔''

پھر آدھے گھنٹے بعد اُس کا فون بھی آ گیا تھا کہ وہ پاکستانی ٹائم کے مطابق شام کے تین بجے تک پاکستان پہنچ جائے گی۔

سلمیٰ بیگم کو ایک سکون کا احساس ہوا۔

''چلو، اس مشکل وقت میں ناصر کی بہن بھی یہاں ہو گی۔''

لیکن اب وہ یہ سوچ کر بھی پریشان ہو رہی تھیں کہ وہ شہلا کو کس طرح بتائیں گی کہ اُن کی بیٹی کی وجہ سے اُس کا بھائی اس

حال کو پہنچا ہے......؟ یہ خیال آتے ہی وہ شل سی ہونے لگیں۔ پھر سوچا۔

''مشکل کتنی ہی بڑی ہو، اس کا سامنا تو کرنا پڑتا ہے۔ ایک نہ ایک دن تو شہلا کو پتا چلنا ہی تھا۔ بس اللہ کرے ناصر کو کچھ نہ ہو۔ باقی تو پھر سب کچھ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو ہی جائے گا۔''

وہ اپنی جگہ سے اُٹھیں اور ربیہ کے کمرے کی طرف چل پڑیں۔

☆......☆......☆

مریم واپس گھر آ گئی تھی لیکن فکر اور تشویش سے اُس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ ناصر کے لئے رحم اور ہمدردی کے احساسات فطری طور پر پیدا ہو رہے تھے اُس کے حساب سے ناصر بالکل مظلوم تھا۔ وہ جب سے آئی تھی اُس کے لئے دُعائیں کر رہی تھی۔ ایک پل اُسے چین نہیں تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد باپ کو فون کر کے ناصر کی خیریت پتا کر رہی تھی۔ اُس نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا، جیسے بھوک ہی مری ہوئی تھی اور شاید ناصر کے ہوش میں آنے تک اُس کی حالت یہی رہنا تھی۔

☆......☆......☆

''دیکھو......! آج تم میرے ساتھ ڈِنر کرو گے۔''

علینہ فون پر عدیل سے کہہ رہی تھی۔ انداز میں محبوبانہ استحقاق تھا۔

''یار......! میری نئی نئی شادی ہے۔ میری معصوم بیوی کا کیا قصور ہے جو کھانے کی میز پر بڑے پیار سے میرا انتظار کرتی ہے......؟''

عدیل بھی ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں سننا۔ بائیس گھنٹے تمہارے پاس ہیں، اُنہیں جیسے چاہے استعمال کرو۔ میں جب کہوں گی، تمہیں دو گھنٹے میرے لئے نکالنا ہوں گے۔''

علینہ نے ضدی انداز میں کہا۔ لہجہ بھی خفا خفا تھا۔

''تھوڑی سی شادی پرانی ہونے دو یار......! چار گھنٹے بھی نکال لیا کروں گا۔''

''مجھے تمہاری نئی پرانی شادی سے کوئی سروکار نہیں۔ میں تمہاری دوست ہوں۔ مجھے میرے حصے کا وقت دو۔ پھر چاہے سارے کام چھوڑ کر اپنی بیگم کی سیوا کرتے رہو۔''

علینہ کے انداز میں اسی طرح ہٹ دھرمی اور ضد تھی۔

''یار......! آج رہنے دو، کل دیکھتے ہیں۔''

عدیل نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں آنے والی کل کو کوئی اہمیت نہیں دیتی۔ پتا نہیں ہماری زندگی میں کل ہے بھی یا نہیں......؟ آج میں رہتی ہوں، آج کو سوچتی ہوں، مجھے آج ڈِنر کرنا ہے اور تمہارے ساتھ کروں گی اور تمہارے ساتھ کرنا ہے۔''

علینہ نے غصے سے کہا اور فون بند کر دیا۔ عدیل کے نزدیک اُسی کی یہ معصومانہ اور بچگانہ ادا تھی۔ وہ بے اختیار ہنس پڑا تھا۔

''سِلی گرل......!''

اُس کے لہجے میں اپنائیت کا گہرا عکس تھا۔

☆......☆......☆

مریم کو شام سات بجے کے قریب اُس نے فون کر کے بتا دیا تھا کہ آج وہ ڈِنر پر اُس کے ساتھ نہیں ہوگا۔ وہ کھانا کھا لے اور اُس کا انتظار نہ کرے، اور حالات میں اس طرح کا فون آتا تو شاید مریم کو بڑی کوفت ہوتی، لیکن اس وقت عدیل کے فون سے اُسے احساس ہوا کہ وہ شدید ڈپریشن میں ہے اور دیر تک اکیلی رہنا چاہتی ہے۔ اُسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ذہن ایک لمحے کے لئے بھی ناصر کی طرف سے نہیں ہٹ رہا تھا۔ اُسے عدیل کے فون سے یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ کسی زنجیر میں بندھی ہوئی تھی اور ایک دم سے وہ زنجیر کھل گئی اس لئے کہ اگر عدیل آجاتا تو اُسے خود پر صبر کر کے اپنی کیفیت چھپا چھپا کر اُسے کمپنی دینا پڑتی۔ اُس سے کوئی ایسی غلطی بھی ہوسکتی تھی کہ عدیل کو کچھ بھنک پڑ جاتی اور اُسے سب کچھ بتانا ہی پڑتا تھا۔ اُس کے بعد عدیل کی اُس کے خاندان کے بارے میں جو رائے بھی بنتی، اُس کو بدلنا پھر آسان کام نہیں تھا۔ وہ تو بے گناہ تھی۔ اپنی بہن کے کئے کی وجہ سے اپنے شوہر کے سامنے کیوں مجرموں کی طرح رہتی......؟ اُس نے تو ابھی تک سر اُٹھا کر جینا سکھا تھا۔ احساسِ ذمہ داری کے ساتھ زندگی گزاری تھی۔ ہر قدم بہت احتیاط سے اُٹھایا تھا۔ تمام معاملات میں اپنی عزت اور وقار کا خاص خیال رکھا تھا، اور آج اُس کی اپنی سگی بہن کی وجہ سے ساری عمر کی محنت داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ اُس کی بالکل نئی نئی شادی تھی۔ وہ اپنے شوہر کے سامنے کسی قسم کی وضاحت کرنا اپنی توہین سمجھتی تھی کیونکہ وضاحتی بیان خود شک کی دُنیا تخلیق کرتا ہے۔ وہ بیڈ پر لیٹی دُعا مانگ رہی تھی کہ اللہ کرے عدیل آج بہت دیر سے گھر آئے اور جب آئے تو وہ سو چکی ہو۔ اس دُعا کے بعد اُس نے پھر اپنا موبائل اُٹھایا اور فیاض احمد کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ ایک اُمید سی اُس کے دل میں جاگ رہی تھی کہ شاید ناصر کو اب ہوش آ گیا ہو۔

☆......☆......☆

"انعم سے آج کوئی بات وات تو نہیں ہوئی تمہاری......؟"

حماد تھکے تھکے انداز میں فرح سے پوچھ رہا تھا۔

"اپنے کمرے میں ہی رہتی ہے سارا دن۔ ناشتہ، کھانا سب وہیں ہوتا ہے۔"

فرح نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ حماد کا کوٹ اُتار رہی تھی۔

"چلو، یہ بھی اچھا ہی ہے۔ تمہیں اُس سے بات کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔"

حماد نے ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے بے زار کن لہجے میں کہا۔ فرح وارڈروب کی طرف بڑھ رہی تھی، رُک گئی اور پلٹ کر حماد کی طرف دیکھا۔

"توبہ توبہ......! آج کل تو وہ اتنی بدتمیز ہو رہی ہے کہ اپنی عزت اپنے ہاتھ والا معاملا ہے، اور پھر مجھے ضرورت بھی کیا ہے......؟ اُس کی وجہ سے کون سے میرے کام رُک رہے ہیں......؟"

فرح نے یہ کہا اور آگے بڑھ کر وارڈروب کھولی اور کوٹ ہینگر کرنے لگی۔

"سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اس کو کیا ہو گیا ہے......؟ جب unmarried تھی، تب تو کچھ نہیں کیا۔ پتا نہیں کیا بھوت سوار ہو گیا......؟"

حماد نے گلے سے ٹائی اُتار کر بیڈ پر اُچھال دی۔
''اصل میں شادی سے پہلے لڑکی اتنی باہمت نہیں ہوتی۔ پانچ سال اپنی مرضی کی زندگی گزار کر من مانیاں کرنے کی عادت ہوگئی ہے اُسے۔ ناصر جیسا شریف بندہ اُسے مل گیا تھا جس نے اُسے مکمل آزادی دی ہوئی تھی اور اسی آزادی کا اُس نے ناجائز استعمال کیا۔''
فرح نے تو جیسے پورا تجزیاتی مقالہ ہی پڑھ دیا۔
''اچھا بس چھوڑو اس ٹاپک کو۔ بندہ باہر کے دھکے کھا کر اپنے گھر میں آتا ہے تو سوچتا ہے، دو گھڑی آرام کرے گا، مگر یہاں تو گھر میں بھی قیامت برپا ہے۔''
حماد کڑھ رہا تھا، بڑبڑا رہا تھا اور شرٹ کے بٹن کھولتا جا رہا تھا۔ فرح ترحم آمیز نظروں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

مریم کو نیند تو ویسے بھی نہیں آ رہی تھی اور اعصاب جتنے زیادہ تھک رہے تھے، رہ رہ کر انعم پر غصہ آ رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا اُسے فون پر بے بھاؤ کی سنائے، اعصاب کا بوجھ اُتارے اور بے خبر ہو کر سو جائے۔ اس ارادہ اور احساس میں اتنی قوت تھی کہ واقعی اُس نے انعم کا نمبر ڈائل کر ڈالا۔ حیرت انگیز طور پر انعم نے بڑی جلدی ریسیو کر لیا تھا، لیکن بڑے خراب موڈ میں ''ہیلو'' کہا تھا۔
''سو رہی ہو......؟''
مریم نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔
''اتنی رات ہوگئی ہے، سوؤں نہیں تو کیا دھمال ڈالوں......؟ خیر......! تم بتاؤ، تم نے مجھے اس وقت کیوں فون کیا......؟''
''تمہیں سکون کی نیند آ جاتی ہے......؟ اپنی بیٹی سے دُور ہو، سونے سے پہلے یاد نہیں آتی تمہیں......؟''
مریم بڑے تلخ لہجے میں اُس سے پوچھ رہی تھی۔
''تم نے مجھے اس لئے فون کیا ہے کہ میں اتنی ڈسٹرب ہو جاؤں کہ رات کو سو نہ سکوں۔''
انعم جیسے پھاڑ کھانے کو دوڑ رہی تھی۔
''تمہیں پتا ہے امی اور بابا اس وقت کہاں ہیں......؟''
مریم نے خفا خفا انداز میں اُس سے پوچھا۔
''ہاں......! پتا ہے، اُس stupid نے اپنی پوسٹنگ اسلام آباد کروالی ہے۔ سب سے چھپ کر وہاں بیٹھ گیا ہے۔ امی اور بابا اُس سے میری طلاق کی بات کرنے گئے ہیں۔''
انعم نے ایک ایک لفظ بہت چبا چبا کر بولا تھا جیسے اُسے بڑا فخر ہو کہ وہ کسی بات سے بے خبر نہیں ہے۔
''لیکن امی بابا جس سے بات کرنے گئے ہیں، وہ تو اپنے گھر میں ہی نہیں ہے۔''
''کیا مطلب......؟''
انعم کے لہجے میں تشویش اور حیرانی تھی۔

''ناصر ہسپتال میں ایڈمٹ ہے، اُسے اٹھارہ گھنٹے سے ہوش نہیں آیا۔ مگر تمہیں کیا فرق پڑتا ہے......؟ شاید تمہیں اس خبر سے خوشی ہوئی ہو کہ تمہاری جان چھوٹنے والی ہے۔ تمہاری تو بیہ سے بات ہی نہیں ہوئی غالباً، ورنہ تمہیں اپنی بیٹی سے ہی پتا چل جاتا۔''

مریم نے اپنا سارا زہر باہر نکال پھینکا تھا۔

''میں بیہ کو اپنا عادی نہیں بنانا چاہتی۔ جب میں اُس کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی تو اُس کے ذہن کو کیوں اُلجھاؤں...... چلو اچھا ہوا، امی اسلام آباد پہنچ گئی تھیں۔ کم از کم بیہ کا خیال تو رکھ رہی ہوں گی۔''

انعم نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

''ایک شیطان نے تمہیں کتنا بے حس بنا دیا ہے انعم......! مجھے تو سوچ کر شرم آتی ہے کہ تم میری سگی بہن ہو۔''

مریم کے لہجے میں ملامت بھی تھی اور گہرے دُکھ کی کاٹ بھی۔ اُس نے موبائل پاور ڈ آف کر دیا تھا۔ اب وہ ایسی خاموشی میں ڈوب جانا چاہتی تھی جسے دیر تک کوئی نہ توڑے۔

☆......☆......☆

عدیل آتے ہی شاور لینے واش روم میں چلا گیا تھا۔ مریم نے موقع غنیمت جان کر انعم کو فون کر دیا۔ اُس کا خیال تھا کہ عدیل شاور لینے کے بعد کمرے میں اُس کا انتظار کر رہا ہوگا، لیکن جب وہ لاؤنج سے کمرے میں آئی تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ عدیل کروٹ کے بل یعنی دروازے کی طرف سے پشت کیے ہوئے سو رہا تھا۔

''حیرت ہے، آج آتے ہی سو گئے۔''

اس نے سوچا اور شب خوابی کا لباس تبدیل کر کے باہر آئی تو نائٹ بلب بھی آف کر دیا۔ کمرے میں گہری تاریکی چھا گئی۔ اس وقت اُسے ہلکی سی روشنی بھی بہت چبھ رہی تھی اور اُسے یہ بھی پتا تھا کہ آج رات اُسے آسانی سے نیند نہیں آئے گی۔ پتا نہیں کیوں آج اندھیرا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ کے قریب پہنچی تو اُسی وقت عدیل کے موبائل پر رِنگ ہونے لگی۔ مریم اپنے دھیان سے چونک پڑی۔ سرہانے رکھے ہوئے موبائل پر علینہ کی تصویر ڈسپلے ہو رہی تھی۔ مریم نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اُٹھا لیا۔ عدیل کی نیند بھی غالباً ٹوٹ گئی تھی۔ اُس نے ہاتھ سے ٹٹول کر موبائل اُٹھانا چاہا اور جب موبائل ہاتھ نہ آیا تو اُس نے آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اتنی دیر میں مریم بیڈ پر بیٹھ چکی تھی اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے موبائل کو گھورے جا رہی تھی۔

''میرا موبائل تمہارے پاس ہے......؟''

عدیل اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ مریم اُس کی طرف سے پشت کیے ہوئے بیٹھی تھی۔ اُس نے زاویہ تبدیل کیے بغیر ہاتھ پیچھے کر کے موبائل عدیل کو پکڑا دیا۔ اس دوران رِنگ بند ہو چکی تھی، لیکن فوراً بعد ہی دوبارہ شروع ہو گئی تھی اور علینہ کی تصویر پر نظر پڑتے ہی عدیل نے لائن کاٹ دی۔

''کال کیوں ریسیو نہیں کر رہے......؟ پوچھیں تو سہی، آخر اُسے پرابلم کیا ہے......؟ اتنی رات کو اُسے کیوں آپ کی ضرورت پڑ گئی......؟''

مریم بے تاثر سپاٹ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ویسے ہی کرلیا ہوگا۔ اُسے میری ضرورت کیوں پڑے گی......؟ تم آرام سے سو جاؤ، ڈونٹ وری......!"

عدیل نے محتاط انداز میں بات کرتے ہوئے موبائل پاوٴر ڈ آف کردیا۔

"اتنی رات کو جب کسی شادی شدہ آدمی کے پاس کسی لڑکی کا فون آتا ہے تو اُس کی بیوی کیسے بے فکر ہو کر سوسکتی ہے......؟"

"تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ میری دوست ہے۔ اگر میں غلط قسم کا بندہ ہوتا تو تم سے شادی کیوں کرتا......؟ اِدھر اُدھر بیٹھ کر اپنا وقت پاس کرتا۔ ہوسکتا ہے اُسے کوئی نیا لطیفہ سننے کو ملا ہو اور اُس کے پیٹ میں درد ہورہا ہو۔ مجھے سنانا چاہتی ہو۔ تم نے تو دیکھا ہی ہے، کتنی لااُبالی ہے۔ بچوں والی حرکتیں کرتی ہے۔ اس لئے میں بھی feel easy کرتا ہوں۔ تم فضول میں کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اپنے سر میں درد مت کرو۔ میں اُسے کہہ دوں گا کہ رات کو فون مت کیا کرو، میری بیوی ڈسٹرب ہوتی ہے۔"

عدیل نے پیار بھرے لہجے میں کہتے ہوئے مریم کا بازو تھام لیا اور دباوٴ ڈالتے ہوئے اُسے بستر پر لٹا دیا۔

"زندگی بھر کا ساتھ ہے ہمارا، ایک دوسرے پر بھروسہ کریں گے تو زندگی سکون سے گزرے گی۔"

وہ ہنوز بہت پیار اور لگاوٹ سے مریم سے بات کررہا تھا۔ مریم کا اس پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ اُس کا شوہر اُس کے قریب تھا اور اُسے اپنی محبت کا یقین دلا رہا تھا۔ کسی بھی عورت کے بہلنے کے لئے یہ انداز بہت ہوتے ہیں۔ وہ سچ مچ پُرسکون ہوگئی تھی۔ اُسے عدیل کی بات پر یقین آگیا تھا۔

☆......☆......☆

"یہ انعم کتنے بجے تک سو کر اُٹھ جاتی ہے......؟"

حماد ناشتے کی ٹیبل پر فرح سے پوچھ رہا تھا۔

"وہ گیارہ بجے سے پہلے کبھی نہیں اُٹھتی۔"

فرح نے چائے بناتے ہوئے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"ہوں......!"

حماد نے سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ بس خیال رکھنا کہ وہ گھر سے باہر نہ جانے پائے۔ اگر بدتمیزی کرکے زبردستی باہر جائے تو فوراً مجھے فون پر بتا دینا۔"

"یا اللہ......! کیا عذاب ہے......؟"

فرح نے چائے کی پیالی حماد کے سامنے رکھتے ہوئے غصے سے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"اب سارے کام چھوڑ کر بس اُس کی چوکیداری کرتے رہو۔ مجھے تو لگ رہا ہے، اُس کے ساتھ کوئی نفسیاتی پرابلم ہوگئی ہے۔ اُسے کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھانا چاہیئے۔ دماغ میں خلل واقع ہو جائے تو عقل کی بات سمجھ نہیں آتی۔"

فرح پھر بڑبڑائی۔

"اچھا بس......! صبح صبح میرا ناشتہ زہر مت کرو۔ سب کوشش کررہے ہیں، کوئی حل تو نکلے گا۔"

حماد نے چڑچڑے پن سے فرح کو جھاڑ پلا رہی۔ فرح مصلحتاً خاموش ہوگئی، مگر اندر ہی اندر اُس کا خون کھول رہا تھا۔ آج انعم کی وجہ سے حماد اُسے جھاڑ پلا رہا تھا جبکہ وہ اتنی ذمہ دار اور خدمت گزار بیوی تھی جس نے آج تک حماد کو شکایت کا موقع ہی نہیں دیا تھا کہ وہ اُسے ڈانٹتا یا اُس پر تنقید کرتا۔ حماد کو بھی جیسے فرح سے اس لہجے میں بات کرنے پر افسوس سا ہوا تھا۔ اُس نے جلدی سے ماحول کا تاثر بدلنے کی نیت سے دوسری بات شروع کردی۔

''فرزین کی بہن تو ٹائم پر آ گئی تھی ناں......!''

''جی......!''

فرح نے سنجیدگی سے مختصراً جواب دیا۔ حماد نے نیپکن اُٹھا کر منہ پونچھا پھر ہاتھ صاف کئے اور چائے کا کپ اُٹھالیا۔

''تھوڑی دیر پہلے میری بابا سے بات ہوئی تھی۔ ناصر کو ابھی تک ہوش نہیں آیا۔ اُس کی بہن شہلا بھی آج دوپہر تک پہنچ رہی ہے۔ دُعا کرو کہ ناصر کی طبیعت سنبھل جائے۔ تم بھی امی کو فون کر کے خیر خیریت پتا کرلو۔''

حماد اب نارمل لہجے میں فرح سے بات کر رہا تھا یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ اُس سے ناراض نہیں ہے، بس ویسے ہی غصہ آ گیا تھا۔

''جی ٹھیک ہے......! میں کرلوں گی۔''

وہ چاہنے والی بیوی ہی کیا جس کو شوہر کے ہر انداز سے آشنائی ہی نہ ہو......؟ وہ سمجھ گئی تھی کہ حماد اب اُس کی دل جوئی کر رہا ہے۔ اُسے تو ویسے ہی آج کل اپنے شوہر سے بہت ہمدردی ہو رہی تھی جو ایک پہاڑ جیسا بوجھ اُٹھائے اپنے معمول کے کام انجام دے رہا تھا۔ حماد اُٹھ کھڑا ہوا۔ فرح نے کرسی کی بیک پر پڑا ہوا کوٹ اُٹھایا اور حماد کو پہنانے لگی۔

☆......☆......☆

عدیل اور مریم ناشتے کی ٹیبل پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ عدیل ٹوسٹ پر کریم لگا رہا تھا اور مریم اُس کے لئے چائے تیار کر رہی تھی۔ مریم کی خاموشی عدیل کو بہت محسوس ہو رہی تھی۔ مریم کا ذہن ناصر میں اٹکا ہوا تھا اور عدیل کے دل کا چور کہہ رہا تھا کہ شاید وہ رات کے واقعے کی وجہ سے ڈسٹرب ہے۔ ایک آئیڈیا اُسے فوراً سوجھا، جلدی سے مسکرا کر بولا۔

''ہاں مریم......! میں تمہیں بتانا بھول گیا، میں نے صبح صبح علینہ کو فون کر کے پوچھا تھا کہ وہ رات کو کیوں فون کر رہی تھی......؟ میں نے بہانہ بنایا کہ میرا فون vibration پر تھا، اس لئے میں نے صبح تمہاری مس کال دیکھی، تو اُس نے مجھے بتایا کہ رات وہاج کی بہت زیادہ طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ بس گھبراہٹ میں تمہیں فون کر ڈالا۔''

''علینہ کا تو اپنا بھائی بہت قریب رہتا ہے، اُسے وہاں فون کرنا چاہئے تھا۔''

مریم نے ذرا اُلجھے ہوئے انداز میں عدیل کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہاں......! وہ ہے ناں بے وقوف، جب تک مجھے تنگ نہ کرے، اُسے چین نہیں آتا۔ Obviously اُس نے بھائی کو تو فون کیا ہی ہوگا۔ تمہیں اُس کی وجہ سے ڈسٹرب ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر تمہیں علینہ سے میری دوستی پر اعتراض ہوگا تو میں دوستی ختم کر دوں گا۔ اُس کی اہمیت میری بیوی سے زیادہ تو نہیں ہو سکتی۔''

چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق وہ وضاحت پر وضاحت کئے جا رہا تھا۔ اُس کے فرشتوں کو خبر نہیں تھی کہ مریم اس وقت

کس قیامت سے گزر رہی ہے......؟ناصر کا ابھی تک ہوش میں نہ آنا بہت بڑی خطرے کی گھنٹی تھی۔

''It's OK میں نے یقین کرلیا آپ کی بات کا۔بس ویسے ہی شاید نیند پوری نہیں ہوئی،اس وجہ سے طبیعت تھوڑی dull ہورہی ہے۔آپ فکر نہ کریں،آرام سے آفس جائیں۔''

مریم زبردستی مسکرائی۔وہ تو ایک ایک پل گن رہی تھی کہ عدیل آفس جائے اور وہ بابا کو فون کر کے ناصر کی خیریت پتا کرے۔

''ہاں......!یہ تو مریم......!تم سے پوچھنا ہی بھول گیا کہ سلمٰی آنٹی اور فیاض انکل اچانک اسلام آباد کیوں چلے گئے......؟''

عدیل نے چائے کا گھونٹ لینے کے بعد پوچھا۔

''آپ کو کس نے بتایا......؟''

مریم اپنے دھیان سے چونک پڑی۔

''کیا ہوگیا ہے مریم......!تمہیں......؟میں نے جب آفس سے کل تمہیں فون کیا تھا تو تم ہی نے تو بتایا تھا کہ امی اور بابا اسلام آباد جارہے ہیں،اس لئے میں لیٹ نکلوں گی۔''

عدیل اب حیرت سے مریم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اوہ ہاں......!سوری......!ناصر کی طبیعت کچھ خراب ہوگئی ہے۔بس امی بابا اُنہیں دیکھنے گئے ہیں......''

''لیکن ناصر تو کراچی میں رہتا ہے۔''

عدیل نے مریم کی بات کاٹ دی تھی اور بڑی حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں......!وہ میں آپ کو بتانا بھول گئی تھی کہ ناصر کی پوسٹنگ اسلام آباد ہوچکی ہے۔''

مریم نے مسکرا کر جلدی سے بات بنائی۔

''اچھا......!جاتے ہوئے مل کر بھی نہیں گیا۔''

عدیل نے ٹشو پیپر نکالتے ہوئے پھر حیرانی سے پوچھا۔

''ہاں !انہیں بڑی ایمرجنسی میں جانا پڑا۔ہوگا کوئی آفیشل مسئلہ۔''

مریم نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا ناصر کی زیادہ طبیعت خراب ہے جو امی بابا ایک دم اچانک چلے گئے......؟''

عدیل نے ٹشو پیپر سے ہاتھ رگڑتے ہوئے پوچھا اور کھڑا ہوگیا۔

''ہاں شاید......!ابھی مجھے بھی ٹھیک سے نہیں پتا۔اُنہیں بہت ہائی ٹمپریچر ہے جو کسی طرح سے بھی کم نہیں ہورہا۔ٹیسٹ وغیرہ ہورہے ہیں۔رپورٹس آئیں گی تو پتا چلے گا۔''

مریم نظریں جھکائے آہستہ آواز میں جواب دے رہی تھی۔

''اوہ......!اللہ اُسے صحت دے۔انعم تو بہت پریشان ہوگی۔''

عدیل آگے بڑھتے ہوئے بولا اور مریم بھی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''جی جی......! ظاہر سی بات ہے۔''

مریم زبردستی مسکرائی۔

''تمہاری انعم سے بات ہو تو میری طرف سے بھی پوچھ لینا۔ میرے پاس اُس کا نمبر نہیں ہے۔ یا پھر مجھے اس کا نمبر Sent کر دینا، میں خود بھی اُسے فون کر کے ناصر کی خیریت معلوم کرلوں گا۔''

مریم نے گھبرا کر اُس کی طرف دیکھا اور فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

''جی ٹھیک ہے......! Sent کر دوں گی۔''

عدیل آگے بڑھ رہا تھا اور مریم اُس کے پیچھے چلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ کوئی بات عدیل سے کب تک چھپی رہ سکتی ہے......؟ جبکہ رشتہ بھی اتنا قریب کا ہے۔

☆......☆......☆

''ناصر کو ہوش آ گیا ہے سلمٰی......!''

فیاض احمد بہت خوش ہو کر فون پر سلمٰی کو بتا رہے تھے۔

''یا اللہ......! تیرا شکر ہے۔ میں بھی بس آدھے گھنٹے میں پہنچ رہی ہوں۔''

سلمٰی بیگم خوشی کی جذباتی کیفیت میں بے قرار ہو کر اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے بولیں۔

''آپ کی بات ہوئی ناصر سے......؟ کیا کہہ رہا ہے......؟ کیسا محسوس کر رہا ہے......؟''

وہ بے تابی سے پوچھ رہی تھیں۔

''ابھی میری اُس سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر نے ابھی دو منٹ پہلے مجھے بتایا ہے کہ ناصر اب ہوش میں ہے، لیکن فی الحال بات نہیں کر پا رہا۔''

''ہائے اللہ......! کیا ہوا ہے اُسے......؟ بات کیوں نہیں کر پا رہا......؟''

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

فیاض احمد نے سلمٰی کی بات کاٹ دی۔ پھر مزید گویا ہوئے۔

''اللہ کا شکر ہے کہ ہوش آ گیا ہے۔ انشاءاللہ بات بھی کرنے لگے گا۔''

''ٹھیک ہے......! تو بس میں پھر پہنچ رہی ہوں۔ آپ رات بھر جاگتے رہے ہیں، گھر آ کر آرام کر لیں۔ ایک دو گھنٹے تک شہلا بھی آ جائے گی۔''

سلمٰی بیگم بولیں۔

''ٹھیک ہے......! پھر تم آ جاؤ۔''

فیاض احمد نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

وہاج ڈریسنگ ٹیبل کے پاس کھڑا ٹائی کی ناٹ بنا رہا تھا۔علینہ ایک میگزین ہاتھ میں لئے بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی۔

''کیا ارادے ہیں......؟ آج کیا بیڈ چھوڑنے کا ارادہ نہیں ہے......؟''

وہاج،علینہ کو آئینے میں دیکھتے ہوئے بڑے پیار سے پوچھ رہا تھا۔علینہ نے میگزین ایک طرف ڈال دیا اور ایک زور سے انگڑائی لی،پھر بیٹھ گئی۔

''تم تیار ہو رہے ہو اور میں تمہیں دیکھ رہی ہوں۔''

وہ بڑی ادا سے مسکرائی۔

''مگر میری تیاری میں آخری ٹچ تو تم دیتی ہو۔''

وہاج آئینے کے سامنے سے ہٹتے ہوئے بولا۔علینہ یہ سنتے ہی اُچھل کر بیڈ سے اُتر گئی اور آگے بڑھ کر صوفے کی بیک پر پڑا ہوا وہاج کا کوٹ اُٹھا لیا۔وہاج اتنی دیر میں بالکل اُس کے قریب آ چکا تھا۔علینہ اُسے کوٹ پہنانے لگی۔

''تم اس سوٹ میں بہت شاندار نظر آتے ہو Like a Prince''

اُس کی نظروں میں ستائش تھی۔وہاج شریر انداز میں مسکرایا اور علینہ کے چہرے پر نظریں جما کر بولا۔

''کتنے پیسے چاہئیں......؟''

''جانی......!میں تمہاری بیوی ہوں،خوشامد کر کے پیسے نہیں لوں گی۔مجھ پر خرچ کرنا تمہارا فرض ہے۔بقول تمہارے تم تو کماتے ہی میرے لئے ہو۔''

وہ بڑے پیار سے وہاج کا کوٹ سیٹ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اس میں کیا شک ہے ......؟اتنا پیار کرنے والی بیوی پر تو جان بھی قربان ہے۔''

''تو پھر قربان کر دو......!''

علینہ آگے بڑھی اور کوٹ برش اُٹھاتے ہوئے چھیڑ چھاڑ کے انداز میں بولی۔

''لاؤ میرا ریوالور،ابھی جان دیتا ہوں۔تم بھی کیا یاد کرو گی۔کس چاہنے والے سے پالا پڑا تھا۔''

وہاج نے شریر انداز میں اپنا دایاں ہاتھ پھیلا کر کہا۔علینہ اب اُس کے کوٹ پر بُرش پھیرنے لگی تھی۔ایک دم وہاج کے سینے سے لگ گئی۔

''ہائے......!میں خود ہی نہ مر جاؤں۔تمہارے بغیر تو میں جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔''

وہاج نے علینہ کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے کر زور سے دبایا۔

''میں جانتا ہوں،میں بہت لکی ہوں۔''

علینہ نے چہرہ اُٹھا کر وہاج کی طرف دیکھا اور بڑی ادا سے اِترا کر بولی۔

''No Doubt''

وہاج نے اپنے بازوؤں کا حلقہ ڈھیلا کر دیا اور بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"کل ہی ایک زمین کا سودا ہوا ہے۔ بڑی آئیڈیل لوکیشن ہے۔ میں سوچ رہا ہوں تمہارے نام سے وہاں ایک کوٹھی بناؤں۔ اس گھر میں تو تین حصے دار ہیں۔ تمہارا اپنا بھی گھر ہونا چاہئے۔ تم خود کو Secure feel کرو گی۔ مجھے کچھ ہو جاتا ہے تو کم از کم......"

علینہ فوراً وہاج کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیتی ہے۔

"No More......یہی باتیں رہ گئی ہیں کرنے کے لئے......؟ میری پراپرٹی تو تم ہو۔ آئندہ ایسی باتیں نہیں کرنا۔"

علینہ نے پیار بھری خفگی سے وہاج کو ٹوکا۔ اُس کی اس بے ساختہ ادا پر وہاج ہنس پڑا تھا اور آگے بڑھ کر بریف کیس اُٹھاتے ہوئے بولا۔

"او کے میری جان......! باقی باتیں رات کو۔"

وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر جانے لگا۔ علینہ اُس کے پیچھے چل رہی تھی، معمول کے مطابق اُسے کار تک خدا حافظ کہنے جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم اور فیاض احمد شیشے سے اپنا اپنا چہرہ لگائے آئی سی یو کا منظر دیکھ رہے تھے۔ دونوں کے چہروں پر تشویش اور فکر کا گہرا تاثر تھا۔ ناصر نے نرس کا بازو پکڑا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔

"میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔"

وہ نرس کو گھورتے بولا۔

"انعم......! میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔"

"ناصر صاحب......! پلیز، ہوش میں آئیں، خود کو سنبھالیں۔"

نرس گھبرا کر اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جتنی زیادہ قوت وہ بازو چھڑانے کے لئے استعمال کر رہی تھی، اُس سے دس گناہ زیادہ قوت سے ناصر نے اُس کا بازو دبوچا ہوا تھا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا، اور ہاں......! تمہیں پہلا پتھر میں ماروں گا۔ ہٹو ایک طرف، راستہ دو مجھے۔ میں کہہ رہا ہوں، ہٹ جاؤ۔"

پھر پوری قوت سے دھاڑتا ہے۔

"ہٹ جاؤ......! مجھے راستہ دو۔"

وہ بستر سے اُتر جاتا ہے اور اِدھر اُدھر پاگلوں کی طرح چکرانے لگتا ہے۔ اس سے قبل کہ نرس کچھ کرتی، ناصر نے دونوں ہاتھوں سے دوائیوں کی ساری بوتلیں زمین پر دے ماری تھیں۔ سلمٰی بیگم اور فیاض احمد نے بڑی فکر مندی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

☆......☆......☆

عدیل ایک فائل کھولے بڑی گہری سوچ میں تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اُلجھن سلجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔ اُس کے

موبائل پر رِنگ ہوئی اور وہ ایک دم چونک پڑا۔اس نے موبائل اُٹھائے بغیر موبائل کی طرف دیکھا۔ ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔سامنے علینہ مسکرا رہی تھی۔اُس نے موبائل اُٹھایا اور کال اٹینڈ کی۔

''ہیلو......!مائی گاڈ......!میں تمہیں رِنگ کرنے ہی والا تھا۔''

اُس کے لہجے میں بڑی تازگی تھی۔اُس کی بوریت ایک دم دُور ہوگئی تھی۔

''بہت یاد آ رہی ہوں......؟''

''یاد کس وقت نہیں آتی......؟لیکن رات کو تو تم نے مجھے مروا ہی دیا تھا۔''

عدیل ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ہیں......؟کیا ہوا......؟کوئی مسئلہ ہوگیا کیا......؟''

علینہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

''مسئلہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔یار......!اس دوستی کو لے کر چلنا ہے تو احتیاط کرو۔''

عدیل اب ذرا سنجیدگی سے بات کرنے لگا۔

''تم تو ابھی سے ڈرنے لگے۔سچ مچ شوہر بن گئے۔''

''صرف میرا نہیں تمہارا بھی تماشہ بن سکتا ہے۔''

عدیل سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''یار......!لیٹ آورز کی فون کالز تو ویسے بھی شک پیدا کرتی ہیں۔بیویاں برداشت نہیں کرتیں۔''

''کیا اُسے پتا چل گیا......؟''

علینہ اب فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں......!بہت Innocent ہے۔میں نے پٹا لیا۔لیکن بار بار نہیں پٹے گی۔معصوم ہے،بے وقوف نہیں ہے۔مجھے چانس ملے گا تو میں خود کرلیا کروں گا۔احتیاط اچھی چیز ہے،میرے لئے بھی تمہارے لئے بھی۔''

''اوکے ڈیئر......!''

علینہ نے اب کھل کر سانس لیا۔

''لیکن تمہیں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔تم میری دوست ہو،جس سے میں سب کچھ شیئر کرتا چلا آ رہا ہوں۔بیوی تو ابھی آئی ہے میری زندگی میں۔تم سے دوستی مجھے بہت عزیز ہے۔جب تک تم سے بات نہ کرلوں،کسی کام میں دل نہیں لگتا۔''

عدیل،علینہ کو پُرسکون کر رہا تھا اور علینہ بھی پُرسکون ہوگئی تھی۔

☆......☆......☆

''قیامت ہی آگئی آنٹی......!کم از کم آپ کو مجھ سے نہیں چھپانا چاہئے تھا۔''

ناصر کی بہن شہلا صدمے سے نڈھال نظر آ رہی تھی۔اُس کے لہجے میں بڑا گلہ تھا۔

''یہ چھپنے والی بات نہیں ہے شہلا......! تم ناصر کی سگی بہن ہو۔ تم سے کوئی بات کب تک چھپی رہ سکتی ہے......؟ میں نے تو اس خیال سے تمہیں نہیں بتایا کہ دُور بیٹھا ہوا شخص بُری خبر سن کر زیادہ پریشان ہو جاتا ہے۔''

سلمٰی بیگم، شہلا کو سمجھا رہی تھی۔

''بس بیٹا......! تمہاری بھلائی سوچ کر ہی تمہیں نہیں بتایا۔''

فیاض احمد نے بھی کہا۔

''اب کیا بھلا ہوگا ہمارا......؟ بھائی کا گھر تو اُجڑ گیا۔''

بولتے بولتے شہلا کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

''یہ تو تم بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ انعم اور ناصر کا مزاج بالکل ایک دوسرے سے مختلف تھا......''

سلمٰی بیگم نے شہلا کو سمجھانے کی کوشش کی مگر شہلا نے فوراً بات کاٹ کر کہا۔

''یہ میں جانتی ہوں آنٹی......! لیکن ایسا بھی کچھ نہیں تھا کہ اتنے بڑے بڑے فیصلے ہو جاتے۔''

شہلا کی بات سن کر سلمٰی اور فیاض لاجواب سے ہو کر ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گئے تھے۔

''انعم ہے کہاں......؟ میں اُس سے مل کر بات کرنا چاہتی ہوں۔ اُس نے میرے بھائی کو آخر اتنا بڑا دُکھ کیوں دیا......؟''

شہلا نے بڑے جذباتی انداز میں کہا تھا۔

''ناصر کی تو ایسی حالت ہے کہ میں اُس سے کچھ پوچھ ہی نہیں سکتی۔''

شہلا کے لہجے میں اب دِلی اذیت نمایاں تھی۔

''انعم تو کراچی میں ہے بیٹا......! ہمیں تو کچھ پتا ہی نہیں تھا۔ ناصر نے بڑی خاموشی سے اسلام آباد پوسٹنگ کروالی تھی۔ ہم دونوں تو ناصر سے بات کرنے آئے تھے۔ یہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ناصر ہسپتال میں ایڈمٹ ہے۔ ہم تو سوچ رہے تھے، یہ بھی اچھا ہو گیا کہ ہم آ گئے۔ اِدھر تو بیا اکیلی تھی۔ ٹھیک ہے، اُس کی آیا بہت اچھی ہے، لیکن ماں باپ دونوں ہی منظر سے غائب تھے۔ بچی پریشان ہو جاتی۔''

فیاض احمد پُروقار اور سنجیدہ انداز میں بولے۔

''کمال ہو گیا......! معصوم بچی کو چھوڑ کر وہ کتنے سکون سے بیٹھی ہے۔''

شہلا بڑی حیرانی سے خودکلامی کر رہی تھی۔

''میرے بچے تو سمجھدار ہیں۔ اُنہیں چھوڑ کر آ گئی ہوں، مگر ذہن وہیں لگا ہوا ہے۔ اگر اُن کی schooling کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں اُنہیں ساتھ لے کر آتی۔ یہ کیسی ماں ہے......؟ اچھی بیوی نہیں بن سکی تھی تو کم از کم اچھی ماں ہی بن جاتی۔''

شہلا ہسپتال میں اپنے بھائی کی حالت دیکھ کر آئی تھی۔ وہ ایک طرح سے اپنے حواس کھو چکی تھی۔ کسی مصلحت کی اس وقت کوئی حیثیت نہیں تھی۔ جو اُس کا دل چاہ رہا تھا وہ بول رہی تھی۔ سلمٰی بیگم اور فیاض احمد مجرموں کی طرح سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ ان کا یہ جرم کیا کم تھا کہ انعم اُن کی اولاد تھی......؟

☆......☆......☆

ناصر نے چیخ چیخ کر پورا ہسپتال سر پر اُٹھایا ہوا تھا۔ نرسیں، ڈاکٹر اُسے قابو کرنے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے تھے۔ مگر وہ بپھری ہوئی لہر کی طرح اختیار سے باہر ہو رہا تھا۔ پورے کمرے میں اُس نے دیوانہ وار توڑ پھوڑ کی تھی۔ وہ چیخ چیخ کر مسلسل کہہ رہا تھا۔

''بازار کی عورت کو بازار میں بٹھاؤ......!''

''بازار کی عورت کو بازار میں بٹھاؤ......!''

پھر ایک دم پینترا بدل کے کہتا ہے۔

''نہیں نہیں......! اُسے بازار میں نہیں بٹھاؤ، اُسے گڑھا کھود کر اُس میں کھڑا کرو اور اتنے پتھر مارو کہ وہ مر جائے۔''

نرس اور وارڈ بوائے اُسے پکڑنے کے لئے آگے بڑھے تو وہ پھر ایک دم بھاگ کھڑا ہوا۔

''ہٹو......! بچو......! چیتا شہر میں آ گیا ہے۔ پھاڑ کھائے گا، اسے گولی مارو......!''

اُس نے پھر کمرے میں بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ تین چار وارڈ بوائے مزید کمرے میں آئے۔ پہلے سے کھڑے ہوئے وارڈ بوائے اُنہیں دیکھ کر ناصر کی طرف لپکے اور سب نے مل کر ناصر کو دبوچ لیا۔ لیڈی ڈاکٹر نے نرس کی طرف دیکھا اور اشارے سے کہا۔

''انجکشن لگا دو......!''

پھر اپنے ساتھ کھڑے ہوئے سینئر ڈاکٹر سے بولیں۔

''سر......! یہ کیس تو بہت سیریس ہو گیا ہے۔ patient خود کو بہت بڑا نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے......؟ اب انہیں زنجیروں سے باندھنا ضروری نہیں ہو گیا ہے......؟''

''فی الحال تو یہ پانچ چھ گھنٹوں کے لئے پُرسکون ہو گئے ہیں۔ اب جو کچھ بھی کرنا ہے، اس کا فیصلہ تو بورڈ نے ہی کرنا ہے۔''

ڈاکٹر نے ایک نظر ناصر پر ڈالی اور کمرے سے باہر جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے۔ لیڈی ڈاکٹر اُن کے پیچھے چل رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر گہری تشویش کی لکیریں کھنچی ہوئی تھی۔ وارڈ بوائے ناصر کو بیڈ پر لٹا رہے تھے۔

☆......☆......☆

شہلا ہسپتال سے آنے کے بعد بُری طرح روئے جا رہی تھی۔ سلمیٰ بیگم نے اُسے اپنے گلے سے لگایا ہوا تھا۔ وہ اُسے تسلی دے رہی تھیں مگر ان کی اپنی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ فیاض احمد فاصلے پر بیٹھے ہوئے ایک انجانے سے احساسِ جرم سے نڈھال نظر آ رہے تھے۔ اُن کے پاس وہ الفاظ ہی نہیں تھے جو شہلا کے دُکھ کو ذرا برابر بھی کم کر سکتے۔

''آنٹی......! میرا بھائی تو کھو گیا۔ میں تو عمر بھر اب بھائی کو ڈھونڈتی رہوں گی۔''

وہ زار و قطار روتے ہوئے بول رہی تھی۔

''اللہ نہ کرے بیٹا......! انشاء اللہ تعالیٰ، وہ علاج سے ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ زندگی کی طرف ضرور لوٹے گا۔ اُس کی ایک معصوم بیٹی ہے جس میں اُس کی جان اٹکی ہوئی ہے۔ وہ اپنی بیٹی کی خاطر خود کو سنبھال لے گا۔''

سلمیٰ بیگم پیار سے شہلا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دلاسہ دے رہی تھیں۔

''انعم نے ناصر کے ساتھ ایسا کیوں کیا آنٹی......؟ اتنا نیک، اتنا شریف، اتنا سادہ ہے میرا بھائی۔ وہ اس کے ساتھ نبھاہ نہیں کر سکی۔ آپ کو بُرا لگے گا، لیکن میں اس کو ہر وقت بد دعا دوں گی۔ میرا ایک ہی بھائی ہے اور اُس نے اس کا یہ حال کر دیا۔''

شہلا پر سلمیٰ کے الفاظ کا کوئی اثر نہیں تھا۔ شدید دُکھ نے اُس کو دیوانہ کر دیا تھا۔ سلمیٰ بیگم کے دل پر ایک چوٹ سی پڑی۔ اولاد آخر اولاد ہوتی ہے۔ کس ماں سے یہ برداشت ہو سکتا ہے کہ کوئی اُس کی اولاد کو بد دعائیں دے......؟ فیاض احمد اپنی جگہ پر غم سے پتھر ہو گئے۔ پھر بمشکل گویا ہوئے۔

''بیٹا......! خدانخواستہ ابھی طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔ ہم پوری کوشش کر رہے ہیں کہ بگڑی ہوئی بات بن جائے، کیونکہ ایک معصوم بچی کے مستقبل کا بھی سوال ہے۔''

''انکل......! بات کیسے بنے گی......؟ اُس نے تو پتا نہیں ناصر کے ساتھ کیا کیا ہے کہ وہ تو اپنے حواس ہی کھو بیٹھا ہے......؟ اور آپ دونوں کو تو لازمی پتا ہو گا کہ انعم نے میرے بھائی کے ساتھ کیا کیا ہے......؟ آپ نہیں بتا رہے، یہ دوسری بات ہے۔''

شہلا نے اب خود کو قدرے سنبھال لیا تھا اور آنسو پونچھتے ہوئے خفا خفا انداز میں کہہ رہی تھی۔ سلمیٰ بیگم اور فیاض احمد پھر اپنی جگہ چپ سے ہو کر رہ گئے۔ بات اتنی بھاری تھی کہ گویا زبان اس کا بوجھ اُٹھانے سے قاصر تھی۔ اپنی بیٹی کے کارنامے کیوں کر بیان کرتے......؟ اب خاموشی ہی اُن کی پناہ تھی۔

☆......☆......☆

علینہ اپنے بیڈ روم میں نیل فائل لئے ناخنوں کی shape بنا رہی تھی اور وہاج بیڈ پر بیٹھا ہوا لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا۔ اُس کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ بہت ضروری کام کر رہا ہے۔ علینہ اپنا کام کرنے کے دوران کئی بار اُس کی طرف دیکھ چکی تھی اس انداز سے جیسے وہ وہاج سے کوئی بات کرنا چاہتی ہے۔ مگر انہماک آڑے آ رہا تھا۔ پھر جیسے صبر کی حد ہو گئی، وہ بے اختیار بول پڑی۔

''جانی......! سردیاں آنے والی ہیں۔ میرے پاس ڈھنگ کے کپڑے ہی نہیں ہیں۔ جو پچھلے سال خریدے تھے، وہ سب آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکے ہیں I need a new ''

''وارڈروب تو نئے خرید لو......!''

وہاج اس کی طرف دیکھے بغیر لیپ ٹاپ پر اُنگلیاں چلاتے ہوئے مصروف انداز میں بولا۔

''سردیوں کی شاپنگ کا مزہ تو لندن میں آتا ہے۔ پندرہ دن کے لئے لندن چلی جاؤں......؟''

وہ ذرا اٹھلا کر بولی۔ وہاج اب چونک کر اُس کی طرف دیکھتا ہے، پھر دوبارہ لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظریں جما کر مسکرا کر بولا۔

''پندرہ دن کے لئے......؟ کتنے سال کے کپڑے خریدو گی......؟''

''تو کیا کپڑے خرید کر اُلٹے پاؤں واپس آ جاؤں......؟ تھوڑی آؤٹنگ بھی تو کروں گی ناں......! آخر ٹکٹ کے پیسے بھی

تو وصول کرنا ہیں۔"

وہاج اُس کی بات پر بے اختیار ہنس پڑا۔علینہ کی یہی معصومانہ ادائیں تو اُسے پاگل بنائے ہوئے تھیں۔

"اکیلی آؤٹنگ کروگی......؟ میرے بغیر تمہیں آؤٹنگ میں مزہ آئے گا کیا......؟"

اب اِس نے ایک نظر علینہ پر ڈال کر پوچھا۔

"جانی......!تم تو بس نوٹ چھاپنے کی مشین بنے ہوئے ہو۔مجھے تو لائف اِنجوائے کرنے دو۔"

علینہ نے پھر بڑی ادا سے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"لائف تو لائف پارٹنر کے ساتھ اِنجوائے کی جاتی ہے ڈارلنگ......!"

وہ لیپ ٹاپ پر اُنگلیاں چلاتے ہوئے ہنس رہا تھا۔علینہ نے وہاج کی طرف دیکھا اور معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"میں لندن میں اکیلی کہاں ہوں گی......؟ میرا پارٹنر ہر وقت میرے ساتھ ہوگا۔"

وہاج حیرت سے چونک کر علینہ کی طرف دیکھتا ہے۔

"پارٹنر......؟ میں سمجھا نہیں، کس کی بات کررہی ہو......؟"

"اوہو......! اتنا بھی نہیں سمجھتے......؟ جب تم میرے ساتھ نہیں ہوتے ہو، تمہارا تصور تو میرے ساتھ ہوتا ہے۔"

وہ ایک چاہنے والی بیوی کا کردار بڑی خوبی سے ادا کررہی تھی۔وہاج تو جیسے اُس کی اس ادا پر مرمٹا۔

"Oh! Funny"

وہاج ہنس رہا تھا اور علینہ اپنی کامیابی کے تصور سے نہال ہورہی تھی۔

☆......☆......☆

"ارے بھابی......! آپ خیریت سے ہیں ناں......؟"

مریم کچن سے باہر آئی تو سامنے فرح کو پاکر حیران ہوگئی۔فرح کے ساتھ اُس کی پانچ سال کی بیٹی فرزین بھی تھی۔

"تم تو ایسے حیران ہورہی ہو جیسے تمہیں اُمید ہی نہیں تھی، میں کبھی تمہارے گھر بھی آؤں گی۔"

فرح، مریم کی حیرانی دیکھ کر مسکرا پڑی۔

"ارے......! یہ تو میری فری بھی آئی ہے۔"

مریم نے آگے بڑھ کر فرزین کو اپنے ساتھ لگالیا۔پھر فرح کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"آپ کے آنے پر حیرت نہیں ہے بھابی......! بلکہ حیرت کی وجہ یہ ہے کہ آپ اتنی رات کو فرزین کے ساتھ آئی ہیں۔ حماد بھائی بھی ساتھ نہیں ہیں۔"

مریم نے اپنی حیرانی کی وجہ بتائی۔

"اصل میں، میں امی کی طرف گئی تھی مریم......! دل بہت گھبرا رہا تھا۔سوچا ماں سے مل کر کچھ سکون ملے گا۔تمہارا گھر راستے میں پڑتا ہے بس، یوں ہی تم سے ملنے چلی آئی۔"

فرح نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”بھابی......!انعم تو گھر پر ہی ہے ناں......؟“
مریم نے ذرا ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔
”ہاں......!چھوڑ کر تو گھر پر ہی آئی تھی۔“
فرح کے لہجے میں لاشعوری طور پر تلخی اُتر آئی تھی۔
”ویسے اُسے پتا ہے ناں کہ امی بابا اسلام آباد گئے ہیں......؟“
اُس نے فرح کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے پوچھا اور ہاتھ بڑھا کر فرزین کو اپنی گود میں بٹھالیا۔
”ظاہری بات ہے۔“
فرح کا انداز یوں تھا جیسے مریم نے کوئی بچگانہ سوال کیا ہو۔
”اُسی نے ہی مجبور کیا تھا امی بابا کو کہ وہ جا کر ناصر سے بات کریں۔“
فرح اپنے لب لہجے کو کنٹرول میں کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔
”ناصر اب بات کرنے کے قابل کہاں......؟“
مریم کے لہجے میں گہرے دُکھ کی تپش تھی۔
”ٹھیک کہہ رہی ہو۔امی نے جب مجھے ناصر کی حالت کا بتایا تو مجھے سچ مچ بہت دُکھ ہوا۔ایک چھوٹی سی بچی ہے۔ماں کو تو اُس کی پرواہ نہیں اور پیار کرنے والا باپ اپنے ہوش میں نہیں رہا۔“
فرح بڑے دُکھ سے کہہ رہی تھی۔
”پتا نہیں یہ ایک دم سے انعم کو کیا ہوگیا ہے......؟نہ جانے اُس شخص نے کیا پڑھ کے پھونکا ہے کہ اُس کی عقل نے کام کرنا ہی چھوڑ دیا ہے......؟“
مریم نے بڑے تاسف سے کہا ساتھ ہی اُسے گود میں بیٹھی ہوئی فرزین کا خیال آیا۔اُس نے فرزین کا گال چوما اور بولی۔
”اور ہم اپنی باتیں کیے جا رہے ہیں،فرزین بور ہو رہی ہے۔“
اُس نے اپنے ملازم نورانی کو آواز دی۔
”نورانی......!“
نورانی فوراً ہی حاضر ہوگیا۔
”جی بیگم صاحب......!“
”فرزین کے لئے بہت ساری آئس کریم لے کر آؤ۔“
پھر فرح سے بولی۔
”بھابی......!آپ بھی آئس کریم کھائیں گی یا آپ کے لئے چائے یا پھر کافی منگواؤں......؟ویسے تو کھانا بھی تیار ہے، بس میں عدیل کا انتظار کر رہی تھی۔“

مریم نے کہا۔

''ارے......!عدیل ابھی تک نہیں آیا آفس سے......؟ کیا روزانہ اتنا لیٹ ہو جاتا ہے یا پھر آج ہی نہیں آیا......؟''

فرح کو جیسے حیرت سی ہوئی تھی اور اُس نے بے اختیار وال کلاک کی طرف دیکھا تھا۔رات کے دس بجنے والے تھے۔

''نہیں......! روزانہ اتنا لیٹ تو نہیں ہوتے۔بس کسی کسی دن لیٹ ہو جاتے ہیں۔اگر آپ کہیں تو میں کھانا لگوا دیتی ہوں۔''

''نہیں نہیں......! کھانا تو میں نہیں کھاؤں گی۔کھنا تو میں نے امی کے ہاں ہی کھالیا تھا۔بس میں بھی فرزین کے ساتھ آئس کریم کھالوں گی۔چائے،کافی تو میں رات کو ویسے ہی نہیں پیتی۔''

فرح نے جواب دیا۔

''او کے......!ٹھیک ہے نورانی......!بس تم آئس کریم لے آؤ۔''

''میرا خیال ہے،فرزین ہماری باتوں سے بور ہو رہی ہے۔میں ٹی وی آن کر دیتی ہوں۔''

مریم نے فرزین کو گود سے اُتارا اور کھڑی ہوگئی۔پھر فرزین سے پوچھنے لگی۔

''کون سا چینل لگاؤں CN یا Pogo''

فرزین کے چہرے پر ایک دم سے رونق سی آ گئی۔یوں لگا بڑوں کی نا سمجھ میں آنے والی افسردہ باتوں نے واقعی اُسے بور کر دیا تھا،مسکرا کر مریم سے بولی۔

''پھپھو......!CN لگا ئیں۔''

"It's my favourite channel"

مریم ہنس پڑی۔

''او کے......!''

مریم ٹی وی آن کر کے واپس آ کر فرح کے قریب بیٹھ گئی۔اسی دوران نورانی آئس کریم اور باؤل ٹرے میں رکھے آ گیا تھا۔اُس نے ٹرے مریم کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی۔مریم نے پہلے آئس کریم نکال کر فرزین کو دی،اس کے بعد فرح کو۔

''کیوں......؟ تم نہیں کھاؤ گی کیا......؟''

فرح نے مریم کو آرام سے بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں......! آئس کریم کھالوں گی تو پھر کھانا نہیں کھایا جائے گا۔بھوک ہی ختم ہو جائے گی۔عدیل اکیلے کھانا کھاتے نہیں ہیں۔میں کبھی ڈِنر کرنے سے منع کر دوں تو کہتے ہیں،مجھے ایک کپ دودھ دے دو۔مجھ سے اکیلے کھانا نہیں کھایا جائے گا۔''

''اللہ تمہارے اس پیار کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔آمین......!''

فرح نے بڑے خلوص سے دُعا دی تھی۔

''تھینک یو بھابی......!''

مریم نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ اُسے ایک دم انعم کا دھیان آ گیا تھا جو شادی کے شروع دنوں میں ناصر کے ساتھ بہت خوش نظر آتی تھی۔

''کیا سوچنے لگی مریم......؟''

فرح نے فوراً نوٹ کرلیا کہ اُس کا ذہن کہیں دُور پہنچا ہوا ہے۔ مریم فوراً چونک کر زبردستی مسکرائی اور بولی۔

''کچھ نہیں بھابی......! بس، پھر انعم ہی کا خیال آ گیا تھا۔ اُس نے ناصر کی قدر نہیں کی۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ اس ناشکری کی کہیں اُسے بہت بڑی سزا نہ ملے۔''

مریم کے لہجے میں دُکھ اور اندیشے دونوں کا تاثر بہت گہرا تھا۔

''تمہیں بُرا تو لگے گا، مگر یہ حقیقت ہے کہ انعم کو کفرانِ نعمت کی سزا ضرور ملے گی۔ میرا تو اب اپنے گھر میں دم گھٹتا ہے۔ انعم کی موجودگی میرے لئے تو عذاب بن گئی ہے۔ اس لئے میں شام کو گھر سے نکل آئی تھی۔''

''آپ نے اچھا کیا بھابی......! آپ کب تک اُس کی چوکیداری کرتی رہیں گی......؟''

مریم فرح کی تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''کس کی چوکیداری ہو رہی ہے بھئی......؟''

عدیل بریف کیس ہاتھ میں لئے مسکراتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا۔ مریم ایک لمحے کے لئے گھبرا گئی کہ عدیل نے کچھ سن نہ لیا ہو۔

''ارے......! کچھ نہیں، ہم تو ویسے ہی اخبار کی ایک خبر پر تبصرہ کر رہے تھے۔''

مریم نے جلدی سے کھڑے ہو کر بات بنائی اور اتنے اعتماد سے کہا کہ عدیل کو یقین ہو جائے کہ اُس کی سماعت کا دھوکہ تھا، بات کچھ اور تھی، اُس نے سنی کچھ اور ہے۔

''اچھا اچھا......! خیریت تو ہے ناں......؟ فرح بھابی اکیلی نظر آ رہی ہیں......؟ حماد بھائی کہاں ہیں......؟''

عدیل نے ایک طرف بریف کیس رکھا اور فرح کے عین مقابل بیٹھ گیا۔

''میں اصل میں اپنے گھر سے نہیں آ رہی ہوں۔ اپنی امی کے گھر سے آ رہی ہوں۔''

فرح نے جواب دیا۔

''خیریت تو ہے ناں......؟''

عدیل نے پوچھا۔

''کیوں......؟ اپنی امی سے تبھی ملتے ہیں، جب خیریت نہیں ہوتی......؟ امی تو امی ہیں، کسی بھی وقت دل چاہ سکتا ہے۔''

فرح نے مذاق کے انداز میں عدیل کو گھورا۔

''اوہ......! میں سمجھا کہ شادی جب پرانی ہو جاتی ہے تو امی کم یاد آتی ہیں۔''

عدیل مسکرا کر بولا۔

''مائیں تو ہر وقت یاد آتی ہیں جناب......! نانی کبھی کبھی یاد آتی ہے۔''

مریم نے مذاق کیا۔اس نے عدیل پر یوں ظاہر کرنے کی کوشش کی جیسے دونوں نند بھاوج بہت دیر سے بہت خوش گوار باتیں کر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

انعم بڑے کوفت بھرے انداز میں سلمان سے بات کر رہی تھی۔

''تم سوچ بھی نہیں سکتے سلمان......! جو اس وقت گھر والوں کا سلوک میرے ساتھ ہے۔حماد بھائی تو میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔میرے گھر سے باہر نکلنے پر پابندی لگائی ہوئی ہے۔میرا بس نہیں چلتا کہ میں اُڑ کر تمہارے پاس آ جاؤں۔''

انعم نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔

''میں تو خود تمہارے پاس آنے کو بہت بے چین ہوں انعم......! ہر وقت تمہاری طرف ہی دھیان لگا رہتا ہے۔مگر تم جانتی ہو، کورٹ کے معاملات انسان کو کتنی بُری طرح پھنسا دیتے ہیں۔بڑی بے بسی کی کیفیت ہے۔دل تو تمہارے پاس چھوڑ آیا ہوں۔یہاں تو بے دل پھر رہا ہوں۔تم اپنے بھائی کو بتا کیوں نہیں دیتی کہ میں اس ملک میں ہی نہیں ہوں جو انہوں نے تمہیں قید کیا ہوا ہے......؟''

سلمان اب ذرا ناراض لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''یہ ہوتے کون ہیں......؟ انسانوں کو قید کرنے کا اختیار انہیں کس نے دیا ہے......؟''

وہ اب پہلے سے بھی زیادہ برہم لہجے میں بولنے لگا۔

''ابھی تو بغیر زنجیروں کے قید کیا ہوا ہے، جو یہ بتا دیا کہ تم امریکہ جا چکے ہو تو سچ مچ میرے پاؤں میں زنجیریں بھی پہنا دیں گے، اس خوف سے کہ کہیں میں امریکہ نہ بھاگ جاؤں۔''

انعم نے بڑے خراب موڈ میں سلمان کو جواب دیا۔

''تمہارے ساتھ بہت زیادتی ہو رہی ہے۔تم کتنی مظلوم ہو۔انعم......! کاش میں تمہارے لئے کچھ کر سکتا۔لیکن کیا کروں......؟ اتنی دُور بیٹھا ہوں، کچھ کر بھی نہیں سکتا۔''

سلمان، انعم کو یہ باور کرانے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا کہ وہ کتنا مجبور ہے۔

''بس......! تم سے محبت کی سزا پا رہی ہوں۔''

انعم کے لہجے میں محبوبیت کی ساری ادائیں تھی۔

''تھوڑا سا صبر کر لو جزا بھی پاؤ گی۔''

سلمان اسے دلاسہ دے رہا تھا، پھر جیسے انعم کو بہلانے کے لئے شوخی سے شعر پڑھنے لگا۔

''عمر پڑی ہے جینے کے لئے
بس یہی دو چار دن مرنے کے ہیں''

انعم شعر سن کر بے ساختہ ہنس پڑی۔

''ارے......! تمہیں تو اُردو شاعری بھی اچھی خاصی آتی ہے۔''

انعم نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں شاعر تو نہیں لیکن اے حسین!

جب سے تجھ کو دیکھا مجھ کو شاعری آ گئی''

سلمان گنگنانے لگا۔ اِسی دوران میں کوئی اور کال آنے کی آواز آئی۔ انعم نے کان سے موبائل ہٹا کر نئی آنے والی کال کو دیکھا۔ اُسے حیرت کا ایک جھٹکا سا لگا۔ ناصر کی بہن شہلا کی کال آ رہی تھی۔ انعم کا سارا موڈ خراب ہو گیا۔ اُس نے کال Ignore کرتے ہوئے موبائل دوبارہ کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سلمان ''ہیلو، ہیلو'' کر رہا تھا اور پوچھ رہا تھا۔

''انعم......! تمہیں میری آواز آ رہی ہے......؟''

''ہاں سلو......! بولو، میں سن رہی ہوں۔''

انعم نے بمشکل خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''اچھا......! میں سمجھا شاید لائن ڈراپ ہو گئی ہے۔''

''ارے نہیں نہیں......! میں تو بڑی توجہ سے تمہاری شعر و شاعری سن رہی ہوں۔''

انعم زبردستی مسکراتے ہوئے بولی۔ شہلا کی کال نے اُس کا سارا موڈ خراب کر دیا تھا۔ اُس کا ذہن بکھر گیا تھا۔ بے زاری اور غصے کی آگ نے لطیف جذبات ہڑپ کر لئے تھے۔ اب سلمان کی خوب صورت باتوں میں وہ اثر نہیں تھا جو بے زاری کی کیفیت مٹا دیتا۔ اُس نے بس ایک دو باتیں مزید کیں اور کمرے میں کسی کے آنے کا بہانہ کر کے رابطہ منقطع کر دیا اور موبائل تکیے پر پٹخ دیا پھر سوچنے لگی کہ شہلا ابھی مجھے کیوں فون کر رہی ہے......؟ اُسی وقت فون پر دوبارہ رِنگ ہونا شروع ہو گئی۔ انعم نے موبائل اُٹھائے بغیر موبائل کی طرف دیکھا اور غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ شہلا کی کال لگ رہی تھی۔ شہلا پھر کال کر رہی تھی۔

''میرے خیال میں اُن کے ساتھ صاف صاف بات کر لینی چاہئے تاکہ آئندہ مجھے فون ہی نہ کریں۔''

انعم نے یہ سوچ کر موبائل اُٹھایا اور کال ریسیو کی۔

''ہیلو......!''

اُس کے لہجے میں سرد مہری تھی۔

''شہلا بات کر رہی ہوں انعم......!''

دوسری طرف سے شہلا کی نڈھال سی آواز سنائی دی۔

''جی بولیں......!''

انعم کے لہجے میں اجنبیت تھی جو بہت واضح محسوس ہو رہی تھی۔

''انعم......! تم تو بالکل اجنبی بن کر بات کر رہی ہو۔ ناصر سے ابھی تمہاری علیحدگی تو نہیں ہوئی۔ میرا تمہارا رشتہ قائم ہے، اور خدا کرے ہمیشہ قائم رہے۔''

شہلا بڑے دُکھ بھرے لہجے میں بات کر رہی تھی۔

''آپ نے یہ بدعائیں دینے کے لئے مجھے فون کیا ہے......؟''

''کیسی باتیں کر رہی ہو......؟ میں تمہیں کیوں بدعائیں دوں گی......؟ تم سے تو میرے بھائی کا گھر آباد ہے۔''

''آباد ہے نہیں، تھا۔''

انعم نے فوراً شہلا کی بات کاٹ دی تھی۔

''میاں بیوی میں لڑائی جھگڑے، ناراضگیاں تو ہوتی رہتی ہیں۔ تم تو ایک دم سے انتہا پر پہنچ گئیں۔''

شہلا کو انعم کے لب و لہجے سے بڑا صدمہ ہوا تھا۔

''ہاں......! اس لئے کہ میں ناصر کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔ زندگی عذاب بن گئی ہے۔''

انعم اب غصے سے بکھر کر بولی۔

''ناصر تمہارے بغیر پاگل ہو رہا ہے۔ وہ اپنے ہوش حواس کھو بیٹھا ہے۔''

''اور آپ چاہتی ہیں، میں زندگی بھر ایک پاگل کو سنبھالتے ہوئے گزار دوں......؟''

انعم نے پھر شہلا کی بات کاٹ کر کہا۔

''تم اُس کے ساتھ ہوگی تو وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ تو تمہاری دُوری کی وجہ سے پاگل ہو رہا ہے۔''

شہلا سمجھانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''اگر میں اُس کے ساتھ رہی تو پھر میں بھی پاگل ہو جاؤں گی۔''

انعم دانت پیس کر کہہ رہی تھی۔

''تم دونوں کی ایک پیاری سی بیٹی ہے، اُس کا بھی سوچو......!''

شہلا نے کچھ احساس دلانے کی کوشش کی۔

''میں اپنی بیٹی سے ملتی رہوں گی۔ آپ لوگوں کو میری بیٹی کے غم میں گھلنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

انعم نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اُسے یقین تھا، جس انداز میں اُس نے شہلا سے بات کی ہے، شہلا اب دوبارہ اُسے رِنگ نہیں کرے گی۔ وہ بیڈ پر اوندھی لیٹ گئی۔

''خود غرض لوگ صرف اپنی خوشیوں کا ہی سوچتے ہیں۔ دوسرے کی تکلیف کا احساس ہی نہیں۔''

وہ غصے سے بڑبڑا رہی تھی۔

☆......☆......☆

علینہ صبح ہی صبح عدیل کے آفس میں نازل ہو گئی تھی۔ عدیل کو آفس پہنچے ہوئے بمشکل پانچ منٹ ہی ہوئے تھے۔ ابھی تو اُس نے اپنا بریف کیس بھی نہیں کھولا تھا۔ وہ اتنی صبح صبح علینہ کو دیکھ کر سچ مچ بہت حیران ہو رہا تھا۔

''خیریت تو ہے......؟ لگتا ہے ساری رات باہر گیٹ پر بیٹھی رہی ہو اور گیٹ کھلتے ہی اندر آ گئی ہو۔''

وہ چھیڑ چھاڑ کے انداز میں بول رہا تھا۔

''کیا بتاؤں......؟ مارے خوشی کے ساری رات نیند ہی نہیں آئی۔''

علینہ اُس کے سامنے والی کرسی پر گرنے والے انداز میں بیٹھ گئی۔ اُس کے لہجے میں خوشی اور چہرے پر تازگی تھی۔

''جلدی سے سناڈالو، آخر ہوا کیا ہے......؟ لگتا ہے کوئی لاٹری واٹری نکلی ہے۔''

عدیل اُس کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''یہی سمجھ لو کہ لاٹری نکلی ہے۔ بہت بڑی خوشی جو کسی بھی وجہ سے ملے وہ کیا کسی لاٹری سے کم ہوتی ہے......؟''

''کیوں تڑپا رہی ہو......؟ جلدی سے وہ خوشی کی خبر سناؤ جس نے تمہیں پاگل بنایا ہوا ہے۔''

عدیل کو سچ مچ بڑی بے چینی ہونے لگی۔

''میں تمہارے ساتھ لندن جا رہی ہوں۔ اس سے بڑی کوئی خوشی ہو سکتی ہے......؟''

''میرے ساتھ......؟''

عدیل کو ایک زور سے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

''لیکن میں نے تم سے کب کہا تھا کہ میں لندن جا رہا ہوں......؟''

عدیل حیران ہو کر اپنے حافظے پر زور ڈالنے لگا۔ علینہ کا اعتماد ہی ایسا تھا۔

''یہ پروگرام میں نے بنایا ہے۔''

علینہ نے ادائے دل رُبائی کا ہتھیار استعمال کیا۔

''واہ......!''

عدیل ہنس پڑا۔

''کم از کم مجھ سے تو پوچھ لیتی۔ تم نے مجھے میری بیوی کے ساتھ ہنی مون پر تو جانے نہیں دیا، جبکہ وہ اتنا اصرار کر رہی تھی۔ وہ مجھے جانے دے گی لندن......؟''

''تو بہانہ کر دینا کہ بزنس ٹور پر جا رہے ہو۔ اُس کے ساتھ تم نے زندگی بھر ہی رہنا ہے۔ میرے ساتھ تو کبھی کبھی موقع ملے گا۔''

''تم کتنے دن کے لئے جانا چاہ رہی ہو......؟''

عدیل سوچتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''صرف پندرہ دن کے لئے۔''

علینہ بڑی ادا سے مسکرائی۔

''پندرہ دن......؟''

عدیل جیسے اُچھل پڑا۔

''یار......! میں مریم سے کیا کہوں گا......؟ وہ پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ سوچے گی، پندرہ دن کا کون سا ٹور ہوتا ہے......؟ بڑے بزنس مین تو پندرہ دن میں پندرہ مرتبہ لندن کے چکر لگا لیتے ہیں۔''

عدیل یوں ہنسا جیسے علینہ نے کوئی بہت احمقانہ بات کی تھی۔

''مجھے نہیں پتا، کچھ بھی کہو، کوئی بہانہ بناؤ۔ بس......! تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔''

علینہ نے ضد کے انداز میں کہا۔

''بھئی......!دو تین دن تو تمہارے ٹوور کے ہو جائیں گے۔تین دن بعد تم مریم سے کہہ دینا، میری طبیعت صحیح نہیں ہے، ڈاکٹر نے تمہیں فلائی کرنے سے منع کیا ہے۔''

علینہ ترکیب بنانے لگی۔

''اور میری بیماری کا سن کر مریم فوراً ٹکٹ کٹائے گی اور فوراً لندن پہنچ جائے گی۔''

عدیل نے اپنی بات کے اختتام پر زوردار قہقہہ لگایا۔

''اوفو......!وہ اتنا پیار کرنے لگی ہے تمہیں چار دن میں......؟''

علینہ نے بُرا سامنہ بنا کر عدیل کو گھورا۔

''سنا تو یہی ہے کہ عورت تین دفعہ ہاں کہتی ہے اور اپنے شوہر سے محبت کرنا شروع کر دیتی ہے۔''

''تم تو مجھے ڈرانے لگے۔''

علینہ نے بڑی غم زدہ سی شکل بنالی۔

''کیا مطلب......؟''

عدیل کو اُس کی بات کچھ سمجھ نہیں آئی۔

''بھئی......!اگر وہ تم سے اتنا زیادہ پیار کرنے لگے گی تو تم آہستہ آہستہ مجھ سے دُور ہوتے چلے جاؤ گے اور میں تمہاری اتنی عادی ہو چکی ہوں، اگر تمہاری کمپنی نہ ملی تو مر جاؤں گی۔''

''ارے ارے......!یہ دوستی تو نہیں، یہ عشق کی کیفیات ہیں۔بھئی......!میں عشق افورڈ نہیں کر سکتا۔میں کانٹینٹل بزنس مین ہوں۔بہت مصروف رہتا ہوں۔عشق وشق کی فرصت نہیں ہے میرے پاس۔''

عدیل دونوں ہاتھ جوڑ کر شریر انداز میں علینہ سے کہہ رہا تھا۔

''نان سینس......!یہ عشق وشق کی فضولیات کو تو میں بھی نہیں مانتی۔ایک پیاری سی دوستی کے ہوتے ہوئے انسان کو کسی اور چیز کی تمنا کیسے ہو سکتی ہے......؟''

علینہ یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

''میں اپنی اور تمہاری سیٹ کنفرم کرا رہی ہوں۔ہم ویک اینڈ پر لندن فلائی کر جائیں گے۔تم نے اپنی بیوی کو کیسے Tackle کرنا ہے......؟کیا بہانہ بنانا ہے......؟یہ تم جانو، اور بس اتنا یاد رکھو کہ اس ویک اینڈ پر تم میرے ساتھ لندن جا رہے ہو۔''

علینہ نے قطعی اور فیصلہ کن انداز میں بات کی اور اپنا بیگ کندھے سے لٹکایا اور دایاں ہاتھ اُٹھا کر اُنگلیاں ہلاتے ہوئے ''خدا حافظ'' کا اشارہ کیا۔عدیل مسکرا دیا تھا۔بڑی بے بسی کی کیفیت تھی، جیسے اُس نے علینہ کے سامنے ہار مان لی تھی۔

☆......☆......☆

''آنٹی......!انعم نے جس طرح مجھ سے بات کی ہے، مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میری انعم ہی سے بات ہوئی ہے۔اتنی بے

مروّتی......؟اتنی بدلحاظی......؟''

شہلا پے در پے ملنے والے دُکھوں سے نڈھال نظر آ رہی تھی۔ سلمٰی بیگم نظریں اُٹھانے کے قابل نہیں رہیں۔

''مجھے یاد ہے، انعم سے ابھی دو مہینے ہوئے ہوں گے میری بات ہوئی تھی۔ اُس وقت تو میں نے انعم میں ایسی کوئی تبدیلی محسوس نہیں کی تھی۔ آخر ایسا کیا ہوا ہے کہ انعم نے ایک دم اتنا بڑا فیصلہ کر لیا......؟ آپ کو ضرور پتا ہوگا۔ آخر آپ اس کی ماں ہیں۔ وہ اتنا بڑا فیصلہ کرے گی، اپنی ماں کو تو ضرور بتائے گی۔ آپ مجھ سے کیوں چھپا رہی ہیں آنٹی......؟ میں ناصر سے پوچھ لیتی، مگر وہ تو اپنے ہوش میں نہیں ہے۔ پلیز آنٹی......! مجھے بتائیں تو سہی۔ تاکہ میں بھی خود کو سمجھانا شروع کر دوں۔''

شہلا بڑے جذباتی انداز میں سلمٰی بیگم کا بازو پکڑ کر ہلا رہی تھی۔ سلمٰی بیگم اپنی جگہ ساکت سی بیٹھی تھیں۔ شہلا کے سامنے سچائی بیان کرنے کی ہمت اُن میں نہیں تھی۔ وہ کوئی بہت مناسب جواب ڈھونڈ رہی تھیں اور شہلا جواب کے لئے اُن کی طرف بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

''بات یہ ہے بیٹا......!''

سلمٰی بیگم نے گلا صاف کر کے کہنا شروع کیا۔

''ہم لوگ کسی قیمت پر انعم اور ناصر کی علیحدگی نہیں چاہتے۔ انعم کم عمر ہے، عقل اور تجربے کی کمی ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ یہ گھر نہ ٹوٹے۔''

سلمٰی بیگم نپے تلے انداز میں جواب دے رہی تھیں۔

''ناصر کی حالت دیکھی ہے آنٹی......! آپ نے......؟ کوئی کسر رہ گئی ہے گھر ٹوٹنے میں......؟ ناصر اپنے ہوش و حواس کھو چکا ہے۔ ہمارے ماں باپ ہمارے بچپن ہی میں ہمیں چھوڑ کر دُنیا سے رُخصت ہو چکے تھے۔ بڑی بہن عالیہ آپا نے ہم دونوں بہن بھائی کو اولاد کی طرح پالا اور ہماری پرورش کرنے ہی کی وجہ سے اُن کی لیٹ میرج ہوئی۔ ہم تین بہن بھائی کے علاوہ دُور دُور تک ہمارا قریبی رشتے دار نہیں ہے۔ میں نے اِسی خوف کی وجہ سے عالیہ آپا کو اطلاع تک نہیں دی ہے۔ اگر اُنہیں پتا چلا کہ ناصر اس حال کو پہنچ گیا ہے تو شاید وہ برداشت نہیں کر سکیں گی کہ اسی پیارے بھائی کی خاطر اُنہوں نے پوری جوانی خزاں کے موسم کی طرح گزار دی تھی۔''

اتنا کہہ کر شہلا تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔ سلمٰی بیگم نے بے اختیار اُسے اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر اپنے ساتھ لگا لیا۔ اُن کے پاس اب کوئی لفظ ایسا نہیں تھا جو شہلا کے زخم کا وقتی مرہم ہی بن جاتا۔ وہ خود بھی زار و قطار رونے لگیں۔ وہ آنسو جو جانے کب سے اُنہوں نے روکے ہوئے تھے جو وہ دل کھول کر بہنا چاہتی تھیں، شہلا کے آنسوؤں نے گویا ایک بہانہ بنا دیا۔ وہ شہلا سے زیادہ روئیں۔ اتنا روئیں کہ شہلا کے آنسو تھم گئے۔ وہ اپنی بھول کر سلمٰی بیگم کے آنسو پونچھنے لگیں۔

''بہن کے آنسو ماں کے آنسوؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔''

سلمٰی بیگم کے تڑپ تڑپ کر رونے سے وہ تو اُلٹا احساسِ جرم میں مبتلا ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

رات کا کھانا کھانے کے بعد مریم اور عدیل لان میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ مریم اس وقت بھی دو حصوں میں بٹی ہوئی

تھی۔ ذہن کبھی اسلام آباد کے چکر کاٹنے لگتا جہاں اُس کے ماں باپ بے ہوش وحواس ناصر کی تیمار داری کر رہے تھے، کبھی عدیل کی طرف متوجہ ہوجاتا جو اس سے بہت پیار اور لگاوٹ سے باتیں کر رہا تھا۔

''شاید میں فرائی ڈے نائٹ کو لندن فلائی کر جاؤں۔''

عدیل خوش گوار موڈ میں باتیں کرتے کرتے اچانک اُسے مطلع کرنے لگا۔ مریم نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

''لندن......؟ خیریت......؟''

''بزنس ٹوور ہے۔''

عدیل بظاہر بڑی لاپرواہی سے بولا۔ ساتھ ہی ایک چور نگاہ مریم پر ڈالی۔

''اچھا......! بزنس ٹوور ہے۔''

مریم اب Relax ہو کر مسکرائی۔

''بھئی......! بزنس مین باپ کی بیٹی ہو۔ بزنس مین کی بیوی ہو۔ تمہیں تو ویسے ہی سمجھ جانا چاہئے تھا۔ اب تمہیں چھوڑ کر اکیلا ہنی مون منانے تو لندن نہیں جاؤں گا۔''

اُس نے مسکرا کر کافی کا سِپ لیا اور یوں ظاہر کیا کہ دُنیا میں شاید ہی کسی نے اپنی بیوی کو اتنا چاہا ہوگا۔ اُس کے حرف حرف میں اپنائیت اور محبت کی چاشنی تھی۔

''کتنے دن کا ٹوور ہے......؟''

مریم نے لاشعوری طور پر جیسے بڑا سکون سا محسوس کیا تھا۔ جب سے ناصر کی حالت بگڑی تھی، اُسے بس یہی خوف تنگ کرتا تھا کہ عدیل کو کچھ پتا نہ چل جائے۔ نئی نئی شادی تھی اُس کی اور اُس کے خاندان کی عزت کا سوال تھا۔

''دس پندرہ دن لگ سکتے ہیں۔''

عدیل نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا اور جلدی سے کافی کے مگ پر جھک گیا۔

''دس پندرہ دن......؟''

مریم کو سچ مچ بڑی حیرت ہوئی۔

''اتنا لمبا بزنس ٹوور......؟''

اُس کے منہ سے بلا ارادہ نکلا تھا۔

''کبھی کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے۔''

عدیل بولتے ہوئے لاشعوری طور پر نظریں چرا رہا تھا۔

''تم ایسا کرنا، اتنے دن امی کی طرف چلے جانا۔ اکیلی تو بور ہوجاؤ گی۔''

''میں بور نہیں ہوتی۔ اپنا گھر سیٹ کروں گی۔ اچھی اچھی کتابیں پڑھوں گی۔ کلاسیکل مووِیز دیکھوں گی۔ میرے پاس تو بور ہونے کا ٹائم ہی نہیں ہے۔''

مریم اب مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے غیبی مدد ہوئی ہے۔

''ہوسکتا ہے، ان دس پندرہ دنوں میں ناصر کی طبیعت سنبھل جائے۔ انعم کو عقل آ جائے۔ ہوسکتا ہے، اللہ ہمیں ان ذلتوں سے بچالے جو طوفان کی طرح ہماری طرف بڑھ رہی ہیں۔''

''کیا سوچنے لگی......؟''

عدیل اُس کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔ جب انسان کے ہاتھ صاف نہیں ہوتے ہیں تو ضمیر پر ایک بوجھ تو ہوتا ہی ہے۔ دل کا چور طرح طرح کے وسوسے اُٹھاتا ہے۔ اُسے بھی مریم کی خاموشی میں خواہ مخواہ کوئی خاص بات محسوس ہو رہی تھی۔

''ارے نہیں......! کچھ بھی نہیں، میں تو سوچ رہی تھی کہ آپ کا سوٹ کیس پیک کرنا ہوگا۔ پورے پندرہ دن کی تیاری ہوگی۔ پورے پندرہ سوٹ رکھنے ہوں گے، پلیس نائٹ سوٹ، ڈریسنگ گاؤن، رومال، ٹائیاں، سوکس، شوز وغیرہ۔''

مریم زبردستی مسکراتے ہوئے اپنی خاموشی کی وجہ بنانے لگی۔ عجیب وقت تھا، دونوں ایک دوسرے سے وہ باتیں کر رہے تھے جو ایک دوسرے کو بہلانے کے لئے تھیں۔ جو سچائیاں دل کے اندر موجود تھیں، زبان پر لانے کے حوصلے نہیں تھے۔ دلوں میں کچھ اور تھا، باتیں کچھ اور کر رہے تھے۔

☆......☆......☆

''ناصر کو نفسیاتی ہسپتال میں شفٹ کر دیا ہے۔ ڈاکٹر تو اچھی اُمید دلا رہے ہیں۔''

فیاض احمد، سلمٰی بیگم کو بتا رہے تھے۔ وہ ابھی ابھی ہسپتال سے لوٹے تھے۔

''اللہ کرے، میں تو دن رات دُعائیں مانگ رہی ہوں۔''

سلمٰی بیگم نے بڑی دل سوزی سے کہا۔ پھر بولیں۔

''مجھے تو شہلا کے سامنے بیٹھنا دوبھر ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد پوچھنے لگتی ہے کہ آنٹی......! سچ سچ بتائیں کیا ہوا ہے......؟ آپ مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہیں......؟ اُس نے انعم سے بھی بات کرنے کی کوشش کی تھی، مگر شاید انعم نے اُس سے بدتمیزی کی۔ کچھ اس طرح کا تاثر دیا کہ شہلا اُس سے اب کوئی اچھی اُمید نہ رکھے۔''

سلمٰی بیگم بہت آہستہ آواز میں فیاض احمد کو بتا رہی تھیں جو مسلسل بے آرامی اور تھکن کی وجہ سے بہت کمزور اور بوڑھے نظر آنے لگے تھے۔

''کسی نے سچ کہا ہے، رُوحانی مسرتیں بوڑھوں کو بھی جوان رکھتی ہیں اور غم بچوں کو بھی بوڑھا کر دیتا ہے۔''

''تم اپنے آپ کو بہلاتی رہو سلمٰی......! دیتی رہو خود کو دھوکہ، مگر سچی بات یہ ہے کہ انعم سے کوئی اچھی اُمید مجھے بھی نہیں ہے۔ اُس نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے ضرور ناصر پر ایسا وار کیا ہے جو ناصر کی طاقت اور ہمت سے بہت زیادہ تھا۔ جس کے دو ہی نتیجے نکل سکتے تھے۔ یا تو ناصر اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے یا پھر انعم کے لئے اپنے دل اور گھر کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دے۔''

فیاض احمد ٹوٹے ہوئے شکستہ لہجے میں بول رہے تھے۔

''حماد کا دو تین مرتبہ فون آیا تھا۔ کہہ رہا تھا، امی......! جتنی جلدی ہو سکے آپ واپس آ جائیں۔ انعم کی وجہ سے وہ ڈسٹرب رہتا ہے۔ کہہ رہا تھا، فرح کو تو وہ جب مرضی بے وقوف بنا سکتی ہے، بلکہ اُسے وہ گھاس ہی کہاں ڈالتی ہے......؟ اور وہ اُس کی

پہرے داری کرنا بھی نہیں چاہتی۔ اپنی بے عزتی کرانے کا کس کو شوق ہوتا ہے......؟"

"ہاں......! ٹھیک ہے......! اب تو شہلا بھی آ گئی ہے اور ناصر بھی بہتری کی طرف جا رہا ہے۔ تم شہلا سے موقع دیکھ کر بات کرلو۔ ہم بیہ کو اپنے ساتھ لے جائیں گے، اس لئے کہ شہلا ہسپتال کے چکر میں مصروف ہو گی۔ اب اس پر بیہ کی ذمہ داری بھی ہو گی۔ تھوڑا سا اُس کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا، اگر ہم بیہ کو ساتھ لے جائیں گے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں بات کرتی ہوں شہلا سے۔"

"تو پھر میں کل کی سیٹ کنفرم کروالیتا ہوں۔ ایک ہفتے بعد پھر چکر لگا لوں گا۔"

یہ کہہ کر فیاض احمد نے جیب سے موبائل نکالا اور بکنگ کے لئے نمبر ڈائل کرنے لگے۔

☆......☆......☆

"وہ......میں آپ کو بتانا ہی بھول گئی تھی کہ میں نے انٹر پرائزز میں اپلائی کیا تھا۔ وہاں سے آج انٹرویو کے لئے کال آئی ہے۔"

مریم رات کو وارڈ روب کھولے عدیل کے تیار کپڑوں کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے عدیل کو مطلع کر رہی تھی۔

"دیکھ لو، گھر اور جاب کو تم ایک ساتھ چلا سکتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں، جاب کرنے والی عورتیں بہت ایکٹیو اور سمارٹ رہتی ہیں اور گھر میں رہنے والی عورتوں سے زیادہ اپنی کیئر کرتی ہیں۔"

عدیل مسکراتے ہوئے بولا اور اپنا لیپ ٹاپ کھول کر بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ وہ ایک خیال کے تحت بلا ارادہ مسکرا پڑا تھا۔ اُس کے کانوں میں علینہ کی آواز گونج رہی تھی۔

"یار......! تمہاری بیوی اتنی Well-educated ہے، اُسے کہیں جاب واب پر لگاؤ تا کہ ذرا مصروف ہو جائے۔ ورنہ وہ ہر وقت بس تمہیں چیک کرتی رہے گی کہ تم کہاں ہو......؟ کیا کر رہے ہو......؟ گھر کتنے بجے آؤ گے......؟ میں کھانے کی ٹیبل پر تمہارا انتظار کر رہی ہوں، جلدی آ جاؤ، میں بھوکی مری جا رہی ہوں، وغیرہ وغیرہ۔"

"کیا Mail میں کسی نے لطیفہ بھیجا ہے......؟"

مریم کی اتفاق سے عدیل پر نظر گئی اور اُس کو بے ساختہ مسکراتے ہوئے دیکھا تو حیرت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔ کیونکہ عدیل کی مسکراہٹ کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی۔ عدیل کی نظریں لیپ ٹاپ پر تھیں اور مسکراہٹ بڑی جان دار تھی۔

☆......☆......☆

وہ ایک دم محتاط ہو گیا۔ اُسے اندازہ نہیں تھا کہ مریم نے اُس کی مسکراہٹ کا نوٹس لے لیا ہو گا۔

"ارے نہیں......! میں تو ویسے ہی مسکرا رہا تھا۔ تم ساتھ ہوتی ہو تو یوں ہی بات بے بات مسکرانے کو جی چاہتا ہے۔"

عدیل نے ایک منجھے ہوئے کھلاڑی کی طرح ایسی ہٹ لگائی جو سو فیصد چھکا تھا۔ مریم تو نہال ہو گئی اور سوچنے لگی کہ کتنی خوش قسمت ہے وہ۔ کیسا چاہنے والا شوہر ملا ہے اسے۔ وہ سرشاری کی کیفیت میں مسکرا رہی تھی۔

"کل میں صبح نو بجے چلی جاؤں گی۔"

"مجھے تمہارے کامیاب ہونے کا سو فیصد یقین ہے۔ اچھی بات ہے کہ تم اپنی ایم بی اے کی ڈگری کو Utilize کرو گی،

ورنہ اتنی محنت کرنے کا فائدہ ہی کیا ہوا......؟ میں تمہیں ہر قدم پر ہر معاملے میں فل سپورٹ کروں گا۔ میری طرف سے تو تم بالکل ایزی فیل کرو۔"

مریم اب اُس کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھی۔ عدیل بڑی پیار بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

"شکر خدا کا، تمہاری آواز سنتے ہی میں Relax ہو گئی ہوں۔"

انعم سکون کا سانس لیتے ہوئے موبائل پر سلمان سے کہہ رہی تھی۔

"خیریت......؟ کیا ہوا......؟"

سلمان پوچھنے لگا۔

"بس یار......! کیا بتاؤں......؟ تمہاری محبت میں سزا تو اُٹھانی پڑے گی۔ سب لوگ ہی تنگ کر رہے ہیں، کیا کسی ایک کا نام لوں......؟ دفع کرو سب کو، ہم اپنی باتیں کرتے ہیں۔"

انعم اب مزید ٹینشن برداشت کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ شہلا نے تو جیسے اُس کی رگ رگ میں انگارے بھر دیئے تھے۔ اگر سلمان کا فون نہ آ جاتا تو شاید اُسے نیند کی گولی کھا کر سونا پڑتا۔

"میرا تو دل چاہتا ہے، میں کوئی کام نہ کروں۔ بس تم سے باتیں کرتا رہوں۔ یہ جُدائی تو بہت تنگ کر رہی ہے، بلکہ تڑپا رہی ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے، اس تڑپ میں بھی ایک اپنا ہی مزہ ہے۔"

سلمان بڑے رومانٹک موڈ میں بات کر رہا تھا۔

"ہاں......! وہ کسی نے کہا ہے ناں Absence sharpens the love یعنی جُدائی محبت کو اور بڑھا دیتی ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے، پیار کی آگ کو اور بڑھکا دیتی ہے۔ تم سے جُدا ہونے کے بعد احساس ہو رہا ہے کہ میں تم سے کتنا پیار کرنے لگی ہوں۔"

انعم بڑے سرشار اور بے خود لہجے میں بول رہی تھی۔

"ٹھیک ہے......! پھر میں تم سے اور دُور چلا جاتا ہوں۔ تمہارا پیار اور بڑھ جائے گا۔"

سلمان چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔

"اگر تم مجھ سے دُور رہے تو میں زیادہ دن زندہ نہیں رہوں گی۔ سچ مچ اپنی جان دے دوں گی۔"

انعم بڑی ادا سے اٹھلائی۔

"ارے ارے......! یہ کیا کہہ رہی ہو......؟ تمہاری اس جان میں تو میری جان ہے۔ تمہارے بغیر میں کیا ہوں......؟ صرف ایک مٹی کا بُت......!"

سلمان جیسے اس پر نثار ہونے لگا اور انعم پر نشہ سا چڑھنے لگا۔

"سلو ڈارلنگ......! بس، اب ہمیں ایک ہو جانا چاہئے۔"

وہ مخمور لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''پہلے اس ڈفر سے اپنی جان تو چھڑاؤ، اس سے طلاق لینے کے بعد ہی تم مجھ سے شادی کرسکتی ہوناں......!''

سلمان نے اب ذرا سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اوہ گاڈ......! ایک خوش خبری تو میں تمہیں سنانا ہی بھول گئی۔ ناصر کی حالت بہت خراب ہوچکی ہے۔ اب تو وہ باقاعدہ نفسیاتی ہسپتال میں داخل ہوگیا ہے۔ جب میں کہتی تھی کہ یہ سائیکو ہے تو کوئی میری بات کا یقین نہیں کرتا تھا۔''

انعم نے اب ذرا ماضی کے کسی خیال کی وجہ سے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔

''لیکن اگر وہ طویل عرصے کے لئے ہسپتال میں داخل ہوگیا ہے تو طلاق حاصل کرنا بہت مشکل ہوجائے گا۔''

سلمان پہلے سے زیادہ سنجیدہ ہوچکا تھا۔

''دُنیا کا کون سا قانون کسی عورت کو مجبور کرسکتا ہے کہ وہ ایک معذور شخص کے ساتھ پوری زندگی گزار دے......؟ اب تو میں بڑے آرام سے خلع کی ڈگری لے سکتی ہوں۔ اگر طلاق کا معاملہ ہوتا تو وہ مجھے بھی اندازہ ہے کہ وہ سالوں مجھے لٹکا کے رکھ سکتا تھا۔''

''اوہ......! ویری گڈ......! یہ پوائنٹ تو میرے ذہن میں ہی نہیں آیا۔ تم تو واقعی بہت ذہین ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قدرت چاہتی ہے کہ ہم ایک ہوجائیں۔ وہ ہمارے راستے آسان بنا رہی ہے۔''

سلمان کے لہجے میں اب پہلے والی شوخی اور تازگی تھی اور انعم کو یوں محسوس ہورہا تھا کہ خوف نام کی کسی شئے کا دُنیا میں وجود ہی نہیں۔

☆......☆......☆

اگلے دن مریم انٹرویو دینے کے بعد سیدھی عدیل کے آفس آگئی تھی۔ وہ عدیل کو خوش خبری سنانے کے لئے بے چین تھی۔ آج اُس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی تھی۔ ستر اُمیدواروں میں سے اُس کا انتخاب ہوگیا تھا، وہ بھی انٹرویو کے پہلے مرحلے کے بعد ہی۔ اُس کا تعلیمی ریکارڈ غیر معمولی اور شاندار تھا۔ وہ اسکالرشپ پر یوایس بھی رہ کر آچکی تھی۔ تجربے کی کمی کے باوجود اس شاندار ریکارڈ نے ایک طرح کی ماضی کی ساری محنتوں کا صلہ دے دیا تھا۔ وہ چاہتی تھی، اب اُس کا شوہر اس شاندار کامیابی کو اپنی کامیابی سمجھ کر یہ خوشی اُس کے ساتھ شیئر کرے۔ عدیل نے تو سنتے ہی اُٹھ کر اُسے گلے سے لگالیا تھا اور بے ساختہ انداز میں بولا۔

''تمہاری تو شکل پر لکھا ہے، تم ایک شاندار عورت ہو۔''

''عورت وورت نہیں ہوں، ابھی میں لڑکی ہوں۔ میری شادی کو تو ابھی پورا ڈیڑھ مہینہ بھی نہیں ہوا۔''

مریم نے مصنوعی خفگی سے عدیل کو گھورا۔

''سوری یار......! ویسے ہی منہ سے نکل گیا تھا، دوبارہ کہہ دیتا ہوں۔ تمہاری تو شکل پر لکھا ہے، تم ایک شاندار لڑکی ہو۔''

اب دونوں بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

''اس کا تو مطلب یہ ہے کہ ایک دو دن بعد تم آفس جانا شروع کردوگی۔''

عدیل نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''کل سے جناب......! مجھے کل سے Join کرنا ہے۔Appointment Letter ملتا رہے گا۔''

''واہ بھئی......! یہ تو ایسے ہے جیسے ٹرے میں رکھ کر کوئی چیز تمہیں پیش کی گئی ہے۔''

''امی مجھے ڈانٹا کرتی تھیں کہ تم بالکل بھی سوشل نہیں ہو۔ کتابوں کا کیڑا بن کر رہ گئی ہو۔ امی کو یہ خوش خبری سناؤں گی تو واقعی انہیں بڑا اچھا محسوس ہوگا اور اُن کے سارے شکوے بھی دُور ہو جائیں گے جو وہ ہر وقت کہتی رہتی تھیں کہ اس طرح Isolate رہو گی تو تمہیں کون جانے پہچانے گا......؟ اچھا رشتہ کیسے ملے گا......؟ اللہ کا شکر ہے، مجھے تو سب کچھ مل گیا۔ اچھا رشتہ بھی اور اچھی جاب بھی۔''

مریم عدیل کی طرف دیکھ کر بڑے پیار سے مسکرائی۔

''More......All the best....More''

عدیل ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

☆......☆......☆

''ٹھیک ہے آنٹی......! آپ بیہ کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ اُس کی آیا بھی ظاہر ہے، آپ کے ساتھ ہی جائے گی۔ جب تک ناصر گھر نہیں آ جاتا، میرا تو زیادہ وقت ہسپتال میں ہی گزرے گا۔''

شہلا سلمٰی بیگم سے کہہ رہی تھی۔

''بہت بہت شکریہ شہلا......! کہ تمہیں ہم پر اعتبار ہے۔''

سلمٰی بیگم نے تشکرانہ انداز میں کہا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں آنٹی......؟ آپ بیہ کی سگی نانی ہیں۔ آپ سے زیادہ قابل اعتبار تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ زیادہ دن تک ماں باپ نظر نہیں آئیں گے تو اس کے ذہن پر بُرا اثر پڑ سکتا ہے۔ کم از کم کراچی میں اسے اپنی ماں تو دکھائی دے گی۔ کیسی بھی ہے، ماں تو ہے۔''

بولتے بولتے شہلا کی آواز میں گہرا دُکھ جھلکنے لگا۔ سلمٰی بیگم آگے بڑھیں اور بے اختیار شہلا کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''تم سب بہن بھائی بہت اچھے ہو۔ بہت نیک فطرت ہو۔ بدنصیب تو ہم ہیں۔ ہماری بیٹی نے تمہاری قدر نہیں کی۔ لیکن وہ ایک دن ضرور پچھتائے گی۔''

سلمٰی بیگم افسردہ لہجے میں بول رہی تھیں۔

''نہیں آنٹی......! آپ اُسے بددعا مت دیجئے گا۔ ماں کی بددعا انسان کو برباد کر دیتی ہے۔ کیا معلوم زندگی کے کس موڑ پر اللہ اُس کو عقل دے دے......؟''

شہلا نے خوف زدہ سی ہو کر سلمٰی بیگم کو ٹوک دیا۔ شہلا کے مثبت اندازِ فکر نے سلمٰی بیگم کے دُکھ کو کم کرنے کی بجائے بڑھا دیا تھا۔ کسی کی بیٹی کو آج کے دور میں نیک بَر اور اچھا گھر ملنا بہت بڑی خوش نصیبی ہے، اور ان کی بیٹی نے ہاتھ آئی نعمتوں کو ٹھوکر مار دی تھی۔

☆......☆......☆

یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ آج مریم کی جاب کا پہلا دن تھا اور آج ہی عدیل لندن فلائی کر رہا تھا۔ اُس کی شام چار بجے کی فلائٹ تھی۔ گھر سے اُسے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے نکل جانا تھا۔ لنچ بریک سے پندرہ منٹ پہلے اُس کی کال آ گئی۔ وہ بہت پریشان ہو رہا تھا۔ اُس کا پاسپورٹ نہیں مل رہا تھا۔ مریم کو پتا تھا کہ اُس کا پاسپورٹ گھر کے لاکر میں رکھا ہوا ہے اور لاکر کی چابی اُس کی کی رِنگ میں ہوتی تھی، اور کی رِنگ اُس کے پرس میں تھی۔ اُس نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اُسے عدیل کی پریشانی کا اندازہ تھا۔

''میں ڈرائیور کے ہاتھ آپ کو چابی بھجوا رہی ہوں۔ ڈونٹ وری......! وہ آدھے گھنٹے میں آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔''

مریم نے اُسے تسلی دے کر فون بند کیا اور فوراً Reception پر ملایا۔ پتا چلا ڈرائیور تو آفس کے کچھ لوگوں کا لنچ ارینج کرنے نکلا ہوا ہے۔ یہ سن کر ہی مریم کو تو جیسے چکر آ گئے۔ اُس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ ایک گھنٹے کا لنچ بریک ہوتا تھا۔ اُس کا اپنا اندازہ تھا، وہ ایک گھنٹے میں گھر جا کر واپس آ سکتی ہے۔ یہ سوچتے ہی اُس نے ہینڈ بیگ اور گاڑی کی چابی اُٹھائی اور کھڑی ہو گئی۔

☆......☆......☆

وہ بہت تیز ڈرائیو کرتی ہوئی گھر تک پہنچی تھی۔ اُس نے کبھی زندگی میں اتنی تیز ڈرائیو نہیں کی تھی۔ آندھی طوفان کی طرح وہ گھر میں داخل ہوئی تھی اور اُسی رفتار کے ساتھ اپنے بیڈروم کی طرف بڑھی تھی۔ عدیل کے پاس واقعی بہت کم وقت رہ گیا تھا۔ اُس نے ائیر پورٹ سے Cab منگوائی تھی جو باہر کھڑی تھی۔ بیڈروم کا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ عدیل کی آواز کمرے سے باہر آ رہی تھی۔ وہ بہت جھنجلائے ہوئے انداز میں فون پر بات کر رہا تھا۔

''یار علینہ......! تم تو کسی طرح ایئرپورٹ پہنچ کر کلیئرنس کراؤ، وقت بچے گا۔''

مریم جہاں تک پہنچی تھی، وہیں رُک گئی۔ اُس کی آنکھوں سے لگ رہا تھا جیسے اُسے کچھ سمجھ نہیں آئی۔ اُسی وقت عدیل کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

''علینہ......! کیا بچوں والی باتیں کر رہی ہو......؟ سیٹ کا کیا ہے......؟ وہ تو بعد میں بھی ایکسچینج ہو سکتی ہے۔ وہ میری Stupid بیوی لاکر کی چابی اپنے ساتھ ہی لے گئی ہے اور پاسپورٹ لاکر میں رکھا ہے، تم جلدی سے نکلو۔ ڈرائیور اُس کے آفس سے چابی لے کر پہنچنے ہی والا ہو گا۔''

مریم کو یوں لگا جیسے زمین بڑے زور سے ہلی ہو اور دُور دُور تک بلند و بالا عمارتیں پہلے ہلتی ہوئی دکھائی دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین بوس ہونے لگیں۔ ہر چیز ہل رہی تھی، تباہ ہو رہی تھی، تو وہ اپنے دو پاؤں پر کیسے کھڑی تھی......؟ پھر اُس کے شعور نے اُسے متوجہ کیا کہ بھونچال باہر نہیں، اُس کی اپنی ذات کے اندر آیا ہے۔ کھڑے کھڑے اُس کی دُنیا لُٹ گئی تھی۔ دھوکے اور بے اعتباریوں کا نام سنتے ہوئے وہ جوان ہو گئی تھی اور حقیقت میں یہ راز آج اُس پر کھلا تھا کہ کسی پیارے کی موت کی خبر اور کسی بڑے دھوکے کا انکشاف ایک ہی بات ہے۔ لیکن موت کی خبر میں ایک سہولت ہوتی ہے کہ انسان خبر ملتے ہی دل کھول کر اپنی قوت اور ہمت کے مطابق ماتم شروع کر دیتا ہے۔ لیکن دھوکے کا دُکھ وہ دُکھ ہے کہ رُسوائی کے خوف سے ماتم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ دُکھ تو جگر کے بے شمار ٹکڑے کر دیتا ہے، جسے رُسوائی کے خوف سے برداشت کرنا مجبوری ہے۔ رشتوں کی مجبوری میں بندھا ہوا انسان اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے آزاد نہیں ہوتا، صرف گھٹ گھٹ کر رو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اگر منہ سے ایک آہ بھی نکلی تو

بہت بدنامی ہوگی۔ سب پیارے رشتے رونے سے منع کرتے ہیں، صبر کی تاکید کرتے ہیں، دل کا بوجھ ہلکا کرنے پر پابندیاں لگاتے ہیں۔ دھوکے کے دُکھ کا ماتم کرنے کے لئے جنگل ہی ایک بہتر ٹھکانہ ہے۔ زندگی تو ایک لاش کی طرح کھڑے کھڑے بوجھل ہوگئی تھی۔ دودھاری تلوار کا حملہ تھا جسے دیکھنا بھی تھا اور سہنا بھی۔ وہ اپنی جگہ پتھرائی ہوئی کھڑی تھی۔

''نورانی یار......! تمہاری کافی ابھی تک نہیں بنی......؟''

عدیل جیسے اپنا غصہ نورانی پر نکالتا ہوا باہر آیا لیکن اُسے ایک زور کا جھٹکا لگا تھا۔ وہ حیرت سے ساکت کھڑی ہوئی مریم کو دیکھ رہا تھا۔

''مریم......؟ تم کب آئی......؟ اور اس طرح کیوں کھڑی ہو......؟ تم نے تو کہا تھا، چابی ڈرائیور لے کر آرہا ہے۔''

عدیل بولتے بولتے آگے بڑھا اور مریم کے کاندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا۔ مگر مریم دوقدم پیچھے ہٹ گئی۔

''خبردار جو مجھے ہاتھ لگایا۔ ڈرامہ ختم ہوگیا، اور شکر ہے، بڑی جلدی ختم ہوگیا۔''

مریم کا لہجہ بہت سخت اور سپاٹ تھا۔

''ڈرامہ......؟ کیسا ڈرامہ......؟ کیا کہہ رہی ہو......؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی۔''

عدیل بُری طرح سے گھبرا گیا تھا۔ اُس کے دل کا چور بالکل صحیح صحیح خبریں دے رہا تھا۔ مگر اُسے انجان بن کر پوچھنا تو تھا۔ جھوٹ پر پردہ ڈالنے کے لئے مزید ستر جھوٹ تو بولنا تھے۔ مریم نے اُس کی طرف سرد نظروں سے دیکھا۔ پرس کھول کر رِنگ نکالی اور عدیل کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

''یہ لیں، اپنا پاسپورٹ نکالیں اور ایک منٹ کے اندر اندر یہاں سے چلے جائیں۔ آپ نے ایک ہزار کے مجمع میں مجھ سے شادی کی ہے اور ہماری طرف سے کسی نے نہ کوئی جھوٹ بولا نہ کوئی دھوکہ دیا۔ میں بڑی عزت سے اس گھر میں آئی ہوں۔ یہ گھر میرا ہے۔ آپ اپنا گھر جہاں مرضی بنالیں، لیکن ہمیشہ کے لئے اس گھر سے چلے جائیں۔''

عدیل دم بخود سا اپنی جگہ کھڑا تھا۔ اُس نے رِنگ ابھی تک مریم کے ہاتھ سے نہیں لی تھی۔

''لگتا ہے تمہیں کوئی شدید غلط فہمی ہوگئی ہے۔''

عدیل نے بڑے کمالِ مہارت سے خود کو سنبھال لیا تھا۔ اب مریم کو سنبھالنے کا مرحلہ درپیش تھا۔

''ہاں......!''

اندر مووی چل رہی تھی اور آواز باہر تک آرہی تھی۔ مریم نے جتادیا کہ وہ سب کچھ سن چکی ہے۔

''وہی تو میں تمہیں بتانا چاہ رہا ہوں۔''

''Stop.....!''

مریم نے اجنبی اور سخت لہجے میں کہا اور تیز تیز چلتی ہوئی اپنے بیڈروم میں چلی گئی اور زور سے دروازہ بند کردیا۔ عدیل بھی تیزی سے بیڈروم کی طرف بڑھا اور دروازے کا ہینڈل گھمایا تو پتا چلا کہ مریم نے دروازہ لاک کردیا ہے۔ عدیل چند لمحے اپنی جگہ پر کھڑا سوچتا رہا۔ اُسے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس وقت مریم کی کیفیت بکھری ہوئی سرکش لہر جیسی ہے جس کو قابو کرنا ناممکن ہے۔ اس وقت تو اس لہر میں اتنی قوت ہے کہ بڑے بڑے جہازوں سے ٹکرائے تو ہلا کر رکھ دے۔ یہ سوچ کر وہ لاؤنج میں آکر صوفے

پر بیٹھ گیا۔ لندن وندن تو سب بھاڑ میں چلا گیا تھا۔ اب تو اپنی عزت اور اپنا گھر بچانے کی فکر پڑ گئی تھی۔ نورانی نے اُسے لاؤنج میں بیٹھا دیکھا تو کافی کی ٹرے وہیں رکھ کر چلا گیا۔ ہر چیز سے ہی طبیعت اُچاٹ ہو چکی تھی۔ وہ کافی کا مگ اُٹھانے کی بجائے بس اسے گھورے جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

مریم بے دم انداز میں بیڈ پر گر گئی تھی۔ ابھی تو وہ حیرت کے اُس مقام پر کھڑی ہوئی تھی جو حیرت کا آخری درجہ ہوتا ہے۔ اس مقام سے عملاً گزرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے حیرتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ حیرت ختم ہو جاتی ہے تو عقل کامل ہو جاتی ہے۔ جھگڑے، بحث ومباحثے، زبان کے خوفناک حملے، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی سازشیں، خلقت کو جمع کرنے والا شور، سب سے جان چھوٹ جاتی ہے اور عقل کی انتہاء پر دل بڑا غم زدہ ہوتا ہے، کیونکہ اس کے سارے ہتھیار کند ہو جاتے ہیں۔ خلقی قوت کے سامنے وہ بے بس ہو جاتا ہے اور خالی مکان بن کے رہ جاتا ہے، جس پر بڑے بڑے تالے پڑ جائیں اور جالوں کے جھنڈ لہرائیں۔ وہ بے حس وحرکت چھت کی طرف ٹکٹکی باندھے ہوئے تھی۔ اُسی وقت عدیل کے موبائل کی مخصوص ٹون بڑے قریب سے سنائی دی۔ وہ اپنے دھیان سے باہر آ گئی۔ گردن موڑ کر دائیں جانب دیکھا تو موبائل بالکل اُس کے قریب ہی پڑا ہوا تھا۔ تصویر دیکھ کر اس کی تمام حسیات یکجا ہو گئیں۔ اُس نے فوراً کال attend کی لیکن کچھ بولی نہیں۔ دوسری طرف سے علینہ کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

''عدیل......! آخر تم کہاں رہ گئے ہو......؟ کیا ابھی تک گھر میں ہی ہو......؟ کیا وہ تمہاری stupid بیوی نے ابھی تک چابی نہیں بھجوائی......؟''

مریم ایک پتھر کے بُت کی طرح ساکت تھی۔ ایک لفظ stupid جو اُس کے شوہر کے منہ سے نکلا تھا، اُسی نے ہی اُسے کھڑے کھڑے مار دیا تھا۔ ایک غیر لڑکی اُس کے شوہر کی دوست بھی اُسے stupid کہہ رہی تھی۔ احساسِ ذِلت کی شدت اور بے گناہی کے احساس کی شدت، دونوں میں اتنی تپش تھی کہ وہ تو جیسے جل راکھ کا ڈھیر بن گئی تھی۔ موبائل اُس کے کان سے ابھی تک لگا ہوا تھا۔ جبکہ علینہ کوئی جواب نہ پا کر رابطہ منقطع کر چکی تھی۔ مریم کی آنکھیں چھت کی طرف گھور رہی تھیں اور وہ پلکیں جھپکانا بھول گئی تھی۔

☆......☆......☆

عدیل اپنا سر پکڑے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ کافی کا مگ سامنے اُس کے ٹیبل پر رکھا ہوا تھا لیکن اُس نے ابھی تک ایک سِپ بھی نہیں لیا تھا۔ حادثہ اتنا بڑا تھا کہ تاب لاتے بن نہیں رہی تھی۔ اُس کے تو یہ سوچ کر ہی ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے کہ مریم نے اُس کی اور علینہ کی فون ٹاک سن لی ہے، اور واقعی اگر اُس نے سن لی ہے تو وہ مریم کا اعتماد کس طریقے سے واپس لائے گا......؟

''ویسے ہے تو معصوم، بات بن جائے گی، بس تھوڑی سی محنت کرنا ہوگی۔''

وہ اپنے دل کو سمجھانے لگا مگر دل کو چین آ نہیں رہا تھا۔''

اُسی وقت نورانی لاؤنج میں آیا تھا۔

''سامان گاڑی میں رکھ دوں صاحب......؟''

نورانی نے بڑے مؤدبانہ انداز میں عدیل سے پوچھا۔عدیل اپنے خیال سے ایک دم چونک پڑا۔

''آں ہاں......! کیا......؟''

''صاحب......! میں پوچھ رہا ہوں کہ سامان گاڑی میں رکھ دوں......؟''

نورانی نے عدیل کی غائب دماغی کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے پھر بہت مؤدبانہ اور محتاط انداز میں پوچھا۔

''جاؤ......! جا کر اپنا کام کرو......! چھوڑو سامان وامان کو۔''

عدیل نے بہت بُرے طریقے سے جھلا کر کہا۔نورانی ڈر کر تیزی سے باہر نکل گیا اور عدیل کو فوراً علینہ کا خیال آیا جو اُس کے خیال کے مطابق ایئر پورٹ پر عدیل کا انتظار کر رہی تھی۔ یہ خیال آتے ساتھ ہی اُسے اپنے موبائل کا خیال آیا۔اُس نے اپنی جیبوں کو ہاتھ لگایا اور گھبرا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''مائی گاڈ......! موبائل تو بیڈروم میں ہی ہے۔''

یہ خیال آتے ہی وہ دَھب سے صوفے پر گر گیا۔

''بیڈروم میں تو مریم ہے اور علینہ کال پر کال کر رہی ہوگی۔''

یہاں تک سوچتے ہی عدیل کو چکر سے آنے لگے۔اُس نے بے دم سا ہو کر صوفے کی بیک سے سر لگایا اور آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆......☆

مریم ابھی تک سابقہ انداز میں لیٹی ہوئی تھی۔ پتھرائی ہوئی آنکھیں چھت پر ٹکی تھیں۔عدیل کے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک لمحہ فلم کی صورت اُس کی نظروں کے سامنے سے گزر رہا تھا۔عدیل کے وارفتہ انداز، محبت بھری باتیں، نثار ہونے والے انداز جیسے جیسے حافظے میں آتے، ویسے ویسے اندر کے شعلوں کو ہوا مل رہی تھی۔اُس کو سب کچھ یاد آ گیا۔ بیٹھے بیٹھے فون کال ریسیو کرنا اور پھر فوراً اُٹھ کر چل پڑنا۔رات کے پچھلے پہر فون پر باتیں کرنا اور یہ کہنا کہ دوسرے ملک میں رہنے والے کسی دوست کی کال تھی۔ لیٹ آورز میں علینہ کے فون آنا، اور ایک منظر پر تو وہ جیسے ٹھہر ہی گئی۔وہ منظر جب اُس نے علینہ کو عدیل کے آفس میں اتفاق سے دیکھ لیا تھا۔دونوں کسی بات پر بے تحاشہ ہنس رہے تھے۔اُن کی ہنسی کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ آپس میں کتنے شیر وشکر ہیں۔اُسے بہت بُرا محسوس ہوا تھا، لیکن اس نے بہر حال شک نہیں کیا تھا یا یوں کہ محض وہم وگمان کی بنیاد پر عدیل کی محبت سے دست بردار ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی، سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔صدمے کی آخری انتہاء کو چھونے کے بعد اُس نے جیسے اپنے بکھرے ہوئے وجود کو سمیٹنے کی جدوجہد شروع کر دی۔اُسے گرنا نہیں، اُسے مقابلہ کرنا ہے۔کسی نے جیسے سچے موتی جیسی خالص محبت کو مٹی کے ٹوٹے ہوئے برتن کی طرح بے قیمت، بے حیثیت کر دیا تھا۔اُس کے قیمتی جذبے کسی فراڈیئے اور دھوکے باز کو خوشیاں فراہم کرنے کے لئے تو ہرگز بھی نہیں تھے۔حادثہ تو بہت ہولناک تھا۔ بظاہر سنبھلنا بھی بہت مشکل تھا، لیکن ہمیشہ کی طرح مشکل پڑنے پر اس کے سامنے اپنے باہمت نانا کا مسکراتا ہوا چہرہ آ گیا۔اُس کے کانوں میں بشر علی کی مدہم اور شفیق آواز گونج رہی تھی۔ابھی کچھ دن پہلے ہی تو وہ اُسے فون پر کہہ رہے تھے۔

''قیامت تو جب آئے گی تب آئے گی۔اس دُنیا میں تو روز ہی قیامت برپا ہوتی ہے۔ ہرانسان اپنے حصے کی قیامت سے گزرتا ہے۔پھر جینے کا راستہ ڈھونڈتا ہے،ایک اورنئی قیامت سے گزرنے کے لئے۔یہ زندگی ہے، بلکہ یہی زندگی ہے۔''

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔مریم گہرے خیال سے چونک پڑی۔

''کون......؟''

''میں ہوں جی،نورانی۔''

''کیا کام ہے،مجھ سے......؟''

مریم نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''بیگم صاحبہ......!صاحب اپنا موبائل مانگ رہے ہیں۔''

نورانی کی آواز آئی۔یہ سن کر مریم نے چند لمحے کچھ سوچا۔پھر ہاتھ بڑھا کر موبائل اُٹھایا اور بستر سے اُتر کر دروازے کی طرف بڑھی۔

''اب مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ عدیل کے پاس کتنی علیناؤں کے فون آتے ہیں......؟ وہ شخص جو سچائی کے ساتھ شاید ایک لمحے کے لئے بھی میرا نہیں ہوا،میرا تو اُس سے لڑائی کا رشتہ تک ختم ہو چکا۔کیونکہ لڑائی بھی تو کسی تعلق کی بنیاد پر ہوتی ہے۔اب مجھے اُس سے نہ کچھ لینا ہے اور نہ دینا۔وہ کسی گرل فرینڈ کو لے کر امریکہ جائے یا سوئٹزرلینڈ۔آج سے میں نے اُسے اپنے دل سے بھی نکال دیا اور زندگی سے بھی۔''

اُس نے دروازہ کھول کر موبائل نورانی کو پکڑا دیا اور بغیر کچھ کہے دروازہ دوبارہ بند کرلیا۔ساتھ ہی لاک بھی کرلیا۔اپنے آپ کو اُس نے سنبھالیا تھا،مگر ایک بے کلی تھی جو اُس کے اختیار سے باہر تھی۔

☆......☆......☆

علینہ موبائل کان سے لگائے پاؤں پٹختی ہوئی گھر میں داخل ہو رہی تھی۔

''عدیل......!کیا مسئلہ تھا تمہارے ساتھ......؟ کیوں نہیں پہنچ سکے تم ایئر پورٹ......؟ کیا تمہیں اغواء کرلیا تھا کسی نے......؟تماشہ بنا کے رکھ دیا میرا۔فون بھی attend نہیں کر رہے تھے۔میں نے تمہیں پچاس مرتبہ ٹرائی کیا ہوگا۔''

وہ بکتی جھکتی لاؤنج میں ایک صوفے پر گر پڑی۔

''تمہاری وہ پچاس کی پچاس کالز مریم نے ریسیو کی ہوں گی۔''

دوسری طرف سے عدیل کی آواز آئی۔بڑا تھکا تھکا سا بے زار سا انداز تھا۔

''مریم نے......؟کیا تمہارا موبائل مریم کے پاس تھا......؟مگر کیوں......؟تم نے اُسے بتایا نہیں تھا کہ تمہاری لندن کی فلائٹ ہے۔''

علینہ حیرت کی انتہاء پر پہنچ کر سوال پر سوال کر رہی تھی۔

'' For God sake......میری بھی تو سنو......!سوال پر سوال کئے جا رہی ہو۔بھئی......!اُسے عین وقت پر پتا چل گیا۔یوں سمجھ لو کہ بھانڈا پھوٹ گیا۔اُسے پتا چل گیا کہ میرا تمہارے ساتھ لندن جانے کا پروگرام تھا۔''

عدیل بہت آف موڈ میں بتا رہا تھا۔

"مجھے بے وقوف بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں مریم نہیں، علینہ ہوں۔"

علینہ غصے سے بھڑک کر بولی۔

"علینہ......! خدا کے واسطے Situation کو سمجھو۔ بہت گڑ بڑ ہوگئی ہے۔ جب تک میری طرف سے کال نہ آئے، تم مجھے Contact مت کرنا۔ بائے......!"

اتنا کہتے ہی عدیل نے فون بند کر دیا تھا۔ علینہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے موبائل کو گھور رہی تھی۔ اُس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہوا کیا ہے......؟ سپنوں کا محل دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر آ رہا تھا اور وہ گویا ملبے کے ڈھیر پر بیٹھی نوحہ پڑھ رہی تھی۔ پتا نہیں وہ کتنی دیر تک اس کیفیت میں بیٹھی رہی۔ اُسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب وہاج لاؤنج میں داخل ہوا۔

"یار......! تم نے تو پریشان کر کے رکھ دیا۔ صابر بتا رہا تھا کہ تم ایئرپورٹ سے واپس آ گئی ہو، لندن نہیں گئی ہو۔ میں مسلسل فون پر تمہیں ٹرائی کر رہا ہوں، مگر یا تو تمہارا نمبر busy مل رہا تھا یا تم attend ہی نہیں کر رہی تھی۔"

وہاج تشویش سے بولتا ہوا اُس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ علینہ کی جو غیر معمولی کیفیت تھی، وہ اُس سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی تھی جبکہ اُس کے چہرے پر بہت کچھ لکھا تھا۔ اُس کا موڈ اتنا خراب تھا کہ وہاج کو اچانک سامنے پا کر بھی وہ خود کو کنٹرول کرنے کے قابل نہیں تھی۔

"کچھ تو بولو......! کیوں اتنی خاموش بیٹھی ہو......؟ کیا لیٹ ہوگئی تھی......؟ اس لئے فلائٹ مِس ہوگئی ہے......؟ نو پرابلم......! کل چلی جانا۔ ایک دن سے کیا فرق پڑتا ہے......؟ ابھی تمہارے سامنے فون کر دیتا ہوں کل کی سیٹ کے لئے۔"

وہاج اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل نکالنے لگا۔ اب علینہ ایک دم سنبھلی اور وہاج کو جیب سے موبائل نکالنے سے روکا۔

"نہیں نہیں......! میں نہیں جا رہی۔ جب مجھے جانا ہوگا تو بتا دوں گی۔"

اتنا کہہ کر علینہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور تیز قدموں سے زینے کی طرف بڑھ گئی۔ وہاج اُلجھی ہوئی نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اُس کو خوش رکھنے کے لئے کیا کیا جتن نہیں کرتا تھا، پھر بھی وہ خراب موڈ سے ہی اُس کا استقبال کرتی تھی۔ کوئی نہ کوئی چھوٹی سی بات کو بنیاد بنا کر اُس سے لڑنا شروع کر دیتی تھی۔ وہ اس وقت بھی یہی سوچ رہا تھا کہ وہ کون سی ترکیب آزمائے کہ علینہ خوشی سے کھل اُٹھے......؟

"یقیناً اُس کی فلائٹ مِس ہوگئی ہے، اس لئے اتنا موڈ خراب ہے۔"

وہاج نے بڑے یقین سے سوچا اور ہمیشہ کی طرح کمر کس کر کھڑا ہوگیا۔ اُسے ہر قیمت پر اپنی چہیتی بیوی کا موڈ ٹھیک کرنا تھا۔ وہ بریف کیس اُٹھا کر زینے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

شہلا، وارڈ بوائے اور دو نرسیں ناصر کو قابو کئے ہوئے تھیں۔ انجکشن لگانے کا مرحلہ تھا۔ ناصر کسی بھی صورت میں انجکشن لگوانے کے لئے آمادہ نہیں تھا۔ ضدی بچے کی طرح بھرپور مزاحمت کر رہا تھا۔

''ناصر......!تم میرے بہت پیارے بھائی ہو۔میرا کہنا بھی نہیں مانو گے......؟دیکھو،انجکشن کے بعد تمہیں اتنا سکون ملے گا کہ تم گہری نیند سو جاؤ گے۔''

شہلا پیار سے بولتے ہوئے ناصر کی آستین اُوپر کرتے جا رہی تھی۔اُس نے اشارے سے نرس کو کہا کہ وہ آ کر انجکشن لگا دے۔نرس محتاط انداز میں آگے بڑھی۔اس سے قبل کہ نرس ناصر کا بازو پکڑتی،ناصر نے نرس کا بازو دبوچ لیا۔

''انعم......!میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔انعم......!دیکھو ناں،یہ کوئی مذاق کی بات تو نہیں ہے۔''

وہ وحشت زدہ انداز میں نرس کو گھورتے ہوئے بولتا جا رہا تھا۔نرس نے گھبرا کر شہلا کی طرف دیکھا اور اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

''شہلا آپی......!آپ اسے کیوں نہیں سمجھاتی کہ طلاق تو بہت بُری بات ہوتی ہے......؟اسے میری محبت کی قدر کیوں نہیں ہے......؟میں اس کے بغیر نہیں جی سکتا،مر جاؤں گا۔''

یہ کہہ کر وہ وحشت بھرے انداز میں نرس کو ایک زور کا جھٹکا دیتا ہے۔شہلا،نرس کا بازو ناصر کی گرفت سے چھڑانے لگی۔

''ناصر......!خدا کے لئے ہوش میں آؤ۔یہ انعم نہیں،تمہاری نرس ہے۔''

یہ کہتے ہوئے شہلا کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

''مجھے نرس کی نہیں،انعم کی ضرورت ہے آپی......!''

ناصر نے بڑے غصے سے جواب دیا۔

''میں نے انعم کو فون کر دیا ہے،وہ بس آتی ہی ہوگی۔''

شہلا نے بڑے پیار سے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔

''اچھا......!وہ آنے والی ہے۔''

ناصر کے چہرے پر ایک دم خوشی کے تاثرات پیدا ہوئے۔

''لیکن آپی......!آپ اُسے سمجھا دیجئے،وہ یہاں ضرور آئے،مگر طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔''

ناصر کے لہجے میں اب اندیشے سے تھے۔شہلا رحم بھری نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ایک تواتر سے آنسو اُس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ناصر نے بالکل سرگوشی کے انداز میں شہلا کے کان کے پاس منہ لے جا کر کہا۔

''آپی......!وہ کچھ بھی کرے،میں اُسے طلاق نہیں دوں گا۔''

یہ کہہ کر وہ بجلی کی سی تیزی سے بیڈ پر سے اُترا اور زور سے حلق پھاڑ کر چیخا۔

''میں طلاق نہیں دوں گا۔انعم......!کان کھول کر سن لو تم،میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔''

وارڈ بوائے اور نرسیں اُسے پکڑنے کے لئے دوڑ رہے تھے،مگر وہ اُن کی گرفت میں نہیں آ رہا تھا۔وہ اتنی زور زور سے بیڈوں کو پھلانگ کر اِدھر اُدھر آ جا رہا تھا کہ اتنی اُونچی اُونچی چھلانگیں مارنا بس حالت دیوانگی ہی میں ممکن تھا۔شہلا بھائی کی یہ ......یں اور دیوانگی دیکھ کر ضبط نہ کر سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆......☆......☆

''سلمٰی......!میرا خیال ہے،ہمیں آج رات یہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے۔''

فیاض احمد،سلمٰی بیگم سے کہہ رہے تھے۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ......!آپ سیٹ کنفرم کروالیں۔سات بجے تک شہلا گھر آجائے گی۔پھر ہم بیبہ کو لے کر چلے جائیں گے۔میں نے بیبہ کی ضروری چیزیں تو رکھ لی ہیں،پھر بھی ایک نظر دیکھ لیتی ہوں۔''

سلمٰی بیگم یہ کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ویسے یہ تو تمہیں یقین ہے ناں کہ شہلا کو بیبہ کے ہمارے ساتھ جانے پر کوئی اعتراض نہیں......؟''

فیاض احمد نے سلمٰی بیگم سے پوچھا۔

''اس کی آپ فکر نہ کریں۔میری شہلا سے بات ہو گئی ہے۔''

سلمٰی بیگم نے اُنہیں تسلی دی۔

''وہ بھی ہماری بات سمجھ رہی ہے کہ ناصر کی تیمارداری کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹی بچی کی دیکھ بھال اُس کے لئے بہت مشکل کام ہوگا۔ہماری بیٹی کی نادانی کی سزا کتنے بے گناہ لوگ کاٹ رہے ہیں۔''

فیاض احمد کے لہجے میں جگر چھلنی کر دینے والا کرب تھا اور سلمٰی بیگم کو دُکھ کی انتہا نے لاجواب کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

مریم کئی گھنٹوں کی اندرونی جنگ سے نمٹنے کے بعد دروازہ کھول کر بیڈروم سے باہر آئی تھی۔دُور دُور تک خاموشی کا راج تھا۔اُس نے لاؤنج میں کھڑے ہو کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔اُسے کہیں پر نورانی بھی کام کرتا ہوا دکھائی نہیں دیا۔اُس نے غیر ارادی طور پر نورانی کو آواز دی۔گہرے سناٹے میں اُسے اپنی آواز بازگشت کی طرح محسوس ہوئی۔اس وقت اُسے گھر کی ایک ایک چیز اجنبی دکھائی دے رہی تھی۔جس کی ذات سے وابستہ ہو کر ایک ایک شئے اپنی ہو گئی تھی،ایک پل میں جیسے سارے تعلق ختم ہو گئے تھے۔وابستگی کے سارے احساس مر گئے تھے۔ایک اجنبی کے ساتھ کتنے مہینے گزار دیئے تھے اور پتا ہی نہیں چلا کہ ساری عمر کی جمع پونجی کھڑے کھڑے لُٹ گئی۔

زندگی ہے کیا......؟خیالات اور احساسات کا کھیل،کبھی یقین کی سرمستیاں،کبھی گمان کی چالیں،آتی جاتی سانس کی ڈور تعلق اور رابطوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے۔ڈور ٹوٹی،بوجھ سرکے اور رابطے ختم ہو گئے۔یہ زندگی ہے......؟آج کی صبح کیسی تھی،جیسے دن اِسی گھر میں طلوع ہوا تھا،جیسے سورج کو صرف اِسی چھت پر چمکنے کی اجازت ملی تھی،اور شام کیسی آئی تھی......؟سیاہ ماتمی لباس پہنے ہوئے،بال بکھرائے بین کرتی ہوئی۔احساس کی دُنیا اتنی جلدی بدل سکتی ہے۔مقامِ حیرت تھا اور وہ لب بستہ کھڑی سوچ رہی تھی۔نورانی شاید چھت پر تھا۔اُس کی آواز سن کر گرتا پڑتا نیچے آیا تھا۔

''جی بیگم صاحبہ......!''

''گھر میں کوئی نہیں ہے......؟''

مریم نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

''جی......!''

پہلے تو نورانی سمجھا نہیں، پھر اُسے خیال آیا کہ گھر میں کل تین ہی تو افراد ہیں۔صفائی والی ماسی صبح آتی ہے، دو گھنٹے بعد چلی جاتی ہے۔دو افراد تو اس وقت آمنے سامنے تھے۔تیسرا فرد عدیل تھا، جو منظر سے غائب تھا۔یقیناً مریم اُسی کا پوچھ رہی تھی۔

''صاحب تو بڑی بیگم صاحبہ کے کمرے میں ہیں''

نورانی گھر کا پرانا ملازم تھا۔بغیر بتائے بھی بہت کچھ سمجھ سکتا تھا۔اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ صاحب اور بیگم صاحبہ کی کھٹ پٹ ہوگئی ہے۔صاحب کا موڈ تو تھا ہی خراب، بیگم صاحبہ کا بھی اچھا نہیں تھا۔صاحب کا نام لینے کی بجائے ''انہیں'' ''کوئی'' کہہ رہی ہیں۔یہ ہی ناراضگی اور کھٹ پٹ کا بہت بڑا ثبوت ہے۔نورانی نے بہت محتاط انداز میں جواب دیا تھا اور اگلے حکم کا منتظر تھا۔

''ٹھیک ہے......! جاؤ تم اپنا کام کرو۔''

مریم نے یہ کہہ کر دوبارہ اپنے بیڈروم کی طرف قدم بڑھایا۔

''آپ کے لئے چائے بناؤں بیگم صاحبہ......؟''

نورانی نے مؤدبانہ انداز میں پوچھا۔

''نہیں......! میں اپنی امی کی طرف جا رہی ہوں، چائے وہیں پیئوں گی۔''

مریم نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا اور آگے چل پڑی۔

''لگتا ہے، آج صاحب اور بیگم صاحبہ کی ٹھیک ٹھاک لڑائی ہوگئی ہے۔بیگم صاحبہ میکے جا رہی ہیں۔اللہ رحم کرے۔دیکھیں کب واپس آتی ہیں......؟''

مریم نے نورانی کو درحقیقت کام سے تو نہیں لگایا تھا، مگر سوچنے کے کام سے ضرور لگا دیا تھا۔

☆......☆......☆

علینہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے ہوئے اِدھر اُدھر گھما رہی تھی۔وہ شدید اذیت میں مبتلا تھی۔وہاج اُس کا سر دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''جان......! اپنے آپ کو سنبھالو۔میں نے ڈرائیور کو گاڑی تیار کرنے کے لئے کہہ دیا ہے۔بس ابھی ہسپتال چلتے ہیں۔''

''وہاج......! مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میرا سر ایک دھماکے سے پھٹ جائے گا۔''

علینہ اپنا سر اِدھر اُدھر پٹختے ہوئے بولی۔

''بس ایک منٹ......! چلتے ہیں ابھی۔مجھے لگتا ہے تمہارا بی پی شوٹ کر رہا ہے۔''

وہاج کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔وہ علینہ کی تکلیف کہاں برداشت کر سکتا تھا......؟ اسی وقت اُس کے ملازم صابر نے آ کر کہا۔

''صاحب......! گاڑی تیار ہے۔''

وہاج نے فوراً علینہ کو سہارا دے کر اُٹھانے کی کوشش کی۔

''اُٹھو شاباش......! ہمت کرو علینہ......!''

وہ علینہ کو سہارا دے کر کھڑا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔علینہ نے اپنا سارا بوجھ اُس پر ڈال دیا تھا،لیکن وہاج کو یہ بوجھ بھی پھول کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔وہ تو بس پلک جھپکتے میں اُسے بالکل ٹھیک دیکھنے کا خواہش مند تھا۔علینہ کا تو ہر بوجھ اُسے گوارہ تھا۔

☆......☆......☆

''کیا بات ہے مریم......؟ آج تم بہت چپ چپ نظر آ رہی ہو......؟''

فرح نے مریم سے کہا جو چائے کا کپ ہاتھ میں تھامے کسی گہری سوچ میں گم تھی۔وہ پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھی۔فرح کے ٹوکنے پر چونک پڑی۔

''آں ہاں......کچھ نہیں بھابی......! بس ویسے ہی۔''

وہ زبردستی مسکرائی اور چائے کا ایک سِپ لیا۔

''پریشانی تو ایک قدرتی سی بات ہے، ہونا ہی ہے۔امی نے تمہیں بھی بتایا ہی ہوگا فون پر کہ ناصر کی حالت بہت خراب ہے،وہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا ہے۔''

''جی......آہ......ہاں......!''

مریم نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

''Obviously......ظاہر سی بات ہے، پریشانی کی بات تو ہے۔مجھے تو بیہ کا خیال آ رہا ہے۔اس وقت ماں باپ دونوں ہی اُس کے پاس نہیں ہیں۔''

مریم نے آہستہ میں جواب دیا۔

''بیہ کی طرف سے تم ٹینس مت ہو۔امی اُسے ساتھ لے کر آ رہی ہیں۔کم از کم اُسے اپنی ماں تو نظر آئے گی۔''

''ہاں......! بس نظر ہی آئے گی،اور کچھ تو کر نہیں سکتی وہ۔اپنی اولاد کا ہی احساس کر لیتی تو یہ نوبت ہی کیوں آتی......؟''

مریم نے تلخی سے کہا اور چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''انعم اپنے کمرے میں ہے......؟''

وہ فرح سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں......! اب تو وہ خود کو کمرے میں ہی بند رکھتی ہے، بہت کم باہر آتی ہے۔میں تو سوچتی ہوں،اُس کا دل نہیں گھبراتا بند کمرے میں پڑے پڑے......؟''

فرح کے لہجے میں خفگی کا تاثر نمایاں تھا۔

''گھبرائے گی کیوں......؟ فون پر سلمان سے باتیں کرتی رہتی ہوگی۔بے وقوف بنانے والوں کے پاس باتیں بہت ہوتی ہیں۔''

مریم نے سوچا مگر کچھ بولی نہیں۔

''بھابی......! میں ابھی انعم سے بات کر کے واپس آتی ہوں۔''
اُس نے اتنا کہا اور زینے کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

وہاج ہسپتال کے کوریڈور میں بے قراری سے ٹہل رہا تھا۔علینہ کو ڈرپ لگانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔فوری آرام کے لئے اُسے pain-killer تو لگا دیا تھا۔علینہ کی تو ایک معمولی سی تکلیف بھی وہاج کو پریشان کر دیتی تھی اور آج تو اُس نے جس طرح علینہ کو درد سے تڑپتے ہوئے دیکھا تو اُس کی تو اپنی حالت خراب ہو رہی تھی۔سوچ رہا تھا کہ آخر اچانک علینہ کے سر میں اتنا شدید درد کیوں ہوا......؟ پہلے تو کبھی اسے ایسا درد نہیں ہوا۔
''Stress لینے کی تو اُسے عادت ہی نہیں ہے۔اپنے سارے بوجھ وہاج کی جھولی میں یا ماں کی گود میں ڈالنے کی عادت تھی۔وہ ابھی بس یہی تک سوچ پایا تھا کہ اُس نے دیکھا لیڈی ڈاکٹر روم سے باہر آ رہی تھی۔وہاج تیزی سے اُس کی طرف بڑھا۔
''اب علینہ کی طبیعت ٹھیک ہے......؟ میں اندر جا سکتا ہوں......؟''
وہاج نے بے تابی سے پوچھا۔
''O sure مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ آپ کی مسز کی ڈیڑھ مہینے کی pregnancy ہے، اور ابھی تک اس کا pregnancy ٹیسٹ ہی نہیں ہوا تھا۔بہرحال آپ کے لئے اچھی خبر ہے کہ آپ کی بیگم بالکل ٹھیک ہیں اور آپ بہت جلد باپ بننے والے ہیں۔''
لیڈی ڈاکٹر نے پیشہ وارانہ مسکراہٹ کے ساتھ اپنی بات مکمل کی اور آگے بڑھ گئی۔وہاج آنکھیں پھاڑے ششدد سا کھڑا لیڈی ڈاکٹر کو جاتے دیکھ رہا تھا۔اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
''pregnancy.....? یہ ڈاکٹر کیا کہہ رہی تھی......؟ اس کا دماغ تو خراب نہیں ہے۔pregnancy.....? یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔''
بے یقینی اور صدمے کی کیفیت نے اُسے پتھر کر دیا تھا۔گزرنے والے لوگ اُس پر حیرت کی ایک نظر ڈال کر آگے بڑھ رہے تھے لیکن وہاج کو بالکل ہوش نہیں تھا کہ کون اُسے دیکھ رہا ہے اور کون نہیں......؟ اُس کے کانوں میں اپنے دوست ڈاکٹر سہیل کی آواز گونج رہی تھی۔
''ٹھیک ہے وہاج......! میڈیکل رپورٹ بتا رہی ہے کہ تم میں باپ بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔لیکن انسان کا کوئی بھی تجربہ حرفِ آخر نہیں ہوتا۔اللہ کی ذات سے مایوس ہونا کفر ہے۔معجزے بھی اسی دُنیا میں ہوتے ہیں۔''
''تو کیا معجزہ ہو گیا......؟''
وہاج خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

☆......☆......☆

''محبت کرنا تو ہمیشہ سے ہی جرم سمجھا جاتا ہے اور جرم سمجھنے کی ہی وجہ سے محبت کرنے والوں کو سزائیں بھی دی جاتی ہیں۔

For God sakeسلو......!بس جلدی سے آجاؤ۔اس اے کلاس جیل میں اب میرادم گھبرانے لگا ہے۔میں نے تو پلان کر لیا ہے کہ میں تمہارے ساتھ یورپ کی سیر کے لئے نکل جاؤں گی۔ پہاڑوں، دریاؤں، چشموں کو اِنجوائے کروں گی۔ کھلی فضاؤں میں کھل کر سانس لوں گی۔بس اِسی اچھی اُمید پر اوران حسین خوابوں کے سہارے یہ قیدِ تنہائی کاٹ رہی ہوں......''

ابھی وہ کچھ اور بولنے ہی والی تھی کہ مریم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ انعم نے فوراً موبائل آف کر دیا اور بڑی ناراض نظروں سے مریم کی طرف دیکھا۔

''کیوں آئی ہو......؟''

اُس نے بڑے اجنبی انداز میں سوال کیا تھا۔

''ایسے ہی آ گئی،تمہاری خیر خیریت پوچھنے۔''

مریم نے اُس کے روّیے کو برداشت کرتے ہوئے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

''خیر خیریت پوچھنے یا تماشہ دیکھنے......؟''

انعم کے لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا۔

''اگر تمہاری سوچnegativeہو چکی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے......؟''

مریم نے پھر صبر وضبط کا مظاہرہ کیا۔

''ہاں تو ٹھیک ہے......!میںnegativeہوں تو سب لوگوں کو چاہئے کہ مجھ سے ہر طرح کا تعلق ختم کر دیں۔کیوں پکڑ پکڑ کر لا رہے ہیں مجھے......؟اور مجھے قیدیوں کی طرح گھر میں کیوں بند کر رہے ہیں......؟امی کو دیکھو، ماں ہو کر بے وقوف بنا رہی ہیں۔ناصر سے طلاق کی بات کرنے گئی تھیں، جا کر ہی بیٹھ گئی ہیں۔''

''ناصر کی طبیعت اتنی زیادہ خراب ہے کہ اُس سے بات ہو ہی نہیں سکتی۔بُرا بھلا کہنے کی جلدی پڑی رہتی ہے تمہیں، حقیقت جاننے کی بھی کوشش کیا کرو۔''

مریم نے اب ذرا اُسے ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔

''بے وقوف بنانے والوں سے تمہیں فرصت ملے گی تو تم کچھ جاننے کی کوشش کروں گی۔''

مریم نے مزید کہا۔

''میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکی ہوں مریم......! It's none of your business''

انعم زخمی ناگن کی طرح پھنکاری۔مریم،سلمان کی Insult کر رہی تھی۔گویا انعم کو گالی دے رہی تھی۔

''خدا کے لئے مریم......!تم میرے روم میں مت آیا کرو۔یہ جو چاروں طرف آگ بھڑک رہی ہے ناں،اس کی ذمہ دار صرف تم ہو۔میں تو تمہیں اپنی بہن ہی نہیں مانتی۔برائے مہربانی آئندہ مجھ سے ملنے کی کوشش مت کرنا اور نہ ہی مجھے فون کرنا۔''

یہ کہتے ہوئے انعم نے مریم کی طرف سے پشت کر لی تھی۔ریزہ ریزہ ذات کو لئے مریم کمال حوصلے سے سگی بہن کی اجنبیت دیکھ رہی تھی اور لعن طعن سن رہی تھی۔انعم نے شور مچا کر ساری دُنیا میں ہلچل مچائی ہوئی تھی اور مریم اپنے بھرم کو جمع پونجی کی طرح اپنی مٹھی میں دبوچے ہوئے بالکل خاموش کھڑی تھی۔انسان تو انسان تھے،وہ تو دیوار کی طرف منہ کر کے بھی نہیں کہہ سکتی

تھی کہ اُس پر کیسی قیامت آئی ہے اور وہ لحہ بہ لحہ اَن دیکھی دلدل میں دھنستی جارہی تھی......؟

☆......☆......☆

علینہ اسپیشل وارڈ کے بیڈ پر لیٹی بڑی حیرت سے وہاج کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہاج بہت کھویا کھویا نظر آرہا تھا۔ علینہ کی بات کا جواب دے رہا تھا، مگر غائب دماغی کی کیفیت میں۔

''جانی......! تم ایک دم اتنے چپ چپ نظر آنے لگے ہو......؟ خیریت ہے ناں......؟''

اب علینہ سے رہا نہ گیا، آخر بول ہی پڑی۔ وہاج ایک دم چونک پڑا۔

''آں......ہاں......! کچھ کہا تم نے مجھ سے......؟''

وہاج اسی طرح غائب دماغی کی کیفیت میں پوچھنے لگا۔ علینہ نے اپنی پیشانی پر زور سے ہاتھ مارا۔

''کہاں گم ہو......؟ میں تو سوچ رہی تھی، جب تم آؤ گے تو خوشی سے جھوم رہے ہو گے۔ تمہیں تو بچوں کا بہت ہی شوق ہے۔ اب خوش خبری ملی ہے تو پتا نہیں کہاں پہنچے ہوئے ہو......؟''

''ہاں......! ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! بس ڈرِپ ختم ہونے والی ہے، ابھی گھر چلتے ہیں۔''

وہاج زبردستی مسکرایا اور علینہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا کر بولا۔ علینہ نے پھر دایاں ہاتھ زور سے اپنے سر پر مارا۔

''یا اللہ......! کیا ہوگیا ہے تمہیں......؟ میں کچھ کہہ رہی ہوں، تم کچھ کہہ رہے ہو۔ تمہارے لئے تو دُنیا کی سب سے بڑی خوش خبری ہے یہ۔ مگر تم پر تو مجھے کوئی اثر ہی نظر نہیں آرہا۔''

علینہ نے اب ہلکی سی خفگی کا اظہار کیا۔ اب وہاج نے خود کو سنبھالنے کے لئے شعوری کوشش کی اور زبردستی مسکرایا۔

''بھئی......! اتنی بڑی خوشی اچانک ملی ہے......''

''خوشی نہیں خوش خبری......! خوشی تو بعد میں ملے گی۔''

علینہ نے بڑی ادا سے وہاج کی بات کاٹ دی۔

''ہاں......! وہی وہی، میرا مطلب یہی ہے کہ اچانک ملنے والی خوش خبری نے تو جیسے میرے حواس ہی گم کر دیئے ہیں۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آج کی تاریخ میں مجھے اتنی بڑی خوش خبری ملے گی۔''

وہاج اِسی طرح خود پر سے کنٹرول کر کے مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ علینہ نے وہاج کی بات پر یقین کر لیا، اس لئے کہ وہ زیادہ دیر تک ذہنی اکھاڑ میں مبتلا نہیں رہ سکتی تھی۔ اُسے خود کو ہلکا پھلکا رکھنے کی عادت تھی۔ اس لئے کہ اُس کا خیال تھا، وہ خوش قسمت لڑکی ہے جو دُنیا میں بوجھ اُٹھانے نہیں، زندگی کو اِنجوائے کرنے کے لئے آئی ہے۔

☆......☆......☆

مریم رات دس بجے سے پہلے پہلے واپس اپنے گھر آگئی تھی۔ تھوڑا بہت کھانا اُس نے حماد اور فرح کے ساتھ کھا لیا تھا، اس لئے اب اُسے کھانے پینے کی تو کوئی خواہش نہیں تھی۔ جو سناٹا گھر میں چھوڑ کر گئی تھی، وہ اب بھی اپنی جگہ پر اُسی طرح قائم تھا۔ نورانی بھی غالباً اپنے کوارٹر میں جا کر سو چکا تھا۔ عدیل بھی بیڈ روم میں نظر نہیں آیا۔ عدیل کی غیر موجودگی سے آزادی کا احساس پیدا ہوا تھا۔ وہ اپنے آپ سے ڈر رہی تھی کہ عدیل پر نظر پڑتے ہی کہیں وہ اپنا Temperament نہ کھودے اور کوئی بڑا

حادثہ نہ ہو جائے۔ **انعم** کے دُکھ نے اُس کے ماں باپ، اُس کے بھائی کا جینا دوبھر کیا ہوا تھا۔ اب وہ اپنا کوئی نیا دُکھ لے کر ان مصیبت زدہ لوگوں کو نئی آزمائشوں میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ اُس نے طے کر لیا تھا کہ وہ اپنی جنگ کس محاذ پر لڑے گی اور تنہا لڑے گی۔ اپنے پیاروں کی محبتوں کو نہیں آزمائے گی۔ کسی حمایتی کو آواز نہیں دے گی۔ وہ جو ایک ذہنی تناؤ کی کیفیت تھی، عدیل کو سامنے نہ پا کر خود بخود زائل ہونے لگی۔ اُس نے شب خوابی کا لباس پہنا اور کمرے میں روشن ساری لائٹیں آف کر دیں۔ کمرے میں بالکل تاریکی چھا گئی۔ باہر آدھے چاند کی چاندنی جو وسیع عریض دریچے سے چھن چھن کر کمرے میں آ رہی تھی، تاریکی کی قوت کو زیر کر رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنے بیڈ تک آئی۔ آج بیڈ کا وہ حصہ بے آباد تھا جہاں پر روزانہ عدیل اُس کا لیٹ کر انتظار کرتا تھا۔ ایک دم جیسے اُس کا دل بھر آیا۔ اُس کا دل چاہا کہ وہ دھاڑیں مار مار کر روئے، اپنے لُٹنے کا دل کھول کر ماتم کرے، مگر اُس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔

☆......☆......☆

وہاج لاؤنج میں اپنی میڈیکل رپورٹ لئے بیٹھا تھا۔ چہرے پر سوچ کی گہری لکیریں نمایاں تھیں۔ آنکھوں میں عجیب ماتمی سی کیفیت تھی۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اپنی میڈیکل رپورٹ کو گھورے جا رہا تھا۔

''کیا قدرت نے مجھ پر رحم کر دیا......؟ کیا کوئی معجزہ ہو گیا......؟ کیا اللہ نے مجھے اپنی بیوی کے سامنے سرخرو کر دیا ہے......؟''

اب وہ دیوانوں کی طرح بڑبڑانے لگا۔ اُسے یاد آ رہا تھا کہ اُسے بچوں کا کتنا شوق تھا اور علینہ ماں بننے سے گھبراتی تھی۔ شادی کے تین سال بعد وہ علینہ کو زبردستی میڈیکل چیک اپ کے لئے لے کر گیا تھا، یہ کہہ کر کہ ہم دونوں اپنا ٹیسٹ کرواتے ہیں۔ لوگ تو شادی کے ایک سال بعد ہی ٹیسٹ کرانے چلے جاتے ہیں، ہماری شادی کو تو تین سال ہو گئے ہیں۔ بہر حال، علینہ جیسے تیسے تیار ہو گئی تھی اور جب ٹیسٹ رپورٹ آئی تو اُس کی اپنی زندگی میں ایک قیامت برپا ہو گئی۔ علینہ تو Medically بالکل فٹ تھی۔ لیکن......

''جانی کیا ہوا......؟ کیوں جاگ رہے ہو......؟''

علینہ لاؤنج میں آ کر نیند بھری آنکھوں سے وہاج کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں حیرت کا تاثر بہت واضح تھا۔ وہاج چونک پڑا۔ خیالات کی دُنیا سے باہر آ گیا۔

''آں......ہاں......!''

وہ غائب دماغی کی کیفیت میں علینہ کی شکل دیکھنے لگا۔

''جانی......! اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو......؟ مجھے تو لگتا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

علینہ اُس کے مزید قریب آ کر غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہاج نے علینہ کی طرف سے نظریں ہٹا لیں۔

''تم سو جاؤ آرام سے۔ میں بھی تھوڑی دیر میں سو جاؤں گا۔''

وہ علینہ سے نظر چراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ایسے کیسے سو جاؤں......؟ تم یہاں بیٹھے رہو گے تو مجھے نیند کہاں سے آئے گی......؟''

علینہ نے اپنی مخصوص ناز وادا سے یوں اِٹھلا کر کہا، گویا دُنیا میں اُس سے زیادہ چاہنے والی شاید ہی کوئی بیوی ہو۔

''اور یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے......؟ ایک منٹ مجھے دکھاؤ۔ میں بھی تو دیکھوں، اس میں کیا لکھا ہے جو تم اتنے پریشان نظر آرہے ہو اور سوبھی نہیں پا رہے ہو......؟''

علینہ نے رپورٹ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے وہاج سے کہا۔

''نہیں نہیں......! میں کہہ رہا ہوں ناں، کوئی بات نہیں۔ تم جا کر آرام کرو۔''

وہاج نے ایک دم برہم اور سخت لہجے میں علینہ سے کہا اور رپورٹ والا ہاتھ اپنی پشت پر کر لیا۔ علینہ کے لئے وہاج کا یہ لب و لہجہ بہت نیا نیا سا تھا۔ اُس نے رُوٹھے ہوئے انداز میں وہاج کی طرف دیکھا اور پاؤں پٹختی ہوئی ٹی وی لاؤنج سے چلی گئی۔ وہاج کا رویّہ اُس کی سمجھ سے باہر تھا۔ وہ رُوٹھ رہی تھی اور وہاج اُسے منانے کے جتن بھی نہیں کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

مریم بیڈ پر چت بالکل سیدھی لیٹی ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھ سینے پر بندھے تھے۔ آنکھیں چھت پر لگی تھیں۔ اب سوچنے کی حد ہو گئی تھی۔ انسان کتنا سوچ سکتا ہے......؟ عدیل کے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک لمحہ فلم کی طرح اُس کی نظروں کے سامنے چل رہا تھا۔ وہ حیرت اور صدمے کے اس مقام پر تھی جہاں انسان کا اپنی ذات پر سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ اُسے شک ہونے لگتا ہے کہ جیسے اُس کے پاس سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔ اچھے بُرے کا ٹھیک اندازہ لگانے کی صلاحیت نہ ہو۔ جو کچھ بھی کتاب سے اور کتابِ زندگی سے سیکھا، وہ محض وقت کا ضایع تھا۔ وہ تو کسی کام کی ہی نہیں ہے۔ اُس کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔

اگر وہ پاک دامن اور پارسا ہے تو کیا......؟

اگر وہ خوبصورت ہے تو کیا......؟

اگر وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے تو کیا......؟

اگر اُس کا خاندان بہت معزز ہے تو کیا......؟

اُس کے شوہر نے تو اُس کو ایک لمحے میں بے حیثیت کر دیا تھا۔ اُسے اُس کی اپنی نظروں میں گرا دیا تھا اور اُس کی انا پر ایسی ضربِ کاری لگائی تھی کہ اُس کی ذات کے پرخچے اُڑ گئے تھے۔

مریم زمان و مکاں کی قید سے آزاد جانے کس جہاں میں پہنچی ہوئی تھی۔ اُسے پتا ہی نہیں چلا کہ عدیل کب کمرے میں داخل ہوا۔ وہ تو اُس وقت چونکی جب عدیل نے جھک کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''خبردار جو مجھے ہاتھ لگایا۔''

اُس نے سرد اور سپاٹ لہجے میں عدیل کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ عدیل اُس کا یہ انداز دیکھ کر پریشان تو ہوا، بلکہ وقتی طور پر اُس نے اپنا اعتماد بھی کھو دیا تھا۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس بگڑی بات کو بنانے کی کوشش بھی اُسے ہی کرنی تھی۔

''مریم......! میں تمہیں یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تم شدید غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہو۔''

عدیل نے مصالحانہ اور دوستانہ انداز میں قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''آپ اس کمرے سے جا رہے ہیں یا میں چلی جاؤں......؟''

مریم دوسری طرف سے بیڈ سے اُترنے لگی۔ عدیل نے بڑی تیزی سے ہاتھ بڑھا کر اُس کا بازو تھام لیا۔

''خدا کو مانو یار......! میری بات تو سنو کم از کم۔''

''شٹ اَپ......!''

مریم نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا اور سرد لہجے میں بولی تھی۔

''مجھے جو کچھ سننا تھا، میں سن چکی ہوں۔''

''تم فضول میں ٹینس ہو رہی ہو۔''

''میں بالکل ٹھیک ٹینس ہو رہی ہوں۔''

مریم قدم بڑھاتے ہوئے بولی۔ عدیل بڑی تیزی سے گھوم کر مریم کے آگے کھڑا ہو گیا۔

''میں نے تم سے کچھ چھپایا تو نہیں ہے مریم......! تمہیں بتا دیا تھا کہ علینہ میری دوست ہے اور ہم صرف اچھے دوست ہیں۔ جو مرضی قسم لے لو۔''

عدیل نے مریم کو شانوں سے تھام کر جیسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہی اس دوستی کی۔ ایک لڑکی مجھ سے چھپ کر آپ کے ساتھ لندن جا رہی تھی۔ میرے لئے یہ کافی ہے۔''

مریم نے اسی طرح سرد لہجے میں کہتے ہوئے عدیل کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹا دیئے۔

''میں تمہیں وہی سمجھانا چاہ رہا ہوں......''

''آپ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ مجھے سب سمجھ آ گئی ہے۔''

مریم نے تیزی سے عدیل کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

''یورپ میں روشن خیالی کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے، دُنیا کے سامنے حقیقت کھل چکی ہے۔ Equality کی Basis پر عورت کو بازار کی چیز بنا کر رکھ دیا ہے۔ اس روشن خیالی کو Follow کر رہے ہیں آپ۔''

مریم شعلہ بار نگاہوں سے عدیل کو گھور رہی تھی۔

''آئی ایم سوری......! روشن خیالی کے اندھیرے پھیلانے کے لئے میں اپنے husband کو help نہیں کروں گی۔''

مریم بولتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹ کر کیچر لگانے لگی۔

''بات یہ نہیں ہے مریم......!''

عدیل نے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی۔

''بات یہ نہیں، بات وہ نہیں، بات وہ ہے جو میں نے اپنے کانوں سے سنی ہے۔''

مریم نے اپنے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کرتے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جو شخص اپنی دوست کے سامنے اپنی بیوی کو stupid کہتا ہے، اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ اپنی دوست کو یہ بتا رہا ہے کہ وہ بہت مظلوم ہے اور بڑی مجبوری میں ایک stupid عورت کے ساتھ رہ رہا ہے۔''

''تم نے اُدھوری بات سن کر نہ جانے کیا کچھ فرض کر لیا ہے......؟''

عدیل پھر مریم کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''ہاں......! آپ کی بات اُدھوری تھی لیکن جب علینہ کا فون آپ کے سیل پر میں نے attend کیا......''

مریم رُک کر اب طنزیہ مسکرائی۔

''تو بات مکمل ہو گئی۔''

مریم نے اتنا کہا اور تیزی سے آگے بڑھی۔ جھٹکے سے بیڈ روم کا بند دروازہ کھولا پھر پلٹ کر عدیل کی طرف دیکھا جو حالتِ بے بسی میں کھڑا ہوا تھا۔

''اب آپ یہ دیکھیں کہ میں کرتی کیا ہوں......؟''

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکلی اور دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔

☆......☆......☆

انعم جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس کاندھے پر بیگ لٹکائے اُنگلی میں کی رِنگ جھلاتی زینہ اُتر کر نیچے لاؤنج میں آ رہی تھی۔ حماد صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اور اپنے سیل فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ بریف کیس اُس کے پاؤں کے پاس رکھا ہوا تھا۔ وہ آفس جانے کے لئے بالکل تیار تھا۔ انعم کی ہیل کی ٹھک ٹھک پر اُس نے اپنا جھکا ہوا سر بے اختیار اُٹھایا اور یہ جان کر کے انعم کہیں جا رہی ہے، اُس کی آنکھوں کے تاثرات بالکل بدل گئے۔ اُس نے اپنی بات مختصر کر کے فوراً سیل فون بند کر دیا۔ انعم اُسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ رہی تھی۔

''انعم......!''

حماد نے سخت لہجے میں اُسے آواز دی۔ انعم رُک تو گئی لیکن اُس نے پلٹ کر حماد کی طرف نہیں دیکھا۔ حماد اُٹھ کر اُس کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھوں میں گویا انگارے دہکنے لگے تھے۔

''کہاں جا رہی ہو تم......؟''

اُس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''مجھے بھی باہر کے کام ہو سکتے ہیں۔''

اُس نے بدتمیزی سے کہا۔

''کوئی کام وام نہیں ہے۔ آرام سے گھر میں بیٹھو۔''

''آپ فضول میں ٹینس ہو رہے ہیں، وہ ملک سے باہر ہے۔''

ڈھٹائی، بے حسی، بدتمیزی سب کچھ ہی تو تھا اس کے لہجے میں۔

''ہاں......! وہ ملک سے باہر اپنے بیوی بچوں کے پاس ہے بے وقوف لڑکی......!''

حماد زور سے دھاڑا۔

''دو چار یا دس بارہ ٹھوکریں کھا کر ہی اسلام آباد جاؤ گی۔''

حماد، انعم کو آگ برساتی نظروں سے گھور رہا تھا۔

''اسلام آباد......؟ اُس پاگل کے پاس......؟ اگر آپ لوگ میرا یہاں رہنا عذاب کر دیں گے تو میں اپنا کوئی چھوٹا سا گھر خرید لوں گی۔''

انعم نے اسی طرح بدتمیزی سے جواب دیا۔

''ہاں......! تم گھر خرید سکتی ہو، مگر رشتے نہیں خرید سکتی، اور ایک بات کان کھول کر سن لو، تم نے اگر من مانی کی تو میں تمہارے بُرے انجام پر دُکھی تو ضرور ہوں گا، مگر اس چھت کے نیچے تمہیں shelter نہیں کروں گا۔''

''آپ ہوتے کون ہیں......؟''

انعم نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے اس طرح کہا کہ جیسے بدتمیزی کی ساری حدود پھلانگ گئی ہو۔

''یہ وقت بتائے گا۔''

حماد نے غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

''ابھی میرے ماں باپ زندہ ہیں۔''

اتنا کہہ کر انعم تیزی سے لاؤنج سے باہر نکل گئی۔ حماد اُس کے پیچھے لپکا۔

''جنہیں تم جیتے جی مار دینا چاہتی ہو۔ ہم نے یہ عزت، یہ سٹیٹس لاٹری میں نہیں جیتا۔ دن رات محنت کی ہے۔ میں دیکھ لوں گا تمہیں۔''

اُس کے لہجے میں دھمکی تھی اور وہ چلّا کر بولا تھا۔ انعم یوں کار کی طرف بڑھ رہی تھی جیسے وہ بہری ہو۔

☆......☆......☆

ساری رات مریم سو نہیں سکی تھی۔ اُس نے لاؤنج کے ایک صوفے پر بیٹھ کر ساری رات گزار دی تھی۔ رات بھر میں پتا نہیں کتنی بار اُس کا دل چاہا کہ وہ بشریٰ علی کو فون ملائے اور اُن سے ڈھیر ساری باتیں کرے۔ لیکن وہ اپنے آپ سے ہی ڈر رہی تھی کہ نانا سے باتیں کرنے کے دوران کہیں منہ سے ایسی بات نہ نکل جائے جو اُس کے دُکھ کی زبان بن جائے اور اُس کا بوڑھا نانا سہہ نہ سکے۔ اُس نے بڑے جبر سے خود کو روکے رکھا لیکن فجر کی اذان کے وقت جب اُسے ہلکی سی اونگھ آ گئی تھی تو فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مریم ایک دم چونک کر اپنی جگہ سے اُٹھی۔ آگے بڑھ کر آنے والی کال کا نمبر دیکھا اور ایک دم اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

''نانا جان......!''

اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ اُس نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کال ریسیو کی۔

''السلام علیکم نانا جان......!''

اُس نے خود کو سنبھال کر ہشاش بشاش لہجے میں بات کرنے کی کوشش کی۔

''وعلیکم السلام بیٹا......! میں نے تمہیں اس وقت ڈسٹرب تو نہیں کیا......؟''

بشر علی تو جیسے مریم کی آواز سن کر ہی خوش ہو گئے تھے۔

''بالکل بھی نہیں نانا جان......! بلکہ میں تو بیٹھی ہوئی آپ ہی کو یاد کر رہی تھی۔ سچی......! آپ بہت شدت سے یاد آ رہے تھے۔''

مریم کی آنکھیں آنسوؤں سے چمک رہی تھیں لیکن اُس کا سارا زور اس بات پر تھا کہ اپنے لہجے سے خود کو جتنا خوش ظاہر کر سکتی ہے، کر لے۔

''واہ بھئی واہ......! اسے کہتے ہیں کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔''

بشر علی دھیرے سے ہنستے ہوئے کہنے لگے۔

''میں تو سو رہا تھا بیٹا......! بس پتا نہیں کیوں خود بخود آنکھ کھل گئی......؟ حالانکہ اللہ کا احسان ہے، اب میری طبیعت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ آنکھ کھلتے ہی تمہارا خیال آیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے میری بیٹی مجھے بہت یاد کر رہی ہے۔''

یہ سنتے ہی مریم کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اُس نے بے ساختہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا کہ کوئی آہ نہ نکل جائے۔ بڑی مشکل گھڑی تھی۔ دل میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ اس سیلاب کو بھی روکنا تھا اور نانا سے ہنس ہنس کر باتیں بھی کرنا تھیں۔ بشر علی اس کی خاموشی سے پریشان ہو کر ''ہیلو، ہیلو'' کر رہے تھے۔ مریم نے جلدی جلدی اپنے آنسو صاف کئے اور کھنکار کر گلہ صاف کیا۔

''جی جی......! نانا جان......! میں سن رہی ہوں۔''

وہ جلدی سے بولی۔

''بیٹا......! ویسے خیریت ہے ناں......؟ تم خوش تو ہو ناں......؟''

اب بشر علی سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔ لہجے میں اندیشے کی آمیزش تھی۔

''جی جی......! نانا جی......! میں تو ٹھیک ہوں۔ آپ بتایئے، آپ کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے ناں......؟''

مریم نے سوال پر سوال کر کے عجیب سا شور مچا دیا۔

''اور یہ بتایئے، آپ کب آئیں گے......؟ بس آپ جلدی سے آ جائیں۔''

اُس نے جیسے لاڈ کرتے ہوئے کہا اور اپنی طرف سے بشر علی کا ذہن گھمانے کی کوشش کی۔

''الحمد اللہ......! طبیعت تو میری ٹھیک ہے۔ بس خواہ مخواہ ڈاکٹروں کے چونچلے ہیں اور پھر وہ تمہارے ماموں اور ممانی نے تو مجھے جیسے گود کا بچہ بنایا ہوا ہے۔''

بشر علی یہ کہہ کر ہنسنے لگے۔

''سگریٹ تو آپ نے چھوڑ دی ہے ناں......؟''

''تم چھوڑنے کی بات کر رہی ہو، میں نے تو سگریٹ پینے والوں کے ساتھ بیٹھنا چھوڑ دیا ہے۔''

بشر علی ہنستے ہوئے مذاق کرنے لگے۔

''ویری گڈ......! آپ تو اچھے بچے بن گئے۔''

مریم نے شرارت سے کہا۔ بشر علی اُس کی بات سن کر کھل کر ہنسے۔

''انشا اللہ......! میں بہت جلد وطن واپس آؤں گا۔ اپنی بیٹی مریم کا گھر دیکھوں گا۔ مجھے یقین ہے میری بیٹی نے گھر کو بہت پیارا سجایا ہوگا، اور بیٹا......! تم عدیل کے ساتھ خوش ہو ناں......؟''

بشر علی کا سوال تھا یا اُڑتا ہوا تیر جو جگر کے آر پار ہو گیا......؟ ضبط کرنا محال ہو گیا۔ بے اختیار آنکھیں چھلک پڑیں۔

''جی جی......! نانا جان......! میں بہت خوش ہوں۔ اتنی خوش کہ آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔''

مریم نے بمشکل ضبط کیا اور آنسو پیتے ہوئے بولی۔

''ماشاء اللہ، ماشاء اللہ......! بہت خوشی ہوئی سن کر۔ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے اور تمہیں ہر بُری نظر سے بچائے۔ آمین......!''

بشر علی کے لہجے میں گہرا سکون جھلکنے لگا۔

''بھئی......! مرنے کے لئے یہ موسم بہت اچھا ہے۔ سکون ہی سکون ہے۔ اچھی اچھی خبریں، اب اور جی کے کیا کریں گے......؟ اس اچھے موسم میں دُنیا کو خدا حافظ کیوں نہ کہہ دیں......؟''

بشر علی ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔ مریم نے دہل کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں نانا جان......؟ اللہ نہ کرے میرے نانا جان اس دُنیا سے جائیں۔ جب تک میں زندہ ہوں، آپ کو بھی زندہ رہنا چاہئے۔''

مریم نے خفا خفا انداز میں جیسے لاڈ کیا۔

''اس کے لئے تو تمہیں پھر اسپیشل Application لکھنا ہوگی۔''

''یہ بھی بتا دیجئے کہ کس ایڈریس پر بھیجنا ہوگی......؟''

مریم نے روتے ہوئے دل کو سمجھا کر نانا سے مذاق کیا۔

''اللہ لکھ کر نیچے عرشِ معلٰی لکھ دینا۔''

بشر علی ہنس رہے تھے۔

''کیا خبر، میری معصوم بیٹی کی درخواست قبول ہو جائے اور اُس کے نانا کو دو سو برس کی زندگی مل جائے......؟''

بشر علی پیار بھرے لہجے میں بولے۔

''اللہ کرے آپ ہزار برس جئیں۔''

مریم نے بڑی دل سوزی سے دُعائیہ انداز میں کہا۔

''اچھا بیٹا......! خدا حافظ......! انشاء اللہ پھر بات کروں گا۔ اپنا خیال رکھنا اور عدیل کو میری طرف سے سلام اور پیار کرنا۔ اللہ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔''

☆......☆......☆

عدیل ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھا ہوا تھا۔ چہرے پر سوچ کی گہری لکیریں نمایاں تھیں۔ آنکھوں سے لگتا تھا، رات کو ٹھیک سے سو نہیں سکا۔ بے خوابی میں مبتلا رہا۔ مریم کاندھے پر بیگ ٹکائے ڈائننگ روم میں داخل ہوئی۔ وہ آفس جا رہی تھی اور بڑی جلدی

میں نظر آ رہی تھی، لیکن سامنے عدیل کو پا کر اُس کے قدم رُک گئے۔ وہ ڈبل مائنڈڈ سی نظر آنے لگی۔ عدیل اُس کی طرف دیکھ رہا تھا مگر وہ عدیل کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔ مریم نے صرف چند لمحے سوچا اور واپس پلٹ گئی۔ عدیل نے اُسے بے ساختہ آواز دی۔

''مریم......!''

مریم نے سنی اَن سنی کر کے نورانی کو آواز دی۔

''نورانی......! میرا ناشتہ مت بنانا۔ میں جا رہی ہوں۔''

اتنا کہہ کر وہ تیزی سے نکل گئی۔ عدیل دم بخود سا اپنی جگہ بیٹھا سوچ رہا تھا۔

''لوگ تو دس دس گرل فرینڈز رکھتے ہیں، اس سے میری ایک دوست برداشت نہیں ہو رہی۔''

اب اُس کے چہرے سے برہمی کا تاثر جھلکنے لگا۔

☆......☆......☆

علینہ اتنی دیر سے عدیل کا نمبر ٹرائی کر رہی تھی اور ہر مرتبہ ریکارڈنگ سننے کو مل رہی تھی۔

'' آپ کا مطلوبہ نمبر اس وقت بند ہے، برائے مہربانی، تھوڑی دیر بعد کوشش کیجئے۔''

علینہ نے موبائل اپنے کان سے ہٹا کر ایک طرف پھینکنے کے انداز میں رکھ دیا۔

''اُس نے اپنا موبائل کیوں آف کیا ہوا ہے......؟ لگتا ہے کچھ زیادہ ہی گڑبڑ ہو گئی ہے۔''

وہ متفکر انداز میں سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

مریم آفس میں اپنے کمرے میں بیٹھی ایک قیامت خیز اندرونی جنگ میں مبتلا تھی۔ ذہن کام پر مرتکز نہیں ہو پا رہا تھا۔

''مجھے اپنے قدموں پر مضبوطی سے کھڑے ہونا ہے۔ میں کسی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دوں گی کہ وہ میرے خلوص کا مذاق بھی اُڑائے اور لائف بھی انجوائے کرے۔ لوگ فاؤل کھیل کر اپنی خوشیوں کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں اور میں یہ اتنی آسانی سے ہونے نہیں دوں گی۔''

مریم کی خواہش ارادے کے راستے سے ہوتی ہوئی عزم میں ڈھل رہی تھی اور وہ خود کو بہت طاقتور محسوس کر رہی تھی۔ اُس نے اپنا موبائل اُٹھا کر ٹائم دیکھا۔ چند لمحے کچھ سوچا پھر موبائل بیگ میں ڈالا اور اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

☆......☆......☆

علینہ بڑی بوریت محسوس کر رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ شاپنگ کے لئے چلی جائے تاکہ کچھ دیر کے لئے مصروف ہو جائے۔ عدیل نے تو اُسے بہت بور کر دیا تھا۔ نہ خود فون کر رہا تھا نہ کوئی اور رابطے کا ذریعہ بن رہا تھا۔ اُس نے اپنے کپڑوں پر نظر دوڑائی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ بالوں کو سمیٹ کر کیچر میں قید کیا۔ ہونٹوں پر چمکدار پنک لپ اسٹک لگائی اور بڑی بے دلی اور کھوئی کھوئی کیفیت میں پرفیوم اسپرے کیا۔ موڈ خراب اور دل اُداس تھا۔ اسی وقت اُس نے ڈور بیل کی آواز سنی۔

''پتا نہیں کون آ گیا......؟''

اُس نے کوفت کے انداز میں منہ بنا کر کہا پھر سائیڈ ٹیبل سے اپنا پرس اُٹھایا اور پھر بیڈ سے موبائل اُٹھا کر پرس میں ڈالا۔ دراز سے کار کی چابی نکالی اور اُلجھی اُلجھی سی بیڈ روم سے نکل کر لاؤنج میں چلی آئی۔ ابھی صابر کو آواز دے کر پوچھنے ہی والی تھی کہ کون آیا ہے......؟ اتنی دیر میں سامنے سے لاؤنج میں اندر آتی ہوئی مریم پر اُس کی نظر پڑی۔ حیرت کا جھٹکا اتنا زوردار تھا کہ وہ جیسے کھڑے کھڑے پتھر کی بن گئی۔

''یہ مریم میرے گھر کیوں آئی ہے......؟''

ایک خیال برق رفتاری سے اُس کے ذہن میں آیا۔ اندیشہ مند ہونا فطری سی بات تھی۔ چور کی داڑھی میں تنکا تو ہوتا ہی ہے۔ مریم کی نظروں میں اتنی سرد مہری تھی کہ آداب میزبانی کی خاطر بھی علینہ مسکرا نہ سکی اور اُس نے دھیمی آواز میں صرف ''ہائے'' کہنے پر ہی اکتفا کیا اور مصافحے کے لئے مریم کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

''کیا میں یہاں بیٹھ کر دومنٹ کے لئے بات کر سکتی ہوں......؟''

مریم نے علینہ کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ علینہ پہلے سے زیادہ پریشان ہو چکی تھی۔ ایک دم بڑ بڑا کر بولی۔

"Oh Sure.....!"

''آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں مریم......؟ آرام سے بیٹھیں۔ آپ کو بات کرنے کے لئے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔''

علینہ نے اپنی طرف سے خوش اخلاقی کا زبردست مظاہرہ کیا۔

''تھینک یو......!''

مریم نے بیٹھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اور اب یہ بتائیے، چائے یا کافی......؟''

علینہ نے اپنی تشویش اور فکر کی کیفیت کو کمالِ ہوشیاری سے چھپاتے ہوئے اس انداز سے پوچھا جیسے سامنے کوئی بہت ہی پیارا دوست بیٹھا ہو۔

"No Thanks.....!" مجھے ٹو دی پوائنٹ بات کرنا ہے۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور میں زیادہ وقت تمہیں دینا بھی نہیں چاہتی۔ واپس آفس جا کر بہت سے کام نمٹانے ہیں مجھے۔''

''ارے مریم......! اتنی فارمل کیوں ہو رہی ہو......؟ ہم دوست ہیں۔''

مریم کے انداز پر علینہ بُری طرح سٹپٹا گئی۔

''میں کیسے تمہاری دوست ہو سکتی ہوں......؟ میں تم سے ملی ہی کتنا ہوں......؟''

مریم نے سرد مہری اور بدلحاظی سے جواب دیا۔

''لیکن ہم دشمن بھی تو نہیں ہیں۔''

علینہ زبردستی مسکرا کر بولی۔

''میرا اور تمہارا سرے سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ تم صرف عدیل کی گرل فرینڈ ہو۔''

مریم نے اِسی طرح سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''لفظ ''گرل فرینڈ'' تو مناسب نہیں، البتہ میں عدیل کی دوست ضرور ہوں اور یہ بہت پرانی دوستی ہے۔ آج کی بات نہیں، تمہاری شادی کے بہت پہلے سے ہم دوست ہیں۔''

''تم مجھے بتاؤ، کیا تمہیں میری اور عدیل کی دوستی پر اعتراض ہے......؟''

علینہ نے بڑی معصوم سی شکل بنا کر مریم سے سوال کیا۔ مریم نے اپنی غیظ وغضب کی کیفیت پر بڑی مشکل سے قابو پایا اور لمبی لمبی سانسیں لے کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ جی تو یہی چاہ رہا تھا کہ ایک زناٹے دار تھپڑ علینہ کے گال پر رسید کرے۔

''ایک عورت جب چور دروازے سے کسی کے شوہر پر قبضہ جمانے کی کوشش کرتی ہے، تو لفظ ''دُشمن'' بہت چھوٹا محسوس ہوتا ہے۔''

مریم نے بمشکل کہا تھا۔

''تم سے چھپ کر کب دوستی چلا رہے ہیں......؟ عدیل نے تو تمہیں شروع میں ہی بتا دیا تھا۔''

''شٹ اَپ......! بند کرو یہ اداکاری، چھپ کر دوستی چلا رہے ہو۔ اِسی لئے عدیل نے مجھے نہیں بتایا کہ وہ تمہارے ساتھ لندن جا رہا ہے اور نہ تم نے اپنے میاں کو بتایا کہ تم میرے شوہر کے ساتھ لندن جا رہی ہو۔''

وہاج اتفاق سے اپنی کسی ضروری کام کی وجہ سے بے وقت گھر آ گیا تھا، اُس نے باہر مریم کی کار دیکھ لی تھی اور صابر سے پوچھا۔

''باہر کس کی کار کھڑی ہے......؟''

صابر نے بتایا تھا کہ بیگم صاحبہ کی کوئی دوست آئی ہوئی ہیں جن کا نام مریم ہے۔ مریم کا نام سن کر وہاج بہت خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے مسکراہٹ کے ساتھ لاؤنج کی طرف بڑھا، لیکن مریم کی آواز نے اُس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی تھی۔ وہ دم بخود سا اپنی جگہ کھڑا رہ گیا۔ مریم کا جملہ اُس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔

''میرے شوہر کے ساتھ لندن جا رہی تھی......؟''

''میرے شوہر کے ساتھ لندن جا رہی تھی......؟''

''مریم......! اپنی limits میں رہو۔''

علینہ اپنی گھبراہٹ چھپا کر بڑی ڈھٹائی سے غرائی۔

''تم مجھے limits بتاؤ گی......؟ تم تو خود وہ آخری limit کراس کر چکی ہو جس کے بعد عورت، عورت نہیں رہتی، تماشہ ہوتی ہے، کھلونا ہوتی ہے اور ہر رشتے سے بے نیاز ہوتی ہے۔ کیونکہ رشتہ تو پابندی کا دوسرا نام ہے۔''

مریم بہت سکون سے ایک ایک لفظ بہت تول کر بول رہی تھی۔

''تم میرے ہی گھر میں مجھے ذلیل کرنے آئی ہو......؟ میں بھی ایک عزت دار مرد کی بیوی ہوں۔''

علینہ اب زور سے چیخی۔

''تم کسی کی بیوی نہیں ہو، کیونکہ بیوی تو اُس کو کہتے ہیں جس پر صرف ایک مرد اختیار حاصل کرتا ہے۔ اپنے شوہر کو بے وقوف بنا رہی ہو اور میرا گھر جلا رہی ہو۔ میں تمہیں وارننگ دے کر جا رہی ہوں، اگر تم مجھے عدیل کے ساتھ نظر آئی یا اُس سے فون پر Contact کیا تو میں تمہارے ساتھ وہ کروں گی جو تم سوچ بھی نہیں سکتی۔ تم میرا گھر برباد کرو گی، میں تمہارے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لوں گی۔''

مریم کے لہجے میں ایک جاہ و جلال کی کیفیت تھی، اُس سچے انسان کی طرح جو کسی للکار سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔ اتنا کہہ کر وہ جانے کے لئے مڑی تو نظر وہاج پر پڑی۔ ایک لمحے کے لئے تو وہ جیسے چکرا گئی۔ تولتی ہوئی نظروں سے وہاج کے چہرے پر کچھ خاص تاثرات دیکھنے کی کوشش کی جو اپنی عزت کا جنازہ کندھے پر اُٹھائے کھڑا تھا اور اپنا بھرم رکھنے کے لئے مسکرا رہا تھا۔ کیونکہ یہ ظاہر کرنے میں تو اُس کی اپنی بے عزتی تھی کہ اس نے علینہ اور مریم کی بات چیت سن لی ہے۔ اُس نے کمال حوصلے کا مظاہرہ کیا اور بڑی شائستگی سے مریم کو سلام کیا۔ مریم نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا مگر وہ رُکی نہیں، آگے بڑھتی چلی گئی۔ وہاج کو اچانک سامنے پا کر علینہ کی تو حالت غیر ہو چکی تھی۔ مارے خوف کے جیسے رُوح پرواز کرنے والی تھی کہ وہاج نے کچھ سن نہ لیا ہو۔

''ارے......! یہ مریم اتنی جلدی چلی گئی۔ چائے کا بھی نہیں پوچھا تم نے......؟''

وہاج نے علینہ کی کیفیت سے نظریں چراتے ہوئے یوں پوچھا جیسے وہ ابھی ابھی گھر میں داخل ہوا ہے، اُس نے کچھ نہیں سنا۔ وہاج کا لب و لہجہ دیکھ کر علینہ کی جان میں جان آ گئی اور دل ہی دل میں شکر ادا کرنے لگ گئی کہ وہاج نے کچھ نہیں سنا۔

''ہاں......! بس، وہ جلدی میں تھی۔ کہہ رہی تھی، بعد میں عدیل کے ساتھ آؤں گی۔ وہ یہاں آس پاس کسی کام سے آئی تھی تو کھڑے کھڑے مجھ سے ملنے آ گئی۔''

علینہ نے خود پر کنٹرول کر لیا تھا۔ بڑی لگاوٹ سے وہاج کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

''جانی......! تم کیسے آج اتنی جلدی گھر آ گئے......؟''

''ہاں......! کچھ بھول گیا تھا اور ایک میٹنگ میں بھی جانا ہے۔ سوچا گھر سے ہوتا ہوا چلا جاؤں۔''

وہاج نے علینہ کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ اُس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے اور آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ ذہنی طور پر بہت دُور پہنچا ہوا تھا۔

''جانی......! لنچ کر لیا تم نے......؟''

علینہ نے پاس آ کر پھر بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اب اُس نے واقعی اپنے اندر ایک سکون محسوس کیا تھا اور یہ سوچ کر تو وہ لمحہ لمحہ سکون کا سانس لے رہی تھی کہ اگر وہاج چند منٹ پہلے آ جاتا اور کچھ سن لیتا۔ توبہ، یہ سوچ کر ہی علینہ کو جھرجھری آ گئی۔

''ہاں......! لنچ تو ایک بجے ہی ہو جاتا ہے۔ تم نے بھی کر لیا......؟''

وہاج نے علینہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں......! میں لنچ کہاں کرتی ہوں......؟ ناشتہ بھی لیٹ کرتی ہوں۔ لنچ ٹائم تو mostly جوس ہی لیتی ہوں۔ ٹھیک ہے......! تم اپنا کام کرو، میں اپنا کام کرتی ہوں۔''

''تم کیا کام کروگی......؟''

وہاج کے انداز میں بڑی بے ساختگی اور اندیشے تھے، جو وہ لاشعوری طور پر تھے۔ علینہ نے اُس کے بدلے ہوئے روّیے کو چونک کر دیکھا۔

''ارے......! گھر کے کام، شام کے کھانے میں دیکھوں گی، کیا پکانا ہے......؟ پھر وہ لانڈری سے کپڑے بھی لے کر آنا تھے، اور بہت سے کام ہوتے ہیں۔ جانی......! گھر میں بہت سے کام ہوتے ہیں۔ تمہیں کیا پتا، تم تو چلے جاتے ہو۔ تمہیں کیا پتا میں کتنا busy رہتی ہوں گھر کے کاموں میں۔''

علینہ نے اب خود کو بہت مصروف خاتونِ خانہ ظاہر کرنے کی ایکٹنگ کی۔ وہاج پھر سوچتا ہوا گم صم انداز میں مسکرادیا۔

''ہاں......! ٹھیک ہے۔''

☆......☆......☆

مریم کو ڈرائیو کر کے آفس پہنچنا عذاب لگ رہا تھا۔ وہ بڑی ہمت اکٹھی کر کے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اسٹیرنگ کو کنٹرول کرنا جیسے کوئی بہت مشکل کام لگ رہا تھا۔ کتنی مرتبہ اُس نے کلچ دبائے بغیر گیئر لگانے کی کوشش کی۔ عجیب سی اُس کی اِنّی کیفیت ہوگئی تھی۔ علینہ کی ڈھٹائی، بے یقینی اور بے ضمیری نے تو اُس کو دُکھ کی آخری حد تک پہنچا دیا تھا۔ ذرا جو شرمائی ہو، ذرا جو خوف زدہ ہوئی ہو، ذرا جو شرمندہ ہوئی ہو۔ اُف توبہ......! مریم سوچ رہی تھی۔ شوہر کی طرف سے ملنے والا دھوکہ اور اُس کی محبوبہ کی ڈھٹائی ایک عورت کے لئے یہ سہنا کوئی مذاق بات نہیں اور دُکھ بھی ایسا کہ مارے شرم کے کسی سے کہا نہ جا سکے۔ ساری دُنیا میں واحد ایک اکلوتی دوست سبین جس سے وہ آج تک سب کچھ شیئر کرتی چلی آرہی تھی، لیکن یہ دُکھ تو ایسا ہے کہ وہ سبین سے بھی شیئر نہیں کرسکتی تھی۔

''یہ دُکھ تو اپنے آپ سے بھی شیئر کرتے ہوئے مجھے شرم آرہی ہے۔ اپنی ہی نظروں میں گرا کر رکھ دیا ہے مجھے۔''

مریم کا دل بھر آنے لگا۔ آنکھوں میں آنسوؤں کی دُھند چھا گئی۔ اُس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کلچ دبایا، گیئر بدلا اور آہستگی سے آفس کی طرف جانے والے روڈ پر گاڑی کو ڈال دیا۔

☆......☆......☆

علینہ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی اِسی ادھیڑ بن میں تھی کہ کس طرح عدیل کو فون کرنے کا موقع نکالے اور اُس کو مریم کی کارکردگی سنائے تاکہ وہ مریم کو ذرا اچھی طرح سمجھے اور آڑے ہاتھوں لے جو بڑی تھانیدار بن کر آئی تھی۔ اُس نے غصے سے دانت پیسے اور بے بسی کی کیفیت میں اُس سمت دیکھا جہاں اُس کا بیڈروم تھا اور وہاج اُس بیڈروم میں بند تھا۔

''میرے خیال میں وہاج نے شاور لے لیا ہوگا۔ شاید وہ تھوڑی دیر میں گھر سے چلا جائے گا۔ اُف......! وہ پتا نہیں کتنی دیر میں جائے گا......؟ میرا تو سر پھٹا جا رہا ہے۔ جب تک عدیل سے بات نہیں ہوجائے گی، مجھے تو ایک سیکنڈ چین نہیں آئے گا۔ یہ مریم......اُسے تو میں اچھی طرح سمجھ لوں گی۔''

علینہ نے یہاں تک سوچا پھر بڑی بے قراری سے کھڑی ہوگئی۔ چند لمحے سوچ میں کھوئی کہ اُسے جا کر نچا دے۔ پھر اُسے خیال آیا کہ وہ اپنا موبائل کمرے سے اُٹھا کر یہیں لے آئے اور دروازہ بند کر دے۔ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بات کر رہی ہو اور وہاج باہر آجائے۔ پھر دیکھنا چاہیے کہ وہاج اگر واش روم میں ہے تو وہ پانچ منٹ لگاتے ہیں۔

''مجھے کون سا اب عدیل سے لمبی بات کرنی ہے۔ میرا تو اب اُس سے بات کرنے کو دل بھی نہیں چاہتا جو اُس نے میرے ساتھ کیا ہے۔ بزدل کہیں کا۔''

وہ دل ہی دل میں جلتی کڑھتی بیڈروم میں داخل ہوئی اور سکون کا سانس لیا۔ کیونکہ وہاج کمرے میں نہیں تھا۔ واش روم کا دروازہ بند تھا اور پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ اُس نے خاموشی سے اپنا موبائل اُٹھایا۔ پھر باہر آگئی اور باہر آتے ہوئے بیڈروم کا دروازہ بند کرنا بھولی نہیں۔ لاؤنج میں آکر ایسی جگہ پر بیٹھی تاکہ وہاج اگر لاؤنج میں آئے تو فوراً اُس کی نظر پڑ جائے۔ باہر آنے اور صوفے پر بیٹھنے تک اُس نے عدیل کا نمبر ڈائل کر لیا تھا۔ اب کان سے لگائے کال attend ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہم تو ستا رہے تھے کہ شاید اب بھی وہ فون نہ اُٹھائے، لیکن ایک آس باندھی تھی کہ شاید اُٹھا لے اور پھر ایسا ہوا کہ عدیل نے اُس کا فون attend کر لیا۔

''ہیلو......!''

عدیل کی آواز اُس کی سماعت سے ٹکرائی۔ علینہ کی آنکھوں میں ایک دم چمک آگئی، جیسے کسی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل جائے، جیسے کوئی غیر متوقع طور پر اُمید پوری ہوگئی ہو۔

''اوہ تھینک گاڈ......! شکر ہے، تم نے میری کال تو attend کی۔''

وہ جیسے عدیل پر چڑھی جا رہی تھی۔

''بھئی......! میں کیا کروں......؟ مسئلہ چل رہا ہے گھر پر۔ کتنی دفعہ کوشش کی کہ میں تم سے بات کروں اور تمہیں کچھ بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے اور کیا ہو رہا ہے......؟''

عدیل بڑے جھنجلائے ہوئے اور چڑے ہوئے انداز میں بات کر رہا تھا۔

''تم اپنی بعد میں سناتے رہنا، پہلے میری سن لو......!''

علینہ نے اُسے پھاڑ کھانے والے انداز میں لیکن آہستہ آواز میں کہا۔

''ہاں......! تمہارے پاس کیا ہے سنانے کو......؟ سوائے صلواتوں اور گلوں شکووں کے اور کیا ہو سکتا ہے......؟''

عدیل نے تلخ لہجے میں کہا۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ طنزیہ مسکرا رہا ہو۔

''جی نہیں......! مجھے تمہاری تھانیدار قسم کی بیگم کی شکایت کرنی ہے۔ لگائی بجھائی نہیں کرنا ہے، حقیقت بتانا ہے۔ کیوں آئی تھی وہ میرے گھر میں......؟''

''تمہارے گھر میں......؟''

عدیل حیران ہو کر پوچھنے لگا۔ اُسے واقعی بہت زور سے حیرت کا جھٹکا لگا۔

''تمہارے گھر میں......؟ تمہارے گھر میں کیوں گئی تھی وہ......؟''

''وہی تو میں پوچھ رہی ہوں۔ وہ میرے گھر میں کیوں آئی تھی......؟''

''ہاں......! وہ تو میں اُس سے پوچھوں گا، مگر اُس نے کیا کہا تم سے......؟ کیا ہوا......؟''

''ارے......! مجھے تو وہ میرے ہی گھر میں ذلیل کر کے گئی ہے۔ اُس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ تمہیں سناؤں تو تمہارے دماغ میں آگ لگ جائے۔''

علینہ نے اس انداز میں بات کی جیسے کسی جلتی پر تیل چھڑک رہی ہو۔ عدیل کا ذہن تو جیسے دھماکے سے اُڑ گیا۔

''تمہیں ذلیل کیا......؟ مگر تمہیں ذلیل کس حساب سے کیا......؟ ساری جنگ، ساری لڑائیاں، سارے جھگڑے تو مجھ سے ہیں۔ کیونکہ میرے ساتھ اُس کا تعلق ہے۔''

''ہاں......! یہی پوچھو اُس سے کہ اُسے جو کچھ کرنا ہے، تمہارے ساتھ کرے، میرے گھر میں آ کر مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کی تو میں برداشت نہیں کروں گی۔ پھر میں جو کروں گی، وہ تم دیکھ لینا۔''

علینہ نے جیسے دھمکی دی۔

''میں بات کروں گا اُس سے، لیکن بتاؤ تمہیں کہا کیا......؟''

''ارے......! وہ تو میرے اُوپر الزام تراشی کر رہی تھی۔ گندے گندے الزام لگا رہی تھی۔ اُسے ہوش ہی نہیں رہا کہ وہ کیا بول رہی ہے......؟ وہ تو جیسے پاگل ہوگئی ہو۔ شکر کرو وہاج نے کچھ نہیں سنا۔ آج وہ بھی بے وقت آ گیا تھا۔ ورنہ وہ آتا نہیں ہے اس ٹائم۔ آج پتا نہیں کچھ بھول گیا تھا یا کسی میٹنگ میں جانا تھا تو وہ گھر آ گیا۔ مریم جا رہی تھی اور وہ آ رہا تھا۔ اگر وہ ذرا دیر پہلے آ جاتا، کچھ سن لیتا تو سوچو عدیل......! میرا کیا بنتا......؟ میرا تو گھر اُس نے کر دیا تھا ناں خراب......؟''

علینہ اس انداز میں کہہ رہی تھی جیسے وہ بڑی ہمدردی کی مستحق ہے اور مریم نے اُس پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے ہوں۔

''اوہ......!''

عدیل کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''تم فکر نہیں کرو۔ آئندہ وہ تمہارے گھر نہیں آئے گی۔ میں اُسے کہہ دوں گا۔ اگر بہت زیادہ غصہ ہے تو مجھے شوٹ کر دو، مگر علینہ کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔''

''ارے واہ......! کیوں شوٹ کر دو......؟ تو تم اُس کی بڑی حوصلہ افزائی کر رہے ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ اُس کا جو دل چاہے وہ کرتی پھرے۔ کیا تم اُس کے خریدے ہوئے غلام ہو......؟ کیا تمہاری کوئی دوست نہیں ہو سکتی......؟ کیا اُسی کا حق ہے تم پر......؟ میں یہ برداشت نہیں کروں گی عدیل......! تم اُس کو سمجھا دینا، میں یہ حرکت دوبارہ برداشت بالکل بھی نہیں کروں گی۔ وہ تمہیں شوٹ کرے نہ کرے، میں اُسے شوٹ کر دوں گی۔ بتاؤ بھلا، میرے ہی گھر میں آ کر مجھے ذلیل کر دیا......؟ کیا سمجھتی ہے اپنے آپ کو......؟ سنبھال کر رکھو اُس کو۔''

علینہ نے اتنا کہا اور فون بند کر دیا۔ اس وجہ سے نہیں کہ اُس کی بات ختم ہوگئی تھی بلکہ اُسے خطرہ تھا کہ کسی بھی وقت وہاج کمرے سے باہر آ جائے گا۔ اُس نے فون بند ہی نہیں کیا بلکہ پاورڈ آف کر دیا۔ اُس کا خیال تھا کہ اچانک بند کر دینے کی وجہ سے کہیں عدیل اُسے دوبارہ فون نہ ملائے۔ فون بند کر کے اپنے پہلو میں پھینکنے کے انداز میں رکھ دیا اور خود کو پُرسکون کرنے کے

لئے گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ کچھ آگ تو ٹھنڈی ہوئی تھی۔ انگاروں پر تھوڑے سے چھینٹے تو پڑے تھے۔ پہلے کے مقابلے میں خاصا آرام تھا۔

☆......☆......☆

وہاج واش روم سے باہر آ کر اپنے گیلے بالوں کو ٹاول سے رگڑ رہا تھا اور علینہ کی بڑی سی تصویر کو خالی خالی نظروں سے گھور رہا تھا۔ ہنستی ہوئی، کھلکھلاتی ہوئی، رنگ برنگے پھولوں کے درمیان کھچی ہوئی تصویر میں وہ خود بھی پھول کی طرح تر و تازہ لگ رہی تھی۔ اُس کی مسکراہٹ اتنی جان دار تھی کہ جیسے تصویر باتیں کر رہی ہو۔ یہی محسوس ہو رہا تھا، اُلجھی اُلجھی نظروں سے بغیر پلکیں جھپکائے کب سے دیکھ رہا تھا۔ اُسی وقت علینہ ٹرے میں دو جوس کے گلاس لے کر کمرے میں داخل ہوئی اور بڑی ادا سے مسکرا کر وہاج کی طرف دیکھا۔ وہاج اُس کی آمد پر فوراً سنبھلا مگر اُس کی طرف دیکھنے کی بجائے اور زیادہ تیزی سے اپنا سر رگڑنے لگا اور ایسے زاویے سے کھڑا ہو گیا کہ اگر کوئی بات کرے تو علینہ سے اُس کی نظریں نہ ملیں۔

''ڈاکٹر کہہ رہی تھی کہ مجھے فریش جوس زیادہ استعمال کرنا چاہیے۔''

علینہ نے ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے یوں کہا جیسے کوئی اطلاع دے رہی ہو۔

''مگر جانی......! تمہارے بغیر کھانا پینا مجھے اچھا ہی نہیں لگتا۔ مزہ ہی نہیں آتا۔ میں بالکل بھی انجوائے نہیں کرتی۔''

وہاج نے یہ سنا تو اُس کے تیز حرکت کرتے ہوئے ہاتھوں کی حرکت رُک سی گئی۔ وہ بے اختیار پلٹ کر علینہ کی طرف دیکھنے لگا جیسے اُس کا چہرہ پڑھ رہا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو......؟ جوس پیو، ٹھنڈا ہے، فریش ہے۔ لگتا ہے آج میں بہت اچھی لگ رہی ہوں۔ ایسے دیکھ رہے ہو کہ پلک بھی نہیں جھپک رہے۔ کیا واقعی بہت اچھی لگ رہی ہوں......؟''

علینہ اندر سے کچھ کھٹک رہی تھی۔ ظاہراً ایسے کر رہی تھی جیسے وہ بہت خوش اور پُرسکون ہو۔

''ہاں......! رکھ دو، بعد میں پی لوں گا۔''

وہاج نے سرد مہری سے کہا۔ سرد مہری سے بھی زیادہ وہ بہت اُلجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اُسے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اُسے علینہ سے کس موڈ میں بات کرنی چاہیے۔

''رکھ دوں......؟ گرم ہو جائے گا۔ گرم جوس پینے میں کوئی مزہ آتا ہے......؟''

علینہ نے بڑی ادا سے جوس کا گلاس ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

''پی لو جوس......! پینے میں کتنا ٹائم لگتا ہے......؟''

اُس نے سِپ لینے کے بعد وہاج کو پھر کہا۔ وہاج نے ٹاول صوفے کی طرف اُچھال دیا۔

''ابھی موڈ نہیں ہے۔''

وہ بولا۔

''جوس پینے کے لئے بھی موڈ بنانا پڑتا ہے......؟ میرے لئے بالکل نئی بات ہے۔''

وہ تھوڑی تھوڑی پریشان تو ہو رہی تھی کہ وہاج کو کیا ہوا ہے......؟ اور یہ پریشانی اُس کے دل کے چور کی وجہ تھی۔ ساتھ ہی

اُسے دوسرا خیال بھی تو آ رہا تھا کہ وہاج کو کوئی اپنا آفس کا مسئلہ ہو سکتا ہے۔شاید وہ اپنی اُس میٹنگ کے بارے میں سوچ رہا ہو جس کے لئے کہہ رہا تھا کہ ابھی اُس نے جانا ہے۔وہاج نے علینہ کی طرف دیکھا اور پھیکی سی مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر اُبھری۔

''روز بہت سی باتیں نئی ہو جاتی ہیں۔نئی باتیں ہونے میں کیا ٹائم لگتا ہے......؟''

علینہ اُس کی طرف دیکھنے لگی۔اُسے وہاج بہت دُور دُور محسوس ہو رہا تھا۔اتنی بچی بھی نہیں تھی کہ روزانہ کے موڈ اور بدلے ہوئے روّیے میں فرق محسوس نہ کر سکتی۔

''تم کچھ ٹینس لگ رہے ہو......؟''

اب اُس کے لہجے میں کھوج تھی کہ شاید وہاج کا جواب کچھ ایسا ہو کہ اُسے پتا چل جائے کہ وہ اتنا اُلجھا ہوا اور پریشان کیوں ہے......؟علینہ اُس کی طرف دیکھ رہی تھی اور حیران ہو رہی تھی کہ وہ تو بالکل خاموش ہو گیا تھا۔

''جانی......! کچھ تو کہو۔کوئی مسئلہ ہے تو مجھ سے شیئر کرو ناں،تم تو ہر بات مجھ سے کرتے ہو ناں۔''

''ہر بات کہاں کرتا ہوں......؟اور ہر بات ہر کسی سے کرنے کے لئے نہیں ہوتی۔''

وہاج نے کھوئی کھوئی کیفیت میں کہا۔علینہ کو اب حیرت کا زوردار جھٹکا لگا۔

''ہر کسی......؟میں تمہاری بیوی ہوں،ہر کسی نہیں ہوں۔وہاج......!میں نے تو تمہیں کبھی یاد بھی نہیں دلایا کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔تمہیں تو ہر پل یاد رہتا ہے کہ میں تمہاری بیوی ہوں،تمہاری دوست ہوں،تمہاری ساتھی ہوں۔''

وہاج پھر مسکرا دیا۔پھیکی پھیکی بے معنی سی مسکراہٹ۔

''علینہ......!پلیز،مجھے اکیلا چھوڑ دو۔مجھے آفس کی وجہ سے کچھ مسئلہ آ رہا ہے۔ایک دو ضروری فون بھی کرنے ہیں۔وہ تمہیں بتایا تھا میٹنگ کے بارے میں۔مجھے تیار بھی ہونا ہے،پلیز......!''

اُس کے انداز میں جیسے درخواست تھی،اپنائیت نہیں تھی۔کیونکہ درخواست اپنائیت کی علامت نہیں ہوتی۔علینہ بُری طرح اُلجھ گئی۔

''اگر اُس نے کچھ سن لیا ہے تو پھر کچھ نہ کچھ تو کہہ جاتا۔ہاں شاید آفس ہی کا کوئی مسئلہ ہو۔میں فالتو میں ٹینس ہو رہی ہوں۔مائی گاڈ......!مریم کی بچی نے جیسے میرا سکون ہی برباد کر کے رکھ دیا ہو۔''

وہ کھولتی ہوئی کمرے سے باہر جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

مریم شام پانچ بجے تک گھر پہنچ گئی تھی اور جب سے آئی تھی،اپنے کمرے ہی میں بند تھی۔نہا دھو کر فریش تو ہو گئی تھی لیکن اندر تو وہ آگ لگی ہوئی تھی جو بجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔اتنی دیر اُس نے کچھ ضروری آفیشل فون کئے۔لیپ ٹاپ پر کچھ ضروری میل کیں پھر وہ لیٹ گئی۔مگر لیٹی تو یوں لگا جیسے بستر پر کانٹے لگے ہوئے ہوں۔پھر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔کرے تو کیا کرے......؟پھر لیپ ٹاپ کھول لیا اور مختلف ویب سائٹس کھول کر خود کو بہلانے لگی۔اُسی وقت دروازہ زوردار آواز سے کھلا۔مریم نے چونک کر سر اُٹھایا تو عدیل دروازہ کھول کر اندر داخل ہو چکا تھا اور بڑی زہر آلود نظروں سے مریم کی طرف گھور رہا تھا۔

اُس کے حلیے سے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی ابھی آفس سے آیا ہے۔ مریم نے اُس کی طرف دیکھا اور بولے بغیر اُس کے آنے کے انداز سے ہی سمجھ گئی کہ وہ اُس سے کیا کہنے آیا ہے اور اُس کے پاس کیا خبر پہنچی ہے......؟ اُس نے سرد مہر انداز میں نظریں دوبارہ لیپ ٹاپ پر جمادیں جیسے اُسے عدیل کے آنے کی پرواہ ہی نہیں۔

''تم علینہ کے گھر گئی تھی......؟''

عدیل نے آگے بڑھنے کی بجائے وہیں کھڑے کھڑے پوچھا۔

''کیوں......؟ میں علینہ کے گھر نہیں جاسکتی کیا......؟''

مریم نے لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے ہوئے جواب دیا۔

''تمہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ تم کسی عزت دار عورت کو اُس کے گھر میں جا کر ذلیل کرو......؟ اُس پر گندے گندے الزام لگاؤ......؟''

''شٹ اَپ......!''

مریم نے لیپ ٹاپ بند کردیا اور تیز نظروں سے عدیل کی طرف دیکھا۔

''میں اتنی بے وقوف اور کم عقل نہیں ہوں کہ کسی پر الزام تراشی کرنے کے لئے اتنی محنت کروں۔ میں جو بات اُس سے کرنے گئی تھی، اُس کے میرے پاس سارے پروف ہیں۔ لیکن تمہیں جو بات کرنا ہے، مجھ سے کرو۔''

عدیل نے اُس کی نظروں کی تیزی کی تاب نہ لاتے ہوئے نظریں جھکالیں۔ دل کا چور کہاں نظریں ملانے دیتا ہے......؟ وہ تو ایک وقتی کیفیت میں اندر آیا تھا، لیکن مریم کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اور اُس کی نظر کی تحریر پڑھتے ہی اُسے اپنا جرم یاد آ گیا۔ آواز خود بخود دھیمی اور کمزور ہوگئی اور نظریں جھکتی چلی گئیں۔

''میں اُس کو یہ بتانے گئی تھی کہ اگر وہ میرے شوہر کی طرح مجھے ایک stupid عورت سمجھتی ہے اور سمجھ رہی ہے کہ میرے شوہر کے ساتھ مل کر مجھے بے وقوف بنا رہی ہے، بناتی چلی آ رہی تھی اور بناتی جائے گی، بناتی رہے گی تو میں اس کو attention کرنے گئی تھی اور اس وجہ سے بھی کہ اس سے زیادہ بے حسی اور بے غیرتی میری برداشت سے باہر ہے اور میں کچھ کر نہ بیٹھوں۔''

''تمہیں علینہ کے گھر نہیں جانا چاہئے تھا مریم......! یہ تم نے بہت غلط کیا۔''

عدیل نے بڑے بدلے بدلے لہجے میں کہا۔

''اچھا......! میں نے غلط حرکت کی......؟ آپ دونوں کتنی اچھی حرکت کر رہے تھے......؟ اگر یہ ہی خبر اخبار میں لگوادی جائے تو اس دن اخبار کی سرکولیشن بڑھ جائے اور اُس وقت تو واقعی بڑھ جائے گی، جب آپ دونوں کی تصویر بھی ساتھ لگ جائے گی۔ فلاں کی بیوی فلاں کا میاں ایک دوسرے سے چھپ کر لندن جا رہے تھے۔''

''خدا کے واسطے مریم......! بس کرو۔ تم جو سمجھ رہی ہو، وہ نہیں ہے۔''

عدیل نے تیزی سے اُس کی بات کاٹ دی۔

''میں اصل میں وہاج کے پاس جانا چاہتی تھی۔''

مریم نے بیڈ سے اُترتے ہوئے کہا۔

''مجھے اُس کے آفس کا ایڈریس نہیں پتا تھا۔ میں نے سوچا، جو کرسکتی ہوں، وہ تو کر ڈالوں۔ وہاج کے ساتھ نہ سہی، علینہ کے ساتھ تو پہلا سٹیپ لوں۔ پھر دیکھتی ہوں سیکنڈ سٹیپ۔ میں وہاج سے بھی مل لوں گی۔''

مریم نے کھڑے ہوکر بڑے اعتماد سے عدیل کی طرف دیکھا۔

''تم ایسا کچھ نہیں کروگی مریم......!تمہیں ہر طرف آگ لگانے سے پہلے حقائق جان لینا چاہئیں۔ حقیقت وہ ہوتی ہے جو آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے اور کانوں سے سنی جاتی ہے۔''

''میں نے کانوں سے سن لیا، جب آپ اُسے فون کررہے تھے وہ بھی اور جب وہ آپ کو فون کررہی تھی، اور وہ آپ کے موبائل پر جو میں نے attend کیا، اُس بے خبر کو کیا پتا ہوگا کہ موبائل عدیل کے پاس نہیں، مریم کے پاس ہے اور وہ جس لہجے میں بات کررہی ہے، وہ عدیل نہیں، مریم سن رہی ہے۔''

''تم محض غلط فہمی کی بنیاد پر اُس کا گھر خراب کرنے پہنچ گئیں۔ تمہیں پہلے مجھ سے بات کرنا چاہئے تھی۔''

''بس......! خاموش ہوجائیں۔ غلط فہمی، غلط فہمی......؟ کیسی غلط فہمی......؟ اپنے کانوں سے سب کچھ سن لینے کے بعد بھی غلط فہمی......؟ اُس کے گھر کی بڑی فکر ہے اور میرا گھر جو ٹوٹ چکا ہے، اُس کی فکر نہیں ہے......؟''

مریم ایک دم بھڑک اُٹھی۔

''خدا نہ کرے، ایک غلط فہمی کی بنیاد پر تم اتنا آگے تک سوچ رہی ہو۔ آرام سے بیٹھ کر میری بات سنو...... ! کچھ سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''نہیں......!''

مریم نے فوراً عدیل کی بات کاٹ دی۔

''مسٹر عدیل......! شادی خون کا رشتہ نہیں ہوتی۔ یہ Totally اعتماد کا رشتہ ہوتا ہے۔ جس دن اعتماد ختم، یہ رشتہ ختم۔ بھروسہ اُٹھتے ہی دو آدمی اجنبی بن جاتے ہیں۔ زندگی میں کبھی ایک دوسرے کے لئے خوب صورت feeling نہیں آتیں اور پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے......؟ یہی کہ یہ رشتہ ایک بھاری جنازے کی طرح بن جاتا ہے، جسے کندھے پر اُٹھا کر دو قدم چلنا عذاب ہوتا ہے۔''

مریم بولتے بولتے سانس لینے کو رُکی اور بڑی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ عدیل کو دیکھا۔

''یہ دھوکے میں گزرنے والے چند مہینے میں زندگی بھر نہیں بھلا پاؤں گی مسٹر عدیل......! اب ہمیں اس سے آگے کا نہیں سوچنا چاہئے۔ اب بات کرنے کے لئے کچھ نہیں بچا۔''

مریم نے عدیل کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ اُسے اندازہ تھا کہ عدیل کمرے سے باہر جانے کے موڈ میں نہیں ہے، اس لئے اُسی کو یہاں سے چلے جانا چاہئے۔

☆......☆......☆

''آنٹی......! ساری رات جاگتا ہے، اس پر تو جیسے اب بھی تنہائی کا احساس طاری ہے۔''

شہلا، سلمیٰ بیگم سے بات کررہی تھی۔ سلمیٰ بیگم کے اندر جیسے ایک قیامت برپا ہوگئی تھی۔ احساسِ جرم پھر ان کی رگ رگ

میں اُتر گیا تھا۔

''بس بیٹا......! ہمت سے کام لو۔ انشاءاللہ......! اللہ تعالیٰ اپنا کرم کرے گا۔ بیبہ کو میں اپنے ساتھ اس لئے لے کر جا رہی ہوں کہ تم یہاں ناصر کی دیکھ بھال کرو گی یا بیبہ کو سنبھالو گی......؟ جتنا بوجھ میں تمہارا ہلکا کر سکتی ہوں، کوشش کر رہی ہوں۔''

''آنٹی......! آپ کا بہت بہت شکریہ......! بس، میری آپ سے یہی request ہے کہ آپ کسی طرح انعم کو سمجھائیں۔ اُسے احساس دلائیں کہ وہ بہت بڑی غلطی کر رہی ہے۔ اپنا بنا بنایا گھر توڑنا ایک حماقت ہی تو ہے۔ ابھی اس کو اندازہ نہیں ہو رہا۔ آنٹی......! گھر کوئی اسی طرح بن جاتے ہیں......؟ کتنی محنت ہوتی ہے ایک گھر کو بنانے کے لئے، اور ٹوٹنے میں پل نہیں لگتا۔''

شہلا بڑے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

''ہاں بیٹا......! تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ تمہاری ہی طرح میری اور تمہارے انکل کی بھی یہی سوچ ہے کہ جو خطرہ ہمارے سر پر نازل ہو چکا ہے، ہم اُس سے اپنی جان چھڑائیں اور اللہ سے دُعا کریں کہ اللہ اُسے سمجھ دے کہ گھر آسانی سے نہیں بنتے، اور ساتھ میں جب ایک معصوم بچی بھی ہو تو اس کا خیال کرنا چاہیے ہم سب کو اور سب سے بڑھ کر اُس کی ماں کو۔ تم فکر نہیں کرو بیٹا......!''

سلمیٰ بیگم شہلا کو تسلی دیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ حالانکہ تسلی دیتے ہوئے آواز کا خالی پن صاف ظاہر ہو رہا تھا۔ اپنے ہی لفظ کھوکھلے لگ رہے تھے، کیونکہ بیٹی کی سرکشی کسی کھڑے ہوئے دریا کی مانند تھی جو کنارے توڑ کر سیلاب کی شکل میں بس آگے بہنے ہی والا تھا۔ لیکن وہ پریشان حال بہن کو توڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ ایک آس سے ہی انسان کی ہمت تو بندھی رہتی ہے اور شہلا کی ہمت کی تو اس وقت بہت ضرورت تھی۔ کیونکہ ناصر کو سنبھالنے والی وہی تھی۔ اگر وہ نا اُمید اور مایوس ہو جاتی ہے تو پھر ناصر کا کیا بنتا......؟ جھوٹی ہی سہی، تسلی تو دینا تھی۔ سلمیٰ بیگم جانے کے لئے بالکل تیار تھیں۔

☆......☆......☆

انعم ٹیرس پر ٹہلتے ہوئے بہت خوش گوار موڈ میں سلمان سے باتیں کر رہی تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسے وہ اب ہر قسم کے اندیشے اور خطرے سے باہر جا چکی ہو۔

''جانی......! میں زندگی بھر نہیں بھول سکتی جو چند سال میں نے اس سائیکو کے ساتھ گزارے ہیں۔ سلو ڈارلنگ......! یقین کرو اُس میں وہ guts ہی نہیں تھے کہ مجھے اُس سے محبت ہو جاتی۔''

انعم، ناصر کا تصور کر کے اب تھوڑی بدمزہ نظر آئی۔

''اُسے تو تم سے محبت ہو گئی ہو گی، تبھی تو وہ پاگل ہو گیا ہے۔''

دوسری طرف سے سلمان اُسے شریر لہجے میں کہہ رہا تھا۔ انعم نے سلمان کی بات سن کر بُرا سا منہ بنایا۔

''ڈرامہ کر رہا ہے تاکہ میں تم سے جلد از جلد شادی نہ کر سکوں۔ سلمان......! تم سوچ نہیں سکتے کہ میرا تمہارے بغیر ایک ایک پل کیسے کٹ رہا ہے......؟''

انعم نے دُنیا بھر کا پیار اپنے لہجے میں سمو کر کہا۔

''سلمان......! اب میں تم سے دُور نہیں رہ سکتی۔ کچھ کرو پلیز......!''

اب جیسے اُس نے سلمان کی منت سی کر ڈالی۔

"کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا کیونکہ میں بھی اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کسی کام میں دل نہیں لگتا۔ لیکن اس ڈفر نے جس طرح تمہیں پھنسا دیا ہے، مجھے تم سے بہت ہمدردی ہو رہی ہے۔ سوچتا رہتا ہوں کہ تم جیسی شاندار لڑکی کہاں پھنس گئی......؟"

"خدا نہ کرے پھنسوں میں اس کے جال میں۔ پھڑ پھڑا رہی ہوں اور کسی بھی وقت نکل آؤں گی۔ پوری کوشش کر رہی ہوں اور کیوں نہ کروں......؟ مجھ پر تو ایک ایک لمحہ بھاری ہے۔ بس اب یہ ہے کہ میں نا اُمید یا ٹینس نہیں ہوں۔ تمہارا تصور میرے ساتھ رہتا ہے اور میں ہر پل خوش رہتی ہوں۔ یقین کرو سلمان......! پہلے تو ٹیبلٹ کے بغیر مجھے نیند ہی نہیں آتی تھی اور اب جب سے تم ملے ہو، آگے ایک حسین مستقبل دکھائی دینے لگا تو میں یہ گولیاں یوز کئے بغیر ہی بڑے آرام سے سو جاتی ہوں۔ تمہارا تصور، تمہارا خوب صورت خیال مجھے بڑی آسانی سے ایک خوب صورت خوابوں کی دُنیا میں پہنچا دیتا ہے۔"

انعم کے لہجے میں پیار ہی پیار تھا۔ ساری کائنات جیسے اُس کے قدموں تلے تھی۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم اور فیاض احمد جب بیہ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے تو اُس وقت تقریباً رات کے تین بج رہے تھے۔ فلائٹ دو بجے سے پہلے کراچی آ گئی تھی لیکن سامان کے چکر میں ایئرپورٹ پر کافی وقت لگ گیا۔ کیونکہ تھوڑا تھوڑا کرتے ہوئے بھی بیہ کا اچھا خاصا سامان جمع ہو گیا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی بیہ نے سب سے پہلا سوال یہی کیا۔

"نانو......! میری ماما کہاں ہے......؟"

سلمٰی بیگم نے فیاض احمد کی طرف دیکھا، جیسے اُلجھن میں ہوں کہ رات کے اس وقت بیہ کو کیا جواب دیں......؟ کیا سوتی ہوئی انعم کو جگائیں......؟ فیاض احمد اُن کی نظروں کے سوال سمجھ گئے تھے۔ تھکے تھکے انداز میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"اس کو کیوں انتظار کرا رہی ہو......؟ جاؤ، باقی یہ خود ہی کرے گی۔"

سلمٰی بیگم نے حیران ہو کر فیاض احمد کی طرف دیکھا۔

"کیا کرلے گی......؟"

"او ہو......!"

فیاض احمد جیسے چڑ کر بولے۔

"بھئی......! اپنی ماں کو آواز دے گی۔ اس کی آواز سن کر دروازہ کھولنے کے بعد وہ خود ہی سنبھال لے گی۔"

"اچھا اچھا......! یہ بھی ٹھیک ہے۔ آؤ بیہ......! آپ کو ماما کے پاس لے کر چلوں۔ بیٹا......! ہم اتنا لیٹ آئے ہیں کہ ماما تو سو چکی ہیں۔ لیکن آؤ، ماما کو اُٹھاتے ہیں۔ ماما کو بتاتے ہیں کہ بیہ آ گئی ہے۔"

سلمٰی بیگم نے بیہ کے بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور اُس کا ہاتھ تھام کر زینے کی طرف بڑھ گئی۔ فیاض احمد بڑی سلگتی ہوئی افسردہ سی نظروں سے بیہ کی پشت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سلمٰی بیگم بیہ کو لے کر اُوپر آئیں اور دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ پھر بیہ کے کان میں بولیں۔

"بیہ......! ماما کو آواز دو۔ وہ آپ کی آواز سنے گی تو فوراً دروازہ کھول دے گی۔"

بیہ نے ہلکے سے دروازے پر ہاتھ مارا اور ساتھ ہی آواز دی۔

''ماما......! دروازہ کھولیں۔''

انعم بہت ہی میٹھی گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ بہت دُور کہیں خوابوں میں اپنی بیٹی کی آواز سن رہی ہے۔ کیونکہ اُس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ بیہ یہاں آسکتی ہے۔ ناصر اُس کو ماں سے چھپا کر یہاں سے لے کر گیا ہے۔ وہ اُسے ماں کے پاس کب آنے دے گا......؟

''زور سے آواز دو بیٹا......! ماما سوئی ہوئی ہیں۔''

سلمیٰ بیگم نے پھر بیہ کے کان میں کہا۔

''ماما......! دروازہ کھولیں۔''

بیہ نے اب پہلے سے زیادہ زوردار آواز میں کہا اور ساتھ ہی دروازہ دھڑ دھڑا دیا۔ سلمیٰ بیگم نے اب دروازے کی طرف دیکھا۔ اُنہیں یقین تھا کہ اتنی زوردار دھب دھب اور بیہ کی آواز سے انعم جاگ گئی ہوگی۔ وہ جلدی سے بیہ کی طرف دیکھتے ہوئے زینے کی طرف بڑھ گئیں۔ بیہ نے جاتی ہوئی سلمیٰ بیگم کی طرف دیکھا اور تعجب سے پوچھا۔

''نانو......! آپ کہاں جارہی ہیں......؟''

''بیٹا......! آپ ماما کو آواز دو۔ ماما دروازہ کھولیں گی۔''

اُنہوں نے جیسے اس وقت انعم کا سامنا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ بیہ دھڑ دھڑ کررہی تھی۔ وہ آدھا زینہ ہی طے کرپائی تھیں کہ اُنہیں محسوس ہوا کہ اب دھڑ دھڑ بند ہوگئی ہے۔ انعم نے دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ حیران اور ہکا بکا اپنی بیٹی کو دیکھ رہی تھی۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ گہری نیند کے دوران کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔

''بیہ......!''

اُس نے حیران سی بیہ کے گال کو چھوتے ہوئے کہا، جیسے وہ یقین کرلینا چاہتی ہو کہ واقعی اُس کے سامنے بیہ کھڑی ہے۔

''ماما......! میں بیہ ہوں، آپ سورہی تھیں......؟ ماما......! ہم آگئے ہیں۔ نانا جان بولے، جاؤ اپنی ماما کو اُٹھادو۔ اُنہیں بتا دو کہ بیہ آگئی ہے۔ آپ اُٹھی کیوں نہیں میرے آنے سے......؟''

بیہ بڑی معصومیت سے نیند میں آدھی جاگی، آدھی سوئی کیفیت میں مبتلا انعم کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ارے نہیں......!''

انعم کو جیسے ایک دم سے ہوش آگیا اور یقین بھی کہ واقعی اُس کے سامنے بیہ کھڑی ہے۔ وہ ایک دم نیچے زمین پر بیٹھ گئی اور اُس نے بیہ کو اپنے سینے سے لگالیا۔

''بیہ جانو......! آپ نانو کے ساتھ آئی ہو......؟''

☆......☆......☆

''جی ماما......! میں نانو اور نانا جان کے ساتھ آئی ہوں۔ آپ تو مجھے چھوڑ کر آگئی تھیں۔ نانو مجھے آپ کے پاس لے آئیں۔ پاپا کی طبیعت بھی خراب ہوگئی تھی۔ پاپا ہسپتال میں ہیں اور میں کیا کروں......؟ شہلا پھپھو ہیں، وہ بھی ہسپتال چلی جاتی

ہیں تو پھر نانا مجھے اپنے ساتھ لے آئے۔"

بیہ تفصیلات بتا رہی تھی۔

"اوہ......!"

انعم کی سمجھ میں جیسے بہت کچھ آ گیا تھا۔ اب اُسے بیہ سے مزید کچھ سوال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور بیہ کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"آؤ بیٹا......! اب سوتے ہیں۔ کھانا وانا تو نہیں ہے کچھ......؟ بھوک تو نہیں لگی......؟"

کچھ بھی تھا، آخر ماں تھی۔ عادت سے مجبور ہو سکتی تھی، فطرت سے بھی مجبور ہو سکتی تھی۔

"نو ماما......! really میرا تو پیٹ فل ہے۔ پتا ہے کیا، نانو نے اتنا سارا کھلا دیا۔ میں نے ڈِنر بھی کیا تھا۔ ماما......! اتنا مزیدار کسٹرڈ بھی تھا اور کیک بھی تھا، میں نے سب کچھ کھا لیا۔ ماما......! اب مجھے بالکل بھی بھوک نہیں۔ اب میں دودھ بھی نہیں پیوں گی۔"

بیہ نے جلدی سے کہا۔ اُسے خوف تھا کہ کھانے سے انکار کے بعد ماں کہیں زبردستی دودھ نہ پلا دے۔ اس لئے اُس نے پوری ایڑھی چوٹی کا زور لگا کر ماں کو سمجھا دیا کہ وہ کھانا نہیں کھائے گی اور لاشعوری اور غیر ارادی طور پر اُس نے تو جیسے اپنی ماں کو محنت کرنے سے بچا لیا اور اُس پر احسان ہی کیا تھا، کیونکہ وہ اس وقت جلد سے جلد سو جانا چاہتی تھی۔ تمام حیرتوں اور اندیشوں کے باوجود جو اُس کے ذہن میں جاگنے لگے تھے کہ ناصر ہسپتال میں داخل ہے اور امی، بیہ کو لے آئی ہیں۔

"لیکن بیہ کتنے دن میرے پاس رہے گی......؟ جیسے ہی ناصر ٹھیک ہوگا، پہلی فرصت میں ہی اپنی بیٹی کو یہاں سے لے جائے گا۔ چلو کچھ دن سہی، میری بیٹی میرے پاس رہ لے گی۔ لیکن مجھے اپنے آپ کو تو سمجھانا ہوگا کہ اب بیہ میرے پاس مستقل کبھی نہیں رہ پائے گی۔ شاید سلمان بھی بیہ کو میرے ساتھ قبول نہ کرے اور میں بھی کئی حصوں میں تقسیم ہونے کے بعد بیہ کو توجہ اور پیار نہ دے پاؤں جو اس کا رائٹ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ یہ اپنے باپ کے پاس ہی رہے۔"

بیہ اس کے ساتھ بیڈ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس معصوم کو تو خبر ہی نہیں تھی کہ وہ جس ملن سے خوش ہو رہی ہے، اس کی ماں اس ملن کے ساتھ اس کی جُدائی کے خواب بھی دیکھ رہی ہے۔

☆......☆......☆

عدیل آفس جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ مریم بیڈ پر چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ عدیل ٹائی کی ناٹ بناتے ہوئے گاہے گاہے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مریم جس انداز میں خاموش لیٹی تھی، وہ اُسے مخاطب کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا وہ جیسے ہی کچھ بولے گا، مریم پھٹ پڑے گی۔ مصلحتاً وہ خاموش تھا لیکن دل کا بوجھ اور دل کا چور اُسے بے چین کئے ہوئے تھا۔ اس بے چینی کا علاج یہی تھا کہ کسی طرح سے مریم اس کے تمام جھوٹ پر اعتبار کر لے اور اس بات کو جانے دے، پھر پہلے کی طرح بات ہونے لگے اور وہ مریم کو سمجھانے میں کامیاب ہو جائے کہ اُسے واقعی کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اب وہ ناپ تول کرنے لگا ہے۔ بات کس طرح سے شروع کرے......؟ وہ ساتھ ساتھ چور نگاہوں سے مریم کی طرف دیکھ بھی رہا تھا۔

"آج آفس جانے کا موڈ نہیں ہے......؟"

بالآخر اُس نے ہمت کی اور مریم کو مخاطب کیا۔ مریم نے آنکھیں کھول کر اُس کی طرف دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ خاموش تھی۔ اُس کی خاموشی نے عدیل کو بتا دیا تھا کہ وہ اس سے بات کرنا نہیں چاہتی۔ چند لمحے چت لیٹے رہنے کے بعد اُس نے عدیل کی طرف کروٹ بدل لی۔ یہ تو کھلا اعلان تھا کہ اُس سے بات نہ کی جائے۔ مریم نے دل ہی دل میں سوچا۔

''انسان بھی کیا شئے ہے......؟ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مرد بھی کیا شئے ہے......؟ آخر وہ عورت کو اتنا بے وقوف کیوں سمجھتا ہے......؟''

اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اُبھری۔ اُسے عدیل کی موجودگی بہت بھاری گزر رہی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ عدیل کا سب کچھ اسی بیڈ روم میں تھا۔ اُسے یہیں سے تیار ہو کر آفس جانا تھا اور اتنی دیر اُس کی موجودگی کو مریم نے برداشت کرنا تھا۔ عدیل نے بڑی بے بسی سے مریم کی طرف دیکھا تھا اور بڑی گہری سانس لی تھی۔ اُسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ کرے تو کیا کرے......؟ وہ کون سا کارڈ کھیلے......؟ کیا ترکیب نکالے کہ مریم کو رام کر لے......؟ مریم سب کچھ بھلا دے......؟ لیکن امکانات اچھے نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ یہی سوچتا ہوا اپنے بالوں میں برش چلانے لگا۔ مریم کی عجیب سی آواز نے اُس کو چونکا دیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے مریم vomiting کرنے والی ہے، اُسے اُبکائیاں آ رہی تھیں۔ وہ تیزی سے مریم کی طرف بڑھا، مگر اس سے کہیں زیادہ تیزی سے بیڈ سے اُتر کر مریم واش روم کی طرف بھاگی۔ پھر اُس نے اپنے پیٹ میں موجود سب کچھ واش بیسن پر اُگل دیا۔ اُس کی اُبکائیوں کی آواز سے عدیل کو گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ وہ ایک دم واش روم کے دروازے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

''مریم......! کیا طبیعت خراب ہے......؟''

مریم نے واش بیسن پر پانی بہاتے ہوتے ہوئے بہت نڈھال سے انداز میں عدیل کی طرف دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر زور سے دروازہ بند کر دیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی عدیل کے چہرے پر نا اُمیدی اور مایوسی کے اثرات پہلے سے زیادہ واضح ہو گئے۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ مریم اُس کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس نہیں جائے گی۔ زور کی آواز سے دروازہ بند کرنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ وہ کہہ رہی تھی کہ وہ یہاں سے چلا جائے۔ عدیل نے بے بسی سے دروازے پر ایک نظر ڈالی اور چپ چاپ اُس طرف بڑھ گیا، جہاں اُس کا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم سو رہی تھی۔ ظاہری بات ہے، رات کو بہت دیر سے سوئی تھی بلکہ سوتے سوتے صبح ہی ہو گئی تھی۔ موبائل کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ وہ بڑی گہری نیند سے جاگی تھی۔ چند لمحے تو جیسے اُن کو سمجھ ہی نہ آئی۔ آنکھ کھلی تھی لیکن ذہن پر نیند کے گہرے پردے تنے تھے۔ اُنہوں نے ٹٹولتے ہوئے موبائل اُٹھایا اور کان سے لگا لیا اور نیند میں ڈوبی ہوئی آواز میں بہت آہستہ سے ''ہیلو'' کہا۔ دوسری طرف سے مریم کی آواز آ رہی تھی۔

''امی......! السلام علیکم......!''

وہ بہت کمزور اور نڈھال لہجے میں اُنہیں سلام کر رہی تھی۔ سلمٰی بیگم مریم کی آواز سن کر ایک دم چونک پڑیں۔

''اتنی صبح صبح مریم کا فون......؟ اللہ رحم کرے......!''

نیند تو ایک دم جیسے کہیں اُڑن چھو ہوگئی، کیونکہ ماں ہونے کے ناطے اُنہوں نے مریم کی آواز کی کمزوری کو خصوصی طور پر محسوس کیا تھا۔ مریم کی آواز کا غیر معمولی پن اُن سے کیسے چھپ سکتا تھا......؟ وہ اُن کی بیٹی تھی، اُن کی ہمراز تھی، اُن کے دُکھ سکھ کی ساجھی تھی، اُس کے ہر روّیے کو وہ گہری نیند میں بھی پہچان سکتی تھیں۔

''کیا ہوا بیٹا......؟ طبیعت تو ٹھیک ہے......؟''

اُنہوں نے فکرمندی سے مریم سے پوچھا۔

''امی! پتا نہیں کیا ہوا ہے مجھے؟ بس صبح سے عجیب سی طبیعت ہو رہی ہے اور ابھی ابھی vomiting بھی ہوئی ہے۔''

''اوہ......! رات کو کوئی ایسی ویسی چیز تو نہیں کھالی تھی کہ بدہضمی ہوگئی ہو......؟''

سلمٰی بیگم ایک دم پریشان ہوگئیں۔

''نہیں امی......! رات کو تو میں نے سرے سے کچھ کھایا ہی نہیں۔ بس یوں سمجھیں کہ دودھ پی کر سوگئی تھی۔''

مریم نے اِسی طرح نڈھال لہجے میں جواب دیا۔

''تو weakness ہو رہی ہوگی۔ کھانا کیوں نہیں کھایا......؟ اپنا خیال رکھا کرو بیٹا......! جاب کرنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم اپنے آپ کو بھلا دو۔ پھر تم فٹ ہوگی تو جاب کر سکوگی۔''

وہ ماں بن کر اب اُسے نصیحتیں کرنے لگیں۔

''امی......! میں کیا کروں......؟ میں اپنے آپ کو بہت اکیلا اور بہت تنہا محسوس کرنے لگی ہوں۔ کیا آپ آسکتی ہیں تھوڑی دیر کے لئے میرے پاس......؟''

مریم کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ سلمٰی بیگم کا دل اُن کے سینے میں پھڑ پھڑایا، جیسے کوئی پرندہ پنجرے میں پھڑ پھڑایا ہو۔

''بیٹا......! تم تو بہت ہمت والی ہو۔ خود کو سنبھالو۔ طبیعت خراب ہو جاتی ہے انسان کی۔ اس میں پریشانی والی کیا بات ہے......؟ تمہارے لہجے اور تمہاری آواز سے تو ایسے لگ رہا ہے جیسے پتا نہیں تم کتنے دنوں سے بیمار ہو......؟ مجھے سچ سچ بتاؤ۔ مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہی ہو......؟ کب سے طبیعت خراب ہے......؟''

سلمٰی بیگم اب پریشانی میں پوچھنے لگیں۔

''امی......! میں صحیح کہہ رہی ہوں، میں بالکل ٹھیک تھی۔ بس آج صبح ہی سے کچھ گڑبڑ سی feel ہو رہی ہے۔ پہلے تو ایسے ہی اُبکائیاں سی آتی رہیں پھر vomiting ہوگئی اور اب مجھے اتنی کمزوری feel ہو رہی ہے کہ بس دل چاہتا ہے کہ آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹی رہوں۔''

مریم نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

''اچھا......! تم پریشان نہ ہو۔ میں آتی ہوں تمہارے پاس۔ ٹھیک ہے......! اپنے آپ کو سنبھالو بیٹا......! تم تو اتنی ہمت والی ہو۔ خیال رکھو اپنا۔''

فیاض احمد اسی وقت دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی فجر کی نماز پڑھ کر آئے تھے۔ سلمٰی بیگم کو جاگتا پا کر وہ تھوڑا سا حیران ہوئے تھے کیونکہ جس وقت وہ کمرے سے باہر گئے، وہ بہت گہری نیند میں تھیں۔ وہ جاگ بھی

رہی تھیں اور اُن کے ہاتھ میں موبائل بھی تھا۔ وہ پریشان ہو کر آگے بڑھے۔

"کس کا فون ہے سلمٰی......؟"

سلمٰی بیگم نے موبائل ایک طرف رکھتے ہوئے فیاض احمد کی طرف دیکھا۔

"مریم کا تھا۔"

"خیریت......؟اتنی صبح صبح......؟"

فیاض احمد بھی پریشان ہو گئے۔

"ہاں......!بس اُس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اکیلی ہے ناں تو پریشان ہو گئی۔ بندہ جب پریشان ہوتا ہے تو یا تو اُس کو ماں یاد آتی ہے یا اللہ۔ اللہ کو یاد کرتے کرتے ماں کو بھی یاد کر لیا۔"

"کیوں طبیعت خراب ہو گئی......؟ کہیں اُس کی طبیعت زیادہ خراب تو نہیں ہو گئی جو اتنی صبح صبح فون کیا......؟ وہ ایسے تو نہیں کر سکتی۔ وہ تو بہت صبر والی، بہت ہمت والی بچی ہے۔"

فیاض احمد، سلمٰی بیگم سے زیادہ پریشان ہو گئے۔

"ہاں نہیں......! شاید وہ کچھ معدے میں گڑ بڑ ہوئی ہے۔ اس کو vomiting ہوئی ہے۔ ابھی میں تھوڑی دیر بعد نکلتی ہوں۔ بلا رہی ہے مجھے۔"

سلمٰی بیگم نے کسل مندی سے لیٹتے ہوئے جمائی لی اور اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اچھا اچھا......! ٹھیک ہے......! میں بھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔"

"آپ آرام کریں، آپ تو مشکل سے دو گھنٹے بھی نہیں سوئے۔ پھر نماز کے لئے چلے گئے۔ آپ یہیں آرام کریں میں چلی جاؤں گی۔ خدانخواستہ کوئی بات ہوئی تو میں آپ کو فون کر دوں گی، آپ آ جایئے گا۔ ویسے مجھے تو نہیں لگتا کوئی ایسی بات ہو۔ وہ اکیلی ہونے کی وجہ سے پریشان ہو گئی ہے۔ عدیل بھی شاید آفس چلا گیا ہو گا یا آفس کے لئے نکل رہا ہو گا۔"

"لیکن وہ آفس کے لئے اس کو اس حالت میں چھوڑ کر کیسے نکلے گا......؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بھئی......! اُس کا اپنا کام ہے۔ وہ کسی کا پابند تو نہیں ہے۔ وہ اگر دوپہر کو بھی اپنے آفس میں پہنچے تو اُسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ماشاءاللہ اُس کا اپنا بزنس ہے۔"

"ہاں......! ہو سکتا ہے عدیل اُس کو دیکھ رہا ہو۔ اُس کی دیکھ بھال کر رہا ہو۔ لیکن فیاض......! ماں آخر ماں ہوتی ہے۔ طبیعت خراب ہوتی ہے اور اگر ماں زندہ ہو تو ظاہری بات ہے، یاد تو آتی ہے۔ اپنی بچی پریشان ہے۔ وہ اصل میں اکیلی رہی بھی نہیں ہے ناں، ماشاءاللہ بھرا گھر رہا ہمیشہ۔ گھر کے بندے تو کم تھے لیکن لوگوں کا آنا جانا، وہ بھرے گھر کی عادی ہے۔ ساس بھی نہیں ہے۔ اکیلی اس لئے اور زیادہ اکیلا محسوس کر رہی ہے خود کو۔ خیر......! آپ آرام کریں، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جاؤں گی تو وہاں سے فون کر کے آپ کو بتا دوں گی۔"

سلمٰی بیگم نے یہ کہا اور موبائل اُٹھا کر ٹائم دیکھنے لگیں۔

☆......☆......☆

وہاج ساری رات نہیں سو سکا تھا۔علینہ نے اُس سے پوچھنے کی بہت کوشش کی تھی کہ آخر اُس کے ساتھ مسئلہ کیا ہے......؟ اُسے نیند کیوں نہیں آرہی......؟ لیکن وہاج نے ہر دفعہ اُسے اتنی رکھائی اور بے رُخی سے جواب دیا کہ پھر اُس کی ہمت ہی نہیں پڑی۔ابھی تک تو اُسے یہی یقین تھا کہ وہاج اُس کی طرف سے بدگمان نہیں ہے۔اُس کا اپنا کوئی پرسنل پرابلم ہے۔جس کی وجہ سے اُسے نیند نہیں آرہی ہے۔لااُبالی پن اور لاپرواہی اُس کے مزاج کا حصہ تھی۔وہ زیادہ گہرائیوں میں جانے کی عادی نہیں تھی۔اُسے نیند آئی، وہ کروٹ لے کر سوگئی۔اُسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اُس کے لااُبالی پن اور اُس کی لاپرواہیوں نے کسی کی زندگی میں انگارے بھر دیئے ہیں۔اُسے زیادہ سہنے اور خود پر جبر کرنے کی عادت نہیں تھی۔اُسے نیند آجاتی تھی، وہ سو جاتی تھی۔وہ اپنی نینداور اپنی خوشیاں قربان کرنے والی لڑکی نہیں تھی۔اُس کو اپنے مفادات اور اپنا سکھ ہر شئے سے پیارا تھا اور شاید وہاج سے بھی زیادہ پیارا۔اُسے وہاج سے نخرے اُٹھانے کی عادت تھی۔اُس نے آج تک وہاج کے نخرے نہیں اُٹھائے تھے۔وہی رُوٹھتی تھی اور وہی مناتا تھا۔اس لئے اُس نے زیادہ جتن کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔اُسے میٹھی سی نیند آئی اور وہ سوگئی۔وہاج ساری رات جاگتا رہا اور جیسے ننگے پاؤں انگاروں پر چلتا رہا۔بار بار علینہ کی طرف دیکھ کر خود کو یقین دلانے کی کوشش کرتا رہا کہ مریم کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔مریم ضرور غصے میں کچھ اُلٹا سیدھا کہہ گئی ہے۔

''نہیں ......!علینہ ایسی نہیں ہے۔میری شادی کو پانچ سال ہوگئے ہیں۔میں نے علینہ میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جو میرے دل میں کھٹکا پیدا کر دے۔''

اذیت جب سزا ہونے لگی تو وہ خود کو سمجھانے لگا۔اس لئے کہ یا تو خود کو سمجھاتا یا پھر نیند کی گولی کھا کر سونے کی کوشش کرتا۔لیکن اُسے نیند کی گولی کھا کر سونے کی عادت نہیں تھی۔وہ بے خبر نہیں ہونا چاہتا تھا۔وہ ہر زاویے سے سوچنا چاہتا تھا۔وہ اپنے دل کو سچا اور پکا اطمینان دلا کر سونا چاہتا تھا کہ نہیں نہیں، علینہ غلط نہیں ہوسکتی۔علینہ اُس کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔علینہ اُس کو بے وقوف نہیں بنا سکتی۔وہ علینہ سے اتنی محبت کرتا تھا اور علینہ کو اس کا اچھی طرح اندازہ ہے۔وہ اگر اُس سے اُس جتنی محبت نہیں کرے گی تو کم از کم اُس کی محبت کی ناقدری بھی نہیں کرے گی۔وہ طرح طرح کی سوچوں میں اُلجھتا رہا، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔تب وہ تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کر کے لیٹا کہ شاید نیند آجائے۔مگر نیند نہ آئی۔پتا نہیں نیند کہاں چلی گئی تھی......؟ آخر وہ کون سی بات اور کون سا عذاب تھا جو اُس پر مسلط ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ سو نہیں پایا......؟ بار بار گردن موڑ کر خوابوں میں کھوئی ہوئی علینہ کی طرف دیکھ لیتا تھا اور دل سے آواز آتی تھی۔

''یہ تو بہت معصوم ہے بلکہ بے وقوفی کی حد تک معصوم ہے۔آج بھی بچوں کی طرح فرمائشیں کرتی ہے۔مجھ سے محبت کرتی ہے۔مجھے تو کبھی بھی محسوس نہیں ہوا کہ علینہ مجھ سے محبت نہیں کرتی۔''

وہ پھر سوچوں میں اُلجھنے لگا یہاں تک کہ اُس کی نظر وال کلاک پر پڑی تو صبح کے ساڑھے سات بج چکے تھے۔وہ بستر سے اُتر آیا۔اُس نے سوچا، اُسے نہ نیند آرہی ہے نہ چین مل رہا ہے اور اس عذاب سے چھٹکارے کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ آفس جانے کی تیاری کرے اور اپنے کاروبار میں اپنے ذہن کو لگا کر ان فضول اور تنگ کرنے والے خیالات سے نجات پا سکے۔یہ سوچ کر وہ آفس جانے کی تیاری کرنے لگا۔اُس کے ذہن میں یہ بھی آرہا تھا کہ وہ اپنے قریبی دوست بلکہ بہترین دوست ڈاکٹر سہیل کے پاس جائے اور اُسے کچھ کہہ سن کر خود کو ہلکا کرے۔لیکن اُسے پتا تھا کہ سہیل اپنے کلینک میں گیارہ بجے سے پہلے نہیں

پہنچتا۔ گیارہ بجے تک اُسے خود کو دفتر کے کاموں میں مصروف کرنا ہے۔ اُس نے تھکے تھکے انداز میں گہرے گہرے سانس لیے اور پلٹ کر پھر سوئی ہوئی علینہ کی طرف دیکھا۔ ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''سچ کہا ہے کسی نے، شک سے بڑا عذاب کوئی نہیں۔''

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم، مریم کو لے کر فوراً ڈاکٹر کے پاس آ گئی تھیں۔ تین بچوں کی ماں تھیں۔ کچھ کچھ تو سمجھ رہی تھیں کہ شاید خوشی کی خبر آنے والی ہے، لیکن ڈاکٹر سے ملے بغیر وہ کوئی نتیجہ نکال نہیں سکتی تھیں اور یہی ہوا، ڈاکٹر نے مریم کا چیک اَپ کرنے کے بعد اُنہیں خوش خبری سنادی تھی۔ سلمیٰ بیگم خوش خبری سنتے ہی جیسے سب کچھ بھول گئیں اور بہت پیار اور محبت سے مریم کو گلے سے لگا کر اُس کی پیشانی چومی۔

''یہ ان کا پہلا بے بی ہے ناں......؟''

ڈاکٹر اُن سے پوچھ رہی تھی۔

''جی جی......! ابھی تو صرف تین مہینے ہوئے اس کی شادی کو۔ شکر ہے خدا کا کہ اللہ پاک نے گود بھر دی اور خوش خبری سننے کو ملی۔''

وہ اللہ کا شکر ادا کرنے لگیں۔ وقتی طور پر ساری اُلجھنیں اور ساری پریشانیاں بھلا بیٹھی تھیں۔ کسی ماں کے لئے یہ بہت بڑی خوش خبری ہوتی ہے، چاہے اس سے پہلے وہ اس طرح کی بہت ساری خوش خبریاں سن چکی ہو، اپنے دوسرے بچوں کی خوشیاں دیکھ چکی ہو، لیکن ہر بچے کی خوشی الگ ہی ہوتی ہے اور بالکل نئی اور پہلی خوشی محسوس ہوتی ہے۔

''یہ خاصی weak ہوگئی ہیں۔ میں نے ان کا بی پی چیک کیا ہے۔ آپ ان کو کوئی طاقت واقت کی چیزیں کھلائیں۔''

ڈاکٹر نسخہ لکھتے ہوئے مسکرا کر مریم کی طرف دیکھ رہی تھی اور سلمیٰ بیگم سے مخاطب تھی۔

''بس کھانے پینے میں تو اس کا یہی حال ہے۔ بہت لاپرواہ ہے۔ بچپن سے ہی اس نے اس معاملے میں مجھے بہت تنگ کیا ہے۔''

وہ پیار بھری خفگی سے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

''نہیں نہیں......! آپ کتنی بھی لاپرواہ ہوں، اب آپ کو اپنا بہت خیال رکھنا پڑے گا۔ اپنے لئے نہیں تو اپنے بے بی کے لئے سہی۔''

ڈاکٹر مسکرا کر مریم سے کہہ رہی تھی جو گم صم ٹکا ٹک ڈاکٹر کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ ماں کی خوشی، ڈاکٹر کی مسکراہٹ اُسے کچھ بھی تو محسوس نہیں ہونے دے رہی تھی۔ اُسے تو کچھ بھی محسوس نہیں ہوا تھا بلکہ اُسے تو یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے اُس کا دل اپنی مٹھی میں لے کر اسے بھینچ دیا ہو۔

''یہ کیا ہوا......؟ یہ اتنی بھاری زنجیر میرے پاؤں میں پڑ گئی۔''

اُس نے وحشت زدہ انداز میں گردن موڑ کر ماں کی طرف دیکھا۔ سلمیٰ بیگم اُس کی طرف ہی دیکھ رہی تھیں۔ اُس کے چہرے کے تاثرات پر غور کرنے کی بجائے وہ اُس کی فکرمندی جان کر ہنس پڑیں۔

''یہ لیجئے، یہ تو ایک دم سے پریشان ہوگئی۔''

''ارے بھئی......! تمہارے ساتھ یہ کوئی نئی یا انوکھی بات تو نہیں ہوئی۔ سب کی شادیاں ہوتی ہیں، سب لوگ ایسے خوش خبریاں سنتے ہیں۔ تم تو ایسے دیکھ رہی ہو جیسے پتا نہیں کیا ہوگیا ہے......؟''

سلمٰی بیگم خوشی کی کیفیت میں کہہ رہی تھیں اور مریم کو ایسے لگ رہا تھا جیسے چاروں طرف سے کسی نے اُس پر تیروں کی بوچھاڑ کردی ہو اور لحہ لحہ ہر سمت سے ایک تیر آرہا ہو اور اُس کے جسم میں پیوست ہو رہا ہو۔

''ہاں......! پہلی دفعہ ایسا ہی ہوتا ہے۔''

ڈاکٹر، سلمٰی بیگم سے کہنے لگیں۔

''جب پہلی بار کوئی لڑکی ماں بنتی ہے تو بہت گھبرا سی جاتی ہے، لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ انشاءاللہ......! اللہ تعالیٰ اپنا کرم کرے گا اور اللہ نے چاہا تو بہت جلد ایک ہنستا مسکراتا بے بی اپنی گود میں دیکھوں گی۔''

''انشاءاللہ......!''

سلمٰی بیگم نے کہا۔

''چلو بیٹا......! چلتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے، تم بیمار نہیں ہو۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دن سب کی بیٹیوں کو دکھائے۔ اللہ پاک سب کو ایسی خوش خبریاں سنائے۔''

وہ مریم کو کندھوں سے پکڑ کر اُٹھاتے ہوئے بڑی دُعائیں دے رہی تھیں۔ ڈاکٹر نے اُن کی طرف نسخہ بڑھایا۔

''یہ کچھ وٹامنز ہیں، ٹانک وغیرہ لینا ہے، سپلیمنٹ ہے۔ یہ آپ ان کو باقاعدگی سے استعمال کرائیں۔ یہ بالکل فٹ رہے گی، اگر اِس نے میرے مشورے پر عمل کیا۔''

ڈاکٹر نے مریم کی طرف تاکیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے بات سلمٰی بیگم سے کی تھی۔ مریم کسی زندہ لاش کی طرح کھڑی ہوگئی تھی۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنا سارا بوجھ ماں پر ڈال دے۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کے پاؤں میں چلنے کی طاقت نہیں رہی۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر سہیل بڑی حیرت سے وہاج کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں ایک میڈیکل رپورٹ تھی۔ اس میڈیکل رپورٹ کا لفافہ اُس کے ٹیبل پر پڑا ہوا تھا۔

''یہ رپورٹ تم میرے پاس کیوں لے کر آئے ہو......؟ وہاج......! ٹھیک ہے، بہت کچھ لکھا ہے اس رپورٹ میں، لیکن میں نے تمہیں اُس وقت بھی کہا تھا کہ مایوس مت ہونا۔ نا اُمیدی کفر ہے اور دیکھو، اُمید کے ساتھ بھی جینا ہے اور نا اُمیدی کے ساتھ بھی۔ تو کیوں نہ اُمید کے ساتھ جیئیں......؟ تم کیوں Mentally ٹارچر کرنے والی رپورٹ کو اپنے ساتھ اُٹھائے اُٹھائے پھرتے ہو......؟ کیوں لے کر آئے ہو میرے پاس......؟ میں کچھ سمجھ نہیں پایا......؟''

ڈاکٹر سہیل بہت اُلجھے ہوئے انداز میں وہاج سے بات کر رہا تھا، کیونکہ وہ اس رپورٹ کو دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا یہ رپورٹ نہیں ہے، یہ تو اُس کے دوست کے لئے بہت بڑے دُکھوں کا ایک پہاڑ ہے۔ اس چھوٹے سے کاغذ کے

Pakistanipoint Waqar Azeem

ٹکڑے میں پہاڑ جتنا ہی بوجھ ہے جسے اُٹھانا بڑی ہمت کی بات ہے۔

''یہ رپورٹ میں اس لئے لے کر آیا ہوں کہ تم سے ایک دفعہ پھر کنفرم کرلوں۔ کہیں رپورٹ پڑھنے میں تم نے کوئی غلطی تو نہیں کی تھی......؟''

وہاج کھوئی کھوئی کیفیت میں سہیل کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''یار......! کیسی باتیں کرتے ہو......؟ میں اتنی غیر ذمہ داری سے یہ رپورٹ پڑھوں گا......؟ یہ رپورٹ جس پر کسی انسان کی خوشیوں کا انحصار ہے بلکہ انحصار تھا، پھر بھی میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ رپورٹ درست ہے۔ میں نے رپورٹ پڑھنے میں غلطی نہیں کی۔ لیکن یار......! میں نے ساتھ میں یہ بھی تو کہا تھا کہ اللہ سے اچھی اُمید رکھنا۔ اچھی اُمید رکھنے والوں کو واقعی کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔''

ڈاکٹر سہیل بہت محبت بھرے انداز میں وہاج سے کہہ رہا تھا۔ ابھی تک اس کی اُلجھن دُور نہیں ہوئی تھی۔ اُلجھن بدستور اپنی جگہ پر تھی۔ اُسے سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کہ آج وہاج رپورٹ لے کر دوبارہ سے کیوں آگیا ہے......؟ اُس کو آخر کون سی بات نے تنگ کیا ہے......؟ اور وہ اس سے کس قسم کی بات سننا چاہ رہا ہے......؟ وہ تو رپورٹ دیکھنے کے بعد اسے سب کچھ کہہ چکا تھا۔

''ہاں......! بس یوں ہی بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ تم نے رپورٹ پڑھنے میں غلطی کی ہو......؟''

''نہیں یار......! رپورٹ پڑھنے میں غلطی نہیں کی۔ نہ پہلے کی ہے، نہ اب کی ہے۔ جو اُس وقت کہا تھا، وہی اب کہہ رہا ہوں۔ لیکن بُری خبر سنانے کے ساتھ ساتھ تمہیں پُراُمید رہنے کے لئے بھی کہا تھا۔ اچھی اُمید ہی ہر انسان کا سہارا ہوتی ہے۔ وہاج......! سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ اکثر بہت کچھ ہماری مرضی کے خلاف ہوجاتا ہے۔ ایسا کچھ بھی ہوجاتا ہے جو ہم چاہتے ہیں کہ کبھی نہ ہو۔ صبر اور اُمید ہی ہمیں زندہ رکھتی ہے اور ہم اپنی زندگی کو گزارتے ہیں۔ اگر صبر اور اُمید ہمارے ساتھ نہ ہو تو شاید ہم ایک لمحہ بھی نہ جی سکیں۔''

ڈاکٹر سہیل ایک ہمدرد، پُرخلوص اور محبت کرنے والے دوست کا کردار بخوبی نبھا رہا تھا۔ وہاج، سہیل سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن پتا نہیں کیا چیز اُس کو روک رہی تھی اور وہ رپورٹ کے بہانے کچھ کہنے ہی تو آیا تھا، لیکن اب ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس کے ہونٹ سِل گئے ہوں، اُس کی زبان پتھر کی ہوگئی ہو، وہ ساری ہمت اکٹھی کر کے کچھ کہنا چاہ رہا تھا اور اب بالکل خاموش سا ہو کر رہ گیا تھا۔ سہیل ٹکٹکی باندھے اُسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''وہاج......! یار......! مسئلہ کیا ہے......؟ بولتے کیوں نہیں......؟''

''وہ......میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں سہیل......! کہ علینہ اُمید سے ہے، یعنی وہ pregnant ہوگئی ہے۔''

وہاج کی آنکھوں میں حیرت اور خوشی کا تاثر اتنا طاقتور تھا کہ وہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہ گیا۔ چند لمحے حرکت نہیں کرسکا، یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے دیوار پر لگی کوئی تصویر۔

''ارے......! یہ تو کمال ہی ہوگیا۔ تمہاری شکل پر پھر بھی بارہ بج رہے ہیں......؟ اس وقت تو تمہیں بہت خوش نظر آنا چاہئے تھا۔ اس لئے نہیں کہ یہ بہت بڑی خوش خبری ہوتی ہے انسان کے لئے۔ اس لئے کہ واقعی معجزہ ہوگیا۔ واقعی کرم ہوگیا اللہ کا۔''

سہیل اب خود کو سنبھال کر خوشی کا اظہار کرنے لگا۔

''لیکن میں تم سے ایک بات کرنا چاہ رہا ہوں۔ سہیل......! پلیز پہلے میری بات سن لو......''

''ہاں ہاں......!''

سہیل نے بے تابی سے وہاج کی بات کاٹ کر کہا۔

''علینہ کا ایک دوست ہے، عدیل۔ میں نے شاید تمہیں بتایا بھی تھا کہ اُن لوگوں سے فیملی terms رہے ہیں۔ اِسی base پر یہ دوستی آج تک چلی آ رہی تھی اور میں نے کچھ بھی محسوس نہیں کیا تھا، کیونکہ علینہ میرے ساتھ خوش تھی تو میں کیوں اپنے آپ کو اُلجھاتا اور غلط محسوس کرتا......؟ یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن یار......! اُس کی بیوی میرے گھر آئی تھی۔ اتفاق سے اُس دن میں بے وقت اپنے گھر چلا گیا تھا اور میرے کانوں نے وہ سن لیا تھا جو نہیں سننا چاہیے تھا، مثلاً......''

سہیل نے وہاج کی بات پھر کاٹ دی۔

''کیا کہہ رہی تھی......؟''

سہیل نے انتہائی پریشانی سے پوچھا۔ اب تو اُس کے چہرے پر خوف سا بھی جھلکنے لگا تھا۔

''وہ اعتراض کر رہی تھی۔ علینہ نے مجھے کہا تھا کہ وہ لندن جا رہی ہے، اُسے شاپنگ کرنی ہے۔ وہ لندن جاتی رہتی تھی، میرے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ لیکن عدیل کی بیوی کہہ رہی تھی کہ وہ عدیل کے ساتھ لندن جا رہی تھی۔''

وہاج اتنا کہہ کہ خاموش سا ہو گیا اور سر جھکا لیا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے......؟ ہو سکتا ہے اُس کی بیوی کو غلط فہمی ہو......؟''

سہیل نے فوراً وہاج کے شک کو مسترد کر دیا تھا۔

''ابھی اپنے آپ کو یہی کہہ کر سمجھا رہا ہوں کہ شاید مریم کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ علینہ تو بہت سادہ بلکہ یوں کہنا چاہیے بہت بے وقوف سی ہے۔ میں نے تو اُس کو کبھی سیریس ہوتے دیکھا ہی نہیں۔ بچوں کی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہو جانے والی۔ اُس نے تو مجھے کبھی ایسا محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ وہ مجھے پسند نہیں کرتی یا میں اُس کی توقعات پر پورا نہیں اُترا ہوں۔ بے انتہاء پیار کرتی ہے۔''

وہاج ہچکچاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہہ رہا تھا اور سہیل ٹک ٹک اُس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

''ہاں! میں بھی سمجھتا ہوں کہ علینہ بھابی ایسی نہیں ہیں اور عدیل کی بیوی کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے۔ یار......! تم فضول میں اپنے ذہن کو مت اُلجھاؤ۔ غلط ملط باتیں سوچنے سے انسان کے ہاتھ میں کچھ نہیں آتا، سوائے اس بات کے کہ وہ اپنے کاموں سے رہ جائے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اپنا شک دُور کرنے کے لئے بات تو بڑی نامناسب سی ہے، لیکن محض تمہارے ذہنی سکون کے لئے کہ تم واچ کرو کہ علینہ بھابی کی activities کیا ہیں......؟ کتنا ٹائم باہر گزارتی ہیں......؟ کتنا ٹائم گھر میں گزارتی ہیں......؟ بخدا میں یہ صرف تمہاری تسلی کے لئے بات کر رہا ہوں تاکہ تم ایزی ہو جاؤ۔ کیونکہ مجھے پتا ہے جو کچھ تم واچ کرو گے، اِس سے تمہیں انشاءاللہ تعالیٰ کچھ پازیٹو ہی حاصل ہوگا، تم ریلیکس feel کرو گے۔ علینہ بھابی ایسی نہیں ہیں اور واچ کرنے کے بعد بھی وہ ایسی ہی ہوں گی۔ کچھ بھی سامنے نہیں آئے گا۔ لیکن تمہاری تسلی ہو جائے گی۔ فی الفور میرے ذہن میں

یہی حل آیا ہے، وہ بھی اس وجہ سے کہ تم مجھے بہت زیادہ ڈپیرس نظر آ رہے ہو۔"

سہیل بہت محبت بھرے انداز سے وہاج کو سمجھانے لگا۔

"ہاں یار......! تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میرا شک ہے اور خود بخود تو شاید اس طرح کا شک میرے ذہن میں آتا بھی نہیں، جو میں نے مریم کی بات نہ سنی ہوتی۔ ظاہر ہے، بندہ بشر ہوں، کوئی اس طرح کی باتیں میرے گھر میں کر رہا ہو گا تو میں نوٹس تو لوں گا۔ پھر کچھ نہ کچھ میرے ذہن میں بھی تو آئے گا ناں......! بس میں یہی سمجھتا ہوں کہ یہ میرا وہم ہی ثابت ہوگا۔ بہت اُلجھا ہوا تھا، سوچا تم سے بات چیت کرلوں، تھوڑا ہلکا ہو جاؤں گا۔"

وہاج اب بڑی مشکل سے مسکرا رہا تھا۔

"بہت اچھا کیا جو میرے پاس آ گئے، ورنہ اسی طرح کسی کونے میں بیٹھے کڑھتے رہتے۔ شیئر کرنے سے یہی ہوتا ہے، بندہ تھوڑا ہلکا ہو جاتا ہے۔ بات سنو......! ہوسکتا ہے کہ کوئی ایسی بات ہوگئی ہو۔ رپورٹ میں ہی کوئی گڑبڑ ہوگئی ہو۔ لیب میں کوئی گڑبڑ ہوئی ہو۔ تم ایسا کرو کہ دوبارہ ٹیسٹ کروالو۔"

سہیل نے لگے ہاتھوں اُسے مطمئن کرنے کے لئے ایک اور مشورہ دے دیا۔

"دوبارہ ٹیسٹ......؟ یار......! میں نے جس جگہ سے ٹیسٹ کروایا تھا، تمہارے کہنے ہی سے کروایا تھا اور وہ اتنی مستند لیبارٹری ہے کہ کوئی غیر ذمہ دارانہ رپورٹ تیار کرنے کا تو اُس پر الزام ہی نہیں لگایا جاسکتا۔"

"ٹھیک ہے......! وہ تو میں نے ایسے ہی کہہ دیا تھا۔ رپورٹ سے کیا ہوتا ہے......؟ اگر اللہ کچھ کرنا چاہے تو اُسے کوئی روک سکتا ہے......؟ کیا خبر اللہ نے تمہاری سن لی ہو۔ اب اپنے آپ کو سنبھالو اور آرام سے اپنا کام کرو۔"

☆......☆......☆

علینہ، عدیل کے سامنے بیٹھی ہوئی بہت غور سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عدیل کی اُنگلیوں میں سلگتا ہوا سگریٹ تھا اور وہ جیسے کش لگانا ہی بھول گیا تھا۔ سگریٹ سلگ سلگ کر آدھا ہوگیا تھا۔ علینہ کے چہرے پر فکر اور تشویش کے تاثرات اُبھر رہے تھے۔ بہت چڑ کر بولی تھی۔

"کیوں فضول میں ٹینس ہو رہے ہو......؟ دو چار روز میں خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔"

عدیل نے ایش ٹرے میں سگریٹ کی راکھ جھٹکی اور گم صم سی نظروں سے علینہ کی طرف دیکھا۔

"تم نہیں سمجھتی۔"

"مجھے سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں کون سا اُس سے اُس کا شوہر چھین رہی ہوں......؟"

علینہ نے فوراً تیزی سے اُس کی بات کاٹ دی تھی۔ پھر ایک دم علینہ نے خود کو سنبھالا اور بڑی ادا سے مسکرائی۔

"تم میرے دوست ہو۔ مجھے تمہاری کمپنی میں سکون ملتا ہے۔ ہر بات تم سے شیئر کرنے کی عادی ہوں۔ آج سے نہیں، مدت سے۔"

وہ اتنا کہہ کر رُکی اور بہت بُرا سا منہ بنایا۔

"ڈونٹ مائنڈ......! بہت سی دقیانوسی اور نیرو مائنڈڈ ہے تمہاری بیوی۔ میرے گھر پہنچ گئی لڑنے۔ وہ اس قسم کی حرکتیں

کرے گی تو کیا میں تم سے دوستی ختم کردوں گی......؟ میں ایک دن تم سے بات نہ کروں تو خود کو بیمار سمجھنے لگتی ہوں۔ کسی کام میں دل نہیں لگتا۔“

علینہ اب بہت محبت بھری نظروں سے عدیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”ہاں......! اُسے اس طرح تمہارے گھر نہیں جانا چاہیے تھا۔“

عدیل اب بھی گم صم سا تھا اور کھوئی کھوئی کیفیت میں بات کر رہا تھا۔ علینہ نے اب ذرا غصے سے گھور کر عدیل کی طرف دیکھا۔

”مجھے کہہ رہے ہو۔ اُسے بھی کہا ہے۔ لگتا ہے اُس کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے اور مصیبت یہ ہے کہ وہاج کو بھی پتا نہیں کیا ہوگیا ہے......؟ لگتا ہے کوئی بہت بڑا loss ہوا ہے۔ سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔ خیر......! اُس کی تو مجھے پرواہ نہیں، خود ہی ٹھیک ہوجائے گا۔“

عدیل اب پھر خود کو سنبھالتا ہے، کیونکہ اس وقت وہ واقعی ذہنی طور پر حاضر نہیں ہے۔ مریم کی حالت دیکھنے کے بعد جو آج صبح ہوئی تھی، اُسے ایک لمحے کے لئے بھی قرار نہیں مل رہا تھا۔ بڑا عجیب سا feel ہو رہا تھا کہ وہ نڈھال سی پڑی ہوئی تھی اور وہ آفس چلا آیا۔ لیکن وہ کیا کرتا......؟ وہ خود ہی تو اسے کہہ رہی تھی کہ وہ چلا جائے، اُس کے سامنے نہ آئے۔

”اب کیا سوچنے لگے......؟“

علینہ نے پھر اُسے چونکایا۔

”کچھ نہیں......!“

عدیل زبردستی مسکرایا۔

”ہاں......! میں یہی سوچ رہا تھا کہ تمہیں بھی احتیاط کرنی چاہیے۔ مجھے تو کرنی ہی چاہیے، لیکن تمہیں مجھ سے زیادہ احتیاط کرنی چاہیے۔“

”میں تمہیں بالکل سچ بتا رہا ہوں، مریم کو handle کرنا بہت مشکل ہو رہا ہے۔ وہ کچھ بھی سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔“

”نہ سنے......! تمہیں کیا ضرورت ہے سنانے کی......؟ تمہاری کون سی لو میرج ہوئی ہے کہ اگر وہ رُوٹھ کر چلی بھی گئی، کبھی نہ آنے کے لئے تو تمہیں کوئی فرق پڑے گا۔ مریم نہیں کوئی اور سہی۔ تمہیں لڑکیوں کی کیا کمی ہے......؟ کسی اور سے شادی کرلینا۔ کسی روشن خیال لڑکی سے، مجھ جیسی لڑکی سے۔“

”تم جیسی......؟“

”ہاں......! ظاہری بات ہے، میں تو اُس کو برداشت نہیں کرسکتی۔ اتنا تنگ ذہن......؟ چھوٹی سی بات کا ایشو بنالینا......؟ توبہ توبہ......! تم تو کہہ رہے تھے، بڑے خاندان کی ہے، educated ہے، یہ ہے، وہ ہے۔ مجھے تو بالکل ہی...... خیر چھوڑو......! ابھی تو تمہاری بیوی ہے، کچھ اور بول دوں گی تو بُرا لگے گا۔“

علینہ نے سنبھل کر عدیل کی طرف دیکھا، کیونکہ اُسے لگ رہا تھا کہ اُس کے خیالات کی عدیل تائید نہیں کر رہا۔ وہ جو کچھ

بول رہی ہے، عدیل کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اُسے واقعی بہت بوریت سی محسوس ہوئی۔ اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر وہ کچھ دیر اور بیٹھی رہی تو عدیل اِسی طرح اُسے بور کرے گا۔ اُس نے بہتری اِسی میں سمجھی کہ اس وقت اُس کے آفس سے اُٹھ کر چلی جائے۔

☆......☆......☆

''صاحب......! علینہ بی بی تو آپ کے آفس جانے کے بعد فوراً ہی گھر سے چلی گئی تھیں۔''

''فوراً ہی......؟''

وہاج اپنے گھر کے لان میں کھڑا کسی تفتیشی افسر کی طرح سوال جواب کر رہا تھا۔

''جی صاحب......! آپ گئے ہوں گے تو آدھے گھنٹے بعد وہ بھی چلی گئی ہوں گی۔''

صابر اپنی سادگی کے ساتھ وضاحت کرنے لگا۔ وہاج نے اپنی گھڑی پر نظر دوڑائی اور خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

''اس کا مطلب ہے، اُسے گھر سے نکلے ہوئے تقریباً دو گھنٹے ہو چکے ہیں......؟''

صابر نے بڑے مؤدبانہ انداز میں سینے پر ہاتھ رکھ کر سر جھکایا۔

''جی صاحب......!''

وہاج کو تو جیسے اب پنکھ لگ گئے تھے۔ بے زاری سے لان میں ٹہلنے لگا۔

''صابر......!''

پہلے اُس نے چند لمحے بڑے مؤدبانہ انداز میں دیکھا، پھر بولا۔

''آپ کے لئے کھانا لگاؤں کیا......؟''

وہاج چونکا، ایسے جیسے پہلی مرتبہ اُس نے کوئی نئی بات سنی ہو۔

''کیا کہہ رہے تھے تم......؟''

غائب دماغی کی کیفیت میں صابر سے پوچھنے لگا۔

''صاحب......! میں پوچھ رہا ہوں کہ آپ کھانا کھائیں گے......؟''

صابر نے پھر پوچھا، بلکہ تھوڑا سا حیران بھی نظر آیا، کیونکہ وہاج کی کیفیت معمول کی نہیں تھی بلکہ معمول سے ہٹ کر تھی۔ کم از کم صابر نے تو کبھی اُس کو اتنی غائب دماغی کی کیفیت میں نہیں دیکھا تھا۔

''نہیں......! مجھے بھوک نہیں ہے۔ جاؤ تم اپنا کام کرو۔''

وہاج نے تقریباً چڑے ہوئے انداز میں اُس کو وہاں سے جانے کے لئے کہا اور پھر خود ٹہلنے لگا۔ بے قراری تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ نہ بیٹھے چین تھا نہ کھڑے۔ نہ بھوک تھی نہ پیاس۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کرے تو کیا کرے......؟ اِسی وقت اُسے باہر گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ وہ ایک دم چونک پڑا۔

''شاید علینہ واپس آ گئی۔''

اندر نئے سرے سے اَلاؤ دھکنے لگا۔ اُس کا لمحہ لمحہ بھاری ہو گیا۔ شدتِ جذبات سے اُس نے مٹھیاں بھینچ لیں اور چند ہی

لمحوں بعد علینہ لہراتی، بل کھاتی، مسکراتی، اپنا پرس جھلاتی لان میں داخل ہوئی پھر وہاج کو دیکھ کر مسکرائی۔

''میں نے باہر تمہاری گاڑی دیکھ لی تھی۔ میں سوچ رہی تھی آج پھر تم جلدی گھر آگئے۔ کیا بات ہے جانی......؟ کام میں دل نہیں لگ رہا......؟ کوئی پرابلم ہے کیا......؟ مجھے رات بھی لگ رہا تھا کہ کوئی مسئلہ ہے۔ ضرور کوئی خاص بات ہے۔ لیکن میں نے تو سنا تھا، بزنس میں تو مسئلے آتے ہی رہتے ہیں، کچھ زیادہ ہی بڑی پرابلم آگئی ہے جو تم اتنے زیادہ پریشان ہو......؟''

علینہ بولتی ہوئی وہاج کے بالکل قریب کھڑی ہوگئی۔ وہاج خالی خالی نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بہت غور سے اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ علینہ اُس کی نظروں سے سٹپٹا گئی۔

''جانی......! ایسے کیا دیکھ رہے ہو......؟ تم تو ایسے دیکھ رہے ہو جیسے پہلی مرتبہ دیکھ رہے ہو......؟''

''تم کہاں گئی تھی......؟''

وہاج نے سرد اور سپاٹ لہجے میں اُسی طرح مڑتے ہوئے علینہ سے پوچھا۔ علینہ، وہاج کی نظروں سے اُلجھ تو رہی تھی مگر کچھ سمجھ بھی نہیں آرہی تھی۔ وہاج کے سوال سے البتہ تھوڑا سا گھبرائی۔ ایک دم نظریں چرانے لگی۔

''بس، ایسے ہی، کہیں نہیں......! اپنے چھوٹے موٹے کام ہوتے ہی ہیں۔ میرے جو کنگن ہیں، وہ آؤٹ آف فیشن ہوتے جارہے ہیں، تو میں سوچ رہی تھی اُن کا ڈیزائن چینج کروالوں۔ دوبارہ سے بنوالوں۔ جیولر کے پاس گئی تھی۔''

علینہ نے بہت سنبھل کر بات بنائی تھی۔ یہ الگ بات کہ اُس کے دل کی دھڑکن بڑھ چکی تھی۔ وہاج کا روّیہ اُس کی سمجھ سے باہر تھا۔

''عدیل کے ساتھ گئی تھی......؟''

وہاج نے پھر سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ نظریں بدستور علینہ کے چہرے پر تھیں۔ علینہ اُس کا سوال سن کر ایک دم ہکا بکا رہ گئی۔ کیونکہ بہت ہی غیر متوقع اور معمول سے ہٹ کر سوال تھا۔

''ارے......! کیا ہوگیا ہے تمھیں......؟ جیولر کے پاس جاؤں گی تو کیا عدیل کو لے کر جاؤں گی ساتھ......؟ وہ میرا دوست ہے، مینیجر تو نہیں ہے۔''

وہ وہاج کے پاس سے ہٹ کر فاصلے پر کھڑی ہوگئی اور گویا اُس نے اپنے تاثرات چھپانے کے لئے یہ مہلت لی تھی۔

''عدیل کی بات تمہارے ذہن میں کیوں آئی......؟ کیا میں کبھی شاپنگ کے لئے باہر گئی ہوں تو عدیل کو ساتھ لے کر گئی ہوں......؟ اور پھر میں عدیل کو لے کر کیوں جاؤں گی......؟ تمہیں لے کر جاؤں گی۔ مجھے تو واقعی تمہارا سوال ہی عجیب سا لگا۔''

علینہ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بات بنانے کی کوشش کررہی تھی۔ وہاج ایک ٹک اُس کی طرف دیکھ رہا تھا، پلکیں نہیں جھپکا رہا تھا۔

''جانی......! کیا ہوا......؟ مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ شاید اسی وجہ سے موڈ خراب ہے۔ چلو ریسٹ کرو۔ اب کھڑے کیوں ہو......؟''

علینہ نے بہت لگاوٹ اور پیار بھرے انداز میں کہا۔ وہاج کی سانس تیز تیز چلنے لگی۔ اُس نے ایک دم زور سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں اور دانت پیس کر غرایا۔

"اپنی شکل گم کرو......!"

علینہ خوف زدہ ہوکر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں کہہ رہا ہوں ناں، یہاں سے چلی جاؤ۔ زہر لگ رہی ہو مجھے یہاں کھڑی ہوئی۔ ہٹ جاؤ میرے سامنے سے۔"

وہ زور سے دھاڑا۔ علینہ کی تو حالت خراب ہوگئی، بلکہ اُس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ کیونکہ آج سے پہلے وہاج نے اِس انداز میں اُس سے بات ہی نہیں کی تھی۔ وہ اُلٹے قدموں پیچھے کی طرف جارہی تھی۔ نظریں وہاج کی طرف گڑی ہوئی تھیں جو اب گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

☆......☆......☆

ناصر کی حالت آج قدرے بہتر تھی۔ وہ اپنے حواسوں میں لوٹ آیا تھا۔ ایک پیاری سی، شفیق سی، مہربان سی نرس اُس کے قریب کھڑی تھی اور مسکرا رہی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں سرنج تھی۔ وہ انجکشن لگانے کے لئے تیار تھی۔ ناصر لیٹا ہوا اُسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ نرس اُس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"شکر خدا کا، آج آپ کی طبیعت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ کیا feel کر رہے ہیں آپ......؟"

نرس نے ناصر کی آستین اُوپر کرتے ہوئے پیشہ وارانہ پُراخلاق لہجے میں پوچھا تھا۔ ناصر اُس کا سوال سن کر بڑی تلخی سے مسکرادیا اور اپنی نگاہوں کا زاویہ تبدیل کرلیا۔ اب وہ چھت کو گھور رہا تھا۔

"میرا خیال ہے، پاگل ہوجانے کے بعد انسان کی زندگی زیادہ آسان ہوجاتی ہے۔"

وہ تلخ لہجے میں بولا۔ نرس اُس کی طرف بڑی حیرت سے دیکھتی ہے۔ پھر مسکرانے لگتی ہے۔

"کیسی باتیں کررہے ہیں......؟ اللہ کا شکر ادا کریں کہ آپ بہت جلد سنبھل گئے۔ آپ نے دیکھا، آپ کے ساس، سر اور سسٹر کتنے پریشان ہورہے تھے......؟ اور آپ کی سسٹر اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں بیٹھی ہوئی ہیں......؟ مجھے پتا چلا ہے کہ وہ کینیڈا سے آئی ہیں، صرف آپ کی خاطر۔ دن رات اُنہوں نے آپ کی خدمت میں کوئی کسر نہیں اُٹھارکھی۔"

"بہنیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔"

ناصر دھیرے سے مسکرادیا۔

"بہت پیاری ہوتی ہیں۔ مجھے ہمیشہ اس بات کا دُکھ رہے گا کہ میں نے اپنی بہن کو کتنا پریشان کیا۔"

ناصر نے اب ایک سرسری سی نظر نرس پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"آپ ایسا نہ سوچیں۔ تکلیف، بیماری، پریشانی انسان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ایسا تو کسی کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے اور ایسے مشکل وقت میں اپنے ہی تو ساتھ دیتے ہیں۔ اگر وہ ساتھ نہ دیں تو وہ اپنے ہی کیا......؟ چلیں شاباش......! اب اچھے بچے بن جائیں اور انجکشن لگوالیں۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ آپ نے انجکشن لگوانے میں ہم لوگوں کو کتنا تنگ کیا ہے......؟ کس طرح سے پکڑ پکڑ کر ہم آپ کو انجکشن لگاتے تھے۔ آپ ریڈی ہیں ناں......؟ آج تو بچوں کی طرح انجکشن سے نہیں ڈریں گے......؟"

نرس بہت شفیق اور مہربان لہجے میں بات کررہی تھی اور اس طرح سے جیسے وہ واقعی بہت چھوٹے بچے سے بات کررہی

ہو۔

''اوہ......!ایسی کوئی بات نہیں، آپ انجکشن لگائیں۔''

ناصر نے اپنے ہاتھ سے آستین مزید اُونچی کردی اور اپنا ہاتھ نرس کے آگے کردیا۔ نرس نے بہت آرام سے اور بہت نرمی سے انجکشن لگایا اور کاٹن سے اُس کا بازو رگڑنے لگی۔

''آپ بہت لکی ہیں مسٹر ناصر......! آپ کا کیس بہت سیریس تھا، لیکن اب آپ ماشاءاللہ سنبھل گئے۔ اتنا مہنگا علاج لوگ اکثر افورڈ ہی نہیں کرسکتے۔ شکر ہے اللہ نے آپ کو وسائل دیئے تھے اور فوری treatment مل گئی۔''

نرس نے سرنج ڈسٹ بن میں پھینکتے ہوئے کہا۔

''ہاں......! شکر ہے مالک کا۔ موت کے سامان بھی بہت ہیں اور زندگی کے بھی۔''

ناصر کے ہونٹوں پر ایک اُداس سی مسکراہٹ اُبھری۔

''اچھا......! زیادہ باتیں نہ کریں۔ اچھی اچھی باتیں سوچیں۔''

نرس نے محبت بھرے انداز میں ناصر کو سرزنش کی۔ ناصر اُس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''اتنی چھوٹی سی عمر میں آپ اتنی عقل مندانہ باتیں کرتی ہیں۔ کہاں سے سیکھی ہیں یہ باتیں......؟''

ناصر بھی خوش گوار موڈ میں اُس سے باتیں کرنے لگا، اس لئے کہ محبت مہربانی اپنا اثر ضرور چھوڑتی ہے۔

''بعض اوقات عمر چھوٹی ہوتی ہے اور تجربہ بڑا۔ کبھی عمر بڑی ہوتی ہے اور تجربہ چھوٹا۔ اب آپ آرام کیجئے۔ مجھے اُمید ہے، ایک دو گھنٹے بعد آپ ڈسچارج ہوجائیں گے۔''

ناصر نرس کی بات سن کر ایک دم چونک جاتا ہے اور نرس کی طرف دیکھتا ہے اور پھر فوراً آنکھیں بند کر کے اپنی پیشانی اُنگلیوں سے رگڑتا ہے۔ اسے لگتا ہے جیسے اُس کے سر میں درد ہو رہا ہے اور کچھ ایسا ہو رہا ہے کہ وہ اپنا کنٹرول کھو رہا ہے۔ اُس کے سر میں پھر درد کی شدید لہریں اُٹھنے لگیں۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیتا ہے۔

''یہ مجھے کیا ہو رہا ہے......؟ اوہ خدایا......! مجھے لگ رہا ہے میں بہت اُونچائی سے گر رہا ہوں۔ نرس......! مجھے سنبھالو۔ نرس......! میں گر رہا ہوں، مجھے سنبھالو۔ کوئی ہے......؟ خدا کے لئے میری مدد کرو۔ کوئی ہے......؟''

وہ پھر بڑی زور سے چیخا تھا۔

''کوئی ہے......؟''

جاتی ہوئی نرس گھبرا کر واپس پلٹ آتی ہے۔ اُس نے ناصر کی طرف دیکھا۔ ناصر کی کلائی پکڑ کر اُس کی نبض چیک کی۔

''اوہ......!''

اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ کیونکہ ناصر بے ہوش ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

مریم اپنے بیڈ پر کروٹ کے بل لیٹی ہوئی تھی۔ ہاتھ گال کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ آنکھیں سامنے دیوار پر جمی ہوئی تھیں۔

''میں اپنے ہونے والے بچے کو کیسے بتاؤں گی کہ وہ ایک دھوکے کی نشانی ہے......؟ نہیں نہیں......! اس معصوم کو بھی

جھوٹ کے پلّے باندھ دوں......؟ پھر کیا ہوگا......؟ دُنیا کے ہر چھوٹے بڑے جھوٹ سے سمجھوتہ کرنے والا بچہ جھوٹ کے شور میں کبھی سچ کی آہٹ بھی نہیں سنے گا۔ ابھی تو اپنے نانا جانی کو، اپنی ماں کو، اپنے بابا اور بھائی کو خوشیوں کے دھوکے سے باہر نکالنا ہے، مگر کیسے......؟''

وہ شل ہوتے ہوئے دماغ سے سوچ رہی تھی۔ دُور تک سامنے اندھیرا تھا۔ کسی اور وقت میں ملنے والی خبر خوش خبری ہوسکتی تھی۔ اس وقت اُس کے لئے بڑھتے ہوئے اندھیروں کا پیام لے کر آئی تھی۔

☆......☆......☆

عدیل کان سے موبائل لگائے حیرت سے منہ کھولے بُت بنا بیٹھا تھا۔ موبائل سے اُس کے کان میں ماں کی خوشیوں بھری آواز خوش خبریاں سنا رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں ایک بے یقینی کی سی کیفیت تھی۔ مسز سارہ اُسے مبارک باد دے رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ وہ دادی بننے والی ہیں۔ عدیل کو یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ جو کچھ سن رہا ہے، حقیقت ہے یا وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے......؟ کیونکہ اس قسم کی خوش خبری کی اس وقت واقعی بہت سخت ضرورت تھی۔

''ممی......! آپ کیا کہہ رہی ہیں......؟ مذاق کر رہی ہیں......؟''

بالآخر اُس نے کہا۔

''ارے......! مذاق میں کر رہی ہوں یا تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو......؟ بے وقوف......! ماں سے بھی چھپاتے ہیں......؟ اور اس خوش خبری کا انتظار تو ایک ماں جانے کتنی مدتوں سے کر رہی ہوتی ہے۔ بجائے اس کے کہ تم مجھے خوش خبری سناتے، سلمٰی نے مجھے فون کر کے بتایا۔''

''ممی......!''

وہ بمشکل بولا۔ مسز سارہ کی آواز اُس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''ماں کے ساتھ بھی ڈرامہ کرو گے......؟ بس مذاق چھوڑو اور مریم کا خیال رکھو۔ میں رات کو گھر فون کروں گی۔ پھر مریم سے بھی اور تم سے بھی، دونوں سے بات کروں گی۔ ٹھیک ہے بیٹا......! اپنا اور مریم کا بہت خیال رکھنا۔ اللہ حافظ......!''

مسز سارہ نے خدا حافظ بھی کہہ دیا تھا لیکن موبائل عدیل کے کان سے ہی لگا ہوا تھا۔ وہ کان سے موبائل ہٹانا بھول چکا تھا۔ ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ اُبھر رہی تھی۔

''اب آئے گی مریم لائن پر۔ یہ بچہ ہم دونوں کے بیچ آئے گا تو یہ اَن دیکھے فاصلے خود بخود دُور ہو جائیں گے، ایک اچھی اور نئی اُمید سے۔''

عدیل ایک نئے سرے سے تازہ دم ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

''یار......! کیا مذاق ہے، اتنی ایمرجنسی میں تم نے مجھے کبھی نہیں بلایا۔''

سبین گرتی پڑتی اُس کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ مریم بیڈ پر لیٹی اُس کی طرف مسکرا کر دیکھ رہی تھی، وہ زبردستی کی مسکراہٹ جو مجبوری میں ہونٹوں پر آ ہی جاتی ہے۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو......؟ کہیں بے وقوف تو نہیں بنا رہی مجھے......؟ کیا طبیعت خراب ہے......؟ بالکل ٹھیک نظر آ رہی ہو مجھے۔''

سبین اُس کے پاس دھب کر کے بیٹھ گئی۔

''ہاں......! بعض لوگ مرنے سے چند لمحے پہلے اور چند لمحے بعد بہت خوب صورت نظر آتے ہیں۔''

''کیا بدتمیزی ہے......؟''

سبین نے فوراً مریم کی بات کاٹ دی۔

''یہ کیا مرنے مرانے کی باتیں کر رہی ہو......؟ دماغ تو صحیح ہے۔ مریں تمہارے دُشمن......؟''

سبین نے پیار بھری جھاڑ پلائی۔

''دُشمن تو جیتے رہیں گے۔ اُن کو کچھ نہیں ہوگا۔''

مریم بڑی کاہلی سے جمائی لیتی ہوئی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''سچ بتاؤ، تمہیں ہوا کیا ہے......؟ بستر پر لیٹی ہوئی ہو، لیکن بیمار بھی نہیں لگ رہی ہو۔ کیا بیماری ہوگئی ہے بھئی تمہیں......؟ عشق کی بیماری تو اب تمہیں ہو نہیں سکتی، کیونکہ ایک بندے نے تو تمہیں گھیر لیا ہے۔ کسی کے قابل ہی نہیں رکھا، بلکہ کسی کام کے قابل نہیں رکھا۔ دِنوں تک تمہارا فون نہیں آتا۔ ہفتوں تمہاری شکل نظر نہیں آتی۔''

سبین جو اُس کی عزیز اور دوست تھی، پیار بھرے انداز میں غصہ بھی کر رہی تھی اور شکوہ بھی۔ مریم دھیرے سے ہنس پڑی۔

''اچھا بھئی......! بس بھی کرو۔ بیماری تو ایسی ہے جو نظر نہیں آئے گی، لیکن اتنی بڑی بیماری ہے جیسے رُوح کا کینسر، انسان کے جسم میں کینسر اُترتا ہے، اُسی طرح انسان کی رُوح میں بھی کینسر اُترتا ہے۔''

''توبہ......! کیوں ڈرا رہی ہو مجھے...... ؟ کیسی خوف ناک باتیں کر رہی ہو......؟''

سبین نے گھبرا کر اُس کی بات کاٹ دی۔

''بس......! بند کرو اب یہ بات اور مجھے بتاؤ کہ تم نے مجھے کیوں بلایا ہے بہانے سے......؟ میں تو پریشان ہوگئی۔ میں نے کہا، اللہ......! اتنی طبیعت خراب ہوگئی۔ کیا ہوا ہے......؟ کیا مسئلہ ہے......؟ اس طرح تو کبھی نہیں بلایا مریم نے۔''

''میں خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی ہوں سبین......!''

مریم نے سبین کی بات کاٹ کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''کیوں......؟ تمہارا میاں کہاں ہے......؟ سیر سپاٹے کرنے کہیں باہر تو نہیں گیا ہوا......؟''

مریم نے اُس کی طرف دیکھا۔ ایک معنی خیز مسکراہٹ اُس کے سوال پر ہونٹوں پر اُبھری۔

''ہاں......! سیر سپاٹوں کا تو واقعی وہ بہت شوقین ہے۔ چند دن پہلے اُس نے سیر سپاٹے کا پروگرام اپنی بیوی کے ساتھ نہیں، اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ بنایا تھا۔''

مریم کی آنکھوں میں گہرا درد چھلک رہا تھا۔ اُس نے سبین کو حالِ دل کہنے کے لئے ہی تو بلایا تھا۔

''کیا مطلب گرل فرینڈ......؟ تمہارے ہوتے ہوئے کوئی گرل فرینڈ......؟ تم اتنی کمزور ہو، اُس کے ساتھ گرل فرینڈ ہو

اور تم اتنے آرام سے بیٹھی تماشہ دیکھتی رہو۔''

سبین حیرت سے مریم کی طرف بڑھنے لگی۔

''میں کمزور تو واقعی نہیں ہوں۔ بہت مضبوط ہوں اور یہی وجہ ہے کہ میں نے اس حسین پروگرام کو بیچ میں ہی خراب کر دیا۔ عملی جامہ پہنانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ بس اس میں میری کوشش کم، اللہ کی مدد زیادہ ہے۔ عیاشی کرنے جا رہا تھا۔ اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ لندن پندرہ دن کے لئے، مجھے یہاں اکیلا چھوڑ کر۔ بس اللہ نے سب بھانڈا پھوڑ دیا اور شکر ہے کہ بے وقوف بننے کا عمل یہیں رُک گیا۔ ورنہ سبین......! میں نہ جانے کب تک بے وقوف بنتی رہتی......؟ اور جتنا زیادہ عرصہ ہوتا، اُتنی ہی زیادہ feeling اور attachment بڑھتی جاتی۔ میں تو اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اللہ نے میری آنکھیں بہت جلد کھول دیں۔ میری طرح یہ سن کر یقیناً تمہیں بھی دُکھ ہوا ہوگا کہ عدیل میرے ساتھ سیریس نہیں ہے۔''

مریم نے اب بہت آہستہ اور بڑے دُکھ سے کہا تھا۔ سبین کی تو صدمے سے یہ حالت تھی کہ بس جیسے بُت بن کر رہ گئی تھی۔ منہ کھلا ہوا تھا، آنکھیں پھیلی ہوئیں تھیں اور پھیلی ہوئی آنکھوں میں قیامت کی بے یقینی تھی۔ لاشعوری کے انداز میں وہ اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے ''نہیں نہیں'' کے انداز میں ہلا بھی رہی تھی۔ مگر بات کرنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو مریم......؟''

بالآخر مریم کی گہری خاموشی کے بعد اُسے بولنا پڑا۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں سبین......! عدیل ایک فلرٹ انسان ہے۔ وہ کسی بھی عورت کے ساتھ کبھی سیریس ہو ہی نہیں سکتا۔ نہ اپنی بیوی کے ساتھ، نہ اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ۔ گرل فرینڈ کے ساتھ ہوگا تو اُسے اپنی محبت کا یقین دلائے گا۔ بیوی کے پاس ہوگا تو اُس بے چاری کو بے وقوف بنائے گا۔''

''اوہ مائی گاڈ......!''

سبین نے مریم کی بات سن کر بے ساختہ کہا۔

''پھر کیا ہوگا مریم......؟''

سبین پریشانی سے پوچھنے لگی۔

''کیا کرو گی تم......؟''

''کچھ نہیں......! کیا کروں گی......؟ چھوڑ دوں گی عدیل کو۔''

''چھوڑ دو گی......؟ یہ کوئی مذاق کی بات ہے......؟ شادی ہوئی ہے تمہاری اُس کے ساتھ۔''

''ہاں......! شادی ہوئی ہے اُس کے ساتھ۔ اعتبار کیا تھا، اعتبار ٹوٹ گیا۔ شادی اعتبار کا نام ہے۔ اعتبار نہیں تو شادی نہیں۔''

مریم آہستہ آہستہ بیڈ سے اُترتے ہوئے بول رہی تھی۔

''اوہ میرے خدا......! تم جیسی لڑکی کے ساتھ عدیل نے اتنا بڑا دھوکہ کیا۔ بہت پچھتائے گا وہ۔ تم جیسی لڑکی کا ملنا تو اُس کے لئے ایسا ہی تھا جیسے اُس کی لاٹری نکل آئی ہو۔ وہ تمہاری ناقدری کرے گا تو زندگی بھر روئے گا۔ تم جیسی بیوی اور ساتھی اب

اُسے کبھی نہیں ملے گی۔ میں تمہاری بچپن کی دوست ہوں مریم......!اور میں جانتی ہوں، تم کتنے اچھے ذہن کی لڑکی ہو۔ ہر کام میں تم نیک نیت رکھتی ہو۔ تم کتنی معصوم تھی مریم......!تمہیں تو اُس شخص نے چند دنوں میں بوڑھا کر دیا۔ روگ لگا دیا تمہیں۔ مگر مریم......!تم بہت باہمت ہو۔ خدا کے لئے ایک فلرٹ انسان کے لئے اپنے آپ کو تباہ مت کر لینا۔''

سبین بولتے بولتے ایک دم پریشان ہو کر نصیحت کرنے لگی۔

''نہیں......!خود کو مٹانے کا مطلب تو یہ ہے کہ میں نے غلط لوگوں کو کامیاب کر دیا۔ میں اتنی آسانی سے اُنہیں خوشیاں مناتے ہوئے جینے نہیں دوں گی۔ سبین......!اُس نے تو کھڑے کھڑے میری پونجی لوٹ لی۔ اب میں خود تباہ ہو کر اُسے خوشیاں فراہم کروں......؟نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں عدیل کو ایسا سبق سکھاؤں گی کہ وہ اُسے آخری سانس تک یاد رکھے گا۔ اُس نے میرے ساتھ کتنی زیادتی کی ہے۔ اس دھوکے کا زخم، زخم نہیں ہے، ایک بوجھ ہے، جواب مجھے اُٹھا کر زندگی بھر چلنا ہے۔''

وہ بڑے کرب سے کہہ رہی تھی۔ سبین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ وہ آگے کی طرف جھکی اور اپنے بازوؤں میں مریم کو سمیٹ کر گلے سے لگا لیا۔

''مریم......!میری جان......!حوصلہ نہ ہارو، مگر چھوڑنا بھی نہیں، اس لئے کہ تمہارے ساتھ واقعی زیادتی ہوئی ہے۔ تم جیسی وفا شعار لڑکی کی اُس نے قدر نہیں کی۔ میری بددعا ہے کہ اللہ اُس سے تمہارا بدلا لے۔''

سبین بہت جذباتی کیفیت میں کہہ رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہاج کی بہن فوزیہ اپنی دُھن میں لاؤنج میں آئی تھی۔ اُن کی پرانی خادمہ ماسی برکتے کارپٹ پر بیٹھی بڑا سا چاول کا تھال اپنے گھٹنوں پر رکھے چاول چن رہی تھی۔ فوزیہ نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں اور ماسی برکتے سے پوچھا۔

''ماسی......!اماں نظر نہیں آ رہیں۔ کہیں گئی ہوئی ہیں کیا......؟''

ماسی برکتے سر اُٹھا کر فوزیہ کی طرف دیکھتی ہے۔

''ہاں......!شاید علینہ بی بی کی طرف گئی ہیں۔''

یہ کہہ کر تھال اُٹھاتی ہے، سائیڈ پر رکھ دیتی ہے اور اپنا گھٹنا پکڑ لیتی ہے۔

''ایک تو اس موذی درد نے میری جان عذاب میں کی ہوئی ہے۔ جان ہی نہیں چھوڑتا۔''

ماسی نے زور زور سے اپنا گھٹنا دبانا شروع کر دیا اور ہائے ہائے کرنے لگی۔

''بھئی......!تم لگ کر علاج کیوں نہیں کراتی......؟''

''ڈاکٹر کے پاس تو جاتی رہتی ہوں۔''

''کیا کہتا ہے......؟''

''بس جی کیا کہوں......؟اب روز روز آپ لوگوں سے پیسے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ دوائیاں کوئی سستی تو نہیں آتی بی بی......!''

ماسی نے بڑا کرب چہرے سے ظاہر کرتے ہوئے تھال دوبارہ اُٹھا کر اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا اور چاولوں میں ہاتھ مارنے

لگیں۔

''تو پیسے مجھ سے لے لیتی، اماں سے لے لیتی، دوا لے کر آ دواپنی۔ ٹانگ ٹھیک ہوگی تو کام کرو گی ناں......! اپنے بچوں کے لئے کمائی کرنے اتنی دُور آئی ہوئی ہو۔ اپنے بچوں سے دُور رہتی ہو۔ تمہاری ٹانگ ہی درد کرتی رہے گی تو کام کیسے کرو گی......؟ تمہیں اپنا علاج کرانا چاہئے۔''

''بس......! بات یہ ہے کہ چودھرانی جی سے تو بات کرتے ہوئے مجھے ڈر لگتا ہے۔ آپ سے بات کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ بس، کیا کروں......؟ یہ درد ہے کہ اللہ کا عذاب۔ بس کیا کروں......؟''

ماسی نے بڑی درد بھری آواز میں جیسے کہ واقعی اُسے بڑی شرمندگی ہو رہی ہو، بات کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں ہاں......! ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......!''

فوزیہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''مجھ سے پیسے لے کر فوراً ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔''

ماسی برکتے نے بڑی محبت بھری نظروں سے فوزیہ کی طرف دیکھا اور اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر فوزیہ کی بلائیں لے کر اُنگلیاں چٹخائیں۔

''چودھرانی بڑے نصیبوں والی ہے کہ آپ جیسی بہو اُن کو ملی ہے۔ بس، وہ آپ کی قدر نہیں کرتیں۔ خیر......! یہ بھی نصیب کی بات ہوتی ہے۔ ایک بات بتاؤں آپ کو کہ وہ ہر وقت پیروں فقیروں کے چکروں میں رہتی ہیں، آپ کی زبان بند کرنے کے لئے۔''

فوزیہ حیرت سے ماسی برکتے کی طرف دیکھنے لگی۔

''میری زبان تو پہلے ہی بند ہے۔ میں تو اماں کے سامنے بولتی ہی نہیں۔ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے اُن کے سامنے بولنے کی......؟ ٹھیک ہے، وہ بڑی ہیں، کچھ کہہ سن لیتی ہیں تو کیا چلا جاتا ہے میرا......؟''

''بس جی، وہ تو مجھے بتا رہی تھیں کہ شاہ جی سے ایسا تعویز لائیں گی کہ اُس کی ہی نہیں، اُس کے پورے خاندان کی ہی زبان بند ہو جائے......''

''لاحول ولا قوۃ......! یہ سب فضول کی باتیں ہیں۔''

فوزیہ نے ناگواری سے ماسی برکتے کی بات کاٹ دی۔

''وہی ہوتا ہے جو اللہ کی مرضی ہوتی ہے۔ پتا نہیں لوگ کن چکروں میں پڑے رہتے ہیں......؟ اور اماں جیسی عورتوں سے ہی ان پیروں فقیروں کی چاندی ہوتی ہے۔''

ماسی برکتے، فوزیہ کا منہ دیکھ کر ایک دم گھبرا جاتی ہے اور تھال جلدی سے کارپٹ پر رکھ کر فوزیہ کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیتی ہے۔

''خدا کے لئے بی بی......! میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں، چودھرانی کو نہ بتانا۔ آپ کو اپنا سمجھ کر بتا دیتی ہوں۔ مجھے تو آپ کے اُوپر ترس آتا ہے۔ کتنی سیدھی اور نیک ہو آپ اور میری مدد بھی کرتی ہو۔ بس آپ سے ایک محبت سی ہو گئی ہے مجھے۔''

''اچھا اچھا......! ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! تم پیسے لو اور جا کر اپنی دوا لے کر آؤ۔ ہاں......! اماں کو مت بتانا کہ میں نے تمہیں پیسے دیئے تھے۔''

ماسی برکتے فوراً جلدی سے دونوں ٹانگوں کو ہاتھ لگاتی ہے۔

''توبہ توبہ......! وہ تو میرے حلق میں اُنگلی ڈال کر نکلوا لیں گی۔ اتنی بے وقوف نہیں ہوں میں۔''

اُس نے کراہتے ہوئے اپنا گھٹنا زور زور سے دبانا شروع کر دیا۔

''بہت چھوٹا دل ہے چودھرانی کا، حالانکہ اللہ نے بہت دیا ہے اُس کو۔ ہائے ہائے......! یہ درد تو میری ہڈیوں میں بیٹھ گیا ہے۔''

''اچھا بس، خاموش ہو جاؤ۔ بُری بات ہوتی ہے۔ اماں بھی تمہارا بہت خیال کرتی ہیں۔''

فوزیہ نے ناراضگی سے ماسی برکتے کو ٹوک دیا۔ ماسی برکتے ایک دم چپ ہو گئی۔ اُس کی خوشامد اور میٹھی میٹھی باتوں کا اثر فوزیہ پر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

☆......☆......☆

عدیل گم صم کیفیت میں بیٹھا ہوا تھا۔ کرسی کی بیک سے سر ٹکائے وہ چھت کی طرف گھور رہا تھا۔ واقعی اُس کا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ اِنٹر کام کی گھنٹی بج رہی تھی اور وہ یوں بیٹھا تھا جیسے بہرہ ہو۔ اُسے آواز ہی نہ سنائی دے رہی ہو۔ گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ اُس نے اِنٹر کام پر ایک نظر دوڑائی اور بڑا بُرا سا منہ بنایا۔

''کیا مصیبت ہے......؟ کیا کیا جائے......؟ کیسے مانے گی مریم......؟''

اُس کی سوچ پھر مریم پر آ کر اَٹک گئی تھی۔

''لیکن کیا ایسا ہو جائے گا کہ بچے کی وجہ سے وہ اتنی نرم ہو جائے گی کہ سب کچھ بھلانے پر تیار ہو جائے......؟ ہو سکتا ہے مان جائے۔''

وہ کرسی سے اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔

''لیکن پھر میری اور علینہ کی دوستی کیسے چلے گی......؟ مریم تو اُس کی دشمن بن چکی ہے۔ خیر......! علینہ کے بغیر تو گزارہ ہو جائے گا، مگر میرا گھر خراب نہیں ہونا چاہیے۔ میں مریم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ اُس بے وقوف کو سمجھ ہی نہیں آ رہی، کیا کروں......؟''

عدیل نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے ایسے تھام لیا جیسے سوچتے سوچتے شل ہو گیا ہو۔

☆......☆......☆

''ارے میری بچی......! اس خوش خبری کا تو میں جانے کب سے انتظار کر رہی تھی۔ فوزیہ تو بیٹا پیدا کر کے تمہارے بھائی پر حکومت کر رہی ہے اور میں خواہ مخواہ چوروں کی طرح سر جھکائے بیٹھی رہتی۔''

علینہ کی ماں علینہ سے کہہ رہی تھی۔ سامنے فروٹ رکھے ہوئے تھے اور چھلا ہوا کنو شکیلہ خاتون کے ہاتھ میں تھا۔ وہ کھسر پھسر کے انداز میں علینہ کے کان میں بول رہی تھیں۔

''گھنی ہے، اندر ہی اندر کام دکھاتی ہے تمہاری بھاوج۔ مگر میں بھی سارا انتظام کر چکی ہوں۔ شاہ سائیں سے ایسا تعویز لائی ہوں کہ گونگی بہری بنی رہے گی ساری زندگی۔ تمہارے لئے بھی لائی تھی، اِسی وجہ سے تو تیرا کام ہوا ہے۔ اللہ نے یہ دن دکھائے ہیں۔''

''اماں......! آہستہ بولیں، وہاج گھر پر ہی ہے۔''

علینہ نے گھبرا کر شکیلہ خاتون کو ٹوک دیا۔ شکیلہ خاتون رَتّو کی پھانک منہ میں ڈالتے ڈالتے ایک دم رُک گئیں۔

''آج دفتر نہیں گیا کیا......؟''

علینہ آہستہ آواز میں بولتی ہے۔

''گئے تو تھے، مگر جلدی آ گئے۔ پتا نہیں، شاید بزنس میں کوئی بڑا نقصان ہوا یا کوئی اور بات ہے......؟ بس، چپ چپ ہیں، سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے۔''

''خیر چھوڑو......! اب زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے تیرا پلّہ بھاری کر دیا ہے۔ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا اور رہی اُس کی کاروبار کی باتیں، تو تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُس کا کاروبار ہے، وہ جانے۔ فالتو میں نخرے اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے چاہا تو چاند سا بیٹا ہوگا۔ خود ہی تیرے پاؤں میں آ کر گر جائے گا۔''

شکیلہ خاتون بڑے فخریہ انداز میں مسکرائیں اور رَتّو کی پھانک منہ میں ڈال لی۔

''شاہ سائیں گارنٹی سے کام کرتے ہیں۔ پیسے تو زیادہ لیتے ہیں، مگر کہتے ہیں، مؤکلوں کو راضی رکھنے کے لئے صدقہ خیرات بہت کرنا ہوتا ہے۔''

''اماں......! پتا نہیں آپ کن چکروں میں پڑی ہوئی ہیں......؟''

علینہ جھنجلا گئی تھی۔

''میں نہیں مانتی ان تعویز گنڈوں کو۔''

وہ مزید گویا ہوئی۔ وہاج کی وجہ سے وہ ویسے ہی ذہنی طور پر اُلجھی ہوئی تھی۔

''خبردار......! شاہ سائیں کو کبھی کچھ مت کہنا۔ اُن کے قبضے میں مؤکل ہیں، اُلٹا کر دیں گے، اللہ نہ کرے۔''

شکیلہ خاتون نے اُنگلی اُٹھا کر علینہ کو خبردار کیا۔

''آخر اُن کے پاس گئی، تعویز لے کر آئی تو اللہ نے یہ خوشی کا دن دکھایا۔ تو جانتی نہیں، بڑی کرامت ہے اُن کے ہاتھ میں۔ دُنیا اُن کے دروازے پر بیٹھی رہتی ہے۔ پتا نہیں کہاں کہاں سے لوگ آتے ہیں سفر کر کے۔ تجھے کیا خبر، اللہ نے اُن کو کیسی کرامت دی ہوئی ہے......؟''

علینہ ماں کی شکل دیکھ رہی تھی اور بڑی بے بسی سے سوچ رہی تھی کہ آخر ماں کو کیسے چپ کرائے......؟

☆......☆......☆

وہاج بیڈروم میں میڈیکل رپورٹ سامنے بیڈ پر رکھے بیٹھا تھا اور ایک ٹک رپورٹ کو گھورے جا رہا تھا۔

''اس رپورٹ میں تو لکھا ہے کہ میں زندگی میں کبھی باپ نہیں بن سکتا۔ پھر میں باپ کیوں بن رہا ہوں......؟''

اُس کے ذہن میں اَلاؤ دَہک رہے تھے اور ہر اُبھرنے والا سوال اس اَلاؤ کو بڑھا رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے وحشت برسنے لگی۔ رَگ رَگ میں انگارے دَہک اُٹھے۔

''اِس بچے کو دُنیا میں نہیں آنا چاہئے۔ ایسا بچہ تو دُنیا میں آنا ہی نہیں چاہئے۔ جس کو کوئی بھی اپنا نام دینے کو تیار نہ ہو۔ حالانکہ دل نہیں مان رہا کہ علینہ مجھے دھوکہ دے سکتی ہے اور وہ بھی اتنا بڑا دھوکہ کہ جس سے سنبھلنا مشکل ہو جائے۔ زندگی اور موت کے سوال اُٹھ کھڑے ہوں۔ مجھے کچھ کرنا چاہئے ورنہ یہ شک کی آگ مجھے جلا کر راکھ کر دے گی۔ خدا کرے، جو کچھ میں سوچ رہا ہوں وہ محض بدگمانی ہو، اس میں کوئی حقیقت نہ ہو اور جیسا میں علینہ کو سمجھ رہا ہوں، علینہ ویسی ہی ہو۔ یا اللہ......! میری مدد کر۔ یا اللہ......! مجھے اس آگ سے بچا لے، مجھے اس آگ سے نجات دے۔''

وہاج بڑی بے بسی کی کیفیت میں آنکھیں بند کر کے سچے دل سے دُعا کر رہا تھا۔

''کہیں سہیل کی بات سچی ہی ثابت نہ ہو جائے اور خدا کرے کہ سچ ثابت ہو جائے۔ سہیل کہہ رہا تھا کہ معجزے بھی اِسی دُنیا میں ہوتے ہیں۔ خدا کرے سہیل کی بات سچی ثابت ہو جائے۔''

وہ پھر سوچنے لگا۔ ایک پل کے لئے قرار نہیں تھا۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس بے قراری کا علاج کیا کیا جائے......؟

☆......☆......☆

انعم لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی ایک فیشن میگزین دیکھ رہی تھی۔ بیبہ نیچے کارپٹ پر اپنے کھلونے بکھرائے بیٹھی تھی اور اپنی کھیل میں مگن تھی۔ اُس کی آیا مہرو جو اُس کے ساتھ ہی آئی تھی، ایک باؤل میں کچھ لیے اُس کو کھلانے کی کوشش کر رہی تھی اور بیبہ مسلسل انکار کر رہی تھی۔

''رہنے دو ناں ابھی۔ یہ نہیں کھا رہی تو تھوڑی دیر بعد کھا لے گی۔ ابھی یہ کھیل میں مگن ہے۔ مشکل ہی سے کھائیں گی۔''

مہرو ایک نظر انعم کی طرف دیکھتی ہے۔ پھر بیبہ کی طرف دیکھ کر خاموشی سے لاؤنج سے چلی جاتی ہے۔ انعم اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر زور سے مارتی ہے اور بڑے غصے سے اُس طرف دیکھتی ہے جس طرف مہرو گئی تھی۔ اُس کی جھنجلاہٹ یہ بتا رہی تھی کہ مہرو کی وجہ سے وہ خاصی ڈسٹرب تھی اور مہرو کے وہاں سے چلے جانے کے بعد اُس نے سکون کا سانس لیا۔ انعم، سلمان کو ایس ایم ایس کرنے میں مصروف تھی اور مہرو اور بیبہ کی مداخلت اُسے ایسے لگ رہی تھی جیسے اُس کے سر پر کوئی عذاب مسلط ہے۔ وہ تو جب سلمان کی طرف متوجہ ہوتی تھی تو ہوا کی مداخلت بھی ناگوار گزرتی تھی۔ بیبہ نے اپنا ایک ٹوائے اُٹھایا اور اس کا ٹوائے نے پھدکنا شروع کر دیا۔ یہ ٹوکی مونکی تھا۔ پھدکتے پھدکتے عجیب عجیب سی آوازیں اُس کے منہ سے نکلتی تھیں۔ انعم نے گھور کر بیبہ کی طرف دیکھا۔ وہ ڈسٹرب ہو رہی تھی۔ پھر وہ چند لمحے سوچنے کے بعد اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسے اندازہ ہو گیا تھا، یہاں بیٹھ کر وہ سکون سے اپنا کام نہیں کر سکتی۔ وہ زینے کی طرف بڑھی اور بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''سلمان آج رات پہنچ جائے گا اور کتنی مزے کی بات ہے کہ اپنے دیئے ہوئے ٹائم سے دس دن پہلے ہی آ رہا ہے جو اس کی سچائی کا ثبوت ہے کہ وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

انعم کے ہونٹوں پر ایک مطمئن سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم، مریم کو اپنے ساتھ گھر لے آئی تھیں، یہ سوچ کر کے وہ وہاں اکیلی ہو گئی تو اُن کا ذہن اُس کی طرف لگا رہے گا۔ بہتر ہے کہ وہ چند گھنٹے اُن کے ساتھ گزارے تا کہ سلمٰی بیگم مطمئن ہو جائیں کہ اب وہ بہتر ہے یا اُسے اب کسی مدد یا دوا کی ضرورت ہے۔ اُنہیں پتا تھا کہ مریم بلاوجہ کسی کو تکلیف دینے کی عادی نہیں۔ اُسے صبر کرنے اور برداشت کرنے کی بڑی پریکٹس ہے۔ وہ اُس کی ماں تھیں۔ اُس کی فطرت سے واقف تھیں کہ اُس کے اندر بڑا ضبط اور ٹھہراؤ ہے اور ہمیشہ سے ہے۔ کچھ تو پیدائشی تھا، کچھ اُن کے باپ نے اُسے اِس طرح ٹرینڈ کیا تھا کہ اُسے اپنے دُکھوں پر شور مچانے کی عادت ہی نہیں رہی تھی اور جیسے جیسے وہ ہوش منداور سمجھ دار ہوتی گئی، اُس کی خاموش رہنے اور سہنے کی عادت پختہ ہوتی گئی۔ اُنہیں یاد نہیں پڑتا تھا کہ وہ انعم کی یا اپنی کلاس فیلوز کی یا اپنی سہیلیوں کی چھوٹی چھوٹی سی شکایتیں لے کر اُن کے پاس آتی رہی ہو۔ مریم کے ساتھ وہ تھوڑی دیر اس بیڈروم میں رہیں جس بیڈروم میں مریم شادی سے پہلے رہا کرتی تھی۔ مریم نے یہاں ایک طویل عرصہ سوتے جاگتے گزارہ تھا۔ سلمٰی بیگم نے اپنی دونوں بیٹیوں کے بیڈرومز کو اِسی حالت میں رکھا ہوا تھا۔ پتا نہیں کوئی لاشعوری سگنل تھا، اُن کے ذہن میں کہ اُن کی بیٹیاں پلٹ پلٹ کر اُن کے گھر آئیں گی۔ بظاہر تو وہ کسی وہم یا اندیشے کا شعار نظر نہیں آئی تھیں۔ لیکن اُنہوں نے اپنی بہو کو کہہ دیا تھا کہ ہم پڑھے لکھے لوگ ہیں، بیٹیوں کو بھی جائیداد میں سے پورا حصہ جو اُن کا حق ہوتا ہے، دیتے ہیں۔ لیکن مجھے تو دونوں کمرے بیٹیوں کی وراثت کا ہی حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ اِسی طرح رہیں اور جب کبھی وہ اپنی ماں کے گھر آئیں تو اپنے اپنے کمرے میں آرام کریں۔ فرح بھی کوئی چھوٹے دل کی عورت نہیں تھی اور ’’ہذا من فضل ربی‘‘ تھا، اتنا بڑا گھر تھا۔ اُوپر نیچے کئی کمرے تھے۔ دو کمرے نندوں کے بک ہونے سے اُسے فرق کیا پڑتا تھا......؟

سلمٰی بیگم تو تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھ کر باہر چلی گئیں اپنے کاموں کو نمٹانے کے لئے۔ مریم پھر سوچوں میں اُلجھ گئی تھی۔ ماں کے کمرے سے باہر جاتے ہی پھر شدید غم وغصے کی کیفیت نے اُسے آگھیرا۔

’’حد ہو گئی ڈھٹائی کی۔ ذرا سا بھی احساس نہیں کہ اپنی غلطی پر کوئی ندامت ہو۔ اگر مجھے امی یا بابا، یا نانا جان کا خیال نہ ہو تو میں اس کھیل کو ایک سیکنڈ میں ختم کر دوں۔ لیکن مجھے بہت بڑا قدم اُٹھاتے ہوئے بہت زیادہ احتیاط کرنا ہے۔‘‘

اُس نے بڑی بے بسی سے سوچا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ابھی تک وہ اپنے آپ کو بہت کمزور محسوس کر رہی تھی۔ بی پی low تھا یا اُمنگ ترنگ کی کمی تھی جو انسانوں کے خون کو گرم رکھتی ہے۔

☆......☆......☆

عدیل بہت محتاط انداز میں فیاض احمد کے گھر میں داخل ہوا تھا۔ کچھ کچھ اندیشے تھے، کچھ کچھ اُمیدیں۔ پتا نہیں کیوں اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ جس طرح خوش خبری سننے کے بعد اُس کے ذہن میں نمایاں تبدیلی آئی ہے، یقیناً اس خوش خبری نے مریم کو بھی تھوڑا تبدیل تو کیا ہوگا......؟ اُس نے کچھ سوچا تو ہوگا......؟ کچھ تو اُس کا غصہ دھیما پڑا ہوگا......؟ جیسے ہی وہ اندر لاؤنج میں داخل ہوا، سامنے اُسے بیا اور انعم نظر آ گئیں۔ وہ انعم کو دیکھ کر چونک پڑا۔

’’آپ......آپ کب آئیں......؟‘‘

انعم ایک دم سٹپٹا سی گئی۔

’’ہاں......میرا تو آنا جانا لگا رہتا ہے۔ بس آپ ہی کبھی کبھی نظر آتے ہیں۔ اس لئے آپ کو لگا ہوگا۔ میں تو اگر صبح کو یہاں

ہوتی ہوں تو شام کو اسلام آباد۔ شام کو یہاں ہوتی ہوں تو صبح کو اسلام آباد۔ اب ظاہر ہے، ایک دم سے میرا دل وہاں تو نہیں لگ سکتا۔ یہاں پر پلی بڑھی، اتنا سارا وقت گزارا، سارے دوست، سارے تعلقات سارے official contact سب یہیں ہیں۔"

عدیل حیران ہو گیا کہ اتنے نارمل سے سوال پر انعم نے پوری تقریر کر ڈالی۔ اتنے طویل جواب کی تو ضرورت بھی نہیں تھی۔ صرف اتنی سی بات ہو سکتی تھی کہ ہاں وہ آئی ہوئی ہے۔ اُسے عجیب سا تو محسوس ہوا لیکن وہ کوئی اندازہ لگا نہیں سکتا تھا۔ کم از کم اس طرف تو بالکل بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ انعم کے معاملات میں گڑبڑ چل رہی ہے، کیونکہ اشارے کی حد تک بھی اُس کے سامنے کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی کہ اُس کا ذہن کچھ اور سوچتا۔

"مریم کو لینے آئے ہیں......؟"

انعم نے سر سے پاؤں تک عدیل کو اس طرح سے دیکھا جیسے وہ کوئی تجزیہ کر رہی ہو۔

"جی......! میں آفس سے اُٹھا تھا، سوچا مریم سے پوچھ لوں، اگر اُس کا موڈ ہے تو لے چلوں گا اور اگر وہ رُکنا چاہے گی تو اُس کی مرضی۔"

"اوہ......! اچھا اچھا......!"

انعم نے پھر بڑی گہری نظروں سے عدیل کی طرف دیکھا۔ ایک سوچ سی اُس کی آنکھوں میں لہرائی۔ اب بیہ کا بازو تھام کر وہ آگے بڑھ گئی۔

"کتنا لاابالی لگتا ہے مریم کے سامنے۔ مریم کتنی میچور اور صوبر ہے۔ عدیل کے اندر کتنا کھلنڈرا پن بلکہ ایک طرح سے دیکھا جائے تو کتنا لڑکپن ہے۔ کمال ہے، مریم کی اس کے ساتھ انڈرسٹینڈنگ کیسے ہو گئی......؟ وہ تو بہت خوش ہے اس کے ساتھ۔ خیر......! خوش ہی ہونا چاہیے۔ اچھی بات تھی۔"

یہ سوچتے ہوئے وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ عدیل نے پیچھے سے بیہ کو آواز دی۔

"بیہ تو مجھے جانتی ہی نہیں۔"

"انکل......! میں آپ کو جانتی ہوں۔ آپ مریم خالہ کے husband ہیں۔"

بیہ نے فوراً برجستہ جواب دیا۔ عدیل بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"ٹھیک ہے، تھینک گاڈ......! آپ اتنا تو جانتی ہیں کہ میں مریم خالہ کا شوہر ہوں، مگر آپ نے مجھے سلام نہیں کیا۔"

"اوہ......! سوری انکل......! وہ ماما آپ سے بات کر رہی تھیں ناں تو میں بھول گئی۔"

بیہ نے بڑی معصومیت سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ عدیل بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ انعم بھی دھیرے سے ہنسی۔

"آپ کہیں جا رہی ہیں کیا......؟"

"ہاں......! ویسے ہی کچھ تھوڑی بہت شاپنگ کرنا ہے۔"

انعم نے عدیل کو جواب دیا۔

"کچھ شاپنگ کرنا ہے، تھوڑی سی گیمز خریدنا ہیں۔ سوچا اس کی آؤٹنگ بھی ہو جائے گی۔ میرا بھی وقت کٹ جائے گا اور

کام بھی ہو جائے گا۔"

انعم اب زبردستی مسکرائی تھی۔ اُسے عدیل کے ساتھ سوال جواب بھاری لگ رہے تھے۔ اب بس ہوگئی تھی۔ ویسے بھی پہلے والے ہر رشتے کے اندر اب اُس کی دلچسپی ہی کیا تھی......؟ سلمان سے آگے سوچ جاتی ہی نہیں تھی اور سلمان سے زیادہ کوئی اہم رشتہ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ اس وقت بھی بیہ کی ضد کی وجہ سے ہی وہ اُسے لے کر باہر جا رہی تھی ورنہ خود سے تو شاید اُسے خیال بھی نہ آتا۔ بیہ کے کام بھی اب اُسے بوجھ لگنے لگے تھے لیکن وہ خود کو سمجھا رہی تھی کہ بیہ اُس کا نہیں، ناصر کا بوجھ ہے۔ بس تھوڑے دن اُسے تکلیف اُٹھانا ہے۔

☆......☆......☆

مریم ابھی ابھی واش روم سے شاور لے کر باہر آئی تھی۔ سر پر ٹاول بندھا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب Nail foiler سے اپنے ناخن ٹھیک کرے گی۔ کئی دن ہو گئے تھے، اُس نے اپنے آپ پر توجہ ہی نہیں دی تھی۔ اب فرصت کے لمحات ملے، آرام سے اپنے ہاتھ پاؤں دیکھے تو خیال آیا کہ اپنے آپ سے غافل ہوتی جا رہی ہے اور اُسے غافل نہیں ہونا چاہئے، اُس کے مقاصد بہت بڑے ہیں، خوش رہنے اور دوسروں کو خوش رکھنے کے۔ وہ عدیل اور علینہ کے اُن عزائم کو خاک میں ملا دینا چاہتی تھی جو اُسے خاک میں ملانا چاہتے تھے۔ علینہ کا تصور آتے ہی اُس کے جسم میں جیسے آگ سی بھر گئی۔ ایک تو یہ وجہ کہ دھوکہ دہی کے کیس میں اُس کے شوہر کی شریک تھی اور دوسرا غصے کی وجہ یہ تھی کہ ایک شادی شدہ عورت اپنے اتنے مخلص اور سچے ساتھی کو ایسے شخص کے لئے دھوکہ دے رہی ہے جس کے اپنے خمیر میں وفا نام کی شئے کی رمق بھی نہیں ہے۔ اُسی لمحے وہ چونک پڑی تھی، کیونکہ عدیل بغیر دستک دیئے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہا تھا۔ اُسے حیرت تو ہوئی کہ وہ کیوں چلا آیا ہے......؟ لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔

"السلام علیکم......!"

عدیل نے ایسے سلام کیا جیسے اُن کے سفارتی تعلقات ہمیشہ سے بہترین چلے آ رہے ہوں اور درمیان میں کسی قسم کی کوئی بدمزگی ہوئی نہ ہو۔ مریم نے بمشکل غصے کی شدید لہریں ضبط کرتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا اور سلام کا جواب دینے کی بجائے بولی۔

"کیوں آئے ہیں......؟"

"تمہیں لینے آیا ہوں، اور کیوں آیا ہوں......؟"

مریم نے اُس کے اسٹائل پر پھر چونک کر دیکھا۔

"واقعی حد ہی ہوگئی ہے۔ بندہ ڈھیٹ ہو تو پھر ایسا ہو۔"

مریم نے غصے کی لہروں کو بمشکل کنٹرول کیا اور بڑے تحمل سے گویا ہوئی۔

"کیا میرے اور آپ کے بیچ اب ان تکلفات کی گنجائش ہے......؟"

عدیل دو قدم مزید اُس کی طرف بڑھا اور بڑی ادا سے مسکرایا۔

"اگر گنجائش ختم ہوگئی تھی تو پھر ہوگئی ہے۔"

وہ کہہ رہا تھا۔

''کیا مطلب......؟''

مریم کی آنکھوں میں اب غصے کے ساتھ ساتھ حیرت بھی تھی۔عدیل مزید آگے بڑھا اور مریم کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ایک نئی رُوح ہمارے درمیان آگئی ہے۔ایک اَن دیکھی زنجیر جو ہم دونوں کو باندھ رہی ہے۔''

وہ بڑی لگاوٹ اور پیار سے مخاطب ہوا۔اُس کے لہجے کی نرمی، محبت اور لگاوٹ مریم کے دل و دماغ پر طوفان برپا کر گئی، مگر اُس نے پھر بہت صبر و تحمل اور آہستگی سے اپنے کندھوں سے عدیل کا ہاتھ ہٹایا۔

''اچھا......! تو خبر مل گئی......؟''

''جی......! امی کا فون آیا تھا۔رات کو بھی آئے گا، وہ تم سے بات کریں گی۔''

عدیل نے پھر اس انداز میں بڑے اپنائیت کے ساتھ بات کی جیسے وہ اور مریم ہمیشہ سے بڑی پیار بھری باتیں کرتے آ رہے ہوں اور آج تک دونوں نے ایک دوسرے سے تلخ بات ہی نہ کی ہو۔مریم نے اُس کی طرف اس طرح سے دیکھا کہ جیسے ملامت کی بارش کر رہی ہو۔

''بات اگر اُصول کی ہوئی ہو تو پھر کوئی زنجیر کسی کو نہیں باندھ سکتی۔آپ چلے جائیں، آپ کی کمپنی کی ضرورت علینہ کو ہے، مجھے نہیں۔''

عدیل بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھاتا ہے تاکہ مریم کو تھام لے، لیکن مریم پیچھے ہٹ جاتی ہے۔عدیل سے فاصلے پر ہو جاتی ہے۔عدیل نے اپنے پھیلے ہوئے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے کے انداز میں بڑی بے بسی سے مریم کہا۔

''آہستہ بولو یار......! وہ بات جس کی کوئی حیثیت ہی نہیں، اُس کو ایشو بنا رہی ہو......؟''

''کیوں حیثیت نہیں ہے......؟''

مریم ایک دم بھڑک اُٹھی۔

''میں ایک Stupid لڑکی ہوں، مجھے پروف کرنا ہے کہ میں Stupid ہوں یا نہیں......؟ آپ جا سکتے ہیں۔''

''مان جاؤ مریم......! خدا کے لئے، میری بات پر یقین کرو۔اس لئے کہہ رہا ہوں جس وجہ سے تم سلگ رہی ہو، جس وجہ سے تم تکلیف اُٹھا رہی ہو، وہ وجہ ہی نہیں ہے۔کوئی بات ہی نہیں ہے۔کوئی base ہی نہیں ہے۔میرے اور تمہارے درمیان کوئی نہیں ہے۔تمہیں یقین کر لینا چاہئے۔اتنی narrow-minded بن کر سوچو گی تو اپنی زندگی بھی عذاب بناؤ گی اور میری بھی۔''

''میں آپ کی زندگی عذاب کیوں بناؤں گی......؟ زندگی عذاب تو تب بناؤں گی مسٹر عدیل......! جب آپ کے ساتھ رہوں گی۔اب میں دھوکے باز، فلرٹ انسان، جس نے میرے خلوص کا، میری محبت کا سرِ عام مذاق اُڑایا، اپنی دوست کے سامنے مجھے degrade کیا، میں اُس کے ساتھ خوش رہ سکوں گی......؟ اُس کا اعتبار کر سکوں گی......؟ اُس کے ساتھ کھل کے ہنس سکوں گی......؟ اُس کے ساتھ کبھی خوشیاں منا سکوں گی......؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔یہ جو ایک کانٹا میرے دماغ میں

گڑھ چکا ہے، کبھی نہیں نکل سکتا اور اس گڑھے ہوئے کانٹے کے ساتھ آپ کے ساتھ رہنا تو ایسا ہی ہے جیسے روز روز کی موت کو قبول کر لینا، اور میں روز روز مرنا نہیں چاہتی۔ آپ چلے جائیں۔ خدا کے لئے چلے جائیں، اور اپنا ٹائم اور انرجی ضائع مت کریں۔ بھول جائیں Stupid مریم کو اور اچھا سا ذہین قابل لائق ساتھی تلاش کریں۔''

''مریم ......! تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں نے اس طرح سے نہیں کہا تھا۔ عام طور پر بندہ اپنا کوئی تکیہ کلام استعمال کرتا ہے تو وہ ایسی جگہ پر بھی استعمال ہو جاتا ہے جہاں پہ اس کی ضرورت بھی نہیں ہوتی اور عادت ہونے کی وجہ سے وہ......''

''عدیل ......! میں شکل سے جتنی بے وقوف نظر آتی ہوں، اصل میں اتنی ہوں نہیں۔ پلیز......! آپ چلے جائیں، اس سے پہلے کہ میں چیخ پڑوں اور میرے گھر میں آپ کا تماشہ بن جائے۔ دیکھیں، میں پھر بھی لحاظ اور مروّت سے کام لے رہی ہوں حالانکہ نہیں لینا چاہیے۔ چلیں جائیں یہاں سے۔''

مریم کے لہجے میں اب ایک انتہائی اور فیصلہ کن کیفیت کی جھلک تھی جو عدیل کو صاف صاف دکھائی دے رہی تھی کہ مریم جو کہہ رہی ہے، وہ کر دکھائے گی۔ اُس نے بہتری اسی میں سمجھی کہ اس وقت واپس لوٹ جائے۔

☆......☆......☆

علینہ بیڈروم میں آ کر وہاج کو بڑی حیرت سے دیکھ رہی تھی، کیونکہ منظر ہی بڑا نرالا تھا۔ ایسا منظر تو اُس نے آج سے پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ نہ کبھی وہاج کو اتنا ڈیپریشن میں دیکھا تھا، نہ خود سے اتنا بے زار دیکھا تھا۔ ایک وائٹ لفافہ اُس کے قریب پڑا ہوا تھا اور وہ سر کے نیچے دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے لیٹا ہوا ٹک ٹک دیوار کو گھور رہا تھا۔ وہ پلکیں بھی نہیں جھپک رہا تھا۔ علینہ آگے بڑھی اور اپنا ہاتھ وہاج کی آنکھوں کے سامنے لہرا کر کھلکھلائی۔

''وجی جانی ......! کیا ہوا......؟ کیا نظر آ رہا ہے سامنے دیوار میں......؟ اتنے غور سے تو کوئی پسندیدہ فلم بھی نہیں دیکھتا۔ کہاں پہنچے ہوئے ہو......؟''

وہ بڑی شوخی سے کہتی ہوئی اُس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اُس کی مٹھی میں اُس کا موبائل دبا ہوا تھا۔ وہاج نے اپنی نظروں کا زاویہ تبدیل کیا اور سیدھا سرد اور بے تاثر نظروں سے علینہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اُسی لمحے علینہ کی مٹھی میں دبے ہوئے موبائل پر رِنگ ہوئی تھی۔ موبائل کی رِنگ نے وہاج کو چونکا دیا جیسے اُس کو کوئی کرنٹ لگا ہو۔ اُس نے علینہ کے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ علینہ بھی موبائل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک سیکنڈ کے اندر وہاج نے اُس کے ہاتھ سے موبائل جھپٹ لیا تھا۔ علینہ صرف عدیل کا نام دیکھ پائی تھی، جیسے ہی وہاج نے اُس کے ہاتھ سے موبائل جھپٹا، علینہ ایک دم بدحواس ہو گئی۔

''یہ کیا کر رہے ہو وجی......؟ میرا موبائل دو، میری کال آ رہی ہے۔''

وہاج بڑے غور سے موبائل کی طرف دیکھ رہا تھا جس پر عدیل کا نام چمک رہا تھا۔ علینہ، وہاج کی نظروں سے ایک دم بوکھلا سی گئی اور زبردستی مسکرا کر اپنا موبائل فون لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ وہاج نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا اور علینہ کی طرف دیکھ کر بڑے طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

''عدیل کی کال آ رہی ہے۔''

''ہاں......! عدیل کی کال آ رہی ہے۔ اُسے کوئی کام ہوگا، کوئی بات کرنا ہوگی۔''

"سارے کام اُسے تم سے ہیں۔ ساری باتیں اُسے تم سے کرنا ہیں۔"
اسی وقت رِنگ بند ہوگئی۔
"لو......! اب تو رِنگ بند ہوگئی، اب مجھے دے دو۔"
علینہ اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے خود کو بہت مضبوط ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
"ایک منٹ، دیتا ہوں ابھی، تھوڑا صبر تو کرو۔ اتنی جلدی کیا ہے......؟"
"لیکن تمہیں میرے موبائل میں دلچسپی کیا ہے......؟ اور رہا عدیل، تو ظاہری بات ہے، وہ دوست ہے، کبھی کبھی فون کر لیتا ہے، خیر خیریت پوچھ لیتا ہے، میری بھی تمہاری بھی۔"
"ہاں......! جانتا ہوں، وہ دوست ہے اور کتنا عزیز دوست ہے۔ دن میں کتنی دفعہ اُس کا نمبر ڈائل ہوتا ہے اور دن میں کتنی کالز اُس کی تمہارے سیل پر آتی ہیں۔"
وہاج موبائل میں آپشن دیکھ رہا تھا۔ علینہ ہکا بکا اُس کی شکل دیکھ رہی تھی اور ایک دم اُس کو محسوس ہوا کہ قیامت آ گئی ہے۔ وہ جو یہ اب تک سمجھ رہی تھی، خود کو سمجھا رہی تھی، بہلا رہی تھی کہ وہاج نے کچھ نہیں سنا۔ یقیناً اُس دن وہاج نے مریم کی باتیں سن لیں۔

☆......☆......☆

عدیل اپنی جگہ پریشان کھڑا ہوا تھا اور موبائل کو گھورے جا رہا تھا۔ آج کل تو ویسے بھی اُس کی حالت بہت قابلِ رحم ہو رہی تھی۔ مریم نے جو اُس کے ساتھ کیا ہوا تھا وہ اپنی جگہ، مگر دوسری ٹینشن بھی کچھ کم نہ تھی کہ کہاں تو علینہ اُسے فون پر فون کئے جا رہی تھی اور کہاں یہ عالم کہ وہ اُسے ڈائل پر ڈائل کئے جا رہا تھا اور وہ کال attend نہیں کر رہی تھی۔ دل کا چور اُسے ڈرا رہا تھا، اُس کو سمجھا رہا تھا کہ اُسے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا چاہئے۔ جب تک کہ علینہ اُسے خود contact نہ کرے۔ عجیب سی حالت تھی، کبھی ذہن مریم کی طرف جاتا تو کبھی علینہ کے بارے میں سوچنے لگتا، کیونکہ اُسے مریم کی ناراضگی پر اتنی حیرت نہیں تھی جتنی حیرت اس بات پر تھی کہ علینہ اس کا فون attend کیوں نہیں کر رہی......؟

☆......☆......☆

مریم بند کمرے میں پڑے پڑے اُکتا گئی۔ پھر وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ اُس نے سوچا، فرح یا امی سے بات کر کے اپنے ذہن کو بہلائے اور اپنے آپ کو مصروف کرے۔ وہ زینہ اُترنے ہی والی تھی کہ سامنے سے انعم آتی ہوئی نظر آئی۔ مریم نے تو اُس کی طرف عام سے انداز میں ہی دیکھا تھا بلکہ ذرا دُکھ سے ہی دیکھا تھا، مگر انعم نے اُس کی طرف بڑی خار دار نظروں سے دیکھا تھا۔
"ابھی تک یہیں ہو......؟ تمہارا شوہر تمہیں لینے آیا تھا، گئی نہیں......؟"
انعم سٹیپ چڑھتے ہوئے بڑی تلخی سے بات کر رہی تھی بلکہ تلخی کم تھی اور طنز زیادہ، جو مریم کی سمجھ سے باہر تھا۔
"ہاں......! میرا دل نہیں چاہا۔"
مریم نے سپاٹ اور دھیمے لہجے میں مختصر جواب دیا۔

''ویسے ایک بات بتاؤ مریم......!''

انعم نے اُسے راہ میں روک لیا تھا جیسے اگر ایسے راہ میں روک کر بات کرنے کا موقع نہ ملا تو آئندہ شاید ان کی بات نہ ہو سکے۔

''ہاں ہاں......! بولو......!''

''یہ تم نے ابھی تک اپنے شوہر کو بتایا نہیں کہ میں ناصر سے طلاق لے رہی ہوں......؟ جب ملتا ہے، ناصر کی باتیں کرنے لگ جاتا ہے۔''

''مجھے کیا ضرورت ہے......؟ تمہارا مسئلہ ہے، تم بتاؤ، تم وضاحتیں کرو، تم اعلان کرو۔ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں تمہاری طرح اعلان کرتی پھروں......؟ بلکہ تمہیں تو ڈھنڈورا پیٹ دینا چاہیئے۔ اس لئے کہ وہ بیچارہ تو پاگل ہو گیا ہے، پتا نہیں کب ٹھیک ہو گا......؟ پتا نہیں ٹھیک بھی ہو گا کہ نہیں......؟''

مریم کو انعم کی باتوں پر غصہ آ گیا تھا۔ وہ پہلے ہی ڈیپریشن کی حالت میں تھی، اُوپر سے انعم کی تلخ باتوں نے اُس کے دماغ کے پرخچے اُڑا دیئے۔

''ہاں......! تم تو یہی چاہتی ہو کہ میرے ڈھنڈورے پیٹیں اور تمہارے نام کے ڈنکے بجیں۔ کتنی اچھی بہن کی اتنی خراب بہن۔ تم نے میرے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا مریم......! یہ بات شاید دیواروں کو بھی پتا نہ چلتی۔ تمہاری وجہ سے اب واقعی ڈھنڈورے پٹنے والے ہیں۔''

انعم دانت پیس کر بولی اور آگے بڑھی۔

''کچھ لوگوں کے ساتھ یہ ٹریجڈی ہوتی ہے کہ زندگی بھر غلطیاں کرتے رہتے ہیں اور زندگی بھر اُن کو یہ غلط فہمی رہتی ہے کہ وہ غلطی نہیں کر رہے۔ اس دُنیا میں بلکہ ہمارے اس معاشرے میں یہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ جو بھی اپنے انسان ہونے کا حق مانگتا ہے، اُس کے اُوپر کیچڑ اُچھالا جاتا ہے، اُس کو لعن طعن کی جاتی ہے، اُس کا تماشہ بنایا جاتا ہے۔ تم نے بھی وہی کیا جو لوگ یہاں کرتے ہیں، مگر مجھے اس کی پرواہ نہیں۔''

''جب پرواہ نہیں ہے تو پھر اپنے کام سے کام رکھو۔ مجھے راستے میں روک کر مجھ سے باتیں کرنے کی یا مجھے لعن طعن کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم سمجھتی ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ کچھ غلط کیا ہے تو تم بتاؤ، تم میرے ساتھ کیا کرو گی......؟ جو کرنا چاہتی ہو، کر ڈالو۔ مگر میری تم سے یہ Request ہے کہ اس سے پہلے کے بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل جائے، ابھی جہاں ہے، سنبھالی جا سکتی ہے۔ اس میں دو فائدے ہیں، تمہارا بھی اور میرا بھی۔ ایک تو یہ کہ تم مزید غلطی کرنے سے بچ جاؤ اور دوسرے یہ کہ میری جان چھوٹ جائے گی، جو میں تمہیں صحیح بات کہہ کر گناہ گار ہو گئی ہوں۔ میں تمہاری بہن ہوں۔ میں نے تمہیں عقل کا، سچائی کا راستہ دکھایا تھا۔ اب اس طرح تم بہانے بہانے سے روک کر ٹوک کر مجھے mentally ٹارچر کیا کرو گی۔ لیکن میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتی، کیونکہ جو بات ٹھیک تھی، صحیح تھی، سچ تھی، میں نے وہی تم سے کی۔ تمہیں آج اپنی غلطی کا احساس نہیں۔ تمہیں میری صحیح بات بھی غلط لگتی ہے، لیکن آنے والے دنوں میں تم میری بات کا احساس ضرور کرو گی، جب عشق کا یہ بھوت سر سے اُتر چکا ہو گا اور وہ فراڈیا اور غیر ذمہ دار انسان تمہیں تنہا چھوڑ کر جانے کہاں رفو چکر ہو چکا ہو گا۔ اس طرح کے

لوگ......"

"شٹ اَپ......!"

انعم نے ایک دم گھور کر مریم کی طرف دیکھا۔

"یہ گھر، اس گھر کے تمام رہنے والے، تم، تمہارا شوہر، تمہاری ساس، سب نیک پارسا لوگ ہیں۔ ٹھیک ہے ناں......! تمہیں تو بس بہانہ چاہئے degrade کرنے کا، مجھے ذلیل کرنے کا، پتا نہیں کیسی بہن ہو......؟"

انعم یہ کہہ کر دھب دھب کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

علینہ کا موبائل بیڈ پر پڑا ہوا تھا۔ علینہ ابھی تک اُسی طرح گم صم کیفیت میں کھڑی ہوئی تھی۔ اصل میں وہاج سے کچھ کلیئر کئے بغیر وہ کمرے سے باہر جا ہی نہیں سکتی تھی۔ اُس کو بے چینی تھی کہ جو کچھ بھی سچ ہے، چاہے اُس کے حق میں ہے یا خلاف، بس اُسے کسی طرح پتا چل جائے۔ وہاج نے جو اُسے دودھاری تلوار پر چلایا ہوا ہے، اس سے تو جان چھوٹے۔ کچھ تو کھلے کہ آخر وہ اتنا آگ بگولا کیوں ہو رہا ہے......؟ اور عدیل کے متعلق اُس تک کیا خبر پہنچی ہے......؟ وہ اُس پر مسلسل طنز کئے جا رہا ہے۔ کبھی عدیل کے نام پر اُسے طعنہ دے رہا ہے، بات بات پر اُسے جتا رہا ہے۔ کچھ تو پتا چلے کہ آخر ہوا کیا ہے......؟ وہ موبائل کی طرف گھور رہی تھی۔ رِنگ مسلسل ہو رہی تھی۔ اُسے شدید خوف نے آن گھیرا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کال عدیل کی ہو وہ attend کر لے یا اُس کے ہاتھ میں موبائل ہو اور وہاج کو پھر گرجنے برسنے اور لعن طعن کرنے کا موقع مل جائے......؟ وہ بھی گرج برس سکتی تھی، وہ بھی ڈھٹائی سے کہہ سکتی تھی کہ وہاج غلط سوچ رہا ہے، اُس کی ذہنیت خراب ہے، وہ چھوٹے دل اور چھوٹے دماغ سے کام لے رہا ہے، وہ غلطی کر رہا ہے۔ لیکن اُس کا اپنے دل کا چور اُسے یہ ہمت کرنے ہی نہیں دے رہا تھا جو بار بار اُسے یہ احساس دلا رہا تھا کہ وہاج نے مریم کی باتیں سن نہ لی ہوں۔ کہیں وہ پہلے سے آیا ہوا نہ ہو۔ علینہ تو یہی سمجھ رہی تھی کہ وہ ابھی ابھی آیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ پہلے سے آیا ہوا ہو اور مریم کی آواز سن کر کہیں چھپا ہوا باتیں سن رہا ہو اور اُس نے سب کچھ سن لیا ہو۔ اُس کے دل کا چور تو یہ کہہ رہا تھا اِس لئے اُس کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ وہ اپنا سیل فون بیڈ سے اُٹھائے اور دیکھے کہ یہ کس کی کال آئی ہے......؟ رِنگ بند ہو گئی۔ رِنگ بند ہونے کے بعد دوبارہ بجنے لگی۔ علینہ ابھی تک اس جگہ پر جس جگہ کھڑی تھی، جہاں کھڑی ہوئی تھی، اُسی وقت وہاج واش روم کا دروازہ کھول کر تیر کی طرح باہر آیا اور عجلت کے انداز میں بیڈ کی طرف بڑھا تھا اور موبائل اُٹھا کر اُس نے پھر کالر کا نام دیکھا تھا۔ کالر کا نام دیکھنے کے ساتھ ہی اُس نے آگ برساتی نظروں سے علینہ کی طرف دیکھا۔

"کیوں اٹینڈ نہیں کر رہی......؟ یہ تمہیں بہت یاد کر رہا ہے۔ دس کالیں تو میرے سامنے اُس نے تمہیں کی ہیں۔ میری غیر موجودگی میں تو لگتا ہے، تمہارا بس یہی کام ہے۔ تم میری ساری محنت کی کمائی اس ٹیلی فون میں خرچ کرتی ہو اور اپنے اس پیارے دوست کے ساتھ گھنٹوں باتیں کرتی رہتی ہو۔ میں تو تمہاری کال ہسٹری نکلوا کر تمہیں پروف کر دوں گا کہ میں سچ کہہ رہا ہوں، شک نہیں کر رہا۔ ابھی بھی میرے سامنے اس نے چوتھی بار رِنگ کیا ہے۔ کیا تکلیف ہے اُسے......؟ اُس کا کیا link ہے تم سے......؟"

"وہ جی......! ظاہری بات ہے، میں نے ایک دفعہ اُس کی کال attend نہیں کی تو اُس نے دوبارہ ٹرائی کی۔"

''شٹ اَپ......! مت بے وقوف بناؤ مجھ کو۔ کیونکہ جتنا بے وقوف بنانا تھا مجھ کو، بنا چکی۔ اب میں بے وقوف نہیں بنوں گا۔ سمجھ آرہی ہے بات۔''

وہاج نے اتنا کہا اور سیل کی طرف مڑنے لگا۔ اُسی وقت پھر رنگ ہوئی۔ وہاج نے سیل فون کی طرف دیکھا، اسکرین پر پھر عدیل کا نام چمک رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں جیسے خون اُتر آیا تھا۔ اُس نے پوری قوت سے علینہ کا موبائل زمین پر دے مارا تھا جس کے پتا نہیں دسیوں ٹکڑے کمرے میں آناً فاناً بکھر گئے۔ علینہ نے سہم کر اپنے منہ پر ہاتھ رکھا، جیسے بے اختیار آنے والی چیخ کو روک رہی تھی۔ پھر وہ اُلٹے قدموں پیچھے کی طرف بڑھی۔ فوراً مُڑی اور یوں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی جیسے اُس کے پیچھے کوئی بھوت لگا ہوا ہو۔

☆......☆......☆

علینہ ہانپتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی اور ایک صوفے پر بھربھری مٹی کی طرح بہہ گئی۔ اُسے بس یوں لگ رہا تھا کہ وہاج اب آیا، تب آیا، اور وہ پتا نہیں ہاتھ میں کوئی چیز اُٹھائے ہوئے ہو اور دے مارے۔ ایک اندیشہ، ایک خوف اُس کی ریڑھ کی ہڈی میں اُتر رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے اپنی سانسیں درست کرنے لگی اور ساتھ ساتھ کلمۂ شکر بھی ادا کیا کہ شکیلہ خاتون، وہاج کے انتظار سے اُکتا کر بالآخر چلی گئی تھیں۔ اتنی آسانی سے تو شاید نہ جاتیں، لیکن اُنہوں نے شاہ سائیں سے ٹائم لیا ہوا تھا، جنہوں نے اُن کے فلیتے اور تعویز وغیرہ تیار رکھے ہوئے تھے جو آج ہی اُنہوں نے وصول کرنا تھے، اس لئے کہ اگر وہ ایک دن لیٹ ہو جاتیں تو ہوسکتا ہے، فوزیہ پوری جائیداد پر قبضہ کر لیتی اور اُن کو زہر کھلا دیتی۔ ہر وقت انہی اندیشوں کی خاطر تو وہ شاہ سائیں کی خدمات انجام دے رہی تھیں۔ زمینوں کی آمدنی کا ایک تہائی حصہ تو شاہ سائیں کے پاس جا رہا تھا۔ علینہ بہت سمجھاتی تھی، مگر وہ کہاں سمجھنے والی تھیں......؟

''اُف......! اگر وہاج کا یہ روپ اماں دیکھ لیتیں، توبہ......! اس گھر میں کیا قیامت اُتر آتی......؟ کیا ہوگیا ہے وہاج کو......؟ سب سے پہلے تو اُسے مجھ سے کلیئر بات کرنا چاہئے تھی۔ یہ کیا طریقہ ہے......؟ اُلٹا سیدھا شک کر رہا ہے مجھ پر، اور اُس مریم کو تو میں چھوڑوں گی نہیں۔ اُس کا تو میں جینا حرام کر دوں گی۔ اگر واقعی یہ اُس کی وجہ سے آگ لگ رہی ہے۔''

اب نئے سرے سے دُکھ دینے والے خیالوں کا سرا کسی اور طرف مڑ گیا۔ بندر کی بلا قبیلے کے سر۔ اُسے اب رہ رہ کر مریم پر غصہ آنے لگا۔

''اچھی بھلی زندگی گزر رہی تھی۔ وہ کون سا اُس کے شوہر کو کھا رہی تھی......؟ ہڑپ کر رہی تھی......؟ بڑی آئی شوہر والی۔''

وہ دانت پیستے ہوئے یوں غرائی، جیسے اُسے مریم اپنے سامنے کھڑی نظر آرہی ہو اور وہ اُسے کچا چبانے کے لئے حملہ کر رہی ہو۔ ابھی وہ اپنے ہی بے وقت خیالوں میں قید تھی کہ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اُس کے سامنے آکھڑا ہوا ہو۔ اُس نے ایک دم خوف زدہ سی ہو کر آنکھیں کھولیں۔ واقعی وہاج اُس کے سر پر کھڑا تھا اور ایک وائٹ کلر کا لفافہ پنکھے کی طرح اُس کے سامنے ہلا رہا تھا۔ علینہ کچھ سمجھی نہیں۔ اس نے سوالیہ نظروں سے وہاج کی طرف دیکھا۔ وہاج نے اُس کی آنکھوں کے سامنے وہ سفید لفافہ پھر لہرایا۔ بالآخر اُسے پوچھنا پڑا۔

''اس میں کیا ہے......؟''

''پڑھ لو، اور مجھے بھی بتاؤ کہ اس میں کیا ہے......؟''

علینہ اُس کی اُلجھی اُلجھی بات پر مزید اُلجھ گئی۔ بہر حال لفافہ اُس نے وہاج کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ لفافہ کھولنے سے پہلے پھر اُس نے ایک دفعہ وہاج کا چہرہ دیکھا لیکن وہ کچھ سمجھ نہیں آئی۔ وہ اُلجھے اُلجھے انداز میں لفافہ کھول رہی تھی اور وہاج جیسے خونی نظروں سے پلکیں جھپکائے بغیر اُسے گھورے جا رہا تھا۔ علینہ نے لفافہ کھول کر ایک کاغذ نکالا، تہہ شدہ۔ اس کو کھولا، وہ تو میڈیکل رپورٹ تھی۔

''یہ تو میڈیکل رپورٹ ہے۔''

علینہ نے اب پہلے سے بھی زیادہ اُلجھ کر وہاج کی طرف دیکھا۔

''ہاں......! دیکھو کس کی ہے یہ میڈیکل رپورٹ......؟ اور اس پر کیا لکھا ہے......؟''

علینہ نے دیکھا، اس پر ''چوہدری وہاج خان'' کا نام لکھا ہوا ہے۔

''یہ تو تمہاری رپورٹ ہے۔ مگر تمہیں کیا ہوا ہے......؟ تم تو ٹھیک ہو۔''

''ہاں......! میں ٹھیک ہوں، حالانکہ تم تو چاہتی ہوگی کہ میں ٹھیک نہ رہوں۔ ہو سکے تو اس دُنیا ہی سے رُخصت ہو جاؤں۔ کوئی ایسا عارضہ، کوئی ایسا مرض مجھے لاحق ہو جائے۔''

''اللہ نہ کرے وجی......! آج تو تمہیں پتا نہیں کیا ہو گیا ہے......؟ بالکل پاگل ہو گئے ہو۔ پتا نہیں کیا اُلٹا سیدھا بولے چلے جا رہے ہو......؟ میں کیوں چاہوں گی......؟ مجھے کیا تکلیف ہے تم سے جو میں ایسا چاہوں گی......؟''

''تم رپورٹ پڑھو، اس کے بعد بات کرتے ہیں۔''

وہاج نے اس طرح گردن ہلاتے ہوئے اُسے کہا جیسے کہہ رہا ہو کہ ابھی سمجھتا ہوں تمہیں۔ علینہ رپورٹ پر نظریں دوڑانے لگی، مگر اُسے کچھ سمجھ نہیں آئی۔

''بھئی......! میں کوئی ڈاکٹر تو نہیں ہوں۔ یہ لیب کی لینگویج کوئی ڈاکٹر ہی سمجھ سکتا ہے۔ تم نے ڈاکٹر کو دکھائی ہے......؟ اُس نے کیا کہا ہے......؟''

''اُس نے مجھے یہ بتایا ہے محترمہ......! کہ میں بنجر ہوں۔ میرے اندر پھل پھول نہیں اُگ سکتے۔''

''ہیں......؟''

علینہ اُس کے بے ساختہ اور برجستہ پہلے جملے پر ہولناک سی ہو کر اُس کی شکل دیکھنے لگی۔

''ہیں......؟ کیا کہہ رہے ہو......؟ مجھے واقعی نہیں سمجھ آئی۔''

''بنجر کا مطلب نہیں سمجھتی......؟ وہ کھیت جس میں کچھ بھی بو دو، فصل نہیں اُگتی، کوئی ننھا سا جلد برباد ہو جانے والا پودا بھی نہیں اُگتا، ایسی زمین کو بنجر کہتے ہیں۔ سمجھ آئی یا ابھی بھی نہیں......؟''

''ہاں......! انگلش میڈیم بنایا تھا تایا جی نے برگر۔ آدھا تیتر، آدھا بٹیر۔''

''علینہ......! یہ رپورٹ لو، جا کر کسی ڈاکٹر کے پاس بیٹھو اور اپنا شک یا اپنی اُلجھن دُور کرو۔ اس لئے کہ اس میں لکھا ہے کہ میں باپ نہیں بن سکتا، میرے نصیب میں اولاد کی خوشی نہیں ہے، اور تم ہو کہ زبردستی مجھے باپ بنا رہی ہو۔ میں زبردستی باپ

کیوں بنوں......؟ وہ بھی کسی اور کے بچے کا......؟"

"نہیں وجی......! نہیں......!"

علینہ اب حواس باختہ ہوگئی۔ خوف سے اُس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ یہ واقعی اُس پر بہت بڑا الزام تھا۔ وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ بے شک وہ اور عدیل اچھے دوست رہے، مگر ایسا تو کچھ بھی نہیں تھا جو وہاج کہہ رہا تھا۔

"نہیں وہاج......! یہ رپورٹ غلط ہے۔ اس لئے کہ میں غلط نہیں ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ کوئی cheating نہیں کی۔ تمہیں کوئی دھوکہ نہیں دیا۔"

"بکواس بند کرتی ہو یا میں تمہارا منہ توڑوں......؟ یہ جو عدیل کے ساتھ آؤٹ آف کنٹری، آؤٹ آف سٹی ٹرپس ہوتے تھے، آخر کار یہ تو ہونا ہی تھا۔ اتنی بے لگام دوستی......؟ میں مرد ہوں، میری ایسی کوئی دوست نہیں ہے جو یہ جانتی ہو کہ میں شادی شدہ ہوں، اپنی بیوی سے محبت کرتا ہوں، اپنی بیوی کو ٹائم دیتا ہوں، اور وہ مجھے ٹریک کرنے کی کوشش کرے، مجھ سے وقت مانگے، مجھ سے وقت چاہے، اور میں تم سے چھپا کر اُسے وقت بھی دوں۔ وہ مجھے بار بار کال کر رہی ہو، بار بار knock کرتی ہو، اُس کا ہر وقت مجھ سے ملنے کو دل بے قرار رہتا ہو۔ بے حیا اور بے غیرت عورت......! بند کرو یہ ڈرامہ۔ بہت ناٹک کرچکی وفا دار محبت کرنے والی بیوی کا۔ تم وہ عورت ہو جس کی کوئی ویلیو نہیں ہوتی۔ اس کی ویلیو، اس کی قدر، اس کا دین ایمان، اس کا جینا مرنا سب دولت اور سب عیش عیاشی کے لئے ہوتا ہے۔ وہ کسی کے ساتھ sincere نہیں ہوسکتی، صرف اپنے نفس کی غلام ہوتی ہے، اپنی خواہشات کی غلام ہوتی ہے۔"

"وہاج......! خدا کے لئے، میری بات کا یقین کرو۔ ٹھیک ہے......! اس وقت تم غصے میں غلط سوچ رہے ہو، لیکن جو تم سوچ رہے ہو، ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے اس طرح کی کوئی غلط حرکت نہیں کی ہے۔ میں کسی کے بچے کو تمہارا نام نہیں دے رہی۔ تم اپنا دوبارہ میڈیکل چیک اپ کروالو۔"

علینہ اب بے بسی سے واقعی رو پڑی تھی، کیونکہ اتنی بڑی قیامت کا اُس نے آج تک تصور بھی نہیں کیا تھا۔ جو پہاڑ اس وقت ٹوٹا تھا، اس نے تو اُس کا سارا لاابالی پن، ساری دوشیزگی، سارا کھلنڈرا پن، ساری مدہوشیاں ایک پل میں چھین لی تھیں۔ وہاج نے ایک زور کا طمانچہ علینہ کے منہ پر رسید کیا۔ طمانچہ اتنا زوردار تھا کہ علینہ گھوم کر رہ گئی۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ وہاج نے آگے بڑھ کر اُس کے بالوں کو مٹھی میں دبوچ لیا۔ وہ اُس کی آنکھوں میں براہِ راست گھور رہا تھا۔ اُس پر جیسے دیوانگی اور وحشت کا دورہ پڑ چکا تھا۔ اُسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ اب وہ اپنے آپ کو بھلا چکا تھا۔ اپنے رشتوں اور تعلق کو بھلا چکا تھا۔ اب اُس کی آنکھوں میں بے رحم سفاکی تھی۔ ایسی سفاکی جو حد سے گزر جانے کا پیام ہوتی ہے، جہاں پر عقل لب بستہ سہمی ہوئی کھڑی ہوتی ہے۔ علینہ کے منہ سے زوردار چیخ نکلی۔ وہاج نے ایک ہاتھ اُس کے ہونٹوں پر رکھ کر اتنے زور سے دبایا کہ علینہ کے ہونٹ اُس کے دانتوں میں گڑ گئے۔ خون اُس کے حلق میں اٹکنے لگا۔ اُس نے بڑی مشکل سے پوری قوت صرف کرکے وہاج کی گرفت سے خود کو چھڑایا اور زینے کی طرف دوڑ لگائی۔ وہاج بُری طرح ہانپ رہا تھا، جیسے بہت بلند و بالا پہاڑ کی چوٹی سر کرکے ہانپ رہا ہو۔

☆......☆......☆

''سلمان......!میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں اُڑ کر تمہارے پاس آ جاؤں، مگر ابھی تم اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہو، تھک گئے ہو گے، ریسٹ کرو۔''

انعم ٹیرس پر ٹہلتے ہوئے بہت خوش نظر آ رہی تھی، بلکہ خوشی سے پاگل ہو رہی تھی، اس لئے کہ سلمان واپس پاکستان آ چکا تھا اور اُس نے انعم کو مطلع کر دیا تھا کہ وہ اپنے گھر پہنچ گیا ہے۔ انعم کا تو یہ حال تھا کہ قدم رکھتی کہیں تھی اور پڑتے کہیں تھے۔ اس پر وہ محبت بھرے ڈائیلاگ بھی بول رہا تھا۔

''پتا نہیں انعم جان......! اتنا عرصہ تمہارے بغیر کیسے کٹ گیا......؟ یقین کرو، ایک ایک لمحہ اس دفعہ میں نے امریکہ میں اس مشکل سے گزار کر آیا ہوں کہ تم اندازہ نہیں کر سکتی۔''

''اچھا......! بناؤ نہیں، بیٹھے ہوئے تھے اُس موم کی چڑیل کے پاس۔ باتیں بنا رہے ہو گے۔ اُس کو بھی خوش کر رہے ہو گے وہاں۔ اب آ گئے یہاں۔ ویسے جب تم یہاں آنے لگتے ہو تو وہ کچھ کہتی نہیں ہے......؟''

انعم بولتے بولتے ہنس پڑی اور سلمان سے پوچھا۔ سلمان نے زوردار قہقہہ لگایا۔

''وہ ایک اچھی کوالٹی کی مشین ہے۔ جذبات ہوں گے تو کچھ کہے گی ناں......! مگر جان......! تم اُس کے بارے میں مت سوچا کرو، اس لئے کہ فالتو میں اپنی انرجی waste کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنی دُور بیٹھی ہوئی باتیں بنا رہی ہو۔ آ جاؤ سامنے بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔''

سلمان نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اُس کو وہ بات کہی جو اس کے حساب سے انعم کے لئے بڑی خوش گوار بات ہو سکتی تھی، لیکن وہ بڑا مایوس ہوا۔ کیونکہ انعم کہہ رہی تھی۔

''کیسے آؤں......؟''

''کیا مطلب......؟ کیسے آؤں......؟ جیسے آتی ہو، ویسے......!''

سلمان کچھ سمجھا نہیں۔

''ارے بھئی......! مجھے تو جیسے جیل ہو گئی ہے۔ اب اتنی آسانی سے باہر نہیں نکل سکتی۔ تم سمجھ رہے ہو ناں......!''

انعم کا موڈ اب خراب ہو چکا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں غصے کے شعلے چمک رہے تھے۔

''اوہ ہاں......!''

سلمان بے ساختہ بولا۔

''میں سمجھ گیا، حماد مسئلہ کر رہا ہو گا......؟''

''صرف حماد کیا، یہاں تو سبھی مسئلے کر رہے ہیں۔ کچھ کرو سلمان......! یہ دل کے دُشمن ہمیں کبھی دل سے خوش ہونے نہیں دیں گے، اِسی طرح ہمارے خلاف باتیں کرتے رہیں گے، اِسی طرح ہماری راہوں میں آتے رہیں گے۔ جلدی سے کچھ کرو سلمان......! دیکھو، کچھ تو کرنا ہو گا۔''

انعم اب سلمان کی منت، خوشامد پر اُتر آئی۔ اُسے تو اس وقت وہی نجات دہندہ نظر آ رہا تھا اور باقی سب دُشمن۔

''ہاں......! میں سمجھ رہا ہوں، تم کتنی بڑی مشکل میں ہو۔ تمہیں میری خاطر کیا کیا کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہے......؟ لیکن

میری جان......!بس تھوڑے دنوں کی بات ہے۔انشاءاللہ کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔بس تھوڑے دن صبر کرلو، جہاں اتنے دن کیا۔حالانکہ میں تمہارے بغیر ایک پل بھی گزارنا نہیں چاہتا۔"

سلمان نے پھر اُس کو میٹھی میٹھی لوریاں دینا شروع کر دیں اور انعم واقعی اُس کی لوریوں میں یوُں مست ہوگئی جیسے نیند آنے لگی ہو۔اب اُس کے ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی۔

☆......☆......☆

ناصر نے ٹرالی پر رکھی ساری دواؤں کی شیشیاں زمین پر دے ماری تھیں۔دُور دُور تک کانچ بکھرا ہوئے تھے اور نرس بیچاری بڑی بے بسی سے ناصر کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"یہ آپ نے کیا کیا ناصر......؟یہ غلط بات ہے۔ایسا نہیں کرتے۔"

وہ بڑی نرمی اور شفقت سے ناصر کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔دوسری نرس ناصر کے قریب آئی اور اُس کا بازو پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔

"سنبھالیں خود کو، ہوش میں آئیں۔یہ کیا کردیا آپ نے......؟ساری دوائیں ٹوٹ گئیں۔پتا ہے، کتنی مہنگی دوائیں آتی ہیں۔آپ کی بہن کتنی پریشان ہورہی ہے۔کسی اور کا نہیں تو کم ازکم اپنی بہن کا احساس کریں۔"

نرس نے ناصر کو لعنت ملامت شروع کی تو پہلے والی نرس جس کا نام اُجالا تھا، اُس نے اُنگلی کے اشارے سے نرس کو مزید بولنے سے روکا اور اشارے کی زبان میں اُس کو سمجھایا کہ وہ اس کی باتیں سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔اس وقت وہ ہوش وخرد سے بے گانہ ہے۔دوسری والی نرس خاموش ہوگئی۔سسٹر اُجالا نے نرس کی طرف دیکھا۔پھر ناصر پر ایک نظر ڈالی جو بڑی تیز تیز سانسیں لے رہا تھا اور آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔

"نسرین......!آپ جائیں، سوپیر کو بھیج دیں، وہ صفائی کرے گا۔"

سسٹر اُجالا نے نرس سے کہا۔اُس کی تو جیسے جان چھوٹی۔غصے بھری نظروں سے ناصر کو گھورتی ہوئی باہر چلی گئی۔اُجالا ناصر کے قریب آئی۔

"کیا ہوجاتا ہے ناصر......!آپ کو......؟ایک دم سے اچھے ہوجاتے ہیں پھر ایک دم سے پتا نہیں کیا دورہ پڑتا ہے......؟ کیا feel کرتے ہیں آپ......؟"

ناصر نے اپنی وحشت بھری نظروں کا رُخ دیوار سے ہٹا کر اُجالا کی طرف موڑ دیا۔

"دیکھیں، آپ کو بھی اپنی will-power کو استعمال میں لانا چاہئے۔آپ اپنی قوتِ ارادی کو کام میں لائیں گے تو ان دواؤں میں بھی اثر آئے گا۔آپ جلد سے جلد ٹھیک ہونے کی کوشش تو کریں ناں......!نیت تو کریں۔کیا ہوجاتا ہے ایک دم سے آپ کو......؟سمجھ نہیں آتی۔"

اُجالا اپنے پیشہ ورانہ انداز میں بڑی شفقت اور نرمی سے کہہ رہی تھی۔ناصر اُس کو گھورے جارہا تھا۔اُجالا کا دل گھبرانے لگا کیونکہ بہرحال دیوانگی تو طاری تھی۔ایک خوف سا لاحق ہوا کہ اتنی نصیحتیں سن کر کہیں یہ ظالم پیشنٹ اُس کا گلہ ہی نہ دبا دے۔وہ لاشعوری طور پر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ناصر مسلسل اُسے گھورے جارہا تھا۔

''سسٹر......! مجھے جو بیماری ہے ناں، وہ ایڈز سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔''

''جی......؟''

اُجالا ایک دم پریشان ہوگئی۔

''خدانہ کرے، اللہ نہ کرے۔ آپ کی ٹیسٹ رپورٹ میں ایسی کوئی بات نہیں آئی۔ آپ ٹینس نہ ہوں۔''

اُجالا نے فوراً اُس کو سمجھانا شروع کردیا۔

''توبہ توبہ......! اتنی خطرناک بیماری کا نام اتنے آرام سے لے رہے ہیں۔ اللہ سے ڈریں اور اپنی صحت کے لیے دُعا کریں۔ ایسی باتیں نہیں کرتے۔''

سسٹر اُجالا تو ایک دم کانپ کے رہ گئی تھی۔

''آپ کو میری بات کا یقین نہیں آرہا، لیکن میں بالکل صحیح کہہ رہا ہوں۔ میرا مرض لاعلاج ہے۔ میرے لئے ہوش میں آنا عذاب ہے اور بے ہوشی میں میرے لئے سکون ہے، پناہ ہے۔''

ناصر بڑے کرب کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ اُجالا اُس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

☆......☆......☆

''دیکھیں، اس حال میں بھی آپ کتنے پتے کی باتیں کرتے ہیں۔ اِسی لئے میں کہتی ہوں کہ آپ ٹھیک ہیں۔ بس تھوڑی دیر کے لئے آپ کو کچھ ہوجاتا ہے، اِسی کو ٹھیک کرنا ہے۔''

وہ آگے بڑھی۔ ناصر کے دُکھ بھرے لہجے نے اس کے خوف دُور کردیئے تھے۔ پھر اپنائیت کا رشتہ اُستوار ہوگیا تھا۔ اُس نے آہستگی سے ناصر کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''اِدھر میری طرف دیکھیں......؟''

ناصر بچوں والے انداز میں خفا خفا نظروں سے اُس کی طرف دیکھتا ہے۔

''آپ تو بالکل چھوٹے بچے بن گئے۔ زندگی کے اتنے دن گزار لئے، زندگی نے آپ کو کہا نہیں کہ مجھے حوصلہ چاہیے۔ جو لوگ بھی زندہ ہیں، سب مصالحت ہی سے جی رہے ہیں۔ ہر طرف ''سب اچھا ہے'' کی خبریں نہیں ہوتیں مسٹر ناصر......! کسی کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے، کسی کے ساتھ کوئی مسئلہ۔ آپ کیا سمجھتے ہیں، جو لوگ آپ کو ہنستے ہوئے نظر آتے ہیں، مسکراتے ہوئے نظر آتے ہیں، کیا اُن کی زندگی میں کوئی دُکھ نہیں ہے......؟ کوئی تکلیف نہیں ہے......؟ کوئی مسئلہ نہیں ہے......؟''

ناصر نے آہستگی سے اپنے کندھے سے اُجالا کا ہاتھ ہٹا دیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ دونوں ہاتھ نماز کے انداز میں سینے پر باندھ لیے۔ اُجالا اُس کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔

''جس پر پڑتی ہے وہ جانتا ہے۔ پیاری پیاری سی زندگی چلتے ہوئے کسی کو کیا پتا کچھ لوگ کیسے آگ پر چلتے ہیں......؟ خود آگ پر پاؤں رکھیں تو پتا چلے۔''

اُجالا کے چہرے پر ایک بے معنی اور اُداس سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

☆......☆......☆

''کیا پتا سمجھانے والا، زندگی کا راستہ دکھانے والا خود بھی آگ کے طویل سفر سے گزر چکا ہو۔''
وہ معنی خیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔
''اور شاید اِسی وجہ سے وہ کسی دُکھ کی اذیت میں مبتلا انسان کی زندگی کو محسوس کر رہا ہو۔''
ناصر نے ایک دم چونک کر آنکھیں کھول دیں اور اُجالا کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر بڑی سادگی سے مسکرا دیا اور نظروں کا رُخ موڑ لیا۔

''اتنی چھوٹی سی ہیں ابھی آپ، کیا دیکھا ہوگا ابھی آپ نے......؟''
اُجالا اپنے ہاتھوں کو آپس میں مسلتے ہوئے بڑی اُداسی سے مسکرا رہی تھی۔
''مسٹر ناصر......! حادثے عمر دیکھ کر تھوڑا ہی آتے ہیں۔''
ناصر ایک دم پھر چونک پڑا۔
''حادثے......؟''
اُجالا کی بات اُس کے ذہن سے نکل گئی۔ لفظ ''حادثہ'' اُس کے ذہن میں بگولے کی طرح ناچنے لگا۔
''حادثے......؟ ہاں حادثے......!''
وہ بڑبڑا رہا تھا۔ اُجالا ایک دم گھبرا گئی۔ وہ اپنی بات بھول کر ناصر کی فکر میں مبتلا ہوگئی، کیونکہ ناصر مسلسل بڑبڑا رہا تھا۔
''حادثے......؟ ہاں حادثے......! ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ آپ حادثوں کی بات کر رہی ہیں، بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''
اُجالا بڑی بے بسی اور دُکھ کے ساتھ ناصر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

سورج ڈھل گیا۔ گھر میں تاریکی پھیلنے لگی تو اُسے اندازہ ہوا کہ وہ کب سے کمرے میں بند ہے، حالانکہ وہ سو نہیں رہا تھا لیکن اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے آہستہ آہستہ قوتِ حیات اُس کا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔ اُسے حرکت کرنا، اُٹھنا، بیٹھنا ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کوئی پہاڑ کھودنا۔ لیکن تاریکی پھیلتے ہی اب اُس کو کچھ کچھ ہوش آ رہا تھا۔ علینہ تب سے کمرے میں نہیں آئی تھی اور اب تو شاید وہ آ بھی نہیں سکتی تھی۔ جو کچھ وہ علینہ کو کہہ چکا تھا، اس کے بعد تو علینہ کو کمرے میں آنے کا حوصلہ ہی نہیں ہونا چاہیے تھا۔

''اس وقت کیا کر رہی ہوگی......؟''

ایک دم اُسے علینہ کا خیال آیا اور جسم میں کچھ توانائی کی رمق دوڑی۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ گھر میں پھیلا ہوا سناٹا اُسے بند کمرے میں بھی محسوس ہو رہا تھا جو اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ گھر میں کوئی نہیں ہے۔ اس لئے کہ کوئی ہوتا ہے تو وقفے وقفے سے کوئی آہٹ، کوئی ارتعاش تو پیدا ہوتا ہے۔ تنہائی تو اُسے بتا رہی تھی کہ وہ اس وقت بالکل اکیلا ہے۔ اس خیال کے ساتھ ہی اُس کے دل میں اندیشے جاگ پڑے۔ وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ آگے بڑھ کر لائٹ آن کی اور جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی بجائے گردن باہر نکال کر اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ دُور دُور تک اُسے کوئی نظر نہ آیا۔ وہ کمرے سے باہر چلا آیا۔

''صابر......!صابر......!''

اُس نے بلند آواز سے اپنے ملازم کو آواز دی لیکن جواب میں کوئی صدا نہ آئی۔اُس نے اب پہلے سے زیادہ بلند آواز میں صابر کو پکارا۔

''صابر......!کہاں ہو بھئی......؟''

اس دفعہ اُس کی آواز اتنی بلند تھی کہ گھر میں کسی کونے میں بھی کوئی شخص بیٹھا ہوتا تو صاف سن سکتا تھا،اور وہی ہوا،چند لمحے بعد صابر گرتا پڑتا اُوپر سے نیچے کی طرف آتا دکھائی دیا۔

''جی صاحب......!جی صاحب......!''

''بھئی......!کیا کر رہے ہو تم......؟لائٹ تو آن کر دو۔''

''صاحب......!بس میں آ ہی رہا تھا۔''

''ہاں......!سارے گھر میں اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔کیا گھر میں کوئی نہیں ہے......؟''

''نہیں صاحب......!علینہ بی بی تو کہہ کر گئی ہیں کہ وہ اپنی امی کی طرف جا رہی ہیں۔ہوسکتا ہے آتی ہوں۔کہہ رہی تھیں، صاحب کی طبیعت صحیح نہیں ہے،آرام کر رہے ہیں،میں اُن کے جاگنے تک آ جاؤں گی۔''

''اوہ......!یہ کہہ کر گئی ہیں......؟اچھا اچھا......!ہوں......!ٹھیک ہے......!تم جاؤ،جلدی سے میرے لئے ایک کپ چائے بنا کر لاؤ،میں کمرے میں جا رہا ہوں۔''

وہ اتنا کہہ کر واپس کمرے میں چلا آیا۔اُس کا ذہن مسلسل علینہ ہی کی طرف گھوم رہا تھا۔

''اچھا ہوا چلی گئی،مجھے تو اپنے آپ سے خوف آ رہا ہے۔کہیں میں کسی کمزور لمحے میں کچھ کر نہ بیٹھوں،جس کے بعد زندگی مزید بوجھ لگنے لگے۔جب تک میں اپنے آپ میں نہیں ہوں اور یہ شک کانٹے کی طرح میرے دل میں گڑھ چکا ہے جو مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دے رہا،جینے نہیں دے رہا،کھانے پینے نہیں دے رہا،اس کا کوئی حل نہیں نکلتا۔علینہ کو میرے سامنے آنا بھی نہیں چاہئے۔پتا نہیں کیا ہو گیا ہے مجھے......؟اُس کی شکل دیکھتے ہی میرے جسم میں شعلے سے بھڑکنے لگتے ہیں۔ایسا لگتا ہے،لمبے لمبے آسمان تک بلند شعلوں نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا ہے اور بھاگنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔اسے میرے سامنے نہیں آنا چاہئے۔کاش کوئی اُسے بتا دے کہ وہ میرے سامنے نہ آئے۔''

☆......☆......☆

عدیل اپنے بیڈ روم میں بیڈ پر دراز ٹکٹکی باندھے اپنے نکاح والے دن کی تصویر دیکھ رہا تھا۔دونوں ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے کتنا خوش نظر آ رہے تھے۔ایسا لگتا تھا اور واقعی اُس دن تو ایسا لگ رہا تھا کہ عمر بھر کے لئے خوشیاں مل گئی ہیں۔زندگی بہت سہل اور آسان ہوگئی ہے اور وہ دونوں ایسے ہی ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے زندگی کا سفر طے کرتے چلے جائیں گے۔لیکن یہ کیا ہوا......؟

''مریم کو اتنا تنگ دل اور تنگ ذہن نہیں ہونا چاہئے۔اُسے پتا ہے کہ میں ویسٹ میں رہا ہوں۔مغرب میں اس طرح کی چیزیں معمول کا حصہ ہیں۔اس طرح کی دوستیاں وہاں تو ان باتوں میں کوئی قباحت ہی نہیں سمجھی جاتی۔سونے جاگنے کی طرح

ایک معمول ہے۔ میں وہاں رہا ہوں۔ وہاں میں نے تعلیم حاصل کی ہے۔ وہیں کے لائف اسٹائل کے ساتھ زندگی گزارتا ہوا یہاں چلا آیا۔ مریم ایک پڑھی لکھی لڑکی ہے، اُسے realise کرنا چاہئے کہ میں دوستی کو دوستی ہی سمجھ رہا ہوں۔ مجھے مریم کے ساتھ کیا تکلیف ہے بھلا جو میں اُس کو تکلیف دینے کے واسطے یا میں اُس کو mentally ٹارچر دینے کے راستے تلاش کروں گا......؟ اُس نے تو حد ہی کر دی ہے۔ چلو ٹھیک ہے......! میری غلطی بھی تھی۔ تو میں مان بھی لیتا ہوں۔ ہاں......! میں نے غلطی کی ہے۔ لیکن وہ اتنی ضد کیوں کر رہی ہے......؟ عورت کو اتنی ضد نہیں کرنی چاہئے اور پھر ہمارے درمیان تو اب نئی زندگی آ رہی ہے۔"

وہ جیسے تصویر میں مسکراتی ہوئی مریم سے مخاطب تھا، مگر اس حسین تصور کو اُس کے موبائل کی مدھم سی رِنگ نے توڑ دیا۔

"شاید مریم کا فون ہے۔ اُسے بھی تو چین نہیں آ رہا ہوگا۔"

اُس نے موبائل اُٹھاتے ہوئے سوچا لیکن یہ تو کوئی unknown نمبر تھا۔ اس نمبر سے تو اُسے کبھی کال نہیں آئی تھی۔ اُس کی میموری میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ یہ نمبر اس سے پہلے اُس نے attend کیا ہو۔ وہ اُلجھن میں پڑ گیا اور بڑے محتاط انداز میں اُس نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو......!"

"ہاں عدیل......! میں علینہ بات کر رہی ہوں۔"

عدیل بُری طرح چونک پڑا۔

"تم کہاں سے فون کر رہی ہو......؟ کہاں ہو اس وقت......؟"

عدیل نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"میرے پاس موبائل نہیں ہے۔ میں اماں کے گھر سے فون کر رہی ہوں۔"

اچھا......! موبائل کہاں گیا تمہارا......؟"

"وہ گھر میں ہے۔"

"گھر میں......؟ اچھا اچھا......! ساتھ لانا بھول گئی ہو گی۔"

عدیل نے اپنے طور پر یہی سمجھ لیا۔

"عدیل......!"

علینہ نے جیسے مزید بولنے سے اُسے باز کیا۔

"پہلے میری بات سن لو، اپنی بات بعد میں کرنا۔"

"ہاں ہاں......! بولو......!"

علینہ کے غیر معمولی لہجے نے اُس کے اندر ایک اندیشہ سا پیدا کیا۔

"عدیل......! میں اس وقت تم سے Detail میں بات نہیں کر سکتی اور میں نے تمہیں اس لئے فون کیا ہے کہ وہاج نے میرا موبائل توڑ دیا ہے۔ میں اب موبائل کے بغیر ہوں۔ اس لئے تم خود سے مجھے Contact نہیں کر سکتے، اور ہاں......! مجھے

Contact کرنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ مجھے بات کرنی ہوگی تو میں خود تم سے رابطہ کروں گی۔ سن رہے ناں میری بات......؟''

علینہ بہت سنجیدگی سے بات کر رہی تھی۔ وہ سنجیدگی جو شاید پہلی دفعہ عدیل محسوس کر رہا تھا۔

''کیوں......؟ کیا ہوا......؟''

''ہاں......! بس میں تمہیں بتا رہی ہوں، موبائل سمجھو اب ہے ہی نہیں میرے پاس، اور ہوسکتا ہے، وہاج نے میری سم موبائل میں ڈال لی ہو۔ اگر تم مجھے کال کرو گے تو وہ کال میرے پاس نہیں آئے گی۔ وہاج attend کر رہا ہوگا۔''

''میں بہت پریشان ہو رہا ہوں علینہ......! خدا کے لئے، مجھے ٹھیک سے بتاؤ کہ کیا ہوا ہے......؟''

عدیل پریشان ہو کر کہہ رہا تھا۔ اس وقت وہ سب کچھ بھول چکا تھا۔ اُس کے پریشان ہونے کے لئے تو یہی کافی تھا کہ علینہ بہت فکرمند، سنجیدہ اور پریشان محسوس ہو رہی تھی۔

''عدیل......! میں اس وقت تم سے تفصیل سے بات نہیں کرسکتی۔ بڑی مشکل سے موقع نکال کر تمہیں کال کی ہے۔ عارف بھائی گھر پر ہیں۔ میں کل صبح تمہارے آفس آؤں گی۔ وہاں آ کر تم سے بات کروں گی۔ او کے......! اللہ حافظ......!''

علینہ نے یہ کہا اور فون بند کر دیا۔ عدیل کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ گرداب میں پھنسا ہوا ہو اور گول گول چکر میں گھوم رہا ہو۔ اُسے اب پوری دُنیا گول چکر میں گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ علینہ نے تو اُس کا سکون تہہ و بالا کر دیا تھا۔ اُس نے وہاج کا نام بھی لیا، موبائل ٹوٹنے کی بات بھی کی۔ یہ تو بہت بڑے خطرے والی بات کی طرف اشارہ تھا۔ اُس کا پریشان ہونا فطری تھا۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے مریم کی پریشانی کی وجہ سے تو وہ شاید تھوڑی دیر سو جاتا لیکن علینہ نے جو ابھی اُس سے باتیں کی ہیں، اس کے بعد تو وہ رات بھر سو نہیں سکے گا۔ وہ بڑے نڈھال سے انداز میں بیڈ سے اُترنے لگا۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون بیڈ پر بیٹھی شیشے کے مرتبان سے کاجو نکال نکال کر کھا رہی تھیں۔ ماتھے پر بل پڑے ہوئے تھے۔ جتنا تیز غصہ تھا، کھانے کی رفتار بھی اُتنی ہی تیز تھی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ دروازے کی طرف دیکھ لیتی تھیں جیسے اُنہیں کسی کی آمد کا انتظار ہو۔ اُسی لمحے اُن کی بہو فوزیہ یعنی وہاج کی بہن اندر داخل ہوئی۔

''اماں......! آپ نے بلایا......؟ خیریت ہے......؟''

''ہاں......! خیریت کہاں سے ہوگی......؟ میں تو بہت پریشان ہو رہی ہوں۔''

اُنہوں نے دو تین کاجو منہ میں رکھے اور تیز تیز منہ چلانا شروع کر دیا۔

''اماں......! کیوں پریشان ہو رہی ہیں آپ......؟ کیا ہوا......؟''

فوزیہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ شکیلہ نے مرتبان بیڈ سے ایک سائیڈ پر کیا اور زور سے بیڈ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولیں۔

''لگتا ہے میری معصوم بچی کو تمہارے بھائی نے کوئی دُکھ دیا ہے۔''

''میرے بھائی نے......؟ وہاج بھائی نے......؟ لیکن آپ کو کیسے پتا چلا......؟ آخر کیا ہوا ہے......؟ ابھی تو میں نے علینہ کو دیکھا ہے، ٹھیک نظر آ رہی ہے۔ مجھے تو اس میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی۔''

فوزیہ ایک دم فکر مند ہوگئی۔

''ہائے......! جب سے آئی ہے، منہ لٹکائے بیٹھی ہے۔کوئی ہنسی خوشی کی بات نہیں کی اُس نے۔ مجھے تو لگ رہا ہے اُس کا وہاج کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوا ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے اماں......! وہاج بھائی کو تو میں بھی جانتی ہوں۔ وہاج بھائی تو علینہ کو دیکھ دیکھ کر جیتے ہیں۔ ان دونوں میں آپس میں بہت پیار ہے۔ آج سے پہلے آپ نے کبھی اس طرح کی کوئی بات سنی ہے......؟''

''آئے ہائے......! سنی تو ہے۔ میاں بیوی میں جھگڑے تو ہو ہی جاتے ہیں چھوٹے موٹے۔ لیکن آج وہ جس انداز میں بیٹھی ہوئی ہے، گم صم، کھوئی کھوئی اور پریشان سی، مجھے تو لگ رہا ہے کہ ضرور کوئی بہت بڑی بات ہوئی ہے۔ کوئی اتنی بڑی بات ہوئی ہے جو میری بچی مجھے نہیں بتا رہی۔''

''اماں......! ایسی بات ہے تو میں علینہ سے بات کر کے پتا کر لیتی ہوں۔ آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں......؟ اور اللہ نہ کرے، کوئی ایسی بات ہو کہ سب پریشان ہو جائیں۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے، یہ محض آپ کا وہم ہے۔ ہو سکتا ہے، علینہ کے ساتھ کوئی اور مسئلہ، کوئی اور پریشانی ہو۔ میں پوچھتی ہوں اُس سے۔''

''نہیں......! وہاج نے میری بچی کو ضرور کچھ کہا ہے اور پھر تم دیکھو، وہ زیادہ تر وہاج کے ساتھ ہی یہاں آتی ہے۔ آج تو وہ آئی بھی اکیلی ہے۔''

شکیلہ خاتون بڑی فکر مندی سے بولیں۔ پھر مٹھی میں بند کا جو منہ میں ٹھونس لیے اور اتنے سارے ٹھونس لیے کہ اُن سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔ فوزیہ کے لئے تو یہ بہت بڑی مہلت تھی۔

''اماں......! آپ آرام سے بیٹھیں، کوئی ضرورت نہیں فکر مند ہونے کی۔ میں ابھی علینہ سے پوچھتی ہوں۔ کوئی ایسی بات نہیں۔''

فوزیہ نے اتنا کہا اور ایک طرح سے سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگ لی، کیونکہ شکیلہ خاتون ہو سکتا ہے، علینہ کے بہانے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے بیٹھ جاتیں۔

☆......☆......☆

عدیل اپنے آفس میں خاموش بیٹھا سامنے رکھے کاغذ پر بے ترتیب لکیریں کھینچ رہا تھا۔ وہ ساری رات سو نہیں پایا تھا۔ اُسے صبح کا انتظار تھا۔ علینہ نے اُسے بہت ڈسٹرب کر دیا تھا۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ایک دم سے علینہ کے ساتھ کیا ہو گیا ہے......؟ اور وہ اتنی ڈسٹرب کیوں ہو رہی ہے......؟ اگر عام دنوں میں وہ اس طرح ساری رات جاگتا تو شاید وہ آفس ہی نہ آتا، لیکن آج آفس آنا اُس کی مجبوری تھی۔ کیونکہ علینہ نے اُسے آفس میں ہی ملنے کے لئے کہا تھا۔ سوچوں کے دوران وہ ایک نظر اپنی رسٹ واچ پر بھی ڈال لیتا تھا۔ اُس کا دل کہہ رہا تھا کہ علینہ بھی اُس کے پاس آنے اور اُس سے بات کرنے کے لئے بے چین ہوگی۔

''وہ آ ہی رہی ہوگی، دیر نہیں کرے گی۔''

اور یہی ہوا۔ اُسے بمشکل پندرہ منٹ انتظار کی کوفت اُٹھانا پڑی اور پھر علینہ آ گئی، لیکن پہلے کی طرح چہکتی مہکتی نہیں، بلکہ

ملگجے سے کپڑوں میں ملبوس اور ویران ویران سی آنکھیں جو اُس کی بھی شب بیداری کا پتا دے رہی تھیں کہ وہ بھی ساری رات نہیں سوئی۔ اُس نے بڑی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ٹیبل پر بیگ رکھتے ہوئے اُسے "ہائے" کہا تھا۔ عدیل جواب دینے کی بجائے صرف اُس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ ایک نئی اور بہت بدلی ہوئی علینہ اُس کے سامنے تھی۔ اس کا یہ روپ اُس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اگر وہ اُداس ہوتی بھی تھی تو عدیل کو سامنے دیکھ کر وہ کھل اُٹھتی تھی۔

"تم نے تو مجھے رات پریشان کر دیا علینہ......! یقین کرو، میں ساری رات نہیں سو سکا ہوں علینہ......! آخر کیا مسئلہ ہوا ہے تمہارے ساتھ......؟"

"آں...... ہاں......! بس چھوڑو تم یہ سوال، جو میں کہہ رہی ہوں، وہ تم سن لو اور دیکھو کہ تمہاری جاہل، stupid بیوی نے میرے ساتھ کیا کیا ہے......؟"

"مریم نے......؟ کیوں......؟ کیا کہہ رہی ہے وہ......؟"

"میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ مریم میرے گھر آئی تھی اور اُس دن اتفاق سے وہاج بھی آ گیا تھا، وقت سے پہلے، روٹین سے ہٹ کے۔ اُس نے شاید مریم کی ساری باتیں سن لی تھیں۔ شاید نہیں، بلکہ یقیناً......! اب وہ مجھ پر شک کر رہا ہے۔ اُس کا مجھ پر سے اعتبار اُٹھ گیا ہے۔ تم اُس کا پاگل پن دیکھتے تو تمہیں بھی خوف آنے لگتا۔ یقین کرو عدیل......! اُس پر تو جیسے خون سوار ہو رہا ہے۔"

"لیکن محض شک کی بنا پر وہ ایسا ہو جائے گا......؟ تم سے کچھ پوچھے گا نہیں......؟ صرف مریم کی بات پر وہ اتنا بڑا decision لے لے گا کہ اپنی شادی شدہ زندگی برباد کرنے پر تُل جائے......؟ نہیں......! کوئی اور وجہ ہو گی۔"

"اچھا......! اب تم اپنی بیوی کی favour کرنے کے لئے جان کر انجان مت بنو، جو میں کہہ رہی ہوں، وہ ٹھیک ہے۔ میں بھگت کر آ رہی ہوں۔ کمال کی بات ہے۔"

"تو پھر تم اس سے بیٹھ کر آرام سے بات کرو......!"

"آرام سے......؟ مجھے تو اتنا خوف آ رہا تھا اُس کی شکل دیکھ کر۔ یوں لگ رہا تھا کہ اگر میں دو تین منٹ اُس کے سامنے بیٹھ جاتی تو وہ میرا گلہ ہی دبا دیتا۔"

علینہ نے برہم نظروں سے عدیل کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ بہت زیادہ ٹینس نظر آنے لگی تھی۔ جیسے اُس کے تصور میں وہاج کی وحشتیں دوبارہ سے اُجاگر ہو گئی ہوں اور وہ عدیل کے آفس کی بجائے وہاج کے سامنے بیٹھی ہوئی ہو۔

"ایک گڑبڑ ہے جو اس شک کی آگ کو ہوا دے رہی ہے۔"

علینہ نے بہت آہستہ آواز سے کہا۔

"گڑبڑ......؟ کیسی گڑبڑ......؟"

"وہاج نے کل مجھے اپنی میڈیکل رپورٹ دکھائی۔"

"میڈیکل رپورٹ......؟ اُسے کیا ہو گیا ہے......؟"

عدیل کہنے لگا۔ اُس نے بے تابی سے بات کاٹ کر جواب دیا۔

''پہلے میری بات تو سنو......!''

علینہ ایک دم غرائی۔اب اُس کا غصہ عدیل پر ہی اُتر سکتا تھا۔

''ہاں ہاں......!بولو......!کس قسم کی میڈیکل رپورٹ......؟''

''وہاج نے کچھ سال پہلے اپنا میڈیکل چیک اَپ کروایا تھا۔میرا بھی کروایا تھا،لیکن میری رپورٹس ''اوکے'' آئی تھیں۔اُسے باپ بننے کی بہت جلدی ہو رہی تھی،لیکن یہ بھی اللہ نے بڑا کرم کیا مجھ پر کہ میری رپورٹس تو بالکل صحیح آئی تھیں۔میں تو سرخرو ہوگئی تھی لیکن وہاج نے اپنی رپورٹس مجھ سے چھپائی تھیں۔''

''کیوں چھپائی تھیں......؟''

عدیل اب بھی نہیں سمجھا۔

''اس لئے کہ وہ باپ بننے کی اہلیت نہیں رکھتا۔رپورٹس تو یہی کہہ رہی ہیں۔''

''وٹ......؟اُس نے کبھی اشارے میں بھی تمہیں یہ بات بتانے کی کوشش نہیں کی......؟''

''اوہ بھئی......!وہ تو بہت خوش ہوتا تھا اس بات سے کہ مجھے بچوں کی چاہ ہی نہیں ہے اور واقعی میں تو فی الحال یہ زنجیر اپنے پاؤں میں ڈالنے کو تیار ہی نہیں تھی۔میں تو یہ سوچتی کہ شاید اللہ ہی کی طرف سے ایسا ہے۔''

''اچھا......!پھر......؟''

عدیل اُلجھے اُلجھے انداز میں اُسے دیکھ رہا تھا۔ابھی تو اُس کے سامنے کچھ بھی کلیئر نہیں ہوا تھا۔اُس کو بے تابی تھی کہ اب آگے علینہ کیا بولنے والی ہے......؟

''میں pregnant ہوں عدیل......!''

''ہیں......؟''

عدیل پہلے سے بھی زیادہ اُلجھن میں پڑ گیا۔

''تم......تم pregnant ہو......؟ابھی تو تم کہہ رہی تھی کہ وہاج باپ بننے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا......؟یار......!کیا معاملہ ہے......؟کیوں اُلجھا رہی ہو مجھے......؟سیدھے طریقے سے بتاؤ،مسئلہ کیا ہے......؟تم کیا کہنا چاہ رہی ہو......؟''

عدیل بری طرح سے اُلجھ گیا۔

''وہ مریم کی بات سننے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ میں اُس کو دھوکہ دیتی چلی آرہی ہوں اور یہ بچہ بھی اُس کا نہیں ہے۔''

علینہ نے آخری جملہ بہت ہی آہستہ آواز میں کہا تھا۔اُس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

''او مائی گاڈ......!''

عدیل تو حیرت سے پتھر ہی بن کر رہ گیا۔وہ پلکیں بھی نہیں جھپک رہا تھا۔ساری کہانی،سارا معاملہ اُسے سمجھ آگیا تھا۔ایک عجیب سے خوف اور اندیشے نے اُس کی ریڑھ کی ہڈی میں کپکپی دوڑا دی۔

''یہ کیا ہو گیا......؟اوہ میرے خدایا......!اتنی انتہاء پر بات پہنچی ہے کہ جس کا کوئی حل ہی دکھائی نہیں دے رہا۔''

علینہ......!تم اُسے کہو کہ وہ دوبارہ ٹیسٹ کرائے۔ ہوسکتا ہے اُس کی وہ رپورٹس ہی غلط ہوں۔ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتی ہوں کہ خدانخواستہ ہمارے درمیان کوئی اس طرح کی بات نہیں۔ ہم دوست ہیں، بلکہ صرف اچھے دوست ہیں۔"

"لیکن میں اُسے یہ کیسے کہہ سکتی ہوں......؟ وہ تو یہی سمجھے گا کہ میں بہانے بنا رہی ہوں، اپنی جان بچا رہی ہوں۔ میں اپنے آپ کو صاف ستھرا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"یہ تو بہت گڑبڑ ہوگئی ہے۔"

"واقعی گڑبڑ ہوگئی ہے۔"

علینہ نے عدیل کی طرف بڑی بے مہری اور غصے کے شعلوں سے دہکتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہا تھا۔

"عدیل......!میں اگر تمہاری بیوی کی وجہ سے برباد ہوئی تو یاد رکھنا، میں اُسے بھی آباد ہونے نہیں دوں گی۔ اُس کی زندگی حرام کر دوں گی۔ اُسے میری طرف سے بتا دینا کہ علینہ نے اتنا کہا ہے۔"

اور پھر وہ جھٹکے سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میری بات تو سنو علینہ......!دو منٹ بیٹھو تو سہی......!"

علینہ نے اُس کی بات سنی اَن سنی کر کے اپنا بیگ کندھے سے لٹکایا اور منہ سے بولنے کی بجائے ایک کاٹتی ہوئی نظر عدیل پر ڈالی۔

"میں اُسے چھوڑوں گی نہیں عدیل......!"

وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

☆......☆......☆

فرح گھر کی کچھ ضروری چیزیں خریدنے بازار جا رہی تھی۔ کاندھے پر بیگ لٹکائے ہوئے سلمٰی بیگم کے پاس آئی۔

"امی......!میں دو چار ضروری چیزیں لینے باہر جا رہی ہوں۔ آپ نے کچھ منگوانا تو نہیں ہے......؟"

وہ سلمٰی بیگم سے پوچھنے لگی۔

"ہاں بیٹا......!میری میڈیسن ختم ہوگئی ہیں، وہ لے آنا۔ بھئی......!اتنی مرتبہ لے کر آئی ہو، نام تو تمہیں زبانی یاد ہوں گے۔ پھر بھی اگر کہو تو تمہیں پرچی لا کر دوں......؟"

"نہیں امی......!مجھے یاد ہیں۔ آپ فکر نہ کریں، میں لے آؤں گی۔ ویسے آپ کو دوائیں ختم ہونے سے پہلے ہی منگوا لینا چاہئیں۔ اس شہر کے حالات کا تو پتا ہی ہے، اچانک سارے بازار بند ہو جاتے ہیں۔"

فیاض احمد نے اخبار پڑھتے پڑھتے عینک کے عکسوں کے پیچھے سے جھانک کر فرح کو دیکھا جو سلمٰی بیگم کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"پھر آپ کے ہائی بی پی کو ہم سب نے بھگتنا ہوتا ہے۔"

اناں فاصلے پر بیٹھی ہوئیں بڑے اہتمام سے پان لگا رہی تھیں۔ اپنی دُھن میں بول رہی تھیں۔

"دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ اب تو بچے پٹاخہ چلائیں تو لوگ سمجھتے ہیں گولی چل گئی۔"

فرح مسکرا کر انا بی کی طرف دیکھتی ہے۔
''انا بی......!اچھی بات منہ سے نکالیں، گھر سے باہر جا رہی ہوں۔''
''اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے بیٹا......!جلدی آنے کی کوشش کرنا۔''
سلمٰی بیگم نے محبت سے بہو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''دُلہن......!میرا پان ضرور لیتی آنا......''
فیاض احمد نے اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے پھر انا بی کی طرف دیکھا اور چھیڑ چھاڑ کی۔
''......ورنہ انا بی بھوکی رہ جائیں گی۔ آدھی روٹی اور بارہ پان کے پتوں کا حساب ہے روزانہ کا۔''
انا بی نے بڑی ادا سے خفگی بھری نگاہ فیاض احمد پر ڈالی۔
''میاں......!آپ تو میرے پانوں پر نظر جمائے رہتے ہیں۔''
''انا بی......!آپ اپنے پان دان کی مرچوں سے نظر اُتارتی رہا کریں۔''
فرح جاتے جاتے ایک لمحے کے لئے رُک کر ہنسی۔
''ہائے ہائے......!کیسی باتیں کر رہی ہیں میرے پان دان کی نظر اُتارنے کی......؟ پان دان میری جان کو آ گیا۔ کیا کروں......؟ عادت سے مجبور ہوں۔ اللہ بخشے، اُن کے ساتھ کھانا شروع کئے تھے خود تو چلے گئے......''
فیاض احمد نے پھر انا بی کی طرف دیکھ کر ٹکڑا لگایا۔
''......اور میں بیٹھی ہوئی پان کھائے چلی جا رہی ہوں۔''
سلمٰی بیگم نے مصنوعی خفگی سے فیاض احمد کی طرف دیکھا۔
''کیوں آپ انا بی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں......؟ ایک پان ہی تو کھاتی ہیں وہ، کسی کا خون تو نہیں پیتیں۔''
''ہاں......!جب دیکھو میرے پان کو کوستے ہیں۔ اے میاں......!ان پانوں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے......؟ اے موئے یہ پان عذاب بن کر میری جان کو چپک گئے کمبل کی طرح۔ میں تو کمبل کو چھوڑوں، کمبل مجھے نہ چھوڑے۔ یہ تو عادت ہی بڑی بُری ہے۔ اب لگ گئی ہے تو کیا کروں......؟''
وہ اپنا پان بڑے احتیاط اور پیار سے لگاتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں۔ سلمٰی بیگم ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ پھر اچانک سے کچھ خیال آیا اور انا بی کی طرف دیکھا اور سنجیدگی سے پوچھا۔
''یہ انعم ابھی تک سو رہی ہے......؟ بارہ بجنے والے ہیں۔''
''آپ نے دیکھا، اُس نے ناشتہ و اشتہ کیا......؟''
''آئے بی بی......!کیا بتاؤں میں......؟ اُس کا کوئی سونے جاگنے کا ٹائم تو نہیں۔ بہر حال آج کی تاریخ میں تو میں نے اُسے نہیں دیکھا۔ مجھے لگتا ہے نیند کی گولی کھا کر سو رہی ہے۔ آئے ہائے......!اللہ عقل دے اس بچی کو۔ دیکھو ذرا، حد ہو گئی، کسی قسم کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔ نہ بچی کا خیال نہ کسی اور کا خیال۔ صرف اور صرف اپنی ذات میں مگن ہے۔ اللہ اس لڑکی کو عقل دے۔''

''میں دیکھتی ہوں جا کر، پتا نہیں کہیں طبیعت ہی نہ خراب ہو۔ ویسے بھی آج کل اس کو بی پی کا مسئلہ رہنے لگا ہے۔ بتاؤ، کیا عمر ہے اس کی......؟ اور کیا روگ لگا کر بیٹھی ہوئی ہے......؟ خیال ہی نہیں ہے کچھ۔''

سلمٰی بیگم بڑبڑاتی ہوئی زینے کی طرف بڑھ گئیں۔

☆......☆......☆

علینہ کے آفس سے چلے جانے کے بعد عدیل کسی کام کے قابل نہیں رہا۔ لیپ ٹاپ اُس نے بند کر دیا تھا۔ فائلیں بے دلی سے ایک طرف سرکا دی تھیں۔ اب وہ پاگلوں کی طرح چھت کو گھورے جا رہا تھا۔ کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی۔ کوئی سرا بھی ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ ایک طرف مریم نے اُلجھا دیا تھا اور اب علینہ اُسے عذاب میں مبتلا کر گئی تھی۔ یہ جو علینہ کا مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے، اس میں تو مریم ہی کوئی رول ادا کر سکتی ہے۔ وہی وہاج کو کہہ سکتی ہے کہ وہ کسی غلط فہمی کی بناء پر کچھ بول گئی اور وہ بات صحیح نہیں تھی۔ لیکن یہ بات مریم کیسے کہے گی......؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لگتا ہے علینہ کا تو بیڑہ غرق ہو گیا اور جو کچھ وہ بتا کر گئی ہے، کم از کم اس کے بعد تو آگے اندھیرا ہی نظر آتا ہے۔

''وہ میڈیکل رپورٹس......؟ وہ تو ایک ایسا عذاب ہے جو ٹلتا نظر نہیں آ رہا۔ وہاج کو تو شاید اب دُنیا کی کوئی طاقت علینہ کی سچائی کا یقین نہ دلا سکے۔ یہ مریم نے کیا کیا......؟ اُس سے بات کر کے دیکھتا ہوں۔ پہلے تو اُسے یہ یقین دلاتا ہوں کہ وہ مجھ سے جو بدگمان ہوئی بیٹھی ہے، وہ بات بالکل غلط ہے۔ میں اس کے ساتھ sincere ہوں اور وہ جو جب لائن پر آ جاتی ہے، میری بات کا یقین کر لیتی ہے، تب جا کر کہیں راستہ نکلے گا کہ علینہ کے موضوع پر اُس سے بات کی جا سکے۔ پہلا مرحلہ تو یہ ہے کہ اُسے لائن پر کیسے لایا جائے......؟''

یہ سوچ کر اُس نے اپنا موبائل اُٹھایا اور مریم کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ایک کھٹکا سا تو تھا کہ شاید وہ attend نہ کرے، مریم کی اُس کے ساتھ جو جنگ چل رہی تھی۔

''ہیلو......!''

مریم کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

''جی فرمایئے......!''

وہ بڑے اجنبی لہجے میں مخاطب تھی۔ عدیل کا اعتماد پانی کی طرح بہہ گیا۔ وہ بھول ہی گیا کہ اُس نے مریم کو کیا کہنے کے لئے فون کیا تھا......؟ اور اُسے بات کس طرح شروع کرنا چاہئے تھی......؟ ایک لمحے کے لئے وہ ٹپٹایا اور بس منہ سے نکل گیا۔

''مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔''

''مجھ سے بات کرنا ہے......؟ وہ بھی ضروری......؟ میری آپ سے بات تو ہو سکتی ہے، مگر ضروری بات نہیں ہو سکتی۔''

مریم اسی طرح سرد اور سپاٹ لہجے میں بول رہی تھی۔

''خدا کے لئے مریم......! اس طرح مت کرو۔ رائی کا پہاڑ بنا رہی ہو۔''

عدیل نے اب منت کے انداز میں اُس سے بات کی۔

''مجھے پتا ہے، مجھے آپ سے اور آپ کو مجھ سے کیا بات کرنی ہے......؟ اس سے ہٹ کر مجھے نہ کچھ آپ سے سننا ہے اور نہ

ہی آپ سے مجھے کچھ کہنا ہے۔ اگر آپ مجھے اپنی پارسائی اور وفاداری کا ثبوت دلانے کے لئے فون کر رہے ہیں تو فضول میں محنت کر رہے ہیں، بے کار کوشش کر رہے ہیں۔ جو ہونا تھا، وہ ہو چکا اور اب اس chapter کو آپ close ہی سمجھیں۔"

مریم نے اسی انداز میں جواب دیا۔

"مریم......! اس طرح مت کرو۔ یہ کوئی کچی ڈور سے بندھا ہوا رشتہ نہیں جو یوں ہی ہوائی باتوں پر فضول سے وہم اور بدگمانیوں پر ایک جھٹکے میں توڑ دیا جائے۔ تمہیں میری بات سننا پڑے گی۔"

"میں زبردستی نہیں سن سکتی۔ اب میری مرضی، بات سنوں یا نہ سنوں۔ اب آپ کو میرے اُوپر کوئی اختیار نہیں ہے کہ آپ مجھے مجبور کریں کہ میں آپ کی بات سنوں۔ خدا حافظ......!"

مریم نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ عدیل نے فوراً ہی دوبارہ ڈائل کیا تھا۔ دوسری طرف سے ریکارڈنگ آ رہی تھی کہ آپ کا مطلوبہ نمبر اس وقت بند ہے، برائے مہربانی تھوڑی دیر بعد کوشش کیجئے۔ مریم نے رابطہ ہی منقطع نہیں کیا تھا، سرے سے فون ہی بند کر دیا تھا۔ اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ عدیل دوبارہ ڈائل کرے گا۔

☆......☆......☆

سلمان اور انعم کے بلند قہقہے اُن کی خوشیوں کی انتہاء کا پتا دے رہے تھے۔ انعم اس وقت سلمان کے گھر میں ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھی تھی۔ اُس کی خوشیوں کی کوئی حد نہیں تھی۔ وہ اُس گھر کو جہاں اُس کو پیار دینے والے، سچائی سے چاہنے والے، اُس کی خوشیوں پر خوش ہونے والے، اُس کے دُکھوں پر اُداس ہونے والے پیارے پیارے رشتے تھے، ہمیشہ کے لیے خیر آباد کہہ کر سلمان کے پاس آ گئی تھی۔

وہ گھر جس کو وہ جیل کہنے لگی تھی، آج اُس نے اُس جیل سے نجات حاصل کر لی تھی اور سلمان بھی بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ آخر کار یہ تو ہونا ہی تھا۔ سلمان نے کافی کا مگ اُٹھاتے ہوئے بہت محبت بھری بلکہ عاشقانہ آوارہ سی نظر انعم کے چہرے پر ڈالی۔

"ظاہری بات ہے، انسان کتنا جبر سہہ سکتا ہے۔ آخر ہماری اپنی زندگی ہے۔ ہم کب تک اسے دوسروں کے لئے استعمال کریں......؟ ہم پیدا ہوئے ہیں، ہماری بھی اپنی ایک ذات ہے، ہماری اپنی ایک سوچ ہے، ہماری زندگی ہے، ہمیں اپنی زندگی کا پورا پورا حق ہے۔ یہ کون ہوتے ہیں ہماری زندگی کا حق چھیننے والے......؟ ہمیں اپنی مرضی سے چلانے والے......؟ ہمیں ڈرا کر جینے کا سبق پڑھانے والے......؟"

انعم نے کوفت بھرے انداز میں منہ بناتے ہوئے کہا اور سلائس پر بٹر لگانے لگی۔ وہ بہت مطمئن نظر آ رہی تھی جیسے اُس کے سارے ڈر اور خوف اُتر گئے ہوں اور اب اُسے کسی بات کی پرواہ نہ ہو۔ اُس نے جو چاہا، کر دکھایا۔ اب وہ کسی بات پر شرمندہ یا ملول نہیں تھی۔ بس ایک فیصلہ ہو گیا تھا۔ اب وہ اس فیصلے کے بعد کچھ اور نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ اپنے اس لطف و نشاط کے وقت کو وہم اور اندیشوں کے سپرد نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تم بہت خوش نظر آ رہی ہو انعم......! میں تمہارا مزہ خراب کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن میری جان......! تمہارا divorce والا مسئلہ حل نہیں ہوا۔ دیکھو، جب تک divorce نہیں ہوتی، یہ سب لوگ ہمیں ڈسٹرب کرتے رہیں گے۔ اپنے دل کی بھڑاس

کسی نہ کسی طرح نکالتے رہیں گے۔ اُن کے ہاتھ میں کچھ کہنے کے لئے، کچھ کرنے کے لئے ہمیشہ رہے گا، اُس وقت تک کہ جب تک تمہیں ناصر سے proper divorce نہیں مل جاتی۔ اس طرف سوچو کہ کیا کرنا ہے......؟‘‘

سلمان اب ذرا سنجیدگی سے حقیقت کی طرف انعم کو متوجہ کر رہا تھا۔

’’ہاں......! گھر والے بھی یہ سوچ رہے تھے کہ ناصر کے پاس نہ سہی، گھر میں پڑی ہوئی ہے، پڑی رہنے دو۔ وہ جان بوجھ کر میرے اس طلاق والے مسئلے کو کھینچ رہے تھے۔ بس میں اچھی طرح جانتی ہوں، سب کو جانتی ہوں، سب کی یہی کوشش ہے کہ کچھ بھی ہو جائے میری اور ناصر کی طلاق نہ ہو۔ وہ سمجھ رہے ہیں، میں کوئی جذباتی قدم اُٹھا رہی ہوں، کچھ دنوں بعد پچھتاؤں گی۔ پھر پچھتانے کے بعد دوبارہ ناصر کے پاس لوٹ جاؤں گی۔ وہ یہ دروازہ کھلا رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ناصر میری زندگی سے، میرے ذہن سے، میرے دل سے مکمل طور پر نکل چکا ہے۔ اگر میری ذات پر، میرے حواس پر، میرے دل ودماغ پر کسی کا قبضہ ہے تو اُس کا نام سلمان ہے۔‘‘

انعم نے بڑی سنجیدگی سے بات کرتے کرتے مسکراہٹ پر بات تمام کی اور سلمان بڑی محویت سے اپنی محبوبہ کا خودسپردگی کا نشہ ملاحظہ کر رہا تھا۔ اُس کے لئے یہ بڑے اعزاز کی بات تھی کہ ایک خوب صورت، مال دار لڑکی اُس کے لئے سب کچھ چھوڑنے، سب رشتوں کو توڑنے کے لئے تیار تھی اور وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ کوئی ایسی خاص شئے ہے کہ جو لڑکیاں اس پر مری مٹی جاتی ہیں، اپنا سب کچھ گنوانے اور برباد کرنے کو تیار ہو جاتی ہیں۔

’’چلو......! یہ مسئلہ بھی حل کریں گے۔ انشاء اللہ حل ہو جائے گا۔ تم اس کی طرف سے worry نہ ہو۔ میں اپنے طور پر بہت کچھ کر سکتی ہوں۔‘‘

انعم نے بڑے اعتماد سے کہا۔

’’بالکل......! میں سمجھتا ہوں، بہت اعتماد ہے تم میں، بہت کانفیڈنٹ ہو، بہت بولڈ ہو۔ مجھے تمہاری کمپنی میں جو سکون ملتا ہے وہ ساری دُنیا میں گھوم کر بھی نہیں ملتا یار......! وہ میری former بیوی بس ایک سوشل اسٹیٹس ہے۔‘‘

’’ہاں......! مشرقی مرد مشکل ہی سے former بیوی کو نبھا پاتے ہیں۔ مشرقی عورت والی محبت اور گرم جوشی اُس سے نہیں ملتی، ایک پیاس سی اندارہ جاتی ہے۔‘‘

’’جو گرم جوشی اور محبت ایک مشرقی عورت سے ملتی ہے، مغرب میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اِسی لئے تو وہاں جاتا ہوں تو قدم قدم پر تمہارا خیال آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے سایہ بن کر تم میرے ساتھ ساتھ چلتی ہو۔‘‘

سلمان کی بے قابو کرنے والی باتیں سن کر انعم تو ویسے ہی بے حال ہو گئی۔

’’تھینک یو سلمان......! واقعی ہی ہماری گڈ لک ہے کہ ہم مل کر بچھڑ گئے تھے اور پھر مل گئے۔‘‘

وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم، انعم کے بے ترتیب بستر کے پاس کھڑی ہوئی ایک خط پڑھ رہی تھیں۔ وہ خط کیا تھا، ایک نوشتۂ تقدیر تھا جس پر صرف اور صرف لُٹ جانے اور برباد ہو جانے کی خبریں درج تھیں۔ وہ کاغذ اُن کے ہاتھ میں سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

فیاض احمد نے بھرپور طریقے سے حماد کو اپنی گرفت میں لیا۔

''تمہاری زندگی برباد ہو جائے گی بیٹا......!''

سلمٰی بیگم روتے ہوئے بولیں۔

''ابھی تو صرف یہ بدنامی ملے گی ناں کہ انعم بھاگ گئی، اس کے بعد اگر تم کچھ کرو گے تو لوگ تمہارے خاندان کو بدکردار خاندان کہیں گے، صدیوں یہ گالیاں ہمارا پیچھا کریں گی، ہماری آنے والی نسلیں تک اس عذاب کو بھگتیں گی۔ بیٹا......! جوش میں کام خراب ہوتے ہیں۔''

''امی......! ابھی تک ہم لوگ ہوش میں تھے تو کون سے کام سیدھے ہو گئے......؟ کام خراب ہو گیا ناں......؟ اسی تحمل نے، اسی ٹھہراؤ نے، اسی سنجیدگی نے، اسی صبر نے، اسی ضبط نے کام خراب کر دیا۔ چھوڑ دیں مجھے، جانے دیں یہاں سے، میں دیکھتا ہوں اُس کو۔''

حماد نے اب پوری قوت صرف کی اور جھٹکا دیا۔ سلمٰی بیگم، فیاض احمد اور فرح نے اُس کو اپنی بھرپور طاقت اکٹھی کر کے سنبھالا۔

''میں نے کیا کیا ہے حماد......؟ میرے راستے میں کیوں کانٹے بچھا رہے ہیں......؟''

فرح نے دونوں ہاتھوں سے حماد کا بازو بڑی سختی سے پکڑا ہوا تھا اور روئی روئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''ہوش کی دوا کرو حماد......! میں اُسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ دیکھو بیٹا......! کوشش کرنی چاہیئے۔ ایک دم انتہائی قدم اُٹھانا بہت بڑی حماقت ہوتی ہے۔ آرام سے بیٹھو، خود کو سنبھالو۔''

فیاض احمد، حماد کو دھکیلتے ہوئے صوفے کی طرف بڑھ رہے تھے اور حماد تھا کہ جیسے اُس کے قدموں میں کوئی کیل گڑی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس کے پاؤں فرش میں دھنسے ہوئے تھے۔

''آپ خود کو دھوکہ دے رہے ہیں بابا......!''

وہ بڑی بے بسی سے باپ کی طرف دیکھ کر بولا۔

''کبھی کبھی دینا پڑتا ہے بیٹا......! ضروری ہوتا ہے......''

''مجھے خود پر کنٹرول نہیں ہے۔''

اُس نے فیاض احمد کی بات پھر کاٹ دی اور مزاحمت کرنے لگا۔

''بابا جان......! کیا ہم اِسی دن کے لئے محنت کر رہے تھے......؟ سب کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے اور آپ مجھے ہی کہہ رہے ہیں کہ کنٹرول کروں......؟ کیسے کنٹرول کروں......؟ آپ خود ہی بتائیے مجھے۔''

وہ پھر مزاحمت کرتے ہوئے ذرا بلند آواز سے بولا۔

''بیٹا......! تمہیں اس لئے سمجھا رہے ہیں کہ تم بے قصور ہو۔ تمہاری زندگی سزا کیوں بنے......؟''

''ہاں بیٹا......! دیکھو یہ اُصولِ فطرت ہے۔ غلط کام کا غلط نتیجہ۔''

سلمٰی بیگم اور فیاض احمد دونوں حماد کو سنبھالتے ہوئے بولے۔ حماد ان دونوں کی گرفت میں پھڑ پھڑایا۔

''لوگ تو ہم سے سوال کریں گے امی......! بتائیے، کیا جواب دیں گے......؟ وہ جواب جو ہونٹوں تک آتے آتے ہماری زبان پر انگارے رکھ دے گا، ہمیں بولنے نہیں دے گا، وہ جواب جو ہم کبھی نہیں دے سکیں گے۔''

اُس نے پوری قوت سے پھر خود کو چھڑایا۔ سلمٰی بیگم کو زور سے جھٹکا لگا، مگر وہ اپنے آپ کو سنبھالتے سنبھالتے پھر حماد کو پکڑنے لگیں۔ عین اُسی وقت مریم اندر آئی تھی اور سامنے کا منظر دیکھ کر ششدر سی اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔

''السلام علیکم......!''

اُس نے حیران اور خوف زدہ ششدر نظروں سے اُن چاروں کے چہرے پڑھنے کی کوشش کی۔ فیاض احمد نے مریم کو دیکھ کر ذرا سکون کا سانس لیا کہ چلو ایک اور آ گیا جو حماد کو سنبھالنے میں اُن کا ساتھ دے گا۔

''وعلیکم السلام بیٹا......!''

وہ گہری گہری سانسیں لے رہے تھے، جیسے میلوں تک کا سفر پیدل کر کے آئے ہوں۔ مریم روبوٹ کی طرح آگے بڑھی۔ اُس نے حماد کی وحشت دیکھ کر بہت کچھ جان لیا تھا۔ اُسے کسی سے سوال کر کے جواب جاننے کی جلدی نہیں تھی۔ آگے بڑھ کر اُس نے حماد کا بازو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

''بھائی......! خود کو سنبھالیں۔ اس طرح سے بات بنے گی نہیں مزید بگڑ جائے گی۔''

حماد نے مریم کی طرف دیکھا۔

''میں بننے اور بگڑنے کے مرحلے سے بہت آگے جا چکا ہوں مریم......! میری عقل، میری سمجھ میرا ساتھ چھوڑ چکی ہے۔ اب تو بس میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں کچھ کر ڈالوں۔''

حماد نے پھولی پھولی سانسوں کے درمیان مریم کو جواب دیا۔ مریم نے مضبوطی سے حماد کا بازو تھام لیا۔ سلمٰی بیگم نڈھال سے انداز میں اب صوفے پر گر پڑیں۔ بیٹی آ گئی تھی، ایک مضبوط اور باہمت بیٹی جس سے اُن کو بڑی ڈھارس ملتی تھی۔ اُن کی آنکھوں سے اب ایک تواتر سے آنسو بہنے لگے۔

''مریم......! کیا ہو گیا بیٹا......؟ انعم کو ہم نے پیار، محبت، آسائش سب کچھ دیا، ہم نے اُس کی شادی زبردستی تو نہیں کی تھی، پھر اُس نے ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا......؟''

مریم نے ماں کے آنسو دیکھے تو جیسے تڑپ کر رہ گئی اور پھر حماد کی طرف دیکھا۔

''بھائی......! اپنے آپ پر نہیں تو ہم سب پر رحم کریں۔ اگر انعم نے ہم پر رحم نہیں کیا تو کم از کم آپ تو رحم کر دیں۔ آپ تو پتا نہیں وہ کچھ کرنے جا رہے ہیں جس کے نتائج انعم کی غیر ذمہ داری سے اُٹھائے ہوئے قدم سے کہیں زیادہ ہیں۔ خدا کے لئے بھائی......!''

''حماد......! پلیز......!''

فرح نے حماد کا بازو زور سے جھنجوڑا۔

''بابا......! بس آپ کسی طرح ان کو روکیے۔ ان کے پاس پسٹل ہے۔ حماد بھائی......! میری بات غور سے سنیں۔''

مریم نے حماد کی ٹھوڑی کو چھوا اور پھر جیسے اسے مجبور کر رہی ہو کہ وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھے۔

''بھائی......! آپ کی غیرت مندی پر صرف تھوڑی دیر کے لئے تالیاں بجائی جائیں گی۔ مگر یہ تالیاں صرف آپ کے سامنے بجیں گی۔ پیٹھ پیچھے تو بس گالیاں ہی ہوں گی۔''

''مریم......!''

حماد اب شکستہ اور نڈھال لہجے میں بولا۔

''یہ روز روز کا تماشہ اب ختم ہو جانا چاہئے۔ مجھے کچھ کرنے دو۔ میرے اندر سے آواز آ رہی ہے کہ مجھے کچھ کرنا چاہئے۔''

وہ بڑی بے بسی کی کیفیت میں کہہ رہا تھا۔

''غلط آواز آ رہی ہے۔ ہوش و حواس آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ اس وقت کوئی عقل کی بات آپ کے ذہن میں نہیں آئے گی۔ اگر آپ کچھ اچھا نہیں سوچ سکتے، کچھ بہتر نہیں سوچ سکتے تو کم از کم ہماری بات تو مان لیں۔ دیکھیں حماد بھائی......! صدیوں کی سوچ کا فیصلہ تو ایک لمحے میں کرنا ہوتا ہے اور یہ ایک لمحہ عذاب بھی بن سکتا ہے اور ثواب بھی۔ آپ نے تو کچھ سوچا ہی نہیں۔ ایک گلاس ٹھنڈا پانی پئیں اور بیٹھ کر کچھ سوچ تو لیں۔''

مریم کے انداز میں اب منت سی تھی۔

''مجھے نہیں چاہئے مریم......! یہ شرم ناک زندگی۔''

حماد نے اُسی بپھرے ہوئے انداز میں کہا۔

''مگر ہم سب کو چاہئے، ہم سے تو پوچھ لیں کہ ہم سب جینا چاہتے ہیں یا حرام موت مرنا چاہتے ہیں......؟ ہم سے بھی تو پوچھ لیں کہ ہم بھی آپ کے کچھ لگتے ہیں۔''

مریم نے پھر حماد کا بازو زور سے جھنجوڑا۔ اب حماد کی آنکھوں میں گہرا کرب اُترنے لگا۔ بہت ہی ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولتا ہے۔

''مریم......! ہر طرف آگ لگ گئی ہے اور میں بیٹھا سوچتا رہوں......؟''

''سوچتے ہی نہ رہیں مگر تھوڑا سا تو سوچیں۔''

مریم نے خوشامد کے انداز میں اس کا گال چھو کر کہا۔

''بھائی......! ہم حوصلے کے ساتھ یوں ہی جلتی حقیقتوں کے ساتھ جینا چاہتے ہیں۔ حماد بھائی......! آپ اور انعم ہمیں جینے دیں، اِدھر آئیں بیٹھیں۔''

مریم، حماد کو زبردستی دھکیلتی ہوئی صوفے کے پاس بڑھی اور دباؤ ڈال کر زبردستی اسے بٹھا دیا۔

''اب آپ یہاں سے نہیں اُٹھیں گے، آپ کو میری قسم......! میں بھی تو آپ کی بہن ہوں۔ میں نے آپ کو کیا دُکھ دیا ہے جو آپ میرے دُکھوں کے سودے کرنے جا رہے ہیں......؟ میرا خیال نہیں ہے آپ کو......؟ آپ کی ایک چھوٹی سی بیٹی بھی ہے، اُس کا بھی سوچیں۔ اُسے تو اپنے باپ کی ضرورت ہے۔ اُسے کیوں سسکتی ہوئی زندگی دینے والے منصوبے بنا رہے ہیں......؟''

مریم بالکل حماد کے پاس بیٹھ کر اُس کے کندھے سے سر ٹکا کر کہہ رہی تھی اور فرح روتی ہوئیں سلمٰی بیگم کو سنبھال رہی تھی۔

''پلیز امی......! چپ کریں مت روئیں۔''

☆......☆......☆

فوزیہ، وہاج کے پاس آئی تھی لیکن وہاج کی حالت دیکھ کر وہ تو جیسے بات کرنی ہی بھول گئی تھی۔ ایک ٹک وہاج کی شکل تکے جا رہی تھی۔ جب اُس نے محسوس کیا کہ وہاج بھی لب کھولنے پر آمادہ نہیں تو آہستگی سے بولی۔

''بھائی......! بولتے کیوں نہیں......؟ کچھ تو بولیں۔ کیا ہوا ہے......؟ ابھی تک تو آپ بہت ہنسی خوشی جی رہے تھے، ایک دم سے کیا ہو گیا......؟ آپ کو دیکھ کر تو میرا دل گھبرا رہا ہے۔ کچھ بولیے نہ بھائی......! پلیز، کچھ بولیے......!''

فوزیہ جیسے گڑگڑانے لگی۔

''نہیں بول سکتا۔ زبان کٹ گئی ہے میری۔''

وہاج نے اب بمشکل اپنے لب کھولے۔ اُس کے لہجے میں کاٹ دینے والا کرب چھپا ہوا تھا۔

''ہائے......! عارف کو بھی ابھی تک کچھ پتا نہیں۔ میں نے اماں سے کہہ دیا تھا جب تک میں وہاج سے بات نہ کر لوں پلیز، آپ عارف سے کوئی بات نہ کریں۔ بتائیے، آخر ہوا کیا ہے......؟''

''تم عارف کو بتا دو فوزیہ......! کہ میں نے علینہ کو چھوڑ دیا ہے۔''

وہاج نے ایسے جواب دیا جیسے کسی روبوٹ سے آواز آ رہی ہو۔ فوزیہ نے ایک دم اپنے سینے پر ہاتھ مارا۔

''ہائے......! اللہ نہ کرے، خدا نہ کرے۔ کیسی باتیں کر رہے ہو بھائی......؟''

وہاج نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ فوزیہ کی شکل دیکھی اور دھیرے سے ہنس دیا۔

''کیوں بدُعا دے رہی ہو مجھے......؟ پتا نہیں کیسی اُلٹی سیدھی بات کر رہے ہیں آپ......؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ چلیں، میں آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتی ہوں۔ آپ کو ڈاکٹر کو دکھاتی ہوں۔ پتا نہیں آپ کو کیا ہو گیا ہے......؟ نہ وہ کچھ بتاتی ہے اور نہ آپ کچھ بتا رہے ہیں، اور دل ہلا دینے والی باتیں کئے جا رہے ہیں۔ چلیں اُٹھیں۔''

''میں ٹھیک ہوں فوزیہ......!''

اُس نے فوزیہ کا بڑھا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھ سے ہٹا دیا۔

''فوزیہ......! اگر وہ لوگ تمہیں ہمیشہ کے لئے میرے پاس بھیج دیتے ہیں تو......تو تم آ جانا''

''ہیں......؟''

فوزیہ، وہاج کی بات سن کر ایسے اُچھلی جیسے صوفے میں اسپرنگ لگا ہوا ہو۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں وہاج بھائی......؟ میرا بسا بسایا گھر ہے، شوہر ہے، بچہ ہے۔''

فوزیہ ایک دم حواس باختہ ہو گئی تھی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔''

وہاج نے اب سرد نظروں سے فوزیہ کی طرف دیکھا۔

''لیکن تمہارا گھر بسانے کی جو قیمت مجھ سے مانگی جائے گی، وہ میں نہیں دے سکوں گا فوزیہ......!''

اُس نے نظریں جھکا کر آہستہ سے کہا۔

''کیسی باتیں کئے جا رہے ہیں بھائی......؟ کچھ بتا نہیں رہے ہیں۔ بس، میرے سر پر تو جیسے آسمان ٹوٹنے والا ہے۔ کچھ میرا ہی خیال کریں، میری پریشانی کو محسوس کریں۔ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے......؟ مجھے کیوں استعمال کیا جا رہا ہے......؟ اُدھر سے تائی اماں کہتی ہے، جاؤ اپنے بھائی سے بات کرو، اِدھر آتی ہوں تو آپ کہتے ہیں، گھر چھوڑ دوں......؟ ایسے کیسے چھوڑ دوں......؟ کچھ تو ہوش سے بات کریں۔ وہاج بھائی......! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''فوزیہ......! تم چلی جاؤ۔ اگر وہ لوگ تمہیں میرے گھر میں بھیج دیں تو آ جانا۔ اس گھر کے دروازے تمہارے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ یہ تمہارے بھائی کا گھر ہے بلکہ بڑا بھائی جو باپ کے برابر ہوتا ہے۔ بس، اب مجھ سے کوئی سوال جواب نہ کرو۔ خدا کے لئے مجھے اکیلا چھوڑ دو۔''

وہاج نے یہ کہا اور تیزی سے اُٹھ کر لاؤنج سے چلا گیا۔ فوزیہ ہکا بکا اُسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

''برکتے......! وہ کب سے اپنے بھائی کے گھر گئی ہوئی ہے۔ جا کر ہی بیٹھ گئی ہے۔ آنے کا نام نہیں لے رہی اور میں انگاروں پر لیٹ رہی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا میری بچی کے ساتھ اُن لوگوں نے کیا کیا ہے......؟ علینہ تو منہ سے کچھ پھوٹ ہی نہیں رہی۔ میں نے تو ہاتھ پیر توڑ لئے مگر مجال ہے کہ وہ منہ سے کچھ بولے۔''

شکیلہ خاتون سیب کی قاشیں پلیٹ میں رکھے ہوئے گھور رہی تھیں جیسے ایک ساتھ سب اُٹھا کر کھا جائیں گی اور یہ ظاہر کر رہی تھیں کہ اس وقت اُن کی ٹینشن سے بُری حالت ہے اور برکتے کو تو وہ کئی دفعہ بتا چکی تھیں کہ جب وہ ٹینشن میں ہوتی ہیں تو اُن کا دل چاہتا ہے کہ وہ بہت کھائیں اور وہ کھاتی رہتی ہیں، ان کو پتا ہی نہیں چلتا۔ اسی لئے برکتے اُن کے سامنے فروٹ کاٹ کاٹ کر رکھے جا رہی تھی۔

''ارے چوہدرانی......! آپ کو دیکھ دیکھ کر تو میری بُری حالت ہو رہی ہے۔ میں تو اپنی ٹانگ کا درد بھول گئی جو موذی میری جان نہیں چھوڑتا ہے۔ ایک پل مجھے آرام نہیں دیتا ہے۔''

''تو اپنی ٹانگ کو چولہے میں ڈال۔ ہمیں اپنی پریشانی پڑی ہوئی ہے اور یہ تیری ٹانگ بیچ میں آ جاتی ہے۔ یہ تو کبھی ٹھیک نہیں ہوگی۔ ہاں......! میرے سامنے اپنی ٹانگ کا رونا نہ رویا کر۔ اس کا تو یہی حال ہے، کوئی بھی بات کرو، اس کی ٹانگ بیچ میں آ جائے گی۔ نہ اس کی ٹانگ کا درد ختم ہوا ہے، نہ ہوگا۔''

شکیلہ خاتون نے اسے زبردست جھاڑ پلا دی۔ برکتے تھر تھر کانپنے لگی۔ وہ ہاتھ جوڑ کر منت کے انداز میں بولی۔

''بس معاف کر دو چوہدرانی......! منہ سے نکل جاتا ہے۔ میں تو اب اس کی بات ہی نہیں کرنا چاہتی۔ سمجھ لیا، یہ تو عمر بھر کا روگ ہے۔ ہاں......! میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ پتا لگانے کی کوشش کریں۔ علینہ بی بی کو مجبور کریں وہی کچھ بتائیں۔ اب دیکھیں، دیواریں تو کچھ نہیں بتائیں گی۔ وہی بتائیں گی تو کچھ پتا چلے گا۔ ایسے کیسے پتا چلے گا......؟''

ماسی برکتے نے خوشامدانہ انداز میں شکیلہ خاتون کی ٹانگ دبانا شروع کر دی۔

''آئے ہائے......! دیکھ تو لے کیا ٹائم ہو گیا، ابھی تک نہیں آئی۔ وہاں پر بیٹھ ہی گئی۔ دونوں بہن بھائیوں کا کوئی چکر

ہے۔ مجھے تو وہم آ رہے ہیں۔ دیکھو تو سہی، چھوٹا سا بچہ گھر چھوڑ کر گئی ہے۔ گھر بار کا فکر نہیں ہے۔ بیٹھ گئی بھائی کے پاس۔ اللہ جانے دونوں بہن بھائی کیا سازشیں کر رہے ہیں ہمارے خلاف......؟ میرا تو بلڈ پریشر ہائی ہو رہا ہے۔ کہیں میرے دماغ کی رَگ نہ پھٹ جائے۔"

"خدا نہ کرے......!"

ماسی برکتے نے چاپلوسی کے انداز میں کہا۔

"خدا نہ کرے آپ کو کچھ ہو۔ ارے......! مریں آپ کے دُشمن۔"

"ارے......! دُشمن کہاں مریں گے......؟ وہ تو پیدا ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ ہمیں مار کر مریں۔ آئے ہائے......! میں کیا کروں......؟ ابھی تک نہیں آئی ہے وہ۔ دونوں بھائی بہن کیا پلاننگ کر رہے ہیں......؟ مجھے تو طرح طرح کے ہول آ رہے ہیں۔ جا میرے لئے بادام والا دودھ لے کر آ۔ تھوڑا سا دودھ پیوں گی تو دماغ کو سکون ملے۔"

ماسی برکتے نے یہ سنتے ہی پاؤں بیڈ سے نیچے لٹکائے۔

"ابھی لائی، بس چوہدرانی......! آپ فکر نہ کریں، میں ابھی لائی۔ میں تو ہر وقت تیار رکھتی ہوں۔ مجھے پتا ہے آپ کی طبیعت تو ایک منٹ میں بگڑ جاتی ہے۔ ساری تیاریاں رکھتی ہوں میں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ ابھی دودھ لے کر آتی ہوں میں۔"

"آئے ہائے......! سوچ سوچ کر توبہ توبہ کتنی کمزوری ہو رہی ہے۔"

شکیلہ خاتون نے سیب کی قاش منہ میں ڈالتے ہوئے بڑا مظلوم سا منہ بنایا جیسے سارے زمانے کے دُکھ اور تکلیفیں انہیں کے حصے میں آئی ہوں۔

☆......☆......☆

عدیل بیڈ پر لیٹا ہوا تھا اور اپنی تمام ہمت اکٹھی کر کے مریم کو فون کرنے کا سوچ رہا تھا۔ ایک اور کوشش کہ چلو دن گزر گیا، رات آ گئی، شاید اُس کا غصہ کچھ دھیما پڑا ہو۔ وہ اُس کی خیریت پوچھے۔ اگر امکان کچھ اچھا نظر آئے تو وہ اُسے کہہ دے کہ وہ اُسے لینے آ رہا ہے۔ ابھی یہیں تک سوچ پایا تھا کہ اُس کے موبائل پر رِنگ ہوئی۔ مریم کی طرف سے تو اُسے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں تھی کہ وہ اُسے خود سے فون کرے، لیکن پھر بھی آس تھی، پھر بھی اُس نے نظر موبائل پر چمکتے ہوئے نمبر پر دوڑائی تھی۔ لیکن اب اُسے ایک جھٹکا سا لگا، کیونکہ اُسی نمبر سے کال آ رہی تھی جس سے علینہ نے اُسے پہلے بھی فون کیا تھا اور وہاج کے بارے میں بتایا تھا، یعنی علینہ کے ماں کے گھر سے فون آ رہا تھا۔ اُس نے اُلجھے اُلجھے انداز میں فون attend کیا۔

"ہیلو علینہ......! کیسی ہو......؟"

اپنی پریشانی اور اُلجھن چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے اُس نے تھوڑی سی خوش اخلاقی ظاہر کرنا مناسب سمجھا۔

"تم سناؤ......! کیا سو رہے تھے......؟"

علینہ نے اُس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اُلٹا اُس سے سوال کیا۔

"کوشش کر رہا تھا۔"

''مریم سوگئی ہے کیا......؟''

علینہ نے کھوج کی کہ وہ گھر میں ہے یا نہیں......؟ عدیل کسی مجبوری میں بات کررہا تھا۔ بڑا جبر کررہا تھا خود پر۔ اس لئے کہ وہ اتنے حصوں میں بٹا ہوا تھا کہ اس وقت اُسے علینہ کی کمپنی سنبھال نہیں سکتی تھی۔

''وہ گھر میں نہیں ہے۔''

عدیل نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''ابھی تک آفس سے نہیں آئی......؟ یہ کون سا آفس ہے جو ابھی تک کھلا ہوا ہے......؟''

علینہ نے تلخی سے پوچھا۔

''وہ اپنی امی کے گھر ہے۔''

عدیل نے پھر تلخی سے جواب دیا۔

''کیا ہمیشہ کے لئے چلی گئی......؟''

علینہ نے پوچھا اور ہلکا سا طنزیہ قہقہہ لگایا۔ عدیل نے پھر خود پر جبر کیا۔

''مجھے نہیں پتا......!''

بس وہ اتنا کہہ پایا۔

''تو پھر کس کو پتا ہوگا......؟''

علینہ وکیل کی طرح بحث کررہی تھی۔

''اُسی کو پتا ہوگا۔''

عدیل نے پھر بھڑکانے والے انداز میں جواب دیا۔

''پتا نہیں تم کس طرح بات کررہے ہو۔ خیر......! میں نے تمہیں یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ مجھے ہنڈرڈ پرسنٹ اُمید ہے کہ وہاج مجھے چھوڑ دے گا۔ جو رویہ اور لہجہ میں نے اُس کا دیکھا ہے، وہ میرے لئے بالکل نیا ہے۔ مجھے اب اُس گھر میں جاتے ہوئے خوف محسوس ہورہا ہے۔ یوں محسوس ہورہا ہے جیسے ہی میں گھر میں جاؤں گی، وہ پکڑ کر میرا گلا دبادے گا۔''

''توبہ توبہ......! کیا بے وقوفوں والی باتیں کررہی ہو......؟ اتنا آسان تھوڑا ہی ہے کسی انسان کی جان لینا۔ پاگل ہوگئی ہو۔ اُس کی بہن بھی ہے تمہارے گھر میں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بہن کی خاطر کوئی ایسا قدم اُٹھائے گا۔''

''اگر وہ ایسا قدم نہ بھی اُٹھائے، پھر بھی میں اُس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ وہ گھر ٹارچر سیل بن جائے گا۔ دن رات کے طعنے اور عذاب وہاں پر میرا مقدر بن جائے گا۔ میں اب وہاں کبھی نہیں جاؤں گی۔''

علینہ نے اُس کو اپنا پروگرام صاف صاف بتادیا۔

''جلد بازی نہ کرو علینہ......! ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔ یہ رشتے ٹھیک ہے، بہت نازک ہوتے ہیں لیکن اتنے بھی نہیں کہ بغیر سوچے سمجھے ایک ہی جھٹکے میں توڑ دیئے جائیں۔ اچھا......! اس وقت میرا ذہن بالکل کام نہیں کررہا اور طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے، ہم پھر بات کریں گے۔ خدا حافظ......!''

عدیل نے بات کی لیکن اس انداز میں جیسے وہ قرض اُتار رہا ہو یا سر پر آئی کسی مصیبت کو ٹال رہا ہے۔ اس نے فون بند کر دیا تھا اور علینہ بیٹھی سوچ رہی تھی کہ عدیل کو کیا ہو گیا ہے......؟ آج اُس نے کس طرح بات کی ہے......؟

''کیا عدیل بھی......؟''

وہ یہاں تک سوچ کر گھبرا سی گئی۔ اُسے عدیل پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ اُس کا بہترین دوست ہے۔ وہ اُسے بیچ راہ میں نہیں چھوڑ سکتا۔

''مریم نے شاید اُسے اتنا ڈسٹرب کیا ہوا ہے، اِس لئے وہ اِس طرح بات کر رہا ہے۔''

اب وہ اپنے آپ کو بہلانے اور سمجھانے لگی۔

☆......☆......☆

''وہاج بھائی کچھ نہیں بتا رہے تائی اماں......!''

فوزیہ، شکیلہ خاتون کے سامنے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''آپ علینہ سے بات کر کے دیکھیں، آپ اُس کی ماں ہیں، ماں سے کوئی پردہ نہیں ہوتا، آپ اُسے سمجھائیں۔ تھوڑا سا دباؤ ڈالیں۔ وہ آپ کو حقیقت بتا دے گی۔ کسی اور کو بتائے نہ بتائے، مگر آپ سے زیادہ دیر کچھ چھپا نہیں سکے گی۔''

''ارے......! میری بچی تو صدمے سے گونگی ہو گئی ہے۔ پتا نہیں تیرے بھائی نے اُس پر کیا ظلم ڈھایا ہے کہ میری ہنستی کھیلتی بچی ایک دم چپ ہو کر رہ گئی......؟''

شکیلہ خاتون ایک دم فوزیہ پر برسنے لگیں۔ اُنہوں نے فوزیہ کی بات کاٹ دی تھی۔

''آپ سوچ رہی ہیں کہ علینہ کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہے اور وہاج بھائی سے ملنے کے بعد میں سوچ رہی ہوں کہ میرے بھائی پر کوئی قیامت ٹوٹی ہے۔''

فوزیہ نے ہمت کر کے دل کی بات کہہ ہی دی۔

''ارے واہ......!''

شکیلہ خاتون تڑپ کر بیڈ سے نیچے اُتر آئیں اور لڑاکا عورتوں کے انداز میں کمر پر ایک ہاتھ رکھ لیا، دوسرا نچانے، لہرانے لگیں۔

''میری معصوم بچی پر الزام لگا رہی ہے......؟''

وہ فوزیہ کو یوں گھور رہی تھیں گویا ابھی آگے بڑھ کر اُس کا ٹینٹوا دبا دیں گی۔

''میں جو دیکھ کر آئی ہوں تائی اماں......! وہی بتا رہی ہوں۔''

فوزیہ نے پھر دبے دبے لہجے میں بات کی۔ اُس کی آنکھوں میں ایک گہرے دُکھ و کرب کی کیفیت نمایاں تھی کہ تصور میں بھائی کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''ارے......! تو میں عارف سے بات کروں گی۔''

شکیلہ خاتون نے اپنے بیٹے کا نام لے کر گویا فوزیہ کو بلاواسطہ دھمکی دی۔

''وہی پوچھے گا اچھی طرح وہاج سے۔ بلکہ خبر لے گا اُس کی۔ بدلے میں بہن دی ہوئی ہے، اتنا ہوش نہیں ہے اُس بے وقوف کو۔''

شکیلہ خاتون اب دوبارہ بستر پر دراز ہوگئی تھیں۔ غصے اور نفرت کی وجہ سے فوزیہ کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھیں۔

''ہاں......! یہ ٹھیک ہے......! آپ عارف سے بات کرلیں۔ اچھی بات ہے۔ میرا خیال ہے، وہی اس مسئلے کو سلجھا سکیں گے اور کسی کے بس کی بات نہیں۔''

فوزیہ یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھی اور وہاں سے باہر جانے لگی۔

''کوئی حل نکلے نہ نکلے ایک حل تو سامنے ہی رکھا ہے۔ اگر اُس نے میری بیٹی کے ساتھ زیادتی کی ہے، اُسے ماں کے گھر بیٹھنے پر مجبور کیا ہے تو اُس کی بہن کو بھی یہاں سے جانا ہوگا۔ وٹہ سٹہ ہوا ہے۔ دو طرف طلاقیں ہوتی ہیں۔ سمجھا دینا اپنے بھائی کو۔ شاید وہ بھول گیا ہے۔''

فوزیہ کے تو پاؤں تلے زمین سرک گئی۔ اتنی بڑی بات شکیلہ خاتون نے کتنے آرام سے کہہ دی تھی۔ فوزیہ کے قدم من من بھر کے ہوگئے۔ وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی آگے بڑھی تھی۔

☆......☆......☆

عارف اپنے کمرے میں بہت غصّے میں ٹہل رہا تھا۔ فوزیہ بے خبری کی کیفیت میں اندر داخل ہوئی تھی لیکن عارف کو ٹہلتا پا کر اپنی جگہ ٹھٹک کر رُک گئی تھی۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے عارف کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ اُس کے اندر کی آواز کہہ رہی تھی کہ ابھی اُسے عارف سے بات نہیں کرنی چاہئے۔ مگر عارف کی نظر اُس پر پڑ چکی تھی۔ اُس نے جیسے پھنکارتے ہوئے فوزیہ کو مخاطب کیا۔

''کیا مسئلہ ہے اُسے......؟ اُسے تکلیف کیا ہے......؟ کیوں تنگ کر رہا ہے علینہ کو......؟''

فوزیہ نے ایک دم گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا جیسے کوئی جان بچانے کے لئے راستہ ڈھونڈتا ہے۔ پھر خود پر قابو پا کر گہری سانس لے کر بولی۔

''اماں نے بات کی ہوگی آپ سے۔''

اُس کا لہجہ سوالیہ تھا۔ عارف ایک دم غصّے سے بھڑک اُٹھا۔

''مجھ سے بات نہیں کریں گی تو کیا دیواروں سے بات کریں گی......؟''

اب اُس کی آواز مزید بلند ہوگئی تھی اور غصّے کی کیفیت شدید تھی۔

''میں پوچھ رہا ہوں، اُسے تکلیف کیا ہے......؟ گارمنٹ فیکٹری لگانے میں اُس کی مدد کی تھی، اُس نے ایکسپورٹ کا بزنس شروع کیا تو مڈل ایسٹ میں اُس کو سیٹ اَپ بنا کر دیا۔ اب اور کیا چاہئے اُس کو......؟''

فوزیہ گہری نظروں بلکہ تولتی ہوئی نظروں سے عارف کو دیکھتی ہے اور سوچتی ہے کہ اُسے اس وقت کس لہجے میں بات کرنی چاہئے کہ اُس کا غصہ بھی دھیما پڑ جائے اور اُسے فوزیہ کی بات بھی سمجھ آ جائے۔

''بے شک آپ نے یہ کیا، مگر مجھے بھی میرے ماں باپ نے خالی ہاتھ نہیں بھیجا تھا......''

وہ تمہید باندھنے کے انداز میں کہنے لگی لیکن عارف نے ایک دم کھڑک کر اُس کی بات کاٹ دی۔

"میرے سامنے بکواس کرنے کی ضرورت نہیں......! میرے پاس میرا اپنا بہت کچھ ہے۔ جو ساتھ لائی ہو، وہ تمہارے بچوں کے کام آئے گا۔ خبردار......! مجھ پر اگر احسان جتانے کی کوشش کی۔ پوچھو اُس سے، وہ کیوں تنگ کر رہا ہے علینہ کو......وہ کیا چاہتا ہے......؟ یا پھر تمہیں بھی بٹھا دوں تمہارے باپ کے گھر......؟"

فوزیہ کے چہرے پر اُداس سی مسکراہٹ اُبھری تھی۔

"اب باپ کہاں......؟"

عارف تلخ لہجے میں برجستہ کہتا ہے۔

"باپ کا گھر تو ہے۔"

فوزیہ اسی سکون اور دھیمے پن سے بات کر رہی تھی۔

"اس سے اگر علینہ کا بھلا ہو جاتا ہے تو چلی جاتی ہوں، مگر پہلے پتا تو کریں، یہ جو آگ لگی ہے، اس کا ذمہ دار کون ہے......؟"

☆......☆......☆

عارف نے اُس کی طرف دیکھا اور آگ برساتی ہوئی نظروں سے اُسے سر سے پاؤں تک جیسے تولا، پھر کہا۔

"سیدھی سی بات ہے، تمہارا بھائی......"

فوزیہ ہچکچاتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

"سیدھی سی بات نہیں ہے، آپ وہاج کی بات سنے بغیر اُسے ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتے۔"

وہ یہ کہہ کر عارف کی طرف دیکھتی ہے۔ فوزیہ نے بہت واضح اور پُرسکون انداز میں بات کی۔

"میں اُن سے ملی ہوں۔ اُن کے چہرے پر ایک بے بسی کی کیفیت دیکھی ہے۔ مجھے اُنہوں نے کچھ نہیں بتایا، مگر مجھے یقین ہے، وہ آپ سے نہیں چھپا سکیں گے۔"

عارف نے پھر دانت پیس کر غصّے سے فوزیہ کی طرف دیکھا تھا۔

"تو بھئی......! چھپا ہوا کیا ہے......؟"

فوزیہ اسی طرح اُداسی سے مسکراتی ہوئی بولی۔

"مجھے کچھ بتا دیتے تو چھپا ہوا کیوں رہتا......؟ میں اماں کو اور آپ کو بتا دیتی۔"

عارف نے فوزیہ کی بات سنی تو جیسے اُس پر فوزیہ کی بات کا اثر سا ہوا۔ تھوڑا سا لہجے میں فرق آیا۔ اب گھن گرج کی بجائے اُس کے چہرے پر وقار اور گہری سوچ کا عکس تھا لیکن لہجہ فیصلہ کن تھا۔

"ٹھیک ہے......! میں بات کرتا ہوں۔ اگر غلطی اُس کی ہوئی تو ٹھیک بھی کر دوں گا۔"

☆......☆......☆

علینہ لاؤنج میں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ صوفے پر نیم دراز تھی۔ فون سیٹ اُس کے قریب رکھا ہوا تھا۔ وہ آس

پاس کے 'حول سے بالکل بے خبر تھی۔فوزیہ دبے پاؤں آئی تھی، اس لئے علینہ کو احساس ہی نہ ہو سکا۔فوزیہ نے کھنکار کر گلا صاف کیا تو علینہ چونک پڑی۔فوزیہ پر نظر پڑتے ہی علینہ پر ناگواری کا تاثر چھا گیا۔وہ ایک دم اُٹھ بیٹھی۔فوزیہ اُس کے قریب آئی تو علینہ سر اُٹھا کر اُس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''علینہ ......! مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنا ہے۔''

علینہ ایک دم اُٹھ کھڑی ہوئی اور سپاٹ لہجے میں بولی۔

''کہئے......! میں سن رہی ہوں۔''

فوزیہ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی بٹھانے کی کوشش کی۔

''اس طرح نہیں، آرام سے بیٹھ کر میری بات سنو......! اُصولاً تو مجھے بہت پہلے ہی تم سے بات کر لینا چاہئے تھی۔مگر اماں کہنے لگیں، تم کچھ بتا ہی نہیں رہی تو میں نے سوچا، تم اماں کو نہیں بتا رہی تو مجھے کیا بتاؤ گی......؟ پھر اُنہوں نے مجھ پر زور دیا کہ میں تم سے پوچھوں۔''

''کیا پوچھنے آئی ہیں آپ......؟''

علینہ نے ایک دم اُس کی بات کاٹ دی۔اُس کے لہجے میں غصے کی آمیزش تھی۔

''آپ وہاج سے پوچھ لیں ناں......! وہ تو آپ کا بھائی ہے۔سب کچھ بتا دے گا آپ کو۔ہو سکتا ہے جو میں آپ کو بتاؤں، اس پر آپ کو یقین ہی نہ آئے۔''

فوزیہ نے چونک کر ایک دم علینہ کی شکل دیکھی مگر کچھ بول نہ سکی۔صرف ''اُوں'' کر کے رہ گئی۔

''جائیں، جا کر اپنے بھائی سے بات کریں اور سن لیں کہ وہ کیا کہتا ہے......؟ الزامات کی ایک پوری فہرست ہے اُس کے پاس۔پڑھ کر سنا دے گا آپ کو۔''

علینہ نے بہت تندہی سے بھرے ہوئے لہجے میں فوزیہ کو مخاطب کیا۔

''میں نے تو اُن سے پوچھا تھا۔''

فوزیہ نے پُرسکون اور دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

''مگر اُنہوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا اور تم کہہ رہی ہو کہ اُن کے پاس تمہارے خلاف الزامات کی فہرست ہے......؟ مجھے تو واقعی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''آ جائے گی سمجھ، سمجھتی رہئے، عمر پڑی ہے۔فی الحال تو آپ اُسے کہیں کہ مجھے چھوڑ دے۔میں زبردستی تو اُس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔''

فوزیہ نے ایک دم خوف زدہ سی ہو کر اُس کی طرف دیکھا۔

''کیوں چھوڑ دے......؟ ایسے ہی چھوڑ دے......؟ کوئی مذاق ہے بھلا......؟ پتا تو چلے آخر بات کیا ہے......؟ اگر وہ الزام بھی لگا رہے ہیں تو اُس کی کوئی بنیاد ہو گی۔وہ تو تم پر بہت اعتماد کرتے تھے۔یہ اچانک شکوک و شبہات کہاں سے آ گئے......؟ مجھے تو حیرت ہے، چند دن پہلے تک تو تم لوگ بہت خوش تھے۔''

فوزیہ حیران، پریشان علینہ کی شکل دیکھ رہی تھی۔ علینہ نے اُس کی بات سن کر بڑا بُرا سامنہ بنایا۔

''میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی۔ آپ نے جو پتا کرنا ہے، وہاج سے کر لیں......''

''نہیں......!''

فوزیہ نے ایک دم اُس کی بات کاٹ دی۔

''نہیں......! مجھے تم ہی بتاؤ۔ کیونکہ میں تمہاری بات سن کر ہی اُن سے کچھ بات کر سکوں گی۔ اگر وہ غلط ہیں تو تمہاری favour کر سکوں گی۔''

''مجھے نہیں چاہئے کسی کا favour''

علینہ نے تندہی سے کہا۔

''میرا ایک بہت پرانا دوست ہے، شادی شدہ ہے، وہ اپنی بیوی سے محبت کرتا ہے۔ بس ہماری دوستی ہے اور دوستی کے علاوہ ہمارے درمیان کچھ نہیں ہے۔ وہاج کو پتا نہیں کیا دورہ سا پڑا ہے......؟ اچھا بھلا تھا، ایک دم سے پتا نہیں اُسے کیا ہوا ہے......؟ شک کرنے لگا ہے مجھ پر۔''

فوزیہ کی اُوپر کی سانس اُوپر اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی۔

''اوہ میرے خدایا......! یہ بات ہے۔ تو پھر تم اسے ایشو کیوں بنا رہی ہو......؟ وہ تمہارا دوست ہی تو ہے۔ اگر تمہارے شوہر کو پسند نہیں ہے تو چھوڑ دو۔ تمہارے پلے سے کیا جاتا ہے......؟ تمہیں اپنا گھر، اپنی خوشیاں عزیز ہونی چاہئیں۔ دوستیوں کا کیا ہے......؟ یہ تو بنتی اور ٹوٹتی رہتی ہیں اور پھر مرد سے دوستی، یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ ایک شادی شدہ عورت کو اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے ایک مرد سے دوستی کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے......؟''

فوزیہ اسی طرح حیران پریشان ہو کر بول رہی تھی۔ علینہ نے آگ برساتی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''کیوں چھوڑ دوں......؟ کیا مرد اور عورت کی دوستی کوئی انوکھی بات ہے......؟''

فوزیہ نے گہری سانس لی اور ذرا سا ہچکچاتے ہوئے بولی۔

''سچی بات ہے، مجھے مرد اور عورت کی دوستی کی آج تک سمجھ نہیں آئی۔ وہ بھی شادی شدہ عورت کی۔''

''ہوں......!''

علینہ نے مذاق اُڑانے والے انداز سے فوزیہ کی طرف دیکھا۔

''آپ نے گاؤں کے اسکول سے میٹرک کیا۔ قصبے کے کالج سے انٹر کیا۔ پرائیویٹ بی اے کیا۔ آپ کو کیا پتا کہ ماڈرن سوسائٹی میں رہنے کے کیا تقاضے ہوتے ہیں......؟ خود کو ماڈرن سوسائٹی کا حصہ بنانے کے لئے کیا کیا جتن کرنا ہوتے ہیں، ورنہ لوگ ہمیں دقیانوسی کہہ کر نظرانداز کر دیں۔''

علینہ نے فوزیہ کی طرف پشت کرتے ہوئے اب ذرا آہستہ سے کہا۔ فوزیہ کے چہرے پر ناگواری کا تاثر اُبھرتا ہے۔

''سوسائٹی......؟ سوسائٹی کیا گھر سے زیادہ اہم ہوتی ہے......؟ ایک شادی شدہ عورت کو اپنا گھر سب سے زیادہ اہم ہونا چاہئے۔ بہرحال عورت کا آخری ٹھکانہ اُس کا اپنا گھر ہی ہے، اُس کی پناہ گاہ ہے، اُس کی چھت ہے۔ مجھے سمجھ ہی نہیں آ رہی کہ

یہ ماڈرن سوسائٹی کیا ہے......؟ارے بھئی......!اپنے گھر سے زیادہ کوئی چیز اہم ہوسکتی ہے بھلا......؟اور عورت کے لئے تو گھر ہی اُس کی کل کائنات ہوتا ہے۔گھر کے بغیر عورت کچھ نہیں ہے۔تم خود کو یہ سمجھانے کی کوشش کرو۔‘‘

’’آپ ایک دیہات میں پلی ہوئی اور دقیانوسی ماحول کی عادی ہیں۔آپ کو میری بات سمجھ نہیں آئے گی اور شاید آپ کے پینڈو بھائی کو بھی نہیں آئے گی۔اتنی گری ہوئی بات اُس نے میرے بارے میں سوچی ہے۔مجھے تو اُس کی شکل سے بھی گھن آرہی ہے۔‘‘

علینہ کے چہرے پر نفرت کا گہرا تاثر واضح تھا۔فوزیہ ہکا بکا اُس کی شکل دیکھ رہی تھی۔اب تو جیسے لاجواب سی کھڑی تھی۔

☆......☆......☆

رات گہری ہوچکی تھی مگر مریم کی آنکھوں میں دُور دُور تک نیند کا نشان نہیں تھا۔اس گہرے سناٹے اور تنہائی میں اُسے اپنے نانا کی یاد نے ستایا اور بے اختیار اُس نے فون پر رابطہ کیا۔اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اُس نے خود کو بہلانے کی کوشش کی۔وہ اُن سے خیریت پوچھ رہی تھی۔دوسری طرف بشر علی اُن سے کہہ رہے تھے۔

’’بیٹا......!اب تو واقعی تم لوگوں کو دیکھنے کو دل تڑپ رہا ہے۔کسی رات اچانک خود بخود آنکھ کھل جاتی ہے جیسے کسی نے جھنجوڑ کر جگا دیا ہو۔نیند آنکھوں سے غائب ہوجاتی ہے،ذہن سوچ میں اُلجھ جاتا ہے کہ آخر خود بخود میری آنکھ کیوں کھل گئی......؟ میں تو بڑی گہری نیند سویا ہوا تھا۔لیکن میری بیٹی سلمٰی پریشان تو نہیں۔تمہاری اور انعم کی طرف سے تو مجھے بے فکری ہے۔‘‘

بشر علی دھیرے سے ہنسے۔

’’ماشاءاللہ......!انعم تو اب سیٹ ہوگئی ہے اور تمہاری ماں عدیل کی بہت تعریف کرتی ہے۔سچ پوچھو تو عدیل کو دیکھنے اور ملنے کو بہت دل چاہتا ہے۔‘‘

بشر علی کہہ رہے تھے۔مریم کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے تھے۔بات کرنا محال ہوگیا۔مریم کی خاموشی سے پریشان ہوکر بشر علی نے دو تین دفعہ ’’ہیلو،ہیلو‘‘ کہا تھا۔مریم نے خود کو سنبھالا۔

’’جی نانا جان......!میں سن رہی ہوں۔آپ بول رہے ہوتے ہیں ناں تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔دل چاہتا ہے آپ بولتے رہیں اور میں سنتی رہوں۔‘‘

اُس نے سسکیاں دبا کر اپنے لہجے کو مقدور بھر خوش گوار بنانے کی کوشش کی۔بشر علی اُس کی بات سن کر ہنس پڑے۔

’’جیتی رہو،دُعا کرو اللہ مجھے اتنی مہلت ضرور دے کہ دُنیا چھوڑنے سے پہلے ایک بار تم لوگوں سے ملاقات ہوجائے۔‘‘

مریم کو جیسے کھل کر رونے کا بہانہ مل گیا تھا۔وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔بشر علی بُری طرح گھبرا گئے۔

’’ارے......!تم تو جیسے رونے کے لئے تیار بیٹھی تھی۔ارے پگلی......!ایسا کیا کہہ دیا میں نے جو تم رو پڑی......؟‘‘

مریم روتے ہوئے اور آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

’’آپ مجھ سے ایسی باتیں نہ کیا کریں۔اللہ کرے میری عمر بھی آپ کو لگ جائے۔‘‘

اب بشر علی پیار سے ڈانٹنے لگے۔

’’بے وقوف......!اللہ تمہیں خوشیوں بھری لمبی عمر عطا فرمائے۔آمین......!‘‘

پھر بڑی سنجیدگی سے پوچھنے لگے۔
''سچ سچ بتاؤ بیٹا......! سب خیریت تو ہے ناں......؟''
مریم نے جلدی سے خود کو سنبھالا۔ آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔
''جی نانا جان......! سب خیریت ہے۔ بس مجھے مضبوط دل والے اپنے نانا جانی چاہئیں۔''
بشرعلی اُس کی بات سن کر بڑے سکون سے مسکرائے تھے اور جیسے اُس کی بچگانہ سی بات پر ہنس پڑے تھے۔
''اب دِل میں مضبوطی کہاں......؟ ڈاکٹروں نے تو بیچارے اس دل کا تیا پانچا کر کے رکھ دیا ہے۔''
وہ اپنی بات کے اختتام پر پھر ہنس پڑے تھے۔ مریم مسکرائی۔
''پھر تو آپ کو اچانک خوش خبری سناتے ہوئے بھی سوچنا پڑے گا۔''
بشرعلی ایک دم بے تاب ہو کر بولے تھے۔
''جلدی سناؤ خوش خبری۔ ابھی اچھی اچھی خبریں سننے کی طاقت ہے اس دل میں۔''
مریم کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
''ابھی تو کوئی اچھی خبر نہیں ہے نانا جان......! میرا مطلب ہے، بُری بھی نہیں ہے۔ سمجھیں کوئی خبر ہی نہیں ہے۔''
بشرعلی اُس کی بات سن کر مزاحیہ انداز میں بولے۔
''کیا بوریت ہے بیٹا......! کوئی خبر ہی نہیں ہے۔ خیر......! میں کوشش میں لگا ہوا ہوں۔ بہت جلد پہنچوں گا آپ لوگوں کے پاس۔ تمہارے ماموں کے کوئی دوست پاکستان جانے والے ہیں، اُن کے ساتھ ہی آؤں گا۔ اکیلے سفر نہیں کر سکتا ناں بیٹا......!''
وہ جیسے مریم کو سمجھانے لگے۔ مریم اُن کے آنے کا سن کر ایک دم اُلجھن میں پڑ گئی تھی اور بے خبری کی کیفیت میں اُس کے منہ سے نکلا تھا۔
''جی......جی......جی ہاں......! ٹھیک ہے......! باقی سب ٹھیک ہے، نانا جان......! میں پھر آپ سے بات کروں گی۔''
اُس نے ''اللہ حافظ'' کہہ کر آہستگی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

☆......☆......☆

عارف پتھر کا بُت بنا ہوا وہاج کی شکل دیکھ رہا تھا۔ دُکھ اور صدمے سے اُس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ سامنے ٹیبل پر لفافے اور پیپرز پڑے ہوئے تھے۔ وہاج کا سر جھکا ہوا تھا۔ عارف کی آنکھوں میں سوچ کا عکس واضح تھا۔ وہ خود کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بمشکل اُس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور نظریں چُراتے ہوئے بولا۔
''تم نے کیوں دی تھی اُسے اتنی آزادی......؟''
وہاج کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ اُبھری اور وہ تلخ لہجے میں بولا۔
''کمال کرتے ہو عارف......! وہ شادی سے پہلے ہی آزاد تھی۔ اپنی مرضی سے جیتی تھی۔ میں کیسے اُس پر پابندیاں لگاتا......؟''

عارفؔ نے جیسے بڑے کرب سے آنکھیں موندھ لی تھیں۔

''ابا کو بڑا شوق تھا شہر میں ماڈرن زندگی گزارنے کا۔ بڑے بڑے رئیسوں سے دوستی یاری تھی۔ اُن کی چھوٹ تھی۔ اب خود تو بستر کے ہو کر رہ گئے ہیں اور سارے عذاب میرے سر پر۔''

وہاج، عارف کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اُس کا ذہن کہیں دُور پہنچا ہوا تھا۔ وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوا تھا۔

''میں تو اُسے بہت معصوم سمجھتا تھا وہاج......! اتنا بڑا دھوکہ میرے ساتھ......''

عارف ایک دم ہاتھ اُٹھا کر بے اختیار کہتا ہے۔

''بس......! اس مسئلے کے حل کی طرف آؤ۔''

وہاج ایک دم اُس کی بات کاٹ کر بولا۔

''اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔ شادی ختم، مسئلہ ختم۔''

عارف نے گہرے صدمے کی کیفیت میں ایک ٹک وہاج کی طرف دیکھا تھا، جیسے بات کرنا بھول گیا ہو۔ پھر بڑے دُکھ بھرے لہجے میں بولا۔

''اس ادلے بدلے کی شادی سے پہلے ہمارے درمیان ایک مضبوط رشتہ ہے، خون کا رشتہ۔ ہم دو سگے بھائیوں کی اولادیں ہیں۔''

وہاج نے عارف کی طرف دیکھا اور کہا۔

''تم مرد ہو کر مجھے اس سے کمپرومائز کرنے کے لئے کہہ رہے ہو......؟''

عارف ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں جیسے انگارے دہکنے لگے تھے اور وہ پھٹ پڑا تھا۔

''کنیز بنا کر رکھو اُسے گھر میں، ڈنگر سمجھ کر باندھ کر رکھو، مرد بن کر جیو، دوسری شادی کرلو۔''

پھر بڑی بے بسی کی کیفیت میں بولا۔

''یار وہاج......! لاج تو اب تمہیں رکھنا ہے۔''

وہاج اُس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا، جیسے اپنے غصّے کو اور اپنے دُکھ کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر بڑے دبے دبے لہجے میں بولا۔

''علینہ کی کرادیں دوسری شادی آپ لوگ۔ مجھے اب شادی وادی کا کوئی ارمان نہیں ہے۔ میں تو اب آخری وقت تک خوف زدہ اور سہا ہوا مرد ہوں۔''

یہ کہہ کر اُس نے اذیت سے اپنے ہونٹ کاٹ ڈالے۔ پھر مزید گویا ہوا۔

''یہ حادثہ میری خوشیوں کی قبر بن کر آیا ہے عارف......!''

عارف نے آگے بڑھ کر اُسے کندھوں سے تھام لیا تھا۔ وہ بڑی بے بسی سے بولا تھا۔

''بات کو سمجھو یار......! اُس کی دوسری شادی ہم نہیں کرا سکتے۔ پتا نہیں کون ہے......؟ کہاں ہے......؟ اس میں میری

تمہاری سب کی ذِلت ہے۔"

وہاج نے عارف کے کندھے سے اپنا سر جھکا دیا۔

"عارف.......! پلیز.......!"

عارف نے اُس کے گال کو تھپتھپایا۔

"وہاج یار.......! علینہ کو عمر بھر کے لئے اپنے گھر میں بٹھالوں گا تو تمہاری بہن پر خوشیاں حرام ہو جائیں گی۔ زندگی بھر وہ گھر میت کا گھر لگے گا۔ بات کو سمجھو یار.......! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں تمہارا بھائی بھی ہوں اور دوست بھی ہوں۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کی عزت کو سنبھالنے کی کوشش کریں گے تو بات بنے گی۔ میں کس طرح تمہارے سامنے کھڑا ہو کر بات کر رہا ہوں۔ کاش.......! تم میری ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا سکتے۔ کھڑے کھڑے مر گیا ہوں میں اندر سے۔"

عارف نے یہ کہہ کر وہاج کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

☆.......☆.......☆

سلمٰی بیگم اور فرح صوفے پر بیٹھی تھیں۔ سلمٰی بیگم کے چہرے پر اسی طرح اُداسی اور پریشانی تھی۔ فرح بھی بڑی چپ چپ نظر آ رہی تھی۔ البتہ انا بی اِدھر اُدھر کچھ ڈھونڈتی پھر رہی تھیں۔ جب خاصی دیر تک فرح نے اُنہیں کچھ ڈھونڈتے پایا تو پوچھ ہی لیا۔

"کیا ڈھونڈ رہی ہیں انا بی.......؟"

"ارے دُلہن.......! سروتا کہیں رکھ کر بھول گئی ہوں۔ سویرے تو یہیں بیٹھ کر چھالیہ کاٹی تھی۔ اللہ جانے کدھر چلا گیا.......؟ میں تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو گئی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا، آخر گیا کہاں.......؟"

وہ پھر اِدھر اُدھر تاکنے لگیں۔ فرح کے چہرے پر اُداس سی مسکراہٹ اُبھرتی ہے۔ وہ کھوئی کھوئی سی کیفیت میں بولی۔

"پان کھانے والا واقعی دُنیا کے غموں سے بچا رہتا ہے۔ کبھی اُس کا سروتا گم ہو جاتا ہے، کبھی پان ختم ہو جاتے ہیں، کبھی کتھا چونا۔ اُس کا تو پان دان ہی اُس کی دُنیا ہے۔ دُنیا میں کیا ہو رہا ہے.......؟"

وہ اتنا ہی بولی تھی کہ انا بی نے اُس کی بات کاٹ دی تھی۔

"ارے دُلہن.......! کلیجہ چیر کر دکھاؤں کیا.......؟"

وہ سلمٰی بیگم کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"مجھے میری بیٹی کے غم نے جیتے جی مار ڈالا۔ اب تو شیخ صاحب کے آنے کی خبریں بھی آ رہی ہیں۔ ارے.......! میرے تو ہاتھ پیر پھولے جاتے ہیں۔ شیخ صاحب تو ویسے ہی دل کے مریض ہیں۔ یہاں تو ہر طرف اک آگ سی لگی ہوئی ہے۔"

سلمٰی بیگم نے انا بی کی طرف دیکھا اور ٹھنڈی سانس لی۔

"میں تو پاپا کے آنے کے دن گن رہی تھی اور اب سوچتی ہوں، انہیں آنے سے کیسے روکوں.......؟ وہ یہ سب کچھ کیسے سن پائیں گے.......؟"

فرح نے سلمٰی بیگم کی طرف دیکھا اور بڑے سمجھانے والے انداز میں بولی۔

''نانا جان کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے امی......! اُن کا تو اب ایک بچے کی طرح خیال رکھنا ہوگا۔''
سلمٰی بیگم کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔
''حقیقت کب تک چھپے گی فرح......؟''
''بیٹا......! تیسرے دن تو مردار بھی حلال ہے۔ کسی کی جان بچانے کے لئے سو جھوٹ بھی جائز ہیں۔''
انابی نے فوراً ٹکڑا لگایا۔
''شیخ صاحب دل کے مریض ہیں۔ سب بھول جاؤ بس یہ بات یاد رکھو۔ ارے......! پھر بڑھاپے میں اُن بیچاروں کے لئے یہ کچھ بھی رکھا ہوا تھا دیکھنے کے لئے۔''
سلمٰی بیگم کی آنکھوں سے اب ایک تواتر سے آنسو گرنے لگے۔
''کیا میں اپنے باپ کے گلے سے لگ کر رو بھی نہیں سکتی......؟''
اُن کے لہجے میں دل چیر دینے والا کرب پوشیدہ تھا۔ فرح نے سلمٰی بیگم کے کاندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔
''امی......! ناصر اسلام آباد میں ہے۔ انعم یہ گھر چھوڑ چکی ہے۔ نانا جان کو اُس وقت تک کچھ معلوم نہیں ہوسکتا جب تک ہم نہ بتائیں۔''
''ہاں......! کوشش تو یہی ہوگی۔''
سلمٰی بیگم خود کلامی کے انداز میں بول کر اپنے آنسو پونچھنے لگیں۔ انابی، ناصر کے نام پر ایک دم چونک پڑیں۔
''ارے بیٹا......! ناصر کی طبیعت کا تو پتا کرو۔ اگر طبیعت کچھ سنبھلی ہے تو پہلی فرصت میں ہی اُس سے ''فارخطی'' ہی لکھواؤ۔ اپنی عزت کا واسطہ دو۔''
سلمٰی بیگم نے اُن کی طرف دیکھا اور سوچتے ہوئے بولیں۔
''صدمے سے تو اس حال کو پہنچا ہے۔ ہمت نہیں پڑتی کہ پھر اُسے کسی صدمے سے دوچار کروں۔ فیاض سے کہوں گی کہ اُسے جا کر اپنے حساب سے سمجھائیں۔''
فرح نے گہرا سانس لی اور غور سے دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
''ہمت تو کرنا ہوگی۔''
سلمٰی بیگم نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔
''ہاں......! بیٹی کو تو جو کرنا تھا کر چکی۔ اب یہ رہی سہی عزت تو بچانا ہی ہے۔ شکر ہے، مریم اپنے گھر میں خوش ہے۔ کم از کم اُس کی طرف سے تو سکون ہے۔ اللہ جوڑی سلامت رکھے، ہمیشہ ہنستا بستا رکھے۔''
انابی جلدی سے دُعائیں مانگنے لگیں، جیسے ماحول سے اُداسی کا تاثر ختم کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھیں۔
سلمٰی بیگم نے آنکھیں بند کئے بڑی دل سوزی سے ''آمین'' کہا۔

☆......☆......☆

''کوئی فیصلہ کرو مریم......! کیوں فل ٹائم mentally ٹارچر دے رہی ہو مجھے......؟''

عدیل اس وقت مریم کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا، اس لئے کہ مریم اُسے بات کرنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی، اور اب بہت کچھ اُس کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔ وہ اپنے آفس سے اُٹھ کر مریم کے آفس چلا آیا تھا۔ مریم نے اُس کی طرف ایک نظر ڈالنا بھی گوارہ نہ کیا۔ وہ اسی طرح اپنے کام میں مصروف رہی اور فائلیں اُلٹ پلٹ کرنہ جانے کیا ڈھونڈنے لگی......؟ البتہ اُس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ اُبھر آئی تھی۔

''آپ کو mentally ٹارچر کا مطلب ہی نہیں معلوم مسٹر عدیل......! بہرحال آپ خود کو آزاد سمجھیں۔ آپ ایسا کریں، علینہ سے شادی کرلیں۔''

اُس نے ایک فائل نکال کر کھولتے ہوئے یوں دیکھا جیسے عدیل کی کسی بھی بات سے زیادہ ضروری فائل ہے۔ عدیل نے آنکھیں پھاڑ کر مریم کو دیکھا جیسے اُسے اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آیا۔ چند لمحے وہ اسی طرح مریم کو گھورتا رہا، پھر ایک دم پھٹ پڑا۔

''ایسے ہی کرلوں......؟ میرا اُس کے ساتھ اس طرح کا کوئی اِنٹرسٹ نہیں ہے۔ ہم صرف اچھے دوست ہیں۔''

مریم نے صرف ایک لمحے کے لئے نظر اُٹھا کر اُس کی طرف بڑے طنزیہ انداز میں دیکھا تھا۔

''بیوی کا حق مار کر دوستوں کا حق ادا کیا جاتا ہے......؟ واہ......!''

اُس نے اتنا کہا اور پھر اپنی فائل کے صفحات اُلٹ پلٹ کرنے لگی تھی۔ عدیل بڑی بے بسی کی کیفیت میں اُس کی طرف دیکھنے لگا تھا جیسے اُسے سمجھ نہ آرہی ہو۔ وہ مریم کو کس طرح قائل کرے......؟ کس طرح سمجھائے کہ وہ غلط سوچ رہی ہے......؟ وہ اُس کی بات کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اُس نے گہری سانس لی پھر بڑے دوستانہ انداز میں بولا۔

''مریم......! تمہیں غلط فہمی ہوگئی ہے۔ اچھا، میں سب دوستوں کو چھوڑ دوں گا۔ میل، فی میل سب کو۔ سوائے تمہارے کسی سے تعلق نہیں رکھوں گا۔''

مریم کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ اُبھر آئی، مگر اُس نے نظریں نہیں اُٹھائیں بلکہ فائل سے پیپر نکالنے لگی اور اِسی طرح مصروف انداز میں بولی۔

''میرے کان میں اب کسی کی کوئی آواز نہیں آتی۔ صرف ایک بازگشت ہی ہر وقت گونجتی رہتی ہے کہ میرے ساتھ بہت بڑا دھوکہ ہوا ہے۔''

''نہیں ہوا بابا......! میں نے بہت سوچ سمجھ کر تم سے شادی کی ہے۔ خدا کے لئے، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔''

مریم نے اب غصّے سے عدیل کی طرف گھورا اور فائل بند کرکے زور سے ٹیبل پر پٹخی۔

''مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ تم نے مجھ سے شادی کیوں کی......؟''

عدیل نے اب بڑی لگاوٹ اور پیار سے مریم کا چہرہ دیکھا۔

''اس لئے کہ مجھے کسی اچھی لڑکی کے ساتھ شادی کرنا تھی۔''

مریم طنزیہ انداز میں ہنس پڑی۔

''اچھی نہیں، بے وقوف، stupid لڑکی سے۔ آپ کو کوئی stupid لڑکی چاہئے تھی۔ ایک ایسی بے وقوف اور احمق لڑکی جو آپ کو آپ کی مرضی کی زندگی گزارنے کی اجازت دے اور جسے اپنے حقوق کا شعور تک نہ ہو۔ صرف ایک ڈمی، ایک مشین جو صرف اپنے فرائض انجام دیتی رہے۔''

یہ کہہ کر مریم نے کرسی پیچھے دھکیلی اور اُٹھ کر شیلف سے ایک کتاب اُٹھائی۔

''آپ آزاد ہیں، سن رہے ہیں......؟ آپ میری طرف سے آپ آزاد ہیں۔ پلیز......! اب آپ یہاں سے چلے جایئے۔''

عدیل بھی اپنی کرسی چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میں اب کوئی فیصلہ کر کے ہی یہاں سے جاؤں گا۔ سن رہی ہو......؟''

مریم معنی خیز انداز میں مسکرائی تھی اور گردن موڑ کر عدیل کی طرف دیکھا۔

''فیصلہ ہو گیا مسٹر عدیل......! آپ کی آزادی کا۔ اپنے کانوں سے سب کچھ سن کر میں اب آپ کو اپنا ہی نہیں سکتی۔ میں کیا کروں......؟ اب وہ دل ہی نہیں جس نے آپ کو قبول کیا تھا۔''

عدیل نے بہت بے بسی اور لاچاری سے مریم کی طرف دیکھا تھا۔ پھر ایک دم جھنجلا کر بولا۔

''اگر مجھے چھوڑ دیا تو پھر میرے گھر میں کیوں رہتی ہو......؟''

مریم نے بہت سکون اور اعتماد سے جواب دیا تھا۔

''اس لئے کہ میں نے کسی کو دھوکہ نہیں دیا تھا۔ میں شادی کے بعد اُس گھر میں گئی ہوں۔ وہ گھر میرا اور میرے بچے کا ہے۔ آپ اپنی دُنیا کہیں اور بسا لیں۔''

''میری دُنیا تمہارے ساتھ ہے۔ تم یقین کیوں نہیں کرتی......؟''

عدیل نے پھر تیزی سے اُس کی بات کاٹ دی تھی۔ مریم نے اس سے بھی زیادہ تیزی سے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔

''نہیں کر سکتی، نہیں کر سکتی، آپ یہاں سے چلے جائیں۔''

''مریم......! پلیز......!''

عدیل نے جیسے منت کی۔

''عدیل......! جو کچھ میں نے کہا، اسی کو بہت کچھ جانیے اور یہاں سے چلے جائیں۔ میری باس کے ساتھ میٹنگ ہے، خدا حافظ......!''

مریم نے اتنا کہا اور تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

عارف غصّے کی شدید کیفیت میں باہر لاؤنج میں ٹہل رہا تھا۔ شکیلہ خاتون بڑی پریشان قدرے ڈری ڈری نظر آ رہی تھی۔ فوزیہ اُن کے برابر میں بیٹھی تھی۔

''فوزیہ......! پتا کرو کیا کر رہی ہے وہ......؟''

''ارے......!بتایا تو ہے، سو رہی ہے وہ۔''

شکیلہ بیگم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''ابھی تک سو کر نہیں اُٹھی......؟ جاؤ جا کر اُسے اُٹھا دو۔''

عارف نے بھڑکتے ہوئے انداز میں فوزیہ کو مخاطب کیا۔

''ارے بیٹا......! کیا ہوا ہے......؟ کچھ بتا تو سہی۔ کسی نے کان بھر دیئے ہیں کیا تیرے......؟ مجھ سے تو پہلے بات کر......''

''آپ سے کیا بات کروں اماں......؟''

عارف نے شکیلہ خاتون کی بات کاٹ کر کہا۔

''جو کچھ مجھے معلوم کرنا ہے، وہ تو مجھے علینہ ہی بتائے گی۔ اگر اُس نے آپ کو بتا ہی دیا ہے تو اتنا جانتا ہوں، آپ مجھے نہیں بتائیں گی۔ اصل میں تو آپ ہی نے اُس کو اتنا بگاڑا اور سر چڑھایا ہوا ہے۔''

''ارے ارے......! کیا بگڑی ہے بھئی......؟ کیا کیا ہے اُس نے......؟ خوامخواہ ہی میری بچی پر الزام لگا رہے ہیں۔ لوگ اُلٹی سیدھی باتیں کر رہے ہیں۔''

شکیلہ بیگم بڑبڑانے لگیں۔ فوزیہ اُٹھ کر باہر چلی گئی تھی۔ غالباً وہ علینہ کو ہی بلانے گئی تھی۔ عارف نے ٹہلتے ٹہلتے رُک کر ماں کی طرف دیکھا۔ اُس کی نظروں میں گہری سوچ کا تاثر تھا۔

''اماں......! آپ نے ابھی الزامات لگانے کی بات کی ہے، تو یعنی علینہ نے آپ کو بہت کچھ بتا دیا ہے......؟''

''ارے کہاں بتایا ہے......؟ میں تو سر پھوڑ پھوڑ کر تھک گئی۔ نہیں بتا رہی، چپ لگ گئی ہے میری بچی کو۔ پتا نہیں کیا صدمہ ہے دل پر......؟ اُس کی تو زبان ہی نہیں کھلتی۔ منہ سیے بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ مجھے کیا بتائے گی......؟ وہ تو مجھے دُشمنوں کا پتا ہے جو اِدھر اُدھر ہیں، اپنی کارروائی کرتے رہتے ہیں۔ جانتی نہیں ہوں میں، عقل نہیں کیا مجھ میں......؟ آنکھیں نہیں کیا میری......؟''

شکیلہ خاتون ایک تواتر سے بولنے لگیں۔ اُسی وقت علینہ، فوزیہ کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہوئی۔ عارف کو دیکھ کر اُس کے چہرے پر تھوڑی سی پریشانی نظر آ رہی تھی، لیکن وہ بھی اپنی جگہ پر بہت پکی تھی، کیونکہ وہ بہت کچھ سوچ چکی تھی۔ اُسے پتا تھا کہ اُسے کس قسم کے سوالات کا جواب دینا ہوگا......؟ عارف، علینہ کو دیکھتے ہی جیسے اُس پر چڑھ دوڑا۔

''گھر سے کچھ سامان وامان لائی تھی......؟''

علینہ نے ایک دم اُلجھ کر ماں کی طرف دیکھا۔ اُسے عارف کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی، پھر آہستہ آواز میں بولی۔

''نہیں......! بس دو تین سوٹ لے کر آئی تھی، گھر میں پہننے کے لئے۔''

''پھر اُٹھاؤ وہ کپڑے اور میرے ساتھ چلو......!''

علینہ ایک دم ہکا بکا ہو کر عارف کی شکل دیکھنے لگی۔

''کہاں......؟''

شکیلہ خاتون جلدی سے اپنی جگہ سے اُٹھ کر علینہ کے برابر میں آ کر کھڑی ہو گئیں۔

''کہاں لے کر جا رہے ہو اسے بھئی......؟ پہلے مجھ سے بات کرو۔ کہاں لے کر جا رہے ہو میری بچی کو......؟''

''اماں......! دیر ہو رہی ہے۔ آپ میرے معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ میں بھی اس کا سگا بھائی ہوں۔ اس کا دُشمن نہیں ہوں۔''

''آئے ہائے......! دُشمن نہیں ہے تو کیا ہوا......؟ دُشمنوں کے ساتھ تو بیٹھا ہوا ہے جو ہر وقت تیرے کان بھرتے رہتے ہیں۔ بتا مجھے کہاں لے کے جا رہا ہے اسے......؟''

''بتا دوں گا۔ چلو علینہ......!''

اس نے ماں کی بات نظر انداز کر کے علینہ کو حکم کے انداز میں کہا۔ حیران ہو کر علینہ نے بھائی کی طرف دیکھا۔

''لیکن بھائی......! مجھے پتا تو چلے کہ مجھے کہاں جانا ہے......؟ میں تیار تو ہو جاؤں۔''

''اپنے گھر جانے کے لئے تیار ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسی ہو ویسی ہی چل پڑو۔ جلدی کرو......!''

علینہ اُسی جگہ کھڑی رہی اور اپنی اُنگلیاں مروڑتی رہی۔ فوزیہ کچھ بولنا چاہ رہی تھی مگر عارف کے غصے کی وجہ سے اُس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ شکیلہ خاتون نے ایک دم علینہ کا بازو پکڑ لیا۔

''جب تک تو مجھے نہیں بتاتا، میں اسے نہیں جانے دوں گی۔''

''اماں......! چھوڑیں اس کا ہاتھ......''

عارف نے علینہ کا دوسرا بازو پکڑ لیا۔

''......ورنہ میں اسے کھینچتا ہوا یہاں سے لے جاؤں گا۔''

شکیلہ خاتون نے جلدی سے علینہ کا بازو چھوڑ دیا۔ عارف کی بات مان کر اُن کی سبکی ہو رہی تھی۔ چور نظروں سے اُنہوں نے فوزیہ کی طرف دیکھا اور جیسے خون کا گھونٹ پیا۔ اُنہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس وقت عارف کو نہیں روک سکیں گی۔ اُنہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں علینہ سے کہا کہ عارف کے ساتھ چلی جائے۔ علینہ نے قدم بڑھائے اور عارف نے اُس کا بازو چھوڑ دیا۔

☆......☆......☆

عدیل نے صبح کا ناشتہ نہیں کیا تھا۔ پیزا ہٹ اُس کے آفس کے خاصا قریب تھا۔ دو بجے کے قریب اُسے شدید بھوک نے ستایا تو وہ پیزا ہٹ چلا آیا۔ لیکن پیزا ہٹ کے باہر گاڑی پارک کرتے ہوئے جیسے ساتوں آسمان اُس کے سامنے گول گول گھوم رہے تھے۔ اُس نے حیرت اور بے یقینی کی کیفیت میں اُس طرف دیکھا جہاں انعم، سلمان کے ساتھ شریر انداز میں اُس کے کان میں کچھ کہہ کر بے اختیار ہنس رہی تھی اور سلمان نے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈالا ہوا تھا۔ سلمان کا والہانہ انداز اور انعم کی ادائیں عدیل کے لئے ایک بہت بڑا واقعہ تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ انعم ہے یا انعم سے ملتی جلتی کوئی لڑکی......؟ لیکن اندر سے تصدیق ہو رہی تھی کہ یہ کوئی لڑکی نہیں، انعم ہی ہے۔ عدیل حیران پریشان قدم بڑھانا بھول گیا تھا۔

''اگر یہ انعم ہے تو اس کے ساتھ ناصر کی بجائے یہ کون شخص ہے......؟''

وہ دم بخود سا کھڑا سوچ رہا تھا۔انعم کی نظر اُس پر پڑ گئی تھی۔ پہلے تو وہ بُری طرح گھبرائی۔اُسے سب پتا ہے،لیکن وہ آخر انعم تھی۔اُس نے بہت جلد خود کو سنبھال لیا۔اب اس انداز میں عدیل کی طرف بڑھ رہی تھی جیسے کوئی بات ہی نہ ہو اور وہ اپنی روٹین کے مطابق اپنا کام کر رہی تھی۔سلمان اُسے بڑھتا پا کر تیزی سے اُس کے پیچھے لپکا۔

''کہاں جا رہی ہو......؟ادھر چلو یار......!''

''بڑی گڑبڑ ہوگئی ہے۔''

انعم نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے سلمان سے کہا۔سلمان ایک دم پریشان ہوگیا۔

''کیا ہوا......؟''

''وہ دیکھو سامنے،میری بہن مریم کا husband عدیل۔اُس نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔''

انعم نے اسی طرح دبی دبی زبان میں اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''تو کیا ہوا اگر دیکھ لیا......؟ آخر کار سبھی ایک دن دیکھیں گے۔اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے......؟''

''اوہ......! سمجھو یار......! میری بہن کی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔چلو آؤ خیر......!اس کو wish کرتے ہیں۔اب ظاہر ہے،اسے ignore کر کے ہم اندر تو نہیں جا سکتے۔وہ دیکھ چکا ہے کہ میں نے اُسے دیکھ لیا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدموں سے عدیل کی طرف بڑھی۔عدیل نے اُسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور فوراً خود کو سنبھال لیا تھا۔زبردستی کی مسکراہٹ اُس نے ہونٹوں پر سجا کر انعم کو سلام کیا۔

''السلام علیکم......!''

انعم نے اپنے اسٹائل میں جواب دیا۔

''ہائے عدیل......! اکیلے اکیلے پیزا کھانے آئے ہو......؟ مریم کہاں ہے......؟''

سلمان،انعم کے عقب میں کھڑا تھا اور عدیل دونوں کو بہت اُلجھن بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''ہاں......! مریم......اوہ ہاں......! رات تو آپ ہی کی طرف تھی۔میرا مطلب ہے،سلمٰی آنٹی کی طرف تھی۔اب آفس میں ہوگی۔''

عدیل نے سنبھلتے ہوئے کہا۔پھر سلمان کی طرف دیکھتے ہوئے انعم سے سوال کیا۔

''آپ کی تعریف......؟''

''اوہ......! یہ...... یہ میرے دوست ہیں۔سلمان ان دنوں USA سے آئے ہوئے ہیں۔ویسے یہ وہیں settle ہیں۔''

عدیل چونک پڑا۔

''دوست......؟''

پھر سنبھلا۔

''اچھا اچھا......!''

وہ اپنا ہاتھ سلمان کی طرف مصافحے کے لئے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''نائس ٹو میٹ یو.......!''

انعم اب سلمان سے عدیل کا تعارف کرواتی ہے۔

''سلمان.......! یہ میرے brother-in-law عدیل ہیں۔ مریم کے husband''

سلمان نے عدیل کا ہاتھ بڑی گرم جوشی سے تھاما تھا۔ اُس کی آنکھوں میں بھی بڑی چمک تھی۔ وہ عدیل کا چہرہ بڑے جانچنے والے انداز میں تول رہا تھا۔ انعم کے مقابلے میں سلمان بہت گھاگ تھا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا، بلکہ آنکھوں کے آئینے میں دیکھتے ہوئے دل کی کیفیات تک پہنچنا چاہتا تھا، اس لئے کہ چور کی داڑھی میں تنکا ہوتا ہے۔ وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ عدیل نے ان دونوں کو اس طرح دیکھ کر کیا feel کیا ہوگا.......؟ اور وہ کس قسم کا آدمی ہے.......؟ کس طرح سے سوچ سکتا ہے.......؟ اور دُنیا تک کیا بات پہنچا سکتا ہے.......؟ اسی دوران بیچ میں انعم بول پڑی۔

''سلمان.......! عدیل بھی یہاں نہیں رہتے، بلکہ یوں سمجھو ان کا سارا بچپن، سارا وقت یو کے میں ہی گزرا ہے۔ یہ تو بس پاکستانی لڑکی سے شادی کرنے آئے تھے۔''

''اچھا اچھا.......! یہ مریم کو لے کر چلے جائیں گے یہاں سے.......؟''

سلمان نے برجستہ سوال کیا۔

''ارے نہیں بھئی.......! ان میں اتنا دم کہاں.......؟ مریم میں بڑی طاقت ہے۔ مریم نے ان کے پاؤں میں زنجیر باندھ دی ہے۔ اب یہ یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے۔ مریم بہت سمجھدار ہے۔''

انعم کی شوخی و طراری اپنے عروج پر تھی۔ کچھ چوری چھپانے پر بھی زور تھا۔ عدیل نے مسکرا کر برجستگی کا مظاہرہ کیا۔

''اس میں کیا شک ہے.......؟''

انعم ہنس پڑی۔ وہ مسلسل شوخ اور بے معنی جملے بول کر اس تاثر کو خلط ملط کرنا چاہتی تھی جو اُس کے اندازے کے مطابق یا اُس کے وہم و گمان کے مطابق اُس کے لئے کوئی مسئلہ کر سکتا تھا۔ وہ یوں ظاہر کر رہی تھی کہ وہ تو اپنی روٹین کے مطابق زندگی گزار رہی ہے اور یہ اُس کا لائف سٹائل ہے۔

''آپ کے بارے میں بہت سنا۔ چلئے، آج آپ سے ملاقات بھی ہوگئی۔''

سلمان اُس کا ہاتھ تھامے ہوئے کہہ رہا تھا۔ عدیل نے پھر اُسے تولتی اور جانچتی نظروں سے دیکھا اور کہا۔

''میں نے آپ کے بارے میں کچھ نہیں سنا، مگر آج ملاقات ہوگئی۔''

اس کے انداز پر سلمان اور انعم دونوں ہنس پڑے۔ انعم مسکرائی اور سلمان کا بازو تھام کر بولی۔

''بہت سخت بھوک لگ رہی ہے۔ چلیں آپ بھی ہمارے ساتھ لنچ کریں۔''

''اوہ نو، تھینکس.......!''

عدیل نے فوراً ہی اُس کی آفر ٹھکرا دی تھی بلکہ اُس نے پیزا (Pizza) کھانے کا پروگرام ہی ملتوی کر دیا تھا۔

''پلیز.......! آپ لوگ لنچ کریں اور مجھے اجازت دیں۔''

''اچھا تو آپ لنچ کر چکے ہیں۔ اوکے، اوکے......! اللہ حافظ......!''

عدیل نے اتنا کہا اور اپنا ارادہ تبدیل کر کے دوبارہ اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

☆......☆......☆

علینہ لاؤنج کے کونے میں سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ یہ اُس کا اپنا ہی گھر تھا لیکن آج وہ اپنے گھر میں ہی بالکل اجنبی محسوس ہو رہی تھی۔ عارف نے وہاج کو کندھوں سے تھاما ہوا تھا اور وہ اُس کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''وہاج یار......! بات ہماری عزت کی نہیں، تمہاری عزت کی بھی ہے۔''

وہاج نے بڑے بے زار کن اور اُلجھے ہوئے انداز میں عارف کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹا دیئے۔

''مجھے معاف کر دو یار عارف......! میں اتنا بڑا دل نہیں کر سکتا۔ یہ اب تمہاری بیوی اور میری بہن نہیں ہے۔ وہاج......! اب یہ صرف عورت ہے، جسے صرف روٹی اور چھت کی ضرورت ہے۔ اس کا تمہارے گھر اور جائیداد پر کوئی حق نہیں ہے اور یہ تم سے کبھی کوئی مطالبہ نہیں کرے گی۔''

بولتے بولتے عارف کی آواز میں بیچارگی چھلکنے لگی۔ خون کے رشتے اتنے اندر اُترے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان کو غیر بنا دینے کا مرحلہ کسی طرح حل نہیں ہوتا۔

''عارف بھائی......! میرے بھائی......! اس مسئلے کو اتنا سمجھ رہے ہو، حقیقت کو قبول کر رہے ہو تو خدا کے لئے، مجھ پر بھی رحم کرو۔''

وہاج نے اذیت سے آنکھیں بند کرتے ہوئے منہ پھیر لیا۔ عارف نے اب اُسے اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

''ٹھیک ہے......! تم اس کے لئے دو روٹی کا خرچہ بھی نہ کرنا۔ میں دے دوں گا۔''

اتنا سن کر علینہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ ایک منٹ میں رخت تختہ ہو گیا۔ ساری راج دھانی مٹ گئی تھی۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ کوئی بھکارن ہو اور لوگ اُس پر ترس کھا رہے ہوں اور بھیک میں کچھ دینے کے بارے میں آپس میں صلح مشورہ کر رہے ہوں، اندازہ لگا رہے ہوں کہ اس بھکارن کے لئے ایک روٹی کافی ہوگی یا دو......؟ خیرات میں کون کتنا حصّہ ڈالے گا......؟

''وہاج......! تمہیں سوچنا ہوگا۔ وہاج......! جذبات کے اس طوفان سے باہر نکل آؤ۔ اس کیفیت سے جلد از جلد نجات حاصل کرو۔ زندگی ہم سے بڑے بے رحم فیصلے کروانے کی منتظر کھڑی ہے اور ہمیں آپس میں بات چیت کر کے اس مسئلے کا حل نکالنا ہوگا۔ میں پھر وہی بات دُہرا رہا ہوں کہ بات صرف میری یا ہماری عزت کی نہیں، بات تمہاری عزت کی بھی ہے۔ سوچو یار......!''

عارف نے اب دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ علینہ تیزی سے آگے بڑھی۔ وہ اسی طرح سے رو رہی تھی۔ اُس نے باری باری عارف اور وہاج کی طرف دیکھا۔

''میرا قصور کیا ہے آخر......؟ میں نے دوستی کو دوستی سمجھ کر نبھایا ہے، بس......! اور اس دوستی پر جو بھی الزامات لگا رہے ہیں آپ لوگ، وہ تہمت ہیں، میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔''

وہ رورو کر کہہ رہی تھی۔ وہاج، علینہ کی طرف دیکھنے کی بجائے اُس کی طرف پشت کر لیتا ہے۔

''عارف......! یہ تین سال سے جھوٹ بول رہی ہے۔ اس کی ہر سانس میں جھوٹ ہے۔ یہ کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہے۔ ہر قسم کا ڈرامہ کر سکتی ہے۔''

وہاج بڑے کربناک لہجے میں بول رہا تھا۔ عارف نے غصّے سے بھری نظر علینہ پر ڈالی۔ علینہ کے آنسو اسی طرح بہہ رہے تھے۔ اس وجہ سے اُسے سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کہ اب وہ کیا بولے......؟ اور اُونچے اُونچے شعلوں میں گھری اس دوزخ سے کیسے باہر نکلے......؟ کیسے راستہ پائے......؟

''بھول اور غلطی معاف ہو سکتی ہے۔ یہ تو پچھلی سات پشتوں اور آنے والی سات پشتوں پر وہ داغ ہے جو دُور سے ہی چمکتا دکھائی دے گا۔''

عارف بولتے بولتے علینہ کے قریب جا کر ٹھہر جاتا ہے اور گہری سانس لے کر بڑے خفا خفا لہجے میں بولتا ہے۔

''گاؤں میں اگر تم اس طرح ہماری عزت نیلام کرتی تو وہاں گولی کی زبان میں تم سے بات کی جاتی۔''

پھر بڑے طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

''ہمارے باپ کو شہری اور ماڈرن رئیس بن کر جینے کا بہت شوق تھا۔ آج وہ کسی قابل ہوتے تو تمہارا فیصلہ خود کرتے۔''

اتنا کہہ کر عارف نے پھر رُخ بدلا اور وہاج کی طرف بڑھا۔ وہاج اسی طرح دونوں کی طرف پشت کئے ہوئے کھڑا تھا۔ عارف نے وہاج کے دونوں کندھے پیچھے سے تھام لیے اور ایک کندھے پر اپنا سر ٹکا دیا۔ اُس کے لہجے میں اذیت کی شدتیں تھیں۔

''یار......! عورت سمجھ کر نہ سہی، جانور سمجھ کر ہی سہی، اسے کسی کونے میں بٹھا دینا۔ ہم ساری زندگی اب تجھ سے نظر جھکا کر بات کریں گے۔''

''تھری پیس، ڈِنر سوٹ پہنتے ہیں تو کیا ہوا۔ اندر سے رُوح تو ابھی تک دیہاتی ہے۔ میرے یار......! کچھ سوچ لے، ورنہ کچھ نہیں بچے گا، سب کچھ جل جائے۔ اس آگ میں ہر شئے راکھ کا ڈھیر بن جائے گی۔ وہاج......! تمہیں کچھ سوچنا ہوگا۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو یار......!''

☆......☆......☆

علینہ کا باپ حکمت خان چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ عجیب سا ماحول تھا۔ کمرے میں بلا کی بے ترتیبی تھی۔ کمرے سے زیادہ اس پر کسی گھر کے سٹور کا گمان ہوتا تھا۔ وہ بڑی بے بسی کی کیفیت میں اپنی پہلی بیوی زبیدہ کی طرف دیکھ رہا تھا جو اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔

''کھایا پیا سب اُلٹ دیا۔ اب تو تم کچھ بھی ہضم نہیں کر پا رہے۔ اتنا علاج ہوا ہے۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا ہے۔''

وہ اتنا کہہ کر نوکر کو آواز دیتی ہے۔

''غلام رسول......! اِدھر آ، آ کر صفائی کر۔ توبہ توبہ......! کیسی بو آرہی ہے۔''

وہ پھر حکمت خان کی طرف دیکھتی ہے اور بڑبڑانے لگتی ہے۔

''جن کو ساری زمینیں جائیدادیں دے دیں، وہ تو آ کر پوچھتے بھی نہیں۔ میری جان پر عذاب بن کر لیٹا ہوا ہے۔''

حکمت خان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک پیدا ہوتی ہے۔ پھر وہ بڑے کرب سے آنکھیں بند کر کے جیسے گہری سوچ میں چلا جاتا ہے۔ یوں سکرین پر جیسے کچھ دیکھ رہا ہو اور ماضی کے مناظر اُس کے ذہن کے پردے پر چل رہے ہوں۔ ملازم ابھی تک نہیں آیا تھا۔

''ارے غلام رسول......! کہاں مر گیا ہے......؟ میری آواز نہیں آ رہی تجھے......؟ سارے کام چھوڑ دے، پہلے اِدھر کا کام کر۔ ہوں......!''

اس نے بڑی ناگواری سے ''ہوں'' کہا اور کمرے سے باہر نکلنے کے لئے قدم بڑھائے۔

''بڑا غرور کرتا تھا کہ دوسری سے وارث ملا ہے۔ یہی میرا اصلی وارث ہے۔ ہوں......! میرا عارف، میرا عارف، کہاں ہے اب وہ جانشیں......؟ اور وہ جو میرے بیٹے ہیں، وہ بھی تیری وجہ سے آج دربدر ہیں۔ تیری پالی ہوئی دُشمنیاں بھگت رہے ہیں۔ اپنی ماں کے پاس رہنے کے قابل نہیں ہیں۔ میں نے ہی کہا تھا اُن کو، مجھے تو اپنی جیتی جاگتی اولاد چاہئے۔ یہاں تو پتا نہیں کس طرف سے کب دُشمن کی گولی آ جائے......؟ یہی کیا تو نے ساری زندگی کام......؟''

وہ بڑبڑائی جا رہی تھی۔ حکمت خان کے چہرے پر دلی اذیت کے تاثرات نقش ہو چکے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا۔

''میرے ساتھ جو ہوا ہے، جو ہو رہا ہے، یا اللہ......! سب ٹھیک ہے۔ میں اِسی لائق ہوں اور شاید یہ کسی کی بددُعا ہے۔''

☆......☆......☆

ناصر اپنے اسپیشل وارڈ میں کھڑکی کے پاس کھڑا باہر جھانک رہا تھا۔ وارڈ بوائے بیڈشیٹ change کر رہا تھا۔ ناصر باہر جھانکتے جھانکتے ایک دم کسی خیال سے چونکا تھا۔ اُس نے پلٹ کر وارڈ بوائے کی طرف دیکھا تھا اور اُس سے مخاطب کیا۔

''اوہ......! کیا نام ہے تمہارا......؟''

وارڈ بوائے اُس کی آواز سن کر اپنا کام چھوڑ کر بولا۔

''جی صاحب......! اسلم نام ہے میرا۔''

اُس کے انداز میں احتیاط اور ہچکچاہٹ تھی۔ ناصر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی پیشانی کو اُنگلیوں سے دبایا جیسے اپنی یادداشت پر زور ڈال رہا ہو۔ پھر بولا۔

''وہ اِدھر ایک نرس ہوتی ہے، کیا نام ہے اُس کا، اُجالا......! تم نے آج اُسے دیکھا ہے......؟ آئی ہے کیا وہ......؟''

وارڈ بوائے اب دوبارہ بیڈشیٹ بچھانے کے کام میں لگا ہوا تھا۔

''اچھا جی......! وہ سسٹر اُجالا......؟ جی......! اُن کی ڈیوٹی ہے آج۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی میں نے اُوپر دیکھا تھا اُنہیں۔ وہ صاحب......! ہمارے ہسپتال میں بہت دنوں سے ایک بوڑھا لاوارث patient ہے۔ رات اُس کی حالت بہت بگڑ گئی ہے، بہت حالت خراب ہے۔ ڈاکٹر تو سمجھ رہے ہیں بس وہ چند گھنٹوں کا مہمان ہے۔ سسٹر اُجالا رات سے اُسی کے پاس ہے۔''

ناصر نے حیران ہو کر وارڈ بوائے کی طرف دیکھا۔

''یہاں نرسز کی اتنی لمبی ڈیوٹی ہوتی ہے......؟''

وارڈبوائے بیڈشیٹ بچھا چکا تھا۔اُس نے تکیہ سرہانے رکھتے ہوئے ناصر کو جواب دیا۔

''صاحب......!سسٹر اُجالا دوسری نرسوں کی طرح نہیں ہے۔وہ تو اپنی تنخواہ بھی ہم لوگوں کو بانٹ دیتی ہے۔وہ پیسے کے لئے کام تھوڑا ہی کرتی ہیں۔''

ناصر کو حیرت کا زوردار جھٹکا لگا تھا۔

''ہیں......؟ پھر کس لئے نوکری کر رہی ہیں......؟''

وارڈبوائے مسکرا دیا۔اُس کے چہرے سے لگتا تھا کہ اُس کے دل میں کسی کے لئے بہت اچھے تاثرات ہیں۔پھر اُس کے لہجے میں سسٹر اُجالا کے لئے بہت عزت واحترام جھلکنے لگا۔

''وہ بہت نیک رُوح ہیں۔صاحب......!انسانوں کی خدمت کرنے کا شوق ہے۔پیسہ بہت ہے اُن کے پاس۔بانٹتی رہتی ہیں۔''

ناصر ابھی تک حیرت کی انتہاء پر کھڑا ہوا تھا۔ایک دم جھلا سا گیا۔

''یار......!ٹھیک سے بتاؤ،کیسی عجیب وغریب باتیں کر رہے ہو......؟''

اب وارڈبوائے ناصر کی کیفیت پر پریشان ہوگیا تھا اور گومگو کی کیفیت میں تھا۔

''اوہ......!صاحب جی......!بس میں اتنا ہی جانتا ہوں،اس سے آگے نہیں جانتا۔وہ آپ کو انجکشن لگانے آئیں گی تو آپ خود ہی پوچھنا۔''

وہ جیسے جان بچا کر جلدی سے بھاگا۔

''شکر ہے،اب آپ کی طبیعت بہت اچھی ہے۔بس ایک دو دن میں آپ کو چھٹی مل جائے گی۔''

اُس نے دروازے پر رُک کر ناصر کو مخاطب کیا۔وارڈبوائے ناصر کو اُلجھا کر کمرے سے باہر جا چکا تھا۔

☆......☆......☆

علینہ آنکھوں پر بازو رکھے ہوئے بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔اُس کا ذہن اس وقت بالکل کام نہیں کر رہا تھا۔وہ سوچ رہی تھی کہ اُس کا بھائی عارف زبردستی اُسے وہاج کے گھر چھوڑ تو گیا،لیکن وہاج اُس کے ساتھ کیسا سلوک کرے،اُسے کچھ اندازہ نہیں ہے۔عین اِسی وقت وہاج اپنی دُھن میں کمرے میں آیا تھا لیکن علینہ کو بیڈ پر لیٹا دیکھ کر ایک دم ٹھٹک گیا۔اُس کی آنکھوں میں غصّے کی شدید کیفیت پیدا ہوئی،اتنی کہ اُس نے ضبط کرنے کے لئے اپنی دونوں ہاتھوں کی مٹھی زور سے بھینچ لی۔وہ غصّے کو کنٹرول کرنے کی انتہائی کوشش کر رہا تھا،لیکن وہ زیادہ دیر خود پر کنٹرول نہیں رکھ سکا۔وہ پوری قوت سے دھاڑا تھا۔

''یہاں کیوں لیٹی ہو......؟اس گھر میں اور بھی کمرے ہیں،کسی کو بھی اپنا ٹھکانہ بنالو۔گم کرو اپنی شکل۔''

علینہ اُس کی دھاڑ سن کر ایک دم بیٹھنے کی بجائے بیڈ سے اُتر کر کھڑی ہوگئی۔خوف سے اُس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔اتنے برسوں میں پہلی دفعہ اُس نے وہاج کی یہ دھاڑ سنی تھی۔

''میرا تمہارا کبھی کوئی رشتہ تھا،اب نہیں ہے۔بس یہ ذہن میں رکھو،نکلو اِدھر سے۔''

علینہ نے یہ سن کر خود کو سنبھالا اور اُلجھے ہوئے انداز میں بلکہ قدرے ناگواری سے بولی۔

''ہاں......! مجھے بھی اب تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہئے۔ مگر عارف بھائی زبردستی لے آئے ہیں۔ جب تمہیں مجھ پر اعتبار ہی نہیں تو......''

وہاج نے ایک دم اُس کی بات کاٹ دی۔

''تم پہلے بھی میرے ساتھ نہیں رہ رہی تھی۔ میں دھوکے میں تھا۔''

پھر ایک دم بڑبڑانے لگا۔

''عارف ٹھیک سوچ رہا ہے۔ تم وہاں رہوگی تو میری بہن عذاب میں ہوگی۔ تمہاری نجات کا ایک حل ہے۔''

وہ بات کرتے کرتے علینہ کے قریب آ کر غور سے دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں اسی طرح نفرت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

علینہ نے ایک لحظہ کے لئے اُس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''اگر عدیل تم سے نکاح کرنے کے لئے راضی ہو جاتا ہے تو میں تمہیں طلاق کے پیپرز دے دیتا ہوں۔ حقیقت میں تو میری اور تمہاری علیحدگی ہو چکی ہے۔''

علینہ آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہی تھی جیسے اُس کے سامنے کوئی پاگل کھڑا ہو۔ وہاج نے اُس کی طرف سے رُخ پھیر لیا تھا۔

''اُصولاً عدیل کو تم سے شادی کر لینی چاہیے۔''

علینہ نے جیسے سوچا، پھر بولی۔

''تمہیں جو کہنا ہے کہو وہاج......! مگر میں یہ کہتی رہوں گی کہ عدیل میرا دوست تھا، اُس نے کبھی تمہاری جگہ نہیں لی۔''

وہاج جو بڑی مشکل سے خود کو کنٹرول کئے ہوا تھا، نئے سرے سے پھٹ پڑا۔ اُس نے بُری طرح سے مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں اور اُس کا جسم کانپ رہا تھا۔ پھر وہ پہلے کی طرح پوری قوت سے دھاڑا۔

''دفع ہو جاؤ......! تم اس کے علاوہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی۔ باہر اُس کے ساتھ تفریح کرنے جاتی تھی، دوست تھا تمہارا......؟''

وہاج کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے اور وہ تیز تیز سانس لے رہا تھا۔ اُس کی یہ کیفیت دیکھ کر علینہ پر خوف کی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ کمرے سے نکل کر سرپٹ دوڑتی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھیں۔ فیاض احمد اُن کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ انا بی اُن کا سر دبا رہی تھیں اور بڑے رقت آمیز لہجے میں بڑی ہمدردی سے بول رہی تھیں۔

''بیٹا......! سنبھالو خود کو۔''

سلمیٰ بیگم نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔

''کیسے سنبھالوں انا بی......؟ کتنی محنت سے عزت کمائی تھی۔''

فیاض احمد، سلمٰی کا ہاتھ تھام کر بیٹھے تھے۔اُن کے لہجے میں خلوص اور نرمی واضح تھی۔

''جو تمہیں سمجھا رہے ہیں، وہ بھی خوش نہیں ہیں۔ دُکھ زہر بن کر جسم میں داخل ہو چکا ہے۔تم بھی خود کو سنبھالو، کوشش تو کرو۔''

انابی فوراً بولیں۔

''شیخ صاحب آنے والے ہیں بیٹا......! اپنے باپ کی خاطر خود کو سمجھاؤ۔''

فیاض نے ایک نظر سلمٰی کی طرف ڈالی اور ضبط کرتے ہوئے بولے۔

''جو دُکھ ہماری جھولی میں گرتا ہے، وہ ہمارا ہوتا ہے۔ہم ہی نے اُسے سہنا ہوتا ہے۔بس، تم یہ بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اب ہماری وجہ سے اس دُکھ کو اِدھر suffer نہیں کرنا چاہے، جہاں کسی کے لئے برداشت کرنا اور سہنا مشکل ہو جائے اور ہماری طرف سے بھیجا گیا دُکھ اُس کا آخری دُکھ بن جائے۔''

فیاض احمد کے لہجے میں اذیت چھپی ہوئی تھی۔ وہ شدید دُکھ کی کیفیت میں تھے، لیکن سلمٰی کی خاطر ضبط کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سلمٰی نے گہری سانس لی اور پھیکی سی مسکراہٹ اُن کے ہونٹوں پر در آئی۔

''میں سنبھلنے کی کوشش کر رہی ہوں فیاض......! آپ ٹینس نہ ہوں۔ سنبھال لوں گی میں خود کو، مگر ابھی تک سنبھال نہیں پا رہی، حالانکہ بہت کوشش کر رہی ہوں۔''

فیاض احمد نے ہارے ہوئے انسان کی طرح اپنا سر جھکا لیا۔

''اُمید پر دُنیا قائم ہے سلمٰی......! ہر رات کی ایک صبح ہوتی ہے۔کیا خبر کچھ اچھا ہو جائے......؟''

سلمٰی بیگم کی آنکھوں سے چند آنسو ٹپکے اور تکیے میں جذب ہو گئے۔

''مجھے معاف کر دیں فیاض! شاید کبھی میں نے انجانے میں آپ کا دل دُکھایا ہو اور مجھے اس بات کی سزا مل رہی ہو۔''

''ارے بیٹا......! آپ نے تو فیاض احمد سے نبھاہ کر کے دکھا دیا۔ باپ کے فیصلے کو قبول کیا، اور سچی بات ہے کہ فیاض نے آپ کی بہت قدر کی ہے۔فضول باتوں میں تم اپنا ذہن مت اُلجھاؤ، اور اُلجھنیں کیا کم ہیں......؟''

فیاض احمد نے اپنی شریک حیات کی طرف بڑی محبت سے دیکھا۔

''میں نے کبھی تم سے کوئی گلہ کیا......؟ سلمٰی......! میں تو ہمیشہ نانا جان کا شکر گزار رہا کہ اُنہوں نے یتیمی کی دُھوپ میں مجھے سایہ دیا اور آج تک میری سرپرستی کر رہے ہیں اور تم نے بھی مجھے کسی مقام پر مایوس نہیں کیا۔ میری شریک سفر ہو، تم نے ثابت کر دیا۔''

سلمٰی بیگم یہ سن کر ضبطِ غم نہ کر سکیں اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

''یا اللہ......! کوئی معجزہ ہو جائے۔ پاپا یہاں آئیں تو یہاں پر خوشیاں ہی خوشیاں ہوں۔''

''آمین......!''

انابی اور فیاض احمد نے بیک زبان ''آمین'' کہا تھا۔

☆......☆......☆

مریم، مسز سارہ کے بیڈروم میں سو رہی تھی یا سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک سن کر وہ چونک پڑی۔ یہی خیال آیا کہ عدیل کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے......؟ ملازم تو اپنے کوارٹر میں جا چکا ہے۔ وہ اِسی شش و پنج میں تھی کہ دروازہ کھولوں یا نہ کھولوں......؟ وہ کچھ سوچ کر بیڈ سے اُتر آئی اور دروازہ کھول دیا۔ اُس کے چہرے پر اجنبیت اور ناگواری کے تاثرات نمایاں تھے۔ یوں جیسے عدیل آیا ہے تو اُس کے چہرے سے جھلکنے والی بے مروّتی دیکھ کر بغیر کچھ کہے واپس چلا جائے۔ وہ اُس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اُس سے بات کر کے اُسے ملنا ہی کیا تھا سوائے رُوکھے پھیکے بے جان الفاظ اور طے شدہ جھوٹ کا احساس......؟

''ممی کے بیڈروم میں کیوں سو رہی ہو......؟''

اُس نے دروازہ کھولا تو عدیل نے بغیر توقف کئے اُس سے پوچھا۔

''میری مرضی......!''

مریم نے اُسی طرح بے رُخی سے جواب دیا جس طرح سے وہ دینا چاہتی تھی۔ اس نے کوئی رعایت نہیں کی۔ عدیل نے گہری سانس لی۔

''مریم......! بھول جاؤ سب کچھ۔ خود بھی زندگی بھر جلوگی، مجھے بھی جلاؤ گی۔''

مریم نے بہت غصے اور اعتماد کی کیفیت میں عدیل کی طرف دیکھا۔

''نہیں بھول سکتی۔ میرا اس گھر میں نظر آنا ایک مصلحت ہے۔ کچھ دنوں کی مہلت چاہئے۔ میں اپنے ماں باپ اور نانا کو کوئی اچانک صدمہ نہیں دینا چاہتی۔''

وہ رُک کر بڑے طنزیہ انداز میں مسکرائی۔

''اگر میں آپ کو اس گھر میں نظر آ رہی ہوں تو آپ کو کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کچھ سوچ رہی ہوں۔ پھر میں آپ کو بتا دوں گی کہ میں نے کیا سوچا ہے......؟''

''یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤ گی......؟''

عدیل نے اُلجھن بھرے انداز میں سوال کیا۔ وہ بہت زیادہ ڈسٹرب ہو چکا تھا۔ مریم خاموش رہی۔

''یہاں سے نکل کر پھر کہاں جاؤ گی......؟''

عدیل نے سوال کیا۔ مریم نے جنبش بھی نہیں کی۔ وہ دروازہ کھول کر جہاں کھڑی تھی، ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ اُس نے ایسا کوئی موقع نہیں دیا تھا کہ عدیل کمرے کے اندر آ جائے۔

''میں یہاں سے نہیں نکلوں گی۔ اپنی ممی اور آپ کی ممی کو سامنے بٹھا کر ایک فیصلہ کروں گی۔''

''کیسا فیصلہ......؟''

عدیل نے گھبرا کر پوچھا۔

''جب اُن کے ساتھ بیٹھوں گی تو پتا لگ جائے گا۔ ابھی بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

مریم نے بہت اعتماد سے جواب دیا۔ اُس کا لہجہ بہت سپاٹ اور کورا تھا۔ عدیل اپنی ماں کا سن کر پہلے سے بھی زیادہ

پریشان ہو گیا۔ اُس نے دھمکی کے انداز میں مریم سے کہا۔

''تم ممی کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔ جو بات کرنا ہے، مجھ سے کرو۔''

''میں اپنے بڑوں اور شادی کرانے کے ذمہ دار لوگوں کو سب کچھ بتاؤں گی۔ میں نے غلطی نہیں کی تو مجھے غلط کیوں سمجھا جا رہا ہے......؟''

مریم اب پھٹ پڑی تھی جیسے اب اُس کی حدِ برداشت ختم ہو چکی تھی۔

''تمہارے لئے یہ بات خاص نہیں ہونی چاہئے کہ میری کسی لڑکی سے دوستی تھی یا ہے۔ تمہارے لئے تو یہ بات کوئی چونکا دینے والی ہونی ہی نہیں چاہئے۔ اس لئے کہ تمہاری اپنی بہن جو ایک بچی کی ماں بھی ہے، اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ گھومتی پھرتی ہے۔ اُس کا شوہر اسلام آباد میں ہے۔ وہ کیا کر رہی ہے......؟ اگر یہ کوئی بہت غلط کام ہے یا مرد اور عورت کی دوستی بہت بڑا عیب ہے تو تمہاری اپنی بہن یہ جو کچھ کر رہی ہے، تم اُسے کیوں نہیں کہتی......؟ میرے اور علینہ کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو......؟''

عدیل نے اس وقت مریم کو یہ سب کچھ کہہ کر جیسے کسی دلدل میں اُتار دیا تھا۔ وہ بُری طرح چکرا کر رہ گئی تھی۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ عدیل کو یہ سب کچھ اچانک کیسے پتا چل گیا......؟ اور وہ اب کیا کرے......؟ اُسے کیسے جواب دے......؟ وہ درحقیقت اندر سے بُری طرح بدحواس ہو گئی تھی۔ عدیل نے تو جیسے ترپ کا پتا پھینکا تھا جس کے بعد بازی ہی ختم ہو گئی تھی۔ مگر وہ اتنی آسانی سے ہارنے والی تو نہیں تھی۔ اُس نے اپنی بہن پر بھی اعتراض کیا تھا۔ یہ اور بات کہ عدیل کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اپنی بہن کو اتنا لعن طعن کر چکی ہے، کیا کچھ اُسے کہہ چکی ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہمیشہ کے لئے اُس سے ہر تعلق ختم کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ لیکن تمام باتیں اُس نے عدیل سے شیئر نہیں کیں۔ عدیل لاعلم تھا، اس لئے اس وقت وہ مریم کی زبان بند کر رہا تھا۔ مریم حق پر تھی، سچی تھی۔ اُس کے ذہن نے فوراً کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اُس نے بڑے اعتماد سے عدیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا اپنی بہن سے کوئی رشتہ نہیں، سن رہے ہیں آپ......؟ میرا اپنی اُس بہن سے کوئی رشتہ نہیں جس کے دل میں رشتوں کا کوئی احترام نہیں ہے، کوئی تعلق نہیں ہے میرا اُس سے۔ آپ بھی بھول جائیں کہ وہ میری بہن ہے، کیونکہ میں بھی کوشش کر رہی ہوں کہ بھول جاؤں کہ میری کوئی بہن ہے۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ انعم اور ناصر حسین کی علیحدگی ہو چکی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ صرف ایک مرحلہ باقی ہے۔ اس کے بعد proper divorce ہو جائے گی اور جسے آپ انعم کا بوائے فرینڈ سمجھ رہے ہیں، وہ اس کا شوہر بن جائے گا۔''

''ہاں تو یہ کہو ناں، پہلے اُس نے پسند کیا، ناصر کو دھوکہ دیا، اس کے بعد یہ تمام کارروائی شروع ہوئی۔''

''چلیں، ایسا ہی سہی، ایسا بھی کچھ ہوا ہو گا۔ لیکن کیا آپ کے لئے یہ بات کافی نہیں کہ انعم اور ناصر کی علیحدگی ہو چکی ہے......؟ آپ مجھے emotionally بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ کیونکہ جو کچھ ہو چکا ہے، آپ اس سے بے خبر ہیں اور میں آپ کو کیوں بتاؤں......؟ جبکہ آپ کا اور میرا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ میں اپنے تمام معاملات آپ سے کیوں شیئر کروں......؟ جائیے، مجھے آرام کرنے دیجئے، میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔''

مریم نے اتنا کہا اور دروازہ بند کر دیا اور دروازے سے اپنی پشت لگا کر چند لمبے لمبے سانس کھینچے۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی پہاڑ سر پر رکھے ہوئے کھیل رہی تھی۔ اس وقت وہ پہاڑ اُس کے سر سے اُتر گیا۔ یہی تو خطرہ تھا عدیل کو کچھ پتا نہ چل جائے۔

''شکر ہے، یہ مسئلہ بھی تمام ہوا۔ کم از کم ایک عذاب سے تو مجھے چھٹکارا ملا۔''

مریم کے چہرے پر بڑا سکون اُترا آیا تھا۔ حق پر چلنے والے پچھتاتے نہیں، وہ ہمیشہ پُرسکون رہتے ہیں، چاہے اُن کے مفادات پر برق گر رہی ہو، چاہے کوئی فائدہ حاصل ہو رہا ہو۔ ہر حال میں وہ پُرسکون ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اُن کا ضمیر مطمئن ہوتا ہے۔ وہ اندر کی جنگ میں زیادہ دیر مبتلا نہیں رہ سکتے۔ اپنا حساب کتاب ہمیشہ صاف رکھتے ہیں۔

☆......☆......☆

علینہ لاؤنج میں صوفے پر سو رہی تھی۔ وہاج کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ غصّے کی شدت اُس کی آنکھوں سے واضح تھی۔ لگتا تھا جیسے اس کے سر پر خون سوار ہے۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے ایک دم شیشے کی کچھ چیزیں زمین پر پٹخ کر چور چور کر دیتا ہے، پھر گہری گہری سانسیں لے کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ توڑ پھوڑ کی آوازوں سے علینہ کی نیند کھل گئی۔ وہ خوف زدہ انداز میں اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہاج لاؤنج میں داخل ہوا۔ ایک لمحے کے لئے علینہ کی طرف دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر سوئچ آف کر دیا تھا۔ لاؤنج میں اندھیرا ہو گیا تھا۔ پھر اندھیرے میں علینہ کی ہولناک چیخ گونجی۔ پھر اس چیخ کے بعد علینہ کی کئی پے در پے چیخیں بلند ہوئی تھیں۔ وہاج پوری قوت سے اُس کا گلا دبا رہا تھا اور علینہ خشکی پر پڑی مچھلی کی طرح پھڑ پھڑا رہی تھی۔ اس سے قبل کہ بہت کچھ ہو جاتا، لاؤنج میں ٹیوب لائٹ روشن ہو چکی تھی۔

صابر حیران پریشان سوئچ بورڈ کے قریب کھڑا سامنے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ لاؤنج میں روشنی ہوتے ہی وہاج نے لاشعوری طور پر علینہ کی گردن چھوڑ دی تھی اور پلٹ کر صابر کی طرف دیکھا تھا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ صابر خوف سے تھر تھر کانپتا ہوا کبھی علینہ کی طرف اور کبھی وہاج کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کی خوف سے کانپتی ہوئی آواز اُبھری۔

''صاحب......! یہ آپ کیا کر رہے تھے......؟''

علینہ کو یہ چند لمحوں کی مہلت بھی جیسے کافی تھی۔ وہ خوف زدہ انداز میں وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ وہاج ہانپنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''صابر......! ٹھنڈا پانی پلاؤ، بالکل یخ ٹھنڈا۔ آگ لگی ہوئی ہے میرے اندر۔ جاؤ......! میری شکل کیا دیکھ رہے ہو......؟''

اُس نے صابر کو اپنی جگہ کھڑا پا کر دھاڑ کر کہا۔ اب صابر کو جیسے برق چھو گئی تھی۔ وہ پانی لینے کے لئے ایک جانب سرپٹ دوڑا۔

''ابھی......ابھی لایا صاحب......!''

وہ دوڑتا ہوا لاؤنج سے نکل گیا تھا۔ وہاج بڑبڑا رہا تھا۔ مسلسل ایک جملہ بار بار کہہ رہا تھا۔

''آگ لگی ہوئی ہے میرے اندر، آگ لگی ہوئی ہے میرے اندر، اور یہ شاید کبھی ٹھنڈی نہیں ہوگی۔ سات سمندر بھی اس

آگ کو ٹھنڈا نہیں کر پائیں گے۔"

☆......☆......☆

عدیل موبائل پر علینہ کا نمبر ملا رہا تھا۔ اُس نے بڑی اُمید سے پھر ایک دفعہ ٹرائی کی تھی۔ اب اُس کی آنکھوں میں ایک دم چمک آ گئی تھی، کیونکہ رِنگ پاس ہو رہی تھی۔

"اوہ......! یعنی کہ علینہ نے نیا موبائل لے لیا......؟ رِنگ تو پاس ہو رہی ہے۔"

وہ سوچ رہا تھا۔ رِنگ پاس ہوتی رہی۔ اس کے بعد ریکارڈنگ چلنے لگی کہ اس وقت آپ کا نمبر مصروف ہے، برائے مہربانی کچھ دیر بعد کوشش کریں۔ عدیل نے موبائل کان سے ہٹایا اور ہتھیلی پر رکھ کر یوں گھورنے لگا جیسے اُلجھن میں پڑ گیا ہو۔

"رِنگ پاس ہو رہی ہے، مگر وہ کال اٹینڈ کیوں نہیں کر رہی......؟ میرا نمبر کوئی unknown نمبر تو نہیں ہے......؟"

وہ اُلجھن میں گھرا سوچ رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہاج اپنے کمرے میں کھڑا ہاتھ میں پکڑے ہوئے موبائل کو گھور رہا تھا۔

"سات مرتبہ ٹرائی کیا عدیل نے، یعنی مسلسل رابطے کی کوشش کر رہا ہے۔ بڑی عجیب دوستی ہے یہ۔ اتنے مصروف تو عاشق اور معشوق نہیں ہوتے۔ یہ مجھے کہتی ہے، وہ صرف میرا دوست ہے۔ اسے کوئی کام ہی نہیں ہے، کوئی مصروفیت نہیں ہے اس کی، سوائے کہ علینہ کو فون کرے......؟ اس سے باتیں کرے......؟"

یہ سوچتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں جیسے خون اُتر آیا۔

"بے وقوف بنا رہی ہے مجھے اتنے سالوں سے۔ میں نے یہی چیک کرنے کے لئے تو اپنے موبائل میں علینہ کی سم ڈالی تھی تا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرا شک دُور ہو جائے اور میرے اندر یہ یقین اُتر جائے کہ میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں، وہ غلط نہیں ہے۔ حد ہو گئی نمک حرامی کی۔ میرے گھر میں رہتی ہے، میرا کھاتی ہے، میرے خرچے پر عیاشی کرتی ہے۔ واہ......! بتاتا ہوں اس کو اچھی طرح۔"

وہ سر ہلا رہا تھا اور خطرناک عزائم اُس کی آنکھوں سے واضح تھے۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون، فوزیہ اور اپنے پوتے علی کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ناشتہ کر رہی تھیں۔ اُن کی آنکھوں میں بہت سے سوال تھے لیکن وہ فوزیہ کو مخاطب کرتے ہوئے ہچکچا رہی تھیں۔ اس لئے کئی دفعہ فوزیہ کی طرف کھوجتی نظروں سے دیکھا، پھر اپنے آپ کو روک لیتی تھیں، لیکن کب تک......؟ پھر آخر بول پڑیں۔

"یہ عارف، علینہ کو رات چھوڑ کر کتنے بجے واپس آیا تھا......؟"

"پتا نہیں تائی اماں......! میں تو سو چکی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کب آئے......؟"

فوزیہ نے ٹال مٹول کے انداز میں جواب دیا اور علی کے منہ میں چمچ سے پوریج ڈالنے لگی۔

"ارے......! اُٹھنے کے بعد تو کوئی بات کی ہو گی......؟ تم نے خود نہیں پوچھا اُس سے کہ سب خیریت رہی......؟ کوئی

مسئلہ تو نہیں ہوا......؟"

شکیلہ خاتون نے بڑی بے تابی سے سوال کیا۔

"تائی اماں......! اُن کا موڈ بہت خراب محسوس ہو رہا ہے مجھے۔ سچ پوچھیے، میری تو ہمت ہی نہیں ہوئی۔"

اُس نے یہ کہہ کر چمچ باؤل میں رکھ دیا اور شکیلہ خاتون کی طرف دیکھ کر بولی۔

"آپ خود پوچھ لیجیے گا۔"

"وہ تو میں پوچھوں گی۔ اُس سے بھی پوچھوں گی اور جا کر اپنی بچی کی خیریت بھی معلوم کروں گی۔"

اسی وقت عارف نے ڈائننگ روم میں قدم رکھا تھا۔ اُس نے ماں کا جملہ سن لیا تھا۔ سرد اور سپاٹ نظریں شکیلہ خاتون کی طرف اُٹھی تھیں۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو وہاں جانے کی۔"

"ارے واہ......! کیوں......؟ اولاد ہے میری۔ میں خیریت نہیں پوچھوں گی تو اور کون پوچھے گا......؟ صاف بات ہے، مجھے وہاج بہت بدلا ہوا لگ رہا ہے۔ علینہ بہت پریشان نظر آتی ہے۔ ایک پل بھی چین نہیں ہے مجھے۔ میں تو ضرور جاؤں گی۔ تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے......؟"

شکیلہ خاتون نے اپنی عادت کے مطابق تقریباً بھڑک کر کہا۔

"اماں......! اُن کا کوئی مسئلہ ہوگا، وہ خود حل کر لیں گے۔ فی الحال آپ اُن کے معاملے میں ٹانگ مت اڑائیں۔"

"ارے واہ......! میری بچی کی حالت خراب ہے۔ اُس کی شکل سے لگتا ہے کہ وہ بہت پریشان ہیں۔ ماں اپنی بچی کا خیال نہیں رکھے گی تو کیا محلے والے رکھیں گے......؟ پتا نہیں اُس نے میری بچی کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا ہوگا......؟ وہ بلاوجہ اتنی پریشان نظر نہیں آسکتی۔"

شکیلہ خاتون مزید گویا ہوئیں۔

"اماں......! آپ صبح صبح فضول تکرار نہ کریں۔ پلیز......! میری بات مان لیں، آج وہاں مت جائیں۔ میں خود علینہ سے بات کرنے کے بعد آپ کو بتا دوں گا پھر چلی جایئے گا۔ میں یہ تو نہیں کہہ رہا کہ آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہاں نہ جائیں۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ دو چار دن رُک جائیں۔ اُن دونوں کو اپنا مسئلہ حل کرنے دیں، اور جب تک میں نہ کہوں آپ وہاں نہیں جائیں گی۔ نہ آپ، نہ فوزیہ۔"

عارف نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"ارے......! وہ تو میرا فون تک نہیں اُٹھا رہی۔ فون پر بھی بات ہو جاتی تو تسلی ہو جاتی ہے۔ اِسی وجہ سے تو مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔"

شکیلہ خاتون نے پھر کہا۔

"آپ لوگوں کو اولاد کی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا تو آج کوئی مسئلہ ہی نہ ہوتا۔ فوزیہ......! میرا ناشتہ میرے کمرے میں بھجوا دو۔"

عارف بہت آف موڈ میں بولتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔فوزیہ نے شکیلہ خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''اماں......! آپ کو اُن کے غصّے کا پتا ہے ناں......! آپ علینہ کی ماں ہیں تو وہ بھی اُس کے سگے بھائی ہیں۔وہ وہاج سے مل کر آئے ہیں۔اس وقت کوئی مسئلہ ہوتا تو وہ وہاج بھائی کو ہی بُرا بھلا کہتے۔وہ تو اُن سے بھی کچھ نہیں کہہ رہے۔اس لئے کہ وہ محسوس کر رہے ہوں گے کہ وہ دونوں خود اپنا مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔''
فوزیہ نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔شکیلہ خاتون نے بڑی ناگواری سے اُس کی طرف دیکھا۔
''جب کوئی مسئلہ نہیں تو مجھے اُس سے ملنے سے کیوں روک رہا ہے......؟''
''اماں......! وہ کہہ تو رہے ہیں، مسئلہ تو ہے، لیکن وہ چاہ رہے ہیں، کوئی تیسرا اُن کے بیچ نہ بولے۔بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے، کسی تیسرے کی مداخلت سے بنتی بات بھی بگڑ جاتی ہے، خواہ مخواہ۔''
''ارے......! میں بے وقوف ہوں......؟ سیدھے سیدھے یہ کیوں نہیں کہتی......''
شکیلہ خاتون کا بس نہ چلا تو اُنہوں نے فوزیہ پر چڑھائی کر دی۔جس کے لئے اُن کے دل میں کبھی ذرّہ برابر گنجائش نہیں رہی تھی اور جس کو لعن طعن کرنے کا بہانہ وہ ہمیشہ ڈھونڈتی تھیں۔فوزیہ گہری سانس لے کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔اُسے معلوم تھا، مزید کچھ کہنا بے کار ہے۔

☆......☆......☆

علینہ چوروں کی طرح آہستہ آہستہ زینہ اُترتی ہوئی محتاط انداز میں لاؤنج میں آ رہی تھی۔صابر میلی چادروں اور کپڑوں کا ڈھیر اُٹھائے باہر جا رہا تھا۔علینہ کی اُس پر نظر پڑی تو اُس نے آہستہ سے اُسے آواز دی اور ساتھ ہی خوف زدہ انداز میں اِدھر اُدھر بھی دیکھا۔
''صابر......!''
اُس کی آواز بہت آہستہ تھی مگر صابر نے سن لی تھی۔وہ چونک کر پلٹا تھا اور علینہ کی طرف بڑی ہمدردی سے دیکھ رہا تھا۔
''جی بیگم صاحب......!''
علینہ نے اسی طرح سرگوشی کے انداز میں اس سے پوچھا۔
''صاحب آفس چلے گئے......؟''
صابر نے اُس طرف دیکھا جس طرف وہاج اور علینہ کا بیڈروم تھا۔
''ابھی تو سو رہے ہیں بیگم صاحبہ......! کمرہ بھی بند ہے۔''
''سو ہی رہے ہوں گے۔''
علینہ نے جیسے سکون کا سانس لیا۔اُس کا حلیہ بہت خراب ہو رہا تھا۔لباس شکن آلود اور بال بے ترتیب ہو رہے تھے۔وہ صابر سے کہنے لگی۔
''صابر......!''
صابر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی بیگم صاحبہ......!''

علینہ اُلجھن بھرے انداز میں بولی۔

''جاؤ، اپنا کام کرو۔''

''آپ چائے پئیں گی تو چائے بنا کر لاؤں......؟''

صابر نے جانے کے لئے قدم بڑھائے مگر رُک کر علینہ کی طرف دیکھتے ہوئے دوبارہ بولا تھا۔

''آپ کے لئے چائے لاؤں......؟''

''نہیں نہیں......! مجھے چائے نہیں چاہئے۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ تم جاؤ اپنا کام کرو۔''

وہ بڑے اُلجھے اُلجھے انداز میں بولی۔ صابر وہاں سے چلا گیا۔ علینہ نے پھر ایک گہرا لمبا سانس لیا۔ اُس کی آنکھوں سے لگتا تھا، وہ کچھ سوچ رہی ہے۔ وہ چند لمحے اُسی زاویے سے بیٹھی رہی، پھر اُس کی نظر فون سیٹ پر جا کر رُک گئی۔ چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر اپنی جگہ سے اُٹھی اور بہت محتاط انداز میں ریسیور اُٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ نمبر ڈائل کرنے کے بعد اُس نے کال اٹینڈ ہونے کا انتظار کیا۔ اس کے انداز میں بڑی بے چینی اور بے قراری تھی۔ چہرے پر خوف بھی تھا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اُسی وقت کال اٹینڈ ہوگئی۔ دوسری طرف عدیل ''ہیلو، ہیلو'' کہہ رہا تھا۔ علینہ نے کوئی رسمی بات چیت کرنے کی بجائے بڑے بے تاب اور جلد بازی کے انداز میں اُس سے کہا۔

''ہاں عدیل......! میں علینہ بات کر رہی ہوں۔ لمبی بات نہیں کر سکتی، اس لئے میری بات سنو، کچھ مت بولو۔''

عدیل اُس کی یہ بات سن کر اُلجھ تو گیا تھا لیکن منتظر تھا، علینہ اُس سے کیا بات کرتی ہے......؟ علینہ نے کچھ کہنے کے لئے ابھی ہونٹ ہی کھولے تھے کہ اُسی لمحے وہاج لاؤنج میں تیزی سے داخل ہوا اور چیتے کی پھرتی سے آگے بڑھ کر علینہ کے بال پکڑ لئے۔ علینہ نے خوف زدہ ہو کر بہت زور سے چیخ ماری۔ وہاج نے اُسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا۔ ریسیور علینہ کے ہاتھ سے گر گیا۔ وہاج نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور علینہ پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔ ساتھ ساتھ بول بھی رہا تھا۔

''باز نہیں آئے گی۔ صابر نہ آتا تو رات موت کی نیند سو جاتی۔ مجھے سویا ہوا سمجھ رہی ہے......؟ اب تو تجھے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے، اب بھی جھوٹ بولے گی......؟ بول، کیا کہنا چاہ رہی تھی اُس سے......؟ کیا بات کرنا چاہ رہی تھی اُس سے......؟ یہی ناں کہ وہ تجھے یہاں سے لے جائے......؟ اُس کے ساتھ بھاگنے کی کوئی پلاننگ کرنا چاہتی تھی......؟''

یہ کہہ کر وہاج نے پھر اُس پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔

''سویا ہوا سمجھ رہی تھی مجھے......؟ اپنے یار سے باتیں کر رہی تھی......؟ میں نہیں سوؤں گا، نیند نہیں آتی اب مجھے۔''

وہ ہانپتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اب تو میں پھانسی چڑھنے کے بعد ہی موت کی نیند سوؤں گا۔''

یہ کہہ کر اُس نے پھر علینہ پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔ علینہ اِدھر اُدھر لڑھک رہی تھی اور خود کو بچانے کے لئے جتن کر رہی تھی۔ کبھی اپنے ہاتھ اُٹھا کر وہاج کو روک رہی تھی، کبھی دُور جا کر کھڑی ہو جاتی تھی۔ لیکن وہ جہاں جا کر کھڑی ہوتی تھی، وہاج بڑی پھرتی سے وہاں جا کر دوبارہ نئے سرے سے اُسے زدوکوب کرنا شروع کر دیتا تھا۔ علینہ کی چیخیں مسلسل بلند ہو

رہی تھیں، یہاں تک کہ ایسا لگا پوری قوت سے چیخ کے بعد اُس کا ساؤنڈ بہت خراب ہوگیا ہے اور اُس کے حلق سے آواز آنا بند ہو گئی ہے۔ عدیل کان سے موبائل لگائے کھڑا تھا۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ علینہ کی چیخیں اُس کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''اوہ نو......!''

☆......☆......☆

صابر نے آکر ایک مرتبہ پھر علینہ کی جان بچالی تھی۔ اُس نے بڑی مشکل سے وہاج کی گرفت سے علینہ کو چھڑایا تھا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر وہاج کی منت کی تھی کہ وہ رحم کردے، وہاں سے چلا جائے۔ علینہ موقعہ غنیمت جان کر لاؤنج سے بھاگنے کے انداز میں باہر جاچکی تھی۔ وہاج ابھی تک ہانپ رہا تھا، جیسے بڑی محنت مشقت کرنے کے بعد بہت تھک گیا ہو، مگر وہ خاموش تھا۔ اُس نے صابر کو کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ صابر نے ریسیور لٹکتا پایا تو اُٹھا کر کریڈل پر رکھ دیا، پھر خاموش کھڑے وہاج کی طرف دیکھا اور منت کے انداز میں بولا۔

''صاحب......! خدا کے لئے، آپ ٹھنڈا پانی پی کر تھوڑا آرام کریں۔ آپ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ آپ کا ہوش میں آنا بہت ضروری ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کچھ ہو نہ جائے اور سوائے پچھتانے کے اور کچھ نہ بچے۔ میں آپ کی منت کرتا ہوں صاحب......! آپ اپنے کمرے میں جاکر آرام کریں۔''

صابر گڑگڑانے کے انداز میں وہاج سے کہہ رہا تھا۔ وہاج نے کھوئی کھوئی کیفیت میں صابر کی طرف دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے اُسے وہاں سے چلے جانے کے لئے کہا۔

اب صابر اس سے زیادہ بات نہیں کرسکتا تھا، کیونکہ اس سے آگے اس حد کی لکیر کھینچی ہوئی تھی جو مالک اور ملازم کے فرق کو ظاہر کرتی ہے۔

☆......☆......☆

مریم اپنے خیالات میں گم ڈائننگ روم میں بیٹھی ناشتہ کررہی تھی۔ وہ ماحول سے کٹی ہوئی تھی۔ اُس کا ذہن بہت دُور پہنچا ہوا تھا، مگر وہ ایک دم اپنی جگہ سے ہڑبڑا کے اُٹھی، کیونکہ عدیل بہت ہی خراب موڈ میں اور بہت تیز رفتاری میں ڈائننگ روم میں داخل ہوا تھا اور وہ تیر کی طرح مریم کے قریب پہنچا تھا اور بُری طرح دھاڑ کر بولا تھا۔

''کیوں گئی تھی علینہ کے گھر......؟''

مریم اُس کے اس انداز پر حیران پریشان ہوجاتی ہے۔ اُس نے حیرت سے عدیل کی طرف دیکھا اور ناگواری سے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا اور بولی کچھ نہیں۔

''میں پوچھ رہا ہوں، علینہ کے گھر کیوں گئی تھی......؟''

عدیل نے مریم کا بازو پکڑ کر زور زور سے جھنجوڑتے ہوئے پوچھا۔ مریم نے اُس کی گرفت سے اپنا بازو چھڑایا اور آف موڈ میں گویا ہوئی۔

''انسانوں کی طرح بات کریں مجھ سے، میرا مطلب ہے، تمیز سے بات کریں مجھ سے۔''

''وہاں علینہ کی زندگی خطرے میں ہے اور میں تم سے تمیز سے بات کروں......؟ اُس کی زندگی خطرے میں ہے تو تمہاری وجہ سے، صرف تمہاری وجہ سے وہ اُس کی جان کا دُشمن بنا ہوا ہے۔ میں نے اپنے کانوں سے اُس کی چیخیں سنی ہیں۔ چاروں طرف آگ لگا کے تمہیں کچھ مل جائے گا......؟''

عدیل پھر بُری طرح سے دھاڑا۔ مریم نے ہاتھ میں پکڑا ہوا چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''میرا نام مریم ہے۔ ایک بے ضمیر اور فلرٹ انسان نے مجھے شادی کا دھوکہ دیا۔ مجھے روز روز کی موت دی، اور مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آئی کہ آپ کو شادی کی ضرورت ہی کیا تھی......؟ یہ جو موت اور زندگی کے مسئلے چل رہے ہیں، اُس کی ذمہ دار میں نہیں ہوں، آپ خود ہیں۔ مجھ سے اس لہجے اور اس زبان میں بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی ایسا رشتہ موجود نہیں جس کی بنیاد پر آپ مجھ پر حق جتائیں یا مجھ سے سوال جواب کریں۔ چونکہ میری آپ سے قانونی علیحدگی نہیں ہوئی ہے، اس لئے میں ہر اُس لڑکی اور ہر اس عورت سے پوچھ گچھ کا حق رکھتی ہوں جو میرا حق مارنے کی کوشش کرے گی۔ جائیں یہاں سے، اور جا کر اس کی جان بچائیں۔ میرے ساتھ مزید کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی میں آپ کے کسی سوال کے جواب دینے کی پابند ہوں۔ اگر کوئی بات ہی کرنی ہے تو مجھے بتائیں، میرا گناہ کیا ہے......؟ اور میرے اندر ایسی کیا کمی تھی کہ آپ کو میرے ہوتے ہوئے کسی اور کی کمپنی کی ضرورت محسوس ہوئی......؟ مجھے صرف اس سوال کا جواب چاہئے۔ اس سے زیادہ مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔''

عدیل چند لمحے اُس کی طرف گھورتے ہوئے تیز تیز سانس لیتا رہا، جیسے خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''تمہیں جو بھی شکایتیں تھیں، تمہیں جو بھی مسئلے تھے، وہ تمہیں اس گھر میں بیٹھ کر مجھ سے discuss کرنا چاہئیں تھے۔ علینہ کے گھر نہیں جانا چاہئے تھا۔''

عدیل اب ذرا پُرسکون انداز میں بات کر رہا تھا۔

''کس base پر......؟ ایک سچے رشتے کی بنیاد جھوٹ پر رکھنے والے سے میں کیسے بات کرتی......؟ کیا گارنٹی تھی کہ اس بار مجھ سے جھوٹ نہیں بولا جا رہا......؟ اور یہ کہ آئندہ مجھے دھوکہ نہیں دیا جائے گا......؟ کیا ضمانت ہے اس کی......؟ کیا وفاؤں کی ضمانتیں ہوا کرتی ہیں......؟ وفاداریوں کے سرٹیفکیٹ ایشو ہوا کرتے ہیں......؟ جب اعتماد ایسے ریزہ ریزہ ہوتا ہے تو زندگی بھر انسان بڑی سے بڑی سچائی کو بھی شک کے پیمانے میں تولنے لگتا ہے مسٹر عدیل......! میں علینہ کو صرف یہ بتانے گئی تھی کہ میں وہ سہمی ہوئی مظلوم عورت نہیں ہوں جس کے حقوق پر ڈاکہ پڑے اور وہ خاموش رہے۔''

اتنا کہہ کر وہ رُکی، عدیل کی طرف دیکھا جو اُسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مریم کے ہونٹوں پر ایک تلخ اور طنزیہ مسکراہٹ اُبھری۔

''ویسے بھی اتنی شرمناک زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ مجھے اُس سے کوئی ہمدردی نہیں۔ میں نے اپنی سگی بہن کو معاف نہیں کیا، علینہ کیا لگتی ہے......؟''

وہ اپنی جگہ سے دو قدم آگے بڑھ کر کہہ رہی تھی۔ عدیل نے لاجواب سا ہو کر اُس کی طرف دیکھا۔ وہ بہت کچھ بولنا چاہتا تھا، بہت کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن اس وقت سارے لفظ گم ہو چکے تھے۔ مریم اُسے اسی طرح بُت کی طرح چھوڑ کر وہاں سے چلی گئی

تھی۔

☆......☆......☆

سسٹر اُجالا، ناصر کا بی پی چیک کر رہی تھی اور ناصر مسلسل اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔اُجالا کو اُس کی نظروں سے بہت اُلجھن محسوس ہو رہی تھی، مگر وہ اَنجان بنے رہنے پر مجبور تھی۔اُس نے خود کو سنبھال کر پیشہ ورانہ مسکراہٹ سجا کر ناصر کی طرف دیکھا۔

''کیا دیکھ رہے ہیں ناصر صاحب......؟ ماشاءاللہ......! آپ نے بڑی تیزی سے improve کیا ہے۔ایک دو دن میں ڈِسچارج ہو کر گھر چلے جائیں گے۔''

ناصر ایک دم اپنے دھیان سے چونک پڑا تھا۔اُس نے سوالیہ نظروں سے اُجالا کی طرف دیکھا اور اُس کے منہ سے نکلا۔

''گھر......؟''

پھر ایک دم تھکے تھکے انداز میں آنکھیں بند کر لیں اور مسکرانے لگا۔

''مس اُجالا......! آپ نے کبھی سمندر کے کنارے ریت سمیٹ کر گھروندے بنائے ہیں......؟''

وہ اتنا کہہ کر ہنس پڑا اور آنکھیں کھول دیں۔اُجالا اُسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''مجھ سے کبھی ریت کا گھروندا ٹھیک سے نہیں بنا۔ہمیشہ گر جاتا تھا۔''

اُجالا نے میٹر پر ایک نظر ڈالی اور خفا خفا انداز میں ناصر کو ٹوکا۔

''پھر آپ نے ڈپریشن والی باتیں شروع کر دیں۔اچھا، اب سو جائیں۔اچھا سوچنے میں کچھ جاتا ہے کیا......؟''

اب ناصر کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ اُبھری۔

''مس اُجالا......! سوچیں اختیار میں نہیں رہتیں۔یہ تو ایسے ہی ہیں جیسے......''

اُجالا نے اپنا سامان سمیٹنا شروع کیا اور بڑے مصروف انداز میں بولی۔

''بہت logically باتیں کرتے ہیں۔مگر خود کو خوش رکھنے کے لئے بھی کوئی دلیل ڈھونڈ لیں۔آپ کی فٹنس کے لئے بہت ضروری ہے۔''

ناصر پھر بڑی اُداسی سے مسکرا دیا اور اُس نے بڑی گہری نظر اُجالا پر ڈالی۔

''شاید آپ نے خوش رہنے کے لئے کوئی دلیل ڈھونڈ لی ہے۔''

اُجالا اُس سے نظریں چراتے ہوئے اپنا رُخ موڑ لیتی ہے۔

''شاید ایسا ہی ہے۔''

وہ پُرتکلف انداز میں مسکرائی اور باہر جانے کے لئے قدم بڑھانے لگی۔

''ہاں......! آپ کے بارے میں کچھ پتا چلا تو ہے۔''

ناصر کی آواز اُس کی سماعت سے جیسے ہی ٹکرائی، وہ بُری طرح چونک کر پلٹی۔اُس کی آنکھوں میں پریشانی اور اُلجھن کی کیفیت تھی۔

''کیا......؟ کیا سنا ہے آپ نے......؟ میں نے تو کبھی کسی سے اپنے personal discuss نہیں کئے۔''
ناصر بے ساختہ مسکرا دیا جیسے کسی بچے نے بے ساختگی سے بات کی ہو۔لیکن بڑے مزے کی بات کی ہو۔پھر بولا۔
''صرف ذاتیات ہی topic نہیں بنا کرتی۔کچھ اور باتیں بھی ہوتی ہیں۔میں سوچ رہا تھا، یہاں سے رُخصت ہونے سے پہلے آپ سے کچھ خاص خاص باتیں کروں گا، اگر آپ اجازت دیں گی تو۔مثلاً آپ اتنی ذہین، باصلاحیت اور محنتی ہیں، آپ نے نرسنگ لائن کو ہی کیوں چوائس کیا ہے......؟''
اُجالا نے پھر چونک کر ناصر کی طرف دیکھا۔اُسے محسوس ہوا، ناصر اُس پر کچھ غیر ضروری توجہ دے رہا ہے اور وہ بہت محتاط ہوگئی تھی۔پھر ایک دم اُس نے نظر چرالیں۔
''آپ اپنے بارے میں سوچیں ناصر صاحب......! آپ کو اب مکمل صحت مند ہونا ہے۔اس طرح سے نہیں کہ آپ زندگی بھر دوا کھاتے رہیں۔آپ کو دواؤں سے پیچھا چھڑانا ہوگا۔ایک مکمل صحت مند انسان کی طرح زندگی گزارنی ہوگی۔کیونکہ آپ کی ایک معصوم پیاری سی بیٹی بھی تو ہے۔''
ناصر، اُجالا کی بات پر چونک پڑا۔پھر سوچ میں پڑ گیا اور نتیجے پر بھی پہنچ گیا۔اُس نے گہری سانس لی۔
''ہاں......! آپ کو تو میری پرسنل لائف کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے، اس لئے کہ یہاں patient کی مکمل ہسٹری لی جاتی ہے۔''
اُجالا اُس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے اپنی ریسٹ واچ پر نظر دوڑاتی ہے۔
''جی ہاں......! ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔''
وہ غیر دماغی کی کیفیت میں گویا ہوئی تھی۔
''مریض کا proper علاج کرنے کے لئے ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے، ہاں جو تفصیلات ہم مریض کے بارے میں حاصل کرتے ہیں، وہ discuss کرنے کے لئے نہیں ہوتیں۔مریض کا علاج کرتے ہوئے ان تفصیلات سے ہمیں کافی ہیلپ ملتی ہے۔اس وجہ سے detail میں لی جاتی ہیں۔شکر ہے کہ آپ پہلے سے بہتر ہیں۔آپ اپنا خیال کیجئے۔میں تھوڑی دیر بعد پھر بی پی چیک کروں گی۔دیکھیں دوا وقت پر کھا لیجئے گا۔آپ پھر سمجھ رہے ہیں ناں، میری بات۔''
اُجالا نے اپنی بات اُدھوری چھوڑ کر ناصر کی طرف دیکھا۔ناصر کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی موضوع سے بچنا چاہ رہی ہو یا اُسے اپنی ذاتیات پر بات کرنا پسند نہ ہو۔وہ ایک دم خاموش سا ہو گیا تھا، کیونکہ وہ جو باتیں کرنا چاہتا تھا، وہ اُجالا سننا نہیں چاہتی تھی۔اُسے وہاں سے ہٹ جانے کی جلدی تھی۔ناصر کے خاموش ہوتے ہی وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ناصر کھلے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ذہن بہت دُور اُڑانیں بھر رہا تھا۔

☆......☆......☆

انعم، سلمان کے بیڈروم میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی ہوئی احتیاط سے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ساتھ ہی کچھ گنگنا رہی تھی۔دروازے پر بہت آہستگی سے دستک ہوئی۔وہ اپنے دھیان سے چونک پڑی، پھر مسکرائی۔
''بس ایک منٹ ڈارلنگ......!''

پھراپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑی ہوئی۔شرٹ کھینچ کر نیچے کی اور مختلف زاویوں سے اپنا جائزہ لینے لگی۔پھر بڑی خود پسندی سے مسکرائی اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔دروازہ کھلا تو وہ بُری طرح چونک پڑی۔سامنے سلمان کا دوست عابد کھڑا تھا۔انعم ایک دم سیریس ہو کر محتاط ہو کر دوقدم پیچھے ہٹ گئی اور بولی۔

''جی فرمایئے......!''

عابد اُسے بڑی والہانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی عاشق نامراد کو بڑی حسرتوں کے بعد محبوب کا دیدار نصیب ہوا ہو۔

''آپ انعم ہیں ناں......؟''

وہ اپنے حسین خیال میں کھڑا سوچ رہا تھا۔

''جی......جی ہاں......!لیکن آپ......آئی ایم سوری......!میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

عابد ایک دم سے آگے بڑھا اور اُس نے انعم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال لیں۔

''میں بھی آپ ہی کی طرح سلمان کا ایک دوست ہوں۔''

انعم نے ہکا بکا ہو کر اُس کی شکل دیکھی۔

''میری طرح......؟''

عابد بڑی شان بے نیازی سے مسکرایا۔

''دوست کا مطلب دوست ہوتا ہے۔کیوں اتنی حیران ہو رہی ہیں......؟''

وہ پھر کمرے میں اِدھر اُدھر جھانکنے لگا۔

''خیر چھوڑیں......!کیا سلمان سو رہا ہے......؟''

انعم جو اُس کی باتوں سے بُری طرح اُلجھ گئی تھی بلکہ اُس کا موڈ آف ہو گیا تھا، بڑی بے رُخی اور بے مروّتی سے گویا ہوئی۔

''نہیں......!وہ تو باہر گئے ہیں۔آپ لان میں بیٹھ کر اُن کا wait کریں۔بہت ہی بے تکلف دوست ہیں، گھر میں داخل ہوتے ہی بیڈروم کا دروازہ نوک کرتے ہیں کیا......؟''

انعم اپنی عادت سے مجبور بڑی صاف گوئی اور طریقے سے عابد کو جواب دیا۔

''کیوں......؟ آپ نے تو خود ہی سمجھ لیا کہ میں سلمان کا بے تکلف دوست ہوں، تو لان میں بیٹھ کر wait کیوں کروں......؟میں اِدھر بیڈروم میں بیٹھ کر بھی تو اُس کا wait کر سکتا ہوں۔''

انعم کو ایک بار پھر حیرت کا زوردار جھٹکا لگا۔

''جی......؟''

''آپ تو اتنی حیران ہو رہی ہیں۔میں نے کیا اتنی انوکھی، نرالی بات کی ہے......؟ بھئی......!میں یہاں خود نہیں آیا ہوں۔مجھے سلمان نے بلایا ہے تو آیا ہوں، ورنہ مجھے کیا پتا چلتا کہ وہ یہاں چھپا بیٹھا ہے......؟''

انعم نے اُس کی طرف دیکھا۔اُس کے چہرے پر اُلجھن اور ناگواری کی لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔

''ٹھیک ہے......!سلمان نے ضرور آپ کو بلایا ہوگا، تو بلانے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اُس کے بیڈروم میں آ کر قبضہ جما

کر بیٹھ جائیں۔"

"آپ بھی تو اُس کے بیڈروم میں بیٹھی ہیں۔"

عابد نے بڑے لوفرانہ انداز میں اُس کے چہرے کو دیکھا اور اُس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔ انعم کا بی پی شوٹ کرنے لگا۔ جی تو چاہا کہ اُس کے منہ پر زوردار طمانچہ رسید کرے، لیکن وہ کہہ رہا تھا کہ وہ سلمان کا دوست ہے۔ اُس نے بہت ضبط کیا تھا۔ انعم خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ عابد نے دروازے کی چوکھٹ پر دونوں ہاتھ جما دیئے۔

"بہت لکی ہے سلمان، میرا مطلب ہے، گرل فرینڈ کے معاملے میں بہت لکی ہے۔ جو بھی اُس کی گرل فرینڈ ہوتی ہے، اے وَن ہوتی ہے۔ کسی دن ہمارے ساتھ بھی ایک کپ چائے یا کافی پیجئے ناں......! آخر ہم بھی اتنے بُرے تو نہیں۔"

عابد نے اسی انداز میں آوارہ نظریں انعم کے چہرے پر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"واہ......!"

اب انعم کو برداشت کرنا بہت ہی مشکل ہو رہا تھا، لیکن اُسے برداشت تو کرنا تھا۔ اُس نے اپنے اندر کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو کنٹرول کرنے کی پوری پوری کوشش کی اور لٹکا سا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"سوری......! میں دوست بنانے کی زیادہ شوقین نہیں ہوں۔ سلمان کے ساتھ میرا دوسرا سلسلہ ہے، ہم تو بہت جلد شادی کر لیں گے۔"

"کر لیں گے، ہوئی تو نہیں ناں......! ضروری تو نہیں شادی کریں بھی۔ آپ میری دوست بن کر بھی بہت اچھا feel کریں گی اور سلمان کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہوگا۔"

"آپ پلیز......! لان میں چلے جائیں، کیونکہ میں سمجھتی ہوں، اگر کچھ دیر اور آپ یہاں کھڑے ہو کر باتیں کرتے رہے تو کوئی ٹینشن والی بات بھی ہو سکتی ہے۔ میں آپ کے ساتھ کسی بھی قسم کا behave نہیں کرنا چاہتی، کیونکہ آپ نے خود کو سلمان کا دوست کہا ہے۔ مگر معاف کیجئے، جو اچھے دوست ہوتے ہیں، وہ اس طرح کی باتیں نہیں کرتے جس طرح کی باتیں آپ کر رہے ہیں۔"

انعم نے اتنا کہا۔ اس سے پہلے کہ عابد سنبھلتا یا اپنی پوزیشن سنبھالتا، انعم نے دروازہ بند کر کے اندر سے لاک کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

فیاض احمد لاؤنج میں داخل ہوئے تو سامنے سلمٰی بیگم پتھر کا بُت بنی دکھائی دیں۔ وہ بُری طرح پریشان ہو گئے۔ یہی خیال آیا کہ شاید انعم کی طرف سے پھر کوئی بُری خبر آئی ہے یا انعم سے فون پر کوئی بدمزگی ہوئی ہے۔ وہ خود کو سنبھالتے ہوئے نظریں چراتے ہوئے سلمٰی بیگم کے پاس آ کر بولے۔

"خیریت ہے سلمٰی......! اس طرح سے کیوں کھڑی ہو......؟ پھر کوئی بُری خبر آ گئی ہے کیا......؟ بُری خبروں نے شاید اسی گھر کا رستہ دیکھ لیا۔"

یہ کہہ کر اُنہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"وہ جو کہتے ہیں ناں کہ مصیبت کبھی اکیلی نہیں آتی۔"

وہ یہ کہہ کہ گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئے۔ اُن کی سماعتیں منتظر تھیں کہ سلمیٰ اُنہیں کس قسم کی بُری خبریں سناتی ہیں......؟

''مصیبت نہیں آ رہی فیاض......! میرے پاپا آ رہے ہیں۔''

سلمیٰ بیگم کی آواز جیسے سماعت سے ٹکرائی تو فیاض احمد کو جیسے بجلیوں نے چھو لیا ہو۔ وہ ایک دم اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''ماموں جان آ رہے ہیں......؟''

اُنہوں نے بڑی پریشانی کی کیفیت میں سلمیٰ کی طرف یوں دیکھا جیسے اُنہیں شک ہو کہ سلمیٰ نے کچھ اور کہا ہے اور اُنہوں نے کچھ اور سنا ہو۔

''ہاں فیاض......! صبح چار بجے کی فلائٹ سے پاپا آ رہے ہیں۔ ابھی عاصم کا فون آیا تھا۔''

''پاپا پاکستان آنے کے لئے گھر سے نکل چکے ہیں۔ کیا ہو گا فیاض......؟ میرے پاپا تو دل کے مریض ہیں اور یہاں پر کوئی بھی تو خوش خبری نہیں ہے جو میں اُن کو سنانے کے لئے بے چین ہو جاؤں۔ اگر انعم کے بارے میں پاپا کو کچھ پتا چلا تو فیاض......! وہ خود کو نہیں سنبھال سکیں گے۔ اتنا بڑا صدمہ سہنے کی اُن میں ہمت نہیں ہے۔ کچھ کرو فیاض......! کسی طرح کہیں سے انعم کو لے آئیں۔ میں اُس سے کہہ دوں گی، کہیں میرا باپ مجھ سے نہ چھن جائے، مجھ پر رحم کرو۔''

اتنا کہہ کر سلمیٰ بیگم بُری طرح ہچکیوں سے رو پڑیں۔ وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھیں۔ فیاض احمد بے بسی کی تصویر بنے اُنہیں دیکھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

مریم آفس میں بہت مصروف تھی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی نے اُسے چونکا دیا۔ اُس نے محتاط انداز میں فون ریسیو کیا۔ دوسری طرف سلمیٰ بیگم تھیں جو کہہ رہی تھیں۔

''مریم......! ہیلو مریم......!''

''جی امی......! السلام علیکم......!''

''خیریت ہے ناں......؟''

''خیریت کہاں بیٹا......؟ خیریت لفظ تو ایسا ہو گیا ہے بیٹا......! جیسے کوئی انوکھی، نرالی بات۔''

''بولیں امی......! کیا مسئلہ ہے......؟ آپ نے تو پریشان کر دیا۔ کیا میں آپ کے پاس آؤں......؟''

مریم بُری طرح پریشان ہو گئی۔

''ہاں مریم......! میں واقعی بہت پریشان ہوں۔ حالانکہ میرے اور تمہارے لئے تو یہ بہت خوشی کی خبر ہے کہ پاپا آ رہے ہیں۔ لیکن جن حالات میں آ رہے ہیں، یہ خوشی کی خبر نہیں ہے۔ یہ تو بہت بڑی پریشانی ہے۔ دیکھو ناں......! بیا ابھی ہمارے پاس ہے۔ پاپا اُسے ہمارے پاس دیکھ کر پوچھیں گے کہ یہ انعم اور ناصر کے پاس کیوں نہیں ہے......؟ اب ہم کتنے دن تک جھوٹ بول سکیں گے بیٹا......؟ اور حماد کا تو کوئی بھروسہ نہیں۔ وہ تو جیسے پھٹ پڑنے کا بہانہ ڈھونڈتا ہے۔''

وہ اتنا کہہ کر بڑی تلخ انداز میں ہنسی تھیں۔

''وہ تو اب ہر وقت بارود بھری بندوق بنا رہتا ہے۔ بہت ڈر لگتا ہے مجھے اُس سے۔''

''امی......! اب آپ اتنا بھی اپنے آپ کو پریشان نہ کریں۔ یہ ساری کی ساری سوچیں محض وہم ہی تو ہیں۔ کیا معلوم کل کیا ہو جائے......؟ آپ خود کو سنبھالیں۔ فی الحال نانا جان کے سامنے ہم لوگوں نے خود کو خوش باش ہی ظاہر کرنا ہے۔ نانا جان کو ایک دم سے تو کوئی خبر نہیں سنا سکتے۔ لیکن ہو سکتا ہے، آہستہ آہستہ کچھ بتانا ہی پڑ جائے۔ یہ تو بعد کی بات ہے۔ ابھی تو امی......! پلیز آپ خود کو سنبھالیں۔''

مریم خود پریشان تھی لیکن ماں کو تسلیاں دے رہی تھی۔

''اور امی......! یہ بھی تو ہے ناں، دیکھیں ناصر جو ہے، بہت بہتر ہے اور ہو سکتا ہے وہ بیبہ کو لینے آ جائے۔ ہم ناصر سے request کریں گے کہ وہ نانا جان کے سامنے کوئی بات نہ کرے اور نانا جان کو بتا دیں گے کسی مصروفیت کی وجہ سے انعم نہیں آ سکی۔ پھر ناصر خود ہی بیٹی کو لینے آ گئے، کیونکہ وہ بیمار تھے۔ انعم بہت مصروف تھی تو آپ بیبہ کو تھوڑے دنوں کے لے لے آئی تھیں۔ امی......! بات بنانے کی کوشش کریں گے، کچھ تو بن ہی جائے گی، پلیز......! بس آپ اپنے آپ کو سنبھالیں۔ اگر آپ نے اپنے آپ کو نہیں سنبھالا تو آپ ہی کی وجہ سے نانا جان کو ٹینشن ملے گی۔''

''ہاں بیٹا......! میری تو یہی کوشش ہے کہ میں خود کو سنبھالوں اور اپنے باپ کو کسی قسم کا دُکھ نہ پہنچاؤں۔ میرے پاپا تو بہت اچھے ہیں، سب کا خیال رکھتے ہیں۔ پتا نہیں یہ کیسا امتحان آ گیا ہے زندگی میں......؟''

''ہاں امی......! امتحان تو آتے ہی رہتے ہیں اور ان کو face بھی کرنا ہوتا ہے۔ خودکشی کر کے مرتے تو نہیں ہیں۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہو، تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹا......!''

سلمیٰ بیگم تھکے تھکے لہجے میں بولیں۔

''امی......! آپ اپنا خیال رکھیں۔ میں کوشش کروں گی کہ آفس سے فارغ ہو کر آپ کے پاس آ جاؤں۔ ٹھیک ہے امی......! اللہ حافظ......!''

مریم نے ماں کو دلاسہ دیا۔

''اللہ حافظ بیٹا......! اللہ حافظ میری جان......!''

سلمیٰ بیگم روئے روئے سے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون اپنے پیر صاحب کے آستانے میں بہت ادب کے ساتھ سر جھکا کر بیٹھی تھیں۔ بڑی سی چادر لپیٹی ہوئی تھی۔ شکل سے بہت پریشان اور غمزدہ نظر آ رہی تھیں۔ پیر صاحب مراقبے کی کیفیت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے دانے پر دانے گر رہے تھے۔ پیر صاحب نے ایک دم آنکھیں کھولیں۔ آنکھیں غصے سے لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ ایک دم بھڑک کر گویا ہوئے۔

''کسی دُشمن نے تیری بیٹی کے گھر قبرستان کی مٹی دبوائی ہے تاکہ اُس کا گھر ویران ہو جائے۔''

شکیلہ خاتون اتنا سنتے ہی دوہاتھ تڑپ سینے پر مارنے لگیں۔

''ہائے ہائے......! خاک پڑے منحوسوں پر......!''

پھر ہاتھ جوڑ کر منت کرنے لگیں، آپ کچھ کریں ناں شاہ صاحب......! میری ایک ہی بیٹی ہے۔''

''ہاں ہاں......! کریں گے، اور ضرور کریں گے، نہیں تو کیا خاموش بیٹھ کر تماشہ دیکھیں گے......؟ ارے......! ہم اپنی بچی کی ان دُشمنوں سے جان چھڑائے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ چالیس روز چھوڑ، ہمیں ایک سال بھی چلّے کاٹنے پڑے تو کاٹیں گے۔ لیکن اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ تیرا کام انشاء اللہ بہت جلد ہو جائے گا۔''

بابا سائیں نے اب normal آواز میں شکیلہ خاتون کو تسلی دی۔ شکیلہ خاتون عقیدت سے دُہری ہو گئیں۔

''آپ اتنی کرامت والے ہیں۔ میں بہت بے وقوف ہوں۔ اُس جہنمی کا نام تو نکالیں تاکہ اُس سے احتیاط تو کریں ہم۔''

یہ سنتے ہی بابا صاحب پھر جلال میں آ گئے۔

''کیسی باتیں کرتی ہو چوہدرانی......؟ ہم یہاں نام بتا کر قتل و غارت شروع کرا دیں......؟ تمہیں نام وام سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ بس، تمہارا کام ہونا چاہیے۔''

شکیلہ خاتون، بابا صاحب کا جلال دیکھ کر گویا تھر تھر کانپنے لگیں۔ ایک دم دونوں ہاتھ جوڑ کر بولیں۔

''بابا سائیں......! پھر بھی کوئی اشارہ تو دیں، ہم اُس سے بچنے کی کوئی راہ دیکھیں۔''

بابا سائیں نے اپنا سر سہلایا اور معنی خیز انداز میں مسکرانے لگے۔

''ارے......! یہ اپنے ہی پیٹھ میں خنجر اُتارتے ہیں۔ راہ چلتوں کو کیا پڑی ہے، کوئی کسی کا کچھ لگتا ہے......؟ تو اُسے خوشی ہوتی ہے یا حسد۔''

''ہائے ہائے......!''

شکیلہ خاتون نے پھر اپنے دونوں ہاتھ سینے پر مارنا شروع کر دیئے۔

''میں سمجھ گئی بابا سائیں......! میں سمجھ گئی۔''

بابا سائیں نے ایک دم اپنی آنکھیں کھولیں، یہاں تک کہ ایسا محسوس ہوا جیسے باہر نکل پڑے گئیں۔

''کالا علم کرایا ہے کسی نے اور چوہدرانی......! اس کا توڑ کرنے میں خرچہ بہت آتا ہے۔''

شکیلہ خاتون نے بڑی شانِ بے نیازی سے مسکرا کر بابا سائیں کی طرف دیکھا۔

''خرچے کی تو آپ فکر ہی نہ کریں بابا سائیں......! بس کسی طرح میرے داماد کو میری بیٹی کا غلام بنا دیں۔ پتا نہیں ایک دم سے اُسے کیا ہو گیا ہے......؟ پہلے تو میری بیٹی کو دیکھ دیکھ کر جیتا تھا۔''

بابا سائیں سن کر مسکرائے۔ پھر زور سے اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

''اور یہی بات دُشمنوں کو برداشت نہیں ہوئی۔ خیر......! ہم بھی ایسا کام کریں گے کہ دُشمن ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔''

شکیلہ خاتون نے بڑے جذبے سے کہا۔

''انشاللہ......!''

پھر بڑی رازداری کے انداز میں بولیں۔

''باباسائیں......!اس وقت کیانذرانہ پیش کروں......؟''

باباسائیں یہ سن کر بڑے اسٹائل سے اپنے بال سنوانے لگے۔

''چوہدرانی......! پورے ایک چلّے کا کام ہے۔ چلّے کا مطلب تجھے پتا ہے، ایک مہینہ دس دن۔ اُوپر بہتے پانی کے کنارے بیٹھ کر عمل کرنا ہوتا ہے۔ ساری دُنیا سورہی ہوتی ہے، ہم جاگتے ہیں۔ موٴکلوں کا خرچہ ملا کر پچاس ہزار بنتے ہیں۔ آدھے ابھی دینا ہوں گے، آدھے بیس دن بعد۔ سمجھ گئی ناں......؟''

شکیلہ خاتون نے کہا۔

''میں سب سمجھ گئی ہوں باباسائیں......!اولاد سے بڑھ کر کچھ ہوتا ہے کیا......؟ کوئی حیثیت نہیں ہے میرے بچی کے سامنے پچاس ہزار کی۔ پچاس ہزار سے اُوپر ہی دوں گی، کم نہیں دوں گی۔ بس کام ہونا چاہیے باباسائیں......! میری بچی ایسے حال میں ہے، آپ دیکھیں تو کلیجہ پھٹ جائے......''

''بس بس......!''

باباسائیں نے شکیلہ خاتون کی بات کاٹ دی۔

''تم نے جتنا بتایا ہے، ہم نے اس سے زیادہ سمجھ لیا ہے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے سارے منظر چل رہے ہیں۔ ہم یہاں پر بے خبر نہیں بیٹھے۔''

شکیلہ خاتون نے یہ سن کر بڑا سکون محسوس کیا اور بڑی خوشی سے اپنے پرس سے نوٹ نکال نکال کر گننے لگیں۔ باباسائیں کن اکھیوں سے نوٹوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

عدیل اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ بہت اہم فائلیں سامنے رکھی ہوئی تھیں لیکن اُس کا کام میں بالکل بھی جی نہیں لگ رہا تھا۔ ذہن اتنا اُلجھا ہوا تھا کہ اُسے ہر کام بہت بھاری لگ رہا تھا اور فائلیں تو ایسے لگ رہی تھیں جیسے پھنکارتے ہوئے اژدھے کی طرح اُسے ڈَس لیں گی۔ اُس نے فائلیں اکٹھی کیں اور زور سے ایک طرف پٹخ دیں۔ غصے اور جھنجاہٹ نے اُس کا ذہن ماؤف کیا ہوا تھا۔ ذہن صرف مریم میں اٹکا ہوا تھا۔

''کیا ہورہا ہے......؟ کیا ہونے جارہا ہے......؟ جو کچھ علینہ کے ساتھ ہورہا ہے، وہ کتنے دن برداشت کرسکے گی......؟ مریم نے بہت زیادتی کی۔ خدانخواستہ اگر علینہ کو طلاق ہوجاتی ہے اور وہ میرے پاس آجاتی ہے تو کیا مجھے اُس سے شادی کرنا پڑے گی......؟ اوہ نو......!''

وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شاید......شاید ایسا ہو۔ شاید وہاج کے گھر والے، اُس کے فیملی ممبرز کوئی ایک ایسا راستہ نکالیں کہ یہ نوبت ہی نہ آئے۔ لیکن مریم نے تو جیسے لمحوں میں آخری فیصلہ کرلیا ہے، وہ صاف کہہ رہی ہے کہ میں خود کو آزاد سمجھوں اور

اپنی نئی دُنیا بسا لوں۔"

وہ بے بسی سے سینے پر ہاتھ لپیٹ کر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔

"مریم......! تمہارے جذباتی پن نے کتنے زندہ لوگوں کو جیسے سولی پر لٹکا دیا ہے......؟ یہ تم نے کیا کیا مریم......؟ چاروں طرف آگ سی لگ گئی ہے۔"

وہ بڑبڑا رہا تھا اور ٹہلتے ٹہلتے قریب ہی صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا تھا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا تھا۔

☆......☆......☆

فوزیہ ضروری چیزوں کی خریداری کر کے ابھی ابھی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔ اُس کے پیچھے پیچھے ماسی برکتے شاپر اُٹھائے آ رہی تھی۔ فوزیہ تھکے تھکے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی اور ماسی سے بولی۔

"ماسی برکتے......! یہ دونوں شاپر کچن میں لے جاؤ اور سب چیزیں ٹھکانے پر لگا دو۔"

ماسی کے جاتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ فوزیہ نے بڑی بے زاری اور کاہلی سے فون سیٹ کی طرف دیکھا تھا۔ اُس نے جاتی ہوئی ماسی کو آواز دے کر روکا۔

"ماسی برکتے......! دیکھنا کس کا فون ہے......؟"

ماسی شاپر وہیں پر چھوڑ کر فون ریسیو کرنے کے لئے دوڑنے کے انداز میں آئی۔ ویسے بھی فون کی گھنٹی اُس کے اندر بجلیاں دوڑا دیتی تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ پتا نہیں، کس کے فون کا انتظار کرتی رہتی ہے۔

"ہیلو......!"

ماسی نے فون اٹینڈ کر لیا تھا۔ فوزیہ اُس کی طرف دیکھ رہی تھی، ماسی نے دوسری طرف کی آواز سن کر جب فوزیہ کو مخاطب کیا۔

"فوزیہ بی بی......! علینہ بی بی کے گھر سے فون ہے۔ اُن کا نوکر صابر بات کر رہا ہے۔"

فوزیہ جو اپنے بکھرے ہوئے بال سمیٹ کر جوڑا بنا رہی تھی، ایک دم گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"صابر......؟ صابر نے کیوں فون کیا ہے......؟ ایک منٹ......!"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر بولی۔ ماسی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"ہاں......! فوزیہ بی بی بات کرنے آ رہی ہیں۔"

یہ کہہ کر اُس نے ریسیور فوزیہ کی طرف بڑھا دیا۔ فوزیہ نے بڑی بے تابی سے کہا تھا۔

"ہیلو صابر......! خیریت ہے......؟"

دوسری طرف سے صابر کی بہت گھبرائی ہوئی آواز اُبھری۔

"السلام علیکم فوزیہ بی بی......! بڑی بیگم صاحبہ سے بات کرا دو۔"

یہ سن کر تو فوزیہ کو جیسے غش آنے لگے، پسینے چھوٹنے لگے۔

"خیریت ہے ناں صابر......؟ مجھے بتاؤ، کیا بات ہے......؟"

یہ کہہ کر وہ ماسی کو جانے کے لئے ہاتھ کے اشارے سے کہتی ہے۔صابر اسی طرح سے ہچکچا رہا تھا جیسے اُسے فوزیہ سے بات نہیں کرنا،صرف شکیلہ خاتون سے بات کرنا ہے۔

''بہتر ہوگا کہ آپ میری بیگم صاحبہ سے بات کرا دیں۔''

وہ جیسے منت کے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''صابر......!اماں گھر پر نہیں ہیں۔وہ کسی کام سے گئی ہوئی ہیں۔تم ایسا کرو،علینہ سے میری بات کراؤ۔''

صابر منت کے انداز میں بولا تھا۔

''بی بی......!خدا کے لئے آپ بیگم صاحبہ کو یہاں سے لے جائیں۔آپ کو آپ کے بچے کا واسطہ،اپنے پیاروں کا واسطہ،خدا کے لئے،علینہ بی بی کو یہاں سے لے جائیں،ورنہ مجھے ڈر ہے،یہاں کسی بھی وقت تھانہ پولیس کا چکر پڑ جائے گا۔''

فوزیہ ایک دم دہل کر رہ گئی تھی۔بے اختیار اُس کا ہاتھ اپنے سینے پر جا پڑا تھا۔

''یا اللہ خیر......!صابر......!مجھے بتاؤ تو سہی کیا بات ہوئی ہے......؟آخر کیا ہوا ہے......؟ارے......!مجھے نہیں بتاؤ گے تو اور کس کو بتاؤ گے......؟بابا......!وہ میرے بھائی کا گھر ہے۔ہیلو......!''

دوسری طرف سے فون بند ہو چکا تھا۔فوزیہ ''ہیلو،ہیلو'' کرتی رہ گئی۔

''تھانہ،پولیس......؟میرے خدایا......!لگتا ہے،کوئی بہت بڑی گڑبڑ ہوگئی ہے۔''

فوزیہ اب اندیشوں میں گھری ہوئی تھی۔وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کسی طرح سے اُڑ کر وہاں پہنچ جائے۔اُس نے ماسی برکتے کو آواز دی۔

''ماسی......!کچھ پتا ہے،اماں کہاں ہیں......؟''

''بی بی......!وہ مجھے بتا کر ہی تھوڑا جاتی ہیں۔نکلی ہوں گی اپنے کسی کام سے۔اُن کے تو نہ آنے کا پتا چلتا ہے نہ جانے کا پتا چلتا ہے،اور اُن سے کون پوچھ سکتا ہے......؟میرے تو منہ میں سمجھو زبان ہی نہیں ہے جو اُن سے سوال جواب کرے۔ارے......!میں نے کیا جوتے کھانے ہیں......؟''

ماسی نے جیسے تقریر شروع کر دی۔فوزیہ نے اپنے شل ہوتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا۔

☆......☆......☆

علینہ گھر کے سٹور میں ایک ٹوٹے پھوٹے پلنگ پر نڈھال سی پڑی تھی۔صابر پانی کا گلاس پکڑے ہوئے بہت مؤدبانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔

''بیگم صاحبہ......!میں نے آپ کی اماں کے گھر فون کیا تھا۔''

وہ دبے دبے لہجے میں علینہ سے مخاطب ہوا تھا۔علینہ کی آنکھوں میں جیسے ایک دم زندگی کی دوڑ گئی تھی اور اُٹھ کر بیٹھ گئی اور بڑی اُمید بھری نظروں سے صابر کی طرف دیکھا۔

''اچھا......!اماں سے بات ہوگئی تمہاری......؟اماں کیا کہہ رہی ہیں......؟آ رہی ہیں ناں......؟''

وہ بڑی بے تابی سے سوال پر سوال کرنے لگی۔اُس کی حالت بہت دگرگوں تھی۔بال بکھرے ہوئے تھے،آنکھوں کے گرد

حلقے پڑے ہوئے تھے، چہرے پر ویرانی چھائی ہوئی تھی۔

''وہ گھر پر نہیں تھیں بیگم صاحبہ......! آپ کی بھابی سے بات ہوئی ہے۔''

علینہ پھر ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح گر گئی تھی۔

''بھابی سے بات ہوئی ہے......؟ وہ بھلا کیا کرلیں گی......؟ وہ مجھے اس درندے سے تو نہیں چھڑا سکتی ناں......! مجھے میری اماں چاہئے۔ صابر......! تم دوبارہ فون کرو۔ دیکھو، صرف اماں سے بات کرو، اور اُن سے کہو، خدا کے واسطے مجھے یہاں سے آکر لے جائیں، ورنہ میں مرجاؤں گی۔''

''جی......! میں دوبارہ فون کرتا ہوں، لیکن آپ ہمت باندھیں رکھیں بیگم صاحبہ......! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ دیکھیں، آپ یہاں سے نہ نکلیں۔ صاحب کچھ کر بیٹھیں گے۔ مجھے تو اُن کے ارادے کچھ اچھے نظر نہیں آتے۔''

''ہوں......!''

علینہ مسکرائی۔ عجیب سی تلخ اور گہری مسکراہٹ۔

''اچھے ارادے نظر نہیں آتے......؟ اچھے ارادے واقعی نہیں ہیں۔ وہ میرے خون کا پیاسا ہے۔ میری جان لیے بغیر چین سے نہیں بیٹھے گا۔ اِسی لئے میں کہہ رہی ہوں، خدا کے لئے، میری اماں کو بلادو۔ صرف وہی مجھے یہاں سے لے جاسکتی ہیں۔ صابر......! خدا کے لئے، بس میرا یہ کام کردو۔''

''بہتر بیگم صاحبہ......! میں ٹرائی کرتا رہوں گا۔ جب تک آپ کی اماں سے بات نہیں ہوتی، میں برابر فون کرتا رہوں گا اور جب اُن سے بات ہوگئی، میں آکر آپ کو بتادوں گا۔ بس آپ یہاں سے نہ نکلیں۔ میں آپ کو کچھ کھانے کے لئے بھی لاکر دیتا ہوں۔ آپ تھوڑا بہت کھالیں۔ آپ نے کل سے کچھ نہیں کھایا۔''

''تم بس، میری اماں کو بلادو......!''

علینہ نے بہت کمزور اور نڈھال آواز میں صابر سے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے اپنے آنسو روک رہی تھی۔ اُسے معلوم تھا، مزید کچھ کہنا بے کار ہے۔

☆......☆......☆

مریم اپنا بیگ اُٹھا کر آفس سے نکلی ہی تھی کہ اُس کے موبائل کی رِنگ بجنے لگی۔ اُس نے رُک کر موبائل نکالا اور کال کرنے والے کا نام دیکھا۔ سامنے عدیل کا لنک چمک رہا تھا۔ مریم کا موڈ ایک دم خراب ہوگیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی کہ کال اٹینڈ کرے یا نہیں......؟ پھر بالآخر اُس نے کال اٹینڈ کر ہی لی۔ چونکہ وہ سلمیٰ بیگم کی طرف جارہی تھی، اُس نے سوچا، اب عدیل کی کال آہی گئی ہے تو وہ اُسے بتادے کہ وہ گھر نہیں آئے گی بلکہ امی کے پاس جارہی ہے۔ اُس نے موبائل اپنے کان سے لگایا اور بے حد سرد لہجے میں صرف ''جی'' کہا۔ عدیل کے لئے شاید اتنا ہی کافی تھا۔ بڑی اپنائیت اور گرم جوشی سے پوچھنے لگا۔

''گھر کتنے بجے تک پہنچ جاؤ گی......؟''

مریم نے خود کو کنٹرول کرتے ہوئے ذرا ٹھہرے ہوئے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

''میں آفس سے نکل چکی ہوں اور اپنی امی کی طرف جارہی ہوں۔ میرے ماموں جان آج آرہے ہیں۔ میں اُن کو

receive کرنے ائیر پورٹ جاؤں گی۔"

"اوہ اچھا......!"

عدیل ایک دم چونک پڑا تھا۔ پھر یوں گویا ہوا جیسے ان کے درمیان کوئی تلخی ہی نہ ہو۔

"مریم......! فلائٹ کا ٹائم کیا ہے......؟"

مریم نے اسی طرح سرد اور سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"صبح چار بجے......!"

"ابھی تو بہت وقت ہے۔ یہیں سے چلی جانا، میں لے چلوں گا ناں......!"

وہ کہہ رہا تھا۔ مریم کی جان جل گئی۔ عدیل کی اپنائیت کا اُلٹا اثر ہوا جو بھڑکتے ہوئے شعلے ذرا سرد پڑنے لگے تھے، پھر نئے سرے سے بھڑک اُٹھے۔

"نو تھینکس......! آپ میرے نہیں ہیں تو پھر میرے نانا جان سے کیا رشتہ بنتا ہے......؟ مگر خیر......! آپ سے ضرور ملواؤں گی۔ کیونکہ میرے نانا جان تک آپ کی بہت تعریفیں پہنچیں ہیں۔"

اُس کے لہجے میں اب طنز جھلک رہا تھا اور محسوس ہونے والا دُکھ بھی تھا۔

"میری بہن کی طرف سے ایک shock اُن کے استقبال کے لئے موجود ہے۔ میں اُن کو مزید کوئی shock نہیں دینا چاہتی۔ یہ بات اچھی طرح ذہن میں بٹھا ئیے کہ میری طرف سے میرے نانا جان کو کوئی shock نہیں پہنچنا چاہئے۔ کیونکہ وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں۔ میں صرف اپنے ماں باپ اور نانا جان کی خاطر یہ بوجھ اُٹھا رہی ہوں، ورنہ تو میں ایک پل کے لئے آپ کے سامنے نہ آؤں۔ خدا حافظ......!"

اُس نے بے مروّت اور اجنبی لہجے میں بات کی اور اپنی طرف سے فون بھی بند کر دیا۔

☆......☆......☆

فوزیہ، وہاج کے سامنے بیٹھی بہت دُکھ اور صدمے کی کیفیت میں اُس کو دیکھے جا رہی تھی۔

"بھائی......! کچھ بولیں تو سہی۔ اتنا تو بتا ئیں، اگر آپ نہیں بولیں گے تو کیسے پتا چلے گا کہ کیا ہوا ہے......؟ حقیقت کیا ہے......؟ نہ عارف کچھ بتا رہے ہیں نہ آپ کچھ کہتے ہیں۔ آخر مسئلہ کیا ہے......؟"

وہ بہت پریشانی کی کیفیت میں کہہ رہی تھی۔

"فوزیہ......! خدا کے لیے، تم اُسے یہاں سے لے جاؤ۔ عارف جو مشورہ مجھے دے رہا ہے، اس پر عمل کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

اتنا کہہ کر وہاج اُٹھ کھڑا ہوا اور بڑی بے قراری سے ٹہلنے لگا۔ فوزیہ ہکا بکا اُس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"میں کیسے لے جاؤں علینہ کو......؟"

اُس نے بے یقینی کی کیفیت میں وہاج کی طرف دیکھا۔

"ہاں ہاں......! اُسے اپنے گھر لے جاؤ۔ خدا کے لیے، اُسے یہاں سے لے جاؤ فوزیہ......! میں تمہاری منت کر رہا

ہوں۔ میں اُسے ایک منٹ کے لئے بھی اس گھر میں برداشت نہیں کرسکتا۔''

وہ اب بہت غصے کی کیفیت میں بات کررہا تھا۔

''کیسے لے جاؤں بھائی......؟ کیوں لے جاؤں......؟ اپنی اتنے سال کی گرہستی کو آگ لگا دوں......؟ اور پھر کیا اس کے بعد مجھے آپ اپنے گھر کے شوکیس میں سجائیں گے......؟''

فوزیہ نے آخری جملہ بڑے کرب اور بے بسی سے کہا تھا۔

''جو ہوگا، دیکھا جائے گا فوزیہ......! مجھ سے کوئی اور بات نہ کرو۔ بس تم اُسے یہاں سے لے جاؤ، اور تم ٹینشن مت لو۔ میں گارنٹی دیتا ہوں، عارف تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ میں اُس کے ساتھ سب کچھ شیئر کرچکا ہوں۔ وہ پوری طرح باخبر ہے۔ تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ میں تمہیں یقین دلا رہا ہوں۔''

اُس نے فوزیہ کو یقین دلانے کی کوشش کی۔ فوزیہ کی پریشانی اب حیرت اور اُلجھن میں بدل گئی تھی۔

''پھر مجھے کیوں نہیں بتا رہے......؟ جب عارف کو بتا سکتے ہیں تو مجھے کیوں نہیں......؟ آخر ایسی بھی کیا بات ہے......؟''

''میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔''

عارف نے دوٹوک لہجے میں جواب دیا۔ پھر بڑے کرب سے بڑبڑانے کے انداز میں بولا۔

''شاید وہ بازاری عورت خود تمہیں کچھ بتا دے۔''

فوزیہ ایک دم ہڑبڑا کر اپنی کرسی سے اُٹھ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

''یہ کیا ہے بھائی......؟ کیوں اُس غریب کو گالیاں دے رہے ہیں......؟ مجھے تو لگ رہا ہے، آپ کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔''

وہ بہت بُرا مان کر کہہ رہی تھی۔

''یہی سمجھ لو۔ یہ سمجھ لو کہ میں پاگل ہوگیا ہوں اور میں کیوں پاگل ہوا ہوں......؟ یہ تم علینہ سے پوچھ لینا۔''

پھر ایک دم سے چونک پڑا اور مشکوک نظروں سے فوزیہ کی طرف گھورتے ہوئے اُس نے کہا۔

''کیا تمہیں علینہ نے فون کیا تھا......؟''

فوزیہ ایک دم سٹپٹا گئی اور نظریں پھیر لیں۔

''نہیں نہیں......! میں تو کسی کام سے باہر نکلی تھی۔ مجھے عارف کے روّیے سے بہت بے چینی ہورہی تھی۔ میں اُن سے پوچھ رہی تھی، مگر وہ مجھے کچھ نہیں بتا رہے تھے۔ بس اِسی وجہ سے میرا دل چاہا کہ میں آپ سے مل لوں، اور آپ سے پوچھوں کہ آخر کیا مسئلہ ہے......؟ بس اتنی سی بات ہے، مجھے کسی نے فون نہیں کیا۔''

وہ پُرزور یقین دلانے لگی۔ وہاج کیونکہ اب بھی کھوئی کھوئی کیفیت میں تھا، اس لئے اُس نے فوزیہ کا نظر چرانا اور فکرمند ہونا محسوس نہیں کیا۔ بس ''اوہ'' کہہ کے رُک گیا۔

''بھائی......! علینہ بیڈروم میں ہے کیا......؟''

''نہیں......!''

اُس نے فوزیہ کے سوال کا جواب صرف ایک لفظ میں دیا۔

"صابر سے پتا کرلو، اُسے پتا ہوگا کہ وہ اس وقت کہاں بیٹھی ہے......؟ مجھے کچھ نہیں پتا۔"

اُس نے رُکھائی سے اور بڑی بے مروّتی سے کہا۔ فوزیہ، وہاج کی طرف چند لمحے دیکھتی رہی اور نگاہوں کا زاویہ بدلے بغیر اُس نے صابر کو آواز دی۔

"صابر......!"

صابر تو جیسے منتظر ہی تھا اور فوزیہ کی آمد کو نجات کا کھلتا ہوا دروازہ محسوس کر رہا تھا۔

"جی بی بی......!"

وہ فوراً اندر آ کر پوچھنے لگا۔

"علینہ کہاں ہے......؟"

صابر ذرا پریشان ہو کر وہاج کی طرف دیکھتا ہے۔ وہاج اُس کی طرف سے رُخ موڑتے ہوئے کہتا ہے۔

"فوزیہ بی بی کو اُس کے پاس لے جاؤ۔"

صابر چل پڑا۔ فوزیہ نے اُس کی تقلید کی لیکن وہ قدم آگے بڑھاتے ہوئے مڑ مڑ کر وہاج کی طرف دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

علینہ بے ترتیب انداز میں پلنگ پر اوندھی پڑی تھی۔ پلنگ بھی کیا، جو کسی وقت میں پلنگ تھا، اب تو جھولا بن کر اسٹور کی زینت تھا۔ اُس کی ٹانگیں لٹک رہی تھیں۔ دھڑ اُس کا جھولے میں تھا۔ فوزیہ اندر داخل ہوئی تو صدمے نے جیسے اُسے پتھر کر دیا۔ اب تو ایک قدم بڑھانا بھی اُسے محال تھا۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے چاروں طرف اسٹور میں نظریں دوڑانے لگیں۔ پھر چاروں طرف دیکھنے کے بعد علینہ کی طرف دیکھا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ سب اُس کے وہم و گمان اور کسی خوفناک خواب سے بھی بڑھ کر تھا۔ وہ جیسے اپنے آپ کو یقین دلا رہی تھی کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہی۔ اُس کے سامنے جو کچھ بھی ہے، وہ ایک حقیقت ہے اور وہ جاگ رہی ہے۔ وہ چند لمحے اسی کیفیت میں کھڑی رہی۔ صابر اُسے وہاں پہنچا کر جا چکا تھا۔ علینہ نے بند آنکھوں کے ساتھ ایک سسکی بھری۔ فوزیہ کے بے رُوح جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ اب وہ بدحواس ہو کر آگے بڑھی تھی۔

"علینہ......! علینہ......! تم یہاں کیوں لیٹی ہو اس کباڑ خانے میں......؟ یہ تمہیں کیا ہوا ہے......؟ کیا حالت ہو رہی ہے تمہاری......؟"

وہ علینہ کو بازو سے پکڑ کر وحشت زدہ انداز میں جھنجوڑنے لگی۔

"کیوں لیٹی ہو اس طرح......؟ بتاؤ، یہاں پر کیوں لیٹی ہو......؟ اُف میرے خدایا......! چلو اُٹھو، اتنے موٹے موٹے مچھر ہیں یہاں اور کتنی گھٹن ہے۔ یا اللہ......! یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں......؟ یہ کیا ہو رہا ہے......؟"

فوزیہ تو جیسے صدمے کی کیفیت سے بے ہوش ہونے کے قریب تھی۔ علینہ نے بمشکل اپنی آنکھیں کھولیں۔ مارے نقاہت کے پلکیں اُٹھانا بھی دوبھر تھا۔

"بھابی......! مجھے یہاں سے لے چلو۔ پلیز......! مجھے لے چلیں یہاں سے، ورنہ میں مر جاؤں گی۔ بس مجھے میری اماں

کے پاس پہنچادیں۔"

فوزیہ نے اُسے بمشکل اُٹھا کر کھڑا کیا تو وہ ایک دم فوزیہ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔فوزیہ نے اُسے کندھوں سے پکڑ کر علیحدہ کیا اور غور سے اُس کا چہرہ دیکھا۔صدمے میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔علینہ کا تو ہونٹ بھی پھٹا ہوا تھا اور خون نکل کر جم چکا تھا۔

"یہ کیا ہوا علینہ ......؟ یہ...... یہ خون نکل ہوا ہے۔"

"بھابی......! مجھ سے کوئی سوال نہ کریں، بس مجھے یہاں سے لے چلیں۔ میں منت کرتی ہوں، مجھے یہاں سے لے چلیں۔خدا کے لئے، مجھے یہاں سے لے چلیں۔"

"اماں کے آنے میں دیر تھی علینہ......! وہ تو صابر کا فون آیا تو میں پریشان ہو کر چلی آئی۔وہاج بھائی تو مجھے کچھ نہیں بتا رہے، عارف بھی چپ ہیں، تم تو مجھے خدا کے لئے بتاؤ کہ آخر ہوا کیا ہے......؟ تمہاری کیا حالت ہے......؟ کس نے کی......؟ کیوں کی ہے......؟ کچھ پتا تو چلے۔"

فوزیہ بُری طرح سے تڑپ رہ گئی۔اُس سے علینہ کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

"بس......! آپ مجھے اماں کے پاس لے چلیں، پھر میں سب کچھ بتادوں گی۔"

"ہاں......! تمہیں میں اب یہاں نہیں چھوڑ سکتی۔کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتی۔اب کوئی اگر مجھے روکے گا، تب بھی میں تمہیں یہاں نہیں چھوڑ سکتی۔میرے خدایا......! اوہ میرے خدایا......! یہ میں نے کیا دیکھا ہے......؟ چلو تم میرے ساتھ چلو۔ تمہیں تو یہاں میں ایک منٹ نہیں رہنے دوں گی۔"

وہ فوزیہ کو سہارا دے کر دروازے کی طرف بڑھ چکی تھی۔علینہ نے نڈھال انداز میں اپنا سر فوزیہ کے کندھوں پر ٹکا دیا تھا۔

☆......☆......☆

فوزیہ واپس لاؤنج میں آئی۔علینہ لاؤنج میں جاتے ہوئے بہت ڈر رہی تھی۔ بلکہ خود کو فوزیہ کی گرفت سے چھڑانے کی جدوجہد بھی کر رہی تھی۔لیکن فوزیہ، وہاج کو بتانا چاہتی تھی کہ وہ علینہ کو لے جا رہی ہے اور اس کے اندر جو سوال تھے، وہ اُسے ایک آس سی دے رہے تھے کہ شاید علینہ کو اُس کے ساتھ دیکھ کر وہاج کے منہ سے کچھ نکل جائے۔کم از کم اُسے پتا تو چلے کہ ہوا کیا ہے......؟ علینہ اس حال کو کیوں پہنچی ہے......؟ وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو صابر سامنے آتا دکھائی دیا۔

"وہاج بھائی کہاں ہیں صابر......؟"

فوزیہ نے صابر سے پوچھا۔

"وہ تو جی گاڑی لے کر کب کے چلے گئے۔جب میں نے آپ کو بی بی کے پاس چھوڑا تھا اسٹور میں، وہ تو اُسی وقت ہی چلے گئے تھے۔"

صابر نے جواب دیا۔

"اچھا......! چلے گئے......؟"

فوزیہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔

”جی جی……!“

صابر نے علینہ کی طرف دیکھا اور فوزیہ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

”بی بی……! میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے رہا ہوں کہ آپ علینہ بی بی کو یہاں سے لے کر چلی جائیں۔ بیگم صاحب کی زندگی خطرے میں ہے۔ آپ یقین کریں، میری بات کا یقین کریں۔ میں نے صاحب کے ہاتھ سے بی بی کی گردن چھڑائی ہے ورنہ میرے منہ میں خاک، ان کا پتا تو رات ہی صاف ہو گیا تھا اور پھر صاحب نے کون سا بچ جانا تھا……؟ خون بھی کبھی چھپتا ہے……؟“

صابر روہانسے انداز میں بڑی ہمدردی سے بات کر رہا تھا۔

”خ……خ……خون……؟“

فوزیہ ہکلا کر رہ گئی۔ وحشت سے اُس کی ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگیں۔

”جی بی بی……! میں آپ سے جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ جو بات کر رہا ہوں، بیگم صاحبہ کے سامنے کر رہا ہوں۔ ان کی زندگی خطرے میں ہے۔ آپ انہیں یہاں سے لے جائیں۔ بہت اچھا موقع ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ آپ آ گئیں۔ بس آپ انہیں یہاں سے لے جائیں۔“

”اچھا……!“

فوزیہ کو اپنی آواز یوں محسوس ہوئی جیسے کنویں سے آ رہی ہو۔

”وہ تو میں لے جا رہی ہوں صابر……! میں اب اُس وقت تک علینہ کو یہاں نہیں آنے دوں گی، جب تک کہ علینہ خود راضی نہ ہو اور وہاج بھائی ماں سے معافی نہ مانگیں۔ چلو علینہ……!“

وہ علینہ کو تھام کر آہستہ قدموں سے مین گیٹ کی طرف جا رہی تھی۔

☆……☆……☆

مریم، سلمیٰ بیگم کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ مہرو، بیہ کو کچھ کھلانے کی کوشش کر رہی تھی اور بیہ مسلسل انکار کر رہی تھی۔ اُس کی ساری دلچسپی اپنے سامنے بکھرے ہوئے مختلف قسم کے کھلونوں پر تھی۔ مہرو اُسے بار بار پچکار رہی تھی۔

”بیہ……! بس تھوڑا سا رہ گیا۔“

سلمیٰ بیگم غم زدہ سی آواز میں کہہ رہی تھیں۔ اُسی لمحے کار کا ہارن سنائی دیا تھا۔ وہ اپنے آس پاس سے بالکل بے خبر تھیں۔ غم نے اُن کو نڈھال کیا ہوا تھا۔ اندیشے اُنہیں سانپ بچھوؤں کی طرح کاٹ رہے تھے۔

”حقیقت کتنی دیر چھپائی جا سکتی ہے مریم……؟ میں کتنی بدنصیب ہوں، اپنے اتنے اچھے باپ کو بڑھاپے میں دُکھ بھری خبری سناؤں گی۔“

اس سے قبل کہ وہ کچھ اور بولتیں، باہر سے آ کر نوکر نے بتایا۔

”مریم بی بی……! عدیل صاحب آئے ہیں۔“

مریم یہ سن کے چونک پڑی تھی۔ حیرت سے اُس کے منہ سے نکلا تھا۔

''عدیل......؟''

سلمیٰ بیگم نے حواس باختہ سی ہو کر مہرو کی طرف دیکھا۔

''مہرو......! بیہ کو لے کر یہاں سے چلی جاؤ۔''

مریم نے ماں کی طرف دیکھا۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر اُبھری۔

''آپ پریشان نہ ہوں امی......! میں عدیل کو سب کچھ بتا چکی ہوں۔''

سلمیٰ بیگم نے دہل کر ایک دم اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''کیا بتا دیا تم نے اُسے......؟''

''یہی کہ ناصر بھیا اور انعم کی علیحدگی ہو چکی ہے۔''

سلمیٰ بیگم یہ سن کر پہلے سے زیادہ پریشان ہوئیں۔

''ابھی سے بتانے کی کیا ضرورت تھی......؟ کیا خبر اُسے ہوش آ جائے......؟''

''کیا خبر......؟''

مریم بے ساختہ مسکرا پڑی جیسے سلمیٰ بیگم نے کوئی بچگانہ بات کی تھی۔

''خود کو دھوکہ دینے سے فائدہ امی......! میں نے جان بوجھ کر عدیل کو نہیں بتایا۔ امی......! اُنہوں نے انعم کو اُس شیطان کے ساتھ دیکھ لیا تھا جس کے ساتھ مل کر انعم ہر طرف آگ لگا رہی ہے۔''

اسی لمحے عدیل اندر داخل ہو چکا تھا۔

''السلام علیکم ایوری باڈی......!''

سلمیٰ بیگم، داماد کو دیکھ کر زبردستی مسکرائی اور بڑے پُر اخلاق لہجے میں بولیں۔

''وعلیکم السلام......! آؤ بیٹا......! میں ابھی مریم سے یہی کہہ رہی تھی کہ عدیل کو یہیں بلا لو۔ ہمارے ساتھ ڈنر کر لے گا۔ وہاں گھر اکیلا بور ہو گا۔''

مریم کے چہرے پر ناگواری، برہمی اور عجیب سی بے بسی تھی۔ اُسے عدیل کا آنا بہت ناگوار گزرا تھا۔ عدیل کے دل میں بھی چور تھا۔ وہ کن اکھیوں سے مریم کے چہرے کے تاثرات نوٹ کر رہا تھا۔ بظاہر بڑی خوش دلی سے مسکرایا۔

''اوہ شیور......! یقیناً میں واقعی بہت بور ہو رہا تھا۔ سوچا آج اِدھر ہی stay کرتا ہوں اور نانا جان کو آپ کے ساتھ ریسیو کرنے چلا جاؤں گا۔ مجھے بھی اُن سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔''

مریم ایک دم اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس سے زیادہ وہ شاید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اُسے اپنے تاثرات چھپانا مشکل ہو رہا تھا۔ عدیل نے بیہ کی طرف دیکھا اور سیٹی بجا کر چٹکی بجائی۔

''ہیلو بے بی......!''

پھر سلمیٰ بیگم سے بولا۔

''بہت cute ہے۔ یہ آپ ہی کے پاس ہوتی ہے اب......؟ میرا مطلب ہے وہ......''

اتنا کہہ کر سلمیٰ بیگم کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھنے لگا۔
''بس بیٹا......! فی الحال تو ہمارے پاس ہی ہے۔کل کا کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ارے......! فرح کو بلاؤ۔ بتاؤ عدیل آئے ہیں۔''
مریم چلی جاتی ہے۔ وہ ویسے بھی وہاں سے چلے جانا چاہتی تھی۔ سلمیٰ بیگم، عدیل کی طرف دیکھ کر پھر زبردستی مسکرائیں۔
''فیاض اور حماد ابھی تک نہیں آئے۔ جیسے ہی آتے ہیں، کھانا لگواتی ہوں۔''
عدیل اُس طرف دیکھ رہا تھا جس طرف مریم گئی تھی۔ وہ بڑی بے خیالی کی کیفیت میں گویا ہوا تھا۔ اُس کی توجہ اب بکھری ہوئی تھی۔
''کوئی مسئلہ نہیں ہے امی......! میں نے کافی لیٹ لنچ کیا تھا۔ بھوک بھی نہیں ہے، ابھی تو۔''
''تو پھر تم فریش ہو جاؤ۔''
''نہیں......! کوئی ایسی بات نہیں، میں بالکل فریش ہوں۔ بس تھوڑی دیر آپ سے باتیں کروں گا تو بہت خوشی ہوگی۔ بہت مشکل سے وقت نکلتا ہے۔ روز سوچتا ہوں کہ آپ سے ملنے جاؤں۔''
''کوئی بات نہیں بیٹا......! برنس مین بہت مشکل سے ٹائم نکالتا ہے۔ مجھے اندازہ ہے اس بات کا۔ کوئی بات نہیں۔ جب تمہیں ٹائم ملے، آ جایا کرو، یہ تمہارا ہی گھر ہے۔''
''بہت شکریہ امی......! آپ تو میرے لئے می کی جگہ ہی ہیں اور آپ کی وجہ سے می کی کمی اب اتنی زیادہ محسوس نہیں ہوتی جتنی پہلے ہوتی تھی۔''
عدیل بڑی لگاوٹ بھری باتیں کر رہا تھا اگرچہ اُس کا ذہن مریم ہی کی طرف لگا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون غصے سے تھر تھر کانپ رہی تھیں اور ماسی کا ڈر کے مارے بُرا حال تھا۔ وہ بڑے گھگھیائے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔
''بس جی چوہدرانی جی......! کچھ نہیں پتا۔ بس، کسی کا فون آیا اور چلی گئی۔''
''ہوں......! بہت پَر لگ گئے ہیں۔ آئے تو سہی، بتاتی ہوں۔''
شکیلہ خاتون نے گردن ہلائی اور دانت پیستے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اُسی لمحے فوزیہ، علینہ کو لیے لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔ شکیلہ خاتون سب اپنا غصہ وسہ بھول، بلکہ سب چوکڑیاں بھول، بے حال سی علینہ کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔ اُنہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ ایک دم تڑپ کر علینہ کی طرف بڑھیں۔
''ماں صدقے......! ماں واری......! کیا ہوا میری بیٹی کو......؟ ہیں......؟ یہ تیری کیا حالت ہو رہی ہے......؟''
پھر ایک دم بڑے غصے بھرے لہجے میں فوزیہ سے مخاطب ہوئیں۔
''کہاں سے لائی ہے اسے......؟ کہاں تھی یہ......؟''
''اس کے اپنے گھر سے لائی ہوں تائی اماں......! وہاں سے فون آیا تھا، میں فوراً اس کے پاس چلی گئی۔''

شکیلہ خاتون نے علینہ کا چہرہ دیکھا۔اُن کی نظر اُس کے پھٹے ہوئے ہونٹ پر پڑی، وہ تو جیسے اپنا آپ بھول بیٹھیں۔دو ہتھڑ اُنہوں نے اپنے سینے پر مارے۔

''ارے......!اس کا تو ہونٹ بھی پھٹا ہوا ہے۔''

''جی تائی اماں......!میں اس سے بہت پوچھ رہی ہوں، مگر یہ کچھ نہیں بتاتی۔وہاج بھائی نے شاید اسے مارا ہے۔میرے سامنے تو نہیں مارا، لیکن مجھے......''

''ہائے ہائے......!''

شکیلہ بیگم ایک دم فوزیہ کی بات کاٹ کر جیسے ماتم کرنے لگیں۔

''ستیاناس، بیڑا غرق ہو نامراد کا۔میری پھول سی بچی پر ہاتھ اُٹھایا ہے۔ہاتھ توڑ دوں گی بے غیرت کے۔اُس کی ہمت کیسے ہوئی......؟''

اُنہوں نے یہ کہہ کر علینہ کو ایک دم سینے سے لگالیا تھا۔

''تو فکر نہ کر، تیری ماں زندہ ہے ابھی۔اُس وہاج کے بچے کا تو وہ حشر کروں گی کہ دُنیا دیکھے گی۔میرے جیتے جی تو، تو اب اُس گھر میں نہیں جائے گی۔''

وہ علینہ کو لے کر صوفے پر بیٹھ گئیں اور علینہ کا سر اپنے کندھے سے لگایا۔پھر اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''اے میرے پھول سی نازک سی بچی کا اُس درندے نے کیا حال کر دیا ہے......؟''

اُسی وقت عارف لاؤنج میں داخل ہوا۔اُسے نہیں معلوم تھا کہ فوزیہ، علینہ کو لے کر آچکی ہے۔وہ تو علینہ کو دیکھ کر ایک دم بھونچکا سا رہ گیا۔

''یہ یہاں کیوں آئی ہے......؟''

''ارے......!تو کیا مر جائے وہاں پر......؟ حالت دیکھ ذرا اس کی۔''

شکیلہ خاتون بُری طرح پھٹ پڑیں۔

''یہ اُسی گھر میں رہے گی۔اماں......!جب میں اسے کہہ چکا تھا تو یہ کیوں یہاں آئی ہے......؟''

فوزیہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی عارف کے قریب آئی۔

''میں لائی ہوں۔''

اُس نے دبی دبی آواز میں کہا۔عارف تو جیسے انگاروں پر جا بیٹھا۔

''مجھ سے پوچھے بغیر......؟ مجھ سے پوچھے بغیر تم کیوں گئیں اس کے گھر......؟''

''یہ بھی اس کا گھر ہے، یہ یہاں اجازت لے کر آئے گی بھلا......؟''

شکیلہ خاتون بُری طرح دھاڑیں۔عارف اُن کی بات نظر انداز کر کے علینہ کو گھور رہا تھا۔

''اسے میں نے کہہ دیا تھا کہ وہ جیل ہے، گھر ہے، جو کچھ بھی ہے، اسے وہیں رہنا ہے۔میری اجازت کے بغیر یہ یہاں نہیں آئے گی۔''

"کیوں نہیں آئے گی......؟ اس کی ماں کا گھر ہے۔ سو دفعہ آئے گی، کون روک سکتا ہے اسے......؟ ارے......! تو کیسا بھائی ہے......؟ تجھے اس کی حالت نظر نہیں آ رہی......؟ دیکھ، کیا حال کر دیا اس کا اُس درندے نے......؟ اور تو کہہ رہا ہے یہ وہیں رہے گی......؟ بس، اب تو جو بات ہوگی، آمنے سامنے بیٹھ کر ہوگی، اور وہ یہاں آئے گا، تب بات ہوگی۔ ہم نہیں جائیں گے وہاں اس سے بات کرنے۔"

"تم اِسی وقت یہاں سے چلو علینہ......! چلو اُٹھو......!"

علینہ نے خوف زدہ ہو کر اُس کی طرف دیکھا اور بُری طرح ماں سے لپٹ گئی۔ فوزیہ اپنی جگہ حیرت اور غصے سے عارف کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عارف آگے بڑھا اور اُس نے علینہ کا بازو دبوچ لیا اور پوری قوت سے اُسے کھڑا کیا۔ شکیلہ خاتون دوسرا بازو تھامے ہوئے تھیں۔ وہ اپنی طرف کھینچ رہی تھیں اور عارف اپنی طرف۔ علینہ اس کھینچا تانی میں مزید نڈھال ہو رہی تھی۔

"عارف......! عارف......! ہوش کر، اتنا ظالم نہ بن، خدا کے قہر سے ڈر، اس کی حالت دیکھ۔ اگر کوئی بات ہوئی ہے تو مجھے بتا نا......! مجھے بھی تو پتا چلے، ایک دم تجھے کیا ہو گیا ہے......؟ تیرا خون سفید کیوں ہو گیا ہے......؟ کچھ تو پتا چلے ناں مجھے بھی۔"

شکیلہ خاتون اب بُری طرح رونے لگیں۔

"میں نہیں بتا سکتا اماں......! میری زبان کٹتی ہے۔"

پھر علینہ کی طرف اُس نے گھور کر دیکھا۔

"میں نہیں بتا سکتا، مگر تم تو ماں کو بتا سکتی ہو۔ بتاؤ ماں کو، خاموش کیوں کھڑی ہوئی ہو......؟ بتاؤ کہ تم کتنی مظلوم ہو اور وہ کتنا ظالم ہے......؟ اپنے منہ سے بتاؤ ماں کو۔"

عارف نے زور سے علینہ کے بازو کو جھٹکا دیا۔ علینہ بے بسی سے رو پڑی۔

"بھائی......! آپ اللہ کے واسطے، مجھے معاف کر دیں۔"

"تم میری مجرم نہیں ہو علینہ......! جو میں تمہیں معاف کر دوں۔"

اُس نے اتنا کہا اور علینہ کو بازو سے پکڑ کر کھینچتا ہوا باہر کی طرف لے گیا۔ دونوں بہن بھائیوں کے درمیان بات چیت نے شکیلہ خاتون کی توجہ بکھیر دی تھی اور اُن کی گرفت علینہ کے بازو پر ڈھیلی پڑ گئی تھی اور اسی کمزور لمحے میں عارف نے فائدہ اُٹھا لیا تھا۔ وہ علینہ کو کھینچتا ہوا لے جا رہا تھا اور شکیلہ خاتون پیچھے پیچھے دوڑ رہی تھیں۔ علینہ نے مُڑ کر اپنی ماں کی طرف دیکھا اور زور سے چلائی۔

"اماں......! مجھے روک لیں، مجھے بچا لیں، وہ مجھے جان سے مار دے گا۔ میں قسم کھا کر کہہ رہی ہوں۔"

"ہائے......! میری معصوم بچی۔ عارف......! کیوں ظلم کما رہا ہے......؟ اس ظالم نے تیرے کان بھر دیئے ہیں۔ چھوڑ اسے۔"

"اماں......! اماں......! مجھے جانے دیں۔ مت روکیں مجھے، ورنہ میں آپ کے سامنے اسے shoot کر دوں گا۔"

عارف جیسے غصے میں پاگل ہو کر بولا تھا۔ شکیلہ خاتون یہ سن کر اپنی جگہ دم بخود رہ گئیں۔ کیونکہ عارف کے منہ سے نکلے جملے نے اُن کو صورتِ حال کی سنگینی کا پورا پورا احساس دلا دیا تھا۔ عارف، علینہ کو کھینچتا ہوا لے جا رہا تھا۔ علینہ پلٹ پلٹ

کر ماں کو مدد کے لئے پکار رہی تھی اور شکیلہ خاتون بُت بنی یہ اذیت ناک نظارہ دیکھ رہی تھیں۔ فوزیہ نے اپنی بے بسی محسوس کر کے بڑے کرب سے آنکھیں بند کی تھیں۔ ماسی برکتے کی ٹانگوں میں شاید اب مزید کپکپانے کی قوت نہیں تھی، وہ زمین پر آلتی پالتی مار کر اللہ سے توبہ، استغفار میں لگی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

مریم لاؤنج میں فلور کشن سر کے نیچے رکھے صوفے پر لیٹی تھی۔ فرح کچن سے کافی کا مگ لے کر نکلی تو اُس کی نظر مریم پر پڑی، وہ ایک دم چونک سی گئی۔

''مریم......! کیا ہوا......؟ تم ابھی تک جاگ رہی ہو......؟ عدیل سو گئے ہیں کیا......؟''

مریم اتنی رات کو فرح کو اپنے سامنے دیکھ کر سٹپٹا سی گئی اور فوراً ہی زبردستی مسکراتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''وہ......بس نانا جان کی آمد کی خوشی میں نیند نہیں آ رہی۔ آپ کیوں ابھی تک جاگ رہی ہیں......؟''

وہ اپنی شرٹ کھینچ کر صحیح کرتے ہوئے فرح سے پوچھنے لگی۔

''وہ حماد ابھی تک نیٹ پر busy ہیں۔ آفس میں شاید کوئی ٹینشن چل رہی ہے۔ اُن کے لئے کافی بنانے اُٹھی تھی۔''

مریم نے ہلکا پھلکا سا مذاق کیا تا کہ اُس کی اندر کی کیفیت کا فرح کو کوئی سراغ نہ مل سکے۔

''بڑی نیک بیوی ہیں۔ راتوں کو شوہر کی خدمت کرتی ہیں۔ سیدھی جنت میں جائیں گی۔''

''اور میں نے بھی اندازہ لگایا ہے، عدیل بھی تم سے بہت خوش ہے۔ جنت میں بھی ہم دونوں ساتھ ساتھ ہی ہوں گی۔''

جواباً فرح نے بھی مذاق کیا۔ مریم زبردستی ہنسنے لگی۔ فرح کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ اُس کے اس جملے نے مریم کی ہستی میں کیا قیامت برپا کر دی......؟

☆......☆......☆

مریم بہت محتاط انداز میں دروازہ کھول کر اُس بیڈ روم میں داخل ہوئی جو شادی سے پہلے اُس کا تھا اور ابھی بھی سلمٰی بیگم نے اس کی کوئی چیز نہیں ہٹائی تھی۔ اُن کا کہنا تھا، بیٹیاں ماں کے گھر آتی رہتی ہیں، ان کے آنے پر بندوبست کرنے پڑتے ہیں۔ کتنا بڑا گھر ہے، اس لئے اپنی بیٹیوں کے کمروں کو اسی طرح رہنے دیا۔ جب وہ ماں سے ملنے آئیں تو اپنے اپنے کمرے ہی میں قیام کریں۔ عدیل کمرے میں تنہا ٹہل رہا تھا۔ یقیناً وہ مریم کا انتظار کر رہا تھا۔ مریم نے اُس کو ٹہلتا پا کر بڑی بے بسی کی کیفیت میں گہری سانس لی اور آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔ پھر ڈریسنگ کے سامنے جا کر ہیر برش اُٹھا کر اپنے بالوں کو برش کرنے لگی۔ عدیل تیزی سے اُس کے قریب آیا اور اُسے دونوں کندھوں سے تھام لیا۔

''بس کر دو یار......! معاف کر دو مجھے۔''

مریم نے آہستگی سے اُس کے ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا دیئے۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ......؟ میں سمجھی علینہ کی وجہ سے آپ کو ٹینشن تھی، اس لئے جاگ رہے ہیں......؟''

عدیل نے پھر مریم کا سیدھا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنے سینے سے لگا لیا۔

''کوئی علینہ ولینہ نہیں ہے میری زندگی میں۔ خدا کے لئے، یقین کرو میری بات کا۔''

مریم،عدیل کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی جدوجہد کرنے لگی۔ساتھ ہی وہ طنزیہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

''ہیں......؟ کہیں تو آپ اُس کے غم میں پاگل ہو رہے تھے اور مجھے اُس کی مصیبتوں کا ذمہ دار ٹھہرا رہے تھے......؟''

مریم کے ہاتھ پر عدیل کے ہاتھ کی گرفت مزید مضبوط ہوگئی۔

''ہاں......!وہ مشکل میں ہے،مگر میں اُس کے لئے کیا کرسکتا ہوں......؟''

مریم اپنا ہاتھ چھڑانے کے لئے پھر زور سے جھٹکا دیتی ہے۔

''شاباش ہے عدیل......! وہ لڑکی جس کے بغیر آپ ایک پل بھی گزارنا پسند نہیں کرتے تھے،آج وہ علیحدہ ہو گئی......؟''

''یار......!دوستی،دوستی ہوتی ہے۔وہ بس میری دوست تھی۔میں اب تمہاری خاطر یہ دوستی ختم کر چکا ہوں۔تم میری بیوی ہو۔تم سے زیادہ میرے لئے کوئی اہم نہیں ہوسکتا۔''

مریم نے عدیل کی طرف بڑی بے بسی سے دیکھا۔وہ عدیل کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑانے میں ناکام تھی۔

''کسی کے تو ہو جائیں عدیل......! چھوڑ دیں مجھے،اُسی کے ہو جائیں۔کیونکہ اس وقت تو آپ کسی کے بھی نہیں،نہ میرے،نہ علینہ کے۔بلکہ میرے تو اب آپ کبھی ہو ہی نہیں سکتے۔اس لیے کہ جب بھی آپ اس محبت بھرے لہجے میں بات کریں گے،میں اس میں سے جھوٹ سچ الگ الگ کرنے کے چکر میں پڑی رہوں گی۔کھوئی ہوئی عزت،ٹوٹا ہوا اعتبار ہمیشہ کا نقصان ہوتا ہے۔عدیل......! کاش آپ نے مجھ سے شادی سے پہلے یہ بات سمجھ لی ہوتی۔''

وہ بہت ہی سنجیدگی اور اجنبی لہجے میں بات کر رہی تھی۔ایک ایک لفظ جو دُور دُور تک دُوریوں کا پیغام تھا۔

''تم مجھے جو کھوگی میں کروں گا۔پھر اعتبار آجائے گا۔''

عدیل کے لہجے میں اب منت سی تھی۔

''کرنے اور ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔شکر کریں،میں بہت حوصلے سے سہہ رہی ہوں،ورنہ آپ کا تماشہ بن چکا ہوتا۔آپ سر سے پاؤں تک جھوٹ ہی جھوٹ ہیں۔''

اُس نے نظروں ہی نظروں میں عدیل کو سر سے پاؤں تک ناپتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔پھر بہت ہی زوردار جھٹکے میں اپنا ہاتھ چھڑانے میں کامیاب ہوگئی۔

''میں ہار نہیں مانوں گا۔ایک دن تمھیں یقین دلا کر رہوں گا کہ میں صرف تمہارا ہوں۔''

مریم بالوں کو سمیٹ کر کیچر میں قید کرتے ہوئے عدیل کی طرف دیکھ کر بڑے طنزیہ انداز میں مسکرائی تھی۔

''اور وہ دن شاید قیامت کے بعد آئے گا۔اگر آپ مجھے ڈسٹرب کریں گے تو میں باہر لان میں جا کر سو جاؤں گی۔پھر بہت سارے سوالات اُٹھیں گے۔ہوسکتا ہے،اُن سوالات کے جواب آپ کو دینے ہوں،ورنہ میں سوالات کرنے والوں کو سچ سچ بتادوں گی۔جبکہ میں تمام باتیں راز میں رکھنا چاہتی ہوں۔اس میں آپ کی بھی بہتری ہے،بلکہ آپ کی عزت ہے۔مجھے ڈسٹرب نہ کریں،میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔''

مریم نے یہ کہہ کر کمرے کی روشنی گل کر دی اور ٹیبل لیمپ روشن کر دیا۔عدیل دونوں بازو سینے پر لپیٹے ہارے ہوئے انداز

میں مریم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون کمرے میں بڑی بے قرار اور بے چین تھیں۔ ماسی برکتے اُن کے پاؤں دبا رہی تھی، لیکن اُن کے دل کو تو جیسے پنکھ لگ رہے تھے۔

''کیا ظلم کمایا عارف نے......؟ یہ سب اُس میسنی فوزیہ کی کارستانی ہے۔''

اُنہوں نے تصور ہی تصور میں جیسے دانت پیس کر فوزیہ کی ہڈیاں چبائیں۔

''یہ بھولی صورت والی اندر سے بڑی بُری ہوتی ہیں چوہدرانی......! پھر نند کا سکھ کسی بھاوج سے برداشت نہیں ہوتا۔''

''ارے......! اس کی ماں بھی بڑی ہوشیار اور مکار عورت تھی۔ اُسی نے بیٹی کو سکھا پڑھا کر بھیجا ہے۔''

ماسی برکتے نے شکیلہ خاتون کی بات سن کر اِدھر اُدھر دیکھا اور سرگوشی میں بولی۔

''کوئی پکا تعویز کرایا ہے اس نے چوہدرانی جی......! بڑا ظلم ہو رہا ہے علینہ بی بی پر۔ پتھر پڑے ہیں اُس کی عقل پر۔ اُسے اتنا نہیں پتا میرے بیٹی کو دربدر کرے گی تو خود کون سا چین سے بیٹھے گی......؟''

ماسی برکتے نے جلتی پر مزید تیل پھینکا۔

''آپ بھلے کچھ بولو چوہدرانی جی......! چوہدری عارف اپنی بیوی کو بہت مانتے ہیں۔ دیکھا، کتنی نفرت کرنے لگے ہیں بہن سے......؟ یہ سب تعویز گنڈوں کا اثر ہے، ورنہ خون کا رشتہ ہے، سگا بھائی اپنی بہن کا جانی دُشمن ہو رہا ہے، اس سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا کہ کالا علم کرایا ہوا ہے۔ خون آخر خون ہوتا ہے چوہدرانی جی......!''

''تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔''

شکیلہ خاتون کو تو ویسے ہی ان باتوں پر یقین کرنے کا بہانہ چاہئے تھا اور اب تو ان کی ضعیف الاعتقادی کو مزید تقویت پہنچ رہ تھی، کیونکہ اُن کی آنکھوں کے سامنے عارف نے سگی بہن کے ساتھ بہت زیادتی کی تھی۔

''کرالے تعویز گنڈے......؟ میں بھی بابا سائیں کا کمال دکھاتی ہوں اس کو اور بتاتی ہوں، کیسا حساب برابر کرتے ہیں بابا سائیں۔ اسے بہت جلد پتا چل جائے گا، اور دیکھنا، جو اس کا حشر ہوگا، میں تو کیا، دُنیا دیکھے گی۔''

''آئے ہائے......! ایک تو یہ ٹانگ کا درد۔ ارے......! یہ تو میری موت کے ساتھ قبر میں ہی جائے گا۔ آئے ہائے......!''

ماسی برکتے کام کی باتیں کر کے اپنے خاص مطلب پر آ چکی تھی اور ٹانگ کے درد کا اعلان کرنے کا مطلب یہ تھا کہ شکیلہ خاتون پرس سے کچھ پیسے نکال کر اُس کے ہاتھ پر رکھ دیں، مگر اُنہوں نے پرس کی طرف ہاتھ بڑھانے کی بجائے ماسی برکتے کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اس لئے کہ اس وقت ویسے ہی اُن کا موڈ خراب تھا۔

''ارے......! ابھی تو چند دن ہوئے تجھے پیسے دیئے تھے۔ کہاں رکھ کے بھول گئی......؟ علاج کیوں نہیں کرواتی اپنا......؟''

اُنہوں نے ماسی برکتے کو جھاڑ پلائی۔

''پیسے تو چوہدرانی جی......! میں نے گاؤں بھیج دیئے تھے۔ ادھر بھی تو میرے گھر والے موجود ہیں۔ وہ بھی تو آس لگاتے ہیں اتنی عمر کا، تو وہاں ایک ٹائم کھاتے ہیں دو ٹائم بھوکا سوتے ہیں۔ کیا کروں......؟ مجھ سے رہا نہیں جاتا۔ اپنی ٹانگ کا درد سہہ لیتی ہوں، پائی پائی جوڑ کر وہاں بھجواتی ہوں۔''

''ارے......! تو نامراد مجھے تو بتا دیا ہوتا کہ تیرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ لے پکڑ پانچ سو روپے۔ اگر کل تو ڈاکٹر کے پاس نہ گئی تو پانچ سو مجھے واپس کر دینا، اور خبردار......! پھر مجھے اپنی ٹانگ کی کہانی سنائی تو۔''

''آئے ہائے......! ڈاکٹر کے پاس پانچ سو روپے لے کر جاؤں چوہدرانی جی......! پانچ سو روپے تو وہ خون کا نمونہ لینے کے رکھ لیتے ہیں۔ دوائیاں کہاں سے لاؤں گی......؟''

''اچھا......! یہ لے پکڑ پانچ سو روپیہ اور رکھ لے، اور جا اپنا کام کر۔ مجھے اکیلا چھوڑ دے۔ میرا دل ٹھکانے نہیں ہے۔ ساری رات مجھے نیند نہیں آئے گی۔ میری بچی پتا نہیں وہاں کس حال میں ہوگی......؟ یا اللہ......! ستیاناس ہو دُشمنوں کا۔ یا اللہ......! بیڑہ غرق ہو کالا علم کرانے والوں کا۔ یا اللہ......! جیسا کر رہے ہیں، ان کے آگے آئے۔ یا اللہ......! ان کو ایک پل چین نہ ملے۔''

شکیلہ خاتون نے کوسنوں کی تسبیح شروع کر دی تھی۔

☆......☆......☆

علینہ نڈھال سی کباڑ خانے نما اسٹور میں جھلنگا پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ صابر کھانے کی ٹرے ایک ٹوٹی پھوٹی تپائی پر رکھ کر واپس جا رہا تھا۔

''صابر......! بات سنو......!''

علینہ نے جاتے ہوئے صابر کو آواز دی۔ صابر فوراً پلٹا۔

''جی بیگم صاحبہ......!''

''صابر......! دیکھو، وہاج کو پتا نہ چلے کہ میں یہاں ہوں۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

''آپ اطمینان رکھیں بیگم صاحبہ......! آپ کا نمک خوار ہوں۔ میرے باپ دادا نے آپ کے باپ دادا کا نمک کھایا ہے۔ میں اپنے ہوتے ہوئے آپ پر کوئی ظلم نہیں ہونے دوں گا۔ آپ بالکل آرام سے سو جائیں اور یہ کھانا ضرور کھا لیں۔ یہاں بھی آپ نے کھانا نہیں کھایا تھا اور پتا نہیں چوہدری عارف کے ہاں بھی کھانا کھایا کہ نہیں......؟ یا ایسے ہی چلی آئیں......؟''

☆......☆......☆

بشر علی، مریم، عدیل، سلمٰی بیگم اور فیاض احمد کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔ اُن کی دلی خوشی اُن کے چہرے سے ظاہر تھی، بلکہ جیسے وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ آج وہ اپنے بچوں کے درمیان تھے۔ اُن کے لئے یہ بڑی قیمتی خوشی کی گھڑیاں تھیں جو بہت انتظار کے بعد آئیں تھیں۔ فیاض احمد، بشر علی کے برابر میں بیٹھ گئے۔

''ماشاءاللہ......! ماموں جان......! آپ کی صحت بہت بہتر نظر آ رہی ہے۔''

اُنہوں نے بشر علی کا ہاتھ تھام کر بڑے پیار سے کہا۔

''بس بیٹا......! یہ تم لوگوں کی دُعائیں اور محبتیں ہیں جو مجھے عدم سے ایک بار پھر کھینچ لائی ہیں۔ میں اللہ سے دُعا کرتا تھا کہ آخری سانس سے پہلے میری آپ سے ایک ملاقات ضرور ہو جائے۔ شکر ہے مالک کا، اُس نے میری دُعا قبول کی اور آج میں اپنے بچوں کے درمیان بیٹھا ہوا ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے عدیل کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

''ماشاءاللہ......! بھئی عدیل میاں......! ہم نے آپ کے بارے میں جیسا سنا تھا، ویسا ہی پایا۔ ماشاءاللہ، ماشاءاللہ......! اللہ جیتا رکھے۔ بہت ہی پیارا ہے میری مریم کا دُلہا۔ تم ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں سلمٰی......!''

''ہاں تو پاپا......! کیا میں آپ سے غلط بیانی کروں گی......؟ اور پھر مریم کا دُلہا ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ کیوں......؟ کیا خیال ہے آپ کا......؟''

سلمٰی بیگم باپ کو دیکھ دیکھ کر خوشی سے نڈھال ہو رہی تھیں۔ مریم کی غیر ارادی نظر عدیل کی طرف اُٹھ گئی تھی۔ وہ ایک دم نظریں چرانے لگا۔ مریم نے اپنی نظروں کا رُخ موڑ لیا اور بشر علی سے مخاطب ہوئی جیسے وہ عدیل کے موضوع کو ہوا میں اُڑا دینا چاہتی تھی اور اس موضوع پر مزید کوئی بات سننا نہیں چاہتی تھی۔

''نانا جانی......! مجھے آپ سے ڈھیر ساری باتیں کرنا ہیں۔ آپ کو پتا ہے ناں، ایک ایک دن میں نے گن گن کر گزارا ہے۔''

بشر علی، مریم کی بات سن کر مسکرا پڑے۔

''میرا بھی یہ حال ہے۔ سوچتا تھا بس پر لگا کر اُڑ جاؤں اور اپنی مریم کو اُس کے بسے بسے گھر میں ہنستا کھلتا دیکھوں۔''

مریم کی آنکھوں میں دُکھ کی شدت جھلکنے لگی۔ اُس نے نظریں جھکا کر اپنی کیفیت کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ حماد مسکرا مسکرا کر سب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس وقت وہ بھی سب کچھ بھولے ہوئے تھا، کیونکہ سب کے ہنستے مسکراتے چہرے وقتی طور پر اس گھر پر طاری غم کی فضاء کو دُھلا رہے تھے۔

''ارے بھئی......! حماد......! تم بہت چپ چپ ہو......؟ کوئی بات نہیں کرو گے اپنے نانا سے......؟''

حماد ایک دم سنبھلا۔

''ارے نہیں نانا جانی......! ہم لوگ تو بس ہر وقت ملتے رہتے ہیں۔ آج تو بس آپ کی باتیں سننا چاہ رہے ہیں۔ آپ بولتے رہیں، ہم سنتے رہیں۔ کتنے دنوں بعد تو یہ موقع آیا ہے کہ آپ ہمارے سامنے بیٹھے ہیں۔ بہت اچھا لگ رہا ہے۔''

فیاض احمد نے بچوں کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں ایک سوچ سی اُبھری، مگر اُنہوں نے خود کو فوراً سنبھال لیا اور ہنستے ہوئے بولے۔

''یہ حماد تو ویسے ہی کم گو ہے ماموں جان......!''

مریم نے برجستہ انداز میں کہا۔

''اور میں سب سے باتونی۔''

وہ سرک کر بشر علی کے قریب ہوگئی اور اُن کے کندھے سے اپنا سر ٹکا دیا۔ سلمٰی، مریم کی طرف بڑی پیار بھری نظروں سے

دیکھنے لگی۔

''یہ تو میری طوطی ہے۔میرے باغ کی رونق ہے۔''

بشر علی ہنستے ہوئے مریم کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

''یہ طوطی اُڑ کر میرے باغ میں آ چکی ہے نانا جان......!''

عدیل نے بڑی شوخی سے مسکرا کر برجستہ کہا اور سب بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''اوہ بھئی......! خوب یاد دلایا، وہ ہماری ایک اور طوطی بھی تو ہے۔وہ نظر نہیں آئی ابھی تک۔کیا انعم کو ہمارے آنے کی اطلاع نہیں دی آپ لوگوں نے......؟''

سب کے ہنستے ہوئے چہرے ایسے ہو گئے جیسے روشن چراغ ہوا کے ایک جھونکے سے بجھ گئے ہوں۔فیاض احمد اور سلمٰی نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔حماد اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

''نانا جان......! آپ ریسٹ کیجئے۔جب آپ ریسٹ کر کے اُٹھیں گے، پھر ہم سب ایک ساتھ ناشتہ کریں گے، اور بہت ساری باتیں بھی۔''

''ہاں ہاں......! لگتا ہے بھئی......! تم بہت تھک گئے ہو۔تم آرام کرو بیٹا......! اور میرا خیال ہے، میں پہلے نماز پڑھ لوں، کہیں ایسا نہ ہو شیطان کامیاب ہو جائے اور ہمیں باتوں باتوں میں پتا ہی نہ چلے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔''

''ٹھیک ہے پاپا......! آپ بھی نماز پڑھیں اور ہم لوگ بھی نماز پڑھ لیتے ہیں۔میرا خیال ہے، انا بی اُٹھ گئی ہوں گی۔وہ شاید نماز پڑھ رہی ہیں۔اسی لئے اتنی خاموشی ہے۔یہ تو اُن کا روز کا معمول ہے۔اس وقت تو وہ لازمی اُٹھ جاتی ہیں۔میں دیکھتی ہوں۔''

سلمٰی بیگم اُوپر دیکھتے ہوئے بولیں۔اسی وقت انا بی اپنی تسبیح ہاتھ میں پکڑے ہوئے بولیں۔

''السلام علیکم شیخ صاحب......! خیریت سے آپ پہنچ گئے۔سارے گھر والے ایک ایک گھڑی گن رہے تھے اور سچ پوچھیں تو آپ کے بغیر اس گھر میں رونق ہی نہیں ہوتی۔''

''او ہو انا بی......! کیسی ہیں انا بی......؟ ماشاءاللہ، آپ تو بس ایک جگہ پر آ کر رُک گئی ہیں۔نہ بڑی ہوتی ہیں نہ چھوٹی۔''

''ہٹیے شیخ صاحب......! کیا مذاق کرتے ہیں......؟ اب جتنا بڑا ہونا تھا ہو چکی، چھوٹی تو ہو نہیں سکتی۔''

''ایسی بات نہیں ہے انا بی......! ایک دن آپ بہت چھوٹی بھی ہوں گی۔وہ کہتے ہیں، بوڑھا اور بچہ دونوں برابر ہوتا ہیں۔ابھی بڑھاپے کی وہ منزل آنا باقی ہے۔''

فیاض احمد اُٹھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔بشر علی نے یہ سن کر ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا۔انا بی بیچاری جز بز ہو کر رہ گئی تھیں۔

''چلیں پاپا......! نماز پڑھ لیجئے۔کہیں قضا نہ ہو جائے۔''

سلمٰی بیگم، بشر علی کا بازو تھام کر آگے بڑھیں۔مریم، عدیل، فیاض احمد تینوں اُن کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔دلوں میں سناٹے تھے اور چہروں پر خوشیوں بھری مسکراہٹ۔یہی زندگی کے تضادات ہیں۔

☆......☆......☆

انعم، سلمان کے گھر کے ڈائننگ روم میں ناشتے کی ٹیبل پر تھی اور سلائس پر مارجرین لگا رہی تھی۔ اُس کے چہرے سے لگتا تھا، وہ گہری سوچ میں ہے۔ سلمان موبائل ہاتھ میں لیے موبائل کے آپشن چیک کرتا ہوا اندر آ رہا تھا۔ انعم نے اُس کی طرف دیکھا اور بڑی ادائے دلبرانہ سے مخاطب ہوئی۔

''تھینک گاڈ......! تمہارا سیل بھی بند ہوا۔ چار بار تمہیں بلانے گئی۔ پتا نہیں کیا خبریں پڑھ رہے تھے......؟''

''کس کا فون تھا......؟ اتنی لمبی کال......؟''

وہ پوچھ رہی تھی۔ سلمان اُس کے عین مقابل بیٹھ گیا اور اپنا موبائل ٹیبل پر رکھ دیا۔

''فلورینس کی کال تھی۔''

انعم نے جیسے چونک کر سلمان کی طرف دیکھا۔

''فلورینس کی......؟ کیا کہہ رہی تھی......؟ اتنی دیر تک اُس سے کیا باتیں کیں......؟''

''یار......! بیوی ہے میری۔ فون تو کرے گی ناں......! بیوی کے پاس کرنے کے لئے بہت باتیں ہوتی ہیں۔ خیر......! اب تم ناشتہ کرو۔ بلکہ میرے لئے پہلے ایک کپ چائے بنا دو۔ آج صبح سے چائے نہیں پی، اور بیڈ ٹی کے بغیر مجھے ایسا لگتا ہے، ابھی رات باقی ہے، صبح ہونے میں دیر ہے۔''

سلمان نے انعم کا موڈ خوش گوار کرنے کے لئے کوشش کی اور بڑی شوخی سے بولا۔ انعم نے بھی کچھ دیر پہلے چھائے ہوئے تاثر کو خلط ملط کرنے کی کوشش کی۔

''ہاں......! وہ مجھے یاد آیا، کل تمہارا بیسٹ فرینڈ عابد آیا تھا۔''

انعم نے ایک ایک لفظ پر جیسے زور دے کر سلمان کو مطلع کیا تھا۔ اُس کے چہرے اور لہجے سے ناگواری کا تاثر نمایاں تھا۔

''اوہ اچھا......! کیا کہہ رہا تھا......؟''

انعم کی آنکھوں میں غصے کی کیفیت بہت واضح ہو گئی تھی، جیسے جل بھن کر خاک ہو رہی تھی۔

''بہت فضول سا بندہ ہے۔ کوشش کرنا وہ آئندہ میرے سامنے نہ آئے ورنہ لگا دوں گی دو چار۔''

''ہیں ہیں......؟''

سلمان اُس کے لب و لہجے اور انداز پر چونک پڑا۔

''اُس نے کوئی غلط حرکت کی......؟ کوئی ایسی ویسی بات کی تم سے......؟ بتاؤ مجھے، دیکھو پھر میں کیا کرتا ہوں......؟''

''کیا کرو گے تم......؟ شوٹ کر دو گے اُسے۔ ہاں......! تم یہ کر سکتے ہو کہ آئندہ وہ میرے سامنے نہ آئے۔ ایک نمبر کا بدمعاش ہے وہ۔ اُسے اتنی بھی شرم نہیں کہ میں اُس کے دوست کی دوست ہوں۔''

انعم جیسے پھٹ پڑی اور چھری اور سلائس رکھ کر منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

''اُسے خیال کرنا چاہئے۔ میں اُس سے بات کروں گا۔''

سلمان نے اُس کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔

''تم نے ابھی تک اُسے بتایا نہیں کہ میں تمہاری ہونے والی بیوی ہوں......؟ اور وہ مجھے صرف تمہاری دوست سمجھ رہا

ہے......؟ خیر......! اگر میں تمہاری دوست بھی ہوں، فی الحال تمہاری بیوی نہیں ہوں، تب بھی اُسے خیال کرنا چاہیئے۔"

"آخر مجھے بتاؤ تو سہی، اُس نے کیا کہا ہے تم سے......؟ پتا تو چلے تاکہ میں اُس سے بات کروں۔ میرے پاس e strong basہو۔"

"بڑی لوفرانہ قسم کی باتیں کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا، تم سلمان کی دوست ہو تو ہماری بھی دوست ہو۔ ارے واہ......! کیا سمجھ رہا ہے وہ مجھے......؟"

انعم نے آف موڈ میں سلمان کی طرف گھورا۔

"فی الحال تو تم آزاد علاقہ ہو، کوئی بھی تمہیں دلچسپی سے دیکھ سکتا ہے۔"

"سلمان......! تمہارے دوست کوئی بھی ہیں، وہ تمہارے دوست ہیں۔ انہیں پتا ہونا چاہیئے کہ ہم بہت جلد شادی کرنے والے ہیں۔"

انعم نے غصے کی شدت کنٹرول کرتے ہوئے جواب دیا۔

"ارے نہیں......!"

سلمان نے اپنے مخصوص پن سے انعم کے اندازے غلط کرنے کی کوشش کی۔

"ویسے ہی تمہیں feel ہوا ہوگا۔ عابد ایسی ویسی کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ جانتا ہوں میں اُسے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا......؟ میں جھوٹ بول رہی ہوں تم سے......؟"

انعم اب بُری طرح پھٹ پڑی۔

"کم آن یار......! کیوں صبح صبح موڈ خراب کر رہی ہو اپنا بھی اور میرا بھی......؟"

سلمان مسکراتے ہوئے بڑی بے باک نگاہوں سے انعم کی طرف گھورنے لگا۔

"یار......! ہم ابھی سے لڑنا شروع کر دیں گے تو پھر شادی کے بعد کیا کریں گے......؟"

اُس نے شوخی سے کہا تو انعم بے اختیار مسکرا دی۔ سلمان کے ساتھ شادی کا تصور ہی بڑا خوش گوار تھا۔ وہ تو اب اپنی آخری سانس تک سلمان کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

اُجالا نے بی پی apparatus سمیٹتے ہوئے ناصر کی طرف دیکھا۔

"ماشاءاللہ......! بی پی آپ کا maintain ہے۔ آپ کو بہت بہت مبارک ہو، آج آپ ڈسچارج ہو جائیں گے۔"

وہ اپنا سامان سمیٹ کر جانے کے لیے مڑی تھی۔ ناصر نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے اور آنکھیں بند کر لیں۔

"آپ مجھے کیوں ڈسچارج کروانا چاہ رہی ہیں......؟ مجھے تو یہاں بہت سکون مل رہا تھا۔"

"ہوں......! آپ پہلے بندے ہیں جس سے میں یہ سن رہی ہوں، جسے ہسپتال میں سکون ملتا ہے، ورنہ لوگ تو دن گنتے ہیں کہ کون سی گھڑی آئے اور وہ ہسپتال سے بھاگیں، اور اس طرح سے کہ مُڑ کر بھی نہ دیکھیں۔"

اُجالا ہنستے ہوئے بولی۔

''ہاں......! ہوسکتا ہے ایسا۔''

''لیکن کسی وجہ سے ایسا نہیں ہے۔ بہر حال میں ہسپتال میں رُک تو نہیں سکتا۔ میرا ایک گھر ہے، جہاں میرے پیاری سی بیٹی میرا انتظار کر رہی ہے۔ شکر ہے مالک......! جینے کا کوئی تو بہانہ ہے۔''

وہ جیسے خود کلامی کی کیفیت میں گویا ہوا۔ اُجالا جتنا آگے بڑھ گئی تھی، وہیں سے رُک کر ناصر کی طرف دیکھنے لگی۔

''اسی لئے تو کہتے ہیں، اولاد ایک نعمت ہے۔''

ناصر ہنس دیا۔

''وہ اتنی پیاری باتیں کرتی ہے کہ اگر آپ اُس کی باتیں سنیں گی تو اُسی کی ہو جائیں گی۔ میں جتنا بھی dispress ہوں، تھکا ہوا ہوں، اُس کی پیاری پیاری باتیں میری ساری تھکن اُتار دیتی ہیں۔ اُس کی شکل دیکھتے ہی مجھے ایسا لگتا ہے کہ مجھے جینا ہوگا اپنی بیٹی کے لئے۔''

''بہت اچھی بات ہے، یہ بہت پازیٹو سوچ ہے۔ آپ کو اسی طرح سوچنا چاہئے، اس لئے کہ اس وقت آپ اپنی بیٹی کا سب کچھ ہیں۔''

''کیا نام ہے آپ کی بیٹی کا......؟''

اُجالا بڑی دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔

''ربیعہ......! مگر ہم اُسے پیار سے بیبہ کہتے ہیں۔''

''اوہ......Cute''

اُجالا بے ساختہ بولی اور جانے کے لئے قدم بڑھاتی ہے۔ ناصر اُس کی پشت کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتی، ناصر نے اُسے آواز دی۔

''وہ......مس اُجالا......! ایک منٹ پلیز......!''

اُس نے گویا جاتی ہوئی اُجالا کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔

''جی......!''

وہ وہیں سے پلٹ کر پوچھنے لگی۔

''آپ یہاں نرسنگ ہاسٹل میں رہتی ہیں ناں......؟''

''آپ نے کسی سے پوچھا ہوگا، اس لئے آپ کو پتا ہے۔ لیکن آپ نے کیوں پوچھا......؟ میں کہیں بھی رہوں، کسی شہر میں رہوں، کسی ہاسٹل میں رہوں، مندر میں رہوں، جھونپڑی میں رہوں، میرا اور آپ کا ساتھ تو اس ہسپتال تک ہی ہے اور رہنا چاہئے۔''

اُجالا ایک لڑکی تھی جو مرد کی نظروں کے معاملے میں بڑی حساس ہوتی ہے، چاہے وہ گاؤں کی ہو یا شہر کی۔ مرد کی نگاہیں پڑھنے میں وہ کبھی غلطی نہیں کرتی۔ اِسی لئے اُجالا اتنی محتاط ہو کر بات کر رہی تھی اور ناصر کے سامنے حدود کھڑی کر رہی تھی۔ وہ اُس کو احساس دلا رہی تھی کہ وہ اُس کے بارے میں بہت زیادہ نہ سوچے۔

''وہ......بات یہ ہے مس اُجالا......کہ میں نے آپ جیسی آئیڈیل نرس کبھی نہیں دیکھی۔ آپ بہت پروفیشنل ہیں۔''

''تھینک یو......!''

اُجالا نے ناصر کی بات کے جواب میں انکساری سے کہا اور پھر پلٹی۔

''وہ......مس اُجالا......!''

اُجالا نے دروازہ کھولا اور اُدھ کھلے دروازے کے فریم میں کھڑی ہوکر مُڑی اور ناصر کی طرف دیکھا۔

''آپ بھی جانے کی فوراً تیاری شروع کر دیجئے مسٹر ناصر......! پیارا گھر اور پیاری سی بیٹی، اس کے علاوہ آپ کچھ نہیں سوچیں گے۔ ٹیک کیئر......تھوڑی دیر بعد آپ سے پھر ملاقات ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کا ڈسچارج کارڈ لے کر میں ہی آؤں۔''

''اوہ......مس اُجالا......!''

''مسٹر ناصر......اپنا خیال رکھئے گا، زندگی چار دن کی ہے، اپنی بیٹی کی خاطر آپ کو خود کو سنبھالنا ہوگا۔''

پھر اُجالا اُدھر سے باہر چلی گئی۔

☆......☆......☆

بشر علی بیڈ پر لیٹے ہوئے تھے۔ مریم اُن کے قریب ہی بیٹھی تھی۔

''عدیل سے مل کر مجھے اتنی خوشی ہوئی بیٹا......! کہ بتا نہیں سکتا۔ تمہارا ساتھی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ جب تک تمہاری شادی نہیں ہوئی تھی، میں یہی دُعا کرتا تھا کہ یااللہ......! میری مریم کو بہت اچھا ساتھی دینا جو اس کی قدر کرے، اس کو سمجھے۔ اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ میری بیٹی بہت حساس ہے۔ شکر ہے اللہ کا کہ عدیل ویسا ہی ہے جیسا کہ تصور میں، میں اپنی مریم کا ساتھی دیکھا کرتا تھا۔''

بشر علی بہت خوش ہو کر کہہ رہے تھے اور اَنجانے میں مریم کے کلیجے پر جیسے برچھیاں چلا رہے تھے۔ مریم کی آنکھیں رونے کے لئے بے تاب ہوگئیں۔ اُس کا دل چاہا کہ وہ نانا کے سینے سے لگ کر تھوڑا تڑپ کر رو لے، اپنے دل کا سارا غبار نکال لے اور ہلکی ہو جائے۔ مگر اُس نے اپنے نانا کی خاطر خود کو سنبھال لیا اور ایک دم کھڑی ہوگئی۔

''کہاں جا رہی ہو بیٹا......؟ کچھ دیر تو میرے پاس بیٹھو......!''

''وہ......میں نانا جان......! اخبار دیکھتی ہوں۔ آپ کو عادت ہے ناں صبح صبح اخبار پڑھنے کی۔ بابا تو ''دی نیوز'' منگواتے ہیں۔ آپ کو کوئی اور اخبار پڑھنا ہے تو بتائیں۔''

''ارے بھئی......اخبار ہی تو پڑھنا ہے۔ ''دی نیوز'' ہی پڑھ لیں گے۔ مقصد تو باخبر ہونا ہی ہے ناں......!''

بشر علی ہنس پڑے۔

''ٹھیک ہے......میں اخبار بھجواتی ہوں۔ آپ چاہیں تو تھوڑا آرام کر لیں پھر اُٹھ کر اخبار پڑھ لیں۔ کیونکہ مجھے پتا ہے آپ کل سے ٹھیک سے آرام نہیں کر پا رہے ہیں۔ سفر کی تیاری، پھر اتنا لمبا سفر۔''

''ہاں بیٹا......لیکن تم لوگوں کو دیکھتے ہی میری ساری تھکن دور ہوگئی۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔ اللہ تمہیں عدیل کے ساتھ

ہمیشہ ہنستا بستا رکھے اور تم دونوں ایک دوسرے کا ہمیشہ خیال رکھو، آمین......!"

بشر علی کہہ رہے تھے اور مریم اُن کی طرف پشت کیے دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دل میں نئے سرے سے قیامت برپا ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون، بابا سائیں کے آستانے پر بیٹھی ہوئی تھی اور چہرے سے لگتا تھا کہ غم کے مارے بہت بُری حالت ہے۔

"شاہ سائیں......! پوری رات آنکھ بالکل نہیں لگی۔"

یہ کہہ کر شکیلہ خاتون نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے۔

"ہائے ہائے......! آپ دیکھتے کس طرح میرا بیٹا اُسے کھینچتا ہوا گھر سے باہر لے گیا۔ وہ نامراد میرے بیٹے کے ساتھ عیش کی زندگی گزار رہی ہے اور میری بیٹی......اور میری بیٹی کا حال آپ دیکھتے شاہ صاحب......! شاید آپ سے دیکھا نہ جاتا۔"

شاہ سائیں ایک دم جلال میں آ گئے اور بلند آواز سے مخاطب ہوئے۔

"بہو جو بو رہی ہے وہی کاٹے گی، دردر کی ٹھوکریں کھائے گی، انشاءاللہ......!"

شکیلہ خاتون نے بھی آواز سے آواز ملائی۔

"انشاءاللہ......!"

پھر بڑی رازداری سے آگے کی طرف جھک کر بابا سائیں سے کہنے لگیں۔

"مجھے لگتا ہے، میرا داماد کسی عورت کے چکر میں پڑ گیا ہے۔"

شاہ صاحب ایسے گردن ہلا رہے تھے جیسے شکیلہ خاتون کی بات سے اتفاق کر رہے ہوں۔

"یہی بات ہے چوہدرانی......! بالکل یہی بات ہے۔ بالکل ٹھیک سمجھی۔"

"تیری بہو تیری بیٹی سے حسد کرتی ہے۔ وہ بھی اپنا کام کر رہی ہے اور اسی نے ایسے تعویز گنڈے کرائے ہیں کہ بھائی کو بھاوج سے پھیر دیا ہے۔ اب تیرے داماد کو تیری بیٹی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ارے......! وہ تو باہر جاتا ہے عیاشیاں کرنے کے لئے۔ تیری بیٹی کی حیثیت تو اب ایسی ہی ہے جیسے کونے میں پڑا پرانا سامان۔"

"آئے ہائے......! میرے اللہ......! اتنا سننے سے پہلے مجھے موت کیوں نہ آ گئی......؟"

شکیلہ خاتون نے بابا سائیں کی بات سن کر اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔

"خاک پڑے دُشمنوں پر۔ مگر آپ بھی تو بابا سائیں......! کچھ کریں ناں، آپ ہی کو کچھ کرنا ہوگا۔ میرا دُکھ سمجھیں، ورنہ میں تو مر جاؤں گی۔"

وہ واویلا مچانے لگیں۔

"تیرا کیا خیال ہے، ہم بے فکر بیٹھے ہیں......؟ آہستہ بات کر، حدِ ادب کو ملحوظ رکھ۔ ہم رات کو مراقبہ کرتے ہیں۔ مؤکل ساری خبریں ہمیں دے دیتے ہیں۔ بے خبر نہیں ہیں ہم۔ تو کیا سمجھ رہی ہے، کیا ہم آرام سے بیٹھے ہیں......؟ ہمارے مرید پریشان ہیں اور ہم آرام فرمائیں......؟ تھو ایسی زندگی پر......! کوئی بات نہیں......! تیری بہو چاہتی ہے کہ تیری بیٹی خوار ہو

جائے، اُس نے کالا علم کروا کر بھائی کو بہن کا دُشمن بنا دیا ہے۔ اب دیکھنا ذرا کیا ہوتا ہے......؟''

''آئے ہائے......! میرے مولا......! رحم کر دے، ظالموں کو موت آئے۔ ارے......! ہم نے کسی کا کیا بگاڑا تھا......؟''

وہ اپنا سر تھام کر جیسے ماتم کرتے ہوئے بولیں۔

''آسرا کر چوہدرانی......! کچا کام نہیں کرتے۔ کیلیں پڑھ پڑھ دیں گے تجھے، سمجھی......؟ پکی کیل گاڑھتے ہیں ہم۔ خرچہ تو تیرا بڑھ جائے گا، لیکن تیرا داماد اگر تیری بیٹی کو اپنے سر پر نہ بٹھائے تو پھر بولنا۔ سانس بھی تیری بیٹی کی اجازت سے لے گا، اور تیرا بیٹا تیری بہو کو کنیز بنا کر رکھے گا۔ اُس پر سوتن لا کر بٹھائے گا۔ پھر تیرے کلیجے میں ٹھنڈک پڑے گی چوہدرانی......!''

وہ بڑی ادا سے مسکرائے اور گردن اکڑا کر شکیلہ خاتون کی طرف دیکھا۔

☆......☆......☆

وہاج آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ صابر ناشتے کی ٹرالی ٹیبل کے ساتھ لگا رہا تھا۔ وہاج نے اپنے بالوں میں برش چلاتے ہوئے آئینے میں صابر کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں ایک سوچ سی اُبھری۔

''صابر......!''

''جی صاحب......!''

صابر جلدی سے بولا۔

''کسی کا فون تو نہیں آیا تھا......؟''

صابر دُور رکھے فون سیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر حیران ہو کر بولا۔

''کس کا فون آئے گا صاحب......؟ اور فون آئے گا تو گھنٹی اُدھر بھی بجے گی، آپ کے کمرے میں۔''

وہ ڈرے ڈرے محتاط انداز میں کہہ رہا تھا۔

''میں نے اُدھر کا پلگ نکالا ہوا ہے۔ بڑی مشکل سے نیند آئی تھی۔ تھوڑی دیر سونا چاہتا تھا۔''

یہ کہہ کر اُس نے برش رکھا اور آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ ٹرالی پر ایک نظر ڈالی، پھر بڑی سنجیدگی اور سرد مہری سے بولا۔

''خیر چھوڑو......! تم ایک کپ چائے بناؤ۔ میں CLI پر چیک کر لوں گا، کس کا فون آیا تھا کس کا نہیں......؟''

صابر کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے خوف کا تاثر چھایا، مگر اُس نے جلدی خود کو سنبھال لیا اور آگے بڑھ کر وہاج کے لئے چائے تیار کرنے لگا۔ وہاج سلائس پر مارجرین لگا رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر گہری سوچ کے تاثرات نقش تھے۔ وہاج مارجرین لگاتے لگاتے رُک گیا۔

''وہ......کوئی آیا تو نہیں تھا صابر......؟''

صابر کے تو جیسے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے اور دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ وہ نظریں اُٹھانے کے قابل نہیں رہا، بولنا محال تھا۔

وہاج نے اُلجھی ہوئی نظروں سے صابر کی طرف دیکھا۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں، تم نے سنا نہیں کیا......؟''

صابر نے ایسے تھوک نگلا جیسے کوئی گٹھلی نگل رہا ہو۔ وہ بمشکل بولا۔

''نہیں صاحب......!''

وہاج بے ساختہ مسکرا دیا۔ایک طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

''تم نہیں کہنے کے لئے اتنا سوچ رہے تھے......؟''

صابر جواب میں بالکل خاموش رہا اور اُس نے چائے کا کپ وہاج کے سامنے رکھ دیا۔پھر سر جھکا کر بولا۔

''صاحب......!بل جمع ہونے ہیں۔آپ کہیں تو آج جمع کرادوں۔''

وہ گویا پہلے سے جاری موضوع سے اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا۔اِسی لئے اُس نے فوراً نئی بات شروع کر دی تھی۔

''مجھے دے دو وہ سارے بل اب تم، یہ کام ہو جائے گا۔تم بس گھر میں رہو۔جو کوئی بھی گھر میں آتا ہے، مجھے رپورٹ دو۔''

صابر نے تابعداری سے سر جھکا دیا۔

''جی صاحب......!''

وہاج نے چائے کا کپ اُٹھا کر صابر کی طرف دیکھا لیکن اُس کا ذہن کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔

''میں آج دیر سے گھر آؤں گا۔بہت کام جمع ہو گیا ہے۔لوگ میرے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''رات کا کھانا آپ گھر پر کھائیں گے صاحب......؟''

صابر جانے کے لئے مُڑا، مگر اُس نے پلٹ کر وہاج کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔وہاج کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ اُبھری۔

''ہوں......!کھانا......؟اب تو زہر کھانے کو دل چاہتا ہے۔''

صابر نے تو اُس کا جیسے یہ جملہ سن کر باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔وہاج ابھی تک مسکرا رہا تھا۔ایک زہریلی، تلخ اور معنی خیز مسکراہٹ۔

''اکیلا تو نہیں مروں گا۔''

وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوا۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون اپنے کمرے میں صوفے پر بیٹھی ہوئی ماسی برکتے کے کان میں کھسر پھسر کر رہی تھی۔

''یہ تعویز فوزیہ کے بستر کے نیچے کسی طرح دبا دے۔انشاء اللہ چوٹی سے پکڑ کر اگر گھر سے نہ نکالے عارف تو میرا نام شکیلہ نہیں۔''

ماسی برکتے نے آنکھیں پھاڑ کر شکیلہ کی طرف دیکھا۔

''چوہدرانی جی......!بابا جی نے اس کا نام نکالا ہے......؟ آئے ہائے......!شکل سے کیسی معصوم لگتی ہے......؟''

شکیلہ خاتون کے لہجے میں ایک دم عقیدت جھلکنے لگی۔شاہ سائیں کے تصور سے اُن کو جیسے بڑا سکون ملتا تھا۔مسکرا کر بولیں۔

''شاہ سائیں نام نہیں بتاتے مگر اشارہ تو دے دیتے ہیں، اور عقل والے کو اشارہ کافی۔''
پھر ایک دم اُن کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ آنکھوں سے غصے کی کیفیت جھلکنے لگی۔
''خوب سبق سکھائیں گے۔ اسے بڑی جلدی پتا چل جائے گا۔''
ماسی برکتے نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں اور ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر بولیں۔
''چوہدرانی جی......! فوزیہ بی بی کو تکلیف کیا ہے......؟ سب کچھ تو دیا ہے ربّ نے، مال دولت، بیٹا، پھر کیوں جلتی ہیں علینہ بی بی سے......؟''
شکیلہ خاتون یہ سن کر سانپ کی طرح پھنکاریں۔
''عادت سے مجبور ہے۔ حسد کرتی ہے میری بیٹی سے۔ ایسا کالا علم کروایا ہے کہ وہاج دوسرے عورت کے چکر میں پڑ گیا۔''
ماسی برکتے نے اتنا سنا اور زور سے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر مارے۔
''دوسری عورت......؟ ہائے......! میں مر جاؤں۔''
''وہاج صاحب تو علینہ بی بی کی شکل دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ ہائے ہائے......! بڑا ظلم کمایا فوزیہ بی بی نے۔ آئے ہائے......! توبہ توبہ......!''
ماسی اپنے کانوں کی لوؤں کو چھو کر ''توبہ توبہ'' کر رہی تھی۔
''ہاں تو اب مزہ چکھے گی ناں اپنے ظلم کا۔ اس دُنیا کا تو یہی حساب ہے، اس ہاتھ دے، اُس ہاتھ لے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہئے۔''
ماسی برکتے نے اپنی طرف سے شکیلہ خاتون کو مزید پکا کرنے کی کارروائی کی۔
''آپ فکر نہ کریں چوہدرانی جی......! موقع ملتے ہی اُس کے گدے کے نیچے دبا دوں گی۔ بلکہ نیچے سوئی سے ٹانکا بھی لگا دوں گی تاکہ اِدھر اُدھر سرکے بھی نہیں۔ آئے ہائے......! شاہ صاحب اتنی محنت سے چلّے کرتے ہیں، تب یہ تعویز بناتے ہیں۔ کوئی مذاق بات تھوڑی ہے۔''
اب ماسی برکتے نے شاہ سائیں کی تعریف میں زمین آسمان ایک کرنا شروع کر دیا۔

☆......☆......☆

صابر ٹرے میں علینہ کے لئے ناشتہ لے کر آیا تھا۔ علینہ اُسی جھلنگا پلنگ پر لیٹی چھت کی طرف گھور رہی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز سے اُس کی آنکھوں کی پتلیوں میں حرکت ہوئی اور اُس نے بغیر حرکت کیے صرف نظریں گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔ صابر کو دیکھ کر جیسے اُس نے سکون کا سانس لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔
''بی بی......! ناشتہ کر لیں، اب تو دن چڑھ گیا ہے۔''
صابر دروازہ بند کرتے ہوئے آہستہ آواز میں بولا۔ پھر قریب آ کر علینہ سے مخاطب ہوا۔
''بی بی......! میری بات سنیں، آپ نیچے مت آیئے گا۔ صاحب کو پتا نہیں ہے کہ آپ گھر پر ہیں۔''

علینہ نے نڈھال انداز میں نظریں اُٹھا کر صابر کی طرف دیکھا۔

''تم نے نہیں بتایا تو کیا ہوا صابر......؟ چوکیدار سے تو پتا چل سکتا ہے۔ایک گھر ہے، کب تک پتا نہیں چلے گا......؟''

وہ نڈھال سے لہجے میں اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔نقاہت اور کمزوری سے جیسے دو لفظ بولنا بھی محال تھا۔

''چوکیدار تو گاؤں گیا ہوا ہے۔ماسی کو بھی آنے سے منع کر دیا ہے صاحب نے۔''

علینہ نے یہ سن کر آنکھیں کھول کر صابر کی طرف دیکھا۔

''کیا وہاج گھر میں ہے......؟ آج بھی آفس نہیں گیا......؟''

''چلے گئے ہیں، تبھی تو آپ کا ناشتہ لایا ہوں۔لیکن اُن کا کیا بھروسہ، کب آجائیں......؟ آج کل تو بس یہی ہو رہا ہے، جاتے ہیں اور آجاتے ہیں۔کچھ سمجھ نہیں آ رہی مجھے کہ کیا ہو گیا ہے ان کو......؟ آخر اس گھر کو کس کی نظر لگ گئی ہے......؟''

صابر بہت مغموم لہجے میں کہہ رہا تھا۔علینہ کہنیوں کے سہارے اُٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

''کسی کا فون تو نہیں آیا تھا صابر......؟ کسی نے میرا تو نہیں پوچھا......؟''

وہ پوری قوت سے اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے صابر سے سوال کر رہی تھی۔

''بس بی بی......! آپ کی اماں کا آیا تھا سویرے سویرے۔میں نے بتا دیا کہ آپ سو رہی ہیں۔''

صابر نے ٹوٹی پھوٹی چھوٹی سی ٹیبل کھینچ کر علینہ کے سامنے کی اور ٹرے رکھ دی۔

''ہوں......!''

علینہ نے کھوئی کھوئی کیفیت میں ہنکارا بھرا اور عدیل کے متعلق سوچنے لگی۔

''شاید عدیل احتیاط کر رہا ہے، ورنہ اُس کا فون تو آ ہی جاتا۔''

☆......☆......☆

بشر علی، سلمیٰ بیگم، مریم اور عدیل لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔عدیل آفس جانے کے لئے تیار تھا۔اُس نے اپنی ریسٹ واچ پر نظر دوڑائی اور بشر علی سے مخاطب ہوا۔

''نانا جان......! اب آپ ہمارے گھر رہیں گے۔میں آفس سے واپسی پر آپ کو لینے آجاؤں گا۔آپ تیار رہیے گا۔''

یہ سن کر مریم کے چہرے پر کوفت، اُلجھن اور عجیب سی بے بسی کے تاثرات نمایاں ہوئے۔وہ بے قراری سے اپنی اُنگلیاں مروڑنے لگیں۔دل چاہا کہ پھٹ پڑے مگر بشر علی کے خیال سے وہ ضبط کی منزلیں طے کر رہی تھی۔

''یہ تمہاری محبت ہے بیٹا......! یہ بھی میرا گھر ہے اور وہ بھی میرا گھر ہے۔آتا جاتا رہوں گا۔بوڑھے انسان کے لئے اس سے اچھی کیا مصروفیت ہے......؟''

بشر علی بڑی محبت بھری نظروں سے عدیل کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''نہیں نہیں......! یہاں آپ نے جتنا رہنا تھا، رہ لیے۔اب ہمارے ساتھ رہیں گے۔''

سلمیٰ بیگم یہ سن کر ہنس پڑی اور عدیل سے بولیں۔

''تمہیں بیٹا بنا کر کیا ہم نے غلطی کی ہے......؟ میرے پاپا کو مجھ سے چھین رہے ہو......؟''

عدیل کے دل میں چور تھا۔ سلمٰی کا جملہ تو بڑا سیدھا سادھا تھا مگر اُسے چبھ گیا تھا۔ ایک دم ٹپٹا کر بولا۔

"نہیں نہیں......! ایسی بات نہیں ہے۔"

بشر علی نے جیسے ایک دم عدیل کی مشکل آسان کی۔

"نہیں نہیں بھئی......! تم سب میرے بچے ہو۔ یہ سلمٰی تو بس ایسے ہی مذاق کر رہی تھی۔ تم خیال نہ کرنا۔"

وہ جیسے عدیل کی دل جوئی کرنے لگے۔

"جی......! میں اس لئے کہہ رہا تھا نانا جان......! کہ مریم کی آپ کے ساتھ بہت attachment ہے۔ وہ ہر وقت آپ کی باتیں کرتی ہے۔ ہر وقت آپ کا ذکر کرتی ہے۔ وہ تو خود یہی چاہتی ہوگی کہ آپ اُس کے ساتھ رہیں۔ میں اس لئے بھی کہہ رہا تھا۔"

"ہاں بیٹا......! میں ضرور آؤں گا۔"

بشر علی نے عدیل کی بات سن کر جواب دیا۔

"دن بھر تو تمہارے گھر میں مجھے تنہا ہی رہنا پڑے گا۔ تم دونوں تو صبح ہی چلے جاتے ہو۔ مریم نے مجھے بتایا تھا کہ اُس نے جاب کر لی ہے۔"

عدیل اپنے بریف کیس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے ہنس پڑا۔

"آپ نے ہمارے طرف نہ رہنے کا کتنا اچھا بہانہ ڈھونڈ لیا ہے نانا جان......!"

مریم کے چہرے پر اب سکون طاری ہو چکا تھا جیسے انجانے میں بشر علی نے اُسے بڑی تقویت پہنچائی تھی۔

"نہیں بیٹا......! مجھے تنہائی کی عادت ہے۔ میری بہترین دوست کتابیں مجھے نئی نئی دُنیا کی سیر کرواتی رہتی ہیں۔ میں بور نہیں ہوتا تنہائی سے۔ آپ فکر نہ کرو، میں ضرور آؤں گا۔ میرا وعدہ ہے۔"

"چلیں ٹھیک ہے......!"

عدیل نے بشر علی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ بشر علی نے بڑی گرم جوشی سے عدیل کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا لیا اور مریم کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

"مریم......! تم اتنی دیر سے بالکل خاموش ہو۔ ناراض ہو بھئی کیا کسی سے......؟ بھئی......! مجھ سے تو ناراض نہیں ہو سکتی، اتنا تو مجھے پتا ہے۔"

وہ مریم سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔ مریم نے ایک دم خود کو سنبھالا۔ وہ زبردستی مسکرائی۔

"نہیں نہیں......! میں تو آپ کی مزیدار باتیں سن رہی تھی نانا جان......!"

"ارے......! تم آفس نہیں جاؤ گی کیا......؟ تم کتنے بجے آفس جاتی ہو......؟"

بشر علی کو اچانک خیال آیا۔

"آج میں نے آپ کی آمد کی خوشی میں چھٹی لے لی ہے نانا جان......!"

"بہت خوب......! یعنی ہم نے آ کر بہت سے کاموں میں دخل اندازی کر ڈالی ہے......؟"

عدیل نے چور نظروں سے مریم کی طرف دیکھا۔ وہ سامنے بیٹھی ہوئی اُسے بہت تڑپا رہی تھی۔ جب سے شادی ہوئی تھی، وہ بڑے خوب صورت انداز میں اُسے خدا حافظ کہہ کر آفس کے لئے روانہ ہوتا تھا، لیکن اب سامنے بیٹھی ہوئی مریم اُسے ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں میل دُور بیٹھی ہوئی دکھائی دیتی تھی جسے نہ وہ چھو سکتا تھا اور جیسے نہ ہی اُس کو کوئی ایسا اشارہ کرسکتا تھا جو دونوں طرف خوش گوار احساسات کو جگا دیتا۔

''خدا حافظ......!''

وہ جیسے ٹھنڈی سانس لے کر لاؤنج سے نکل گیا۔

''مریم بیٹا......! عدیل میاں کو دروازے تک خدا حافظ تو کہو۔ ارے بھئی......! جب شوہر گھر سے جاتا ہے تو بیوی کو اُس کے ساتھ دروازے تک جانا چاہئے خدا حافظ کہنے کے لئے۔''

مریم ایک دم گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''جی جی......! بس، وہ میں اُٹھ ہی رہی تھی۔''

عدیل، نانا جان کی یہ بات سن کر ایک اچھی آس میں مبتلا ہوگیا اور آگے کی طرف بڑھنے لگا۔ مریم آہستہ سے چلتی ہوئی اُس کے قریب پہنچی۔ وہ کتنے بڑے عذاب سے گزر رہی تھی، یہ وہ جانتی تھی یا اُس کا اللہ جانتا تھا۔ عدیل نے موقع غنیمت جان کر جیسے سرگوشی کی۔

''آج گھر آرہی ہو ناں جان......؟''

اتنی محبت بھری بات تھی کہ سارے دن کی خوشیوں کا ضامن بن سکتی تھی لیکن یہی جملہ پھر ہر طرف شعلے سے بھڑکانے لگا۔ اُس نے باکمال ضبط بہت آہستہ سے کہا۔

''وہ میرا گھر ہے، جب میرا دل چاہے گا، میں آجاؤں گی۔''

اُس نے اتنی آہستہ آواز میں یہ جملہ کہا کہ دوسرا کوئی نہ سن سکے۔

''خدا حافظ......!''

وہ برق لہجے میں ''خدا حافظ'' کہہ کر واپس لاؤنج کی طرف پلٹ آئی۔

☆......☆......☆

علینہ گھونٹ گھونٹ کر کے گرم دودھ پی رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں جیسے کسی اَنجانی سی دُنیا میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ وہ ماحول سے کٹی ہوئی تھی۔ صابر بہت دیر سے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ علینہ کی کیفیت دیکھ کر اُسے واقعی دلی دُکھ ہو رہا تھا۔

''پتا نہیں کیا ہوگیا ہے صاحب کو ایک دم......؟ میری سمجھ میں ایک بات آرہی ہے، صاحب کسی ویرانے سے گزرے ہیں، اُن پر آسیب ہوگیا ہے، مگر پڑھے لکھے لوگ ان باتوں کو کہاں مانتے ہیں......؟''

علینہ نے اُس کی بات سن کر پھر ایک گھونٹ لیا اور گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اُس کے پاس صابر کی بات کا کوئی جواب نہ تھا۔

''بی بی......! جنات کے اثر سے میاں بیوی کی آپس میں دُشمنی ہو جاتی ہے۔ کوئی عامل کامل ہی اس کا توڑ کرسکتا ہے۔''

علینہ کے ہونٹوں پر ایک اُداس سی مسکراہٹ اُبھری۔

''کوئی ایسا عامل کامل بتاؤ جو عدیل کو مجھ سے ملا دے اور مجھے اس وحشی درندے سے نجات دِلا دے۔''

وہ سوچ رہی تھی کہ یہ سب کچھ وہ صابر سے نہیں کہہ سکتی۔ اُس نے دودھ کا گلاس ختم کیا اور آہستگی سے ٹرے میں رکھ دیا۔

صابر اُٹھ کھڑا ہوا اور ٹرے اُٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ علینہ نے اُس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''وہاج تو گیا ہوا ہے صابر......! اور گھر میں تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لئے نیچے آجاؤں......؟ ایک دو ضروری فون کرنا ہے۔''

صابر یہ سن کر ایک دم ڈر گیا اور پریشان ہو کر بولا۔

''دیکھ لیں بی بی جی......! صاحب چیک کرتے رہتے ہیں۔ پتا نہیں کون کون سے نمبر دباتے ہیں۔ اُنہیں پتا چل جاتا ہے نمبروں کا کہ کس نمبر سے فون آیا تھا......؟ کس نمبر سے فون گیا تھا......؟ آپ کو احتیاط کرنی چاہئے۔''

علینہ یہ سن کر بُری طرح چونک پڑی۔ اُس نے صابر کی طرف بڑی شکر گزار نظروں سے دیکھا تھا۔ یہ تو اُس کے ذہن سے ہی نکل گیا تھا کہ گھر میں سی ایل آئی (C.L.I.) کی سہولت بھی موجود ہے۔

''اوہ میرے خدایا......!''

اُس نے سکون کا ایک گہرا سانس لیا۔

''تھینک یو صابر......! تم نے مجھے بہت بڑی مصیبت سے بچا لیا۔''

صابر اب چپ چاپ ٹرے لے کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔

''یا اللہ......! میں عدیل سے کیسے رابطہ کروں......؟ اس وقت تو وہی مجھ کو وہاج کے نوکیلے پنجوں سے چھڑا سکتا ہے۔ مگر اس سے بات کیسے ہو......؟''

وہ سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

''مہرو......! مہرو......!''

ناصر اپنی ملازمہ اور بیبہ کی آیا کو تلاش کرتے کرتے لاؤنج میں آ گیا، مگر ایک دم سنبھل گیا۔ سامنے اُس کی بہن شہلا بیٹھی تھی۔

''وہ......شہلا آپا......! مہرو نظر نہیں آ رہی۔ آپ کو پتا ہے کہ وہ کہاں ہے......؟ اور بیبہ بھی نہیں ہے۔ کیا بیبہ کو لے کر وہ کہیں باہر گئی ہے......؟''

شہلا یہ سن کر اپنی جگہ سے اُٹھی اور ناصر کے قریب آئی۔ پھر بڑی نرمی سے ناصر کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''تم ٹینس نہ ہو ناصر......! بیبہ آ جائے گی۔''

''وہی تو پوچھ رہا ہوں کہ کہاں گئی ہے وہ......؟ میں گھر میں داخل ہوتے ہی اُسے دیکھنا چاہتا تھا، مگر وہ کہیں نظر نہیں آ رہی ہے۔''

وہ پریشان ہوکر شہلا کی طرف کھوجتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''تم بیٹھو تو سہی، میں بتاتی ہوں۔ ریلیکس......!''

شہلا نے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر اُسے صوفے پر بٹھانے کی کوشش کی۔ ناصر، شہلا کے انداز پر اُلجھ سا گیا لیکن بیٹھ گیا۔ شہلا اُس کے برابر میں بیٹھ گئی اور ہچکچاتے ہوئے بولی۔

''بات یہ ہے ناصر......! بیہ اپنی نانی کے پاس ہے۔''

ناصر نے یہ سن کر ایک دم شہلا کی طرف ہکا بکا ہوکر دیکھا۔ پھر جیسے ایک دم طیش میں آ گیا۔

''کیا مطلب......؟ یہی ناں کہ وہ اپنی ظالم ماں کے پاس ہے......؟''

شہلا بھی اُٹھ کھڑی ہوئی اور پھر ناصر کو کندھوں سے تھام لیا۔

''ناصر......! اُس کی ماں کو بیہ سے دلچسپی ہوتی تو وہ اُسے چھوڑ کر ہی کیوں جاتی......؟ سلمیٰ آنٹی اور فیاض انکل تمہاری طبیعت کا سُن کر فوراً آ گئے تھے اور تمہاری حالت دیکھ کر اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ بھئی......! تم تو ہسپتال کے چکر لگاؤ گی۔ ظاہر ہے، جب تک ناصر ہسپتال میں ہے، تمہارا زیادہ تر وقت ہسپتال میں گزرے گا تو بیہ کو ہم چند دنوں کے لئے ساتھ لے جاتے ہیں۔ جب ناصر کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی تو ہم اس کو لے آئیں گے۔''

ناصر نے شہلا کی بات سن کر نظریں جھکا لیں اور آہستگی سے گویا ہوا۔

''ان لوگوں کا اور میرا اب رشتہ ہی کیا ہے شہلا آپا......؟''

شہلا بے ساختہ مسکرا پڑی جیسے ناصر نے کوئی بچگانہ بات کی ہو۔

''ناصر......! وہ تمہاری بیٹی کے سگے نانا نانی ہیں۔ بیٹی کی وجہ سے تمہارا اور اُن کا رشتہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔''

ناصر نے ہاتھ اُٹھا کر جیسے شہلا کو مزید بات کرنے سے روک دیا۔

''شہلا آپا......! پلیز، اُن کو فون کر کے کہہ دیں کہ وہ آج شام کی فلائٹ سے بیہ کو لے کر آ جائیں بلکہ اس سے پہلے آسکتے ہیں تو پلیز، اگر اُن کو آنے کا مسئلہ ہے تو وہ مہرو اور بیہ کو بھیج دیں، ہم انہیں ریسیو کر لیں گے۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! تم ٹینس نہ ہو۔ میں ابھی فون کرتی ہوں۔ آنٹی کو کوئی مسئلہ نہیں ہے، وہ خود لے کر آ جائیں گی بیہ کو۔ اس لئے کہ اُنہیں پتا ہے، تمہارے لئے بیہ کی دُوری کتنی تکلیف دہ ہوسکتی ہے۔ وہ لوگ بہت خیال کر رہے ہیں۔ میں ابھی اُن سے بات کرتی ہوں۔ ٹھیک ہے......! اور تمہارے لئے چائے بھجواتی ہوں۔ دیکھو، میری بات یقین کرو، میں تم سے غلط بیانی نہیں کر رہی۔ بیہ انشاءاللہ آج ہی تمہارے پاس آ جائے گی۔''

شہلا، ناصر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے بچوں کی طرح بہلا رہی تھی۔ ناصر کی کیفیت ایسی تھی جیسے وہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو کر کسی اور جہاں میں پہنچ گیا ہو۔ ہزار شہلا اُس کو تسلیاں دے رہی تھی مگر جب تک بیہ نہیں آ جاتی، اُس کا پُرسکون ہونا مشکل تھا اور یہ بات شہلا بھی سمجھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

''ہاں ہاں شہلا......! تم فکر نہیں کرو۔ جیسا تم کہہ رہی ہو، ویسا ہی ہوگا اور ناصر کو تسلی دو، جو بھی ہمیں فلائٹ ملتی ہے، ہم

اُسی فلائٹ سے آرہے ہیں بیہ کو لے کر۔ وہ بالکل پریشان نہ ہو۔''

شہلا کو پورا یقین تھا، سلمٰی بیگم جو کہہ رہی ہیں، ویسا ہی ہوگا۔ سلمٰی بیگم شہلا سے بات کرنے میں مصروف تھیں اور بشر علی، سلمٰی کی طرف بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اُن کو کوئی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''جی آنٹی......! مجھے پورا یقین ہے کہ آپ کو سب کی پریشانی کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہے اور ناصر تو بیہ کو نہ پا کر بہت بے چین ہوگیا ہے۔''

''نہیں نہیں شہلا......! تم تسلی رکھو۔ بس یوں سمجھو، ہم رات سے پہلے پہلے تمہارے پاس پہنچ چکے ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ......! ناصر کا اور اپنا خیال رکھنا، اللہ حافظ......!''

سلمٰی بیگم نے یہ کہہ کر فون بند کیا۔

''یہ شہلا سے بات کر رہی تھی......؟''

بشر علی نے فون بند ہوتے ہی اُلجھن بھری نظروں سے سلمٰی کی طرف دیکھا۔

''یہ تو شاید ناصر کی بہن کا نام نہیں ہے، وہ جو باہر ہوتی ہے۔''

''جی پاپا جی......! میں اُسی سے بات کر رہی تھی۔''

''تو کیوں پریشان ہو رہی ہے بیچاری......؟ اپنے گھر میں تو خوش ہے ناں......؟''

''جی پاپا......! وہ......''

اُسی لمحے مہرو، بیہ کو لے کر لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔ سلمٰی بیگم ایک لمحے کے لئے پریشان ہوگئی تھیں، مگر اُنہوں نے کمال ہوشیاری سے اپنی کیفیت پر قابو پالیا تھا اور بشر علی کی طرف چور نظروں سے دیکھتے ہوئے مہرو سے بولیں۔

''کیا بات ہے مہرو......؟''

''وہ بیگم صاحبہ......! بیہ کو ہاتھ لگا کر دیکھیں، بہت تیز بخار ہے۔''

مہرو نے بیہ کو سلمٰی بیگم کے قریب کرتے ہوئے کہا۔

''اوہو......! واقعی بہت تیز بخار ہے۔ فرح سے کوئی سیرپ لے لو۔ اُس کے پاس لازمی ہوگا۔ وہ فرزین کی وجہ سے ظاہر ہے، گھر میں اس طرح کے سیرپ تو رکھنے ہی ہوتے ہیں۔''

بشر علی بڑے غور سے مہرو، بیہ اور سلمٰی بیگم کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''یہ انعم کی بیٹی بیہ ہے ناں سلمٰی......؟ تم تو بتا رہی تھیں کہ ناصر کی ٹرانسفر اسلام آباد میں ہوگئی ہے۔''

سلمٰی ایک دم سٹپٹا سی گئیں مگر انہوں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا تھا۔

''لیکن پاپا......! میں نے آپ کو یہ بھی تو بتایا تھا کہ ناصر کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے۔ میں جب اُس کو دیکھنے گئی تھی تو بیہ کو اپنے ساتھ لے آئی تھی۔''

''اوہو......! ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! تم نے بتایا تو تھا۔ انعم کو بھی تھوڑی سہولت ہوگئی ہوگی۔ ظاہر ہے، جب گھر کا بندہ بیمار ہو تو بڑا مسئلہ ہو جاتا ہے۔ بچی بھی چھوٹی ہے۔ مریض بھی، بچی بھی، دونوں کو بیک وقت سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ یہ تم نے اچھا

کیا کہ بیبہ کو یہاں لے آئی۔جاؤ بیٹا......!فرح سے سیرپ لے کر اسے پلاؤ۔اس کی ماں کو پتا چل گیا تو بہت پریشان ہوگئی۔"

بشریٰ علی بولتے بولتے اب مہرو کی طرف متوجہ ہوئے۔مہرو حیران پریشان سلمیٰ بیگم کی طرف دیکھ رہی تھی۔سلمیٰ بیگم نے اُسے چپ چاپ چلے جانے کا اشارہ کیا۔

"کتنی چھوٹی سی بچی ہے، کتنی پیاری سی بچی ہے۔انعم بھی اس کو بہت miss کر رہی ہوگی۔ظاہر ہے، اتنا چھوٹا سا بچہ ماں سے دُور ہوجاتا ہے تو بچے کو بھی ماں کی یاد ستاتی ہے اور ماں بھی پریشان رہتی ہے۔"

"جی پاپا......! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔بس اب میں ماں بیٹی کو زیادہ دُور نہیں رکھوں گی۔انشاء اللہ تعالیٰ......! میں آج ہی اس کو لے کر چلی جاؤں گی اس کی ماں کے پاس۔آپ تو ابھی سفر کر کے آئے ہیں، بہت جلدی دوبارہ جہاز کا سفر آپ کے لئے ٹھیک نہیں ہے۔انشاء اللہ......! پھر کسی دن چلیں گے۔ہوسکتا ہے، ناصر کی طبیعت ٹھیک ہوجائے تو ناصر اور انعم آپ سے ملنے خود ہی آجائیں۔"

سلمیٰ بیگم نے بولتے بولتے جیسے اپنے آپ کو لعنت ملامت کی۔اتنے تواتر سے زندگی میں کبھی شاید ہی جھوٹ بولا ہوگا۔لیکن دل کا مریض بوڑھا باپ سامنے تھا اور اُن کے پاس بڑی بے رحم خبریں تھی جو وہ اُن کو سنانے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھیں۔

☆......☆......☆

عارف آفس جانے کے لئے باہر نکل رہا تھا کہ شکیلہ خاتون اُس کے پیچھے پیچھے آگئیں۔

"آج تو دیر ہوگئی بیٹا......! مگر کیوں......؟ تم تو نو بجے چلے جاتے ہو......؟"

"جی اماں......! بس ہوگئی دیر۔"

عارف نے بڑی سرد مہری سے ماں کو جواب دیا۔شکیلہ خاتون نے مسکرا کر عارف کی طرف دیکھا اور بڑے لاڈ پیار سے بولیں۔

"رات کو بھی دیر تک کام کرتا رہتا ہے۔دن کو بھی بھاگ دوڑ رہتی ہے۔آرام بھی ضروری ہے۔اپنے آرام کے لئے بھی ٹائم نکالا کر۔"

عارف نے اسی طرح سرد مہری سے جواب دیا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں اماں......! اب کوشش کرتا ہوں۔"

"آئے ہائے...... کئی دن سے دیکھ رہی ہوں، تجھے تو چپ سی لگ گئی ہے۔کوئی بات ہے بیٹا......! تو ماں سے کہہ......؟"

وہ پھر لاڈ پیار کے انداز سے گویا ہوئی۔

"علینہ کی طرف سے الگ پریشانی ہے۔ایک ہی بہن ہے تیری بیٹا......! دوسروں کے بہکاوے میں آکر کیوں دُکھ دیتے ہو......؟"

اب وہ مطلب کی بات پر آگئیں۔استہزائیہ مسکراہٹ عارف کے چہرے پر اُبھری۔

"آپ سے کس نے کہہ دیا کہ مجھے کوئی بہکا رہا ہے......؟"

"نظر آ رہا ہے۔"

شکیلہ نے مصلحتاً اپنے غصے کو چھپاتے ہوئے جواب دیا۔

"غلط نظر آ رہا ہے۔ جھوٹ نظر آ رہا ہے۔"

"مجھے تم بتاؤ کہ بات کیا ہے......؟ پھر میں بھی تمہیں کچھ بتاؤں گی۔"

"کمال بات ہے، جو کچھ آپ مجھ سے پوچھنا چاہتی ہیں، اپنی بیٹی سے کیوں نہیں پوچھتیں......؟"

اب عارف جیسے پھٹ پڑا۔

"کئی گھنٹے وہ آپ کے پاس رہی، کیوں نہیں پوچھا آپ نے......؟"

"آئے ہائے......! اُس نے تو رو رو کر جان کھو دی ہے۔ کچھ نہیں بولتی وہ۔ اُسے کوئی دُکھ کھا رہا ہے بیٹا......! بہت پوچھا میں نے۔ پتا نہیں شاید ڈری ہوئی ہے۔ نہ جانے کیا ہوا ہے......؟ اُس کی تو جیسے زبان ہی بند ہو گئی ہے۔"

"اُسے دُکھ نہیں کھا رہا اماں......! وہ ہمیں کھا رہی ہے۔ دل چاہتا ہے، خود کو گولی مار کر خودکشی کر لوں۔"

عارف اب بھڑک کر بولا۔ شکیلہ خاتون نے ایک دم اپنے سینے پر ہاتھ مارا۔

"آئے ہائے......! توبہ توبہ......! مریں تیرے دُشمن۔ چالیس مربعے پر ناگ بنے بیٹھے ہیں۔ لگتا ہے، تیری سوتیلی ماں پھر کوئی کارستانی کر رہی ہے۔"

عارف نے جیسے بہت ضبط کیا اور ماں کی طرف بڑے غصے سے دیکھا۔

"یہ سب زمانہ جہالت کی باتیں ہیں اماں......! جب کچھ بُرا ہوتا ہے تو دُشمن کی کارستانی ہوتی ہے۔ ہم بڑے نیک اور پرہیز گار ہیں۔ نہ ہم سے غلطی ہوتی ہے اور نہ بھول چوک۔ جو کچھ بھی کرتے ہیں، وہ دُشمن ہی کرتے ہیں۔"

عارف نے اتنا ہی کہا اور پاؤں پٹختا ہوا باہر کی طرف چلا گیا۔ شکیلہ خاتون پتھر کا بُت بنی اپنی جگہ کھڑی تھیں اور سوچ رہی تھیں۔

"یا اللہ......! یہ عارف کو کیا ہو گیا ہے......؟ اُسے تو کوئی بات ہی نہیں سمجھ میں آ رہی۔ پٹھے پر ہاتھ ہی نہیں رکھنے دے رہا۔"

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم اپنے بیڈروم میں بہت ہی پریشان فیاض احمد سے بات کر رہی تھیں۔

"فیاض......! شہلا بہت پریشان تھی۔ ڈر رہی ہے کہ ناصر کے دماغ پر بوجھ پڑا تو خدانخواستہ اُس کی طبیعت پھر نہ بگڑ جائے۔ اس لئے ہمیں بیبہ کو لے کر جلد سے جلد وہاں پہنچنا ہے، آج کی تاریخ میں۔"

"ہاں......! تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں سمجھ رہا ہوں۔ حماد آفس میں بیٹھا ہوا ہو گا، اُسے کہو میری، تمہاری، مہرو اور بیبہ کی سیٹیں کنفرم کرا دے، اور دوپہر کی ملتی ہے تو دوپہر کی۔ شام کی ملتی ہے تو شام کی۔ ظاہر ہے، ہمیں فوراً سے بیشتر وہاں پہنچنا ہے۔"

"میں بھی چلوں فیاض......؟ پاپا گھر میں ہیں۔ سوچ تو میں رہی تھی کہ میں بھی جاؤں ساتھ، لیکن پاپا گھر میں ہیں۔"

"کوئی بات نہیں......! ہم صرف ایک دن کے لئے جا رہے ہیں۔ ماموں جان کو بتا دیتے ہیں کہ جب ہم وہاں رُکنے اور

ٹھہرنے کے لئے جائیں گے تو انہیں بھی ساتھ لے جائیں گے۔ تمہیں چلنا ہوگا سلمٰی......! میں سچ پوچھو تو پتا ہے، کس بات سے پریشان ہوں......؟"

فیاض احمد اب ہچکچاتے ہوئے بولے۔ سلمٰی نے اُن کی طرف غور سے دیکھا۔

"کس بات پر پریشان ہیں......؟"

"بھئی......! مجھے تمہارے بغیر وہاں جاتے ہوئے عجیب سی اُلجھن ہو رہی ہے۔ ناصر کو face کرنا بہت مشکل محسوس ہو رہا ہے۔ اب بیٹی نے عمر بھر کے لئے نظریں جھکا ہی دی ہیں، لیکن آہستہ آہستہ بات سنبھلے گی۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! میں چلتی ہوں آپ کے ساتھ۔ میں پاپا کو ویسے بھی کہہ چکی ہوں۔ اُن کو تو میں نے کہہ دیا تھا کہ میں جا رہی ہوں۔ بعد میں سوچا تھا کہ پاپا اکیلے ہو جائیں گے، لیکن اگر آپ ایسا چاہ رہے ہیں کہ میں ساتھ چلوں، تو ٹھیک ہے......! آپ پریشان نہ ہوں۔ اب ہمیں بہت سوچ سمجھ کر بات کرنی ہے۔ بہت احتیاط کرنی ہے۔ فیاض......! بس پاپا کو کسی طرح پتا نہ چلے۔ وہ دُکھ جو ہم لوگوں کی جڑ، بنیاد سے ہلا چکا ہے، پاپا تو ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سہہ سکتے۔"

سلمٰی بیگم کی بولتے بولتے آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ فیاض احمد کے پاس اب جیسے بولنے کے لئے کچھ نہ رہا۔ اُنہوں نے ایک گہری ٹھنڈی سانس بھری اور بستر پر بالکل چت لیٹ گئے۔

☆......☆......☆

آج بھی عدیل اُسی طرح سے اُلجھا ہوا تھا جیسے کہ کئی دنوں سے اُلجھا ہوا تھا۔ آج بھی اُس کا کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ فائلوں کا ڈھیر لگتا جا رہا تھا مگر ہاتھ لگانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ اس وقت بھی وہ چائے کا کپ تھامے ہوئے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ دروازہ کھول کر مریم اندر داخل ہوئی۔ عدیل کو جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ ایک دم اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ خوش ہونا چاہتا تھا لیکن خوش ہونے کے لئے مریم کے چہرے پر کوئی خبر بھی ہونا چاہیے تھی۔ اس کا چہرہ تو بالکل سپاٹ تھا۔ نہ کوئی اچھی خبر پتا چل رہی تھی نہ بُری۔ وہ ٹک ٹک مریم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آپ پلیز بیٹھیں، چائے پئیں اپنی۔ میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔"

مریم بہت پُر تکلف لہجے میں بات کر رہی تھی۔ عدیل روبوٹ کے انداز میں جیسے مریم کے حکم کا منتظر ہی تھا، دوبارہ چیئر پر بیٹھ گیا۔ مگر اُس کی نظریں مریم کے چہرے سے نہیں ہٹی تھیں۔

"میں ایک ضروری بات کرنے آئی ہوں، اور وہ یہ کہ برائے مہربانی جھوٹ اور دھوکے کا یہ کھیل یہیں روک دیجئے گا۔ میرے نانا جان پر رحم کیجئے، خدا کے لیے، مجھ پر رحم کریں نہ کریں، میرے بوڑھے نانا پر ضرور رحم کریں۔ میری اور آپ کی رُوحانی علیحدگی تو ہو چکی ہے، چند دنوں کے بعد باقاعدہ علیحدگی بھی ہو جائے گی۔ آپ جو ڈرامہ کر رہے ہیں، اس سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا عدیل......! آپ اپنی توانائیاں ضائع مت کیجئے۔"

مریم کا دل بھر آیا۔ اُس نے بمشکل آنسو روکے ہوئے تھے۔ عدیل اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ چائے کا کپ ٹیبل کے اُوپر رکھا اور چکر کاٹ کر مریم کی پشت پر آ کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ مریم کے کندھوں پر رکھے۔

"مریم......! انسانوں کی زندگی میں اُتار چڑھاؤ تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان کا کوئی حل نکالا جاتا ہے، اور جسے تم

ڈرامہ کہہ رہی ہو، وہ بھی اسی کے لئے ایک کوشش ہے۔ میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑ سکتا، کسی بھی قیمت پر۔''

مریم نے بڑی ہی آہستگی سے عدیل کے ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا دیئے اور کھڑی ہوگئی۔

''جھوٹ، فریب اور دھوکہ زندگی کے اُتار چڑھاؤ میں شامل نہیں ہے۔ وہ دوسرے مسئلے ہوتے ہیں جن کو ہم اُتار چڑھاؤ کہتے ہیں۔ جھوٹ، فریب اور دھوکے پر کوئی compromise نہیں ہوسکتا عدیل......!''

''تم شدید غلط فہمی کی وجہ سے راستے مشکل بنا رہی ہو، اپنے لئے بھی اور میرے لئے بھی۔''

وہ بڑی بے بسی کی کیفیت میں گویا ہوا تھا۔ مریم نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا اور ہنس پڑی۔ ایک تلخ اور طنزیہ ہنسی۔

''غلط فہمی......؟ مجھے بھی غلط فہمی میں مبتلا کر رہے ہیں اور اپنی دوست کو بھی......؟ آپ کسی ایک کے کیوں نہیں ہو جاتے......؟ آخر مسئلہ کیا ہے......؟''

وہ ٹیبل سے ہینڈ بیگ اُٹھا کر دروازے کی طرف بڑھی مگر رُک کر پھر عدیل سے مخاطب ہوئی۔

''شرافت کا نقاب اوڑھ کر آپ کم از کم میرے تو کبھی بھی نہیں ہوسکتے۔''

''بس کرو مریم......! خدا کے لئے، بس کردو۔ بہت زیادہ ہوگیا ہے۔''

''نہیں......! آپ بس کردیجئے۔ مجھ پر اور میری فیملی پر احسان کردیجئے۔ کیونکہ آپ کا ہم سب سے دُور رہنا سمجھ لیجئے آپ ہی کے بخشے ہوئے درد کی دوا، آئی ایم سوری عدیل......! میں مزید بے وقوف نہیں بن سکتی۔ میرا مطلب ہے، میں مزید بے وقوف بننے کے لئے بالکل بھی تیار نہیں ہوں۔''

اُس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا اور جھپاک سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ عدیل بڑی بے بسی کی کیفیت میں لب بستہ کھڑا تھا۔

☆......☆......☆

''علینہ......! علینہ......!''

شکیلہ خاتون، علینہ کو پکارتی ہوئی وہاج کے گھر میں داخل ہوئیں۔ صابر اُن کی آواز سن کر اُوپر سے گرتا پڑتا زینے طے کرتا ہوا آیا تھا۔

''السلام علیکم بیگم صاحبہ......!''

''وعلیکم السلام......! علینہ کہاں ہے......؟''

وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پریشانی کی کیفیت میں پوچھنے لگیں۔

''بی بی اُوپر ہیں بیگم صاحبہ......!''

''ارے......! پہلے کیوں نہیں بتایا......؟ اِدھر اُدھر چکراتی پھر رہی ہوں۔ تمہیں میری آواز نہیں سنائی دی تھی کیا......؟''

اُنہوں نے پتا نہیں کس کس کا غصہ بیچارے صابر پر نکال دیا تھا اور ریلنگ کا سہارا لیے اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔ صابر اُن کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

''آئے ہائے......! اور کتنا اُوپر جانا ہوگا......؟ پہلی منزل پر ہے یا اس سے بھی اُوپر چڑھی ہوئی ہے......؟''

وہ پلٹ کر صابر سے پوچھنے لگیں۔ کیونکہ سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے اُن کا سانس بھی چڑھنے لگ گیا تھا۔

''بس......! اِدھر ہی ہیں بیگم صاحبہ......! بہت اوپر نہیں ہیں۔ اُن کی طبیعت صحیح نہیں ہے۔ وہ نیچے نہیں آسکتیں ورنہ میں اُنہیں نیچے بلا لاتا۔ آیئے آپ میرے ساتھ......!''

صابر سائیڈ سے راستہ نکال کر اُن سے آگے آگے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

''ہائے اللہ......! میری بچی کی اتنی طبیعت خراب ہوگئی کہ نیچے نہیں آسکتی۔ بیڑہ غرق ہو ان دُشمنوں کا۔ ایسی جگہ پر خدا مارے جہاں پانی نہ ملے۔''

وہ ہانپتی کانپتی بددُعائیں دیتی ہوئی زینہ چڑھ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

علینہ اُسی کباڑ خانے میں ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر مُڑی تُڑی پڑی ہوئی تھی۔ اُسی اسٹور نما کمرے کا ایک واحد روشن دان تھا، وہ بھی بند تھا اور دُھول مٹی کی وجہ سے اُس کے شیشے بھی دُھندلا گئے تھے۔ اس وجہ سے دن کے وقت بھی اُس کمرے میں رات ہی محسوس ہوتی تھی۔ شکیلہ خاتون نے حواس باختہ انداز میں دروازے کو دھڑ سے کھولا تھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھ رہی تھیں۔ دروازے کی دھڑ سے علینہ چونک پڑی تھی، مگر اس جھولا نما چارپائی سے فوراً اُٹھنا اُس کے لئے آسان نہ تھا۔ اُس نے ذرا سی گردن اُٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ اُس نے تو ماں کو پہچان لیا تھا۔ ہلکی ہلکی روشنی بھی اندر داخل ہوئی تھی، مگر شکیلہ خاتون ابھی تک حواس باختہ سی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں۔

''علینہ......! علینہ......!''

اُن کو جب کچھ نظر نہ آیا تو اُنہوں نے بے اختیار علینہ کو آواز دی تاکہ اُن کو پتا تو چلے کہ علینہ اِدھر ہے بھی کہ نہیں۔

''اماں......! میں اِدھر ہوں۔''

اُسی لمحے صابر نے آگے بڑھ کر بلب روشن کر دیا تھا۔ شکیلہ خاتون نے پہلے تو اس کباڑ خانے کی حالت پر توجہ دی۔ پھر اُن کی نظریں علینہ پر جا کر رُک گئیں۔ وہ اتنی زیادہ صدمے سے نڈھال ہوگئی تھیں کہ اُن کے حلق سے آواز آنا ہی بند ہوگئی تھی۔ وہ درحقیقت بات کرنے کے قابل نہیں تھیں۔ وہ زبان جو ہر وقت قینچی کی طرح چلتی رہتی تھی، اِس وقت جیسے پتھر کی ہوگئی تھی۔

''اماں......! وہاں کیوں کھڑی ہیں......؟ یہاں آئیں ناں میرے پاس۔''

علینہ نے ماں کو دیکھ کر بڑی بے بسی سے پکارا۔ اُس کی کمزور، بیمار، نڈھال آواز، اس پر کباڑ خانے میں اُس کا قیام، شکیلہ خاتون پر تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

''ماں صدقے......! ماں واری......!''

اچانک اُنہوں نے زور کی چیخ ماری اور آگے بڑھیں۔

''یہ تو اس کباڑ خانے میں کیوں لیٹی ہے......؟ اور یہ تیری کیا حالت ہو رہی ہے......؟''

اُن کے لئے یہ سب کچھ ناقابلِ برداشت تھا۔ اُنہوں نے علینہ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے اُٹھانے کی کوشش

"علینہ......! یہ تیرے ساتھ کیا ہوا ہے......؟ اور تو نے اپنی ماں کو نہیں بتایا......؟ تو کب سے اس کباڑ خانے میں پڑی ہے......؟ اور یہ نامراد تیرا نوکر، اس کی زبان سِل گئی تھی یا اس کے منہ پر فالج گر گیا تھا......؟ یہ مجھے فون نہیں کرسکتا تھا......؟ بلا نہیں سکتا تھا......؟"

وہ صابر پر چڑھ دوڑیں۔

"اماں......! آپ اسے کچھ نہ کہیں، یہ کچھ نہیں کرسکتا۔ یہ تو بیچارا میری دیکھ بھال کر رہا ہے ورنہ میں تو کب کی مرجاتی اور اِسی نے تو مجھے دو مرتبہ موت کے منہ سے کھینچ کر نکالا ہے۔ ورنہ وہاج نے تو مجھے جان سے مار دیا ہوتا۔ بس یوں سمجھیں، بیچارے غریب نے تو میرے اُوپر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے احسان کیا ہے جو میں زندگی بھر اُتار ہی نہیں سکتی۔"

علینہ نے فوراً جیسے شکیلہ کے عتاب سے اُس کی جان بچائی اور صابر نے بھی سکون کا سانس لیا۔

"چل نیچے اُتر، چل میرے ساتھ، اب تو چاہے کوئی کچھ بھی کرے، میں تو تجھے یہاں ایک منٹ بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ اُٹھ میری بچی......! اس وہاج سے تو میں نمٹوں گی اچھی طرح۔ لیکن پہلے میں تجھے یہاں سے تو نکالوں ہیں۔ ساری دُنیا میری بچی کی دُشمن بن گئی۔ ارے......! یہ کالے جادو کرنے والوں کا تجھے نہیں پتا، جنات ان کے قبضے میں ہوتے ہیں۔ ارے......! نسلوں کی دُشمنیاں شروع ہوجاتی ہیں۔ فوزیہ نے ہی یہ انتر منتر جنتر کر کے تجھے اس حال کو پہنچایا ہے۔ لیکن تیری ماں بھی کم نہیں ہے، ایسا حشر کروں گی کہ اپنی موت تک یاد رکھے گی۔ چل اُٹھ میری بچی......!"

شکیلہ خاتون نے علینہ کو کھینچ کر بٹھایا۔ علینہ نے بھی اُٹھنے کے لئے اپنی کہنیوں کا دباؤ پلنگ کی پٹی پر ڈالا اور بمشکل اُٹھ کھڑی ہوئی۔ شکیلہ خاتون نے اُس کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔

"جس بچی کو زندگی میں ماں باپ نے پھول کی چھڑی سے نہیں چھوا، اس بے غیرت نے اُس کے ساتھ یہ سلوک کیا......؟ چھوڑوں گی نہیں میں اُسے، میں نہیں چھوڑوں گی اسے۔"

وہ غصے کی شدت سے کانپ رہی تھیں۔ صابر نیچے کھڑا ہوا بڑی خاموشی سے سن رہا تھا۔ جیسے ہی شکیلہ خاتون، علینہ کو اپنے بازو میں سمیٹ کر دروازے کی طرف بڑھیں، صابر نے ہاتھ کے اشارے سے اُن کو روک دیا۔

"بیگم صاحبہ......! ابھی دو منٹ کے لئے رُک جائیں۔ میں ذرا نیچے دیکھ آؤں، کہیں صاحب تو نہیں آ گئے......؟"

"کیا مطلب ہے، صاحب نہیں آ گئے......؟ یہ اکیلی تھوڑا ہی ہے......؟ اس کی ماں ساتھ ہے، ہاتھ تو لگا کر دیکھے وہ......؟ میں اُسے بتاتی ہوں اچھی طرح۔"

"بیگم صاحبہ......! آپ میری بات مان لیں۔ صاحب کے سر پر خون سوار ہے۔ اُن کا اور علینہ بی بی کا فی الحال سامنا نہیں ہونا چاہئے۔ بس میں ابھی آیا۔ اگر صاحب نہیں آئے تو میں آ کر بتاتا ہوں، پھر آپ بی بی کو لے کر چلی جائیں۔"

"ہاں اماں......! آپ صابر کی بات مان لیں۔ وہاج تو درندہ بن چکا ہے۔ وہ مجھے نہیں چھوڑے گا، اور آپ اُس کی وحشت کا مقابلہ نہیں کرسکیں گی۔ جاؤ صابر......! پہلے تم دیکھ کر آؤ نیچے۔"

علینہ نے نقاہت بھری آواز میں صابر سے کہا۔ صابر فوراً باہر نکل گیا۔ علینہ، شکیلہ خاتون کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''شکر ہے اماں......! آپ آ گئیں۔ یا اللہ......! تیرا شکر ہے، میری اماں آ گئیں۔''

''آئے ہائے......! تیری ماں تو کب کی آ جاتی......؟ مجھے کچھ پتا ہی نہیں......! تو کب تک اس طرح رہتی......؟ خدانخواستہ تیری تو جان جا سکتی تھی۔''

وہ اپنے دوپٹے کے آنچل سے اپنی لاڈلی بیٹی کے آنسو پونچھ رہی تھیں اور کان دروازے کی طرف لگے تھے کہ کب صابر آ کر کہے کہ کوئی خطرہ نہیں اور وہ جا سکتی ہیں۔

☆......☆......☆

علینہ، شکیلہ خاتون کے سینے سے لگی مسلسل روئے جا رہی تھی اور وہ اُس کو چپ کرانے میں عاجز ہو چکی تھیں۔

''بیٹا......! کیوں روئے جا رہی ہو......؟ کچھ بول تو سہی......! کچھ بتائے گی تو میں کچھ کروں گی ناں......! نہ عارف کچھ بتا رہا ہے، نہ تو کچھ بتا رہی ہے۔ مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ آخر ہوا کیا ہے......؟ چپ ہو جا میری بچی......! چپ ہو جا۔''

''اماں......! مجھے یہاں سے لے چلو، میں سب کچھ بتا دوں گی۔ خدا کے لئے، پہلے مجھے اس دوزخ سے نکالیں۔ اماں......! میں مر جاؤں گی۔''

''مریں تیرے دُشمن۔''

شکیلہ خاتون تڑپ کر بولیں۔

''چلو آؤ میرے ساتھ......! یہ تو کیا کہہ رہی ہے کہ مجھے لے چلو......؟ میں تو خود یہاں تمہیں لینے آئی ہوں۔ تمہیں تو یہاں ایک منٹ کے لئے نہیں چھوڑوں گی۔ اس کا تو وہ حشر کرنا ہے مجھے، ساری دُنیا دیکھے گی۔''

وہ غصے سے کھولتی ہوئیں علینہ کو لے کر دروازے سے باہر نکلیں۔ علینہ بمشکل خود کو گھسیٹ رہی تھی۔ صابر پہرے داری کر رہا تھا۔ دروازے کی چرچراہٹ نے اُسے چوکنا کر دیا تھا۔ اُس نے زینے کے قریب آ کر اُوپر نظر دوڑائی۔ شکیلہ خاتون بمشکل علینہ کو گھسیٹتے ہوئے زینے تک لے آئی تھیں۔ صابر نے جیسے سکون کا سانس لیا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ علینہ اپنی ماں کے ساتھ جا رہی ہے۔ شکر تو وہ یوں ادا کر رہا تھا کیونکہ اُسے اب ہر وقت یہ خوف رہنے لگا تھا کہ جانے کب کیا ہو جائے......؟ اور اُسے وہاج سے بالکل بھی اچھی اُمید نہیں تھی۔ اُسے محسوس ہوتا تھا، وہاج تو جیسے علینہ کو جان سے مارنے پر تُلا بیٹھا ہے۔ وہ خاموشی سے کچن کی طرف بڑھ گیا لیکن ابھی وہ کچن میں داخل ہی ہوا تھا کہ باہر سے کار کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ اس کے تو پورے جسم میں جیسے کپکپی دوڑ گئی۔

''کہیں صاحب تو نہیں آ گئے......؟''

وہ سرپٹ باہر جانے کے لئے دوڑا۔ اُسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ وہ اب کیا کرے......؟ پھر وہ دوڑ کر واپس آیا اور شکیلہ خاتون جو تین چار steps علینہ کے ساتھ اُتر چکی تھیں، اُن کو ہاتھ کے اشارے سے اور آہستہ آواز سے اُوپر جانے کے لئے کہنے لگا۔ شکیلہ خاتون کی نظر میں اُلجھن سی پیدا ہوئی۔ اُنہیں سمجھ نہیں آئی کہ صابر اتنا کیوں گھبرا رہا ہے......؟ اور اُنہیں واپس جانے کا کیوں کہہ رہا ہے......؟ اُنہوں نے ایک steps طے کیا اور علینہ کو بمشکل سنبھالا۔

''بیگم صاحب......! اُوپر جائیں۔ مجھے لگتا ہے صاحب آ گئے ہیں۔''

''ارے......! آ گیا ہے تو آ تا رہے۔ ہمیں کسی کا ڈر ہے کیا......؟ اچھا ہے، آ گیا ہے تو۔ پوچھتی ہوں اس سے بھی میں۔ حساب کتاب کرنا ہے میں نے۔ اس سے ڈرتی ہوں جو اُوپر چھپ کے بیٹھوں......؟ ارے......! میں تو ایک ایک پل کا حساب لوں گی، اس نے جو میری بچی کا حشر کیا، ہٹو سامنے سے۔''

وہ صابر کی بات پر غصے سے آگ بگولہ ہو گئیں اور مزید جوش و خروش سے علینہ کو کھینچتی ہوئی زینہ اُترنے لگیں۔ باہر ہارن پر ہارن بج رہا تھا۔ صابر کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اُس کے ذہن نے جیسے کام کرنا بند کر دیا تھا۔ باہر سے جب دبا کر ہارن کی آواز آئی تو وہ اندر کی صورتِ حال سے بے خبر ہو کر باہر کی طرف دوڑا اور گیٹ کھول دیا۔ وہاج اتنی تیزی سے گاڑی اندر لے کر آیا، اگر صابر بجلی کی تیزی سے وہاں سے نہ ہٹتا تو وہاج گاڑی اُس کے اُوپر ہی چڑھا دیتا۔ وہاج بجلی کی تیزی سے دروازہ کھول کر گاڑی سے اُترا تھا اور صابر کی طرف بڑھا تھا۔

''بہرے ہو گئے ہو کیا......؟ کب سے ہارن دے رہا ہوں، اور یہ باہر گاڑی کس کی کھڑی ہے......؟''

حالانکہ وہ اس گاڑی کو پہچانتا تھا، مگر جیسے شک میں مبتلا تھا۔ اُسے اُمید نہیں تھی کہ شکیلہ خاتون اُس کے گھر آئیں گی۔ اُس کا خیال تھا کہ عارف نے اُنہیں سب کچھ بتا دیا ہوگا اور وہاں سے اب عارف اور فوزیہ کے علاوہ یہاں کوئی نہیں آ سکتا۔

''یہ باہر گاڑی کس کی کھڑی ہے......؟ کیا پوچھ رہا ہوں میں......؟''

صابر کی تو جیسے رُوح پرواز کرنے لگی۔ زبان پتھر کی ہو گئی۔ پورے جسم پر کپکپی طاری تھی۔

''ارے......! تمہیں کیا ہو رہا ہے......؟ کیا حالت ہو رہی ہے تمہاری......؟ میں تمہیں کیا پھاڑ کے کھا رہا ہوں......؟ میں پوچھ رہا ہوں، باہر گاڑی کس کی کھڑی ہوئی ہے......؟ جواب کیوں نہیں دیتے......؟''

اب بولے بنا کوئی چارہ نہ تھا۔ صابر ہلکی آواز میں گویا ہوا۔

''صاحب......! وہ......وہ آپ کی تائی اماں کی۔''

''اچھا......! کون آیا ہے تائی اماں کی گاڑی میں......؟''

''جی......وہ......اُن کی گاڑی......وہ خود ہی آئی ہیں گاڑی میں۔''

صابر کی سمجھ میں اُس کی بات نہیں آ سکتی تھی۔

''کوئی غیرت شرم نہیں ہے ان لوگوں میں۔ پھر چلی آئی ہیں یہاں پر منہ اُٹھا کر۔''

وہاج پر جیسے دیوانگی کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ تیز تیز چلتا ہوا اندر چلا گیا۔ اتنی دیر تک شکیلہ خاتون علینہ کو لئے ہوئے لاؤنج کے داخلی دروازے کے قریب پہنچ چکی تھیں۔ علینہ بُری طرح خوف زدہ تھی اور اُس نے پوری قوت سے ماں کو دبوچا ہوا تھا۔ وہاج جیسے ہسٹریائی انداز میں چیخا تھا۔

''یہ یہاں کیا کر رہی ہے......؟ کیوں لائی ہیں آپ اسے یہاں پر......؟''

''ہیں......؟ کیا بکواس کر رہا ہے......؟ ایک تو میری پھول سی بچی کا یہ حال کر دیا، اُوپر سے اُلٹی سیدھی باتیں کر رہا ہے......؟ ارے......! میں اسے لائی ہوں......؟ کیا مطلب......؟''

وہاج نے پلٹ کر صابر کی طرف دیکھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں......؟ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"ارے......! تجھے کیا سمجھ میں آئے گا......؟ تو، تو پاگل ہو چکا ہے اور تیرے پاگل پن کا ثبوت یہ سامنے کھڑی ہے، میری بچی، جس کا تو نے یہ حال کر دیا ہے۔ بے غیرت انسان......! تجھے شرم نہیں آئی......؟"

"ہاں......! مجھے شرم نہیں آئی۔"

وہاج نے دانت پیس کر علینہ کی طرف دیکھا۔

"مجھے شرم نہیں آئی......؟ میں بتاتا ہوں ناں......! مجھے شرم نہیں آئی......؟"

وہ بار بار یہ جملہ دُہرانے لگا، اور دیکھنے میں تو یوں ہی لگتا تھا جیسے وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔

"میں بتاتا ہوں، بتاتا ہوں میں کہ مجھے کیوں شرم نہیں آئی......؟"

اُس نے اتنا کہا اور جیسے گدھ کی طرح علینہ پر جھپٹ پڑا۔ پوری قوت سے علینہ کو اپنی طرف گھسیٹا اور تین چار طمانچے علینہ کے منہ پر رسید کئے۔ شکیلہ خاتون "ارے، ارے" کرتی رہ گئی اور وہاج سے باقاعدہ لپٹ کر علینہ کو چھڑانے لگیں۔

"ارے......! پاگل ہو گیا ہے یہ......؟ اسے پاگل خانے داخل کرواؤ۔ کوئی کسر نہیں رہ گئی ہے۔ ارے......! چھوڑ میری بچی کو، ہٹ پرے......!"

وہ بُری طرح کھینچا تانی میں لگ گئیں اور وہاج نے علینہ کو جیسے لاتوں اور گھونسوں سے لے لیا تھا۔ وہ جیسے ہی گرتی، وہ اُسے بالوں سے پکڑ کر زمین سے اُٹھاتا اور پھر دیوانہ وار دو تین جما کے تھپڑ رسید کرتا۔ شکیلہ خاتون اپنے بھاری بھر کم وجود کو بمشکل سنبھالتے ہوئے علینہ کی جان بچانے کی تگ و دو کر رہی تھیں۔ صابر نے بھی آ کر وہاج کو پکڑنے کی کوشش کی۔ وہاج نے صابر کے بھی دو تین تھپڑ جڑ دیئے مگر صابر جیسے اس وقت مظلوم کا ساتھ نبھانے کی قسم کھا کر آگے بڑھا تھا۔ اُس نے وہاج کو پوری قوت سے اپنی گرفت میں لے لیا۔

"صاحب......! کچھ ہو جائے گا صاحب......! اور بہت بُرا ہو گا۔ آپ کے لئے بھی اچھا نہیں ہو گا اور کسی کے لئے بھی اچھا نہیں ہو گا۔ بیگم صاحبہ جا رہی ہیں، اُن کو جانے دیں۔ یہ یہاں نہیں رُک رہیں۔ آپ انہیں جانے دیں۔ خدا کے واسطے......!"

وہ بمشکل جنونی کیفیت میں وہاج کو سنبھال رہا تھا۔ شکیلہ خاتون نے علینہ کو ہاتھ بڑھا کر اُٹھایا اور سرپٹ باہر کی طرف جیسے دوڑ لگائی۔ وہاج، علینہ کا پیچھا کرنے کے لئے خود کو صابر کی گرفت سے چھڑانے کی جدوجہد کرنے لگا۔

"صاحب......! صاحب......! خدا کے لئے صاحب......! بہت بُرا ہو جائے گا۔ صاحب......! سب کے حق میں بہت بُرا ہو گا۔ وہ جا رہی ہیں، اُن کو جانے دیں۔ وہ نہیں آئیں گی یہاں پر۔"

وہاج، صابر کی بات جیسے سن ہی نہیں رہا تھا۔ اُس نے پوری قوت سے جیسے صابر کو دھکا دینے کی کوشش کی۔ لیکن صابر اس وقت بہت بڑی تباہی کو اپنے قریب آتا ہوا محسوس کر رہا تھا اور اس تباہی سے نمٹنے کی قوت خود بخود قدرت نے اُس کے اندر ڈال دی تھی۔ وہ جنونی وہاج کو بمشکل قابو کر رہا تھا۔ وہ عمر کے اُس حصے میں تھا جہاں وہاج اُس کو بآسانی قابو کر سکتا تھا لیکن صابر، وہاج کو پوری قوت سے دبوچ رہا تھا۔ وہاج نے اُس کے پاؤں پر زور سے اپنا پاؤں مارا۔ صابر تڑپ کر رہ گیا مگر اُس نے اپنی گرفت

اٹھنے نہیں پڑنے دی۔شکیلہ خاتون منظر سے غائب ہوچکی تھیں۔ صابر، وہاج کو گھسیٹ کر صوفے کی طرف لے جا رہا تھا۔
''صاحب......! آپ مجھے جان سے مار دیں۔ مگر خدا کے لئے ہوش میں آئیں۔ میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں صاحب......! آپ مجھے بھی نکال دیں، مگر خدا کے واسطے، خود پر رحم کریں، کسی پر رحم کریں نہ کریں صاحب......! خود پر رحم کریں۔''
وہ وہاج کو گرفت میں لئے ہوئے بڑی رقت سے کہہ رہا تھا۔ اس ہنستے بستے گھر کی تباہی اُس کے لئے بہت بڑا حادثہ تھی۔ باہر سے شکیلہ خاتون کی کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور صابر نے وہاج کے گرد اپنی گرفت ڈھیلی کر دی اور اُسے بازوؤں سے تھام لیا۔
''صاحب......! آپ بیٹھ جائیں۔ صاحب......! میں آپ کے لئے پانی لاتا ہوں۔ رحم کریں خود پر، رحم کریں خود پر۔ میں آپ کے لئے ابھی پانی لاتا ہوں۔''
وہ بُری طرح شل اور نڈھال ہو چکا تھا۔ ایک جوان مرد سے مزاحمت کرتے ہوئے اس بوڑھے آدمی کی حالت جیسے چور چور ہو گئی تھی۔ وہ بڑے نڈھال سے انداز میں کچن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہاج صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھا ہوا ایسے ہانپ رہا تھا جیسے اُس نے منوں بوجھ اُٹھا کر میلوں کا سفر طے کیا تھا اور اب بوجھ اُتارنے کے بعد ہانپ رہا تھا۔

☆......☆......☆

بشر علی بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ سلمٰی بیگم نے اُنہیں بہت بڑی خوش خبری سنائی تھی۔ وہ خوش دلی سے ہنس رہے تھے۔
''ماشاء اللہ، ماشاء اللہ......! بھئی......! یعنی ہم ڈبل نانا بننے والے ہیں۔ انعم کی بیٹی کے بعد اب مریم کے بچے کے نانا۔ واہ بھی واہ......!''
وہ بہت خوش دلی سے ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔
''اللہ میری مریم کو ہمیشہ ہرا بھرا رکھے۔ اُس کی مسکراہٹ میری زندگی کا حاصل ہے۔''
سلمٰی بیگم باپ کو بہت محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔
''پاپا......! کبھی کبھی تو میں حیرت سے سوچتی ہوں، آپ تو مریم کو مجھ سے بھی زیادہ پیار دیتے ہیں حالانکہ میں تو آپ کی اکلوتی بیٹی ہوں۔''
بشر علی، سلمٰی بیگم کا یہ لطیف سا شکوہ سن کر ہنس پڑے۔
''ارے......! تم نے ہی تو مجھے اُس کی ماں بنا دیا تھا۔ یاد ہے تمہیں سکول سے آنے کے بعد وہ رات تک میرے پاس ہوتی تھی۔ تم تو دن بھر پتا نہیں اپنے کون سے سوشل کاموں میں لگی ہوتی تھی......؟ تم ثواب کما رہی تھی، مریم ہم سے قریب ہو رہی تھی۔ بہت خوب صورت وقت تھا وہ۔ بڑی پیاری پیاری باتیں کرتی تھی مریم۔ دن گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا تھا اور اُس کی ذہانت بھری معصوم باتیں میرے سونے گھر میں پھول کھلایا کرتی تھیں۔ بھئی......! تمہیں تو خوش ہونا چاہئے، تمہاری اولاد مجھے اتنی پیاری ہے۔''
بشر علی نے سلمٰی بیگم کی طرف دیکھ کر کہا۔

''خوشی تو ہوتی ہے پاپا......! وہ تو ایسے ہی میں آپ سے مذاق کر رہی تھی۔ میں کیوں نہیں خوش ہوں گی......؟ اور پھر میں یہ سمجھتی ہوں پاپا......! مریم میں ضرور کوئی ایسی بات ہے۔ ماشاءاللہ......! سبھی اُس سے پیار کرتے ہیں، سبھی کا پیار لیا ہے اُس نے۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اللہ میری بچی کو نظر بد سے بچائے۔''
سلمٰی بیگم نے مریم کے تصور میں کھو کر سرشار لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

سبین، مریم کے آفس میں بیٹھی تھی۔ مریم سے ملنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا اور آج تو مریم نے خاص طور سے اُسے اپنے آفس میں خود بلایا تھا۔ وہ آفس پہنچنے تک مختلف خیالوں میں اُلجھی رہی کہ آخر مریم نے اُسے آفس میں کیوں بلایا ہے......؟ شام کو اپنے گھر بھی تو بلا سکتی تھی......؟ لیکن جب مریم نے اُسے کہا۔

''میں دیواروں سے باتیں کرتے کرتے تنگ آ گئی ہوں سبین......! تم میری ہم راز ہو، دوست ہو، کزن ہو۔ میں تم سے اپنی زندگی کی سب سے بڑی ٹریجڈی شیئر کرنا چاہتی ہوں۔''
سبین ہکا بکا ہو کر کہا تھا۔

''ٹریجڈی......؟''

''ارے......! تمہاری شادی کو تو ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں......؟''

''ختم ہو گئی شادی۔''

مریم نے سبین کی بات کاٹ کر بڑی تیزی سے کہا اور سبین کے سر پر تو گویا چھت آ پڑی تھی۔ وہ کرسی کے ہنڈل پر ہاتھ کا دباؤ ڈال کر ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔

''ارے......! مذاق کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ بس کوئی اچھی بات کرنے کے لئے نہیں ہوتی تو خاموش رہتے ہیں۔ ایسے منہ سے نہیں نکالتے۔ یہ کوئی مذاق نہیں ہوتا۔ اللہ نہ کرے۔''
سبین ایک دم حیران پریشان سی ہو کر بولی تھی۔

''یہ سچ ہے سبین......! میں تمہیں بتاتی ہوں کہ کیا ہوا......؟ اس لئے کہ میں نہ امی کو بتا سکتی ہوں، نہ نانا جان کو بتا سکتی ہوں۔ دیواروں سے باتیں کروں تو نہ وہ سنتی ہیں نہ بولتی ہیں۔ مجھے کوئی دوسرا چاہئے جو میرا دُکھ سنے اور ساتھ میں یہ بھی کہے کہ میرا دُکھ سچا ہے جس طرح کہ میں سچی ہوں اور جو میں نے کیا ہے، مجھے ایسے ہی کرنا چاہئے تھا۔''

''کیا کیا ہے تم نے......؟''
سبین جیسے سانس روکے ہوئے دم بخود اُس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''پلیز......! تم بیٹھو ناں......! بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ تم کھڑی کیوں ہو......؟''
مریم نے آہستہ آواز میں نظریں جھکا کر کہا۔

''میں بیٹھ جاؤں گی، بلکہ میں تو بیٹھی ہی رہوں گی مریم......! تم نے تو مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ خدا کے لئے، بتاؤ کیا

ہوا......؟ یااللہ......! خیر۔"

سبین کے تو اوسان خطا ہو چکے تھے۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ایسی انتہائی بات کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"بولو کیا ہوا......؟ بولو ناں......!"

"بتاتی ہوں سبین......! آرام سے بیٹھ کر چائے پیئو۔"

"ارے......! ایسے کی تیسی میں گئی چائے۔ یہاں تو میری حالت یہ ہے جیسے میں مرنے لگی ہوں۔ بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے......؟"

سبین اسی طرح دم بخود سی اُس کی طرف دیکھتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"شعور سنبھالتے ہی ایک لڑکی کی پلکوں پر کسی اَن دیکھی سی محبت کے دِیے جلنے لگتے ہیں سبین......!"

"ہاں......! ایک خاص عمر میں تقریباً سبھی کی ایسی کیفیت ہوتی ہے یا ہوتی ہوگی۔ آگے بولو......! تم مجھے بہت depressed لگ رہی ہو۔"

"Depressed.....? ارے......! میں نے تو ڈیپریشن سے نجات کا راستہ ڈھونڈ لیا ہے۔ اب کہاں میں depressed.....? جتنا ہونا تھا، ہو چکی۔ مجھے تو زندگی میں سبھی نے اتنا پیار، اتنی توجہ دی کہ میں سمجھنے لگی، زندگی کا مطلب ہی محبت ہے۔ لیکن پتا چلا، دُنیا میں نفع نقصان، محبت اور دھوکہ، یہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہوتا، ہر محبت دھوکہ نہیں ہوتی۔ تمہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔ اور دیکھو......"

"میں کچھ نہیں دیکھ رہی سبین......! فی الحال تم میری بات سنو۔ پہلے سن تو لو، میں کیا کہہ رہی ہوں......؟ بیچ میں مت بولو۔ جب میں اپنی بات مکمل کرلوں، پھر میں بڑے سکون سے تمہاری بات سنوں گی، بلکہ تمہارا تبصرہ سنوں گی۔ اچھا......!"

سبین نے گہری سانس لی۔ ہوائیاں تو اُس کی اُڑ رہی تھیں۔ ہاتھوں کے طوطے اُڑ چکے تھے۔ اب تو اُسے مریم کی بات سننا ہی تھی۔

"اُس نے مجھے دھوکہ دیا ہے سبین......! وہ کسی اور کی زُلفوں کا اسیر ہے۔ حالانکہ وہ شادی شدہ ہے، لیکن وہ میرا ٹائم اُس کو دے رہا ہے۔ اُسے مجھ سے خوشی نہیں ملتی۔ وہ خوشی کی تلاش میں اُس کے پاس جاتا ہے۔"

"پھر اُس نے شادی کیوں کی تھی تم سے......؟"

"ہوں......! یہی میں اُس سے پوچھ رہی ہوں کہ تمہیں شادی کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی......؟"

"ہوسکتا ہے، وہ ویسے ہی اُس کی دوست ہو اور تمہیں کوئی غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے مریم......! اتنے بڑے بڑے فیصلے اتنی جلدی نہیں کیے جاتے مریم......! پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ اچھی طرح چھان پھٹک لو مریم......! عدیل مجھے ایسا لگتا نہیں ہے۔ مجھے تو لگتا ہے وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔"

"ہاں ہاں......! مجھے بھی یہ ہی لگ رہا تھا کہ جس طرح میرے خاندان والے، میرے گھر والے مجھے چاہ رہے ہیں، مجھ سے محبت کر رہے ہیں، اِسی طرح میری زندگی میں ایک محبت کرنے والے کا اضافہ مزید ہو گیا۔ لیکن یہ تو خواب تھا، یہ تو فریب تھا، جھوٹ تھا۔"

''پھر بھی میں تمہیں یہی کہوں گی کہ دیکھو، وہ اُس کی گرل فرینڈ ہے مگر وہ شادی شدہ ہے۔ ظاہر ہے، وہ......''

سبین کی سمجھ میں آ رہا تھا، وہ کیا بولے......؟ بات کرتے کرتے خود ہی اُلجھ گئی تھی۔

''ہاں......! وہ شادی شدہ ہے۔ اس وجہ سے اُسے اُس کے ساتھ شادی کرنے میں بہت مشکل پیش آ رہی ہوگی۔ اس لئے اُس نے ماں کی بات مان کر شادی تو کر لی، لیکن اُسے میری ضرورت تھی ہی نہیں۔''

''دیکھو، میں پھر بھی یہی کہوں گی مریم......! کہ سوچ سمجھ کر۔ پتا نہیں تمہیں یقین آئے یا نہیں......؟ میں تو یہ سب سن کر جیسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھی ہوں۔ تمہارے جیسی لڑکی جس کی بیوی ہو، جس کی ساتھی ہو، اُسے تو خود پر ناز کرنا چاہئے۔ جس نے پوری زندگی احتیاط سے گزاری۔ میں تو تمہاری بچپن کی ساتھی ہوں، دوست ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ تم ذہنی طور پر کتنی پارسا ہو۔ تم نے شادی سے پہلے کسی کو اپنے قریب نہیں آنے دیا، حالانکہ تم خود سلیکشن کر سکتی تھی، لیکن تم نے اپنی زندگی کے سب سے اہم فیصلے کا حق اپنے ماں باپ کو دیا۔''

''کیا کمی ہے تم میں......؟ صورت، سیرت، قابلیت، پارسائی، ایک مرد کو اور کیا چاہئے ہوتا ہے اپنی بیوی میں......؟''

سبین جیسے پاگلوں کی طرح خود کلامی کر رہی تھی۔ وہ کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مریم کو زندگی میں اتنا بڑا دُکھ ملے گا۔ سوچا بھی نہیں تھا۔ اُس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو چکی تھی۔ اب وہ بولنے کی بجائے پتھر کا بُت بنی ہوئی تھی۔ وہ ایک ٹک مریم کی صورت دیکھ رہی تھی۔ مریم بھی اب خاموش ہو چکی تھی۔ اُس نے جو کہنا تھا، کہہ دیا اور جیسے کسی کو اپنے دل کی بات کہہ کر ہلکی سی ہو گئی تھی۔ جو آندھیوں کے جھکڑ دماغ میں کئی دنوں چل رہے تھے، وہ جھکڑ اب تھم تھم کر چل رہے تھے۔

☆......☆......☆

علینہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر شکیلہ خاتون کے کندھے سے سر ٹکائے نڈھال سی بیٹھی تھی اور بہت کمزور آواز میں بار بار کہہ رہی تھی۔

''اماں......! عارف بھائی مجھے پھر اس درندے کے گھر چھوڑ جائیں گے۔ وہ پھر مجھے وہاں نہ لے کر جائیں۔''

علینہ نے ماں کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ دونوں کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ شکیلہ خاتون کا سارا وحشت زدہ غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ وہ حیران پریشان سوچ رہی تھیں کہ یہ کیا ہو گیا......؟ اب وہ کیا کریں......؟ اپنے گھر لے جائیں تو پھر عارف، وہاج کے گھر اُس کو لے جائے گا۔ پھر اُن کے شاطرانہ ذہن نے فوراً کام کیا۔ جس مرد کی خاطر وہ ذلیل و بدنام ہوئی تو اُس سے عورت کو پناہ مانگنی چاہئے۔ ایک بدنام عورت کی نجات ہی اس میں ہے جس کے نام کے ساتھ بدنام ہوئی ہو، پھر اُسی کے ساتھ اپنی ساری زندگی گزارے۔ علینہ نے حیران ہو کر اُلجھن بھری نظروں سے ماں کی طرف دیکھا، مگر کچھ نہیں بولی۔ بولنے کی طاقت ہی نہیں تھی۔ اُس کے تو تمام حواس جیسے سوئے ہوئے تھے۔

''بیٹا......! تو ماں پر بھروسہ کر، میں تیرے لئے جو بہتر سمجھوں گی، کروں گی۔ قصور تو اُس کا بھی اتنا ہی ہے کہ بیوی کے ہوتے ہوئے تجھ سے پینگیں لڑا رہا تھا۔ قصوروار کو سزا تو ملنی چاہئے۔ دیکھ، اگر اُس کا اپنی بیوی سے دل ہٹ گیا ہے اور وہ واقعی تیرے ساتھ مخلص ہے تو وہ تجھے کبھی اس حال میں دربدر کی ٹھوکریں نہیں کھانے دے گا۔''

شکیلہ خاتون نے جیسے علینہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ علینہ نے بمشکل آواز نکالی تھی۔

''اماں......!وہ اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہے۔ جو آپ سوچ رہی ہیں، وہ ممکن نہیں ہے۔ آپ ایسا کریں، بس مجھے بڑی اماں کے پاس گاؤں چھوڑ دیں۔''

''ارے ہٹ......!تجھے بڑی ماں کے پاس گاؤں چھوڑ دوں......؟ تا کہ رہی سہی کسر وہ پوری کر دے......؟ ارے......! خون پی جائے گی وہ تیرا۔ ہونہہ......! اپنی بیوی سے محبت کرتا ہے......؟ اگر اپنی بیوی سے محبت کرتا ہے تو تیرے پاس کیا یہاں پر وقت پاس کرنے آتا تھا......؟ یا تجھے بے وقوف بنانے آتا تھا......؟ جس کو اپنی بیوی سے محبت ہوتی ہے، اُس کے پاس کسی اور عورت کے لئے ٹائم نہیں ہوتا۔ ایسے مرد کاروبار سے اُٹھیں یا دفتر سے، سیدھے اپنے گھر جاتے ہیں۔ اِدھر اُدھر پرائی عورتوں کے ساتھ بیٹھ کر باتیں نہیں بناتے۔ اس کا مطلب یہ کہ وہ تجھے بے وقوف بنا رہا تھا۔ اگر وہ تجھے بے وقوف بنا رہا تھا تو میں نمٹتی ہوں اُس سے اچھی طرح۔ وہ بھی تو دیکھے کہ اُس کے کھیل نے تیرا کیا حشر کر دیا ہے......؟ بس، چپکی بیٹھی رہ۔ بس، خاموشی سے دیکھتی جا میں کرتی کیا ہوں......؟ جو کروں گی، تیرے بھلے کے لئے کروں گی، اور تیرے بھلے کے لئے تیری ماں ہی سوچ سکتی ہے، باقی سب کو تو، تو نے دیکھ لیا ہے ناں......! یہ دُنیا کسی کی نہیں ہے۔ سب اپنا مطلب نکالتے ہیں اور اپنی راہ لیتے ہیں۔''

شکیلہ خاتون نے غم و غصے کی کیفیت میں علینہ کو جھاڑ پلائی۔ اُن کی آنکھوں میں تو مستقبل کے تیار منصوبوں کی جھلکیاں تھیں۔ وہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والی نہیں تھیں۔ اُن کے ذہن نے ایک بڑی شاطرانہ چال سوچ لی تھی۔ کچھ بھی ہو، علینہ کو تو اُنہوں نے عدیل کے ساتھ منڈھ دینے کا فیصلہ تو کر ہی لیا تھا۔

☆......☆......☆

فوزیہ صوفے پر سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ ماسی برکتے پردے کی اوٹ میں کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ عارف یہاں وہاں ٹہلتے ہوئے بُری طرح چلا رہا تھا۔

''منع کیا تھا میں نے اماں کو۔ پتا نہیں کب ہوش آئے گا اُنہیں......؟ ہمیشہ اپنی من مانی کرتی ہیں۔''

وہ پھر زور سے دھاڑا۔

''ماسی برکتے......!''

ماسی کی تو جیسے رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ مشکل سے گرتی پڑتی پردے کی اوٹ سے باہر آئی۔

''جی چھوٹے چوہدری جی......!''

اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں مؤدبانہ پوچھا۔

''ارے......! تم تو اماں کی مشیر خاص ہو، اُن کی بڑی راز دار ہو، اور میری ماں کا بس چلے تو وہ چھینکنے سے پہلے بھی تجھے اطلاع دیں، تو تمہیں نہیں معلوم، وہ کہاں گئی ہوئی ہیں......؟''

اُس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا۔

''چھوٹے چوہدری جی......! آپ جو مرضی قسم لے لیں......''

عارف فوراً اُس کی بات کاٹ کر دھاڑا تھا۔

''چھوڑو یہ قسم وسم کی باتیں۔ ان جھوٹی قسموں کے عذاب تو بھگت رہے ہیں ہم لوگ۔''

فوزیہ اس چیخ دھاڑ سے اب بُری طرح شل ہو چکی تھی۔ اُس نے جیسے امن کا جھنڈا لہرانے کی کوشش کی اور آہستہ آواز میں اپنے شوہر سے گویا ہوئی۔

''اس بیچاری غریب کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں......؟ جاؤ ماسی......! تم اپنا کام کرو۔''

عارف نے تیز تیز سانس کھینچتے ہوئے جیسے خود کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔

''دماغ خراب ہو رہا ہے میرا، وہاج نے اپنا سیل آف کیا ہوا ہے، لائن نمبر اٹینڈ نہیں ہو رہا...... اور...... اور وہ...... اور......''

بولتے رُک گیا۔ فوزیہ نے سوالیہ انداز میں نظریں اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھا۔

''اور کچھ نہیں......! آ جائیں گی ناں تو ذرا اُن کا حال دیکھنا۔ کیا کچھ سن کر آئیں گی وہ وہاج سے۔''

وہ دانت پیستے ہوئے غرّا رہا تھا۔

''جو کچھ وہ وہاج بھائی سے سن کر آئیں گی، وہ مجھے بھی بتا دیجئے۔ آخر میں بھی اس گھر کا ایک فرد ہوں۔ مجھ سے کس لئے چھپایا جا رہا ہے......؟''

''ارے......! ہم تو اپنے آپ سے چھپا رہے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ہم مر کیوں نہیں جاتے......؟''

عارف نے اتنا کہا اور پاؤں پٹختا ہوا لاؤنج سے باہر چلا گیا۔ فوزیہ ہکا بکا بیٹھی اُس سمت دیکھ رہی تھی جہاں سے عارف باہر گیا تھا۔

☆......☆......☆

مریم تنہا اپنے بیڈروم میں کھڑی چودھویں کے چاند کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پوری آب و تاب سے چمکتا ہوا چاند اُس کو ذہنی تناؤ سے کافی حد تک نجات دے رہا تھا۔ وہ مختلف خیالات میں گھری ہوئی تھی۔ تاہم اُس کو اپنے ہونے والے بچے کا خیال آیا۔ چند دن پہلے ہی تو اُس کو یہ خوش خبری ملی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو یہ خوش خبری آٹھ پہر اُس کے ذہن میں رہتی، اور اب تو دماغ میں وہ آندھیاں چلتی رہتی تھیں کہ کسی حسین خیالات کا گزر بڑی مشکل سے ہوتا تھا، اور اب تو بڑی دیر بعد ہوا تھا، شاید اس لئے کہ وہ چاند کو دیکھتے دیکھتے قدرے پُرسکون ہو گئی تھی۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر چاند کی طرف دیکھنے لگی۔ پورے چاند میں اُس کو ایک ہمکتا ہوا بچہ دکھائی دے رہا تھا۔ ماں بننے کے قدرتی اور فطری خوش گوار احساس نے وقتی طور پر اُسے زمان و مکاں کی قید سے آزاد کر دیا، مگر ڈور بیل اس بُری طرح چلاّئی تھی کہ چھن چھن سارے حسین سپنے آن واحد میں ٹوٹ گئے تھے۔ وہ تیزی سے اپنے کمرے سے باہر آئی۔

''نورانی......! دیکھو باہر کون آیا ہے......؟''

پھر خود کلامی کے انداز میں بولی۔

''اس وقت کون آ سکتا ہے......؟ امی کہیں نانا جان کو لے کر تو نہیں آ گئیں......؟''

اُس کے ذہن میں ایک سوال اُبھرا۔ پھر خود ہی اُس نے اس کی نفی کر دی۔

''مگر نانا جان تو اس وقت سو جاتے ہیں۔''

نورانی سرپٹ دوڑتا ہوا گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ وہ لاؤنج کے داخلی دروازے میں آ کر کھڑی ہوگئی، صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ کون آیا ہے......؟ چند منٹ بعد ہی اُسے گیٹ بند ہونے کی آواز سنائی دی اور وہ انتظار کرنے لگی کہ دیکھے نورانی آ کر کیا بتاتا ہے......؟ لیکن اُس کے سامنے تو جیسے ساتوں آسمان گول گول گھومنے لگے اور پاؤں تلے سے زمین سرک چکی تھی۔ اُس کے سامنے تو علینہ ایک بھاری بھر کم عورت کا سہارا لئے کھڑی تھی۔ مریم کو اپنی آنکھوں پر جیسے یقین نہیں آیا۔ اُس نے کئی مرتبہ آنکھیں بند کیں اور کھولیں۔ علینہ اُس خاتون کے ساتھ جو اُس کی ماں تھی، لیکن مریم لاعلم تھی، کیونکہ مریم نے اُس کی ماں کو کبھی نہیں دیکھا تھا، آگے بڑھ رہی تھی۔ بلکہ وہ آگے نہیں بڑھ رہی تھی، خود کو گھسیٹ رہی تھی اور وہی بھاری بھر کم خاتون علینہ کو بمشکل آگے کی طرف دھکیل رہی تھیں۔ مریم اب کھڑی نہ رہ سکی، تیر کی طرف آگے بڑھی۔

''جی فرمایئے......! کس سے ملنا ہے آپ کو......؟''

مریم نے ایک اجنبی سی نظر جس میں اُلجھن بھی تھی جو علینہ کی حالت دیکھنے کی وجہ سے تھی، بھاری بھر کم خاتون سے سوال کیا۔

''اماں...... یہ مریم ہیں، عدیل کی بیوی۔''

علینہ نے نڈھال انداز میں ماں سے مریم کا تعارف کروایا۔

''اوہ......! تو تم اپنی mother کے ساتھ آئی ہو......؟ لیکن یہاں کیوں آئی ہو......؟ تمہاری طبیعت تو بہت خراب دکھائی دے رہی ہے۔''

مریم اب علینہ کی دگرگوں حالت دیکھ کر بے رحم نہ بن سکی۔ اُس کے لہجے میں خود بخود ایک رعایت سی جھلکنے لگی۔ علینہ کے بُرے حال نے اُسے حیرانی سے زیادہ پریشانی دی ہوئی تھی اور اُس کی سمجھ میں اب بھی نہیں آ رہا تھا کہ جب اتنا بُرا حال تھا تو یہ اپنی ماں کے ساتھ یہاں کیوں آئی ہے......؟

''اے بی بی......! ہمیں کہیں بٹھا دو، پھر بیٹھ کر ہماری بات سنو۔ یہیں پر کھڑے کھڑے سارے سوال جواب نہیں ہو سکتے۔ بات بہت بڑی ہے، بہت لمبی ہے۔''

شکیلہ خاتون نے بہت دھڑلے اور اعتماد سے مریم کو مخاطب کیا۔ مریم نے ایک نظر دونوں پر ڈالی۔ اُس کی آنکھوں میں سوچ کا عکس اُبھرا۔ پھر اُس نے جیسے کوئی فیصلہ کر لیا اور اندر کی طرف پلٹ گئی، یہ کہتی ہوئی۔

''آیئے......!''

علینہ اور شکیلہ خاتون اُس کے پیچھے چل پڑیں۔ لاؤنج کے مرکز میں پہنچ کر اب مریم نے ماں بیٹی کو پلٹ کر دیکھا اور سیدھے ہاتھ سے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں۔

''تشریف رکھئے......! اور وہ لمبی بات شروع کر دیجئے تاکہ وہ جلد ختم ہو جائے۔''

اُس نے سپاٹ لہجے میں شکیلہ خاتون کو مخاطب کیا جبکہ اُس کی نظریں علینہ کے زخمی چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''بات بہت لمبی ہے، مگر شروع یہاں سے ہوتی ہے کہ تمہارے میاں نے میری بیٹی کو گھر کا رکھا، نہ گھاٹ کا۔ برباد کر کے بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔''

''اچھا......! تو پھر آپ کو میرے میاں سے بات کرنا چاہئے، کیونکہ اس سلسلے میں، میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔''
مریم اندر ہی اندر تو بُری طرح اُلجھ رہی تھی، لیکن اُس نے اپنا فطری اعتماد بحال رکھتے ہوئے شکیلہ خاتون کو ٹکا تو ڑ جواب دیا تھا۔
''ارے ہاں......! تو بلاؤ ناں اُسے۔ ارے......! ہم کیا ڈرتے ہیں اُس سے......؟ ڈرتے ہوتے تو اُس کے گھر کیوا آتے......؟ بتاتی ہوں اُسے اچھی طرح، بزدل کہیں کا۔''
''وہ تو میں اُن کو بلا لاؤں گی، ایسی کوئی بات نہیں کہ آپ کی بیٹی کی بربادی میں صرف میرے شوہر کا ہاتھ نہیں ہے۔ جو لڑکی اپنے شوہر کو دھوکہ دینے کا حوصلہ رکھتی ہو، آزاد خیال ہو، اُس کے بارے میں کوئی بھی کچھ بھی سوچ سکتا ہے، اور پھر ظاہر ہے، اُس کا شوہر تو بہت کچھ سوچنے کا حق رکھتا ہے۔''
''بس بس......! بند کرو یہ لن ترانی۔ بہت سیدھی ہے میری بچی اور تمہارا شوہر ایک نمبر کا فراڈیا۔ شادی سے پہلے تمہارے ماں باپ نے چھان پھٹک نہیں کی تھی کیا......؟''
شکیلہ خاتون نے اچھی خاصی جھاڑ پلا دی تھی۔ مریم طنزیہ انداز میں مسکرائی۔
''آپ کے داماد نے چھان پھٹک کی تھی۔ ایسے ہی بنا سوچے سمجھے ایک لڑکی کو بیوی بنا لیا۔''
''ارے......! ہمارے ہاں گھر میں شادیاں ہوتی ہیں۔ وہ ہمارے گھر کا لڑکا تھا۔ ہمیں چھان پھٹک کی کیا ضرورت تھی......؟''
''اچھا......!''
مریم پھر تلخ ہنسی ہنس پڑی۔
''تو علینہ کی شادی اُس کے کزن سے ہوئی تھی، گھر کا بندہ تھا۔ کمال ہے، پھر بھی اتنا بے خبر رہا......؟ جب آپ لوگ کزن سے دھوکہ کھا سکتے ہیں، عدیل تو پھر میرا کزن بھی نہیں۔ ہم نے تو شادی سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا بھی نہیں تھا۔''
''ہاں......! یہی تو بات ہوئی۔ اُس کی ماں نے اُس کی شادی اُس کو دکھائے بغیر اپنی مرضی سے کر دی۔ اُس کا تم سے دل نہیں ملا۔ وہ تیری میری بیویوں کے پاس بیٹھ کر اپنا ٹائم گزارنے لگا۔''
''ہاں......! وہ بہت دودھ پیتے بچے تھے۔ اُن کی ماں اُنہیں رسیوں سے باندھ کر بارات لے کر آئی تھیں۔''
''ارے......! جب غیروں میں بیٹی دیتے ہیں تو بہت چھان بین کرتے ہیں۔ تمہارے ماں باپ......''
''بس ...! یہیں رُک جایئے۔ میں اپنے ماں باپ کے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتی۔ آپ کی صاحب زادی نے میری پوری گرہستی میں آگ لگا دی اور آپ اس جلتی پر تیل چھڑکنے کے لئے آئی ہیں......؟''
''ارے......! ہم تو خود لٹے ہوئے بالکل برباد تمہارے در پر بیٹھے ہیں، بلاؤ اپنے میاں کو۔''
شکیلہ خاتون نے لاجواب سی ہو کر بات مختصر کی۔
''بھیجتی ہوں، کر لیجئے اُن سے بات، مجھے کوئی اعتراض نہیں، بلکہ مجھے تو بہت خوشی ہے کہ آپ لوگ آمنے سامنے بیٹھ کر بات کریں گے۔ میں آپ لوگوں کی بات چیت کے دوران کوئی مداخلت نہیں کروں گی۔ اطمینان رکھئے۔ کوشش کیجئے کہ آپ

لوگوں کے معاملات طے ہو جائیں۔ میری طرف سے عدیل پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہے۔ اُن کو آزاد ہی سمجھیں، بالکل اُسی طرح جیسے کہ کوئی غیر شادی شدہ لڑکا، جس کی کوئی بیوی نہیں ہے۔ میں بھیجتی ہوں انہیں۔''

مریم تلخ اور طنزیہ مسکراہٹ سے بولتی ہوئی لاؤنج سے چلی گئی۔

☆......☆......☆

عدیل، مسز سارہ کے بند کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ فی الحال اُس نے اس کمرے کو اپنی پناہ گاہ بنایا ہوا تھا۔ ایزی چیئر پر بیٹھا ہوا وہ سوچوں میں اُلجھا ہوا سلگتا ہوا سگریٹ اپنی اُنگلیوں میں دبائے ہوئے جانے سوچ کی کن دُنیاؤں کا مسافر بنا ہوا تھا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا کہ کمرے میں چھایا ہوا یہ سکوت جیسے کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ اُسے یہ سکوت روزِ ازل کا سکوت لگ رہا تھا۔ جب آواز تخلیق نہیں ہوئی تھی، جب حرف ایجاد نہیں ہوئے تھے۔ اُسے پتا تھا وہ ظالم تو یہ سکوت توڑنے کبھی نہیں آئے گی، لیکن یہ کیا ہوا......؟ وہ تو دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر آ گئی تھی۔ عدیل ایک دم ہڑبڑا کے چیئر سے ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا، کیونکہ دروازہ کھلنے کے انداز سے اُس نے یہی جانا تھا کہ وہ اُس سے دو دو ہاتھ کرنے آئی ہے۔ وہ بہت سنبھل کر اور محتاط انداز میں اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن مریم کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔ وہ بڑے سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

''آپ سے ملنے مہمان آئے ہیں۔''

اب عدیل بُری طرح چونک پڑا۔

''مہمان......؟ کون ہیں......؟ اور اس وقت کہاں سے آئے ہیں......؟''

''میں آپ کے سوالات کا جوابات نہیں دے سکتی۔ آپ کے مہمان ہیں، آپ ہی جا کر مل لیں۔''

''لیکن مجھے یہ تو بتاؤ ناں......''

''وہ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔''

مریم نے اُس کی بات کاٹ کر اتنا کہا اور فوراً پلٹ گئی۔

☆......☆......☆

عدیل بڑے سست قدموں سے خیالات میں گھرا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ اُس کا سر بھی جھکا ہوا تھا اور نظریں بھی۔ وہ بڑی گہری سوچ میں تھا اور اندازے لگا رہا تھا کہ اس وقت کون آیا ہوگا......؟ کون آ سکتا ہے......؟ لیکن جیسے ہی اُس کی نظر اُٹھی، یوں لگا جیسے کنکریٹ کا بنا ہوا گھر آناً فاناً ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا ہو۔ اب وہ ایک قدم آگے نہ بڑھا سکا تھا۔ وہ جہاں کھڑا تھا، وہیں کھڑا رہ گیا۔ اُس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور منہ کھلا ہوا تھا۔ علینہ کی حالت دیکھ کر طرح طرح کے اندیشے سانپ بن کر اُس کے وجود سے لپٹ گئے۔ شکیلہ خاتون نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بول نہیں پا رہا۔ اُن کو دیکھ کر اُسے بہت shock پہنچا ہے۔

''ارے......! وہاں کھڑے ہوئے کیا تماشہ دیکھ رہے ہو میاں......؟ اِدھر آ کر بیٹھو۔ تم سے بات کرنے آئے ہیں ہم۔''

شکیلہ خاتون بڑے دھڑلے سے گویا ہوئیں۔ عدیل ایک دم حواسوں میں واپس آ گیا۔

''کیا مطلب......؟ آں......ہاں......یہ......یہ علینہ......یہ تو کافی زخمی دکھائی دے رہی ہے۔ آپ اسے ہسپتال لے

جانے کی بجائے یہاں آ گئیں......؟"

"ارے واہ......! اسے ہسپتال لے کر تو تم جاؤ گے۔"

"میں......؟ لیکن میں کیوں لے کر جاؤں اسے ہسپتال......؟ اس کے شوہر کی ذمہ داری ہے، وہ لے کر جائے۔ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں......؟ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔"

عدیل تو جیسے آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اُس کے تو پاؤں تلے سے زمین سرک گئی اور اس خیال کے ساتھ کہ ابھی اُس کے یہاں آنے سے پہلے مریم ان دونوں سے مل کر جا چکی ہے۔ پتا نہیں ان دونوں نے مریم سے کیا کہا ہوگا......؟

"شوہر ہسپتال لے کر جائے گا......؟ ہونہہ......! ارے......! اُس کے ہاتھوں سے تو اس کی جان بچ گئی۔ اس کی جان بچا کر لائی ہوں وہاں سے۔ وہ جو اس کو جان سے مار رہا تھا، وہ اس کو ہسپتال لے کر جائے گا......؟"

"جان سے مار رہا تھا......؟ مگر کیوں......؟"

"واہ بھئی واہ......! ارے......! تم کتنے ننھے ہو۔ بیٹا......! ابھی تک تمہارے منہ سے دودھ کی مہک آ رہی ہے۔"

"کیوں......؟"

"زیادہ چالاکی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سمجھ میں آیا......؟ میں علینہ نہیں ہوں، اُس کی ماں ہوں۔ تمہارے جیسوں کو ایسا سبق سکھاؤں گی کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ میری بیٹی کو بے وقوف بنا کر دَر دَر کے دھکے کھلوا رہا ہے اور میرے سامنے کھڑا سوال کر رہا ہے......؟ واہ بھی واہ......!"

"علینہ......! تم بولتی کیوں نہیں ہو......؟ کیا کیا ہے میں نے تمہارے ساتھ......؟ کیا زیادتی کی تھی میں نے......؟ تم اپنی ماں کو کیوں نہیں بتاتی......؟ تم خاموش کیوں کھڑی ہوئی ہو......؟ اور......اور تمہیں یہاں آنا ہی نہیں چاہئے تھا......"

"کیوں نہیں آنا چاہئے تھا......؟"

شکیلہ خاتون تیزی سے عدیل کی بات کاٹ کر بولیں۔

"ارے......! آس پاس کوئی کنواں ڈھونڈ کر اس میں چھلانگ مار دیتی......؟ یہ مطلب ہے تمہارا......؟ یہاں نہ آتی تاکہ یہ تو مر کھپ کر ایک طرف ہو جائے، پھر تم نئی چڑیا کی تلاش میں نکل کھڑے ہو......؟ ارے......! تمہارے جیسوں کا کام ہی کیا ہے......؟ شادی شدہ عورتوں کے گھروں میں آگ لگاتے پھرتے ہیں......؟ تمہیں شرم نہیں آتی، گھر میں بیوی لے کر بیٹھا ہوا ہے، اُدھر میری بیٹی کو بے وقوف بنا رہا ہے......؟"

"علینہ کیوں بنے گئی اتنی بے وقوف......؟ میں کیا اسے گھر سے بلا کر لا رہا ہوں......؟ چھتیس کالیں کرتی ہے میرے ساتھ بات کرنے کے لئے۔ اگر اس نے مجھے دوست سمجھا تھا تو میں بھی اسے دوست سمجھ رہا تھا۔ اس سے زیادہ ہمارے درمیان کوئی کسی قسم کی بات نہیں ہے۔ تم اپنی ماں کو کیوں نہیں بتاتی علینہ......؟ تم سے بولا کیوں نہیں جا رہا......؟ [illegible] لینے کے قابل بھی نہیں ہو......؟"

علینہ خالی خالی آنکھوں سے بس ٹکر ٹکر عدیل کی طرف دیکھے جا رہی تھی اور واقعی لگ رہا تھا کہ اُس سے بولا نہیں جا رہا۔

"علینہ......! خدا کے لئے، تم کچھ بولو۔ تم بولو گی تو مسئلے حل ہوں گے۔ تم بتاؤ اپنی motn کو۔ کہو کہ میں نے

تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔''

''ہاں......!زیادتی نہیں کی ہے۔پوری کی پوری زیادتی کی تصویر تمہارے سامنے کھڑی ہے اور تم کہتے ہو زیادتی نہیں کی ہے......؟ارے......!تمہاری وجہ سے تو یہ اس حال کو پہنچی ہے،اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے،میری اکلوتی پھول جیسی بچی کی جان بچ گئی اُس درندے کے ہاتھوں۔''

''علینہ......!پلیز بولو۔بتاؤ اپنی اماں کو میرے سامنے کہ میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔''

''یہ نہیں بول سکتی۔زبان کٹ گئی ہے اس کی۔''

''علینہ......!پلیز،تم کچھ تو بولو۔''

''میں کیا کہہ رہی ہوں......؟مجھ سے بات کرو۔عورت اور مرد کی دوستی کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے۔''

''نہیں ہوتا آنٹی......!نہیں ہوتا ایک ہی مطلب۔پڑھے لکھے لوگ اپنی حدود پہچانتے ہیں۔یہ میری بہت اچھی دوست ہے اور بس،آپ گھر جا کر آرام کریں۔بلکہ پہلے آپ ڈاکٹر کے پاس جائیں،فسٹ ایڈ لیں پلیز،باتیں تو بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔آپ پہلے اس کو ہسپتال تو لے کر جائیں،اس کی حالت تو دیکھیں۔''

''وہی تو تمہیں دکھانے لائی ہوں بیٹا......!یہی تو تمہیں دکھانے لائی ہوں کہ یہ تم دیکھ لو تمہاری وجہ سے کیا حالت ہے اس کی......؟''

اس سے بیشتر کے عدیل کچھ بولتا،مریم پیچھے سے آ گئی۔

''آنٹی......!آپ اپنے گھر جا کر آرام کریں۔علینہ کو یہیں چھوڑ جائیں۔میں کل آپ سے فون پر خود بات کروں گی۔ پلیز آپ جائیں۔''

''علینہ......!تم بیٹھو۔نورانی......!ٹھنڈا پانی لے آؤ۔''

''مریم......!تمہیں کچھ نہیں پتا ہے۔ایسا نہ کرو،علینہ کو اپنی ماں کے ساتھ جانے دو۔''

عدیل بڑی منت کے انداز میں مریم سے کہہ رہا تھا۔مریم نے جیسے اُس کی بات ہی نہیں سنی۔وہ شکیلہ خاتون کی طرف رُخ کیے کھڑی تھی۔

''آنٹی......!جو میں آپ سے کہہ رہی ہوں،پلیز وہی کیجیے۔علینہ کو یہاں چھوڑ جایئے اور آپ اپنے گھر جا کر آرام کیجیے۔علینہ کی طبیعت سنبھل جائے گی تو بات پھر بھی ہو جائے گی۔''

''ارے......!بتھا نے کیا،میں تو اسے اسی گھر میں چھوڑنے آئی ہوں۔تم دونوں میاں بیوی کان کھول کر سن لو،میری بچی کا اب اِس گھر کے علاوہ کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ارے......!شوہر تو شوہر،تمہارے میاں نے تو اس کا بھائی بھی چھین لیا۔''

مریم نے ایک طنزیہ اور تمسخرانہ نظر سے عدیل کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور علینہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''علینہ......!تم میرے ساتھ آؤ۔''

عدیل نے اپنا چکراتا ہوا سر تھام لیا تھا۔اُسے پتا تھا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔مریم نے جو سوچ لیا ہے،وہ کر کے رہے گی۔

شکیلہ خاتون نے بہت فاتحانہ انداز میں عدیل کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور بلند آواز سے علینہ کو مخاطب کیا۔

''گھبرانا نہیں بیٹی......! صبح آؤں گی میں۔ اب تم کچھ کھا پی کر سکون سے سو جاؤ۔''

یہ کہہ کر شکیلہ خاتون نے ایک مرتبہ پھر عدیل کی طرف بڑے تمسخرانہ انداز سے دیکھا جیسے اُس کی بے بسی کا مذاق اُڑا رہی ہوں اور بڑے اعتماد سے چلتی ہوئی لاؤنج سے باہر نکل گئیں۔

☆......☆......☆

''حد ہو گئی ہے، بارہ بجنے والے ہیں کوئی اَتا پتا نہیں۔''

عارف کا بلڈ پریشر اپنی انتہاء کو چھو رہا تھا۔ وہ بڑی بے بسی سے اپنی مٹھیاں بار بار کھول رہا تھا اور بھینچ رہا تھا۔ فوزیہ بہت ٹینس تھی۔ اُسے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے......؟ کس طرح عارف کو سمجھائے کہ وہ سکون سے بیٹھ جائے......؟ لیکن وہ دیکھ رہی تھی کہ عارف کو ایک پل چین نہیں تھا۔

''وہ کہیں بھی جاتی ہیں تو مجھے بتا کر نہیں جاتی ہیں۔''

اب اُس نے ہمت کر کے آہستہ آواز میں کہہ ہی دیا۔

''وہاج کو فون کیا تھا، شکر ہے اس نے کال اٹینڈ کر لی۔ وہ کہہ رہا ہے کہ وہ یہاں آئی تھیں، مگر چلی گئیں۔''

عاف بڑبڑانے والے انداز میں بولا جیسے اُس نے فوزیہ کی بات ہی نہ سنی ہو۔ فوزیہ ایک دم چونک پڑی اور بڑی تشویش سے عارف کی طرف دیکھا۔

''اور کچھ نہیں بتایا بھائی نے......؟ میرا مطلب ہے، تائی اماں سے کوئی جھگڑا وگڑا تو نہیں ہوا......؟ سب خیریت ہے ناں......؟''

''مجھے نہیں پتا خیریت وریت کا۔ وہ تو خود بہت اَپ سیٹ لگ رہا تھا۔ میں اُس سے کیا سوال جواب کرتا......؟ اُس نے تو یہ کہہ کر کہ اماں وہاں سے جا چکی ہیں اور اُنہیں گئے ہوئے بھی بہت دیر ہو گئی ہے، فون بند کر دیا تھا۔ میری ہمت ہی نہیں پڑی کہ دوبارہ فون کر کے اُس سے بات کرتا۔''

عارف بولتے بولتے اب قدرے دھیما پڑ گیا، جیسے اُس کے اندر کھچڑی سی پک رہی ہو اور اُس کے اندر خیالات اور اندازوں کے گھوڑے دوڑا رہا ہو۔

''میرے خدایا......! اماں وہاں گئی تھیں، ہنگامہ تو ضرور ہوا ہوگا۔''

فوزیہ کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

''گھر آئیں تو کچھ پتا چلے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہاں سے نکل کر کہاں چلی گئیں......؟ فون بھی بند کیا ہوا ہے، دوسروں کا ذرا احساس ہی نہیں ہے۔''

عارف اب دھپ سے گرنے کے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گیا اور اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔ فوزیہ اسی طرح لاجواب، گم صم سی عارف کی طرف دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہاج اپنے بیڈروم میں علینہ کی بڑی سی تصویر کے سامنے کھڑا ایوری نظروں سے گھور رہا تھا۔

''بچ گئی، حالانکہ بچنا نہیں چاہئے تھا۔ میرا دل تو چاہتا ہے کہ اب تم زمین پر مجھے نظر ہی نہ آؤ۔''
وہ تصویر کی طرف سے رُخ موڑ کر بڑبڑایا۔
''میرے ہی گھر میں چھپ کے بیٹھی تھی، اور یہ نمک حرام صابر، نمک میرا کھاتا ہے، وفاداریاں دوسروں کی نبھاتا ہے......؟ اُس نے میرے اعتماد کو دھوکہ دیا ہے۔ اُسے تو میں نکال دوں گا۔ اُسے اب نہیں رکھوں گا۔ یہ نمک حرام کہیں کا، اتنا پرانا ملازم ہو کر اُس نے میرے اعتماد کو دھوکہ دیا، اُس کو اُوپر چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ کھانا پینا پہنچاتا تھا۔ نمٹتا ہوں اس سے اچھی طرح۔ ایسا ذلیل کر کے نکالوں گا کہ آئندہ کہیں کام کرے گا تو نمک حرامی کا سوچے گا بھی نہیں۔''
اب وہ اپنا سارا غبار صابر پر نکال رہا تھا۔ بے قراری حد سے سوا تھی۔ نہ بیٹھے چین تھا نہ کھڑے۔ اس کی جیسے پاگلوں والی حالت ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

بشر علی اور سلمیٰ صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انا بی اور بیہ کارپٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ انا بی تو اپنا پان لگانے میں مصروف تھیں۔ بیہ اپنے کھلونوں سے کھیل رہی تھی۔ سلمیٰ بیگم گہری سوچ میں تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ماحول میں حاضر ہی نہیں بلکہ ماحول سے کٹی ہوئی ہیں جبکہ بشر علی، بیہ کی طرف بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔
''ارے بھئی......! کیا اپنی بے جان گڑیوں سے ہر وقت کھیلتی رہتی ہو، نانا سے بھی بات وات کر لیا کرو۔''
وہ بیہ سے مخاطب ہوئے۔ پھر اپنے پیچھے چھپائی ہوئی ایک بڑی سی گڑیا نکال کر بیہ کو دکھانے لگے۔
''یہ دیکھو، ہم آپ کے لئے بالکل آپ جیسی گڑیا لائے ہیں۔ ذرا کھڑی ہو کر دیکھو، یہ بالکل آپ کے برابر ہے۔ اب آپ اسے اپنا دوست بنالیں۔ ٹھیک ہے بیٹا......!''
بشر علی، بیہ سے مخاطب ہوئے۔ سلمیٰ بیگم نے خالی خالی نظروں سے پہلے بشر علی کی طرف، پھر بیہ کی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔ بیہ بھاگتی ہوئی بشر علی کے قریب آ چکی تھی۔ بڑی سی گڑیا دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک تھی۔ اُس نے جھپٹنے کے انداز میں بشر علی سے وہ گڑیا لے لی۔
''واؤ......! وری بیوٹی فل......! تھینک یو نانا جان......! تھینک یو وری مچ......! یہ تو بالکل میرے جتنی ہے۔ کاش یہ بولنے والی گڑیا ہوتی۔ پھر میں اس کو اپنی پکی دوست بنالیتی اور رات کو جب نیند نہ آتی تو ہم دونوں باتیں کیا کرتے۔ ہیں ناں نانو......!''
بیہ بولتے بولتے سلمیٰ سے مخاطب ہوئی۔
''ہاں جی بیٹا......!''
سلمیٰ غائب دماغی کی کیفیت میں بولیں۔
''ارے بھئی......! کیا غضب کی باتیں کرتی ہے یہ بیہ بھی۔ ماشاءاللہ......! اس کے دم سے کتنی رونق ہے۔ اپنے ماں باپ کو کتنا یاد آ رہی ہوگی۔ اُن کا گھر تو سُونا ہو گیا ہوگا۔''
انا بی نے نظریں چرا کر کن اکھیوں سے سلمیٰ کی طرف دیکھا۔

''جی شیخ صاحب......!بہت پیاری باتیں کرتی ہے ماشاءاللہ......!ایسی بات کرجاتی ہے کہ عقل حیران جاتی ہے کہ اتنی عمرنہیں جتنی بات کی ہے۔''

''لیکن ہم سے تو بیہ نے ابھی تک کوئی خاص بات نہیں کی۔اپنی مما سے بھی شاید بات کرنا بھول گئی ہے۔مما یاد نہیں آتی بیٹا......؟''

بشرعلی، بیہ سے پوچھنے لگے۔سلمٰی بیگم نے ایک دم حواس باختہ سی ہوکر بیہ کی طرف دیکھ۔پھر سہمی سہمی نظروں سے انابی کی طرف دیکھنے لگیں۔

''مما تو بات ہی نہیں کرتیں نانا جان......!اُن کو تو بس ہر وقت غصہ آتا رہتا ہے۔''

سلمٰی ایک دم اپنی جگہ سے اُٹھیں اور ایک شور سا ڈال دیا۔

''ارے بھئی......!بیہ......!چھوڑو،تم تو ہر وقت مما کی بُرائیں ہی کرتی رہتی ہو۔وہ بے چاری اتنا تو خیال رکھتی ہے۔اِدھر آؤ میرے ساتھ۔دیکھو ٹیبل پر کب سے تمہارا پوریج رکھا ہوا ہے،تم تو بس باتیں بنا بنا کے سب کو بے وقوف بناتی ہو۔کھاتی پیتی کچھ نہیں ہو۔کیا جواب دوں گی میں تمہاری ماما کو......؟وہ کہے گی،میری بیٹی کو اتنا کمزور کرکے بھیجا ہے اور یہ سُوپ بھی رکھا ہے،یہ بھی پینا ہوگا۔''

''نانو......!میں سوپ نہیں پیئوں گی۔''

بیہ نے منہ بنایا۔

''مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''ارے بھئی......!ابھی مجھ سے باتیں کررہی ہے،سوپ بھی پی لے گی،پوریج بھی کھالے گی۔ہاں تو بھئی بیٹا......!تم کیا بتارہی تھی......؟مما کو کیوں غصہ آتا ہے......؟''

''وہ پاپا سے زور زور سے لڑائی کرتی ہیں،پھر پتا نہیں کہاں چلی جاتی ہیں......؟''

بیہ نے بُرا سا منہ بناکر جواب دیا۔سلمٰی بیگم نے پھر حواس باختہ ہوکر بیہ کی طرف دیکھا۔

''دیکھو بیٹا......!اِدھر آؤ......!سارا پوریج ٹھنڈا ہوجائے گا۔ٹھنڈا پوریج کھانے سے آپ کو کھانسی ہوجائے گی۔''

''پاپا......!میں اس کو پوریج کھلا کر لاتی ہوں۔وہ مہرو ہے ناں،وہ شاید اس کے کپڑے پریس کررہی ہے......؟اس نے ابھی نہانا بھی ہے۔یہ تو بس ایسے کھیل میں مگن ہوتی ہے،کسی کی بھی نہیں سنتی۔''

وہ عجیب سا شور مچا کر بیہ کا بازو پکڑ کر ڈائننگ روم کی طرف بڑھنے لگیں۔

''آئے ہائے......!آج تو بیہ کو پتا نہیں کب کب کی باتیں یاد آرہی ہیں......؟بچی نے کبھی دیکھ لیا ہوگا ماں باپ کو لڑتے۔اسی لئے کہتے ہیں،بچوں کے سامنے خیال کرنا چاہیے۔''

انابی نے جیسے بات کو سنبھالا۔

''بالکل ٹھیک......!بچوں کے سامنے لڑائی وڑائی سے پرہیز کرنا چاہیے۔بچوں کے معصوم ذہن پر اس کا بُرا اثر پڑتا ہے۔انعم سے ملاقات ہوگئی تو سمجھاؤں گا اُسے۔کیوں بھئی،پڑھی لکھی ماں ہو،کوئی جاہل اَن پڑھ تو نہیں۔تم اپنی بیٹی کا خیال نہیں رکھو

گی تو اور کون رکھے گا۔''

''جی پاپا......! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

سلمٰی ڈائننگ ٹیبل کی چیئر گھسیٹ کر بیہ کو بٹھاتے ہوئے یوں بولیں جیسے وہ اُن کی طرف متوجہ تھیں۔ حالانکہ اس وقت اُن کی ذہنی حالت بہت مخدوش تھی۔

''ہاں بھئی......! لگتا ہے انعم ابھی تک ویسی کی ویسی ہے۔ ابھی بھی اُس کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔ ماشاءاللہ اب تو بیہ بڑی ہوگئی ہے۔ آج میری بات کرانا انعم سے۔ ملاقات نہیں ہوئی، کم از کم فون پر تو بات کرے۔''

''جی ٹھیک کہہ رہے ہیں شیخ صاحب......! وہ اصل میں ناں اُس کا فون تو آتا ہے، لیکن کبھی آپ نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں، کبھی آپ آرام کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ تو جب بھی فون کرتی ہے، آپ کا ضرور پوچھتی ہے۔''

انابی نے جیسے ایک بار پھر سلمٰی بیگم کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی۔ سلمٰی بیگم نے اُن کی طرف بڑی شکر گزار نظروں سے دیکھا اور اپنا چکراتا ہوا شل سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا۔ بیہ بڑا بُرا سا منہ بنا کر پورتج کھا رہی تھی۔ سلمٰی بیگم کو خاموش دیکھ کر اُسے یہی گمان گزرا جیسے اگر وہ پورتج نہیں کھائے گی تو نانی اُس پر غصہ کرے گی۔ اس لئے وہ زبردستی ہی اسے کھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُس کے خیال میں اُس کی ضد نے اُس کی نانو کے سر میں درد کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

انعم، سلمان اور اس کے دو دوست عابد اور یاسر اور اُن کی گرل فرینڈز کارپٹ پر بیٹھے ہوئے کارڈ کھیل رہے تھے۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹیں تھیں جیسے اُن کو دُنیا میں کوئی غم و فکر نہ ہو۔ کھانے پینے کے لوازمات بھی اِدھر اُدھر پلیٹوں میں رکھے نظر آ رہے تھے۔ عابد اپنے پتے سیٹ کرتے ہوئے سلمان کی طرف دیکھ کر شرارت سے مسکرایا۔

''تمہارا ابھی کچھ پتا نہیں، اتنا بڑا بنگلہ چھوڑ کے اب یہ نیا اپارٹمنٹ لے لیا۔''

''یار......! اپارٹمنٹ میں پرائیویسی نہیں ہوتی۔ پڑوسی کا دروازہ کان کی طرح ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے۔ زور سے قہقہہ لگا کر ایسا لگتا ہے جیسے کرائم کر رہے ہوں۔''

''بس یار......! اتنے بڑے سے گھر میں اکیلا بندہ ایسا لگتا ہے جیسے ڈار سے بچھڑی ہوئی کونج۔''

''لو بھئی......! کیا مثال دی ہے......؟ تم تو خود اکیلے رہنے کے لئے اپنا پورا خاندان چھوڑ کر یہاں آتے ہو۔''

یاسر نے بھی اپنے کارڈ غور سے دیکھنا شروع کئے۔

''تمہارے آنے سے ویسے یار......! محفلیں گرم ہو جاتی ہیں۔''

''اُس ٹھنڈے برف شہر سے یہاں گرم ہونے ہی تو آتا ہوں میری جان......!''

سلمان وہسکی کا پیگ ہونٹوں کے قریب لے جاتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرایا اور جیسے نظروں ہی نظروں میں اُس نے انعم کو ڈھونڈا جو نظر نہیں آ رہی تھی۔

''یاروں کا یار......! سلمان......!''

عابد نے زور سے نعرہ لگایا۔ سلمان ہنس دیا اور وہسکی کا ایک گھونٹ لے کر شریر انداز میں مُسکرایا۔

''اتنا مکھن لگانے کی ضرورت نہیں......! سلمان کا دل بہت بڑا ہے۔ کھاؤ، پیئو، عیاشی کرو، جو مرضی کرو۔''

''ہاں......!''

عابد کی گرل فرینڈ نے عابد کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک کہہ رہا ہے سلمان، بہت بڑا دل ہے اس کا، دو تین تو آسانی سے سما سکتی ہیں۔''

انعم جو کچھ لوازمات لے کر کچن سے آ رہی تھی، فوراً بولی۔

''اونہہ......! میں اِس دل میں پھیل کر بیٹھ چکی ہوں، اچھی طرح ٹانگیں پھیلا کر۔ اب کسی اور کو نہیں بیٹھنے دوں گی۔''

سلمان کو اب ہلکا ہلکا نشہ چڑھ چکا تھا۔ اُس نے ادائے دلبرانہ کے ساتھ انعم کی طرف دیکھا اور ہاتھ لہراتے ہوئے بولا۔

''Silly گرل......!''

انعم گھٹنوں کے بل کارپٹ پر بیٹھ گئی اور ٹرے درمیان میں رکھ دی۔

''سلمان......! بس اب راز سے پردہ ہٹا دو۔ ان سب کو بتا دو کہ ہم بہت جلد شادی کر رہے ہیں۔''

''بس، تم میرے ساتھ ہو۔ راز سے پردہ تو خود بخود ہٹ رہا ہے۔''

پھر وہ جھوم جھوم کر گانے لگا۔

''آج کل تیرے میرے پیار کے چرچے ہر زبان پر
سب کو معلوم ہے اور سب کو خبر ہو گئی''

وہ گنگنایا۔ عابد اور یاسر بھی مست ہاتھی کی طرح اُس کا ساتھ دینے لگے۔ لڑکیوں نے کارڈ سمیت اپنے ہاتھ بلند کئے اور جیسے وجد میں ہلا ہلا کر رقص کرنے لگیں۔ انعم بڑی محبت بھری نظروں سے سلمان کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے دل و جان سے اُس پر نثار ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

عدیل، مسز سارہ کے بیڈروم میں پاؤں لٹکائے بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے اُس نے اپنا سر تھاما ہوا تھا۔ اس وقت اُس کا ذہن بالکل ماؤف تھا۔ کوئی کام کی سوچ اُس وقت اس کے ذہن میں نہیں آ سکتی تھی۔ اُسے پتا ہی نہ چلا کہ مریم کب دروازہ کھول کر اندر آ گئی......؟ وہ تو جب کھنکار کر مریم نے حلق صاف کیا تو عدیل نے چونک کر سر اُٹھایا اور اندر ہی اندر بُری طرح پریشان ہو گیا۔

''الٰہی......! خیر ہو، اتنی رات کو اس کی آمد مزید کوئی اور نیا دھماکہ نہ ہو۔ خدا جانے کیا کہنے آئی ہے......؟''

وہ اندیشوں میں کھیلنے لگا لیکن خاموش رہا۔ مریم خود ہی بولی۔

''فی الحال میں نے علینہ کو گیسٹ روم میں سونے کے لئے کہہ دیا ہے۔ میں نے تو اپنے دل سے سو بار پوچھ لیا، یہ تو اب آپ کا نہیں۔ اب آپ کو صرف ایک اہم فیصلہ کرنا ہے، بلکہ کرنا چاہئے۔''

یہ کہہ کر مریم رُک گئی۔ عدیل نے بے اختیار، لاشعوری طور پر سوالیہ نظریں اُس کے چہرے پر جما دیں۔ مریم طنزیہ مسکرا رہی تھی۔

''یہ وہی ہے جس سے آپ کی ایک دن بات نہیں ہوتی تھی تو آپ کو نیند نہیں آتی تھی۔''

عدیل نے بڑی بے بسی سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ مریم کے جواب میں کوئی بات کرنا ایسا ہی تھا جیسے صبح تک لڑائی میں مصروف رہنا۔ ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہوتا، ضروری نہیں کہ مریم کھڑی ہو کر اُس سے لڑتی رہتی، لیکن اُس کے دل کا چور اُسے کچھ بولنے سے روک رہا تھا۔

''فی الحال وہ گیسٹ روم میں ہے، لیکن آپ اُس سے مذاکرات کر سکتے ہیں، شادی کے معاملات طے کر سکتے ہیں، شادی کی تاریخ طے کر سکتے ہیں، بہت کچھ کر سکتے ہیں، اور بالکل پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب آپ دونوں اپنے معاملات طے کر رہے ہوں گے تو میری طرف سے کسی قسم کی مداخلت نہیں ہوگی۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا، میں کہہ چکی ہوں، جو شور مچانا تھا مچا چکی ہوں۔ میرے پاس اب کچھ بھی نہیں رہا، جسے میں آپ کے ساتھ discuss کروں، اور نہ ہی میں آپ سے مزید کوئی بات کرنا چاہتی ہوں۔ آپ اطمینان رکھئے مسٹر عدیل......! مجھے یہ احسان سے بوجھل رشتہ منظور نہیں جو میں اپنی طرف سے توڑ چکی ہوں۔ شب بخیر......!''

مریم یہ کہہ کر آہستہ قدموں سے کمرے سے باہر چلی گئی۔ اُس نے دروازہ بند کرنے کا تکلف ہی نہیں کیا تھا۔ عدیل چند لمحے پتھر کا بُت بنا رہا مگر پھر فوراً ہی ہوش میں آ گیا اور اُس نے باہر کی طرف جیسے دوڑ لگائی تھی۔ مریم آہستہ قدموں سے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ عدیل نے اُسے لاؤنج میں جا لیا۔

''بات سنو......! میری بات سنو......!''

وہ اُس کا پیچھا کرتے ہوئے بولا۔ مریم نے پلٹ کر بڑی حیرت اور اُلجھن سے اُس کی طرف دیکھا۔

''اب پھر کوئی بات رہ گئی ہے......؟ میرا خیال ہے، ہمارے درمیان سارے معاملات طے ہو چکے ہیں۔ اب کیا بات کرنا چاہتے ہیں آپ......؟''

وہ سرد مہری سے گویا ہوئی۔

''یہ کیا تم اُلٹی سیدھی باتیں کر رہی ہو......؟ میں کیوں کروں علینہ سے شادی......؟ میرا دماغ خراب ہے کیا......؟ تم ہی نے اُس کے گھر میں آگ لگائی ہے، تم ہی اُس کی جان چھڑاؤ۔''

وہ بُری طرح برس پڑا اور یہ برسنا بھی بڑی عجیب بے بسی کا برسنا تھا۔ مریم طنزیہ انداز میں مُسکرائی۔

''میں نے اُس کے گھر میں آگ نہیں لگائی۔ میرا گھر بننے سے پہلے اُس نے تنکے جمع کئے ہوئے تھے، میرا گھر جلانے کے لئے۔''

پھر بڑے اعتماد سے عدیل کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

''ایک بے ایمان، بددیانت آدمی جو ہر وقت ایک لڑکی کو اپنے دھیان میں رکھتا، شادی کے بعد جس کا وجود میرے پاس ہوتا، دل اور ذہن کہیں اور، نہیں چاہئے مجھے وہ اُدھورا ساتھی۔''

عدیل اُس کی بات سن کر جیسے دھیما پڑ گیا بلکہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اُس نے بے اختیار مریم کا ہاتھ تھام لیا۔

''ہوش میں آؤ مریم......! فرضی باتوں اور شک کی وجہ سے تم کئی زندگیوں سے کھیل رہی ہو۔ میری ماں، تمہارے ماں

باپ، سب سے بڑھ کر تمہارے بوڑھے نانا۔"
مریم نے بڑے غصے سے اور جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔ اُس کی آنکھوں میں جیسے شعلے دہکنے لگے تھے۔
"آپ مجھے Emotionally بلیک میل کر رہے ہیں۔ اس طرح سے جان بچانے کا راستہ مت ڈھونڈیں مسٹر عدیل......! آپ کا یہ حربہ کامیاب نہیں ہوگا۔"
مریم نے دانت پیس کر غصّے سے اُس کی طرف دیکھا اور بولی۔
"میں کوئی حربہ استعمال نہیں کر رہا ہوں۔ مریم......! تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس میں تمہارا ابھی بھلا ہے۔ اُس راستے پر کیوں جا رہی ہو جس کی منزل کا تمہیں پتا ہی نہیں......؟"
عدیل اب بہت عاجز آ کر بولا تھا۔
"مریم......! یہ صرف تمہارا ہیڈک نہیں ہے۔ دس بارہ بندوں کو تم ٹارگٹ کر رہی ہو۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔"
مریم نے بمشکل اپنے غصّے کو کنٹرول کیا۔
"ہر جھوٹا انسان پہلے سے دس بہانے تیار رکھتا ہے۔ ہر غلط آدمی کسی راستے پر داخل ہونے سے پہلے اُس راستے سے نکلنے کا راستہ ذہن میں رکھتا ہے۔ کمال ہے، ایک لڑکی جس کے بغیر چین نہیں آتا تھا، اب آسانی سے ہاتھ آ رہی ہے تو کیوں موقع ضائع کر رہے ہیں......؟"
وہ بڑی تلخی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ عدیل بھی اُس کے پیچھے لپکا۔
"دیکھو......! میں نے کبھی اُس سے شادی کے بارے میں نہیں سوچا اور نہ ہی سوچوں گا۔"
مریم رُکی نہیں، چلتے چلتے ہی بولی۔
"غلطی کی ہے، اُسے face کریں، اپنا image بنانے کے لئے مت اتنے جھوٹ بولیں۔"
پھر بڑی تیزی سے وہ لاؤنج سے غائب ہوگئی تھی۔ عدیل پھر بے بسی کی تصویر بنا کھڑا تھا۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون بہت محتاط انداز میں گھر میں داخل ہوئی تھیں۔ اُن کا خیال تھا کہ شاید فوزیہ اور عارف سو چکے ہیں، لیکن اُن کو اُس وقت بڑی پریشانی ہوئی جب اُنہوں نے عارف کو بڑی بے قراری سے لاؤنج میں ٹہلتے ہوئے دیکھا۔
"آپ کہاں گئی تھیں اماں......؟ ہمیشہ سے آپ اپنی من مانی کرتی چلی آ رہی ہیں۔"
وہ جیسے پھٹ پڑا۔
"میں نے منع کیا تھا کہ آپ علینہ سے ملنے نہیں جائیں گی۔"
شکیلہ خاتون یہ سنتے ہی جیسے ہتھے سے اُکھڑ گئیں۔
"تم کون ہوتے ہو مجھے منع کرنے والے......؟ وہ میری بیٹی ہے، وہاج کسی عورت کے چکر میں پاگل ہو رہا ہے۔ اُس نے میری بیٹی کو پاگل بنانے کے لئے ایک کونے میں ڈالا ہوا ہے۔ اب ماں بھی نہ پوچھے اُسے......؟ ذرا اُس کا حال دیکھو جا کر۔ اُس نے اُسے مار مار کر زخمی کیا ہوا ہے۔ ارے......! اگر میں نہ پہنچتی، وہ تو اُسے جان سے مار چکا ہوتا۔"

''وہ کسی عورت وورت کے چکر میں نہیں ہے اماں......!''
عارف اب بڑے نڈھال سے لہجے میں گویا ہوا۔آخرخون کا رشتہ تھا۔بہن کے زخمی ہونے کی خبراُسے توڑنے کے لئے کافی تھی اور وہ واقعی اب بہت ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔شکیلہ خاتون نے جب اُسے اتنا نڈھال دیکھا تو جیسے نئے سرے سے کمر کس لی۔
''ارے......!جانے کس عورت کے چکر میں آکراُس نے میری بیٹی کو حال سے بے حال کر دیا ہے اور تو بے وقوف بن رہا ہے۔''
''اماں......!میں آپ کو کہہ رہا ہوں،وہ کسی اورعورت کے چکر میں نہیں۔آپ کو حقیقت نہیں معلوم۔''
''اُسے میں دیکھ کرآئی ہوں اپنی آنکھوں سے۔وہ تو ایسا لگتا ہے جیسے علینہ کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔''
اب وہ نظریں چرا کر بولیں،کیونکہ حقیقت تو اُن پر کھل ہی چکی تھی،مگر عارف کے سامنے دم خم ظاہر کرنا بھی بہت ضروری ہو گیا تھا۔وہ عارف سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کر رہی تھیں،بلکہ بات کرتے ہوئے لاشعوری طور پر نظر چرا رہی تھیں۔
''اماں......!حقیقت تو حقیقت ہے۔یہ سوچتے ہوئے بھی شرم آتی ہے،زبان کیسے کھولیں......؟کیسے بتائیں......؟وہ آپ سے جھوٹ بول رہی ہے۔میں آپ کو یقین دلا رہا ہوں کہ وہاج کسی اورعورت کے چکر میں نہیں ہے۔وہ تو وہ کچھ کر بیٹھی ہے کہ مجھے فوزیہ کو face کرنا عذاب لگ رہا ہے۔''
شکیلہ خاتون شیرنی کی طرح غرائیں۔
''ارے......!اِس کا تو کیا دھرا ہے سب کچھ۔عارف......!تو اُس کو اُس کے بھائی کے گھر بٹھا دے۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔''
عارف نے بمشکل غصہ ضبط کرتے ہوئے،بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں ماں کو جواب دیا۔
''فوزیہ کا کیا قصور ہے جو میں اُسے اُس کے بھائی کے گھر بٹھا دوں......؟اماں......!آخر ایک دن اللہ کو بھی جواب دینا ہے۔زیادتی کوئی بھی کرے،اُس کا نتیجہ تو بھگتنا ہوگا۔میں جاہلانہ قوانین کو نہیں مانتا۔ادلے بدلے کی شادی ہوگئی ہے،سب اپنے اپنے مسئلے خود نمٹائیں،کوئی کسی کا کیا نہیں بھگتے گا۔''
عارف نے اتنا کہا اور تیزی سے لاؤنج میں سے نکل گیا۔فوزیہ تو ویسے ہی شکیلہ خاتون کو دیکھ کر وہاں سے کھسک کر اوٹ میں کھڑی ہوئی باتیں سن رہی تھی۔عارف اتنی تیزی سے نکلا کہ اُس نے اوٹ میں کھڑی ہوئی فوزیہ کو بھی نہیں دیکھا۔فوزیہ نے جیسے اپنی دیر سے رُکی ہوئی سانس خارج کی تھی۔شکیلہ خاتون کے بڑبڑانے کی آواز آرہی تھی۔
''ارے......!سارا کالا علم کا کیا دھرا ہے،لیکن میں بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گی۔اُس کی بہن کو اُس کے گھر نہ بٹھایا تو میرا نام بھی شکیلہ خاتون نہیں۔''
فوزیہ کے چہرے پر بڑی اذیت تھی۔

☆......☆......☆

مریم تو بہت دیر سے جاگی ہوئی تھی، لیکن بستر سے اُٹھنے کو جیسے دل نہیں چاہ رہا تھا۔ آخر کار بہت ہمت اکٹھی کر کے اُٹھی اور کھڑکیوں پر پڑے ہوئے بھاری پردے سرکا دیئے۔ تب اندازہ ہوا کہ اچھی خاصی دُھوپ چڑھ آئی تھی۔ مریم چند لمحے باہر جھانکتی رہی جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔ پھر وہ اپنا دوپٹہ بیڈ کے کنارے سے اُٹھا کر کندھے پر ڈالتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

اُس کا رُخ گیسٹ روم کی طرف تھا جہاں علینہ رات سے قیام پذیر تھی۔ گیسٹ روم کے دروازے پر پہنچ کر اُس نے بہت آہستہ دستک دی۔ اُس کا خیال تھا، اگر علینہ گہری نیند میں ہوئی تو دروازہ نہیں کھولے گی تو وہ واپس آجائے گی اور اگر وہ جاگ رہی ہوگی تو ہلکی سی دستک پر دروازہ کھول دے گی، اور یہی ہوا۔ علینہ نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔ اب وہ دونوں آمنے سامنے کھڑی ایک دوسرے کو دیکھ رہی ہیں۔

''میں ابھی تھوڑی دیر بعد آفس چلی جاؤں گی علینہ......! عدیل آفس جا رہے ہیں یا نہیں، مجھے نہیں معلوم۔ مگر وہ گھر میں ہیں۔ میرے جانے کے بعد تم دونوں گھر میں ہوگے۔ تم دونوں آرام سے بات چیت کر کے طے کر لو جو کچھ بھی آگے کرنا ہے۔''

علینہ نے بڑی اُلجھن اور حیرت سے مریم کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟ کیا طے کرنا......؟ میں کچھ سمجھی نہیں......!''

''ہاں......! تم بہت سیدھی اور معصوم ہو۔ تمہیں یہ مشکل باتیں ذرا دیر سے سمجھ آئیں گی۔ میں عدیل کو تمہارے لئے آزاد کر چکی ہوں۔ وہ میرا ساتھی نہیں ہے۔ تم لوگوں کی مرضی، جیسے چاہے زندگی گزارو۔ میری طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہوگی۔ میں اس بات کی ضمانت دیتی ہوں۔''

''تم پتا نہیں کیا سمجھ رہی ہو مریم......؟''

علینہ نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''عدیل میرا صرف ایک اچھا دوست ہے۔ پتا نہیں تم نے کیا کچھ سوچ لیا ہے......؟ جو کچھ تم نے سوچا ہے، ایسا کچھ نہیں ہے ہمارے بیچ۔''

وہ مسلسل نظریں چراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ مریم کے ہونٹوں پر ایک تلخ اور طنزیہ مُسکراہٹ اُبھری۔

''اپنے شوہر کو تم یقین دلاسکتی ہو تو دِلا دو۔ مجھ پر اپنے الفاظ مت ضائع کرو۔ نورانی تمہارا ناشتہ تمہارے کمرے میں پہنچا دے گا۔ خدا حافظ......!''

مریم نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا اور وہیں سے واپس مُڑ گئی۔ علینہ ادھ کھلے دروازے میں کسی مجسمے کی طرح کھڑی تھی جیسے کسی نے بڑی محنت سے بنائی ہو یہ تصویر۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم اور فیاض احمد بیہ کو لے کر اسلام آباد ٹھیک رات گیارہ بجے پہنچ گئے تھے۔ ناصر بہت بے قراری سے اپنی بیٹی کا انتظار کر رہا تھا۔ سلمٰی بیگم اور فیاض احمد نے جان بوجھ کر اُسے اپنے پہنچنے کا کوئی مقررہ ٹائم نہیں دیا تھا اور نہ ہی فلائٹ کا بتایا تھا۔ وہ جیسے اُسے اچانک بڑی خوشی دینا چاہتے تھے۔ وہ اُسے بے قراری اور انتظار کی اذیت نہیں دینا چاہتے تھے۔ وہ جیسے ہی گھر میں بیہ کے ساتھ داخل ہوئے تو ناصر نے بڑی بے یقینی کی کیفیت میں اپنی بیٹی کی طرف دیکھا تھا اور سب کچھ بھول کر بیہ کو اپنے سینے

سے لگالیا۔ اُس کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کو سینے سے لگا کر دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا تھا۔ اُس کی حالت تو یہ تھی کہ وہ سلمٰی اور فیاض کو سلام تک نہیں کر سکا تھا۔ کافی دیر تک بیہ کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھا رہا جیسے خود کو یقین دلا رہا ہو کہ اُس کے سینے سے اُس کی اپنی پیاری بیٹی لگی ہوئی ہے۔ وہ خواب نہیں دیکھ رہا ہے۔ مہرو نے بڑی سمجھداری سے ناصر کی توجہ سلمٰی بیگم اور فیاض احمد کی طرف دِلائی۔

''صاحب......! مہمانوں کو بیٹھنے کو تو کہہ دیں۔''

ناصر اب ایک دم بڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

''آئی ایم سوری......! سوری آنٹی......! السلام علیکم......! وہ میں بیہ کی وجہ سے اتنا اَپ سیٹ تھا کہ اُس کو ایک دم سامنے دیکھا ناں......''

''کوئی بات نہیں بیٹا......!''

فیاض احمد نے اس کی بات کو اُدھورا چھوڑ کر آگے بڑھ کر اُسے گلے سے لگالیا۔

''ہمیں تم سے کوئی گلے شکوے نہیں۔ ہم تو بیٹا......! تمہارے مجرم ہیں۔ تم ہمارے ساتھ اتنی شفقت سے بات کر رہے ہو، یہ بھی ہم پر تمہارا بہت بڑا احسان ہے۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہو انکل......؟ میں بھلا کیسے احسان کر سکتا ہوں......؟''

''بیٹا......! سمجھنے کی بات ہے۔ تم ہمیں اپنے گھر میں عزت دے رہے ہو، اچھی طرح بات کر رہے ہو، ہم تو اسے تمہارا احسان ہی سمجھتے ہیں۔''

سلمٰی بیگم بھی آہستہ آواز میں گویا ہوئیں۔

''نہیں آنٹی......! آپ نے میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ اس سارے معاملے میں آپ کا کیا قصور ہے......؟ میں کیوں آپ کو تکلیف دوں......؟ میں نے شروع میں ہی آپ سے کہہ دیا تھا، میں بہت جلد اپنے ماں باپ سے محروم ہو گیا تھا اور آپ میرے ماں باپ ہیں اور میں اپنی بات سے کبھی نہیں پھروں گا۔''

''شکریہ بیٹا......! تمہارا بہت بہت شکریہ......! اللہ تعالیٰ تمہیں سکون دے اور اس مسئلے کا کوئی حل نکلے۔''

سلمٰی بیگم نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔ فیاض احمد نے فوراً بے ساختہ انداز میں ''آمین'' کہا۔

''ہمیں تو بیٹا......! سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ تم بہتری کی طرف آ گئے ہو۔ تمہاری طبیعت پہلے سے بہتر ہے۔ خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو جاتا تو ہم اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کر پاتے۔''

فیاض احمد نے سر جھکا کر بڑے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

''جی انکل......!''

ناصر نے گہری سانس لی۔

''مجھے بھی یہی لگ رہا تھا کہ میں زندگی بھر مسکرا نہیں سکوں گا، مگر اندھیروں میں ایک اُجالا سا نظر آیا۔ نئے سرے سے زندگی کی قدر و قیمت کا احساس ہونے لگا۔''

وہ سنجیدگی سے بڑی معنی خیز انداز میں بولا اور ہاتھ کے اشارے سے سلمٰی بیگم اور فیاض احمد کو بیٹھنے کے لئے کہا۔

''بہت ہی خوشی کی بات ہے۔ یقین کرو کہ ہمیں تمہاری صحت اور بہتری سے بڑھ کر کچھ بھی عزیز نہیں، کیونکہ تمہارے ساتھ ہماری بیٹی نے زیادتی کی ہے، تو بیٹی ہونے کے ناطے ہم اس کا ذمہ تو رکھتے ہیں۔''

''نہیں......! ایسی بات نہیں ہے۔ جو کرتا ہے، اُس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ بہت اچھے ہیں۔ آپ نے ہمیشہ اپنی بیٹی کو عقل کی بات سکھائی۔ بعض دفعہ بہت بڑے بڑے مسئلے آئے، آپ نے اپنی بیٹی ہی کو سمجھایا اور مسئلے کا حل نکالا۔ میں کچھ بھولا نہیں ہوں انکل......! مجھے سب یاد ہے۔ لیکن اب میں بھول جانا چاہتا ہوں۔ میں زندگی میں آگے کی طرف دیکھنا چاہتا ہوں۔''

ناصر یہ کہہ کر اپنی پیشانی اُنگلیوں سے مسلنے لگا۔

''کچھ کچھ سمجھ آ رہی ہے زندگی کی انکل......! تیز دُھوپ میں بادل کے ٹکڑے کبھی کبھی آسمان پر نظر آنے لگتے ہیں اور بڑا اچھا امکان پیدا ہوتا ہے۔ اچھی اُمیدوں کے دروازے کھلتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے زمین کی پیاس ختم ہو رہی ہے۔''

''بہت ہی خوشی کی بات ہے بیٹا......! یقین کرو، دل و جان سے خوشی ہو رہی ہے کہ تم زندگی کی طرف پلٹ آئے ہو۔ تم نے خود کو سنبھال لیا ہے۔ ہم تمہارے ساتھ پل پل ہیں۔ اس بچی کے ناطے ہمارا تمہارا ایک رشتہ موجود ہے جو ہمیشہ قائم رہے گا، ٹوٹ نہیں سکتا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں آنٹی......! اللہ مجھے توفیق دے کہ میں آپ لوگوں کی محبتوں کا حق ادا کر سکوں۔''

ناصر خود کو سنبھالتے ہوئے بولا تھا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں اور اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے سلمٰی بیگم نے فیاض احمد کی طرف دیکھ کر گہرے سکون کا سانس لیا۔

☆......☆......☆

انعم بڑے آف موڈ میں بیٹھی تھی۔ سلمان اُس کے بالکل قریب صوفے پر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا تھا۔

''کیوں پریشان ہو رہی ہو میری جان......؟ صرف ایک ہفتے کی تو بات ہے۔''

''ایک ہفتے کی بات......؟ مہینہ بھی لگ سکتا ہے، وہاں تمہارا گھر ہے۔''

انعم اسی طرح آف موڈ میں بولی تھی۔

''تو کیا ہوا......؟ انہیں چھوڑ کر اب بھی تو آ تا رہا ہوں۔ ایسا کیا ہے جو تم اب اتنا شک کر رہی ہو......؟ جب اعتبار کیا ہے تو پورا کرو۔ ایسے اپنے آپ کو مت اُلجھاؤ۔ میں تمہارا ہوں، صرف تمہارا۔''

یقین دہانی کے اُس بھرپور انداز پر انعم نے اب ذرا ہلکی پھلکی ہو کر بڑے رُوٹھے رُوٹھے انداز میں مسکرا کر سلمان کی طرف دیکھا۔

''اعتبار تو ہے......!''

''جب اعتبار ہے تو پھر اگر مگر نہیں ہوتا۔ یہ اگر مگر کیا ہوتا ہے......؟ اعتبار ہے یا نہیں ہے......؟''

سلمان نے اُس کو بڑی گرم جوشی سے اپنے بازو میں لے کر زور سے بھینچا۔

"یار......! کچھ پیسہ ویسہ لے کر آؤں۔تمہارے لئے اچھا سا گھر خریدوں، گھر پیارا گھر، صرف تمہارا گھر، جس کے پیپرز پر تمہارا نام ہو، جس کی نیم پلیٹ پر تمہارا نام ہو۔"

انعم تو جیسے سنتے ہی ایک دم پھڑک اُٹھی اور اُسے سلمان پر ٹوٹ کر پیار آنے لگا۔

"تم کتنے شاندار ہو سلمان......! پتا نہیں ہمارے درمیان اتنی لمبی جُدائی کیوں آ گئی تھی......؟ ہم بچھڑے ہی کیوں تھے......؟ جبکہ ہم بنے ہی اِک دوسرے کے لئے تھے۔"

سلمان نے ایک دم برجستہ گرہ لگائی۔انعم نے جیسے نہال ہو کر اُس کے کندھے سے اپنا سر ٹکا دیا۔

"کوئی شک ہی نہیں......!"

اب وہ یوں مسکرا رہی تھی جیسے کئی دن گہرے بادل چھائے رہنے کے بعد تیز چمکیلی دُھوپ نکلی ہو۔

☆......☆......☆

نورانی گیسٹ روم میں ناشتے کے برتن سمیٹ کر ٹرالی میں رکھ رہا تھا۔علینہ بڑی کھوئی کھوئی کیفیت میں کمرے میں ٹہل رہی تھی۔نورانی جیسے ہی ٹرالی لے کر کمرے سے باہر نکلنے لگا، علینہ نے اُس کو متوجہ کیا۔

"سنو......! کیا نام ہے تمہارا......؟"

نورانی نے اُس کی طرف دیکھا اور بڑے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

"جی......نورانی......!"

"نورانی......! مجھے ایک فون کرنا ہے، اپنی mother کو۔"

پھر ایک طرف رکھے ہوئے فون سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"یہ ایکسٹینشن تو کام نہیں کر رہی، ڈیڈ پڑی ہے۔"

نورانی نے جواب دیا۔

"جی......! یہ خراب ہے۔آپ باہر لاؤنج میں آ کر کر لیں۔کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

علینہ یہ سن کر ذرا سا ہچکچائی۔پھر بولی۔

"وہ......گھر والے کیا کر رہے ہیں......؟"

نورانی بڑی سادگی اور لاپرواہی سے بولا۔

"بیگم صاحبہ تو اپنے آفس چلی گئی ہیں۔صاحب کا روم بند ہے۔وہ شاید سو رہے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ نکل گیا۔علینہ آہستہ قدموں سے اُس کے پیچھے چل پڑی۔نورانی کچن کی طرف بڑھ گیا۔علینہ لاؤنج میں داخل ہوئی۔پہلے اُس نے بڑے محتاط انداز میں اِدھر اُدھر نظریں گھما کر ماحول کا جائزہ لیا اور تسلی کر لینے کے بعد کہ اُسے وہاں کوئی نہیں دیکھ رہا، وہ بڑے سکون سے ہوم سیٹ کے قریب بیٹھ گئی۔اُس نے ریسیور اُٹھا کر کان سے لگایا اور نمبر ڈائل کرنے لگی۔ابھی اُس نے پورا نمبر ڈائل ہی نہیں کیا تھا کہ عدیل وہاں آ پہنچا۔علینہ اُس کو دیکھ کر بُری طرح سٹپٹائی اور اُس نے مارے بوکھلاہٹ کے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔عدیل اُس کو دیکھ کر حیران پریشان سا ہو گیا۔وہ جو آٹھ پہر اپنے سے بن کر ایک دوسرے سے باتیں

کر کے خوش ہوتے تھے، آج ایک دوسرے کے سامنے یوں تھے جیسے ان کے درمیان کوئی تعلق ہی نہ رہا ہو، ایک دوسرے سے انجان ہوں۔ اُن کے پاس ایک دوسرے سے کرنے کے لئے کوئی بات نہ تھی بلکہ عدیل کے چہرے پر تو جیسے ناگواری کے تاثرات آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ علینہ چند لمحے تو انتظار کرتی رہی کہ وہ کچھ کہے، کچھ بولے، لیکن اُس کی گہری خاموشی نے بالآخر اُسے بولنے پر مجبور کر دیا۔ لہجے میں ہلکی سی خفگی بھی تھی۔

"کتنے اجنبی سے لگ رہے ہو......؟"

عدیل جیسے اُس کی آواز سن کر ماحول میں واپس آگیا۔ اُس نے علینہ کی طرف سے رُخ پھیر لیا۔

"تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا علینہ......! میری پوزیشن بہت awkward ہوگئی ہے۔"

علینہ کی تو آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہ وہ عدیل تو نہیں تھا جس سے دوستی کی سزا وہ اُٹھا رہی تھی۔ بلکہ وہ تو اپنے کے وجود پر اُس کی دوستی کی پکی مہر کے طور پر واضح تھی۔ وہ تو اُس دوستی کی مہریں لگوا کر اس گھر میں داخل ہوئی تھی اور وہ کہہ رہا تھا کہ اُسے یہاں نہیں آنا چاہئے......؟ وہ اُس کا دوست ہے۔ اس بُرے وقت میں اُسے اس کی مدد کرنی چاہئے، نہ کہ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ اُسے یہاں آنا ہی نہیں چاہئے......؟ اس بُرے وقت میں میری یہ مدد نہیں کرے گا تو پھر میں کہاں جاؤں گی......؟

وہ عدیل کی طرف صدمے کی کیفیت میں دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"تمہیں میری پریشانی کا احساس نہیں عدیل......؟ تمہیں صرف اپنی پوزیشن کی فکر لگی ہوئی ہے......؟"

بالآخر اُس نے شکوہ کر ہی دیا۔ عدیل نے اُس کی طرف ایک نظر دیکھا تھا پھر اسی طرح رُخ موڑے بولا۔

"دیکھو علینہ......! تمہیں وہاج کے پاس جانے کا راستہ رکھنا چاہئے۔ اگر تم یہاں رہو گی تو قیامت تک تمہاری پوزیشن گری رہے گی۔ تم تو ایک شک کو یقین بنا رہی ہو۔ اپنی اس بے وقوفی کا احساس ہے تمہیں......؟"

عدیل اب اجنبی اور بڑے چڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ عدیل کی بات سن کر علینہ کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ اُبھری۔

"وہاج کے پاس جانے کا راستہ ہوتا تو میں کبھی اماں کی بات مان کر یہاں نہ آتی۔"

"تم نے کیوں مانی اماں کی بات......؟"

عدیل نے اُس کی بات کاٹ کر بُری طرح جھنجلا کر سوال کیا۔

"بس تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ اپنی بیوی کی نظر میں دو کوڑی کی حیثیت نہیں رہی میری، اور تم سمجھ نہیں رہی ہو۔"

"اُسی بیوی کی وجہ سے تو یہ سب کچھ ہوا ہے۔ جس بیوی کی نظر میں پوزیشن بنانے کی تمہیں فکر لگی ہوئی ہے۔"

علینہ اب بُری طرح پھٹ پڑی اور دانت پیس کر بولی۔

"وہ کیوں آئی تھی میرے گھر......؟ پہلے تم سے بات کرتی، اُسی نے چاروں طرف آگ لگائی ہے، اب اپنے کئے کا مزہ وہ خود چکھے گی۔"

"نہیں......! غلطی ہماری تھی۔"

"ہاں......! اب تو تم یہی کہو گے۔ اس لئے کہ جب انسان کو پتا چلتا ہے کہ اُس کا دوست کسی مشکل میں ہے اور وہ اُس

کے ساتھ مخلص نہیں ہوتا تو پھر اُس کے پاس اِسی طرح کی باتیں ہوتی ہیں۔ پھر دوست دوست سب بھاڑ میں چلے جاتے ہیں۔ اُسے اپنی بیوی کی فکر لگ جاتی ہے۔ عدیل......! میں برباد ہوگئی اور میری اِس بربادی کی سو فیصد ذمہ دار تمہاری وہ بیوی ہے جس کی نظر میں تم اپنی پوزیشن بنانا چاہتے ہو۔ بجائے اس کے کہ تم اُس کو لعن طعن کرتے، احساس دلاتے کہ اُس نے کیسی آگ لگائی ہے، تمہیں اُسی کی فکر پڑی ہوئی ہے......؟ اور میں یہاں زخم زخم تمہارے سامنے کھڑی ہوئی ہوں، تمہیں میری کوئی فکر نہیں ہے......؟ تم کتنا بدل گئے ہو عدیل......! وہ بھی چند دنوں میں......؟''

''میں نہیں بدلا علینہ......! ہم اچھے دوست تھے، ہمارے درمیان ایسا کچھ نہیں تھا کہ آج میں تم سے شادی کرنے کا سوچوں، جیسے کہ مریم کہہ رہی ہے۔''

''اچھا......! یہ بھی مریم کہہ رہی ہے......؟ واہ بھئی واہ......! بڑی عجیب ہے۔ یہ تم اپنی بیوی کے نمبر بنانے کے لئے اپنی طرف سے تو ایسی باتیں نہیں کہہ رہے......؟ کوئی پاگل عورت ہی ہوگی جو ہوش و حواس میں اپنے شوہر سے کہے کہ جاؤ کہیں اور اپنا ٹھکانہ بنالو، یا اپنی مرضی کی کسی عورت سے شادی کرلو۔''

''تم نے خود دیکھا نہیں کہ وہ کس طرح بات کررہی تھی مجھ سے......؟ کیا تمہیں محسوس نہیں ہوا تھا کہ وہ مجھ سے ذہنی اور جسمانی علیحدگی اختیار کرچکی ہے......؟''

''ہاں......! کچھ کچھ محسوس تو ہوا تھا۔ میں نے یہی سوچا، وہ مجبور کررہی ہے، لیکن عدیل......! میں کچھ بھی مجبور نہیں کر رہی۔ میرے جسم پر زخموں کے نشان تم دیکھ رہے ہو۔ یہ اُس دوستی کی قیمت ہے جو میں نے چکائی ہے۔ جس دوستی پر مجھے بڑا مان تھا، اُس نے مجھے چکنا چور کردیا۔''

''علینہ......! سمجھنے کی کوشش کرو۔ مریم کے ساتھ میری سوشل باؤنڈنگ ہیں۔ میں تمہارے ساتھ شادی نہیں کرسکتا اور میں تمہاری کوئی مدد بھی نہیں کرسکتا۔ تمہیں وہاج کے پاس جانا ہوگا۔''

''اچھا......! اُس کے یہ دیئے ہوئے زخم بھی تمہارے سامنے ہیں۔ اس کے باوجود تم مجھے یہ مشورہ دے رہے ہو......؟''

''ہاں......! کوئی بھی مرد غصے میں اس طرح کی حرکت کرسکتا ہے......''

''جان سے مار رہا تھا وہ مجھے۔''

علینہ نے ایک دم عدیل کی بات کاٹ دی۔

''تو پھر تم اپنی ماں کے ساتھ چلی جاؤ۔ تم اپنی ماں کے ساتھ جاؤ گی تو تمہارا بھائی، تمہاری ماں تمہاری بہتری کے لئے سوچیں گے اور تمہارے لئے کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالیں گے۔ پلیز علینہ......! تم مریم کے واپس گھر آنے سے پہلے یہاں سے چلی جاؤ۔ خدا کے لئے، چلی جاؤ۔''

عدیل یہ کہہ کر بڑی تیزی سے لاؤنج سے نکل گیا۔ علینہ دُکھ، صدمے اور حیرت کی کیفیت سے گھنے جنگلوں میں بھٹک رہی تھی۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون کمر پر دونوں ہاتھ رکھے فوزیہ کو یوں گھور رہی تھی جیسے اُن کے درمیان نسلوں کی دُشمنی ہو۔ اُن کی آنکھوں میں

خون اُترا ہوا تھا۔ ماسی برکتے چھپ کر دونوں ساس بہو کی باتیں سُن رہی تھی اور اپنا راشن پانی اکٹھا کر رہی تھی۔ ساتھ ساتھ سوچ رہی تھی کہ آج اُس نے کیا رول پلے کرنا ہے......؟

شکیلہ خاتون بُری طرح سے فوزیہ پر گرج رہی تھیں۔

''تمہارا کوئی حق نہیں بنتا کہ اب تم اُس گھر میں رہو۔ تمہیں خود شرم آنی چاہئے۔''

فوزیہ نے ناگواری چھپانے کے لئے چہرہ موڑ لیا۔

''مجھے کیوں شرم آنا چاہئے تائی اماں......؟ مجھے میرا قصور تو بتائیں تائی اماں......! آپ نے جو بھی فیصلہ کیا ہے، اُن کے سامنے سنا دیجئے۔ اُن کی غیر موجودگی میں آپ مجھے جو کچھ بھی کرنے کے لئے کہیں گی، وہ میں نہیں کر سکتی۔ اگر عارف اس فیصلے پر اتفاق کرتے ہیں، پھر میرا یہاں رہنے کا کیا جواز بنتا ہے......؟ جس کے نام پر یہاں بیٹھی ہوں، جب وہی مجھے یہاں دیکھنے پر رضامند نہیں ہوگا تو پھر میں یہاں کیوں رہوں گی......؟ لیکن میں عارف کی غیر موجودگی میں آپ کا کوئی حکم نہیں مانوں گی۔''

فوزیہ نے حوصلہ کر کے شکیلہ خاتون کو صاف صاف جواب دے دیا۔

''ارے......! وہ مجھے کیوں کہے گا یہاں سے جانے کے لئے......؟ اُسے تو، تو نے جادو ٹونے کر کے اپنا غلام بنا لیا ہے۔''

شکیلہ خاتون اپنی حکم عدولی پر جیسے ہتھے سے اُکھڑ گئیں۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ ذرا سا رُعب دکھا کر شور مچا کر فوزیہ کو یہاں سے نکالنے پر کامیاب ہو جائیں گی۔

''آپ نے کون سے جادوگروں کے پاس بیٹھے دیکھا ہے مجھے......؟''

فوزیہ نے سنجیدگی اور ہلکی سی خفگی کا مظاہرہ کیا۔ شکیلہ خاتون زور سے دھاڑیں۔

''زبان چلاتی ہے مکار......! سو فرہی مرے تھے تو تو پیدا ہوئی تھی۔''

اوٹ میں کھڑی ہوئی ماسی برکتے نے مسکرا کر اپنا سر ہلایا، جیسے شکیلہ خاتون کی بات سے بہت مزہ آیا۔

''میری بیٹی کو اُجاڑ کر میرے ہی گھر میں راج کرنا چاہتی ہے......؟ تجھے تو میں سمجھ لوں گی اچھی طرح۔''

وہ دانت پیستے ہوئے فوزیہ سے مخاطب ہوئیں۔

''خدا کا خوف کریں تائی اماں......! کیوں اتنے الزامات لگا رہی ہیں......؟ بلکہ الزامات بھی نہیں بہتان......؟''

''ہیں......؟ ارے......! کیسی ہمارے منہ کو آ رہی ہے......؟ تجھے اپنی اوقات نہیں پتا......؟ وٹے سٹے میں بیاہی ہوئی ہے۔ ارے......! تجھے معلوم ہے ناں برادری کا قانون وٹے سٹے کا مطلب کیا ہوتا ہے......؟ جب ایک طرف طلاق ہوتی ہے تو دوسری طرف خود بخود طلاق ہوتی ہے۔ بڑی آئی کہیں سے، زبان دیکھو ذرا ڈھائی ہاتھ کا ڈنڈا، بولے چلی جاتی ہے، بولے چلی جاتی ہے، بدذات کہیں کی۔''

وہ بڑبڑانے لگیں۔ ایک تو سب سے بڑا ملال اُن کو اپنی ناکامی کا تھا۔ وہ تو بڑے اعتماد سے میدان میں اُتری تھیں کہ وہ آج کی تاریخ میں فوزیہ کو گھر سے نکال کر ہی دم لیں گی۔ لیکن وہ تو بڑی پکی دکھائی دی۔ وہ تو ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں اور نہ ہی وہ شکیلہ خاتون سے خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔

''چل جا کر اپنا کام کر، تیری منحوس صورت دیکھ دیکھ کر ہی تو یہ دن دیکھنے کو آئے ہیں۔ منحوسوں کی صورت دیکھو تو بوری

زندگی منحوس ہوکر رہ جاتی ہے۔"
اب اُن کا اور تو کوئی بس نہ چلا تو اُنہوں نے مغلظات بکنا شروع کر دیئے۔ فوزیہ نے اِسی میں عافیت سمجھی کہ وہ فوراً سے پیشتر سامنے سے ہٹ جائے۔

☆......☆......☆

"مریم......! تم بہت پچھتاؤ گی۔ بہت بڑی حماقت کی ہے تم نے۔"
سبین، سلمٰی بیگم کے گھر مریم سے ملنے آئی ہوئی تھی۔ اُسے مریم ہی نے بلایا تھا۔ وہ یونیورسٹی سے سیدھی چلی آئی تھی۔ وہ اب مریم کی ساری بات سن کر حیران پریشان اپنا سر پکڑ کر بیٹھی تھی۔ پھر خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔
"او مائی گاڈ......! تم نے اُس لڑکی کو اپنے گھر پر ٹھہرا لیا......؟ عدیل کے ساتھ اُسے اکیلا چھوڑ کر آ گئی......؟ میرے خدایا......! کچھ ہوش کی دوا کرو۔"
"رات کے اندھیرے میں اُس کی ماں میرے گھر جو لے آئی تھی۔ کیا کرتی پھر میں......؟ وہ عدیل کا گھر ہے اور وہ عدیل سے ہیلپ لینے کے لئے آئی تھی۔"
"وہ تمہارا گھر بھی ہے۔"
سبین نے تیزی سے اُس کی بات کاٹ دی۔
"تمہاری اجازت کے بغیر کوئی عورت وہاں قیام کرنے نہیں آ سکتی۔"
"جب گھر والا ہی میرا نہیں تو گھر کیسے میرا ہو گیا......؟ وہ تو ایک وقتی مصلحت ہے۔ چھوڑ دوں گی وہ گھر بھی۔ نانا جان کی وجہ سے بہت احتیاط کرنا پڑ رہی ہے ورنہ تو پتا نہیں میں کیا کچھ کر کے دکھا بھی چکی ہوتی......؟"
مریم غم و غصّے کی کیفیت میں کہہ رہی تھی۔ اُسی وقت بشر علی لان میں داخل ہوئے تھے۔ سبین اُنہیں دیکھ کر خود کو سنبھال کر ایک دم اُٹھ کھڑی ہوئی۔
"السلام علیکم دادا جان......!"
"اوہو......! بھئی وعلیکم السلام......! سبین بھی آئی ہوئی ہے۔ جیتی رہو بیٹا......! جیتی رہو، بیٹھو بیٹا......!"
وہ بڑے شفیق انداز میں سبین سے مخاطب ہوئے۔
"بس......! میں نے سوچا، بہت دن ہو گئے ملاقات ہی نہیں ہو پا رہی، نہ سلمٰی پھپھو سے، نہ مریم سے۔ پھر جب میں نے سنا کہ آپ بھی واپس آ چکے ہیں تو میں نے سوچا، آج تو مجھے چلے جانا چاہئے۔ مریم بھی وہیں ہے۔ سب سے ایک ساتھ ملاقات ہو جائے گی۔"
سبین اپنی دِلی کیفیت چھپا کر بڑی خوش دِلی سے بات کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
"ہاں......! بہت اچھا کیا۔ بھئی......! ملتے جلتے رہنا چاہئے۔ یہ بھی اخلاقی فرائض میں شامل ہے اور زندگی کا کیا بھروسہ......؟ بس جس کسی سے ملیں، اُس سے اچھی طرح بات کر لیں۔ سمجھے یہ مہلت بھی بہت ہے۔ اب تو بس منزل پر آ گئے ہیں کہ موت کو زیادہ یاد کرتے ہیں، زندگی تو کم کم یاد آنے لگی ہے۔"

بشر علی مزاحیہ انداز میں جیسے اپنے بچوں کا دل بہلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر ان کو ایک دم جیسے کوئی خیال آیا۔ اُنہوں نے مریم کی طرف دیکھا۔

''آج تم آفس نہیں گئی مریم......؟''

''نہیں نانا جان......! آج میں ایک اور جاب کے لئے انٹرویو دینے گئی تھی، اس لئے آفس سے چھٹی کی تھی۔ انٹرویو دے کر جلدی فارغ ہو گئی تو آپ سے ملنے آ گئی۔ گیارہ تو وہیں بج گئے تھے۔''

''نئی جاب......؟ مگر کیوں......؟ اُس جاب میں کیا بُرائی تھی جو نئی جاب کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی......؟''

''نہیں نہیں......! جاب تو یہ بھی بُری نہیں ہے نانا جان......! بس یہ کہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی سے کال آ گئی تو سوچا، یہاں ترقی کے زیادہ چانسز ہیں اور اپنی ڈگری کو utilise کرنے کا زیادہ کھل کر موقع ملے گا۔ تو سوچا، ٹرائی کر کے دیکھتے ہیں۔''

مریم نے اپنے اندر کے تمام طوفانوں کے دروازے جو اندر کی طرف کھلتے تھے، بند کرتے ہوئے ہنس ہنس کر اپنے پیارے نانا کو جواب دیا۔

''گڈ......! بہرحال تم نے اچھا ہی سوچا ہو گا۔ مجھے تم پر بہت اعتماد ہے۔ تم بہت سوچ سمجھ کر قدم اُٹھاتی ہو۔ شکر ہے مالک کا، میں تو شکر ادا کرتا ہوں، ماشاءاللہ......! میری مریم میں بہت......''

اُسی وقت انابی حواس باختہ سی اندر داخل ہوئیں اور بولیں۔

''شیخ صاحب سب لوگوں کے لئے سوچ رہے ہیں اور اچھا سوچ رہے ہیں۔ اپنا بھی کچھ سوچ لیں۔ صبح کا حلوہ بنا ہوا رکھا ہے آپ کے لئے، ویسے کا ویسا دھرا ہے۔ اتنی محنت کی اور آپ نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔''

''ارے بھئی......! اس عمر میں باداموں کے ہریرے کھا کر کیوں بادام ضائع کریں......؟ میں نے کون سا پاکستان کا سالانہ بجٹ بنانا ہے......؟ دماغ ماری کرنی ہے......؟''

سلمٰی بیگم بھی ہنستے ہوئے۔

''پاپا......! یہ بہت غلط بات ہے۔ آپ کو اپنی صحت کا ذرا بھی خیال نہیں۔ رات آپ نے......''

مریم نے بہت پیار بھری خفگی کے ساتھ بشر علی کی طرف دیکھا۔

''نانا جان......! یہ مجھے کیا رپورٹس مل رہی ہیں......؟''

''ارے نہیں......! ان لوگوں کو تو بس ایسے ہی شکایتیں رہتی ہیں۔ اب سو باتیں ماننا ضروری تو نہیں ناں......! ننانوے مان لیتا ہوں۔ ایک نہیں مانتا تو اتنا شور نہیں کرنا چاہئے ناں......!''

بشر علی نے بات ہنسی میں اُڑائی۔ سبین، بشر علی کی طرف دیکھتے ہوئے مریم سے مخاطب ہوئی۔

''مریم......! تم دادا جان کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھو۔ یہ صرف تمہاری بات مانتے ہیں۔''

''آں......؟''

مریم نے چونک کر ایک دم سبین کی شکل دیکھی۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی سبین کیا کہہ رہی تھی......؟ وہ ایک دم ٹپٹا سی گئی۔ وہ کیسے بشر علی کو اپنے گھر لے جانے کا سوچ سکتی تھی......؟ وہ گھر جو طوفانوں کی زد میں تھا۔

''ہاں سبین......!تم نے بہت اچھی بات کی۔ میں بھی سوچ رہا تھا کچھ دن مریم کے پاس رہ لوں لیکن یہ بہت busy ہوگئی ہے۔روزانہ یا جلدی جلدی آنے کا ٹائم نکال نہیں سکتی۔چلو سارا دن تو اخبار پڑھتے ہوئے،آرام کرتے ہوئے اور نمازیں پڑھتے ہوئے کٹ جائے گا۔شام کو تو کم سے کم اس سے بات چیت رہے گی۔جب سے آیا ہوں،بس اس کا انتظار ہی کرتا رہتا ہوں۔''

انابی نے جھٹ اپنا بٹوہ نکالا،اُس کی ڈوریاں ڈھیلی کیں اور بولیں۔

''بالکل ٹھیک......!سبین بیٹا نے بالکل ٹھیک بات کی ہے۔کیوں سلمیٰ......؟ مریم ہی سنبھال سکتی ہے شیخ صاحب کو،بچے ہی بن گئے ہیں بالکل۔''

''انابی......!اس گھر میں اب دو ہی تو بچے ہیں،ایک میں اور دوسری آپ،اور سچ پوچھیں تو ہر وقت پانوں کے بٹوے سے کھیلتی ہوئی مجھے تو آپ بیہ سے بھی چھوٹی بچی لگتی ہیں۔''

بشرعلی کی اس بات پر انابی شرما کر دُہری ہوگئیں اور تھوڑی دیر پہلے کی سوگوار فضاء ہلکے ہلکے قہقہوں اور مدہم مدہم ہنسی کی آوازوں سے خوش گوار ہوگئی۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون،علینہ سے ملنے عدیل کے گھر پہنچ چکی تھیں اور گیسٹ روم میں بیٹھی ہوئی اُس کے ساتھ کھسر پھسر میں مصروف تھیں۔

''اماں......! میں آپ کو سچ بتا رہی ہوں،عدیل نے کبھی بھی مجھ سے شادی کرنے کی کوئی بات نہیں کی۔ہمارے درمیان تو یہ شادی وادی کا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ اور دوسرے لوگ پتا نہیں کیا بات لے آئے ہیں......؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی اماں......!میں عدیل سے شادی کی بات اس لئے کروں کہ ہمارے درمیان کبھی اس طرح کی بات ہوئی ہو یا ہمارا کوئی اس طرح کا پروگرام بنا ہو......؟ ہم نے مستقبل میں......''

''بس بس......!چپ کر......!''

شکیلہ بیگم نے علینہ کی بات کاٹ دی۔

''ارے......!عدیل تو کھلاڑی ہے۔تیری عقل پر پتھر پڑے ہیں۔یہ تو دس لڑکیوں کو ایک ہی وقت میں بے وقوف بناتا ہوگا۔''

''نہیں اماں......!اتنا تو مجھے پتا ہے کہ عدیل کی صرف مجھ سے دوستی ہے۔''

شکیلہ بیگم نے علینہ کی بات سن کر زور سے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

''ارے......!یہ عورت مرد کی دوستی کا کیا مطلب ہے......؟ میری سمجھ میں نہیں آتی یہ بات۔پہلے دوستی ہوتی ہے،تھوڑی دوستی آگے بڑھتی ہے پھر اس کے بعد شادی کی باتیں شروع ہوجاتی ہیں اور عورت مرد کی دوستی کا مطلب کیا ہے بھئی......؟ میں تو اَن پڑھ،جاہل ہوں۔وہاج تو پڑھا لکھا ہے،اُسے یہ بات سمجھ میں آجانا چاہئے۔وہ کیوں اعتراض کررہا ہے......؟ وہ بھی تو بڑے سوٹ ووٹ پہن کر،ٹائیاں وائیاں لگا کر محفلوں میں بیٹھتا ہے۔یونیورسٹیوں،کالجوں کے پروفیسروں سے ملتا ہے۔خود

بھی یونیورسٹی کا پڑھا ہوا ہے۔"

شکیلہ خاتون ایک تواتر سے بولتی گئیں۔

"سب کچھ تو بتا دیا ہے اماں......! آپ کو، پھر بھی آپ اس طرح کی بات کر رہی ہیں......؟"

"تو بچی ہے، وہ تجھ سے پیچھا چھڑانے کے لئے ڈرامہ کر رہا ہے۔ اُس کے ہاتھ بس بہانہ لگ گیا ہے۔ سچی بات ہے، میں نے تیری بات پر یقین کیا۔ میری بچی ایسی نہیں ہے۔ اس نے کوئی غلط حرکت نہیں کی ہوگی۔ وہ تو کسی بہانے موقع کی تاک میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کا کسی عورت کے ساتھ چکر ہے، جیسے ہی اُسے ایک بہانہ ملا، اُس نے پتا صاف کیا اور تیرے اُوپر الزام تراشیاں کر کے تجھے راستے سے ہٹا دیا اور تجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔ سیدھی سی بات یہ ہے، اُس کی بہن تیرے بھائی کے گھر میں ہے۔"

شکیلہ خاتون گویا ہوئیں۔

"وہ تجھے ہاتھ سے پکڑ کر تو گھر سے نہیں نکال سکتا۔ اُسے تو کوئی بہانہ چاہئے تھا ناں......! اتنی سی بات بھی سمجھ نہیں آ رہی تجھے......؟"

"نہیں اماں......! وہاج کا کسی عورت کے ساتھ کوئی چکر نہیں ہے۔ نہ شادی سے پہلے، نہ شادی کے بعد۔"

علینہ نے ماں کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا۔

"تو اِن مردوں کو نہیں جانتی علینہ......! گنوں کے پورے ہوتے ہیں۔ کسی سے سائی کسی سے بدھائی، دو کے ساتھ دوستیاں نبھا رہے ہوتے ہیں، چار کو آسرے میں رکھے ہوتے ہیں اور پتا نہیں کتنی چھپی ہوئی دوستیاں ہوتی ہیں جن کی اللہ کی مخلوق کو کبھی کانوں کان خبر ہی نہیں ہوتی۔ تجھے اِن مردوں کا کیا پتا......؟"

شکیلہ خاتون ایک دم چڑ کر بولیں۔

"اماں......! مگر وہاج......"

علینہ نے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"بس چپ......! جیسے کہہ رہی ہوں، ویسا کر۔ خبردار......! اگر اس گھر سے نکلی۔ خوار ہو جائے گی اس گھر سے نکل کر۔ عدیل اگر تجھے جانے کو بولے تو اُس کی بیوی کو بتا دینا، آسرا نہیں کرنا۔"

شکیلہ خاتون نے یکے بعد دیگرے کئی مشوروں سے علینہ کو نوازا۔

"اب میں چلتی ہوں۔ وہ کٹنی گھر میں بیٹھی ہوئی ہے۔ ایک کی چار لگا دے گی عارف کو۔ رات بھی اس قدر چیخ رہا تھا کہ میں تجھے کیا بتاؤں......؟ پتا نہیں کون سے پیر کے پاس جاتی ہے......؟ ایسا پکا کام کروایا ہے کہ میرا بیٹا میرے ہاتھ سے گیا۔ اپنا خیال رکھنا اور اس جگہ کو نہیں چھوڑنا، میں پھر آؤں گی، سمجھ گئی......؟"

اُنہوں نے پھر کھسر پھسر کے انداز میں کہا اور اپنا پرس اُٹھا کر بغل میں دبایا اور تیزی سے گیٹ کی طرف نکل گئیں۔

☆......☆......☆

فوزیہ شاپنگ کے بہانے گھر سے نکل کر سیدھی وہاج کے گھر پہنچی اور وہاج کا اُجڑا ہوا حال دیکھ کر بہت دُکھ کی کیفیت میں

اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''بھائی......!علینہ کہاں ہے......؟''

''بتا تو دیا فوزیہ......!صابر بتا رہا تھا وہ اپنی ماں کے ساتھ چلی گئی۔''

''لیکن وہ تائی اماں کے ساتھ گھر نہیں آئی۔ میں آپ کو سچ بتا رہی ہوں۔ تائی اماں اکیلی آئی تھیں۔''

''تو پھر اُنہی سے پوچھو۔ مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو......؟''

''میں کسی سے نہیں پوچھوں گی۔ میں صرف آپ سے پوچھوں گی۔''

فوزیہ نے ترکی بہ ترکی وہاج کو جواب دیا۔ پھر نظریں جھکا کر بڑی افسردہ لہجے میں بولی۔

''وہاج بھائی......! آپ کی وجہ سے میرا گھر جل رہا ہے۔''

''تم پریشان مت ہو فوزیہ......! عارف کو سب پتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرے گا اور نہ کوئی زیادتی ہونے دے گا۔ تم اطمینان رکھو۔''

''عارف پندرہ سولہ گھنٹے تو گھر سے باہر ہوتا ہے۔ تائی اماں میری زندگی کی ایک ایک سانس بھاری کر دیں گی۔ آپ کو پتا ہی ہے، وہ کس مزاج کی ہیں......؟ اور علینہ کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ مجھ سے ایک لمحے بھی نرم پڑ کر بات کریں۔ اُنہوں نے تو مجھے گھر سے نکلنے کا کہہ دیا تھا۔ میں ہی نہیں نکلی۔ میں نے اُن کو کہہ دیا کہ آپ نے جو بھی بات کرنا ہے، عارف کے سامنے کریں۔ اگر عارف مجھے گھر سے جانے کا کہیں گے تو میں چلی جاؤں گی۔''

''تو تم عارف کو بتا دو، جو کچھ بھی تائی اماں تم سے بات کریں، تم فوراً عارف کو بتا دو، عارف کے علم میں لاؤ۔ عارف سے کچھ چھپانے کی کوشش مت کرنا، ورنہ تائی اماں تمہیں کوئی بہت بڑا نقصان بھی پہنچا سکتی ہیں اور عارف کا اعتماد بھی نہ اُٹھے۔ کوئی ضرورت نہیں ہے عارف سے کچھ چھپانے کی۔''

وہاج کے چہرے پر وحشت ٹپک رہی تھی اور لہجے میں نفرتوں کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔

''جس کا کیا ہے، وہ خود بھگتے گا۔ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔''

وہ تیز تیز سانس لیتے ہوئے خود کلامی کی کیفیت میں کہہ رہا تھا اور دیوانوں کی طرح ایک جملہ کہہ رہا تھا۔

''جس نے جو کیا ہے، وہی بھگتے گا۔ جس نے جو کیا ہے، وہی بھگتے گا۔''

فوزیہ اُس کی اس کیفیت سے ایک دم حواس باختہ ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''بھائی......! آپ کو کیا ہو گیا ہے......؟ آپ ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں جاتے......؟ آپ کو علاج کی ضرورت ہے۔''

''میرا دماغ خراب ہو گیا ہے فوزیہ......! آئندہ تم یہاں مت آنا۔''

''جی......؟''

فوزیہ نے ہکا بکا ہو کر وہاج کی شکل دیکھی۔

''تم اپنے گھر جاؤ۔ اپنے گھر سے اچھی جگہ عورت کے لئے کوئی نہیں ہے۔ جاؤ اور جب تک میں تمہیں یہاں نہ بلاؤں، تم مت آنا۔ خدا حافظ......!''

آن کی آن میں وہاج جیسے اجنبی بن گیا تھا اور فوزیہ صدمے سے چور لب بستہ کھڑی تھی۔

☆......☆......☆

ناصر حسین بہت آس اور اُمید کے ساتھ آج اُجالا کی خاطر ہسپتال آیا تھا، لیکن اُسے سخت مایوسی ہوئی۔ ریپشنسٹ نے ٹکا سا جواب دے دیا۔

''آج تو مس اُجالا کا آف ہے سر......! آپ کل تشریف لائیں۔''

ناصر تھوڑی دیر کے لئے اُلجھا، پھر اُسے ایک نئی بات سوجھی۔

''اصل میں، وہ میری ایک امانت ہے مس اُجالا کے پاس۔ میرا مطلب ہے، میری ایک بہت قیمتی گھڑی۔ وہ چیک اَپ کے دوران میں نے اُن کے ہینڈ اوور کی تھی۔ وہ مجھے لینا ہے اُن سے۔''

''سسٹر اُجالا کے پاس سے کوئی چیز کہیں نہیں جاتی۔ بہت careful ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں کہہ رہی ہوں ناں، آپ کل تشریف لے آئیں۔''

''وہ اصل میں مجھے اُس گھڑی کی عادت ہے اور مجھے اپنی اُس گھڑی کے بغیر بہت پریشانی ہو رہی ہے۔''

ناصر بھی جیسے جو کچھ ٹھان کے نکلا تھا۔ اس سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''وہ یہیں نرسنگ ہوسٹل میں ہی تو رہتی ہوں گی، مجھے صرف اُن کا روم نمبر بتا دیجئے۔''

''آئی ایم سوری سر......!''

ریپشنسٹ نے اسی طرح سرد مہر انداز میں behave کیا۔

''اُن کا اپنا اپارٹمنٹ ہے۔ وہ یہاں نہیں رہتی۔''

''میں تو آپ کا patient ہوں۔ ویکلی ٹیسٹ کے لئے بہت عرصے تک آتا رہوں گا۔ کوئی اجنبی تو نہیں ہوں۔ مس اُجالا میری نرس تھیں۔ اُنہوں نے بہت اچھی طرح میری دیکھ بھال کی ہے اور ظاہر ہے، میں جب ہسپتال آؤں گا......''

''وہی تو میں نے کہا ہے، اب تو آپ ہسپتال آتے رہیں گے۔ مس اُجالا سے بھی ملنا ہو جائے گا اور لے لیجئے گا اپنی گھڑی۔''

''اصل میں، میں دو تین دن نہیں آ سکوں گا۔ میرے آفس کے کچھ معاملات ایسے چل رہے ہیں کہ میں ٹائم نہیں نکال پاؤں گا۔ آپ پلیز......! اُن کا ایڈریس دے دیجئے، آئی ریکویسٹ یو......!''

اب ریپشنسٹ نے عاجز ہو کر ناصر کی طرف دیکھا۔

''ٹھیک ہے سر......! میں اُن کے اپارٹمنٹ کا ایڈریس آپ کو دے دیتی ہوں، لیکن پلیز......! آپ اُنہیں یہ نہیں بتائیے گا کہ یہ ایڈریس میں نے آپ کو بتایا۔''

''میں اُس کا وعدہ کرتا ہوں، ایسا نہیں ہوگا کہ آپ کو کوئی پریشانی اُٹھانا پڑے میری وجہ سے۔''

''ٹھیک ہے سر......!''

ریپشنسٹ یہ کہہ کر تیزی سے قلم چلانے لگی۔ وہ اُجالا کے اپارٹمنٹ کا ایڈریس لکھ رہی تھی۔

ناصر کے چہرے پر کامیابی اور خوشی کے آثار نے ایک چمک سی پیدا کر دی تھی۔

☆......☆......☆

سلمان کو گئے ہوئے آج تیسرا دن تھا۔انعم انتظار کی سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔اُس کے چہرے کی شادابی ماند پڑی ہوئی تھی۔ بڑے اُداس اور بے کیف دن گزر رہے تھے۔اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ باقی کے چار پانچ دن کیسے کٹیں گے......؟ وہ بڑے بے زار موڈ اور بجھے بجھے انداز میں بالوں میں برش چلا رہی تھی۔اُس کا ذہن سلمان سے ہٹ کر کچھ نہیں سوچ رہا تھا۔سلمان جیسے اُس کی پوری ہستی پر چھا چکا تھا۔آٹھ پہر اُسی کے خیال میں ڈوبی رہتی تھی۔ایک بہترین اور شاندار زندگی کے خواب دیکھتی رہتی تھی۔من پسند زندگی،خوشیوں سے بھری زندگی جس کا بندوبست کرنے کا سلمان کہہ کر گیا تھا۔وہ اپنے خیالات میں گم تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔اس کے ساتھ ہی کال بیل بجنے لگی۔انعم جلدی سے اُٹھ کر لاؤنج میں آئی اور دروازے کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی بڑے محتاط انداز میں پوچھا۔

''کون......؟''

کیونکہ عابد کی طرف سے اُسے بہت کھٹک رہنے لگی تھی،اس لئے اب وہ بہت احتیاط کرتی تھی۔

''میں ہوں،زوہا۔آپ سے ملنے آئی ہوں۔''

انعم حیران پریشان تھی کہ زوہا نام تو اُس نے پہلی دفعہ سنا تھا۔یہ زوہا کون ہے......؟ وہ اُلجھی اُلجھی سی دروازے کی طرف بڑھی۔

''جی......! آپ کس سے ملنے آئی ہیں......؟''

اُس نے اپنی تسلی کے لئے ایک مرتبہ پھر پوچھا۔

''جی میں آپ سے ملنے آئی ہوں،آپ انعم ہیں ناں......؟''

''ارے......! یہ تو واقعی مجھ سے ملنے آئی ہے......؟''

اس نے یہ سوچا اور فوراً دروازہ کھول دیا۔لیکن وہ بُری طرح بدک کر پیچھے ہوئی تھی،جیسے اُسے چار سو چالیس کا کرنٹ چھو گیا ہو،کیونکہ ایک لڑکی کے ساتھ سلمان کے دوست عابد اور یاسر بھی تھے۔

زوہا،انعم کی کیفیت،نظر چُرا کر مسکرا کر بڑی انجان سی بن کر پوچھنے لگی۔

''ہم لوگ دومنٹ آپ کے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں......؟''

انعم نے فوراً خود کو سنبھالا اور اپنی ناگواری چھپاتے ہوئے فوراً مسکرائی۔

''جی جی......!''

وہ پیچھے ہٹ گئی اور اُن کو اندر آنے کا راستہ دیا،کیونکہ اکیلا عابد نہیں تھا،اُس لئے پریشانی اتنی بڑی نہیں تھی،لیکن اُلجھن ضرور تھی کہ وہ تینوں اُس کے پاس کیوں آئے ہیں......؟

''آپ بڑی حیران ہو رہی ہیں......؟ اس میں حیرانی کی کیا بات ہے......؟ میں بھی آپ کی طرح سلمان کی دوست ہوں۔وہ اور بات ہے کہ اس سے پہلے میری اور آپ کی ملاقات نہیں ہوئی۔''

''اوہ......!''

اب اُس نے سر سے پاؤں تک زوہا کا ناقدانہ انداز میں جائزہ لیا۔

''سلمان نے کبھی آپ کا مجھ سے ذکر نہیں کیا۔اسی وجہ سے سمجھ نہیں آ رہی کہ......کہ......''

''کوئی بات نہیں،کوئی بات نہیں......!''

زوہا نے بیچ میں سے اُس کی بات اُچک دی۔

''ضروری نہیں کہ سلمان اپنی ہر دوست کا ذکر آپ کے ساتھ کرے،اور پھر میں اُس کی عام دوست تو ہوں نہیں،جیسے آپ ہیں،اور دوسری اُس کی گرل فرینڈز ہیں۔مجھے پتا ہے،اُس کی اور بھی گرل فرینڈز ہوں گی،لیکن میری اور سلمان کی اسپیشل دوستی ہے۔ہماری اسپیشل فرینڈ شپ ہے۔سمجھ رہی ہیں ناں آپ......؟وہ فرینڈ شپ جس کا انجام شادی ہوتا ہے۔''

انعم نے ایک دم ٹپٹا کر ہکا بکا سی ہو کر زوہا کی طرف دیکھا۔

''شادی......؟''

''شادی کوئی بہت انوکھا کام ہے جو آپ اتنی حیران ہو رہی ہیں......؟''

زوہا،عابد کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

''جی......؟''

انعم اِسی طرح shocked کھڑی تھی۔

''ارے بھئی......!آپ تو سلمان کی best friend ہیں۔آپ تو ہماری شادی میں specially invited ہوں گی۔''

زوہا نے یہ کہہ کر زبردست قہقہہ لگایا۔عابد اور یاسر نے بھی اُس کا بھرپور ساتھ دیا۔اب انعم کو چکر سے آنے لگے تھے۔

☆......☆......☆

اُجالا اپنے اپارٹمنٹ کا مین دروازہ کھولے حیران پریشان کھڑی ناصر حسین کو دیکھ رہی تھی۔اُسے جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔وہ پلکیں جھپکنا بھول چکی تھی۔وہ ایک ٹک ناصر حسین کو دیکھے جا رہی تھی۔ناصر حسین اُس کی کیفیت دیکھ کر نظریں چُرا کر مسکرا دیا۔

''آپ اتنا حیران کیوں ہو رہی ہیں......؟میں آپ کا patient،ناصر حسین......!''

''جی......!''

اُجالا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔پھر اُس کے چہرے پر ایک دم پریشانی کی کیفیت طاری ہو گئی۔وہ نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''جی......!وہ یہ کہ......آپ......''

وہ بے ربط سی ہو گئی جیسے اُسے کچھ سمجھ نہ آ رہی ہو کہ وہ ناصر حسین سے کیا سوال کرے......؟

''کیا اندر بیٹھ کر دو منٹ بات ہو سکتی ہے......؟''

ناصر حسین نے بہت محتاط انداز میں نرم سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر پوچھا۔ اُجالا نے ایک مرتبہ پھر بُری طرح چونک کر اُس کی شکل دیکھی۔ اب اُس کی آنکھوں میں خوف اور اندیشے بہت نمایاں دکھائی دے رہے تھے۔

''جی...... جی نہیں......! سوری......! میں آپ کو اندر آنے کے لئے نہیں کہہ سکتی، اور اس کے لئے میں بہت معذرت خواں ہوں۔ اس وقت میں ڈیوٹی پر جا رہی ہوں۔ آپ پلیز کل OPD ٹائم تشریف لائیے۔ میں patient سے گھر پر بات نہیں کرتی، allow نہیں ہے۔''

اُجالا نے سٹپٹائے ہوئے انداز میں بے ربط الفاظ کے ساتھ بمشکل اپنی بات پوری کی اور کھٹ سے دروازہ بند کر دیا۔

دروازے کے اس پار ناصر حسین حیران پریشان کھڑا تھا۔ اُسے کچھ سمجھ نہیں آئی۔

''اندر نہیں بلا سکتی تھی تو یہاں بھی کون سا وہ ٹھیک سے بات کر پا رہی تھی......؟ وہ اُسے دیکھ کر اتنی ڈسٹرب کیوں ہو رہی تھی......؟''

وہ اُلجھن میں پڑ گیا۔

''شاید مجھے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ اُس نے مائنڈ کیا ہے۔ لیکن پھر مجھے کیا کرنا چاہئے تھا......؟''

ناصر حسین کے ذہن میں فوراً سوال اُبھرا اور وہ تھکے تھکے قدموں سے واپسی کی طرف پلٹ گیا۔

☆......☆......☆

مریم رات کو بڑی ڈبل مائنڈڈ سی گیسٹ روم میں آئی تھی، جہاں علینہ اس وقت قیدِ تنہائی کاٹ رہی تھی۔ وہ مریم کو دیکھ کر فوراً بستر سے نیچے اُتر آئی اور کچھ فکرمند اور پریشان نظروں سے اُس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ مریم اُس کی طرف بڑی چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اُس نے بڑے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

''تم نے عدیل سے بات کی......؟''

علینہ نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

''نہیں......! میری اُس سے کوئی بات نہیں ہوئی، ہماری ملاقات ہی نہیں ہوئی۔''

مریم نے پلٹ کر علینہ کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے تلخ لہجے میں گویا ہوئی۔

''میں صبح جلدی چلی گئی تھی۔ تمہیں موقع دیا تھا، پھر بھی تم نے اُس سے بات نہیں کی......؟''

علینہ نے اُس کی طرف دیکھا اور آہستہ آواز میں بولی۔

''میں نے تم سے کب کہا تھا کہ مجھے موقع دو یا مجھے عدیل سے بات کرنی ہے......؟''

مریم نے اُلجھی ہوئی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا ہی تھا کہ دروازے پر کسی نے اطلاعی گھنٹی بجائی تھی۔ مریم گھنٹی کی آواز سن کر چونک پڑی۔

''اس وقت پتا نہیں کون آ گیا......؟ میں دیکھتی ہوں۔ نورانی پتا نہیں گھر میں ہے یا باہر گیا ہوا ہے......؟''

وہ خود کلامی کے انداز میں بولتی ہوئی جا رہی تھی۔ ساتھ ہی اُس نے نورانی کو آواز بھی دی تھی۔

''نورانی......! دیکھو گیٹ پر کون ہے......؟ میرا خیال ہے، نورانی سودا لینے گیا ہوا ہے۔''

اُس نے سوچا اور خود ہی گیٹ کی طرف چل پڑی۔علینہ جاتی ہوئی مریم کو پلکیں جھپکائے بغیر بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔مریم اُلجھی ہوئی گیٹ تک آئی تھی اور اُس نے گیٹ کھول دیا تھا،لیکن اُسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔خلافِ توقع سامنے بشر علی کھڑے مسکرا رہے تھے۔اُس کے چہرے پر ایک لمحے کو گھبراہٹ سی طاری ہوئی اور اُس نے پلٹ کر اپنی بیک پر دیکھا،پھر سنبھل کر زبردستی مسکرائی۔

''السلام علیکم نانا جان......! آپ نے فون بھی نہیں کیا اچانک آ گئے......؟''

''وعلیکم السلام......! جیتی رہو بیٹی......! بھئی......! ہم تمہیں سرپرائز دینا چاہتے تھے۔بہت بوریت ہوئی۔تمہارے بغیر تو اب اُس گھر میں دل نہیں لگتا۔بس یہ سوچا،بیٹھ کر مریم کے ساتھ کافی پیتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں،بس نکل کھڑے ہوئے۔''

بشر علی ہنستے ہوئے بولے۔مریم نے حیران ہو کر اُن کی پشت پر دیکھا۔

''اکیلے آئے ہیں یا کوئی ساتھ آیا ہے......؟''

اُس نے ایک طرف ہو کر بشر علی کو اندر آنے کا راستہ بھی دیا اور سوال بھی کیا۔

''بھئی......! تمہاری ماں اپنے کام سے باہر جا رہی تھی۔میں نے کہا،تم مجھے مریم کے گھر ڈراپ کر دو۔بس وہ مجھے ڈراپ کر کے چلی گئی۔''

''تو امی آئیں کیوں نہیں......؟ تھوڑی سی دیر کے لئے تو اندر آ جاتیں،باہر سے باہر ہی چلی گئیں۔''

مریم پھر اُلجھی۔

''ارے......! اُس کی کوئی میٹنگ ویٹنگ تھی۔ویسے ہی لیٹ ہو رہی تھی۔بہت جلدی میں تھی۔''

اسی لمحے نورانی شاپر لئے اندر داخل ہوا تھا اور بشر علی کو سلام کیا۔

''نورانی......! یہ میرے نانا جان ہیں۔''

مریم نے نورانی سے بشر علی کا تعارف کروایا۔

''اِن کا یہ بیگ اندر لے آؤ اور گیٹ بند کر دو۔''

وہ نورانی کو حکم دے کر بشر علی کا بازو تھام کر لاؤنج کی طرف بڑھی۔

''بھئی......! اندر کہاں رکھو گے......؟ اتنا بڑا گھر ہے ماشاءاللہ......! گیسٹ روم تو ہو گا ناں،سیدھا گیسٹ روم تک پہنچا دو۔''

بشر علی نے نورانی سے کہا۔

''گیسٹ روم......؟''

مریم کا دل جیسے دھک کر رہ گیا۔

''نہیں نہیں......! گیسٹ روم میں تو آج کل فرنیچر پر تھوڑا پالش وغیرہ کا پروگرام بنایا ہے،سارا بکھرا ہوا ہے۔مگر آپ پریشان نہ ہوں۔آپ کو رہنے کے لئے کمرہ مل جائے گا۔ڈونٹ وری......!''

مریم،بشر علی کا بازو تھام کر پھیکی سی ہنسی سے بولی۔

''اچھا اچھا......!وہ تو ہمیں بھی پتا ہے۔ہم بالکل پریشان نہیں ہیں۔گیسٹ روم نہیں تو کوئی اور روم ہوگا۔روم تو ہوگا ہی، ماشاءاللہ اتنا بڑا گھر ہے۔اللہ اس گھر کو ہمیشہ ہنستا بستا اور آباد رکھے۔''

بشرعلی نے دُعائیہ کلمات کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے مریم کی طرف دیکھا۔مریم بشرعلی کو لے کر جیسے ہی لاؤنج میں داخل ہوئی،سامنے سے ہی علینہ،نورانی کو آواز دیتی ہوئی نظر آ گئی۔مریم کے سامنے تو جیسے سات آٹھ آسمان گول گول گھومنے لگے۔ٹانگیں کانپ سی گئیں۔

''یہ کیوں یہاں آ گئی......؟اس کو کیا کام پڑ گیا نورانی سے......؟''

مریم دل ہی دل میں جل بھن کر سوچ رہی تھی۔

''اوہو بھئی......!اور مہمان بھی آئے ہوئے ہیں......؟ماشاءاللہ،ماشاءاللہ......!بھئی......!یہ تمہاری سسرالی رشتے دار ہوں گی یقیناً،ہم تو پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔''

بشرعلی کی نظر بھی علینہ پر پڑ چکی تھی۔علینہ،بشرعلی کو مریم کے ساتھ دیکھ کر بُری طرح گھبرا گئی تھی۔اُس نے جلدی سے بشرعلی کو سلام کیا تھا۔

''السلام وعلیکم......!''

''وعلیکم السلام......!بھئی......!تعارف تو کراؤ،یہ کون ہیں......؟عدیل کی فرسٹ کزن ہیں،سیکنڈ کزن ہیں یا تمہاری کوئی نند وغیرہ ہیں......؟''

''نہیں نانا جان......!یہ میری دوست ہیں،علینہ......!''

''علینہ......!یہ میرے نانا جان ہیں۔''

''اچھا اچھا......!تمہاری دوست ہے۔بھئی واہ......!آج کل تو تمہارے بڑے مزے ہیں کہ تمہاری دوست آئی ہوئی ہے۔واہ بھئی واہ......!ہم تو سمجھ رہے تھے تم بور ہو رہی ہو۔تم نے بتایا نہیں۔واہ......!تم نے بتایا ہی نہیں کہ تمہاری کوئی دوستی بھی آئی ہوئی ہے۔''

''بس......!وہ شاید میں بھول گئی تھی۔''

''آہ......!یہ کہاں سے آئی ہیں بیٹا......؟اسی شہر میں رہتی ہیں یا کہیں اور سے آئی ہے......؟''

بشرعلی اپنی چھڑی فرش پر ٹکاتے ہوئے بڑی احتیاط سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''جی نانا جان......!یہ لوگ بہت عرصہ پہلے مڈل ایسٹ چلے گئے تھے۔بس آ جاتی ہے کبھی کبھار۔ان کے یہاں رشتے دار وغیرہ ہیں،آنا جانا تو رہتا ہے۔''

''اچھا اچھا......!ارے بھئی......!بیٹھو بیٹا......!کھڑی کیوں ہو......؟''

علینہ گھبرا کر مریم کی طرف دیکھنے لگی۔

''ہاں ہاں......!علینہ......!بیٹھ جاؤ۔نو پرابلم......!یہ میرے نانا جان ہیں اور میرے دوست بھی ہیں،اور پتا نہیں کیا کیا ہیں......؟''

''بھئی......! تم تو پتا نہیں کیا کچھ بنا چکی ہو۔ لیکن یہ مریم جو ہے ناں، بس یہ مریم ہماری جان ہے۔ اس طوطی میں ہماری جان ہے۔ یہ ہنستی ہے تو ایسا لگتا ہے ساری دُنیا میں خوشیاں ہی خوشیاں ہیں۔ اس کی آنکھ میں آنسو ہوتے ہیں تو لگتا ہے ساری دُنیا پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ ہم تو صبح شام دُعا کرتے ہیں کہ یا اللہ......! ہماری بیٹی کو ہمیشہ ہنستا بستا رکھنا۔ اسے کبھی کوئی دُکھ نہ دینا۔''

بشر علی بڑے شفیق انداز میں مریم کی طرف دیکھ کر دُعائیہ کلمات کہہ رہے تھے۔ مریم کا دل ڈوب ڈوب گیا اور علینہ کے دل کا چور اُسے مزید تنگ کرنے لگا۔

''میں...... میں آپ کے لئے نانا جان......! بہت اچھی سی کافی بنا کر لاتی ہوں۔''

''وہ اصل میں، میں بھی چلتی ہوں۔ actually میں اپنے کپڑے پریس کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں آ جاؤں گی، excuse me''

علینہ اس خیال سے کہ مریم کے جانے کے بعد اُسے بشر علی کے پاس اکیلے بیٹھنا ہے، وہ پہلے سے بھی زیادہ گھبرا گئی۔ اُس نے جانے کے لئے مریم سے پہلے قدم بڑھا دیئے۔ بشر علی نے کھوجتی ہوئی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ اُن کے ہونٹوں پر دھیمی دھیمی مسکراہٹ تھی مگر وہ کچھ بولے نہیں۔ علینہ تیزی سے نکل گئی تھی۔ مریم آہستہ قدموں سے کچن کی طرف جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون ماسی برکتے کے کان میں کھسر پھسر کر رہی تھیں۔

''پکا کر کے آئی ہوں، ورنہ وہ تو ضد کر رہی تھی، اماں......! مجھے ساتھ لے چلیں، میں نہیں رُکتی یہاں۔''

ماسی برکتے نے شکیلہ خاتون کی یہ بات سنتے ہی دونوں ہاتھ اُٹھائے اور زور زور سے انکاریہ انداز میں ہلاتے ہوئے بولی۔

''چوہدرانی جی......! یہ غلطی نہ کرنا۔ عارف صاحب نہیں چھوڑیں گے۔ وہ غصّے میں ہیں۔ توبہ توبہ......! ہر وقت انگارے چباتے رہتے ہیں۔ اب تو مجھے بہت ڈر لگتا ہے، گھر میں جب آپ نہیں ہوتیں۔ میں نے سوچا، کہیں ایسا نہ ہو۔ کبھار پر بس نہ چلا اور گدھیا کے کان اینٹھے۔ کہیں مجھے نہ کچھ کہہ ڈالیں۔ میرے اُوپر ہی نہ بندوق خالی کر دیں۔''

''ارے چل ہٹ......! پاگل زمانے بھر کی۔ تیرے اُوپر کیوں بندوق خالی کرنے لگا......؟ تیرے منہ میں خاک......! اللہ نہ کرے ایسے دن آئیں۔''

''میں تو آپ کو یہ بتا رہی ہوں، آپ تو چلی جاتی ہیں، باقی نظارے تو میں ہی دیکھتی رہتی ہوں۔ ارے......! بات بات پر چلّانے لگتے ہیں۔ پتا نہیں کیا ہو گیا ہے......؟ پہلے بھی غصہ تو کرتے تھے مگر اتنا نہیں۔''

ماسی برکتے نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''بس......! تو فکر نہ کر، سویرا ہوتے ہی شاہ سائیں سے تعویز لینے جاؤں گی۔ بڑے پیسے والے لوگ ہیں۔ تعویز کرا دوں گی تو وہ جو مریم کا میاں ہے، علینہ کا کلمہ پڑھے گا اور مریم کو تو ایسے نکال کے گھر سے باہر پھینکے گا جیسے مکھن سے بال نکالتے ہیں۔ جوتی کی نوک پر رکھے گا مریم کو۔''

ماسی برکتے نے دانت نکالے اور بڑے ہی جذبے کے ساتھ جیسے اُس کی کوئی دل کی مراد پوری ہونے کی خبر آئی ہو، بولی۔

''انشاءاللہ......!''

پھر بڑا بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

''وہاج صاحب نے تو حد ہی کر دی۔ ایسے نازوں سے پالی بچی کا کیا حال کر دیا......؟ اللہ پوچھے گا، آپ دیکھئے گا۔''

''اللہ تو پوچھے گا سو پوچھے گا، اُس سے تو میں پوچھوں گی۔ جب بہن جا کر بیٹھے گی دہلیز پر، تب اُسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوگا۔ ابھی تو پتا نہیں کس ہوا میں ہے وہ......؟''

شکیلہ خاتون نے دانت کچکچا کر جیسے وہاج کی تصور ہی تصور میں ہڈیاں چبا رہی ہوں۔ پھر کہا۔

''ایسوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔''

ماسی برکتے نے اپنی مالکن کے ساتھ سو فیصد اتفاق کیا۔ شکیلہ خاتون کو ایک دم خیال آیا اور انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے۔

''آئے ہائے......! میرے تو پیروں تلے زمین سرک گئی، جب علینہ نے کہا، عدیل اُسے اِدھر سے جانے کو کہہ رہا ہے۔ دیکھا تو نے برکتے مردوں کے ڈھنگ......؟''

''آئے ہائے......!''

ماسی برکتے نے فوراً اپنے کانوں کی لوؤں کو چھوا۔

''بس چوہدرانی جی......! مردذات کا کچھ بھروسہ نہیں۔ اس لئے تو کہتے ہیں، مرد تکیے کا سانپ ہے، کوئی اعتبار نہیں۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہے تو......!''

شکیلہ خاتون نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''میری بیٹی کو پٹیاں پڑھا رہا تھا۔ جب اُس پر بُرا وقت پڑا تو طوطے کی طرح آنکھیں پھیرنے لگا۔ اُس سے بھی نمٹ لوں گی۔ شاہ سائیں کا ایک تعویذ ہی کام کر دے گا۔ فراڈیہ کہیں کا۔ شکیلہ خاتون کی اولاد کو دھوکہ دینے چلا تھا۔ ارے......! میں شکیلہ خاتون ہوں، قبر تک پیچھا نہیں چھوڑتی۔''

شکیلہ خاتون نے سینے پر ہاتھ مار کر بڑے فخریہ انداز میں کہا۔ ماسی برکتے نے یوں خوش ہو کر دیکھا جیسے وہ اپنی نہیں ماسی برکتے کی تعریف کر رہی ہوں۔

☆......☆......☆

ناصر نے بہت زور سے مہرو کو آواز دی تھی۔

''مہرو......!''

مہرو کے ہاتھ سے تو جیسے برتنوں کی ٹرے چھوٹتے چھوٹتے بچی تھی۔ اُس کی ٹانگیں بُری طرح کانپنے لگیں۔ وہ وہیں سے زور سے چلا کر بولی۔

''آ رہی ہوں صاحب......!''

وہ ٹرے رکھ کر جیسے سر پر پاؤں رکھ کر بیڈروم کی طرف دوڑی اور سامنے کا نظارہ دیکھ کر تو جیسے اُس کے چھکّے ہی چھوٹ گئے۔ ناصر اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑے بستر پر آڑا ٹیڑھا لیٹا مچھلی کی طرح جیسے تڑپ رہا تھا اور اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے دبا رہا تھا۔ مہرو حواس باختہ سی اُس کے قریب پہنچی۔

''جی صاحب......! کیا ہو گیا صاحب......؟ آپ کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ آپ نے کیا دوا نہیں لی تھی صاحب......؟''

وہ بے قرار انداز میں اِدھر اُدھر سے ناصر حسین کو دیکھنے لگی۔ ناصر اپنا سر زور سے دباتے ہوئے بولا۔

''مہرو......! میرا سر پھٹ جائے گا۔ ڈرائیور سے کہو، پھول خان سے کہو کہ مجھے ہسپتال جانا ہے ورنہ میں سو جاؤں گا، جلدی کرو۔''

مہرو تو اتنا سن کر بُری طرح سے دوڑی۔ شاید وہ زندگی میں اتنا تیز نہیں دوڑی تھی۔ وہ سرپٹ دوڑتی ہوئی گیٹ تک پہنچی تھی اور وہ دوڑتے ہوئے پھول خان کو زور زور سے پکار رہی تھی۔

''پھول خان......! پھول خان......! صاحب کی طبیعت خراب ہے۔ جلدی سے آؤ......! جلدی سے آؤ......! گاڑی نکالو......! صاحب کو اُٹھاؤ......!''

وہ بولتی چلی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

''بھئی......! یہ تمہاری دوست کہاں چلی گئی......؟ اُسے بلاؤ، وہ ہمارے ساتھ کافی نہیں پیئے گی کیا......؟''

بشر علی ٹرے میں صرف دو کافی کے مگ دیکھ کر بڑی حیرت سے مریم سے پوچھ رہے تھے۔ مریم نے فوراً نظریں چرائیں اور زبردستی مُسکرائی۔

''نہیں نانا جان......! وہ حیرت انگیز طور پر کافی کی شوقین نہیں ہے۔ بالکل بھی کافی نہیں پیتی، چائے بھی بہت کم پیتی ہے۔''

''ارے......! تو پھر ویسے ہی ہمارے ساتھ بیٹھ جاتی۔ کافی نہیں پیتی تو ویسے ہی ہمارے ساتھ نہیں بیٹھ سکتی کیا......؟''

''وہ ابھی آپ کے سامنے کہہ کر گئی ہے ناں کہ وہ اپنے کپڑے پریس کر رہی ہے، میرے خیال میں وہ اپنا کام کر رہی ہے۔ کوئی بات نہیں، صبح ناشتے پر ملاقات ہو جائے گی۔ کل دن میں ملاقات ہو جائے گی۔ میں تو آفس چلی جاؤں گی۔ ظاہر ہے، وہ گھر پر آپ کو کمپنی دے گی اور وقت اچھا کٹ جائے گا۔''

''ہاں بھئی......! یہ تو تم نے خوب کہا۔ واقعی تم نہیں ہو گی تو تمہاری دوست تو موجود ہو گی۔ بڑا اچھا دن گزر جائے گا۔ دیکھنے میں بھی بہت اچھی بچی لگ رہی ہے۔ کیوں نہ ہو......؟ آخر تمہاری دوست ہے۔''

بشر علی نے مسکرا کر محبت بھری نظروں سے مریم کی طرف دیکھا۔

''جی نانا جان......!''

''ارے بھئی......!ایک مخلص دوست بھی بہت بڑی نعمت ہے اس دُنیا میں۔آج کل تو خلوص اپنوں سے اُٹھتا جا رہا ہے، اور اس بچی کو دیکھو،تمہاری خاطر اتنی دُور کا سفر کر کے آئی ہے۔تم سے ملنے آئی ہے۔بیٹا......!زندگی میں اچھے دوستوں کی ہمیشہ قدر کرنا،کیونکہ اچھے دوست نصیب سے ملتے ہیں،ڈھونڈنے سے نہیں ملتے۔''

''جی نانا جان......!''

مریم کے اُوپر قیامتیں بیت رہی تھیں اور وہ دل کے مریض نانا کے سامنے مسکرانے پر مجبور تھی۔

''یہ عدیل میاں کیا روزانہ ہی لیٹ ہو جاتے ہیں......؟یا آج ہی لیٹ ہوئے ہیں......؟''

بشر علی کو اچانک خیال آیا۔

''جی بس......!وہ زیادہ تر لیٹ ہو جاتے ہیں۔آپ پریشان نہ ہوں۔بس وہ آتے ہی ہوں گے۔پلیز......!آپ کافی پئیں۔ٹھنڈی ہو رہی ہے۔''

مریم نے اُن کی توجہ اِدھر اُدھر سے ہٹا کر کافی کے مگ کی طرف مبذول کروائی۔

''اوہو بھئی......!ٹھیک ہے......!اس کافی کی خاطر تو ہم نے اتنی تگ و دو کی ہے۔اُدھر سے اُٹھ کر یہاں آ گئے ہیں کہ کافی تو مریم کے پاس ہی جا کر پئیں گے۔''

''ہاں......!میں تو آپ سے کھانے کے متعلق پوچھنا ہی بھول گئی نانا جان......!''

مریم اپنی غائب دماغی کی کیفیت کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے تمام حواس مجتمع کر رہی تھی۔

''ہاں بھئی......!کھانا تو ہم عشاء کی نماز سے پہلے ہی کھا لیتے ہیں۔کھانا وانا ہم کھا چکے ہیں۔تم بے فکر رہو،بلکہ تم یہ بتاؤ، تم لوگوں نے کھانا وانا کھا لیا ہے......؟تم نے اور تمہاری دوست نے......؟لیکن شاید تم عدیل کا انتظار کر رہی ہو۔تم نے ابھی کھانا نہیں کھایا ہوگا۔خالی پیٹ نانا کے ساتھ کافی پینے بیٹھ گئی۔''

بشر علی کافی کا مگ اُٹھاتے ہوئے بولے۔

''نہیں نانا جان......!actually مجھے بھوک بھی نہیں ہے۔شام کو ویسے ہی کچھ پیٹیز وغیرہ چائے کے ساتھ لے لئے تھے،ابھی تک بھوک نہیں ہے،اور آپ اپنی میڈیسن وغیرہ لائے ہیں ناں،بھول کر تو نہیں آ گئے......؟''

مریم نے فوراً دوسری بات شروع کر دی۔اس سے قبل کہ بشر علی دوبارہ عدیل کا ٹاپک شروع کرتے۔

''نہیں بھئی......!میں تو بھول جاتا ہوں،مگر وہ تمہاری ماں،وہ اس معاملے میں بہت خیال کرتی ہے۔اُس نے پورا میرا بیگ چیک کیا۔کون سی دوا رکھی ہے......؟کون سی بھول گیا ہوں......؟پورا بندوبست کر کے آیا ہوں۔تم بالکل بے فکر رہو۔بس سونے سے پہلے ایک ٹیبلٹ کھانا باقی ہے۔باقی تمام دوائیں کھانے کے بعد لے چکا ہوں۔باقی ناشتے کے بعد لینی ہیں۔تم بالکل relax رہو۔میری دوائیں میرے ساتھ ہیں اور اس وقت میں بہت خوش ہوں۔ماشاءاللہ......!بہت پیارا تم نے اپنے گھر کو سجایا ہوا ہے۔دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہو گئی۔اللہ نظرِ بد سے بچائے۔''

بشر علی یہ کہہ کر کافی کے سِپ لینے لگے۔مریم کے سینے سے ہوک اُٹھ رہی تھی۔اندر جیسے آنسوؤں کا سمندر بھرا ہوا تھا لیکن قیامت یہ تھی کہ جو سب سے زیادہ قریب اُس کو جاننے والا تھا اور وہ اُسی کو اپنے دل کا حال نہیں کہہ سکتی تھی۔اپنے اُوپر پڑنے

والی اُفتاد بیان نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دُکھ جو اُسے اندر ہی اندر کاٹتے رہتے تھے، اُن دُکھوں کا ہلکا سا اشارہ بھی اُس کے پیارے نانا کے لئے خدانخواستہ جان لیوا ہو سکتا تھا۔ اُسے یہ قیامتوں کے بوجھ اکیلے ہی اُٹھانا تھے۔

☆......☆......☆

ناصر ایمرجنسی میں بیڈ پر آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ اُجالا اُس کا بی پی چیک کر رہی تھی۔

''آپ پلیز......! آستین تو اُوپر کریں ناصر......! یہ آپ کو کیا ہو گیا......؟ آپ تو ہسپتال سے ٹھیک ٹھاک گئے تھے......؟ شاید آپ نے ریگولر میڈیسن نہیں لیں......؟ یہ تو بچوں والی حرکتیں ہیں۔ آپ کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔''

وہ سرنج تیار کرنے کے لئے ٹرالی کی طرف مُڑ گئی اور بی پی apparatus رکھتے ہوئے ناراض ناراض لہجے میں گویا ہوئی۔

''مجھے انجکشن نہیں لگوانا مس اُجالا......!''

اُجالا نے پلٹ کر ناصر کی طرف دیکھا اور مسکرائی۔

''وہی بچوں والی ضد......! انجکشن نہیں لگوانا تو ہسپتال کیا سیر و تفریح کرنے آئے ہیں......؟ پارک سمجھا ہوا ہے کیا......؟''

وہ خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک پروفیشنل نرس کی طرح بڑی اپنائیت سے ناصر سے بات کر رہی تھی۔

''مجھے کوئی تکلیف ہو گی تو انجکشن بھی لگوا لوں گا۔ فی الحال مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔''

ناصر کے ہونٹوں پر بڑی لطیف اور شریری مسکراہٹ تھی۔ اُجالا بُری طرح چونک کر پلٹی۔

''کیا مطلب......؟''

ناصر کے لب و لہجے و انداز نے اُسے بہت سے اندیشوں میں مبتلا کر دیا۔ وہ پریشان ہو گئی تھی اور بہت کچھ جان کر بھی جیسے اَنجان بن رہی تھی۔

''آپ کیا سمجھ رہی ہیں، یہ جو آپ نے انجکشن مجھے لگائے ہیں، میں ان سے ٹھیک ہوا ہوں......؟''

ناصر نے اُجالا کی طرف دیکھ کر سوالیہ لہجے میں کہا۔

''تو......تو......آپ......؟''

اُجالا ایک دم سٹپٹا سی گئی۔ وہ ناصر کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی، کیونکہ ناصر کی طرف دیکھنے کا مطلب یہ تھا کہ اُس نے ناصر پر ظاہر کر دیا کہ وہ اُس کے پیغامات وصول کر چکی ہے جو کہ وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''یہ زیادتی ہے ناصر صاحب......! کم از کم آپ کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔''

اُجالا نے خفا خفا لہجے میں ناصر کو لتاڑا۔

''آپ میری بات نہیں سُنیں گی تو میں اُس ہسپتال میں اِسی طرح شور مچا مچا کر آتا رہوں گا۔''

اُجالا نے بڑی بے بسی اور پریشانی کی کیفیت میں ناصر کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

''مجھے آپ سے ایسی اُمید نہیں تھی ناصر صاحب......!''

ناصر اُس کی بات سن کر ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ اُس نے اُجالا پر سے اپنی نظریں ہٹا لیں اور سامنے دیوار کی طرف گھورنے

لگا۔ چند لمحے وہ جیسے کچھ تانے بانے بنتا رہا پھر بڑی سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''مس اُجالا......! میرے بیڈ روم میں ہر وقت ایک بھرا ہوا پسٹل رکھا رہتا تھا۔ ایک گولی میرے اور میری بیٹی کے درمیان آ جاتی تھی۔ ہسپتال سے ڈِسچارج ہو کر جب میں گھر گیا تو جاتے ہی میں نے اپنا وہ پسٹل خالی کر دیا۔ آپ مجھ سے پوچھیں کہ کیوں......؟ لیکن آپ کیوں مجھ سے پوچھیں گی......؟ میں خود ہی بتا دیتا ہوں۔''

ناصر یہ کہہ کر دھیرے سے ہنسا اور گہری سانس لے کر دوبارہ بولا۔

''اس لئے مس اُجالا......! صرف اس لئے کہ مجھے گھپ اندھیروں کے اُس پار اُجالا سا نظر آنے لگا ہے۔''

ناصر کے اتنے صاف صاف بات کرنے اور اپنے احساسات ظاہر کر دینے پر اُجالا ایک دم سوگوار سی ہو گئی۔ اب وہ پریشان نہیں تھی بلکہ دُکھ کی کیفیت میں ڈوبی ہوئی کچھ سوچ رہی تھی۔ ناصر اپنی بات کے اثرات اُس کے چہرے پر دیکھنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ وہ پلکیں نہیں جھپک رہا تھا۔ اُس کی نظریں اُجالا کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ اُجالا نے ناصر کی طرف سے پشت کر لی۔

''میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔ ناصر صاحب......! آپ میرا یقین کریں۔ جو خواب آپ نے دیکھنا شروع کر دیئے ہیں، ان خوابوں سے پیچھا چھڑا لیں۔ کیونکہ ان خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں۔ بے تعبیر خواب دیکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

''میں کیسے آپ کی بات پر یقین کر لوں......؟ مجھے تو کوئی ایسی بات یا وجہ نظر نہیں آ رہی جو میں اتنی آسانی سے میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤں......؟ میری سسٹر پرسوں رات واپس چلی گئی ہیں، ورنہ میں رات یہیں گزارتا، بلکہ آدھی رات تو گزر رہی گئی ہے۔ آپ سے بہت سی باتیں کرنا ہیں، بہت سے باتیں پوچھنی ہیں۔''

ناصر اُجالا کی بات سن کر اسی طرح سنجیدگی سے بولا تھا۔

''اور مجھے آپ سے بات نہیں کرنا۔ آپ کو کچھ نہیں بتانا۔ کیوں وقت ضائع کیا جائے......؟ جن باتوں کا کچھ حاصل وصول نہ ہو، وہ باتیں اَن کہی ہی رہنا چاہئیں۔ مسٹر ناصر......! آپ مجھے ایک missionary سمجھیں۔ دُکھی انسانیت کی خدمت کرنا اور لاوارث لوگوں کو سنبھالنا، اُن کو اپنائیت کا احساس دینا، یہ میرا مشن ہے، میرا مقصدِ حیات ہے۔ اس کے علاوہ میری آنکھیں کوئی خواب نہیں دیکھتیں۔ ناصر صاحب......! آپ جہاں تک آ چکے ہیں، یہیں سے پلٹ جایئے۔''

''آپ مسلم ہیں مس اُجالا......! اور مسلمانوں میں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں۔ آپ کو اپنی ذات پر حق ہے۔ آپ ایک نوجوان لڑکی ہیں، اور ماشاء اللہ......! بہت اچھی لڑکی ہیں۔ اس کا ثبوت تو آپ کے سامنے لیٹا ہوا ہے۔ جعلی مریض، آپ کی خاطر یہ بہروپ لینا پڑا، جس پر میں آپ سے واقعی معذرت خواہ ہوں۔ کیونکہ میں نے ڈیوٹی ٹائم میں آپ کو پریشان کیا۔''

''کوئی بات نہیں مسٹر ناصر......! لوگ تو خون معاف کر دیتے ہیں۔ میرے patient سے ایک چھوٹی سے بھول چوک ہو گئی تو کیا میں ignore نہیں کر سکتی......؟ آپ ذہن پر کوئی بوجھ نہ ڈالیں۔ میری طرف سے اطمینان رکھیں۔ میں نے کچھ بھی feel نہیں کیا۔''

''یہی بات تو باعث بے اطمینانی ہے۔ آپ نے کچھ بھی محسوس نہیں کیا۔ یہی تو سب سے بڑا دُکھ بن جائے گا۔ کاش......! آپ کچھ محسوس کر لیں، اور اندھیرے راستوں میں اُجالا بن کر میرے ساتھ چلیں۔''

ناصر دبے دبے لہجے میں آخر کہہ بیٹھا، کیونکہ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ شاید اُجالا اُسے آئندہ بات کرنے کا موقع نہ دے۔

''کمال ہی کر دیا ناصر صاحب......! آپ نے تو، اتنی جلدی اتنے بڑے بڑے فیصلے کرنے لگے......؟ نہ کچھ جانتے ہیں نہ کچھ جاننے کی کوشش کرتے ہیں......؟ فیصلے کر رہے ہیں، فیصلے سنا رہے ہیں، ایسا نہیں ہوتا۔ آپ میری بات کا یقین کریں، میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔''

اُجالا نے اتنا کہا اور بڑے بے مروّت اور مشینی انداز میں تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ ناصر اپنا سر پکڑے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مایوسی کی کیفیت اُس کے حواسوں پر طاری ہو رہی تھی۔ ابھی اُس کے اعصاب میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اچھی اُمید کے بعد فوراً ہی نا اُمیدی کے دھچکے کو سہہ جائے۔

☆......☆......☆

ماسی برکتے کٹنی عورتوں کی طرح دیدے نچا نچا کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے فوزیہ کے ساتھ کھسر پھسر کر رہی تھی۔

''فوزیہ بی بی......! کچھ کرو، ورنہ سمجھو آپ کا ٹھکانہ بھی گیا۔''

فوزیہ حیران پریشان ماسی کی شکل دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب......؟ مجھ سے کھل کر بات کرو ماسی......! میرا ٹھکانہ کیوں جائے گا......؟ تم نے کیا سنا ہے......؟''

فوزیہ کے لہجے میں بولتے بولتے دُکھ کی کیفیت واضح ہو گئی۔ اُس کے چہرے سے ایک دم افسردگی جھلکنے لگی تھی۔

''آئے ہائے......! فوزیہ بی بی......! جھوٹ بولوں تو زبان کٹ جائے۔''

''اچھا......! تم نے کیا نام بتایا اُس کا جس کے گھر میں علینہ کو چھوڑ کر آئی ہیں تائی اماں......؟''

فوزیہ اُلجھے اُلجھے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''اوہ......! ٹھیک سے یاد نہیں مجھے۔ پتا نہیں عادل ہے، عدیل ہے، کچھ بھی تو یاد نہیں آ رہا۔ آپ کو قسم ہے فوزیہ بی بی......! میرا نام نہ آنے پائے۔ آئے ہائے......! میں اِن دُکھتی درد کرتی ٹانگوں کے ساتھ کہاں خوار ہوتی پھروں گی......؟ میرا خیال کیجئے گا۔''

''تم فکر نہیں کرو......! اور مجھے کیا پڑی ہے جو میں تمہاری باتیں اِدھر اُدھر کرتی پھروں......؟ مجھے اپنے مسئلے کیا کم ہیں......؟''

فوزیہ نے غائب دماغی کی کیفیت میں اور بہت بے زاری میں ماسی برکتے کو جواب دیا۔

''لیکن علینہ وہاں کیسے رہ سکتی ہے......؟ ماسی......! تم ہی تو بتا رہی ہو کہ وہ لڑکا شادی شدہ ہے......؟ اور اُس کی بیوی بھی وہیں رہتی ہے......؟ مجھے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی۔''

فوزیہ مسلسل اُلجھن میں گھری ہوئی تھی۔ ماسی برکتے نے دانت نکوس دیئے۔

''آئے ہائے......! بی بی......! چوہدرانی جی کی عقل کو سلام......! بہت ہوشیار ہیں۔ اُن سے کوئی نہیں جیت سکتا۔ بڑی ترکیبیں ہیں اُن کے پاس۔ مجھے تو بس آپ سے محبت ہے۔ آپ میرا اتنا خیال کرتی ہیں۔ آپ نے پیسے دیئے تو میں دوا لے کر آئی پھر کچھ آرام محسوس ہوا۔ میرے روئیں روئیں سے آپ کے لئے دُعائیں نکل رہی ہیں۔''

''ہاں ہاں......!ٹھیک ہے،ٹھیک ہے......!''

فوزیہ نے ماسی کی طول پکڑتی باتوں سے اُکتا کر اُسے ٹوک دیا۔

''تم فکر نہیں کرو......!اپنی دوا لے آیا کرو۔ پیسے نہیں ہوتے تو لے جایا کرو مجھ سے۔''

''آئے ہائے......!جبھی تو سب کے سامنے کہتی ہوں میں،جُگ جُگ جیے میری چھوٹی چوہدرانی......!''

فوزیہ،ماسی کی خوشامدانہ باتوں سے قطع نظر ایک عجیب سے دُکھ کی کیفیت میں ڈوبی ہوئی تھی بلکہ صدمے نے تو جیسے اُس کا ذہن ہی ماؤف کر دیا تھا۔ابھی ابھی ماسی نے جو اس کو تفصیلات مہیا کیں،وہ اُس کو دُکھ سے مارنے کے لئے جیسے بہت تھیں۔

وہ صدمے کی اُس کیفیت سے پیچھا نہیں چھڑا پا رہی تھی۔ پھر وہ خود کلامی کی کیفیت میں بولنے لگی۔

''ماسی......!تبھی تو میں کہوں،میرا بھائی گونگا کیوں ہو گیا ہے......؟ کچھ بولتا کیوں نہیں......؟''

ماسی برکتے نے تو اپنے دونوں ہاتھ سینے پر مارے۔

''آئے ہائے......!بی بی......!مارے غیرت کے گونگا ہو گیا۔آئے ہائے......!یہ کوئی کم دُکھ ہوتا ہے کسی مرد ذات کے لئے......؟ اُس کے پیچھے تو خون خراب ہو جاتے ہیں۔ میں تو حیران ہوتی ہوں،علینہ بی بی کی جرأت اور جسارت پر۔آئے ہائے......!کیا حوصلہ ہے بھئی اُن کا......؟ کسی کا ڈر نہیں ہے اُن کو......؟''

ماسی نے اپنے گال پیٹنے شروع کر دیئے۔

''ہوں......!سب کچھ سمجھ آ گیا ہے مجھے۔''

فوزیہ اسی طرح گم صم کیفیت میں بولی۔

''سب کچھ سمجھ آ گیا ہے۔ یہ بھی کہ عارف مجھے کچھ کیوں نہیں بتا رہے ہیں......؟ آخر اپنی بہن کی کمزوری ہے،ورنہ تو شاید اب تک کیا قیامت برپا ہو چکی ہوتی اور میں بھی اس گھر سے نکالی جا چکی ہوتی۔''

وہ بڑبڑائی۔لیکن وہ بولتے بولتے پھر سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر ماسی کی طرف کھوئی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''مجھے کچھ نہیں بتا رہے۔کم از کم اپنی ماں کو تو بتا دیتے جو دُنیا،زمانے کے ظلم کرنے پر کمر کس رہی ہیں،اور میری زندگی جو پہلے ہی کون سا خوش گوار تھی،مزید عذاب بنا رہی ہیں۔''

''اِسی کو کہتے ہیں فوزیہ بی بی......!اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ کتنے مزے سے کہہ رہی تھیں آپ کو کہ اپنے بھائی کے گھر جاؤ۔''

فوزیہ یہ سنتے ہی ایک دم غصّے سے بپھر گئی۔اُس کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں۔ بات کرنا محال ہو گیا۔وہ کرسی کے دونوں ہتھوں پر ہاتھ کا دباؤ ڈال کر جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہتی رہیں،بولتی رہیں۔عارف تو مجھے کبھی اس گھر سے جانے کے لئے نہیں کہہ سکتے۔اگر جو تمہاری اطلاعات واقعی صحیح ہیں۔''

''میں تو پہلے ہی کہہ رہی ہوں بی بی......!جھوٹ بولوں تو زبان کٹ جائے۔ مجھے کیا پڑی ہے جو میں جھوٹ بولوں......؟ مجھے کتنے نفلوں کا ثواب......؟''

ماسی برکتے فوراً بولی۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ ماسی......! کم از کم تم نے مجھے حقیقت بتا کر ایک طرف تو کر دیا۔ ابھی تک تو میں یہی سوچ سوچ کر شل ہو رہی تھی۔ یا اللہ......! آخر کیا ہوا ہے......؟ آخر کوئی کچھ بتاتا کیوں نہیں ہے......؟ تم نے بڑا ظلم کمایا علینہ......! میرا سیدھا سادہ بھائی، تم نے اُس کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ کیا بنے گا میرے بھائی کا......؟''

فوزیہ چھلکتے آنسوؤں کو ماسی سے چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے لاؤنج سے باہر جانے لگی۔

☆......☆......☆

نورانی نے مریم کو بتایا تھا کہ علینہ نے کھانا نہیں کھایا بلکہ اُس نے دوپہر کو بھی کھانا نہیں کھایا تھا، صرف چائے بسکٹ کھائے تھے۔ یہ سنتے ہیں مریم کا دماغ جیسے ماؤف ہو گیا۔ غصّے کی آگ سے اُس کے خون میں جیسے بھاپ اُٹھنے لگی۔

''یہ مجھے کیوں نخرے دِکھا رہی ہے......؟''

وہ دانت پیستی ہوئی بڑی تیزی سے گیسٹ روم میں داخل ہوئی۔ علینہ چپ چاپ کھڑکی کے پاس کھڑی باہر جھانک رہی تھی۔ مریم کے قدموں کی آواز پر اُس نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ مریم آگے آنے کی بجائے دروازے میں ہی رُک کر اُسے گھور رہی تھی۔

''تم کھانا کیوں نہیں کھا رہی ہو......؟''

اُس نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

''میرا دل نہیں چاہ رہا۔''

علینہ نے بھی بالکل اُسی لہجے میں جواب دیا۔

''لیکن اُس طرح کیسے کام چلے گا......؟ کتنے دن بھوکی رہوگی......؟ اور مجھے یہ کیا سمجھانا اور جتانا چاہ رہی ہو، جبکہ میں تمہیں اور عدیل دونوں کو بتا چکی ہوں کہ میں مزید بے وقوف نہیں بنوں گی، اور تم یہاں بھوک ہڑتال کر کے اپنے کون سے مطالبات منوانا چاہتی ہو......؟ میں تو پہلے ہی تمہاری سب باتیں ماننے کے لئے تیار ہو چکی ہوں۔ میں نے تو پورا کا پورا بندہ تمہارے حوالے کر دیا ہے۔ یہ میری ڈیوٹی نہیں ہے۔''

مریم نے اپنے اندر اُٹھتے ہوئے جوار بھاٹے کو دباتے ہوئے بمشکل کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو مریم......! اب تو میں کسی کی بھی ڈیوٹی نہیں ہوں۔''

علینہ نے طنزیہ اور اُداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''ارے نہیں......! تم میرے شوہر کی ڈیوٹی ہو۔ میں پہلے کہہ چکی ہوں، تم میری طرف سے بے فکر رہو۔ پھر بھی تم اُسے ڈسٹرب کرنے کی بجائے مجھے ڈسٹرب کر رہی ہو......؟''

''میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں، اب بھی کہہ رہی ہوں کہ میری صرف عدیل کے ساتھ دوستی تھی۔ اُس سے زیادہ کچھ نہیں۔''

''ہوں......! تبھی تمہارے شوہر نے تمہیں سزا دی ہے اور تمہیں دھتکار دیا ہے۔''

''تمہاری وجہ سے......!تم نے جا کر میرے گھر میں آگ لگائی تھی۔''

علینہ نے اب بڑے کڑھے تیور کے ساتھ براہِ راست مریم کو گھورتے ہوئے کہا۔

''دھوکہ کھا کر یہ ایکٹ کرنا میرا فرض تھا، سو میں نے کیا۔صرف سوئے ہوؤں کو جگانے کے لئے اور یہ جتانے کے لئے کہ میں خوف زدہ اور بے وقوف عورت نہیں ہوں۔''

علینہ اُس کی بات سن کر طنزیہ مسکرائی۔

''تم بھی وہاج کی طرح شدید غلط فہمی میں ہو۔کسی نے تمہارے ساتھ دھوکہ نہیں کیا۔''

''ہاں......!ایک مجرم ہی دوسرے مجرم کو سپورٹ کرتا ہے۔''

''بولتی رہو، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔جو شخص اپنی بیوی کے قریب ہو کر بھی کسی اور عورت کی قربت کے بارے میں سوچتا ہے، میرے نزدیک ایک بیوی کی اس سے زیادہ insult نہیں ہو سکتی۔''

''اور میں یہ ایموشنل چیٹنگ برداشت نہیں کر سکتی۔زندگی بھر تمہارا رہنا گوارہ کر سکتی ہوں۔''

''یہ تمہاری تنگ نظری ہے مریم......!''

علینہ، مریم کی بات سن کر فوراً بولی۔

''میں تو عدیل کی بیوی ہوں جس سے اُس نے دُنیا کو بتا کر شادی کی۔تم اُسے اُس کی بیوی کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتی۔راتوں کو فون کر کر کے صرف اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔خود کو یہ سمجھانے کے لئے کہ تم اُس کے لئے اُس کی بیوی سے زیادہ اہم ہو......؟''

مریم نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''میں اس طرح سے نہیں سوچتی ہوں مریم......!میں تمہیں کیسے یقین دِلاؤں کہ میرے ذہن میں اس طرح کی سوچ نہیں آتی تھی۔میں صرف اُسے اپنا دوست سمجھ کر بات کرتی تھی۔''

''نہیں سوچتی تھی، مگر مجھے تو ہرٹ کرتی تھی۔وہ وقت جس پر میرا حق تھا، وہ وقت تم مجھ سے چھینتی تھی۔''

مریم اب بُری طرح برس پڑی۔علینہ ایک دم محتاط سی ہو گئی اور سوچنے لگی، اب اُسے کیا ردِّ عمل کرنا چاہیے......؟ مریم اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پھر بولی۔

''میں اُس تقسیم شدہ شخص کو چھوڑ چکی ہوں۔اس لئے کہ میں اُسے معاف نہیں کر سکتی۔میں نے اُسے منافقت کی زندگی سے نجات دی ہے۔وہ جیسا چاہتا ہے، جو نظر آتا ہے، جو کرنا چاہتا ہے، وہی کرے۔رحم کھا رہی ہوں میں اُس پر۔اُف......! اُس بیچارے کو مجھے بے وقوف بنانے کے لئے ٹائم نکالنا پڑتا ہے۔وہ منافق، وہ دو چہرے والا، وہ ایک وقت میں دو عورتوں کو سوچنے والا تمہیں مبارک ہو......!اور اب میں تم سے یہ پوچھنے نہیں آؤں گی کہ تم نے کھانا کھایا کہ نہیں......؟ میری طرف سے تم فاقہ مستی جاری رکھو۔''

مریم یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

عدیل بالکنی میں ٹہلتے ہوئے سگریٹ کے کش پر کش لگا رہا تھا جو اُس کے ذہنی خلفشار کی علامت تھی۔ مریم اُسے ڈھونڈتی ہوئی بالکنی تک آ پہنچی تھی۔ وہ بہت تیزی سے اُس طرف آئی تھی۔ غصّے سے اُس کی سانسیں بے ربط ہو رہی تھیں۔ عدیل نے اُس کے آنے کے انداز سے ہی جیسے کسی خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ مریم اس پر بُری طرح برس پڑی تھی۔

''اُس نے بھوک ہڑتال کی ہوئی ہے اور میں اُس کی خوشامد نہیں کر سکتی۔ اُس کے ساتھ بیٹھ کر بات چیت کر کے اپنے معاملات ایک طرف کریں۔''

''مجھ سے علینہ کے ٹاپک پر بات کرنے کی ضرورت نہیں مریم......!''

عدیل نے اُس کو دوٹوک انداز میں ٹوک دیا۔

''میں نے اُسے اس گھر میں نہیں بلایا۔''

''آپ نے نہیں بلایا تو وہ خود آ گئی۔ کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے کہ اس گھر میں اُس کے آنے کی وجہ تو آپ ہیں، صرف آپ......!''

مریم بھپر کر بولی۔ عدیل کو بھی شاید غصّہ آ رہا تھا لیکن وہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔

''آہستہ بولو......! اپنے نانا ہی کا خیال کر لو جو گھر میں ہیں اور heart patient ہیں۔''

مریم طنزیہ انداز میں مسکرائی۔

''میرے بزرگوں کا اتنا خیال تھا تو مجھ سے شادی کیوں کی تھی......؟ میرا پتا نہیں تھا تو اپنا تو پتا تھا۔''

''مجھے نہیں پتا تھا کہ معصوم سی شکل کے پیچھے ایک قیامت برپا کر دینے والی لڑکی ہے۔''

عدیل نے اب بھی اپنے غصّے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے ہوئے مریم کو جواب دیا۔ پھر بڑبڑاتے ہوئے مریم کی طرف سے پشت کر لی۔

''ذرا سی بات کو ایشو بنا کر رکھ دیا ہے۔''

مریم تیزی سے چلتی ہوئی عدیل کے عین سامنے آ کر کھڑی ہوئی اور براہِ راست اُس نے اُس کی آنکھوں میں گھورا۔

''ذرا سی بات......؟ تم مرد اس ذرا سی بات پر ہی تو عورت کو سسک سسک کر جینے پر مجبور کر دیتے ہو۔ خود جو مرضی کرتے پھریں، کسی کم عقل عورت سے ذرا سی بھول ہو جائے تو قیامت تک معاف نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ آپ کے نزدیک یہ ذرا سی بات ہے، مگر میرے نزدیک نہیں۔ مسٹر عدیل......! اب ساری باتیں ختم ہو چکی ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ علینہ کو یہاں سے لے کر کہیں چلے جائیں۔ کوئی فیصلہ کر لیں۔ سچائیوں کے ساتھ جینے کا مزہ بھی چکھ لیں۔ جھوٹ میں تو ایک عمر کٹ گئی ہے۔''

عدیل نے اُس کی طرف دیکھا اور سگریٹ کا ٹکڑا زمین پر پھینک کر اپنی سلیپر سے مسلنے لگا۔

''تم جاؤ مریم......! تم اس وقت غصّے میں ہو۔ تمہاری سمجھ میں ابھی کچھ نہیں آ سکتا۔''

یہ کہہ کر عدیل وہاں سے ہٹ گیا۔ مریم اپنی بپھرتی ہوئی سانسوں کو سنبھالنے لگی۔ اُس کے دماغ میں آندھیاں اُٹھ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم نیند کی گولی ہتھیلی پر رکھے سوچ کی کیفیت میں بیٹھی تھیں۔

''اب یہ کون سی گولی کھا رہی ہو......؟''

فیاض احمد نے واش روم سے باہر آتے ہوئے سلمیٰ کو مخاطب کیا۔ سلمیٰ اپنے دھیان سے چونک پڑیں۔ پھر گہری سانس لے کر بولیں۔

''اب تو نیند کی گولی کے بغیر نیند ہی نہیں آتی ہے۔ ہر وقت اس خیال سے وحشت ہوتی ہے کہ پاپا کو اگر سب کچھ پتا چل گیا تو کیا ہوگا......؟ فیاض......! پاپا نہیں برداشت کریں گے۔''

''ہاں......! بہت دن ہو گئے، کوئی رابطہ ہی نہیں ہے۔''

فیاض احمد گہری سانس لے کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے سلمیٰ بیگم کی طرف آ رہے تھے۔

''ناصر نے تو اپنی کسی وجہ سے اسلام آباد ٹرانسفر کروائی تھی لیکن یہ ہم پر اللہ نے احسان ہی کیا۔ اگر وہ یہاں ہوتا تو ماموں جان سے بات چھپانا بہت مشکل تھا۔ سلمیٰ......! اس غیبی مدد پر بھی اللہ کا شکر ادا کرو۔ ورنہ ماموں جان خدانخواستہ یہ سب کچھ نہیں سہہ سکتے تھے۔''

''لیکن فیاض......! آخر کتنے دن تک پاپا سے یہ بات چھپائی جا سکتی ہے......؟ آخر ایک نہ ایک دن تو پتا چلے گا ہی۔''

''ہاں......! اتنے گھپ اندھیروں میں اللہ کہیں نہ کہیں سے روشنی کی کرن بھیج ہی رہا ہے۔ کوئی نہ کوئی غیبی مدد ہو ہی جاتی ہے سلمیٰ......! انشاءاللہ تعالیٰ......! اللہ بہتر ہی کرے گا۔''

''ٹھیک ہے......! ناصر اور انعم اِس وقت الگ الگ ہیں، لیکن اُمید پر دُنیا قائم ہے۔''

''دیکھو ناں، اگر ناصر نے کوئی انتہائی قدم اُٹھانا ہوتا تو کب کا اُٹھا چکا ہوتا......؟ وہ بھی شاید ایک جھٹکے سے یہ تعلق ختم کرنا نہیں چاہتا۔ ظاہر ہے، اپنی اولاد کی وجہ سے۔''

''اُسے موقع ہی کہاں ملا......؟ وہ تو ہسپتال میں جا کر لیٹ گیا تھا۔ ابھی چار دن بھی نہیں ہوئے اُس کی طبیعت سنبھلے ہوئے۔ کیا کہہ سکتے ہیں......؟ اگر وہ اپنی طرف سے کچھ اچھا کرنے کی کوشش بھی کرے، تب بھی انعم تو ہمارے ہاتھ سے گئی ناں......؟''

''پھر کیا ہو سکے گا......؟''

''ہم تو ناصر کو یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ انعم ہمیں بھی چھوڑ کر جا چکی ہے۔''

سلمیٰ بیگم نے بڑے کرب سے کہا اور tablet زبان پر رکھ کر پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔ فیاض احمد تھکے تھکے، نڈھال انداز میں بیڈ پر دراز ہو گئے۔ اب ایک گہری چپ ماحول پر چھا چکی تھی۔

☆......☆......☆

ناصر ہسپتال سے جانے کے لئے لاؤنج میں کھڑا تھا۔ اُجالا اُسے دواؤں کا شاپر تھما رہی تھی۔

''اپنا خیال رکھئے ناصر صاحب......! بہت سے لوگوں کو آپ کی ضرورت ہے، خاص طور پر آپ کی بیٹی کو۔ آپ کو پہلے بھی کہا تھا، اب بھی کہہ رہی ہوں، دواؤں کا پابندی سے خیال رکھئے۔''

''دوا، انجکشن، یہ، وہ، آپ کے پاس اس سے ہٹ کر کوئی بات نہیں ہوتی......؟''

''نہیں......! میں ایک نرس ہوں۔ میں صرف مریضوں سے دواؤں اور تسلی، دِلاسے والی باتیں ہی کر سکتی ہوں۔''

''مس اُجالا......! آپ جتنی نرم دل ہیں، میرے حق میں اتنی ہی ظالم ثابت ہو رہی ہیں۔ کاش! آپ کو احساس ہوتا کہ مجھے اس وقت آپ کی کمپنی کی ضرورت ہے۔ گھپ اندھیروں میں اُجالوں کی تمنا اور ان تمناؤں کے پیچھے بھی آپ ہی کا ہاتھ ہے۔ آپ مجھے ہوش وحواس کی دُنیا میں دوبارہ کھینچ کر لائی ہیں تو یہ جذبے بھی بیدار ہوئے ہیں۔ ہوش وحواس سے بیگانہ رہتا تو آپ سے بھی باتیں نہ ہو سکتی تھیں۔''

''ایسی باتیں نہ کریں ناصر صاحب......! بس اپنا خیال رکھیں۔ آپ نے اپنی بیوی کو بھی divorce نہیں دی۔ آپ ٹھنڈے دماغ سے اپنی اولاد کی خاطر اس پر غور کریں......''

''بس مس اُجالا......! بس......!''

ناصر نے تیزی سے اُجالا کی بات کاٹ دی۔

''آپ مجھے اس کے لئے convince نہ کریں اور نہ ہی یہ اُمید رکھیں کہ اُس عورت کو جس کو میں نے پانچ سال اپنی اولاد کی خاطر بھگتا، آپ کے کہنے پر معاف کر دوں گا، اور اُس کی دی ہوئی تمام زیادتیوں کو بھلا دوں گا۔ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ آخر پانچ سال سے کمپرومائز ہی تو کر رہا تھا۔ وہ تو ایک سیکنڈ، ایک لمحے کے لئے بھی میری نہیں ہوئی، اور اب تو مجھے اُس پر اعتبار بھی نہیں ہے۔ شادی کیا ہے مس اُجالا......! اعتبار کا رشتہ، اعتبار ہے تو رشتہ قائم ہے، اعتبار ختم، رشتہ ختم۔ اب وہ کتنے بھی جتن لے لے، میں اُس پر بھروسہ نہیں کر سکتا، اور ایسے حالات میں اُسے ساتھ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ دن رات کی اذیت خرید لی ہے۔''

''آپ بہت جذباتی ہو رہے ہیں ناصر صاحب......! غلطی ہو جاتی ہے۔''

''بس مس اُجالا......! غلطی غلطی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مس اُجالا......! اس پر غور کیجئے گا۔ میں کھڑے کھڑے آپ کے خیالات میں انقلاب برپا تو نہیں کر سکتا، لیکن میں کوشش کرتا رہوں گا۔ خدا حافظ......!''

ناصر یہ کہہ کر اپنا سامان اُٹھا کر لاؤنج سے باہر چلا گیا۔ اُجالا پتھر کا بُت بنی اُس کی پشت کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی تھی۔ اس سے قبل کہ چند قطرے آنسوؤں کے ٹپک جاتے، اُس نے فوراً رُخ پھیر لیا کہ جاتے ہوئے ناصر نے اگر پلٹ کر دیکھ لیا تو کہیں وہ اُس کے آنسو نہ دیکھ لے۔

☆......☆......☆

سلمان کے دوست عابد کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ اس کے مقابل انعم وحشت زدہ، پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُس کی طرف گھور رہی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس شخص کے ساتھ وہ کیا کر ڈالے......؟

''تم اندر کیسے آئے......؟''

وہ بمشکل بول پائی۔

''اس اپارٹمنٹ کی duplicate چابیاں میرے پاس ہوتی ہیں محترم انعم صاحبہ......! پہلے میں یہاں ہی رہتا تھا۔ چند

دن کے لئے یہ اپارٹمنٹ سلمان کو دیا ہے۔ یوں سمجھیں، چند دن سے آپ میرے گھر میں رہ رہی ہیں۔"

"یہ کیا بدتمیزی ہے......؟"

انعم بُری طرح پھٹ پڑی۔

"میرے ہوتے ہوئے تم میری اجازت کے بغیر یہاں نہیں آسکتے۔ اس اپارٹمنٹ کا مالک کون ہے......؟ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں، لیکن تمہیں پتا ہے کہ میں سلمان کی وجہ سے یہاں ہوں، اس لئے اُصولاً تمہیں اس طرح یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔"

"اُصولاً......؟"

عابد نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"ارے......! تم بھی اُصولوں کی بات کرتی ہو......؟ سارے اُصول، سارے قانون توڑ کر سلمان کے زیرِ سایہ رہ رہی ہو اور ہمیں اُصول سکھا رہی ہو......؟"

عابد نے پھر ایک زوردار شیطانی قہقہہ لگایا۔

"شٹ اَپ......!"

انعم اُس کے قہقہے سے خوف زدہ سی ہو کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"جو عورت بغیر اجازت کے ماں باپ کو چھوڑ کر جا سکتی ہو، شوہر کو لات مار سکتی ہو، وہ کسی کو اجازت کا پابند نہیں بنا سکتی محترم انعم صاحبہ......!"

وہ پیچھے ہٹ رہی تھی اور عابد اُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس کی بات سن کر تو انعم کے تن بدن میں جیسے آگ سی لگ گئی۔ اُس نے وارننگ کے انداز میں شہادت کی اُنگلی اُٹھا کر عابد سے کہا۔

"سلمان کو پتا چلے گا تو وہ تمہارا حشر کر دے گا۔"

عابد مسکرا دیا۔ بڑی عجیب سی مسکراہٹ جس کے کوئی معنی ہی نہیں ہوتے۔

"میری جان......! وہ تمہاری بات کا اعتبار نہیں کرے گا۔"

رہی سہی کسر عابد کے "میری جان" کہنے نے پوری کر دی۔ انعم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کوئی چیز اُٹھا کر عابد کے سر پر دے مارے۔ پھر بھی اُس نے خود کو سنبھالتے ہوئے بمشکل کہا، جیسے اُسے یاد دلا رہی ہو۔

"سلمان مجھ سے شادی کرنے والا ہے......"

"کرنے والا ہے، کی تو نہیں ناں......؟"

عابد نے تیزی سے بات کاٹ کر برجستہ کہا۔

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ گھر سے بھاگی ہوئی عورت آزاد علاقہ ہوتی ہے، جس میں کسی ایک ریاست کا جھنڈا نہیں لہراتا، کسی پرچم کو سلامی نہیں دی جاتی۔"

عابد مسکراتے ہوئے آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھ رہا تھا، بالکل اُسی رفتار سے جس رفتار سے انعم پیچھے کی طرف ہٹ

رہی تھی۔

”میری جان......!اب تمہارے پاؤں کے نیچے زمین نہیں ہے۔ہم جیسوں کو خوش رکھو گی تو یہ اکاؤنٹ کبھی خالی نہیں ہوگا۔ارے......!مال کی خاطر ہی تو تم نے سرکاری افسر کو چھوڑا ہے۔کہاں سرکاری افسر، کہاں انٹرنیشنل لیول پر بزنس کرنے والا سلمان، ڈالرز اور پاؤنڈ میں کمائیاں کرنے والا۔“

”تم غلط سوچ رہے ہو۔میں مال اور دولت کی خاطر سلمان کے قریب نہیں ہوں۔میرے اپنے پاس بہت مال و دولت ہے۔میں ایک رئیس آدمی کی بیٹی ہوں۔“

”لیکن اُس رئیس باپ کو تو تم چھوڑ چکی ہو۔“

”میں کہہ رہی ہوں، تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔“

انعم نے جیسے کچھ مارنے کے لئے تلاش کرتے ہوئے عابد پر کھل کر غصہ کیا۔

”میں تمہارا سر توڑ سکتی ہوں۔تم مجھے کمزور عورت مت سمجھو۔“

”اچھا......!تم بہت مضبوط عورت ہو......؟“

عابد نے یہ کہہ کر اپنی پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پسٹل نکال کر اُس کی نال انعم کی طرف کی۔انعم پسٹل دیکھ کر ایک دم بھونچکا سی رہ گئی۔اُس نے خوف زدہ سے انداز میں عابد کی طرف دیکھا۔

”کیا کر رہے ہو تم......؟“

”سیدھی طرح اندر چلو......!“

انعم کے سوال کے جواب میں اُس نے برجستہ انداز میں پسٹل سے کمرے کے اندر جانے کا اشارہ کیا۔انعم خوف زدہ سی کیفیت میں اسی طرح اُلٹے قدموں چل رہی تھی۔عابد نے آگے بڑھ کر اُسے اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا اور پسٹل کی نال اُس کی کنپٹی سے لگا دی۔

”میری جان......!بے کار شرافت کا ڈرامہ کر رہی ہو۔میں قسم کھا کر کہتا ہوں، سلمان تم سے کبھی شادی نہیں کرے گا۔ دیکھو میری جان......!اس جوانی میں خود کو موت کے سامنے پیش کر دینا کوئی عقل مندی تو نہیں۔زندگی ایک مرتبہ ملتی ہے۔“

”میں کہہ رہی ہوں، مجھے چھوڑ دو۔“

انعم اب اتنی زیادہ مشتعل ہو گئی کہ ایک لمحے کو بھول گئی کہ پسٹل اُس کی کنپٹی سے لگا ہوا ہے۔اُس نے ایک جھٹکے سے عابد کا بازو اپنے بازو سے ہٹایا تھا، مگر عابد نے فوراً ہی اُسے دبوچ لیا تھا۔

”ادھر آؤ میری جان......!بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔“

”دیکھو، خواہ مخواہ تم میرے خون سے اپنے ہاتھ رنگو گے اور زندگی جیل میں کاٹو گے۔جب مجھے تمہارے ساتھ دوستی کی کوئی خواہش نہیں ہے تو کیوں میرے پیچھے پڑ رہے ہو......؟ دیکھو، تمہیں بہت لڑکیاں مل جائیں گی جو تم سے بہت خوشی خوشی دوستی کریں گی۔تم کیوں مجھ پر اپنا وقت ضائع کر رہے ہو......؟“

انعم نے اب بہت نڈھال لہجے اور بے بسی کی کیفیت میں عابد سے کہا۔

''وہ کیا کہتے ہیں، دل آیا گدھی پر تو پری کیا چیز......؟ ارے بھئی......! تم تو گدھی بھی نہیں ہو، ایک قیامت ہو۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تم شادی شدہ اور ایک بچے کی ماں ہو......؟ ارے......! آج بھی تمہارے ایک اشارے پر سر کٹانے والے ہزاروں مل جائیں گے جن میں ہمیں بھی شامل سمجھو۔ کیا کریں......؟ بس تمہارے عشق میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ آخر دل ہی تو ہے۔''

عابد اُسے مضبوطی سے تھامے ہوئے کمرے کے اندر لے آیا تھا۔ پھر اُس نے ایک دم پینترا بدلا اور انعم کو بیڈ کی طرف زور سے دھکا دیا اور پلک جھپکنے میں بیڈروم کا دروازہ بند کر کے باہر سے لاک کر دیا۔ انعم کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ایک لمحے کو تو وہ اپنا سر جھٹکتی رہی، جیسے خود کو سمجھا رہی ہو۔ وہ حقیقت سے دوچار ہے، کوئی خواب نہیں دیکھ رہی ہے، کوئی بھیانک، کوئی ڈراؤنا سا خواب۔ پھر جیسے اُسے ہوش آیا کہ عابد اُسے کمرے میں قید کر کے جا چکا ہے تو وہ دیوانہ وار دروازے کی طرف دوڑی اور جھٹکے سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ جب دروازہ نہیں کھلا تو زور زور سے دروازے کو پیٹنے لگی۔ وہ کافی دیر اسی طرح دروازہ پیٹتی اور عابد کو آوازیں دیتی رہی لیکن جواب میں اب کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون، شاہ سائیں کے آستانے میں بڑی غمگین شکل بنائے بیٹھی تھیں کہ اُن کے موبائل پر علینہ کی کال آ گئی۔ وہ جلدی سے پرس سے موبائل نکالتے ہوئے کھڑی ہو گئیں۔ ذرا فاصلے پر ہو گئیں اور موبائل نکال کر علینہ کا فون attend کیا۔ آستانے کے احترام میں وہ بہت دبی دبی آواز میں علینہ سے بات کر رہی تھیں۔

''ہاں......! کیا ہوا......؟''

وہ ٹینشن میں نظر آ رہی تھیں۔ اُن کے خیال میں کہیں علینہ کے ساتھ کچھ ہوا نہ ہو، یہ سوچ کر ہی اُن کو گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ ان کا بی پی شوٹ کرنے لگا تھا۔

''اماں......! آپ کو سمجھ نہیں آ رہی، میں یہاں نہیں رہ سکتی۔''

''خبردار......!''

شکیلہ خاتون نے فوراً علینہ کی بات کاٹ دی اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولیں۔

''اگر تم نے وہ گھر چھوڑا تو سمجھ لو کہیں کی نہیں رہی۔ ہلنا نہیں ہے وہاں سے۔ بس وہیں بیٹھی رہو۔''

اُنہوں نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔

''اماں......! آپ سمجھ کیوں نہیں رہی......؟''

علینہ عاجز آ کر کہنے لگی۔ شکیلہ خاتون نے پھر اُس کی بات کاٹ دی اور غصے سے بولیں۔

''مجھے سب سمجھ آ رہی ہے۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جھوٹے کو گھر تک پہنچانا میری ذمہ داری ہے۔''

''اماں......! عدیل وہ نہیں ہے۔ وہ بہت بدل گیا ہے۔ وہ تو ایسے ہو گیا ہے جیسے کبھی راستے میں نہ ملا ہو۔ خدا کے لئے، آ جائیں۔ میری طبیعت بہت خراب ہے۔''

علینہ جیسے گڑگڑانے لگی۔ شکیلہ خاتون کے چہرے پر گہری تشویش ظاہر ہوئی۔ علینہ کی آواز میں کچھ ایسا تھا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنا اعتماد کھو بیٹھیں۔ لیکن غرض بہت بڑی تھی اور اُفتاد بھی بہت بڑی تھی۔ اُنہوں نے فوراً خود کو سنبھال لیا۔

''میں اس وقت شاہ سائیں کے آستانے پر ہوں اور اس وقت تمہارے ہی کام سے بیٹھی ہوں۔ اِدھر سے فارغ ہوتی ہوں تو تمہارے پاس آتی ہوں۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں پھر کہہ رہی ہوں۔ اُس فراڈیے سے تو میں نمٹ لوں گی۔ تم تسلی رکھو۔ ارے......! میں تمہاری ماں ہوں، جب تک تمہارا ٹھکانہ پکا نہیں کر دیتی وہاں، مجھے نیند نہیں آئے گی اور نہ ہی میں چین سے بیٹھوں گی۔ وہی اب تمہارا گھر ہے، وہی تمہارا ٹھکانہ اور وہی اب تمہاری دُنیا۔ خبردار جو وہاں سے ایک قدم بھی باہر نکالا۔''

شکیلہ خاتون نے یہ کہا اور جلدی سے موبائل بند کر کے پھر وہاں بیٹھ گئیں جہاں پہلے سر جھکائے مظلوم سی شکل بنائے بیٹھی تھیں۔

☆......☆......☆

سلمٰی کی بہت پرانی دوست حمیرا اُن کے گھر آئی ہوئی تھیں اور سلمٰی کی حالت یہ تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ کیونکہ وہ انعم کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں اور بڑی حیران ہو کر سلمٰی کو بتا رہی تھیں۔

''سلمٰی......! تم تو کہہ رہی تھیں کہ انعم اسلام آباد چلی گئی ہے۔ کل میں نے اُسے کار پارک کرتے ڈولمن میں جاتے دیکھا۔''

سلمٰی کو جیسے کچھ سمجھ میں نہ آ رہا ہو۔ ٹپٹا کر جلدی سے مسکرا کر بولیں۔

''ہاں ہاں......! آئی ہوئی تھی، رات واپس چلی گئی۔ کسی سہیلی کی شادی میں آئی تھی۔''

حمیرا نے جیسے سلمٰی کا جواب سن کر بہت اطمینان سے کہا۔

''اچھا......! وہی تو میں بڑی پریشان تھی۔ یہ لڑکی تو انعم سے بہت ملتی ہے اور اُس کی شاید مجھ پر نظر بھی پڑ گئی تھی، مگر نہ سلام کیا نہ دُعا لی۔ اس پر میں حیران ہو رہی تھی۔ ہاں......! کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہت دنوں بعد کسی پر اچانک نظر پڑ جائے تو پہچان میں نہیں آتا۔ وہ شاید جلدی میں ہوگی۔''

''ہاں......! وہ جلدی میں ہی تھی۔ اُسے شادی کے بعد اسلام آباد جانا تھا۔''

سلمٰی بیگم نے پھر بات بنائی۔

''اور تم ٹھیک ہو......؟ خیریت سے ہو......؟''

سلمٰی بیگم کی آواز میں اب دم محسوس ہوا جیسے وہ بہت بڑی مصیبت سے آزاد ہوئی ہوں۔

''ہاں......! بس ٹھیک ہوں۔ بڑی مصروف زندگی ہو گئی ہے، اور تم بھی تو بہت مصروف رہتی ہو۔ اب تو مہینوں ملاقات نہیں ہوتی۔ تم تو مریم کی شادی میں بھی نہیں آئی تھی۔''

سلمٰی بیگم بولیں۔

''دُبئی میں میرے دیور کی شادی تھی۔ تم تو جانتی ہو، سسرال کا معاملہ ہی دوسرا ہوتا ہے۔ یہاں پہلے کراچی میں اُس کی شادی کی تیاریوں میں لگے رہے۔ پھر بھئی......! بڑے بڑے سوٹ کیس بھر کر وہاں بھاگے۔ زندگی تو جیسے بھاگ دوڑ ہی ہو کر رہ گئی ہے۔''

حمیرا مسکرائیں۔

''ویسے مریم ٹھیک ہے ناں......؟ خوش ہے ناں اپنے گھر میں......؟''

سلمٰی بیگم کھل کے مسکرائیں۔

''ماشاءاللہ......! بہت خوش ہے اپنے گھر میں۔ میرا داماد بہت اچھا ہے۔ اتنے اچھے داماد تو نصیب سے ہی ملتے ہیں۔''

سلمٰی بیگم بڑے فخریہ لہجے میں کہہ رہی تھیں اور حمیرا بڑے رشک سے دیکھ رہی تھیں۔ کیونکہ وہ اپنے داماد کی طرف سے بہت دُکھی تھیں اور سوچ رہی تھیں کہ سلمٰی خوش قسمت ہے کہ اُس کے دونوں داماد بہت اچھے ہیں۔

☆......☆......☆

مریم کا نئے آفس میں آج پہلا دن تھا لیکن یہ کیا......؟ وہ تو حواس باختہ سی اپنے آفس میں بیٹھی ہوئی تھی۔ دل خوف کے مارے تھر تھر کانپ رہا تھا، اس لئے کہ باہر سے اُس کمپنی کے ایم ڈی کی گرج دار آوازیں آرہی تھیں۔ وہ لب بستہ سی سن رہی تھی۔ آڈٹ میں سرکولر چلا گیا تھا کہ کوئی آٹھ بجے سے پہلے سے نہیں جائے گا۔ اس کے باوجود کل صرف تین بندے کام کررہے تھے۔

''ابھی فارغ کرتا ہوں سب کو۔ کھیل سمجھا ہوا ہے۔ کسی کو اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں۔''

ایک سیکنڈ کے وقفے سے ایم ڈی زور سے دھاڑے تھے۔

''ارے......! یہ ملک گروی رکھا ہوا ہے اور ان کو عیاشیاں سوجھ رہی ہیں۔ جو آٹھ بجے سے باہر گئے تھے، اُس کی absent لگے گی۔ دوسال کا انکریمنٹ بھی روک دوں گا، تب ان لوگوں کو پتا چلے گا، عیاشیاں سوجھ رہی ہیں۔''

مریم یہ سوچ کر کہ وہ جھانک کر باہر دیکھے، کھڑی ہوگئی، لیکن وہ گرج چمک تھی کہ اُس کی ہمت ہی نہ ہوئی کہ وہ ذرا سا دروازہ کھول کر جھانک لے۔ اُس نے سوچا، ابھی اُس کا اسسٹنٹ عاکف آئے گا تو وہ اُس سے پوچھے گی کہ آخر ہوا کیا......؟ اس قدر چیخ پکار ہورہی ہے۔ آخر کیا قیامت آگئی ہے......؟ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ عاکف دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

مریم جلدی سے سنبھل گئی اور بڑی دبی دبی آواز میں عاکف سے پوچھنے لگی۔

''یہ باہر بڑی گرج چمک ہورہی تھی، خیریت تھی......؟''

عاکف نے بڑا برا سا منہ بنایا۔

''آج کی بات نہیں ہے میم......! سر کے پاس تو روز ایک ایشو ہوتا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ رُکا اور ذرا سا مسکرایا اور معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

''آفس کی واحد رونق ہیں۔''

مریم نے اب دیر بعد رُکی ہوئی سانس اپنے سینے سے خارج کی اور مسکرائی۔

''دھمکیاں ہی دیتے ہیں یا کچھ کر کے بھی دکھاتے ہیں......؟''

عاکف مریم کی بات سن کر ہنس پڑا۔

''اکثر لوگ یہ نوبت ہی نہیں آنے دیتے کہ سر اُنہیں ڈِسچارج شیٹ دے کر روانہ کریں۔ وہ بیچارے خود ہی چلے جاتے ہیں۔ وہ آپ مجھے فائل دے دیجئے۔''

اُس نے جیسے خود ہی اس ٹاپک کو ختم کر دیا۔

''آپ پریشان نہ ہوں میم......! یہ سر کا روز کا اسٹائل ہے۔ میری طرح آپ بھی عادی ہو جائیں گی۔ یہ الگ بات کہ آپ بھی دوسروں کی طرح یہاں سے چھوڑ کر چلی جائیں۔ میری طرح اتنا صبر نہ کر سکیں۔''

''ارے......! نہیں نہیں......!''

مریم نے اُٹھ کر لاکر سے فائل نکالتے ہوئے کہا۔

''میں چیلنج پسند کرتی ہوں۔ آسانی سے ہار نہیں مانتی۔ تم دیکھ لینا۔''

''بہت اچھی بات ہے۔ لگتا ہے، سر کی قسمت بہت اچھی ہے جو آپ اس کمپنی میں آ گئی ہیں، ورنہ آپ سے پہلے دس مہینے میں بیس بندے اس سیٹ کے لئے آئے اور چلے گئے۔''

''اس دفعہ ایسا نہیں ہوگا۔ میں خاصی ڈھیٹ ہوں۔''

مریم فائل لے کر پلٹی اور عاکف کی طرف بڑھائی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ عاکف بھی مسکرانے لگا۔

☆......☆......☆

انعم فون پر سلمان سے شکایت کر رہی تھی۔ اُس کا موڈ بہت خراب تھا جبکہ سلمان بہت پُرسکون اور نارمل لہجے میں اُس سے بات کر رہا تھا بلکہ اُس کی شکایت کی طوالت سے وہ بہت بے زاری سے گویا ہوا تھا۔

''یار......! کیوں ایشو بنا رہی ہو......؟ بندہ ہوش میں ہو تو عقل کی بات کرے۔''

''اُسے تم یہ سمجھاؤ کہ وہ بے ہوش ہو کر اِدھر نہ آیا کرے۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔''

انعم نے غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچے ہوئے سلمان سے کہا۔

''کم آن......relax!''

سلمان دوسری طرف سے اُسے پُرسکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میں اُسے سمجھا دوں گا۔''

''صرف سمجھاؤ نہیں، اُسے یہ بھی بتاؤ کہ میں اور تم شادی کرنے والے ہیں۔ میرا تم سے کیا رشتہ ہے، اُسے اس رشتے کا احساس کرنا چاہئے۔''

انعم ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔

''احترام......؟''

سلمان نے معنی خیز انداز میں ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ انعم اُس کا قہقہہ سن کر جیسے سُن سی ہو گئی کہ اُس نے ایسی کیا بات کی کہ سلمان ایسے زور زور سے ہنسنے لگا......؟

''تم ہنس کیوں رہے ہو......؟''

اب وہ چڑ کر بولی۔

''ارے......! اس بات پر ہنس رہا ہوں کہ ابھی میرا اور تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ جب رشتہ ہوگا تو اعلان بھی ہو جائے

گا۔ اگر میں ایسی بات کرتا بھی ہوں تو کون میری بات پر یقین کرے گا......؟ سمجھ رہی ہو میری بات......؟''

''لیکن میری اور تمہاری دوستی ایک Commitment ہے۔ جو دوستی سے زیادہ ہوتی ہے۔''

''ہاں ہاں......! ٹھیک ہے......! لیکن ایک بے ہوش بندے کو، نشے میں دھت انسان کو یہ بات نہیں سمجھائی جا سکتی۔''

''لیکن میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ آئندہ اُس نے ایسی حرکت کی تو میں اُس کو چھوڑوں گی نہیں۔ سر پھاڑ دوں گی اُس کا۔''

''میں ابھی فون کر کے اُسے سمجھا دیتا ہوں۔ میری جان......! تم میرے ہوتے ہوئے پریشان نہیں ہو سکتی۔ تمہیں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ مجھے تمہارا کتنا خیال ہے۔ میں ابھی اُسے فون کر کے سمجھا دیتا ہوں۔ تم دیکھنا، پھر تمہارے ساتھ اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوگی۔''

سلمان نے اُسے بھرپور انداز میں تسلی دی جس سے انعم پر اچھا خاصا اثر ہوا اور وہ قدرے relax ہوگئی۔

''لیکن تم کب آ رہے ہو......؟ یہ تو بتاؤ۔''

''بس......! چند دنوں میں پہنچ جاؤں گا۔''

سلمان نے جواب دیا۔

''بہت بڑی رقم پھنس گئی تھی۔ بس دن رات اسی چکر میں لگا ہوا ہوں۔ اب وہ مسئلہ حل ہو تو میں تمہارے پاس پہنچوں۔ ظاہر ہے، وہاں رہنے کے لئے بھی، عیاشیاں کرنے کے لئے بھی مال تو چاہئے، اور مال پھنسا ہوا ہے۔''

''اندازاً کتنی رقم ہے......؟''

انعم پوچھنے لگی۔

''یار......! ایسی باتیں فون پر نہیں کی جا سکتیں۔ جب آؤں گا تو تمہیں بتا دوں گا۔ تم سے کچھ چھپاؤں گا تھوڑی۔''

''اوہ......!''

انعم یہ سنتے ہی جیسے خوشی سے جھومنے لگی۔ ایک خوب صورت زندگی اُس کی آنکھوں کے سامنے رقصاں تھی جس کے لئے اُسے انتظار کے کانٹوں پر آخر چلنا ہی تھا۔ لیکن اب کچھ دیر پہلے کی کیفیت سے اُسے نجات مل چکی تھی۔ وہ کھل کر مسکرا رہی تھی۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم رو رو کر نڈھال ہو رہی تھیں۔ احساسِ ذلت اور رُسوائی نے اُنہیں جیسے پاگل کیا ہوا تھا۔ آج اُن کی دوست اُن کو یہ بتا کر گئی کہ اُس نے انعم کو کل اِسی شہر میں دیکھا تھا۔ کل کو کوئی اور کہے گا۔ وہ کب تک چھپا سکیں گی......؟ کب تک اس عظیم رُسوائی سے اپنا دامن بچا سکیں گی......؟ اُس خیال سے ہی وہ رو رو کر پاگل ہو رہی تھیں۔ اماں بی اُن کے کندھے تھامے حیران پریشان کھڑی تھیں۔

''ارے بیٹا......! آخر ہوا کیا ہے......؟ کیوں رو رہی ہو......؟''

مگر سلمیٰ بیگم جواب دینے کی بجائے مسلسل روئے چلے جا رہی تھیں۔ اُن کا رونا بھی اس طرح کا تھا کہ اماں بی نے حواس باختہ ہو کر فرح کو آواز دی۔

''ارے دُلہن......! آپ کہاں ہیں......؟ یہاں آ کر ذرا دیکھیں تو سہی، بیٹیا رو رو کر پاگل ہو رہی ہے۔''

وہ سلمٰی کے آنسو بھی پونچھ رہی تھیں، اُن کے سر پر بھی ہاتھ پھیر رہی تھیں، مگر سلمٰی بیگم جیسے ہوش وحواس سے بیگانہ ہو چکی تھیں۔ اسی وقت حماد اور فرح بڑی تیزی سے لاؤنج میں آئے۔ فرح، سلمٰی کو بُری طرح روتا دیکھ کر پریشان ہوگئی۔

''امی......! کیا ہوا ہے......؟ کیوں رو رہی ہیں......؟''

حماد کے چہرے پر بے زاری، جھنجلاہٹ اور دُکھ کی کیفیت تھی۔ وہ بڑی تلخی سے گویا ہوا۔

''کیا ہوا امی......؟ کیا اُس کے مرنے کی خبر آگئی ہے......؟''

فرح ایک دم حماد کو غصے سے گھورنے لگی۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں......؟ امی کی حالت تو دیکھیں۔''

غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں حماد کہنے لگا۔

''سب رو رو کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں۔ میں کیا کروں......؟ میری تو آنکھیں ہی پتھر کی ہوگئی ہیں۔''

پھر رُک کر اُس نے گہری سانس لی اور پھر بولا۔

''بھیگتی بھی نہیں ہیں۔''

سلمٰی بیگم، حماد کی بات سن کر جیسے تڑپ گئیں اور اپنی جگہ سے کھڑی ہو کر حماد کو کندھوں سے پکڑ کر اپنے گلے سے لگالیا۔

''اُسے لے آؤ بیٹا......! دس جوتے لگاؤ، لے آؤ۔ میں ناصر کے پاؤں پڑ جاؤں گی۔ ابھی بات سنبھل جائے گی۔ دو چار روز اور گزر گئے تو سمجھو ہم گئے۔ پورے شہر میں نقارے بجنے لگیں گے، پھر کچھ نہیں ہو سکے گا۔''

''امی......! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ......؟ سب کچھ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ سب کچھ آپ دیکھ رہی ہیں۔ پھر بھی ایسی باتیں کر رہی ہیں۔ اتنی آسانی سے قابو میں آنے والی ہوتی تو ہم اتنے عذابوں سے کیوں گزر رہے ہوتے......؟''

حماد نے پھر تلخی سے کہا۔ فرح نے سلمٰی بیگم کو کندھوں سے تھام لیا۔

''امی......! پلیز، آپ بیٹھ جائیں۔ جو کچھ ہو سکے گا ہم سے، وہ ضرور کریں گے۔ اپنی سی کوشش تو کر رہے ہیں ناں......!''

''ارے بیٹا......! میں تمہیں کیا بتاؤں......؟ جب سے تمہاری حمیرا آنٹی گئی ہیں، میرے تو چاروں طرف اندھیرے چھا گئے ہیں۔''

''حمیرا آنٹی......؟ کیا کہا حمیرا آنٹی نے......؟''

حماد نے اب بہت گہری نظروں سے ماں کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''کل اُس نے انعم کو دیکھ لیا تھا۔ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ انعم اسلام آباد میں رہتی ہے۔ میں تو کل اُسے اِسی شہر میں دیکھا ہے۔ بیٹا......! ایک جھوٹ کو سنبھالنے کے لئے ستر جھوٹ بولنا پڑتے ہیں اور ہمیں تو ستر جھوٹ کے بعد بھی جھوٹ ہی بولتے رہنا ہے۔ اس لئے کہہ رہی ہوں کہ اُسے لے آؤ۔''

سلمٰی بیگم پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

''امی......! آپ خود کو سنبھالیں۔ جس عزت کی وجہ سے آپ اس وقت رو رو کر نڈھال ہو رہی ہیں، اُسی عزت کی مجھے بھی اُتنی ہی فکر ہے جتنی کہ آپ کو، بلکہ شاید اس گھر کا ایک مرد اور بھائی ہونے کے ناطے مجھے تو کچھ زیادہ ہی مشکلات سے گزرنا ہوگا۔ اس لئے کہ مجھے تو روز لوگوں سے ملنا ہے، روز گھر سے باہر جانا ہے، میں تو گھر میں بند ہو کر بھی نہیں بیٹھ سکتا۔ آپ خود کو سنبھالیں۔ مجھ سے جو ہو سکے گا، وہ تو میں کروں گا۔''

حماد نے اب بڑی دل سوزی اور نرمی سے ماں کو سمجھایا اور خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔ فرح نے سلمیٰ بیگم کا سر اپنے کندھے سے لگایا ہوا تھا۔ دُکھ، پریشانی اور اذیتیں اُس کے چہرے پر نقش تھیں۔ انابی اپنی جگہ گم صم بیٹھی تھیں۔ اُن کی حاضر جوابی اور حاضر دماغی اس وقت اُن کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

☆......☆......☆

مریم اپنے آپ کو سنبھال کر اپنی تمام تر توانائیاں اکٹھا کر کے آفس ورک میں مصروف تھی۔ وہ اب ہر طرف سے اپنے ذہن کو ہٹا لینا چاہتی تھی۔ اُس نے اپنے آپ کو سمجھا لیا تھا کہ جو ہونا تھا، وہ ہو چکا۔ اُسے جو فیصلہ کرنا تھا، وہ کر چکی۔ اس لئے اب اُسے اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو جانا چاہئے اور کسی گزری ہوئی بات پر سوچ بچار کر کے اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ یہ ہی سوچ کر اُس نے کئی دن کے رُکے ہوئے کام نکالے تھے۔ مگر اُس کے موبائل پر عدیل کی کال آئی تو وہ پھر بکھرنے لگی۔ نئے سرے سے دماغ میں آندھیاں اُٹھنے لگیں۔ اُس نے لائن کاٹ دی، کیونکہ وہ سمجھ رہی تھی کہ جو کچھ اسے کہنا تھا، کہہ چکی ہے۔ اب عدیل سے بات کرنے کے لئے اُس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ فون بند ہونے کے فوراً بعد رِنگ دوبارہ ہونے لگی۔ مریم نے لائن دوبارہ پھر کاٹ دی۔ کیونکہ سلمیٰ بیگم کے وقفے وقفے سے اُس کے پاس فون آرہے تھے، اس لئے وہ فون آف بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اُسی وقت لینڈ لائن نمبر پر گھنٹی بجی۔ اُس نے بے سوچے سمجھے بے اختیاری میں فون attend کر لیا۔ عدیل نے اب اُسے لینڈ لائن نمبر پر ٹرائی کیا تھا اور مریم کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ عدیل سیل فون attend نہ ہونے کے بعد لینڈ لائن نمبر پر بھی ٹرائی کر سکتا ہے۔ فون اٹینڈ ہوتے ہی عدیل نے اُس کے ''ہیلو'' سننے کا بھی انتظار نہیں کیا اور فوراً شروع ہو گیا۔ مریم نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ عدیل کہہ رہا تھا۔

تمہیں اتنا احساس نہیں کہ تمہاری بہن نے کچھ دن پہلے ہی اپنے شوہر سے طلاق لی ہے، بلکہ نیا ساتھی بھی چن لیا ہے۔ تم لوگ اپنے گھر والوں کا بھی احساس نہیں کرتے۔ میری بات کا تو تمہیں اعتبار نہیں، میرا تو تمہیں احساس نہیں......''

عدیل نے کہہ دیا تھا۔

''خاموش ہو جایئے عدیل......!''

''انعم جو کر رہی ہے، وہ خود بھگتے گی۔ آپ مجھ سے صرف میری بات کیجئے اور emotionally بلیک میل کر کے اپنے زیادتی پر پردہ ڈالنے کی کوشش مت کیجئے۔''

''میں تمہیں بلیک میل نہیں کر رہا ہوں مریم......! تمہاری غلط فہمی دُور کر کے تمہیں بھی پُرسکون کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں آپ کو کہہ چکی ہوں کہ مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔ میں نے حقیقت دیکھی، حقیقت کو مان لیا اور حقیقت کے ساتھ زندگی کو آگے کی طرف move کرنا شروع کر دیا۔''

”تم میری بیوی ہومریم......! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔“

”آپ سوچتے رہئے کہ میں آپ کی بیوی ہوں۔ میں نے تو آپ کو اپنی کتابِ زندگی سے نکال دیا ہے، اور رہی محبت......؟ آپ کو کیا پتا کہ محبت کیا ہوتی ہے......؟ محبت کا نام لینا بڑا آسان ہے، لیکن اس کے معنی سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ یہ بہت عظیم بندھن ہے۔ دُور تک ریشمی دھاگے میں بندھا ہوا ہے۔ اس میں پڑی ہوئی ننھی منی سی گرہ بھی بہت چبھتی ہے، اور وہ صرف مجھے چبھ رہی تھی، اس لئے میں نے اس بندھن کو توڑنے میں دیر نہیں لگائی۔ خدا حافظ......!“

مریم نے یہ کہہ کر لائن کاٹ دی اور ریسیور کریڈل پر رکھنے کی بجائے میز کی سطح پر رکھ دیا۔ یعنی اُس نے فون ہی engage کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

انعم بہت ٹینشن میں گہری سوچوں میں گم تھی۔ سوچ سوچ کر اُس کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔ اس لئے کہ یہ انتہائی غیر متوقع صورتِ حال تھی۔ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، جو حسین خواب دیکھ کر وہ دو گھروں کو لات مار کر نکلی ہے، ان حسین خوابوں کی اتنی بھیانک تعبیر اور وہ بھی اتنی جلدی سامنے آ جائے گی۔ عابد اور یاسر نے اُسے قید کیا ہوا تھا۔ وہ اُس کی پہرے داری کر رہے تھے۔ وہ کہیں فون بھی نہیں کر سکتی تھی۔ لینڈ لائن نمبر کی لائن اُنہوں نے کاٹ دی تھی اور موبائل فون اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ وہ سوچتی رہی کہ کس طرح اُن شیطانی چال چلنے والوں کے چنگل سے نکلے......؟ چھوٹی سی چڑیا کو جال ڈال کر گھیر لیا جائے تو وہ بھی جال سے نکلنے کی ہزاروں تدبیریں سوچ لیتی ہے۔ وہ انسان تھی اور وہ بھی ایسی انسان، ایسی لڑکی جس نے کبھی پابندی کا مزہ نہیں چکھا تھا۔ اپنی من مانی کرتے ہوئے یہاں تک پہنچی تھی۔ اُسے اندازہ ہو گیا کہ وہ اُن مسلح شیطانوں کا مقابلہ غصے سے، ضد سے یا شور مچا کر نہیں کر سکتی۔ بہر حال اُس نے اُن کی اس قید سے نجات کا راستہ ڈھونڈ لیا۔ وہ منتظر تھی کہ وہ دونوں اب کس وقت اُس کے پاس آتے ہیں......؟ وہ پُر امید تھی بلکہ اُس کو یقین تھا کہ جب وہ دونوں یہاں آئیں گے تو اُسے ساتھ لے کر جائیں گے۔ اُس کی قید اتنی ہی دیر تک کی باقی رہ گئی ہے، جتنی دیر تک وہ یہاں نہیں پہنچ جاتے۔ وہ اب ہلکی پھلکی نظر آ رہی تھی۔

☆......☆......☆

ناصر کے اصرار پر اُجالا آخر کار ہار کر چائے پینے پر تو رضا مند ہو گئی تھی، یعنی وہ اُس کی بات سننے کے لئے تیار ہو گئی تھی۔

ناصر کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اُس سے کیا بات کرے گی......؟ ناصر کے ذہن میں تو یہ تھا کہ وہ اُسے ڈائریکٹ پرپوز کر دے گا۔ اُجالا یہ سوچ کر اُس کی بات سننے چلی آئی تھی کہ ناصر کی بات سن کر وہ اُسے دوٹوک فیصلہ سنا دے گی اور اُسے سارے حقائق بتا دے گی۔ اُس نے ناصر کو پہلے بولنے کا موقع نہیں دیا، بلکہ ٹیبل پر آتے ساتھ ہی اُس نے ناصر سے request کی تھی کہ پہلے وہ سارے حقائق سن لے، اُس کے بعد فیصلہ کرے کہ جو کچھ وہ کہنے آیا ہے، اُسے کہنا چاہئے کہ نہیں......؟ ناصر نے بڑے تحمل سے اُس کی بات سنی۔ اگرچہ اندر سے وہ بہت ٹوٹا بکھرا، بہت حیران اور پریشان تھا، لیکن اُس نے کمال کنٹرول سے خود کو سنبھالے رکھا۔ چونکہ وہ اُجالا کی معصومیت دیکھ کر کبھی غلطی سے بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ اس لڑکی کی بیک گراؤنڈ ریڈ لائٹ ایریا سے تعلق رکھتی ہے، لیکن وہ اب خاندانوں کی طرف دیکھنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ اُسے تو اپنی ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی کو سنبھالنے کے لئے کسی کھیون ہار کی ضرورت تھی۔ اُسے کسی کے ماں باپ، رشتے دار سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ خود سے خوف آ رہا تھا۔

اسے یوں لگتا تھا جیسے اُس کے ساتھ کوئی نہ چلا، اپنے دُکھ سکھ شیئر نہ کئے تو وہ تنہائی میں کچھ کر بیٹھے گا، اور جو اُس نے اُجالا کو دیکھ کر سوچا تھا کہ اتنی قربانی دینے والی، اتنی ایثار پیشہ نرس جواُن مریضوں کے قریب نظر آتی ہے جن مریضوں کے پاس کوئی ایک منٹ ٹھہرنا پسند نہیں کرتا، اُس کا یہ انداز، یہ اندازِ ہمدردی، یہ نرم دلی ہی تو اُجالا کی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ جس انسانیت کو وہ ڈھونڈتا تھا، وہ اُجالا میں تو بالکل صاف نظر آ رہی تھی۔ اُجالا نے اپنی تمام بات ختم کر دی اور ناصر کی طرف مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ اب ناصر ڈبل مائنڈڈ ہو چکا ہوگا۔ یقیناً وہ اُس سے ٹائم لے گا سوچ بچار کے لئے اور دل ہی دل میں ہنستی رہی تھی کہ اُس نے اتنی جلدی ناصر کو خوابوں اور سرابوں کے جہاں سے باہر کھینچ نکالا۔ وہ بہت مطمئن بیٹھی تھی۔ ناصر گہری سوچ میں تھا۔

''میرے خیال میں آپ اپنی چائے ختم کر کے اس میٹنگ کو بھی ختم کر دیں۔ کیونکہ آپ کو سوچنے کے لئے ٹائم چاہئے ہوگا۔''

اُجالا نے اپنا ہینڈ بیگ اُٹھا کر کندھے پر لٹکاتے ہوئے ناصر کو مخاطب کیا، کیونکہ وہ اُس کی طویل خاموشی سے وہ یہی کچھ اخذ کر سکی۔ ناصر نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے جانے سے روک لیا۔ اُجالا اُس کی اس حرکت پر بُری طرح ٹپٹا گئی۔ اُس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لئے مزاحمت کی۔

''پلیز ناصر حسین......! مجھے جانے دیجئے۔ جو کچھ میں نے آپ کو بتایا ہے، اُس پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیجئے۔ اس کے بعد شاید آپ جو فیصلہ کریں گے، وہ بہت solid ہوگا۔''

اُجالا اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن ناصر کی گرفت اُس کے ہاتھ پر بہت مضبوط تھی۔

''مجھے کچھ غور نہیں کرنا، اس لئے کہ میں جتنے دن ہسپتال میں رہا، جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا، وہ بہت ہے۔ وہ ایک تصویر جو میرے ذہن پر نقش ہوگئی، اُس کے رنگ بڑے پکے ہیں۔ اب اس طرح کی باتیں اُس تصویر کو دُھندلا نہیں کر سکتیں۔''

ناصر نے بہت اعتماد سے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''ناصر صاحب......! میری اور ماما کی ایک commitment ہوئی تھی۔ اُنہوں نے مجھے اس شرط پر نرسنگ کی اجازت دی تھی کہ میں اپنا شوق پورا کروں گی، لیکن شادی نہیں کروں گی اور ساری زندگی نرسنگ کے شعبے سے ہی وابستہ رہ کر گزار دوں گی۔ ماما سے اپنی یہ شرط منوانا کچھ آسان نہیں تھا۔ اس کے لئے میں نے بڑی جدوجہد کی۔ آخر ماما کو راضی کر لیا۔ میں اپنی commitment کی پابند ہوں۔ اگر میں نے اپنی commitment پوری نہیں کی تو وہ مجھے اپنی شرائط پر زندگی گزارنے پر مجبور کریں گی اور میں وہ سب کچھ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔''

اُجالا نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں ناصر کو جواب دیا۔

''وہ تمہیں کمرشل بننے پر مجبور نہیں کریں گی، لیکن وہ کسی ایک کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ نہیں دیں گی۔ آخر تم نے کسی ایک کا ہاتھ تو تھامنا ہے، چناؤ تو کرنا ہے، تو پھر میرے لئے کیوں نہیں سوچتی......؟ میں جو تمام حقیقتوں سے باخبر ہو کر تمہیں پورے دل و جان سے اپنانا چاہتا ہوں۔ اگر تم اُس خطرے سے ہمیشہ کے لئے نجات چاہتی ہو جس نے تمہاری زندگی کو بے سکون کیا ہوا ہے، تو یہ بڑا اچھا راستہ ہے۔ گھر کی چار دیواری اور پُرخلوص ساتھی، ایک سچی عورت کو اس سے زیادہ اور کیا چاہئے ہوتا ہے......؟''

ناصر نے اُس کے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر اُسے بیٹھنے پر مجبور کیا۔ اُجالا تھکے تھکے انداز میں بالآخر بیٹھ گئی۔ اُس کے چہرے پر

ایک گہری سوچ تھی۔ وہ جتنی سکون کی زندگی کے خواب دیکھتی تھی، وہ زندگی بالکل اُس کے قریب ہی تو کھڑی تھی، لیکن بہت سارے اندیشے اُسے کسی حتمی فیصلے سے روک رہے تھے۔

"دیکھیں ناصر......! ماما کسی صورت بھی میری آپ سے شادی پر رضامند نہیں ہوں گی۔"

وہ سوچتے سوچتے بولی۔ ناصر حسین نے اُس کی طرف دیکھا اور بے ساختہ مسکرا دیا۔

"تم اُن کی اجازت کی پابند نہیں ہو اُجالا......! تم اپنی شادی کے فیصلے کا حق اور اختیار رکھتی ہو۔ اگر تم شادی کرنا چاہو تو تمہیں کون روک سکتا ہے......؟"

"وہ تو آپ کی بات ٹھیک ہے ناصر......! لیکن ایک جگہ سے تو گزرنا ہوگا۔ اتنی آسانی سے تو ماما رضامند نہیں ہوں گی۔"

"میں تمہاری ماما سے بات کر کے دیکھوں، اپنے طور پر۔"

"کر لیں......!"

اُجالا پھر سوچتے سوچتے اسی گم صم کیفیت میں کھوئی ہوئی بولی۔

"ٹھیک ہے......! تم مجھے اُن کا ایڈریس بتاؤ، میں آج ہی اُن سے بات کرتا ہوں۔"

ناصر کی آنکھوں سے گہری سوچ کا عکس واضح تھا۔ اُسے پتا تھا، وہ ایک نئے میدان کارزار میں قدم رکھ رہا ہے، لیکن اس راہ سے گزرنا تو تھا ہی، اس راہ کو طے کیے بغیر منزل تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔

☆......☆......☆

"مس مریم......! آج بہت کام ہے۔ بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ کئی دن کا کام جمع ہو گیا ہے اور آج یہ تمام کام مکمل کر کے ہی دم لینا ہے۔"

مریم کے ایم ڈی اظفر کمال اپنے آفس میں مریم سے کہہ رہے تھے۔

"جی سر......! میرا بھی یہی خیال ہے کہ آج یہ کام نمٹا دینا چاہئے، کیونکہ بہت ساری ضروری چیزیں pending میں چل رہی ہیں۔"

"جی جی......! ٹھیک ہے۔ آپ یہیں میرے کمرے میں بیٹھ کر کام کیجئے۔"

اظفر کمال نے کہا۔ مریم نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا۔

"آپ کے کمرے میں......؟"

"ہاں ہاں......! کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ مطلب ہم لوگوں کی بات چیت ہونی ہے فائلوں پر۔ وہ بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہے گی، اور کام اس طرح کی تیزی سے آگے move کرے گا۔"

"سر......! میرا خیال ہے کہ آپ کے کمرے میں مختلف قسم کی meetings چلتی رہتی ہیں تو disturbance رہے گی، بہتر ہے کہ میں اپنے کمرے میں ہی کام کر لوں۔"

مریم نے ہچکچاتے ہوئے جیسے اپنے کمرے میں کام کرنے کی اجازت طلب کی۔ اُسے بڑا عجیب سا لگا تھا۔ کچھ محسوس ہوا تھا، لیکن وہ یقین کرنا نہیں چاہ رہی تھی کہ ایسا کچھ ہے یعنی یہ کہ اُس کا باس بھی اسی طرح کا باس ہے، جو فی میل ایمپلائز کے

ساتھ بیٹھ کر خوشی محسوس کرتا ہے یا اُن کے ساتھ بیٹھنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔

''ہاں......! لیکن پھر بھی دیکھیں، آپ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دفتر سے اُٹھیں گی، میرے پاس آئیں گی۔ کچھ فائلیں ایسی ہیں جو پراپر ڈسکشن کے بغیر فارورڈ نہیں کی جاسکتیں اور آپ بھی اپنا کام without ڈسکشن پورا نہیں کر پائیں گی۔ میں اس خیال سے کہہ رہا تھا۔''

اظفر کمال نے بروقت وضاحت کر کے مریم کی ذہنی اُلجھن کو فوراً ہی دُور کر دی تھی۔

''اٹ از اوکے سر......! لیکن میں اپنے روم میں ہی feel comfortable کرتی ہوں۔''

''اوکے اوکے......! ٹھیک ہے......! آپ جائیں اپنے روم میں۔''

''تھینک یو سر......!''

مریم فائلوں کا انبار اُٹھا کر جانے کے لئے پلٹی۔ عین اُسی وقت ایک نوجوان دروازہ کھول کر اندر جھانکتے ہوئے بڑے پُر جوش انداز میں سلام کر رہا تھا۔

''السلام علیکم انکل......!''

''اوہ سہیل......! وعلیکم السلام......! آؤ آؤ......! خیریت بھئی......؟ آج کیا جلدی اُٹھ گئے تھے......؟''

''نہیں......! اُٹھا تو میں اُسی طرح ہوں جیسے روز اُٹھتا ہوں۔ بس یہ ہے کہ ہسپتال جانے سے پہلے آپ کے پاس آ گیا ہوں۔ وہ مجھے چیک......''

وہ اندر آ کر دروازہ بند کرتے ہوئے ایک تواتر سے بولا تھا۔ مریم کے چہرے پر نظر پڑتے ہی جیسے بریک لگ گئی۔

''اوہ......!''

اظفر کمال سمجھ گئے کہ وہ مریم کو دیکھ کر رُک گیا ہے۔ اُنہوں نے فوراً مریم سے اُس کا تعارف کروایا۔

''مس مریم......! یہ ڈاکٹر سہیل ہیں، اور ڈاکٹر سہیل......! یہ ہیں مس مریم۔''

''نائس ٹو میٹ یو......!''

ڈاکٹر سہیل نے بے ساختہ انداز میں بنا سوچے سمجھے بڑے والہانہ انداز میں مریم کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ مریم نے مسکرا کر اُس کے خیر سگالی پیغام کا جواب دیا اور اُس کا بڑھایا ہوا ہاتھ نظر انداز کر دیا۔ سہیل نے ذرا سا کھسیا کر اپنا ہاتھ اپنی جینز کی پاکٹ پر مسلا، پھر جیب میں ڈال لیا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر مریم کی طرف دیکھ رہا تھا بلکہ اُس کی نظر مریم کے سراپے کا بھرپور جائزہ لے رہی تھی۔ مریم نے اُس کی نظروں سے بچتے ہوئے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

☆......☆......☆

عابد اور یاسر لاک کھول کر اندر داخل ہوئے تو حیرت کا زوردار جھٹکا لگا۔ انعم کا حلیہ بدلا ہوا تھا، اُس نے ڈریس بھی چینج کیا ہوا تھا، بال بھی سنوارے ہوئے تھے بلکہ وہ اپنا بیگ کاندھے پر لٹکائے سینے پر دونوں ہاتھ لپیٹے ٹہل رہی تھی۔ جیسے ہی دونوں اندر داخل ہوئے، انعم نے مسکرا کر اُن کی طرف دیکھا۔

''ہیلو......!''

اُس کا گرم جوش ''ہیلو'' سن کر تو دونوں جیسے بے ہوش ہوتے ہوتے بچے اور اپنی آنکھیں ملنے لگے جیسے خود کو یقین دلا رہے ہوں کہ وہ کوئی خواب نہیں دیکھ رہے۔

''میں کتنی دیر سے تم دونوں کا انتظار کر رہی تھی۔''

انعم اُن کے قریب آ کر بڑے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔ دونوں نے آنکھیں پھاڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔

''ہمارا انتظار......؟''

''ہاں......! میں تمہارے proposal پر غور کرتی رہی۔ میں نے سوچا کہ یہ ٹھیک ہے کہ سلمان نے تو مجھے دھوکہ دے دیا۔ اب تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ تو یہ زیادہ بہتر ہے کہ میں تم دونوں کی بات مان لوں۔ تم مجھے شہر کے بوڑھے رئیس کے پاس لے جانے کی بات کر رہے تھے، جہاں بڑی ہینڈسم salary کی آفر ہے۔''

''ہاں ہاں......! بالکل بالکل......!''

عابد اور یاسر تو مارے خوشی کے بے ہوش ہی ہوتے لگے۔ لاکھوں روپے کا چیک اُن کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ بیٹھے بیٹھے بوڑھے رئیس کی دولت ہاتھ آنے کے خیال سے ہی اُن کی حالت غیر ہونے لگی۔

''تو چلو......! میں تو تیار ہوں۔ بلکہ بہت دیر سے تیار ہوں۔ تم لوگ ہی دیر سے آئے ہو۔''

''ہاں ہاں......!''

وہ ایک دم بوکھلا سے گئے۔ وہ اپنی خوشی چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے خود کو کنٹرول کرنے لگے۔

''تو دیر کس بات کی ہے......؟ چلیں......!''

انعم نے بڑی ادا سے مسکرا کر اُن کی طرف دیکھا۔

''بالکل بالکل......! اب تو بالکل بھی دیر نہیں ہونی چاہیے۔ دیر تو اس وجہ سے ہو رہی تھی کہ تم وہاں جانے کے لئے تیار نہیں تھی۔ اب تم تیار ہو تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، اور یہ چیز ذہن میں رکھو کہ وہ لاوارث بوڑھا ہے۔ ایک دن اُس کی دولت ٹرسٹ میں چلی جائے گی۔ ویسے ایک بات ہم بتا دیں تمہیں، اُس کا نام بھی دولت خان ہے۔ کمال کی بات ہے کہ کسی دولت مند کا نام بھی دولت خان ہو۔ یہ بڑا دلچسپ اتفاق ہی ہے۔''

عابد نے یاسر کی طرف دیکھ کر مسکرا کر کہا۔ خوشی سے اُس کی باچھیں چری جا رہی تھیں۔

''ہوں......! مزے کا نام ہے۔''

انعم نے اسی طرح اپنائیت بھری دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''تو ہم تمہیں یہ بتا رہے تھے کہ وہ بوڑھا رئیس لاوارث ہے۔ اُس کا کوئی وارث نہیں ہے۔ اُسے ایک جوان کمپنی چاہیے، فریش۔ اُس کا وہ اچھا خاصا معاوضہ ادا کرنے کے لئے تیار ہے۔ چونکہ ہم تمہیں وہاں پہنچا رہے ہیں تو ہمارا حصہ طے ہوگا۔ تم نے اُس بوڑھے کی دولت سے ہمارا اخلاقی حق دلوانا ہے۔ تین لاکھ روپے کا ماہانہ چیک تمہارے ذریعے باقاعدگی سے ہمارے پاس آئے گا۔ باقی جو کچھ بھی ہے، وہ تمہیں وہاں جا کر پتا چل جائے گا۔''

''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، تین لاکھ......؟ اتنا بڑا رئیس ہے اور تین لاکھ جتنی معمولی رقم اُسے نکلوانا میرے لئے کوئی مسئلہ

ٹڈاں ہوگا۔"

انعم نے اپنے طور پر اُنہیں بھرپور تسلی دی۔ یہ سن کر تو جیسے اُن کے اندر بجلیاں سی دوڑ گئی تھیں۔ اُنہوں نے بڑے دوستانہ انداز میں ہاتھوں کا اشارہ کرتے ہوئے اسے اپنے سے پہلے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ انعم اٹھلاتی ہوئی آگے کی طرف بڑھی۔ آزادی کے خوش گوار احساس سے اب اُس کا اَنگ اَنگ جھوم رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ کسی طرح عابد سے اپنا سیل فون لے کر سلمان کو ساری رپورٹ دے۔ اس کے بعد سلمان نے جو حشر عابد اور یاسر کا کرنا تھا، اُسے اندازہ تھا۔

☆......☆......☆

"عدیل تو جیسے اس گھر میں نظر ہی نہیں آتا۔ بہت مصروف رہتا ہے۔"

بشر علی لاؤنج میں بیٹھے ہوئے مریم سے باتیں کر رہے تھے۔ ایک اُلجھن سی اُن کے چہرے سے واضح تھی۔ مریم، بشر علی کا سوال سن کر جواب میں خاموش رہی اور اپنی ہتھیلیوں کو غور سے دیکھنے لگی۔

"تم بھی بہت چپ چپ نظر آ رہی ہو۔ بھئی......! میں تم سے بات کر رہا ہوں۔ عدیل کا پوچھ رہا ہوں۔ کیا بہت مصروف ہے وہ......؟ ٹھیک ہے، بزنس میں مصروف رہتے ہیں، لیکن ابھی تو اُس کی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ اُسے گھر کو اور تمہیں پراپر ٹائم دینا چاہئے۔"

بشر علی کے ہونٹوں پر بظاہر مسکراہٹ تھی لیکن آنکھوں میں گہری سوچ اور سنجیدگی تھی۔ رُوحانی قربتیں لفظوں کی محتاج نہیں ہوتیں۔ وہ بچی جو اُن کے جگر کا ٹکڑا تھی، اگر چہ اُس نے کوئی ایسی بات بشر علی سے نہیں کہی جس سے وہ کھٹکتے، لیکن کچھ ایسا تھا جو اُن کو محسوس ہو رہا تھا۔ اُنہیں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس سجے سجائے گھر میں کوئی کمی سی ہے اور دیواریں آپس میں سرگوشیاں کر رہی ہیں۔ کوئی ایسی بات ہے کہ در و دیوار بھی پریشان ہیں۔ ایک محسوس ہونے والی کیفیت جس کے لئے لفظ تخلیق نہیں ہوئے تھے، اُن کے اندر اُتر رہی تھی، اسی وجہ سے وہ مریم سے پوچھ بیٹھے تھے۔ مریم، بشر علی کی بات سن کر پھر اسی طرح خاموش ہو گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے اندر آنے والے طوفان کو آنکھوں کے راستے باہر آنے سے روک رہی ہے۔ انسان کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو، دُنیا میں کوئی ایک ایسا رشتہ ہوتا ہے، اگر نہیں ہوتا تو اُس کی کمی محسوس ہوتی ہے جس کے سامنے انسان خود کو اُسی طرح عیاں کرتا ہے جیسے کہ خدا کے سامنے، اور اگر ایسا نہ کرے تو انسان، انسان نہ رہے بلکہ خدا بن جائے۔ ہر انسان کو اپنا دُکھ سکھ کہنے کی بھی نہ کبھی ضرورت پیش آتی ہے۔ زندگی بہشت نہیں، یہ تو مشقت گاہ ہے۔ ہر مسکراتا ہوا چہرہ خوشیوں کا مظہر نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر مسکراتے ہوئے چہرے کوئی بھرم ہی رکھ رہے ہوتے ہیں۔ اُس کا بھی وہ رشتہ اُس کے قریب تھا جس سے آج تک وہ دل کی ہر بات کرتی رہی۔ اب اگر بہت کچھ کہنے میں رُکاوٹ پیش آ رہی تھی تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ بوڑھا دل کا مریض نانا، ہو سکتا ہے اُس کا دُکھ نہ سہہ سکے۔

"بھئی بیٹا......! میں دیواروں سے نہیں تم سے بات کر رہا ہوں۔ کیا سوچ رہی ہو......؟ کیا کوئی ایسی بات ہے جو زبان پر آتے آتے رُک رہی ہے......؟ کوئی بات ہے بیٹا......! تو کہہ دو۔ تمہارا نانا ہمیشہ سے جھوٹ سننے کی بجائے سچائیوں کا شیدائی رہا ہے، اور بیٹا......! میں خود کو دھوکے میں رکھنے کا سوچتا ہوں نہ کسی کو دھوکہ دینے کا۔ ساری زندگی اسی احتیاط میں کٹ گئی۔ میں نے حق میں اور سچ میں وہ لذت پائی کہ سارے مزے اس کے آگے ہیچ ہو گئے۔ کوئی پریشانی والی بات ہے بیٹا......! جو تمہارے

چہرے پر لکھی ہوئی ہے اور میں پڑھ بھی رہا ہوں۔ لیکن میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔"

بشر علی نے اب بڑی گہری سنجیدگی کے ساتھ اُسے بات کرنے کا حوصلہ دیا۔

"جی نانا جان......! میں نے بھی زندگی میں کبھی آپ سے جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی کسی بات کو آپ سے چھپانے کی کوشش نہیں کی، لیکن......"

مریم اتنا کہہ کر رو پڑی۔

"لیکن کیا بیٹا......؟"

بشر علی نے اُس کی طرف دیکھا۔

"نانا جان......! آپ نے ابھی ابھی کہا کہ آپ نے سچ اور حق کا وہ مزہ چکھا ہے کہ دُنیا کے سارے مزے اس کے آگے ہیچ ہو گئے۔ بالکل اسی طرح سے جیسے سے آپ نے میری تربیت کی، مجھے اپنی سوچ کے مطابق ڈھالا، میں بھی منافقت سے سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔ مجھے جھوٹ کے سہارے زندگی کو آسان بنانے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ حقیقت کتنی بھی تلخ اور بھیانک کیوں نہ ہو، مجھے اُسی کے ساتھ جینا چاہیئے۔ میں بڑے سے بڑے دُکھ کو بھی اپنانے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔ اگر اس دُکھ میں سچائی ہے اور وہ جھوٹ جس میں میرے لئے بہت سے سکھ نظر آ رہے ہوں، میں اُسے گلے کا ہار نہیں بنا سکتی۔"

مریم اب دبے دبے لہجے میں آہستہ آہستہ آواز میں کہہ رہی تھی۔ بشر علی کے چہرے پر پُرسکون اور مطمئن مسکراہٹ کی جھلک نظر آئی۔

"شاباش......!"

اُن کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"مجھے خوشی ہے کہ میں نے مریم کو جس رنگ میں، جس روپ میں ڈھالا تھا، مریم آج اپنی اُسی حالت میں میرے سامنے بیٹھی ہے۔"

"ٹھیک بات ہے بیٹا......! جھوٹ کا ساتھ کتنے دن کا......؟ سچ تو آخری سانس تک ہمارا ساتھ دیتا ہے اور ایسی بھی کیا کم ہمتی کہ زندگی جھوٹ کا سہارا لینے کے بہانے ڈھونڈنے لگے......؟ جینا ہے تو بڑے حوصلے سے جینا ہے۔"

"جی نانا جان......! میں آپ کو یہی بتانے کا حوصلہ کر رہی تھی کہ میں جھوٹ سے، منافقت سے سمجھوتہ نہیں کر پا رہی۔ میرے اور عدیل کے تعلقات صرف اور صرف جھوٹ اور غلط بیانی کی وجہ سے ختم ہو چکے ہیں۔ on paper نہیں، لیکن جس دن مجھے جھوٹ کا پتا چلا، میں نے عدیل سے اپنا ہر قسم کا ذہنی اور قلبی رشتہ ختم کر لیا۔"

بشر علی نے مریم کی بات سنی اور جیسے سانس روک کر اپنی آنکھیں بند کر کے مراقبے کی کیفیت میں ڈوب گئے۔ اتنا بڑا دھماکہ ہوا تھا کہ بوڑھی جان کو سنبھلنے کے لئے وقفہ چاہیئے تھا۔ وہ جو دن رات اپنی مریم کی خوشیوں کی دُعائیں کرتے تھے، آج وہی مریم اُن کے سامنے دُکھ اور صبر و ضبط کا پہاڑ بنی بیٹھی تھی۔

"نانا جان......! آپ پلیز اس وجہ سے پریشان نہ ہوں کہ میں کسی دُکھ میں ہوں۔ ایمان داری کی بات ہے کہ ایک وقتی جھٹکا ضرور لگا تھا، لیکن اب میں بالکل relax ہوں اور اللہ کا شکر ادا کر رہی ہوں کہ جھوٹ اور دھوکے کے ساتھ میں نے زیادہ

وقت نہیں گزارہ۔ میں اس وقت بھی مکمل سچائیوں کے ساتھ جی رہی ہوں۔ میرے اندر دوسوچیں محو ہیں۔ میں نے سچ کے ساتھ چلنے کا ارادہ کیا اور اس پر قائم ہوں۔ میرے اندر کوئی آندھیاں نہیں اُٹھتیں۔ جھوٹ اور دھوکے کا ایک زور کا جھٹکا لگا تھا۔ میں نے خود کا سنبھال لیا۔ میں اس وقت بالکل relax ہوں۔ میرے اندر ایک سکون اُترا ہوا ہے کہ میں نے سچ کے ساتھ اپنی خوشی کو وابستہ کرلیا ہے۔ آج بھی میں اور سچائی ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں۔ آپ مجھ سے جو مرضی قسم لے لیں، میں اندر سے بہت پُرسکون ہوں۔"

"کیا ہوا......؟ مشکل وقت انسانوں پر ہی آتے ہیں۔ مجھ پر بھی آیا تھا، مگر گزر گیا۔"

"نانا جان......! میں کسی چیز کو روگ کی طرح اپنے ساتھ لگا کر نہیں چل سکتی۔ مجھے ہمت کے ساتھ جینا ہے۔ یہ آپ ہی نے مجھے سکھایا تھا۔ میں جو کچھ آپ سے کہہ رہی ہوں، سچ کہہ رہی ہوں۔ اتنے بڑے بڑے دُکھ انسانوں کو ملتے ہیں جن کو سن کر اور جن کو تصور کر کے ہم لوگ اللہ سے پناہ چاہتے ہیں اور ان دُکھوں سے گزرنے والے بھی تو ہماری ہی طرح کے انسان ہوتے ہیں۔ یہ تو پھر ایک چھوٹا سا دُکھ ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے چلتے چلتے راہ میں صحرا پڑ گیا اور صحرا سے آگے پھر نخلستان کا آغاز ہو گیا ہو۔"

بشرعلی کی مسلسل خاموشی مریم کو الفاظ سے کھیلنے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا چاہتی تھی جس سے بشرعلی کو یقین ہو جائے کہ وہ غمزدہ اور ڈپریس نہیں ہے۔ کیونکہ بشرعلی کو کوئی چیز اگر پریشان کر سکتی تھی تو وہ یہی کہ مریم ڈپریشن میں ہے یا کسی غم سے ٹوٹ رہی ہے۔ بشرعلی نے مریم کا ایک ایک لفظ جیسے تول تول کر سنا تھا۔ اُن کی سماعتیں مریم کا ایک ایک لفظ اپنے اندر جذب کر رہی تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ مریم پوری سچائیوں کے ساتھ بات کر رہی ہے۔ اُن کو دُکھ تو اس بات کا تھا کہ اُن کی ہیرے جیسی نواسی کسی ناشکرے، کسی ناقدرے کے ہاتھ کیوں لگی......؟ لیکن راضی بہ رضا رہنے کی طویل عادت نے اسے بھی اللہ کی مصلحت جانتے ہوئے قبول کیا تھا۔ دُکھ اپنی جگہ پر لیکن جھوٹ سے آزادی کے خوش گوار احساس میں بھی بڑی قوت تھی۔

اُنہوں نے اپنا ہاتھ آہستگی سے بلند کیا اور مریم کے سر پر رکھ دیا۔

"میں جانتا ہوں میری بیٹی بہت باہمت ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی دُکھ انسان کو توڑنے کے لئے نہیں بنانے کے لئے آتا ہے۔ لگتا ہے تم اس کٹھالی سے نکل کر مزید کندن بن جاؤں گی۔ دُکھ سکھ تو زندگی میں آتے ہی رہتے ہیں بیٹا......! لیکن دلوں پر جب بوجھ حد سے بڑھ جائے تو انسان کسی کام کے قابل نہیں رہتا۔ اُسی طرح سے جیو جس طرح جینا چاہتی ہو۔ تیری خاطر، میری خاطر، اُس کی خاطر اپنے اُوپر بوجھ بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ یہ زندگی ایک بار ملتی ہے۔ اس کے ایک ایک پل میں جینا چاہئے اور کچھ اچھا ہی کر جانا چاہئے۔ بہرحال بیٹا......! مایوسی کفر ہے۔ گھپ اندھیرے میں ہمیشہ روشنی کا امکان رہتا ہے اور یہی امکان زندگی کو آگے بڑھنے میں مدد دیتا ہے۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔"

بشرعلی کی آواز میں اعتماد کے ساتھ ساتھ ایک گہرا دُکھ بھی تھا۔

☆......☆......☆

انعم، عابد اور یاسر کے ہمراہ ششدر سی، پتھر کا بُت بنی اُس بوڑھے کی طرف دیکھ رہی تھی جس کا نام عابد نے دولت خان بتایا تھا۔ 65 اور 70 کے درمیان کا بوڑھا آدمی وہیل چیئر پر تھا۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی تھی کہ وہ چلنے پھرنے کے قابل

نہیں۔دولت خان بہت گہری، ناپتی تولتی نظروں سے انعم کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہا تھا۔اُس کی آنکھوں میں خوش گوار کیفیت تھی۔اُس کے دیکھنے کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ اُس نے انٹرویو لئے بغیر ہی انعم کو سندِ قبولیت دے دی ہے کہ وہ اس کے ساتھ یہاں کام کرسکتی ہے۔اب انعم کو یہ جاننا تھا کہ اُس نے یہاں کام کیا کرنا ہے......؟بوڑھے معذور دولت خان کو دیکھ کر ایک طرح سے اُسے اتنا اطمینان تو ہوا تھا کہ یہاں پر کوئی بھوکی نظر اُس کے تعاقب میں نہیں ہے۔البتہ یہ اُلجھن ضرور تھی کہ وہ ایک جوان لڑکی کو ہی کیوں ملازمہ رکھنا چاہتا تھا......؟اور جوان لڑکی بھی وہ جو کوالیفائڈ ہو، کار ڈرائیو کرسکتی ہو، کانٹی نینٹل ڈِشز کی سدبد رکھتی ہو، جو ویل ڈریس ہو، جس کو فراٹے سے انگریزی بولنا آتی ہو۔ان تمام خوبیوں کا وہ کیا استعمال کرنا چاہتا ہے......؟یہ اُلجھن ابھی اُسے تھوڑا سا ستارہی تھی۔

''تو تمہارا نام انعم ہے لڑکی......؟''

دولت خان کی آواز نے گہرے سکوت کو توڑ دیا۔

''جی......!''

انعم نے مختصراً جواب دیا۔

''تمہاری بہت تعریف کی ہے ان لڑکوں نے۔''

دولت خان نے عابد اور یاسر پر سرسری سی نظر ڈالتے ہوئے پھر براہِ راست انعم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ تو جی، جب میں آپ کے ساتھ یہاں کام کروں گی تو ہی آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ تعریف غلط ہوئی تھی یا ٹھیک......؟''

انعم نے برجستہ انداز میں کہا۔وہ بڑے اسٹائل سے بات کررہی تھی اور دولت خان بڑی دلچسپی سے اُس کا جائزہ لے رہا تھا۔

دیکھو بھئی......!یہاں پر تم ماسی بن کر نہیں آئی ہو۔تم میری پرسنل ہیلپر ہو۔اگر تم مجھے مطمئن رکھتی ہو تو تمہارا scope بڑا شاندار ہے۔دولت خان اپنا خیال رکھنے والوں کو مایوس نہیں کرتا۔تم یہاں بہت خوش رہو گی۔''

دولت خان نے جیسے ایک طرح سے انعم کو تسلی دی۔ایک نفسیاتی حربے کے طور پر کہ آنے والی لڑکی کہیں اندر سے پریشان نہ ہورہی ہو......؟

''جی......!مجھے اندازہ ہورہا ہے۔آئی دِل ٹرائی بیسٹ......!آپ میری پرفارمنس دیکھ لیجئے۔آپ مطمئن ہوں گے تو مجھے بھی بہت خوشی ہوگی۔''

''گڈ......!''

دولت خان نے بڑے اسٹائل سے دبنگ لہجے میں کہا۔

''اور بھئی......!تمہارا حساب کتاب بعد میں ہوجائے گا۔تم ابھی جاسکتے ہو۔''

دولت خان نے عابد اور یاسر سے کہا۔

''سر......!وہ......''

عابد نے کچھ بولنے کی کوشش کی۔

''بھئی......! کہہ دیا ناں......!''

دولت خان نے ذرا خفگی سے ٹوکا۔

''یہ میرا گھر ہے، میں یہاں سے کہیں بھاگ کر جانے والا نہیں۔ اطمینان رکھو، جو کچھ تم سے طے ہوا ہے، وہ تمہیں مل جائے گا۔ اب تم جاؤ۔''

عابد اور یاسر نے بڑی مایوسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ وہ تو سوچ رہے تھے کہ دولت خان اُن کے ہاتھ پر کچھ نہ کچھ تو رکھے گا۔ لیکن دولت خان بھی بہت کائیاں تھا۔ وہ انعم کا ٹیسٹ لئے بغیر ایک بھاری رقم اُنہیں کیسے دے سکتا تھا......؟ وہ دونوں اُداسی سے سر ڈال کر باہر کی طرف چل دیئے۔ دولت خان نے انعم کو اپنے سامنے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انعم جلدی سے بیٹھ گئی۔ دولت خان مسکراتے ہوئے نئے سرے سے اُس کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

سلمٰی، بشر علی کو لینے آ گئی تھیں۔ اُن کا خیال تھا کہ شاید بشر علی سارا دن بور ہوتے رہتے ہوں گے۔ بشر علی نے سلمٰی کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا پھر بولے۔

''مریم تھکی ہوئی آتی ہے تو وہ مجھ سے باتیں کر کے ذرا ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے۔ تمہارے پاس تو بہت مصروفیت ہے۔ چند دن کے بعد دیکھتا ہوں۔''

''لیکن پاپا......! آپ یہ بھی تو سوچیں کہ اتنا بڑا دن اور آپ یہاں اکیلے......؟ کم از کم وہاں گھر میں اناپی، فرح تو ہوتی ہیں ناں......! آپ سارا دن کیا کرتے رہیں گے یہاں پر......؟''

''ارے بھئی......! بہت اچھی اچھی کتابیں پڑھ رہا ہوں۔ آج کل اخبار میں بڑے اچھے کالم آ رہے ہیں۔ وہ پڑھتا ہوں تو پتا ہی نہیں چلتا دن کا۔ پھر وہ مریم کی ایک دوست بھی آئی ہوئی ہے۔ بس اُس سے بھی بات چیت ہو جاتی ہے۔ کٹ ہی جاتا ہے وقت۔ پتا ہی نہیں چلتا۔ تم فکر نہیں کرو۔ میں بالکل بور نہیں ہو رہا۔''

''آپ یہ بتائیں مریم کا گھر، مریم کا شوہر آپ کو کیسا لگا......؟''

سلمٰی بیگم مسکراتے ہوئے باپ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ بشر علی، سلمٰی کا سوال سن کر سر جھکا کر کچھ سوچنے لگے۔ سلمٰی بیگم کا خیال تھا کہ وہ اُن کا سوال سن کر خوشی سے پھڑک کر کوئی ایسا جملہ ضرور کہیں گے جس سے اُنہیں مزید تسلی ہو گی کہ مریم اپنے گھر میں بہت خوش ہے۔

''پاپا......! کیا سوچنے لگے آپ......؟''

وہ اُن کو سوچتا پا کر پوچھنے لگیں۔

''کچھ نہیں......! تم نے اپنی طرف سے بہت اچھا کیا، اور باقی چیزیں تو تقدیر کا حصہ ہوتی ہیں۔ اُن پر انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔ اس کا کسی سے گلہ شکوہ نہیں ہونا چاہئے۔''

بشر علی چاہتے تھے کہ سلمٰی حسین خواب سے جاگ جائے اور دُکھ کی آگ میں جلتی ہوئی تنہا بیٹی کو حوصلہ دے۔ لیکن وہ کچھ

کھل کر کہنے کی ہمت بھی نہیں کر پا رہے تھے۔ وہ بھی صرف سلمٰی ہی کے خیال سے کہ وہ اُن کے اور مریم کے مقابلے میں بہت چھوٹے دل کی تھیں۔ بہت جلدی پریشان ہو جاتی تھیں۔

''پاپا......! میں آپ کی بات نہیں سمجھی۔ یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں۔''

سلمٰی اُلجھے ہوئے انداز میں بولیں۔

''ہاں......! مجھے اندازہ ہے سلمٰی......! ہماری مریم اس وقت بالکل تنہا، اکیلی اپنے دُکھ کا بوجھ اُٹھائے اُس آزمائش کا مقابلہ کر رہی ہے جو قدرت نے اُس کی تقدیر میں لکھ دی تھی۔''

''کیا مطلب پاپا......؟''

سلمٰی کو تو جیسے کرنٹ چھو گیا۔ اپنی جگہ پر بیٹھی بیٹھی اُچھل پڑی تھیں۔ ابھی تو انعم کے دُکھ سے ہی نہیں سنبھلی تھیں کہ باپ کے ذریعے ایک بُری خبر اُن پر قیامت بن کر ٹوٹ رہی تھی۔ وہ بڑی بے یقینی کی کیفیت میں بشر علی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ایک ایسی آس کے ساتھ کہ بشر علی ابھی یہ کہہ دیں گے کہ اُنہوں نے یہ نہیں کہا۔ اُن سے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ کوئی سماعتوں کا دھوکہ نکلا ہے۔ جو کچھ سنا ہے، وہ کچھ اور ہو۔ وہ اتنی بڑی اُفتاد پر خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھیں۔ دل ڈوب رہا تھا۔ پلکیں جھپکے بغیر ایک ٹک بشر علی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''اپنے آپ کو سنبھالو سلمٰی......! مریم تو عمر میں بہت کم ہے۔ اس کی تو ابھی بہاروں کا آغاز ہی ہوا تھا، جب وہ بہت کچھ جھیل سکتی ہے، تو ہم کیوں نہیں......؟''

''لیکن ہوا کیا ہے پاپا......؟ یہ تو بتائیں۔''

سلمٰی کو اپنی آواز ایسی لگی جیسے گہرے کنویں سے آ رہی ہو۔ اُنہوں نے ابھی تک پلکیں نہیں جھپکی تھیں۔ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے مسلسل بشر علی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ بشر علی نے آہستہ آواز میں مختصراً مریم پر ٹوٹ پڑنے والی قیامت کا ذکر کر دیا۔ سلمٰی ساری بات سن کر اپنی پیشانی زور سے پیٹ کر بولیں۔

''توبہ......! آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ یہ کون سی ایسی بڑی بات ہے۔ ایسی سوسائٹی میں مرد ایسی دوستیاں پالتے ہی ہیں۔ عدیل اس قسم کا لڑکا نہیں ہے۔ ظاہر ہے، وہ لندن میں پلا بڑھا ہے، وہاں کے ماحول کا عادی ہے۔ اُس کے نزدیک تو یہ ایسی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ پھر مردوں کا کیا ہے پاپا......! باہر جو کچھ بھی کرتے پھریں، بس گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ اُنہیں ٹھیک ہونا چاہئے۔ مجھے مریم سے یہ اُمید نہیں تھی ایک ذرا سی دوستی کو وہ ایشو بنا کر اتنے بڑے بڑے فیصلے کرنے لگی، اور کمال ہے، آپ اُسے سمجھانے کی بجائے اُلٹا اُس کے ساتھ دُکھ منا رہے ہیں......؟ آپ اُسے سمجھائیں......''

''میں اُسے نہیں سمجھا سکتا سلمٰی......! میں اسے اس لئے نہیں سمجھا سکتا کہ میں نے ہمیشہ اُسے جھوٹ اور منافقت سے جنگ کرنا سکھائی ہے، جس کام سے اُسے میں روکتا رہا ہوں، وہی کام کرنے کے لئے میں اُسے کیسے کہہ دوں......؟ میں جانتا ہوں، بے رحم سچائیوں کے ساتھ جینا آسان ہے لیکن جھوٹ کے ساتھ دو پل نہیں کٹتے۔ میری بھی یہی طبیعت ہے۔ میں جھوٹ اور منافقت کے ساتھ کمپرومائز نہیں کر سکتا۔ جو چیز میرے اندر نہیں ہے، میں اس کو مریم کے لئے کیسے قابل قبول بنا دوں......؟ کہاں سے لاؤں وہ دلیل......؟ اور دلیل بھی تو تب ہی ملتی ہے، جب سچائی سامنے ہوتی ہے۔ جھوٹ ہمیشہ بے دلیل ہوتا

ہے۔''

بشرعلی نے سلمیٰ بیگم کی بات کاٹ کر ہلکی سی خفگی کے ساتھ کہا۔ سلمیٰ بیگم نئے سرے سے حیران پریشان ہوکر بشرعلی کی طرف دیکھنے لگیں۔

''کیا مطلب پاپا......؟ مریم ایک دوستی کو ایشو بنا کر اپنا گھر توڑ دے گی......؟ عدیل سے علیحدہ ہوجائے گی......؟''

وہ اسی حیرانی پریشانی میں سوال کررہی تھیں۔

''مستقبل کی بات نہیں ہورہی ہے، اس وقت حال کی بات ہورہی ہے سلمیٰ......! مریم فیصلہ کرچکی ہے کہ وہ عدیل کے ساتھ نہیں چل سکتی۔''

''اور پاپا......! آپ بتا رہے ہیں کہ وہ ایک شادی شدہ عورت ہے۔ بتایئے، ایک شادی شدہ عورت سے مریم کو کیا خطرہ ہوسکتا ہے......؟ عدیل اُس سے شادی تو نہیں کرسکتا ناں......؟ رہی دوستی، آج کل جو بھی ہورہا ہے......''

''باقی ساری بات تمہیں مریم ہی بتادے گی اور تم اُسے لعن طعن نہیں کروگی۔ اُس کو جھوٹ کے ساتھ کمپرومائز کرنے کا درس نہیں دوگی۔ اُس کو بے رحم سچائی نے تنگ کیا ہے، لیکن وہ جھوٹ اور منافقت سے سمجھوتہ کرکے ذہنی مریض بن جائے گی۔ کیونکہ یہ اُس کی طبیعت ایسی نہیں ہے، وہ گھٹ گھٹ کر جیئے گی۔ کیا تم یہ چاہوگی کہ تمہاری بیٹی پوری زندگی گھٹ گھٹ کر جیئے؟ اور کونوں کھدروں میں رو رو کر اپنا وقت گزارے......؟ ناکارہ ہوجائے......؟ اپنی زندگی گزارنے کے راستے ڈھونڈے......؟ زندہ لاش بن کر نہ جیئے......؟''

''میں مریم سے خود بات کروں گی پاپا......! لیکن پلیز، آپ مجھے کچھ تو اُسے سمجھانے دیں۔''

سلمیٰ بیگم ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ باپ سے درخواست کررہی تھیں۔ اُن کی حالت غیر ہورہی تھی۔ ابھی انعم نے اُن کی پوری ہستی ہلا کر رکھ دی تھی۔ اب نئے سرے سے اُنہیں ایک عظیم زلزلے کا سامنا تھا۔ لفظ گم ہورہے تھے۔ دلیلیں لاپتا تھیں۔ اس وقت انہیں سنبھلنے کے لئے، سوچنے کے لئے کچھ مہلت چاہئے تھی۔ وہ گہری سانس لے کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ٹھیک ہے پاپا......! دیکھیں، رات کو مجھے ٹائم ملتا ہے تو پھر چکر لگالوں گی۔ آپ اپنا خیال رکھئے گا۔''

وہ اپنے بے جان قدموں کو سنبھالتی ہوئی باہر کی طرف بڑھیں۔ اُن کی چال سے لگتا تھا کہ جیسے اُن کی جمع پونجی کھڑے کھڑے لُٹ گئی ہو۔

☆......☆......☆

''شاہ جی......! آپ سے ایک بات پوچھوں......؟ آپ مائنڈ تو نہیں کریں گے......؟ اوفو......!''

دولت خان نے دانت پیس کر، مُٹھیاں بھینچ کر جیسے ضبط کی کڑی منزلیں طے کیں۔

''لڑکی......! میں شاہ نہیں ہوں۔ مجھے جعلی سیّد بننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں ترک ہوں، سمجھی تم......؟''

''جی جی......!''

انعم ایک دم ٹپٹا گئی۔ اُسے اتنی دیر میں یہ تو سمجھ آگئی تھی کہ دولت خان غصہ ضبط کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا اور غصہ بھی ناک پر دھرا رہتا ہے۔ کسی دانا نے متکبر انسان کی نشانی بتائی تھی، بلکہ ادنیٰ ترین نشانی یہ بتائی تھی کہ متکبر غصہ ضبط نہیں کرتا اور غصہ کرنے

میں جلدی کرتا ہے۔ اتنا تو اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ دولت خان کو اپنے پاس موجود تمام نعمتوں کا اچھی طرح احساس ہے۔ اُس کو اپنی دولت، اپنے خاندان، اپنے نام، ہر چیز پر فخر ہے۔ اس کے باوجود قدرت اُس کو معذوری پر لے آئی تھی لیکن اُس کے انداز میں ابھی تک کوئی معذرت جھلکتی نظر نہیں آ رہی تھی۔

''جی جی......! ترک، ماشاءاللہ......! ترک تو بہت بہادر ہوتے ہیں۔ ہسٹری تو یہی بتاتی ہے کہ دُنیا میں شاید سب سے زیادہ بہادر ہی ترک میں گزرے ہیں۔''

انعم نے جلدی سے اس انداز میں کہا کہ دولت خان مسکرانے لگے۔

''ہاں......! بہادر تو ہوں میں۔ ڈرتا ورتا نہیں ہوں میں کسی سے۔''

دولت خان نے اپنے ہاتھوں کی اُنگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر اس طرح کی کیفیت میں کہا۔

''جی جی......! وہ مجھے اندازہ ہو رہا ہے۔ ہاں خان صاحب......! میں آپ کے لئے سُوپ لے کر آئی ہوں۔ ہاں......! میری اپنی recipe ہے۔ آپ دیکھئے گا، آپ کو ضرور پسند آئے گا۔''

انعم جلدی سے یوں بولی جیسے وہاں سے ہٹنے کا راستہ ڈھونڈ رہی ہو۔ اصل میں وہ مہلت چاہتی تھی۔ اُسے سوچنا تھا کہ اُسے دولت خان سے کیا بات کرنا ہے اور کیا نہیں......؟ کیونکہ ایک دو سوال وہ ایسے کر چکی تھی کہ اس کا reaction بڑا شدید آیا تھا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! ہم سُوپ پئیں گے۔ اِس طرح سے تمہارا ٹیسٹ بھی ہو جائے گا کہ تم صرف دعوے ہی کر رہی ہو یا واقعی کچھ جانتی ہو......؟''

دولت خان نے شاہانہ انداز میں گردن اکڑا کر انعم کی طرف دیکھا۔ انعم تو جیسے یہی چاہتی تھی۔ فوراً ہی وہاں سے چلی گئی۔ کچن میں کام کرتے ہوئے اُسے بار بار یہ خیال آ رہا تھا۔ اِتنا رئیس آدمی، جو کئی شادیاں کر سکتا تھا، اگر پہلی شادی کے بعد اولاد نہیں ہوئی تھی تو دوسری کر سکتا تھا، دوسری سے نہیں ہوئی تھی، تیسری کر سکتا تھا۔ وہ بھی خودرائے اور خود پسند انسان دولت خان جیسا۔ بقول اُس کے کہ وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ وہ تنہا کیوں ہے......؟ یہ سوال جب سے وہ آئی تھی، اُسے تنگ کر رہا تھا۔ اِس کے بیوی بچے کہاں ہیں......؟ کم از کم کسی اولاد کا تو اُس نے ابھی تک کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ عابد اور یاسر نے بھی یہی کہا تھا کہ وہ بے وارث ہے، اُس کا کوئی وارث نہیں ہے۔ اس لئے وہ دونوں اُس کی دولت پر آنکھ لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ انعم نے سوچا، اب وہ بڑی تکنیک سے اُس کے اندرونی معاملات کی کھوج لگائے گی۔ پندرہ منٹ میں اُس نے سُوپ تیار کر لیا تھا۔ اس دوران وہ سوالات بھی ترتیب دیتی رہی پھر سُوپ باؤل میں نکال کر ٹرے میں رکھ کر بڑے اعتماد سے لاؤنج میں آئی۔ دولت خان ایک انگلش میگزین پڑھنے میں مصروف تھا۔ اُس نے انعم کی آہٹ پا کر سامنے کی طرف دیکھا اور بڑی خوش گوار سی مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔

''گڈ......! جلدی لے آئی ہو۔ اِس کا مطلب ہے، تم واقعی بہت active ہو۔ کام کرنا جانتی ہو۔ اب سُوپ کیسا بنا ہے......؟ یہ تبصرہ تو سُوپ پینے کے بعد ہی ہو گا۔''

وہ بڑے خوش گوار اور مزاحیہ انداز میں انعم سے بات کر رہا تھا۔ انعم مسکرا کر آگے بڑھی اور ٹرے اُس کی طرف بڑھائی۔

"شاہ جی......! آئی ایم سوری......! خان صاحب......! سُوپ، گرم گرم سُوپ۔ آپ یہ دیکھیں، یہ کارن سُوپ نہیں ہے بلکہ یہ ملائشین ہے۔ مجھے میکسیکن بھی آتا ہے مگر مجھے لگا کہ آپ کو ملائشین زیادہ پسند آئے گا۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! بھئی......! پہلے اپنا ملائشین سُوپ تو ٹیسٹ کرنے دو۔ ابھی تک تو خانساماں کے اُلٹے سیدھے سُوپ پیتے ہوئے زندگی گزر رہی تھی۔ دیکھتے ہیں، تمہارے آنے سے زندگی میں کچھ تبدیلی آئی ہے یا ویسا ہی حال ہے......؟"

دولت خان نے بہت خوش گوار اور ہلکی سی شریر مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ اُس کا ہلکا پھلکا موڈ دیکھ کر انعم کو گہرے سکون کا احساس ہوا۔ وہ ایک چیئر کھینچ کر دولت خان کے قریب بیٹھ گئی۔ دولت خان سُوپ کے باؤل میں چمچ چلا رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اُس کے تاثرات بڑے لطیف تھے۔ وہ بہت اچھے موڈ میں تھا۔ انعم نے اپنے فطری اعتماد سے کام لیتے ہوئے چند منٹ کے وقفے کے بعد ایک سوال جڑ ہی دیا۔

"خان صاحب......! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

انعم نے سوال کرنے سے پہلے پیش بندی کی۔

"ارے بھئی......! ابھی تو تمہاری سمجھ میں ہزار باتیں نہیں آئیں گی۔ تمہیں آئے ہوئے دیر ہی کتنی ہوئی ہے......؟ آہستہ آہستہ سب سمجھ میں آ جائے گی تمہیں۔ جلدی کیا ہے......؟"

"نہیں نہیں......! ویسے ہی میں تو آپ سے بات کر رہی تھی، یہ کہ آپ کی مسز کی death ہو گئی ہے کیا......؟"

"مسز......؟ اوہ......!"

دولت خان، انعم کا سوال سن کر باؤل میں چمچ چلانا بھول گیا۔ اب اُس کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ آنکھوں کے تاثرات شارپ ہو رہے تھے۔ یوں لگا جیسے اُس کی کیفیت یکسر چینج ہو گئی۔ انعم ایک دم ڈر سی گئی، مگر وہ خود کو سنبھالے رہی۔

"بیوی......؟ ہاں......! مگر وہ بہت ہنر مند، بہت active، بہت ذمہ دار تھی میری بیوی۔ ایک نمبر کے نکتے حرام خور بھائیوں کی بہن، جو میری دولت پر آنکھ لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ بہرحال خود بھی ایک نمبر کی جاہل عورت تھی۔ سوائے کچن میں لہسن، پیاز کی بدبو سونگھنے کے اُسے کوئی کام نہیں تھا۔ مجھے تو اُس کے پارٹی ڈریس سے بھی لہسن، پیاز کی بو آتی تھی۔ sense ہی نہیں تھا اُس عورت کو۔ دولت کے ہوتے ہوئے کس طرح دولت کو انجوائے کیا جاتا ہے......؟ کس طرح اپنا status maintain کیا جاتا ہے......؟ کس طرح سے اپنی لُک بنائی جاتی ہے......؟ کچھ پتا نہیں اس جاہل گنوار عورت کو۔"

دولت خان بڑبڑا رہا تھا اور دانت بھی کچکچا رہا تھا۔ انعم اب اندر سے سہم چکی تھی۔ اُس کے اندر اب کوئی اور سوال کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ اُس نے خاموشی میں ہی بہتری سمجھی۔

"نہیں نہیں مری اُس سے، چھوڑ دیا میں نے اُسے، طلاق دے دی۔ ایک تو وہ خود فل ٹائم مینٹل ٹارچر تھی، دوسرے اُس کے وہ نکمے بھائی جو میری دولت پر آنکھ لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، اُن سے مجھے ہر وقت کا خطرہ تھا۔ طلاق دے دی میں نے اُسے۔"

"اوہ......!"

انعم نے گہری سانس لی۔

''اچھا......! پھر......پھر کیا ہوا خان صاحب......؟''

''ارے بھئی......! میں کوئی کہانی سنا رہا ہوں تمہیں......؟ کوئی داستان چھیڑی ہوئی ہے میں نے......؟''

دولت خان ایک دم برہم ہو کر انعم کو گھورنے لگا۔

''پھر کیا ہوا......؟ پھر کیا ہوا......؟ دوسری کر لی......؟ بہت اچھا فیصلہ تھا۔ ظاہری بات ہے، آپ کب تک تنہا رہتے......؟ بہت اچھا کیا۔''

''ارے......! کیا خاک اچھا کیا......؟ وہ اُس سے بھی چار ہاتھ آگے تھی۔''

دولت خان ایک دم چلّا کر بولا۔ انعم اب پہلے سے بھی زیادہ سہم گئی اور پریشان ہو گئی۔ یا اللہ......! وہ کرے تو کیا کرے......؟ یہ شخص تو ہر سوال پر جیسے پھٹ پڑنے کو تیار ہے۔ اِس سے بات کی جائے تو کیا کی جائے......؟

''وہ بیگم صاحبہ آئیں۔ اُن کو سوشل بننے کا بڑا شوق تھا۔ ہم گھر میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ فیتے کاٹتی پھر رہی ہیں۔ جب ہمیں ضرورت، وہ گھر سے غائب۔ شوہر گھر میں، بیوی باہر۔ کوئی احساس ہی نہیں تھا اُس عورت کو۔ صرف اُس کو ایک کام آتا تھا کہ وہ میری دولت لُٹانے کے کون سے راستے ڈھونڈے......؟ چار دن میں پتا چل گئی مجھے اُس کی اوقات۔ ارے......! دونوں ہاتھوں سے میری دولت لُٹانے لگی۔ ڈونیشن دے رہی ہے، باپ کا مال تھا، لُٹاتی پھر رہی تھی، پرلے درجے کی نکمّی اور فضول عورت۔''

''جی جی......!''

انعم نے ایسا جملہ ڈھونڈنے کی کوشش کی جس سے دولت خان کا غصّہ فوراً جھاگ کی طرح بیٹھ جائے۔

''جی جی خان صاحب......! ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! ہوتا ہے ایسا۔ آپ پلیز، ٹینس نہ ہوں۔ مجھے پتا ہے، آپ نے اُن کو بھی چھوڑ دیا ہوگا۔''

''تمہیں کیسے پتا......؟''

دولت خان نے گھور کر انعم کی طرف دیکھا۔

''ظاہر ہے، جب آپ کو پسند ہی نہیں تھی اُن کی activities، تو پھر کیسے بن سکتی تھی......؟''

''بالکل ٹھیک سمجھی ہو۔ میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ تم کافی ذہین لڑکی ہو۔ گڈ......! چھوڑ دیا میں نے اُسے بھی۔''

''پھر اُس کے بعد آپ تنہا زندگی گزارنے لگے۔''

انعم نے مسکرا کر دولت خان کو بڑی اپنائیت اور ہمدردی سے دیکھا۔

''کیوں بھئی......؟ کیوں تنہا زندگی گزارتا......؟ میرے لئے کیا عورتوں کی کمی تھی......؟ میں نے تیسری کر لی۔''

انعم نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔

''تیسری کر لی......؟''

''ہاں......! میں نے تیسری شادی بھی کی۔ لیکن وہ تیسری بیوی تو اُن دونوں سے بھی زیادہ ماسٹر تھی۔ ہاتھ دِکھا گئی مجھے۔

میرے دو بیٹے لے کے رفو چکر ہوگئی، جنہیں میں آج تک ڈھونڈ رہا ہوں۔“

دولت خان نے اب بہت آہستہ آواز میں خود کلامی کرتے ہوئے آنکھیں موندھ لیں۔

”دو بیٹے......؟ دو بیٹے بھی ہیں آپ کے......؟ میں نے تو سنا ہے، آپ کی کوئی اولاد نہیں۔“

”غلط سنا ہے۔ اِس لئے کہ وہ ایک نمبر کی حرام خور عورت میرے بیٹوں کو لے کر کہیں روپوش ہو چکی ہے۔ جنہیں میں ابھی تک تلاش کر رہا ہوں۔ زخم دے گئی ہے وہ مجھے۔ کہیں نظر آ گئی تو پورا ریوالور اُس پر خالی کر دوں گا۔ ایک سیکنڈ جینے کی اجازت نہیں دوں گا۔ پھر جب تک وہ زندہ ہے اور میں اُسے ڈھونڈ رہا ہوں۔ اُس وقت تک یہ جو میرے اندر کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے، کم نہیں ہو سکتی۔“

”ارے......! عورت کا نام ہی جھوٹ اور دغا ہے۔ سب کچھ مل رہا تھا اُسے۔ کس بات کی تکلیف تھی......؟ پھر بھی میری اولاد کو چھین لیا۔ تم ساری عورتیں ایک جیسی ہوتی ہو۔“

دولت خان یہ کہہ کر اپنی جگہ سے جیسے اُٹھنے لگا مگر فوراً ہی اُسے احساس ہو گیا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں۔ اُس نے بے بسی کی حالت میں دانت پیستے ہوئے ٹرے اُٹھا کر زمین پر پٹخ دی۔ انعم کا بنایا ہوا بلکہ بڑی محنت اور چاؤ سے بنایا ہوا سوپ ٹائلوں پر بہہ رہا تھا۔ انعم اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔ اُس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں لیکن وہ اپنے فطری اعتماد کے ذریعے خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ بمشکل آگے بڑھی اور دولت خان کی وہیل چیئر کے ہینڈل پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔

”خان صاحب......! آئی ایم سوری......! میں نے آپ کو تکلیف دہ ماضی کی طرف موڑ دیا۔ آپ کو انجانے میں تکلیف پہنچائی۔ آئی ایم سوری خان صاحب......! پلیز، پلیز relax۔ دیکھیں، آپ کا بی پی ہائی ہو گیا تو بڑا مسئلہ ہوگا۔ جانے دیں، مٹی ڈالیں، جو ہوا، سو ہوا۔ خان صاحب......! خود کو سنبھالیں۔“

دولت خان کی سانسیں دھونکنی کی طرح چل رہی تھیں۔ اُس سے بات کرنا دوبھر تھا۔ انعم اُسے سنبھالنے میں لگ گئی تھی۔

دولت خان کے چہرے پر جیسے پورے جسم کا خون سمٹ آیا تھا جس سے لگتا تھا کہ اُس کا بی پی شوٹ کر گیا ہے۔

”لڑکی......! میری میڈیسن لے لاؤ۔“

دولت خان کے منہ سے بمشکل یہ چند الفاظ نکلے اور انعم اُس کے بیڈروم کی طرف سرپٹ دوڑی۔

☆......☆......☆

فیاض احمد حیران، پریشان صدمے کی انتہاء پر سلمٰی بیگم کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انتہائی ناقابلِ یقین بات اُنہوں نے سنی تھی مریم کی طرف سے۔ وہ تو کبھی اس طرح کی بات سوچ ہی نہیں سکتے تھے۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مریم جیسی ذہین، سمجھ دار لڑکی جو بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالنے کا ملکہ رکھتی ہے، بحرانوں میں بڑے اعتماد سے اپنا کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، اُس نے اتنی جلدی اپنی زندگی تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا......؟ انعم تو سدا کی لاپرواہ، غیر ذمہ دار تھی۔ اُس نے جو کچھ کیا، اس پر اُنہیں دُکھ تو تھا، حیرت نہیں تھی لیکن مریم نے تو اُن کو حیرت اور دُکھ دونوں میں مبتلا کر دیا تھا۔

”فیاض......! مسئلہ یہ ہے کہ پاپا بھی مریم کی بات کو زندگی کی ایک تلخ حقیقت سمجھ کر قبول کر رہے ہیں۔ لیکن آپ کو باپ

ہونے کی حیثیت سے وہ رول ادا کرنا ہے۔"

"ارے بھئی......! کیسی باتیں کر رہی ہو تم......؟"

فیاض احمد ایک دم ہتھے سے اُکھڑ گئے۔ اب وہ اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

"کمال کرتی ہو تم......! میں ماموں جان کے pattern پر کیوں کام کروں گا......؟ ماموں جان بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اب وہ معاملات کی نزاکت کو اس طرح سے نہیں سمجھ سکتے جس طرح کہ ایک باپ سمجھ سکتا ہے۔ وہ مریم کو ہمیشہ سے بہت پیار کرتے رہے ہیں اور اسی لاڈ پیار کی وجہ سے آج وہ مریم کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اس موڑ پر اُن کا ساتھ دینا بالکل غلط ہے۔ میں ماموں جان سے بھی بات کروں گا اور مریم سے بھی۔ زندگی ہے، کوئی مذاق تھوڑا ہی ہے......؟ اتنی آسانی سے تو تماشہ نہیں بنایا جا سکتا۔"

"جی بالکل ٹھیک......!"

"عورتیں تو پتا نہیں کیا کیا سہتیں ہیں......؟"

"عورت سہتی ہے، برداشت کرتی ہے، قربانی دیتی ہے تو گھر بستا ہے۔"

"آج تک مرد کے محنت کرنے یا قربانیاں دینے سے کبھی گھر بنا ہے......؟"

"مرد کیوں برداشت کرے گا......؟ یہ مرد کا معاشرہ ہے۔"

"برداشت تو عورت ہی کو کرنا ہے۔"

"مریم مجھے بھی دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کرے گی، اسی لئے میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ آپ اُس سے بات کریں۔"

"پھر اس کے بعد فائنل اور حتمی بات میں اُس سے کروں گی۔ اُس کی اپنی زندگی بھی تماشہ بن جائے گی اور ہماری بھی۔"

"کیا کرے گی وہ......؟ کس طرح سے دُنیا کو یقین دلائے گی کہ غلطی اُس کے شوہر کی تھی، اُس کی نہیں......؟ کیا یہ تمام باتیں کاغذ پر لکھی ہوں گی......؟ کوئی سرٹیفکیٹ ملے گا......؟ جب بھی علیحدگی ہوتی ہے۔ ہمیشہ عورت کا قصور بتایا جاتا ہے۔"

سلمیٰ بیگم غصے سے بڑبڑانے لگیں۔

"ٹھیک ہے......! تم ٹینس مت ہو۔ میں موقع محل دیکھ کر مریم سے بات کرتا ہوں۔"

"اب آپ موقع محل دیکھنے میں کئی دن مت لگا دیجئے گا۔ پتا نہیں وہ کیا کچھ کر کے وہاں سے نکل آئے......؟ پاپا کی بات سے تو یہی لگ رہا تھا کہ وہ فیصلہ کر چکی ہے۔"

"اس طرح سے فیصلے نہیں ہوتے خاندانی لڑکیوں کے۔ اپنے ماں باپ سے اُس نے ایک بات بھی نہیں کی اور اپنے طور فیصلہ بھی کر چکی ہے......؟ میں اُسے فون کر کے کہتا ہوں کہ گھر آئے، پھر میں اُس سے بات کرتا ہوں۔"

فیاض احمد اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ٹہلنے لگے تھے۔ سلمیٰ بیگم فکرمند انداز میں اُن کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

"میاں......! تم نے اپنی حیثیت دیکھی ہے......؟ اٹھارہ اُنیس گریڈ کا ایک سرکاری افسر میری بیٹی کو بیاہنے کی بات کر رہا

ہے......؟ارے......!جتنی تمہاری تنخواہ ہے،اُس سے زیادہ تو میں اپنے منیجر کو دیتی ہوں۔"

میڈم شعلہ،ناصر حسین سے بڑے مغرورانداز میں بات کررہی تھی بلکہ غم وغصے کی کیفیت سے اُس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔اُس کی سُچے موتی جیسی بیٹی جس کے لئے اُس نے بڑے اُونچے خواب دیکھے ہوئے تھے،اُس کا ہاتھ مانگنے ایک معمولی سا افسر آیا تھا۔وہ صرف اور صرف اُجالا کے متوقع ردِعمل کی وجہ سے بہت محتاط انداز میں ناصر حسین سے بات کررہی تھی،اس لئے کہ بیٹی جوان تھی،گھر سے باہر تھی،کسی بھی وقت وہ اُس کے ہاتھ سے نکل سکتی تھی اور وہ شاطر عورت کوئی ایسا موقع نہیں دینا چاہتی تھی کہ اپنا خزانہ اپنے ہاتھوں ہی لُٹا بیٹھے۔

"آپ کی بات اپنی جگہ درست ہے۔آپ نے یقیناً اپنے status کے مطابق بہت کچھ سوچا ہوا ہوگا اپنی بیٹی کے لئے،بہت اونچے خواب دیکھے ہوئے ہوں گے۔"

"ہاں......!میں سمجھ رہی ہوں۔status کی بات تم کررہے ہوناں،بہت اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔طنز کررہے ہو مجھ پر......؟ارے......!ہم نے کہاں بورڈ لگایا ہوا ہے یہاں پر کہ ہم شرفاء میں سے ہیں......؟ارے......!جو ہم ہیں،وہی دُنیا پر ظاہر ہیں۔تم لوگوں کی طرح نہیں جو اندر ہی اندر بہت کچھ کرجاتے ہیں اور شرافت کا نقاب اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔"

میڈم شعلہ غصّے سے بھڑک اُٹھی تھی۔

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں اور یہ بہت اچھی بات ہے کہ آپ جو ہیں،وہی اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہیں۔میں خود بھی منافقت کی چوٹ کھایا ہوا ہوں اور منافقت سے نفرت کرتا ہوں۔"

"اُجالا ایک معصوم لڑکی ہے،پڑھی لکھی ہے،اُس کو تمام اخلاقی قوانین اپنے فیصلے خود کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔اگر وہ رضامند نہ ہوتی تو میں آپ سے بات کرنے کی جرأت بھی نہیں کرسکتا تھا۔"

"ارے......!وہ معصوم نہیں،بےوقوف ہے،احمق ہے وہ۔اُسے دُنیا کا کیا پتا......؟اُس نے ابھی دُنیا میں دیکھا ہی کیا ہے......؟تم اُس پر اُس کی معصومیت کا فائدہ اُٹھا کر ڈورے ڈال رہے ہو......؟میں خوب اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔ارے......!ہم نے بھی دُنیا دیکھی ہے بلکہ میں یہ کہوں گی کہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے تو بھی غلط نہیں ہوگا۔"

"دیکھیں......!"

"تم دیکھو......!"

ناصر جیسے ہی بولا،میڈم شعلہ نے اُس کی بات کاٹ دی۔

"دیکھو میاں......!وہ میری بیٹی ہے،میں اُسے سمجھالوں گی۔تم اس غم میں ہلکان مت ہو کہ اُجالا کا دل ٹوٹ رہا ہے،یہ وقتی کیفیت ہوگی،جیسے ہی اُسے عقل آئے گی،اُسے پتا چل جائے گا کہ اُس کی ماں نے اُس کا بھلا چاہا ہے۔"

میڈم شعلہ اپنی تیزی اور طراری کی وجہ سے ناصر کو بات کرنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔وہ جیسے ہی بولنے کے لئے منہ کھولتا تھا،وہ آگے سے پٹر پٹر شروع ہوجاتی تھی۔ناصر سر جھکا کر بڑی بےبسی کی کیفیت میں بیٹھ گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ کہاں سے ایسے کارآمد الفاظ چن چن کر لائے اور ایک جملے میں پرو کر میڈم شعلہ کو اپنی بات وزنی دلیل کے ساتھ پہنچادے جس کے سامنے وہ لاجواب ہوجائے......؟فی الحال تو میڈم شعلہ کی قینچی کی طرح چلتی ہوئی تیز زبان اُس کو بےبس کررہی تھی۔اُسے

سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اُسے مصلحتاً یہاں سے اُٹھ جانا چاہیئے یا اپنی بات آگے بڑھانے کے لئے یہاں بیٹھ کر کچھ دیر انتظار کر
چاہیئے۔

''میاں......! کیا سوچ رہے ہو......؟ اتنا زیادہ سوچنا فضول ہے۔ ابھی جو فیصلہ ہے، وہ میں نے تمہیں سنا دیا ہے
ارے......! اپنے شرفاء میں سے ہی دیکھ لو، کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گی۔ ماشاءاللہ......! اتنے بڑے افسر ہو، خوب صورت جوا
ہو، اگر میری بیٹی کو رشتوں کی کمی نہیں تو تمہیں بھی کوئی کمی نہیں۔ اپنوں میں ہی کہیں دیکھ لو۔ ہم لوگوں کے پاس آؤ گے تو مصیبتو
میں ہی پڑ جاؤ گے۔ میری بیٹی کم عمر ہے، سیدھی ہے، بیوقوف ہے، اُسے قابو میں کرنا میرا کام ہے، تمہارا دردِ سر نہیں ہے۔
جاسکتے ہو۔''

میڈم شعلہ نے ناصر کو ٹکا سا جواب دے دیا تھا۔ ناصر ایک صدمے کی کیفیت میں چند لمحے گم صم سا رہا، پھر یہ سوچ کر اُٹھ
کھڑا ہوا کہ پہلی ہی کوشش کامیابی کی ضامن نہیں ہوتی۔ اگر اُس کی لگن سچی ہے تو پھر کوشش کرے گا۔ جذبے کی قوت کے سامنے
میڈم شعلہ کے کھوکھلے دلائل ایک دن ضرور بہ ضرور دم توڑ جائیں گے۔ کیونکہ اُسے یہ اعتماد اور یقین تھا کہ اُجالا اُس کا بھرپور ساتھ د
گی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ایک اُٹھتی پڑتی نظر میڈم شعلہ پر ڈال کر اُس نے اپنی نظروں کا رُخ موڑ لیا تھا۔

''ٹھیک ہے......! میں چلتا ہوں، لیکن آپ سے پھر ملاقات ہوگی۔''

''ارے......! تم کتنی ہی ملاقاتیں کرلو، جو بات آج ہوئی ہے، وہی ہوگی۔ فضول میں اپنا ٹائم ضائع کرو گے۔ خد
حافظ......!''

میڈم شعلہ نے اُس کے ڈرائنگ روم سے جانے کا انتظار بھی نہیں کیا بلکہ اُس سے پہلے اپنی ساڑھی کی فال درست کرتے
ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ عمل اُس کے تکبر اور فیصلہ کن ہونے کی غمازی کررہا تھا۔

☆......☆......☆

''خیریت ہے......؟ آپ نے مجھے فوراً گھر آنے کے لئے کہا......؟ خدانخواستہ انعم......''

''بیٹھ جاؤ......! تمہاری اُلٹی سیدھی حرکتوں کی وجہ سے ایمرجنسی میں تمہیں بلایا ہے۔ سارے کام میرے دھرے ک
دھرے رہ گئے۔ تم نے تو مجھے جیسے پاگل کر کے رکھ دیا۔ انعم نے کیا کم مصیبتیں کھڑی کی ہوئی تھیں جو تم بھی شروع ہوگئی......؟''

''مجھے بتائیں تو سہی امی......! کسی نے کیا کہا آپ سے......؟''

مریم کا ذہن فوراً عدیل کی طرف گیا۔

''ارے......! مجھ سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ تمہارے بابا کا بی پی شوٹ کررہا ہے۔''

''یااللہ......! کیا ہوگیا......؟''

''اب اتنا انجان بننے کی ضرورت نہیں......!''

سلمٰی بیگم نے مریم کو غصّے سے ڈانٹ دیا۔ مریم تو اُن کے لب و لہجے پر پہلے ہی حیران ہورہی تھی۔ ڈانٹنے پر تو اُس ک
آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''امی......! کیا ہوا......؟''

''تم آرام سے بیٹھو اور جو کچھ میں پوچھوں اُس کا جواب دو۔''

''جی......!''

مریم نے صوفے کے کنارے پر ٹک کر سلمیٰ بیگم کی طرف دیکھا۔ اُنہوں نے اُسے اپنے بیڈروم میں ہی بلایا ہوا تھا۔ فیاض احمد واش رُوم میں تھے۔ سلمیٰ بیگم خاموش رہ کر غصہ بھی ضبط کر رہی تھیں اور جیسے فیاض احمد کا واش روم سے باہر آنے کا انتظار بھی کر رہی تھیں۔

''بولیے ناں امی......!''

''ارے......! آرام سے بیٹھو۔''

''امی......! آرام سے کیا بیٹھوں......؟ میں آفس میں اتنا سارا کام چھوڑ کر آئی ہوں۔''

''ہاں......! بہت ضروری کام ہے تمہارا۔ لیکن اس سے زیادہ ضروری نہیں جو اس وقت ہمارے سر پر پڑ گیا ہے۔ تمہارے بابا ابھی واش روم سے آ جائیں، پھر بات کرتے ہیں تم سے۔''

''یا اللہ......! بابا بھی بات کریں گے......؟ امی......! بتائیں تو سہی، آپ کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہیں......؟ وہ بھی اتنے غصے میں ہیں......؟''

''ہاں......! تمہیں تو جیسے کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ تمہارا خیال ہے، تم جو کچھ بھی کرتی پھر رہی ہو، ہمیں تو کچھ پتا ہی نہیں ہے......؟ ہم کسی غار میں رہ رہے ہیں کیا......؟''

''اوہ......!''

مریم نے گہرا سانس لیا اور اُسے یقین ہو گیا کہ عدیل نے اب اُس کے ماں باپ سے ہیلپ لینے کی کوشش کی ہے۔

''امی......! آپ صرف عدیل کی بات سن کر اتنا غصہ کر رہی ہیں......؟ آپ نے ابھی مجھ سے تو کچھ نہیں سنا......''

''مجھے تم سے کچھ سننے کی ضرورت بھی نہیں ہے، اور نہ عدیل نے مجھ سے کوئی بات کی ہے۔''

سلمیٰ بیگم نے تیزی سے غصے میں اُس کی بات کاٹ دی۔ اب مریم کے ذہن نے کام کرنا شروع کیا۔

''میں سمجھ گئی، آپ کی نانا جان سے بات ہوئی ہے......؟''

''ہاں......! میں اُن سے ملنے گئی تھی بلکہ اُنہیں یں لینے گئی تھی۔''

سلمیٰ بیگم نے مختصراً مریم کے سوال کا جواب دے کر مطمئن بھی کر دیا کہ اس مرتبہ اُس کا اندازہ بالکل ٹھیک ہے۔

''امی......! آپ میری طبیعت کو جانتی ہیں۔''

''بیٹا......! میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ میں تمہاری ماں ہوں، لیکن اب تم میری بیٹی ہی نہیں، ایک گھرانے کی بہو بھی ہو، عزت دار گھرانے کی۔ تم ایک شوہر کی بیوی ہو، معزز شوہر کی۔ اب یہ کوئی کھیل تماشہ نہیں ہے کہ ذرا ذرا سی باتوں پر بڑے بڑے فیصلے کر لئے جائیں۔ اتنی آسانی سے گھر نہیں بنتے۔ بہت قربانیاں دینی ہوتی ہیں عورت کو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں ساری زندگی اِسی طرح سے رہی ہوں......؟ تمہارے بابا کی اور میری بھی انڈرسٹینڈنگ نہیں تھی۔''

''امی......! انڈرسٹینڈنگ نہ ہونا الگ بات ہے۔ کسی کو دھوکہ دینا، کسی کے خلوص کا مذاق اُڑانا دوسری بات ہے۔''

مریم سمجھ گئی کہ بشر علی نے اُس کی ماں سے بہت کچھ کہہ دیا ہے اور اُسے اندازہ تھا کہ ایسا کچھ ہوگا۔اس لئے وہ اب بھر پور انداز میں محاذ پر ڈٹ گئی۔

''بیٹا......! یہ سب ایک وقتی حادثے ہوتے ہیں۔ بہت سارے مرد بھول چوک کر جاتے ہیں، لیکن وہ کسی موڑ پر اپنی اس غلطی کو مان بھی لیتے ہیں۔اپنے گھر کو اہمیت دیتے ہیں۔تم اُسے موقع تو دو۔اگر اُس سے غلطی ہوگئی ہے، تم تو فوراً کے فوراً فیصلے کرنے لگی......؟''

سلمٰی بیگم نے اسی طرح خفا خفا سے انداز میں کہا۔عین اُسی لمحے فیاض احمد واش روم کا دروازہ کھول کر باہر آ گئے۔

''السلام علیکم بابا......!''

مریم نے سنجیدگی سے نظریں اُٹھائے بغیر باپ کو سلام کیا۔

''گھر سے آ رہی ہو یا آفس سے......؟''

اُنھوں نے جیسے بات کرنے کے لئے کوئی بات ڈھونڈی۔اُن کا خالصتاً مردانہ انداز تھا۔تمام سمجھدار اور سوجھ بوجھ رکھنے والے مردوں کا ایک خاصا ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کی طرح فوراً نہیں پھٹ پڑتے۔اہم ترین بات کا آغاز بہت ہی سمجھداری سے کرتے ہیں۔

''امی......! بابا......! آپ لوگوں نے جس طرح سے میری تربیت کی، جو کچھ مجھے پڑھایا سکھایا، جس طرح سے آپ نے مجھے دیکھنا چاہا، کیا میں اس سے ہٹ کر کبھی الگ نظر آئی ہوں......؟ کبھی آپ لوگوں کو شکایت کا موقع دیا ہے......؟ کبھی ایسا ہوا کہ میں نے آپ لوگوں کی ماننے والی بات نہ مانی ہو......؟ اور آپ مجھ سے ناراض ہوئے ہوں......؟''

مریم بڑے سکون اور وقار سے اور بڑے اعتماد سے بات کرنے لگی۔

''یہی تو ہمیں حیرانی ہے بیٹا......! کہ تم تو بہت صبر اور ضبط کا مظاہرہ کرنے والی بہت سوچ اور سمجھ کر قدم اُٹھانے والی بچی ہو۔انعم سے بالکل اُلٹ ہو۔ہم نے کبھی تمہیں جلد بازی میں کوئی کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔اِسی بات پر ہمیں بہت اطمینان رہا بلکہ ہم تو تم پر فخر کرتے رہے ہیں۔''

فیاض احمد نے سوچ سوچ کر بولتے ہوئے تائید طلب نظروں سے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔سلمٰی بیگم فوراً نظریں چُرا گئیں۔وہ اِس وقت بالکل بھی نرمی برتنا نہیں چاہتی تھیں۔اُن کے حساب میں مریم اس وقت اُن کے قابو میں تھی اور دونوں میاں بیوی اُسے کسی طرح بھی قائل کر سکتے تھے۔وہ یہ موقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتی تھیں۔بشر علی کی بات چیت سے اُنھوں نے اندازہ لگایا تھا کہ پانی سر سے گزر چکا ہے۔کسی بھی وقت کوئی خوفناک خبر آ سکتی ہے۔

''مریم......! سارے قانون اور دلائل ایک طرف، عورت کا گھر ایک طرف۔بیٹا......! عورت اور گھر کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔گھر کے بغیر عورت، عورت نہیں ہے، چاہے وہ محل چوبارہ ہو یا چاہے وہ کچی مٹی کا گھر۔گھر عورت کی ضرورت بھی ہے، مجبوری بھی ہے، اُس کی بقاء بھی ہے۔عدیل سے کوئی غلطی ہوئی بھی ہے تو اُسے معاف کر دو۔تم اتنی اچھی ہو، چند دنوں میں تمہاری قدر اُسے پتا چل جائے گی۔وہ تم سے معذرت خواں ہوگا، اور بیٹا......! بھول چوک انسانوں سے ہی ہوتی ہے اور ہمارے ہاں عموماً مرد اِسی طرح کی لاپرواہیاں کر جاتے ہیں، یہ issue نہیں ہے۔''

''امی......! گھر عورت کی مجبوری ہے،ضرورت ہے۔میں نے مانا لیکن اپنی زندگی خود نہ جینا، یہ کون سی مجبوری ہے......؟ وہ عورتیں جو حادثاتی طور پر تنہاء رہ جاتی ہیں، وہ بھی تو جیتی ہیں۔ میں اُس شخص کے ساتھ کیسے رہوں جس کے لئے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے، جس نے میرے خلوص کا مذاق اُڑایا ہے، جس نے مجھے میری نظروں میں گرادیا ہے......؟''

مریم اُسی طرح اپنی بات پر قائم تھی۔ ماں باپ کے سمجھانے کا ابھی تک اس پر ذرا برابر بھی اثر نہیں ہوا تھا۔کوئی دلیل اُسے گھیرنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔

''تم ہماری بات نہیں سمجھ رہی ہو بیٹا......! ہم تمہیں غلط قرار نہیں دے رہے۔تم اپنی جگہ صحیح ہو بیٹا......! تمہیں دُکھ پہنچا ہے۔اس وقت تم صدمے کی کیفیت میں ہو۔تمہارا مان ٹوٹا ہے۔ہم تو تمہیں یہ کہہ رہے ہیں بیٹا......! الگ ہونے کا فیصلہ، گھر چھوڑنے کا فیصلہ جلدی میں مت کرو......''

''میں گھر نہیں چھوڑ رہی امی......!''

مریم نے فوراً برجستہ انداز میں ماں کی بات کاٹی۔

''گھر نہیں چھوڑ رہی......؟ جب عدیل کو چھوڑ دوں گی تو اُس کے گھر میں کیسے رہو گی......؟''

وہ حیرانی سے پوچھنے لگیں۔فیاض احمد بھی حیرانی سے مریم کو دیکھنے لگے۔

''امی......! میں وہ عورت نہیں ہوں کہ مرد غلطی کرے تو وہ گھر سے نکل کھڑی ہو۔میں وہاں شادی کے بعد گئی ہوں اور میں خود سے نہیں گئی ہوں، بہت سے لوگوں کی موجودگی میں وہ گھر میرا گھر کہلایا ہے، وہ میرا گھر ہے، نہ میں عدیل سے طلاق لے رہی ہوں نہ میں وہ گھر چھوڑ رہی ہوں۔میں تو عدیل کو آزاد کر رہی ہوں کہ وہ میری وجہ سے خود کو bound نہ سمجھے اور جیسے اُس کا دل چاہتا ہے، ویسے زندگی گزارے۔''

مریم نے خفا خفا انداز میں چہرہ دوسری طرف موڑ کر جواب دیا۔

''بے وقوف لڑکی......! آج تک کبھی ایسا ہوا ہے......؟''

''ہاں......! اِسی لئے کر رہی ہوں سب کچھ کہ آج تک ایسا نہیں ہوا، اور تبدیلی آنا چاہئے۔مرد کب تک عورت کو کمزور اور بے بس سمجھ کر اُس کا تماشہ بناتے رہیں گے......؟ کب تک عورت کے جذبات سے کھیلتے رہیں گے......؟ بلکہ اُس کی پوری زندگی سے کھیلتے رہیں گے۔ میں نہیں مانتی اس بات کو۔ جو دھوکہ دے، وہ سزا کے لئے بھی تیار ہو، چاہے وہ مرد ہو، چاہے وہ عورت ہو۔میں نے انعم کے معاملے میں بھی یہی بات کی تھی اور اب عدیل کے معاملے میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔''

''بیٹا......! بیٹا......! ہوش کی دوا کرو۔کون سی خوابوں کی دُنیا میں رہ رہی ہو تم......؟ یہ حقیقت سے منہ موڑنے والی بات ہے۔اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔کیا کر سکتی ہو تم اکیلی......؟ کتنا بدل دو گی اس معاشرے کو......؟''

''امی......! پہلی آواز، پہلا قدم بہت ضروری ہوتا ہے۔کوئی تو آواز یا قدم اُٹھائے، یا دونوں، کسی کو تو اُٹھانا چاہئے۔ بُرے کام پر خاموشی تو خود ایک جرم ہے۔کون سی اخلاقی کتاب میں لکھا ہے کہ جھوٹ سہنے کے لئے تیار رہو......؟ کھوکھلی اور دھوکے سے دُکھی ہوئی زندگی مجبوراً گزارو، کہیں نہیں لکھا ہوا ہے۔آپ لوگ مجھے اُس کام کے لئے مجبور نہ کریں جو میری سرشت میں نہیں ہے، ورنہ میں اندر سے ٹوٹ کر بکھر جاؤں گی اور اپنے قابل بھی نہیں رہوں گی۔ مجھے جینے دیجئے۔ میں آپ لوگوں سے

صرف جینے کا حق مانگ رہی ہوں۔اس کے علاوہ میں کبھی آپ لوگوں کو پریشان نہیں کروں گی۔"

مریم نے دوٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔سلمٰی بیگم نے بڑی بے بسی سے فیاض احمد کی طرف دیکھا تھا۔فیاض احمد بھی اس وقت شدید صدمے کے زیر اثر تھے۔بمشکل خود کو سنبھال رہے تھے۔انہوں نے پھر صورتِ حال کو قابو میں کرنے کی کوشش کی اور بڑے تحمل سے گویا ہوئے۔

"سلمٰی......!فی الحال یہ بہت پریشان ہے، ڈسٹرب ہے، پھر بات کریں گے۔مریم ہماری بیٹی ہے، ہر وقت کا ملنا جلنا ہے،ضروری تو نہیں کہ ایک ہی دفعہ میں ہماری سب بات سمجھ جائے۔فی الحال اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔یہ بھی بہت ہے کہ اسے اپنا گھر چھوڑنے کی جلدی نہیں ہے بلکہ یہ چھوڑنا ہی نہیں چاہتی ہے۔اللہ بہتر ہی کرے گا۔جاؤ بیٹا......!ہمیں بس اتنی ہی بات کرنا تھی۔لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ جو کچھ بھی میں نے اور تمہاری ماں نے کہا ہے،اس پر غور ضرور کرنا۔یہ بات میں تمہاری بہتری اور بھلائی کے لئے کہہ رہا ہوں۔اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو بیٹا......!ہم تمہارے ماں باپ ہیں بیٹا......!تمہارے دُکھ سکھ میں تمہارے ساتھ ہیں بیٹا......!"

فیاض احمد نے آگے بڑھ کر بڑی شفقت سے مریم کے سر پر ہاتھ پھیرا۔سلمٰی بیگم نے ایک گہری سانس سینے سے آزاد کی۔مریم آہستگی سے کھڑی ہوگئی۔اُس نے اپنے پریشان حال ماں باپ کی طرف دیکھا اور زبردستی مسکرائی۔

"خدا حافظ......!"

☆......☆......☆

"میں ہار ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں اُجالا......!اور تم مجھے اتنا کم ہمت مت سمجھنا کہ میں تمہاری ماں کے دلائل سے یا تمہاری ماں کے خوف سے پیچھے ہٹ جاؤں گا۔لیکن مجھے اعتماد چاہئے تمہاری طرف سے۔پھر میں مسلسل جدوجہد کرنے کے لئے اپنے اندر بہت توانائی پاؤں گا۔"

ناصر حسین،اُجالا سے فون پر بات کر رہا تھا۔میڈم شعلہ نے اُسے مایوس کر دیا تھا لیکن ابھی تک اُس کے اندر مایوسی کے اندھیرے نہیں چھائے تھے۔اُس نے اُجالا کی آنکھوں میں وہ تحریر پڑھ لی تھی جو کوئی چاہنے والی عورت اپنے خوابوں کی روشنائی سے تحریر کرتی ہے۔اسی بناء پر وہ اس وقت بڑے اعتماد سے اُس سے بات کر رہا تھا۔

"ناصر......!آپ ماما کو نہیں جانتے۔وہ بہت strong ہیں۔اپنی بات منوانا جانتی ہیں اور اُنہوں نے مجھے نرسنگ کی اجازت اسی شرط پر دی تھی کہ میں نرسنگ کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی۔اگر میں نے یہ شرط توڑ دی تو ماما بھی اپنی شرطیں توڑ دیں گی۔وہ مجھے آپ کے حوالے تو نہیں کریں گی،مگر کسی اور کے حوالے کر دیں گی۔"

اُجالا بڑے محتاط اور پریشان لہجے میں ناصر کو جواب دے رہی تھی۔

"اور تم اتنی کمزور ہو کہ ماما جو فیصلہ تم پر تھوپیں گی،تم وہ قبول کر لوگی۔اپنا حق مانگنے کے لئے،اپنا حق جتاؤ اُجالا......!تم بھی ایک آزاد انسان ہو۔دیکھو،میں تمہیں ماں کے خلاف بغاوت پر نہیں اُکسا رہا۔ہاں......!اگر تم خود یہ کہہ دو کہ میں تمہیں کسی بھی حال میں قبول نہیں یا تمہارا انتخاب کوئی اور ہو سکتا ہے،تو میں ابھی سے اپنا راستہ الگ کر لوں گا۔کیونکہ تم نے مجھے ایسا کوئی احساس نہیں دیا جس سے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا کہ تمہیں کسی اور کا انتظار ہے۔تم نے تو خود کو راہبہ بنا لیا ہے اور میں تمہیں ایسا راہبہ نہ

راستوں پر چلنے سے روک رہا ہوں۔ عبادت کے دوسرے راستوں پر لگا رہا ہوں۔ تم انسانوں کی خدمت کا بیڑہ اُٹھا کر اپنے گھر سے نکلی تھی۔ تو مجھ جیسے بندے کو جس کو تمہارے سہارے سے جینے کا حوصلہ مل رہا ہے، کیا یہ بات بھی تمہارے مشن کا حصہ نہیں......؟ میں تو ڈائریکٹ تمہارے مشن سے related ہو رہا ہوں۔ پھر میری ایک معصوم بچی ہے، جسے میں کسی نئی عورت کی آزمائش میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔ اُسے بھی تو تم سنبھال سکتی ہو۔ کیا تم انسانیت کی خدمت میں......"

ناصر اُسے قائل کرنے کے لئے مختلف دلائل دینے لگا۔

"ناصر......! پہلے تو یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ میری کوئی چوائس نہیں۔ میں نے تو آپ کے بارے میں بھی نہیں سوچا تھا، میں سوچ ہی نہیں سکتی تھی، لیکن آپ نے یہ feeling تو میرے اندر پیدا کی ہیں جس نے مجھے سوچنے پر مجبور کیا ہے، آپ کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا ہے۔ لیکن ماما کو قائل میں نہیں کر سکتی۔ آپ کر سکتے ہیں تو کر لیں۔"

اُجالا نے پھر وہی بات کی۔

"دیکھو اُجالا......! اس طرح تو تم کبھی بھی اپنی کوئی چھوٹی بڑی خواہش پوری نہیں کر سکتی۔ اپنے ہونے کو محسوس کرو۔ تم اللہ کی ایک علیحدہ سے تخلیق ہو......؟ تمہارے تمام حقوق وہی ہیں جو تمام انسانوں کے ہیں۔ تمہارا اپنی زندگی پر اُتنا حق ہے جتنا کہ دوسروں کو اپنی زندگی پر۔ ڈرومت، میں تمہیں سنہرے خواب نہیں دکھا رہا۔ لیکن ایک وعدہ ضرور کر رہا ہوں کہ اتنی اچھی لڑکی کو جس قدر دان کی ضرورت ہے، جس کی قدر و قیمت کو کوئی جانتا ہے، تو شاید اس وقت وہ میں ہوں۔ میں نے تمہارے اندر وہ رُوح پائی ہے جو میرے دل کے پیاسے صحرا کا حسین خواب ہے۔ مجھے پورا یقین ہے، تمہاری قربتیں اور تمہاری محبتیں میری ساری پیاس بجھا دے گی، مجھے سیراب کر دے گی۔ بس تمہارے حوصلے کی ضرورت ہے۔ اگر تمہارے سامنے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے تو میرے بارے میں سوچو۔ میں تمہارے فیصلے کا انتظار کروں گا۔"

ناصر نے اپنی بات مکمل کی اور اُجالا کے جواب کے انتظار میں خاموش ہو گیا۔ دوسری طرف گہری خاموشی تھی۔ چند سیکنڈ کے انتظار کے بعد ناصر کو اُسے متوجہ کرنا پڑا۔

"ہیلو......! ہیلو......!"

وہ بولا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اُجالا کی آواز اُبھری۔

"خدا حافظ ناصر......! میں آپ کو خود فون کر کے بتا دوں گی، اب آپ مجھے فون مت کیجئے گا۔"

یہ کہہ کر اُجالا نے رابطہ منقطع کر دیا۔ ناصر ریسیور ہاتھ میں تھامے گہری سوچ کے سمندر میں ڈوبتا چلا گیا، جس میں اندیشوں کے بڑے بڑے مگرمچھ تیرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

☆......☆......☆

مریم آفس سے گھر آئی تو سیدھی گیسٹ روم میں چلی گئی۔ آٹھ پہر اندر آندھیاں سی اُٹھتی رہتی تھیں۔ کیونکہ ابھی معاملہ ایک طرف نہیں ہوا تھا، کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ وہ اس وقت علینہ سے دوٹوک بات کرنا چاہتی تھی۔ وہ گیسٹ روم میں داخل ہوئی۔ اُس کے انداز میں جارحانہ پن تھا۔ اُس کے تیور کڑے تھے۔ وہ حتمی اور فیصلہ کن بات کر کے اس معاملے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا چاہتی تھی۔ وہ جیسے ہی گیسٹ روم میں داخل ہوئی، علینہ ہڑبڑا کر بستر سے اُٹھ بیٹھی۔ وہ مریم کے اندر آنے سے قبل

اِنہیں معاملات پر لیٹی ہوئی غور وخوض کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اُسے کیا کرنا چاہئے......؟ عدیل کے ساتھ اُسے مزید بات کرنا چاہیے یا نہیں......؟ کیونکہ وہ تو بالکل ہی بدل چکا تھا۔ نہ اُسے وہ دوست نظر آ رہا تھا نہ ہمدرد۔ وہ ابھی اِسی اُکھاڑ پچھاڑ میں تھی کہ مریم کے جارحانہ انداز میں اندر داخل ہونے پر بُری طرح بوکھلا گئی۔ اُس نے زبردستی کی ایک پُر تکلفانہ مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجائی اور مریم سے کہا۔

''آؤ......! میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ آج تو میں اس خیال سے کمرے سے باہر ہی نہیں گئی کہ تمہارے نانا ہوں گے اور مجھ سے باتیں کریں گے۔ کوئی ایسی ویسی بات میرے منہ سے نہ نکل جائے۔''

علینہ بہت دوستانہ انداز میں بات کر رہی تھی۔ مریم نے شعلہ بار نگاہوں سے اُس کی طرف گھورا۔

''یہی میں تم سے پوچھنے آئی ہوں۔ کب تک اس گیسٹ روم میں پڑاؤ ڈالے رہو گی......؟ عدیل سے دوٹوک بات کر کے اپنا مسئلہ حل کیوں نہیں کر لیتی......؟ آخر تم کس بات کا انتظار کر رہی ہو......؟ میں نے تمہیں اس گیسٹ روم میں مہلت دینے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرایا تھا۔ مگر مجھے تو لگتا ہے کہ تم نے اس مہلت سے ابھی تک کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اب میں تمہیں مستقل تو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتی۔''

مریم بے مروّت اور اکھڑ انداز میں علینہ سے مخاطب ہوئی۔

''اپنا گھر......؟ مگر یہ تو عدیل کا گھر ہے۔ تم کہہ چکی ہو کہ تم عدیل سے ہر طرح کا تعلق ختم کر چکی ہو۔''

''اوہ......! اچھا......؟''

مریم، علینہ کی بات سن کر طنزیہ مسکرائی۔

''تو تم عدیل کا گھر سمجھ کر یہاں مستقل قیام کر رہی ہو......؟ اور میرے جانے کا انتظار کر رہی ہو......؟ محترمہ......! یہ میرا گھر ہے، میں اس گھر میں کسی چور دروازے سے داخل نہیں ہوئی، عدیل ساری دُنیا میں اعلان کر کے مجھے اس گھر میں لایا تھا، میں نے کوئی غلط قدم نہیں اُٹھایا، کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی، کوئی دھوکہ نہیں دیا، تو میں اپنی جگہ کیوں چھوڑوں......؟ عدیل اپنا ٹھکانہ کہیں اور بنا لے اور جہاں مرضی تمہیں رکھے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

مریم مزید غصے کی کیفیت میں علینہ پر برسنے لگی۔

''بھئی......! یہ تو کوئی انوکھی ہی بات کر رہی ہو تم اس وقت۔ کوئی بھی عورت علیحدگی کے بعد شوہر کے گھر میں کیسے رہ سکتی ہے......؟ ٹھیک ہے، میں چلی جاؤں گی۔ یہ مت سمجھنا کہ میں ساری باتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہاں رہنے کے لئے کر رہی ہوں۔ میں تو اس وجہ سے بات کر رہی ہوں کہ تم نے مجھے صاف صاف کہا کہ تم نے عدیل کو چھوڑ دیا ہے، میرے لئے راستہ صاف کر دیا ہے۔ اس کے باوجود کہ میں نے تمہیں یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ عدیل کے ساتھ میرا کوئی اس طرح کا تعلق نہیں ہے کہ ہم شادی کے معاملات پر غور وخوض کرنے لگیں۔''

''تمہاری ماں عدیل پر الزام لگا کر تمہیں اس گھر میں چھوڑ کر گئی ہے۔ عدیل ہی تمہارے مسئلے کا حل نکالے گا۔ میں مزید تمہیں اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی۔ تم فی الفور عدیل سے حتمی بات کر کے یہاں سے چلی جاؤ۔''

مریم نے اجنبی اور اکھڑ پن سے فیصلہ کن بات کی۔

''ہاں......!میں چلی جاؤں گی، تم فکر نہ کرو، لیکن میں پھر تم سے یہی کہوں گی کہ تم غلطی پر ہو۔''

علینہ نے اب دبے دبے لہجے میں بات کی۔

''واہ......! سبحان اللہ......! تمہاری ماں عدیل پر الزام لگا کر تمہیں اس گھر میں چھوڑ کر گئی ہے۔ تم دودھ پیتی بچی تھیں جو ماں نے کہا اور چل پڑی......؟ اتنا بے وقوف سمجھ رہے ہو تم دونوں مجھے......؟''

''میں عدیل کے پاس مدد مانگنے نہیں آئی تھی......! مریم تمہیں تمہاری غلطی کا احساس دلانے آئی تھی کہ تمہاری جذباتیت نے جو چاروں طرف آگ لگا دی ہے، اس کا کوئی حل نظر نہیں آ رہا۔ تمہیں اپنی اس حماقت پر غور کرنا چاہئے۔''

علینہ نے اب رُوٹھے رُوٹھے اور خفا خفا سے انداز میں مریم سے کہا۔

''واہ......! میری غلطی......؟ میری غلطی ہے......؟ یعنی تم میرے شوہر کے ساتھ لائف انجوائے کرو، میرے شوہر کو مجھ سے دُور کرو، اور پھر بھی معصوم اور بے قصور کہلاؤ۔ میں دھوکہ دہی پر احتجاج کروں، زیادتی پر واویلا کروں، شور مچاؤں اور غلط کہلاؤں......؟ میں عدیل کو چھوڑ چکی ہوں علینہ......! تم آئیں بائیں شائیں باتیں بند کرو اور عدیل کے ساتھ مل کر مسئلے کا کوئی حل نکالو، اور جتنی جلدی یہاں سے جا سکتی ہو، چلی جاؤ۔ میں اس سے زیادہ تمہاری مہمان نوازی نہیں کر سکتی، اور اس سے زیادہ تمہاری بے عزتی کیا ہوگی کہ میں تمہیں اس گھر سے جانے کے لئے کہہ رہی ہوں۔ یہ گھر جو میرا گھر ہے، جس پر میں نے قبضہ نہیں کیا ہے، ساری دُنیا کہتی ہے کہ یہ میرا گھر ہے۔ تم آج کی ڈیٹ میں عدیل سے بات کرو اور آج ہی کی ڈیٹ میں یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ بس......!''

مریم نے حلمیہ انداز میں گھر پر اپنا استحقاق جتاتے ہوئے دوٹوک بات کی۔ پھر اس کے بعد وہ ایک لمحہ بھی گیسٹ روم میں نہیں رُکی۔ تیزی سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

''وہاج، علینہ کو طلاق دے دے گا، وہ نہیں رکھے گا۔''

عارف اپنے بیڈ پر دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے فوزیہ سے بات کر رہا تھا جو اس کے بالکل قریب پریشان حال بیٹھی تھی۔

عارف کی بات سن کر اُس نے جیسے سہم کر اپنے کلیجے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں عارف......؟ آپ کو پتا ہے، اگر وہاج بھائی نے علینہ کو طلاق دے دی تو ایک ایسی آگ بھڑک اُٹھے گی جو کوئی بجھا نہیں پائے گا۔ میری زندگی الگ دوبھر ہو جائے گی۔''

''تو میں کیا کروں......؟ اس لئے کہ میں کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ میں نے تو وہاج سے کہہ دیا تھا کہ اس کو اپنی خریدی ہوئی لونڈی، اپنی کنیز بنا کر رکھو، باندی کی طرح اس سے کام لو، کسی بھیڑ بکری کی طرح ایک چھپر کے نیچے ڈال دو، ساری آسائشیں چھین لو......''

''مگر کیوں......؟''

فوزیہ نے تیزی سے عارف کی بات کاٹ دی۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ علینہ نے ایسی کیا حد پار کر دی کہ نوبت طلاق تک آ گئی ہے......؟ وہ کہتی ہے کہ......''

''وہ جو کچھ بھی کہتی ہے، اُس کے کہے کو کوئی نہیں سنے گا۔ سب وہ سنیں گے جو اُس کا شوہر کہہ رہا ہے۔ جب ایک مرد اپنی بیوی پر اعتماد نہیں کرتا تو وہ عورت سارے جتن کر کے بھی سوسائٹی میں اپنی عزت نہیں بنا سکتی۔ عزت صرف اُسی عورت کی ہوتی ہے جسے اُس کا شوہر عزت دیتا ہے۔''

عارف نے یہ کہہ کر ایک ہاتھ اپنے سر کے نیچے سے نکالا اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ انداز ایسا تھا کہ جیسے فوزیہ کو کہہ رہا ہو کہ خاموش ہو جائے اور اس ٹاپک پر بات نہیں کرے۔

''میں وہاج بھائی سے بات کروں گی عارف......! آپ ڈپریس نہ ہوں۔ انہیں غور کرنے کے لئے کہوں گی۔ اپنی طرف دیکھنے کے لئے کہوں گی۔ وہ کوئی اکیلے جنگل میں نہیں رہ رہے۔ بہت سے رشتوں کی زنجیر سے بندھے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے فیصلے کرتے ہوئے اُنہیں میرے بارے میں بھی سوچنا چاہیئے۔''

''تم کوئی بھی بات کرو فوزیہ......! اس کا کچھ حاصل نہیں۔ میں بہت اچھی طرح جان چکا ہوں۔ اس مسئلے کا اس کے علاوہ کوئی حل نہیں ہے اور وہاج کے ساتھ زبردستی کرنا کسی خطرے کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ وہ کسی بھی وقت بے اختیار ہو کر کوئی غلط قدم اُٹھا سکتا ہے۔ خدانخواستہ بہت بڑا حادثہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ وہاج کی منت سماجت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تم جاؤ، مجھے تھوڑی دیر کے لئے اکیلا چھوڑ دو۔ شاید مجھے نیند آ جائے۔''

عارف اندر سے ریزہ ریزہ ہو رہا تھا۔ وہ علینہ کا سگا بھائی تھا۔ اپنی سگی بہن کی اُس کے شوہر کے ہاتھوں بے عزتی اُسے جیسے زندہ درگور کر رہی تھی اور بات بھی ایسی تھی کہ جس بیوی سے وہ اب تک بڑے حکمیہ انداز میں بات کرتا چلا آیا تھا، آج اُس سے نظر چرانے پر مجبور تھا۔ فوزیہ سمجھ گئی تھی کہ مزید بات کرنا لاحاصل ہے۔ وہ چپ چاپ بستر سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆......☆

مریم، عدیل اور بشر علی ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھ چکے تھے۔ نورانی گرم گرم پراٹھے اور چائے وغیرہ serve کر رہا تھا۔ بشر علی بہت سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ آج اُن کے انداز میں روزانہ والی شگفتگی اور عدیل کے ساتھ شفقت اور محبت والی بات چیت نہیں تھی۔

''ارے بیٹا......! تم اپنی دوست کو بھول گئی ہو کیا......؟ وہ ناشتہ نہیں کرے گی کیا......؟''

بشر علی سنجیدگی اور وقار سے بات کر رہے تھے۔ عدیل نے گھبرا کر مریم کی دیکھا۔

''دوست......؟''

اُس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔ بشر علی بڑی رواداری سے مسکرائے۔ وہ عجیب مشکل situation میں پھنسے ہوئے تھے۔ وہ عدیل پر ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتے تھے کہ مریم اُن سے اپنے دل کے راز شیئر کر چکی ہے۔ وہ خود کو سنبھال کر بہت احتیاط سے بات کر رہے تھے۔

''ہاں......! وہ دُبئی سے جو مریم کی دوست آ کر ٹھہری ہوئی ہے، میں اُس کی بات کر رہا ہوں۔ تمہاری ملاقات نہیں ہوئی اُس سے بیٹا......؟''

''دُبئی سے......؟''

عدیل ایک دم ٹپٹا کر مریم کی طرف دیکھنے لگا۔

''نانا جان علینہ کی بات کر رہے ہیں۔''

مریم کے ایک ایک لفظ میں اتنا دباؤ تھا کہ عدیل کسی پہاڑ تلے دب کر رہ گیا۔ چند سیکنڈ کے لئے تو وہ حرکت ہی نہ کر سکا۔

''ارے بھئی......! شاید عدیل میاں کی مصروفیت کی وجہ سے تمہاری دوست کی سلام دُعا نہیں ہوئی۔ خیر......! کل تو میں نے بھی اُسے نہیں دیکھا۔ حالانکہ روزانہ اُس سے تھوڑی دیر بات چیت ہو جاتی تھی۔ شاید کل اُس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ میں نے نورانی سے پوچھا تھا، کہنے لگا کہ وہ سو رہی ہیں۔ تو بھئی......! اتنی دیر تو وہی بندہ سوئے گا جس کی طبیعت میں گڑ بڑ ہو۔ وہ جو پرانے زمانے میں لوگ کہتے تھے کہ دُشمنوں کو کچھ ہو گیا۔''

بشر علی پہلی سے ہلکی ہنس کر بولے۔ مریم محسوس کر رہی تھی کہ اُس نے اپنے نانا کو کس آزمائش میں ڈال دیا ہے......؟ لیکن وہ اُن کو اپنے گھر سے جانے کے لئے بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔

''جی نانا جان......! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ پرانے زمانے کے لوگ بڑے سیدھے سادھے تھے اور غلط بات کو دُشمنوں پر ڈال دیتے تھے، لیکن سارے غلط کام دُشمن تھوڑا ہی کرتے ہیں۔ بہت سارے غلط کام تو اپنے بھی کر جاتے ہیں۔''

وہ کیتلی سے چائے کپ میں اُنڈیلتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہہ رہی تھی۔ بشر علی اندر سے ٹوٹ ٹوٹ گئے۔ اُن کا دل بھر آیا۔ عدیل اپنی جگہ لب بستہ بیٹا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اُس نے ناشتے کی ٹیبل پر آ کر شاید بہت بڑی غلطی کی ہے۔ لیکن وہ تو صرف بشر علی کے خیال سے آ گیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ اگر وہ ناشتے کی میز پر پھر غائب ہوا تو وہ محسوس کریں گے اور اُس بے خبر کو کیا خبر تھی کہ جو بات وہ بشر علی سے چھپانے کی کوشش کر رہا ہے، بگڑی ہوئی بات کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہے، وہ بات تو پوری قوت سے اُڑان بھرتی ہوئی بشر علی کے دل کی وسعتوں میں اُتر چکی ہے جس کو سنبھالتے ہوئے وہ ہلکان ہوئے جا رہے ہیں اور اپنی ٹوٹتی ہوئی مریم کو پھر سے مسکراتا ہوا دیکھنے کے لئے معجزوں کی دُعائیں کر رہے ہیں۔ عدیل نے ناشتہ اُدھورا چھوڑ دیا اور چائے کے سِپ لینے لگا۔ اب وہ فوراً سے پیشتر ناشتے کی میز سے ہٹ جانا چاہتا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ مریم کوئی ایسی بات نہ کہہ دے کہ بشر علی کے سامنے اُسے ایسی ہزیمت اُٹھانا پڑے جس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنگ بندی کا اعلان ہو جائے۔

☆......☆......☆

''اماں......! آپ اُسے عدیل کے گھر چھوڑ آئیں......؟ کچھ تو خوف خدا کریں۔ کیا رشتہ، کیا تعلق ہے اُس کا عدیل سے......؟''

''بھئی......! وہاج رشتے اور تعلق نکال رہا ہے، جیسے کو تیسا سبق تو سکھانا پڑے گا۔''

''جب آپ کو اصل بات ہی نہیں معلوم، بہت سی حقیقتیں ہی نہیں پتا، تو آپ اتنے بڑے بڑے فیصلے کیسے کرنے لگیں......؟ اگر خودکشی حلال ہوتی تو میں کب کی کر چکا ہوتا۔''

''علینہ نے جو ذِلتوں کے سودے کئے ہیں، آپ اُنہیں کم کرنے کی بجائے اور بڑھا رہی ہیں۔ آپ اُسے ابھی لے کر آئیں۔''

عارف ماں کے کمرے میں آ کر بُری طرح گرجنے برسنے لگا۔

''تم اُسے یہاں سے لے جاتے ہو۔ وہاج اُسے گھر میں رکھنے کو تیار نہیں۔ کہاں جائے میری بچی......؟ ارے......! جس کی وجہ سے میری بچی پر داغ لگا ہے، جس نے میری بیٹی کو در بدر کر دیا ہے، تو پھر وہی سنبھالے گا اُسے۔''

''ایسے کیسے سنبھالے گا اُسے......؟ میں تو احساسِ ذِلت سے زمین میں گڑھا جا رہا ہوں۔ اماں......! کالک جو ہمارے چہروں پر لگ چکی ہے، اس میں کیا کچھ کمی رہ گئی تھی جو آپ اس سیاہی میں اضافہ کر رہی ہیں......؟ اتنے بہادرانہ فیصلے کر رہی ہیں......؟ اماں......! کچھ تو سوچیں۔ آپ کوئی دودھ پیتی بچی ہیں......؟ کیا کر رہی ہیں آپ......؟ میرا تو دل کر رہا ہے میں اپنا پسٹل نکال کر اپنا بھیجا اُڑا لوں۔''

''آئے ہائے......! چوہدری عارف......! ایسا غضب مت کیجئے گا۔''

ماسی برکتے جو پردے کے پیچھے چھپ کر سارا شور شرابا سن رہی تھی، پستول کا نام سن کر حواس باختہ سی باہر آ گئی۔ اُسے یاد نہ رہا کہ وہ خفیہ کارروائی کر رہی تھی اور کن سوئیاں لے رہی تھی۔

''تم نکلو اِدھر سے، تم کیا کر رہی تھی......؟ ہر جگہ کو د جاتی ہو۔ اپنی حد میں رہو۔ چلو جاؤ یہاں سے۔''

عارف نے ماسی کو بُری طرح ڈانٹ دیا۔

''ارے......! تو اس کے پیچھے کیوں پڑا رہتا ہے......؟ اس نے تیرا کیا بگاڑا ہے......؟ ہاں، جس کے پیچھے غصہ کرنا چاہئے، اُس کو تو، تو نے رانی بنا کر رکھا ہوا ہے۔ یہ بیچاری سیدھی سادھی غریب عورت، ہر وقت اسی کے اُوپر برستا رہتا ہے تو۔''

''اماں......! بات کو گھمائیں نہیں۔ آپ علینہ کو یہاں لے آئیں۔ میں خود اُس کا بندوبست کرتا ہوں۔ اگر آپ اُسے یہاں لے کر نہیں آئیں گی تو دیکھیں، پھر میں عدیل کے گھر جا کر اُس کا کرتا کیا ہوں......؟ شوٹ کر دوں گا میں اُسے، دو گھنٹے کے اندر اندر علینہ مجھے یہاں نظر آنا چاہئے۔''

عارف نے غصے کو دبانے کی بہت کوشش کی مگر وہ بھڑکتے ہوئے شعلوں پر قابو نہیں رکھ سکا۔ وہ اسی طرح سے گرج برس کر باہر چلا گیا۔ اس کی دھمکی میں بڑا وزن تھا، کیونکہ وہ جس کیفیت میں باہر گیا تھا، وہ شکیلہ خاتون کے لئے بہت بڑی خطرے کی گھنٹی تھی۔ اُن کو پتا تھا کہ وہ کیا کر سکتا ہے اور غصے میں کس حد تک پاگل ہو سکتا ہے......؟ وہ بُرا سا منہ بنا کر ماسی برکتے کے سامنے اپنی شکست کا جواز سوچنے لگیں جو ماسی برکتے کو بتا کر اپنی انا کا بھرم رکھ سکیں۔ عارف نے تو اچھی خاصی بے عزتی کر دی تھی۔

☆......☆......☆

''ماسی برکتے......! دیکھ بات بہت بگڑ جائے گی۔ عارف کو ایک پل چین نہیں۔ تو نے تو عدیل کا گھر دیکھا ہے ناں، تو ہی تو بتا رہی تھی کہ اماں کے ساتھ گئی تھی۔ عارف، علینہ کو وہاں سے لانا چاہتے ہیں اور جب تک علینہ کو وہاں سے لے نہیں آئیں گے، اُن کو چین نہیں آئے گا، وہ سو نہیں پا رہے۔''

''فوزیہ بی بی......! میں گھر کے اندر نہیں گئی تھی۔ چوہدرانی کے ساتھ گئی ضرور تھی، مگر چوہدرانی نے مجھے گاڑی سے اُترنے نہیں دیا۔ بول رہی تھیں، تو بیٹھی رہ، میں ابھی آتی ہوں۔ چوہدری عارف مجھے عبداللہ شاہ غازی والے روڈ پر لے جائیں، پھر وہاں سے تو میں اُن کو عدیل کی کوٹھی تک لے ہی جاؤں گی۔ دیکھیں فوزیہ بی بی......! چوہدرانی جی کو ہوا نہ لگے۔ ورنہ وہ تو مجھے راکھ بنا کر ہوا میں اُڑا دیں گی۔''

ماسی برکتے نے خوف زدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ کر فوزیہ کی جیسے منت، خوشامد کی۔

''تو فکر نہ کر ماسی......! میں تجھے کہہ رہی ہوں ناں، کچھ نہیں ہوگا، اور ہمارا کیا دماغ خراب ہے کہ جو ہمارے کام آئے، ہم اُسی کو پریشان کریں......؟ میں تو تیرا احسان مانوں گی۔''

فوزیہ نے ماسی برکتے کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے بی بی جی......! بس چوہدرانی جی رات کو سو جائیں تبھی گھر سے نکل پاؤں گی۔ ورنہ وہ تو ہر دس منٹ بعد مجھے آواز دیتی ہیں۔ میں گھر میں نہیں ہوئی تو پورا گھر سر پر اُٹھا لیں گی۔ پھر اُن کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔''

''ہاں خیر !اب ایسا بھی نہیں ہے۔ ماسی......! اگر تم چلی جاتی ہو تو میں ان سے کہہ دوں گی کہ وہ ڈاکٹر کے پاس گئی ہے، اُس کی ٹانگوں میں درد ہو رہا تھا۔''

''وہ کہاں سمجھتی ہیں......؟ پھر بھی شور مچاتی ہیں کہ مجھے کیوں نہیں بتا کر گئی......؟ اس لئے بی بی......! آپ چوہدری عارف سے کہہ دیں، میں رات کو اُنہیں لے جاؤں گی، جب چوہدرانی جی سو جائیں گی۔''

ماسی برکتے نے جیسے ہی فوزیہ سے اصرار کیا۔ فوزیہ نے چند لمحے سوچا اور گہری سانس لے کر کھڑی ہو گئی۔

''ٹھیک ہے......! میں عارف کو بتا دیتی ہوں۔ مگر ماسی......! آج تم نے ہر صورت جانا ہے۔ کیونکہ بات بڑھتی جا رہی ہے۔''

فوزیہ نے آخری جملہ خود کلامی کے انداز میں کہا اور لاؤنج سے باہر چلی گئی۔

☆......☆......☆

''تم ہوتی کون ہو......؟ میں تمہارا غلام نہیں ہوں، جسے تم اپنے اشارے پر نچانا چاہ رہی ہو۔ اپنے طور پر پتا نہیں کیا کچھ فرض کر کے بیٹھی ہوئی ہو۔ جب کہہ دیا کہ میں نے نہیں کرنا اُس سے شادی، اور مجھے اُس کا custodian بننے کی ضرورت نہیں ہے۔''

عدیل غصے کی کیفیت دبا کر، دانت پیس کر آہستہ آواز میں مریم کے سامنے ردِعمل ظاہر کر رہا تھا۔

''اب تو آپ ہی اُس کے custodian ہیں۔ اس لئے کہ وہ آپ ہی کی وجہ سے اس وقت لاوارثوں کی طرح میرے گھر میں پڑی ہوئی ہے۔''

مریم بھی آہستہ آواز میں بات کر رہی تھی۔ اگرچہ غصے کی شدت اپنے کمال پر تھی۔

''وہ لاوارث نہیں ہے۔''

عدیل نے فوراً تیزی سے کہا۔

''اُس کا بھائی ہے، ایک نہیں، دو دو مائیں ہیں، باپ بھی زندہ ہے۔ تم خواہ مخواہ اُسے میرے سر لگا رہی ہو۔ تم مجھے صرف اور صرف نیچا دکھانے کے لئے، اپنا غصہ اُتارنے کے لئے ایسا کر رہی ہو۔ چھوڑ دو میرا پیچھا، مجھے نہیں کرنا اُس سے شادی۔ جو تمہارا دل کرتا ہے، کرتی پھرو، اور جو میرا دل چاہے گا، وہ میں کروں گا۔''

عدیل نے بیڈ سے اُتر کر وارڈروب کی طرف بڑھتے ہوئے اسی طرح غصے کی کیفیت میں کہا۔

''مسٹر عدیل......! آپ کی وجہ سے، آپ کی غیر ذمہ داری کی وجہ سے اب اُس کی صرف ایک ماں رہ گئی ہے، باقی سب نے اُسے دھتکار دیا ہے جبھی تو وہ یہاں پڑی ہوئی ہے، اور جبھی اُس کی ماں اُسے یہاں پر چھوڑ کر گئی ہے۔ اُس کا کوئی اور ٹھکانہ ہوتا تو وہ کچھ اور بھی سوچ لیتی۔''

''تم بے وقوف بن رہی ہو۔''

عدیل نے جھٹکے سے وارڈ روب کا پٹ کھولتے ہوئے پلٹ کر مریم کی طرف دیکھا۔

''وہ بلیک میل کر رہی ہے مجھے۔''

''اچھا......! ابھی چند دن پہلے تو وہ آپ کی بیسٹ فرینڈ تھی......؟ اور اب بلیک میلر ہو گئی ہے......؟''

مریم طنزیہ ہنسی۔

''میں اُس کی نہیں، اُس کی ماں کی بات کر رہا ہوں۔ اُسے پتا ہے کہ تمہاری وجہ سے بات بہت بگڑ چکی ہے۔ وہ اس بگڑی ہوئی بات کو بنانے کے لئے یہاں پر دھرنا دیئے بیٹھی ہے اور تم اُس کے ہاتھ مضبوط کر رہی ہو۔ بجائے میری بات سمجھنے کے، اُن کی بات سن رہی ہو......؟''

عدیل نے یہ کہہ کر وارڈ روب سے کپڑے نکال نکال کر بیڈ پر ڈالنا شروع کر دیئے۔

''میں یو کے جا رہا ہوں۔ جب تک تمہیں عقل نہیں آئے گی، شکل نہیں دکھاؤں گا تمہیں۔''

مریم اُس کی بات سن کر بُری طرح چونکی۔

''یو کے جا رہے ہیں......؟''

''ہاں......! مگر تمہیں اس سے کیا......؟ تم تو مجھے چھوڑ چکی ہو۔''

''ہاں......!''

مریم نے فوراً عدیل کی بات کاٹ کر طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ ''ہاں'' کہا۔

''یہ تو طے ہے کہ میں آپ کو چھوڑ چکی ہوں، لیکن اس عذاب کو آپ میرے سر پر مسلط کر کے یو کے نہیں جا سکتے۔''

''میں جا رہا ہوں، تم مجھے روک کر دکھاؤ۔''

''ٹھیک ہے......! میں روک نہیں سکتی، اور بہت کچھ کر سکتی ہوں۔ ابھی اِسی وقت اُس کو یہاں سے دھکے دے کر نکال دوں گی۔''

''ہاں......! تو میں کب منع کر رہا ہوں......؟ نکال دو......!''

عدیل نے سرد مہری سے جواب دیا۔

''واہ......! سبحان اللہ......! کل تک جس لڑکی سے بات کئے بغیر ایک پل چین نہیں ملتا تھا، آج اُسے آپ اِس گھر سے دھکے دلوانے پر تیار ہیں......؟ اِسی لئے لوگ کہتے ہیں کہ مرد کا کوئی بھروسہ نہیں، آج اُسے دھکے دے سکتے ہیں، کل مجھے بھی دھکے دے کر نکال سکتے ہو۔''

''وہ میری بیوی نہیں ہے۔ تم میری بیوی ہو، یہ تمہارا گھر ہے، میں اُسے کہہ چکا ہوں کہ اُسے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔

اب وہ اپنی مرضی سے آ گئی ہے تو بھگتے۔"

"آپ یو کے نہیں جائیں گے جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔"

"وہ تو میں جا رہا ہوں، میری سیٹ کنفرم ہے۔"

"میں آج ہی ممی کو فون کر کے بلاتی ہوں اور یہ سارا کھیل تماشہ اُن کو دکھاتی ہوں۔"

"تم ممی کو فون کر کے اُنہیں پریشان مت کرو۔ اُن کا کیا قصور ہے......؟ وہ آرام سے وہاں بیٹھی ہوئی ہیں۔"

"ہاں تو کیوں بیٹھی ہوئی ہیں آرام سے......؟ اُن کو بھی میرے ساتھ تکلیف اُٹھانا چاہئے۔ وہ بھی اس جرم میں برابر کی شریک ہیں۔ اُنہیں اپنے بیٹے کی Activities کا علم کیوں نہیں تھا......؟ وہ ماں تھیں، اُنہیں اپنے بیٹے کے بارے میں سب پتہ معلوم ہونا چاہئے تھا۔ کیوں رشتہ لے کر پہنچ گئیں میرے گھر......؟ میں اکیلی مصیبت کیوں اُٹھاؤں......؟ جبکہ میں تو سراسر بے قصور ہوں۔"

"تم ممی کو فون نہیں کرو گی۔ جو بات کرنا ہے، مجھ سے کرو......"

"آپ سے تو ساری باتیں ہو چکی ہیں۔"

مریم نے تیزی سے عدیل کی بات کاٹ کر کہا۔

"تو بلاتی رہو ممی کو، میں کون سا اُن کو یہاں ملوں گا......؟ میں اُن کے یہاں آنے سے پہلے جا چکا ہوں گا۔ تمہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ جو تمہارا دل چاہتا ہے، کرتی پھرو۔"

عدیل نے یہ کہہ کر کھڑکی کے ساتھ رکھا ہوا ایک ٹرالی سوٹ کیس آگے بڑھ کر اُٹھایا اور کرولنگ کرتا ہوا بیڈ کے قریب لایا۔ مریم چند لمحے اُس کی طرف دیکھتی رہی اور سوچتی رہی۔ پھر جیسے اُسے کچھ سوجھ گئی تھی۔ وہ بہت پُرسکون انداز میں کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

علینہ گیسٹ روم میں ٹہل رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ عدیل کتنا بدل چکا ہے۔ اُس کی بے رُخی کتنی ناقابل برداشت ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عدیل اتنا بدل جائے گا اور جبکہ اُس کے چاروں طرف اندھیرے پھیلے ہوئے ہیں اور وہ بے سمت مسافر کی طرح کسی اندھے موڑ کی طرف بڑھ رہی ہے، عدیل کو کوئی احساس نہیں اُس کی بربادی کا، وہ تو یوں ہو گیا ہے جیسے کبھی راستے میں بھی نہ ملا ہو۔ اُس نے ابھی یہیں تک سوچا تھا کہ مریم دھڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ علینہ ٹھٹک کر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ مریم تیزی سے اُس کے قریب آئی اور علینہ کے دونوں کندھے پکڑ کر اُسے زور سے جھنجھوڑا۔

"جاؤ، پرندہ اُڑ رہا ہے، پکڑ لو اُسے۔ وہ یو کے جا رہا ہے۔ سانپ نکل جائے گا، لکیر پیٹتی رہ جاؤ گی۔ کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ جا رہا ہے وہ دھوکہ دے کر، مجھے بھی اور تمہیں بھی۔ اُسے روک سکتی ہو تو روک لو۔ میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ تم یہاں سے چلی جاؤ اور اگر آج عدیل یہاں سے چلا گیا تو میں تمہیں یہاں نہیں رُکنے دوں گی۔ ایک منٹ، ایک سیکنڈ کے لئے نہیں۔ اب صرف تمہارے پاس تھوڑا سا وقت ہے، اس سے فائدہ اُٹھاؤ اور عدیل کو روک سکتی ہو تو روک لو۔ ورنہ یاد رکھو، پھر وہ تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا، جلدی جاؤ۔"

مریم نے علینہ کو پوری قوت سے دروازے کی طرف دھکیلا۔علینہ بُری طرح سے لڑکھڑا گئی۔اس نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

''وہ......مریم......!''

''میں کچھ نہیں سنوں گی۔جلدی سے جاؤ اور اُسے روک لو۔''

مریم نے پہلے سے بھی زیادہ قوت سے دروازے کی طرف دھکا دیا۔علینہ گرتے گرتے سنبھلی۔اُسے مریم سے خوف سا آنے لگا تھا۔اُسے یہ تو نہیں پتا تھا کہ وہ اس کمرے سے باہر جا کر کیا کچھ کرے گی اور کر سکتی ہے،لیکن بہر حال اس وقت اُس نے گیسٹ روم سے باہر جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔اُس نے باہر کی طرف جیسے دوڑ لگا دی۔علینہ کے کمرے سے باہر نکلتے ہی مریم نے دروازہ زور سے بند کیا اور چٹخنی چڑھا دی اور بند دروازے سے اپنی پشت لگا کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔اُس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اُس کی بند آنکھوں سے آنسو بہہ کر اُس کے رُخساروں کو بھگو رہے تھے۔وہ بمشکل اپنی سسکیاں روک رہی تھی۔بشریٰ علی کی مضبوط مریم تنہائی میں ریزہ ریزہ ہو کر بکھر رہی تھی۔

☆......☆......☆

عدیل سوٹ کیس کو لاک کر کے کرولنگ کرتا ہوا کمرے سے باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ نورانی اُس کے سامنے آ گیا۔

''صاحب......!وہ کوئی عارف صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔''

''عارف......؟''

عدیل اُلجھا۔

''عارف کون......؟''

''پتا نہیں صاحب......!بس وہ تو یہی کہہ رہے ہیں کہ اُنہیں عدیل صاحب سے ملنا ہے۔''

''ٹھیک ہے......!تم چلو،میں آتا ہوں۔''

عدیل نے سوٹ کیس ایک طرف کھڑا کرتے ہوئے کہا۔نورانی پلٹ گیا اور عدیل بھی اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔وہ لاؤنج میں داخل ہوا تو جیسے سات آسمان اُس کے سامنے گول گول گھوم گئے۔عارف اُسے ایک دم یاد آ گیا۔وہاج کے گھر کھانے پر اُس کی عارف سے ملاقات ہوئی تھی۔وہ پہچان گیا کہ یہ علینہ کا بھائی ہے۔علینہ اُس کے گھر میں رہ رہی تھی۔بشریٰ علی بھی آرام کر رہے تھے،وہ اُٹھ بھی سکتے تھے۔یہ سوچ کر وہ جیسے اپنے حواس کھونے لگا،یوں لگا جیسے ذِلت کے تابوت میں آخری کیل گڑنے ہی والی ہے۔اُس نے بمشکل عارف کو متوجہ کر کے سلام کیا تھا۔

''السلام علیکم......!''

عارف جو کسی گہری سوچ میں تھا اور اُس کی پشت عدیل کی طرف تھی،عدیل کی آواز سن کر یک دم جیسے اُچھل پڑا۔اس نے پلٹ کر عدیل کی طرف دیکھا۔اُس نے عدیل کے سلام کا جواب نہیں دیا بلکہ جیسے بولنے کے لئے الفاظ ترتیب دینے لگا۔

''پلیز......!تشریف رکھئے۔''

''میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا۔''

عارف نے سرد مہری اور خفا خفا انداز میں عدیل کو جواب دیا۔

''میں علینہ کو لینے آیا ہوں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے اور آپ نے بہت اچھا کیا جو اُسے لینے آ گئے ہیں۔ میں اُسے یہی سمجھا رہا تھا کہ اُسے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ اس طرح سے تو بات سنبھلنے والی بھی مزید بگڑ رہی ہے۔ لیکن وہ آپ کی mother......''

عدیل جلدی جلدی صفائی پیش کرنے لگا۔ عارف نے اُسے سر سے پاؤں تک گھورا۔

''بہت خیال ہے تمہیں اپنی اور ہماری عزت کا مسٹر عدیل......؟ بڑے نیک مشورے دے رہے ہو میری بہن کو......؟ مگر بہت لیٹ دے رہے ہو۔''

عارف نے عدیل کی طرف آگ برساتی نظروں سے دیکھا۔ عدیل لاجواب سا ہو کر اپنے پیروں کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ واقعی ٹپٹا سا گیا تھا۔ اُسے کوئی جواب، کوئی مناسب جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔

''سب کی طرح آپ کو بھی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں اور علینہ اچھے دوست ضرور تھے مگر ہمارے درمیان اور کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ آپ میری بات کا یقین کریں۔ میں نے اسے ہمیشہ ایک شادی شدہ عورت ہونے کے ناطے وہ عزت دی جس کی وہ حق دار تھی۔ وہ تو آپ کو بھی پتا ہے، شادی سے پہلے بھی وہ میری دوست تھی۔ میں نے شادی کے بعد بھی......''

''مجھے یہاں تقریریں نہیں سننا۔ خاموش ہو جاؤ اور علینہ کو بھیج دو۔ میں تم سے بات کرنے نہیں آیا اور نہ تم سے کوئی بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت جو میری ذہنی کیفیت ہے، میں بمشکل خود کو سنبھال رہا ہوں۔ خدا کے لئے یہاں سے ہٹ جاؤ اور علینہ کو بھیج دو۔ میں اس کا wait کر رہا ہوں۔''

عارف نے ضبط کی کڑی منزلیں طے کرتے ہوئے بمشکل کہا۔ عدیل کے لئے تو یہ موقع بہت غنیمت تھا کہ عارف اُس سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا تھا اور وہ تو خود بھی یہی چاہتا تھا کہ علینہ کے topic پر کوئی اُس سے بات نہ کرے۔ وہ نورانی کو آواز دیتا ہوا لاؤنج سے نکل گیا۔

''نورانی......! یہ میرے نہیں، علینہ بی بی کے مہمان ہیں۔ علینہ بی بی سے جا کر کہو کے کوئی اُن سے ملنے آیا ہے۔''

علینہ جو گیسٹ روم سے نکل کر زینہ اُتر ہی رہی تھی، اُس نے عدیل کی بات وہیں کھڑے کھڑے سن لی تھی اور shock ہو کر سوچنے لگی۔

''مجھ سے کون ملنے آ سکتا ہے......؟ شاید اماں ہی آئی ہوں گی۔ اُن کے علاوہ مجھ سے ملنے کم از کم یہاں کوئی نہیں آ سکتا۔''

وہ سوچتے ہوئے لاؤنج کی طرف بڑھی۔ عارف اسی طرح بے قراری سے ٹہل رہا تھا اور اُس طرف دیکھ رہا تھا جس طرف عدیل گیا تھا۔ علینہ کو اُسی راستے سے لاؤنج میں آنا تھا۔ وہ بہت بے تابی سے علینہ کا منتظر تھا۔ علینہ اپنی دُھن میں بڑی تیزی سے لاؤنج میں داخل ہوئی لیکن عارف کو اپنے سامنے پا کر تو جیسے اُس کی رُوح جسم سے پرواز کرنے لگی۔ اس سے قبل کہ وہ بے ہوش ہو کر گرتی، اُس نے بمشکل دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عارف یہاں آ سکتا ہے۔ اس سے قبل کہ وہ دھڑام سے زمین پر گر جاتی ہے، اُس نے صوفے کا ہینڈل تھام کر خود کو سنبھالا اور آہستگی سے صوفے کے

کنارے پر ٹک گئی۔ اُس کا ایک ہاتھ پیشانی پر اور دوسرا صوفے کے ہینڈل پر تھا، آنکھیں بند تھیں، وہ خود کو سنبھال رہی تھی۔ اُسے بس یہی محسوس ہو رہا تھا کہ عارف نے اب پسٹل نکالے گا اور اُس پر فائر کر دے گا۔ اُس نے اُس کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیں تھیں جو بلی کو سامنے پا کر آنکھیں بند کر لینے کو ہی اپنی نجات سمجھتا ہے۔

''اُٹھو اِدھر سے......!''

عارف کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ اُس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔ اس نے خوف زدہ ہو کر عارف کی طرف اور پھر اُس کے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔

''میں کہہ رہا ہوں، اُٹھو اور میرے ساتھ چلو......!''

''وہ......عارف بھائی......!''

''بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے بے حیا لڑکی......! ہماری عزتوں کے جنازے نکال کر اب بیٹھی ہوئی سوال جواب کر رہی ہے......؟ اُٹھو......!''

عارف نے آگے بڑھ کر علینہ کا بازو اپنے آہنی پنجے میں دبوچ لیا اور پوری قوت سے اُس کو اُٹھا کر کھڑا کیا۔ پھر اسے دروازے کی طرف زور سے دھکیلا۔ علینہ لڑکھڑائی اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ وہ اتنی خوف زدہ تھی کہ پلٹ کر عارف کی طرف دیکھنے کا حوصلہ اُس میں نہیں تھا۔ وہ سرپٹ گیٹ کی طرف دوڑ رہی تھی اور عارف اُس کے تعاقب میں تھا۔ باہر اُس کی گاڑی کھڑی تھی جس میں دو گن مین اُس کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔

☆......☆......☆

عابد اور یاسر، دولت خان کے گھر آئے ہوئے تھے۔ انعم اُن کے سامنے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''تم اتنی صبح صبح آ گئے......؟ دولت خان تو ابھی سویا ہوا ہے۔''

انعم نے سرد اور سپاٹ لہجے میں اُن دونوں کو مخاطب کیا۔

''ہم صبح صبح آئے ہی اس لئے ہیں۔ ہمیں پتا ہے وہ دولت خان ہے۔ بادشاہ آدمی گیارہ بارہ بجے سے پہلے سو کر نہیں اُٹھتا۔''

''ابھی مجھے آئے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں......؟ ابھی میں اُس سے تمہارے چیک وغیرہ کی بات نہیں کر سکتی۔''

''ہمارے چیک کی بات نہیں ہو رہی ہے۔ ہمارا چیک تو وہ دے گا۔ تم نے تو اُس سے الگ سے پیسے نکلوانے ہیں اپنے نام سے۔ پھر وہ پیسے ہمیں پہنچانے ہیں۔''

''تم انتہائی لالچی اور کریمنل لوگ ہو۔ مگر ایک دن میں تمہیں سبق سکھا کر رہوں گی۔ سلمان کو آ جانے دو، پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔''

انعم نے اُنہیں جیسے کچھ یاد دلایا۔ انعم کی بات سن کر دونوں نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا تھا اور معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''یہ ابھی تک سلمان کے خواب دیکھ رہی ہے۔ وہ پرندہ اُڑ چکا میڈم......! ہوش کی دُنیا میں واپس آ جاؤ۔ اب آپ کا یہی

ٹھکانہ ہے۔یہاں سے اگر کہیں جانا ہے تو ہماری اجازت سے جانا ہے۔وہ تو آپ نے خود ہی پہچان لیا کہ ہم کریمنل لوگ ہیں۔ اب آپ کو ہماری خدمات بھی انجام دینا ہوں گی،دولت خان کی خدمات کے ساتھ ساتھ۔''

''اوہ......!''

''دیکھو انعم بی بی......!یہ اتنی شاندار کوٹھی ایسی ہے جیسے کہ کسی بادشاہ کا محل،ہر طرح کا آرام اور سہولت،آپ کو تو ہمارا شکر گزار ہونا چاہئے کہ ہم نے آپ کو دس ہاتھوں میں کھیلنے سے بچا لیا۔ایک بوڑھے معذور کے پاس آپ کو نوکری دلائی جہاں آپ چین سے،آرام سے اپنی ساری زندگی گزار سکتی ہیں اور بڈھے کے مرنے کے بعد اُس کی دولت پر آرام سے قبضہ کر سکتی ہیں۔اب یہ آپ کی صلاحیت پر ہے۔دیکھنا یہ ہے کہ کتنی talented ہیں آپ۔اُس کی موت سے پہلے سادے کاغذوں پر دستخط اور لے لینا،ورنہ اُس کی یہ کروڑوں،اربوں کی دولت ٹرسٹ میں چلی جائے گی،اور بھئی......!جب ہم اس کی اتنی خدمت کر رہے ہیں تو دولت ٹرسٹ میں کیوں جانے دیں......؟آپ کے اور ہمارے کام کیوں نہ آئے......؟''

عابد آگے کی طرف جھک کر مسکرایا۔پھر ایک گہرا کش لگا کر سارا دُھواں انعم کے منہ پر چھوڑ دیا۔انعم نے دانت پیس کر کھولتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا تھا،مگر ایک عالمِ بے بسی تھا۔وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولی۔

''سلمان ایک دن ضرور آ جائے گا اور تم لوگوں سے ہی میرے بارے میں پوچھے گا۔''

''یہ محترمہ خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہی ہیں ابھی۔ارے......!انہیں ہوش میں لاؤ۔''

یاسر نے عابد سے کہا۔

''کیا کلوروفام سنگھاؤں......؟ہاں......!شاید اسی کی ضرورت ہے۔ذرا نکالو اپنا کلوروفام۔''

عابد نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ یاسر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔یاسر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور موبائل نکال لیا۔انعم اب موبائل کی طرف اور اُن دونوں کی طرف حیرت سے دیکھ رہی تھی۔اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔عابد نے ایک نمبر ملایا اور موبائل اپنے کان سے لگا لیا۔پھر سرگوشی کے انداز میں بولا۔

''اس کا سپیکر آن ہے،خود سن لو۔''

انعم اب بھی کچھ نہیں سمجھی۔دوسری طرف سے سلمان کی آواز اُبھری۔

''ہیلو یاسر......!کیا حال ہے میری جان......؟مزے اُڑا رہے ہو......؟''

عابد نے یاسر کی طرف پھر اُن دونوں نے انعم کی طرف دیکھا۔

''یار......!تم جیسا دوست جس کو نصیب ہو،اُس کے مزے کون کھوٹے کر سکتا ہے......؟تمہارے صدقے میں مزے ہی مزے ہیں میرے یار......!''

''انعم کی سناؤ،سیٹ ہو گئی کیا......؟قابو میں آئی یا نہیں......؟''

سلمان کی آواز انعم کی سماعت سے ٹکرائی تو جیسے چھت اُس کے سر پر آ رہی ہو۔وہ سلمان کی آواز پہچاننے میں کیسے دھوکہ کھا سکتی تھی......؟

''بالکل ٹھیک پرفارمنس جارہی ہے میرے یار......!غم کرنے کی ضرورت نہیں، وہ بالکل سیٹ ہے۔تھوڑا بہت مسئلہ ہے۔''

یاسر کہہ رہا تھا۔اُسی وقت سلمان نے اُس کی بات کاٹ دی تھی۔

''یار......!میری جان چھڑاؤ اُس سے۔مسئلے وسئلے جلدی سے حل کرو۔اس وقت کہاں ہے وہ......؟''

سلمان پوچھ رہا تھا۔

''ارے......!اس وقت وہ جنت میں ایک بوڑھے فرشتے کے پاس ہے، جہاں کوئی غم نہیں ہے۔یقین کرو، بالکل جنت کی فضاء ہے۔ہاتھ بڑھاتی ہے اور سب کچھ ہاتھ میں آجاتا ہے۔''

''واہ بھئی واہ......!چلو ٹھیک ہے......!تم نے میری دوست کا اتنا تو خیال کیا۔میں تمہارا بہت تھینک فل ہوں۔اِسی طرح خیال رکھنا۔''

''بھئی......!خیال تو دونوں طرف سے رکھا جائے گا۔وہ ہمارا خیال رکھے گی، ہم اُس کا خیال رکھیں گے۔''

عابد نے جھک کر یاسر کے ہاتھ پر رکھے ہوئے موبائل سے اپنی آواز سلمان کو سنائی۔

''اچھا......!تم بھی بیٹھے ہوئے ہو......؟''

سلمان نے قہقہہ لگایا۔

''بھئی......!ہم دونوں تو ساتھ ساتھ ہی ہوتے ہیں۔جب تم ہوتے ہو تو تینوں ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔''

عابد نے بڑے اسٹائل سے اسی طرح موبائل کے قریب منہ کر کے کہا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......!انعم بہت ذہین ہے، بہت اچھا کاروبار چلائے گی۔اُس کا بھی بھلا ہوگا اور تمہارا بھی۔یہاں تو ہم اپنی جنت میں بیٹھے ہوئے ہیں۔دُور دُور تک فضاؤں میں نورانی اُجالے ہیں۔جی چاہتا ہے، امرت پی کر امر ہو جائیں اور اس جنت سے کبھی باہر نہ نکلیں۔''

سلمان بڑی خواب ناک آواز میں بول رہا تھا۔انعم یوں تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔صدمے سے جیسے اُس کی دھڑکنیں تھم تھم کر چل رہی تھیں۔صدمہ بھی ایسا کہ ساری کائنات ریزہ ریزہ ہو کر اُس کی آنکھوں کے سامنے بگولہ بن کر اُڑ رہی تھی۔اُس کا ذہن بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔

''تم فکر نہیں کرو۔سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔تمہاری انعم کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔''

یاسر نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر سلمان کو تسلی دی۔اُس کی نظریں پتھرائی ہوئی انعم پر مرکوز تھیں۔

''میری انعم کہاں کی بھئی......؟اِس طرح کی عورت کسی ایک کی ہو کر کہاں رہ سکتی ہے......؟اُس کی نہیں بن سکی جس کے ساتھ چار پانچ سال رہی، میرے ساتھ جمعہ، جمعہ آٹھ دن کی دوستی تھی۔میری کیا بنتی بے وقوف عورت......؟''

سلمان کی آواز پگھلے ہوئے سیسے کی طرح انعم کے کان میں اُتر رہی تھی۔وہ بات کرنے کے قابل نہیں تھی۔اندر طوفان اُٹھ رہے تھے مگر اُس میں اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ یاسر کے ہاتھ سے موبائل لے کر سلمان کو لعن طعن ہی کر دے۔عابد نے انعم کی کیفیت دیکھ کر جیسے یاسر کو بات مختصر کرنے کا اشارہ کیا۔یاسر اُس کی بات سمجھ گیا۔

''ٹھیک ہے سلمان......! پھر تم سے بات ہوگی۔ اپنا خیال رکھنا۔''

''ارے بھئی......! تم بھی اپنا خیال رکھنا اور اُس پر کٹی چڑیا کا بھی جو یقیناً اُڑان بھول چکی ہوگی۔ گڈ لک......!''

سلمان نے اتنا کہہ کر جیسے اپنا موبائل بند کر دیا تھا۔ یاسر نے بھی موبائل اپنی جیب میں ڈال لیا۔ دونوں نے بُت کی طرح ساکت، صدمے سے اَدھ موئی انعم کی طرف دیکھا اور ایک دوسرے کو اُٹھ کھڑے ہونے کا اشارہ کر دیا۔

☆......☆......☆

''میں گاؤں جا رہا ہوں فوزیہ......!''

''اچانک گاؤں جانے کا پروگرام کیوں بنا لیا......؟ کیا زمینوں کا کوئی کام وام نکل آیا ہے......؟''

فوزیہ نے ہچکچاتے ہوئے سوال کیا۔ وہ اس وقت عارف کے ساتھ ناشتے کے ٹیبل پر تھی۔

''علینہ کو گاؤں چھوڑنے جا رہا ہوں۔''

''علینہ کو......؟''

''ہاں......! اس لئے کہ وہ جس حال میں ہے، تم جانتی ہو۔ وہاج اُس پر بھروسہ نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس بچے کو بھی قبول نہیں کرے گا اور ایک ایسا بچہ دُنیا میں آ رہا ہے، جس کو بے نشان کہنا چاہئے۔''

''نہیں نہیں عارف......! ایسی بات نہیں۔ وہاج بھائی اتنا آگے نہیں جا سکتے۔ ٹھیک ہے، اُن کی علینہ سے نوک جھونک ضرور ہوئی ہے کہ وہ ماڈرن سوسائٹی move کر رہی تھی، اُس کی کسی کے ساتھ دوستی تھی، لیکن بہرحال......''

''تم کچھ بھی کہو، جو بات تمہیں اور مجھے آرام سے سمجھ آ سکتی ہے، وہ وہاج سمجھانے سے بھی نہیں سمجھے گا۔ ایک تماشہ سا بن جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ علینہ یہ پیریڈ بڑی ماں کے پاس گزارے۔''

''بڑی تائی ماں......؟ کیا وہ اس کو وہاں رکھ لیں گی......؟''

''ہاں......! اُن کو ساری بات کون بتائے گا......؟ فی الحال تو میں اُن کو کہوں گا کہ وہاج کے ساتھ اس کے چھوٹے موٹے لڑائی جھگڑے چل رہے ہیں اور اس کی یہ کنڈیشن تھی تو میں آپ کے پاس چھوڑ کر جا رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے......! بڑی تائی ماں بڑی مہربان اور اچھی طبیعت کی ہیں۔ وہ یقیناً آپ کا ساتھ دیں گی۔ آپ سے تو ویسے بھی بہت پیار کرتی ہیں۔''

''ہاں......! میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ وہ مجھ سے شاید میری اپنی ماں سے زیادہ پیار کرتی ہیں۔ بچپن سے لے کر آج تک اُنہوں نے جیسے میرا خیال رکھا ہے، میری یادداشت میں کوئی ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے میں اُن سے دُوری محسوس کرتا۔ اُن پر مجھے بہت اعتماد ہے اور اِسی اعتماد کی وجہ سے میں اپنا مسئلہ حل کرنے ان کے پاس جا رہا ہوں۔''

''تائی اماں سے بات ہوگئی آپ کی......؟''

فوزیہ نے دبے دبے لہجے میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ اب کچھ نہیں بول سکیں گی۔ اُنہیں چپ کرانے کے لئے بہت کچھ ہے۔ میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں اور چاہوں گا، وہ اب نہ مجھے روک سکیں گی اور نہ میرے معاملے میں مداخلت کر سکیں گی۔ ہیں کے بے جالاڈ پیار کی وجہ سے اتنا بڑا مسئلہ

سامنے آیا ہے۔ بابا نے اور اب اماں نے، دونوں نے مل کر علینہ کا بیڑہ غرق کیا ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے ماں باپ ہی اس وقت ہمارے مسائل کے ذمہ دار ہیں۔"

عارف نے چائے کا کپ اُٹھا کر ایک گھونٹ بھرا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے اندر اُٹھنے والے طوفانوں کو سنبھالنے کی جدوجہد کر رہا ہو۔

"اب تایا جان کو تو آپ کچھ مت بولیں، وہ بے چارے تین میں نہ تیرہ میں۔"

فوزیہ نے اُداس لہجے میں عارف کو ٹوکا۔

"ہاں......! اُن کی تو سارے مسائل سے جان چھوٹ گئی۔ مگر اُن کا بویا ہوا تو ہم نے کاٹنا ہے۔"

عارف نے جلدی جلدی چائے کے گھونٹ بھرے اور کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

"جاؤ، علینہ سے کہو، اپنے دو چار کپڑے بیگ میں رکھ لے۔ ہمیں بس آدھے گھنٹے میں روانہ ہونا ہے۔"

عارف نے فوزیہ کو کہا اور ڈائننگ روم سے باہر چلا گیا۔ فوزیہ نے ایک گہری سانس لی اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ گہرے دُکھ کا تاثر اُس کے وجود کو اپنے حصار میں لئے ہوئے تھا۔

☆......☆......☆

مریم اپنے باس اظفر کمال کے روم میں اُس کے سامنے بیٹھی ہوئی ایک کاغذ پر قلم چلا رہی تھی۔ اظفر کمال بال پوائنٹ ہونٹوں میں دبائے بڑے غور سے مریم کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ مریم لکھتے لکھتے بولنے لگی۔

"سر......! وہ فاؤنٹین کمپنی آف گروپ کے دو واؤچر اس فائل میں include نہیں ہیں۔"

اظفر کمال نے فوراً خود کو سنبھالا اور اپنی نظر کا زاویہ تبدیل کیا۔

"ہوں......؟ ہاں ہاں......!"

وہ بے خیالی کی کیفیت میں "ہوں، ہاں" کرنے لگے۔ مریم سمجھی کہ شاید انہوں نے اُس کی بات سنی نہیں۔ وہ اپنی بات پھر دُہرانے لگی۔

"سر......! میں یہ بتا رہی ہوں......"

اظفر کمال فوراً ہاتھ اُٹھا کر اُسے ٹوکتے ہوئے بولے۔

"میں سن چکا ہوں، آپ اکاؤنٹ سے معلوم کریں۔"

بولتے بولتے اُن کے ماتھے پر گہری شکنیں ظاہر ہوئیں۔

"سسٹم ہی خراب ہے، افیم کھا کر بیٹھ جاتے ہیں، سب کے سب نمک حرام۔ پیار سے بات کر و یا حکم سے، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب مفت خوری کی عادت پڑ جائے تو بندے کو کام کرنا عذاب لگتا ہے۔ صرف اس آفس کا ہی نہیں، پورے ملک کا سسٹم خراب ہے۔ ایک سے ایک......"

"سر......! پلیز۔"

مریم نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر انہیں ہائپر ہونے سے روکا۔

''سر.......! پلیز کول ڈاؤن، سر.......! میں تو آپ سے ایک روٹین کے کام پر بات کر رہی تھی۔ آپ ایک دم سے اتنا غصہ ہو گئے۔ حالانکہ اس میں تو غصے والی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ واؤچر کا پتا تو چل ہی جاتا ناں اکاؤنٹ سے۔ اس میں اتنا سارا بولنے کی کیا بات تھی......؟''

''اتنا سارا......؟ میں نے تو بولنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ پاگل ہو گیا ہوں میں بول بول کر۔ دماغوں میں بھوسا بھرا ہو تو بولنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔''

''سر......! پلیز۔''

مریم نے پھر ایک مرتبہ سر اظفر کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس کے سامنے پہلی مرتبہ ہائپر ہو رہے تھے۔ ابھی تک مریم نے اُن کی چیخ و پکار اپنے آفس میں ہی سنی تھی۔

''ارے مس مریم......! آپ کیا مجھے خاموش کرا رہی ہیں......؟ جان جلتی ہے، کیا بنے گا اس ملک کا......؟ کیا بنے گا ہمارا......؟''

''سر......! دیکھیں، کم پیسوں میں گزارہ ہو سکتا ہے۔ بدصورت بیوی کے ساتھ گزارہ ہو سکتا ہے۔ مگر نمک کے بغیر سچ مچ زندگی ویران ہے۔''

مریم نے چہرے پر زمانے بھر کے دُکھ سجا کر بڑی رقت آمیز آواز میں اظفر کمال سے کہا۔ وہ ایک دم اپنا غصہ بھول کر ہکا بکا سے ہو کر مریم کی طرف دیکھنے لگے۔

''نمک......؟ یو مین سالٹ......؟''

وہ حیران پریشان ہو کر سوال کر رہے تھے۔ مریم نے بڑی معصومیت سے نظریں جھکا کر کہا۔

''جی سر......! نمک، میرا مطلب ہے، سالن بغیر نمک کا، ہاف فرائی بغیر نمک کا، پیارا سا زیتون یا اصلی گھی کا پراٹھا بغیر نمک کا۔''

''اصل بات کی طرف آیئے......!''

اظفر کمال اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اُنہوں نے مریم کو ایک طرح سے جھاڑ دیا۔

''سر......! میں اصل بات ہی کر رہی ہوں۔ میرا مقصد بتانے کا یہ تھا کہ ہائپر بندے کا نمک سب سے پہلے بند کیا جاتا ہے، اور سر......! پھر وہی بات کہ نمک کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے......؟''

''آپ کہنا کیا چاہتی ہیں......؟ میں پاگل ہوں کیا......؟ فضول میں بکتا جھکتا ہوں......؟ یہ سب ٹھیک ہیں......؟ یہ سب ٹھیک کام کر رہے ہیں......؟ مجھے ہی عادت ہے نکتہ چینی کی، اس لئے کہ میرا دماغ خراب ہے......؟''

اظفر کمال ایک دم مریم پر برس پڑے۔ مریم اُن کی طرف مسکرا کر دیکھنے لگی جیسے وہ اُسے غصے میں صلواتیں نہ سنا رہے ہوں، کوئی پیاری سی نظم سنا رہے ہوں۔ اُس کی نرم اور خوب صورت مسکراہٹ نے اظفر کمال پر اثر کیا، اس لئے کہ فوراً ہی نظریں چرانے لگے۔

''سر......! اپنا خیال رکھئے۔ سب مزے میں ہیں۔ نقصان آپ کا ہو رہا ہے۔ میں تو بس آپ کو یہ یاد دہانی کرانا چاہتی

تھی اور میرا کوئی مقصد نہیں تھا۔"
مریم بہت نرم لہجے میں بلکہ شفیق لہجے میں اظفر کمال کو کول ڈاؤن کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
"دیکھیں ناں سر......! آپ کے غصے کی وجہ سے کوئی جاب چھوڑ دے گا۔کہیں اور کام کرنے لگے گا۔لوگ آتے رہیں گے، جاتے رہیں گے۔آپ کی میڈیسن چینج ہوتی رہے گی۔تو دیکھیں ناں سر......! نقصان تو صرف آپ ہی کا ہو رہا ہے۔"
مریم نے بڑے اعتماد اور دلائل کے ساتھ اظفر کمال کو سمجھایا۔اظفر کمال نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پن آہستگی سے ٹیبل پر رکھ دیا۔اُن کی آنکھوں میں سوچ تھی۔وہ مریم کے دلائل کے سامنے لاجواب تھے، لیکن لاجواب ہونا نظر نہیں آنا چاہتے تھے۔یہ اُن کی اَنا کا مسئلہ تھا، اسی لئے اندر سے نرم پڑنے کے باوجود اسی طرح سختی سے بولے۔
"تو کیا کروں مس مریم......؟ ان سب کا نکما پن برداشت کروں......؟ یہ آرگنائزیشن ٹھپ کر دوں......؟ آپ میری باس بننے کی کوشش نہ کریں، آئی ایم سوری......!"
وہ اپنی دلی کیفیت خفگی کی آڑ میں چھپاتے ہوئے بولے۔مریم اُسی طرح سے پُرسکون انداز میں مسکرا رہی تھی۔
"وہم کا کوئی علاج نہیں ہے سر......! باس اُسے کہتے ہیں جس کی ذمہ داریاں سب سے زیادہ ہوتی ہیں، اور میں اتنا burden اُٹھانے کے موڈ میں نہیں۔پلیز کول ڈاؤن......! ریلیکس......! میں پانچ منٹ میں یہ واؤچر تلاش کروا کر اس فائل میں لگا دوں گی۔آپ کو یہ فائل complete ملے گی آج کی ڈیٹ میں۔اگر ایسا نہ ہوا تو آپ مجھے ڈِس مس کر دیں۔کیا اس commitment سے بھی اس وقت آپ easy feel نہیں کر رہے......؟"
وہ جیسے اظفر کمال کو بچوں کی طرح بہلا رہی تھی اور وہ اس پرندے کی طرح تھا جو بند پنجرے میں پھڑ پھڑا کر رہ گیا ہو، اُڑ نہ سکتا ہو۔
"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! پلیز، جائیں اپنا کام کریں۔"
وہ اُسے اسی طرح نظریں چرا کر دیکھ رہے تھے۔مریم فائل اور پیپر اُٹھا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔
"سر......! بھولئے گا نہیں، بالکل easy feel کیجئے گا۔"
"کیا نہیں بھولوں......؟"
اظفر کمال نے ایک دم چونک کر پوچھا۔
"یہی کہ آج کی ڈیٹ میں آپ نے غصہ نہیں کرنا ہے۔آپ کا بی پی نارمل رہنا چاہئے۔آپ جیسے قابل انسان کی ہم سب کو ضرورت ہے سر......!"
مریم بڑی ادا سے مسکرائی اور بڑے اعتماد سے چلتی ہوئی اظفر کمال کے کمرے سے باہر نکل گئی۔اظفر کمال کھوئی کھوئی نظروں سے اُس کو جاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

"زہے نصیب......! مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا کہ مجھے آپ نے خود سے فون کیا ہے۔"
ناصر حسین بہت دنوں بعد آج اپنے آفس آیا تھا اور ابھی اپنا کام بھی شروع نہیں کیا تھا کہ اُسے اُجالا کا فون آ گیا۔اُجالا کی

آواز سماعت سے ٹکرائی، جیسے کلیساؤں میں گھنٹیاں بجنے لگیں، خوش رنگ پرند چہچہانے لگے، تا حد نگاہ سبزہ سا بکھر گیا۔ وہ خوشی کی کیفیت کو کنٹرول نہیں کر پا رہا تھا۔

''آپ اتنا خوش نہ ہوں ناصر حسین......! میں نے آپ سے کوئی اچھی اچھی باتیں کرنے کے لئے فون نہیں کیا۔''

اُجالا کی آواز سے گہری سنجیدگی واضح تھی۔

''آپ کی آواز سن کر خوشی ضرور ہوئی لیکن خوش فہمی نہیں ہوئی۔ ابھی لگتا ہے، امتحان باقی ہے۔''

''میں تو آپ کو امتحانوں سے نجات دِلانا چاہتی ہوں اور آپ سے صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ آپ فضول میں کسی لڑکی کے لئے اپنی لائف کو ڈسٹرب کر رہے ہیں۔ یہ کوئی عقل مندی نہیں ہے۔''

اُجالا اُسی طرح سنجیدگی سے بات کر رہی تھی۔ ناصر حسین اُس کی بات سن کر قدرے پریشان تو ہوا، مگر اُس نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ گہری سانس لینے کے بعد بولا۔

''آپ خود کو فضول لڑکی کہتی ہیں۔ مگر میرے لئے آپ کا ہم خیال ہونا ضروری تو نہیں۔''

وہ شگفتگی سے کہہ رہا تھا۔

''یہی تو آپ کی ضد ہے جس کی وجہ سے مجھے بہت پریشانی ہے۔''

''میں نے تو آپ کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے کہ میں بازار کا سامان ہوں۔ آپ کے قابل نہیں ہوں۔ اتنا بڑا bang میں نے کیا ہے۔ اس کے باوجود آپ کچھ نہیں سوچ رہے۔''

اُجالا مجرموں کے لہجے میں ناصر حسین سے کہہ رہی تھی۔ ناصر حسین نے اُس کی بات سن کر جیسے کرب سے اپنی آنکھیں مُوندھ لیں اور نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔ اسے یوں لگا جیسے اذیت کی کوئی نادیدہ تلوار اُس کا جگر کاٹتی ہوئی چلی گئی ہو۔ پھر وہ بڑی اُداسی سے مسکرایا۔

''اُجالا......! ایک بہت بڑا دھماکہ میری زندگی میں ہو چکا ہے، اور اس کے بعد تو ہر خبر میرے لئے ایک پٹاخے کی طرح ہے۔''

''آپ کی زندگی مشکل ہو جائے گی۔ میں ماما کو تنگ کر کے، اُن سے ضد کر کے اپنی بات منوا سکتی ہوں، لیکن ناصر......! میں اس کے بعد آگے کا بھی سوچ رہی ہوں۔ جب آپ کے یہ جذبے ٹھنڈے پڑ جائیں گے اور آپ کو حقیقتیں تنگ کرنے لگیں گی، پھر میرا ٹھکانہ کیا ہوگا......؟ میں جس زندگی میں داخل ہو چکی ہوں، مجھے وہاں سے مت نکالئے۔ اِس میں آپ کا بھی سکون ہے اور میرا بھی۔''

اُجالا کے انداز میں درخواست تھی۔ ناصر جواب سوچ ہی رہا تھا کہ اُجالا پھر بول پڑی۔

''ناصر حسین......! آپ خاندانی لوگ ہیں اور خاندانی لوگ اِس بستی سے تعلق رکھنے والی کسی لڑکی کو اپنا نام دینا پسند نہیں کرتے۔ آپ اس پوائنٹ پر بھی غور کیجئے۔ آگے کا بھی تو سوچئے۔''

''خاندانی لوگ......؟ ہونہہ......!''

ناصر حسین کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مُسکراہٹ اُبھری۔

''ماں بچپن میں اللہ کو پیاری ہوگئی۔ بڑی بہن نے ماں کی طرح سنبھالا۔ بیس سال کا ہوا تو والد بھی چلے گئے۔ تین خالائیں یورپ اور مڈل ایسٹ میں، ایک ماموں جاپان میں، دو چچا امریکہ میں اور وہ بہن جس نے ماں بن کر مجھے سہارا دیا، میرا خیال رکھا، وہ بھی اب مجھ سے ہزاروں میل کے فاصلے پر ہے۔ خاندان تو ہے، مگر کتنا بکھرا ہوا۔ اس خاندان کو اب تصویروں میں دیکھا کرتا ہوں۔ یہ ہے میرا خاندان۔ اتنے فاصلے کہ مر جائیں تو آخری دیدار نصیب نہ ہو۔ سیٹ ہی کنفرم کراتے رہ جائیں۔ ایک انسان کے لئے وابستگی کا احساس ہونا ہی ضروری نہیں۔ وابستہ انسان کا موجود ہونا بھی تو اہم ہے اُجالا......!''

''ناصر......! میں پھر کہوں گی کہ آپ جذباتی ہو رہے ہیں۔ آپ کا سوشل بائیکاٹ بھی ہوسکتا ہے۔''

اُجالا بے بسی سے بولی۔

''وہ تو ویسے بھی ہے۔ آس پاس کون اپنا ہے......؟ آپ اچھی لگ رہی ہیں، پاس بھی ہیں۔ باقی بچی ہوئی بے اعتبار زندگی آپ کے ساتھ گزر جائے تو کیا حرج ہے......؟ معلوم نہیں آپ خوشی سے اتنی خوف زدہ کیوں ہیں......؟''

''میں خوشی سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ میں بھی انسان ہوں۔ غموں سے خوف فزدہ ہوتی ہوں اور خوشی کا انتظار کرتی ہوں۔ کون بے وقوف خوش ہونا نہیں چاہتا......؟''

اُجالا دُکھی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''تو پھر کیوں ناں اُجالا......! ایسا کریں کہ آج سے ہم ہر خوشی، ہر غم ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کریں۔ ایک دوسرے کے بوجھ ہلکے کریں گے تو زندگی خود بخود ہلکی ہوجائے گی۔ مفروضوں اور اندیشوں میں زندگی گزار کر نہ تمہیں کچھ ملے گا نہ مجھے۔ تم میرے لئے اپنی ماما سے ضد کرتی رہو، میں انتظار کر رہا ہوں۔ اس انتظار کے اندر بھی بڑی خوشی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی خوش خبری آئی کہ بس آئی۔ مجھ سے اب کوئی اُداس بات مت کرنا اُجالا......! آخر تم میری نرس ہو۔ تمہیں تو دوسروں سے زیادہ میرا خیال رکھنا چاہئے۔ اپنا خیال رکھنا، میں انتظار کر رہا ہوں۔ خدا حافظ......!''

اس سے پیشتر کہ اُجالا پھر کوئی ایسی بات کہتی کہ ناصر اُلجھ جاتا، ناصر نے خود ہی فون بند کر دیا، ایک خوش گوار احساس اُجالا کی سمت روانہ کر کے۔

☆......☆......☆

'ہم نے تو ہر طرح سے انعم کا بھلا ہی سوچا تھا کہ ناصر رشتوں کی زنجیر میں پھنسا ہوا نہیں ہے۔ اُس کے تو سارے ہی خاص رشتے دار ملک سے باہر ہیں، حتیٰ کہ سگی بہن بھی۔ سوچا تھا، ہماری بیٹی اکیلے گھر میں راج کرے گی مگر اُس نے تو کسی نعمت کی قدر نہیں کی۔''

سلمٰی بیگم کافی کا مگ اپنے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے تھامے خود کلامی کی کیفیت میں کہہ رہی تھیں اور گہرے دُکھ کے حصار میں تھیں۔ فیاض احمد نے سلمٰی بیگم کی بات سن کر ٹھنڈی سانس بھری۔

''بے تاج ملکہ تھی اپنے گھر۔''

انابی نے پان لگاتے لگاتے نظریں اُٹھا کر دونوں میاں بیوی کی طرف دیکھا۔

''ارے......! کیا کر کے بیٹھی ہے......؟ پچھتائے گی ایک دن۔ حماد میاں بتا رہے تھے کہ وہ اُس کو تلاش کر کر کے تھک

چکے ہیں۔اُس کا تو کہیں پتا ہی نہیں مل رہا ہے۔''

فیاض احمد نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے۔

''ہمارے لئے تو اب وہ مر چکی۔فضول میں حماد اُسے تلاش کر رہا ہے۔ہم بھی نہیں چاہتے کہ وہ اب ہمارے سامنے آئے۔''

انا بی ایک دم دہل کر رہ گئیں۔

''فیاض میاں......! کہنا آسان ہے۔اولاد پھر اولاد ہوتی ہے۔''

وہ یہ کہہ کر پان دان میں جھانکنے لگیں۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں انا بی......! اگر آ گئی ایک دن روتی دھوتی تو سینے سے لگانا ہی پڑے گا۔دھکے مار کر تو نہیں نکال سکتے ناں......؟''

سلمٰی بیگم نے انا بی کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''اللہ مجھے اُس وقت سے پہلے اُٹھا لے۔''

فیاض احمد سر جھکا کر گویا ہوئے۔

''کیسی باتیں کرتے ہیں فیاض میاں......! اللہ سے پناہ مانگیں۔''

''اللہ ہی کی پناہ تو مانگ رہا ہوں۔نجات چاہتا ہوں اِس زندگی سے،شرم ناک زندگی سے۔''

فیاض احمد کے انداز سے یوں لگا جیسے رو پڑیں گے،مگر وہ خود کو بہت ہمت سے سنبھال رہے تھے۔سلمٰی بیگم نے خفا خفا نظروں سے فیاض کی طرف دیکھا اور روہانسی آواز میں بولیں۔

''اگر کسی نے کوئی کسر چھوڑ دی ہے تو وہ آپ پوری کر دیں۔آپ کو بھی مجھ پر رحم نہیں آتا......؟''

فیاض احمد نے صوفے کی بیک سے اپنی پشت لگالی اور چند گہری گہری سانسیں کھینچیں۔

''سلمٰی......! میرے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔خدا جانے میں کیا کیا بک جاتا ہوں......؟ مجھے معاف کر دو۔''

فیاض احمد کے انداز میں بڑی بے بسی تھی۔انا بی نے تڑپ کر دیکھا اور بڑی اپنائیت سے بولیں۔

''آزمائشیں انسانوں پر ہی آتی ہیں فیاض میاں......! وہ انسان جو ہم سے پہلے آزمائے گئے،وہ بھی ہماری طرح تھے۔اللہ سے دُعا کرو،اللہ ہم سے اِس آزمائش کو دُور کرے۔''

''آمین......!''

سلمٰی بیگم نے انا بی کی بات سن کر تڑپ کر بے ساختہ کہا تھا اور چند قطرے اُن کی آنکھوں سے لڑھک کر اُن کے رُخساروں پر گرے۔

☆......☆......☆

مریم اپنے روم میں لیپ ٹاپ پر مصروف تھی۔اُسے آج کی ڈیٹ میں اظفر کمال کو مکمل فائلیں ہینڈاوور کرنا تھیں۔اُس کا ذہن مشین کی طرح کام کر رہا تھا۔وہ اتنی مصروف تھی کہ خود کو بھول چکی تھی،مگر اُس کے موبائل پر رِنگ ہوئی تو وہ بے خبری کی

کیفیت سے چونک کر باہر آ گئی۔ تھکے تھکے انداز میں موبائل اُٹھا کر اور کافی فاصلے پر کر کے اُس نے کال کرنے والے کا نام دیکھا۔ سامنے عدیل کا نام چمک رہا تھا۔ مریم نے موبائل سوئچ آف کر دیا اور آہستگی سے رکھ کر اپنی کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

''کیا سمجھانا چاہتے ہو......؟ کیوں دستک دیتے ہو......؟ صرف اس لئے کہ میں نئے سرے سے بے وقوف بننے کے لئے تیار ہو جاؤں......؟ نہیں عدیل......! جتنا تمہارے ساتھ چلنا مقدر میں تھا، چل چکی۔ اب سفر کے اگلے مرحلے میں تم میرے ساتھ شامل نہیں ہو۔''

وہ سوچ رہی تھی اور اُس کا دل بھر آیا تھا۔ اُس نے بمشکل اپنے آنسوؤں کو ٹپکنے سے روکا تھا۔

☆......☆......☆

اظفر کمال کے سامنے فائلوں کا ڈھیر پڑا تھا اور ایک فائل اُن کے ہاتھ میں تھی جس کو کھولے ہوئے وہ پیپر اُلٹ پلٹ کر رہے تھے۔ اسسٹنٹ عاکف دونوں ہاتھ باندھے مؤدبانہ انداز میں کھڑا اظفر کمال کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اظفر کمال کا موڈ بہت خراب تھا۔ عاکف اُن کے خراب موڈ سے خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اظفر کال نے فائل میز پر پٹخی اور دھاڑے۔

''اس فائل میں وہ پیپر ہی نہیں ہیں جس کی وجہ سے یہ فائل منگوائی تھی میں نے۔''

وہ آگ برساتی نظروں سے عاکف کو گھورنے لگے۔ عاکف اُن کی دھاڑ سن کر جیسے تھر تھر کانپنے لگیں۔

''سر......! یہ فائل شبیر کے پاس تھی۔ اُس نے مجھے......وہ......''

وہ ہکلانے لگا۔

''شبیر اگر زندہ ہے......؟''

اظفر کمال بُری طرح چلائے۔

''تو......''

بس اُنہوں نے تو پھر ایک دم پینترا بدل لیا اور دھیمے پڑ گئے۔ اُن کی آنکھوں میں ایک سوچ نظر آئی تھی۔ یوں لگا جیسے اُن کا ذہن اپنے کام سے ہٹ گیا ہو۔ اُن کے کانوں میں گویا اپنی دھاڑ کے ساتھ ہی مریم کی مترنم آواز گونجنے لگی تھی۔

''سر......! نمک کے بغیر زندگی سچ مچ ویران ہے۔''

اظفر کمال نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ اُن کے چہرے کی سختی نرمی میں بدل چکی تھی۔ وہ ایک دم بڑے شل اور نڈھال سے نظر آنے لگے اور تھکی تھکی آواز میں عاکف سے مخاطب ہوئے۔

''پلیز عاکف......! آپ شبیر سے کہیں کہ وہ کارنیشن گروپ کی فائل لے کر میرے پاس آئے۔ وہ خود میرے پاس آئے۔ آپ فائل لے کر نہ آئیں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ لیٹر اُسی فائل میں ملے گا۔ میں اس لئے شبیر کو بلا رہا ہوں تا کہ اُسے بھی اندازہ ہو کہ وہ کتنی غیر ذمہ داری سے جاب کر رہا ہے۔''

''جی سر......! میں شبیر کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔''

عاکف کی تو وہ حالت تھی کہ جان بچی سو لاکھوں پائے۔ دروازے کی طرف اُس نے دوڑ لگائی تھی۔ اظفر کمال اُس کے

جانے کے بعد دونوں کہنیاں ٹیبل پر ٹکا کر اور سر جھکا کر گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ مریم کی آواز اُن کی سماعتوں میں یوں گونج رہی تھی، جیسے کلیساؤں میں گھنٹیاں بج رہی ہوں۔

''نمک کے بغیر زندگی سچ مچ ویران ہے۔''

وہ سوچتے سوچتے ایک دم چونک پڑے اور جلدی سے خود کو سنبھالا۔

''نان سینس......! مائی گاڈ......! نمک......؟ یہ مس مریم کس قسم کی خاتون ہیں......؟ کام کے دوران اُنہیں نمک یاد آ جاتا ہے......؟ مائی گاڈ......! نمک......؟''

اُنہوں نے دائیں ہاتھ کی مٹھی بند کی اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر گھونسہ مارا۔

''وٹ نان سینس......! نمک......؟''

وہ بڑبڑا رہے تھے۔ ایک عجیب بے بسی کی کیفیت تھی جیسے وہ خود کو چیخ و پکار سے روکنے کے لئے بڑی جدوجہد کر رہے ہیں۔

☆......☆......☆

ناصر دُکھ کے ایسے پہاڑ کی چوٹی کو سر کر چکا تھا جہاں انسان کے سارے خوف ختم ہو جاتے ہیں۔ اُجالا کی کم اعتمادی اور اُس کے خوف ظاہر کر رہے تھے کہ سارا بوجھ ناصر حسین پر آ چکا ہے۔ اُسے اپنا خواب پورا کرنے کے لئے خود ہی جدوجہد کرنا ہو گی۔ اُجالا کو انسانوں سے بہت خوف تھے۔ لیکن موت کا کوئی خوف نہیں تھا۔ وہ بات بات پر موت کو یاد کرتی تھی، بات بات پر مر جانے کی باتیں کرتی تھی۔ اُس کے لئے مرنا آسان تھا، لیکن ماں سے مقابلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ آٹھ پہر کی مسلسل سوچوں نے ناصر حسین کو باور کرا دیا تھا کہ جو کچھ وہ کرنا چاہتا ہے، اُسے کر لینا چاہئے۔ وہ رات نو بجے اپنے بیڈ پر لیٹ چکا تھا لیکن نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی۔ سلمٰی بیگم کا شرمندہ شرمندہ انداز، فیاض احمد کا جھکا ہوا سر اور بیہ کی معصوم صورت سب مل کر اُس کا ذہن اُجالا کی طرف سے ہٹانے میں ناکام تھے۔ فیاض احمد اور سلمٰی بیگم تو بیہ کو اُس کے حوالے کر کے اگلی ہی فلائٹ سے واپس چلے گئے تھے۔ بہت سی معذرتیں کر کے، بہت سی شرمندگی کا اظہار کر کے اور دبے دبے لفظوں میں اُسے غور و خوض کرنے کے لئے جس کا حاصل وصول یہ تھا کہ وہ انعم کو اپنی بیٹی کی خاطر معاف کر دے۔ لیکن وہ نئے سرے سے اندھیروں کا سفر کیوں اختیار کرتا......؟ جبکہ اُس کے سامنے اُجالے بکھرے ہوئے تھے۔ اُس کا خواب تعبیر بننے کی اہلیت رکھتا تھا۔ وہ تصوراتی جہانوں میں اپنے دل کے ٹھکانے نہیں ڈھونڈتا تھا۔ ایک بہت حسین حقیقت اُس کے سامنے کھڑی تھی۔

وہ بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ نیند کا دُور دُور تک نام و نشان نہیں تھا اور وہ نیند کی گولی کھا کر دھوکے کی نیند میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُسے خود سے ٹوٹ کر نیند آئے جو زندگی بھر کی تھکن اُتار دے۔ بالآخر اُس نے بستر چھوڑ دیا اور بیہ کے کمرے میں چلا آیا۔ بیہ، بشریٰ علی کی گفٹ کی ہوئی گڑیا کو سینے سے لگائے پریوں کے دیس پہنچی ہوئی تھی۔ اُس کے چہرے پر گہرا سکون اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ناصر حسین نے جھک کر بیٹی کو پیار کیا اور چند لمحے اُس کی شکل دیکھتا رہا۔ شہلا بھی اپنے کمرے میں جا کر سو چکی تھی۔ وہ آج کل دوبارہ دُبئی سے ناصر حسین کی خاطر آئی ہوئی تھی۔ اگر وہ جاگ رہی ہوتی تو ناصر حسین اُسی سے باتیں کر کے دل کو بہلا لیتا۔ مگر اس بار اُس کو جانے کی بہت جلدی تھی۔ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر بھائی کی دیکھ بھال کر رہی تھی اور ناصر بھی

چاہتا تھا کہ اگر وہ جانا چاہے تو چلی جائے۔لیکن شہلا کسی آس کی ڈور سے بندھی ہوئی چند دن مصلحت کے گزار کر انعم سے بات کرنے کا سوچ رہ تھی اور یہ بات اُس نے ابھی تک ناصر کو نہیں بتائی تھی۔ناصر چند لمحے بیہ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔بیہ کے کمرے میں ہلکی روشنی تھی اور ناصر کی نظر میں دُور تک اُجالے۔اُس نے ایک بار پھر رات کے اس پہر میڈم شعلہ سے ملاقات کا ارادہ کرلیا۔اُسے اپنا دل سنبھالنے کے لئے میڈم شعلہ کو قائل کرنے کے لئے ایک اور مرحلہ طے تو کرنا تھا۔بات کئے بغیر بات بنتی ہی کہاں ہے......؟وہ بیہ کے کمرے سے نکل کر پھر اپنے کمرے میں آیا۔اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔پھر اپنا والٹ اور گاڑی کی چابی اُٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

بشر علی، مریم کے ساتھ لاؤنج میں کافی پی رہے تھے۔آج وہ مریم سے بہت سی باتیں صاف صاف کرنا چاہتے تھے۔چند دن اُنہوں نے سوچتے ہوئے گزارے کہ مریم جو ماں بننے والی ہے اور ساتھ وہ اتنا بڑا فیصلہ کر چکی ہے، جس سے اُس کی مشکلات میں تو اضافہ ہوتا نظر آرہا تھا، وہ چاہتے تھے کہ وہ اُسے چند دن صبر وضبط سے گزارنے کے لئے کہیں۔اُس کو سمجھائیں کہ زندگی میں بہت کچھ اپنی مرضی کا نہیں ہوتا۔انسان کو قدم قدم پر صبر وضبط کا سہارا لینا پڑتا ہے۔اِسی طرح زندگی آگے بڑھتی ہے۔مریم بہت خاموش خاموش تھی، کیونکہ اب تو کرنے کے لئے اُس کے پاس کوئی بات رہی نہیں تھی۔جب بھی نانا کا سامنا ہوتا، اُسے چپ سی لگ جاتی تھی۔وہ اپنی کوئی بات چھیڑتے ہوئے ڈرتی تھی کہ نانا کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ آجائے جو اُس کو زنجیروں میں باندھ دے اور وہ پر کٹے پرندے کی طرح پھڑ پھڑا کر رہ جائے۔کیونکہ نانا کی بات کے سامنے وہ اپنی بات پر جم نہیں سکتی تھی۔اگر وہ اس بات کے خلاف جاتی جو وہ اُن سے کرتے۔

''کیا سوچ رہی ہو بیٹا......؟''

بشر علی زبردستی مسکرائے۔

''یہی سوال میں آپ سے کرنے والی تھی نانا جان......! کہ آپ بہت چپ چپ ہیں، کیا سوچ رہے ہیں......؟''

مریم نے بھی مصنوعی مسکراہٹ کا سہارا لے کر جواب دیا۔

''بیٹھے، میں تو بس تمہارے بارے میں سوچتا رہتا ہوں اور مجھے کیا سوچنا ہے......؟''

بشر علی کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھا گئی اور اب کی بار وہ زبر دستی مسکرا بھی نہ سکے۔کہیں سے درد کا ایک پتھر لڑھکتا ہوا اُن کے دل کی گہرائیوں میں آکر ٹھہر گیا تھا۔اتنے بھاری بوجھ کے ساتھ زبردستی مسکرانا بھی بہت مشکل ہوتا ہے۔

''میرے بارے میں نہ سوچیں نانا جان......! آپ نے مجھے کمزور نہیں بنایا ہے کہ حادثے مجھے روندتے ہوئے چلے جائیں۔میں بالکل ٹھیک ہوں نانا جان......!''

مریم نے جیسے تسلی دی۔

''ہاں......! تم ہماری خاطر، اپنے ماں باپ کی خاطر بہت کچھ برداشت کر سکتی ہو۔لیکن جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں ناں بیٹا......! ہمیں اُس کی طرف بھی دیکھنا ہوتا ہے۔میں تمہارے بارے میں صرف اتنا سوچ رہا ہوں کہ کچھ دن گزرنے کے بعد......''

''آپ اس طرح نہ سوچیں نانا جان......! اِس دُنیا میں بے شمار بچے ٹوٹے ہوئے گھروں میں پیدا ہوتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں۔ بہت سے بچے بہت اچھی زندگی گزارتے ہیں۔ میں نے معاشرے کی خاطر خود کو نہیں سمجھایا، لیکن آپ کی خاطر خود کو سمجھانے کی بہت کوشش کی اور سوچا کہ منافقت سے سمجھوتہ کرلوں، لیکن......''

''نہیں نہیں......! مریم بیٹا......! میری خاطر خود کو انداز سے زخمی کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا نانا دل کا مریض ضرور ہے، لیکن جھوٹ اور منافقت دل کی بیماری سے بھی بڑی بیماری ہے جو تمہارے لئے بھی ناقابلِ برداشت ہے اور میرے لئے بھی۔ میں تو صرف یہ سوچ رہا تھا کہ بچت کی کوئی راہ اگر نکل سکتی ہے تو اس پر غور کرلیں۔ موت کا ایک وقت مقرر ہے بیٹا......! میرا ایمان ہے، جو رات قبر کے اندر لکھی گئی ہے، وہ کبھی قبر کے اُوپر نہیں گزر سکتی۔ مجھے اپنی مریم کے لئے وہ زندگی ہرگز نہیں چاہئے، جب میری بیٹی مصلحتوں کے ساتھ دُنیا کے سامنے مسکراتی رہے اور تنہائیوں میں گھٹ گھٹ کر روتی رہے۔''

''نانا جان......! جان کا نقصان بہت بڑا نقصان ہوتا ہے، لیکن اعتبار ٹوٹنے کا نقصان بھی کچھ کم بڑا نہیں ہوتا۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹا......! ہماری زندگی کو سب سے زیادہ قوتیں جو ملتی ہیں، وہ صحبتوں سے ملتی ہیں یا اعتبار سے۔ ہماری رُوح کے اندر جو توانائی ہے، وہ ساری کی ساری مثبت رویوں کی روادار ہے۔ منفی جذبات انسان کو زندہ لاش بنا دیتے ہیں، جان سے تو نہیں مارتے۔''

''نانا جان......! اس دُکھ سے گزر آئیں۔ میرے پاس اصلی اور خالص محبتوں کی کمی نہیں ہے۔ مجھے جینے دیجئے اپنی زندگی۔''

''ہاں بیٹا......! تمہیں اپنی زندگی جینے کی اجازت ہے۔ ہم کون ہوتے ہیں......؟ ہم تو تمہیں ہر بوجھ سے آزاد اور زندگی میں کارآمد اور مفید کردار ادا کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ تمہارے حصے کی آزمائش ہے۔ اس دُنیا میں بے شمار انسانوں پر آزمائشیں آتی ہیں۔ میری بیٹی خلق خدا سے الگ تو نہیں۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہوگا۔ اللہ تمہیں ہمت دے۔ اللہ تمہیں بہت مضبوط بنائے اور سچائیوں کے ساتھ جیتا رکھے، آمین......!''

بشر علی بہت حوصلے سے اور بہت مضبوط لہجے میں اب مریم کے لئے دُعا کر رہے تھے۔ مریم کی کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اُس نے آہستگی سے کپ ٹیبل پر رکھ دیا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر بشر علی کے مزید قریب ہوگئی اور اپنا سر اُن کے کاندھے سے ٹکا کر آنکھیں موندھ لیں۔

''نانا جان......! میرے اندر کوئی جنگ نہیں ہے۔ میں بہت سکون سے ہوں۔ آر یا پار، کچھ تو ہونا چاہئے تھا۔ میں آگ کا دریا پار کر کے جھاگ اُڑاتے سمندر کے کنارے کھڑی ہوں۔ میرا یقین کیجئے، میں فیصلہ کرنے کے بعد بالکل relax ہوں۔''

وہ کہہ رہی تھی اور بشر علی اُس کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔

☆......☆......☆

''اُس لڑکی کا دماغ خراب ہے۔''

میڈم شعلہ کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

''میں نے اُسے نرسنگ کی اجازت ضرور دی تھی، یہ سوچ کر کہ گندے مریضوں کے ساتھ دو چار دن گزارے گی تو خود

ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ میں نے اُسے بہت عیش و آرام میں پالا ہے۔ اُس کے بستر پر سلوٹ نہیں پڑنے دی۔ اس لئے مجھے یقین تھا کہ ہسپتال کی زندگی سے وہ بہت جلد تنگ آجائے گی اور سارا جذبۂ انسانیت ایک گھڑی میں باندھ کر باہر پھینک دے گی۔ لیکن ابھی وہ شاید تنگ نہیں آئی۔ وہ بہت معصوم اور کم عمر ہے اور تم شادی شدہ کھیلے ہوئے کھلاڑی۔ میاں......! میری بچی پر ڈورے ڈالنے کی بجائے کوئی اور گھر دیکھو۔ ہسپتال میں بھی اُسے کچھ نہیں مل رہا۔ تمہارے گھر سے بھی اُسے کچھ نہیں ملے گا۔ تم خود ہی سوچو، کیا خاک ملے گا اُسے تم سے چھوٹی سی تنخواہ میں......؟ بجٹ بناتے بناتے وقت سے پہلے بڈھی ہوجائے گی۔"

میڈم شعلہ نے بڑے حقارت آمیز لہجے میں بول کر سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبایا اور لائٹر سے سلگانے لگیں۔ سگریٹ اُس کے ہونٹوں کے بیچ دبا تھا۔ وہ دو تین کش کھینچ کر جلدی جلدی منہ سے دُھواں نکال رہی تھی، جس سے اُس کی اندر کی پکڑ دھکڑ کا اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے اپنے اندر کس قدر آگ لگی ہوئی ہے۔ ناصر حسین کی آمد نے اُسے سراپا شعلہ بنادیا۔

"میری تنخواہ اتنی بھی چھوٹی نہیں ہے میڈم......! تنخواہ کے ساتھ ساتھ مجھے اور facilities بھی ملی ہوئی ہیں۔ کوالٹی آف لائف ہے میرے پاس۔"

ناصر حسین نے یوں بھی طے کیا ہوا تھا کہ اُسے سب کچھ سن لینا ہے، مگر ہار نہیں ماننی۔ میڈم شعلہ نے طنزیہ اور حقارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ناصر حسین کی طرف دیکھ کر دُھواں اُڑایا۔

"ہوں......! کوالٹی آف لائف......! تم سے زیادہ تنخواہ تو میرا منیجر لیتا ہے۔"

"ہاں......! ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ لیکن آپ کے منیجر کو تنخواہ کے ساتھ وہ عزت نہیں ملتی جو اُجالا کو میرے گھر میں ملے گی، میری بیوی ہونے کی حیثیت سے۔"

"ارے......! ہمیں نہیں چاہئے عزت وِزت۔ جانتے ہیں تمہاری سوسائٹی کو۔"

میڈم شعلہ نے یک دم بھڑک کر ناصر کی بات کاٹ دی۔

"یہ تمہاری سوسائٹی میری بیٹی کو عزت دے گی۔ یہ سات حج کر کے بھی آجائے تب بھی اس کو طوائف کی بیٹی کہا جائے گا۔ جانتی ہوں تمہاری سوسائٹی کو۔ مجھ سے زیادہ تم نہیں جانتے ہو گے۔ یہ وقتی جذباتیت ہے۔ میں کیوں اپنا قیمتی موتی تمہارے حوالے کروں......؟ اس لئے کہ دو تین سال میں لوٹ پوٹ کر وہ پھر میرے پاس آجائے......؟ پھر اُس کا کیا مول ہو گا......؟ دو کوڑی کا کر کے رکھ دو گے میری بیٹی کو۔ یہ عزت وِزت کا نام آئندہ میرے سامنے مت لینا۔ تم لوگ طوائفوں سے کھلونوں کی طرح کھیلتے ہو۔ نکاح نامے پر دستخط بھی کروا لیتے ہو۔ مگر کسی پکے کاغذ پر لکھ کر نہیں دیتے کہ ہاں اِس کی عزت بھی کریں گے، اس کو دُنیا میں عزت بھی دلائیں گے۔ منہ سے کہہ جاتے ہیں، وہ بھی صرف اپنا کام نکالنے کے لئے۔ جاؤ میاں......! میں اس سے زیادہ بات نہیں کر سکتی۔ میرا ٹائم ضائع مت کرو۔"

"آپ میری بات کو ایک جذباتی بات مت سمجھیں۔ میں نے اُجالا کے اندر وہ چیز پائی ہے جو میں نے اپنی سوسائٹی کی عزت دار عورتوں میں بھی نہیں دیکھی۔ اُس کی معصومیت اور اُس کی حیاء میں اُس کو ہر داغ سے بچانا چاہتا ہوں۔ اُس کی چمک دمک کو محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ وہ آپ کے پاس رہے یا کہیں اور چلی جائے، دُھندلا جائے گی۔ مگر میری بن کر......"

''ارے میاں......! جب کوئی طوائف زادی کو اپنانے کی خاطر آتا ہے، اُس کے حسن سے متاثر ہو کر اُس کی جوانی سے متاثر ہو کر، تو ایسے ہی خوب صورت لفظوں سے کھیلتا ہے، بڑی حسین باتیں کرتا ہے، چند منٹوں کے بعد وہ طوائف زادی لُٹی پِٹی سامنے کھڑی ہوتی ہے۔ نہ اِدھر کی رہتی ہے نہ اُدھر کی۔ مجھے دیکھو، میں بھی ایک عزت دار نامور آدمی کی اولاد ہوں، مگر میری ماں اُس کا نام زبان پر نہیں لا سکتی تھی۔ اس لئے کہ کوئی یقین ہی نہیں کرتا۔ بہت دیکھے ہیں عزت دار یہاں وہاں، وراثت میں بانٹتے پھرتے ہیں، مگر جائیداد کے کاغذوں پر نہیں۔''

''میرے اندر ایک آگ سی لگی رہتی ہے اور جب کبھی تم جیسے شریف زادے سے ملتی ہوں تو یہ آگ اور زیادہ پھیلتی ہے۔ دل تو یہ ہی چاہتا ہے کہ اپنے نام کے ساتھ اپنے باپ کا نام ایک نیم پلیٹ پر لکھواؤں اور گھر کے باہر لگوادوں۔''

''لیکن پھر کیا ہوگا......؟ ہار تو پھر بھی میری ہی ہوگی۔ وہ کہے گا، میں تو رئیس تھا، طوائفوں سے کھیلنا میرا مشغلہ تھا، ہوگی میری بیٹی، ہوگئی مجھ سے غلطی، لیکن یہ میری نکاحی بیوی کی بیٹی نہیں ہے، خاندانی بیوی کی بیٹی نہیں ہے، یہ تو میرے کھیل تماشوں کا حاصل ہے۔''

میڈم شعلہ کہہ کر بچا کھچا سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر چھکا چھک دُھواں چھوڑنے لگی۔ اُس کے اندر واقعی جیسے کوئی آگ لگی ہوئی تھی۔ اُس کی سانس دُھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔

''میں اُس کی بہت قدر کروں گا۔ اگر اپنی بات سے ہٹ جاؤں تو میرے ذمہ تاوان لکھ دیں جو میں ہر صورت ادا کروں گا۔ کیونکہ مجھے اپنے اُوپر اعتماد ہے کہ ایسی نوبت ہی نہیں آئے گی۔''

''وہ میرے خزانے کا سب سے قیمتی موتی ہے جسے ناصر حسین......! میں کسی کو اونے پونے نہیں دے سکتی۔ چلے جاؤ یہاں سے۔''

''وہ ایک لڑکی بھی ہے میڈم......! ایک دل بھی ہے اُس کے پاس۔ اُسے بھی کوئی اچھا لگ سکتا ہے، اُسے بھی کسی سے محبت ہو سکتی ہے......؟''

ناصر حسین نے تو ہار نہ ماننے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔

''اس کاروبار میں سب سے فضول چیز دل ہے مسٹر ناصر......! ہمارے سرکل میں اس کی کوئی ویلیو نہیں ہے۔ شرفاء کے محلے سے پتا نہیں کتنے دل لڑھکتے ہوئے ہمارے گلی کوچوں میں آتے ہیں جن کو ہم اپنے قدموں تلے روندتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ہم نہیں مانتے اس دل وِل کو، اور یہ میری اور تمہاری آخری بات ہے۔ آئندہ تم کبھی میرے گھر نہیں آؤ گے اور میں آئندہ تمہارے منہ سے اُجالا کا نام نہ سنوں۔ خدا حافظ......!''

میڈم شعلہ دوسرا سگریٹ سلگانے لگیں۔ ناصر حسین اُٹھ کھڑا ہوا لیکن ہارے ہوئے انسان کی طرح نہیں۔ اُس نے تو کچھ ٹھان لی تھی۔ اُس کی قوتِ ارادی میڈم شعلہ کی جذباتی تقریر سے مات نہیں پڑ سکتی تھی۔ وہ آگے بڑھ گیا، ایک نئے موڑ کے لئے۔

☆......☆......☆

دولت خان بیڈ پر دراز تھا۔ انعم قریب ہی کرسی پر بیٹھی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں کتاب تھی۔ دولت خان کے ہونٹوں میں

سگار دبا ہوا تھا۔انعم کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔وہ جیسے بہت مجبوری میں اس وقت اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔دولت خان کے گھر میں اُس کا دم گھٹنے لگا تھا۔وہیل چیئر پر بیٹھا ہوا ایک معذور بوڑھا ہر وقت کسی نہ کسی کی لعن طعن کرتا ہوا،تنقید کا نشانہ بناتا ہوا، بکتا جھکتا بُرا بھلا کہتا ہوا،سوائے بہترین خوشبویات اور بہترین ملبوسات کے کوئی بھی آس پاس چیز خوب صورت نہیں تھی۔

''خان صاحب......!شروع کروں......؟''

انعم نے گویا دولت خان سے اجازت لی۔دولت خان نے فوراً ہاتھ بلند کیا۔

''نہیں......!آج چرچل کی نہیں،جمی کارٹر کی بائیوگرافی پڑھ کر سناؤ گی۔مونگ پھلی کے کھیتوں کا ذکر سنتے ہوئے میں اپنی زمینوں پر پہنچ جاتا ہوں۔بہت خوب صورت انداز ہے، بہت خوب صورت اندازِ تحریر۔جب میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنی زمینوں کی سیر پر جاؤں جو مجھ سے بہت دُور ہیں،تو میں جمی کارٹر کی بائیوگرافی پڑھنا پسند کرتا ہوں۔''

دولت خان نے بڑے شاہانہ انداز میں جواب دیا۔

''آپ صرف آٹو بائیوگرافی کیوں پسند کرتے ہیں خان صاحب......؟ناول وغیرہ آئی مین Fiction''

دولت خان نے انعم کی طرف دیکھا۔

''نو......!نونو......!میں فکشن پسند نہیں کرتا۔آٹو بائیوگرافی میں اکثر کام کی بات ہاتھ لگ جاتی ہے۔میں فائدہ پہلے دیکھتا ہوں جی۔''

انعم اُٹھ کر شیلف کی طرف بڑھی اور اُس نے چرچل کی آٹو بائیوگرافی دوبارہ لگادی اور جمی کارٹر کی بائیوگرافی ہاتھ میں لئے واپس دولت خان کے پاس آگئی۔

''اب میری نظر کام نہیں کرتی۔پڑھتے ہوئے ذہن بہت جلدی شل ہوتا ہے،ورنہ کتاب خود پڑھنے کا اپنا مزہ ہوتا ہے۔بہر حال ایک خوب صورت لڑکی اپنی خوب صورت آواز میں کچھ پڑھ کر سنا رہی ہو تو یہ بھی اچھا لگتا ہے۔''

انعم اندر سے جیسے جل بھن کر خاک ہوگئی۔

''خدا کے لئے بزرگو......!میرے نہیں تو اپنے حال پر رحم کرو۔''

اُس نے سلگتے ہوئے سوچا اور کتاب کھولنے لگی۔دولت خان سگار ایش ٹرے میں رکھ کر سننے کے لئے مستعد ہوگیا۔اُس کی سماعتیں انعم کی آواز کی منتظر تھیں۔ایک عیاش بوڑھے انسان کے لئے یہ بھی بہت تھا کہ ایک خوب صورت جوان لڑکی اُس کے قریب بیٹھی ہے،خوشبوؤں میں مہکتی ہوئی اور اُس کی تابعدار ہے، زرخرید ہے،اُس کے اشاروں پر چل رہی ہے،اُس کو اُس کی من پسند بائیوگرافی پڑھ کر سنا رہی ہے۔

☆......☆......☆

عارف مؤدبانہ انداز میں سر جھکائے اپنی باپ کی پہلی بیوی جسے وہ بڑی ماں کہتا تھا، کے سامنے بیٹھا تھا۔وہ بڑی اُلجھن بھری نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''شہری ماحول کی عادی ہے۔علینہ چھ سات مہینے کیسے گزارے گی گاؤں میں......؟''

وہ اُسی طرح اُلجھے اُلجھے انداز میں عارف سے پوچھنے لگیں۔

''گزارے گی، مجبوری ہے۔''

''لیکن سمجھ نہیں آتی کہ وہاج کے ساتھ تو اِس کی اچھی بھلی گزر رہی تھی۔ بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا......؟ میں شہر آؤں گی تو بات کروں گی وہاج سے۔''

وہ سوچتے ہوئے بول رہی تھیں۔

''نہیں بڑی اماں......! میں سنبھال لوں گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس، اس وقت آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔''

''تعاون کیسا بیٹا......؟ میرے اپنے بچے ہیں، کچھ بھی سہی، کیسا بھی سہی، حکمت خان میرا شوہر ہے اور تم اُس کی اولاد ہو۔ میں اُن عورتوں میں سے نہیں ہوں جو سوکنوں کے بدلے اُن کی اولادوں سے لیتی ہیں۔ تم میرے خاوند کے بچے ہو، مجھے بھی بہت پیارے ہو۔ آج حکمت خان بے بس ہو کر میرے سامنے پڑا ہے اور اس قابل بھی نہیں ہے کہ میں لڑ جھگڑ کر اپنا زہر نکالوں۔ ترس آتا ہے مجھے اُس پر۔ اُسے اپنے کیئے کی سزا مل گئی ہے۔ اب میں کیا اُس سے بدلے لوں......؟ اتنی بڑی راج دھانی اُسی کے نام پر تو لے کے بیٹھی ہوں۔ سارا گاؤں اُسی کے صدقے میں تو مجھے سلامی دیتا ہے۔ کوئی بات نہیں، دُکھ اُس سے ملے ہیں تو سُکھ بھی اُس سے ملے ہیں۔ کیا کروں......؟ کیا کر سکتی ہے عورت ذات......؟''

زبیدہ خاتون ٹوٹے ہوئے شکستہ لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ آواز پر آنسوؤں کی نمی غالب تھی۔ عارف نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر زبیدہ خاتون کے ہاتھ تھام لیئے۔

''بڑی ماں......! آپ نے ہمیں اتنا پیار دیا ہے کہ آپ کے پیار پر شک کرنا بھی حرام ہے۔ اس وجہ سے تو مشکل وقت میں، میں آپ کے پاس آجاتا ہوں۔''

''تو آتا جاتا ہے، تیری یہی ادا تو دل میں محبت کو بڑھاتی ہے۔ اپنی کوکھ سے پیدا کیئے ہوئے بیٹے تو پرائے دیس سدھار گئے۔ حکمت خان کی دُشمنیوں نے مجھے اولاد سے دُور کر دیا۔ مگر شکر ہے مالک کا کہ تو، تو میرے سامنے ہے۔ اللہ تجھے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ مجھے تو تیرے آنے سے بھی ڈر لگتا ہے۔ مگر تو سنتا ہی نہیں۔ بیٹا......! خیال رکھا کر، مجھے تیری بہت فکر رہتی ہے۔''

''بڑی اماں......! حالات اور وقت بہت بدل چکے ہیں۔ وہ جو ہمارے خون کے پیاسے تھے، اُن میں سے بہت سے تو اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں، زمین کا پیوند بن چکے ہیں۔ اللہ نے جہاں آج تک حفاظت کی، وہی اِس جان کا آئندہ بھی مالک ہے۔ مجھے تو جب بھی سکون کی تلاش ہوتی ہے تو میں آپ کے پاس چلا آتا ہوں۔''

وہ بہت اپنائیت اور محبت سے بات کر رہا تھا۔ بڑی ماں کے لئے جو اُس کے دل میں بے پناہ احترام تھا، وہ اُس کے لہجے سے واضح طور پر جھلکتا رہتا تھا۔

''بتاؤ بھلا......! میں تو یہ سوچ رہی ہوں، علینہ جس حال میں ہے، گاؤں میں شہر جیسی سہولتیں کہاں......؟ بچی پریشان نہ ہو جائے۔ تو کہے تو میں تیرے ساتھ شہر چلتی ہوں۔ وہاج سے بات کرتی ہوں، آخر کیا ہوا ہے......؟''

''بڑی ماں......! پلیز، ابھی آپ شہر جانے کا مت سوچیں۔ میں آتا رہوں گا آپ کی اور علینہ کی خیریت معلوم کرنے۔ ہو سکتا ہے اماں بھی آئیں علینہ کی وجہ سے۔ آپ اُن کی اُلٹی سیدھی بات برداشت کر لیجئے گا، میری خاطر، علینہ کی خاطر۔''

عارف اُن سے درخواست کر رہا تھا۔

''اتنے سالوں بعد اللہ نے مراد پوری کی، جھولی بھری، یہ وہاج ناشکرے کو کیا ہوگیا......؟''

زبیدہ خاتون ابھی تک عالم حیرت کی سیر کر رہی تھیں۔ اُن کے ہونٹوں پر شہادت کی اُنگلی تھی اور آنکھوں میں حیرت کا سمندر۔ عارف سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا، کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہنے کے لئے منہ کھولتا تھا تو زبان پتھر ہو جاتی تھی۔ بات ہی ایسی تھی۔ علینہ کیسی بھی سہی، آخر بہن تھی، سگی بہن۔ خون کا رشتہ تھا، غصہ اپنی جگہ، دُکھ اُس سے بڑھ کر تھا۔

☆......☆......☆

علینہ اپنے باپ حکمت خان کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ حکمت خان کا ہاتھ اُس کے دونوں ہاتھوں میں تھا۔ باپ کی بے بسی اور معذوری کافی پُرانی تھی لیکن آج بھری دُنیا میں ایک باپ ہی اپنا لگ رہا تھا۔ اُس کا جی چاہا کہ وہ باپ کے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو لڑھک رہے تھے۔ حکمت خان ٹکٹکی باندھے اُس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ بولنے سے قاصر تھا۔ اُس کے مفلوج جسم میں البتہ دُکھ کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ اُس کی پیاری، اکلوتی، لاڈلی بیٹی کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ اُس سے وجہ پوچھنے سے قاصر تھا۔ اُس نے اپنا ہاتھ بلند کر کے کچھ اشارے میں پوچھنا چاہا لیکن وہ ہاتھ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح فوراً ہی گر گیا۔ علینہ شاید باپ کی کیفیت سمجھ گئی تھی۔ اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں باپ سے کہا۔

''بابا......! میں ٹھیک ہوں۔ آپ کو اس حالت میں دیکھتی ہوں تو مجھے رونا آجاتا ہے، اور تو کوئی بات نہیں۔''

اتنا کہہ کر وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔ یوں لگا کہ آنسو جو بہنے کا راستہ ڈھونڈ رہے تھے، اُن کو بہانہ مل گیا۔ جی تو چاہتا تھا کہ چیخیں مار مار کر روئے، لیکن اُس نے اپنی آواز گلے میں ہی گھونٹ لی۔ وہ سسک سسک کر رو رہی تھی۔ حکمت خان اُس کی طرف دیکھ رہا تھا اور بڑی اذیت سے سوچ رہا تھا۔ ایک احساسِ جرم پَر کٹے پرندے کی طرح اُس کے دل کے پنجرے میں پھڑ پھڑانے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا یہ کسی کی بددُعا ہے......؟ وہ اس قابل بھی نہیں تھا کہ سسکتی ہوئی بیٹی کو ہاتھ بڑھا کر اپنے سینے سے لگا لے۔ اُس کی اپنی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر تکیے میں جذب ہونے لگے۔ علینہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن آنسو تو جیسے بند توڑ کر بہہ رہے تھے۔ سامنے کوئی رُکاوٹ نہیں تھی۔ آج وہ جی بھر کر رو لینا چاہتی تھی۔ اپنے اندر کی ساری اذیتیں، سارے ملال آنسوؤں کے پانی میں بہا دینا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

''ارے......! وہ میری سوکن زبیدہ خاتون، بارہ گاؤں کی چوہدرانی بیٹھی پٹیاں پڑھا رہی ہوگی میرے بیٹے کو۔''

عارف رات گئے تک گھر نہیں لوٹا تھا اور شکیلہ خاتون کو پنکھ لگے ہوئے تھے۔

''چوہدری عارف عقل والے ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ ایسے ہی کسی کی باتوں میں نہیں آسکتے۔''

ماسی برکتے نے اپنی عقل کے حساب سے شکیلہ خاتون کو گویا تسلی دی۔

''ارے......! حرفوں کی بنی ہوئی ہے وہ۔ دُنیا کو بتاتی ہے کہ وہ کتنی نیک خاتون ہے، معذور خاوند کی خدمت کر رہی ہے، جانتی ہوں میں اُسے اچھی طرح۔ کب کا انگوٹھا لگوا لیا ہوگا اُس نے سارے مربعوں کے کاغذوں پر۔''

''آپ اِسی طرح بیٹھی کُڑھتی رہیں گی۔ اِس سے تو بہتر تھا کہ آپ چوہدری عارف کے ساتھ ہی چلی جاتیں، تا کہ وہاں

جو کچھ بھی ہوتا، آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوتا، آپ کو تسلی رہتی۔"

ماسی برکتے، شکیلہ خاتون کی ٹانگ زور زور سے دبانے لگی۔

"وہ میری سوکن، زہریلی ناگن، اُس کی شکل دیکھ کر میرے دماغ کی نس پھٹ جاتی۔ میں تو پہلے ہی ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ ہوں ورنہ مجھے جانے میں کیا تھا......؟"

"آئے ہائے......! پتا نہیں کیا سلوک کرے گی میری معصوم بچی کے ساتھ جو پہلے ہی دُکھوں کی ماری ہے......؟ اللہ نے چاہا تو قہر ٹوٹے گا دُشمنوں پر۔"

شکیلہ خاتون نے دونوں ہاتھ بلند کر کے زور زور سے ہلاتے ہوئے بددُعا دی۔

"انشاءاللہ......!"

ماسی برکتے نے دل جوئی میں کوئی کسی نہ چھوڑی۔

"یہ بھی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ آپ کا بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے تو آپ دیواروں سے بھی لڑ پڑتی ہیں۔"

"کیا کریں......؟ بیماری ہی ایسی ہے۔"

"آئے ہائے......! ڈاکٹروں سے بھی ٹھیک نہیں ہوتی۔ بلڈ پریشر نیچے کرنے کی تو گولی دے دیتے ہیں، بلڈ پریشر ختم کرنے کی نہیں دیتے۔"

ماسی برکتے نے فلسفہ جھاڑا۔

"ارے کم بخت......! عقل سے کوری......! بلڈ پریشر ختم ہو جائے تو زندگی بھی ختم ہو جائے گی۔ پتھر پڑیں تیری عقل پر۔ ارے......! زندگی ہے تو بلڈ میں پریشر ہے۔ تجھے پتا ہے بلڈ کسے کہتے ہیں......؟"

"پتا ہے جی......!"

ماسی برکتے جھاڑ کھا کر مسکین سی شکل بنا کر بولی۔

"خون کو کہتے ہیں، وہ ڈرامے دیکھتی رہتی ہوں ناں، اس میں تو بہت ہی بلڈ پریشر کی باتیں ہوتی ہیں۔ جسے بھی غصہ آرہا ہے، بول رہے ہیں، اُسے بلڈ پریشر اُونچا ہو رہا ہے۔"

"ہاں......! اسکول میں تو، تو نہیں پڑھی، مگر ٹیلی ویژن نے تجھے پڑھا دیا ہے۔ شاباش، چلو کچھ تو سیکھی۔ چٹی جاہل، اَن پڑھ۔ میں نے تو پرانے وقتوں میں چار جماعتیں پڑھی تھیں۔ اللہ کا شکر ہے، پڑھ سکتی ہوں اور پڑھے لکھوں کی باتیں بھی سمجھ لیتی ہوں۔"

شکیلہ خاتون نے بڑے فخر سے کہا اور اپنی قابلیت کا ماسی برکتے پر سکہ جمانے کی بھرپور کوشش کی۔ ماسی برکتے تو عقیدت سے دُہری ہو گئی۔

"آئے ہائے......! پرانے زمانے کی تو چار جماعتیں آج کل کی اٹھارہ جماعتوں کے برابر ہیں۔"

"لو......!"

شکیلہ خاتون نے بھوئیں تان کر ماسی برکتے کو گھورا۔ ماسی برکتے جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی۔ ڈر کے مارے پتا نہیں کیا

غلطی ہوگئی......؟

''سولہ جماعتیں تو آج تک سنتے آرہے ہیں، تو نے اٹھارہ کر دیں......؟ او بھیّا......! یہ تو پہلی مرتبہ سنا ہے۔ سولہ تو ہوا کرتی تھیں، پتا نہیں کب سے اٹھارہ ہوگئیں......؟ تو ٹی وی دیکھتی ہے، تجھے زیادہ پتا ہوگا۔ مجھے تو فرصت ہی نہیں ہے۔ چل خیر......! اٹھارہ ہی سہی۔''

شکیلہ خاتون کا ذہن اب علینہ سے ہٹ کر اپنی قابلیت کی دھاک بٹھانے میں لگا ہوا تھا۔ ماسی برکتے دل ہی دل میں شکر ادا کر رہی تھی کہ کم از کم سوکن کو لعن طعن کا سلسلہ تو تمام ہوا۔

☆......☆......☆

''ارے......! وہ جو ساتھ کمرے میں ڈائن پڑی ہوئی ہے، بارہ پڑھی ہوئی ہے۔ اکڑتی ایسے ہے جیسے امریکہ سے پڑھ کر آئی ہے۔ دیکھتی نہیں تو چلتی کیسے ہے......؟''

شکیلہ خاتون کو ایک دم سے فوزیہ کا خیال آگیا۔

''آہستہ بولیں......! ایک کی دس لگا دے گی چوہدری عارف سے، اور آپ کو پتا ہے، چوہدری عارف، فوزیہ بی بی کے خلاف ایک لفظ نہیں سنتے اور نہ اپنے منہ سے نکالتے ہیں۔ بیوی بہت پیاری ہے اُنہیں۔''

ماسی برکتے نے ہاتھ نچا کر بہت ماہرانہ انداز میں بھس میں چنگاری ڈالی۔ شکیلہ خاتون نے گردن اکڑا کر اور بڑے انداز سے مسکرا کر ماسی برکتے کی طرف دیکھا۔

''شاہ سائیں چلّہ کر رہے ہیں، اس لئے صبر سے دن گن رہی ہوں۔ یہ اس گھر سے نہ گئی تو میرا نام شکیلہ نہیں۔''

شکیلہ خاتون کے لہجے میں بھرپور یقین کی کیفیت تھی۔

''چوہدرانی جی......! اُس سے آپ کا وارث بھی ہے، یہ بھی ذہن میں رکھیں۔ جائے گی تو آپ کا وارث بھی لے جائے گی۔''

''ارے......! کیسے لے جائے گی......؟ وارث تو سولہ آنے میرا ہے۔''

شکیلہ خاتون نے زور سے اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

''وارث تو میرا ہے اور میرے بیٹے کو عورتیں بہت۔ تو دیکھ تو سہی، شاہ سائیں کے چلّے کے بعد کیا نقشہ پلٹتا ہے۔ دربدر کی ٹھوکریں کھائے گی۔ جو اس کے بھائی نے بویا ہے، یہ کاٹے گی۔ یہ وَٹے سَٹے کی شادی ہے۔ ایک گھر ٹوٹا تو دوسرا ضرور ٹوٹے گا، اور نہیں ٹوٹے تو میرا نام بدل دینا۔ پورے پچاس ہزار کا خرچہ کر رہی ہوں۔ اِتنی مہنگی مہنگی چیزیں آئی ہیں۔ کہیں مُشک منگاتے ہیں شاہ سائیں، کبھی کچھ منگاتے ہیں۔ ارے......! چڑھاوے چڑھانے پڑتے ہیں مؤکلوں کو۔ وہ کون سا بیچارے خود کھاتے ہیں......؟ تم نے دیکھا نہیں کہ ٹوٹے پھوٹے آستانے میں بیٹھے زندگی بیتا رہے ہیں۔ اُن کو کیا لالچ ہمارے پیسوں کا......؟ مؤکلوں کا کیا کریں جو ایسے ایسے چڑھاوے مانگتے ہیں......؟ اور اس ڈائن کو گھر سے نکالنے کے لئے پچاس ہزار تو کیا، دو لاکھ بھی دے دوں گی شاہ سائیں کو۔ مگر اِس کو برداشت نہیں کروں گی، اس گھر میں چلّے تک کا انتظار کر رہی ہوں۔ ہائے ہائے......! ابھی تو 18 دن ہوئے ہیں۔ پورے 22 دن باقی ہیں۔ انگاروں پہ لوٹتے ہوئے گزریں گے میرے یہ دن۔ توبہ

توبہ......! اِس کم بخت کو خدا کی طرف سے ہی کچھ ہو جائے۔ شکل گم ہو اس کی۔"
شکیلہ خاتون کا بلڈ پریشر پھر ہائی ہونے جا رہا تھا۔ ماسی برکتے نے پہلی والی ٹانگ چھوڑ کر دوسری پکڑ لی اور تیز تیز ہاتھ چلانے لگی کہ شاید اس طرح سے چوہدرانی کا غصہ کچھ ہلکا ہو جائے۔ اب اُسے بولتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا کیونکہ غصہ اس سے زیادہ بڑھ جاتا تو اس کی شامت آجاتی۔ اُسے پورے ایک گھنٹے کی تقریر سننا پڑتی۔ اُس نے اپنا منہ بالکل بند کر لیا جیسے قسم کھا لی ہو کہ اب نہیں بولے گی حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ اِس نشست میں چوہدرانی سے پانچ سو بٹور کر ہی اُٹھے۔

☆......☆......☆

حماد کے چہرے پر پریشانی اور تشویش تھی۔ فرح اُس کی طرف ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔
"ہوسکتا ہے کہ جب آپ وہاں گئے ہوں تو وہ باہر کسی کام سے نکلی ہو......؟ کیا آپ پولیس کو لے کر گئے تھے......؟"
فرح نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
"دماغ خراب ہے میرا......؟"
حماد ایک دم غصے میں بھڑک اُٹھا۔
"پولیس کو اِنوالو کرنا ہوتا تو یہ نوبت ہی کیوں آتی......؟ میں پہلے اُسی گھر میں گیا تھا جہاں سے پہلے انعم کو لے کر آیا تھا۔ اُس کے گاڈ کو دس ہزار رشوت کے دیئے تو اُس نے مجھے سلمان کے آفس کا ایڈریس دیا۔ اُس کے آفس سے باقی ساری معلومات لیں۔ اُس کے اُن ٹھکانوں کا پتا کیا جہاں وہ جاتا رہتا ہے، اُٹھتا بیٹھتا ہے۔ تب پتا چلا کہ وہ تو انعم کو لے کر ایک اپارٹمنٹ میں چلا گیا تھا اور وہ اپارٹمنٹ جس بندے کے نام ہے، اُس کا نام عابد ہے۔ میں وہاں گیا تو وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔"
"ہوسکتا کہ وہ اُسی کے ساتھ کہیں گھومنے پھرنے نکلی ہوگی۔"
"سلمان پاکستان میں نہیں ہے۔ مجھے یہ آفس سے پتا چلا ہے کہ وہ ایک ہفتے سے باہر ہے۔"
حماد بُری طرح جھنجلا کر بولا۔ وہ ذہنی طور پر بھی بہت اُلجھا ہوا تھا۔
"ہیں......؟"
فرح ایک دم ہکا بکا ہو کر حماد کی شکل دیکھنے لگی۔
"یہی سوال تو آگ بن کر جلا رہا ہے مجھے کہ پھر وہ کہاں ہے......؟ سلمان کے تو سارے ٹھکانوں پر جا کر میں پتا کر چکا ہوں اور عابد کا اپارٹمنٹ تو میں نے ساتھ والوں سے پتا کیا، کئی دنوں سے لاک ہے۔ کوئی آتا جاتا نظر نہیں آیا۔"
"کمال ہو گیا......! کہاں چلی گئی انعم......؟"
فرح اب پریشان ہو کر بڑبڑانے لگی۔

☆......☆......☆

عابد اور یاسر ایک کیفے میں بیٹھے ہوئے کافی پی رہے تھے۔ آج کل وہ بڑی مستی میں تھے۔ لاکھوں روپے ماہانہ بیٹھے بٹھائے ملنے کا راستہ کھل گیا تھا۔ اب تو وہ آٹھ پہر خوشی میں جھومتے رہتے تھے۔ عابد کے مقابلے میں یاسر کافی زیرک اور ہوشیار تھا۔ عابد نے انعم پر اعتبار کر لیا تھا مگر یاسر کے دل میں ابھی بھی کھٹ کھٹ رہتی تھی۔ اس وقت وہ اِسی سوچ میں تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو......؟''

عابد نے کافی کا سِپ لیتے ہوئے مسکرا کر یاسر سے پوچھا۔

''کچھ نہیں......! یہی کہ انعم بہت ہوشیار ہے۔ اُس پر کڑی نظر رکھنا ہوگی۔ چڑیا کسی وقت بھی اُڑ سکتی ہے۔ اب تو سلمان کا آسرا بھی نہیں کہ سلمان کے بہانے دوبارہ ہاتھ آ جائے۔ وہ تو ڈراپ سین ہی ہو چکا۔ انعم نے اپنے کانوں سے سلمان کی باتیں سن لی ہیں۔ اب تو وہ سونے کا بن کر بھی آ جائے تو وہ اُس پر اعتبار نہیں کرے گی۔ ویسے تو اُسے میں نے سمجھا دیا ہے کہ اب وہ ہماری قید میں ہے، دولت خان کے گھر میں ہونے کے باوجود۔ بظاہر وہ دولت خان کا گھر ہے، لیکن ہمارا تیار کیا ہوا پنجرہ، جس میں ہم نے انعم نامی ایک چڑیا کو قید کیا ہے۔''

''ہاں یار......! ویسے بھی عورت ذات کا کوئی بھروسہ نہیں اور یہ تو ویسے بھی بہت تیز ہے۔ حالانکہ اُسے تو ہمارا احسان ماننا چاہئے۔ دَر دَر کی ٹھوکروں سے بچ گئی۔ ایک شاندار ٹھکانہ مل گیا۔''

''ہاں......! اُصولاً تو اُسے احسان ماننا چاہئے، ورنہ وہ کہاں جاتی......؟ پچاس ہاتھوں میں بکتی پھر بھی اتنا مال نہ ملتا۔ بس اُسے یہی احساس دِلانا ہے کہ وہ ہماری احسان مند ہے اور سکون سے وہاں پر رہے۔''

''ہوں......! ہر طرح سے سیف ہے۔ بیچارہ بوڑھا معذور، وہ تو اُس کے ساتھ رومانس بھی نہ لڑا سکتا۔ اپنی ہی جان سے بے زار ہے۔ دیکھو تو ذرا، قدرت کا تماشہ، دولت کی کوئی حد نہیں اور نام بھی دولت خان۔ لیکن زندگی کتنی سنسان اور ویران۔''

''سنسان، ویران تھی، مگر اب نہیں ہے۔ ایک حسینہ کو ہم اُس کے پاس ٹکا کر آئے ہیں۔ دیکھ کر خوش ہوتا ہوگا۔ اتنا تو اُس کا حق بنتا ہے۔''

''اتنا نہیں یار......! بہت زیادہ حق بنتا ہے۔ اتنا بڑا رئیس ہے۔ فرمائشیں، خواہشیں کرنا اُس کا حق ہے اور ہم اُس کے حق کا اِسی طرح خیال رکھتے رہیں گے۔''

عابد نے قہقہہ لگا کر اپنا ہاتھ یاسر کے آگے بڑھایا۔ یاسر نے اپنا ہاتھ اِس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ دونوں کے قہقہے اتنے بلند تھے کہ آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ گردن موڑ کر اُن کی طرف دیکھنے لگے۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم کو ایک پل قرار نہیں تھا۔ اُنہوں نے سوچا کہ وہ ایک مرتبہ پھر مریم سے بات کریں اور مریم اُن کے ہاتھ نہیں لگتی تھی۔ سارا دن اُس کا آفس میں گزر جاتا تھا۔ شام کو وہ مصروف ہو جاتی تھیں۔ اس لئے وہ ناشتے سے پہلے ہی گھر سے نکل کھڑی ہوئیں اور قہر بن کر مریم کے کمرے میں نازل ہوئیں۔ مریم جلدی جلدی آفس جانے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ بشر علی غالباً گیسٹ روم میں تھے۔ مریم ماں کو آندھی طوفان کی طرح آتا دیکھ کر چند لمحے تو گھبرائی اور ٹپٹائی، مگر اُس نے خود کو فوراً سنبھال لیا۔

''امی......! خیریت ہے......؟ آپ اتنی صبح صبح......؟''

''کیا کروں......؟ ٹائم ہی نہیں ملتا۔ سارا وقت تو تمہارا آفس میں گزر جاتا ہے۔ ظاہری بات ہے، اِسی نوکری کے زعم میں تم اتنے بڑے بڑے فیصلے کر رہی ہو۔ جیسے تمہیں کسی کی ضرورت نہیں۔''

''میں نے اس وجہ سے کوئی فیصلہ نہیں کیا امی......! چلیں یہ باتیں تو پھر ہوتی رہیں گی۔ آپ بیٹھ تو جائیں۔ ناشتہ بھی نہیں کیا ہوگا آپ نے بھی۔ آپ پہلے ناشتہ کرلیں۔''

''نہیں کرنا مجھے ناشتہ واشتہ۔ میں تو تم سے دوٹوک بات کرنے آئی ہوں کہ خدا کے لئے ہم پر رحم کرو۔ ہمیں پریشان مت کرو۔ تمہاری بہن اِس گھر میں قیامت برپا کرچکی ہے۔ پتا نہیں وہ کیا کررہی ہے......؟''

سلمٰی بیگم مریم پر برس پڑیں۔

''لیکن......لیکن امی......! دوسروں کے کئے کی سزا میں کیوں عمر بھر کاٹوں......؟ آپ کیا چاہتی ہیں......؟ سلگ سلگ کر راکھ بن جاؤں میں......؟ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور احتجاج میرا حق ہے۔ اب میں اِس وجہ سے ہر طرح کا ستم سہنے کے لئے تیار ہو جاؤں کہ میری بہن نے غلطی کی تھی......؟ ٹھیک ہے، میری بہن نے غلطی کی تھی امی......! مگر میں نے تو کوئی ایسی غلطی نہیں کی تھی ناں......؟''

مریم ہیئر برش رکھ کر ماں کے قریب چلی آئی اور آہستگی سے ماں کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''امی......! پلیز، میرے دُکھ کو سمجھیں۔ مجھے اس راستے کی طرف مت گھسیٹیں جس پر میں دو قدم بھی نہیں چل سکتی۔ روگ لگ جائے گا مجھے۔ ذہنی مریضہ بن جاؤں گی میں۔ گھٹ گھٹ کر جینے کی عادی نہیں ہوں میں۔''

''بیٹا......! شادی کے بعد عورت میں بہت تبدیلی آتی ہے۔ شادی سے پہلی کی بات اور ہوتی ہے۔ یہ مرد کا معاشرہ ہے، سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''تو امی......! پھر انسانوں کا معاشرہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ انسان کا مطلب مرد اور عورت دونوں ہیں۔''

''بیٹا......! صدیوں سے جو اُصول چلے آرہے ہیں، وہ تم اکیلی جان ختم کرسکو گی کیا......؟''

''ہاں......! کسی کام کا کوئی تو آغاز کرتا ہی ہے۔ میں پہلی آواز سہی، شوہر کے دھوکے پر کیوں نہ شور مچاؤں......؟ میں اُسے کیوں ناں بتاؤں کہ عورت کی بھی کوئی عزت ہوتی ہے۔''

مریم کے لہجے میں گہری تپش تھی اگرچہ اُس کی آواز دھیمی تھی۔ سلمٰی بیگم نے اب ماماتا سے مجبور ہو کر اُس کے دُکھ کو اپنے اندر اُتارا، مگر اسے سمجھانے کی کوشش بھی ضروری کہ عورت ہمیشہ شوہر کی پردہ پوشی کرتی ہے، تبھی گھر بنا رہتا ہے۔ بہت سی مثالیں ہیں۔

''امی......! مجھے مت سنائیں مثالیں، مجھے خوف زدہ عورتوں کی مثالیں مت سنائیں۔''

''مریم......! طلاق کے بعد عورت معاشرے کی نظر میں گر جاتی ہے۔ ہوش سے کام لو۔ تم ایک بچے کی ماں بننے والی ہو۔ اسے باپ کی شفقت سے محروم رکھوگی تو وہ بڑا ہو کر اس محرومی کا الزام تجھے دے گا۔''

''الزام لگائے گا تو پھر ثابت بھی اُسے ہی کرنا ہوگا۔ میں عدیل کی فطرت سمجھ چکی ہوں۔ علینہ کسی وجہ سے اُس کی زندگی سے نکل جائے گی تو کوئی اور سکینہ، امینہ آجائے گی۔''

''تم سوچو تو سہی مریم......! ابھی تک اُس کی صرف ایک دوست ہی سامنے آئی ہے۔ وہ بھی شادی شدہ۔ شادی سے پہلے کی دوستی نبھا رہا ہوگا۔ بہت سے لوگوں کی ہوتی ہیں ایسی دوستیاں۔''

سلمٰی بیگم نے پھر اُسے قائل کرنے کی کوشش کی۔ وہ ہار ماننے کے لئے تیار نہیں تھیں۔ وہ اپنی بیٹی کو معاشرے میں گرا ہوا دیکھنا برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔

''واہ......! کیا دوستی ہے......؟ بیوی کو تنہائیاں دے کر شادی شدہ عورت کے ساتھ باہر گھومنے کے پروگرام بنائے جا رہے ہیں۔ میں نے ہنی مون کا کہا تو اُس کے پاس ہزاروں کام نکل آئے تھے۔ میرے سسرال لندن میں ہیں، مجھے لے کر جاتا۔ میرا حق دوست کو دے دیا۔''

مریم کی آواز میں شعلے نکلنے لگے تھے۔ زخم نئے سرے سے تازہ ہو گیا تھا۔ ٹیسیں اُٹھنے لگی تھیں۔ سلمٰی بیگم اندر سے تڑپ گئیں۔ بظاہر اُسی طرح مضبوط بنی رہیں اور سپاٹ لہجے میں مریم سے مخاطب ہوئیں۔

''تھوڑی سی محنت کر لو مریم......! تمہارا ہی ہو جائے گا۔''

''ایم سوری امی......! آپ محسوس کریں، آپ کی اور بابا کی شادی کو تیس سال ہو گئے۔ بابا آج بھی رات کو کسی لڑکی سے چھپ کر بات کریں تو آپ کو کیسا محسوس ہو گا......؟''

''ہاں بیٹا......! محسوس تو بہت ہو گا۔ لیکن اُس وقت کے لمحوں کو سنبھالا جائے گا، تماشہ نہیں بنایا جائے گا۔ اپنی عزت، اپنے خاندان کی عزت، اپنے وقار، ہر چیز کو ذہن میں رکھ کر بہت کچھ سہنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ تماشہ بنانے کا فیصلہ پھر بھی نہیں کیا جائے گا۔ عورتیں یہی کرتی ہیں۔''

سلمٰی بیگم نے بہت اعتماد سے اور سنجیدگی سے جواب دیا۔

''غلط کرتیں ہیں۔ عورتوں کے اس طرح خوف زدہ ہونے ہی کو صدیوں سے بلیک میل کیا جا رہا ہے۔ مرد ان کے حق مارتا ہے اور وہ عفو و درگذر سے کام لے کر نیک روح بن جاتی ہیں، کونوں میں گھٹ گھٹ کر روتی ہیں، ذہنی مریضہ بن جاتی ہیں، پاگل خانوں میں پہنچ جاتی ہیں، خوشیوں سے محروم رہتی ہیں، جھوٹ کے ساتھ نبھاتے نبھاتے جھوٹی بن جاتی ہیں اور بھول جاتی ہیں کہ سچ کی کیا قدر و قیمت ہے......؟ تو جس کو جھوٹ راس آ جائے، وہ چلے جھوٹ کے راستے پر۔ میں تو نہیں چل سکتی۔ چلیں امی......! آئیں ناشتہ کریں۔ میں لیٹ ہو جاؤں گی۔ آج کل میرے باس کا پارہ بہت چڑھا رہتا ہے۔''

مریم اپنی ماں کو بازو کے گھیرے میں لیتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ سلمٰی بیگم زِچ ہو گئی تھیں۔ مریم پھر اُن کو لاجواب کر رہی تھی اور وہ جانتی تھیں کہ مریم صحیح ہے، لیکن وہ اُس کو یہ سمجھانا چاہتی تھیں کہ وہ اتنی سی بات سمجھ جائے کہ اِس معاشرے میں مرد غلط ہو کر بھی صحیح ہے اور عورت صحیح ہو کر بھی غلط ہے۔

☆......☆......☆

وہاج کا آفس میں تو بالکل بھی دل نہیں لگتا تھا۔ گھر میں پڑا پڑا اُکتا جاتا تو سہیل کے پاس آ جاتا تھا۔ آج بھی وہ صرف ایک کپ چائے پی کر سہیل کے کلینک چلا آیا۔ سہیل اِس وقت بہت مصروف ہوتا تھا، مگر اپنے دوست کے لئے وہ ہر وقت حاضر تھا۔

''سوری یار......! میں تجھے ہر روز تنگ کرنے آ جاتا ہوں۔ مگر کیا کروں......؟ تم سے دس پندرہ منٹ بات کر کے ذہن اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے۔''

وہ سہیل کے کمرے میں بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا۔

''تم میرے جگری ہو یار......! میرے بچپن کے دوست ہو۔تمہارے دُکھ پر میں دُکھی ہوں۔تم اتنا تکلف کیوں کرتے ہو......؟تم بیٹھے رہو، میں مریضوں کو دیکھتا بھی رہوں گا۔تم سے باتیں بھی کرتا رہوں گا۔''

سہیل بڑی اپنائیت سے مسکراتے ہوئے وہاج سے مخاطب تھا۔

''ہوں......!پہلے تو یہ بتاؤ،تم نے میری ہدایت پر عمل کیا......؟''

''کیسی ہدایت......؟''

وہاج اُلجھا۔

''میں نے تمہیں چند دن پہلے کہا تھا کہ تم اپنا ٹیسٹ دوبارہ کرا لو۔ ہوسکتا ہے،کوئی اچھی خبر مل جائے۔ ہوسکتا کہ وہ رپورٹ غلط ہو،اب صحیح رپورٹ آجائے،اور جو جہنم تمہارے اندر دہک رہا ہے،تمہیں اُس سے نجات مل جائے۔ میں تو خدا سے دن رات دُعا کرتا ہوں کہ خدا تمہیں سکون دے اور خدا کرے کہ وہ رپورٹ غلط ہو۔ لیبارٹری میں آگے پیچھے کچھ ہوگیا ہو۔کسی کی رپورٹ پر تمہارا نام آگیا ہو۔ مجھ سے یہ تمہارا زندہ لاش بن کر رہنا دیکھا نہیں جاتا۔''

سہیل بڑے کرب سے کہہ رہا تھا۔وہاج اُس کی بات سن کر یوں آنکھیں بند کیں جیسے اُس نے جلتے ہوئے انگارے پر پاؤں رکھ دیا ہو۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو سہیل......! میں واقعی زندہ لاش بنتا جا رہا ہوں۔''

وہ گہری سانس لے کر اُسی طرح آنکھیں بند کئے ہوئے بول رہا تھا۔

''اِسی لئے کہہ رہا ہوں کہ زندہ لاش بن کر جینا کوئی آسان کام نہیں۔ انسان بظاہر زندہ لاش ہوتا ہے،لیکن اُس کے احساسات تو وہی ہوتے ہیں۔ وہ سب کچھ محسوس کر رہا ہوتا ہے، دیکھ رہا ہوتا ہے۔ روز روز کی موت اُس کا مقدر ہوتی ہے۔ خدا کے لئے یار......!اس وہم وگمان کے اندیشوں سے باہر آؤ۔ میری بات مان لو۔ دیکھو میرا دل کہتا ہے کہ علینہ بھابی الٹرا ماڈرن سہی،لیکن وہ تمہارے ساتھ دھوکہ نہیں کرسکتی۔تمہارا دل کہتا ہے،میرا بھی دل کہتا ہے۔''

''لیکن......''

وہاج بے بسی سے بات اُدھوری چھوڑ کر اپنی آنکھیں مسلنے لگا۔

''میں نے کبھی تم سے کسی بات پر اصرار نہیں کیا وہاج......!لیکن میرے اندر جو اُمید کی کرن چمک رہی ہے،اُسے بنیاد بنا کر تم سے اصرار کر رہا ہوں۔ میرے یار......!ایک دفعہ اور ٹیسٹ کرا لو۔ خدا معلوم،بہت کچھ تمہارے حق میں آجائے۔ کچھ ایسا ہوجائے کہ تمہاری زندگی کا رُخ پلٹ جائے۔تم وہم اور اندیشوں سے نجات حاصل کر لو۔''

''میں تمہاری بات کئی روز سے سن رہا ہوں سہیل......!ہر روز ہمت کرتا ہوں مگر میری ہمت جواب دے جاتی ہے۔ ایک اندیشہ اژدھے کی طرح مجھے چاٹنے لگتا ہے۔ اگر اس مرتبہ بھی رپورٹ وہی ہوئی جو پہلے تھی،تو میں کہیں خودکشی نہ کرلوں۔''

وہاج اُسی طرح بے بسی کی کیفیت میں کہہ رہا تھا۔

''ہمت سے کام لو وہاج......!موت سے پہلے کون مرتا ہے......؟اور اللہ نہ کرے کہ تم بے قصور ہو کر حرام موت کی طرف

قدم بڑھاؤ۔ میں اللہ سے اپنے لئے بھی اور تمہارے لئے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ بس یار......! میری یہ بات مان لو۔ اچھا چلو، تم وہ رپورٹ مت پڑھنا۔ تم وہ بند لفافہ مجھے لا کر دے دینا۔''

''ہاں......! اس لئے کہ تم جھوٹ بول کر زبردستی مجھے زندگی کی طرف دھکیل دو......؟''

''نہیں......! میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا، اور میں تم سے کیوں جھوٹ بولوں گا یار......؟ میں تم کو بہت اچھے طریقے سے حقیقت کی طرف بلاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے یار......! میں کوشش کروں گا۔ دُعا کرو اللہ مجھے ہمت دے۔ یہ خوف جو پھنکارتے ہوئے سانپ کی طرح ہر وقت مجھے ڈَستے رہتے ہیں، اللہ مجھے ان سے نجات دے۔''

وہاج اپنی کہنیاں ٹیبل پر رکھ کر اپنے ہاتھوں سے سر تھام چکا تھا۔ اُس کی آواز اتنی مدہم تھی جیسے کسی گہرے کنویں سے آ رہی ہو۔ سہیل نے بڑے خلوص سے ''آمین'' کہا۔

☆......☆......☆

بشرعلی کو سلمیٰ بیگم اور فیاض احمد آ کر لے گئے تھے۔ سلمیٰ بیگم، بشرعلی کو وہاں سے زبردستی لے گئی تھیں۔ مریم کے دُکھ کے علاوہ اُنہیں یہ خوف بھی پریشان کر رہا تھا کہ بشرعلی دل کے مریض ہیں اور مریم کی وجہ سے کہیں وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہو کر کسی خطرے سے دوچار نہ ہو جائیں۔

وہ مشکل سے دس منٹ بیٹھی تھیں۔ فیاض احمد بہت چپ چپ تھے۔ مریم نے بھی کوئی بات نہیں کی۔ فیاض احمد نے صرف اتنا پوچھا۔

''عدیل کہاں ہے......؟''

اور مریم نے گول مول جواب دیا تھا۔ اس لئے کہ نورانی نے اُسے بتا دیا تھا کہ صاحب لندن چلے گئے ہیں۔ بشرعلی کی وجہ سے وہ بہت محتاط تھی۔ اُس نے اپنے عزیز از جان، نانا جان سے بھی یہ خبر شیئر نہیں کی تھی۔ وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ عدیل اپنے آفس میں ہوگا۔ اب جبکہ فیاض احمد، بشرعلی کے سامنے عدیل کا پوچھ رہے تھے تو مریم کو اپنی بات پر قائم رہنا ہی تھا۔ اُس نے ٹالنے والے انداز میں جواب دیا۔

''وہ تو دیر سے ہی آتے ہیں۔ یہی کہتے ہیں کہ آج کل آفس میں کام بہت ہے۔''

بس یہی مختصر سی بات چیت ہوئی اور سلمیٰ بیگم، بشرعلی کو لے کر روانہ ہو گئیں۔ بشرعلی کے جانے سے جیسے گھر میں سناٹے کا راج ہو گیا اور گہری تنہائی کے احساس نے مریم پر غلبہ پا لیا۔ ایک دودھاری تلوار جیسا دُکھ جو اُس کے جگر کو کاٹتا ہوا اُس کی رُوح کو زخمی کر رہا تھا۔ اس دُکھ کا بوجھ اُسے اکیلے ہی اُٹھانا تھا۔ ایک عورت جب خود کو بیرونی دُنیا پر انتہائی مضبوط ثابت کرتی ہے تو وہ اندر سے ٹوٹ رہی ہوتی ہے، تو اِس ٹوٹ پھوٹ کے شور کی آواز دبانے کے لئے اُسے اپنے قدموں کو بہت مضبوطی سے زمین پر جما کر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ دُکھ جذبات کی ایک کیفیت کا نام ہے، کسی کردار کا نام نہیں، کسی وجود کا نام نہیں، اور جذبات انسان کے اختیار میں نہیں ہوتے۔

انسان مضبوط ہو یا کمزور، جذبات اُس پر اپنا اثر چھوڑے بغیر آگے کا راستہ نہیں لیتے۔ وہ گھر کی گہری تنہائی میں یوں

اُتری ہوئی تھی جیسے گہرے سمندر میں بھاری پتھر تیزی سے لڑھکتا ہوا سطح پر ٹھہرنے کے لئے آگے بڑھ رہا ہو۔

☆......☆......☆

''ارے بھئی تم زبردستی مجھے اپنے ساتھ لے آئی۔ میں چاہتا تھا کہ کچھ دن اور مریم کے ساتھ رہوں۔ وہ بہت تنہائی محسوس کرتی ہے۔ اُس کی دوست آئی تھی، تب میں نے سوچا تھا کہ دو چار دن رہ کر چلا جاؤں گا۔ لیکن وہ دوست بھی ایک دن اچانک چلی گئی۔ مریم بتا رہی تھی کہ میں سویا ہوا تھا اس لئے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ بہت اچھی بچی تھی۔ دن میں کسی وقت اُس سے بات ہو جاتی تھی۔''

''پتا نہیں آپ کس دوست کی بات کر رہے ہیں......؟''

سلمٰی بیگم غائب دماغی کی کیفیت میں کہنے لگیں۔ وہ بہت اُلجھی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

''پاپا......! آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں زبردستی آپ کو وہاں سے اس لئے لائی ہوں کہ جب میاں بیوی کے درمیان کوئی ٹینشن چل رہی ہو تو اُنہیں ایک دوسرے سے بات کرنا کا موقع دینا چاہئے۔ مریم آپ کی شہہ کی وجہ سے عدیل سے اور اکڑ رہی ہوگی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ اُن کو اکیلا چھوڑ دیا جائے۔ مجھے یقین ہے، عدیل اُسے سنبھالنے کی کوشش کرے گا۔''

سلمٰی بیگم اپنا منصوبہ بشر علی کے گوش گزار کر رہی تھیں۔ اُن کی وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عدیل اس وقت بلند فضاؤں میں محوِ پرواز ہے۔

''اور پاپا! پتا نہیں شاید آپ بُرا منائیں، سچی بات تو یہ ہے کہ مریم آپ کی وجہ سے بھی بہت زیادہ خودسری دکھاتی ہے۔''

''تم اُس کے اعتماد کو خودسری کہتی ہو سلمٰی......؟ تم تو اُس کی ماں ہو، تمہیں تو اُسے مجھ سے زیادہ سمجھنا چاہئے۔ تم اچھی طرح سمجھتی ہو کہ مریم صرف دلیل سے بات سمجھتی ہے۔''

''ہاں تو پھر آپ اُسے دلیل سے سمجھا سکتے ہیں۔''

''کیا یہ دلیل کافی نہیں کہ ہمارے معاشرے میں عورتیں مرد کے کیا کیا ظلم سہتی ہیں......؟ پھر بھی اپنا گھر سنبھالتی ہیں، اپنا گھر بنانے کے جتن کرتی ہیں، مٹی کے گھروندے کی طرح اپنے گھروں کو بکھیر کر نہیں بیٹھ جاتیں۔ تم بھی بُرا مت ماننا سلمٰی......! میں مریم کو ظلم سہنے کا مشورہ نہیں دے سکتا۔ آخر میری بیٹی ظلم کیوں سہے......؟ ظلم سہنا تو ظلم کرنے سے زیادہ بُرا ہے۔''

''پاپا......! پاپا......! اماں جان آپ کو بہت جلدی چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ آپ سب کچھ بھول بیٹھے ہیں۔ میاں بیوی ایک وقت میں لڑتے ہیں تو بعد میں ایک دوسرے کا احساس بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ اصل میں، میں نے آپ کو اور امی جان کو کبھی لڑتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ کی زندگی میں بے شمار تجربے ہوں گے، مگر اس ایک تجربے کی تو بہرحال کمی ہے۔''

''وہ جو کہتے ہیں ناں سلمٰی......! کہ بیاہ نہیں کیا، باراتیں تو دیکھی ہیں۔ آخر میں بھی اسی معاشرے میں رہتا ہوں میرے آس پاس بہت سے احباب دوست ہیں۔ میں بھی انہی کے درمیان رہا ہوں، بہت کچھ جانتا ہوں، بہت کچھ سمجھتا ہوں۔ مریم کو دھوکے کے صدمے نے نڈھال کیا ہے۔ مگر وہ اپنی زندگی میں اس آنے والی آزمائش کا بہت دلیری سے مقابلہ کر رہی ہے۔''

''خاک مقابلہ کر رہی ہے......؟''

سلمیٰ بیگم ضبط نہ کرسکیں اور جیسے پھٹ پڑیں۔

''اس طرح سے مقابلہ کرتے ہیں......؟ اسے تو اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا کہتے ہیں۔ انسان میں تھوڑا سا صبر اور ضبط تو ہونا چاہیے۔ یہ کیا کہ شوہر سے ذرا سی بھول ہوگئی......''

''ذرا سی بھول......؟ سلمیٰ......! تم ماں ہوکر بیٹی کا دُکھ محسوس کرنے کی بجائے اُسی پر تنقید کررہی ہو......؟''

بشر علی بڑی افسردگی سے مُسکرائے۔

''پاپا......! آپ اُس سے بے پناہ پیار کرتے ہیں۔ بہت محبت کرتے ہیں اور وہ جو کہتے ہیں ناں کہ محبت اندھی ہوتی ہے، آپ اُس کی محبت میں کچھ نہیں دیکھتے۔ آپ یہ بھی تو سوچیں، کچھ دنوں کے بعد اُس کی گود میں ہنستا کھیلتا بچہ ہوگا، آپ کیا سمجھتے ہیں، وہ عدیل سے الگ ہوکر دوسری شادی کرکے خوش رہے گی......؟''

''وہ دوسری شادی نہیں کرے گی۔''

''ہیں......؟''

سلمیٰ بیگم، بشر علی کا جواب سن کا ہکا بکا اُن کی شکل دیکھنے لگیں۔

''تو پھر کیا کرے گی......؟''

''شادی زندگی کا مقصد نہیں، شادی کسی مقصد کی معراج ہے اور نہ ہی شادی بہت سے مسائل کا حل ہے۔ زندگی میں بہت سے کام کرنے ہوتے ہیں۔ اُن میں ایک شادی بھی ہے۔ تم یہ کیوں سمجھتی ہو کہ شادی خوشیوں کی معراج ہوتی ہے......؟ شادی تو تجربہ گاہ ہے۔ وہ جو کہتے ہیں ناں، شادی ضرور کیجئے، ساتھی اچھا مل گیا تو زندگی خوش گوار ہوجائے گی، ساتھی اچھا نہ ملا تب بھی گھاٹا نہیں۔ آپ فلسفی بن جائیں گے۔''

بشر علی اپنی اُداسی کی کیفیت چھپاتے ہوئے جیسے مذاق کرنے لگے۔

''اتنا سیریس معاملہ ہے پاپا......! اور آپ اِس کو اتنا لائٹ لے رہے ہیں......؟''

''ابھی تو مرحلہ طے ہورہا ہے سلمیٰ......! میں فیصلہ کن باتیں کیسے کرسکتا ہوں......؟ سلمیٰ......! ابھی تو مجھے خود بھی نہیں پتا کہ مریم نے آگے کے لئے کیا سوچا ہے......؟''

''اُس نے تو اپنے دُکھ مجھ سے شیئر کیے اور اپنا فیصلہ بھی سنادیا۔ ساتھ ہی یہ کہہ کر میری زبان پر تالے ڈال دیئے کہ نانا جان......! آپ ہی نے تو کہا تھا کہ اعتبار ایک بار ہی کا ہوتا ہے۔ آزمائے ہوئے کو آزمانا سب سے بڑی نادانی ہے۔ وہ میرے ہی کہے ہوئے جملے دُہرانے لگی تو بتاؤ میں کیا کرتا......؟ تھوڑا سا وقت گزرنے دو سلمیٰ......! دیکھو، قدرت کیا رنگ دِکھاتی ہے......؟ سلمیٰ......! جہاں حادثہ ہوتا ہے، پھر وہاں حادثے کے بعد بھی کچھ ہوتا ہے۔ ابھی وہ دیکھنے کے لئے باقی ہے۔ بس......! تھوڑا صبر سے کام لو۔''

بشر علی اُلٹا سلمیٰ کو سمجھانے لگے۔

☆......☆......☆

(جاری ہے)

Pakistanipoint Waqar Azeem

بُری عورت

2

A contact loved ones.
ایک رابطہ اپنوں سے
Aik Rabta Apno Se.
پاکستانی پوائنٹ
www.PakistaniPoint.Com

رفعت سراج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وقار عظیم پاکستانی ویب سائٹ ڈاٹ کام

بُری عورت

﴾ملنے کے پتے﴿

مکتبہ رحمانیہ اقرأ سنٹر اُردو بازار لاہور 37355743
مکتبہ العلم 17 اُردو بازار لاہور 37211788
اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ لاہور 37223506
مشتاق بک کارنر اُردو بازار لاہور 37230350
علم و عرفان پبلی کیشنز اُردو بازار لاہور 37232336
منیر برادرز مین بازار جہلم
احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ راولپنڈی
بنگش بک ڈپو اُردو بازار سیالکوٹ 052-4595359
اسلم بک ڈپو کلووال سیالکوٹ 0347-6841995
چوہدری بک ڈپو مین بازار دینہ
ضیاء القرآن پبلشرز گنج بخش روڈ لاہور
نیو الیاس کتب محل کچہری بازار جڑانوالہ
ادریس کتاب محل مین بازار منڈی سمبڑیال
عمر بک سنٹر جی ٹی روڈ سرائے عالمگیر 653057
چغتائی بک ڈپو پوڈیال آزاد کشمیر
اتفاق بک ڈپو بھلوال
کوالٹی ڈیپارٹمنٹل سٹور کالج روڈ بورے والا 3355889
شاہین بک ہاؤس منڈی بہاؤالدین
بختار سنز قصہ خوانی بازار پشاور
بلال بک ڈپو گجرات
افضل کتاب گھر میر پور آزاد کشمیر
مسٹر بکس سپر مارکیٹ اسلام آباد 2278843-5
جہانگیر بک ڈپو لاہور 37220897
سعد پبلی کیشنز فسٹ فلور اُردو بازار لاہور 37122943
مسلم بک لینڈ بینک روڈ مظفر آباد
یونائیٹڈ بک ہاؤس کچہری روڈ منڈی بہاؤالدین
نیو وہاڑی کتاب گھر جناح روڈ وہاڑی 62310
الکریم نیوز ایجنسی گول چوک اوکاڑہ
شائلہ بک ایجنسی محلہ چوہدری پارک ٹوبہ ٹیک سنگھ
ڈار برادرز تحصیل بازار جہلم
فضلی سنز اُردو بازار کراچی
کھوکھر بک سٹال مسلم بازار، گجرات
مکتبہ رشیدیہ چکوال
بٹ بک ڈپو جہلم
اشفاق بک ڈپو پاڑیاں والہ
حبیب لائبریری، واہ کینٹ
شاہین بک سنٹر، وہاڑی
شہاب بک ڈپو مانوالہ
سلیم بک سنٹر، لاھائی بازار سیالکوٹ 052-4592767
کتاب گھر علامہ اقبال روڈ راولپنڈی

ویلکم بک پورٹ اُردو بازار، کراچی
بلال کاپی ہاؤس لیاقت روڈ میاں چنوں 662650
میاں ندیم مین بازار جہلم 0544-621126
دارالادب تلمبہ روڈ میاں چنوں الرحمت سٹیشنری ڈسکہ
اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک راولپنڈی
شمع بک ایجنسی فیصل آباد
ہاشمی برادرز کتب و رسائل گوردت سنگھ روڈ کوئٹہ
الیاس بک ڈپو جلال پور جٹاں
اسلامی کتب خانہ حافظ آباد
خان بک ڈپو حافظ آباد
نظامی کتب خانہ پاکپتن شریف
شکیل بک ڈپو سمندری
خالد کتاب محل اگوکی سیالکوٹ روڈ
لاثانی لائبریری ربوہ
زمان لائبریری ربوہ
سلیمی بک ڈپو احمد پور شرقیہ
جالندھر بک ڈپو ڈسکہ
پاکستان بک ڈپو مین بازار جلال پور جٹاں
کارز سٹیشنری مارٹ مین بازار کھاریاں 510274
کتاب نگر حسن آرکیڈ ملتان کینٹ 061-510444
صابر بک سٹال نسبت روڈ لاہور 37230780
کارواں بک سنٹر ملتان کینٹ
علمی بک ہاؤس لاہور
عزیز سٹیشنری مارٹ مین بازار کھاریاں
کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اُردو بازار لاہور
سلطان بک پیلس گجرات پنجاب بک ڈپو سرکلر روڈ گجرات
حافظ بک ایجنسی اقبال روڈ سیالکوٹ
وارث سنز بک ڈپو صرافہ بازار پنڈ دادنخان جہلم
کارواں بک سنٹر بہاولپور۔
مکہ بک سنٹر جلالپور جٹاں
مکتبہ کشمیر لالہ موسیٰ
رائل بک سنٹر چوک نواب گجرات
مقدر بک ڈپو گول چوک اوکاڑہ
کوثر بک ڈپو، لالہ موسیٰ
عثمان بک ڈپو، لالہ موسیٰ
ایشیاء بک ڈپو، پاڑیاں والہ
پنجاب بک ڈپو، ڈنگہ
النور بک کارنر، میر پور آزاد کشمیر
لکی جنرل اسٹور، مریدکے
فرینڈ بک ڈپو گجرات
خالد بک ڈپو، گجرات

بُری عورت

(حصہ دوئم)

رفعت سراج

خزینہ علم وادب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37211468 - 37314169

دیدہ زیب اور
خوبصورت کُتب کا
واحد مرکز

تزئین واہتمام
نذیر محمد، طاہر نذیر

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام
وقار عظیم

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : بُری عورت (حصہ دوئم)
مصنفہ : رفعت سراج
سن اشاعت: جنوری 2015ء
اہتمام : محمد نذیر، طاہر نذیر
کمپوزنگ : عاصم شہزاد 0306-4171117
مطبع : ریاض شہباز پرنٹرز، لاہور
قیمت : 650/- روپے

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

پھر دل نے کیا ترکِ تعلق کا ارادہ
پھر تجھ سے ملاقات کے پہلو نکل آئے

انتساب

روئے زمین پر موجود

ہر شوہر کے نام

☆......☆......☆

پاکستان ورچوئل لائبریری
پاکستانی ڈائجسٹ ڈاٹ کام

میں سوچتی ہوں

انکار کرتی ہوئی عورت
احتجاج کرتی ہوئی عورت
حشر برپا کرتی ہوئی عورت
لفظ ''بے چاری'' پر
تیغ پا ہوتی ہوئی عورت
جنگ و سیلاب میں
امداد بانٹتی (NGO کی) عورت
مرد کے جذبات کو نظر انداز کر کے
شیشے کے کیبن میں بیٹھی C.A عورت
P.H.D کے مقالے لکھتی ہوئی عورت
خوددار، خودمختار عورت

ایک مرد کی غلامی سے انکار کر کے
چار مردوں کی غلامی کرتی Emply عورت
فطرت سے متصادم، اَنا پرست عورت
اپنے طے شدہ فطری منصب سے معزول عورت
بھیڑیوں کے غول میں سہمی ہوئی عورت
زید بکر کی ستائش کی چاہ میں
بنتی سنورتی، خود فریب عورت
ایک تہمت، ایک گالی کے تیزاب میں
اپنے تمام کیمیائی اجزاء کے ساتھ
تحلیل ہو جانے والی عورت
میں سوچتی ہوں

رفعت سراج

☆......☆......☆

پاکستان ویب سائٹ ڈاٹ کام وقار عظیم

''اتنی دُور سے بیٹھ کر صرف فون پر مسئلے حل نہیں ہوں گے مسز سارہ......!''
سلمٰی بیگم لندن میں مقیم مریم کی ساس مسز سارہ سے بات کر رہی تھیں۔
''آپ عدیل کو لے کر فوراً پاکستان آ جائیں۔''
دوسری طرف مسز جسم جیسے مفلوج ہو رہا تھا۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کوئی اور بات کرتا تو شاید وہ شک کی کیفیت میں بہت دیر خود کو سنبھالنے کے قابل رہتیں، لیکن فون کرنے والی تو مریم کی ماں تھی، انہیں تو پہلی فرصت میں ہی خوف نے آلیا تھا کہ وہ جو ہنستا کھیلتا گھر جو نیا نیا آباد ہوا تھا، چھوڑ کر آئیں تھیں، اس کے بکھرنے کی کہانیاں ان تک آ رہی ہیں۔ وہ بری طرح پریشان ہو گئیں۔ ان کی قوتِ گویائی سلب ہو چکی تھی۔
''آپ میری بات سن رہی ہیں ناں مسز سارہ......؟''
مسز سارہ کی طرف سے مسلسل خاموشی نے سلمٰی بیگم کو چوکنا کر دیا۔ انہوں نے اپنے اندر یہ یقین اُتارنا چاہا کہ ان کی بات سنی جا رہی ہے، کہیں رابطہ منقطع تو نہیں ہو گیا۔
''جی جی......! میں آپ کی بات سن رہی ہوں۔''
مسز سارہ کی جیسے ٹوٹتی ہوئی آواز سلمٰی بیگم کے کانوں سے ٹکرائی۔
''ہاں......! تو میں آپ سے یہ کہہ رہی تھی کہ عدیل تو انتہائی غیر ذمے داری سے مریم کو تنہا چھوڑ کر جیسے جان بچا کر آپ کے پاس چلا گیا ہے اور وہ بھی اس حال میں کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ آپ کو خود بھی اس کا اندازہ ہو رہا ہوگا کہ میری بات میں کتنی حقیقت ہے اور کتنا مبالغہ......؟''
سلمٰی بیگم ناراض ناراض لہجے میں گویا ہوئیں۔
''نہیں نہیں......! مجھے آپ کی بات پر یقین ہے۔ لیکن میں خود کو یقین نہیں دلا پا رہی کہ وہ خوشیاں جو میں چھوڑ کر آئی تھی، آناً فاناً کیسے پریشانیوں میں ڈھل گئیں ہیں......؟ اتنی جلدی ہو کیا گیا......؟ مجھے آگے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں......؟''
مسز سارہ پریشانی میں جیسے خود کلامی کر رہی تھی۔ ان کا ذہن سلمٰی بیگم کی طرف سے ہٹ گیا تھا۔ ریسیور البتہ

Pakistanipoint Waqar Group

ان کے ہاتھ میں ہی تھا۔

''یہ میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ آپ عدیل کو سمجھائیں کہ وہ مریم سے معافی مانگ لے۔ آپ کہیں گی شاید میں بیٹی کی ماں ہونے کے ناطے آپ سے یہ بات کر رہی ہوں مگر ایسا نہیں ہے۔ مریم کے سامنے میں نے ایک مرتبہ بھی کوئی ایسی بات کرنے کی کوشش نہیں کی جس سے اس کے فیصلے میں لچک پیدا ہونے کی بجائے اور مضبوطی آ جائے۔ یہ تو میرے دل کا حال ہے جو اس وقت میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔ دیکھیں، اگر کوئی غلط فہمی مریم کو ہوگئی تھی تو عدیل کو وہ غلط فہمی دُور کئے بغیر آپ کے پاس نہیں جانا چاہئے تھا۔''

سلمٰی بیگم نے اب بہت پُر وقار انداز میں بڑے اعتماد سے بات کی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں سلمٰی......! بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ عدیل باہر نکلا ہوا ہے۔ جیسے ہی وہ آتا ہے تو میں اس سے بات کرتی ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔ مریم اکیلی نہیں ہے۔ آپ مریم کی ماں ہیں تو میں بھی اسے اپنی بیٹی بنا کر لائی تھی، اگر مجھے عدیل سے بات کرنے کے بعد محسوس ہوا کہ بات اتنی بگڑ چکی ہے کہ اس کا سنبھلنا مشکل ہو رہا ہے تو میں پہلی فلائٹ سے پاکستان پہنچوں گی۔ میرا آپ سے وعدہ ہے اور مجھے قدم قدم پر آپ کے تعاون کی ضرورت محسوس ہوگی۔ اس لئے کہ آپ مریم کی ماں ہیں۔ آپ جو کردار ادا کر سکتی ہیں، میرے ساتھ مل کر اس گھر کو بچانے اور جوڑنے کے لئے وہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ میں پہلی فرصت میں مریم کی غلط فہمی دُور کرنا چاہوں گی۔ اپنے سارے ضروری کام چھوڑ دوں گی۔ میرے لئے عدیل اور مریم کے گھر سے زیادہ اہم کوئی کام نہیں ہو سکتا۔''

مسز سارہ اب سلمٰی بیگم کو ڈھارس دے رہی تھیں۔ سلمٰی بیگم نے طمانیت کا ایک گہرا سانس لیا۔ ان کو یہ محسوس ہوا کہ دو مائیں مل کر جذبات کی آندھی میں اپنے وجود کو بگولوں کی طرح اُڑانے والوں کو ایک مرتبہ پھر زمین پر کھینچ لائیں گی اور ان کو قدم جما کر کھڑے ہونے کا حوصلہ دیں گی اور راستہ بھی دکھائیں گی۔

''میں آپ کی بات سے بہت اطمینان محسوس کر رہی ہوں مسز سارہ......! بلکہ آپ سے بہت کچھ کہنے کے بعد میرے ذہن کو سکون مل گیا ہے۔ ورنہ تو جیسے یوں لگ رہا تھا کہ میرا دماغ کسی دھماکے سے پھٹ جائے گا۔ یوں سمجھئے کہ میں شدت سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔''

سلمٰی بیگم نے اب بہت دوستانہ انداز میں اپنائیت بھرے لہجے میں مسز سارہ سے بات کی۔

''بالکل بالکل......! آپ فکر ہی نہ کریں، جو کچھ مجھ سے ہو سکتا ہے، وہ میں ضرور کروں گی۔ آپ بالکل بے فکر رہیں، خدا حافظ......!''

سلمٰی بیگم نے سکون کا گہرا سانس لے کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

☆......☆......☆

انا بی چند لمحے قبل ہی لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں اور اُلجھی اُلجھی نظروں سے سلمٰی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ان کے کچھ پلّے تو نہیں پڑا، لیکن کچھ اتنا انہوں نے پا لیا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ سلمٰی بیگم نے انا بی کو سر پر کھڑا دیکھا تو ایک

...ہیں اور اپنا بیگ کھول کر خواہ مخواہ اندر جھانکنے لگیں، جیسے اپنے موڈ کو چینج کرنے کے لئے انہیں وقفے کی ... انا بی نے آگے بڑھ کر اپنا پاندان کھسکایا اور صوفے پر بیٹھ گئیں۔ سلمیٰ بیگم اسی طرح انا بی سے نظریں ... یوں ہی اپنے پرس میں جانے کیا تلاش کر رہی تھیں......؟ انا بی نے ابرو چڑھا کر بڑے تیکھے لہجے میں سلمیٰ بیگم کو ... کہا۔

''ارے......! کوئی ہمیں اپنا سمجھے تو اپنے دل کا حال بتائے......؟ جانے کیا کھچڑی پک رہی ہے......؟''

سلمیٰ بیگم نے گہری سانس لی اور پرس بند کر کے دوبارہ اپنے پہلو میں رکھ دیا۔

''کھچڑی تو پتا نہیں کہاں پک رہی ہوگی......؟ یہاں تو ہانڈی پھوٹ رہی ہے۔''

سلمیٰ بیگم نہ چاہتے ہوئے بھی بے زاری سے کہہ بیٹھیں۔

''ارے بیٹا......! آخر ہوا کیا ہے......؟ مجھے یوں لگا جیسے آپ عدیل کی ماں سے بات کر رہی تھیں اور بات بھی کوئی اچھی نہیں ہو رہی تھی۔ کوئی پریشانی کی بات تو ہے جو آپ کی شکل سے پتا چل رہی ہے۔''

سلمیٰ بیگم نے انا بی کی قیامت کی تاڑنے والی نظروں سے خود کو بچانے کی کوشش کی۔

''اسی گھر میں ہے انا بی......! جو کچھ بھی ہوگا، آپ کے سامنے ہی آجائے گا۔''

یہ کہہ کر وہ اُٹھیں، اپنا پرس اُٹھایا اور تیزی سے لاؤنج سے باہر چلی گئیں۔ انا بی پان لگانا بھول کر انہیں جاتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

مریم دروازہ کھول کر اظفر کمال کے روم میں داخل ہوئی۔ وہ اُلجھی اُلجھی سی تھی۔ اس کا فطری اعتماد اس وقت اس کے سراپے سے آشکار نہیں تھا۔

''سر......! آپ نے بلایا......؟''

مریم نے محتاط انداز میں اظفر کمال کو مخاطب کیا جو لیپ ٹاپ پر کوئی میل چیک کر رہے تھے۔ مریم کی آواز پر چونک کر انہوں نے سر اُٹھایا تھا۔

''ہاں......! مس مریم......! آیئے آیئے، تشریف رکھئے......!''

''جی سر......!''

مریم اسی طرح محتاط انداز میں ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں اُلجھن سی تھی کیونکہ اسے میسج ملا تھا ... وہ کوئی فائل ساتھ لے کر نہ آئے۔ بڑی عجیب سی بات تھی۔ اپنے باس کے پاس بغیر فائل لئے جانا کسی بھی لڑکی ... لئے اس میسج کے اندر بڑے اندیشے ہوتے ہیں۔ باہر نکل کر کام کرنے والی عورت ہر وقت انگاروں پر سفر طے کر رہی ہوتی ہے۔ ہر مردانہ نگاہ اس کا گراف جانچ رہی ہوتی ہے۔ کون سی لڑکی شریف ہے......؟ کون سی لڑکی چائے پینے والی ہے......؟ کون سی لڑکی چائے پینے سے بھی آگے جانے والی ہے......؟ کون سی لڑکی کس طرح گھیری جا سکتی

ہے......؟ کون سی لڑکی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دے گی......؟ کون سی لڑکی مسکراہٹ کے جواب میں تھپڑ کھینچ مارے گی......؟ مرد باہر نکلنے والی عورت کو ہر ہر زاویے سے چیک کر رہا ہوتا ہے۔ مریم ایک میچور، بااعتماد، خود آگاہ، باشعور لڑکی تھی۔ اسے فائل کے بغیر ملنے کا پیغام پریشان کئے ہوئے تھا۔ کیونکہ بہرحال اس نے یہ چیز تو نوٹ کی تھی کہ سارے سٹاف میں اس کا روّیہ مریم کے ساتھ بہت ہی نرم، مہربان جبکہ وہ دوسرے سٹاف ممبرز کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرنے کے لئے کبھی تیار نظر نہیں آتے۔

"جی مس مریم......! مسئلہ یہ ہے۔"

اظفر کمال کی آواز نے مریم کو اندیشوں کے طوفان سے باہر کھینچ نکالا۔ وہ سر اُٹھا کر سوالیہ نظروں سے اظفر کمال کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہمیں نورالدین ذکی صاحب کے آفس چلنا ہے، ڈیلیگیشن آیا ہوا ہے، ہماری وہاں میٹنگ ہے۔"

اظفر کمال نے اس کو طلب کرنے کی وجہ بیان کر دی۔ مریم ان کے ساتھ ڈیلیگیشن پر ملنے جانے کے لئے اُلجھ سی گئی کیونکہ وہ کسی ڈائریکٹر پوسٹ کی آسامی پر کام تو نہیں کر رہی تھی اور نہ اس کے پاس کوئی ایسی سیٹ تھی جہاں پر اس کے پاس بہت سے اختیار ہوتے۔

"سر......! وہ میرا جانا......؟"

"جی......! آپ کا جانا بہت ضروری ہے مس مریم......! وہ اس وجہ سے کہ آپ نے جتنی محنت سے پورا آڈٹ سیکشن سنبھالا ہوا ہے اور جس طرح سے تمام معمولات آپ کو معلوم ہیں، آپ مجھے اس میٹنگ کے دوران پراپر گائیڈ کر سکتی ہیں۔ یہ بہت امپورٹنڈ میٹنگ ہے اور میں ہر صورت میں اس پارٹی سے ڈیل چاہتا ہوں کیونکہ اگر ہم کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ سمجھ لیجئے کہ سمندر پار ہمارے لئے ایک بہت بڑا دروازہ کھلتا ہے اور پھر کاروبار کرنے کا کیا فائدہ جب انسان اہم موقع گنوا دے......؟"

"وہ تو آپ کی بات ٹھیک ہے سر......! لیکن میں آپ کو کیا ہیلپ کر سکتی ہوں......؟"

مریم پتا نہیں کیوں کترا رہی تھی......؟ اس کی چھٹی حِس اسے کچھ سمجھا رہی تھی جو وہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں تھی اور اپنے خیالات کا دھوکہ سمجھ کر اپنے ذہن سے جھٹک دینا چاہتی تھی۔

"آپ تیاری کریں، میرے ساتھ میٹنگ میں ہیلپ کرنا آپ کی جاب کا حصہ ہے۔ یہ کوئی ایسی انوکھی نرالی بات نہیں ہے جس پر آپ پریشان ہو جائیں یا غور و فکر کرنے لگیں......؟ آپ اسے روٹین کا کام سمجھئے۔"

اظفر کمال شاید اس کی دلی کیفیت بھانپ گئے تھے۔ مریم ایک دم گھبرا کر خود کو سنبھالنے لگی۔ یہ تو نہیں ہونا چاہئے۔ وہ اس اعتماد سے باہر نکلی ہے، کوئی مرد اس کے بارے میں غلط رائے قائم نہ کرے اور اسے کمزور لڑکی نہ سمجھے۔

اس نے گہری سانس لی پھر بڑے اعتماد سے مسکرائی۔

"او کے سر......! کتنے بجے چلنا ہے......؟"

"ٹھیک آدھے گھنٹے بعد۔"

اظفر کمال اپنی کامیابی پر بہت مسرور نظر آنے لگے۔

''ٹھیک ہے......! ابھی آدھا گھنٹہ ہے، میں کچھ ضروری میلز چیک کرلوں۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! آپ اپنا کام وائنڈ اَپ کریں، جتنا بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن یاد رکھئے گا، آپ کے پاس صرف تیس منٹ ہیں۔''

''او کے سر......!''

مریم اب کھڑی ہوئی۔ اظفر کمال نے خود کو پھر لیپ ٹاپ میں مصروف کرلیا۔ جانے یہ احتیاط تھی یا کسی کے باخبر ہونے پر نظر کی چوری چھپانے کا شعورِ عمل......؟

☆......☆......☆

وہاج آج پھر شدید ڈپریشن کی کیفیت میں اپنے کمرے میں پردے گرائے بے جان لاش کی طرح پڑا ہوا تھا۔ اس کے سامنے علینہ کا خوب صورت پورٹریٹ تھا جو کبھی اس نے بڑے اہتمام سے بنوایا تھا۔ اتنا خوب صورت پورٹریٹ جو بہت نیچرل تھا لیکن علینہ کو کسی خواب کی دُنیا کی روح ظاہر کرتا تھا، ہوا میں لہراتی ہوئی لٹیں جن میں سے چند اس کی پیشانی کو چوم رہی تھیں، اس کی خوب صورت مسکراہٹ، اس کے گلے میں لاپرواہی سے پڑا ہوا پیاز کے چھلکے کی رنگت جیسا دوپٹہ اور پیازی سیاہ پرنٹ کی قمیص، اس کے ہونٹوں پر بھی پیازی لپ اسٹک کی چمک تھی، آنکھوں میں شریر مسکراہٹ، ایسی تصویر تھی کہ یوں لگتا تھا بول پڑے گی۔ وہاج ہلکی روشنی میں ٹکٹکی باندھے علینہ کے پورٹریٹ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے دماغ میں نئے سرے سے آندھیاں اُٹھ رہی تھیں۔ ایک خوب صورت عورت ایک جوان عورت گھر سے باہر نکلے گی۔ پرائے مرد سے دوستی نبھائے گی تو کیا نہیں ہوسکتا......؟ یہ کوئی کرکٹ کی سینچری تو نہیں ہے کہ ننانوے پر آؤٹ ہوکر واپس پویلین چلے جائیں۔ مرد اور عورت کی تنہائی میں سینچری پوری ہونے کے تمام امکانات ہوتے ہیں اور ایک شادی شدہ عورت، اس کی کرپشن کیسے پکڑی جاسکتی ہے......؟

''مریم اتنی سمجھدار، اتنی پڑھی لکھی، ایک ورکنگ وومین، وہ بلاوجہ میرے گھر میں آکر کیوں شور کرے گی......؟ بے بنیاد بات پر جاہل عورتوں کی طرح کیوں ہنگامہ کرے گی......؟ یقیناً اس نے بہت کچھ دیکھا اور پکڑا ہے۔ میں مریم کی بات کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ میرا دل کہتا ہے، علینہ جھوٹ بول سکتی ہے کیونکہ ثابت ہوگیا ہے کہ اسی نے جھوٹ بولا ہے۔ وہ مجھے دھوکہ دے کر عدیل کے ساتھ لندن جارہی تھی۔ لیکن مریم جھوٹ نہیں بول سکتی۔ مریم تو وہ عورت ہے جس کے گھر میں آگ لگ رہی تھی اور جس عورت کے گھر میں آگ لگ رہی ہو، وہ کسی مصلحت اور خوف کی وجہ سے گھر کو خاک ہونے نہیں دے سکتی، کچھ تو کرے گی۔ ڈوبنا مقدر ہی سہی، ہاتھ پیر تو مارے ہی جاتے ہیں۔ مجھے نہیں چاہئے ایک بے اعتبار عورت کا ساتھ۔ میں اسے طلاق دے دوں گا۔ میں اسے کیوں لٹکاؤں......؟ بلکہ میں طلاق تو اسے اس لئے دوں گا کہ وہ جس معصومیت اور بے نگاہی کا مجھے یقین دلانے کی کوشش کررہی تھی، ثابت ہو جائے کہ وہ بھی مجھ سے جھوٹ بول رہی تھی، اسے تو وہ راستہ، وہ موقع چاہئے جس پر چلتے ہوئے وہ اپنی منزل پالے،

اپنی طرف سے وہ طلاق کا مطالبہ اس لئے نہیں کرے گی کہ ساری دُنیا اس پر تھو تھو کرے گی لیکن اندر سے وہ ضرور اس بات کا انتظار کر رہی ہوگی کہ میری طرف سے فوراً سے پیشتر طلاق کے کاغذات پہنچ جائیں تاکہ اس کی جان چھوٹے اور اس کی تمنا پوری ہو جائے۔ میں یہ گھنٹی اپنے گلے میں لٹکا کر کیوں رکھوں......؟ میں اس بدصورت عورت کو اپنی زندگی سے، اپنے دل سے اس طرح کھرچ کر پھینک دینا چاہتا ہوں کہ نشان تک باقی نہ رہے۔''

وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت برس رہی تھی۔

''میں ابھی لائر (Lawer) کے پاس جاتا ہوں اور طلاق کے پیپرز سائن کرواتا ہوں اور رہی سہیل کی ایڈوائز، وہ بیچارہ سیدھا سادہ انسان، اسے کیا پتا، ایک خوب صورت عورت جب اندر سے بدصورت نظر آنے لگے اور وہ عورت جس سے تعلق بھی ہو تو وہ ہمالیہ سے بڑا بوجھ ہوتی ہے۔ سہیل ڈاکٹر ہونے کے ناطے، میرا دوست ہونے کے ناطے بہت کچھ اچھا دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کی خواہشات حقیقت کو تبدیل تو نہیں کر سکتی۔ میں علینہ کو اپنی زندگی سے اسی طرح نکال دوں گا جس طرح موت کا فرشتہ جسم سے روح کو نکالتا ہے اور پھر جسم سے نکلی ہوئی روح اس جسم میں لوٹ کر واپس نہیں آتی۔''

وہاج کی آنکھوں سے ایک عزم جھلک رہا تھا اور لگتا تھا کہ وہ آج ہی کی تاریخ میں اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنائے گا۔

☆......☆......☆

مسز سارہ، سلمٰی بیگم سے بات کرنے کے بعد بہت بے چین ہو رہی تھیں۔ ایک پل قرار نہیں تھا۔ عدیل ان کے ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ جب سے آیا تھا، دس پندرہ منٹ سے زیادہ اس سے بات نہیں ہوتی تھی۔ وہ خود کو بہت مصروف ظاہر کر رہا تھا۔ مریم کے بارے میں بھی اس نے بڑی سرسری سی بات کی۔ حالانکہ وہ تو اس کے منہ سے بہت کچھ سننے کی منتظر تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ وہ اس کے منہ سے ایسی بات سنیں کہ ان کا بیٹا ان کے انتخاب سے خوش ہے اور ایک آئیڈیل زندگی گزار رہا ہے۔ مریم کو انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر منتخب کیا تھا۔ وہ اگرچہ عدیل سے عمر میں بہت زیادہ کم نہیں تھی، اگرچہ چھوٹی تھی، لیکن عدیل کے مقابلے میں بہت میچور اور سوجھ بوجھ والی واقعہ ہوئی تھی۔ اس کے اندر انہوں نے ایک وقار دیکھا تھا، ایک اعتماد دیکھا تھا، اس کے لہجوں میں سچائیوں کی کھنک گونجتی محسوس کی تھی۔ انہیں کیا پتا تھا کہ ان سچائیوں کی کھنک سے ہی ان کے بیٹے کے گھر میں ایک شور برپا ہے......؟

تھوڑی دیر پہلے انہوں نے فون پر عدیل کو کہہ دیا تھا کہ وہ ڈِنر ان کے ساتھ کرے، جب سے وہ آیا ہے، وہ دونوں کھانے کی میز پر ساتھ نہیں بیٹھے، اس لئے وہ آج ہر صورت میں ڈِنر ٹائم گھر پر ہو۔ عدیل نے ماں کا اصرار دیکھ کر ہامی بھرلی تھی اور چلا آیا تھا۔ آتے ہی وہ شاور لینے چلا گیا تو مسز سارہ ٹیبل لگانے لگیں۔ انہوں نے کوئی چیز نئی نہیں بنائی تھی۔ وہ اندر سے بری طرح سے ٹوٹی ہوئی بکھری ہوئی تھیں۔ کسی کام میں ان کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ سب چیزیں انہوں نے گرم کر کے ٹیبل پر لگا دی تھیں۔ حالانکہ جب بھی عدیل دُنیا میں کسی بھی جگہ سے ان کے پاس آتا تھا، تو وہ

لما... بہت اہتمام کرتی تھیں۔ بہت کچھ اپنے ہاتھوں سے بناتی تھیں اور ان کا چھوٹا بیٹا جو آج کل ایک اور یورپین ملک میں اپنا کاروبار سیٹل کر رہا تھا، بہت مصروف تھا۔ وہ اب اس کے پاس نہیں آتا تھا بلکہ مسز سارہ خود اس کے پاس جاتی تھیں۔ لے دے کے اب عدیل ہی ان کی دسترس میں تھا اور وہ بھی آج کل ان کو پریشان کئے ہوئے تھا۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ ایک بیٹے کے فرض سے سبکدوش ہو کر اب وہ نبیل کے لئے لڑکی دیکھیں گی، کوئی مریم جیسی معصوم اور پیاری سی۔ لیکن یہاں تو سارا کھیل ہی بگڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔ مسز سارہ سے کوئی اور اس طرح کی باتیں کہتا تو وہ اعتبار نہ کرتیں، لیکن سلمٰی، مریم کی ماں تھی، وہ ان سچائیوں کو نہیں جھٹلا سکتی تھیں جو سلمٰی بیگم کے ذریعے ان تک پہنچی تھیں۔ وہ کھانے کی ٹیبل پر بیٹھ کر عدیل کا انتظار کرنے لگیں، جس نے زیادہ دیر نہیں لگائی، وہ خود کو بہت فریش اور نارمل ظاہر کر رہا تھا۔

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا تھا عدیل......! میری تسلی نہیں ہوئی، تمہارے جواب سے۔''

مسز سارہ نے ایک ڈش عدیل کی طرف بڑھاتے ہوئے اپنی بات شروع کی، بلکہ بات کرنے کے لئے معمول کا اہتمام کیا۔

''میں آپ کی بات نہیں سمجھا ممی......! کیا نہیں بتایا آپ کو......؟''

''بھئی......! یہی کہ تم اچانک ایمرجنسی میں لندن آ گئے مریم کو اکیلا چھوڑ کر......؟ کوئی ایسا مسئلہ بھی نہیں تھا، وہ ساتھ آ سکتی تھی، اسے ساتھ کیوں نہیں لائے......؟''

مسز سارہ نے گھما پھرا کر آخر مطلب کی بات کر دی۔

''ممی......! اس کا موڈ نہیں تھا۔ اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ بس......! چلیں، نیکسٹ ٹائم سہی۔''

عدیل یہ کہہ کر فرائیڈ رائس اپنی پلیٹ میں نکالنے لگا۔ مسز سارہ بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

''عدیل......! اب میں زیادہ برداشت نہیں کر پا رہی۔ میرے سر میں درد ہونے لگا ہے۔ آج سارا دن بس اس ایک پوائنٹ پر ہی سوچتی رہی ہوں، شل ہو گئی ہوں میں۔''

''ممی......! ایسی کیا بات ہے جس پر آپ اتنا سوچ رہی ہیں......؟''

''تمہیں پتا ہے۔''

مسز سارہ نے فوراً عدیل کی بات کاٹ کر جواب دیا۔

''مجھے کیا پتا ہے ممی......؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔''

''یہی کہ تمہارے اور مریم کے درمیان فاصلے پیدا ہو گئے ہیں۔ کوئی ایسا مسئلہ بیچ میں آ گیا ہے کہ تمہارے درمیان دوریوں کا سبب بن رہا ہے۔''

''اوہ......!''

عدیل کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا چمچہ پلیٹ میں رکھ دیا۔ ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر اُبھری۔

''اچھا......! تو بالآخر مریم کا شکایتی فون آپ کے پاس آ ہی گیا......؟''

''نہیں......! میرے پاس مریم کا کوئی شکایتی فون نہیں آیا، بلکہ اس کا کسی بھی قسم کا فون نہیں آیا۔ دو تین دن پہلے میری اس سے فون پر بات ہوئی تھی، مگر اس نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی جو میرے اندر کھٹک پیدا کرتی۔''

مسز سارہ جیسے اپنے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بات کر رہی تھیں۔ پھر انہوں نے عدیل کی طرف دیکھا جو سر جھکائے اپنی پلیٹ کو گھور رہا تھا۔

''کیا عذاب چھوڑ کر آئے ہو پیچھے......؟ کچھ تو ہے......؟''

''ممی......! دماغ خراب ہے اس کا، فضول سی بات کو ایشو بنا رہی ہے۔''

''Issue نہیں، یہ تو میں جانتی ہوں کہ وہ بہت سمجھدار ہے۔ وہ فضول سی بات کو ایشو نہیں بنا سکتی۔ میرے سے کھل کر بات کرو۔ کچھ چھپانے کی حماقت کرنے کی ضرورت نہیں۔ کوئی بات کتنے دن تک چھپی رہ سکتی ہے......؟''

مسز سارہ ناراض لہجے میں گویا ہوئیں۔

''ممی......! وہ بہت دقیانوسی اور نیرو مائنڈڈ ہے۔ بوڑھی روح ہے اس کے اندر۔''

''اسے لعن طعن کرنے کی ضرورت نہیں ہے عدیل......! جو حقیقت ہے، میرے سامنے صرف وہی بیان کرو اور کان کھول کر سن لو، میں ان ساسوں میں سے نہیں ہوں جو غلط بات میں بیٹے کا ساتھ دیتی ہیں اور بہو پر تنقید شروع کر دیتی ہیں۔''

مسز سارہ اسی طرح خفا خفا لہجے میں بولیں۔

''ممی......! آج کل بہت سے لڑکوں کی گرل فرینڈز ہوتی ہیں اور علینہ تو آپ کو پتا ہے، شادی سے پہلے سے میری فرینڈ ہے اور پھر وہ خود بھی شادی شدہ ہے۔ مریم کو بھی پتا ہے اس بات کا، پھر بے وقوف ہے وہ۔''

''نہیں......! تم پھر اسے برا بھلا کہنے پر آ گئے ہو......؟ جبکہ میں سمجھتی ہوں، ضرور کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس نے مریم کو ڈسٹرب کیا ہے۔ صرف ایک گرل فرینڈ کی وجہ سے۔''

''ممی......! میں آپ کو صحیح بتا رہا ہوں......It is fact......صرف ایک گرل فرینڈ کی وجہ سے۔''

''لیکن تمہاری تو نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ تمہیں تو اپنی بیوی کو دوست بنانا چاہئے۔ تمہیں بیوی کے ساتھ ہوتے ہوئے جس کے ساتھ تمہیں ابھی انڈرسٹینڈنگ پیدا کرنا تھی، کسی اور دوست کی ضرورت پیش آنے لگی......؟ یہ بات میرے حلق سے نیچے نہیں اتر رہی۔ نئی نئی شادی ہو تو اتنی گنجائش ہی کب ہوتی ہے کہ کوئی تیسرا آئے......؟''

''ممی......! میں نے شادی کے بعد کوئی گرل فرینڈ نہیں بنائی۔ علینہ شادی سے پہلے میری گرل فرینڈ تھی۔ اب ظاہر ہے، اس فرینڈ شپ کو ایک جھٹکے سے تو نہیں توڑا جا سکتا۔ کچھ نہ کچھ رابطہ تو رہتا ہی، کتنی ہی مصروفیت کیوں نہ ہو......؟''

''اور یہ بتاؤ، علینہ کے شوہر کو یہ بات معلوم ہے کہ تم علینہ کے دوست ہو اور اس سے ملتے ہو، باتیں کرتے ہو......؟''

''پتا تھا۔''
عدیل نے اب ہلکی سی خفگی کے ساتھ ماں کو جواب دیا۔
''جانتی ہوں میں علینہ کو، خاصی بے وقوف سی لڑکی ہے۔ ہوسکتا ہے اس کی بے وقوفی کی وجہ سے مریم کو کوئی پریشانی پیش آئی ہو......؟ بہرحال، ابھی بھی مجھے حقیقت نہیں معلوم، اور جہاں تک میرا خیال ہے، حقیقت مجھے مریم ہی معلوم ہوگی۔ تم تو نہیں بتاؤ گے۔ شاید تمہاری بیوی نے تمہارا مزہ خراب کیا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ غلطی تمہاری ہی ہے۔ نئی نویلی دُلہن پاس ہے اور تم پرانی دوستیاں نبھاہ رہے ہو......؟ مجھے یہ بات نہیں سمجھ آ رہی، آخر مریم کے ہوتے ہوئے، ایک لونگ سینئر کے ہوتے ہوئے تمہیں مزید دوستیوں کی ضرورت ہی کیا تھی......؟ لوگ تو آج کل خون کے رشتوں کو بھلا دیتے ہیں، تم پرانی دوستی نبھانے کے چکر میں اپنے گھر کو آگ لگا رہے ہو......؟''
مسز سارہ نے عدیل کو برا بھلا کہا اور چیئر دھکیل کر کھڑی ہوگئیں۔ ان کا موڈ سخت خراب تھا۔ وہ کھانا نہیں کھا سکتی تھیں۔
''ممی......! بلیوی......! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ ٹینس نہ ہوں۔ پلیز کھانا کھا لیں۔''
''مجھے بھوک نہیں ہے، تم کھانا کھاؤ، ریسٹ کرو۔''
مسز سارہ اُلجھی اُلجھی کیفیت میں کہتے ہوئے ڈائننگ روم سے باہر جانے لگیں۔

☆......☆......☆

میٹنگ بڑی نتیجہ خیز تھی۔ اظفر کمال بہت خوش تھے۔ ان کا موڈ بہت اچھا نظر آ رہا تھا مگر مریم اپنے ہی خیالات میں گم تھی۔ اب وہ آفس کے مسئلوں سے نکل کر اپنے ذاتی مسئلوں میں گم تھی۔ اس لئے کہ اس کا ورکنگ ٹائم ختم ہو چکا تھا۔ اظفر کمال نے چند مرتبہ اس کی طرف اُڑتی پھڑتی نظر ڈالی تھی، مگر کچھ بولے نہیں تھے۔ وہ مریم کی کھوئی کھوئی کیفیت کو بھی جیسے انجوائے کر رہے تھے۔ مریم تو اس وقت چونکی جب اظفر کمال نے ماڈرن اور مہنگے ریستوران کے سامنے اپنی کار روکی۔ مریم ایک دم پریشان سی ہوگئی۔ اس نے گھبرا کر اظفر کمال کی طرف دیکھا اور جیسے جملہ ترتیب دینے لگی۔ اظفر کمال اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور اُلجھن بھی نوٹ کر رہے تھے۔
''ڈنر ٹائم ہو رہا ہے، میں نے سوچا آپ نے میرے ساتھ بہت محنت کی ہے تو میری طرف سے آپ کو ڈنر تو ملنا چاہیے۔''
''اوہ......! تھینک یو سر......! تھینک یو، فار دِس فارمیلٹی......! لیکن میرا اس وقت ڈنر کا بالکل موڈ نہیں ہے۔ ایکچوئلی مجھے بھوک ہی نہیں ہے۔ بھوک ہوتی ہے تو کھانے پینے کا بھی مزہ آتا ہے۔ آپ پلیز مجھے میرے گھر ڈراپ کر دیجیے۔ میں آپ کی بہت شکرگزار ہوں گی۔''
مریم نے بہت پُروقار اور پُراعتماد انداز میں اظفر کمال کو جواب دیا۔
''نہیں......! جب ہم یہاں آگئے ہیں تو ڈنر کیے بغیر نہیں جائیں گے۔''

اظفر کمال کے انداز میں قطعی پن تھا۔ مریم بہت اُلجھن میں پڑ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اظفر کمال سے کہے کہ وہ ان کے ساتھ ڈِنر کرنا ہی نہیں چاہتی۔ لیکن وہ اس کے باس تھے اور انہوں نے ابھی تک کوئی ایسی حرکت بھی نہیں کی تھی کہ وہ بہت بولڈ انداز میں یا بے مروّتی سے انہیں بہت ٹکا سا جواب دیتی۔

''سر......! پلیز، آپ اپنی مسز کے ساتھ ڈِنر کر لیجئے گا، مجھے آپ گھر ڈراپ کر دیں۔''

''مِس مریم......! جب کوئی اتنا اصرار کرتا ہے تو گنجائش نکال لیتے ہیں۔''

اظفر کمال نے اب ذرا سنجیدگی سے بات کی۔ مریم ان کی طرف دیکھنے لگی لیکن اس نے فوراً ہی اپنی نظروں کا رُخ موڑ لیا۔ کیونکہ اظفر کمال کی نظروں میں ایک باس کی بجائے صرف ایک خاموش جذبوں کی قید میں مقید ایک مرد جھلک رہا تھا۔

''سر......! میں ڈِنر رات کو لیٹ کرتی ہوں، کیونکہ میں سوتی بھی رات کو لیٹ ہوں۔''

''اوہ......اچھا......! کیا کرتی رہتی ہیں لیٹ نائٹ تک......؟''

اظفر کمال نے بڑی دلچسپی سے سوال کیا اور دونوں ہاتھ سے اسٹیئرنگ کو مضبوطی سے تھام کر مریم کو دیکھنے لگے۔ وہ اس کے جواب کے منتظر تھے۔ وہ کچھ بھی بولتی، ان کو اچھا لگ رہا تھا۔

''بس......! کبھی کوئی اچھی مووی دیکھ لیتی ہوں، کبھی کوئی کتاب پڑھ لیتی ہوں۔''

مریم نے نظریں جھکائے جھکائے جواب دیا۔

''گڈ......! اچھا شوق ہے۔ بہرحال آج تو آپ کو میرے ساتھ ڈِنر کرنا ہی ہے۔ کبھی کبھی روٹین سے ہٹ کر بھی کوئی کام ہونا چاہئے۔''

اظفر کمال نے گاڑی کو موو کیا اور پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھنے لگے۔ مریم بہت بے بسی سے اپنی ہتھیلیوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے گھر میں تو کوئی بھی پوچھنے والا نہیں بیٹھا تھا کہ وہ کہاں سے آ رہی ہے......؟ اور اسے اتنی دیر کیوں ہوگئی ہے......؟ لیکن وہ اپنے نظریات اور ضمیر کی تو پابند تھی۔ اسے شدید گھٹن تنگ کر رہی تھی، مگر اس وقت اظفر کمال کے سامنے کچھ بس نہ چلتا تھا۔

☆......☆......☆

وہاج اپنے گھر سے نکلا تو تھا کہ کسی لائر سے کنسلٹ کرے اور طلاق کے پیپرز تیار کرا لے۔ لیکن راستے میں ہی ڈبل مائنڈڈ ہوگیا۔ سہیل کے مشورے، اس کی اچھی اچھی باتیں، حوصلہ دلانے والی، اُمید جگانے والی پھر بازگشت کی طرح اس کے ذہن میں بولنے لگیں۔ یہاں تک کہ وہ سوچتے سوچتے شل ہوگیا۔ وہ کار ڈرائیو کرنے کے لائق نہیں تھا، اسی لئے آج کل وہ اپنے ساتھ ڈرائیور رکھتا تھا۔ یہ اس کے آفس کا ڈرائیور تھا جو ان دنوں گھر پر اس کے لئے خدمات انجام دے رہا تھا۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ادھیڑ بن میں تھا کہ لائر کے پاس جائے یا ری ٹیسٹ کرانے کسی اچھے ہاسپٹل جائے......؟ اس نے ڈرائیور کو لائر کا ایڈریس تو سمجھا دیا تھا اور اب ڈرائیور اس کے سمجھائے ہوئے ایڈریس

ے مطابق اس علاقے میں داخل ہوگیا تھا جہاں اسے لائر سے میٹنگ کرنا تھی۔ وہاج نے ایک دم چونک کر ڈرائیور ے اندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''نذیر علی......! وہ......گاڑی موڑو، مجھے پہلے ہاسپٹل جانا ہے۔''

اس کے منہ سے الفاظ نکلے اور جیسے یہ الفاظ اس کا ارادہ بن گئے ہوں۔ اپنی ہی کہی ہوئی بات کو رَد کرنے کا وصلہ اس میں اس وقت نہیں تھا۔ اس جذبے میں جو نفرت سے تعبیر تھا، اتنی قوت نہیں تھی جتنی کہ اس اُمید میں تھی جو اچانک اس کے دل میں جاگ گئی تھی۔

''کون سے ہاسپٹل سر......؟''

''ہاں......! وہ ادھر چلو، شہید ملت روڈ، میں تمہیں بتاتا ہوں۔''

وہاج اسی طرح اُلجھے اُلجھے انداز میں بولا اور اپنے شل ہوتے ہوئے دماغ کو سنبھالنے کے جتن کرنے لگا۔ اگرچہ دو خیال میں سے ایک واضح تھا لیکن غالب آنے والا خیال بھی اس کے لئے باعثِ تسلی نہیں تھا۔ لیکن اندر سے ایک تجسس، ایک اُمنگ اس کے اندر بیدار ضرور ہوئی تھی۔ وہ خود کوری ٹیسٹ کے لئے ذہنی طور پر تیار کرنے لگا۔ آج اس کا ٹیسٹ ہونا تھا، پھر رپورٹ آنے کا جان لیوا انتظار تھا اور وہ فیصلہ جو وہ گھر سے کرکے نکلا تھا، وہ التواء میں چلا گیا۔ اس وقت تک جب تک کہ ری ٹیسٹ رپورٹ نہ آجاتی۔ بہرحال اتنا تو ہوا کہ ایک خیال پر قائم ہونے سے وہ خود کو بہتر محسوس کرنے لگا۔ آندھیوں کے جھکڑ اب تھم تھم کر چل رہے تھے۔

☆......☆......☆

دولت خان گہری نیند سو رہا تھا اور اس کے کمرے سے باہر انعم بڑی بے قراری سے ٹہل رہی تھی۔ جانے کیوں آج بہت بے چینی تھی......؟ وہ جیسے اس سونے کے پنجرے میں پھڑ پھڑا رہی تھی۔ ٹہلتے ٹہلتے بہرحال وہ ایک خیال پر جم گئی اور اس خیال کے عمل درآمد کے لئے اس نے دولت خان کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ چند لمحے اپنی تسلی کی کہ واقعی دولت خان گہری نیند سو رہا ہے، یوں بھی دولت خان کو نیند کی گولی کھانے کے بعد ہوش نہیں رہتا تھا۔ چند دنوں میں انعم یہاں کے سارے معمولات اچھی طرح جان چکی تھی اور سمجھ چکی تھی۔ وہ چوروں کی طرح کمرے میں داخل ہوئی، اِدھر اُدھر نظر دوڑائی، وہ دولت خان کی کار کی چابی تلاش کر رہی تھی جو اسے نظر آگئی۔ دولت خان کے بیڈ کے سرہانے خوب صورت سی رنگ میں کار کی چابی اسے اپنی طرف کھینچنے لگی، مگر وہ بہت محتاط انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر بڑی آہستگی سے چابی مٹھی میں دبا لی اور سوئے ہوئے دولت خان پر نظر ڈال کر اسی طرح دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل گئی۔

کمرے سے باہر آکر اس کے چہرے پر عجیب سی ایک خوشی کی کیفیت جھلکنے لگی۔ وہ بڑے لگاؤ سے اپنے ہاتھ پر چمکتی کار کی چابی دیکھ رہی تھی جیسے وہ کار کی چابی نہ ہو، آزادی کا پیغام ہو۔ وہ اپنے خیال میں گم ایک طرح سے جھومتی ہوئی گیٹ تک آئی جہاں دولت خان کی لگژری کار کھڑی تھی۔ انعم نے ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ چابی سے

ھلوا۔ کھٹ کی آواز پیدا ہوئی اور اسی وقت گارڈ نے کیبن سے سر نکال کر جھانکا، جیسے ہی اس کی نظر انعم پر پڑی، وہ تیر کی طرح انعم کے پاس آیا۔

''میم صاحب......! آپ گاڑی لے کر کدھر جاتا ہے......؟''

''تم سے مطلب......؟ میں تمہیں جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔''

''لیکن میم صاحب......! آپ صاحب کے پرمیشن کے بغیر گھر سے باہر نہیں جاسکتی۔ آرڈر نہیں ہے۔''

انعم اب ایک دم سنبھل گئی۔ اب اسے اندازہ ہوا کہ واقعی وہ ایک قیدی ہے، ابھی تک تو وہ یہ سوچ رہی تھی اور اس سوچ کی وجہ سے ہی اپنے آپ کو بہلاتی رہتی تھی کہ جب بھی اسے موقع ملا، وہ یہاں سے نکل جائے گی۔ ایک دم اسے ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے اپنے سیدھے ہاتھ سے سر تھام لیا۔

''میرا بی پی شوٹ کر رہا ہے۔ میں ہائی بی پی کی پیشنٹ ہوں۔ مجھے اس وقت ہر صورت ڈاکٹر کو دکھانا ہے۔''

''آپ کے پاس جو بھی میڈیسن ہے، وہ آپ استعمال کرو۔ ہم گیٹ نہیں کھول سکتا۔ ہمارا نوکری جاتا ہے۔''

گارڈ نے کسی روبوٹ کی طرح سرد اور بے مروّت لہجے میں جواب دیا۔

''میری میڈیسن بھی تو ختم ہو چکی ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے۔''

انعم اب زِچ ہو کر بولی۔

''سوری میم......! آپ صاحب سے بات کرو، وہ بولتا ہے تو ہم گیٹ کھول دیتے ہیں۔ ہمارے کو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

''تمہیں پتا ہے صاحب نیند کی گولی کھا کر سوتے ہیں اور ان کو اُٹھایا نہیں جاسکتا۔''

''تو پھر میم......! ہمارے کو معاف کرو، ہم بھی گیٹ نہیں کھول سکتا۔ آپ ایسا کرو، صاحب کا میڈیسن دیکھو، شاید آپ کا مطلب کا ٹیبلٹ مل جائے۔''

انعم نے گارڈ کی بات سن کر مایوسی کی کیفیت میں کار کے دروازے سے چابی کھینچ کر نکالی اور تھکے تھکے نڈھال انداز میں واپس لاؤنج کی طرف بڑھی۔ وہ چند قدم آگے بڑھی تھی کہ سامنے رکھے فون سیٹ پر رِنگ ہونے لگی۔ اس نے چونک کر گھڑی کی سمت دیکھا، رات کے دو بج رہے تھے۔ اسے پتا تھا کہ دولت خان سونے سے پہلے اپنے روم میں فون سیٹ کا پلگ نکال دیتا ہے۔ اس لئے اسے پتا نہیں چل سکتا کہ باہر کوئی کال آئی ہے یا فون کی گھنٹی بجی ہے۔ جبکہ ابھی تک دولت خان کا کوئی ایسا رشتے دار بھی کنفرم نہیں ہوا تھا جو ایسے بے وقت اس کو فون کرتا۔ اس نے اُلجھے اُلجھے انداز میں ریسیور اُٹھا لیا اور بہت محتاط انداز میں ''ہیلو'' کہا۔ دوسری طرف سے عابد کی آواز اُبھری تھی۔

''انعم صاحبہ......! ہم ایسے کھیل نہیں کھیلتے جس میں ہماری ہار ہوئی ہو۔ تمہاری ایک پیاری سی معصوم سی بیٹی ہے، کیا تم اسے بھی بھول جاتی ہو......؟ کیسی ماں ہو تم......؟

''تم......؟ تم نے اس وقت مجھے کیوں فون کیا ہے......؟''

انعم کی سمجھ میں خاک نہیں آیا۔

''اور یہ میری بیٹی کا ذکر کیوں کر رہے ہو......؟''

بہرحال وہ ماں تو تھی، بیٹی کا ذکر ہونے کے ساتھ ہی اور وہ بھی دھمکی آمیز انداز میں، دل بڑے زور سے دھڑکا تھا اور اس نے عابد سے سوال کیا تھا۔

''زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش مت کرو۔ سادہ سی بات بھی سمجھ میں نہیں آ رہی......؟ یہ گارڈ ہمیں پل پل کی رپورٹ دیتا ہے۔ اس لئے کہ ہماری کمائی میں اس کا بھی حصہ ہے۔ بہرحال تم اسے نہیں خرید سکتی۔ کیونکہ جس دن تم نے اسے خرید لیا، دولت خان اس سے نمٹ لے گا اور تم سے بھی۔ دیکھو، ابھی تم فائدے میں ہو۔ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مت مارو۔ بہت خواری ہو جائے گی۔ ہمیں تو تمہارے جیسی پھر کوئی مل جائے گی۔ آئندہ خیال رکھنا۔''

عابد نے یہ کہا اور فون بند کر دیا۔ انعم پتھر کا بُت بنی کھڑی تھی۔ وہ ہاتھ جس میں اس نے ریسیور تھاما ہوا تھا، اٹکلتا ہوا سینے تک آ گیا تھا۔ اب ریسیور کان کی بجائے اس کے سینے پر جما ہوا تھا۔ اس کے لئے حرکت کرنا محال تھی اور پلک جھپکنا بھی مشکل تھا۔

☆......☆......☆

مریم کی آنکھوں سے نیند کوسوں دُور تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے اس نوکری سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ یعنی کسی بھی وقت ریزائن کرنے کے لئے اسے تیار رہنا چاہئے۔ وہ ایک ہوش مند لڑکی تھی، اس نے اظفر کمال کی آنکھوں میں وہ خاموش پیغام پڑھ لیا تھا جس کو پڑھنے کے بعد وہ پُرسکون رہ ہی نہیں سکتی تھی، اس لئے کہ اس کا اظفر کمال کا سات آٹھ گھنٹے کا آمنا سامنا تھا، رابطہ تھا۔ اسے ایک دم خیال آیا کہ شاید اظفر کمال نے اس کے ڈاکومنٹس نہیں پڑھے اور انہیں علم نہیں ہے کہ وہ شادی شدہ ہے۔ یہ خیال آتے ہی جیسے سارا بوجھ ہی اُتر گیا۔

''میں کل ہی انہیں کسی بھی طرح سے بتا دوں گی کہ میں صرف شادی شدہ ہی نہیں ہوں، بچے کی ماں بھی بننے والی ہوں۔ اوہ......!''

یہاں تک سوچ کر اس نے نہ صرف دیر تک رُکی ہوئی سانس خارج کی بلکہ اپنا سر بھی پیٹ لیا کہ اسے اظفر کمال کے ساتھ ڈنر کرتے ہوئے یہ خیال کیوں نہیں آ گیا......؟ اسی وقت ہی معاملہ صاف ہو جاتا بلکہ شاید میں ان کے تاثرات کو اس وقت بیٹھی سوچ رہی ہوتی اور انجوائے کر رہی ہوتی۔ اس نے گھڑی کی سمت دیکھا۔ دو بج چکے تھے بلکہ ڈھائی بجنے والے تھے۔ اسے افسوس ہوا کہ اس نے فضول کی پریشانی میں اپنے اتنے گھنٹے قربان کر دیئے۔ لیکن اظفر کمال کی معنی خیز باتوں نے اس کے ذہن کو اس طرح سے اُلجھا دیا تھا کہ وہ کسی اور سمت میں سوچ ہی نہیں پا رہی تھی۔ اب وہ اپنے بیڈ پر دراز ہوگئی اور ہاتھ کھول کر دونوں طرف پھیلا لئے۔ وہ بالکل چت لیٹی ہوئی تھی۔ ہاتھ اُٹھاتے ہی اسے ایک خیال ناگ کی طرح ڈسنے لگا۔ پھیلا ہوا ہاتھ اس جہازی سائز بیڈ پر کسی کی غیر موجودگی کا

احساس دلا رہا تھا۔ اس نے جھٹ اپنے دونوں ہاتھ سمیٹ کر سینے پر رکھ لئے۔ اذیت کی ایک لہر اس کا جگر پار کرتی ہوئی گزر گئی۔

☆......☆......☆

''اگر تم نے شادی ہی کرنا ہے تو میرے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کیا ہوگی......؟ میں تو خود دن رات کُڑھتی ہوں کہ میری نازوں کی پالی بیٹی ہر وقت گندے مریضوں کی دیکھ بھال کر رہی ہے، ڈیوٹیاں بھگتا رہی ہے۔ رشتہ بہت زبردست ہے۔ تم بس مجھے بات کرنے کا موقع نہیں دے رہی تھی ورنہ میں یہ سوچ رہی تھی کہ موقع ملے اور میں تمہیں اعتماد میں لوں، تمہیں اپنی ماں پر بھروسہ کرنا چاہئے، ماں جو کچھ تمہارے لئے سوچے گی، تمہارا بھلا ہی سوچے گی۔''

''ماما......! مجھے آپ کے لائے ہوئے کسی پرپوزل پر کوئی ڈِسکس نہیں کرنا۔''

اُجالا نے ماں کا منشاء سمجھ کر فوراً ہی ٹکڑا توڑ جواب دے دیا تھا۔ بلکہ اس کا موڈ سخت خراب ہوگیا تھا۔ وہ اپنی بات کرنا چاہتی تھی۔ ماں اپنی بات لے کر بیٹھ گئی تھی۔

''کیوں ڈِسکس نہیں کرنا ہے......؟ ارے......! تم میری اولاد ہو، دن رات مجھے تمہاری فکر رہتی ہے۔''

''ماما......! مجھے پتا ہے کہ آپ میری ماں ہیں اور آپ کو میری فکر بھی رہتی ہے۔ لیکن ماما......! میں بکاؤ مال نہیں ہوں۔ آپ کی طرف سے جو بھی پرپوزل آئے گا، وہ میری قیمت ادا کرے گا، میرے دام چکائے گا۔ میں اس کی بیوی نہیں، زرخرید بن کر یہاں سے جاؤں گی، اور مجھے نہیں بکنا۔ میں ایک انسان ہوں، شادی ہر انسان کا ایک ذاتی معاملہ ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کے ماں باپ کا بھی اس میں کوئی حق نہیں جتنا کہ وہ اپنی اولاد کی شادیوں کے فیصلے خود کرے۔''

اُجالا نے مارے غصے کے آخر صاف صاف بات کرنے کی ٹھان ہی لی۔ جس بات سے بچنے کے لئے وہ ہاسپٹل پہنچی تھی، وہی بات گھوم پھر کر اس کے سامنے آ رہی تھی۔ ماں آج ایک خریدار کی بات کر رہی تھی اور اس کے انکار کے بعد اس نے کسی دوسرے خریدار کا ذکر کرنا تھا اور وہ اس سلسلے کو آگے بڑھتا ہوا دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

''بیٹا......! جب اولاد کم عمر ہو، اس کو اپنے اچھے برے کی تمیز نہ ہو تو ماں باپ اس کے بارے میں فکرمند ہو کر کوئی اچھا ہی فیصلہ کرتے ہیں، جس میں دُور تک اس کی بھلائی سوچ رہے ہوتے ہیں۔''

میڈم شعلہ نے پہلی مرتبہ اُجالا کو ہتھے سے اُکھڑتے ہوئے دیکھا تو انہیں اُجالا کی طرف سے کھلم کھلا بغاوت کی بُو آنے لگی۔ انہوں نے سگریٹ کیس سے سگریٹ نکالتے ہوئے فوراً پینترا ہی بدل لیا تھا۔

''دیکھو بیٹا......! بہت کچھ سمجھ رہی ہوں میں، لیکن تمہیں معلوم نہیں، ایماندار سرکاری افسروں کی یہ ظاہری لش پش ہوتی ہے، دِکھاوے کے ٹھاٹ باٹ ہوتے ہیں، ان کے اکاؤنٹ خالی ہوتے ہیں اور جب یہ اپنی عمر، اپنی توانائیاں، اپنا وقت لُٹا کر ریٹائرڈ ہوتے ہیں تو بالکل خالی ہوتے ہیں۔ کسی کی قسمت میں کوئی پلاٹ آجائے تو وہ الگ بات، بڑھاپے میں خواری ہی خواری، کچھ نہیں ہوتا ان کے پلے۔''

میڈم شعلہ نے سگریٹ سلگاتے ہوئے بیٹی کو بڑی دل سوزی سے سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن اُجالا پر چنداں اثر نہیں ہوا۔ اس کی پیشانی پر اسی طرح بل پڑے ہوئے تھے۔ وہ تو ماں کے سامنے جیسے طے کر کے بیٹھی تھی کہ جیسے ماں کی بات سننا ہی نہیں، ماننا تو دُور کی بات۔

''تو ماما......! اتنی ساری دولت کا میں نے کرنا بھی کیا ہے......؟ اگر مجھے زندگی میں سچی محبت اور پُرسکون ماحول ملتا ہے، یہ بھی تو میری بہت بڑی خوش قسمتی ہے، اور ماحول بھی وہ جو میرا من چاہا ہو۔ آپ میری خوشی کو اہمیت دینے کی بجائے دولت کو اہمیت کیوں دے رہی ہیں......؟ وہ جو جتنا آپ کے پاس ہے، وہ کیا کم ہے......؟ دس خاندانوں کی دس نسلیں پل سکتی ہیں اس میں۔''

اُجالا نے اسی طرح خفا خفا انداز میں بات کی۔

''ارے بیٹی......! عقل پہ پتھر پڑے ہیں تمہارے۔ دولت بھی کبھی زیادہ ہوئی ہے......؟ اور وہ بھی ہم جیسوں کی، جنہوں نے بیٹھ کر بس کھانا ہی ہے......؟ ہمارے کون سا بیٹے ہیں جو ہمیں بڑھاپے میں کمائیاں کھلائیں گے......؟ بے وقوف ناں ہو تو......! بہرحال میں ایک شادی شدہ آدمی سے اپنی کنواری بچی کی شادی ہرگز ہرگز نہیں کر سکتی۔''

''اور وہ جو آپ کو کوئی ایسا کنوارہ مل جائے جو آپ کی بچی کو، تو آپ صرف اس وجہ سے مجھے مجبور کریں گی کہ میں اسی کے ساتھ رہوں کیونکہ وہ کنوارہ تھا، جس سے میری شادی ہوئی تھی، کوئی گارنٹی ہے آپ کے پاس کہ آپ کے لائے ہوئے کنوارے رشتے سے مجھے عمر بھر کی خوشیاں مل جائیں گی......؟''

میڈم شعلہ، اُجالا کی مضبوط دلیل سن کر ہکا بکا اس کی شکل دیکھنے لگیں۔ ان کے تو اوسان وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کی بیٹی اتنا آگے جا چکی ہے اور اتنی مضبوط ہو کر بیٹھی ہے کہ ان کی کوئی بات اس پر اثر نہیں کر سکے گی۔

''دیکھو، بات خوشیوں کی ہے تو سن لو۔ خالی پیٹ کوئی خوشی خوشی نہیں ہوتی۔ پاس ٹکا ہوتا ہے تو خوشیاں منانے کا موقع بھی ملتا ہے۔ کیا اتنا ہے ناصر کے پاس کہ میں سکون سے زندگی گزار سکوں......؟''

''دولت مندوں کی طرح نہیں، صرف عزت داروں کی طرح ہی سہی......!''

اُجالا نے اتنی دیر کی بحث میں پہلی دفعہ اعلانیہ ناصر کا نام لیا۔ میڈم شعلہ سگریٹ کا کش لگانا بھول گئیں۔ ان کی بیٹی تو فیصلہ کر کے ان کے سامنے بیٹھی تھی، مگر وہ بھی کوئی ہار ماننے والی آسامی نہیں تھیں۔ انہوں نے جھک کر ایش ٹرے میں راکھ جھاڑی۔ پھر ایک لمبا کش لگا کر دُھواں اُڑانے لگیں۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کے ذہن کی مشین بڑی تیزی سے چل رہی ہے۔

''اگر میں تمہیں ناصر سے شادی کرنے کی اجازت نہ دوں تو......؟''

میڈم شعلہ نے کوئی نئی بات کرنے سے پہلے ایک اہم سوال اُجالا سے کیا۔

''تو کیا......؟ میں واپس ہاسپٹل چلی جاؤں گی، شادی ہی نہیں کروں گی۔''

''شادی نہیں کروگی......؟ عمر بھر ایسے ہی رہو گی کیا......؟ نن بن کر زندگی گزاروگی کیا......؟''

''ایسا ہی سمجھ لیجئے۔ مسلمان لڑکیاں بھی نن بن سکتی ہیں۔''

اور میڈم شعلہ جو ساری زندگی اس طرح سے گزارتی چلی آ رہی تھیں کہ مذہب بس ان کی زندگی میں سال میں ایک آدھ بار ہی جھلکتا تھا، جس سے دوسروں کو پتا چل جاتا تھا کہ وہ کلمہ بھی پڑھتی ہیں۔

''اور ماما......! آپ میری اس بات کو بالکل سیریس لیں۔ میں آپ کو بالکل سچ سچ کہہ رہی ہوں کہ یہاں سے ہاسپٹل جاتے ہوئے میں نے کبھی غلطی سے بھی اپنی شادی کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ بلکہ میں تو اپنے دلی اور روحانی سکون کے لئے مریضوں کی خدمت کرنے کے لئے اس گھر سے نکلی تھی۔ آپ تو شاید یہ سوچ رہی ہوں گی کہ میں وہاں کے ماحول سے تنگ آ کر واپس آپ کے پاس لوٹ آؤں گی......؟ لیکن مجھے ہاسپٹل جانے سے پہلے ہی اچھی طرح اندازہ تھا کہ مجھے کس طرح کی زندگی گزارنی ہے اور میرے دن رات وہاں کیسے گزریں گے۔ یہ فیصلہ میں نے دل سے کیا تھا، لیکن ناصر......؟ ناصر بھی ان مریضوں میں سے ایک ہے جن کو زندگی کی چمک دکھانے کے لئے میں ایک مشن لے کر گھر سے نکلی تھی۔ آپ ناصر کو بھی میرا مشن ہی سمجھئے۔ شادی اس کے بعد کی بات ہے، میری وجہ سے کوئی ٹوٹا ہوا، بکھرنے سے بچ سکتا ہے، سنبھل سکتا ہے، تبھی میں سمجھوں گی کہ میری زندگی بہت کارآمد ہے۔ شادی مجھے ناصر ہی سے کرنا ہے، آدروائز کسی اور سے نہیں، کسی سے بھی نہیں۔ میں بکوں گی نہیں، میں اپنی قیمت طے کرنے والوں کے منہ پر تھوکوں گی، ان کو سراہوں گی نہیں۔''

اُجالا نے اتنا کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''سوری ماما......! میں آپ کے فیصلوں کے ساتھ نہیں ہوں، لیکن یہ میری مجبوری ہے۔ اگر میں آپ کے فیصلوں کے ساتھ چلوں گی تو بہت جلد ڈیپریشن کی مریضہ بن جاؤں گی اور خودکشی کرلوں گی۔''

اُجالا کے انداز میں دھمکی نہیں تھی، لیکن بات دھمکی سے کم نہیں تھی۔ میڈم شعلہ کا تو منہ جیسے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ایسی ہیرے موتی جیسی قیمتی بیٹی جس کے سامنے بڑے بڑے رئیس سر جھکانے کو تیار تھے، وہ ایک ذہنی مریض سے شادی کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اُجالا جا رہی تھی اور میڈم شعلہ کا دل ڈوب رہا تھا۔

☆......☆......☆

شہلا کو کوئی اندازہ نہیں تھا کہ اس کا بھائی زندگی کی تلاش میں نئے راستے کی طرف چل پڑا ہے۔ ناصر نے ابھی شہلا سے اُجالا کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی اور شہلا تو اس ادھیڑ بن میں تھی کہ وہ موقع ملتے ہی انعم سے بات کرے، اسے سمجھائے، اس کو اس کی معصوم چھوٹی سی بیٹی کا واسطہ دے۔ ناصر آفس کے لئے جیسے ہی نکلا، شہلا نے موقع غنیمت جانا، کیونکہ اس کی سیٹ آج کل میں ہی کنفرم ہوسکتی تھی۔ اس نے سلمٰی بیگم کے گھر کا نمبر ڈائل کیا اور اپنے ذہن میں وہ جملے ترتیب دینے لگی جو انعم سے کہنا تھے۔ دو تین رنگ ہونے کے بعد اس کی کال اٹینڈ ہوگئی۔ فون ریسیو کرنے والے بشر علی تھے۔ شہلا ان کی آواز سن کر تھوڑی سی اُلجھی۔ وہ فوراً پہچان نہیں پا رہی تھی اور یوں بھی اس کے ذہن میں تھا کہ مریم اور انعم کے نانا بھی ہیں جو امریکہ میں ہوتے ہیں، اس لئے اس کا ذہن بشر علی کی طرف نہیں گیا۔

"ہیلو......! السلام علیکم......!"

شہلا نے محتاط انداز میں بات شروع کی۔

"وعلیکم السلام......!"

بشر علی کی آواز ائیر پیس میں اُبھری۔

"سوری......! میں نے سلمیٰ بیگم کے گھر فون ملایا ہے، میں آپ کو پہچانی نہیں۔"

شہلا نے اسی طرح محتاط انداز میں بات کی۔

"آپ کون بات کر رہی ہیں......؟"

بشر علی نے اُلٹا اسی سے پوچھ لیا۔

"جی میں ناصر کی بڑی بہن شہلا بات کر رہی ہوں۔"

بشر علی فوراً پہچان گئے۔

"اوہو......!"

ان کے منہ سے بے ساختہ خوشی کا اظہار ہوا۔

"شہلا......! کیسی ہو بیٹا آپ......؟ کیا پاکستان آئی ہوئی ہو......؟ آپ تو غالباً یو ایس یا کینیڈا میں سیٹل ہو ناں......؟"

"جی جی......! وہ میں آئی ہوئی ہوں۔ ایکچوئلی آپ کو تو پتا ہی ہوگا کہ ناصر کی طبیعت کتنی خراب ہوگئی تھی۔ سلمیٰ آنٹی اور فیاض انکل نے آکر جس طرح سے ہمارا ساتھ دیا اور خیال رکھا، اتنے دن بیبہ کو اپنے ساتھ رکھا، میں ہمیشہ ان کی شکر گزار رہوں گی۔"

"ارے نہیں بیٹا......! اس میں شکر گزاری کی کیا بات ہے......؟ اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔ ناصر ہمارا بچہ ہے، ہم اس کے کام آئیں گے تو گویا اس پہ احسان تھوڑی کریں گے۔"

"بہت شکریہ نانا جان......! آپ کی بات سن کر بہت ڈھارس ملی ہے مجھے۔ میں نے تو بہت پریشانی ہی میں فون کیا تھا، لیکن آپ کی باتوں سے ایک اُمید سی پیدا ہوگئی ہے۔"

وہ اب بشر علی کو پہچان چکی تھی۔

"کیسی اُمید بیٹا......؟"

بشر علی اُلجھ گئے۔ وہ شہلا کی بات نہیں سمجھ پا رہے تھے۔

"آپ تو ظاہر ہے، گھر کے فرد ہیں اور ایک طرح سے دیکھا جائے تو گھر کے سربراہ ہی آپ ہیں، کیونکہ آپ بڑے ہیں، آپ کو تو سب کچھ پتا ہی ہوگا۔ میں آپ سے ریکویسٹ کروں گی کہ گھر کے بڑے ہونے کے ناطے بلکہ ہم سب کے بزرگ ہونے کے ناطے آپ انعم کو سمجھائیں۔ دیکھیں نانا جان......! گھر بہت مشکل سے بنتے ہیں اور ٹوٹنے میں ایک لحہ بھی نہیں لگتا۔"

شہلا اپنی دُھن میں بولے جارہی تھی۔ بشر علی کے اندر فکر اور تشویش کی لہریں اُٹھ رہی تھیں۔

''اچھا اچھا......! تو اس کا مطلب ہے، انعم نے پھر کوئی حرکت کی ہے......؟ ناصر سے جھگڑا وگڑا کیا ہے کیا......؟ میں اس سے بات کرتا ہوں، بلکہ تم اس سے کہو کہ وہ مجھے فون کرے۔''

''جی......؟ میں نے تو اس لئے فون کیا ہے کہ میں انعم سے خود بات کروں، اور آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ انعم کے لئے...... میں کچھ سمجھی نہیں۔''

شہلا بڑی حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''کیا مطلب بیٹا......؟ آپ میری بات نہیں سمجھ رہی ہو، میں آپ کی بات نہیں سمجھ رہا۔ میں نے تو بہت سادہ سی بات کی ہے کہ انعم سے کہو، اپنے نانا سے بات کرے۔''

''لیکن نانا جان......! انعم ہمارے گھر میں تو نہیں ہے جو میں آپ کی اس سے بات کرداؤں۔ وہ تو آپ ہی کے پاس ہے، میرا مطلب ہے، سلمٰی آنٹی کے پاس ہے۔''

''کیا کہہ رہی ہو بیٹا......؟ سلمٰی کے پاس ہوتی تو مجھ سے بھی بات چیت رہتی، وہ ناصر سے لڑکر یہاں تو نہیں آئی۔''

''جی......؟''

اب شہلا کے سامنے ساتوں آسمان گول گول گھومنے لگے۔

''وہ تو ناصر کو کب کا چھوڑ چکی ہے، کب کا چھوڑ کر جا چکی ہے۔ اسی وجہ سے تو ناصر نے اپنی ٹرانسفر اسلام آباد کرائی تھی۔ شاید یہ بات سلمٰی آنٹی نے آپ کو نہیں بتائی۔ بھلا ناصر کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ کراچی چھوڑ کر یہاں آتا......؟ انعم نے تو اپنی طرف سے ناصر سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ ناصر کی بہت بری حالت ہوگئی تھی۔ اسلام آباد آنے کے بعد کئی دن وہ ہسپتال رہا۔ لیکن شکر ہے، اب وہ کافی بہتر ہے اور آفس بھی جانے لگا ہے۔ بہت ہمت سے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا ہے۔ انعم کو اب یہ بچپنے والی حرکتیں چھوڑ دینا چاہئیں نانا جان......! اس لئے کہ اب اس کے ساتھ ایک بیٹی بھی ہے، اور آپ کو تو پتا ہے کہ لڑکیوں کو بڑا ہوتے دیر ہی کتنی لگتی ہے......؟ دیکھتے ہی دیکھتے بڑی ہو جاتی ہیں۔ اب اسے اپنی بیٹی کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ لیکن آپ نے تو اُلٹا مجھے پریشان کر دیا ہے۔ لگتا ہے آپ کو تو کچھ بھی پتا نہیں ہے۔''

شہلا اپنی دُھن میں بولے چلی جارہی تھی اور بشر علی جو دل کے مریض تھے، اس قیامت کی طرح ٹوٹ پڑنے والے انکشاف پر اپنا دل پکڑ کر رہ گئے۔ شہلا بول رہی تھی مگر ان میں شہلا کی بات کے جواب دینے کی بالکل سکت نہیں تھی۔ ان کو یوں لگ رہا تھا جیسے قوتِ حیات ان کے جسم سے نکل رہی ہو اور وہ آخری بار دُنیا کو دیکھ رہے ہوں۔ وہ بولنا چاہتے تھے، وہ بات کرنا چاہتے تھے، لیکن ان کی قوتِ ارادی صفر ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ جب شہلا کی دو تین دفعہ ''ہیلو، ہیلو'' کی آواز اُبھری تو وہ صوفے پر گر چکے تھے اور ریسیور کریڈل سے جھول رہا تھا۔ انا بی جو دُور کھڑی ملازم کو آوازیں دے رہی تھیں، ان کی نظر بے اختیار گرتے ہوئے بشر علی پر اچانک پڑ چکی تھی۔ وہ زور سے

چیخیں مارتی ہوئی ان کے قریب آئی تھیں۔
''شیخ صاحب......! شیخ صاحب......! کیا ہوا آپ کو......؟ آپ کو کیا ہوا ہے......؟''
دوسری طرف شہلا، انا بی کی حواس باختہ سی آواز اپنے کانوں میں سن رہی تھیں۔اس کی تو خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے......؟ انا بی نے بشر علی کو جھنجوڑتے ہوئے پوچھا۔
''شیخ صاحب......! کس کا فون تھا......؟''
شہلا نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کوئی فون کے قریب ہے۔اس نے دو تین بار ''ہیلو'' ، ''ہیلو'' کہا کہ کوئی ریسیور اُٹھائے اور اس کی بات ہو جائے اور بہت سی اُلجھنیں دُور ہو جائیں۔سلمٰی ہی اُٹھا لیں، یا فیاض اُٹھا لیں اور اس کو اس بھور سے نکالیں۔بالآخر انا بی نے سہمے ہوئے ہاتھوں سے ریسیور کان سے لگایا۔
''ہیلو......! کون بات کر رہے تھے......؟ کس کی بات ہو رہی تھی شیخ صاحب سے......؟ ارے......! وہ بے ہوش ہو گئے ہیں۔ایسا کیا کہہ دیا......؟ کون ہیں......؟''
وہ حواس باختہ سی اُلٹا سیدھا بولنے لگیں۔شہلا یہ سن کر کہ بشر علی بے ہوش ہو گئے ہیں، پہلے سے کہیں زیادہ پریشان ہو گئی۔اس کے تو اپنے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔
''کوئی نہیں، وہ میں اسلام آباد سے بات کر رہی تھی۔شہلا نام ہے میرا۔میں انعم کے ہز بینڈ ناصر کی بڑی بہن ہوں۔آپ کون بات کر رہی ہیں......؟''
وہ گھبراہٹ میں جلدی جلدی بول رہی تھی۔
''ارے بی بی......! آپ نے شیخ صاحب کو کیوں فون کیا......؟ آپ نے کوئی انعم کی بات تو نہیں کر ڈالی شیخ صاحب سے......؟''
انا بی کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے بلکہ ان کے تو پورے جسم پر جیسے کپکپی طاری ہو گئی، پسینے چھوٹ رہے تھے۔
''جی جی......! میں انعم کے نانا جان سے ہی بات کر رہی تھی۔اصل میں مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ وہ......''
''آئے ہائے......! بی بی......! یہ کیا قیامت برپا کر دی......؟ وہ تو پہلے ہی دل کے مریض ہیں۔ارے......! آپ نے تو گھر بھر کو مشکل میں ڈال دیا۔ارے بی بی......! پہلے سلمٰی سے تو کچھ کہہ سن لیتی۔ارے خدا حافظ......! میں بلاتی ہوں کسی کو، شیخ صاحب تو بالکل ٹھنڈے نظر آ رہے ہیں۔میرے منہ میں خاک......!''
یہ کہہ کر انا بی نے دھاڑ کر ریسیور رکھ دیا اور لشتم پشتم سلمٰی بیگم کو پکارتی ہوئی زینے کی طرف دوڑیں۔
''ارے سلمٰی......! ادھر تو آؤ، دیکھو کیا ہو گیا ہے......؟ ارے......! شیخ صاحب گرے پڑے ہیں۔کوئی ہے جوان کو سنبھالے آ کر......؟ ارے......! ہسپتال لے کر جاؤ انہیں۔''
وہ وہیں سے کھڑے ہو کر شور مچا رہی تھیں۔سلمٰی بیگم نے اپنے کمرے میں انا بی کی یہ چیخ و پکار سنی تو وہ دیوانہ وار نکل کر باہر بھاگیں۔فرح جو کچن کی طرف بڑھ رہی تھی، انا بی کی چیخ و پکار سن کر سارے کام بھول گئیں۔اب

تینوں مل کر شیخ صاحب کو سنبھال رہی تھیں، صوفے پر ٹھیک سے لٹانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''یااللہ......! حماد بھی گھر پر نہیں ہے اور فیاض بھی نہیں ہے۔ ڈرائیور بھی کہیں گیا ہوا تھا، دیکھو، آیا کہ نہیں......؟ نوکر کو بلاؤ، کہو پاپا کو اُٹھائے، گاڑی میں ڈالے۔ کیا ہو گیا میرے پاپا کو......؟''

سلمیٰ بیگم تو اتنی زیادہ بدحواس تھیں کہ وہ خود کہیں تھیں اور ان کی ساڑھی کا آنچل کہیں تھا اور وہ اپنے بوڑھے باپ کو اپنی طاقت سے زیادہ قوت صرف کر کے کھینچ کر اُٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ فرح ایک دم باہر کی طرف بھاگی ڈرائیور کو دیکھنے کے لئے۔ شیخ صاحب، سلمیٰ بیگم کی بانہوں میں ریت کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

''بڑی اماں......! میں بابا کا علاج کراؤں گی شہر میں۔ بابا کو دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے کہ میرا باپ اتنی بے بسی کی زندگی گزار رہا تھا اور ہم نے اپنے باپ کے ساتھ ہی کیا سلوک کیا......؟ ایک گناہ کا احساس اور ضمیر پر بہت بوجھ ہے۔''

''لیکن بیٹا......! تو اس حال میں اس بوڑھے اپاہج کو کہاں کھینچے پھرے گی......؟ تو اپنی حالت تو دیکھ۔''

زبیدہ خاتون نے علینہ کو سمجھایا۔

''کوئی بات نہیں بڑی اماں......! دُنیا کے سارے کام چلتے رہتے ہیں۔ میرا باپ معذور ہے، میں تو نہیں۔''

''بیٹا......! ان دنوں میں عورت کو بہت احتیاط کرنا چاہئے۔ تیرے اوپر تو پہلے ہی مصیبت پڑی ہوئی ہے، اکیلی جان پر۔''

''بڑی اماں......! یہ بھی تو ٹھیک نہیں کہ میں دن رات باپ کو دیکھ دیکھ کر کُڑھتی رہوں۔ کم از کم ایک اُمید، ایک راستہ تو ہے کہ کیا پتا، بابا علاج کے بعد ٹھیک ہو جائیں اور مجھ سے باتیں کرنے لگیں پہلے کی طرح۔ میرے بابا نے مجھے اتنا پیار دیا ہے اور آج جبکہ میں اندھیروں میں کھڑی ہوں تو مجھے احساس ہو رہا ہے دُنیا میں سب سے زیادہ مجھے میرے باپ نے ہی رعایت دی اور بے پناہ پیار دیا۔''

''بیٹا......! تو عارف سے بات کر لے۔ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مجھے تو گاؤں اور گاؤں کے دھندوں سے ہی فرصت نہیں ملتی جو میں تیرے باپ کو لے کر شہر میں بیٹھ جاتی۔''

''آپ اس کی فکر نہ کریں۔''

علینہ نے فوراً جواب دیا۔

''ہاں تو بیٹا......! اگر تیری ماں اور عارف تجھے اجازت دے دیتے ہیں تو میں کون ہوتی ہوں منع کرنے والی......؟ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ تیرے پورے دن ہیں۔ کہیں کسی بے احتیاطی کی وجہ سے کوئی نقصان نہ ہو جائے۔''

''بڑی اماں......! میں ایسے ہاسپٹل میں بابا کو لے جاؤں گی، جہاں میں خود بھی رہ سکوں اور میری بھی دیکھ

بھال ہوتی رہے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

علینہ نے بجھے بجھے انداز میں کہا۔ گاؤں کی تنہائی میں اور معذور باپ کو دیکھ دیکھ کر وہ شدید ڈیپریشن کا شکار ہوگئی تھی اور وہ کون سا خوشیوں بھرا احساس لے کر گاؤں آئی تھی جو یہاں کی ویرانی اور تنہائی برداشت کر لیتی......؟ اتنی بڑی حویلی میں صرف تین جانیں، ایک وہ، ایک اس کا باپ اور اس کی بڑی اماں۔ نوکر چاکر تو کونوں کھدروں میں اپنے کاموں میں لگے رہتے تھے۔ ان کی تو آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی اور علینہ کا اس وحشت ناک تنہائی میں کچھ کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ بس مر جانے کو دل چاہتا تھا۔ وہ ابھی تک سنبھل نہیں پائی تھی۔ وہاج کی شک اور عدیل کے دھوکے نے اس کی ذہنی حالت بری طرح تباہ کر دی تھی۔ اس کی بڑی اماں بہت شفیق اور مہربان عورت تھی۔ وہ روایتی سوتیلی ماں نہیں تھی اور علینہ کو کبھی بھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ وہ اس کی سگی ماں نہیں ہے، وہ اس کی وجہ سے گاؤں نہیں چھوڑنا چاہتی تھی بلکہ گاؤں میں جو اس نے چند دن کاٹے تھے، وہ بڑی اماں کی صحبت ہی کی وجہ سے کٹ گئے تھے۔ زبیدہ خاتون اس کو بڑی رحم بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ اکیلی، تنہا عورت ایک معذور، اپاہج شوہر کی بیوی، اَن پڑھ، دیہاتی عورت ان کے پاس اختیار تو بہت تھے، لیکن وہ یہ سب کچھ نہیں کرسکتی تھیں۔ وہ دُکھوں کی ماری ہوئی تھیں۔ وہ اولاد کو ترسی ہوئی تھیں۔ وہ حکمت خان کے دوسری بیوی کے بچوں سے ہی اپنا دل بہلا لیتی تھیں۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھیں، انہیں علینہ پر بڑا ترس آ رہا تھا اور اب تو وہ انہیں پہلے سے بھی زیادہ پیاری لگ رہی تھی جو اس وقت باپ کی ہمدرد بن کر اس سے باتیں کر رہی تھی۔ انہوں نے علینہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"بیٹی......! تو شہر کی پڑھی ہوئی ہے۔ تجھے سب پتا ہے۔ میں ٹھہری ایک دیہاتی عورت۔ تیرے جیسی عقل میرے پاس کہاں......؟ تیرے باپ کی وجہ سے اس گاؤں کی چوہدراہٹ ہے میرے پاس، بس ان سیدھے سادھے لوگوں کے مسئلے حل کرتی ہوں۔ اللہ نے میرے لئے یہ ہی کام لکھا ہے۔ کُڑھتی تو میں بھی بہت تھی حکمت خان کو دیکھ دیکھ کر، لیکن میں کیا کرسکتی ہوں......؟ پاس کے شہر میں کئی دن ہسپتال میں داخل رہا۔ پھر یہ ہوا، پلکیں جھپکنے لگا، بات سمجھنے لگا، تیرے بھائیوں کو بھی لکھا کہ اپنے باپ کو ولایت لے جاؤ۔ کیا پتا وہاں کے ڈاکٹر اسے اچھا کر دیں۔ لیکن وہ تو اپنی دُنیا میں مگن ہیں۔ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔ بس اب تو یادیں ہی یادیں ہیں۔ ایک ماں ہوں، جو مری ہوئی اولاد نہیں بھولتی تو زندہ اولادیں کیسے بھولی جاسکتی ہیں......؟"

"بڑی اماں......! آپ بہت صبر کرنے والی ہیں۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ بلکہ میں تو آپ سے بہت شرمندہ ہوں کہ میں اپنی زندگی میں اس طرح مگن ہوگئی کہ آپ کی اور بابا کی خیر خیرت ہی معلوم کرنے کی توفیق نہیں ملی مجھے۔ شاید اسی بات کی قدرت نے مجھے سزا دی ہے۔"

علینہ افسردہ انداز میں مسکرائی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"نہیں نہیں بیٹی......! ارے معصوم بچی......! اللہ بہت مہربان ہے۔ وہ ایسے نہیں اپنے بندوں کو بات بات پہ پکڑتا۔ یہ تو ہم انسان ہیں، چھوٹے چھوٹے دل کے ہوتے ہیں، چھوٹی چھوٹی غلطیاں بھی معاف نہیں کرتے۔"

"تو بس بڑی اماں......! آپ سے مجھے یہی کہنا تھا کہ آپ مجھے اجازت دیں۔ میں بابا کو شہر لے جاؤں

اور کسی بہت اچھے ڈاکٹر سے ان کا علاج کرواؤں......؟''

''ارے بیٹی......! میری طرف سے اجازت ہے۔ مگر بیٹا......! اگر وہ تیری ماں جو تجھے پوچھتی یہاں آگئی، تو میں اس سے کیسے نمٹوں گی......؟ تو ایسا کر، پہلے فون کر کے سب کچھ اپنی ماں کو بتا دے تا کہ وہ اپنی جگہ تسلی سے بیٹھی رہے۔''

علینہ، زبیدہ خاتون کی بات سن کر ایک لمحے کے لئے سٹپٹائی، پھر کسی سوچ میں پڑ گئی۔ وہ سوچتے ہوئے انکار میں اپنی گردن ہلا رہی تھی اور زبیدہ خاتون اس کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے بڑی اماں......! میں فون کر کے اماں کو بتا دوں گی۔ آپ پریشان مت ہوئیے۔''

اس نے بے دلی سے کہا۔ زبیدہ خاتون نے پھر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''حکمت خان کی لاڈلی بیٹی......! کرے کوئی، بھرے کوئی۔''

زبیدہ خاتون بڑبڑا رہی تھیں۔

☆......☆......☆

تمام گھر والے سلمٰی بیگم اور فیاض احمد کے قریبی دوست احباب جن کا بشر علی سے تعلق تھا، بات چیت تھی، سب پہنچے ہوئے تھے۔ سلمٰی بیگم بہت نڈھال اور غم سے بے حال نظر آ رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ انہیں آس پاس کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ مریم کی حالت بھی دیوانوں سے کم نہ تھی۔ وہ وحشت زدہ سی بار بار آئی سی یو کی طرف جاتی تھی۔ اس کے پیارے نانا جان اس وقت موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ زندگی کہیں بکتی ہو تو بھاگ کر خرید لائے۔ حماد بے قراری سے ٹہلتے ہوئے بار بار ماں باپ کو تسلیاں دے رہا تھا۔ سلمٰی بیگم اس کی طرف دیکھتی تھیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی تھیں۔ مریم دُور کھڑی ہوئی تھی۔ اسے یہ ڈر تھا کہ ماں کے قریب ہوئی تو کہیں چیخیں نہ نکل جائیں اور وہ ماں سے لپٹ کر شور نہ مچائے کہ میرے نانا جان کو لاؤ، مجھے میرے نانا جان چاہئیں، میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ نہ اسے عدیل یاد تھا نہ اپنی حالت اور نہ ہی اپنا دفتر۔ اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ اس کی تو بس جیسے سوئی ایک ہی جگہ پر اٹکی ہوئی تھی کہ بس کسی طرح اس کے کانوں میں بشر علی کی آواز سنائی دے۔ وہ بہت ضبط سے کھڑی ہوئی تھی۔ فرح اس کے قریب آئی اور بڑی سنجیدگی سے سمجھانے والے انداز میں بولی۔

''مریم......! دیکھو، کھڑے کھڑے تھک جاؤ گی۔ تمہاری کنڈیشن ایسی ہے کہ بہت زیادہ بے آرامی کوئی مسئلہ پیدا کر سکتی ہے۔ تم گھر جا ریسٹ کرو، سبھی لوگ یہاں ہیں، جیسے ہی نانا جان کو ہوش آئے گا، میں تمہیں فون کر کے بلا لوں گی۔''

وہ بہت ہمدردی سے کہہ رہی تھی۔

''نہیں بھابی......! مجھے گھر جا کر بھی چین نہیں آئے گا۔ ایک سیکنڈ کے لئے بھی مجھے چین نہیں پڑے گا۔ میں یہاں نانا جان کے پاس کھڑی ہوں، پھر بھی ایزی فیل کر رہی ہوں۔''

''مریم......! اسی وجہ سے تو میں کہہ رہی ہوں، تم بچوں والی ضد کر رہی ہو۔ تمہارے دن قریب ہیں، تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ سارا دن تم آفس میں مصروف رہیں، پھر یہاں آ گئی۔ دیکھو، اتنی تو تم سمجھدار ہو ناں کہ میری بات سمجھ لو۔''

فرح کا انداز اصرار کرنے والا تھا۔ اسے واقعی تکلیف ہو رہی تھی مریم کی حالت دیکھ کر جو تھوڑی تھوڑی دیر بعد دیوار سے ٹیک لگا کر گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

''میں حماد سے کہتی ہوں، تمہیں گھر چھوڑ آئیں گے۔''

فرح نے کہا۔

''نہیں بھابی......! مجھے رہنے دیں، آپ ایسا کریں امی کو گھر بھیج دیں۔ امی تھوڑا سا ریسٹ کر لیں گی۔ امی کی حالت دیکھیں ناں آپ۔''

مریم نے ماں کی طرف جیسے بہت اذیت سے دیکھا تھا۔ سلمٰی بیگم بالکل بے خبر سی تسبیح کے دانے پر دانے گرا رہی تھیں۔ وہ آیت کریمہ کا وِرد کر رہی تھیں۔ ان کا رواں رواں خدا سے باپ کی زندگی کے لئے بھیک مانگ رہا تھا۔ مریم کی نظر اختر ماموں پر پڑی تو وہ بڑی تیزی سے ان کے قریب آئی۔

''اختر ماموں......! آپ پلیز امی کو کسی طرح گھر لے جائیں۔ دیکھیں ناں، ان کی کیا حالت ہو رہی ہے......؟ خدانخواستہ انہیں کچھ ہو گیا تو......''

''ارے بھئی......! میں تو خود اس کو کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں، مگر نہیں سنتی۔ بتاؤ، اس طرح سے بیٹھے رہنے سے کوئی کرامتیں ہو جائیں گی یا معجزے ہو جائیں گے......؟ دُعائیں تو گھر میں بیٹھ کر بھی کی جا سکتی ہیں، لیٹ کر بھی کی جا سکتی ہیں۔ میں تو خود اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو رہا ہوں۔''

اختر ماموں نے سلمٰی بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور چلتے ہوئے ان کے قریب چلے گئے۔ مریم کی ممانی سلطانہ بیگم بھی ایک طرف کھڑی ہوئی تھیں۔ اپنے ماموں کو سلمٰی بیگم کی طرف بڑھتے دیکھا تو خود بھی سلمٰی بیگم کے قریب آ گئیں۔

''سلمٰی......! تم خود بیمار پڑ جاؤ گی اور تم نے کھانا بھی نہیں کھایا، بلکہ چکھا بھی نہیں ہے۔''

''ہاں......! بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں سلمٰی......! تم تھوڑی دیر کے لئے آرام کر لو۔ اتنے گھنٹے ہو گئے ہیں تمہیں اسی طرح بیٹھے ہوئے۔''

مریم آگے بڑھی اور ماں کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

''امی......! میں ہوں ناں یہاں پر، آپ جائیں، ریسٹ کریں۔''

اس نے جھک کر سلمٰی بیگم کا ہاتھ تھام لیا۔ سلمٰی بیگم نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا۔

''تم مجھے چھوڑو مریم......! پاپا کو ہوش آتے ہی تم پر نظر پڑتے ہی پھر سے بے ہوش ہو سکتے ہیں۔ تم یہاں سے چلی جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو، پاپا ہوش میں آتے ہی پھر بے ہوش ہو جائیں۔''

''امی......! یہ کیا کہہ رہی ہی آپ......؟ مریم سے کس طرح بات کر رہی ہیں......؟ یہ مریم ہے امی......! انعم نہیں ہے۔''

''ایک ہی بات ہے۔''

سلمٰی بیگم کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔ حماد اور فرح ہکا بکا ہو کر سلمٰی بیگم کا چہرہ دیکھنے لگے۔

''امی......! کیا کہہ رہی ہیں آپ......؟ دیکھئے، آپ اتنی ریسٹ لیٹ ہیں ناں، اس لئے آپ کی یہ حالت ہو گئی ہے۔ پتا نہیں کیا کیا بولے جا رہی ہیں......؟ آپ پلیز جا کر تھوڑا سا آرام کر لیجئے، پھر آ جایئے گا۔''

''ہاں سلمٰی......! چلو کھانا نہ سہی، گھر جا کر چائے کے ساتھ کوئی بسکٹ وغیرہ ہی لے لو۔ ایسا تو نہیں کرتے ہیں ناں، بات مان لیتے ہیں۔ فیاض......! تم سلمٰی کو سہارا دے کر گاڑی تک لے کر آؤ، میں اس کو گھر چھوڑ آتا ہوں۔''

''ماموں جان......! میں چھوڑ آتا ہوں۔''

حماد نے آگے بڑھ کر اختر ماموں سے کہا۔

''ارے نہیں بیٹا......! تم جوان بندے ہو، تمہاری یہاں زیادہ ضرورت ہے۔ مریض کے پاس کوئی بھاگ دوڑ کرنے والا ہونا چاہیئے۔ میں چھوڑ آتا ہوں، شاباش......! کوئی بات نہیں، میں چھوڑ کر واپس آتا ہوں۔ چلو فیاض......!''

اختر ماموں نے فیاض احمد کو اشارہ کیا۔ سلمٰی بیگم نڈھال سے انداز میں کھڑی ہونے کی کوشش کرنے لگیں تو فیاض احمد سہارا دینے لگے۔

☆......☆......☆

انعم، دولت خان کے گھر اپنے آراستہ و پیراستہ شاندار لگژری بیڈ روم میں ایزی چیئر پر بیٹھی مسلسل دیوار کو گھورے جا رہی تھی۔ یوں کہ جیسے اسکرین پر کوئی دلچسپ منظر چل رہا ہو اور وہاں سے اس کی نظر نہ ہٹ رہی ہو۔ اس کے کانوں میں عابد کا جملہ بازگشت کی طرح گونج رہا تھا۔

''ایک پیاری سی، معصوم سی بیٹی ہے تمہاری، اس کا ہی خیال کرو۔ ایک پیاری سی، معصوم سی بیٹی، ایک پیاری سی معصوم سی بیٹی......!''

یہ بازگشت انعم کے دماغ کے جیسے پرخچے اُڑا رہی تھی۔ وہ آہستگی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''سلمان......! تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے، میں وہ کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ خدانخواستہ اگر میری بیٹی کو کچھ ہوا تو تم دیکھنا، ٹوٹ کر چاہنے والی انعم کا دوسرا رُخ کیا ہوگا......؟''

انعم نے شدتِ جذبات سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

''فون نمبر بدل سکتے ہو، گھر بدل سکتے ہو، ملک بدل سکتے ہو، چہرہ کیسے بدلو گے......؟ جس دن مجھے موقع ملا، تیزاب پھینک دوں گی تم پر۔ تم نے میری سچی محبت کا جو صلہ دیا ہے، کبھی نہیں بھولوں گی۔ ایک قرض چڑھا ہے مجھ

پر جوا تارے بغیر میں نہیں مروں گی۔"

انعم کے اندر ایک جہنم دہکنے لگا۔ وہ نیند کی گولی کھائے بغیر کسی بھی صورت سو ہی نہیں سکتی تھی اور اسے نیند کی گولی دولت خان کے بیڈ روم سے ہی ملنا تھی۔ اسے اس خیال سے ہی نئے سرے سے وحشت ہونے لگی کہ اب اسے پھر رات کے اس پہر اس بوڑھے عیاش کا چہرہ دیکھنا ہے جو مزے مزے کے کھانے کھا کر بھی نیند کی گولی کے سہارے کا محتاج تھا۔

"پورا پیٹ بھر کر بھی اسے کیوں نیند نہیں آتی......؟"

انعم سوچوں میں گم دولت خان کے بیڈ روم کی طرف بڑھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

مریم کا ساتواں مہینہ چل رہا تھا اور سات مہینے پورے ہونے میں چند دن ہی باقی تھے۔ کچھ تو اس کی اُٹھان ہی ایسی تھی، دراز قامت ہونے کی وجہ سے پیٹ پتا نہیں چلتا تھا، دوسرے یہ کہ کچھ کچھ کپڑے اس طرح کے یوز کر رہی تھی، ساتھ میں کھلے کھلے دوپٹوں کے ساتھ کہ اظفر کمال کو اندازہ بھی نہ ہو سکا کہ وہ پریگننٹ ہے۔ وہ اسی وجہ سے اپنے روم سے زیادہ نکلنے سے کتراتی تھی۔ ابھی بھی مریم کے اسسٹنٹ عاکف نے ان کے سر پر ایک بم دے مارا تھا۔ وہ تو ابھی نئے سفر میں دو قدم ہی چلے تھے کہ منزل گم ہوگئی اور قدم اُٹھانے کا حوصلہ جواب دے گیا۔ ان کی سمجھ میں واقعی کچھ نہیں آیا۔

"مس مریم میرڈ ہیں......؟"

وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائے۔

"جی سر......! یہ تو سب کو پتا ہے۔ کمال ہے، آپ کو نہیں پتا......؟ مس مریم مسز مریم ہیں، مسز عدیل......!"

"اچھا......؟"

عاکف دھاڑنے گرجنے والے اظفر کمال کا ایک نیا روپ دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے یوں بیٹھے تھے جیسے گونگے ہوں۔ ان کو بات ہی نہ کرنا آتی ہو۔ ان کے تو سارے الفاظ گم ہوگئے۔

"شادی شدہ ہے......؟"

"جی سر......! آپ کو میرے خیال میں بہت زیادہ حیرت ہو رہی ہے۔ ویسے وہ لگتی نہیں ہیں۔ شاید اسی وجہ سے......"

عاکف بس اتنا ہی سمجھ سکا، اسی حساب سے اپنی بات کی۔

"اچھا......تو وہ تم کچھ کہہ رہے تھے......؟"

اظفر کمال اپنی ساری توانائی اکٹھی کر کے عاکف سے بولے۔

"جی سر......! میں آپ کو بتا رہا تھا کہ مس مریم کا فون آیا تھا، وہ آج نہیں آسکیں گی۔ ان کے نانا ہاسپٹل

میں ایڈمٹ ہیں۔"

"اچھا......! اوہ......! نانا ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں......؟ ظاہر ہے، بوڑھے ہوں گے، بیمار ہوگئے ہوں گے، تو اس میں چھٹی کرنے والی...... اچھا چلو خیر......! ہاں، ایسا بھی ہوتا ہے، بعض دفعہ پیشنٹ کے پاس کوئی نہیں ہوتا۔ بہرحال ایک اٹینڈڈ کی تو ضرورت ہوتی ہی ہے پیشنٹ کو، میرا مطلب، ہاسپٹل لائز پیشنٹ کو۔ ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! تم جاؤ۔"

اظفر کمال کی اب ہر بات بے ترتیب تھی۔ کہنا کچھ چاہتے تھے، منہ سے کچھ نکلتا تھا۔ انہیں واقعی بہت بڑا دھچکا لگا تھا اور وہ محسوس کر رہے تھے، جیسے وہ کافی عرصے تک اس کو سنبھال نہیں سکیں گے۔ انہوں نے آگے رکھی کھلی ہوئی فائل بے دلی سے بند کر دی کیونکہ ان کا ذہن بالکل بھی کام نہیں کر رہا تھا۔

"اچھا......! اوہ......!"

ان کے منہ سے پھر بے ترتیب الفاظ یوں گرنے لگے جیسے آندھی میں خس و خاشاک اُڑ رہے ہوں۔ ان کی طبیعت جیسے بگڑنے لگی۔ ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ وہ سوچ رہے تھے۔

"کون ہے وہ خوش قسمت جس نے میرا خواب توڑا ہے......؟ یہ تو وہ تھی جس کو میں بیس سال سے ڈھونڈ رہا تھا۔ ملی بھی تو کہاں......؟ جانے میں ابھی تک خواب ہی دیکھ رہا ہوں یا کسی بے رحم حقیقت کی مٹھی میں میرا دل ہے۔"

ان کے اندر روح کو رگیدنے والی اَن دیکھی چھریاں چل رہی تھیں۔

☆......☆......☆

فوزیہ بڑے مصروف انداز میں اپنی دُھن میں کمرے میں داخل ہوئی۔ جتنی تیزی سے وہ کمرے میں آئی تھی، اتنے ہی زور سے اسے حیرت کا جیسے جھٹکا لگا تھا۔ عارف بلینکٹ سینے تک اوڑھے چت لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔

"خیریت......؟ آج آفس نہیں جانا کیا......؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی......؟"

فوزیہ پریشان ہو کر قریب آئی۔

"ہاں......! بس میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اس لئے میرا موڈ نہیں ہو رہا۔"

عارف نے فوزیہ سے نظریں چراتے ہوئے بہت آہستہ آواز میں کہا۔ فوزیہ کو اس میں کوئی غیر معمولی پن محسوس ہوا۔ اس کا ذہن فوراً علینہ کی طرف گیا۔

"آں...... وہ...... گاؤں میں...... کیا علینہ سے کوئی بات ہوئی......؟"

اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔ کیونکہ اب تو علینہ کا نام لینا ایسا ہی تھا جیسے بارود میں چنگاری چھوڑنا۔ فوزیہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ عارف نے بھڑکنے کی بجائے بڑے دھیمے پن سے جواب دیا تھا۔

"علینہ گاؤں میں نہیں ہے۔"

وہ بولا تھا۔

''اسی لئے رات کو میں جلدی واپس آ گیا تھا۔''

''ہیں......؟ گاؤں میں نہیں ہے تو پھر کہاں ہے......؟ بڑی ماں نے کیا بتایا......؟''

فوزیہ تو ایک دم حواس باختہ ہوگئی کیونکہ ایک تو یہ علینہ کے لئے بڑا مناسب ٹھکانہ ملا تھا، دوسرے یہ کہ اس کی حالت ایسی تھی کہ اسے وہاں سے کہیں جانا ہی نہیں چاہئے تھا۔

''پتا نہیں کہاں چلی گئی......؟''

''بڑی ماں کو تو بتایا ہوگا، یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ......؟''

فوزیہ کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

''ہاں......! بڑی ماں تو یہی کہہ رہی ہیں کہ وہ بابا کو لے کر شہر گئی ہیں۔ وہ کہہ رہی تھی کہ وہ بابا کا علاج کرانے کے لئے گئی ہے۔''

''اوہ......! اچھا......! شکر ہے، تایا جی کا خیال تو آیا اس کو۔''

فوزیہ کے منہ سے نکلا۔ عارف نے ایک نظر اس پر ڈالی اور آنکھیں بند کر لیں۔

''طنز کر رہی ہو مجھ پر کہ مجھے اپنے باپ کا خیال نہیں......؟ بڑی ماں نے بہت اچھے اچھے ڈاکٹروں کو دکھایا تھا، لیکن تمام ڈاکٹروں نے یہی جواب دیا تھا کہ اس سے زیادہ وہ بہتر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کا صرف جسم ہی مفلوج نہیں ہے، ان کے دماغ میں بھی رسولی ہے۔ اس لئے جو پیرالائز پیشنٹ کو میڈیسن دی جاتی ہیں، وہ میڈیسن بہت خوف ناک سائیڈ افیکٹ بھی رکھتی ہیں، اسی لئے بابا کا برین کا آپریشن بھی نہیں ہو سکتا۔ علینہ کو شاید یہ ساری حقیقتیں معلوم نہیں ہوں گی۔ وہ جذبات میں آ کر لے کر چل پڑی ہوگی، بے وقوف لڑکی......! کم سے کم مجھے تو بتا دیتی۔''

''ہاں تو اور کیا......؟ کچھ بتاتی تو سہی......! اپنی ماں کو ہی بتا دیتی، اس طرح سے چل پڑی کہ کچھ پتہ، نشان ہی نہیں ہے اور ایسی حالت میں خدانخواستہ کچھ ہوگیا تو کیسے پتا چلے گا......؟ تایا جی تو خود پیشنٹ ہیں، دوسروں کے سہاروں کے محتاج ہیں۔''

فوزیہ بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی تھی۔

''چلو خیر......! باپ کے ساتھ ہمدردی کر رہی ہے، نیکی ہی کر رہی ہے۔ ہاں......! خود کو تو برباد کر لیا اس نے۔ میں نے تو اس گھر کی خوشی کی خاطر بھائی تک سے ملنا چھوڑ دیا ہے۔''

فوزیہ نے اپنی طرف سے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

''مت چھوڑو، میں نے تو نہیں کہا تمہیں کہ تم اپنے بھائی سے نہ ملو۔''

عارف سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔ اس وقت وہ ذہنی طور پر بہت منتشر تھا۔ علینہ کا بغیر بتائے کہیں چلے جانا کوئی مذاق بات تو نہیں تھی۔ کیسے بھی سہی، آخر اس کی سگی بہن تھی۔

''اس کے پاس تو شاید موبائل بھی نہیں ہے، ہے ناں عارف......! میں نے تو اسے موبائل پر بات کرتے نہیں دیکھا۔''

''پتا نہیں اس کے پاس کیا ہے اور کیا نہیں......؟''

عارف اب جھنجلا گیا۔ جس سے فوزیہ نے اندازہ لگایا کہ اس سے مزید بات کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ وہ گہری سانس لے کر صوفے پر خاموشی سے بیٹھ گئی اور انتظار کرنے لگی کہ عارف خود ہی اس سے کوئی بات کرے۔

☆......☆......☆

وہاج کافی دنوں کے بعد آج اپنے آفس آیا تھا یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا وہ اس قابل ہے کہ (اپنے کاروبار کو توجہ دے سکے۔ آخر کب تک گھر میں پڑا رہتا......؟ لیکن آفس پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ ابھی اس کی ذہنی حالت ایسی نہیں کہ وہ شہر کے کاروباری لوگوں سے میٹنگ کرے۔ وہ آفس میں بیٹھا رہا، اس کے ذہن میں ایک سناٹا اُترا ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں کوئی خیال، کوئی گمان بھی اس وقت اس کے قریب نہیں تھا۔ وہ ایک ٹک ایک سمت پلک جھپکائے بغیر دیکھتا چلا جا رہا تھا۔ پھر جیسے اندھیوں کے جھکڑ نئے سرے سے چلنے لگے۔ اب اسے خود کو پرسکون کرنے کے لئے کسی اچھے خیال کی ضرورت تھی۔ ایسا خیال جو اس کے لئے کسی فائدہ مند دوا کا کام کرے۔ وہ اپنے آپ کو بہلانے لگا، پھر سمجھانے لگا۔

''میں آج بھی، اب بھی ڈبل مائنڈڈ ہوں، ہوسکتا ہے کہ مریم کا شک غلط ہو۔ بعض عورتیں بہت شکی ہوتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اتفاق ہو کہ علینہ اور عدیل ایک ہی فلائٹ سے لندن جا رہے ہوں اور مریم کو غلط فہمی ہوگئی ہو۔''

وہ سوچ رہا تھا مگر دل کسی ایک جگہ پر ٹک نہیں رہا تھا۔ کسی بھی اچھے بہلاوے سے گہری تسلی اندر اُتر نہیں رہی تھی۔

''علینہ نے تو کبھی بھی مجھ سے بے زاری کا اظہار نہیں کیا۔ وہ تو ہر پل، ہر لمحے بے حد خوش نظر آتی تھی، چھوٹی چھوٹی باتوں پر بچوں کی طرح خوش ہوتی تھی وہ۔ کہیں پھر......''

وہ ''کہیں پھر'' پر آ کر اٹک گیا۔

''لیکن مریم تو بہت میچور، پڑھی لکھی، خوداعتماد، بہت باوقار لڑکی ہے۔ اس کے تو منہ سے نکلنے والا ایک ایک لفظ بڑا بامعنی اور نپا تلا ہوتا ہے۔ بے تکی، بلاوجہ بات اس کے منہ سے نہیں نکلتی۔ کچھ تو ہوا ہے۔ کوئی تو گڑبڑ ہے۔ میں کیا آسمان سے جا کر ثبوت لاؤں......؟ ایسا ثبوت جو مجھے سو فیصد علینہ کے خلاف کر دے اور یہ جو اندر میرے ہر وقت طوفان اُٹھتے رہتے ہیں، ان طوفانوں کو دبائے میں کیا کروں......؟ یاالٰہی......! میں کیا کروں......؟''

''کیا کر سکتے ہو......؟''

اس کا ضمیر مسکرانے لگا۔

''ایک ایسی عورت جو قابلِ بھروسہ نہ ہو، اس کے قریب رہنا بھی ایسا ہے جیسے دوزخ میں رہنا ہے، اور وہ عورت جس پر کبھی شک ہو، کبھی یقین، کبھی اعتماد ہو، کبھی بے اعتمادی جو بار بار ڈانواں ڈول ہونے لگے، اس کے قریب رہنا تو ہر حال میں عذاب ہی عذاب ہے اور اس عذاب سے چھٹکارہ جبھی مجھے مل سکتا ہے، جب میں اپنے طور پر واقعی

فیصلہ کرلوں، علینہ سے علیحدگی کا فیصلہ۔ میں اس کے ساتھ اب ویسے بھی کبھی بھی خوش نہیں رہ سکتا۔ اگر ہم ایک دوسرے کے قریب رہے تو یہ شک کا ناگ مجھے ڈستا رہے گا۔ میں اس کی قربت میں اب کبھی بھی خوش نہیں رہ سکتا۔ بہتر یہ ہے کہ ہمارے راستے علیحدہ ہو جائیں۔ ہاں......! یہی بہتر ہے۔ اس لئے کہ میں مریم کی بات کو بھی نظر انداز نہیں کرسکتا۔"

اس نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے بڑی نخوت سے دبانا شروع کر دیا۔ اس کی کیفیت کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ یا تو اس کیفیت خدا سمجھ سکتا تھا، یا پھر وہ مرد جو اس طرح کی آزمائش سے کبھی گزرا ہو، اس کی روحانی اور ذہنی اذیت کو سمجھ سکتا تھا۔

☆......☆......☆

انعم، دولت خان کے بیڈروم میں اس کے سامنے ایک خوب صورت کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دیوانِ غالب تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اس نے دولت خان کی فرمائش پر مرزا غالب کی دو تین غزلیں پڑھ کر سنائیں تھیں اور دولت خان وہ غزلیں سنتے ہوئے یہ بھول چکا تھا کہ مرزا غالب کی یہ غزلیں مرزا غالب تو نہیں بلکہ انعم سنا رہی ہے۔ انعم غزل سناتی تھی اور وہ سر دھننا شروع کر دیتے تھے اور مقرر مقرر کی صدا بھی بلند کرتے تھے۔ انعم کو پھر سے پڑھنا پڑھتا تھا اور وہ شاعرہ تو نہیں تھی جو سامنے والے کی ستائش سن کر بھی نہ سناتی اور پچاس مرتبہ بھی پڑھنا پڑھ جاتا تو خوشی خوشی پڑھتی۔ ایک تو ویسے ہی اُردو شاعری سے اسے کوئی خاص لگاؤ کبھی بھی نہیں رہا تھا، جو کہ اس کی ڈیوٹی میں شامل ہو چکا تھا، دوسرے یہ کہ شاعری بھی مرزا غالب کی۔ اس نے جتنی بھی غزلیں اب تک دولت خان کو سنائیں، دو چار ہی شعر اس کے پلّے پڑے تھے۔ آخرکار داد دیتے دیتے دولت خان ہی تھک گیا۔ اس نے ہاتھ اُٹھا کر گویا شاعری ختم ہونے کا اعلان کیا۔ انعم نے جیسے سکون کی گہری سانس لی۔ یوں لگا جیسے تیز دُھوپ میں چلتے چلتے اچانک سایہ دار درخت کے نیچے آ کھڑی ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کہ دولت خان پھر کوئی ایسی بات شروع کر دیتا جو انعم کے ذوق کے خلاف ہوتی اور کسی پہاڑ کی طرح اس کے سر پر بوجھ بنتی، اس نے خود سے باتیں شروع کر دیں۔

"آپ کا تجربہ عورت کے معاملے میں بہت تلخ ہے خان صاحب......!"

انعم نے بات شروع کی۔ اس نے جان بوجھ کر عورت کو موضوع بنایا تھا۔ اسے پتا تھا کہ اس موضوع پر آتے ہی دولت خان ہائپر ہو جائے گا، پھر اسے ٹیبلٹس کی ضرورت پڑے گی اور ٹیبلٹس کھاتے ہی اس پر نیند طاری ہونے لگی گی اور انعم کی جان چھوٹے گی اور وہ بھی اپنی کمر سیدھی کرے گی۔ یہی ہوا، انعم کی بات سن کر دولت خان کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ چہرے سے یوں لگا جیسے ابھی خون ٹپک پڑے گا۔ پھر دانت پیس کر بولا۔

"پتا نہیں کس احمق نے کہا تھا کہ عورت وفا کی دیوی ہوتی ہے۔ نان سینس......!"

انعم اس کی ذہنی اذیت کو اِنجوائے کر رہی تھی کیونکہ وہ راہِ نجات کی طرف جا رہی تھی۔ رات بہت ہو چکی تھی۔ سارے دن کی بھاگ دوڑ کے بعد دولت خان کی سخت ڈیوٹیاں دینے کے بعد اب وہ اپنے کمرے میں جا کر

سکون سے آرام کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اس کے لئے بہرحال دولت خان کی اجازت کی ضرورت تھی۔

''آپ کی اس سے لڑائی کیوں ہوئی تھی خان صاحب......؟''

انعم نے پھر بات شروع کی لیکن دولت خان نے بہت غیض وغضب کی کیفیت میں اس کی بات کاٹ دی۔

''ارے......! وہ ایک نمبر کی جاہل عورت باپ کے گھر جا کر بیٹھ گئی۔''

وہ یہ کہہ کر اپنی اتل پھتل، بے ترتیب سانسیں سنبھالنے لگا۔ انعم مسکراہٹ دبا کر بظاہر بڑی سنجیدگی سے بلکہ بڑی معصومیت سے پوچھنے لگی۔

''جھگڑا ہوا ہوگا خان صاحب سے۔''

دولت خان جو اس وقت ماضی کے دور میں واپس جا چکا تھا، اس کی سانسیں پہلے سے بہتر تھیں، یوں لگا جیسے وہ ذہنی توازن کھو جائے گا اور ہائپر ہو جائے گا۔ مگر اس نے بڑے ضبط کا مظاہرہ کی۔ وہ اپنی مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

''اتنی عیاشی کی زندگی دی ہوئی تھی اس کو، پھر بھی دماغ کھاتی تھی کہ وقت نہیں دیتے، رات کو دیر سے کیوں آتے ہو......؟ وغیرہ وغیرہ۔ میں نے بھی کہہ دیا، میں تمہارے باپ کی طرح جورو کا غلام نہیں بن سکتا۔ وہ بھی مائنڈ کر گئی محترمہ۔ باپ کے گھر جا کر بیٹھ گئی۔''

انعم نے اس کی کیفیت دیکھ کر اس کی غیر ہوتی ہوئی حالت دیکھ کر بے ساختہ ہونٹوں پر آنے والی مسکراہٹ کو بہت مشکل سے کنٹرول کیا اور معصوم سی شکل بنا کر پوچھنے لگی۔

''اچھا......! تو پھر لوٹ کر نہیں آئیں وہ......؟''

دولت خان جیسے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک دم چیخ پڑا۔

''میرا سگار دو، لائٹر کہاں ہے......؟''

انعم بڑی پھرتی سے اپنی جگہ سے اُٹھی، اس نے سگار اور لائٹر اُٹھا کر دولت خان کو دیا بلکہ انتظار کرنے لگی کہ دولت خان اپنا سے سگار سلگائے، تب بیٹھے۔ دولت خان نے بڑی بے کلی اور بے چینی کی کیفیت میں اپنا سگار سلگایا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی ذہنی حالت بہت زیادہ خراب ہوگئی ہے۔ لیکن انعم تو اس کے مزید ہائپر ہونے کا انتظار کر رہی تھی جس کے بعد اسے دولت خان کو سکون دینے والی گولی کھلانا تھی۔ دولت خان نے سگار سلگا کر لائٹر انعم کو واپس کیا۔ انعم نے لائٹر رکھا اور پھر کرسی پر بیٹھ گئی۔ اب وہ راستہ دیکھ رہی تھی کہ کیا کہنا ہے......؟ لیکن اس کے بولنے سے پہلے ہی دولت خان بول پڑا۔

''ہاں......! پھر وہ منحوس عورت دوبارہ نہیں آئی۔''

اس نے جیسے تصور ہی تصور میں جیسے اپنی سابقہ بیوی کی ہڈیاں چبائیں۔

''آپ نے کوشش بھی نہیں کی......؟''

انعم نے زمانے بھر کا بھولپن اپنے چہرے پر سجا کر پوچھا۔ دولت خان نے دو تین کش لئے۔ منہ سے سگار

نکالا۔

"Go Help.....!"

وہ دھاڑا۔

"میں کیوں ایک ناشکری، بے وقوف عورت کے نخرے اُٹھاتا......؟"

اس نے یہ کہہ کر پھر ایک کش لگایا۔ انداز میں مسکرا کر انعم کی طرف دیکھا اور بولا۔

"میں نے دوسری کر لی۔"

"دوسری......؟"

انعم نے حیرت کا اظہار کیا۔

"اپنی پہلی بیوی سے کہے بغیر......؟"

انعم کا یہ سوال کرنا تھا، دولت خان کے تو جیسے سارے پر کھل گئے۔ اس نے تو جیسے مارے غصے کے ناچنا شروع کر دیا۔ وہ اِدھر اُدھر گردن گھما رہا تھا جیسے کوئی چیز تلاش کر رہا ہو کہ سوال کرنی والی کا سر توڑ ڈالے۔

"میں کسی کا غلام ہوں جو میں پرمیشن لیتا......؟"

اب وہ پوری قوت سے دھاڑا۔

"شرح مجھے چار شادیاں کرنے کا حق دیتی ہے۔"

انعم اب تھوڑا سا گھبرا گئی۔

"جی جی......! شرح......؟"

اس نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔ دولت خان سن نہیں سکا۔ اس نے کڑے تیور کے ساتھ انعم کو گھورا۔

"کیا بولیں......؟"

انعم اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے مسکرائی۔

"کچھ نہیں خان صاحب......! کچھ بھی نہیں بولی میں تو۔"

"اچھا اچھا......! بہرحال، میں تمہیں بتا رہا تھا کہ ابھی میرے امتحان ختم نہیں ہوئے تھے۔ ارے......! میرے مقدر میں عورتوں کے ذریعے آزمائش لکھی تھی۔ وہ دوسری آئی، اس نے میری دولت کو باپ کا مال سمجھ کر آگ لگانا شروع کر دی۔ نکھے بھائیوں کی بہن تھی۔ چھپ چھپ کر میرا مال ان کو سپلائی کرتی تھی۔ ایک نمبر کی چور......!"

دولت خان نے پھر دانت پیسے۔ انعم بڑی دلچسپی ظاہر کر رہی تھی۔ پھر انعم نے مختصر سوال کیا۔

"پھر......؟"

"لات مار دی میں نے اس کو بھی۔ عورتوں کی کوئی کمی تھی مجھے......؟ میں نے تیسری کر لی۔ تیسری، ارے......! وہ ان کی بھی اُستاد نکلی۔ میں رات کو دیر سے آتا تھا۔ وہ باہر غیر مردوں سے دوستیاں بڑھانے لگی۔ ایک دن پکڑی گئی سالی، مار مار کر میں نے بھی اس کا خون نکال دیا، پھر گھر سے نکال دیا۔"

انعم نے سہم کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

''خان صاحب......! خون بھی نکال دیا......؟ پھر گھر سے بھی نکال دیا......؟''

دولت خان نے انعم کا سوال سن کر جیسے اپنے بالوں کو نوچنا شروع کر دیا۔

''ارے تو احمق لڑکی......! کیا اسے سر پر رکھ کر ناچتا......؟''

ابھی اس سے پہلے کہ انعم کچھ اور سوال کرتی، دولت خان کی حالت غیر ہونے لگی۔ اب بس ہو چکی تھی۔ دولت خان اس وقت اپنا کنٹرول کھو چکا تھا۔ وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے جتن کر رہا تھا جیسے کہ ڈوبنے والا ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ انعم نے موقع دیکھ کر اپنے مطلب کی بات کی۔

''خان صاحب......! آپ کی حالت بہت بگڑ گئی ہے۔ وہ...... میں آپ کو ٹیبلٹس دیتی ہوں، ورنہ تو خدانخواستہ اس سے زیادہ اگر بی پی شوٹ ہو سکتی ہے۔''

''ہاں ہاں......! تمہیں خود سمجھ جانا چاہئے کہ اس وقت مجھے ٹیبلٹس کی ضرورت ہے۔ اس میں پوچھنے کی یا اجازت کی ضرورت ہے کیا......؟ پڑھی لکھی لڑکی جو میں نے یہاں رکھی ہے، کس لئے رکھی ہے......؟ اس کو بھی جاہلوں کی طرح سمجھانا پڑے گا کیا......؟''

دولت خان بڑبڑانے لگا۔ انعم بھاگ کر اس کے بیڈ روم کی طرف گئی۔ قید سے جان چھوٹنے کے احساس سے ہی اس کے اندر نئے سرے سے بجلیاں دوڑنے لگی۔ جان چھوٹنے کا وقت اب قریب آ پہنچا۔

☆......☆......☆

علینہ اپنے باپ حکمت خان کو لے کر شہر آ چکی تھی۔ یہ شہر کا سب سے زیادہ مستند اسپتال سمجھا جاتا تھا۔ زیادہ تر یہاں آنے کا حوصلہ رئیسوں میں ہی ہوتا تھا۔ علینہ کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہاج کی طرف سے بھی اسے بہت کچھ ملا ہوا تھا۔ حکمت خان کے پاس اپنی بے حساب دولت تھی۔ جب وہ شہر آنے لگی تو اس کی بڑی ماں نے ایک بہت بڑی خطیر رقم دی۔ کتنے برے حالوں سے گزر رہی ہے وہ۔ علینہ کو روپیہ پیسہ کا تو کوئی مسئلہ نہیں، اس کا اپنا بینک اکاؤنٹ موجود ہے۔ دوسری یہ کہ اس نے اپنی ماں کو فون کیا تھا کہ وہ عارف سے کہے کہ جائیداد میں سے اس کا حصہ الگ کر کے پہلی فرصت میں اسے پہنچا دے یا اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دے۔ شکیلہ خاتون اس سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہ اس کی سوتیلی ماں کے مظالم کی داستان سننے کی خواہش تھیں۔ لیکن علینہ نے اسے کوئی تفصیلی بات نہیں کی اور اپنے مطلب کی بات کر کے فون بند کر دیا۔ وہ اب ایسی راہ سے گزر رہی تھی کہ اسے بہت سکون چاہئے تھا۔

اس کے یہ آخری دن ہی چل رہے تھے۔ کسی بھی وقت ڈلیوری ہو سکتی تھی۔ حکمت خان کو ہاسپٹلائز کرانے کے بعد خود بھی اس نے اسی ہاسپٹل میں روم لے لیا تھا۔ وقفہ وقفہ سے آ کر وہ حکمت خان کی خیر خیریت لیا کرتی تھی اور اسے ہسپتال پہنچے ہوئے آج تیسرا دن تھا کہ اس کو درد شروع ہو گئی اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد اس نے ایک بہت

خوب صورت بیٹی کو جنم دیا۔ بیٹی گود میں آتے ہی جیسے دل و دماغ کی دُنیا ہی بدل گئی۔ اسے یوں لگا جیسے کسی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل گیا یا جیسے کوئی اس کی تنہائی میں اچانک آ گیا ہے۔ کوئی ایسا جو سچ مچ اپنا، جس کے بچھڑ جانے اور دھوکہ دینے کا کوئی خطرہ نہیں۔ اس کی حالت جیسے ہی تھوڑی سنبھلی، وہ بچی کو لے کر اپنے باپ حکمت خان کے کمرے میں آ گئی، حالانکہ ڈاکٹروں نے اسے چلنے پھرنے سے منع کیا تھا لیکن وہ اپنے باپ کو اپنی خوشی میں شریک کرنا چاہتی تھی۔ اسے یوں لگا کہ جیسے حکمت خان جس کے کان مدتوں سے خوش خبری کو ترس گئے ہیں، نواسی کو دیکھ کر شاید اس کے مفلوج جسم میں نئے سرے سے خون دوڑنے لگے۔ علینہ کی گود میں بچی دیکھ کر حکمت خان کی آنکھوں میں واقعی زندگی دوڑ گئی، لیکن وہ بولنے سے قاصر تھا۔ اس نے اشارے سے علینہ کو اپنے پاس بلایا اور بچی کے سر پر اپنا کمزور کانپتا ہوا ہاتھ رکھ دیا۔ علینہ بے اختیار رو پڑی۔

''بابا......! پہلے آپ اور میں دو تھے، اب دیکھئے، ہم تین ہو گئے ہیں۔ کتنی پیاری ہے میری بیٹی، ہے ناں......!''

وہ حکمت خان سے باتیں کر رہی تھی اور حکمت خان کے اندر واقعی مدتوں کے بعد کسی سچی خوشی نے جادو سا جگایا تھا۔ خوشی کی انتہاء پر آئے ہوئے آنسو اس کی آنکھوں میں چمکنے لگے۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں تو آنسوؤں کے قطرے دائیں بائیں ہلکنے لگے۔ علینہ نے تڑپ کر اپنے باپ کے آنسو پونچھے۔

''بابا......! آپ دیکھئے گا، ہم ایسی جگہ آ گئے ہیں جہاں آپ بہت جلد اچھے ہو جائیں گے اور انشاء اللہ آپ اس ہاسپٹل سے اپنے پاؤں پر چل کر میرے گھر آئیں گے۔ ہاں بابا......! میرا گھر، میرا، آپ کا اور صفینہ کا، ہاں بابا......! میں نے اس کا نام صفینہ رکھا ہے۔ میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ اگر بیٹی ہوئی تو اس کا نام صفینہ ہی رکھوں گی۔''

(پتا نہیں کیوں مجھے یہ نام Appel کر رہا تھا۔ جیسے سمندر میں طوفان اُترا ہوا ہے اور اس طوفان کے بیچ یہ سفینہ ہے)۔

علینہ نے سوچا، لیکن وہ اسے نہیں بولیں، وہ اپنے بے حال باپ کے سامنے دُکھ دینے والی بات کرنے سے پرہیز کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

مریم جس کا اس وقت رواں رواں دُعا بنا ہوا تھا جو اللہ سے اپنے پیارے نانا جان کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی، چاروں طرف سے بے خبر کوریڈور میں کرسی کونے میں رکھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب مسز سارہ اور عدیل اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔ مسز سارہ اس کی بے خبر کیفیت کو دیکھ کر اس کی ذہنی حالت کا اندازہ کر چکی تھیں۔ عدیل بالکل سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ مسز سارہ نے آتشگی کے ساتھ مریم کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ مریم ایک دم چونک پڑی اور اسے جیسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا۔

''ممی......! آپ......آپ کب آئیں......؟''

وہ عدیل کو یکسر نظر انداز کر کے مسز سارہ کی طرف دیکھتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ مسز سارہ نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

''بیٹا......! تم اس حال میں کب سے بیٹھی ہوئی ہو......؟''

مسز سارہ نے اس کی پیشانی چوم کر کہا۔ بیٹے کی کمی آخر ماں کو ہی پوری کرنا تھی۔ اخلاقی طور پر مریم کو اس طرح سے گمان نہیں تھا کہ وہ انہیں کی خاطر سہی، بات تو سنیں، سمجھے تو سہی۔

''جی ممی......! ہاسپٹل میں سب ہیں۔ امی کو گھر بھیج دیا ہے، کیونکہ امی بہت تھکی ہوئی تھیں اور بہت Depress لگ رہی تھیں کہ وہ مسلسل چوبیس گھنٹوں سے ریسٹ لیس تھیں۔ باقی سب لوگ آ رہے ہیں، جا رہے ہیں۔''

''ہاں تو بیٹا......! تم بھی آرام کرو۔ دُعا تو گھر پر بیٹھ کر بھی کی جا سکتی ہے ناں......!''

''میں گئی تھی، ممی کے گھر پر، تھوڑا سا ریسٹ کر کے واپس آ گئی ہوں۔''

''آفس کی تو تم نے چھٹی کی ہو گی......؟''

''ظاہری بات ہے، میں کام کرنے کے قابل ہی کہاں ہوں......؟ جب تک نانا جان کو ہوش نہیں آتا، میں تو کچھ بھی نہیں کر سکتی۔''

مریم نے عدیل کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے خفا خفا انداز سے مسز سارہ کو جواب دیا۔

''ہاں ہاں......! یہ تو ہے۔ اتنی بڑی پریشانی ہے، لیکن میرا دل کہتا ہے کہ انشاء اللہ شیخ صاحب جلد ہوش میں آ جائیں گے، اور سب ہی دُعا کر رہے ہیں۔ اللہ کسی کی تو سن ہی لے گا۔ سنتا وہ سب ہی کی ہے۔ لیکن ہم سب میں کوئی ایک ایسا تو ہوگا جس کی دُعا وہ جلدی سنتا ہوگا، اور شاید وہ تم ہی ہو، جو اپنے نانا جان سے اتنا پیار کرتی ہو۔''

''خدا کرے، خدا کرے کہ میرے نانا جان ہوش میں آ جائیں ورنہ مجھے کچھ ہو جائے گا۔''

مریم نے شدید ڈپریشن کی کیفیت میں کہا۔ انداز خودکلامی جیسا تھا۔

''اللہ نہ کرے، اللہ نہ کرے، اللہ تمہیں جیتا رکھے، اللہ تمہیں بہت سی خوشیاں دکھائے۔''

مسز سارہ نے اسے گلے لگا کر بڑے خلوص اور جذبہ سے دُعا دی۔ اتنی دیر میں عدیل کسی بُت کی طرح اپنی جگہ پر ساکت کھڑا رہا۔ مسز سارہ نے جان بوجھ کر مریم کو عدیل کی طرف متوجہ نہیں کیا۔ کیونکہ انائی کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ نازک معاملات نازک وقت میں نہ چھیڑیں جائیں۔ وہ بڑے وقار سے اپنا بھرم بنانے کی کوشش کرتے ہوئے مریم کو بازو میں لے کر آگے بڑھنے لگی۔

''آؤ بیٹا......! میں تمہارے نانا کو دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''جی ممی......! نانا جان کو ہم باہر سے ہی دیکھ پائیں گے۔ اندر تو ابھی Allow نہیں ہے۔ ہوش میں نہیں ہیں ناں ابھی نانا جان۔''

مریم جیسے کہ پتھر بن کر عدیل کی موجودگی میں ساس کو جواب دے رہی تھی۔ عدیل کو تو دیکھ کر جیسے چاروں طرف نئے سرے سے انگارے برسنے لگے تھے۔ لیکن موقع محل ایسا تھا کہ وہ اپنی ذات پر بات کرنا تو کجا کوئی اشارہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دونوں ''آئی۔ سی۔ یو'' کی طرف بڑھیں۔ عدیل جان بوجھ کر ان دونوں سے بہت فاصلے پر چل رہا تھا۔

☆......☆......☆

علینہ بہت اچھے خواب دیکھتے ہوئے گھپ اندھیروں کے بیچ اچھی اُمیدوں کے دِیے جلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ باپ کو لے کر شہر آئی تھی، یہی سوچ کر کہ اس کا باپ ٹھیک ہو جائے گا اور وہ شہر میں اپنے باپ کے ساتھ ہی رہے گی۔ اپنے باپ اور بچی کے ساتھ سب دُکھ دینے والوں سے دُور رہ کر پُرسکون زندگی گزارے گی۔ معاشی مسئلہ اس کے ساتھ تھا نہیں، دُکھ کے سمندر میں ڈوب کر اب وہ خود کو بے نشان کرنا چاہتی تھی۔ عدیل اور وہاج کے خلاف اس کے دل میں جو انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی، وہی اسے زندہ رہنے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھی جو ناموافق حالات سے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں۔ وہ کچھ کرنا چاہتی تھی۔ اسے پاؤں جمانے کے لئے وقت، مہلت اور جگہ درکار تھی۔ یہی بہت کچھ سوچ کر وہ گاؤں سے اپنے باپ کو لے آئی تھی، لیکن تقدیر ابھی اس پر مسکرا رہی تھی۔ باپ کو ایڈمٹ ہوئے تیسرا دن تھا کہ اس نے ایک بہت خوب صورت پریوں جیسا حسن رکھنے والی بیٹی کو جنم دیا۔ بیٹی کے گود میں آتے ہی اسے یوں لگا تھا جیسے کہ ساری دُنیا اس اپنی بن گئی ہو۔ اکیلے پن اور تنہائی کا احساس آناً فاناً کم ہو گیا تھا۔ انتقام کی سلگتی ہوئی آگ آناً فاناً بھڑکتے ہوئے شعلوں میں تبدیل ہو گئی تھی اور شعلے بھی وہ جو آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ اس کے اندر زندہ رہنے کی اُمنگ و ترنگ بے کار تھی جو اپنے مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے سے پہلے مرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ بڑی توانائی سے بھرپور نظر آنے لگی تھی۔ اس کی چال میں بہت اعتماد اور دم آ گیا تھا۔ وہ بچی کو گود میں لے کر اپنے باپ حکمت خان کے پاس بھی گئی تھی۔ اس کے باپ چوہدری حکمت خان نے جب اس کی گود میں نوزائیدہ بچی دیکھی تھی تو وہ عظیم دُکھ اور عظیم خوشی کے اس زبردست جھٹکے کو برداشت نہ کر سکے تھے۔ وہ بول تو نہیں پائے تھے مگر انہوں نے محسوس ضرور کیا تھا اور بچی کے سر پر اپنا ایک لرزتا ہوا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ انہیں اپنی لاڈلی بیٹی کی تنہائی اور دُور تک کی تنہائی بہت تڑپا رہی تھی۔ لیکن وہ اس ہار سے قاصر تھے، اب جو گود میں بچی دیکھی تھی، شاید نئی خوش خبری اس بہی قوت پر بہت بھاری بوجھ بن کر اُتری تھی اور انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ دیا تھا۔ علینہ کو تو کافی دیر تک کچھ سمجھ ہی نہیں آئی تھی کہ یہ کیا ہو گیا تھا......؟

اس کا باپ جو پتھر کا بن گیا تھا، لیکن زندگی کی کچھ حرارت محسوس تو ہوئی تھی، اب تو اس کی پلکیں بھی نہیں جھپک رہی تھیں۔ وہ سب کچھ سمجھ رہی تھی پر سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔ بھیانک اور بلند و بانگ چیخیں اس کے سینے میں گھٹ رہی تھیں۔ وہ چاروں طرف سے ایک ہی آواز سننا چاہتی تھی کہ وہ جو کچھ سمجھ رہی ہے، وہ غلط ہے، اس کا باپ زندہ ہے۔ لیکن خود فریبی کی کوئی حد نہیں ہوتی، لیکن کبھی کبھی خود فریبی زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دیتی۔ ڈاکٹر نے اس کے

کاندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تو اسے حقیقت کو تسلیم کرنا ہی پڑھا تھا۔ مسیحا جب تو احقین کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہیں تو اپنی ناکامی کا، بے بسی کا اعتراف کرتے ہیں۔ وہ باپ جس سے اس نے اُمید باندھی تھی، وہ ہی ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ دونرسیں اسے بمشکل سنبھال کر گائنی وارڈ میں اس کے کمرے میں چھوڑ گئی تھیں، جہاں اسے اس نے تخلیق کا عمل مکمل کیا تھا۔ وہ دل کھول کر اپنے ہونے کا ماتم کرنا چاہتی تھی لیکن ماحول اس وقت اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔

☆......☆......☆

بشر علی کی حالت سنبھل گئی تھی۔ وہ موت کے راستے پر جاتے جاتے پلٹ آئے تھے۔ سلمیٰ بیگم، فیاض احمد، حماد، مریم، فرح، ان سب کے چہروں پر خوشی اور اور سکھ کے اثرات تھے۔ سلمیٰ بیگم تو فوراً سجدہ شکر بجالانے میں لگ گئی تھیں۔ مریم خوشی کے مارے جیسے پاگل ہوگئی تھی۔ مگر ڈاکٹر نے ابھی بشر علی سے ملاقات پر پابندی لگائی ہوئی تھی۔ مسز سارہ نے سب کو مبارک باد دی۔ وہ جب سے آئی تھیں، وہ مریم اور عدیل کے درمیان بہت فاصلہ محسوس کر رہی تھیں۔ لیکن موقع و محل کی مجبوری تھی کہ وہ اس موضوع پر بات کرنے سے قاصر تھیں۔ اب میں ہی ماحول خوش گوار ہوا تو انہوں نے پہلی فرصت میں یہ کام کیا کہ کسی طرح مریم اور عدیل کو تنہائی میں بات کرنے کا موقع مل جائے۔ فرح اور حماد، سلمیٰ بیگم کے کہنے پر گھر چلے گئے تھے۔ مسز سارہ نے فوراً موقع غنیمت جانا اور مریم سے بہت اصرار کرتے ہوئے گھر جانے کے لئے کہا۔

''ممی......! میری فکر مت کریں آپ، میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

مریم نے ساس کو بہت قرینے سے جواب دینے کی کوشش کی اور اپنے لہجے کی رکھائی اور اجنبیت پر کوشش کر کے قابو پالیا۔

''نہیں بیٹا......! تم جس حال میں ہو، تمہیں آرام کی بہت ضرورت ہے۔ تم فیزیکلی بہت تھک گئی ہو۔ بڑوں کی بات مان لیتے ہیں بیٹا......! اگر مجھ سے ناراض ہو تو کم از کم مجھے اپنا جرم تو بتا دو۔''

مسز سارہ نے اسے پیار سے گلے سے لگا کر کہا۔

''ممی......! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو آپ کے خیال سے ہی کہہ رہی تھی۔ آپ بھی اتنی دُور سے آئی ہیں۔ یہاں ٹینشن سے تھک گئی ہوں گی، پلیز......! آپ بھی تھوڑا آرام کر لیں۔ میں بھی آرام کر لوں گی، آپ میری فکر مت کریں۔ نانا جان کی طبیعت کا سن کر تو میرے اندر جیسے انرجی دوڑ گئی ہو۔ میں خود کو بہت طاقتور اور فریش محسوس کر رہی ہوں۔''

مریم اپنی بات پر اسی طرح اَڑی ہوئی تھی۔ مسز سارہ نے مریم کی طرف دیکھا اور چند لمحے کچھ سوچا اور پھر اپنی بہو سے کہا۔

''بیٹا......! ممی کی بات مان لو۔ ساری رات ہوگئی ہے تمہیں اسی طرح اُٹھتے بیٹھتے۔ جاؤ میرا بیٹا......! تم تھوڑا ریسٹ کر کے آجاؤ گی تو میں گھر چلی جاؤں گی۔''

وہ اتنے پیار اور اپنائیت سے بات کر رہی تھیں کہ مریم کے سارے ہتھیار کند ہو رہے تھے۔ اس نے بے بسی سے سر جھکا لیا۔ ہاسپٹل میں وہ کسی issue پر بات چیت شروع نہیں کر سکتی تھی۔ مسز سارہ نے اس کو نرم پڑتا پا کر فوراً عدیل کو اشارہ کیا۔

''عدیل......! جاؤ بیٹا......! مریم کو گھر لے جاؤ۔ جب یہ فریش ہو جائے گی تو اسے لے آنا، پھر میں گھر آجاؤں گی۔ ٹھیک ہے بیٹا......!''

مسز سارہ نے مریم کو گلے سے لگا کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا اور خود اس طرف بڑھ گئیں جہاں سلمیٰ بیگم جائے نماز پر سربسجود اپنے مالک کا شکر بجالا رہی تھیں۔

☆......☆......☆

مریم گھر پہنچتے ہی عدیل سے بات کئے بغیر اپنے بیڈروم میں آکر لیٹ گئی تھی۔ وہ سارا راستہ کسی بُت کی طرح خاموش رہی تھی اور عدیل کے اندر اس کی خاموشی توڑنے کی جرأت نہیں تھی۔ وہ بھی اس کے پہلو میں اس طرح بیٹھا اس طرح ڈرائیو کر رہا تھا کہ اس کے پاس جیسے کرنے کے لئے کوئی بات ہی نہ ہو۔ مریم بیڈروم میں جا کر لیٹ گئی تو اسے یوں لگا کہ بات سنبھل جائے گی اور ماں اس ضدی، خودسر اور نادان سی لڑکی کو سنبھال ہی لیں گی۔ اس کے دل کو کچھ اطمینان سا ہوا تھا۔ ایک آس بندھی تھی، ایک روشنی دکھائی دی تھی۔

☆......☆......☆

وہاج نے طلاق نامہ تیار کروا لیا تھا اور وہ لائر کے آفس سے تمام ضروری کارروائی مکمل کرنے کے بعد اپنے آفس کی طرف روانہ ہوا۔ آفس پہنچتے ہی اپنے P.A کو طلاق نامہ میل کرنے کو دیا۔ اس کا P.A لفافہ اس کے آفس سے باہر نکلا تو وہاں کو یوں محسوس ہوا جیسے مہینوں سے اس کے اپنے سر پر کوئی پہاڑ اُٹھایا ہوا ہو، آج وہ پہاڑ اس کے سر سے سرک گیا ہو۔ وہ بہت سکون سے گہری گہری سانس لے رہا تھا اور اپنی روح کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ وہ زنجیریں جو پاؤں میں ہر وقت چھن چھن بجا کرتی تھیں، ٹوٹ کر بکھر گئی تھیں۔ اب اسے اپنے پاؤں میں بھی آزادی کا احساس محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اسی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے جانے کتنی دیر تک گم سم، بے خبر بیٹھا رہا کہ اسے سہیل کے آنے کی اطلاع ہی نہ ہوئی۔ وہ ابھی سہیل کو کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے فوراً اپنے آپ کو کمپوز کیا، اس نے اپنی ٹائی کی ناٹ درست کی، اپنے بال سنوارے اور سہیل کا استقبال بڑی خوب صورت اور مطمئن مسکراہٹ کے ساتھ کیا جس پر سہیل کو حیرت کا ایک جھٹکا بھی لگا، آنکھوں میں خوشی کے تاثرات بھی نظر آئے۔

''یار......! آج تو بہت خوش نظر آ رہے ہو......؟''

وہاج بے ساختہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''یار......! دُکھ منانے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ سوچا بہت دن ہو گئے، تھوڑا سا خوش ہو کر بھی دیکھ لیں۔

ڈاکٹر سہیل نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور حیرت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔
''واقعی ایسا کچھ ہے، واقعی آج تم بہت خوش نظر آرہے ہو۔''
وہاج دھیرے سے ہنس پڑا۔
''میں انسان کا بچہ ہوں اور خوشی پیسے سے نہیں خریدی جاتی۔ وہ تو بغیر بتائے، بغیر آہٹ کے کسی بھی وقت آجاتی ہے۔''
وہاج نے اپنی دانست میں فلسفہ جھاڑا۔ سہیل کو واقعی اسے ہلکا پھلکا دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی تھی۔ وہ اس کے سامنے ڈٹ کر بیٹھ گیا۔
''تو پھر چلو یار......! کوئی اور پرانی بات دُہرانے سے بہتر ہے، اس وقت کوئی نئی بات کرلیں، آنے والے دنوں کی بات، اس لئے کہ پچھلی باتوں کو دُہرانے سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ آج کا دن ہم خوب اِنجوائے کرتے ہیں، کوئی اچھا کام کرتے ہیں۔ میں تم سے کوئی سوال جواب نہیں کروں گا۔ بس ایک بات کہوں گا کہ تم میرے ساتھ چلو۔''
''مگر کہاں......؟''
وہاج نے چونک کر پوچھا۔
''بس ایک جگہ میں تمہیں لے چلوں گا۔''
سہیل نے نظریں چراتے ہوئے ٹیبل پر پیپر ویٹ گھمانا شروع کر دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہاج اس سے سوال جواب کرے، وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا، اسے آفس سے باہر جا کر کہنا چاہتا تھا۔
''لیکن یار......! تم مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو......؟ کم از کم مجھے بتاؤ تو سہی، تاکہ میں اپنا ذہن تیار کر لوں۔ اگر تم نہیں بتاؤ گے تو میں جاؤں گا بھی نہیں۔ بس ہم دونوں اسی کمرے میں بیٹھ کر چائے پئیں گے اور باتیں کریں گے۔''
وہاج نے اپنا دوٹوک فیصلہ سنا دیا۔ ڈاکٹر سہیل نے اس کی طرف دیکھا۔
''یار......! میں تمہاری نے ایک ہزار باتیں مانی ہیں، لیکن تم نے ابھی تک میری ایک بات بھی نہیں مانی ہے۔''
''اوہ......!''
وہاج کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
''تم شاید پھر وہی ٹیسٹ کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہو، لیکن اب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''
''فائدہ اور نقصان بعد میں سوچیں گے۔ کم از کم میری بات رکھ لو یار......! میں تمہیں کہہ رہا ہوں ناں......!''
''سہیل......! اب اس Test اور Re Test کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اب ان تمام باتوں کو بھول جا اور ابھی تم خود ہی تو کہہ رہے تھے کہ ہم پرانی باتیں اور فضول باتیں نہیں کریں گے۔''

''میں پرانی بات نہیں کر رہا، میں آگے کی ہی بات کر رہا ہوں۔ تمہیں ذہنی سکون دینے کے لئے، تمہارے دل کو ہمیشہ کے لئے پرسکون کرنے کے لئے۔''

ڈاکٹر سہیل نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''نہیں یار......! جو ہونا تھا وہ ہو چکا، اب میں مزید اور کچھ نہیں کرنا چاہتا۔ میں بڑی مشکل سے اپنے آپ Set کر رہا ہوں۔ تم بس مجھے اتنی Help دو کہ میں دوبارہ سے زندگی میں گم ہو جاؤں۔''

''ہاں......! میں بھی تمہیں ہمیشہ کے لئے خوش اور پرسکون دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس لئے تمہیں میری بات ماننا ہوگی۔''

''یار سہیل......! میں کہہ رہا ہوں ناں، اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

سہیل ایک دم چونک گیا۔

''کیا مطلب فائدہ نہیں ہے......؟''

''بس......! یہی جو ہونا تھا، ہو چکا۔ ختم کرو اس بات کو، مجھے نہیں کروانا یہ Re Test وغیرہ۔''

''وہاج......! آج میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ آج تمہیں میری بات ماننا ہی ہوگی۔ پتا نہیں کیوں میرا دل کہتا ہے کہ تمہیں کوئی اچھی خبر ملے گی اور وہ اچھی خبر تمہارے لئے بے حد، بے انتہاء ضروری ہے۔ اس اچھی خبر کے بعد تم بہت پُراعتماد ہو جاؤ گے۔ تمہارے اندر سکون اُتر جائے گا ورنہ تم بار بار کسی بھی وقت، کسی بھی جگہ اُلجھے ہوئے دکھائی دو گے۔ کیسے دوست ہو یار......! تم میری ایک بات نہیں مان رہے ہو......؟''

سہیل نے اب ہلکی سی خفگی کا ڈرامہ کیا۔

''میں صرف اس لئے انکار کر رہا ہوں سہیل......! کہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ان باتوں کا اب کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔''

''تم اپنے فائدہ اور نقصان اپنے گھر، اپنے کمرے میں بیٹھ کر سوچنا۔ اس وقت تمہیں میری بات ماننا ہوگی۔ چلو اُٹھو......!''

سہیل آگے بڑھا اور وہاج کا بازو پکڑ کر زبردستی وہاج کو اُٹھا لیا۔ وہاج آج کی ڈاک دیکھنا چاہتا تھا لیکن جیسے اس کی زبان پر تالے سے پڑ گئے تھے۔ وہ سہیل کو فی الوقت یہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ وہ طلاق کے کاغذات بھجوا چکا ہے۔ پتا نہیں کیوں وہ سہیل سے اس موضوع پر کوئی بات شیئر کرنا ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہاج نے سہیل کے اصرار پہ ہتھیار ڈالتے ہوئے اور اپنی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے اپنی بہتری اسی میں سمجھی کہ اس وقت سہیل کی بات مان لے۔ ایک لمحہ کو یہ بھی خیال آیا تھا کہ جب Re Test کے بعد بھی وہی سب کچھ سامنے آئے گا جو پہلے آ گیا ہے، تو پھر کل زندگی میں کبھی اس سے اس Topic پر بات نہیں کرے گا۔ وہ یہی سوچ کر سہیل کے ساتھ چلا آیا۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ حسب معمول ماسی برکتے خوشامدانہ انداز میں ان کے پاؤں دبانے میں مصروف تھی۔ فوزیہ جوس کا گلاس لئے ان کے سرہانے کھڑی ہوئی تھی اور عارف ماں کے بالکل قریب بیٹھا ان کو تسلی دے رہا تھا۔

''اماں......! میں پتا کر رہا ہوں، آپ خود کو سنبھالیں۔''

''تو نے اپنی بیوی کے کہنے میں آ کر میری بیٹی کو دربدر کر دیا۔''

شکیلہ خاتون نے بہت غمزدہ انداز میں بات کی۔

''میں نے کسی کے کہنے میں آ کر کچھ نہیں کیا اماں......! میں دن رات اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتا تو پتا نہیں کیا کچھ کر بیٹھتا......؟ مجھے تو خود اپنے سے خوف آ رہا تھا، اسی لئے میں اسے بڑی اماں کے پاس چھوڑ آیا تھا۔ آپ مان کیوں نہیں لیتیں اماں......! کہ اس نے ہمیں کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا......؟''

شکیلہ خاتون نے یہ سنتے ہی اپنے سینے پر زور سے ہاتھ مارا۔

''ارے......! دُشمنوں نے میری بیٹی پر تہمت لگائی ہے اور تو دُشمنوں کی باتوں میں آ رہا ہے......؟ کچھ تو ہوش کر عارف......! تو، تو اس کا سگا بھائی ہے۔''

''اسی بات پر تو شرم آ رہی ہے کہ میں اس کا سگا بھائی ہوں، پھر بھی میں اس کو جان سے مار دینے کی بجائے اس کی نجات کا ہی راستہ نکال رہا ہوں۔ کیا کروں......؟ کیسی بھی سہی، کچھ بھی سہی، سگی بہن ہے میری، مجھے ہی اس کا پردہ رکھنا......''

عارف کی بات منہ میں ہی رہ گئی، کیونکہ اسی وقت فون کی گھنٹی بج گئی۔ فوزیہ نے فون کی گھنٹی کی آواز سن کر عارف اور شکیلہ خاتون کی طرف باری باری دیکھا۔ پھر خود ہی آگے بڑھ کر کال ریسیو کی اور آہستہ آواز میں بولی۔

''ہیلو......!''

عارف اور شکیلہ خاتون، فوزیہ کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ فوزیہ کی آنکھوں میں حیرت کا سمندر اُتر آیا تھا اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''علینہ......! علینہ......! تم کہاں سے فون کر رہی ہو......؟''

عارف نے اتنا سنا اور عقاب کی طرح جھپٹ کر فوزیہ کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا اور بڑی بے تابی سے اپنے کان سے لگا کر بولا۔

''ہاں......! کہاں ہو علینہ......؟ اور کہاں سے فون کر رہی ہو تم......؟''

شکیلہ خاتون کے اندر بھی جیسے بجلیاں دوڑ رہی تھیں، وہ بڑی تیزی سے عارف کی طرف لپکی تھی۔

''میری بات کرواؤ عارف......! میری بات کرواؤ۔ کہاں سے بات کر رہی ہے میری بچی......؟ کیسی ہے وہ......؟''

ابھی ان کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ عارف نے ریسیور آہستہ سے کریڈل پر رکھ دیا۔ شکیلہ خاتون ہکا بکا ہو

کر عارف کی شکل دیکھنے لگیں۔ فوزیہ بھی اُلجھن بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''اس نے لائن کاٹ دی اماں......! بات ہی نہیں کی۔''

عارف نے گم سم انداز میں کہا۔

''ہائے ہائے......! اس نے مجھ سے بات کرنے کے لئے فون کیا ہوگا۔ تم دونوں میاں بیوی کی آواز سن کر ڈر گئی میری بچی اور اس نے فون بند کر دیا۔ اب گھنٹی بجے تو فون مت اُٹھانا۔''

شکیلہ خاتون نے جل بھن کر فوزیہ کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

''اماں......! آپ فکر مت کریں۔ میں ابھی پتا کروالوں گا کہ اس نے کس نمبر سے فون کیا تھا۔''

''تجھے کیسے پتا چلے گا......؟''

''آپ یہ مجھ پر چھوڑ دیں اور آپ کو دس مرتبہ بتایا ہے کہ سی۔ ایل۔ آئی پر فون کرنے والے کا نمبر آجاتا ہے۔ یہ Facility ہے، مجھے آنے والی کال کا نمبر لینا کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ یہ جوس پئیں، میں آپ کی ابھی علینہ سے بات کرواتا ہوں۔''

یہ کہہ کر عارف نے سی۔ ایل۔ آئی چیک کی اور آنے والی کال کو ڈائل کر دیا اور بڑی بے قراری اور بے چینی سے کال ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

''ہیلو......!''

وہ کہہ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں اُلجھن تھی۔

''کون صاحب بات کر رہے ہیں......؟''

''جی، وہ ابھی ایک منٹ پہلے آپ کے نمبر سے ہمارے نمبر پر کال آئی تھی، اصل میں جس نے کال کی تھی، ان کی ایک محترمہ سے بات کروانی تھی۔''

شکیلہ خاتون نے یہ سنتے ہی عارف سے ریسیور لینے کے لئے اپنے دونوں ہاتھ یوں بڑھا دیئے کہ ریسیور لینے کے لئے ایک منٹ کی بھی تاخیر نہ ہو جائے۔ لیکن یہ کیا، وہ دیکھ رہی تھی کہ عارف نے تو پھر سے ریسیور رکھ دیا۔

''اب کیا ہوگیا......؟ تو نے نمبر تو ملایا تھا......؟''

''اماں......! وہ کسی P.C.O سے فون کر رہی تھی، وہ وہاں بیٹھا ہوا آدمی کہہ رہا تھا کہ وہ فون رکھتے ہی چلی گئی تھی۔''

''ارے تو اسے کہتا کہ وہ باہر نکل کر دیکھ لے، کون سا وہ پَر لگا کر اُڑ گئی ہوگی......؟''

''اماں......! اب میں اتنی باتیں اِس آدمی سے تو نہیں کر سکتا تھا۔ اطمینان رکھئے، وہ آپ کو پھر فون کرے گی۔ اس لئے کہ اس کی بات آپ سے نہیں ہوئی، میں اور فوزیہ اب کوئی بھی کال ریسیو نہیں کریں گے۔ جو کال آئے، آپ ہی ریسیو کریں۔''

شکیلہ خاتون بے دلی کے انداز میں اپنے بیڈ پر دَھپ سے بیٹھ گئی تھیں۔ پھر ان کے چہرے پر غم کے سائے

نظر آنے لگے تھے۔ اس وقت انہوں نے بڑے دُکھ کے انداز میں دونوں ہاتھوں سے سر پکڑا ہوا تھا اور ماسی برکتے اب ان کے کندھے دبا رہی تھی۔

☆......☆......☆

مریم کا ساتواں مہینہ ختم ہو چکا تھا اور ابھی ڈلیوری میں دو ماہ باقی تھے۔لیکن مسلسل شدید اعصابی دباؤ نے اس کے اندر کچھ ایسے اثرات چھوڑ دیئے تھے کہ بستر پر لیٹنے کے دو گھنٹے بعد ہی ایک اذیت ناک درد نے اس کو تڑپانا شروع کر دیا تھا۔ اس کے بے اختیار ماں کو آواز دی، بالکل اسی طرح جس طرح انسان تکلیف میں ہر عمر میں اپنے اللہ اور اپنی ماں کو پکارتا ہے۔ عدیل بھی اس کے پہلو میں لیٹا ہوا آرام کر رہا تھا، اسے اونگھ آ گئی تھی۔ چند منٹ گزرتے وہ گہری نیند میں چلا جاتا۔ مریم کی پکار نے اس کو ہڑ بڑا کر اس کو اُٹھ کر بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

''کیا ہوا مریم......؟ کیسی طبیعت ہے تمہاری......؟ تم کیا محسوس کر رہی ہو......؟''

وہ اپنائیت اور فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔ دُکھ اور اذیت کی لہر اس کے وجود میں برق کی طرح دوڑ گئی اور عدیل کی آواز تو اسے ایسے لگی کہ جیسے چاروں طرف سے اس کے اوپر پتھر برسنے لگے ہوں۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ مجھے بہت پین ہو رہی ہے۔ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔''

اس نے بمشکل یہ کہا تھا اور عدیل اتنا سنتے ہی اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر اتنے بے ساختہ انداز میں کمرے سے باہر دوڑا تھا کہ مریم کچھ بھی نہیں کر سکی تھی۔ ہاسپٹل پہنچتے ہی ڈاکٹرز نے عدیل کو مریم کے فوری آپریشن کے لئے کہہ دیا تھا اور وجہ یہ بتائی تھی کہ اگر آپریشن نہ کیا گیا تو بچے کی جان کو خطرہ ہے اور مریم بھی رِسک پر آ جائے گی۔ اتنی بات سن کر عدیل نے کسی سے صلح مشورہ کئے بغیر بہت پریشانی کی کیفیت میں ڈاکٹرز کو آپریشن کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ مریم کو جیسے ہی آپریشن تھیٹر کی طرف لے جایا گیا، اس نے اپنی ماں اور ساس کو فون کر دیا تھا۔ اب ایک ایک پل اس پر بھاری تھا۔ بچے کے ساتھ ساتھ وہ مریم کو بھی زندہ، محفوظ اور اپنے سامنے دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ دُعا کر رہا تھا کہ قدرت اسے موقع دے اور وہ مریم کا دل جیت لے۔ وہ اپنے ضمیر کا مجرم تھا، لیکن جانتا تھا کہ اسے اپنی با کردار، خوب صورت اور معصوم بیوی کو منانا ہوگا جو اس کے لئے کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔

''آج کل کے دور میں اتنی سادہ، معصوم لڑکیاں کہاں دکھائی دیتی ہیں......؟ اگر وہ سادہ اور معصوم نہ ہوتی تو سمجھوتہ کر ہی لیتی۔''

وہ اس کا دل جیتنا چاہتا تھا۔ اس کے اپنے ضمیر کے لئے ضروری تھا کہ وہ اسے معاف کر دے۔ وہ کاریڈور میں سرتاپا دُعا تھا۔

☆......☆......☆

ناصر حسین آج آفس جانے کی بجائے سول کورٹ جا رہا تھا۔ مدتوں کے بعد اس کو اپنی روح ہلکی پھلکی محسوس ہو رہی تھی۔ آج اس کی زندگی میں اُجالے نکلنے والے تھے۔ طے ہو گیا تھا کہ دس بجے وہ دونوں سول کورٹ پہنچ جائیں گے، جہاں ان کا لوئر ان سے پہلے وہاں موجود ہو گا۔ ناصر حسین آج کی تاریخ میں سارے ملال، سارے دُکھ کسی بوسیدہ لباس کی طرح اپنے تن سے نوچ کر پھینک چکا تھا۔ آج وہ جی بھر کے خوش ہونا چاہتا تھا۔ اپنی پہلی شادی والے دن بھی وہ خوش تھا مگر جس طرح آج اس کی روح سرمست تھی، جھوم رہی تھی، یہ کیفیت اس دن نہیں تھی، جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اُجالا اسے اپنے خوابوں کی تعبیر بن کر ملی ہے۔ اس کے لاشعور میں چھپی ہوئی وہ نازک سی لڑکی جس کا شعور کی دُنیا میں قدم رکھتے ہوئے انتظار کرنا شروع کیا تھا، آج اسے سچ مچ مل رہی ہے، اس کی زندگی میں داخل ہو رہی ہے۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے پت جھڑ کے بعد فوراً ہی بہار کا موسم آ گیا ہو۔ مہرو بھی ناصر کی خوش گوار کیفیت کو دیکھ کر حیران حیران سی تھی، لیکن اس نے کچھ پوچھنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ ناصر تیار ہو کر جب کار کی طرف بڑھا تو اس کی نظر مہرو کی طرف پڑی۔ اس نے مہرو کی طرف دیکھ کر اپنا ہاتھ ہلایا۔

''بیبہ کا خیال رکھنا مہرو......! میں آج جلدی گھر واپس آ جاؤں گا، اور ہاں......! اچھا سا کھانا بنا کر رکھنا، شاید کوئی مہمان بھی میرے ساتھ ہو۔''

وہ مسکراتا ہوا اپنی کار کی طرف بڑھ گیا، جہاں ڈرائیور دروازہ کھولے اس کا منتظر تھا۔

☆......☆......☆

بشر علی کی صحت یابی کی خوش خبری کے بعد فوراً ہی دوسری خوش خبری آ گئی تھی۔ مریم ایک بیٹے کی ماں بن گئی تھی۔ بچے کی ولادت کیونکہ قبل از وقت ہوئی تھی، اس لئے اس کو بہت احتیاط سے سنبھالا جا رہا تھا، لیکن سب اس لئے مطمئن تھے کہ Baby Servive کر جائے گا اور یہ کہ مریم بھی ٹھیک ہے، خیریت سے ہے۔ چاروں طرف جیسے خوشیاں ہی خوشیاں بکھر گئی تھیں اور عدیل کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے بچہ اس کا نجات دہندہ بن کر آیا ہو۔ بچے کو گود میں پا کر مریم اب ضرور کچھ سوچے گی۔ اس کو آنے والے دنوں کے اچھے اچھے خواب آنا شروع ہو گئے تھے، ایک اُمید بن گئی تھی کہ مریم اب اس طرح سے ضد نہیں کر پائے گی۔ بچہ اس کی کیفیات پر ضرور اثر انداز ہو گا۔ عدیل بہت یقین اور اعتماد سے سوچ رہا تھا اور بیٹے کا باپ بن کر بھرپور خوشی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

مسز سارہ اور سلمیٰ بیگم، دونوں اپنی اپنی جگہ خوشیاں مناتے ہوئے ایسا ہی کچھ سوچ رہی تھیں۔ سب کی اُمید بندھ گئی تھی کہ جیسے اب معاملات ٹھیک ہو جائیں گے، بات سنبھل جائے گی اور مریم کی ضد کا زور ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ اب چاروں جانب خوشیوں کا راج تھا۔ سلمیٰ بیگم کا دل چاہ رہا تھا کہ اسی وقت بچے کو گود میں اُٹھا کر بشر علی کے پاس جائیں تا کہ وہ اتنی بڑی خوشی کی خبر پا کر اور زیادہ بہتر محسوس کر سکیں، کیونکہ خوشی انسان کی روحانی طاقت کو بڑھاتی ہے۔

☆......☆......☆

اُجالا اور ناصر حسین ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے Lunch کر رہے تھے۔اُجالا کے چہرے پر سہمی سہمی سی خوشی کا تاثر تھا جبکہ ناصر حسین جی بھر کر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اتنے قیامت خیز غم سے نبرد آزما ہونے کے بعد اسے جلد سے جلد کوئی ایسا ہی راستہ چاہئے تھا، اسے خوشی کی صورت دوا درکار تھی، اس زخم کا، اس روگ کا درماں بہت تھا، اوراس وقت اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اندھیرے چھٹ گئے ہیں، اب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بے خوف ہو گیا ہے۔ اس نے ایسا ساتھی پا لیا ہے جس کے ساتھ اس کی زندگی اور موت کا تعلق قائم ہو گیا ہے۔

جانے کیوں اسے اتنا یقین تھا، جانے کیوں اس کا دل اسے رہ رہ کر یاد دلا رہا تھا۔ جبکہ اُجالا نے اپنی زبان سے ایسا یقین دلانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی، لیکن اس کی خاموشی میں بہت قوت تھی، اس کی جھکی ہوئی نظریں اس کی حیاء، اس کی پارسائی، اس کی معصومیت ناصر کے لئے کسی زہر کا تریاق بن رہی تھی۔ وہ اُجالا کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے خود کو یقین دلا رہا ہو کہ یہ خواب نہیں بلکہ کوئی حقیقت ہے۔ وہ اندھیری سرنگ سے گزر کر روشنی میں آ کھڑا ہوا ہے۔

☆......☆......☆

میں مر جاؤں گی علینہ......! مجھے بتا دے کہ تو اس وقت کہاں ہے......؟ دیکھ، تو اپنی ماں پر رحم کر، میں نے تو تیرے ساتھ کچھ نہیں کیا ناں، تو مجھے کیوں ستا رہی ہے......؟ میں تڑپ رہی ہوں تجھے دیکھنے کے لئے۔''

شکیلہ خاتون زار و قطار روتے ہوئے کان سے ریسیور لگائے کہہ رہی تھیں۔ وہ علینہ سے بات کر رہی تھیں۔ بالآخر علینہ کا بڑے انتظار کے بعد دوبارہ فون آ ہی گیا تھا اور شکیلہ خاتون نے ہی ریسیو کیا تھا۔ عارف نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کوئی فون نہیں اُٹھائے گا، صرف ماں ہی اُٹھائے گی۔ اس لئے جب فون کی گھنٹی بجی تو شکیلہ خاتون نے ہی فون اُٹھایا تھا۔ دوسری طرف علینہ ماں سے کہہ رہی تھی۔

''اماں......! میں نے پہلے سوچا تھا کہ آپ کو اپنے پاس بلا لوں، پھر سوچا، آپ کے پیچھے وہ سب نہ آ جائیں جن سے اب میں قیامت تک ملنا نہیں چاہتی۔ سوچتی ہوں، اب تک ہر کام بے سوچے سمجھے کرتی رہی ہوں، لیکن اب کچھ کروں گی تو بہت سوچ سمجھ کر کروں گی۔''

وہ بہت پُراعتماد، پُرتاثر لہجے میں ماں سے بات کر رہی تھی۔ شکیلہ خاتون جیسے اس کی آواز سن کر تڑپ رہی تھیں۔

''میں تیری ماں ہوں، تو اپنی حالت دیکھ، کیا تو اس حال میں اپنے معذور باپ کی خدمت کر سکے گی......؟''

شکیلہ خاتون نے جیسے تڑپ کر کہا تھا۔

''بابا کو تو میری خدمت پسند ہی نہیں آئی، وہ تو چلے گئے۔''

علینہ کی سپاٹ آواز ایئر پیس میں اُبھری۔ شکیلہ خاتون ایک دم حواس باختہ سی ہوگئیں۔

''ہیں......؟ چلے گئے......؟ مگر کہاں چلے گئے......؟ اتنا پرانا مرض اتنی جلدی ٹھیک ہوگیا......؟ ارے صحیح بتا، کہاں چلے گئے......؟''

علینہ کی اب آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آواز شکیلہ خاتون کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''ہاں ماں......! میرے بابا بالکل ٹھیک ہوگئے ہیں۔ جان چھوٹ گئی ان کی دُنیا کی ہر مشکل سے۔''

یہ سن کر تو شکیلہ خاتون کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔

''ہیں......؟ کیا مطلب......؟''

''مطلب یہ اماں......! کہ قدرت نے میرے بابا پر رحم کر دیا۔ وہ اپنوں کی دی ہوئی اذیت سے نجات حاصل کر بیٹھے۔ اب ان کے دُشمن ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ کیونکہ وہ ان کی پہنچ سے بہت دُور چلے گئے ہیں۔''

شکیلہ خاتون سکتے کی کیفیت میں علینہ کی بات سن رہی تھیں۔

''مرگیا تیرا باپ......؟''

''ہاں......!''

علینہ کی اسی طرح سے سرد و سپاٹ آواز ایئر پیس میں اُبھری۔

''ارے تو بیٹا......! کم از کم عارف کو تو کہا ہوتا، اپنے باپ کی قبر پر مٹھی بھر مٹی ہی ڈال......''

علینہ نے ایک دم تیزی سے اپنی ماں کی بات کاٹ دی تھی۔

''نہیں......! میرے باپ کے بیٹوں نے انہیں کبھی زندگی میں نہیں پوچھا، ان کی موت پر کیوں جمع کرتی ہیں......؟ ایدھی والوں نے میرے باپ کو بڑی عزت سے دفن کر دیا ہے اماں......! میں نے تو سوچا تھا کہ میں اپنی باقی کی زندگی بابا اور اپنی بیٹی کے ساتھ گزار لوں گی۔ لیکن یہ دُنیا ہے، جو سوچتے ہیں، وہ کب ہوتا ہے......؟ آپ میری ملامت کریں، میں اپنی بیٹی کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ خدا حافظ......!''

علینہ کی آواز ایئر پیس میں آنا بند ہوگئی تھی اور شکیلہ خاتون بے ہوش ہو کر بستر پر گر چکی تھیں۔

☆......☆......☆

مریم کا آپریشن ہوا تھا اس لئے اس کو دو تین دن ہاسپٹل میں لگ گئے تھے۔ جتنے دن وہ ہاسپٹل میں رہی، لگ بھگ اتنے ہی دن بشر علی بھی ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہے تھے۔ جس دن بشر علی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر سلمیٰ کے گھر واپس جا رہے تھے، اسی روز مسز سارہ، عدیل بچے اور مریم کے ساتھ گھر جا رہے تھیں۔ مریم نے اپنی طرف سے بھرپور مزاحمت کی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ بشر علی کے ساتھ اپنی ماں کے گھر جائے، لیکن سلمیٰ بیگم نے آنسوؤں بھری آنکھوں سے جس طرح درخواست کی تھی کہ وہ ان کے باپ پر رحم کرے، جو زندگی اور موت کی جنگ لڑ کر انہیں دوبارہ ملے ہیں، تو وہ بے رحمی اور سختی کا مظاہرہ نہیں کر سکی۔ خود کو برحق سمجھنے کے باوجود اسے نانا جان کی خاطر یہ کڑوا گھونٹ پینا

پڑا اور وہ مسز سارہ اور عدیل کے ساتھ بچے کے ہمراہ اسی گھر میں آ گئی جہاں وہ اب نہیں رہنا چاہتی تھی۔

گھر آ کر بھی اس نے عدیل سے کوئی بات چیت نہیں کی تھی۔ عدیل اس کے آگے پیچھے پھر رہا تھا، اس کا موڈ صحیح کرنے کے لئے بچے کے ساتھ کھیل رہا تھا، لیکن عدیل کی کسی حرکت نے مریم کے مزاج میں کوئی فرق پیدا نہیں کیا۔ عدیل بچے کی وجہ سے کافی خوش فہمی میں مبتلا ہو چکا تھا اور سوچ رہا تھا کہ مریم فوراً نہ سہی، آہستہ آہستہ سہی، لائن پر آ جائے گی۔ چونکہ اب وہ تنہا نہیں ہے، ایک ہنستا کھیلتا بچہ اس کی گود میں ہے۔ مسز سارہ، مریم کی خاموشی پر دل ہی دل میں کُڑھ رہی تھیں کیونکہ مریم، عدیل کی کسی بات کا جواب نہیں دے رہی تھی بلکہ مسز سارہ سے بھی اس کا روّیہ بہت سرد تھا۔ مسز سارہ اس کی دلجوئی اور آؤ بھگت میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رہی تھیں۔ ان کا دل چاہ رہا تھا کہ مریم لمحوں میں سب کچھ بھلا دے اور اس گھر میں پھر سے خوشیاں برسنے لگیں۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون کی طبیعت اب سنبھل گئی تھی۔ علینہ کی آواز سن کر جیسے انہیں صبر سا آ گیا تھا۔ اب بھی وہ بڑے نڈھال انداز میں بیٹھی ہوئی تھیں اور بار بار علینہ کا ذکر کر رہی تھیں اور ان کی نمک خوار ماسی پھل کاٹ کاٹ کر شکیلہ خاتون کو کھلا رہی تھی اور اپنے دانت نکال نکال کر جیسے وہ کسی روتے ہوئے بچے کو منا رہی ہو۔ اسی وقت گھر میں ایک ملازم اندر آیا اور ایک لفافہ شکیلہ خاتون کی طرف بڑھا دیا اور بولا۔

''چوہدرانی جی......! ڈاک آئی ہے۔''

شکیلہ خاتون نے بڑی ناگواری سے اس لفافے کی طرف دیکھا اور بڑبڑانے والے انداز میں بولی۔

''پاگل نہ ہووے، مجھے کون ڈاک بھیجے گا......؟ عارف کے دفتر سے آیا ہوگا، جا کر فوزیہ کو دے دے۔''

ملازم نے ڈرتے ڈرتے شکیلہ خاتون کی طرف دیکھا اور مؤدبانہ عرض کی۔

''چوہدرانی جی......! یہ ڈاک آپ کے نام سے آئی ہے۔''

شکیلہ خاتون اب ذرا حیران ہو کر ملازم کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

''اگر میرے نام سے بھی آئی ہے تو کون سا میں پڑھ لوں گی......؟ کم بخت......! انگریزی میں لکھا ہوا اوپر سے ہی نظر آ رہا ہے مجھے۔''

برکتے جلدی سے پلیٹ میں چھری رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

''میں فوزیہ بی بی کو بلا کر لاتی ہوں۔ وہ پڑھ کر سنا دے گی آپ کو، کیا خبر بینک سے آیا ہو......؟ آپ کے نام سے تو بینک سے لفافے آتے رہتے ہیں چوہدرانی جی......!''

شکیلہ خاتون نے زور سے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

''آئے ہائے......! ابھی پرسوں ہی تو بینک سے لفافہ آیا تھا، اب پھر سے آ گیا......؟ ارے......! ہم نے بینک کا قرضہ دینا ہے......؟ کیا یہ لفافے پر لفافے بھیج رہے ہیں۔ چل تو جلدی سے فوزیہ کو بلا کر لا، وہ دیکھے گی

اماں سے آیا ہے......؟''

ماسی برکتے کمرے سے باہر فوزیہ کو آواز دے رہی تھی۔

''فوزیہ بی بی......! فوزیہ بی بی......! چوہدرانی جی آپ کو بلا رہی ہیں۔ بڑا سا لفافہ آیا ہے، ذرا پڑھ کر سنا ایں۔''

فوزیہ شاید آس پاس ہی تھی، ماسی برکتے کی ایک ہی آواز سے وہ کمرے میں داخل ہوگئی۔ اس نے تھوڑے نما انداز میں شکیلہ خاتون کی طرف دیکھا تھا۔ فوزیہ کو سامنے پا کر ان کی پیشانی پر لاکھوں بل پڑ گئے تھے۔ پھر بھی بڑے ضبط سے گویا ہوئی۔

''ارے......! دیکھ تو سہی فوزیہ......! یہ اتنا بڑا لفافہ کس نے بھیج دیا ہم لوگوں کو......؟''

فوزیہ نے لفافہ شکیلہ خاتون کے ہاتھ سے لیا اور دیکھنے لگی۔

''لفافہ تو آپ کے ہی نام ہے تائی اماں......!''

''ارے......! یہ کوئی بتانے والی بات ہے......؟ یہ تو مجھے وہ کریم خان نے بھی بتایا ہے کہ لفافہ میرے ہی نام ہے۔ تو یہ لفافہ کھول کر دیکھ، اس میں کیا ہے......؟''

فوزیہ نے یہ سنتے ہی لفافہ چاک کیا اور لفافہ چاک کرتے کرتے اس کی نظر بھیجنے والے کے نام اور پتے پر پڑی تھی اور اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

''وہاج بھائی......؟ وہاج بھائی نے یہ کیا بھیج دیا......؟ یہ لفافہ تو وہاج بھائی کی طرف سے آیا ہے۔''

شکیلہ خاتون ایک دم چونک کر فوزیہ کی طرف دیکھنے لگی۔

''ارے......! وہاج کا اب مجھ سے کیا لینا دینا......؟ میری بچی کو تو برباد کر دیا۔ اب مجھے لفافے کیوں بھیج رہا ہے......؟ اب مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے اس کو......؟ تو جلدی سے پڑھ، کیا لکھا ہے اس میں......؟''

فوزیہ ایک دم گھبرا کر لفافے کے اندر سے پیپر نکالنے لگی۔

''جی تائی اماں......! میں دیکھ رہی ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے پیپر پر نظر ڈالی اور جیسے اس کی روح پرواز کرنے لگی۔ اس کے ہاتھوں میں اس وقت وہاج کی طرف سے علینہ کو بھیجا ہوا طلاق نامہ تھا اور وہ بھی بہت پکا اور Stamp Paper پر۔ اس کے منہ سے بدحواسی میں نکل گیا۔

''طلاق نامہ......!''

شکیلہ خاتون یہ سنتے ہی جیسے دو فٹ اُوپر اُچھل گئی تھیں۔

''آئے ہائے......! میں مرگئی۔ کیا بک رہی ہے......؟ کیسا طلاق نامہ......؟ کس کا طلاق نامہ......؟''

فوزیہ نے سہم کر پیپرز اپنے سینے سے لگا لئے اور جیسے شکیلہ خاتون سے خوف کھا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔

شکیلہ خاتون اس کی طرف آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھیں۔

''ارے......! بکتی کیوں نہیں ہے......؟ طلاق نامہ، طلاق نامہ کئے جا رہی ہے، کس نے بھیجا ہے طلاق نامہ......؟ کس کو بھیجا ہے یہ طلاق نامہ......؟ ارے......! کہاں سے آیا ہے......؟''

شکیلہ خاتون گھبراہٹ میں بے ربط ہوگئیں۔فوزیہ مزید دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اس کا پورا وجود جیسے پسینے میں بھیگ چکا تھا۔اس کی ٹانگوں میں لرزش تھی۔بس یوں لگتا تھا کہ اب گری یا تب گری۔وہ آنکھیں پھاڑے شکیلہ خاتون کو گھورے جا رہی تھی جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو۔ماسی برکتے آگے بڑھی اور اس نے فوزیہ کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

''فوزیہ بی بی......! جلدی سے بتائیں، طلاق نامہ کس کا آیا ہے......؟ کیا کہہ رہی ہیں آپ......؟ ٹھیک سے بتائیں ناں، آپ کچھ بولیں تو سہی بی بی......!''

شکیلہ خاتون ابھی بھی جیسے سانسیں روکے فوزیہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔فوزیہ کی آنکھوں میں جیسے حرکت ہوئی، اس نے اپنے ڈوبتے ہوئے دل کو سنبھال کر بڑی مشکل سے کہا۔

''تائی اماں......! وہاج بھائی نے علینہ کو طلاق بھجوائی ہے۔''

شکیلہ خاتون نے یہ سنتے ہی اپنی رانوں کو پیٹنا شروع کر دیا۔

''ہائے ہائے لوگو......! لُٹ گئی میں، ارے......! میں لُٹ گئی۔برکتے......! دیکھا تو نے، کیا اندھیر مچایا ہے اس کے زہریلے بھائی نے......؟ ہائے میرے اللہ......! اس وہاج بے غیرت نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ ہم نے اس کی بہن کو رانی بنا کر رکھا ہوا ہے......؟ ارے......! میری بچی لُٹ گئی۔ہائے ہائے......! لُٹ گئے ہم، ہائے میں مر گئی۔''

شکیلہ خاتون نے اتنے زوردار انداز میں بولنا شروع کیا کہ فوزیہ قریب پڑی کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ماسی برکتے جیسے اپنی جگہ پہ دہل گئی تھی۔وہ کبھی فوزیہ کی طرف دیکھ رہی تھی تو کبھی چوہدرانی کی طرف۔پھر وہ ایک دم چوہدرانی سے آ کر لپٹ گئی۔

''چوہدرانی جی......! حوصلہ کریں۔حوصلہ کریں چوہدرانی جی......!''

شکیلہ خاتون نے زور سے ماسی برکتے کو دھکا دیا اور اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔

''ارے......! کہاں سے لاؤں حوصلہ......؟ میری نازوں سے پلی ہوئی پر داغ لگا دیا۔ارے......! میں کیوں زندہ ہوں......؟ میں کیوں نہیں مر جاتی......؟''

فوزیہ بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر اپنی جگہ سے اُٹھی تاکہ شکیلہ خاتون کو سنبھالے۔

''تائی اماں......! تائی اماں......! پلیز، دیکھئے......''

شکیلہ خاتون اسے اپنے قریب آتا دیکھ کر ایک دم پیچھے کی طرف ہوگئیں اور اس کی بات بھی مکمل نہ ہونے دی۔

''چپ کر، پرے ہٹ......! میرے پاس مت آنا۔مر گئی تیری تائی اماں۔یہ اسی زہریلی ناگن کی اولادیں ہیں جس نے میری ساس کو بھڑکا کر میرا چولہا الگ کروایا تھا۔ارے......! ڈس لیا اس ناگن کی اولاد نے مجھے، پھر ڈس

ہا مجھے۔ ارے......! میں کیا کروں......؟''

وہ یہ کہتے ہوئے ایک طرف ڈھے گئیں۔ فوزیہ نے ماسی برکتے کی طرف دیکھا۔

''ماسی......! جلدی سے جاؤ اور ٹھنڈا پانی لے کر آؤ۔ تائی اماں بے ہوش ہوگئی ہیں۔''

ماسی برکتے لشتم پشتم باہر کی طرف دوڑتی ہوئی گئی۔ فوزیہ اپنے پھڑکتے ہوئے دل کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر تھے۔

☆......☆......☆

انعم واپس دولت خان کے دولت کدے میں موجود تھی۔ وہ آج Shopping کرنے کے بہانے سے دولت خان کے ڈرائیور اور گارڈ کے ساتھ قریبی شاپنگ مال گئی تھی۔ شاپنگ مال جاتے ہوئے سارے راستے وہ اس کے پنجرے سے آزاد ہونے کے راستے ڈھونڈ رہی تھی۔ آج اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ آزادی کے ان چند لمحوں کو ضائع نہیں جانے دے گی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دولت خان سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرے گی۔ اسے اپنی ذہانت پر بہت اعتماد تھا۔ اس کے اندر خوشی جاگ رہی تھی۔ ایک آس بندھ رہی تھی کہ شاید آج وہ اس بوڑھے عیاش کی قید سے آزاد ہو جائے گی۔ ابھی وہ آزاد ہونے کے بارے میں سوچ رہی تھی، اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اگر اسے آزادی میسر آگئی تو پھر اس کی منزل کیا ہوگی......؟ لیکن شاپنگ مال پہنچ کر اس کے خوابوں کا محل ایک آن میں مسمار ہوگیا تھا۔ وہ شاپنگ مال میں اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے دولت خان کے ڈرائیور اور گارڈ سے آنکھیں بچا کر کسی راستہ سے باہر جانے کا سوچ رہی تھی کہ عابد اور یاسر اس کے سامنے دوزخ کے فرشتے کی طرح آ کھڑے ہوئے۔ وہ چونک گئی۔ اسے بہت زور کا جھٹکا لگا تھا۔ اسے ایک لمحے کو تو یقین ہی نہیں آیا کہ وہ دونوں درندے اس کے سامنے کھڑے ہوئے حقیقت میں دانت نکوس رہے ہیں۔ چند لمحوں کے لئے اس نے خود کو دھوکہ دیا کہ شاید وہ خواب دیکھ رہی ہے۔ مگر ایسا نہیں تھا، یہ حقیقت تھی مگر بہت خوف ناک حقیقت۔ یاسر کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''انعم بی بی......! زیادہ ہوشیاری دکھانی کی کوشش مت کرنا۔ اس بڈھے کو تو بے وقوف بنا کر آگئی ہو، لیکن ہمیں بے وقوف نہیں بنا سکتی، ہم ایک لمحے کے لئے بھی تم سے بے خبر نہیں ہیں۔ کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے سوچ لینا کہ تمہاری ایک چھوٹی سی، معصوم سی بچی بھی ہے۔ یقیناً ہر ماں کو اپنی اولاد بہت پیاری ہوتی ہے۔ چاہے ماں کتنی خودغرض اور عیاش ہی کیوں نہ ہو......؟''

وہ یہ کہہ کر آن واحد میں آنکھوں سے اوجھل ہوگئے تھے اور انعم کافی دیر تک پتھر کا بُت بنی ایک جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ اس نے وہیں سے چند چیزیں خریدیں کہ آخر دولت خان کو بتانا تو تھا کہ وہ کیا خرید کر لائی ہے؟ اور پھر دل پر بھاری بوجھ لئے ہوئے اسی کار میں آکر بیٹھ گئی جس نے اسے پھر سے اسی قید خانے کی طرف لے کر جانا تھا، جو قید خانہ نہیں، کال کوٹھڑی تھی۔ وہی کال کوٹھڑی جس میں نہ ہوا اور نہ ہی روشنی کے لئے ایک ننھا سا روزن تھا۔

☆......☆......☆

اُجالا اور ناصر نے اپنی شادی کے بعد پہلا کھانا ایک ریسٹورنٹ میں کھایا تھا۔ کھانا کھا کر جب وہ دونو
وہاں سے نکلے تو گھر پہنچتے پہنچتے شام ہو چکی تھی۔ وہ دونوں بہت خوش تھے۔ ناصر کے اَنگ اَنگ میں خوشی جھلکتی نظ
رہی تھی اور وہ بھی بہت مطمئن اور خوش نظر آ رہی تھی۔ جیسے ہی ناصر حسین اُجالا کے ساتھ گھر میں داخل ہوا اور اس۔
اپنے روز کے معمول کے مطابق کار کا ہارن بجایا، جس کو سن کر بیہ دوڑی چلی آتی تھی، اور پھر ایسے ہی ہوا تھا۔
دوڑتے ہوئے پورچ کی طرف آئی تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے مہرو بھی تھی جو تیز قدموں سے آ رہی تھی۔ ناصر حسین ا
طرف کا دروازہ کھول کر پہلے کار سے اُترا تھا مگر اُجالا ابھی گاڑی کے اندر ہی تھی۔ بیہ بھاگتی ہوئی آئی اور باپ۔
لپٹ گئی۔ ناصر حسین نے بھی بیہ کو گود میں اُٹھا لیا اور اس کے رُخسار پر محبت بھرا بوسہ دیا۔ ابھی تک بیہ کی نظر کار میں بیٹ
اُجالا کی طرف نہیں پڑی تھی لیکن مہرو اسے دیکھ چکی تھی۔ وہ لب بستہ اور حیران سی اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی تھی۔ نا
حسین نے اُجالا کو باہر آنے کے لئے اشارہ کیا تو بیہ نے دیکھا۔

''پاپا......! یہ اتنی اچھی سی آنٹی کون ہیں......؟''

ناصر حسین نے اُجالا کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

''یہ اچھی سی آنٹی نہیں ہے، یہ بہت اچھی سی آپ کی ماما ہیں۔''

ناصر حسین نے بیہ کو جواب دیا اور مہرو کی نظریں حیرانی سے پھیل گئی تھیں۔ وہ حیران ہونے کے ساتھ سات
خوش بھی تھی اور ایک بے یقینی کی کیفیت میں دیکھ بھی رہی تھی۔ اُجالا گاڑی سے نکل کر باہر آئی اور ناصر نے دو قد
بڑھائے اور مہرو کو اپنے قریب بلایا۔

''مہرو......! یہ تمہاری نئی مالکن ہیں، اُجالا......! بیہ کی ماما......!''

''صاحب......! آپ نے تو حیران ہی کر دیا۔ اتنی بڑی خوش خبری آپ نے گھر والوں کو نہیں بتائی......؟
از کم بتا تو دیتے، گھر میں دُلہن آ رہی ہے، کچھ تیاری تو کرتے۔''

بیہ نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

''پاپا......! یہ دُلہن ہے ناں، آپ تو کہہ رہے ہیں کہ یہ ماما ہیں۔''

ناصر مسکرایا۔

''ہاں......! یہ تمہاری دُلہن ماما ہیں۔''

''تو کیا دُلہن ماما بھی ہوتی ہے......؟''

بیہ نے بڑی معصومیت سے سوال کیا تھا۔ ناصر پھر مسکرا دیا۔

''ہاں......! ہوتی ہے، لیکن سب کی نہیں ہوتی۔ جو بچے بہت Lucky ہوتے ہیں ناں، ان کو دُلہن ماما ملتی
ہے۔''

اس نے معنی خیز شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ اُجالا کی طرف دیکھ کر اپنی بیٹی کو جواب دیا تھا۔ مہرو آ گئ

...اور اس نے اُجالا کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔
''مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ خوشیاں پھر سے لوٹ آئی ہیں۔ اللہ بری نظر سے بچائے۔ میں تو بس آپ کو ...دعا دے سکتی ہوں۔''

اُجالا نے بڑی محبت سے مہرہ کا ہاتھ تھام لیا اور بولی۔
''آپ کی دُعائیں بہت بڑا تحفہ ہے اور دُعا سے اچھا اور کوئی تحفہ نہیں ہوتا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ......!''
ناصر حسین نے اندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
''اگر ساری باتیں یہیں ہوگئیں تو اندر جا کر کیا کریں گے......؟''
مہرو ایک دم سنبھل گئی۔
''معاف کیجئے گا، وہ بس اتنی حیرت اور خوشی تھی کہ مجھے کوئی خیال ہی نہیں رہا۔ آیئے، اندر آیئے......!''
وہ یہ کہتی ہوئی اُجالا کو تھام کر آگے بڑھی۔ بیہ نے بڑی معصومیت سے ناصر کی طرف دیکھا۔
''پاپا......! یہ دُلہن ماما بھی ہمارے گھر رہیں گی......؟''
''جی بیٹا......! اب یہ ہمارے گھر میں ہی رہیں گی۔''
بیہ ایک دم سنجیدہ ہوگئی جیسے اسے کوئی خیال آ گیا ہو۔ وہ ناصر کا گال چوم کر بڑے سہمے سہمے اور معصوم انداز ...میں بولی۔
''پاپا......! Really......دُلہن ماما ہمیشہ ہمارے گھر میں رہیں گی......؟ میری ماما کی طرح مجھے چھوڑ کر تو ...نہیں چلی جائیں گی......؟''
مہرو اور اُجالا، ناصر سے آگے چل رہی تھیں، بیہ کے سوال نے ناصر کو ایک دم چکرا کر رکھ دیا تھا۔ وہ بڑی ...مشکل سے خود کو سنبھال کر مسکرایا اور بیہ کا گال چوم لیا۔ اس نے بیہ کو کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

☆......☆......☆

عدیل کا لباس بے ترتیب، لہجے میں تھکن اور خود بھی بے زار سا تھا۔ وہ مکمل بے بسی کی تصویر بنا ہوا تھا اور ...مسز سارہ سے کہہ رہا تھا۔
''ممی......! یہ مجھے پاگل کر دے گی۔ ایک شک نے اس پر قبضہ جما لیا ہے۔ ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے۔''
مسز سارہ نے اس کی طرف بڑے غصے سے دیکھا اور غصہ ضبط کرتے ہوئے کہنے لگیں۔
''اتنا چلّانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چیخ چلّا کر مسئلے حل نہیں ہوں گے۔''
''ممی......! آپ کو تو پتا ہے، یہ مجھے کب سے Mental Torture کر رہی ہے۔''
مسز سارہ نے پھر گھور کر عدیل کی طرف دیکھا۔ وہ React کر رہی ہے، تم Mental Torture سمجھ ...رہے ہو تو یہ تمہارا مسئلہ ہے۔''

''ہاں......! آپ اسے Favour کریں تا کہ یہ مجھے بالکل پاگل کر دے۔''
عدیل نے ہاتھ میں پکڑا ہوا تاول دُور پھینک کر مارا۔
''میں سمجھ رہی ہوں اس کی بات۔''
مسز سارہ نے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''حالانکہ میں سب سمجھ رہی ہوں، اس کے باوجود کہ میں Stupid ہوں۔''
اب مریم بڑے طنزیہ لہجے میں بولی تھی۔ عدیل نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔
"My God.....!"
مسز سارہ نے مریم کی طرف دیکھا، پھر آگے بڑھی اور مریم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔
''تم صاف صاف کہو مریم......! بتا دو اسے جو تم نے سوچا ہے۔''
''بتا چکی ہوں۔''
مریم نے کلیئر لہجے میں جواب دیا۔
''ممی......! بات کچھ نہیں ہے، اس کی جذباتیت نے علینہ کو بھی بے گھر کر دیا ہے......''
''جس کا انہیں بہت افسوس ہے۔''
مریم پھر تلخ لہجے میں بولی۔
''کم از کم اسے اس کے گھر جانے سے پہلے مجھ سے بات تو کرنی چاہئے تھی۔''
عدیل تپے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔
''بات تو وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی رشتہ قائم ہوتا ہے۔ اپنے کانوں سے سنتے ہی رشتہ ختم ہو گیا تھا۔''
مریم پھر سپاٹ اور سرد لہجے میں بولی تھی۔
''سن لیا ممی......؟ یہ رشتہ ختم کر کے بھی اس گھر میں موجود ہے......؟''
عدیل اب زور سے چلایا۔ مریم نے اس کی طرف دیکھا اور بہت سکون سے بولی۔
''اس لئے کہ یہ گھر میرا ہے، میں نے کوئی غلطی نہیں کی، کسی کو کوئی دھوکہ نہیں دیا، تو پھر میرا تماشہ کیوں بنے......؟''
''ٹھیک کہہ رہی ہے یہ۔''
مسز سارہ نے جیسے مریم کی ہاں میں ہاں ملائی۔
''ساری دُنیا کو بتا دو عدیل......! کہ میں نے کسی کے خلوص کا مذاق اُڑا کر اسے اس کی نظروں میں گرا دیا ہے۔ پھر میں چلی جاؤں گی اس گھر سے۔ اس گھر میں اپنے جرم کے بینرز لگاؤ، نہیں نظر آؤں گی اس شہر میں، اس گھر میں۔''
''نہیں......! یہ کبھی اس گھر سے نہیں جائے گی۔ یہ گھر میرے پوتے اور اس کی ماں کا ہے۔''

مسز سارہ نے دوٹوک اور ٹھوس لہجے میں عدیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے......! پھر میں ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے U.K چلا جاتا ہوں۔''

''نہیں......! تم بھی یہیں رہو گے، اپنے بچے کے پاس۔''

مسز سارہ نے سخت لہجے میں کہا۔

''اگر تم اس وقت چلے گئے تو بات بہت بگڑ جائے گی۔ تم اس کے ساتھ Sincere ہو، تمہیں ثابت کرنے میں وقت لگے گا۔''

''مجھے نہیں ثابت کرنا، سب کچھ تو چھوڑ دیا ہے اس کی خاطر۔''

عدیل نے اسی طرح غصہ سے جواب دیا۔

''بھانڈا پھوٹنے کی وجہ سے سب کچھ چھوٹا ہے، میری وجہ سے نہیں۔''

مریم نے عدیل کی طرف دیکھ کر اسی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔ عدیل نے پہلے ماں اور پھر مریم کی طرف دیکھا اور پھر کمرے سے باہر چلا گیا۔ مسز سارہ نے آگے بڑھ کر مریم کو گلے سے لگایا۔ اب وہ کچھ بولی نہیں مگر ان کے ہاتھ کی تھپکی خاموشی کی زبان میں مریم کو پرُسکون رہنے کی تاکید کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہاج کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں، منہ کھلا ہوا تھا۔

''علینہ......؟ تم......تم کہاں سے بات کر رہی ہو......؟''

''میں کہیں سے بھی بات کروں، تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے۔''

علینہ فون پر بڑے سپاٹ اور سرد لہجے میں وہاج سے مخاطب تھی۔

''میں نے تو تمہیں صرف یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ کل رات میں نے تمہاری بیٹی کو جنم دیا ہے۔''

''میری بیٹی کو......؟''

''ہاں......! تمہاری بیٹی کو۔ اب اپنے دل سے پوچھو کہ یہ بیٹی تمہاری ہی ہے ناں......؟''

وہاج ایک دم کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''تم کہاں ہو علینہ......؟ بتاؤ مجھے، اس وقت تم کہاں ہو......؟''

علینہ کی سرد اور سپاٹ آواز اس کے کانوں میں تیر بن کر داخل ہوئی تھی۔

''خدا حافظ......!''

علینہ کے ''خدا حافظ'' کہتے ہی اس کا فون بند ہو گیا تھا۔ وہاج اپنے موبائل فون کی طرف گھورتا ہی رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت تھی۔

''یہ علینہ کہاں سے فون کر رہی تھی......؟ کیا کہہ رہی تھی......؟ میری بیٹی......؟ لیکن میری بیٹی، اس کا تو

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

وہاج اب خود سے اُلجھنے لگا۔

''پھر یہ مجھے کیا ہوا ہے......؟ میں اس کی آواز سن کر تڑپ کیوں گیا......؟ اور اس نے مجھے یہ خبر سنانے کے لئے کیوں فون کیا......؟''

وہاج کی حالت پاگلوں جیسی ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

اُجالا گہری نیند سو رہی تھی۔ ناصر حسین آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ رات کافی گہری ہو رہی تھی۔ ساری دُنیا نیند کے حواس اوڑھ کر سو چکی تھی۔ شعور پس پردہ جا چکا تھا۔ ماحول پر لاشعوری حواس حکمران تھے۔ ایسی خاموشی میں ناصر حسین کے موبائل پر گھنٹی بجی تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے کوئی دھماکہ ہوا ہو۔ ناصر حسین پوری طرح سے چونک پڑا تھا۔ اس نے جلدی سے موبائل اُٹھا کر کال کرنے والے کا نام دیکھنے کی کوشش کی۔ اُجالا بھی فون کی گھنٹی کی آواز سن کر کسمسائی تھی۔ ناصر حسین نمبر دیکھ کر اُلجھن میں تھا۔ اس کی آنکھوں سے لگتا تھا کہ وہ اس نمبر سے آشنا نہیں تھا، پھر بھی اس نے کال ریسیو کی۔ اس کی حیرت کی انتہاء نہ رہی۔ دوسری طرف سے انعم مخاطب تھی۔ اس پر تو جیسے آسمان ہی ٹوٹ پڑا تھا۔ اس نے گھبرا کر اُجالا کی طرف دیکھا اور بستر چھوڑ دیا۔ اُجالا کو بھی ناصر کے بستر چھوڑنے کا احساس ہو گیا تھا۔ اس نے کروٹ بدل کر ناصر حسین کی طرف دیکھا تھا۔

''ہیلو......!''

ناصر حسین نہ چاہتے ہوئے بھی بول پڑا۔ دوسری طرف سے انعم اس سے پوچھ رہی تھی۔

''ناصر......! بیٹی کیسی ہے......؟''

ناصر حسین کی آنکھوں میں جیسے آناً فاناً جیسے دوزخ کی آگ بھڑکنے لگی۔ اس نے اُجالا کی طرف دیکھتے ہوئے فون صرف بند ہی نہیں بلکہ پاورڈ آف کر دیا تھا اور پھر ایک گہری سانس لی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ تھی۔

''بڑی جلدی خیال آ گیا بیٹی کا......؟''

وہ سوچتے ہوئے آگے بڑھا اور موبائل ٹیبل پر رکھ کر دوبارہ بستر پر لیٹ گیا تھا۔

''کس کا فون تھا......؟''

اُجالا نے نیند بھری آواز میں ناصر سے پوچھا۔ ناصر نے چونک کر اُجالا کی طرف دیکھا اور فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور آہستہ سے جواب دیا۔

''کسی کا نہیں، Wrong Number تھا۔''

☆......☆......☆

وہاج اپنے آفس میں بیٹھا ہوا کام میں مصروف تھا کہ اسی وقت سہیل دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوا۔ وہاج نے چونک کر سہیل کی طرف دیکھا۔ سہیل نے سلیوٹ کرنے والے انداز میں اس کو سلام کیا۔ اس کے انداز میں شوخی اور شرارت تھی، جو وہاج کی سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ اُلجھن اور حیرت سے سہیل کی طرف دیکھ رہا تھا کہ آخر اس کے پاس خوش ہونے کی وجہ کیا ہے......؟ کیا اچھی خبر لایا ہے......؟ سہیل کرسی گھسیٹ کر وہاج کے سامنے ڈٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھی سی چائے پلاؤ یا اچھی سی Coffee، پھر میں تمہیں ایک Good News سناتا ہوں۔ میرے لئے تو واقعی وہ Good News ہے۔''

وہاج کو اب بھی اس کی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ اب بھی اُلجھن بھری نظروں سے اس کی طرف مسلسل دیکھ رہا تھا۔

''یار......! کیا گھورے جا رہے ہو......؟ چائے پلاؤ۔''

وہاج اپنے آپ کو سنبھال کر زبردستی مسکرایا تھا۔

''اوفو......! تم تو اس طرح کہہ رہے ہو کہ آج تک میں نے تمہیں چائے ہی نہیں پلائی۔ ایک نہیں دس کپ چائے پیو، کوئی نہیں روکے گا۔''

یہ کہہ کر اس نے انٹرکام پر چائے کے لئے کہا اور نئے سرے سے سہیل کی طرف اُلجھن بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ سہیل اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''یار......! کیوں پریشان ہو رہے ہو......؟ میں نے خوش خبری کی بات کی ہے تم سے۔ خدا نہ کرے، بری خبر کی تو نہیں۔''

یہ کہہ کر سہیل نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکالا۔ یہ سفید رنگ کا لفافہ تھا۔ پھر اس نے وہ لفافہ وہاج کی طرف بڑھا دیا۔ وہاج نے حیرت بھری نظروں سے وہ لفافہ سہیل کے ہاتھ سے لے لیا اور بولا۔

''کیا ہے اس میں......؟''

سہیل نے اسی شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''اس میں تمہارے لئے خوش خبری کا خزانہ ہے، تمہاری خوشیوں کی ضمانت ہے، تمہاری پرابلم کا خاتمہ ہے، اس میں تمہارے لئے سب اچھا لکھا ہے۔''

اب وہاج جیسے کچھ کچھ سہیل کے اشاروں سے بات کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے گہری سانس لی اور کچھ سوچتے ہوئے اندر سے ایک پیپر نکالا اور پھر چونک کر سہیل کی طرف دیکھا۔

''یہ تو Report ہے۔''

''ہاں تو میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ F.I.R ہے......؟ میرے یار......! تمہیں تو ویسے ہی سمجھ جانا چاہئے تھا

کہ تمہارے لئے اس وقت اچھی خبر کیا ہو سکتا ہے......؟''

''لیکن یار......!لیکن...... یہ...... یہ......''

وہاج کے حلق میں جیسے کچھ اَٹکنے لگا۔اس کے حواس جیسے اس کا ساتھ نہیں دے پا رہے تھے۔

''یار......! میں نے تمہیں کہا تھا ناں،بعض مرتبہ ایسا ہو جا تا ہے، بہت سے واقعات ایسے ہوئے ہیں، کسی کی Report کہیں پہنچ جاتی ہے،کسی کا مسئلہ کہیں Transfer ہو جاتا ہے۔یار......!انسانوں سے غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔اسی لئے تو کہتے ہیں کہ ہر قدم بہت احتیاط سے رکھنا چاہئے۔یہ زندگی ہے،بعض اوقات ہزاروں غلطیاں بھی انسان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں،اور کبھی کبھی ایک ذرا سی بھول چوک ساری زندگی کے لئے عذاب بن جاتی ہے۔میں تمہیں پہلے ہی کہہ رہا تھا۔''

سہیل بہت ہمدردی، پیار اور محبت سے وہاج کی طرف دیکھتے ہوئے بولا،مگر دہاج کی کیفیت ایسی تھی کہ جیسے اس کے جسم میں خون کی ایک بوند نہ ہو۔وہ پھر کے بُت کی طرح ایک ٹک گھورے جا رہا تھا۔

''یار......! کیا دیکھے جا رہے ہو......؟ خوشی مناؤ اور جاؤ جا کر علینہ بھابی کو گھر لے آؤ۔بھول جاؤ سب کچھ اور بس اتنا یاد رکھو کہ وہ تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہے۔''

وہاج نے آنکھیں بند کر لیں۔اذیت سے اس کا بدن ٹوٹ رہا تھا۔وہ بڑی آہستگی سے بولا۔

''وہ......وہ ماں بن چکی ہے۔اس نے ایک بیٹی کو جنم دیا ہے۔''

سہیل بری طرح چونک پڑا تھا۔

''اچھا......!مگر تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا......؟''

وہ خفا خفا لہجے میں وہاج سے مخاطب ہوا۔

''کیسے بتاتا یار......؟اشتہار لگواتا......؟اس وقت تک تو میں یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ عدیل کی بیٹی ہے۔''

سہیل نے وہاج کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا۔وہاج نے اپنا سر نیچے جھکا لیا تھا، جیسے سہیل سے نظریں ملانے کی ہمت نہ ہو۔

''چلو اُٹھو شاباش......!علینہ بھابی کو فون کرو، پتا کرو کہ وہ کہاں ہیں......؟ اور پھر جا کر انہیں گھر لے کر آؤ تاکہ تم اپنی بیٹی کو باپ کی شفقت سے محروم نہ رکھو۔ جب باپ زندہ ہے تو اولاد باپ کی شفقت سے کیوں محروم رہے......؟ جاؤ جا کر تلاش کرواسے اور گھر لے آؤ اسے۔اپنی بچی کی خاطر سب کچھ بھلا دو میرے یار......!''

سہیل بول رہا تھا اور وہاج کے دماغ میں جیسے آندھیوں کے جھکڑ چل رہے تھے۔وہ کوئی فیصلہ کرنے یا کسی نتیجہ پر پہنچنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم اور فیاض احمد بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے کہ لاؤنج میں رکھے فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔فیاض احمد نے

ملیٰ بیگم کی طرف چونک کر دیکھا اور سلمٰی بیگم نے ان کی طرف دیکھا۔ فیاض احمد فون سننے کے لئے اُٹھنے لگے تو سلمٰی بیگم نے انہیں ہاتھ اُٹھا کر بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔

''میں دیکھتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھیں اور کال اٹینڈ کی۔ ان کی حیرت کی انتہاء نہ رہی۔ دوسری طرف سے انعم بات کر رہی تھی۔ وہ بہت گھبرائی گھبرائی اور پریشان ہونے لگیں۔ پہلے تو سلمٰی بیگم کو اپنے کانوں پر یقین ہی نہیں آیا کہ وہ انعم کی آواز سن رہی ہیں۔ بڑی مشکل سے ان کے منہ سے نکلا۔

''انعم......؟''

دوسری طرف سے انعم کہہ رہی تھی۔

''امی......! میں بہت جلدی میں فون کر رہی ہوں۔ آپ سے زیادہ دیر بات نہیں کر پاؤں گی۔ میری یہ ایک بات سن لیں۔''

وہ جلدی جلدی بول رہی تھی۔ سلمٰی بیگم اس کی گھبراہٹ کا اندازہ لگانے کے بعد مزید پریشان ہو رہی تھیں۔

''ہاں ہاں بیٹا......! جلدی سے بتاؤ، کیا بات ہے......؟ میرا دل تو جیسے ڈوبا جا رہا ہے۔''

فیاض احمد بھی لفظ ''انعم'' سن کر ناشتہ چھوڑ کر ان کے پاس آ کھڑے ہوئے تھے اور بے اختیار ہاتھ بڑھا بڑھا کر جیسے سلمٰی بیگم سے ریسیور لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ سلمٰی بیگم انہیں ہاتھ کے اشارے سے ٹھہرنے کا کہہ رہی تھیں۔ دوسری طرف انعم کہہ رہی تھی۔

''امی......! وہ آپ ناصر کو فون کر کے کہہ دیجئے کہ بیہ کا بہت خیال رکھے۔ بیہ کو باہر نہ جانے دے۔''

سلمٰی بیگم یہ سن کر تو اور بھی زیادہ حواس باختہ ہو گئیں اور اپنے دھڑکتے ہوئے دل کو تھام کر بولیں۔

''بیٹا......! یہ کیا کہہ رہی ہو......؟ خدانخواستہ بیہ کو کیا ہوا......؟''

''امی......! بیہ کو کچھ نہیں ہوا۔ میں آپ کو یہ کہہ رہی ہوں کہ آپ ناصر کو فون کر کے بس اتنا کہہ دیں کہ وہ بیہ کے معاملے میں بہت محتاط رہے۔ وہ اصل میں، میں جن لوگوں میں پھنسی ہوئی ہوں، وہ بیہ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ امی......! میں اس سے زیادہ آپ سے بات نہیں کر سکتی۔ آپ ناصر کو فون کر کے لازمی کہہ دیں کہ وہ بیہ کو اسکول بھی نہ جانے دے۔''

''مگر بیٹا......! تم کن لوگوں میں پھنسی ہوئی ہو......؟ کون لوگ ہیں وہ......؟ کچھ تو بتاؤ، ہم تمہارے لئے مدد کریں گے۔''

وہ بول رہی تھیں اور انعم کی آواز آنا بند ہو گئی تھی۔ سلمٰی بیگم نے ریسیور ہاتھ میں پکڑے پکڑے فیاض احمد کی طرف دیکھا جو بہت پریشان اور فکرمند دکھائی دے رہے تھے۔ فیاض احمد نے سلمٰی بیگم کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کان سے لگایا۔

''فون تو بند ہو گیا ہے سلمٰی......!''

''ہاں......!اس نے بند کر دیا۔''

''مگر تم کیوں اتنی پریشان ہو......؟ کیا کہہ رہی تھی وہ......؟''

فیاض احمد نے بڑی پریشانی سے سلمٰی بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''وہ بہت پریشان تھی۔ ناصر کو فون کرنے کے لئے کہہ رہی تھی۔''

''مگر کیوں......؟ ناصر کو کیوں فون کرنے کا کہہ رہی تھی......؟''

فیاض احمد نے پریشان ہو کر پھر پوچھا۔

''وہ کہہ رہی تھی کہ بیبہ کو خطرہ ہے، آپ ناصر کو فون کر کے کہہ دیں کہ وہ بیبہ کو گھر سے باہر نہ جانے دے۔''

سلمٰی بیگم یہ کہتے ہوئے بے اختیار رو پڑیں۔

''او میرے خدا......!''

فیاض احمد نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا۔

''ایک نئی مشکل......!''

وہ بھی بہت فکر مند ہو گئے۔ سلمٰی بیگم آنسو بھری آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''وہ بہت مشکل یں پھنسی ہوئی ہے۔ خدا جانے وہ کس حال میں ہے......؟''

وہ دَھپ سے صوفے پر بیٹھ گئی تھیں اور ان کے خاموش آنسو جھولی میں گر رہے تھے۔

☆......☆......☆

علینہ اپنی بیٹی کو Feed کروا رہی تھی اور بہت محبت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بچی کے بالوں پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ اس کی نظروں میں ماتا کی روشنی تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ۔ کسی دانشور نے کہا ہے، دُنیا کا سب سے خوب صورت منظر وہ ہے جب ماں اپنی اولاد کو اپنی گود میں لئے اس کی طرف محبت سے دیکھ رہی ہوتی ہے۔ علینہ کے چہرے سے لگتا تھا کہ وہ ساری پریشانی، سارے دُکھ جیسے بھول چکی ہے اور بہت پُرسکون ہے۔ اسی وقت اس کے موبائل پر رِنگ ہوتی ہے تو وہ اپنے خوب صورت خیالات سے باہر آ گئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اُٹھایا اور کال کرنے والے کا نام دیکھ رہی تھی۔ وہ بری طرح چونک گئی تھی۔ سامنے وہاج کا نمبر Blink ہو رہا تھا۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''وہاج......؟''

اس نے کال ریسیو نہیں کی اور موبائل Silent پر کر کے واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد کال دوبارہ آنے لگی، لیکن علینہ اس طرح سے بیٹھی تھی کہ جیسے موبائل پر اس کا دھیان ہی نہ ہو۔ اس موبائل پر وہاج کا نمبر Blink ہوتا نظر آ رہا تھا مگر وہ اس کی کال اٹینڈ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ علینہ نے گہری سانس لی اور سوچنے لگی۔

''کیوں فون کر رہے ہو وہاج......؟ ساری عمر مجھے اب ڈھونڈتے رہنا۔ تم نے میرا بستر کانٹوں کا بستر بنا دیا

تھا،تم نے میرے لئے زمین پر کانچ کے ٹکڑے بچھا دیئے تھے۔اس سے پہلے کہ کانچ پر چلتے ہوئے میرے جسم کا سارا خون بہہ جاتا، میں نے تمہاری دُنیا کو خدا حافظ کہہ دیا۔اللہ نے مجھ پر رحم کر دیا۔اب میرے پاس وہ کچھ ہے جو زندہ رہنے کے لئے کافی ہے۔مت آواز دو مجھے اور مجھے ڈھونڈنے کی کوشش بھی مت کرنا۔شکر ہے کہ یہ بچی تمہاری پہنچ سے بہت دُور ہے، جسے تم پیدا ہونے سے پہلے ہی مار رہے تھے۔میں کبھی بھی اس کی شکل نہیں دکھاؤں گی تمہیں،کبھی بھی نہیں۔''

اتنا سوچ کر وہ آنکھیں بند کر لیتی ہے۔چند آنسو اس کے گالوں پر گر کر چمکنے لگتے ہیں۔

☆......☆......☆

فوزیہ کے کان سے ریسیور لگا ہوا تھا۔اس کی آنکھیں حیرت کی انتہاء کا تاثر پیش کر رہی تھیں اور حیرت کی انتہاء یہ تھی کہ وہ بات کرنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔عارف بیڈ پر لیٹا ہوا تھا،اس کے ہاتھ میں کوئی فائل تھی،لیکن اس کے کان فوزیہ کی طرف ہی لگے ہوئے تھے۔فوزیہ بڑی مشکل سے بولی تھی۔

''کیا کہہ رہے ہو بھائی......؟''

عارف نے ایک دم فوزیہ کی طرف دیکھا اور بیڈ سے اُتر کر اس کے پاس آیا۔

''وہاج کا فون ہے کیا......؟ وہ کیا کہہ رہا ہے......؟''

فوزیہ کچھ نہیں بولی اور ریسیور عارف کی طرف بڑھا دیا۔عارف نے ریسیور کان سے لگایا۔

''ہیلو......!''

وہ بہت محتاط انداز میں بول رہا تھا۔

''السلام علیکم......!''

وہاج کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔آواز کا تاثر پچھلی آواز سے مختلف تھا۔آج وہاج کی آواز میں بے بسی، اُداسی اور تھکن نہیں تھی بلکہ کچھ کچھ زندگی کی کھنک محسوس ہو رہی تھی جو عارف کے لئے باعثِ حیرت تھی۔

''خیریت ہے وہاج......؟ آج کیسے فون کر لیا......؟''

''عارف......! وہ اگر ممکن ہے، میرا مطلب ہے، اگر مائنڈ نہ کرو تو علینہ سے میری بات کروا دو۔''

عارف یہ سن کر تو پہلے سے زیادہ فکر مند ہوا اور پھر اس کی آنکھوں میں بے بسی کی کیفیت ظاہر ہوئی۔

''لیکن کیوں......؟ تم تو اس پر اپنے گھر کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر چکے ہو......؟''

''غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں عارف......!''

وہاج بڑے شرمندہ شرمندہ انداز میں عارف سے کہہ رہا تھا۔عارف کو اس کی بات ذرّہ برابر سمجھ نہیں آئی۔ وہ پہلے سے زیادہ اُلجھ گیا تھا۔

''میں تمہاری بات بالکل نہیں سمجھ پا رہا ہوں وہاج......! صاف صاف بات کرو، کھل کر بات کرو۔''

''عارف......! میں چاہتا ہوں، علینہ میری بیٹی کو لے کر واپس گھر آ جائے۔ میں اپنی بیٹی کی خاطر سب کچھ بھلانے کے لیے تیار ہوں۔''

''بیٹی......؟''

عارف کے سر پر جیسے آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔

''ہاں......! میری بیٹی عارف......! جس نے کل اس دُنیا میں آنکھ کھولی ہے۔ علینہ نے مجھے خود فون کر کے بتایا ہے۔''

''میرے خدایا......! تو تم کیوں چھیننا چاہتے ہو اسے......؟''

عارف کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''تمہیں علینہ نے خود فون کر کے بتایا ہے......؟''

''ہاں یار......! میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا......؟ پلیز، میری اس سے بات کرا دو۔ تم سب کچھ بھول جاؤ، میں بھی سب کچھ بھلا دوں گا۔ بس میں اپنی بیٹی سے ملنا چاہتا ہوں، اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

عارف پتھر کا بُت بنا فوزیہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ تو بات کرنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا، کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی۔ دوسری طرف سے وہاج مسلسل بول رہا تھا۔

''یار......! سمجھو قسمت کا لکھا تھا، بھول بھی جاؤ، خدا کے لئے، علینہ سے میری بات کرا دو۔''

عارف کی خاموشی نے وہاج کو پھر بولنے پر مجبور کر دیا۔

''یار عارف......! چھوڑ بھی دو اب یار......! ہم آمنے سامنے بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔ پلیز، میری علینہ سے بات کرواؤ۔ عارف......! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میری ساری Reports بھی بالکل ٹھیک ہیں۔ وہ میری ہی بیٹی ہے، وہ میرا خون ہے عارف......! کچھ تو بولو، تم کیوں خاموش ہو......؟''

عارف کی آنکھوں میں جیسے آگ کی چنگاریاں سلگنے لگی تھیں۔

''کیا بک رہے ہو......؟''

وہ اتنی بری طرح دھاڑا تھا کہ فوزیہ اُچھل کر دو قدم پیچھے چلی گئی تھی۔

''یار......! عدیل کی بیوی کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ علینہ بے وفا ہو سکتی ہے، میرا دل مان کر نہیں دیتا۔ یار......! مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے۔''

وہاج بہت نڈھال لہجے میں بول رہا تھا اور عارف چاروں طرف سے شعلوں میں گھِر چکا تھا۔

''غلطی......؟ یہ غلطی ہے......؟ یہ تو قبیلوں کی خونی جنگ کی بنیاد ہے جو نسلوں تک چلتی ہے اور تم اسے غلطی کہہ رہے ہو......؟ جان سے مار دوں گا میں تمہیں، چھوڑوں گا نہیں۔''

عارف نے اتنا کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ فوزیہ خوف زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے فوزیہ کی طرف دیکھا اور زور سے دھاڑا۔

''دُور ہو جاؤ میری نظروں سے، نفرت ہو رہی ہے مجھے تمہاری شکل سے، تم لوگوں نے ہمیں برباد کر دیا ہے۔''

فوزیہ پہلے سے زیادہ خوف زدہ اور سہمی ہوئی سی نظر آ رہی تھی۔

''اسی وقت نکل جاؤ یہاں سے۔''

عارف اتنی زور سے دھاڑا کہ فوزیہ نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے، جیسے اپنے دل کو باہر آنے سے روک رہی ہو۔ پھر کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

''مگر میرا قصور تو بتائیں۔''

عارف نے خونی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''قصور تو تب بتاؤں گا، جب تمہارا بھائی میری بہن کا قصور بتائے گا۔''

''کیا ہو گیا ہے آپ کو......؟''

فوزیہ آہستہ سے بولی تھی۔

''اگر مجھے واقعی کچھ ہو جاتا تو میں علینہ کو Shoot کر دیتا۔ سوچو ذرا، ایک لمحے کے لئے سوچو۔''

عارف پھر اسی طرح سے دھاڑا تھا۔ اس کی دھاڑ پورے گھر میں گونج رہی تھی۔

''میں کہہ رہا ہوں، نکلو اسی وقت اس گھر سے، میں لعنت بھیجتا ہوں اس خاندان پر۔''

فوزیہ مزید سہم گئی اور کہنے لگی۔

''آپ جا کر بھائی سے لڑیں، میں کیوں جاؤں اپنے بچے کو چھوڑ کر......؟''

اب فوزیہ نے خوف کی انتہاء پر پہنچ کر خود کو سنبھال لیا تھا۔

''باپ کے گھر سے لائی تھی کیا اسے......؟ وہ صرف میرا بچہ ہے۔ تم لوگوں کی وجہ سے میری بہن نہ جانے کہاں کہاں ٹھوکریں کھا رہی ہوگی......؟''

اب عارف کی آواز میں کچھ دھیما پن محسوس ہوا تھا۔

''بالکل ہی بے قصور نہیں ہے آپ کی بہن، اپنے شوہر کو بتائے بغیر کسی بھی شخص سے دوستی کرنا شک کی ہی بنیاد بن سکتا ہے۔''

''بکواس بند کرو۔ تمہارے بھائی نے میری بہن کی خوشیاں حرام کی ہیں، میں بھی اس کی بہن پر ہر خوشی حرام کر دوں گا۔''

''اللہ کا خوف کریں عارف......! میری زندگی میں آپ کے علاوہ کوئی مرد نہیں ہے اور نہ ہی میں نے آپ سے چھپ کر کوئی ایسا کام کیا ہے اور نہ ہی آپ کو کوئی دھوکہ دیا ہے۔''

شکیلہ خاتون دروازے تک پہنچ چکی تھیں اور کافی کچھ سن چکی تھیں اور جیسے کہ اس کی تو مراد پوری ہوئی تھی۔ وہ اپنی اندرونی خوشی کو چھپاتے ہوئے اندر داخل ہوئی اور جاتے ہی فوزیہ کو دروازے کی طرف دھکا دیا۔

''ارے......! جاتی کیوں نہیں......؟ جا کر بیٹھ بھائی کے دَر پر تا کہ اسے پتا چلے کہ کسی کی بہن بیٹی کے ساتھ زیادتی کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے......؟''

فوزیہ چند لمحے ماں، بیٹے کی طرف دیکھتی رہی اور پھر بہت دُکھ بھرے لہجے میں بولی۔

''یہ غلط ہے، میں نے کچھ کیا ہی نہیں تو مجھے سزا کس بات کی دی جا رہی ہے......؟''

شکیلہ خاتون نے اس کا بازو پکڑا اور دروازے کی طرف لے گئی۔

''ارے......! نکل یہاں سے، تین کپڑوں میں نکل۔ میرے بیٹی کے جہیز کی زمین کے کاغذ تیرے بھائی کے پاس ہیں۔ میری بیٹی کو بھی تین کپڑوں میں نکالا تھا۔''

یہ کہہ کر وہ فوزیہ کو اتنی زور سے دھکا دیتی ہے کہ فوزیہ دروازے سے باہر جا کر گرتی ہے۔ ماں کے اس عمل پر عارف نے کوئی ردّ و قدح ظاہر نہیں کیا تھا۔ اس پر تو جیسے اس وقت خون سوار تھا۔ اسے جھوٹ اور سچ کی کوئی تمیز نہیں تھی۔ غصہ اور انتقام کی آگ نے اس کے سارے راستے بند کر دیئے تھے۔ فوزیہ فرش پر بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

☆......☆......☆

ناصر حسین کان سے ریسیور لگائے بڑے تشویش بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''آنٹی......! آپ مجھے یہ تو بتائیے کہ بیہ کو کس سے خطرہ ہے......؟ کچھ تو پتا چلے، آپ اتنی خوف زدہ اور اتنی ڈری ہوئی کیوں ہیں......؟ مجھے حقیقت بتا کر نقصان ہو سکتا ہے، مگر فائدہ نہیں ہو سکتا۔ آنٹی......! پلیز، مجھے آپ کچھ تو بتائیں۔''

''بیٹا......! میں اس وقت اتنی دُور بیٹھ کر کچھ نہیں بتا سکتی۔ کیونکہ مجھے خود نہیں پتا اس سے زیادہ۔ مجھے تو خود کھوج لگی ہوئی ہے کہ انعم کہاں ہے......؟ اس نے کہاں سے فون کیا تھا......؟ مگر وہ بہت پریشان تھی۔ وہ بار بار یہی کہہ رہی تھی کہ آپ ناصر کو فون کریں اور اس سے کہیں کہ بیہ کا خیال رکھے، اسے گھر سے باہر نہ نکلنے دے اور نہ ہی اسے سکول جانے دے۔ اس کے علاوہ جیسے ہی مجھے کچھ مزید پتا چلا تو بیٹا......! میں تمہیں ضرور بتاؤں گی۔ بس تم بیہ کا خاص خیال رکھنا بیٹا......! خدا حافظ......!''

سلمیٰ بیگم نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا مگر ناصر حسین ریسیور کان سے لگائے اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ اُجالا ڈائننگ روم سے نکل کر اس کے قریب آ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ وہ ناصر حسین کی بات سن چکی تھی اور اس کے چہرے پر بھی تفتیش تھی۔ پھر اس نے بڑی فکرمندی سے ناصر سے پوچھا تھا۔

''ناصر......! کس کا فون ہے......؟''

ناصر اس کی آواز سن کر چونک پڑا تھا اور اس نے ریسیور رکھ دیا تھا، مگر پریشانی کی کیفیت بدستور تھی۔ اُجالا بڑی فکرمندی سے ناصر سے پوچھ رہی تھی۔

''ناصر......! بتاتے کیوں نہیں ہو......؟ کس کا فون ہے......؟ آپ کیوں اتنے پریشان ہیں......؟''

انعم کی مدر کا فون تھا، وہ کہہ رہی تھیں کہ انعم کا فون آیا تھا ان کے پاس، اور وہ کہہ رہی تھی کہ بیہ کا خیال رکھیں۔ کچھ لوگ بیہ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔''

''خدا نہ کرے......!''

اُجالا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''لیکن بیہ نے کیا کیا ہے......؟ وہ تو بہت معصوم سی بچی ہے۔''

''مجھے خود بھی کچھ نہیں پتا، میں تمہیں کیا جواب دوں......؟ لیکن میرے لئے تو ایک بہت بڑا عذاب بن گیا ناں، میں تو اب کوئی کام کرنے کے قابل بھی نہیں ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ بیہ کو اسکول نہ بھیجوں......؟''

''ظاہری بات ہے، اگر اس کو اسکول نہیں بھیجیں گے، گھر میں ہی بٹھا کر رکھیں گے تو کیا بنے گا اس کا......؟''

''ایک خودغرض ماں جس نے اپنی بیٹی کے راستے میں دُور تک کانٹے بچھا دیئے ہیں اور میں کچھ نہیں کر سکا۔''

وہ یہ کہہ کر تیزی میں اس طرف چلا گیا جہاں اس کا بیڈ روم تھا۔ اُجالا گم سم کھڑی اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت فکر مند ہوگئی تھی۔

☆......☆......☆

مسز سارہ، عدیل کو سمجھانے کے لئے اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ مگر عدیل ہتھے سے اُکھڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کا موڈ بہت خراب تھا۔

''ممی......! ان لوگوں کا مزاج ہی ایسا ہے۔ آپ کو پتا ہے، مریم کی بہن انعم بھی اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر چکی ہے۔ ان لوگوں کو گھر بسانا ہی نہیں آتا۔ آپ نے ناصر کو دیکھا ہے ناں، کتنا Decent بندہ ہے، کیا کمی ہے اس بندے میں......؟''

مسز سارہ، عدیل کی طرف ہکا بکا ہو کر دیکھنے لگیں۔ ان کے لئے واقعی یہ نئی خبر تھی۔

''کیا کہا......؟ انعم کی علیحدگی ہو چکی ہے......؟ اوہ نو......!''

''جی ہاں......! نہ صرف علیحدگی ہوئی ہے، بلکہ وہ دوسرا Sclection کر چکی ہے۔ For your kind information''

عدیل نے ماں کو تلخ لہجے میں جواب دیا۔ مسز سارہ کو حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا تھا۔

''واقعی اتنا کچھ ہو چکا ہے......؟ مگر مریم نے تو مجھے کچھ بھی نہیں بتایا اور نہ بتانے کی کوشش کی......؟''

''ممی......! یہ لوگ گھر بسانے کے لئے شادی ہی نہیں کرتے۔''

عدیل نے چہرہ دوسری طرف کرتے ہوئے جواب دیا۔ مسز ساہ نے خفا خفا نظروں سے عدیل کی طرف دیکھا۔

''بری بات ہے عدیل......It is too much!''

اسی وقت مریم لاؤنج میں داخل ہوئی تھی اور اس نے مسز سارہ اور عدیل کی آخری باتیں سن لی تھیں۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ اس نے ایک نظر عدیل کی طرف دیکھا اور دوسری نظر مسز سارہ کی طرف پر ڈالی۔ پھر مطمئن اور پرسکون لہجے میں گویا ہوئی۔

''اپنی غلطی تسلیم کرنا بہت مشکل ہے اور دوسروں کی غلطی کو اپنی ڈھال بنانا بہت آسان ہے۔''

وہ عدیل کو کچھ جتا رہی تھی اور عدیل اس کی بات اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ مسز سارہ، مریم کو سامنے پا کر پریشان ہو گئی تھیں اور پھر ذرا آہستہ آواز میں بولی تھیں۔

''آؤ آؤ بیٹا......! آؤ بیٹھو بیٹا......! مجھے بھی اس وقت عدیل کا انعم کے بارے میں کچھ کہنا اچھا نہیں لگا۔''

مریم نے عدیل کی طرف ایک طنزیہ نظر ڈالی اور پھر بولی۔

''ممی......! مگر میں نے مائنڈ نہیں کیا۔ آپ کو عدیل نے جو کچھ بتایا ہے، وہ بالکل صحیح بتایا ہے۔ عدیل کی اطلاع درست ہے۔ میں اپنی بہن کی غلطی کی وجہ سے اپنے حقوق سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہر انسان اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے، اور دوسری بات یہ کہ میں اپنی بہن کی وجہ سے بلیک میل ہونے والی نہیں ہوں۔ میری بہن نے جو کچھ کیا ہے، وہ خود بھگتے گی۔ اس کا بوجھ عدیل نہیں اُٹھائیں گے اور نہ ہی میں اُٹھاؤں گی۔''

مسز سارہ نے مریم کی بات سن کر ایک گہری سانس لی، جیسے مریم کے ایک ایک لفظ نے ان کے اوپر گہرا تاثر چھوڑا تھا۔ وہ آگے بڑھی اور بہت محبت سے مریم کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

''ٹھیک ہے بیٹا......! سزا چھوٹی ہو یا بڑی، انسان اپنے حصے کی سزا اکیلا ہی کاٹتا ہے۔''

''ممی......! انعم نے غلط حرکت کی، وہ بے شک میری سگی بہن ہے مگر اب میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر عدیل سے تو میرا اُس کا بھی رشتہ نہیں ہے، یہاں تو Compromise ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

یہ کہہ کر وہ واپس پلٹ گئی تھی۔ عدیل غصہ کی شدت سے مسز سارہ کی طرف دیکھنے لگا تھا اور مسز سارہ نے سر یوں جھکا لیا تھا کہ جیسے مریم نے انہیں لاجواب کر دیا ہو۔

☆......☆......☆

فوزیہ کی حالت پاگلوں جیسی ہو رہی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے، آنکھوں سے آنسو نکلے جا رہے تھے۔

وہاج کا وفادار ملازم صابر اس کے سامنے ٹھنڈا پانی کا گلاس لئے کھڑا تھا۔

''بی بی......! آپ خود کو سنبھالیں، یہ پانی تو پییں۔''

فوزیہ نے آنسو بھری آنکھوں سے صابر کی طرف دیکھا اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

''صابر بابا......! اب یہ ٹھنڈا پانی بھی میرے اندر لگی ہوئی اس آگ کو نہیں بجھا سکتا جو میرے بے گناہ وجود کو خاک کا ڈھیر بنا رہی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ بس اب میں مر جاؤں گی۔''

''اللہ نہ کرے بی بی......! یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ......؟ صاحب واش روم میں نہا رہے ہیں، میں نے ان کو بتا دیا ہے۔ بس وہ آنے ہی والے ہیں۔ آپ یہ پانی تو پی لیں۔''

''مجھے نہیں پینا یہ پانی وانی، بس تم بھائی کو جلدی سے بلاؤ۔''

یہ کہہ کر فوزیہ چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ صابر بڑی بے بسی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ وہاج نے اندر قدم رکھا۔ فوزیہ کی حالت دیکھ کر اس کی اپنی حالت غیر ہونے لگی۔ وہ بجلی کی تیزی سے آگے بڑھا اور پوچھا۔

''فوزیہ......! کیا ہوا ہے......؟ اکیلی آئی ہو......؟ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے......؟''

''بس بھائی......! کھیل ختم ہو گیا۔ آ گئی ہوں میں آپ کے پاس۔ ایک پتھر جو آپ کی دہلیز پر ہمیشہ کے لئے گڑھ گیا ہے۔ ایسا بھاری پتھر کہ آپ اس کو ٹھوکر مار کر اپنی جگہ سے سرکا نہیں سکتے۔''

اتنا کہہ کر پھر فوزیہ پھوٹ پھوٹ کر پھر رونے لگی۔ وہاج دم بخود گم سم سا چند لمحے اس کی شکل دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گہری سانس لی جیسے وہ خود سمجھ گیا ہو کہ فوزیہ کے ساتھ کیا ہوا ہے......؟

''مارا ہے تمہیں ان لوگوں نے......؟ میرا مطلب ہے، تائی اماں نے یا عارف نے......؟''

''دھکے مار کر نکالا ہے مجھے۔''

فوزیہ روتے ہوئے بولی۔ صابر بہت غم زدہ سا نظر آنے لگا تھا اور وہاج کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ وہاج تو جیسے یہ سن کر اپنی جگہ پتھر کا بن گیا تھا۔ چند لمحے فوزیہ کی طرف دیکھتا رہا، پھر بڑے ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔

''عارف نے تمہیں دھکے دیئے ہیں یا تائی اماں نے......؟''

''دونوں نے۔''

فوزیہ بلک کر روتے ہوئے بولی۔

''مجھے عارف سے یہ اُمید نہیں تھی۔ وہ تو بہت سمجھدار تھا۔''

''چھوڑیں بھائی......! پہل عارف نے ہی کی تھی۔ تائی اماں نے تو بعد میں مجھے دھکے دیئے ہیں۔''

وہاج یہ سن کر جیسے کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ عارف یہ سب کچھ کر بیٹھا ہے۔ بڑی مشکل سے اس نے خود کو سنبھالا اور بولا۔

''تم آرام سے بیٹھو فوزیہ......! کھانا وغیرہ کھاؤ، میں عارف سے بات کروں گا۔''

''آپ یقین کیوں نہیں کر لیتے بھائی......! کہ میرا گھر ٹوٹ چکا ہے......؟ اور یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔''

وہاج یہ سن کر اپنی جگہ پر پھر پتھر کا بن گیا۔ بڑی بے بسی کی کیفیت تھی اس کی۔ الفاظ ہواؤں میں اُڑتے پھر

رہے تھے، ایسے پرندوں کی طرح جنہیں ہاتھ بڑھا کر پکڑا نہیں جا سکتا۔ وہ گم سم کیفیت میں فوزیہ کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

''کچھ نہیں ہوگا فوزیہ......! عارف ابھی غصے میں ہے۔ اس کا غصہ اُتر جائے گا تو پھر میں اس سے بات کروں گا۔ انشاءاللہ......! تم بے قصور ہو، اللہ تمہاری مدد کرے گا، تمہارا ساتھ دے گا اور مجھ سے جو ہو سکے گا، وہ میں تمہارے لئے ضرور کروں گا۔''

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اور اس نے فوزیہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ فوزیہ نے آنسو بھری آنکھوں سے وہاج کی طرف دیکھا اور یوں انکار میں گردن ہلانے لگی جیسے کہہ رہی ہو کہ بھائی کوئی فائدہ نہیں۔ ایسا نقصان ہوا ہے جس کی اب تلافی ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ وہاج نے بڑے کرب سے آنکھیں بند کر لیں تھیں۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے پر اس کی دلی خوشی جھلک رہی تھی۔ اس کی وفادار ماسی برکتے اس کے پاؤں دبانے میں مصروف تھی۔ اس کے بھی دانت نکلے ہوئے تھے۔ کیونکہ بہت دنوں بعد اس کی مالکن اسے بہت زیادہ خوش نظر آئی تھی۔ شکیلہ خاتون نے اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر اپنے سینے پر رکھے اور برکتے کی طرف دیکھا اور پھر بولی۔

''آج میرے کلیجے میں ٹھنڈ پڑی ہے۔ دیکھا تم نے شاہ سائیں کا کمال......؟''

''جی......! میں تو سدا سے مانتی ہوں شاہ سائیں کو۔ آپ بھول گئیں چوہدرانی جی......! میں ہی آپ کو لے کر گئی تھی شاہ سائیں کے آستانے پر۔''

ماسی نے بڑے خوشامدانہ انداز میں کہا۔ شکیلہ خاتون نے بڑے شاہانہ انداز میں گردن اکڑا کر ماسی کی طرف دیکھا۔

''احسان نہیں رکھوں گی تیرا، ٹرک بھر کر جہیز دوں گی تیری بیٹی کو۔''

ماسی برکتے نے دونوں ہاتھ دُعا کے انداز میں اُٹھائے اور دانت نکال کر خوشامدانہ لہجے میں بولی۔

''جگ جگ جیوے میری چوہدرانی۔ پر یہ نامراد درد تو پیچھا چھوڑے میرا۔ آپ گھر میں نہیں تھیں، میرے پاس پیسے بھی نہیں تھے۔ ساری رات ہائے ہائے کر کے گزر گئی۔''

''لگ کر علاج کرا اور شاہ سائیں سے دم بھی کرا لیا کر۔''

شکیلہ خاتون بولیں۔ ماسی برکتے نے شکیلہ خاتون کی طرف دیکھا اور بولی۔

''ڈبل خرچہ ہوگا چوہدرانی جی......! ڈاکٹر کو بھی دوں اور شاہ سائیں کے بقصے میں بھی ڈالوں......؟''

شکیلہ خاتون نے ہاتھ کو جھٹک کر ناگواری سے کہا۔

''وہ تو چندے کا بقصہ ہوتا ہے۔ پانچ روپے ڈال دے بس۔''

''ان کے موکل ناراض ہوتے ہیں چوہدرانی جی......! پانچ روپے کا چندہ ان کی بے عزتی کی بات ہے۔''
شکیلہ خاتون نیا پنے برابر سے اپنا پرس اُٹھایا، پھر پانچ سو روپے کا نوٹ نکال کر ماسی کو دیتے ہوئے بولی۔
''یہ لے پکڑ پانچ سو روپے۔''
ماسی نے بڑے خوش ہو کر پانچ سو روپے پکڑے اور پانچ سو کے نوٹ کو بڑے پیار سے دیکھتے ہوئے بولی۔
''میں نے تو آستانے میں بھی نیاز بانٹنی ہے۔ منت مانی تھی کہ فوزیہ بی بی اس گھر سے جائے تو میری چوہدرانی کو سکون ملے۔''
شکیلہ خاتون نے بڑی خوشی سے مسکرا کر ماسی برکتے کی طرف دیکھا۔
''اور دے دوں گی تجھے پیسے۔ کیا خبر تیری ہی منت پوری ہوئی ہو۔ شکر ہے، دفعہ ہوئی یہاں سے، سکون کا سانس لیا میں نے۔''
یہ کہہ کر چوہدرانی، شکیلہ خاتون نے بڑے سکون سے آنکھیں بند کر لیں، جیسے کوئی بہت سہانا سپنا دیکھ رہی ہو۔ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ آج اس کی مراد پوری ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

''اس کی آواز سنتے ہی میرا تو ذہن ماؤف ہو گیا۔ Adress بتا تو رہی تھی، مگر مجھے اس وقت بالکل یاد نہیں آ رہا۔''
سلمٰی بیگم بڑی پریشانی کی کیفیت میں اپنی پیشانی کو رگڑتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ فرح اور حماد دم بخود ان کی شکل دیکھ رہے تھے۔ چند لمحے بعد حماد نے گہری سانس لی اور بولا۔
''میں چیک کر لیتا ہوں امی......! اگر Land Line نمبر سے اس نے فون کیا تھا تو میں Adress نکال سکتا ہوں، آپ پریشان نہ ہوں۔''
''ہاں سلمٰی......! تم خود کو سنبھالو......!''
فیاض احمد لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے بولے تھے۔ سلمٰی بیگم ان کو سب کچھ بتا چکی تھیں۔
''کہاں تک سنبھالوں......؟ کتنا سنبھالوں......؟ آخر انسان ہی تو ہوں۔''
سلمٰی بیگم نڈھال لہجے میں بولی تھیں۔
''فیاض......! وہ بہت مشکل میں ہے۔ اس کی آواز سے لگ رہا تھا کہ وہ بہت پریشان ہے۔''
سلمٰی بیگم نے آنسو بھری آنکھوں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔
''ہاں تو امی......! ہم کچھ کرتے ہیں۔ آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں......؟ آخر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا ناں، خون کا رشتہ ہے اس سے، مجبوری ہے ہماری۔''
بولتے بولتے حماد کی آواز میں جیسے بے بسی کی کیفیت جھلکنے لگی۔

''حالانکہ دل تو چاہتا ہے کہ وہ اس مشکل میں کچھ دن پڑی رہے تاکہ اسے اپنی غلطیوں کا کچھ تو احساس ہو۔''

''ایسا نہ کہو بیٹا......! ایک ماں کے سامنے اس طرح سے نہ بولو۔ اولاد چاہے جیسی بھی ہو، اولاد کی تکلیف ماں سے برداشت نہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے، اسے بہت کچھ پتا چل گیا ہوگا۔ خدا کے لئے اسے اس مشکل سے نکالنے کے لئے کچھ کرو۔''

سلمٰی بیگم تڑپ کر بولی تھیں۔

''امی......! آپ فکر نہ کریں، آپ تسلی رکھیں۔ اگر آپ اس طرح پریشان رہیں گی تو خدانخواستہ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی، اور کچھ نہیں تو نانا جان کی صحت کا ہی کچھ خیال کریں جو ابھی زیرِ علاج ہیں۔''

فرح نے آگے بڑھ کر سلمٰی بیگم کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ان کو تسلی دینے لگی۔

''صبح آپ نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ اب کچھ تھوڑا سا کھا لیں۔''

فرح پھر بولی۔

''نہیں بیٹا......! بس بھوک ہی نہیں ہے۔ بھوک لگے گی تو کچھ کھا لوں گی۔ انسان ہی ہوں، بغیر کھائے پیئے کتنے دن تک زندہ رہ سکتی ہوں......؟ تم میری فکر نہ کرو، بس انعم کے لئے کچھ کرو۔''

''امی......! آپ بالکل Relax ہو جائیں۔ میں ابھی کچھ کرتا ہوں۔ ابھی اسی وقت پتا لگاتا ہوں کہ وہ کہاں ہے......؟''

یہ کہہ کر حماد گہری سوچ میں ڈوبا ڈوبا لاؤنج میں اپنے کمرے کی طرف جانے کے لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ سلمٰی بیگم اسی طرح روئی روئی آنکھوں سے فیاض احمد کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

عدیل، مسز سارہ کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اپنے دل کی بھڑاس نکال کر وہ جیسے ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے پر غم و غصے کی کیفیت اسی طرح طاری تھی۔ مسز سارہ اس کی طرف بہت غور سے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر بھی ملال سا تھا۔ بڑے افسردہ سے انداز میں وہ کہہ رہی تھیں۔

''تم نے بہت زیادتی کی ہے عدیل......! مریم کو اس کی بہن کا طعنہ دے کر۔ یہ بہت چھوٹی حرکت ہے۔''

''ممی......! میں بس پاگل ہو چکا ہوں۔ عجیب لڑکی ہے۔ سب دیکھ رہی ہے کہ میں نے اس کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیا ہے۔ پھر بھی......''

عدیل اسی طرح جھنجلا کر بولا۔

''جو خود سچا ہوتا ہے، اس سے جھوٹ اور دھوکہ برداشت نہیں ہوتا عدیل......! مگر میں تمہارے چھوٹے پن کی وجہ سے اس کے سامنے آج نظریں بھی نہیں اُٹھا سکی۔ میں تو یہ سوچ رہی ہوں۔ احساسِ ذلت نے اس کے معصوم

دل پر کیا قیامت ڈھائی ہوگی......؟ مجھ سے زیادہ اس کے اس دُکھ کا اندازہ شاید کوئی نہ لگا سکے، تم بھی نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میری بڑی بہن یعنی تمہارے سگی خالہ نے آج سے تیس سال پہلے کورٹ میرج کی تھی۔ اس لئے کہ میرے ماں باپ اس جگہ شادی کرنے پر رضا مند نہیں تھے، جہاں وہ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن میرے ماں باپ کے دُشمن آج تک یہی کہتے رہے کہ میری بہن نے کورٹ میرج نہیں کی، گھر سے بھاگ گئی تھی، آج تک انہیں گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ میری ماں کا نصیب بھی سلمٰی کی طرح تھا۔ بیٹیوں کا سکھ ان کے نصیب میں نہیں تھا۔"

عدیل، مسز سارہ کی بات سنتے ہوئے ہکا بکا ہو کر ان کی شکل دیکھنے لگا۔ کیونکہ آج پہلی بار مسز سارہ نے اس کے سامنے یہ سب کچھ کہا تھا۔ بڑی مشکل سے وہ ہکلاتے ہوئے بالآخر بولا۔

"لیکن......لیکن ممی......! آپ تو نانا جان کی اکلوتی بیٹی ہیں......؟"

عدیل کی بات سن کر مسز سارہ کے ہونٹوں پر ایک غم زدہ سی مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔

"یہ میرے باپ کا فیصلہ تھا کہ ان کی صرف ایک بیٹی ہے۔ بڑی اور پہلی بیٹی مرچکی ہے۔ چاروں سے برستی ہوئی ذِلتوں کے درمیان انہیں روشنی کے لئے کوئی راستہ تو چاہئے ہی تھا۔ ذِلت کے اندھیرے ان کا جینا دوبھر کر رہے تھے۔ پھر وہ آخر کیا کرتے......؟"

اتنا کہتے کہتے مسز سارہ رُکیں اور عدیل کی طرف دیکھ کر نظریں جھکا لیں اور پھر بولیں۔

"ابا جان اس دُنیا سے چلے گئے مگر میری بہن کو معاف نہیں کیا۔"

عدیل اسی طرح حیرت سے گم سم ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا کہہ رہی ہیں ممی......! آپ......؟ آج تو آپ نے بڑی نئی بات کی ہے۔"

"آج بھی نہ کرتی، اگر تم مریم کو اس کی بہن کا طعنہ نہ دیتے۔ دیکھو بیٹا......! اپنی عزت کتنی پیاری ہوئی ہے۔ ماں بیٹے سے بھی ایسی باتیں چھپاتی ہے۔"

مسز سارہ کے لہجے میں دُور تک دُکھ سسک رہے تھے۔ وہ دُکھ جن کو وہ دفنا کر جیسے فارغ ہو چکی تھی، آج پھر زندہ ہو گئے تھے۔ پھر انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"مگر......مگر وہ کہاں ہوتی ہیں......؟"

عدیل اب غم زدہ لہجے میں مسز سارہ سے پوچھ رہا تھا۔

"میری بہن اور بہنوئی ایک حادثے میں چل بسے۔ انسان زندہ ہو تو خبریں مل ہی جاتی ہیں۔"

عدیل نے اب ایک گہری سانس لی، جیسے بہت دیر کے بعد اس نے اپنے آپ کو کسی اُلجھن سے آزاد محسوس کیا۔

"اوہ......! یعنی خالہ اور خالو اب اس دُنیا میں ہی نہیں ہیں......؟"

"ہاں......! مگر میری مرحومہ بہن کی ایک نشانی ہے، شہریار۔ ماں باپ کے انتقال کے بعد اس کے تایا اظفر کمال نے اس کی پرورش کی۔ بہت دنوں پہلے پتا چلا تھا کہ وہ U.S میں پڑھ رہا ہے۔ پتا نہیں آج کل کہاں ہے......؟

اظفر کمال بھی یہیں کراچی میں ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ ان کے پاس جاؤں، شہریار کا پوچھوں، مگر ہمت نہیں ہوتی۔''

مسز سارہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئیں۔

''کیوں ممی......؟''

عدیل نے بے ساختہ سوال کیا۔

''اس لئے کہ اگر انہوں نے کہہ دیا کہ بڑی جلدی خیال آگیا......؟ آج تک اپنے بھانجے کی خیر خبر کیوں نہیں لی......؟ تو میں انہیں کیا جواب دوں گی......؟ بہرحال یہ تو گزری ہوئی باتیں ہیں۔ جو وقت ہاتھ میں ہے، اسے سنبھالو عدیل......! تم نے مریم کے ساتھ زیادتی کی ہے اور آج زیادتی پر زیادتی کی ہے۔ مجھے بہت دُکھ ہو رہا ہے۔ اتنا دُکھ ہو رہا ہے کہ شاید میں الفاظ میں بیان نہ کرسکوں۔ تم نے انجانے میں اسے بہت بڑی چوٹ لگائی ہے۔''

''میں کیا کروں ممی......؟ بس ایسے ہی میرے منہ سے نکل گیا تھا۔ تھک گیا ہوں میں اسے منا منا کر۔ نہیں مانتی تو میں اب پھر اور کیا کروں......؟ آپ ہی مجھے بتائیں۔''

''مان جائے گی عدیل......! بس تھوڑا صبر سے کام لو۔''

اتنا کہہ کر مسز سارہ نے ٹھنڈی سانس بھری اور بے معنی سا مسکرائیں۔

''آخر عورت ہی ہے بیچاری۔ عورت کا دوسرا نام سمجھوتہ ہے، تھوڑا سا صبر کرو۔ بس اسے کوئی نیا دُکھ نہ دو۔''

یہ کہہ کر مسز سارہ اپنی جگہ سے اُٹھیں اور گلاس میں پانی بھر کر عدیل کی طرف دیکھا۔

''میں تھوڑا آرام کرنا چاہتی ہوں عدیل......! تھوڑی دیر کے لئے مجھے اکیلا چھوڑ دو۔''

عدیل نے ماں کی طرف دیکھا اور گہری سانس لے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

عاطف، اظفر کمال کے سامنے کھڑا خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ کیونکہ اظفر کمال کا غصہ آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔ جھاڑ جھپاڑ کر کے اب وہ گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔ عاطف نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل ڈرتے ڈرتے ان کے سامنے رکھی۔

''سر......! آپ نے مون گروپ آف انڈسٹری کی بجائے پنجابی سوداگر کو E-mail بھیجی تھی۔''

وہ اتنا کہہ کر ایک دم چپ ہوگیا۔ اظفر کمال نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

''مطلب کیا ہے تمہارا......؟ یعنی میں ستیا گیا ہوں......؟ مس مریم کو بھجیں میرے پاس، وہ سارے معاملات دیکھتی ہیں، وہ تم سے زیادہ باخبر ہیں۔ ایک دن کام کرنے کیا پڑ گئے، لگے میری غلطیاں نکالنے۔ مس مریم کو بھجیں میرے پاس، جایئے......!''

عاطف نے ڈرتے ڈرتے اظفر کمال کی طرف دیکھا۔

''سر......! وہ چھٹیوں پر ہیں، شاید آپ یہ بھی بھول گئے ہیں۔''

اظفر کمال نے پھر عاطف کی طرف گھورا۔

''ہاں ہاں بھئی......! سیدھے سیدھے کہہ دو، پاگل ہوگیا ہوں میں، کچھ یاد نہیں رکھتا، یہاں بیٹھا ہوا جھک مار رہا ہوں۔ٹھیک ہے،ٹھیک ہے......! آپ جائیں۔''

یہ کہہ کر اظفر کمال نے اسے تو روانہ کر دیا اور خود بڑبڑانے لگے۔

''خواتین کو ایسے پوسٹ پر ہونا ہی نہیں چاہئے۔ نہ عورت رہتی ہیں نہ مرد بن پاتی ہیں۔''

عاطف جاتے جاتے پلٹا۔

''جی سر......؟''

اظفر کمال نے اس کی طرف گھورا۔

''تم صرف ''جی سر'' کہنے کے لئے ہی بنائے گئے ہو۔تم جیسوں کو بچے پالنے چاہئیں۔ جو کام کر سکتی ہیں، وہ بچہ گود میں لے کر بیٹھ گئی ہیں۔ عجیب Formation ہوگئی ہے سوسائٹی کی۔ میری شکل کیا دیکھ رہے ہو......؟ جاؤ یہاں سے، میری شکل تو مسخ ہوگئی ہے، تم جیسے نکموں کو دیکھ دیکھ کر۔''

عاطف ڈر کر جلدی سے آفس سے باہر نکل گیا۔ اظفر کمال پھر بڑبڑا رہے تھے۔

''میں کیوں بار بار بھول جاتا ہوں کہ وہ شادی شدہ ہے اور اب تو ایک بچے کی ماں بھی بن چکی ہے۔ پتا نہیں کیا ہوگیا ہے مجھے......؟ ساری دُنیا فضول اور بیکار نظر آنے لگی ہے۔ کیا وہی رہ گئی ہے اس دُنیا میں......؟''

☆......☆......☆

علینہ اپنی بچی کو فیڈ کرا رہی تھی کہ اس کے موبائل پر رِنگ ہوئی۔ اس نے جھک کر موبائل پر آنے والی کال کا نمبر دیکھا اور پھر بڑبڑائی۔

''اتنی دیر سے یہ کال آ رہی ہے، پتا نہیں کس کا نمبر ہے......؟ مجھے لگتا ہے، کسی اَن نون (Unknown) نمبر سے وہاج ہی کال کر رہا ہے۔ مگر اب اسے مجھے فون کرنے کی کیا ضرورت ہے......؟ اب اسے کیا مسئلہ ہے......؟''

وہ بچی کے بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی طرف غور سے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے جھک کر بچی کی پیشانی چوم لی۔ چہرے پر ممتا کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بچی کی طرف دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

''زندگی گزارنے کا کتنا خوب صورت بہانہ مل گیا ہے، اب مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔ سب کو دیکھ لیا۔''

یہاں تک سوچ کر اس نے گہری سانس لی تو رِنگ پھر سے ہونے لگی۔ اب اس نے اپنے سر پر زور سے ہاتھ مارا۔

''میں اس کو سمجھا ہی دیتی ہوں۔ کچھ اس طرح سے کہ یہ دوبارہ مجھے کال کرنے کی ہمت ہی نہ کرے۔''

وہ بڑبڑائی اور دانت پیستے ہوئے اس نے کال ریسیو کر لی اور بڑے غصے سے ’’ہیلو‘‘ کہا۔ دوسری طرف سے ڈاکٹر سہیل بات کر رہا تھا۔ علینہ ایک دم چونک پڑی۔ کیونکہ ڈاکٹر سہیل کی آواز سے وہ آشنا تو تھی، لیکن آج سے پہلے اس کی ڈاکٹر سہیل سے کبھی فون پر بات نہیں ہوئی تھی، وہ بھی اس طرح سے کہ ڈاکٹر سہیل نے اسے خود فون کیا ہو۔ دوسری طرف ڈاکٹر سہیل اس کو بڑے اِلتجاء کے انداز میں کہہ رہا تھا۔

’’السلام علیکم......! پلیز بھابی......! فون بند مت کیجئے گا۔ بس میری ایک چھوٹی سی بات سن لیں۔‘‘

علینہ جیسے ایک دم چونک پڑی تھی۔ دوسری طرف سے سہیل کہہ رہا تھا۔

’’سہیل بات کر رہا بھابی......! وہاج کا دوست، ڈاکٹر سہیل۔ آپ سے کئی مرتبہ ملاقات بھی ہوئی ہے، بات بھی ہوئی ہے۔ مجھے اُمید ہے آپ مجھے پہچان گئی ہوں گی۔‘‘

علینہ کے چہرے پر گہری سوچ طاری ہوئی۔ ساتھ ہی وہ اُلجھن میں پڑ گئی۔

’’جی جی......! میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ آپ وہاج کے دوست ہیں۔ لیکن میں وہاج کے گھر میں نہیں ہوں۔ آپ نے یہ رانگ نمبر ڈائل کیا ہے۔‘‘

’’میں نے بالکل ٹھیک نمبر ڈائل کیا ہے بھابی......! پلیز، آپ میری ایک بات سن لیں۔‘‘

علینہ، سہیل کا اندازِ گفتگو محسوس کر کے سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بڑے اُلجھے اُلجھے انداز میں بولی۔

’’جی فرمایئے......! آپ کو مجھ سے بات کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی......؟ خیریت تو ہے......؟‘‘

’’میں آپ سے کہیں مل سکتا ہوں......؟ میرا مطلب ہے، میں آپ کے سامنے بیٹھ کر آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ پلیز، بس آپ ایک مرتبہ میری بات سن لیجئے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ پھر اس کے بعد آپ کو بالکل پریشان نہیں کروں گا۔ دوبارہ کبھی کال نہیں کروں گا، یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔‘‘

سہیل کے انداز میں اتنا اصرار اور اتنی بے ساختگی تھی کہ علینہ یہ بھول گئی کہ اسے کیا جواب دینا چاہئے......؟ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ لیکن سہیل، وہاج کا دوست تھا، اسی حوالے سے بات کر رہا تھا۔ اس لئے علینہ کا موڈ تبدیل نہیں ہوسکتا تھا۔ وہاج کے حوالے سے ہر رشتہ اب اس کے لئے ایک بوجھ تھا، اذیت تھا۔ علینہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔ دوسری طرف سے سہیل بار بار ’’ہیلو، ہیلو‘‘ کر رہا تھا۔ علینہ نے گہری سانس لی اور پھر بولی۔

’’وہاج کو بتا دیجئے کہ میں عدیل کے گھر میں رہ رہی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اسے یہ سن کر بہت خوشی ہوگی۔‘‘

علینہ نے یہ جملہ دانت پیستے ہوئے کہا تھا اور فوراً ہی لائن کاٹ دی تھی۔ اس کی آنکھوں میں انتقام کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔

’’تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے وہاج......! اب اس کا حساب برابر کرنا ہے مجھے۔ ایک پل تمہیں چین سے نہیں جینے دوں گی میں۔‘‘

اس نے کال ہی نہیں بلکہ موبائل ہی پاورڈ آف کر دیا تھا، اور پھر بچی کو بے اختیار اپنے سینے سے لگا کر

چومنے لگی۔

☆......☆......☆

فوزیہ آنسو بھری آنکھوں سے وہاج کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
''بھائی......! مجھے نیند نہیں آ رہی۔ مجھے میرا بیٹا بہت یاد آ رہا ہے۔ کچھ کریں بھائی......!''
وہاج نے فوزیہ کی طرف دیکھا۔ بہن کے آنسو اس کے اپنے دل پر انگارے بن کر گر رہے تھے۔ احساسِ جرم اس کو چاروں طرف سے ایسے گھیرے ہوئے تھا جیسے صرف وہی فوزیہ کا مجرم ہو۔
''میں کوشش کر رہا ہوں فوزیہ......! تم فکر نہ کرو۔ میں نے ڈاکٹر سہیل کو اس کام پر لگایا ہے۔''
فوزیہ نے چونک کر وہاج کی طرف دیکھا۔
''کس کام پر لگایا ہے......؟''
''یہی کہ وہ علینہ سے بات کرے، اس کو سمجھاتے، تاکہ سمجھوتے کی کوئی صورت نکلے۔''
فوزیہ نے بھائی کی بات سن کر کہا۔
''تو پھر آپ اپنے دوست سہیل سے فون کر کے پتا کریں کہ انہوں نے علینہ سے رابطہ ہوا ہے یا نہیں......؟ اگر ہوا ہے تو کیا اس نے کیا جواب دیا ہے......؟''
''فوزیہ......! سہیل کی علینہ سے بات ہوگی تو وہ مجھے خود فون کر کے بتائے گا۔ تم پریشان مت ہو۔ دیکھو، یہ رونا دھونا بند کرو۔ تمہارے آنسو مجھے بہت تنگ کرتے ہیں۔ احساسِ جرم شدید ہونے لگتا ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے میرے دل کی دھڑکنیں کسی بھی وقت رُک جائیں گی۔''
فوزیہ نے ایک دم ہڑبڑا کر وہاج کی طرف دیکھا۔
''اللہ نہ کرے بھائی......! اللہ آپ کو لمبی عمر دے، خوشیوں کے ساتھ۔ میں کیا کروں بھائی......؟ آپ کے لئے دُعا کرتی ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ اپنے لئے ہی دُعا کر رہی ہوں۔ میری تو خوشیاں اب آپ کی خوشیوں سے ہی وابستہ ہیں۔''
وہاج نے ایک گہری اور ٹھنڈی سانس بھری اور بڑی اُداسی سے مسکرایا۔
''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو فوزیہ......!''

☆......☆......☆

سہیل اپنے کلینک میں بہت ڈسٹرب بیٹھا ہوا تھا، وہ بہت اُلجھا اُلجھا سا تھا۔ علینہ کی آواز اس کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اُتر رہی تھی۔
''میں عدیل کے گھر میں رہ رہی ہوں، میں عدیل کے گھر میں رہ رہی ہوں۔''

سہیل اس آواز کی بازگشت سے نڈھال سا ہوگیا۔ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے زور سے پکڑ لیا۔ اس کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ یہ بات وہاج کے سامنے کیسے کہے......؟ پھر اچانک اسے خیال آیا اور اس خیال کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''مجھے عدیل سے بات کرنی چاہئے۔ وہاج سے پہلے مجھے عدیل کو فون کرنا ہوگا۔''

ایک نئے خیال، نئے جذبے سے اس کی آنکھیں یوں چمکنے لگیں جیسے اس کے اندر کوئی بجلی سی دوڑ گئی تھی۔

☆......☆......☆

مریم اپنے بالوں میں برُش کر رہی تھی۔ قریب ہی بچہ کاٹ میں لیٹا ہوا سو رہا تھا۔ برُش کرتے ہوئے مریم گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسی وقت عدیل واش روم سے باہر آیا تھا اور گیلے بالوں کو ٹاول سے رگڑتے ہوئے مریم کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ مریم نے اس کی آمد اور موجودگی کو محسوس کر کے اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا تھا۔ جیسے اسے عدیل کی قربت بہت بھاری گزری ہو، اس کا وجود اسے ذہنی اذیت سے دوچار کر رہا ہو۔ مگر عجیب بے بسی کی کیفیت تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے یہ سب کچھ برداشت کرنا تھا۔ وہ اسی طرح آرام سے اپنے بالوں میں برُش چلاتی رہی۔ عدیل نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ اب وہ آئینے میں مریم کو دکھائی دے رہا تھا۔ مریم نے نظریں جھکا لیں۔ اس سے پہلے کہ دونوں کے درمیان کوئی بات ہوتی، عدیل کے موبائل پر رِنگ ہوئی تھی۔ عدیل ٹاول بیڈ پر پھینک کر تیزی سے آگے بڑھا اور اپنا موبائل اُٹھا کر نمبر دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی اُلجھن بتا رہی تھی کہ کسی Unknown نمبر سے کال آئی ہے، پھر بھی اس نے کال ریسیو کی۔

''ہیلو......!''

دوسری طرف ڈاکٹر سہیل کی آواز ائیر پیس میں گونج رہی تھی۔

''السلام علیکم......! سہیل بات کر رہا ہوں۔''

عدیل چونک سا گیا، پھر بولا۔

''سہیل......؟ کون سہیل......؟''

''وہاج کا دوست، ڈاکٹر سہیل بات کر رہا ہوں۔ میں علینہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

عدیل، سہیل کی بات سن کر اُلجھن میں پڑ گیا اور بولا۔

''تو پھر آپ علینہ کے نمبر پر ڈائل کیجئے۔ آپ میرا نمبر کیوں ڈائل کر رہے ہیں......؟''

ڈاکٹر سہیل کی آواز ائیر پیس میں دوبارہ اُبھری۔

''ایکچوئلی میں انہی کے نمبر پر ڈائل کر رہا ہوں، مگر انہوں نے اپنا نمبر بند کیا ہوا ہے۔ مجبوراً مجھے آپ کا نمبر ڈائل کرنا پڑا۔ پلیز، آپ میری علینہ بھابی سے بات کرا دیجئے۔ میں آپ کا بہت شکرگزار ہوں گا۔''

''لیکن بھئی......! میں علینہ سے آپ کی بات کیسے کرا سکتا ہوں......؟ علینہ سے میرا کیا تعلق ہے......؟ مجھے

سمجھ نہیں آئی کہ علینہ سے بات کرنے کے لئے آپ نے میرا نمبر کیوں ڈائل کیا ہے......؟''

وہ جھنجلاتے ہوئے انداز میں سہیل سے بات کر رہا تھا اور مریم اپنی جگہ سے کھڑی ہو چکی تھی۔ وہ بھرپور توجہ سے عدیل کے ایک ایک لفظ کو سن رہی تھی۔ دوسری طرف ڈاکٹر سہیل کہہ رہا تھا۔

''پلیز عدیل صاحب......! میں آپ سے Request کرتا ہوں، آپ میری بات مان لیں گے تو اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے۔''

''او بھائی......! بات تو میں آپ کی تب مانوں گا ناں، جب علینہ میرے پاس ہو، اور میں آپ سے اس کی بات کرانے کے قابل ہوں، جب علینہ یہاں ہے ہی نہیں تو میں آپ کی اس سے کیسے بات کرا سکتا ہوں......؟''

سہیل، عدیل کی بات سن کر چونک پڑا تھا۔ ایک لمحے کے لئے دونوں طرف خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ پھر سہیل کی آواز ائیر پیس میں اُبھری اور عدیل کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''عدیل صاحب......! آپ یقین کیجئے، آپ کا ذرہ برابر نقصان نہیں ہوگا۔ مگر کچھ لوگوں کو Relief مل جائے گا۔ بس آپ ایک مرتبہ میری بات علینہ سے کروا دیجئے۔''

اب تو عدیل جیسے غصے سے پھٹ پڑا۔

''آپ کو میری بات کی سمجھ نہیں آ رہی کیا......؟ بھئی......! کس نے آپ کو کہہ دیا ہے کہ علینہ یہاں ہوتی ہے......؟''

یہ کہہ کر اس نے فوراً جھنجلاتے ہوئے انداز میں لائن کاٹ دی اور فون پٹخنے کے انداز میں سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور غصے سے جان چھڑانے کے لئے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ مریم کے ہونٹوں پر بڑی طنزیہ سی مسکراہٹ اُبھری تھی۔ وہ معنی خیز انداز میں عدیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بہت سمجھدار انسان ہے، جو بھی تھا، بالکل ٹھیک جگہ فون کر کے علینہ کا پوچھ رہا تھا۔''

عدیل نے غصے سے بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ مریم کے جملے نے تو گویا جلتی پر تیل چھڑک دیا تھا۔ وہ پوری بلند آواز سے دھاڑا تھا۔

''شٹ اَپ......!''

پھر مریم کو گھور کر دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ جو ہر طرف آگ بھڑک رہی ہے ناں، اس کی ذمہ دار صرف تم ہو مریم......! صرف تم......!''

مریم پر اس کے چیخنے، دھاڑنے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ البتہ اس نے اپنے سوئے ہوئے بچے کی طرف دیکھا تھا جو سوتے سوتے اونچی آواز کی وجہ سے جیسے ڈر گیا تھا اور آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ مریم بچے کی طرف بڑھی اور اس کو گود میں اُٹھا کر کندھے سے لگا کر تھپکنے لگی۔

''جو عورت کسی کی عیاشیوں میں رکاوٹ ڈالے، وہ بہت ''بری عورت'' ہوتی ہے مسٹر عدیل......!''

اس نے تپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم صرف مجھے دن رات جلانے کے لئے اس گھر میں بیٹھی ہوئی ہو، ورنہ جب مجھ سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھنا تو یہاں سے کیوں نہیں چلی جاتی ہو......؟''

وہ اسی طرح بپھرے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

''شادی ایک Contract ہوتا ہے مسٹر عدیل......! جو تمہاری طرف سے ڈیمیج ہوا ہے۔ چھوڑ دیں یہ گھر، آپ کی کیا مجبوری ہے......؟ آپ چلے جائیں یہاں سے، یقین کیجئے، جب آپ جا رہے ہوں گے تو میں پیچھے سے آواز دے کر آپ کو نہیں روکوں گی۔''

عدیل نے شعلہ بار نظروں سے مریم کی طرف دیکھا۔

''یہ گھر بھی کیا، میں تو یہ ملک بھی چھوڑ دوں گا۔ اکیلی بیٹھ کر دیواروں سے سر پھوڑنا۔''

''شادی کے بدلے یہی کام کر رہی ہوں، کوئی نیا کام بتائیے۔''

عدیل نے بہت مشکل سے خود کو کنٹرول کیا تھا اور شاید صرف بچے کی وجہ سے۔ چند لمحے وہ تیز تیز سانسیں لیتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

''اب تم سے Compromise نہیں ہو سکتا مریم......! خدا حافظ......!''

یہ کہہ کر اس نے آگے بڑھ کر برش اُٹھایا اور یوں تیز تیز بالوں میں چلانے لگا جیسے اسے اب کہیں جانے کی جلدی ہے۔ مریم بڑے پُرسکون انداز میں اسی طرح سے بچے کو تھپکنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

انعم سگار بکس سے سگار نکال کر دولت خان کی طرف بڑھی۔ دولت خان نے مسکرا کر سگار اس کی اُنگلیوں سے لے لیا۔ انعم نے لائٹر اُٹھایا اور دولت خان کے ہاتھ میں تھما دیا۔ دولت خان لائٹر جلا کر سگار سلگانے لگا اور بڑی ادا سے مسکرا کر انعم کو لائٹر واپس کیا اور پھر بولا۔

''لڑکی......! کوئی بیک گراؤنڈ تو ہوگا تمہارا......؟ آسمان سے تو نہیں گری ہو۔''

انعم نے لائٹر سگار بکس کے اوپر رکھتے ہوئے پلٹ کر دولت خان کی طرف دیکھا۔

''بہت اسٹرونگ بیک گراؤنڈ ہے میرا خان صاحب......!''

کش لگا کر دولت خان نے بڑے مضحکہ خیز انداز میں مسکرا کر انعم کی طرف دیکھا تھا۔

''حیدر آباد کے بازار سے ہو یا لاہور کے......؟''

انعم کے وجود میں جیسے اذیت لہو بن کر دوڑنے لگی تھی۔ اس نے بمشکل خود کو سنبھال کر دولت خان کو مسکرا کر جواب دیا۔

''میں بازاری نہیں ہوں خان صاحب......! غلط فیصلوں کی ماری ہوئی ہوں۔''

''ڈرومت، بازاری سن کر ڈنڈی نہیں ماروں گا۔ شریف ظاہر کرنے پر کرنسی نچھاور نہیں کروں گا۔''

دولت خان نے کش لگا کر کہا تھا۔

''مجھے آپ کی کسی کرنسی کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ جو کچھ دیں، عابد کو دیں۔ یوں سمجھیں مجھے تو آپ کی چھت کے نیچے پناہ ملی ہوئی ہے، اور یہی میرے لئے بہت ہے۔''

انعم کے لہجے میں ایک محسوس ہونے والا دُکھ تھا، جو فی الحال دولت خان کی سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ دولت خان نے سگار کا ایک لمبا کش لیا اور ہنس دیا۔

''ہم نے بھی گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوا ہے لڑکی......! محسوس ہوتا ہے ہمیں کہ تم کمرشل نہیں ہو۔ کمرشل اور خاندانی میں بہرحال فرق ہوتا ہے۔''

''جب آپ فرق محسوس کر سکتے ہیں تو پھر آپ نے لاہور اور حیدر آباد کے حوالے سے بات کیوں کی......؟''

''ارے بھئی......! تم مائنڈ کر گئیں۔ ہم نے تو ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔ بھئی......! تمہارے آگے پیچھے کوئی نظر جو نہیں آتا۔''

''اور نظر بھی نہیں آئے گا، کیونکہ یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔ ان لوگوں کا نہیں جن کے ساتھ میں پلی بڑھی اور ایک عمر گزاری۔''

''اچھا خیر چھوڑو، جانے دو اس ٹاپک کو۔ ہم تو بہرحال بہت خوش ہیں۔ تمہاری انگلش بہت اچھی ہے۔ لگتا ہے، بہت اچھے اسکول، کالج میں پڑھی ہو۔ جو کچھ پڑھ کر سناتی ہو، بڑا مزہ آتا ہے، بہت لطف آتا ہے۔''

''آپ خوش نہیں ہیں خان صاحب......؟ اب تو آپ کی خوشی، میری خوشی۔''

''بہت اچھی باتیں کرتی ہو۔ کم از کم تمہارے آنے سے تنہائی کے عذاب سے تو جان چھوٹی۔ کتابیں بھی سننے کو مل رہی ہیں اور اپنی پسند کی مووی دیکھنے کا بھی مزہ آتا ہے۔ بغیر کمپنی کے ان چیزوں میں کوئی مزہ ہی نہیں۔''

''شکریہ خان صاحب......! میری زندگی کچھ تو کام آئی۔''

''ارے بھئی......! ایسا نہ بولو، تمہیں پتا بھی ہے زندگی کام آنے کا کیا مقصد ہوتا ہے......؟ ہم تمہیں زندہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ تم زندہ رہو گی تو ہمارے دل میں بھی زندہ رہنے کی اُمنگ بے زار رہے گی۔ اب ہمیں اچھی سی کافی (Coffee) پلاؤ، تم کافی بھی بہت اچھی بناتی ہو۔''

انعم خود پر جبر کر کے مسکرائی۔

''ابھی لے کر آئی خان صاحب......! بس یوں گئی اور یوں آئی۔''

یہ کہہ کر وہ فوراً ہی لاؤنج سے چلی گئی۔

☆......☆......☆

حماد نے سی۔ ایل۔ آئی سے دولت خان کا نمبر نکال لیا تھا۔ اب وہ کھڑا نمبر ملا رہا تھا۔ سلمیٰ بیگم، فیاض احمد

اور فرح اُس کے قریب کھڑے تھے اور جیسے بڑی بے چینی سے کچھ ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے سلمٰی بیگم کو کوئی آس سی بندھ گئی ہے۔ وہ بڑی پُر امید نظروں سے حماد کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ حماد نے ریسیور کان سے لگا لیا تھا۔ فیاض احمد وہیں قریب ہی بے قراری سے ٹہلنے لگے۔ چند لمحے بعد رابطہ قائم ہو گیا تھا۔ حماد بڑی بے تابی سے کال ریسیو ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ چند لمحے بعد ہی کال ریسیو ہو گئی تھی۔ دوسری طرف سے کسی بوڑھے آدمی کی تحکمانہ آواز سنائی دی۔

''ہیلو......!''

حماد جلدی سے سنبھل کر بولا۔

''السلام علیکم......!''

دوسری طرف سے دولت خان کہہ رہا تھا۔

''وعلیکم السلام......! کس سے بات کریں گے......؟ کہاں فون ملایا ہے......؟ کیونکہ آپ کی آواز میرے لئے بالکل اجنبی ہے۔ میں یہ آواز پہلی بار سن رہا ہوں۔''

حماد نے پریشان ہو کر پہلے سلمٰی بیگم کی طرف پھر فیاض احمد کی طرف دیکھا اور جلدی سے بولا۔

''جی......! وہ اصل میں مجھے انعم سے بات کرنی ہے۔''

دوسری طرف سے دولت خان بہت غضب ناک لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔

''انعم......؟ کون انعم......؟ کیا لگتی ہے تمہاری......؟ کس لئے فون کیا ہے......؟''

حماد، دولت خان کی غضب ناک آواز سن کر ایک لمحے کے لئے ٹپٹا سا گیا، مگر اِس وقت اسے ایک ہی دُھن لگی ہوئی تھی۔ اُس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا تھا۔

''جی وہ انعم......انعم یہاں ہوتی ہیں، مجھے ان سے بات کرنی ہے۔''

دولت خان اُسی غضب ناک آواز میں دھاڑا۔

''ارے بھئی......! یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ کیا لگتی ہے انعم تمہاری......؟ کیوں فون کیا ہے تم نے انعم کو......؟''

''پلیز......! آپ میری اُس سے بات کروا دیجئے۔ وہ کیا لگتی ہے، کیا نہیں لگتی، وہ بھی آپ کو پتا لگ جائے گا۔''

دولت خان نے دوسری طرف بڑے غصے کے انداز میں ریسیور پٹخ دیا تھا۔ حماد ہکا بکا ریسیور کان سے ہٹا کر ماؤتھ پیس کی طرف دیکھنے لگا۔ سلمٰی بیگم تڑپ کر بولیں۔

''کیا ہوا......؟ کیا لائن کٹ گئی......؟''

فیاض احمد بھی جلدی سے قریب آ گئے۔

''کیا ہوا بیٹا......؟ کون بات کر رہا تھا......؟''

اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بولے......؟

''آپ بتاتے کیوں نہیں......؟''

بہرحال فرح نے بھی اب بڑی بے تابی سے کہا تھا۔

''کیا بتاؤں......؟ پتا نہیں کون بوڑھا خبطی ہے......؟ سیدھے منہ بات ہی نہیں کر رہا۔''

''بیٹا......! دوبارہ ملا لو۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ رانگ نمبر لگ جاتا ہے۔ پریشانی میں آدمی کا دماغ کچھ صحیح سے کام نہیں کرتا۔''

حماد نے باپ کی طرف دیکھا اور بولا۔

''بابا......! نمبر صحیح لگایا تھا، مگر کوئی مسئلہ ضرور ہے۔ وہ بوڑھا آدمی کون ہے......؟ اگر انعم وہاں ہے تو کیوں ہے......؟ اس سوال کا جواب کہاں سے ملے گا......؟ خیر......! آپ فکر نہ کریں، مجھے لگتا ہے کہ انعم نے اسی نمبر سے فون کیا تھا۔ اب میں اس نمبر کے ذریعہ ہی اس جگہ کا، اس ٹھکانے کا پتا لگا لوں گا۔ آپ لوگ بالکل پریشان نہ ہوں۔ اگر انعم وہیں ہے تو میں بہت جلد اس کو آپ کے سامنے لا کھڑا کروں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔''

حماد اُلجھے اُلجھے لہجے میں بڑی سنجیدگی سے کہتے ہوئے لاؤنج سے چلا گیا تھا۔ سمنی بیگم، فیاض احمد کی طرف حیران پریشان دیکھ رہی تھیں، جو نظریں جھکائے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ فرح نے ساس سسر کی طرف دیکھا۔ پھر اُس طرف دیکھا جس طرف حماد گیا تھا اور خود بھی اُسی طرف چل پڑی۔

☆......☆......☆

مریم کو ملازم نے بتایا کہ ڈاکٹر سہیل اُس سے ملنے آئے ہیں۔ وہ یہ سن کر بہت حیران پریشان ہوگئی۔ چونکہ وہ یہ بات بھولی نہیں تھی کہ عدیل کے نمبر پر ڈاکٹر سہیل کا فون بھی آ چکا ہے۔ وہ بڑی کشش و پنج میں پڑتی ہوئی ڈائننگ روم میں داخل ہوئی تو سامنے ڈاکٹر سہیل بیٹھا ہوا تھا جو اُسے دیکھتے ہی فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔

''السلام علیکم......!''

مریم نے اُس کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور اُلجھے اُلجھے انداز میں بولی۔

''وعلیکم السلام......! تشریف رکھئے۔''

سہیل ''شکریہ'' کہہ کر بیٹھ گیا۔ مریم نے سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''ڈاکٹر سہیل......! I am sorry مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ کو مجھ سے آخر ایسا کیا کام پڑ گیا......؟ میرا تو علینہ سے نہ کوئی واسطہ ہے نہ کوئی تعلق۔ پھر آپ مجھ سے ملنے کیوں چلے آئے......؟ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں آپ مجھ سے......؟''

سہیل اُسی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا، پھر اُس نے ایک گہری سانس لی اور نظریں اُٹھا کر مریم کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔

''دیکھیں، میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں، اس پر مجھے بہت شرمندگی ہے، مگر مجبوری ہے۔ اصل میں علینہ بھابی فون اٹینڈ نہیں کر رہیں اور انہوں نے بتایا تھا کہ وہ آپ کے گھر رہ رہی ہیں۔''

مریم نے حیران ہو کر سہیل کی طرف دیکھا۔

''میرے گھر وہ کیوں رہے گی......؟ اور میری اجازت کے بغیر وہ میرے گھر میں کیسے رہ سکتی ہے......؟ میرا مطلب یہ ہے کہ میرا اور ان کا کوئی ایسا تعلق نہیں ہے کہ وہ میرے گھر میں رہنے لگیں۔''

ڈاکٹر سہیل نے اب چونک کر مریم کی طرف دیکھا۔

''کیا وہ یہاں نہیں ہیں......؟''

''آپ کو میری بات کا یقین نہیں تو آپ پورا گھر دیکھ سکتے ہیں، حاضر ہے آپ کے سامنے۔''

سہیل، مریم کی بات سن کر پھر شش و پنج میں پڑ گیا۔

''لیکن علینہ بھابی تو کہہ رہی تھیں کہ......''

''مجھے یہ نہیں پتا کہ وہ آپ سے کیوں جھوٹ بول رہی ہیں......؟ بہر حال وہ یہاں نہیں ہے۔ اگر وہ یہاں ہوتی تو میں پہلی فرصت میں آپ کی اُس سے ملاقات کروا دیتی۔ لیکن وہ بہت سمجھدار ہے، وہ میری موجودگی میں یہاں رہنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔''

ڈاکٹر سہیل، مریم کی یہ باتیں سُن کر بڑی بری طرح اُلجھ گیا تھا جیسے اُسے کچھ سمجھ نہ آ رہی ہو۔ پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''وہ اصل میں اگر علینہ بھابی نے یہ نہ کہا ہوتا کہ وہ یہاں ہیں، تو میں ہرگز یہاں نہیں آتا، I am sorry میری وجہ سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔''

جس وقت سہیل بول رہا تھا، عین اُسی وقت مریم کی نظر دروازے سے باہر پڑی تھی۔ عدیل اپنا سوٹ کیس کرالنگ کرتا ہو باہر کی طرف جا رہا تھا۔ مریم، سہیل کی طرف دیکھ کر کھڑی ہوگئی۔

''ایک منٹ پلیز، ویٹ کیجئے، میں ابھی آئی۔''

وہ اتنا کہہ کر آگے بڑھی اور دروازے کی اوڑ میں کھڑی ہو کر اُس نے عدیل کو آواز دی۔

''عدیل......! آپ سے ملنے کوئی مہمان آئے ہیں۔''

عدیل آف موڈ میں مریم کی طرف دیکھ کر بولا۔

''مجھے کسی میمان وہمان سے نہیں ملنا۔''

''آپ ایک دفعہ ان کی بات تو سُن لیں۔''

''آخر وہ ہیں کون......؟''

''یہیں بیٹھے ہیں، آپ کی اور میری بات سن رہے ہیں۔ پلیز آ جایئے......!''

عدیل یہ سن کر اپنے غصے کو ضبط کرتا ہوا سوٹ کیس وہیں چھوڑ کر ڈائننگ روم کی طرف چلا آیا۔ ڈاکٹر سہیل

اُسے دیکھتے ہی کھڑا ہوگیا۔ عدیل نے اُس کی طرف دیکھا۔ سہیل نے اپنا ہاتھ اُس کی طرف مصافحے کے لئے بڑھایا اور بولا۔

''مجھے ڈاکٹر سہیل کہتے ہیں۔''

''بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر، مگر میں آپ کے آنے کی وجہ جاننا چاہوں گا۔''

''مجھے اصل میں علینہ بھابی نے بتایا تھا کہ وہ یہاں رہ رہی ہیں۔ وہ وہاج کا فون اٹینڈ نہیں کر رہیں اور اب میرا فون بھی اٹینڈ نہیں کر رہیں۔ اس لئے مجبوراً مجھے یہاں آنا پڑا۔''

''I am sorry آپ غلط جگہ آگئے ہیں۔''

عدیل نے بڑی رکھائی اور بے زاری سے ڈاکٹر سہیل کو سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے کہا۔

''آپ کو علینہ کی تلاش ہے تو اس کے بھائی سے رابطہ کیجئے۔''

ڈاکٹر سہیل ایک تذبذب کا شکار ہو کر خاموش سا ہوگیا۔ اُسے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ اب وہ عدیل اور مریم سے کیا بات کرے.....؟ عدیل نے ایک نظر مریم پر ڈالی، دوسری ڈاکٹر سہیل پر، اور پھر بڑے گرم لہجے میں مخاطب ہوا۔

''کیا سمجھا ہوا ہے آپ لوگوں نے، پہلے ہی اس گھر میں کیا کم آگ لگی ہوئی ہے.....؟ وہاج ایک انتہائی احمق انسان ہے۔ اُسے شرم نہیں آئی آپ کو بتاتے ہوئے کہ اُس کی بیوی یہاں رہ رہی ہے.....؟ خدا حافظ.....!''

یہ کہہ کر عدیل فوراً ہی کمرے سے نکل گیا تھا۔ سہیل نے گہری سانس لے کر مریم کی طرف دیکھا تھا اور بڑے شرمندہ شرمندہ لہجے میں بولا۔

''میری وجہ سے آپ کو جو زحمت اُٹھانی پڑی، اُس کی وجہ سے میری طرف سے بہت بہت معذرت قبول کیجئے۔''

اتنا کہہ کر وہ بڑی تیزی سے ڈائننگ روم سے باہر چلا گیا تھا۔ مریم اپنی جگہ لب بستہ کھڑی تھی۔

☆......☆......☆

مسز سارہ عدیل سے بہت غصے میں بات کر رہی تھیں۔

''یہ تم نے کیا حرکت کی عدیل.....؟ تم گھر چھوڑ کر چلے گئے.....؟ اور تمہیں اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ اپنی ماں ہی کو کچھ بتا کر جاتے.....؟''

''آپ میری ماں کہاں ہیں امی.....؟ آپ تو مریم کی ماں بن کر مجھ سے بات کرتی ہیں۔ وہ تو بیوی ہے، کچھ سننے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن آپ تو ماں ہو کر مجھے مارجن نہیں دے رہی ہیں.....؟ کیا کروں اس گھر میں رہ کر.....؟''

مسز سارہ نے گہری سانس لی اور پھر بولیں۔

''اس کا غصہ بجا ہے۔تم تو اس کے غصے کو اور ہوا دے رہے ہو۔ چار دن خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ۔ جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو وہ تمہاری ایک ایک بات پر غور کرے گی۔لیکن اگر اسی طرح شعلوں کو ہوا دیتے رہے تو کچھ بھی نہیں ہو سکے گا اور نہ کچھ بچے گا۔ راکھ ہی راکھ ہوگی ہر طرف۔''

''میں مر رہا ہوں ممی......!اگر میں سچ مچ کسی کے ساتھ اِنوالو ہو جاؤں تو مریم میرا کیا بگاڑ لے گی......؟''

عدیل دوسری طرف سے بڑے غصے سے کہہ رہا تھا۔

''ہاں......! وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتی تمہارا۔مگر بیٹا......!صبر نام کی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔''

مسز سارہ بھی اسی طرح غصے سے بولیں۔

''تو کیا اب میں اس کے پاؤں پکڑ کر بیٹھا رہوں......؟ آپ کو پتا ہے، وہ مجھ سے کس بات پر اصرار کر رہی ہے......؟''

مسز سارہ، عدیل کی بات سُن کر چونک پڑیں۔

''کس بات پر اصرار کر رہی ہے وہ......؟''

''وہ کہہ رہی ہے، میں علینہ سے شادی کروں۔ حالانکہ اُس نے خود علینہ کی زندگی برباد کی ہے۔ وہ اُس کو نہیں، مجھے کنوئیں میں دھکیل رہی ہے۔''

مسز سارہ نے عدیل کی بات سن کر ایک گہری سانس لی۔

''ایک لُٹی پھٹی عورت، خالی دل، خالی دامن، خالی ہاتھ لڑکی اس سے بھی زیادہ کیا کر سکتی ہے......؟ ظاہر سی بات ہے، اس کا دل ٹوٹا ہے، وہ جو نہ کہے، کم ہے۔''

''ممی......! آپ سے بات کرنا بالکل فضول ہے۔ کیونکہ آپ سے بات کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میں مریم کے وکیل سے بات کر رہا ہوں۔ چھوڑ دیں مجھے میرے حال پر۔ اگر اسے میری ضرورت نہیں تو مجھے بھی اس کی ضرورت نہیں۔''

مسز سارہ نے اُس کی بات بہت توجہ سے سُنی اور ایک دُکھ بھری مسکراہٹ اُن کے ہونٹوں پر کھیلنے لگی۔

''واہ......! مرد بھی کیا شئے ہے......؟ ہر وقت راستہ بدلنے کی جلدی ہوتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے، مریم تمہاری دھمکیوں سے ڈر جائے گی......؟''

''میرا ایسا کوئی خیال نہیں ہے۔مگر اُس کی جان مجھ سے چھوٹ جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ دوسری شادی کر لے، اور مگن ہو جائے اپنی زندگی میں۔''

مسز سارہ نے عدیل کی یہ بات سن کر کرب سے آنکھیں بند کر لیں، جیسے وہ اذیت سے ٹوٹنے لگی تھیں۔ پھر بہت آہستہ آواز میں بولیں۔

''میں نے تو آج تک دوسری شادی نہیں کی، دو بچوں کے ساتھ ساری زندگی گزار دی۔''

''ممی......! یہ آپ والا کیس نہیں ہے۔''

عدیل اب جھنجلا کر بولا۔

''دھوکے کا کیس تو ہے ناں......!''

مسز سارہ نے برجستہ کہا تھا۔

''ممی......! آپ چاہتی ہیں، میں اور مریم کبھی ساتھ نظر نہ آئیں۔ آپ کی جگہ کوئی اور ماں ہوتی تو وہ مریم کی سائیڈ نہ لیتی۔ اس کی آگ بجھانے کی کوشش کرتی۔ آپ مریم کی سائیڈ لے رہی ہیں تو وہ اور اکڑ دکھا رہی ہے۔''

''میں ناانصافی کی بات نہیں کرسکتی۔ یہ میری مجبوری ہے کیونکہ اس طرح سے ایک دُکھ سے میں گزر چکی ہوں، بلکہ آج تک گزر رہی ہوں۔ تم بھی من مانی کرو۔ اپنے باپ کی طرح کئی شادیاں کرنے کا تجربہ کرو۔ اگر تمہیں ماں کا احساس ہے تو فوراً گھر آجاؤ ورنہ میں ساری زندگی تمہاری شکل نہیں دیکھوں گی اور نہ اپنی شکل دکھاؤں گی۔''

یہ کہہ کر مسز سارہ نے لائن کاٹ دی تھی۔ اب حیران پریشان ہونے کی باری عدیل کی تھی۔ وہ گم سم اپنی جگہ پر بیٹھا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

مریم کے باس ڈائریکٹر اظفر کمال کی بیوی نیند کے انجکشن کے زیر اثر گہری نیند سو رہی تھی اور اظفر کمال اُس کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

''کیا ہوا تھا بھلا اُس رات......؟ وہ رات جس کی صبح میں نے تمہیں پتھر بنا ہوا دیکھا، تم کچھ بتانے کے قابل بھی نہ رہی۔ تب سے یہ پتھر میرے سر پر برس رہا ہے اور جیسے اب تو میں خود ایک پتھر بن گیا ہوں۔''

یہاں تک سوچ کر اظفر کمال نے ایک گہری سانس لی اور آنکھیں بند کرلیں۔ رگ و پے میں اذیت کی لہریں دوڑ رہیں تھیں۔ وہ بہت نڈھال نظر آرہے تھے، ٹوٹے ہوئے۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر پھر ایک نظر بیلا (بیوی) پر ڈالی۔ وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑانے لگے۔

''ان دنوں میں ایک ایسی آگ میں گھر گیا ہوں بیلا......! جو اس پتھر کو پگھلا رہی ہے۔ مجھے معاف کر دینا۔ آج پہلی بار وہ چہرہ دیکھنے جا رہا ہوں جسے دیکھ کر میرے اندر وہ سکون اُترتا ہے جس کے لئے میں پندرہ سال سے ترس رہا ہوں۔ لیکن تم اس بے نام بے وفائی کو معاف کر دینا بیلا......! اس لئے کہ میں صرف اسے دیکھ سکتا ہوں۔ تم تو جاگتے ہوئے بھی سوئی رہتی ہو۔ میں تو تمہیں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ بیلا......! تم سو جاؤ تاکہ میں تھوڑی سے من مانی کرلوں، تھوڑی دیر کے لئے خود کو بہلا لوں، کسی جھوٹے خواب میں، کسی دھوکے میں، کسی بے بنیاد آس میں۔''

اظفر کمال بڑبڑاتے بڑبڑاتے نڈھال ہوگئے۔ انہوں نے آنکھیں بند کرلیں اور سوچ رہے تھے۔

''میری پیاری بیوی بیلا......! تم بالکل بے قصور ہو۔ میری اس معصوم سی بے وفائی کو معاف کر دینا۔''

☆......☆......☆

مریم، اظفر کمال کو اپنے گھر میں دیکھ کر بہت حیران ہوئی تھی۔ اُسے جیسے یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ بڑی مشکل سے اُس نے خود کو سنبھالا اور بولی۔

''سر......! آپ نے تو مجھے اس وا قت واقعی حیران کر دیا، امیزنگ......!''

اظفر کمال مسکراتے ہوئے بیٹھ رہے تھے، بیٹھتے بیٹھتے انہوں نے ایک نگاہ مریم پر ڈالی اور اپنے ساتھ لائے ہوئے گفٹ پیکس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

''یہ کچھ ڈیوز (Dues) تھے۔''

مریم نے کچھ مسکرا کر اور کچھ حیران ہو کر پوچھا۔

''Dues.....?''

''ہاں بھئی......! آپ کے بابا کے Dues آپ کے بابا کے لئے۔''

مریم مسکرا پڑی۔

'' Thank you very much سر......! آپ نے بہت تکلف کیا۔ اب آپ اتنی رات کو صرف Dues کلیئر کرنے آئے ہیں......؟''

اب اُس کے لہجے میں تھوڑی سی زندگی اور شرارت تھی۔ بہت دنوں بعد ایسا ہوا تھا کہ واقعی وہ دل سے مسکرائی تھی۔ اظفر کمال نے کھوئی کھوئی نظروں سے مریم کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور فوراً ہی نظریں جھکا لیں۔

''آپ کو بیٹے کی مبارک باد دینے آیا ہوں اور آپ کو یہ یاد دلانا بھی مقصود ہے کہ آپ کے بغیر اُس آفس میں بہت مسئلے آرہے ہیں۔ ہمیں آپ کی کمی اور ضرورت ہر وقت محسوس ہوتی ہے۔''

''سر......very kind of you! بہت بہت شکریہ......! آپ نے مجھے بہت عزت دی، لیکن سر......! ضروری چھٹیاں تو میرا Right ہے ناں......!''

''ooh sure.....! بالکل، مگر کیونکہ ابھی آپ نئی نئی ہیں تو اس سے پہلے کہ ہمیں آپ کی کمی کی عادت پڑ جاتی آپ......چلیں خیر......! آپ کی زندگی کا یہ بہت خوب صورت موڑ ہے۔ آپ کو ایک دفعہ پھر بہت بہت مبارک باد......!''

یہ کہہ کر اظفر کمال نے گفٹ پیکس اپنے ہاتھوں میں اُٹھا کر مریم کی طرف بڑھائے۔

''سر......! آپ نے واقعی بہت تکلف کیا ہے۔ بلکہ میں تو شرمندہ ہو رہی ہوں کہ خدانخواستہ اگر بابا کی وجہ سے میں جاب نہ کر سکی......''

اظفر کمال نے ایک دم اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''ارے......! ایسی دل ہلانے والی باتیں مت کیجئے۔ ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔''

ان کا لہجہ معنی خیز تھا۔ مریم نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا، مگر کچھ بول نہیں پائی۔

''اگر آپ نے ریزائن کیا ناں تو میں آپ کا ریزائن پھاڑ کر پھینک دوں گا۔''

مریم بے ساختہ مسکرا پڑی۔

''سر......! آپ آفس میں ہوتے ہیں تو آپ کے غصے سے دیواریں بھی کانپتی ہیں۔ اس وقت آپ کی باتیں سن کر یقین نہیں آ رہا کہ آپ وہی آفس والے ہمارے سر ہیں۔''

اظفر کمال نے مریم کی بات سن کر اب بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''مس مریم......! بعض اوقات زیادہ اونچی دیواریں اس لئے بنائی جاتی ہیں تاکہ کوئی آسانی سے اندر نہ جھانک سکے۔''

مریم کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''جی......؟ میں سمجھی نہیں سر......!''

''sorry.....! پتا نہیں میں کیا بول گیا......؟ خیر......! آپ چھوڑیں ان باتوں کو، آپ یہ بتایئے کہ اب آپ کے بابا کی صحت کیسی ہے......؟ ماشاءاللہ ٹھیک ٹھاک ہیں......؟''

''جی سر......! ماشاءاللہ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔ شروع دنوں میں تو کافی پرابلم ہوئی تھی۔ لیکن اب بالکل سیٹ ہیں۔''

اظفر کمال نے مریم کی طرف دیکھ کر کہا، ہونٹوں پر ہلکی سے مسکراہٹ تھی۔

''بھئی......! اپنے پیارے سے بیٹے کا دیدار تو کرایئے، اتنی دُور سے کوئی ملنے آیا ہے، اور ہاں......! کیا نام رکھا ہے اُس کا آپ نے......؟''

مریم بے ساختہ مسکرا پڑی اور کہنے لگی۔

''جی......! میں نے اپنے بیٹے کا نام فضیل نام رکھا ہے۔ میں ابھی اسے لے کر آتی ہوں۔''

''ماشاءاللہ......! بہت پیارا نام ہے۔''

مریم باہر جانے کے لئے بڑھی تو اپنی جگہ پر حیرت سے ٹھٹک گئی۔ کیونکہ اُس کی نظر عدیل پر پڑی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس وقت عدیل گھر میں نظر آ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ یہ کہہ کر گھر چھوڑ گیا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس گھر سے جا رہا ہے۔ اسے واقعی حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ کیونکہ عدیل لاؤنج سے یعنی لاؤنج کے دروازے سے یہ دیکھ کر کہ مریم نے اسے دیکھ لیا ہے، واپس پورچ کی طرف پلٹ گیا تھا۔ مریم چند لمحے اپنی جگہ پر سکتے کی کیفیت میں کھڑی رہی۔ پھر اُسے کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عدیل اندر آنے کی بجائے واپس چلا گیا ہے۔

''کیا وہ میری اور سر کی باتیں سن رہا تھا......؟ کس وقت آیا، پتا ہی نہیں چلا......؟''

وہ اُلجھی اُلجھی سی کیفیت میں اپنے بیڈروم کی طرف جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

عدیل نے مریم اور اظفر کمال کی تمام باتیں تو نہیں سنیں تھیں، لیکن جس وقت وہ اندر کی طرف بڑھ رہا تھا، اس وقت اظفر کمال کی آواز باہر آرہی تھی۔ چند جملے اُس کے کان سے ٹکرائے تھے۔ اُسے وہ جملے بڑے معانی خیز اور گہرے محسوس ہوئے تھے۔ وہ متجسس ہوگیا تھا کہ آخر اُس کے گھر میں کون ہے.....؟ کون مریم سے باتیں کررہا ہے.....؟ اس کی آواز اس کے لئے بالکل اجنبی تھی۔ لیکن مریم کے منہ سے لفظ ''سر'' سن کر اُسے اتنا تو اندازہ ہوگیا تھا کہ شاید کوئی آفس کا بندہ آیا ہوا ہے، لیکن اُلجھن کی وجہ صرف اتنی تھی کہ اُس آنے والے شخص کے جملے معمول کے انداز میں نہیں تھے۔ اُن میں کچھ خاص تھا جو عدیل کو چبھ رہا تھا، لیکن وہ کسی نتیجے پر پہنچ نہیں سکتا تھا۔ کچھ ایسا تھا جو اسے بُرا لگا تھا، کیونکہ وہ ابھی مریم کا شوہر تھا۔ شادی مریم کی طرف سے ختم ہونے کا اعلان ہوا تھا، عدیل کی طرف سے نہیں۔ ایک آس اُس کے اندر جاگتی تھی، دوسری اُس کی ماں جگا دیتی۔ وہ بہت مشکل سے خود کو کنٹرول کرتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کررہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر واپس آگیا تھا۔ وہ اُس آنے والے شخص کے سامنے جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

دولت خان اپنی نیند کی گولی اور دوسری میڈیسن لے کر سو چکا تھا۔ انعم کو جیسے اپنی سانسوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ بہت پریشان تھی۔ بار بار عابد اور یاسر کے چہرے اُس کے سامنے آجاتے تھے۔ بار بار اُن کی آواز اُس کے کانوں میں آگ بن کر اُترتی تھی۔ اُسے اُن کی دھمکی بھول نہیں پارہی تھی اور دھمکی دینے کے انداز بھی، جب وہ اُسے کہہ رہے تھے کہ لگتا ہے تمہیں اپنی بیٹی سے محبت نہیں ہے.....؟

پھر اُس کے بعد انہوں نے جس طرح سے اُسے دھمکی دی تھی، وہ خودسر صحیح، آزاد خیال صحیح، بہرحال ایک ماں تو تھی، اور عورتوں کی طرح Ideal ماں نہ صحیح، جنم دینے والی ماں اپنے بچے کو خطرے میں پا کر مرغی بھی اپنے پَر پھیلا دیتی ہے اور چوزوں کو اپنے پَروں میں سمیٹ لیتی ہے۔ وہ پھر بھی ایک انسان تھی۔ انسانیت کے معیار پر اگر پورا نہیں اُتری تھی تو بھی اُس کا ایک انسان ہونا تو طے تھا۔ اسے ایک پل چین نہیں تھا۔ اسے بستر پر کانٹے چبھ رہے تھے اور زمین پر کانچ کے ٹکڑے، اس کا ذہن بالکل ماؤف تھا۔

☆......☆......☆

انابی اور فرح، سلمیٰ بیگم کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں جو بہت پریشان ہورہی تھیں۔ وہ دونوں سلمیٰ بیگم کو سمجھا رہی تھیں۔ فرح نے کہا۔

''امی.....! حماد کو سارا دن ہوگیا ہے، وہ کوشش میں لگے ہوئے ہیں، آپ حوصلہ رکھیں۔''

سلمیٰ بیگم بڑی نڈھال سی آواز میں بولیں۔

''بیٹا.....! حوصلہ ہی تو کررہی ہوں، لیکن مجھے تو اب حماد کی فکر بھی لگ گئی ہے۔ کب سے نکلا ہوا ہے، اللہ اس کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔''

''اے سلمیٰ......! انشاء اللہ تعالیٰ وہ کوئی اچھی خبر لے کر ہی آئے گا۔ انعم سگی بہن ہے اُس کی، تم دیکھنا جب تک وہ اُسے ڈھونڈ نہیں نکالے گا، چین سے نہیں بیٹھے گا۔''

سلمیٰ بیگم نے نڈھال انداز میں انابی کے کندھے سے اپنا سر ٹکا دیا۔

''اس لڑکی کی نادانی نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔ مجھے تو اب کی فکر بھی پریشان کر رہی ہے۔ اللہ میری معصوم بچی کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔''

''آمین......!''

انابی اور فرح نے دونوں ایک آواز میں ''آمین'' کہا۔ انابی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

''ایک قیامت کے بعد دوسری قیامت۔ کس کی نظر لگ گئی ہے اس ہنستے بستے گھر کو......؟''

سلمیٰ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''انابی......! اگر کبھی انجانے میں، میں نے آپ کا دل دُکھا دیا ہو تو معاف کر دیجئے گا۔''

انابی نے تڑپ کر سلمیٰ بیگم کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''باؤلی ہوئی ہو، میرا گھر ہے، میرے بچے ہیں۔ ارے بیٹا......! دُنیا میں انابی کا کوئی نہیں تھا، اللہ نے گھر بار والا بنا دیا۔ میں تو جھولی پھیلا پھیلا کے شیخ صاحب کے لئے اور ان کے بچوں کے لئے دن رات دُعائیں کرتی ہوں۔''

''انابی......! آپ ہی میری ماں ہیں۔''

سلمیٰ بیگم سسکیاں روک کر بولیں۔

''ہاں بیٹا......! میں ہی تمہاری ماں ہوں۔ تم نے اپنی ماں کو دیکھا ہی کب ہے......؟ آنکھ کھولی تو میں ہی تمہارے سامنے تھی بیٹا......! شادی ہوگئی تو تمہارے ساتھ یہاں چلی آئی۔ اللہ تمہارے سہاگ کو سلامت رکھے جو مجھے بیٹوں کی طرح عزت دیتا ہے۔''

''آمین......!''

سلمیٰ بیگم پھوٹ پھوٹ کے رونے لگیں۔

''جانے کہاں مارا مارا پھر رہا ہے میرا بچہ......؟''

فرح نے سلمیٰ بیگم کی کمر سہلانا شروع کر دی، کیونکہ اب اُسے بھی محسوس ہو رہا تھا کہ لفظ اپنا اثر کھو چکے ہیں۔ سلمیٰ بیگم کے تڑپتے ہوئے دل کو قرار تب ہی ملے گا جب حماد اور انعم دونوں اُن کی آنکھوں کے سامنے ہوں گے۔

☆......☆......☆

انعم روزانہ کی طرح آج بھی ٹیرس پر ٹہل رہی تھی۔ بند کمرے میں دل گھبرانے لگتا تو وہ اسی طرح ٹیرس پر آ کر کھڑی ہو جاتی تھی۔ اس وقت سمندر کی طرف سے آنے والی سرد ہوائیں اس کے اندر بھڑکتے ہوئے شعلوں کو کچھ

کچھ سرد کر دیتی تھیں۔ آنچ مدہم محسوس ہونے لگتی تھی۔ تھوڑا سا ذہن کو سکون سا محسوس ہوتا تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنے خیالوں میں ڈوبی ٹہل رہی تھی کہ اُس کی نظر مین گیٹ پر پڑنے والی گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس پر پڑی۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے ایک دَم چونک کر اُٹھ گئی۔ کیونکہ ایک دو نہیں، پوری چار گاڑیاں گیٹ کے سامنے کھڑی تھیں۔ اس نے بہت غور سے دیکھا تو پتا چلا کہ وہ تو پولیس کی وین ہے۔ وہ بُری طرح بدحواس ہوگئی۔ کیونکہ جرم تو اب اس کی سانس کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ پولیس موبائل کو دولت خان کے گیٹ پر دیکھا اسے یوں لگا جیسے یہ پولیس اُسے گرفتار کرنے آئی ہے۔

چند لمحوں کے لئے تو انعم کچھ سمجھ ہی نہ آئی۔ وہ آنکھیں پھاڑے ہکا بکا گاڑیوں کی طرف دیکھتی رہی، پھر ایک دم پیچھے ہٹی اور بھاگتی ہوئی زینہ چڑھ کر کھلی چھت پر پہنچ گئی۔ کھلی چھت پر پہنچ کر جیسے اُس نے اِدھر اُدھر چھپنے کے لئے جگہ ڈھونڈی تو اُسے بڑی مایوسی ہوئی۔ کیونکہ چھت پر کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جس کی اوٹ میں وہ چھپ جاتی۔ وہ بے بسی کی کیفیت میں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کے کان نیچے کی طرف لگے ہوئے تھے۔ اُسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے مین گیٹ کھولا۔ اس کے بعد اس نے بھاری بوٹوں والے قدموں کی آواز سنائی دیں اور یہ بھاگتے دوڑتے قدموں کی آوازیں تھیں۔ پورے گھر میں جیسے ایک ہل چل سی مچی گئی تھی۔ وہ سانس روکے بیٹھی تھی، اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی، طرح طرح کے وہم اُسے ستا رہے تھے کہ شاید عابد اور یاسر نے کوئی ڈرامہ کیا ہے۔ دولت خان کے سونے کے پنجرے سے اس کو واپس نکالنے کے لئے انہوں نے کوئی کھیل کھیلا ہے۔

''یہ ضرور عابد اور یاسر کی دولت خان کے ساتھ کوئی ملی بھگت ہے۔''

یہاں تک سوچ کر جیسے اُسے چکر آنے لگے۔ اُسی وقت اُسے محسوس ہوا جیسے اب دوڑتے ہوئے قدموں کا رُخ بالائی منزل ہے۔ زینہ پر بھاگتے دوڑتے قدموں کی آوازیں بہت نمایاں تھیں۔ اُس کے حلق میں جیسے کچھ پھنس گیا، دل ڈوبنے لگا، سانس نے جتنا سفر طے کیا تھا، اُسی جگہ پر جیسے ٹھہر گئی، چاروں طرف اندھیرے تھے اور اس نے اپنے سر کو تھاما ہوا تھا۔ اچانک، بالکل اچانک حماد کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو اُسے یوں لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ حماد کہہ رہا تھا۔

''جی جی......! یہی انعم ہے۔''

پھر اُس نے انعم کو مخاطب کیا۔

''انعم......! میں ہوں حماد، یہاں کیوں بیٹھی ہو......؟''

انعم نے اپنے چہرے سے دونوں ہاتھ اُٹھائے۔ پھر نظر اُٹھا کر سامنے دیکھا۔ پولیس آفیسر اور سپاہیوں کے بیچ واقعی اس کا اپنا بھائی حماد کھڑا تھا۔ وہ بے اختیار کھڑی اور چیخ مار کر حماد سے لپٹ گئی۔

''مجھے معاف کر دیں بھائی......! مجھے معاف کر دیں، بلکہ ایسا کریں کہ مجھے اپنے ہاتھوں سے گولی مار دیں، مجھے جان سے مار دیں، میں زندہ نہیں رہنا چاہتی کیونکہ میرا زندہ رہنا آپ لوگوں کے لئے مصیبت کا باعث بنے گا۔ بھائی......! بس مجھے اس پنجرے سے نکال دیں، بلکہ مجھے زندگی کے پنجرے سے بھی آزادی دلا دیں؛ جان سے مار دیں مجھے، لے جائیں مجھے یہاں سے۔''

حماد نے آفیسر کی طرف دیکھا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''اچھا......! گھر چلو......!''

انعم نے سر اُٹھا کر حماد کی طرف دیکھا۔

''گھر......؟ مگر بھائی......! وہ نیچے دولت خان......''

''تمہیں دولت خان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم بس گھر چلو......!''

یہ کہہ کر حماد نے اُسے کندھے سے تھام لیا اور زینے کی طرف بڑھا۔ انعم ابھی بھی بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم، انا بی، فرح اور فیاض احمد لاؤنج میں یوں خاموش بیٹھے تھے جیسے اپنے اپنے دل کی دھڑکن گن رہے ہوں یا آتی جاتی سانسوں کا حساب کر رہے ہوں۔ رات کا ایک بج چکا تھا۔ حماد کا کوئی فون نہیں آیا تھا۔ بلکہ فیاض احمد نے اُسے فون کیا تو پتا چلا کہ اُس نے اپنا فون آف کیا ہوا ہے، جس سے پریشانی کم ہونے کی بجائے اور بڑھ گئی تھی۔ انتظار تو یوں تھا جیسے حماد نے انہیں ٹائم دیا ہوا ہے، لیکن جیسے سوچ گہرائیوں سے سفر کرتی ہوئی اس بے کنار دُنیا کے کسی کنارے سے یہ خبر تو لائی تھی کہ جس کا انتظار ہے، وہ آنے والا ہے۔ جب دل کی دھڑکنیں سمٹ کر سکڑ کر ایک انجانے خدشے کا اظہار کرتی ہیں تو وہ نہیں ہوتا، دل کی دی ہوئی کوئی سچی خبر ہوتی ہے۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ باہر پورچ میں گاڑی داخل ہونے کی آواز آئی تو چاروں اپنی جگہ سے یوں دوڑے جیسے کوئی مہمان دیئے ہوئے ٹائم پر واقعی آ گیا ہو۔ چاروں آگے پیچھے چلتے ہوئے باہر برآمدے میں جا کھڑے ہوئے۔ واقعی ایک طرف سے حماد اُتر رہا تھا اور دوسری طرف سے انعم۔ سلمیٰ بیگم کو تو جیسے ہوش آنے لگا۔ انہیں چکر آیا تو وہ جھول گئیں۔ فرح نے فوراً ان کو سنبھال لیا۔

''امی......! ہوش کریں، اب تو انعم آ گئی ہے۔ شکر خدا کا، انعم آ گئی ہے۔ آپ حوصلہ کریں امی......! خود کو سنبھالیں۔''

فرح ان کا گال تھپتھپانے لگی۔ انا بی آگے بڑھیں اور انعم کو گلے سے لگا لیا۔

''ارے بیٹا......! بڑوں کا یہی تو رونا ہے، بچوں کی ہر غلطی کو بھول کہتے ہیں۔ شکر ہے مالک کا کہ بھائی تمہیں لے آیا۔ یوں سمجھو، پتا نہیں کتنی راتوں کے جاگے ہوئے آج ذرا چین سے سوئیں گے۔''

انا بی، انعم کو سینے سے لگائے کہہ رہی تھیں۔ حماد سب پر ایک نظر ڈال کر بڑی تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے ماں سے کوئی بات کی اور نہ باپ سے۔ فیاض احمد نے نظریں اُٹھا کر جاتے ہوئے حماد کو دیکھا اور آہستہ آہستہ قدموں سے آگے بڑھے، پھر انعم کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور بہت دل سوز آواز میں گویا ہوئے۔

''خیریت سے ہو بیٹا......؟''

انعم جیسے زمین میں گڑی ہوئی تھی۔ فی الحال اُس کی زبان پتھر کی تھی جسے حرکت دینا محال تھا۔ سلمیٰ بیگم نے

پھٹی پھٹی آنکھوں سے انعم کی طرف دیکھا اور اپنی بانہیں پھیلا دیں۔ انعم اُن کی بانہوں میں سما گئی۔ سلمٰی بیگم پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔

''دیکھا بیٹا......! دیکھ لیا بیٹا......! دُنیا کیا ہوتی ہے......؟ گھر سے پیاری پناہ عورت کے لئے تو بنائی ہی نہیں گئی بیٹا......! اگر اللہ عورت کو بناتے ہیں تو اسے چھت کا سکون بھی دیتے ہیں۔ گھر قلعہ ہوتا ہے عورت کا، اس قلعے سے باہر عورت ڈھول ہے میرا بیٹا......! میں ماں ہوں، تمہیں سامنے پا کر سارے دُکھ بھول گئی ہوں۔ لیکن دُنیا نہیں بھولتی۔''

وہ یہ کہہ کر نئے سرے سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

فرح کی آنکھوں میں بھی آنسو چمک رہے تھے مگر وہ خاموش تھی۔ انعم نے فرح کی طرف دیکھا ضرور تھا، مگر نظریں چُرا کر چہرا موڑ لیا تھا۔ فرح بھی اُلجھی ہوئی تھی کہ وہ اُلجھ کر لوٹنے والی انعم سے بات کرے تو کیا......؟ انا بی دونوں کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ فیاض احمد کی زبان پر جیسے تالے پڑے ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون بہت مسرور انداز میں علینہ سے فون پر بات کر رہی تھی۔ اس وقت اُن کی خوشی سے بُری حالت تھی۔ اُن کی لاڈلی بیٹی اُس وقت اُن سے ہم کلام تھی اور وہ جیسے سب کچھ بھلا کر اس سے باتیں کرنے میں مگن تھی۔ اُن کی خوشی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ فوزیہ بھی اب بھائی کے گھر جا کر بیٹھ گئی تھی۔

''بیٹی......! اب کوئی خطرہ نہیں، دفع ہوگئی ہے وہ ہمیشہ کے لئے یہاں سے۔''

شکیلہ خاتون بڑی سرخوشی کی کیفیت میں مخاطب تھیں۔ دوسری طرف سے علینہ کی حیرت زدہ آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔

''کیا مطلب اماں......؟ فوزیہ بھابی کہاں ہیں......؟''

شکیلہ خاتون نے گردن اکڑا کر بڑے غرور سے جواب دیا۔

''نکال دیا ہے تیرے بھائی نے، شیر ہے میرا بیٹا، شیر......! ارے......! غیرت مند بچہ ہے۔ آخر کار اُسے ایک دن تو یہ کرنا ہی تھا جس نے اُس کی بہن کو اُجاڑ دیا۔ وہ اُس احسان فراموش، ناشکرے کی بہن کو اپنے گھر میں عزت دے دیتا......؟''

''اماں......! مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ آپ کیا بولے چلی جا رہی ہیں......؟ بھائی نے فوزیہ بھابی کو کیوں نکال دیا......؟ ان کا کیا قصور ہے......؟ وہ کس کو تکلیف دے رہی تھیں......؟''

شکیلہ خاتون نے اب ایک دم غصے سے علینہ کی بات کاٹ دی۔

''بس بس......! بولے چلی جا رہی ہے۔ ارے......! ماں کی بھی سن۔ وٹے سٹے کی شادی کا یہ قانون ہے۔ ہر بات میں ادلہ کا بدلہ۔''

''کس نے بنایا ہے یہ قانون......؟''

علینہ اُلجھی اُلجھی کیفیت میں پوچھ رہی تھی۔ اُس کے لہجے سے ناراضگی کا تاثر واضح تھا۔

''ارے......! کسی نے بنایا ہو، ہمیں کیا......؟ ہم اسے ٹھیک کہتے ہیں۔''

''اگر آپ کی شادی وَٹے سٹے کی ہوتی اور آپ پر یہ قانون Apply کیا جاتا، تب بھی آپ یہی کہتیں؟''

علینہ پریشان بھی تھی اور ناراض بھی، کیونکہ اُسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ فوزیہ کو بے قصور ہوتے ہوئے کس بات کی سزا دی گئی ہے......؟ چلو اُس پر تو الزامات تھے، لیکن فوزیہ تو معصوم تھی۔ علینہ جیسی بھی سہی، پڑھی لکھی تھی۔ اُس کے حلق سے یہ بات اُتر نہیں رہی تھی۔

''اچھا بس......! اب یہ بیکار باتیں ہیں۔ تو اتنی رات کو فون کر رہی ہے، میں اور تیرا بھائی سارا دان تیرا نمبر ملاتے رہے، تو نے فون کیوں نہیں اُٹھایا......؟''

''اس لئے کہ مجھے اب کسی کی ضرورت نہیں اماں......! میرے ساتھ سب نے دُشمنی کی ہے۔''

علینہ کی سپاٹ آواز ایئر پیس میں اُبھری۔ شکیلہ جیسے بیٹی کی بات سن کر تڑپ گئیں۔ ایک دم سینے پر ہاتھ مارا۔

''ہائے......! میں تو تیری ماں ہوں بیٹا......! تجھے میں عدیل کے گھر خود چھوڑ کر آئی تھی۔ اس لئے کہ میں تیرا بھلا چاہتی تھی۔''

''بس......! سب کو دیکھ لیا اماں......! آپ کیونکہ میری ماں ہیں، اس لئے میں آپ سے رابطہ رکھنے پر مجبور ہوں۔ کیونکہ بہرحال ماں ماں ہوتی ہے اور مشکل وقت میں ماں ہی یاد آتی ہے۔''

''اللہ تیری مشکلیں آسان کرے۔ بے وقوف نہ ہو تو، چل سیدھی بچی کو لے کر ادھر آ، دیکھتی ہوں تجھے کوئی کیا کہتا ہے......؟ تیری طرف کسی نے آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھا تو سمجھ لوں گی اچھی طرح۔''

شکیلہ خاتون بڑے لاڈ دُلارے انداز میں بولی تھیں۔

''دل گھبراتا ہے تو آپ سے بات کر لیتی ہوں اماں......! میں جس حال میں ہوں، جس جگہ ہوں، اپنی بیٹی کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ آپ میری فکر نہ کیا کریں۔ خدا حافظ......!''

یہ کہنے کے ساتھ علینہ نے فون بند کر دیا تھا اور شکیلہ خاتون بدحواس ہو کر ''ہیلو، ہیلو'' کہہ رہی تھیں۔ لیکن دوسری طرف سناٹا طاری ہو چکا تھا۔

''آ ہائے......! اتنی باتیں ہوگئیں، بچی کا حال احوال تو میں نے پوچھا ہی نہیں کہ کیسی ہے......؟ کس پر گئی ہے......؟''

وہ بڑبڑانے لگیں۔

☆......☆......☆

فرح نے بہت محتاط انداز میں دبے پاؤں اپنے بیڈ روم میں قدم رکھا تھا۔ جانے کیوں حماد کے سامنے کھڑنے ہونے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ دل میں عجیب عجیب سے وہم آ رہے تھے۔ کیونکہ حماد گاڑی سے اُتر کر سیدھا اندر چلا گیا تھا۔ اُس نے اس وقت کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی اور فرح ایک چاہنے والی بیوی کی طرح اپنے شوہر کے احساسات کے ساتھ ساتھ تھی۔ اُسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ اس وقت ایک بھائی پر کیا گزر رہی تھی......؟ لیکن بہرحال اُسے حماد کے سامنے آنا تو تھا۔ وہ بڑی ہمت کر کے چلی آئی تھی۔ حماد کمرے میں اندھیرا کئے جن کپڑوں میں آیا تھا، انہی کپڑوں میں بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ فرح نے کمرے میں روشنی کرنے کی کوشش نہیں کی اور ہلکی سی مدھم روشنی میں جو باہر لگے انرجی سیور آن ہونے وجہ سے کھڑکی سے آ رہی تھی، اُسی کو غنیمت جان کر حماد کی طرف بڑھی۔

''سو گئے ہیں......؟''

فرح نے ذرا ڈرے ڈرے انداز میں حماد کو مخاطب کیا۔

''نہیں......! جاگ رہا ہوں، بس سونے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

حماد کی آواز بالکل سپاٹ تھی۔

''کھانا نہیں کھائیں گے......؟ کس وقت گھر سے نکلے تھے اور اب دیکھیں، کیا ٹائم ہو رہا ہے......؟ بھوک نہیں لگی ہے کیا......؟''

فرح نے بہت اپنائیت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''نہیں لگی، بھوک لگتی تو تم سے کھانا لگانے کے لئے کہہ دیتا۔''

فرح چند لمحے خاموش کھڑے ہو کر سوچنے لگی کہ اب کیا بات کہے......؟ پھر کچھ سوچ کر بولی۔

''انعم تو اب گھر آ گئی ہے، اب کیوں آپ پریشان ہیں......؟''

''ہاں......! وہ گھر آ گئی ہے، کس حال میں آئی ہے......؟ کہاں سے لایا ہوں......؟ کس طرح لایا ہوں......؟ شرم آ رہی ہے مجھے اپنی زندگی پر۔''

فرح بے اختیار اُس کے قریب بیٹھ گئی اور بہت محبت سے حماد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''اچھا چھوڑیں یہ باتیں، دودھ لے آؤں......؟ کم از کم ایک گلاس دودھ تو پی لیں۔''

''میرا کچھ کھانے پینے کو جی نہیں چاہ رہا ہے فرح......! اگر بھوک لگے گی تو تمہیں کہہ دوں گا۔ تم بھی آرام کرو۔ اور ہاں......! دیکھو ابھی انعم سے کوئی بات نہ کرے۔ اُسے بالکل اکیلا چھوڑ دو۔''

''میری تو ہمت نہیں ہو رہی کہ اس کے سامنے جاؤں۔''

''نہ جاؤ تو بہتر ہے۔''

حماد نے اُسی سپاٹ لہجے میں کہا اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ فرح اب خاموش رہنے پر مجبور تھی۔ کیونکہ حماد کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اُسے بھی کہہ رہا ہو کہ خاموش ہو جاؤ۔

☆......☆......☆

مریم اپنے بیٹے فضیل کو گود لیے لاؤنج میں ٹہل رہی تھی۔ فضیل بہت رو رہا تھا۔ مریم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اُسے کیا تکلیف ہے......؟ وہ کیوں روئے چلا جا رہا ہے......؟ اسی وقت ہی عدیل نے بیڈ روم سے باہر قدم رکھا تھا، نائٹ سوٹ میں ملبوس، بکھرے بکھرے بالوں کے ساتھ۔ اُس نے نیند بھری آنکھوں سے مریم کی طرف دیکھا۔ اصل میں تو وہ فضیل کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے رونے کی آواز سن کر وہ باہر آیا تھا۔

''کیوں رو رہا ہے یہ اتنا......؟''

''آپ سو جائیں جا کر، بچہ ہے، ہوسکتا ہے پیٹ میں درد ہو رہا ہو......؟''

''تو دوائی دے دو کوئی۔ کتنی دیر سے سن رہا ہوں، مسلسل رو رہا ہے یہ۔''

''آپ ایسا کریں، برابر والے بیڈ روم میں جا کر سو جائیں اور درواز بند کر لیں۔ میرا خیال ہے، وہاں اس کی آواز نہیں جائے گی۔''

''افوہ......! یہ بچہ میرا بھی ہے۔ مجھے بھی تو پریشانی ہے ناں کہ یہ اتنی دیر سے کیوں رو رہا ہے......؟''

''میں نے کہا ناں، آپ جا کر آرام کریں۔ یہ میرا ہیڈک ہے۔''

مریم نے رکھائی سے کہا اور بچے کو تھپکنے لگی۔ اس کی پیشانی پر ناگواری کی لکیریں کھچی ہوئی تھیں۔

''سب ہیڈک تمہارے اپنے ہیں تو کوئی فیصلہ کر کے الگ ہو جاؤ۔''

عدیل اب بری طرح جھنجلا کر بولا، کیونکہ بچے کے رونے سے واقعی وہ بہت زیادہ پریشان ہو رہا تھا۔

''میں الگ ہو چکی ہوں۔ آپ محسوس تو کریں۔''

مریم نے تلخی سے کہا۔

''اسے الگ ہونا نہیں کہتے ہیں۔''

مریم، عدیل کی طرف دیکھ کر پھر بچے کو تھپکنے لگی۔ اب اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''میں تو یہ گھر ہی چھوڑ چکا تھا۔ ممی نے مجھے By Force بلایا ہے۔ میں تو صرف ممی کی وجہ سے یہ ٹینشن لے رہا ہوں۔''

عدیل اب بے بھاؤ کی سنانے لگا۔

''کوئی ضرورت نہیں احسان کرنے کی۔ آپ آزاد اور خود مختار ہیں۔ مت Force ہوں۔ صاف صاف بتا دیجئے ممی کو کہ آپ کا میرے ساتھ گزارہ نہیں ہوسکتا۔''

''ہزار دفعہ بتا چکا ہوں، مگر فی الحال جیسے انہیں کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا۔''

عدیل نے اب غصے سے کہا، پھر جاتے جاتے پلٹ کر آیا۔

''میرے گھر میں طرح طرح کے عجیب و غریب لوگ آنے لگے ہیں۔ کان کھول کر سن لو، میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کروں گا۔ تم اپنے آفس کے معاملات اور آفس کے لوگوں کو آفس تک محدود رکھو۔''

''جو کرنا چاہتے ہیں، کر ڈالیں، مگر میں آپ کی لگائی ہوئی پابندیاں قبول نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ میرا اور آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ میرے معاملات میں انٹرفیئر کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ میں علینہ نہیں ہوں جو شوہر یا گھر والوں سے چھپ چھپ کر دوستیاں کروں اور نبھاؤں۔ اس لئے میں جس سے بھی بات کرنا ہوتی ہے، اپنے گھر میں بیٹھ کر کرتی ہوں، اعلانیہ کرتی ہوں۔ میرے ملنے والوں میں سے جس کا جی چاہے گا، آئے گا۔''

مریم نے بچے کو تھپکتے ہوئے بلکہ بچے کی چیخ وپکار کے درمیان اپنی بات مکمل کی۔

''یہاں کوئی نہیں آسکتا میری اجازت کے بغیر۔''

عدیل نے غصے سے کہا۔

''کان کھول کر سن لیجئے مسٹر عدیل......! میں آزاد ہوں۔ میرا کوئی شوہر نہیں ہے جو مجھ پر حق جتائے۔ جو شخص بیوی کا حق مارتا ہے، اُسے حق جتانے کی اجازت بھی نہیں دی جاسکتی، اور کچھ سننا چاہیں گے مجھ سے......؟''

عدیل جیسے اپنے بال نوچنے لگا تھا۔ وہ پاؤں پٹختے ہوئے اپنے بیڈروم کی طرف جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

اُجالا ہاتھ میں چائے کی ٹرے پکڑے لاؤنج میں آئی تو اُس نے دیکھا کہ ناصر فون پر بات کر رہا تھا۔

''آنٹی......! بیہ ابھی سو رہی ہے۔ میں ضرور بات کرادوں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔''

پھر وہ اتنا کہہ کر دوسری طرف کی بات سننے لگا۔ مگر اُسی وقت اُس کی نظر اُجالا پر پڑ گئی تھی۔ اُس نے جیسے جلدی کے انداز میں سلمٰی بیگم سے کہا۔

''آنٹی......! بحیثیت ماں اُس کا جو رائٹ ہے، میں اُس سے بھی انکار نہیں کروں گا۔ اس دُنیا میں کچھ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اپنے حقوق کا تو احساس ہوتا ہے، فرائض کا نہیں۔ مگر مجھے اپنے حقوق کا بھی احساس ہے اور فرائض کا بھی۔ خدا حافظ......!''

یہ کہہ کر ناصر حسین نے فون رکھ دیا تھا اور صوفے پر بیٹھ کر گہری سانس لے کر اُجالا کی طرف دیکھا تھا۔

اُجالا نے چائے کا کپ اُس کے سامنے رکھ دیا مگر کچھ بولی نہیں۔ ناصر حسین خود ہی بتانے لگا۔

''بیہ کی نانی کا فون تھا۔''

تب اُجالا نے غور سے ناصر کی شکل دیکھی۔ جیسے کوئی اندازہ لگانا چاہ رہی ہو۔

''خیریت......! خیریت کا فون تھا ناں......؟''

ناصر حسین کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ اُبھری۔

''بیہ کی ماں کو اچانک بیٹی کی یاد آنے لگی ہے۔''

اُجالا بڑی سادگی سے مسکرائی۔

''ماں ہے، یاد آسکتی ہے۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے......؟''

''میرے لئے بہت حیرت کی بات ہے، ہوسکتا ہے کسی کے لئے ہو یا نہ ہو......؟ چونکہ میں نے انعم کے اندر ماں والی بات کبھی دیکھی نہیں۔ عجیب عورت تھی، ہر وقت اپنی ذات میں گم۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ اُس نے اپنی ذات سے باہر آ کر کچھ دیکھنے، کچھ سمجھنے کی کوشش کی ہو۔ یوں لگتا تھا، اپنی ادا پر لوگ خود ہی فدا ہیں۔''

''اب چھوڑیں بھی۔ وہ سارا قصہ ختم ہو چکا ہے۔ کیوں یاد کر کے اپنی جان جلاتے رہتے ہیں اور میری بھی۔''

ناصر حسین بے ساختہ مسکرا دیا اور بڑے شریر انداز میں اُجالا کی طرف دیکھا۔

''اچھا......! تمہاری جان کس وجہ سے جلتی ہے......؟''

اُجالا نے مسکرا کر نظریں جھکا لیں اور بولی۔

''آپ نے سنا نہیں، اپنے شوہر کے منہ سے کوئی عورت دوسری عورت کی باتیں سنتی ہے تو اُسے اچھا نہیں لگتا۔''

''تو میں کون سا اُس کی تعریفیں کر رہا ہوں......؟''

ناصر حسین نے تھوڑی سی حیرت اور بے ساختگی سے پوچھا۔

''کسی دوسری عورت کی بات تو کر رہے ہیں۔ میرے اور آپ کے درمیان کوئی تیسرا تو ہے۔''

اُجالا نے شرمائے شرمائے انداز میں اُسی طرح نظریں جھکا کر کہا۔ ناصر حسین بے ساختہ ہنس پڑا۔ اُس نے بڑی محبت سے اُجالا کی طرف دیکھا۔

''اچھا......! کیا تم نے مجھے یہ سبق بھی پڑھا دیا۔ باقی مجھے نہیں معلوم تھا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ جب بیوی کے سامنے کسی عورت کی تعریف کی جاتی ہے، جب وہ جلن یا حسد محسوس کرتی ہے، لیکن بات تو کچھ اور بھی ہے۔''

اُجالا ہنس پڑی۔

''اچھا، اب چھوڑیں۔ آپ نے بتایا نہیں کہ بیہ کی نانی اور کیا کیا کہہ رہی تھیں......؟''

اُجالا نے ایک دم بات بدل دی۔

''خود ہی تو کہہ رہی ہو کہ میرے اور تمہارے بیچ اس وقت کوئی تیسرا نہیں ہونا چاہیے۔ چلو، ہم اپنی بات کرتے ہیں۔''

ناصر حسین اُجالا کی خاطر خود کو سنبھال کر ہنسنے لگا۔ یہ الگ بات تھی کہ اُس کا ذہن ابھی تک کہیں دُور قلابازیاں کھا رہا تھا۔

☆......☆......☆

فوزیہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ خود کو سنبھالنے کی بہت کوشش کر رہی تھی۔

''ساری رات نیند نہیں آتی بھائی......! علی کی آواز میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔ ذرا دیر کو آنکھ بھی لگتی

ہے تو یوں لگتا ہے جیسے علی نے مجھے آواز دی ہو، مجھے ماما کہہ کر پکارا ہو۔ بھائی......! وہ میرے بغیر نہیں سوتا تھا۔''

یہ کہہ کر فوزیہ اب خود پر قابو نہ رکھ سکی اور بلک بلک کے رونے لگی۔ وہاج کے چہرے پر کرب اور اذیت کی لکیریں کھنچ گئیں۔ اُس کے پاس وہ الفاظ ہی نہیں تھے جو اُس ماں کو بہلانے کے کام آتے جس کا بچہ، وہ بھی معصوم بچہ موجود ہو، لیکن وہ اس سے مل نہ سکتی ہو، آنکھوں سے دُور ہو۔ بڑی مشکل سے اُس نے فوزیہ سے کہا۔

''علینہ اگر اس گھر میں دوبارہ آگئی تو فوزیہ......! عارف خود بخود نرم پڑ جائے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

''بھائی......! کب حل ہوگا......؟ جب میں مر جاؤں گی......؟ فرض کریں، اگر علینہ نہ آئی تو میں اور میرا بچہ ایک دوسرے کے لئے اسی طرح تڑپتے رہیں گے۔ میں کبھی اپنے بیٹے کو پیار نہیں کر سکوں گی، کبھی اسے دیکھ نہیں سکوں گی۔''

''اللہ نہ کرے......!''

وہاج نے بے ساختہ کہا۔ چھوٹی بہن کے آنسو اس کے دل پر انگارے بن کر گر رہے تھے۔ عجیب بے بسی کی کیفیت تھی۔

''عارف اور تائی اماں نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ اگر علینہ آ بھی گئی تو میں اُس کو آرام سے یہاں پر نہیں رہنے دوں گی۔ اس وقت تک جب تک میرا بچہ مجھے نہیں مل جاتا۔''

وہاج نے فوزیہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر بولا۔

''فوزیہ......! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، اس لئے کہ اصل میں مجرم تو میں ہوں تمہارا۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ یہ سارے دُکھ جو تمہاری جھولی میں ہیں، میرے دیئے ہوئے ہیں۔ میں علی کو تمہارے پاس لے کر آؤں گا اور جب تک علی تمہارے پاس نہیں آجاتا، میں ایک سیکنڈ چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ اپنے بھائی کا اعتبار کرو فوزیہ......! خدا کے لئے، چپ ہو جاؤ۔''

وہاج کی آواز میں اتنی تڑپ تھی کہ فوزیہ جلدی جلدی ہتھیلیوں سے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

☆......☆......☆

فوزیہ کا بیٹا علی بہت رو رہا تھا۔ عارف اُس کو بہلانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

''بیٹا......! سکول کو دیر ہو جائے گی، شاباش بیٹا......! جلدی سے ناشتہ کر لو۔''

''مجھے ماما کے پاس جانا ہے۔''

علی کی ایک ہی رَٹ تھی۔ عارف نے تھکے تھکے انداز میں شکیلہ خاتون کی طرف دیکھا جو اس وقت کٹے ہوئے سیب کی قاش اُٹھا کر منہ میں رکھ رہی تھیں۔ وہ نہار منہ سیب ضرور کھاتی تھیں۔ بقول ان کے اُن کی طاقت اور ان کی سدا بہار جوانی کا راز یہی تھا۔

"مجھے ماما کے پاس جانا ہے۔"

علی کی آواز پھر ماحول میں گونجی، روتی ہوئی ضدی آواز۔

"میں ماما کے پاس جاؤں گا۔ میں سکول نہیں جاؤں گا۔"

وہ پھر بولا۔ شکیلہ خاتون، عارف کی خاطر بہت صبر و ضبط سے کام لے رہی تھیں ورنہ غصہ تو انہیں بہت آ رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ علی کو ایک زور کی ڈانٹ پلا کر خاموش کرا دیں، لیکن ابھی بیٹے سے بہت کام لینے تھے۔ بڑی مشکل تھی، مگر غصہ ضبط کرنا مجبوری تھی۔

"مجھے ماما کے پاس جانا ہے۔ میں سکول نہیں جاؤں گا۔"

علی کی وہی رَٹ تھی۔ اب شکیلہ خاتون ضبط نہ کر سکیں اور جیسے پھٹ پڑیں۔

"ارے......! مرگئی تیری ماں، اب نئی ماں لاؤں گی میں تیرے لئے۔"

عارف نے بڑی ناراضگی سے شکیلہ خاتون کی طرف دیکھا۔

"اماں......! کیسی باتیں کر رہی ہیں......؟ بچوں سے اس طرح کی باتیں کرتے ہیں......؟"

چار سالہ علی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے کہنے لگا۔

"ماما مرگئی ہیں، میں بھی مر جاؤں گا۔ مجھے ماما کے پاس جانا ہے۔"

ماسی برکتے فوراً آگے بڑھی اور علی کی بلائیں لینے لگی اور ایسا ظاہر کیا جیسے علی کی بات سن کر وہ تڑپ گئی ہو۔ اُس تو ویسے ہی مثل صادق آتی تھی کہ ماسی زیادہ چاہے پھپھے کٹنی کہلائے۔ ماسی برکتے، علی کی بلائیں لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"جُگ جُگ جیوے میرا لعل......! بری بات پُتر......! ایسی بات منہ سے نہیں نکالتے۔ اللہ میرے بیٹے کو شیر جوان بنائے۔"

علی روتے ہوئے بولا۔

"دادی بھی تو یہی بات بول رہی ہیں۔"

عارف نے خفا خفا انداز میں شکیلہ خاتون کی طرف دیکھا اور بولا۔

"دیکھ لیا اماں......! اس طرح سیکھتے ہیں بچے۔ بچوں کے سامنے احتیاط سے بات کرنا چاہئے۔ غصہ تو مجھے بھی ہے، آخر میں بھی تو برداشت کر رہا ہوں۔"

"بھئی......! تو مرد ہے اور میں بوڑھی عورت۔ سیدھی سی بات ہے، مجھ سے نہیں ہوتا یہ رِیں رِیں برداشت۔ چپ کرا اسے۔ اس کو بتا دے کہ بھول جا اُس ماں کو۔ اب میں اس کے لئے دوسری ماں لاؤں گی۔"

شکیلہ خاتون اب سچ مچ ہتھے سے اُکھڑ چکی تھیں۔ پوتے کی رِیں رِیں ان کی نازک اعصاب پر پتھر بن کے لگ رہی تھی۔

"اماں......! کچھ تو خیال کیا کریں۔ بچہ بیٹھا ہے آپ کے سامنے، اور آپ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ میں

دوسری شادی کروں گا......؟''

عارف اب جھنجلا کر بولا۔ شکیلہ خاتون ہکا بکا عارف کی شکل دیکھنے لگیں۔

''ہائے ہائے......! تو ساری جوانی ایسے ہی گزار دے گا کیا......؟''

عارف نے جیسے اپنا سر پیٹ لیا۔

''اماں......! آپ سے بھی حد ہے۔ آگ لگی ہوئی ہے چاروں طرف اور آپ کو شادی بیاہ کی پڑی ہوئی ہے......؟ پہلے علینہ کا تو پتا کر لیں کہ وہ کہاں ہے......؟ کس حال میں ہے......؟''

شکیلہ خاتون نے بڑی بے نیازی اور اطمینان سے جواب دیا۔

''رات فون پر بات ہوئی تھی میری۔ خیریت سے ہے میری بچی۔ شکر ہے اللہ کا، کہہ رہی تھی، وہ جہاں ہے، بہت خوش ہے اور کیا چاہئے ہمیں......؟''

عارف ایک دم چونک پڑا۔

''فون کیا تھا اُس نے......؟''

شکیلہ خاتون اُسی طرح بڑے اطمینان سے بولیں۔

''ہاں......! مجھے فون کر کے اپنی خیریت بتاتی رہتی ہے۔ تب ہی تو میں سکون سے بیٹھی ہوں یہاں''

عارف نے اب بڑی مشکل سے غصہ ضبط کیا اور پھر بولا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا کہ اُس کا فون آئے تو میری بھی بات کروائیں۔''

''کہا تھا میں نے اُسے، مگر اُس نے منع کر دیا۔ کہہ رہی تھی کہ مجھے کسی سے بات نہیں کرنا، سب دُشمن ہیں میرے۔''

عارف ماں کی بات کر سن کر ایک لمحے کے لئے دم بخود رہ گیا اور سوچ میں پڑ گیا۔ گہری سانس لینے کے بعد بولا۔

''ہاں اماں......! میری بہن بے قصور ہے، معصوم ہے، اور اب تو مجھے اور بھی زیادہ اچھی لگنے لگی ہے کہ ہم میں سے کسی نے اپنے باپ کے آخری وقت میں باپ کا ساتھ نہیں دیا، اُس کی خدمت نہیں کی اور علینہ آخری وقت میں بابا کے ساتھ تھی۔''

''ارے......! میں تو ہمیشہ سے کہہ رہی ہوں۔ میں ماں ہوں، مجھے زیادہ پتا ہے کہ میری بچی دُکھیا ہے، اُس کے اوپر ظلم ہوا ہے، بہتان لگائے گئے ہیں، تہمتیں لگائی گئی ہیں، میری بے قصور، بے گناہ بچی در بدر ہو کر رہ گئی۔ ککھ نہ رہے ظالموں کا، مٹ جائیں نامراد، میری تو ایک ایک سانس بددُعا بن گئی ہے۔''

عارف ماں کی بددُعائیں سنتا رہا پھر بڑی آہستہ آواز میں بولا۔

''بس کریں اماں......! بدلہ لے تو لیا ہے ہم نے ظالموں سے۔ آج میرا بچہ زندہ ماں سے محروم ہے۔''

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور بڑی تیزی سے باہر نکل گیا۔ وہ اپنا کرب اپنی ماں کے سامنے ظاہر نہیں کرنا

چاہتا تھا۔ شکیلہ خاتون بڑی غصے بھری نظروں سے پوتے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ پھر ماسی برکتے کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''توبہ......! اس ذرا سے بچے نے سارے موڈ کا بیڑہ غرق کر دیا۔ اچھا بھلا بیٹھا تھا میرا بچہ۔ ناشتہ نہیں کرنے دیا، اب وہ بھوکا ہی چلا جائے گا، جیسی ماں ویسا بچہ۔''

☆......☆......☆

مسز سارہ اور عدیل ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ عدیل نے چند لمحے کھوجتی ہوئی نظروں سے ماں کی طرف دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

''ممی......! مریم ناشتہ نہیں کرے گی کیا......؟ دس بج رہے ہیں اس وقت۔ اس کا ناشتہ میں نے کمرے میں بھجوا دیا ہے، تم آرام سے ناشتہ کرو پہلے ہی لیٹ ہو رہا ہے۔''

عدیل کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ اُبھری۔

''اب پردہ کیا کرے گی مجھ سے......؟''

مسز سارہ نے آملیٹ اپنی پلیٹ میں نکالتے ہوئے ایک نظر عدیل کی طرف دیکھا اور بولیں۔

''کچھ عرصہ اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دو۔''

''ہاں......! ایسی ٹیڑھی خاتون ذرا مختلف ترکیبوں سے ہی ٹھیک ہوتی ہیں۔''

عدیل تلخ لہجے میں بولا۔ مسز سارہ نے اُس کی طرف گھور کر دیکھا، مگر بولی کچھ نہیں۔

''میں کچھ کر گزروں گا تو اس کے ہوش ٹھکانے آئیں گے۔ دھوکے باز، فراڈ یہ سمجھ رہی ہے ناں مجھے، زیادہ اکڑ دکھائے گی تو دھوکے باز ہی بن کر دکھاؤں گا۔ کیا بگاڑ لی گی وہ میرا......؟''

مسز سارہ نے غصے سے عدیل کی طرف دیکھا۔ اب اُن سے ضبط نہ ہو سکا۔

''ٹھیک سے ناشتہ کرو۔ اپنا کیا بھگت رہے ہو۔ کسی کا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''بس کر لیا ہے میں نے ناشتہ۔''

''اس طرح دل جلانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا عدیل......! اپنے اس دماغ کو ذرا ٹھنڈا رکھو اور کچھ عرصہ اُسے اپنے حال پہ چھوڑ دو۔ تھوڑا سا غور و غوض کرے گی تو خود بخود غصہ اُتر جائے گا۔ معاملہ ٹھیک ہو جائے گا، لیکن اگر تم بات بات پر اسی طرح طنز کرتے رہو گے ناں تو بات بننے کی بجائے بگڑتی چلی جائے گی۔''

عدیل نے نیپکن سے ہاتھ صاف کیا اور پٹخنے کے انداز میں ٹیبل پر رکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''اور پتا نہیں کتنی بگڑے گی۔ اتنی تو بگڑ گئی ہے کہ سنبھلنا مشکل ہے، خدا حافظ......!''

یہ کہہ کر ڈائننگ روم سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

مریم حیران پریشان ماں کی شکل دیکھ رہی تھی۔ سلمیٰ بیگم اپنے ماہانہ میڈیل چیک اَپ کے لئے گھر سے نکلی تھیں۔ راستے میں مریم کا گھر پڑتا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ وہ اُسے انعم کے واپس آنے کی خبر دیتی چلے، اور مریم یہ سن کر اپنی جگہ ہکا بکا بیٹھی ان کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''امی......! یقین نہیں آرہا مجھے، انعم آ کیسے گئی......؟ اور آپ نے مجھے رات ہی کو کیوں نہیں بتایا......؟''

''خیال تو آیا تھا بیٹا......! بلکہ فرح نے بھی کہا تھا کہ امی، مریم کو بتا دیں۔ مگر میں نے سوچا، تم بچے کے ساتھ سو چکی ہوگی۔ بہت رات گئے آئی تھی وہ، میرے خیال میں 2 بجنے والے تھے۔ ہم تو سمجھو جیسے رات بھر سوئے ہی نہیں۔''

مریم گہری سوچ سے جیسے ایک دم چونک پڑی اور پھر بولی۔

''امی......! لیکن حماد بھائی کو کس نے اطلاع دی تھی......؟''

سلمیٰ بیگم نظریں جھکا کر بولی۔

''فون آیا تھا انعم کا۔''

مریم شکوہ بھرے لہجے میں ماں سے کہا۔

''اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں......!''

سلمیٰ بیگم اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے گہری سانس لے کر بولیں۔

''تم نے خود اپنے آس پاس مسائل کے انبار لگا لئے ہیں۔ میں نے سوچا، تم اپنے مسئلوں میں اُلجھی بیٹھی ہو، تم سے ملنے جاؤں گی تو بتا دوں گی۔ دیکھو بیٹا......! میری ایک بات مانو۔''

سلمیٰ بیگم کے لہجے میں جیسے اِلتجا تھی۔

''جی امی......!''

مریم جیسے کچھ کچھ سمجھ تو گئی تھی کہ ماں کیا کہنے والی ہے......؟

''دیکھو بیٹا......! بات مت بڑھانا، یہ بھی دیکھو، تمہاری ساس کتنی اچھی ہیں، تمہیں ہر طرح سے فیور کرتی ہیں، اُن کی جگہ کوئی اور ہوتا ناں تو پتا نہیں کیا ہو جاتا......؟ بہت سمجھ دار ہیں، بلکہ میں تو اُن کی شکر گزار ہوں۔''

مریم نے اپنی رَگ و پے میں دوڑتی ہوئی برف کی لہروں کو دباتے ہوئے کہا۔

''آپ کی خاطر، بابا کی خاطر، نانا جان کی خاطر اور ساس کی خاطر، بس امی......! اب یہی کرنا ہے، مجھے دوسروں کے لئے ہی زندگی گزارنی ہے، کیونکہ میں تو مر چکی ہوں، میں روؤں گی تو آپ میرے آنسو ضرور صاف کریں گے۔ مگر جو آنسو میرے دل میں ہیں وہ آپ کو نظر نہیں آئیں گے۔''

مریم کے لہجے کا کرب محسوس کر کے سلمیٰ بیگم تڑپ گئیں۔

''بیٹا......! مرد لاپرواہ ہوتے ہیں، بھول چوک کر بیٹھتے ہیں۔ وہ بھی تو عورتیں ہوتیں ہیں جن کے شوہر

کوٹھوں پر جاتے ہیں، مگر وہ کتنے بھرم سے رہتی ہیں۔''

مریم نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اُس کے ہونٹوں پر ایک اُداس سی مسکراہٹ اُبھری۔

''آپ میری فکر نہ کریں امی......! انعم کے بارے میں سوچیں کہ اب کیا کرنا ہے......؟''

''کیا کرنا ہے بیٹا......؟ میں تو اللہ کا شکر ادا کر رہی ہوں کہ ناصر نے ابھی تک اُسے طلاق کے پیپرز نہیں بھیجے۔ ایک ہلکی سی آس اُمید اندر کہیں روشنی بن کر چمکتی ہے۔ کیا خبر بیٹی کی خاطر وہ انعم کو قبول کر کے معاف کر دے۔''

مریم نے بڑے کرب سے آنکھیں بند کیں اور بولی۔

''جی امی......! کوشش کر کے دیکھ لیجئے، ہوسکتا ہے بیچارہ ناصر بھی آپ کی پسند سے جینا منظور کر لے۔''

اُس کے لہجے میں محسوس ہونے والی تلخی نمایاں تھی۔ سلمیٰ بیگم نے بڑی بے بسی سے مریم کی طرف دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

''جی تو نہیں چاہتا کہ وہ عورت میری بیٹی سے بات کرے۔''

ناصر حسین غصے میں کہہ رہا تھا لیکن لہجے میں عجیب سی بے بسی تھی۔

''بیبہ صرف آپ کی بیٹی نہیں ہے ناصر......! انعم کی بھی بیٹی ہے اور ایک ماں سے اُس کی ماں ہونے کا حق تو کم از کم کوئی نہیں چھین سکتا۔''

اُجالا نے ناصر کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اُس نے جیتے جی بیٹی کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا اُجالا......! تم بھول جاتی ہو، مگر میں نہیں بھولتا۔''

ناصر نے جیسے چڑ کر کہا تھا۔

''ماتا کا جذبہ وقتی طور پر سلایا جا سکتا ہے ناصر......! لیکن یہ فطری جذبہ کبھی مر نہیں سکتا۔ ماں بہر حال ماں ہے۔''

اُجالا نے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

''بس......! یہی کچھ سوچ کر دل پر پتھر رکھ رہا ہوں۔ میں تو خیر اُس سے بات نہیں کر سکتا اور نہ کبھی کرنا چاہوں گا۔ لیکن تم انعم سے بیبہ کی بات کرا دینا۔''

اُجالا نے بڑی ہمدردی سے اور اپنائیت سے ناصر کی طرف دیکھا تھا۔ ایک چاہنے والی عورت، ایک چاہنے والی بیوی، اپنے محبوب شوہر کی اذیت کو بالکل اپنی اذیت کی طرح محسوس کر رہی تھی، لیکن وہ کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ یہ ایک سالوں پرانا مرض تھا جو ناصر کو لاحق ہو گیا تھا۔ عورت کی بے وفائی کا دُکھ، یہ ایسی بیماری ہے جس کا علاج شاید ممکن ہی نہیں۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون اپنے کمرے میں بیٹھیں مرتبان سے کا جو نکال نکال کر کھا رہی تھیں اور بہت پُرسکون انداز میں علینہ سے فون پر باتیں کر رہی تھیں۔

''تو میری بات مان لے بیٹی......! گھر آجا۔ یقین کر عارف تو دہاج کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ تیرے سر پر ہاتھ رکھے گا، بڑا بھائی ہے وہ تیرا، کہہ رہا تھا مجھے کہ میری بہن بہت دُکھی ہے، مظلوم ہے، لوگوں نے بڑا ظلم کیا ہے، احساس ہوگیا ہے اُسے، اب وہ تیرا بہت خیال کرے گا۔''

''اماں......! میں آپ کو صحیح کہہ رہی ہوں۔ میں واقعی بہت سکون سے ہوں۔ میں اتنے سکون سے ہوں کہ آپ کو بتا نہیں سکتی۔ ایک ایک لمحہ اپنی مرضی سے جی رہی ہوں۔ سارے ڈر خوف ختم ہو چکے ہیں۔''

شکیلہ خاتون، بیٹی کی بات سن کر معانی خیز انداز میں مسکرائیں اور پیار بھرے لہجے میں بولیں۔

''بہت بہادر ہوگئی ہے تو، ایسا کر فوج میں بھرتی ہو جا۔''

''جنگ تو میں کرنا چاہتی ہوں اماں......! اور وہ میں کروں گی ضرور، لیکن ابھی آپ کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔'' علینہ بولی۔

''بس......! اب اپنے آپ کو اور مصیبت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ قدرت نے ساری مشکلیں دُور کر دیں ہیں۔ اب تو میں تیری شادی عدیل سے کروا کر ہی چین لوں گی۔''

علینہ بُری طرح چونک پڑی۔

''عدیل سے شادی......؟ کیسی باتیں کر رہی ہیں اماں......؟ جب آپ مجھے عدیل کے گھر چھوڑ کر آئی تھیں، اس وقت Situation کچھ اور تھی......''

شکیلہ خاتون نے ایک دم علینہ کی بات کاٹ دی تھی۔

''ارے Situation کو لگاؤ آگ۔ بس میں نے تیرا گھر بسانا ہے۔''

''اماں......! عدیل وہ نہیں ہے جو میں سمجھی تھی، وہ کسی کے ساتھ بھی مخلص نہیں ہے۔ نہ میرے ساتھ نہ اپنی بیوی کے ساتھ۔''

''ارے......! اُس کی بیوی کا ذکر نہ کر، اُس کی بیوی تو تیرے لئے جگہ خالی کر چکی ہے۔ آخر وہ کل کسی اور کو بھی تو اس جگہ پر بٹھائے گا۔ لیکن تو کیوں نہ بیٹھے، جس کی وجہ سے تیرے گھر میں آگ لگی ہے، تیرا گھر بسانے کی ذمہ داری اُسی کی ہے۔''

''حساب تو بہت بنتے ہیں اماں......! وہ تو ایسا شخص ہے جو چوری کے لڈو کھانا چاہتا تھا۔''

''ارے......! وہ چوری کے لڈو کھانا چاہتا تھا۔ اب ہم اُسے سو آدمیوں کے بیچ میں بٹھا کر میٹھے چاول کھلائیں گے۔ بس میں نے کہہ دیا ہے، تیرا نکاح اُسی سے ہوگا۔ تیری ماں زندہ ہے، مری نہیں ہے۔ اُس سے تو میں ایسا انتقام لوں گی کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔ میری بیٹی کو تماشہ بنا کر خود چین سے بیٹھ سکتا ہے۔ کم از کم شکیلہ خاتون کے ہوتے ہوئے تو ایسا نہیں ہوسکتا۔''

علینہ، ماں کی بات سن کر جیسے تھک سی گئی۔ چونکہ عدیل کے ذکر پر اُس کا ذہن بالکل ماؤف ہوگیا تھا۔ اب اُس سے کوئی بات نہیں ہو پا رہی تھی۔ اُس نے ''خدا حافظ'' کہہ کر اور یہ کہہ کر کہ اماں، میں بعد میں فون کروں گی، فون بند کر دیا تھا۔ شکیلہ خاتون کی آنکھوں میں ان کے منصوبے پوری قوت سے انگڑائیاں لے رہے تھے۔

☆......☆......☆

''بیہ......! میری جان......!''

انعم ایک عرصے بعد فون پر بیٹی کی آواز سن رہی تھی اور جیسے تڑپ کر بولی۔ جب سے اسے سونے کے پنجرے میں محسوس ہوا تھا کہ اس کی بیٹی کو خطرہ ہے تو اُس کی گہری نیند سوئی ہوئی ماتا جاگ پڑی تھی۔ اس لئے کہ فطرت سے لڑا نہیں جا سکتا۔ اُس نے بیہ کو جنم دیا تھا اور اس کو جنم دینے سے پہلے تکلیفیں اٹھائی تھیں، کربناک تخلیق کے عمل سے گزری تھی۔ اولاد تھی آخر۔

''ماما......! آپ کیسی ہیں......؟ آپ اتنے دنوں سے کیوں نہیں آئیں......؟ آپ نانو کے گھر میں کیا کر رہی ہیں......؟ میرے پاس کیوں نہیں آتیں......؟''

بیہ سوال پہ سوال کر رہی تھی اور انعم اپنے چکراتے ہوئے ذہن کو بڑی شکل سے قابو میں کر رہی تھی۔

''میں آؤں گی بیٹا......! بس ذرا بزی تھی۔ میں جلد ہی آپ سے ملوں گی اور...... اور سب ٹھیک ہیں ناں......؟''

انعم نے بہت ہچکچاتے ہوئے بیٹی سے سوال کیا تھا۔ سب کا مطلب بیہ اپنے حساب سے جو سمجھی اُسی کا جواب دیا۔

''سب ٹھیک ہیں ماما......! پاپا بھی بالکل ٹھیک ہیں، پہلے بیمار ہوگئے تھے لیکن اب بالکل ٹھیک ہیں اور دُلہن ماما، وہ تو بالکل ٹھیک ہیں اور اتنی اچھی ہیں، اتنی اچھی ہیں، آپ ان سے ملیں گی تو اتنی خوش ہوں گی اور ان کو اپنا Friend بنا لیں گی۔''

انعم بُری طرح چونک پڑی۔

''دُلہن ماما......؟ بیہ......! یہ آپ دُلہن ماما کس کو کہہ رہی ہو......؟''

''ماما کو، ہمارے گھر میں ماما ہیں ناں، اُن کا نام اُجالا ہے۔ پاپا کہتے ہیں، یہ تمہاری دُلہن ماما ہیں، تم ان کو دلہن ماما کہا کرو، اور ماما......! وہ میرا بہت خیال رکھتی ہیں۔ جب وہ ہمارے گھر میں آئی تھیں ناں تو دُلہن بن کر آئیں تھیں۔ اسی لئے میں اُن کو دُلہن ماما کہتی ہوں۔''

بیہ دانشوروں کی طرح ماں کو سمجھا رہی تھی۔ انعم کا اوپر کا سانس اوپر، نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ ساری دُنیا جیسے اُس کے سامنے گول گول گھومنے لگی۔ اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''اوہ نو......!''

جو دوسری طرف بیہ نے سن لیا تھا اور بڑی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

''ماما......! آپ ''اوہ نو'' کیوں کہہ رہی ہیں......؟ کس سے بات کر رہی ہیں......؟ کیا آپ کے پاس نانو بیٹھی ہیں......؟ آپ میری نانو سے بات کرائیں، ویسے تو میں اُن سے ناراض ہوں۔ اتنے دن ہوگئے، انہوں نے مجھے فون بھی نہیں کیا اور آپ کو بھی نہیں آنے دے رہی ہیں۔ ماما......! بولیں ناں......! ہیلو......! ہیلو......!''

بیہ ''ہیلو، ہیلو'' کر رہی تھی لیکن انعم تو جیسے بات کرنے کے قابل نہیں تھی۔ اُس نے اپنے بکھرے ہوئے وجود کو سمیٹ کر بڑی مشکل سے بیہ سے کہا۔

''بیٹا......! میں آپ سے تھوڑی دیر بعد بات کروں گی۔ شاید کوئی آ گیا ہے۔''

یہ کہہ کر اُس نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا تھا اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی تھی۔ بیہ کا ایک ایک لفظ اُس کی سماعتوں میں گونج رہا تھا اور اُسے سو فیصد یقین تھا کہ بیہ نے جو اطلاع دی ہے، وہ درست ہے اور بات بھی اس طرح کی تھی، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بیہ اپنی طرف سے اس طرح کی کوئی بات کر سکتی ہے۔ اتنی بھیانک حقیقت کو سننا، محسوس کرنا اور سہتے رہنا کوئی آسان معاملہ نہ تھا۔ انعم ایک نئے دوراہے پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

انا بی، سلمٰی بیگم کے سر میں بڑی محبت سے تیل کا مساج کر رہی تھیں اور پیار بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''ارے بیٹا......! ہر وقت سر پر بوجھ بھرو گی تو سر میں درد تو ہوگا ہی۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ شکر کرو کہ اللہ نے بہت بڑے اندھیرے سے نجات دی۔ بچی اپنے گھر میں نظر آ رہی ہے۔''

''انا بی......! کس کا دل نہیں چاہتا کہ خوش رہے......؟''

سلمٰی بیگم بڑے تلخ سے لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

''بیٹا......! اللہ پر بھروسہ رکھو۔ جس نے ہمیں بہت سی مشکلوں سے نکالا ہے، آئندہ بھی وہی ہمارا والی وارث ہے۔ بیٹا......! مشکل وقت میں بس اللہ کا سہارا پکڑے رکھو اور یہ سچ ہے کہ مشکل گھڑی اللہ پر بھروسہ رکھنے سے ہی آسان ہوتی ہے۔''

انا بی سمجھا رہی تھیں کہ اسی وقت انعم، سلمٰی بیگم کے بیڈ روم میں داخل ہوئی۔ وہ بُجھی بُجھی، تھکی تھکی سی تھی۔ اُس کی چال سے لگتا تھا جیسے وہ خود کو گھسیٹ رہی ہو۔ سلمٰی بیگم نے اُس کی حالت دیکھی تو جیسے اُن کے کلیجے پر چوٹ سی پڑی، پھر بھی وہ اس کی خاطر زبردستی مسکرائیں۔

''آؤ انعم......! آ جاؤ بیٹا......! تھوڑی دیر پہلے میں تمہارے کمرے میں جھانک کر آئی تھی تو یوں لگا جیسے تم سو رہی ہو، اس لئے میں نے تمہیں ڈسٹرب نہیں کیا۔''

سلمٰی بیگم بولیں۔

''اچھا......! مجھے تو پتا ہی نہیں چلا۔ مگر امی......! میں تو جاگ رہی تھی، بس ایسے ہی لیٹی ہوئی تھی۔ نیند کہاں

آتی ہے......؟''

انعم ایک گہری سانس لے کر گویا ہوئی۔

''بیٹا......! کوئی نیند کی گولی ہی کھا لیا کرو۔ دن رات جاگو گی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔''

انا بی نے فوراً کہا۔ انعم نے انا بی کی آواز جیسے سنی ہی نہیں۔ اُن کی بات کو نظر انداز کر کے وہ اپنی سوچ میں کھوئی کھوئی سلمٰی بیگم سے کہہ رہی تھی۔

''امی......! آپ نے تو مجھے بتایا ہی نہیں کہ ناصر دوسری شادی کر چکا ہے۔''

سلمٰی بیگم اور انا بی تو جیسے دھماکے کی زد میں آ گئی تھیں۔ وہ دونوں آنکھیں پھاڑ کر انعم کی شکل دیکھنے لگیں۔ اُن کی زبان اُن کا ساتھ دینے سے قاصر تھی۔ دونوں کی دونوں اپنی اپنی جگہ دم بخود انعم کو دیکھے جا رہی تھیں۔ انا بی نے سلمٰی بیگم سے پہلے خود کو سنبھال لیا اور بڑی بدحواسی میں بولیں۔

''کیا کہہ رہی ہو بیٹی......؟ وہ بیچارہ تو بے حال پڑا ہوا تھا۔ اُسے تو اپنا ہوش نہیں تھا۔''

سلمٰی بیگم اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی انعم کے پاس آئیں۔ پھر بڑے غور سے انعم کی شکل دیکھنے لگیں۔

''پتا نہیں تم نے کہاں سے سن لیا ہے......؟ اگر ایسی بات ہوتی تو ناصر ہمیں ضرور بتاتا۔ کئی مرتبہ اُس سے بات ہوئی ہے ہماری۔ ارے بیٹا......! وہ بیچارہ تو اللہ اللہ کر کے زندگی کی طرف بڑھ رہا ہے۔''

سلمٰی بیگم کو انعم کی بات کا ذرہ برابر یقین نہیں آیا۔

''امی......! میں آپ کو بتا رہی ہوں۔ وہ دوسری شادی کر چکا ہے۔''

فرح ساس کے لئے چائے لے کر آ رہی تھی۔ اس نے انعم کی آخری بات سن لی تھی۔ وہ اپنی جگہ پر ایسے ٹھٹک کر رہ گئی، جیسے بجلی سی اُس پر گری تھی۔ بے ساختہ اُس کے منہ سے نکلا۔

''کون دوسری شادی کر چکا ہے......؟''

انعم نے فرح کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''ناصر......!''

''دماغ تو ٹھیک ہے......؟ پتا نہیں کس نے تمہیں یہ خبر دی ہے......؟ بیچارے کی کچھ دن پہلے تو تھوڑی حالت سنبھلی ہے۔ وہ مرتے مرتے بچا ہے۔''

فرح نظریں چُرا کر یوں کہہ رہی تھی جیسے لاشعوری طور پر انعم کو احساسِ جرم میں مبتلا کر رہی ہو۔

''اور سنو......! یہ افواہ آئی کہاں سے ہے......؟ کسی نے ضرور تمہیں پریشان کرنے کے لئے یہ خبر پہنچائی ہے۔''

انعم نے بہت اعتماد سے فرح کی طرف دیکھا اور گویا ہوئی۔

''بھابی یہ افواہ نہیں ہے، یہ مستند خبر ہے۔ Certified news، بیبہ نے بتایا ہے مجھے۔ اب

بولیں......!''

انابی اور سلمٰی بیگم کو نئے سرے سے ایک زبردست جھٹکا لگا تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ جیسے اُچھل کر رہ گئیں۔ سلمٰی بیگم فوراً برا ماننے والے انداز میں بولیں۔

''ارے......! وہ تو بچی ہے۔ پتا نہیں کیا کہہ رہی ہوگی......؟ اور تم نے کیا سن لیا......؟''

انعم طنزیہ سا مسکرائی اور فرح کی طرف دیکھ کر بولی۔

''بھابی......! ایک بات تو بتائیں، ناصر کے حوالے سے کوئی کیوں مجھے پریشان کرے گا......؟ ناصر سے اب میرا تعلق ہی کیا رہ گیا ہے......؟''

پھر سلمٰی بیگم کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ بے بسی کی کیفیت تھی لیکن بھرم بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بڑی پُراعتماد آواز میں بولی۔

''امی......! بیہ اپنی نئی ماں کو دُلہن ماما کہتی ہے اور ہاں......! بیہ کی نئی ماں کا نام اُجالا ہے، لیکن آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ میں نے تو ناصر کو چھوڑ دیا تھا۔ اُس کا حق بنتا تھا۔ میں اُس کی خوشی پر کیوں دُکھ مناؤں......؟ مجھے کیا حق پہنچتا ہے......؟ آپ لوگ میرے لئے پریشان نہ ہوں۔''

انعم نے اتنا کہا اور اور تینوں پر باری باری ایک نظر ڈالی، پھر آہستہ سے سر جھکا کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

وہ تینوں دم بخود ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہی تھیں۔ جیسے الفاظ ہی ختم ہوگئے ہوں، کوئی بات ہی نہ رہی ہو کرنے کی۔

☆......☆......☆

اُجالا بیڈ روم میں اپنے گیلے بال بُرش سے سلجھا رہی تھی۔ ناصر کوئی فائل لئے گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور فائل میں لگے ہو صفحات کو اُلٹ اُلٹ کر جانے کیا تلاش کر رہا تھا......؟ اُجالا نے آئینے میں ایک نظر ناصر کو دیکھا اور پھر بولی۔

''شاید بیہ کے نانا، نانی آپ کی دوسری شادی سے بے خبر ہیں۔''

ناصر ایک دم چونک پڑا۔ اُس نے سر اُٹھا کر اُجالا کی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب......؟ بیہ کا اُن سے بہت مضبوط رشتہ ہے، مگر میرا اُن سے اب کوئی تعلق نہیں، اور نہ میں اس بات کا پابند ہوں جو اپنے تمام معاملات سے اُنہیں باخبر رکھوں۔''

وہ خود کو سنبھال کر اب بڑی سرد مہری سے گویا ہوئی۔

''ٹھیک ہے......! آپ کی مرضی......! میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی۔''

لیکن ناصر اپنی جگہ پر اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ اُس نے اُلجھی اُلجھی نظروں سے اُجالا کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔

''تم نے یہ سوال کیوں کیا......؟ ضرور کوئی بات ہوئی ہے......؟''

اُجالا نے ناصر سے نظریں چرائیں اور تیز تیز برُش چلانے لگی۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں اُجالا......!''

اُجالا نے چوری چوری آئینے میں ناصر کو دیکھا اور بولی۔

''کچھ نہیں......! بس وہ آپ کے کہنے پر میں نے بیہ کی اُس کی ماں سے بات کرا دی تھی۔ بیہ معصوم بچی ہے، اس نے اپنی ماں سے میرا بھی ذکر کر دیا۔''

''Oh.....!''

ناصر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ جیسے اُسے اب ساری بات سمجھ آ گئی تھی۔ پھر دھیرے سے مسکرایا اور بولا۔

''خیر......! اچھا ہوا۔ میں نے کوئی گناہ تو نہیں کیا ناں جو چھپانے کی کوشش کروں......؟ بلکہ بیہ نے میرا کام آسان کر دیا۔ اب وہ لوگ جب بھی مجھ سے contact کریں گے تو اُن کے ذہن میں یہ بات ضرور رہے گی کہ میرا اب اُس فیملی سے کسی قسم کا کوئی تعلق، کوئی حوالہ باقی نہیں رہا۔''

اُجالا، ناصر کی بات سن کر سوچتے ہوئے بولی۔

''وہ ایک بات کہوں، آپ Mind تو نہیں کریں گے......؟ میرا مطلب ہے، مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپ کو غصہ نہ آ جائے......؟''

ناصر دھیرے سے ہنس دیا۔

''اب مجھے کیوں غصہ آئے گا......؟ میرے پاس دُنیا کی سب سے بڑی نعمت موجود ہے۔ یعنی روحانی اور سچی خوشی۔ جب انسان خوش ہوتا ہے ناں، تو بڑی سے بڑی بات نظر انداز کر دیتا ہے اور جب وہ بہت سارے دُکھوں سے گزر رہا ہوتا ہے، محرومیاں اُس پر بارش کی طرح برس رہی ہوتی ہیں تو اُسے چھوٹی چھوٹی بات بھی تکلیف دیتی ہے، ناگوار گزرتی ہے۔ تم بے دھڑک بات کیا کرو۔ خاص طور پر تمہاری بات کا تو میں بُرا نہیں مانوں گا۔''

ناصر نے بھرپور انداز میں اُجالا کو تسلی دی۔

''وہ میں کہہ رہی تھی کہ انعم اپنی ماں کے گھر رہتی ہے۔ آپ نے تو بتایا تھا کہ اُس نے دوسرا selection کر لیا ہے۔''

ناصر، انعم کے موضوع پر سچ مچ نہیں مسکرا سکتا تھا، بے ایمانی سے ضرور مسکرا دیا۔

''وہ اس کی ماں کا گھر ہے، آ جا سکتی ہے۔ اولاد کو اپنے گھر سے، وہ بھی بیٹی کو گھر سے دھکے دے کر کون نکالتا ہے......؟''

اُجالا یہ سن کر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

''ہوں......! ویسے حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اتنے عرصے کے بعد انہیں بیہ کا خیال کیسے آ گیا......؟ پھر سوچتی ہوں کہ ماں شاید اپنی اولاد کے بارے میں ہر وقت یہی سوچتی رہتی ہے، لیکن......''

''لیکن کیا......؟''

ناصر اُجالا کی اُدھوری بات سن کر کہتا ہے۔

''ہوسکتا ہے، اُن کی نئی مصروفیات نے انہیں بیٹی سے رابطہ قائم کرنے کا موقع ہی نہ دیا ہو......؟''

ناصر دوبارہ فائل کے صفحے پلٹنے لگا تھا۔

''یقیناً یہی بات ہوگی۔ میرے خیال میں نئی مصروفیات کچھ کم ہوگئی ہیں، یا ارمان کافی سے زیادہ ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔ بہر حال اُجالا......! میں بُرا نہیں مانوں گا، بالکل کھلے دل سے بات کر رہا ہوں۔ دیکھو میری جان......! تم انعم کے بارے میں تو بالکل مت سوچا کرو اور کوشش کیا کرو کہ اس کمرے میں جب میں اور تم تنہا ہوتے ہیں، ہمارے درمیان انعم کا ذکر نہ آنے پائے۔ میرے اختیار میں ہوتا تو میں اپنے ذہن کی تختی سے اُس کا نام کھرچ کا پھینک دیتا۔''

اُجالا مسکرائی اور پھر بولی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مجھے کسی سے کیا لینا دینا ہے......؟ میں تو یہ کوشش کرتی ہوں کہ آپ ہمیشہ خوش رہیں۔ آپ خوش ہیں تو میں خوش ہوں۔ آپ پریشان تو میں پریشان۔''

ناصر، اُجالا کی طرف دیکھ کر بڑی محبت سے مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

انعم لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ وہ بڑی سے LCD سکرین پر چینل بدل بدل کر اپنا ذہن اِدھر اُدھر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ خیالات تھے کہ جیسے آگ کی بارش کی طرح اُس پر برستے جاتے تھے۔ کبھی کوئی خیال آتا تھا، کبھی کوئی خیال آتا تھا۔ وہ بُری طرح اُلجھ گئی تھی۔ سوچنے کے لئے کیا نہیں تھا اُس کے پاس......؟ ناصر کا پیار، محبت جو ماضی میں اُس کے لئے مخصوص تھا۔ وہ جو کسی شیشے کے برتن کی طرح اُس کا خیال رکھتا تھا، اُس کے نخرے اُٹھاتا تھا۔ سلمان جس کے بارے میں وہ سالوں سوچتی رہی کہ وہ اُس سے سچی محبت کرتا ہے جو آناً فاناً اُس کی نظروں سے دُور ہوا۔ پھر ایک دن اچانک آ کر اُسے اپنی محبت کا یقین دلانے لگا، پھر اُس نے دھوکہ دیا، اس مرتبہ دھوکہ نہیں دھماکہ تھا او راس دھماکے سے اُس کے وجود پر نچے اُڑ گئے تھے۔ اُس نے نڈھال ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ معاً اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بڑے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا ہو۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول کر دیکھا تو انابی اُس کی طرف دیکھ کر بڑی محبت سے مسکرا رہی تھیں۔ انابی کو سامنے پا کر وہ جلدی سے سنبھل گئی اور زبردستی مسکرانے لگی۔

''ارے بیٹا......! یہ اتنا بڑی سینما گھر کھولے بیٹھی ہو۔ آنکھیں تو تمہاری بند ہیں۔''

انابی مذاق کے اندار میں بولتے ہوئے اس کے برابر میں بیٹھ گئیں۔

''بس انابی......! ایسے ہی دیکھ رہی تھی کہ شاید کوئی اچھا پروگرام آرہا ہو، میری پسند کا۔''

انابی ایک دم سنجیدہ ہوگئیں۔

''تمہاری پسند کا......؟ مجھے تو آج تک ہی پتا نہیں چلا کہ تمہیں کیا پسند ہے......؟ اور کیا ناپسند......؟ گودوں میں کھلایا ہے تمہیں، بلکہ پیدا ہوتے ہی میری گود میں آئی تھی۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ مریم کو میں بہت جلدی سمجھ گئی تھی مگر تمہیں آج تک نہیں سمجھ سکی۔''

مریم کے نام پر انعم ایک دم چونک پڑی۔ جیسے اُسے اچانک کوئی خیال آیا ہو۔ اس نے سوچتی نظروں سے انا بی کی طرف دیکھا اور پھر بولی۔

''انا بی......! کیا امی نے مریم کو نہیں بتایا کہ میں یہاں ہوں۔''

انا بی نظریں چرا کر دوسری دیکھنے لگیں۔

''بتایا ہوگا بیٹا......! ارے......! وہ خود ہزاروں دھندوں میں مصروف ہے۔ اب تو خیر سے گود میں بچہ بھی ہے۔''

انعم کی آنکھوں میں ایک چمک سی اُبھری جیسے لاشعوری طور پر اُسے اِس خبر سے خوشی ہوئی۔''

''اچھا......! مریم ایک بیٹے کی ماں بھی بن گئی......؟ مجھے تو پتا ہی نہیں چلا اور آپ میں سے کسی نے بھی مجھے نہیں بتایا۔ کم از کم شاید میں اُسے مبارک باد دینے ہی کا حوصلہ کر لیتی۔''

''ارے بیٹا......! کیا بتاؤں......؟ ستوانسا بچہ ہے۔ بڑی مشکل ہوگئی تھی۔ شکر ہے مالک کا، اللہ نے بچے کو زندگی دی۔''

انعم نے اُلجھن بھری نظروں سے انا بی کی طرف دیکھا۔

''ستوانسا......؟ اوہ......! آپ کا مطلب ہے پری میچور......؟''

''ارے اللہ ماری......! فارسی، انگریزی نہیں آتی ہمیں۔ بھئی......! جو بچہ ساتویں مہینے میں گود میں آجائے، ہم تو اُسے ستوانسا کہتے ہیں۔ اللہ جانے تمہاری انگریزی، فارسی میں اس کو کیا کہتے ہیں......؟''

انا بی جھنجلا کر بولیں تو بڑی مدت بعد انعم بے ساختہ مسکرا پڑی تھی، انا بی کی سادگی اور معصومیت پر۔ پھر بولی۔

''شاید امی نے مریم کو بھی بتایا نہیں، ورنہ وہ مجھے ضرور فون کرتی۔''

''ہاں بیٹا......! شاید سلمٰی نے ابھی اسے بتایا نہیں۔ پر میری ابھی تک مریم سے بات نہیں ہوئی۔ سگی بہن ہے، تم چاہو تو اُس کے گھر جا سکتی ہو۔ اُس کے گھر جا کر اُسے مبارک باد دے دو۔''

انعم نے انا بی کی بات سن کر جیسے بڑے دُکھ سے یوں آنکھیں بند کیں جیسے اذیت کی لہریں خون کی جگہ اُس کی نسوں میں دورہ کر رہی ہوں۔ پھر بڑے کرب ناک لہجے میں بولی۔

''انا بی......! میں کس منہ سے جاؤں......؟''

انا بی نے بے اختیار انعم کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''بیٹا......! جب کسی انسان کو اُس کی غلطی کا احساس ہو جائے تو پھر دُنیا کو چاہئے کہ کسی غلطی کا بار بار ذکر کر

کے اُسے جیتے جی نہ مارے۔"

"انابی......! یہ تو آپ کہہ رہی ہیں۔ دُنیا کے اپنے دستور اور قانون ہیں جو نہ بدلے جاتے ہیں نہ بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ابھی تو آپ دیکھئے گا جو میرا تماشہ بنے گا۔ مجھے پتا ہے کہ میرے ماں باپ اور بھائی بہن کے علاوہ کوئی مجھے برا نہیں کہے گا، مگر جب میں مرجاؤں گی تو لوگ میری غلطی کو میری قبر میں اُترنے تک یاد رکھیں گے۔ آپ دیکھ لیجئے گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے ریموٹ اُٹھایا اور L.C.D سکرین تاریکی میں ڈوب گئی۔ انابی بہت دُکھی نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ انعم، انابی کی طرف دیکھ کر اُداسی سے مسکرائی۔

"انابی......! آپ پریشان نہ ہوں۔ اگر میری زندگی باقی ہے تو گزر ہی جائے گی، کسی نہ کسی طرح۔ آسانی سے نہ سہی، مشکل سے ہی سہی۔"

یہ کہہ کر اُس نے صوفے کی بیک سے ٹیک لگالی اور اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

☆......☆......☆

عدیل اپنی کچھ ضروری چیزیں لینے گھر سے قریب ہی ایک Shopping Mall میں آیا تھا۔ دو تین شاپر اُس کے ہاتھ میں تھے۔ وہ اپنی دُھن میں آگے بڑھتا جارہا تھا۔ اُس کا رُخ پارکنگ ایریا کی طرف تھا۔ معاوہ اپنی جگہ پر بُری طرح ٹھٹک کر رہ گیا۔ سامنے سے علینہ آرہی تھی۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ علینہ کافی بدلی بدلی محسوس ہورہی تھی۔ وہ اپنی جگہ پر رُک کر اُسے دیکھنے لگا۔ علینہ اپنی دُھن میں آگے بڑھتی ہوئی عدیل کے قریب پہنچی، تب اُس کی نظر عدیل پر پڑی۔ وہ بھی عدیل کو دیکھ کر اُسی طرح چونک گئی تھی جیسے عدیل اس کو دیکھ کر اس طرح چونکا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا۔ عدیل، علینہ کو دیکھ کر جیسے سب کچھ بھول گئی تھی۔ پرانی دوستی کی طاقتور روشنیاں یادداشت کے ہر گوشے سے جھانکنے لگیں۔ جو منظر موجود تھا، وہ طاقتور اور رنگین ہو چکا تھا۔ جو آنکھوں سے اوجھل تھا، اُسے کے سارے رنگ دُھندلا گئے تھے۔

"علینہ......! تم یہاں......؟"

علینہ نے بڑی خفا خفا نظروں سے بلکہ بڑی طنزیہ نظر سے عدیل کی طرف دیکھا اور بولی۔

"کیوں......؟ کیا یہ Shopping Mall کسی اور سیارے پر ہے......؟ یہ اسی زمین پر ہے۔ ہم ایک دوسرے سے چھپ نہیں پائیں گے۔ کسی نہ کسی حوالے سے ایک دوسرے کے سامنے آتے رہیں گے۔ تم اگر منہ چھپا کر کہیں گم ہونا چاہو تو اس کی کوشش صرور کرنا، کیونکہ تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے، بلکہ تم نے اور تمہاری بیوی دونوں نے مل کر، وہ تو میں کبھی بھول ہی نہیں پاؤں گی۔"

عدیل جیسے انجانے سے احساسِ جرم میں مبتلا ہو کر بولا۔

"نہیں علینہ......! بس یہ سب کچھ غلط فہمیوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ اگر تمہیں ریلیف

دینے کے لئے کچھ کرسکوں تو ضرور کروں گا۔"

"بس......! تمہیں بھی دیکھ لیا ہے۔تم اپنے راستے پر چلتے رہو۔ مجھے تم سے کچھ نہیں لینا دینا۔ بلکہ میں یہ کہوں گی کہ وہاج اور تم دونوں میرے لئے Cancer کی طرح ہو۔تم دونوں میری بربادی کے ذمہ دار ہو۔ وہاج جس نے مجھ پر بدکرداری کا الزام لگایا اور تم جس کی وجہ سے مجھ پر یہ الزام لگا۔"

عدیل اب سنجیدہ ہوگیا کیونکہ علینہ اُس کو چوٹ پر چوٹ لگا رہی تھی۔ اُس نے نظریں چُراتے ہوئے کہا۔

"اوکے......! سارا قصور میرا ہی ہے۔ جب دو انسانوں کے درمیان دوستی یا کوئی رشتہ ہوتا ہے تو دونوں اس میں برابر کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھ گیا۔علینہ نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر پلٹ کر اُسے دیکھا ضرور تھا مگر عدیل مرد تھا، انا کی ڈھول اُس کی آنکھوں میں بھر گئی تھی۔ پلٹ کر دیکھنا محال تھا۔علینہ نے شاید کسی آس میں اُس کی طرف دیکھا تھا کہ شاید وہ بھی اُسے جاتے جاتے پلٹ کر دیکھتا۔مگر عدیل اپنی کار کی طرف قدم بڑھاتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

سارے رشتے، سارے تعلق، سارے حوالے ریت کی طرح بکھر چکے تھے۔مگر نہ جانے کیوں علینہ کے دل پر ایک بوجھ سا تھا۔عدیل نے کار طرف بڑھتے ہوئے تقریباً بیس پچیس گز تو طے کیا ہوگا اور ایک بار بھی پلٹ کر اُس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔علینہ دیکھ رہی تھی کہ اُس نے کار کا ڈور کھولا اور کار میں بیٹھتے ہوئے بھی ایک نظر سامنے نہیں ڈالی جیسے وہ جان بوجھ کر سامنے دیکھنے سے کترا رہا تھا، جیسے اُسے ڈر تھا کہ علینہ اُس کی طرف نہ دیکھ رہی ہو۔علینہ کے دل پر ایک ملال تھا کہ وہ بھی کتنا خوب صورت وقت تھا جب وہ بہترین دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے ہر طرح کی بات کرتے تھے، ہر بات Share کرتے تھے۔سب کچھ ختم ہوگیا تھا، تباہی اور بربادی کے نظارے تھے، مگر وابستگی کی آنچ تو وہ شاید آہستہ آہستہ ہی مدہم پڑتی ہے۔

صفینہ سو چکی تھی۔ نہ جانے اُسے کیا ہوا، ایک دم اُس نے جیسے بے اختیاری کی کیفیت میں عدیل کا نمبر ڈائل کر دیا تھا۔ رِنگ پاس ہوتی رہی، کال ریسیو نہیں ہوئی۔ کال ریسیو نہ ہونے سے جیسے علینہ ضد میں آگئی یا وہ چاہتی تھی کہ عدیل پھٹ پڑے تاکہ وہ جو ایک مدہم سی آس کی ڈوری نے علینہ کا اس سے تعلق جوڑا ہوا ہے، وہ بھی ٹوٹ جائے۔عدیل اپنی تمام تر اندرونی بدصورتیوں کے ساتھ اس کے سامنے آجائے تاکہ زندگی بھر دل میں کوئی آس نہ جاگنے پائے۔اس نے پھر ری ڈائل کیا، رِنگ پاس ہوتی رہی، مگر کال Recieve نہیں ہوئی۔Redial کرنے کا عمل اس نے کئی مرتبہ اپنایا مگر کال Recieve نہیں ہوئی۔علینہ نے تھک کر جیسے موبائل ایک سائیڈ پر پٹخنے کے انداز میں پرس میں رکھ دیا اور سوچنے لگی۔

"میں بھی ہار نہیں مانوں گی۔بس میں یہ چاہتی ہوں عدیل......! کہ تمہاری حقیقت کھل کر میرے سامنے آجائے۔ میں جی بھر کے تم سے مایوس ہو جاؤں اور مجھے یقین ہو جائے کہ میں نے ایک بہت غلط انسان کو بہت اچھا

انسان سمجھا تھا۔"

یہ سوچ کر اُس نے آنکھیں بند کیں اور اپنی سانس درست کرنے لگی جو بڑی بے ترتیب ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

عدیل بہت دیر سے واش روم میں تھا۔ مریم، فضیل کو فیڈ کرا رہی تھی۔ اُس کا موبائل مریم سے کافی فاصلے پر سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ موبائل ٹیبل کے گلاس پر وائبریٹ ہوتا ہے تو Move کرنے لگتا ہے۔ Vibration کی گھوں گھوں اس کو صاف محسوس ہو رہی تھی۔ وہ یہ بھی نوٹ کر رہی تھی کہ جس نے بھی فون کیا تھا، وہ بار بار Redial کر رہا تھا۔ اُس نے سوئے ہوئے بچے کو بہت آہستگی سے کاٹ میں لٹایا اور تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر یا یوں ہی کسی وہم کو یقین میں بدلنے کی خاطر وہ موبائل کے قریب آئی۔ وہ وہم کو یقین میں بدلنا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہم انسان کو سکون سے جینے نہیں دیتے۔ لیکن یقین مثبت ہو یا منفی، کم از کم ایک جگہ پر تو بٹھا دیتا ہے۔ اُس نے جھک کر عدیل کا موبائل اُٹھایا اور دیکھنے لگی۔ پوری 12 مس کالز تھیں اور وہ بھی ایک ہی نمبر سے۔ مریم نے بہت غور سے دیکھتے ہوئے نمبر جیسے زبانی یاد کر لیا کیونکہ لگتا تھا کہ نمبر Save نہیں ہے۔ Caller کا نام نہیں تھا۔

پھر وہ موبائل رکھ کر اُس طرف آئی جہاں اُس کا ہینڈ بیگ پڑھا تھا جس میں سے وہ اپنا موبائل نکالنا بھول گئی تھی۔ اُس نے پرس میں سے اپنا موبائل نکالا اور یاد کیا ہوا نمبر اپنے موبائل سے ڈائل کرنے لگی۔ پھر موبائل کان سے لگا لیا، رِنگ پاس ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُس کے کان میں علینہ کی آواز کسی پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اُتری تھی۔ وہ اس آواز کو لاکھوں آوازوں کے شور میں پہچان سکتی تھی۔ وہ تو اس کی یادداشت کا زخم تھی، اس کے جگر کا زخم تھی، اس کے پیروں کا زخم تھی، اس کی روح کا زخم تھی، یہ کوئی بھلانے والی آواز تھی......؟ دوسری طرف علینہ برابر "ہیلو، ہیلو" کر رہی تھی۔ مریم نے رابطہ منقطع کر دیا۔ پھر اپنا موبائل ہی آف کر دیا۔ اُس کے پورے وجود میں شعلے نئے سرے سے بھڑکنے لگے تھے۔

"اپنی پارسائی اور بے گناہی کا یقین دلاتے ہوئے یہ شخص تھکتا نہیں۔ کوئی اس سے پوچھے کہ یہ اتنا پارسا ہے کہ میری خاطر علینہ کو چھوڑ چکا ہے تو وہ اُسے کیوں knock کر رہی ہے......؟ کیوں یاد کر رہی ہے......؟ کیوں کال کر رہی ہے......؟ اس سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مجھے بے وقوف بنانے کے بعد مزید بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔"

مریم کے رَگ و پے میں طوفان اُٹھنے لگے تھے۔ وہ بمشکل اپنے آپ کو کنٹرول کر رہی تھی۔ اُسے یوں لگا جیسے عدیل کے واش روم سے آتے ہی اس کا گلا دبا دے گی۔ جبکہ وہ چاہتی تھی کہ وہ بہت طریقے سے یہ بات کرے اور عدیل آخر کار مان لے کہ آج کی تاریخ میں بھی اس کے ساتھ Sincere نہیں تھا اور شرمندہ ہو کر ہمیشہ کے لئے اس کی نظروں سے دُور ہو جائے۔ وہ خود کو سنبھالنے کی خاطر بیڈ روم سے باہر آ گئی تھی۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم کو رات بھر نیند نہیں آئی تھی۔ فیاض احمد میڈیسن کے زیر اثر گہری نیند میں ڈوب چکے تھے۔ بند کمرے میں ان کا دل گھبرا رہا تھا۔ لیکن خیال آیا کہ انابی اس وقت جاگ رہی ہوں گی۔ کیونکہ انابی اس وقت تہجد پڑھتی تھیں اور ان کی عادت تھی جواب پختہ ہو چکی تھی۔ وہ بیمار بھی ہوتی تھیں تو اُن کی تہجد قضاء نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے انہیں لاؤنج میں انابی کی موجودگی کا سو فیصد یقین تھا۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر باہر لاؤنج میں آئیں تو اوپر سے جھانک کر دیکھ لیا۔ انابی نماز ختم کر کے تسبیح پڑھنے میں مشغول تھیں۔ سلمیٰ بیگم آہستہ آہستہ زینہ طے کرتے ہوئے نیچے لاؤنج میں آئیں۔ بلکہ وہ دبے پاؤں آئی تھیں کہ انابی کو احساس تک نہ ہو سکا کہ سلمیٰ بیگم آ کر ان کی پشت پر بیٹھی ہوئی ان کی تسبیح مکمل ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔ سلمیٰ بیگم کی پیشانی پر پریشانی کی لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔ انابی تسبیح مکمل کر کے جاء نماز کا کونا موڑ کر اپنی جگہ سے اُٹھیں، کیونکہ اب یہ جاء نماز فجر کی نماز کے لئے بچھی رہنی تھی۔ فجر کی نماز پڑھ کر ہی انابی جاء نماز طے کرتی تھیں۔ وہ پلٹیں تو سلمیٰ بیگم کو سامنے پا کر حیران بلکہ پریشان ہوئیں، کیونکہ رات کے اس پہر سلمیٰ بیگم کا یوں بیٹھنا معانی خیز تھا۔ اُن کے دل کو طرح طرح کے وہم ستانے لگے کہ خدانخواستہ پھر کچھ نہ ہو گیا ہو۔ سلمیٰ بیگم اُن کی طرف دیکھ چکی تھیں مگر وہ سر جھکائے بیٹھی تھیں۔

''کیا ہوا بیٹا......؟ کیوں جاگ رہی ہو......؟ خدانخواستہ کوئی پریشانی ہے کیا......؟''

انابی نے ڈرتے ڈرتے قریب آ کر پوچھا۔

''پریشانی تو ہے ناں انابی......! انعم گھر آ گئی ہے، اب اس کے لئے بھی تو سوچنا ہے کہ کیا کریں......؟''

''شکر کرو بیٹا......! کہ وہ گھر آ گئی ہے۔ سکون سے چھت کے نیچے تو بیٹھی ہے۔ جو ہونا تھا، وہ تو ہو چکا۔ اب اور کیا کرنے کا سوچیں......؟ دیکھو، آگے کیا ہوتا ہے......؟ اللہ مالک ہے......!''

انابی یہ کہتی ہوئی سلمیٰ بیگم کے برابر میں بیٹھ گئی۔

''انابی......! میں سوچ رہی ہوں کہ انعم کو ناصر کے پاس واپس چلا جانا چاہئے۔ دیکھیں ناں، یہ بھی تو اللہ نے بڑا کرم کیا کہ ناصر نے ابھی تک اس کے طلاق کے کاغذ نہیں بھجوائے......؟''

انابی دم بخود ہو کر سلمیٰ کی شکل دیکھنے لگیں۔

''کیا کہہ رہی ہو سلمیٰ......؟ لو، تم خود ہی تو بتا رہی تھیں اور انعم نے بھی پہلے ہی بتا دیا ہے کہ ناصر دوسری شادی کر چکا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے انابی......! کیا ہوا......؟ مرد ایک سے زیادہ شادیاں کر لیتے ہیں، یہ کون سی ایسی انوکھی نرالی بات ہے......؟''

''لیکن بیٹا......! حقیقت کو مان لو تو زیادہ اچھا ہے۔''

انابی ہچکچاتے ہوئے اپنے دل کی بات زبان پر لانا چاہ رہی تھیں۔ بات اُدھوری چھوڑ کر سلمیٰ کی شکل دیکھنے لگیں۔ سلمیٰ بیگم انہی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''میرا مطلب یہ ہے کہ بیٹا......! کہ نہ اُس گھر میں انعم کے لئے جگہ ہے اور نہ ناصر کے دل میں، اب قسمت کے لکھے پر سمجھوتہ کر لے بیٹا......! سوتن گھر میں ہے، انعم کا مزاج ایسا ہے کہ وہ اب وہاں گزارہ نہیں کر سکے گی۔ ارے......! اُس نے اپنی بادشاہت خود ٹھکرائی ہے، سب کچھ اُسی کا تھا، مگر اب کچھ بھی اُس کا نہیں ہے۔''

''فیاض بھی یہی کہہ رہے تھے۔ میں نے بات کی تھی فیاض سے۔''

سلمیٰ بیگم نڈھال سی آواز میں گویا ہوئیں۔

''ہاں تو بیٹا......! جو بھی عقل و ہوش سے اس بات پر غور کرے گا، یہی کہے گا۔''

''آپ یہ بھی تو سوچیں انا بی......! کہ اگر ناصر نے انعم کو قبول نہیں کیا تو شاید پھر اس کے لئے دُنیا میں کوئی ایسا مرد نہیں جو اتنا بڑا دل کر کے اسے قبول کرے۔ آج نہیں تو کل جو کچھ ہوا ہے، دُنیا کو پتا چل ہی جائے گا۔ یہاں کوئی چھپ سکتا ہے بھلا......؟ تم اپنی جگہ ٹھیک ہو سلمیٰ......! مگر بلی کے گلے میں گھنٹی تو ہم ڈال نہیں رہے۔ خود ہی سوچو، ہے کسی میں اتنی ہمت کہ ناصر سے یہ بات کرے......؟''

انا بی بے بسی کی کیفیت میں بولیں۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں انا بی......! واقعی ناصر سے کون بات کرے گا......؟ اتنی ہمت تو شاید کسی میں بھی نہیں ہے، اور انعم خود ناصر سے بات کرے، یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''ابھی نئی نئی بات ہے سلمیٰ......! تھوڑا سا صبر کرلو۔ کچھ سوچتے ہیں، کچھ کرتے ہیں، آخر کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔''

سلمیٰ بیگم اب بالکل خاموش تھیں۔ اپنے دل کی بات انا بی تک پہنچا کر جیسے کافی غبار نکل چکا تھا ان کا۔ انہیں یوں لگا کہ جیسے انہیں تھوڑی دیر بعد خود بخود نیند آ ہی جائے گی۔

☆......☆......☆

مریم لاؤنج میں جلے پیر کی بلی بن کر گھوم رہی تھی۔ فیصل سویا ہوا تھا اور اب زندگی اس موڑ پر آ گئی تھی کہ عدیل اُسے بیڈروم میں بلانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ اگرچہ اُس نے مریم کو کمرے میں نہ پا کر بہت کچھ سوچا ہوگا، آواز بھی دینا چاہی ہوگی جو اندر ہی اندر کہیں گھٹ کر رہ گئی ہوگی۔ مریم کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ عدیل سے جا کر چیخ چیخ کر کہے کہ مجھے دھوکے اور جھوٹ کی زندگی سے نکال کے باہر کیوں نہیں پھینک دیتے......؟

☆......☆......☆

فیاض احمد بہت گہری سوچ میں تھے اور سلمیٰ بیگم پلکیں جھپکائے بغیر اُن کی طرف دیکھی جا رہی تھیں۔ سوچتے سوچتے فیاض احمد نے نظریں اُٹھا کر سلمیٰ بیگم کی طرف دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھری، پھر بولے۔

''سلمیٰ......! حل تو یہی ہے، مگر اس طرح کی باتیں فون پر نہیں کی جا سکتیں۔''

سلمٰی بیگم تھکے تھکے انداز میں چڑ کر بولیں۔

"کچھ بھی کرلیں، وہ تو یہاں آنے سے رہا۔"

"ہاں......! وہ یہاں نہیں آئے گا، لیکن مجھے جانا پڑے گا۔"

سلمٰی بیگم نے ایک دم پریشان ہو کر فیاض احمد کی طرف دیکھا اور پھر بولیں۔

"نہیں......! اس عمر میں اولاد کی خاطر آپ کی بے عزتی مجھ سے برداشت نہیں ہوگی۔"

"وہ اس طرح کا نہیں ہے سلمٰی......! وہ تو انتہائی قابل رحم ہے۔ سچ پوچھو تو اُس کے تمام دُکھوں کے ذمہ دار ہم ہیں۔ ہماری اولاد کے ہاتھوں اُسے دُکھ پہنچے ہیں تو اُس کے دُکھوں کا مداوا اور تاوان بھی ہمیں ادا کرنا چاہئے۔ کوئی بات نہیں، فرض کرو، اگر اُس نے میری بے عزتی بھی کی تو سمجھو یہ بھی قسمت کا لکھا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن میں ایک اور بات بھی سوچ رہی ہوں۔"

"وہ کیا......؟"

فیاض احمد نے فکر مند ہو کر بیوی کی طرف دیکھا۔

"یہی کہ انعم کا مزاج کچھ اور طرح کا ہے۔ ٹھیک ہے، ٹھوکروں نے اُسے اندر سے تھوڑا بہت تو تبدیل کیا ہوگا، لیکن وہ جو کہتے ہیں ناں کہ فطرت نہیں بدلتی، اکیلے گھر میں تو وہ ناصر کے ساتھ رہ نہ سکی، سوتن والے گھر میں......"

اتنا کہہ کر سلمٰی بیگم رُک گئیں۔ فیاض احمد اُن کی اُدھوری بات پوری طرح سمجھ چکے تھے۔ پھر وہ چند لمحے سوچنے کے بعد بولے۔

"اب یہ اندیشے اور وسوسے تو ستاتے رہیں گے سلمٰی......! آخر کچھ تو کرنا ہے، ہم کب تک اندیشوں میں بیٹھ کر کھیلتے رہیں گے......؟ اندازے لگانے سے کچھ نہیں ہوگا، جب تک عمل نہ کرلیا جائے۔"

سلمٰی بیگم اُن کی بات سن کر خاموش سی بیٹھی رہ گئیں، کیونکہ اُن کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں تھی جس میں اس مسئلے کا کوئی واضح حل ہوتا۔ وہ خاموش سی بیٹھی رہ گئی۔ پھر جیسے ہار مان کر بولی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

فیاض احمد نے بہت افسردہ نظروں سے بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"احساسِ ندامت تو خود ایک سزا ہے، جس سے وہ گزر رہی ہے۔ جو میں کرنا چاہ رہا ہوں، مجھے کرنے دو۔ اللہ مالک ہے۔"

سلمٰی بیگم اب بالکل خاموش ہو کر رہ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

مریم، عدیل سے بات کرنے کی بجائے مسز سارہ کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔ مسز سارہ اس وقت صبح کا اخبار معمول کے مطابق پڑھنے میں مصروف تھیں۔ ان کی آنکھوں پر Glasses لگے ہوئے تھے۔ مریم کمرے میں داخل

ہوئی تو انہوں نے Glasses اُتار کر ایک طرف رکھ دیئے۔ انہوں نے فکرمند اور سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ مریم خاموشی سے اُن کے پاس بیٹھ گئی، پھر عدیل کا موبائل اُن کے سامنے رکھ دیا۔ مسز سارہ نے اُلجھن بھی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا تو مریم بولی۔

''ممی......! یہ عدیل کا موبائل ہے، آپ خود چیک کر لیں۔ کل علینہ نے عدیل سے کانٹیکٹ کیا تھا۔ اس سے صاف پتا چل رہا ہے کہ اُن کے دونوں کے درمیان اب بھی رابطہ قائم ہے۔ عدیل آپ کے سامنے کئی مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ میں غلط بات کر رہی ہوں، میں غلط ہوں، فضول میں شک وشبہ کر رہی ہوں، وغیرہ وغیرہ۔''

مسز سارہ نے گہری سانس لی اور بہت دُکھی لہجے میں بولیں۔

''اُس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے......؟ مجھ سمیت سب تم پر اعتماد کرتے ہیں کہ تم بے بنیاد بات نہیں کر سکتی۔ عدیل جو کہہ رہا ہے، اُس کو کہنے دو۔ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ میں دیکھ بھی رہی ہوں اور سن بھی رہی ہوں۔''

مریم نے اب ذرا مطمئن ہو کر مسز سارہ کی طرف دیکھا اور بولی۔

''Thank you ممی......!''

''عدیل میرا بیٹا ضرور ہے، مگر ایک مرد بھی ہے، جواب شوہر بھی ہے۔''

مسز سارہ بڑی اُداسی سے مسکراتے ہوئے بول رہی تھیں۔

''ہماری سوسائٹی میں مرد اپنی بیوی سے بہت زیادہ رعایت اور گنجائش چاہتا ہے۔''

وہ مزید گویا ہوئیں۔

''خیر......! تم فکر نہ کرو۔ ہم خود کو دھوکہ کیوں دیں......؟ جو حقیقت ہے، وہی سامنے رہنی چاہئے۔ اب تم بالکل خاموش رہو۔ میں عدیل سے خود بات کرتی ہوں۔ اُسے کہتی ہوں کہ وہ ایک فیصلہ کرے اور ایک طرف ہو جائے۔ تمہیں مزید Disturb نہ کرے۔''

''جی ممی......! یہ جو میں آج آپ سے بات کر رہی ہوں، اُس کی وجہ صرف یہ ہے کہ سب کو پتا چل جائے کہ میں ایک فیصلہ کر چکی ہوں اور مجھے عدیل کے کسی فیصلے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''اتنی جلدی نہ کرو مریم......!''

مسز سارہ نے بے اختیار مریم کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''معصوم بچے کی طرف دیکھو۔ ابھی اس حادثے میں ایک اُدھورا پن سا ہے۔ حقیقت مکمل طور پر سامنے آ نہیں رہی۔''

''I am sorry ممی......!''

مریم دھیرے سے بے ایمانی سے مسکرائی۔

''آخر آپ عدیل کی ممی ثابت ہو ہی جاتی ہیں۔ اس لئے کہ واقعی آپ عدیل کی ماں ہیں۔''

''یہ بات نہیں ہے مریم......! میں نے تمہیں دل و جان سے عدیل کے لئے پسند کیا تھا۔ میں تمہیں کھو

دینے کا حوصلہ نہیں کر پا رہی ہوں۔"

مسز سارہ نے بہت اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

"حالات کی ضد سے بے شمار لوگ گزرتے ہیں ممی......! اس ہجوم میں ہم بھی شامل ہو گئے ہیں، اب ایسی بھی کیا بات......؟ دوسرے انسانوں کی طرح ہم بھی انسان ہی تو ہیں۔"

مریم یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ مسز سارہ نے عدیل کا موبائل اُسے تھما دیا اور موبائل تھماتے ہوئے پیار سے اُس کا ہاتھ دبایا جیسے اُسے اپنی اپنائیت کا یقین دلا رہی ہوں۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون بڑی نک سک سے تیاری ہو رہی ہے۔ گلے میں سونے کا بڑا سا ہار بھی پہنا ہے۔ ماسی برکتے اُس کی تیاری میں مدد کر رہی تھی۔ ساتھ ہی خوشامد اور چاپلوسی بھی کرتی جا رہی تھی۔ پھر دانت نکال کر بولی۔

"چوہدرانی جی......! آپ تو ایسے زیور پہن رہی ہیں جیسے شادی میں جا رہی ہیں۔"

شکیلہ خاتون نے اپنا 10 تولے کا ہار سینے پر جماتے ہوئے خود کو آئینے میں دیکھا اور بڑے مغرور انداز میں مسکرائی۔

"بیٹے کی شادی کی بات کرنے نہیں جا رہی، بیٹی کی بات کرنے جا رہی ہوں اور تجھے پتا ہی ہے، ہمارے ہاں بیٹی والے شادی کی بات میں پہل کریں تو لوگ سمجھتے ہیں کہ بیٹی کو دو روٹی نہیں کھلا سکتے۔ ارے......! آج تو عدیل کی ماں سے جم کر بات ہو گی۔"

ماسی برکتے ایک دم حیران ہو کر شکیلہ خاتون کی طرف دیکھتی ہے۔

"عدیل کی ماں......؟ اس سے پہلے تو آپ نے عدیل کی ماں کا ذکر نہیں کیا......؟"

شکیلہ خاتون نے بڑی بے زاری سے منہ بنایا۔

"مجھے بھی نہیں پتا تھا کہ اُس کے ماں باپ کہاں رہتے ہیں......؟ وہ تو میں نے ایک بار فون کیا تھا مریم کو تو نوکر نے بتایا کہ مریم ابھی سو رہی ہیں اور بڑی بیگم صاحبہ باہر گئی ہوئی ہیں۔"

ماسی برکتے سوچتے ہوئے بولی۔

"دیکھ لیں چوہدرانی جی......! عدیل کی ماں ہے۔"

"تو فکر نہ کر ماسی......! عدیل کی ماں ہے تو مریم کی ساس ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خود بھی دل سے چاہتی ہو۔ ساس تو ساس ہوتی ہے اور جو اُس نے کچھ ایسی ویسی بات کی تو آئینہ دکھاؤں گی۔ پھر منہ چھپاتی پھرے گی۔"

شکیلہ خاتون نے ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔ ماسی برکتے نے پھر دانت نکالے۔

"خیر......! عقلمند تو آپ بہت ہو چوہدرانی جی......! انشاء اللہ کامیاب آپ ہی ہوں گی۔ دیکھ لینا، آپ سے کوئی جیت نہیں سکتا۔"

شکیلہ خاتون آئینے کے سامنے سے ہٹتے ہوئے مسکرائی۔

''ارے......! کوئی جیت کر دکھائے......!''

وہ بڑے طمطراق اور غرور سے بولی تھی۔

☆......☆......☆

مریم بیڈ روم میں داخل ہوئی تو اُسے نے دیکھا کہ عدیل ابھی جاگ رہا ہے۔ عدیل نے بھی اُسے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا، مگر اُس کی نظر ابھی تک اپنے موبائل پر نہیں پڑی تھی، جو مریم کے ہاتھ میں تھا۔ مریم نے بے خوف انداز میں آگے بڑھ کر موبائل اُس کے قریب رکھ دیا۔ تب عدیل نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

''یہ تم میرا موبائل کیوں use کر رہی ہو......؟ کیا تمہارا موبائل خراب ہے......؟''

مریم طنزیہ انداز میں مسکرائی اور بولی۔

''میرا موبائل ٹھیک ہے۔ میں تو ممی کے ساتھ بیٹھ کر اس میں ایک unknown نمبر کی چھان بین کر رہی تھی۔''

عدیل نے اُلجھن بھری نظروں سے مریم کی طرف دیکھا۔

''Unknown نمبر......؟ میرے موبائل پر Unknown نمبر......؟ تو تمہیں چھان بین کی کیا ضرورت ہے......؟ یہ تمہارا ہیڈک نہیں ہے۔ اب تم ہر ہر منٹ بعد میری جاسوسی بھی کرو گی......؟''

مریم نے غصے بھری نظروں سے عدیل کی طرف دیکھا۔

''اُس وقت تک ضرور کروں گی جب تک آپ چار بندوں کے سامنے اس بات کا اعتراف نہیں کر لیتے کہ آپ نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے اور ایک مرتبہ نہیں بلکہ مسلسل جھوٹ بولے جا رہے ہیں۔ اگر میری بات پر کوئی شک ہے تو اس موبائل میں جو Unknown نمبر موجود ہے، جس نمبر سے آپ کے فون پر کل کال آئی تھی، آپ خود پتا کر لیں کہ یہ نمبر کس کا ہے......؟''

عدیل اب ایک دم ٹپٹا گیا، پھر بولا۔

''کرتی رہو تم چھان بین۔ تم اگر بے وقوف ہو تو وہ تم سے بڑی بے وقوف ہے۔ ٹکریں مارتی رہی گی ساری زندگی، مجھے اُس کی آنے والی کال سے کوئی دلچسپی نہیں۔ تمہیں ہے تو جی بھر کر چھان بین کرو اور پھوڑتی رہو سر اپنا۔''

یہ کہہ کر وہ بیڈ سے اُترا اور Wash Room میں چلا گیا اور بڑے غصے سے دروازہ بند کیا۔ مریم معانی خیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

☆......☆......☆

ناصر حسین فون کا ریسیور کان سے لگائے ایک بُت کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔ اُجالا اپنی دُھن میں لاؤنج

میں داخل ہوئی تو اُس کی نظر ناصر پر پڑی۔ وہ ناصر کا انداز دیکھ کر چونک پڑی، پھر آہستگی سے بولی۔

''خیریت......؟ کس کا فون ہے......؟ آپ اس طرح سے کیوں کھڑے ہیں......؟''

ناصر نے جلدی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور زبردستی مسکرایا۔

''ارے......! کچھ نہیں، بس وہ...... ایسے ہی۔''

وہ خجل سا ہو گیا۔ اُجالا نے بہت غور سے اُسے دیکھا۔

''مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں......؟''

''تم سے کچھ چھپا کر مجھے کیا فائدہ ہے......؟ ہوسکتا ہے نقصان تو ہو، مگر فائدہ کوئی نہیں ہوگا۔''

ناصر بولتا ہوا صوفے کی طرف بڑھا اور گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ اُجالا نے اُس کی طرف دیکھا اور بڑی تیزی سے اُس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ پھر بڑے پیار سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی۔

''ناصر......! آپ کے چہرے پر لکھا ہے کہ کوئی خاص بات ہوئی ہے۔ کیا بیہ کی ماما کی طرف سے تو کوئی نیا مسئلہ نہیں ہو گیا......؟''

ناصر حسین نے چونک کر اُجالا کی طرف دیکھا اور نظریں چُرا کر بولا۔

''نہیں......! ایسا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے......؟''

''آپ مجھے بچوں کی طرح نہ بہلایا کریں۔ فرض کرلیں، کوئی بات مجھے اس وقت پتا نہیں چلے گی تو بعد میں تو پتہ چلے گی، اور مجھے کسی بھی بات سے دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے صرف اس بات سے دلچسپی ہے کہ آپ کیوں پریشان ہیں......؟ آپ کو پریشان کرنے والا کون ہے......؟''

ناصر حسین نے اُجالا کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا، پھر بولا۔

''خود ہی بتا دیتا لیکن اس وقت ذرا اُلجھن میں پڑ گیا تھا تو بات کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔''

''کیا بتا دیتے......؟''

اُجالا نے چونک کر ناصر کی طرف دیکھا۔

''وہ بیہ کے نانا کل ہمارے ہاں آ رہے ہیں۔''

ناصر نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ اُجالا بُری طرح چونک پڑی۔

''بیہ کے نانا......؟ ہاں خیر، وہ آ سکتے ہیں، جب اُن کی نواسی اس گھر میں موجود ہے، وہ بھی چھوٹی سی، معصوم سی بچی، دل چاہ رہا ہوگا اُن کا نواسی کو دیکھنے کا، نواسی سے ملنے کا۔''

ناصر حسین مسلسل زمین کی طرف گھور رہا تھا، پھر بڑی آہستگی سے بولا۔

''حالانکہ میں بتا چکا ہوں کہ میں دوسری شادی کر چکا ہوں۔''

''کمال کرتے ہیں آپ......! آپ نے دوسری شادی کی ہے، بیہ کا اپنے نانا، نانی سے رشتہ تو ہے ناں، وہ ملنے آ سکتے ہیں۔ اس میں نہ حیرت کی بات ہے نہ پریشانی کی۔''

ناصر نے خالی خالی نظروں سے اُجالا کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔

''پتا نہیں مجھے کیوں محسوس ہوا جیسے کوئی خاص بات ہے۔ کوئی ایسی بات جس کی وجہ سے وہ یہاں آنے پر مجبور ہیں۔''

اُجالا نے زور سے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔

''حد ہوگئی، آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ چھوٹی سی بچی ہے۔ نانا، نانی بہت پیار کرتے ہوں گے اور پھر شاید وہ یہ دیکھنے کے لئے آرہے ہوں کہ بیبہ کہ دوسری ماں کیسی لگتی ہے......؟ بچی کا خیال بھی کررہی ہے یا نہیں......؟''

ناصر حسین نے اُجالا کی طرف دیکھا اور ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں اور خود کلامی کے انداز میں بولا۔

''ہوسکتا ہے، تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔''

اُجالا اُس کی طرف بہت سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

مسز سارہ حیران پریشان ہکا بکا شکیلہ خاتون کی طرف دیکھ رہی تھیں جو بڑے غصے سے اُن کے گھر میں داخل ہوئی تھیں اور اس وقت بڑے رعب سے اُن سے بات کررہی تھیں۔ شکیلہ خاتون ہاتھ نچاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''ایک عاشق مزاج، آوارہ بیٹے کی ماں ہو تم......! ڈوب مرنے کا مقام ہے تمہارے لئے، کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔''

مسز سارہ کو اب غصہ ضبط کرنا مشکل ہوگیا جیسے پھٹ پڑیں۔

''میرا بیٹا آوارہ، بدمعاش یا دس نمبری جو کچھ بھی ہے، آپ کی بیٹی کے تعاون سے ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ تشریف لے جائیں، کیونکہ ایسا نہ ہو کہ آپ کی بہت بے عزتی ہو جائے۔''

مسز سارہ نے خود کو کنٹرول کرتے ہوئے کہا۔ شکیلہ خاتون نے اپنا سیدھا ہاتھ ران پر زور سے مارا اور غضب ناک لہجے میں بولی۔

''بے عزتی کرکے دیکھو۔ ارے......! جو ہماری بے عزتی کرتا ہے، ہم اُس کو اُس کی جگہ بتا دیتے ہیں۔ کیسی ماں ہو تم......؟ بیٹے کے کرتوتوں پر شرمندہ ہونے کی بجائے اُلٹا مجھے ذلیل کرنے کی دھمکی دے رہی ہو......؟''

''میں آپ سے بہت آرام سے بات کررہی ہوں۔ میں آپ کو سمجھانے کی کوشش کررہی ہوں کہ میرا بیٹا شادی شدہ ہے، ایک بیٹے کا باپ ہے اور میری بہو جسے میں اپنے ہاتھوں سے بیاہ کرلائی ہوں، ایسے سچے موتی جیسی پیاری بچی ہے کہ آس پاس اُس جیسی کوئی لڑکی دکھائی نہیں دیتی، اور آپ بیٹھی ہیں مجھ سے یہ کہنے کہ میں اپنے بیٹے سے کہوں کہ وہ آپ کی بیٹی سے شادی کرلے......؟ دماغ خراب ہے میرا......؟ پاگل ہوگئی ہوں میں......؟ جائیے، جا کر اپنے گھر میں آرام سے بیٹھیے اور آئندہ میرے گھر آنے کی زحمت مت کیجئے گا۔''

مسز سارہ نے اب ہر طرح لحاظ بالائے طاق رکھ کر شکیلہ خاتون کی اچھی طرح جھاڑ پونچھ کر ڈالی۔

''ارے......! چلو یہ تو پتا چل گیا کہ آپ اپنی بہو کو اپنے ہاتھوں سے بیاہ کر لائی ہیں۔ آپ کے بیٹے کو پسند نہیں ہوگی، اس لئے وہ میری بیٹی کے چکر میں پڑ گیا۔ ٹھیک ہے، مرد ذات ہے، دو دو شادیاں بھی کر سکتا ہے۔''

مسز سارہ نے پھر غصے بھری نظروں سے شکیلہ خاتون کی طرف دیکھا۔

''لاحول ولا قوۃ......! کیسی ماں ہے آپ......؟ بیٹی سنبھالی ہی نہیں گئی آپ سے اور آگئی ہیں رشتہ لے کر......؟ یہ بھی نہیں دیکھ رہیں کہ کس غرض سے بیٹی کا رشتہ لے کر آگئی ہیں کہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے اور اُس کی بیوی موجود ہے......؟''

''میری بیٹی بہت معصوم ہے اور تمہارا لڑکا بہت چالاک، وہ چوری چھپے میری لڑکی کے ساتھ میل جول بڑھا کر غلط کام کرنا چاہتا تھا۔ میری بیٹی اُس کے قابو میں نہیں آئی۔ خیر......! اُس پر اس نے جل کر میری بیٹی کو دھتکار دیا، لیکن میری بیٹی کا تو گھر خراب کیا ناں......؟ اب اُس کی ذمہ داری ہے یہ۔''

''کیسی ذمہ داری......؟''

مسز سارہ نے اُسی طرح غصے میں پوچھے۔

''ارے......! یہی کہ میری بیٹی کے ساتھ شادی کر لے، اُس کو بسائے، اُس کا غم دُور کرے، اور پھر تم اپنی بہو سے تو بات کر کے دیکھو۔ اُس نے بھی اپنے میاں کو اجازت دے دی تھی کہ وہ جا کر اپنی پسند کی شادی کر لے۔ جب بیوی اجازت دے رہی ہے تو آپ کو کیا تکلیف ہے......؟''

''میری بہو دُکھ اور غصے میں صحیح فیصلے نہیں کر سکتی۔ اگر اُس کا اپنا ذہن اس وقت کام نہیں کر رہا تو میں مَر نہیں گئی ہوں......؟ میں کیوں اپنی اُس بہو کے اوپر سوتن لے کر آؤں، جو سوتن لانے کا سوچ رہی ہے، جس سے مجھے آج تک کوئی شکایت نہیں ہے، جو میری بہو نہیں، بیٹی ہے......؟ تشریف لے جائیے آپ یہاں سے، اور خبردار......! جو آئندہ یہاں قدم رکھا......؟''

مسز سارہ یہ کہہ کر اُٹھیں اور اندر کی طرف بڑھیں۔ شکیلہ خاتون بھی اپنا بیگ اُٹھا کر کھڑی ہوگئیں اور چلا کر بولیں۔

''یہ خبردار و بردار کسی اور کے ساتھ کرنا۔ ہم تمہاری خبرداری سے ڈرنے والے نہیں ہیں اور جو کام تم کرنے سے انکار کر رہی ہو، انشاء اللہ ایک دن وہی کام ہوگا۔ تم دیکھتی رہ جاؤ گی۔ میری بیٹی اگر میرے قابو میں نہیں ہے تو تمہارا بیٹا بھی تمہارے ہاتھوں سے نکلا ہوا ہے۔ اتنا غرور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ غرور کا سر نیچا......!''

مسز سارہ اب سمجھ گئی تھیں کہ اب مزید بات کرنا فضول ہے۔ اس لئے وہ آگے بڑھتی گئیں۔ انہوں نے پلٹ کر شکیلہ خاتون کو جواب نہیں دیا۔ شکیلہ خاتون کوئی جواب نہ پا کر اپنا دل جلا کر رہ گئیں۔ پھر پوری قوت سے حلق پھاڑ کر بولی۔

''یہاں اس دہلیز پر لا کر بٹھاؤں گی علینہ کو بچی سمیت۔ خود نکاح پڑھواؤں گی۔ ارے......! اُجاڑ دیا میری

بیٹی کو، میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گی، جب تک اُس کو اِس گھر میں بسا نہ دوں۔"

یہ کہہ کر وہ پاؤں پٹختے ہوئے باہر کی طرف بڑھیں۔

☆......☆......☆

انابی، انعم سے بڑے رازدارانہ انداز میں بات کر رہی تھیں۔

"بیٹا......! جلتی پر تیل ڈالنا تو بہت آسان ہے۔ بات یہ ہے کہ لگی آگ کیسے بجھائی جائے......؟"

انعم کھوئی کھوئی کیفیت میں بولی۔

"انابی......! آپ پتا نہیں کس دُنیا کی باتیں کر رہی ہیں......؟ میرے اور ناصر کے درمیان جو فاصلے پیدا ہو چکے ہیں، وہ مٹائے نہیں جا سکتے، اور اب تو وہ دوسری شادی بھی کر چکا ہے......"

انابی نے فوراً انعم کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"بس......! اب سب بھول جاؤ، اپنی معصوم بچی کے لئے کچھ سوچو......!"

انعم نے ٹھنڈی سانس بھری اور پھر بولی۔

"وہ بہت اچھی طرح رہ رہی ہے۔ ناصر کو اپنی بیٹی سے بہت پیار ہے۔ وہ اُس کا بہت خیال رکھے گا۔"

"یہ تو ساری دُنیا کو پتا ہے۔ تم بھی آخر ماں ہو، تم اگر اِس گھر میں ہمیشہ کے لئے بیٹھ گئیں تو آگے کیا ہوگا......؟ یہ سوچو، آج بیہ بچی ہے، کل جوان ہوگی، لوگ طرح طرح کی باتیں کریں گے، اب یا تو تمہاری دوسری شادی ہو جائے تو وہ الگ بات ہے، لیکن تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں دوسری شادی بھی نہیں کرنی ہے۔ بیٹا......! جو بات ابھی باہر نہیں نکلی، کبھی نہ کبھی دُنیا کو تو پتا چل ہی جائے گی۔ ہم سب اس وقت بیہ کے لئے سوچ رہے ہیں، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ تمہارا سوچ رہے ہیں۔ بھائی بھاوج کے گھر میں تم اس طرح کب تک بیٹھی رہو گی......؟ کوئی پتھر تو نہیں ہو جو دیوار میں لگا دیں......؟"

"انابی......! اگر میں ناصر کے پاس چلی جاؤں تو کوئی معجزہ ہو جائے کہ ناصر سب کچھ بھول جائے، تب بھی تماشہ تو بنے گا ناں......! لوگ پوچھیں گے، بیہ کے باپ کی دو بیویاں کیوں ہیں......؟ ذلیل تو میں پھر بھی ہو جاؤں گی ناں......! کیونکہ اُس عورت کو ساری زندگی نظریں جھکا کر ہی جینا ہوتا ہے، جس کا میاں اُس کے اوپر سوتن لے آیا ہو۔ وہاں بھی ذلت کی زندگی اور یہاں بھی ذلت کی زندگی۔ کوئی فرق ہوتا سوچوں ناں......!"

"ارے بیٹا......! یہاں تم اولاد کے بغیر رہو گی۔ وہاں تم اپنی اولاد کے ساتھ تو رہو گی، بچی اپنی سگی ماں کے ساتھ تو ہوگی۔ اللہ زندگی دے ناصر کو۔ ٹھیک ہے، وہ بچی کا بہت خیال رکھتا ہے، لیکن چوبیس گھنٹے بچی کے ساتھ تو نہیں رہ سکتا۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے کئے پر شرمند ہو چکی ہو تو کم از کم اتنا تو ہو جائے کہ اپنی اولاد کی شکل دیکھتی رہو۔"

"انابی......! یہ سب اتنا آسان نہیں ہے، جتنا آپ لوگ سمجھ رہے ہیں۔"

انعم زِچ ہوکر بولی۔

''ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے......؟ ارے بیٹا......! تمہاری بھی دوسری شادی ہوسکتی ہے، مگر جس دن بھی کسی کو حقیقت پتا چلی، سمجھو اُسی دن تم بے گھر ہوئیں میرے منہ میں خاک......! ارے......! مرد سب کچھ برداشت کر سکتا ہے، یہ والی بات مرد برداشت نہیں کرسکتا۔ اتنا ظرف کسی مرد کا نہیں ہوسکتا اور دُشمن تو قبر تک پیچھا کرتے ہیں۔ تم ایک بار ناصر کے گھر چلی گئی تو وہ تمہیں کبھی اُس گھر سے جانے کے لئے نہیں کہے گا۔ اپنی اولاد کو کبھی بے عزت کرنا پسند نہیں کرے گا۔''

انا بی سلمٰی بیگم کی تاکید کے مطابق پورے جوش و جذبے کے ساتھ انعم کو سمجھانے پر تلی ہوئی تھیں۔ انعم نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ انا بی کی طرف دیکھا اور بولی۔

''چلیں مان لیتی ہوں میں آپ کی بات، لیکن اُس کی بیوی......''

انا بی نے فوراً بات کاٹ کر بڑے اعتماد سے کہا۔

''بیوی اولاد سے زیادہ عزیز نہیں ہوسکتی۔ ناصر اُسے سمجھا سکتا ہے۔ آخر بیوی ہی تو ہے، ماں تو نہیں ہے ناں......!''

پھر ذرا آواز مزید آہستہ کر کے بولیں۔

''ارے بیٹی......! میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تم اُس کے گھر میں نظر آؤ۔ ارے......! کسی آدمی کی بیوی چور راستوں سے گھر سے فرار ہوجائے تو سمجھو وہ تو مرگیا۔ پھر اُس کے لئے دُنیا میں کچھ نہیں بچا۔ بیٹی......! تم اُس کے گھر میں جا کر بیٹھو گی تو سمجھو اُس کے بھی ذہن کو سکون ملے گا، کم از کم دُنیا زمانے کی باتوں سے تو بچے گا۔''

انعم نے بڑی بے بسی سے انا بی کی طرف دیکھا۔

''پتا نہیں آپ لوگ کیا کیا سوچ رہے ہیں......؟ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا۔''

وہ یہ کہہ کر نڈھال سے انداز میں صوفے پر ہی لیٹ گئی اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ انا بی اُس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ ان تمام سمجھانے بجھانے والی باتوں کا انعم پر کچھ اثر تو ضرور ہوا ہوگا۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون، علینہ سے فون پر بات کر رہی تھی، موڈ بہت خراب تھا۔

''عدیل کی ماں تو بہت تیز عورت ہے۔ بہت بے عزتی کی اُس نے میری۔ بڑی آئی ولایت کی میم بن کر۔ توبہ......! بیٹا کسی قابل ہوتا تو پتا نہیں کس حال میں ہوتی......؟ اب تو ایک آوارہ، بدمعاش کی ماں ہے، تب اتنا غرور ہے۔''

''آپ وہاں کیوں گئی تھیں اماں......؟ آپ کو بھی بس اپنی بے عزتی کرانے کا شوق ہوا تھا۔''

علینہ خفا خفا انداز میں کہہ رہی تھی۔

''ارے......! آسرا کر، ایک مرتبہ تو اُس گھر میں چلی گئی تو پھر دیکھنا کیسے دونوں ساس بہو کو نکالتی ہو گھر سے۔''

شکیلہ خاتون نے اپنے مستقبل کے عزائم کا پُرجوش انداز میں اعلان کرتے ہوئے کہا۔علینہ بہت دُکھی ہو کر بولی۔

''دل تو میرا بھی جلتا ہے اماں......! بہت مان تھا مجھے عدیل کی دوستی پر، مگر میں کہیں کی نہیں رہی، اور عدیل کو میرے برباد ہونے کا ذرا بھی دُکھ نہیں ہے۔ اُس کی بلا سے، اگر میں مر بھی جاؤں تو اُسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آئندہ آپ اُس گھر میں مت جائیے گا۔ میری غلطیوں کی سزا آپ کو کیوں ملے......؟ آپ کیوں میری وجہ سے بے عزتی کروائیں......؟''

علینہ کا انداز اب سمجھانے والا ہو گیا۔

''اسی بات کا تو بدلہ لینا ہے میں نے، اس کی وجہ میری معصوم بچی پر خوشیاں حرام ہو گئیں، دربدر ہو گئی میری بیٹی، بھائی کی نظروں سے گر گئی۔ شکر ہے مالک کا کہ اب اس کو بھی حقیقت پتا چل گئی ہے۔ دیکھ علینہ......! اب تو گھر آجا۔ عارف بہت پچھتاتا ہے۔ تجھے یاد کر کر کے روتا ہے۔ بیٹا......! وہ تیرا سگا بھائی ہے، کچھ تو اُس کا خیال کر۔''

شکیلہ خاتون نے جیسے اُس کی خوشامد کی۔

''اماں......! تین مردوں نے مل کر مجھے وہ زخم دیئے ہیں جو کبھی نہیں بھریں گے۔ سگا بھائی ایک دم سے اجنبی بن گیا تھا۔ کیسے بھول جاؤں وہ سب کچھ......؟''

اتنا کہہ کر علینہ نے فون بند کر دیا تھا۔ شکیلہ خاتون ''ہیلو، ہیلو'' کرتی رہ گئیں۔

☆......☆......☆

فوزیہ حسب سابق بُری طرح روتے ہوئے وہاج کے خوشامدیں کر رہی تھی۔

''بھائی......! خدا کے لئے کچھ کریں۔ میں اپنے بچے کے بغیر مر جاؤں گی۔''

وہاج حسب سابق اُسے تسلی دے رہا تھا۔

''فوزیہ......! ابھی وہاں کوئی ہماری بات سننے کو تیار نہیں۔''

''کس نے بنائی ہیں یہ اذیت ناک روایتیں کہ لوگوں کو معصوم بچوں پر بھی رحم نہیں آتا۔''

وہ روہانسے انداز میں بولی۔

''درحقیقت تو مجرم میں ہوں۔ تمہیں یہ دُکھ میری وجہ سے ملا ہے۔''

''نہیں بھائی......! آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ سارا قصور علینہ کا ہے۔ اُس کی لاپرواہی، غیر ذمہ داری اور بے وقوفی نے بہت سارے لوگوں کو عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ اگر میں عارف سے چھپ کر کسی مرد سے دوستی کرتی اور عارف کو پتا چلتا تو وہ ٹھوکر مار کر مجھے گھر سے نکال دیتے، ساری زندگی میری شکل نہ دیکھتے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ

Pistol نکال کر مجھے Shoot ہی کر دیتے۔ بہن کی محبت میں سب کچھ بھول گئے......؟ میری محبت، خدمت کچھ بھی یاد نہیں......؟ یہ کوئی انصاف ہے......؟''

فوزیہ یہ کہتے کہتے رو پڑی۔ وہاج بڑی بے بسی سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

علینہ بچی کو کاٹ میں لٹا کر کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔ بچی گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ علینہ نے پلٹ کر بچی کی طرف دیکھا اور سوچنے لگی۔

''میری بچی اپنے باپ سے بے نام و نشان رہے، ایسا تو میں ہرگز نہیں ہونے دوں گی، اور عدیل......! تمہیں سبق سکھائے بغیر میں مرنا نہیں چاہتی۔ میری ماں تمہارے دروازے پر جا کر اپنی بے عزتی کرا بیٹھی۔ اگر وہ مجھے بتا کر جاتی تو میں انہیں کہتی کہ ماں، یہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ عدیل کو کس طرح سبق سکھانا ہے......؟ یہ صرف مجھے پتا ہے۔ مجھے برباد کر کے اپنی بیوی کے ساتھ لائف Enjoy کر رہا ہے۔ بتاتی ہوں میں اُس کو اچھی طرح۔''

علینہ سوچ رہی تھی اور انتقام کی آن اُس کی آنکھوں سے ایسے نکل رہی تھی جیسے اُس کے اندر دوزخ کی آگ بھڑک رہی ہو۔

☆......☆......☆

مسز سارہ اُلجھنوں سے جان چھڑانے کے لئے کتاب لے کر بیٹھ گئی تھیں۔ وہ اپنے ذہن کو اِدھر اُدھر کر کے کچھ دیر کے لئے تنگ کر دینے والے خیالات سے نجات کا راستہ ڈھونڈ رہی تھیں۔ مگر اُن کو اپنا موڈ بنائے ہوئے چند منٹ ہی گزرتے تھے کہ اُن کا ملازم بلانے آ گیا۔ نورانی نے دروازہ Knock کیا اور بولا۔

''بیگم صاحبہ......! مہمان آئے ہیں۔''

مسز سارہ اُلجھن میں پڑ گئیں کہ کون مہمان آ سکتا ہے......؟ شام ہونے والی تھی، عدیل گھر پر نہیں تھا، مریم کا اُن کو کچھ پتا ہی نہیں تھا۔ دوپہر کو اُن کی Lunch پر ملاقات ہوئی، اُس کے بعد مریم اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ کتاب سائیڈ میں رکھ کر بستر سے اُتر کر کھڑی ہو گئیں اور سوچنے لگیں۔

''کون مہمان آ گیا ہے......؟''

پھر نورانی کو متوجہ کیا۔

''نورانی......! کون مہمان ہے، نام پوچھا ہے تم نے......؟''

''جی بیگم صاحبہ......! نام تو مجھے یاد نہیں رہا پوچھنا، مگر وہ پہلے بھی آئی تھیں۔ وہ مریم بی بی کی سہیلی ہیں۔''

اب مسز سارہ نئے سرے سے پریشان ہو گئیں۔

''مریم کی سہیلی......؟ تو تم نے مریم کو نہیں بتایا......؟''
انہوں نے دروازہ کھول کر نورانی کی شکل دیکھتے ہوئے پوچھا۔نورانی نے بڑے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

''بی بی کہہ رہی ہیں کہ اُنہیں آپ سے ملنا ہے۔''
اب مسز سارہ نئے سرے سے اُلجھ گئیں۔
''سہیلی مریم کی ہے، ملنا مجھ سے ہے......؟ کچھ سمجھ نہیں آئی۔ چلو خیر......! میں دیکھتی ہوں۔''
نورانی چل پڑا اور اُس کے پیچھے پیچھے مسز سارہ نے بھی قدم بڑھائے تھے۔ وہ اپنے خیالات میں اُلجھی اُلجھی لاؤنج میں پہنچیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ سامنے ایک لڑکی شیر خوار بچہ گود میں لیے بڑے اطمینان سے بیٹھی تھی، جیسے کوئی شناسا سی جگہ پر اپنائیت کے انداز میں بیٹھا ہوا ہے۔ مسز سارہ نے اُس کی طرف دیکھا۔اب علینہ کی نظر بھی مسز سارہ پر پڑ چکی تھی۔ وہ بچے کو تھپکتی ہوئی صوفے سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور بڑے معانی خیز انداز میں مسکرا کر بولی۔
''السلام علیکم آنٹی......! شاید آپ مجھے By face نہ جانتی ہوں، لیکن آپ نے میرا نام ضرور سنا ہوگا۔ علینہ نام ہے میرا۔''
علینہ نے بڑی خاص ادا سے، بڑے اسٹائل سے مسز سارہ کو اپنا نام بتایا۔اُن کے لئے یہ نام نہیں تھا، بہت بڑا دھماکہ تھا۔ اس نام کی بازگشت تو ہر وقت دَر و دیوار سے پھوٹتی رہتی تھی۔ وہ اُلجھن اور گومگو کی کیفیت میں علینہ کی طرف دیکھ کر بولیں۔
''علینہ......؟ اچھا، علینہ......!''
علینہ پھر بڑی ادا سے مُسکرائی۔
''تو آپ مجھے پہچان گئیں آنٹی......؟ ویسے جب میں بہت چھوٹی تھی، تب شاید آپ نے مجھے دیکھا ہوگا۔ ہم تو آپ ہمسایے ہوتے تھے اور اُسی وقت سے میری اور عدیل کی دوستی ہے۔''
مسز سارہ نے خفگی سے علینہ کی طرف دیکھا اور سپاٹ لہجے میں بولیں۔
''ہاں......! مجھے یاد ہے، ہمارے پڑوس میں کوئی چوہدری صاحب آ کر رہے تھے۔ اُن کی ایک چھوٹی سی بچی ہمارے گھر کھیلنے آتی تھی۔ لیکن یہ تو بہت زمانوں پرانی بات ہے۔ مجھے تو اُس بچی کی شکل بھی یاد نہیں رہی۔''
''لیکن مجھے سب کچھ یاد ہے آنٹی......! اور آپ کے بیٹے عدیل کو بھی۔ پھر آپ لوگ UK چلے گئے تھے۔ میری بہت مدت بعد اتفاق سے عدیل سے ملاقات ہوئی تھی۔ اُس وقت جبکہ میری شادی ہو چکی تھی۔''
مسز سارہ نے اتنا سن کر بڑے غصے بھری نظروں سے علینہ کی طرف دیکھا۔
''تو یہ کچھ اچھی بات تو نہیں ہے کہ تم نے شادی کے بعد ایک پرانے دوست سے، وہ بھی بچپن کے دوست سے پھر دوستی کر لی......؟''

''ایسا نہیں ہے آنٹی......! عدیل نے مجھے خود تلاش کیا۔ جب اُسے پتا چلا کہ میں شادی کر چکی ہوں تو اُسے کوئی فرق نہیں پڑا۔ اُس نے تو مجھے اتنا کہا کہ تم میری دوست ہو اور میں تمہیں ہمیشہ اپنی دوست دیکھنا چاہتا ہوں۔ ایک زمانہ میں نے UK میں گزار دیا، لیکن میں تمہیں بھول نہیں پایا۔''

مسز سارہ نے علینہ کی یہ بات بڑی ناگواری سے سنی اور بڑے کڑے لہجے میں بولیں۔

''یہ سچ نہیں ہوسکتا۔ وہ اس وجہ سے کہ جب میں عدیل کی شادی کر رہی تھی تو میں نے عدیل سے پوچھا تھا کہ تمہارے جاننے والوں میں، تمہارے ملنے جلنے والوں میں کیا کوئی تمہاری ایسی دوست ہے جسے تم نے شادی کرنے کی نظر سے دیکھا ہو......؟ تم اُس سے شادی کرنا چاہتے ہو......؟ میں اُس پر اپنی مرضی تھوپنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن اُس نے مجھے بڑا سادہ سا، Simple سا جواب دیا کہ ممی، شادی تو میں آپ کی پسند سے کروں گا۔''

''تو آنٹی......! وہ میرا نام کیسے لے سکتا تھا......؟ میں تو Already شادی شدہ تھی۔ آپ خود سوچئے کہ وہ میرے بارے میں کیسے آپ سے ذکر کرتا......؟''

''ہاں......! تم نے مجھے سوچنے کے لئے کہا، مگر خود کبھی یہ سوچا ہے کہ شادی ہونے کے بعد تمہیں شوہر کے علاوہ کسی اور دوستی کی بھی ضرورت ہے......؟ اگر بیوی چاہے تو اپنے گھر کا خوب صورت ماحول بنا کر اپنے شوہر کے ساتھ دوستوں کی طرح رہ سکتی ہے۔ میرا خیال ہے، تم نے اس طرح کی بھی کوئی کوشش نہیں کی، تم نے یہ جگہ خالی رکھی تھی۔''

''آنٹی......! شادی ہو جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دو انسانوں کی Chemistry بھی میچ ہوگئی ہے۔ ٹھیک ہے، میری بچپن کی منگنی تھی، مجھے پتا تھا کہ میری شادی وہاج سے ہی ہونا ہے، لیکن میں نے تو عدیل سے شادی کرنے کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ بس وہ ایک دوست کی حیثیت سے میرے دل میں جگہ بنا چکا تھا اور اُس کی جگہ کوئی بھی نہ لے سکا۔ حتیٰ کے میرا شوہر بھی نہیں۔''

مسز سارہ کو بہت سخت غصہ آیا تھا، لیکن وہ برس پڑنے کی بجائے خود کو سنبھالنے میں لگ گئیں۔

''بڑی مشکل سے انہوں نے خود کو کنٹرول کیا تھا۔

''مجھے تمہاری باتیں سن کر بہت شرم آ رہی ہے۔ ایک مشرقی عورت کے پاس اتنا وقت کیسے نکل سکتا ہے کہ وہ ایک شوہر کو بھی بھگتائے اور دوستیاں بھی پالے......؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں آنٹی......! میں نے یا عدیل نے شاید اس طرح کے حالات کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا۔ لیکن آج جو کچھ بھی صورتِ حال ہے، وہ عدیل کی بیوی کی وجہ سے ہے۔ اُس نے ہر طرف آگ لگا دی ہے۔ بغیر چھان بین کئے وہ میرے گھر پہنچ گئی اور میرے گھر میں آگ لگا دی۔ مریم نے مجھے بے گھر کر دیا۔ ساری ذمہ داری اُس پر ہے۔ اب عدیل کو میرا ساتھ دینا پڑے گا۔''

مسز سارہ نے علینہ کی بات سن کر بڑی تلخی سے سوال کیا۔

''اگر وہ ساتھ نہ دے تو تم اُس کے ساتھ زبردستی کرو گی......؟''

علینہ نے گردن اکڑا کر بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

''بالکل......! میں اُس کے ساتھ زبردستی کروں گی۔ وہ اور اُس کی بیوی میری تباہیوں کے ذمہ دار ہیں اور Relief بھی وہی دیں گے۔''

''تم دونوں ماں بیٹی مجھے بہت شاطر لگ رہی ہو۔''

علینہ نے سارہ کی ماں کی طرف دیکھا، پھر بڑے اطمینان سے بولی۔

''مریم مجھے بے گھر کرنے کی ذمہ دار ہے۔ اب اسی گھر میں میرا ٹھکانہ ہے۔ عدیل کو میرا ساتھ دینا پڑے گا۔ میں یہ بات آپ کو پہلے بھی کہہ چکی ہوں، اب بھی کہہ رہی ہوں اور کہتی رہوں گی۔''

وہ مزید گویا ہوئی۔

''آپ عدیل کو کہیں، وہ میرا سامنا کرے۔''

''میں تمہیں اس گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ یہ میرا گھر ہے۔''

مسز سارہ نے قطعی اور فیصلہ کن انداز میں کہا۔ وہ ناگواری کے جذبات بڑی مہارت سے کنٹرول کر رہی تھیں۔

''پھر آپ کا شمار بھی ظلم کرنے والوں میں ہوگا۔''

علینہ نے زہریلے لہجے میں مسز سارہ کو کہا۔ وہ اُن کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھیں۔

''مجھے Emotionally blackmail کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے ساتھ بہت زیادتی کر چکی ہو۔ تمہارے ساتھ مزید کچھ بُرا ہوگا تو مجھے دُکھ ہوگا۔ تم پہلی فرصت میں یہاں سے چلی جاؤ۔''

مسز سارہ نے اُسی فیصلہ کن انداز میں علینہ سے کہا۔

''آپ کچھ بھی کہیں۔ میں عدیل سے ملے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گی۔''

مسز سارہ نے علینہ کو سر سے پاؤں تک گھورا، پھر ایک گہری سانس لے کر بولیں۔

''فضول کی ضد کر رہی ہو۔ اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''

یہ کہہ کر وہ تیزی سے لاؤنج سے چلی گئیں۔

☆......☆......☆

مسز سارہ غصے سے بھری ہوئی تھیں، لیکن وہ بہت پھونک پھونک کر قدم اُٹھا رہی تھیں۔ کیونکہ اس پورے گھر میں انہیں کوئی ایسا کردار ادا کرنا تھا جس سے اُن کے گھر کی ہلتی ہوئی دیواریں گرنے نہ پائیں۔ وہ اسی لئے عدیل کے پاس آئی تھیں اور عدیل کو علینہ کی آمد کے بارے میں بتا دیا تھا۔ کیونکہ انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اکیلی انہیں باہر نہیں نکال سکتی۔ بہرحال انہیں عدیل کی ضرورت پڑی۔ عدیل اُن کے منہ سے علینہ کے بارے میں سننے کے بعد گم سم سی کیفیت میں اپنی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کا اپنا ذہن ماؤف ہوگیا ہو، اُسے کچھ سمجھ نہ آ رہی

ہو۔ بہر حال کافی دیر سوچنے کے بعد وہ بولا۔

''ممی......! یہ وہ علینہ ہی نہیں ہے جو میری بہت اچھی دوست تھی۔ آپ جو مرضی کہیں مگر ہم سب پر یہ مشکل اور بہت بُرا وقت مریم کی وجہ سے ہے۔''

مسز سارہ نے اِدھر اُدھر دیکھ کر عدیل کو سرزنش کی۔

''آہستہ بولو، مریم کو بالکل پتا نہیں چلنا چاہئے کہ علینہ اپنی بچی کے ساتھ یہاں آئی بیٹھی ہے اور فضول میں مریم پر الزام تراشی نہ کرو۔''

''ممی......! مریم نے اُس کو یہ ہمت اور حوصلہ دیا ہے، یہ کہہ کر کے مجھے اور علینہ کو شادی کر لینی چاہئے۔ وہ کون ہوتی ہے میرے بارے میں فیصلے کرنے والی......؟''

عدیل غصے سے منمنایا۔ مسز سارہ نے گہری نظروں سے عدیل کو دیکھا، پھر آہستہ آواز میں گویا ہوئی تھیں۔

''تم برابر مریم کو جھوٹا کہہ رہے ہو۔ جبکہ اسی دوران علینہ نے پھر تم سے Contact کیا۔ مریم نے مجھے تمہارے موبائل فون پر اُس کا نمبر دکھایا تھا اور میں کنفرم بھی کر چکی ہوں۔''

مسز سارہ نے اس انداز میں بات کی جیسے کسی کو رنگے ہاتھوں پکڑ رہی ہوں۔ ساتھ ساتھ وہ عدیل کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھ رہی تھیں۔ عدیل، ماں کے منہ سے یہ سب کچھ سن کر نظریں چُرا کر بولا۔

''ممی......! ہم ایک دوسرے کے دوست تو رہے ہیں، اسی وجہ سے وہ Contact کر سکتی ہے، اور پھر وہ تو اب بہت مشکل میں ہے۔ اُس نے Contact کیا تھا، مگر میں نے اُس سے بات نہیں کی، اور میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اُس سے عشق وشق نہیں کرتا، مجھے اُس کی پرواہ بھی نہیں ہے۔ جس کی پرواہ ہے، اُسے تو مجھ پر یقین ہی نہیں آرہا ہے۔''

عدیل جھنجلائے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''تو اس میں تمہاری غلطی ہے۔ اعتبار ایک دفعہ کا ہوتا ہے۔ ٹوٹا ہوا اعتبار بحال کرنے کے لئے بہت محنت کرنا پڑتی ہے، بہت صبر سے کام لینا پڑتا ہے اور تمہیں یہ سب کچھ کرنا پڑے گا۔ عدیل......! تم نے مریم کو پھر سے پانا ہے تو جو تمہارے قریب ہو کر بھی تم سے بہت دُور جا چکی ہے۔''

عدیل نے اب اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔

''روز ایک نئی بات ہو جاتی ہے، مجھے تو یوں لگتا ہے، مریم کو میں سچ مچ کھو چکا ہوں۔ کتنی بھی محنت کر لوں، کوئی فائدہ نہیں۔''

مسز سارہ نے اُس کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر اُس کے کندے پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر سمجھانے والے انداز میں بولیں۔

''زندہ انسان کی نا اُمیدی سمجھ سے بالاتر ہے۔ وہ جو کہتے ہیں ناں، جب تک سانس ہے، تب تک آس ہے۔ تم اتنی جلدی کیوں مایوس ہو رہے ہو......؟ کچھ کرو تو صحیح، کچھ کر کے تو دکھاؤ۔''

عدیل نے ماں کی بات سنی اور پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اپنے کسی دھیان سے چونک کر بولا۔
''ممی......! اُس کا تو کچھ کریں جو آ کر بیٹھ گئی ہے۔ Believe me میں اُس سے نہیں ملنا چاہتا۔ آج ہی نہیں، بلکہ کبھی بھی نہیں۔ میرا اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کر رہی ہے، اپنی مرضی سے کر رہی ہے۔''

مسز سارہ نے عدیل کی طرف دیکھا اور سوچنے کے انداز میں گردن ہلا کر بولیں۔
''ٹھیک ہے......! تم اُس کے سامنے نہ جاؤ، میں ہی اُس کو نکالتی ہوں۔''

یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے بیٹے نے اپنی باتوں سے اُن کے اوپر کوئی اثر ضرور چھوڑ دیا ہے اور وہ مریم کی طرح سو فیصد عدیل کو غلط نہیں سمجھ رہی۔ وہ ایک ماں تھی اور ماں ہمیشہ مارجن رکھتی ہے۔

☆......☆......☆

مریم کا دل بند کمرے میں گھبرانے لگا تھا۔ کافی دیر سے وہ بچے کے پاس تھی اور بچے کے سونے کے بعد وہ فوراً کمرے سے باہر آ گئی تھی۔ اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ کچھ دیر لان میں جا کر ٹہلے یا چھت پر کھلی ہوا میں دل کھول کر سانس لے۔ وہ اپنی ذھن میں لاؤنج میں آئی تو اُسے زبردست دھچکا لگا تھا، بلکہ اُسے جیسے اپنی آنکھوں پر اعتبار ہی نہیں آیا تھا۔ اُس کے سامنے تو علینہ بیٹھی تھی۔ ایک چھوٹی بچی کو گود میں لیے ہوئے وہ اُس کو فیڈر سے دودھ پلا رہی تھی۔ مریم کو یوں لگا جیسے وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہے۔ وہ اپنی جگہ پھدک کر رُک گئی تھی، جبکہ علینہ نے اُس کی طرف دیکھ کر یوں نظریں موڑ لیں تھیں جیسے اُسے مریم کو سامنے پا کر کوئی فرق نہ پڑا ہو۔ اُس کے اطمینان وسکون کی وہی کیفیت تھی جو مریم کے آنے سے پہلے تھی۔ مریم نے اپنا سر جھٹک کر خود کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ کوئی خواب نہیں دیکھ رہی۔ علینہ ایک بھیانک حقیقت کی طرح اُس کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ اُس کے منہ سے بالآخر نکلا۔

''تم یہاں......؟''

علینہ نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی بچی کے سر پر بہت پیار سے ہاتھ پھیرتی رہی۔ مریم دو قدم مزید چل کے اس کے قریب آئی۔

''میں پوچھ رہی ہوں کہ تم یہاں کیا کرنے آئی ہو......؟ کس کام سے آئی ہو......؟ کس سے ملنا ہے......؟''

علینہ نے نظر اُٹھا کر مریم کی طرف دیکھا اور بہت اطمینان اور سکون سے گویا ہوئی۔

''تم سے تو مجھے بہرحال نہیں ملنا ہے، کیونکہ تم سے ملنے کا مجھے کوئی فائدہ تو نہیں، البتہ تم سے مل کر نقصان بہت اُٹھائے ہیں میں نے۔''

''تم نے نقصان اپنی غلطیوں کی وجہ سے اُٹھائے ہیں۔ مجھ پر الزام لگا کر تم اپنے ضمیر کی آواز کا گلا نہیں گھونٹ سکتی۔ جو آوازیں اندر سے آ رہی ہیں، اُن کی بھی تو سننے کی کوشش کرو اور مجھے بتاؤ کہ میرے گھر میں کیا کرنے آئی ہو......؟''

علینہ نے مریم کی طرف دیکھے بغیر بڑی بے نیازی سے کہا۔
''میں تمہارے گھر نہیں آئی۔ میں عدیل کے گھر آئی ہوں۔''
مریم کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ اُبھری۔
''میں اِس گھر میں تمہیں نظر آ رہی ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ یہ میرا گھر ہے۔''
علینہ نے اب ایک نظر مریم کی طرف دیکھا اور بولی۔
''تم زبردستی اس گھر میں بیٹھی ہو تو یہ تمہاری بے وقوفی ہے۔ حالانکہ جب تمہیں اُس شخص کا اعتبار ہی نہیں تو تم اُس کے گھر میں کیا کر رہی ہو۔ تمہیں تو اس گھر پر تھوک کر چلے جانا چاہئے تھا۔''
مریم نے اُس کی طرف دیکھا اور بولی۔
''ہاں......! تمہارے لئے یہ گھر خالی کر کے مجھے چلے جانا چاہئے تھا۔ تم نے بڑے صبر سے انتظار کیا اور پھر تھک گئی اور میرے یہاں موجود ہوتے ہوئے آ کر بیٹھ گئیں۔ شاباش ہے تمہاری......! اور وہ جو تمہارا شوہر جو تمہیں تلاش کرتا پھر رہا ہے، اس بیچارے کا کیا بنے گا......؟''
مریم کی بات سن کر علینہ پر جیسے کوئی آسمان سا ٹوٹا تھا۔ اُس نے آنکھیں پھاڑ کر مریم کی طرف دیکھا۔
''میرا شوہر......؟''
''وہاج کی بات کر رہی ہوں۔''
مریم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
''تمہیں شاید کوئی غلط فہم ہوئی ہے......؟ یا تم مجھے یہاں سے نکالنے کے لئے فضول قسم کی باتیں کر رہی ہو۔ مگر اطمینان رکھو، میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔''
''مجھے جو غلط فہمی ہوئی ہے، اُس غلط فہمی کا نام ڈاکٹر سہیل ہے، وہاج کا دوست، جس نے اپنے دوست کو تمہاری تلاش پر لگایا ہوا ہے اور وہ تمہیں تلاش کرتا ہوا ہمارے گھر تک آ پہنچا۔''
علینہ نے اُلجھی اُلجھی نظروں سے مریم کی طرف دیکھا اور بولی۔
''نہیں......! وہاج مجھے طلاق دے چکا ہے۔ پھر تو وہ پاگل ہے جو طلاق دینے کے بعد بھی مجھے تلاش کر رہا ہے......؟''
''وہ پاگل ہے یا عقل مند، یا جو کوئی بھی ہے، بہرحال وہ تمہیں تلاش کر رہا ہے اور صرف تمہارے لئے نہیں، میرے لئے بھی حیرت کی بات ہے کہ وہ تمہیں کیوں تلاش کر رہا ہے......؟ ایسی عورت سے جان چھڑانے کے بعد تو مرد سکون کی سانس لیتا ہے۔''
مریم نے طنزیہ لہجے میں کہا تو علینہ جیسے سر سے پاؤں تک بھڑک اُٹھی۔ وہ بچی کو صوفے پر لٹا کر ایک دم اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔
''کیسی عورت......؟ تم جیسی نہیں ہوں میں۔ کیا کیا ہے میں نے......؟''

''مجھے اپنے ساتھ ملانے کی ضرورت نہیں۔ میرا صرف ایک شوہر ہے اور شوہر کے بعد میں نے کسی سے دوستیاں نہیں پالیں۔ اس لئے تم ذرا زبان سنبھال کر بات کرو۔ بندہ ڈھیٹ ہو تو نفس کا غلام بن جاتا ہے۔ اُس کے کوئی اُصول نہیں ہوتے۔''

مریم نے اتنی زور سے کہا تھا کہ مسز سارہ تک آواز پہنچ گئی تھی۔ وہ ایک دم گھبرا کر لاؤنج میں آئی تھیں۔ اُن کے دہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مریم، علینہ کے سامنے کھڑی ہو کر اُس سے بات کر رہی ہوگی۔ مسز سارہ لاؤنج میں داخل ہوئیں اور بڑے غصے سے علینہ سے بولیں۔

''تم ابھی تک گئی نہیں......؟''

علینہ نے آف موڈ میں دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں آپ دونوں سے بات کرنے نہیں آئی ہوں۔ عدیل کو بُلائیں۔''

''شرم کرو، میں عدیل کی ماں اور یہ اُس کی بیوی ہے اور تم ہم سے کہہ رہی ہو کہ ہم عدیل کو تمہارے لئے بلائیں......؟''

''میری ماں ایک سیدھی سادھی عورت ہے۔ آپ لوگوں نے اُسے بے عزت کر کے اس کے گھر سے نکال دیا۔ لیکن مجھے نکال کر دکھائیں تو میں جانوں۔''

علینہ نے یوں اطمینان اور سکون سے کہا جیسے اُسے مسز سارہ اور مریم کے غصے کی پرواہ ہی نہ ہو۔ مسز سارہ غصے سے جیسے بات کرنا بھول گئیں۔ الفاظ فضاؤں میں اُڑنے لگے۔ وہ کسی ایک خیال پر مرتکز نہیں ہو پا رہی تھیں۔ غصے نے اُن کے اندر قیامت برپا کر دی تھی کیونکہ انہوں نے زندگی میں اتنی ڈھٹائی نہیں دیکھی تھی۔ مریم نے ساس کی کیفیت کو محسوس کیا اور بولی۔

''ممی......! آپ پلیز اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں۔''

پھر وہ علینہ سے بولی۔

''علینہ......! تم آرام سے بیٹھو۔ میں تمہارا مسئلہ حل کرتی ہوں۔''

مسز سارہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو مریم نے اُن کو بازو سے پکڑ لیا۔

''ممی......! پلیز میری بات مانیں، کوئی فائدہ نہیں۔ آپ اسے جو مرضی چاہے کہیں لیں۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کہہ رہی ہوں ناں، میں اس Situation کو سنبھالتی ہوں۔ آپ پلیز Rest کیجئے۔ آیئے میرے ساتھ۔''

وہ ساس کو بازو سے پکڑ کر لاؤنج سے باہر لے گئی۔

مسز سارہ جیسے اُس کے ساتھ خود کو گھسیٹتے ہوئے جا رہی تھیں۔ اُن کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ مریم کو یہاں بیٹھا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی جائیں۔

☆☆☆

شکیلہ خاتون نے علینہ سے بات کر کے ریسیور رکھ دیا تھا۔اُن کے چہرے پر دلی مسرت کے تاثرات تھے۔
ماسی برکتے لنگڑاتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی تو اُس کی نظر شکیلہ خاتون پر پڑی، جو کسی خیال میں کھو کر مسکرا رہی تھیں۔
اُن کی مسکراہٹ سے لگتا تھا کہ انہوں نے جیسے کوئی خوش خبری سنی ہو۔ماسی برکتے دانت نکالتی ہوئی اُن کے قریب پہنچی اور زمین پر بیٹھ کر اُن کے گھٹنے دبانے لگی۔یہ اُس کا مخصوص انداز تھا، جب وہ اپنی طرف سے کوئی بات کرنے سے پہلے اُن کے ہاتھ پاؤں دبانا شروع کر دیتی تھی۔کچھ دیر اُس نے شکیلہ خاتون کے گھٹنے دبائے پھر جیسے وہ زیادہ صبر نہ کر سکی اور بول پڑی۔

''خیر تو ہے چوہدرانی جی......؟ ماشاءاللہ سے آج آپ بہت خوش ہیں۔''

شکیلہ خاتون نے فوراً دونوں ہاتھ دُعا کے انداز میں اُٹھا لئے۔

''شکر ہے پروردگار کا، علینہ کو بات سمجھ آ گئی ہے، بیٹھ گئی ہے وہ مریم کے سر پر جا کر، اور اب تو دیکھنا، وہ مریم کو اُس گھر سے نکال کر ہی دم لے گی۔میری بیٹی ہے آخر وہ۔چوہدرانی شکیلہ خاتون کی اولاد ہے، ہار نہیں مانے گی۔''

ماسی برکتے کی سمجھ میں اب ساری بات آ گئی۔خوشامدانہ انداز میں بولی۔

''ہاں تو ٹھیک ہے ناں چوہدرانی جی......! بالکل ٹھیک کیا علینہ بی بی نے۔اُس عورت نے علینہ بی بی کا گھر اُجاڑا۔اب علینہ بی بی کا فرض بنتا ہے کہ اُس کو اُجاڑ کے باہر کرے۔''

شکیلہ خاتون دائیں بائیں لہرانے لگیں جیسے کوئی خوب صورت سی دُھن سنتے ہوئے جھوم رہی ہو۔وہ کچھ دیر ایسے ہی لہراتی رہی پھر بولی۔

''دُشمن میری بیٹی کو بے ٹھکانہ کر رہے تھے۔خود در بدر ہو جائیں گے۔''

ماسی برکتے نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور چوہدرانی جی کو دُعا دی۔

''چوہدرانی جی......! اللہ آپ کی ہر مراد پوری کرے۔''

شکیلہ خاتون نے مسکرا کر ماسی برکتے کی طرف دیکھا اور صوفے پر سیدھی ہو کر لیٹ گئی۔

''ٹھیک سے دبا برکتے......! اتنے دنوں بعد سکون ملا ہے دماغ کو۔آج شام کو نیاز بانٹوں گی۔''

ماسی برکتے، شکیلہ خاتون کے پاؤں دبانے لگی۔

☆......☆......☆

سہیل اپنے کلینک میں مریم سے فون پر بات کر رہا تھا۔وہ حیرت کی انتہاء پر پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپ......؟ علینہ آپ کے گھر پر ہے......؟''

دوسری طرف سے مریم کہہ رہی تھی۔

''جی جناب......! ظاہر ہے، میں آپ کو غلط اطلاع تو دینے سے رہی۔ محترمہ میرے گھر میں دھرنا مار کر بیٹھ گئی ہیں اور بقول اُن کے، پہلے وہ مجھے نکالیں گی، اُس کے بعد وہ اس گھر سے جانے یا نہ جانے کا فیصلہ کریں گی۔ آپ آسکتے ہیں تو آجائیں۔''

ڈاکٹر سہیل بڑی اُلجھن میں پھنس گیا تھا۔ دم بخود انداز میں گویا ہوا۔

''جی بالکل......! مجھے آنا پڑے گا۔ یہ تو بہت اچھا ہوا کہ وہ اس وقت آپ کے گھر میں ہے۔ ہم تو اُن کو تلاش کرتے کرتے تھک چکے تھے۔''

''ہاں......! مگر اُس نے یہ بتایا ہے کہ وہاج اُسے طلاق دے چکا ہے اور آپ لوگ بے وقوف ہیں جو اُسے تلاش کر رہے ہیں......؟''

سہیل جیسے کسی ہچکولے کی زد میں آگیا تھا۔

''وہاج طلاق دے چکا ہے......؟ میرا خیال ہے، وہ مصلحتاً آپ سے اس طرح کی بات کر رہی ہے۔ ابھی تک شاید اس طرح کی کوئی بات ہوئی نہیں ہے۔ ورنہ وہاج مجھے ضرور بتاتا۔''

''خدا کے لئے ڈاکٹر سہیل......! آپ اس مصیبت کو میرے گھر سے لے جائیں، ورنہ کچھ اچھا تو نہیں ہوگا، شاید بہت برا ہو جائے۔ کیونکہ میں آپ کی وجہ سے بہت صبر و برداشت سے کام لے رہی ہوں۔''

مریم نے وارننگ والے انداز میں بات کی۔

''نہیں نہیں مسز مریم......! آپ بالکل فکر نہ کریں، میں آکر علینہ بھابی سے بات کرتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ جو بھی باتیں، جو بھی مسائل ہیں، اُن کو ہوش مندی سے حل کر لیا جائے۔''

مریم نے سکون کی ایک گہری سانس لی اور بولی۔

''So kind of you! lot of thanks''

یہ کہہ کر اُس نے فون بند کر دیا تھا۔ لیکن سہیل اپنی جگہ پر پتھر بنا بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا۔

''علینہ آخر عدیل کے گھر کیوں بیٹھ گئی ہے......؟ اور اُن لوگوں کو یہ کیوں کہہ رہی ہے کہ وہاج اُسے طلاق دے چکا ہے......؟ کیا مقصد ہے......؟ کیا مریم کا شک درست ہے......؟ علینہ نے کوئی غلطی کی ہے......؟ یا......؟''

''یا'' سے آگے ایک بڑا سا سوالیہ نشان تھا۔

☆......☆......☆

مریم اب بھی بیڈ روم میں سپاٹ چہرے کے ساتھ یوں بیٹھی تھی جیسے کوئی فیصلہ کر کے فارغ ہوگئی ہو۔ اُسی وقت عدیل، مسز سارہ کو لیے ہوئے بیڈ روم میں داخل ہوا اور غصے سے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''ممی......! دیکھ لیجئے، کچھ ہو جائے گا، پاگل کر دے گی یہ مجھے۔''

اس وقت وہ جیسے پاگل ہو رہا تھا۔ پاگلوں والی حالت ہو رہی تھی اُس کی۔ مسز سارہ، مریم کے قریب آئی

اور اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بہت پیار سے بولیں۔

''ہوش کرو مریم بیٹا......! اگر ایک وقت میں کوئی ایک شخص بے وقوفی کی انتہاء کو پہنچ چکا ہو تو دوسرے لوگوں کو تو ہوش سے کام لینا چاہئے۔ تم اسے کیوں کہہ رہی ہو کہ علینہ کو ساتھ لے کر چلا جائے......؟ یہ کیوں جائے......؟''

مریم نے بہت آہستگی سے مسز سارہ کے ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹائے اور بولی۔

''تو میں کیا کروں ممی......؟ آپ دیکھ رہی ہیں، وہ کتنے اطمینان سے یہاں پر بیٹھی ہے۔ کوئی تو Base ہے۔ کیوں بیٹھی وہ اتنے دھڑلے سے......؟ کیوں نام لے رہی ہے میرے اور آپ کے سامنے بار بار عدیل کا......؟''

عدیل بولا۔

''اگر کوئی جہالت اور بے وقوفی کی انتہاء کو پہنچ گیا تو اس میں میرا کیا قصور......؟''

مریم طنزیہ انداز میں مسکرائی اور دونوں ماں بیٹے سے نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''مرد کا یہ ہمیشہ سے دستور ہے، جب اُس کا مطلب نکل جاتا ہے تو وہ کوئی بھی نام دینے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ کل تک وہ عزیز از جان دوست تھی، آج وہ جاہل اور احمق ہے۔''

مسز سارہ نے پھر معاملہ سنبھالنے کے لئے خود کو کنٹرول کیا اور بہت نرمی سے بولیں۔

''بیٹا......! ٹھیک ہی تو ہے، اگر اُس لڑکی کو عقل نہیں ہے اور اُس کی بے وقوفی کی وجہ سے یہ نوبت آ گئی ہے۔''

عدیل فوراً ماں کی بات کاٹ کر بولا۔

''صرف اُس کی بے وقوفی کی وجہ سے نہیں، مریم نے بھی کچھ کم نہیں کیا۔ دیکھا جائے تو اِسی کی وجہ سے معاملہ مزید بگڑ گیا ہے۔''

مریم نے یہ سن کر مسز سارہ کی طرف دیکھا۔

''سن رہی ہیں ممی......! آپ......؟ سارے قصور میرے ہیں۔ میں ہی غلط ہوں تو پھر میں نے تو اپنا راستہ الگ کر لیا ہے، کیوں بار بار مجھے متوجہ کیا جاتا ہے......؟ کیوں بار بار مجھے آواز دی جاتی ہے......؟ میں آپ لوگوں کی بہت شکر گزار ہوں گی کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ نہ مجھے عدیل سے کوئی Concern ہے نہ مجھے علینہ سے کچھ لینا دینا ہے۔ براہِ مہربانی یہ تمام Issue اس بیڈ روم سے باہر جا کر Solve کرنے کی کوشش کیجئے۔''

مسز سارہ نے بڑی بے بسی کی کیفیت سے عدیل کی طرف دیکھا تھا۔ عدیل پھر غصے سے پاگل ہو کر چیخنے لگا۔

''مریم......! تم ایک Sincere دوست کو کھو رہی ہو۔ تم اپنی اس بے وقوفی پر ایک دن پچھتاؤ گی۔''

مریم نے اُس کی طرف دیکھے بغیر بالکل سپاٹ لہجے میں کہا۔

''فی الحال تو احساسِ ذِلت کی آگ میں دن رات جل رہی ہوں۔ کیا کمی تھی مجھ میں......؟ کیوں مجھے

Degrade کیا گیا ہے......؟ میں اپنے شوہر کو سب کچھ دے رہی تھی۔ پھر مجھے دھوکے کی آگ میں کیوں جلنا پڑ رہا ہے......؟ میرا وقت کسی اور نے کیوں لیا......؟ جو میرا وقت لیا ہے، وہ لوٹا سکتے ہو تو لوٹا دو۔ پھر شاید میں بہت کچھ معاف کر دوں اور بھول جاؤں۔ میرے حق کا ایک ایک لمحہ مجھے واپس کرو عدیل......! وہ ہنسی جو میرا حق تھی اُس سے پرائی عورت کیوں خوش ہوئی......؟''

مریم نے اتنا کہا اور بڑے کرب سے آنکھیں بند کرلیں۔ مسز سارہ اور عدیل اپنی جگہ پر خاموش کھڑے تھے، جیسے لاجواب ہوگئے ہوں۔ پھر مریم نے ایک دم سے آنکھیں کھولیں اور بڑی تیزی سے عدیل کی طرف بڑھی۔ مریم نے دونوں ہاتھوں سے اُس کا گریبان دبوچ لیا۔

''کچھ میرے لئے...... کچھ میرے لئے بھی ہونا چاہئے، میں بھی ایک وجود ہوں، میرے اندر بھی زندگی دوڑتی ہے، میری بھی Feelings ہیں۔ بتاؤ، کیا کیا ہے تم نے میرے لئے......؟ میں تمہیں بتاتی ہوں، تم نے کیا کیا ہے میرے لئے......؟ تم نے ایک وفادار عورت کی توہین کی ہے، تم نے ایک Sincere عورت کا مذاق اُڑایا ہے، تم چوری کی پلیٹ سے لڈو کھا رہے تھے، تم ایک بزدل اور کم ہمت مرد ہو، ساری زندگی کسی کے نہیں ہو سکتے، اگر میرے ساتھ مخلص ہو تو تمہیں ثابت کرنا ہوگا۔ اب مزید میرا وقت لینے کی ضرورت نہیں اور نہ میرے سامنے آنے کی۔''

عدیل نے مریم کے ہاتھوں سے اپنا گریبان چھڑایا اور گہری گہری سانسوں کے بیچ بولا۔

''ابھی نکالتا ہوں اُس کو اِس گھر سے۔ تمہیں خود ہی پتا چل جائے گا کہ حقیقت کیا ہے......؟''

یہ کہہ کر وہ تیزی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔ مسز سارہ آگے بڑھ کر بہت محبت سے مریم کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں جیسے وہ اُسے پُرسکون کرنے کی مخلصانہ کوشش کر رہی ہوں۔

☆......☆......☆

سہیل، وہاج کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ علینہ سے ملنے گیا تھا لیکن علینہ نے اُس سے ملنے اور بات کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ وہ کس طرح سے وہاج کو بتاتا کہ علینہ، عدیل کے گھر میں ہے۔ سہیل بہت پریشان تھا اور اُسے اندھیرا دکھائی دے رہا تھا۔ کسی روشنی، کسی چراغ کی آس نہیں تھی۔ کیونکہ اب تو علینہ نے حد کر دی تھی۔ وہ تو سچ مچ عدیل کے گھر میں بیٹھ تھی، اور اُس کے پاس اتنی ہمت اور حوصلہ نہیں تھا کہ وہ وہاج کو بتاتا کہ جس عورت کو خود سے دُور کر کے وہاج پچھتا رہا ہے، وہ عورت تو وہاں بیٹھی ہے جس جگہ بیٹھ کر اُس پر لگے ہوئے تمام الزامات درست ثابت ہو رہے ہیں۔ وہ اپنا سر پکڑے بیٹھے تھا۔ اُسے وہاج سے بات کرنا تھی، ایک سوال کرنا تھا۔

''جب وہ علینہ کو Divorce پیپر بھیج چکا ہے تو پھر اُس کے پیچھے جانے کی کیا ضرورت ہے......؟ وہ کیوں علینہ سے ملنا چاہتا ہے۔ سارے راستے، سارے دروازے بند ہو چکے تو اب اُس کے دل میں یہ نئی آرزوئیں کیوں کروٹ لے رہی ہیں......؟ علینہ سے ملنے اور بات کرنے کا فائدہ کیا ہے......؟ وہ تو تمام ضروری کام نمٹا کر فارغ ہو چکا ہے تو اب باقی رہ کیا گیا ہے......؟''

سہیل بہت اُلجھا ہوا تھا۔ وہ وہاج کے سامنے جانے سے کترا رہا تھا، صرف اور صرف اس وجہ سے کہ کہیں وہاج کے سامنے اُس کے منہ سے یہ نہ نکل جائے کہ علینہ سچ مچ عدیل کے گھر میں بیٹھی ہے، اور وہاج پر یہ سن کر کیا بیتے گی......؟ کتنی مشکل سے اُس نے خود کو سنبھالا ہے۔ کتنی مدت بعد وہ جیسے مر کے دوبارہ زندہ ہوا ہے۔ وہ کیسے اُسے یہ دل دہلا دینے والی خبر سنائے اور اپنے دوست کو اپنے ہاتھوں سے جیتے جی مارنے کا سامان کرے......؟ سوچتے سوچتے وہ شل ہو گیا تھا۔ بہرحال اُس نے اٹل فیصلہ کر لیا کہ وہ وہاج کو کچھ نہیں بتائے گا۔

☆......☆......☆

عدیل لاؤنج میں اتنی بُری طرح دہاڑا کہ جیسے اُس کی دہاڑ سے پورے گھر کے دَر و دیوار لرز گئے۔ اُس کی بلند آواز کی گونج مسز سارہ کے کمرے تک پہنچی تھی جو سکون کا سانس لینے کے لئے اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی تھیں۔ عدیل کی آواز اُن کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ وہ علینہ سے کہہ رہا تھا۔

''نکلو میرے گھر سے، تم Black Mailer ہو۔''

مسز سارہ بجلی کی سی تیزی سے اپنا بستر اور کمرہ چھوڑ کر لاؤنج میں آئی تھیں۔ اُن کی آنکھوں نے جو منظر دیکھا] وہ انتہائی تکلیف دہ تھا۔ عدیل نے علینہ کا بازو اپنے ہاتھ کے شکنجے میں کسا ہوا تھا اور زور زور سے جھٹک کر چلّا رہا تھا۔

''تم یہاں سے جاتی ہو یا میں تمہیں خود دھکے دے کر نکالوں......؟''

مسز سارہ بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھیں اور انہوں نے عدیل کی گرفت سے علینہ کا بازو چھڑایا اور عدیل کو ڈانٹتے ہوئے بولیں۔

''کیا کر رہے ہو عدیل......؟ یہ عورت ذات ہے، تمیز سے بات کرو اس سے۔ کچھ بھی سہی، تمہارا ایک تعلق تو رہا ہے ناں اس سے......؟ یہ کیا طریقہ ہے......؟''

علینہ بہت اطمینان سے پہلے کی طرح پھر صوفے پر بیٹھ گئی، یعنی ڈھٹائی سے۔ عدیل کے لہجے اور زہریلے الفاظ کا اُس نے کوئی اثر نہیں لیا۔ وہ ڈھیٹ لہجے میں بولی۔

''اتنا آسان نہیں ہے مجھے اس گھر سے دھکے دے کر نکالنا۔ تمہارے گیٹ پر بیٹھ کر پورا محلّہ جمع کر کے تمہارا تماشہ بناؤں گی کہ ایک لڑکی دھوکہ دینے والوں، جھوٹ بولنے والوں اور اندھیرے میں واردات کرنے والوں کے خلاف احتجاج کر رہی ہے۔''

مسز سارہ، علینہ کی یہ دھمکی سن کر جیسے اندر سے سہم سی گئی تھیں۔ بہرحال وہ ایک عزت دار عورت تھیں۔ پوش ایریا میں مالکان نظر نہیں آتے، مگر اُن کے نوکر تو چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ شاید اخبار میں خبر دیر سے لگے، محلے میں پہلے نشر ہو جائے گی۔ انہوں نے بہت سنجیدگی اور سمجھداری سے معاملے کو سنبھالنے کی کوشش کی اور علینہ سے گویا ہوئیں۔

''میں تمہارے لئے ایک روم سیٹ کرا دیتی ہوں۔ تم بچی کو لے کر یہاں رہو۔ جب تک تمہارا جی چاہے رہو۔ کوئی تمہیں یہاں سے جانے کے لئے نہیں کہے گا۔ اگر کوئی کہے تو مجھ سے بات کرنا۔''

عدیل، ماں کی یہ بات سن کر ایک دم حواس باختہ ہوگیا اور حیران پریشان سا مسز سارہ کو دیکھنے لگا۔

''ممی......! یہ آپ کیا کررہی ہیں......؟ اس کو Guest room میں......''

مسز سارہ نے گھور کر عدیل کی طرف دیکھا۔

''خاموش رہو......! میں تمہاری ماں ہوں اور تمہاری ماں ہونے کا ظلم کتنا بڑا ظلم ہے۔ یہ سزا تو مجھے کاٹنی ہے۔ میں اپنی سزا پر راضی اور خوش ہوں تو تمہیں کیا تکلیف ہے......؟''

''ممی......! آپ سمجھنے کی کوشش کریں، آپ اسے اس گھر میں بٹھا رہی ہیں......؟ اور مریم......''

مسز سارہ نے تیز سے عدیل کی بات کاٹی۔

''بس......! نام نہ لو مریم کا۔ بہت اچھا کیا ہے ناں تم نے مریم کے ساتھ......؟ بہت فکر ہے ناں تمہیں مریم کی......؟ جو میں کررہی ہوں، مجھے کرنے دو۔''

مسز سارہ کے انداز سے لگ رہا تھا کہ انہوں نے بہت دُور کی بات سوچی ہے اور اس پیچیدہ مسئلے کا حل اُن کے ذہن میں آچکا ہے۔

''تم جاؤ یہاں سے۔''

عدیل نے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی۔ مسز سارہ نے اُس کو گھورا۔

''میں کہہ رہی ہوں ناں کہ تم یہاں سے جاؤ۔ اب یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے، میرا مسئلہ ہے۔ میں خود ہی Solve کروں گی۔''

عدیل غصے سے علینہ کو گھورتے ہوئے بولا۔

''OK ممی......! لیکن......''

مسز سارہ نے پھر اُس کی طرف دیکھا۔

''کیا کہہ رہی ہوں میں عدیل......؟ تم جاتے کیوں نہیں ہو یہاں سے......؟''

عدیل اب وہاں سے فوراً ہی چلا گیا۔ علینہ یوں اطمینان سے بیٹھی مسکرا رہی تھی جیسے کوئی مدھر موسیقی سن رہی ہو۔ مسز سارہ اُس کی ڈھٹائی پر حیران پریشان تھیں مگر مصلحتاً انہیں خاموشی اختیار کرنا پڑی۔

☆......☆......☆

''اب تو تمہیں یقین آگیا ہوگا، میں اُسے خود اس گھر سے نکال رہا تھا۔ پوچھ لو جا کر ممی سے، وہ تو ممی نے بیچ میں آکر اسے روک لیا، ورنہ میں نے اُس کی بے عزتی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔''

عدیل جیسے مریم کے سامنے خود کو بے قصور ثابت کرنے کے لئے بھرپور دلائل دے رہا تھا اور اُس کو اُمید تھی

کہ مریم پر اس عمل کا بہت مثبت اثر ہوگا۔ مگر مریم تو پہلے کی طرح طنزیہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے گیلے بال سلجھا رہی تھی۔ اُس نے آئینے میں عدیل کی طرف دیکھا اور بڑے معانی خیز انداز میں بولی۔

''اپنی عزت بچانے کے لئے لوگ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ لوگ تو بیوی کو دھکے دے کر گھر سے نکال دیتے ہیں۔ جس سے سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں نکاح کرتے ہیں، وہ تو بیچاری ایک Girl friend ہے۔ اُس کے پاس تو دوستی کا کوئی Documenation ثبوت بھی نہیں ہے۔''

مریم کے لہجے کی تلخی اور کاٹ عدیل کو نئے سرے سے پاگل کر گئی۔ اس کو سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ مریم کی اس مضبوط دلیل کے جواب میں کیا بولے......؟ پھر بھی تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد وہ بول پڑا تھا۔

''Mind it میں نے تمہیں کبھی اس گھر سے جانے کے لئے نہیں کہا مریم......!''

مریم ایک دم اسٹول سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور گھوم کر عدیل کی طرف دیکھا۔

''کیسے کہہ سکتے ہو......؟ میں Maintainess کی Base پر Black Mail ہونے والی عورت نہیں ہوں، جو ساری زندگی شوہر کی زیادتیاں سہنا منظور کر لے۔''

'' ہر شئے کو Matter کی بیس پر پرکھو گی تو کچھ بھی نہیں کر سکو گی مریم......! خدا کے لئے میری Feelings کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ کسی کے اچھے جذبات کو محسوس کرنے کی کوشش کرو۔''

مریم پھر طنزیہ ہنس پڑی۔

''اچھے جذبات......؟ اچھے جذبات کی ایک نشانی اس وقت تمہارے گھر میں موجود ہے۔ اتنے Confidence سے تو بندہ تب ہی React کرتا ہے جب کوئی مضبوط Base ہوتی ہو۔''

عدیل نے مریم کی طرف دیکھا اور بڑے اعتماد سے بولا۔

''میں اُس کے بھائی کو بُلا رہا ہوں۔ وہ خود آ کر اسے لے جائے گا۔ خود بخود یہ دھرنا ختم ہو جائے گا اور آج نہ سہی، کل نہ سہی تو پرسوں، ایک دن تمہیں یقین آ جائے گا کہ میں نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکے بازی نہیں کی ہے۔''

مریم نے عدیل کی طرف دیکھا اور بڑی سنجیدگی سے بولی۔ اب اُس کے لہجے میں نہ تلخی تھی نہ طنز، بلکہ ایک عجیب محسوس ہونے والا دُکھ چھپا ہوا تھا۔

''جب مرد اور عورت کی دوستی ہوتی ہے تو اس میں دونوں کا برابر کا Share ہوتا ہے۔ کتنے خود غرض ہیں آپ، اپنی عزت بچانے کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔''

عدیل برہم ہو کر کہتا ہے۔

''ہاں تو میں نے دوستی اس لئے نہیں کی تھی کہ کوئی مجھے زندگی بھر Black Mail کرتا رہے اور دوستی اور قربت کے رشتے الگ الگ ہوتے ہیں۔ میں نے تمہارا کوئی حق نہیں مارا ہے۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔ تمہیں اگر اطمینان نہیں ہو رہا تو اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔ بہر حال اب جو کچھ میں کروں گا، وہ تم دیکھتی رہو۔''

وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلا گیا اور مریم سوچ رہی تھی کہ اب یہ کیا کرنے جا رہا ہے......؟

☆......☆......☆

فیاض احمد بے قصور ہوتے ہوئے بھی کسی مجرم کی طرح ناصر حسین کے سامنے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی کراچی سے اسلام آباد پہنچے تھے۔ ناصر حسین کو جیسے اُن پر بہت رحم آ رہا تھا۔ وہ اُن کے دُکھ محسوس کر سکتا تھا۔ کیونکہ اُس کے اپنے سسرالیوں سے بہت اچھے تعلقات رہے تھے۔ فیاض احمد اور سلمٰی بیگم، ناصر حسین سے بہت پیار کرتے تھے اور برملا کہتے تھے کہ ناصر ہمارا داماد نہیں، بیٹا ہے اور ناصر یہ بات بھولا نہیں تھا کہ اُس کے ساس سسر نے اُسے کتنی عزت دی ہے، کتنا چاہا ہے، اسی لئے وہ بہت احترام کے ساتھ فیاض احمد سے بات کر رہا تھا۔

''انکل......! آپ بیہ کے نانا ہیں، سگے نانا۔ اس حوالے سے آپ کا اس گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کا ایک رشتہ قائم ہو چکا ہے۔ آپ یہ کیوں سوچ رہے ہیں کہ آپ کے آنے سے مجھے زحمت ہوئی ہے......؟ آپ کے لئے اس گھر کے دروازے ہمیشہ کھلے ہیں۔''

فیاض احمد کو ناصر کا یہ انداز بہت ڈھارس دے رہا تھا۔ انہوں نے بہت شکر گزار نظروں سے ناصر حسین کی طرف دیکھا تھا۔

''یہ تمہاری نیک فطرت اور سعادت مندی ہے بیٹا......!''

''آپ نے بھی مجھے بہت عزت دی ہے، جو میں کبھی بھول نہیں پاؤں گا۔''

ناصر حسین بولا۔

''جیتے رہو بیٹا......! میں صرف اور صرف جو کچھ تمہیں جانتا تھا، سمجھا اور پرکھا تھا، اُسی کو بنیاد بنا کر بڑا حوصلہ کر کے تمہارے پاس چلا آیا ہوں۔''

فیاض احمد بولے۔

''آپ نے بہت اچھا کیا انکل......! آپ کے آنے سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ یقین کیجئے، مجھے دُکھ بالکل نہیں ہوا۔''

ناصر حسین نے بہت پُر اخلاق مسکراہٹ کے ساتھ جیسے فیاض احمد کو تسلی دی۔ فیاض احمد جیسے یہ سب سن کر بہت ہلکے پھلکے ہو گئے تھے۔ ناصر نے اُنہیں آگے کی بات بتانے کا حوصلہ بھی دے دیا تھا۔ وہ بات جو انہیں موقع محل دیکھ کر کرنا تھی اور وہ اُس مناسب موقع کا بہت صبر سے انتظار کرنا چاہتے تھے۔ ناصر حسین نے فیاض احمد کی طرف دیکھا۔

''آیئے انکل......! آپ کو بیہ سے ملواتا ہوں اور بیہ کی نئی ماں سے بھی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ آپ کو اس سے مل کر خوشی ہوگی، اس لئے کہ شاید وہ بہت اچھی بیوی نہ بن سکے، لیکن میرے لئے یہ بہت ہے کہ وہ میری بیٹی کے لئے بہت اچھی ماں بن سکتی ہے۔''

فیاض احمد نے افسردہ نظروں سے اور ٹوٹتے دل کے ساتھ ناصر حسین کے یہ کلمات سنے تھے۔ وہ ساتھ ساتھ خود کو سنبھال بھی رہے تھے۔ ناصر کی بات جیسے کسی برچھی کی طرح اُن کے دل میں ترازو ہوگئی تھی۔ اپنی بیٹی کے گھر میں کسی آنے والی نئی عورت کی تعریف سننا بہت حوصلے کی بات ہوتی ہے اور یہ اللہ ہی جانتا تھا کہ فیاض احمد کے کمزور دل کی اتنی سخت آزمائش کیوں ہورہی تھی......؟ وہ زبردستی مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

☆......☆......☆

مسز سارہ پریشان تو بہت تھیں مگر مسلسل غوروغوض کررہی تھیں۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ جتنی بڑی مشکل ہوتی ہے، اتنے ہی سکون سے اس کا حل نکل آتا ہے۔ کافی غوروغوض کرنے کے بعد بہرحال انہوں نے ایک حل نکال ہی لیا۔ اب وہ شکیلہ خاتون کا نمبر ملا رہی تھیں۔ نمبر ملاتے ملاتے ایک پریشانی کی کیفیت تھی کیونکہ وہ شکیلہ خاتون سے مل چکی تھیں اور اچھی طرح سمجھ گئی تھیں کہ ان کو خاتون کو Deal کرنا بھی ایک بہت بڑا کام ہے۔ نمبر ملانے کے بعد وہ کال Recieve ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔ دل کی دھڑکن بے ترتیب ہورہی تھی، جیسے وہ کسی محاذ پر نکلی تھیں اور جس کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں تھی کہ وہ ہاریں گی یا جیتیں گی......؟ بہرحال اُن کی طرف سے کال Recieve ہوگئی اور اُن کی سماعت سے شکیلہ خاتون کی آواز ٹکرائی۔ مسز سارہ اپنی جگہ سے ہل گئیں۔ انہوں نے پہلا جملہ ترتیب دیا اور بہت اعتماد سے بولیں۔

''میں عدیل کی می بات کررہی ہوں۔ کیا آپ علینہ کی Mother بات کررہی ہیں......؟''

شکیلہ خاتون کے جیسے ہاتھ پاؤں پھول گئے کیونکہ مسز سارہ کے لہجے میں دوستی اور اپنائیت کا تاثر تھا۔ وہ ایک دم خوش ہوکر بولیں۔

''ارے بہن......! بہت بہت شکریہ......! آپ نے ہمیں یاد تو کیا۔ مرتے دم تک آپ کی یہ مہربانی یاد رکھیں گے۔ آپ کو کیا پتا اولاد کا دُکھ کتنا بڑا دُکھ ہوتا ہے۔ بھوک مرچکی ہے میری، نیندیں بھی ویران ہوگئی ہیں۔''

مسز سارہ نے اُن کی بات ختم ہونے کا بڑے سکون سے انتظار کیا پھر بڑے وقار سے گویا ہوئیں۔

''جی......! آپ کی بیٹی میرے گھر میں ہے۔ میں نے آپ کو یہی بتانے کے لئے فون کیا ہے۔''

شکیلہ خاتون کی تو خوشی کے مارے جیسے حالت غیر ہونے لگی تھی۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ بے ساختہ منہ سے نکلا۔

''ارے......! یہ تو آپ نے مجھے بہت بڑی خوش خبری سنائی ہے۔ یااللہ......! تیرا شکر ہے کہ آپ نے مجھے اطلاع دی۔ میرے دماغ کو سکون مل گیا۔ بس اب سمجھیں کہ وہ آپ ہی کی بچی ہے۔ آپ کو ہی اُس کے سر پر ہاتھ رکھنا ہوگا۔''

مسز سارہ پر جو گزری سو گزری، بڑے حوصلے سے، صبروضبط سے، بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر بولیں۔

''مجھے آپ سے زیادہ بات نہیں کرنی۔ آپ میں تو کسی مسئلے کا حل نکالنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ میں

آپ کے بیٹے سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

شکیلہ خاتون نے مسز سارہ کے لہجے کی تبدیلی کو شدت سے محسوس کیا،لیکن وہ اس چیز کو سمجھ نہیں سکیں کہ مسز سارہ کے ارادے کیا ہو سکتے ہیں......؟اسی پُر جوش انداز میں بولیں۔

"ایک منٹ Hold کریں، میں اپنے بیٹے کو بُلاتی ہوں۔اتفاق سے وہ گھر پر ہی ہے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے اپنا موبائل رکھا اور عارف کو آوازیں دینے لگی۔عارف اُن کی آواز سن کر ہی کمرے میں آ گیا۔اس نے سوالیہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔شکیلہ خاتون نے جیسے پچکارتے ہوئے بیٹے سے کہا۔

"ارے بیٹا......!عدیل کی ماں کا فون ہے ذرا بات تو کر۔تم سے بات کرنا چاہتی ہیں۔"

عاف پر تو جیسے ایک قیامت ہی گزر گئی تھی۔

"عدیل کی ماں کا فون......؟ وہ مجھ سے بات کرنا چاہتی ہیں......؟"

"ارے بیٹا......! تو بات تو کر لے، Hold کیا ہوا ہے انہوں نے کب سے۔"

عارف نے جلدی سے آگے بڑھ کر ریسیور اُٹھایا اور بولا۔

"السلام علیکم......!"

مسز سارہ کی آواز Ear piece میں گونجی۔

"جی......! میں عدیل کی ممی بات کر رہی ہوں اور آپ سے Request ہے کہ آپ پلیز اسی وقت میرے گھر تشریف لے آیئے۔اپنی والدہ صاحبہ کو ساتھ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔علینہ اس وقت میرے گھر میں موجود ہے۔بس میں نے آپ کو یہی بتانے کے لئے فون کیا ہے۔"

عارف تو یہ سن کر ایک دم حواس باختہ ہو گیا۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ......؟علینہ آپ کے گھر میں موجود ہے......؟"

"صرف علینہ ہی نہیں،اُس کی چھوٹی سی، معصوم سی، پیاری بیٹی بھی اُس کے ساتھ ہے۔"

عارف بُری طرح چونک پڑا۔

"بیٹی......؟"

پھر ایک دم خود کو سنبھال کر بولا۔

"جی جی آنٹی......! اوکے......! میں بس تھوڑی دیر میں پہنچ جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر عارف نے موبائل بند کر کے ماں کی طرف بڑھا دیا۔وہ بہت اُلجھا اُلجھا نظر آ رہا تھا۔شکیلہ خاتون بہت غور سے اُس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

"ارے عارف......! کیا کہہ رہی تھیں عدیل کی ماں......؟ کیا تجھے بلا رہی ہے گھر پر......؟"

"ہاں......!علینہ اُدھر بیٹھی ہے۔"

عارف نے کھوئی کھوئی گم صم نظروں سے ماں کی طرف دیکھا اور باہر نکلنے لگا۔

''ارے بیٹا......! کچھ بتا تو سہی، عدیل کی ماں نے کیا بات کی......؟ تجھ سے کیا کہہ رہی تھی......؟ میں تیرے ساتھ چلتی ہوں، ایک منٹ صبر کر، ذرا کپڑے بدل لوں۔ ارے......! پیسے والے لوگ ہیں، اُن کے برابر کے لئے کپڑے لتوں کا خیال کرنا پڑتا ہے۔''

عارف جاتے جاتے پلٹ پڑا اور بولا۔

''اماں......! آپ آرام سے بیٹھیں۔ میں ہو کر آتا ہوں۔ میں علینہ سے ملنے جا رہا ہوں۔''

''ارے......! میرے بچے......! میں نے کیا قصور کیا ہے......؟ میں بھی تو اُس کی صورت کو ترس رہی ہوں۔ ایک منٹ رُک، میں بھی چلتی ہوں تیرے ساتھ۔''

وہ بڑی عجلت میں نظر آنے لگیں۔

''نہیں اماں......! بس آپ پلیز ابھی نہ جائیں۔ پہلے مجھے وہاں جانے دیں، پھر میں آپ کو بھی لے جاؤں گا۔ اب تو آپ کو تسلی ہے ناں کہ وہ کہاں بیٹھی ہے......؟ کس کے گھر میں ہے......؟ اب کیا ہے......؟ اب کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے ناں......؟ آپ بیٹھیں پلیز، مجھے جانے دیں۔''

عارف کے انداز میں اتنا قطعی پن تھا کہ شکیلہ خاتون بے بسی سے اُس کی شکل دیکھنے لگیں۔ عارف چلا گیا تو وہ بڑبڑانے لگیں۔

''لو بتاؤ......! میری بچی وہاں بیٹھی ہے اور میں مل نہیں سکتی۔ پتا نہیں عدیل کی ماں نے اس سے کیا کہا ہے......؟ یہ تو ایک دم ہوا کے گھوڑے پر ہی سوار ہو گیا۔ میرے دل کو پنکھے لگ رہے ہیں۔

☆......☆......☆

فرح اور حماد گہری نیند سوئے ہوئے تھے کہ اُن کے بیڈ روم کے دروازے پر کسی نے بہت آہستگی سے دستک دی۔ حماد کی بھی نیند ٹوٹی تھی مگر کیونکہ فرح کی ابھی ابھی آنکھ لگی تھی، وہ ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئی کیونکہ وہ گھڑی میں ٹائم دیکھ چکی تھی۔

''اس وقت کون ہو سکتا ہے......؟''

وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔ حماد نے گہری نیند ٹوٹنے کے بعد سوئی سوئی آواز میں فرح سے کہا۔

''فرح......! شاید دروازے پر کوئی ہے۔''

''جی......! میں دیکھتی ہوں۔''

فرح بڑی تیزی سے بیڈ سے اُتر گئی اور بڑی آہستگی سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے انعم کھڑی تھی، فرح اُسے دیکھ کر چونک پڑی۔

''خیریت......؟ رات کے دو بج رہے ہیں۔ تم ابھی تک سوئی نہیں......؟''

فرح بولی۔ انعم نے ایک گہری سانس لی اور بڑی بے دلی سے مسکرا کر بولی۔

''نیند کہاں آتی ہے بھابی......؟ میں تو آپ کے پاس ٹرنکولائزر لینے آئی ہوں۔ سر میں بہت درد ہے۔ بس کسی طرح سو جاؤں، اس خاموشی میں تو چاروں طرف سے پتا نہیں کیسی کیسی آوازیں مجھے سنائی دے رہی ہیں۔ لگتا ہے جیسے میرا دماغ ہی دھماکے سے پھٹ جائے گا۔''

انعم نے اپنی کن پٹی پہ ہاتھ رکھ کر آہستہ آہستہ دبانا شروع کیا۔ فرح نے بڑی ہمدردی سے اُس کی طرف دیکھا پھر بولی۔

''شکر ہے اللہ کا، مجھے سونے کے لئے کبھی نیند کی گولی لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میرے پاس ہوتی تو میں تمہیں ضرور دیتی۔''

''وہ شاید حماد بھائی کے پاس ہو۔''

انعم ہچکچاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ فرح نیند ٹوٹنے اور گزرے حالات کی وجہ سے تھوڑا سا چڑ گئی اور بولی۔

''جب تم گھر سے چلی گئیں تھیں ناں، اُس زمانے میں حماد نے ضرور ٹرنکولائزر Use کی تھیں۔ مگر اب نہیں کرتے۔ شکر ہے، اب سکون سے سو رہے ہیں۔''

انعم نے بھاوج کے اندر کی تلخی کو محسوس کر لیا تھا۔ اب وہ انعم نہیں تھی جو ایک کے جواب میں چار سنا دیتی تھی۔ اُس نے بے بسی میں سر جھکا دیا اور واپس پلٹ گئی۔ فرح نے فوراً دروازہ بند نہیں کیا، بلکہ اُس کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

''ضمیر کی مار ایسی ہوتی ہے کہ بندے کی نیندیں ویران ہو جاتی ہیں۔''

فرح اپنی جگہ کھڑی ہوئی سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

عارف، مسز سارہ کے گھر پہنچ گیا تھا اور اب علینہ کے سامنے بیٹھا ہوا اپنے شدید غصے کو کمال ضبط سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اُسے سمجھا رہا تھا۔

''یہ بچوں والی حرکتیں چھوڑو علینہ......! تم کوئی لاوارث، بے سہارا نہیں ہو۔ کچھ بھی تھا، تم کہیں بھی چلی جاتیں مگر یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔''

''بھائی......! پلیز آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ کوئی میرے پیچھے نہ آئے، جو کچھ میں کر رہی ہوں، مجھے کرنے دیں۔''

عارف نے غصے بھری نظروں سے علینہ کی طرف دیکھا۔

''دماغ خراب ہے تمہارا......! ایسے ہی تمہیں تمہارے حالات پر چھوڑ دوں......؟ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے، اُس کے اثرات تو ہم بھی بھگت رہے ہیں۔ ہم تمہارے معاملات سے علیحدہ کیسے ہو سکتے ہیں......؟''

علینہ نے عارف کی طرف ایک نظر ڈالی اور اُسی سکون و اطمینان سے گویا ہوئی۔

''بھائی......! آپ پلیز چلے جائیں۔ میرے خیال میں آپ کی تسلی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں یہاں ہوں۔''

''یہ میری تسلی نہیں، بے عزتی ہے۔ تم کس رشتے، کس حوالے سے یہاں ہو......؟ عدیل کی ماں نے مجھے اس وقت فون کر کے بلایا ہے کہ اپنی بہن کو لے جاؤ۔ زبردستی ہمارے گھر میں گھسی بیٹھی ہے۔ شرم کرو علینہ......! تم غلط بات کو درست ثابت کرنے کے لئے احمقانہ حرکتیں کر رہی ہو۔ تم ملزمہ ہو، مجرم نہیں ہو۔ لیکن تمہاری یہ حرکتیں تمہیں مجرمہ ثابت کر دیتی ہیں۔ چلو اُٹھو میرے ساتھ۔''

''میں نہیں جاؤں گی بھائی......!''

علینہ نے اُسی طرح ہٹ دھرم انداز میں کہا۔

''میں کہہ رہا ہوں، جب میرا گھر موجود ہے تو تمہیں کسی اور گھر بیٹھنے کی کیا ضرورت ہے......؟ اس گھر کا ایک ایک فرد تمہیں ایک سیکنڈ کے لئے بھی برداشت نہیں کرنا چاہتا۔ اس گھر میں تم رُکنے کے لئے آئی ہو......؟ اس گھر میں بیٹھو گی......؟''

علینہ نے بڑے سکون اور اطمینان سے جواب دیا۔ بھائی کے سمجھانے کا اس پر دُور دُور تک کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ بولی۔

''بھائی......! یہ میرا مسئلہ ہے۔ جن لوگوں نے مجھے برباد کیا ہے، میں اُن کو اس گھر میں سکون سے سونے نہیں دوں گی۔ پہلے یہ لوگ میرے ایک ایک نقصان کا ازالہ کریں، جرمانے بھریں، مجھے Relief دیں، کیونکہ اتنی آسانی سے میں ان کی جان چھوڑنے والی نہیں ہوں۔''

''تمہارا کیا خیال ہے......؟ تم جو کچھ سوچ رہی ہو، ویسا ہو جائے گا......؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کوئی حل نہیں ہے ان لوگوں کے پاس تمہارا۔ تمہارے لئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ اب تم اپنی ماں کے پاس رہو گی۔ اس لئے کہ وہاج کے گھر کے دروازے ویسے ہی تم پر بند ہو چکے ہیں کیونکہ وہ تمہیں طلاق دے چکا ہے۔''

عارف اب جیسے غصے سے پھٹ پڑا، کیونکہ وہ علینہ کو سمجھا سمجھا کہ پاگل ہو رہا تھا۔ علینہ نے چونک کر عارف کی طرف دیکھا اور بولی۔

''ہاں......! اس کے باوجود وہ مجھے تلاش بھی کر رہا ہے۔ لگتا ہے، بالکل ہی پاگل ہو گیا ہے۔ لیکن خیر......! اب میرا اس سے کیا واسطہ ہے......؟ وہ مجھے طلاق دے یا نہ دے، مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر جن لوگوں نے مجھے اس حال تک پہنچایا ہے، اُن کی ذمہ داری ہے کہ وہ میرے زخموں پر مرہم رکھیں، میرے نقصان پورے کریں۔''

عارف نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں علینہ کی طرف دیکھا۔ چند لمحے سوچا، کیونکہ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ علینہ کو سمجھانا بجھانا بے کار ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس نے علینہ کا بازو پکڑ لیا۔

''اُٹھو......!''

علینہ نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑانا چاہا۔

''بھائی......! آپ میرا بازو چھوڑ دیں اور گھر جائیں۔''

عارف نے پوری قوت سے اُس کا بازو دبوچ کر صوفے سے اُٹھا کر کھڑا کیا اور کھینچتا ہوا باہر کی طرف چلا۔ علینہ بمشکل خود کو سنبھال رہی تھی اور اب اس کی گود میں بچی بھی چیخنے لگی تھی۔

''بھائی......! آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔ آپ میرے دُشمنوں کو Relief دے رہے ہیں۔ آپ دُشمنوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اس وقت آپ کو میرا ساتھ دینا چاہئے۔ یہ لوگ مجھے نکال کر چین سے سوئیں گے اور میں اکیلی آگ میں جلتی رہوں گی۔''

وہ چیخ چیخ کر بولتی جا رہی تھی۔ مسز سارہ، عدیل اور مریم اپنے کمروں کے کھلے دروازوں سے علینہ کی چیخیں سن رہے تھے۔ تینوں اپنی جگہ پتھر کے بُت کی طرح ایستادہ تھے۔ کیونکہ مسز سارہ نے عدیل اور مریم دونوں کو کہا تھا کہ جب اُس کا بھائی اُسے لینے کے لئے آئے تو تم دونوں میں سے کوئی اُس کے سامنے نہیں جائے گا۔ مریم کا دل چاہ رہا تھا کہ جب علینہ اپنے نقصانات کا ذکر کر رہی تھی تو وہ جا کر علینہ کے منہ پر دو چار تھپڑ رسید کر دے۔ اُس نے بڑی مشکل سے خود کو کنٹرول کیا تھا۔ علینہ کی ابھی تو پورچ سے چیخنے چلّانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''بھائی......! آپ ظالموں کا ساتھ دے رہے ہیں۔ بھائی......! آپ اُن لوگوں کو سبق کیوں نہیں سکھاتے......؟ میں نے کیا کیا تھا......؟ مجھے کیوں ان لوگوں نے برباد کر دیا ہے......؟ میں یہاں سے چلی جاؤں گی تو یہ لوگ تو لمبی تان کر سو جائیں گے۔ میں ان کو بے سکون اور برباد کرنا چاہتی ہوں۔''

علینہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ مسز سارہ، مریم اور عدیل اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے اس کی آوازیں سن رہے تھے۔ پھر انہوں نے کار کا دروازہ بند ہونے کی زوردار آواز سنی۔ یقیناً عارف نے علینہ کو کار میں بٹھا دیا تھا۔ پھر انہوں نے دوسری مرتبہ کار کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عارف خود بھی کار میں بیٹھ گیا ہے۔ اس کے بعد Engine Start ہونے کی آواز آئی اور گاڑی کے باہر نکلنے کی۔ مسز سارہ نے جیسے دیر سے روکی ہوئی سانس کو اپنے سینے سے آزاد کیا اور سکون کی ایک گہری سانس لی۔ مریم نے بھی اب پلکیں جھپکائیں اور سوچتی ہوئی بیڈ کی طرف بڑھ گئی۔ البتہ عدیل اُسی طرح اپنی جگہ پر خاموش کھڑا تھا جیسے پتھر کا بُت بن گیا ہو۔

☆......☆......☆

انعم تنہائی میں ماں سے گلے شکوے کر رہی تھی۔ صبح ہی صبح سلمٰی بیگم نماز ختم کر کے اپنی تسبیح لے کر لان میں آ جاتی تھیں۔ اب یہ اُن کے معمولات تھے۔ انعم کو پتا تھا کہ اس وقت اُس کی ماں لان میں ہوگی، اس لئے وہ وہیں چلی آئی تھی۔ سلمٰی بیگم نے اُس کی طرف دیکھا اور فکرمندی سے پوچھنے لگیں۔

''کیا بات ہے بیٹا......؟ آج تم اتنی صبح صبح اُٹھ گئیں......؟''

انعم نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔

''میں سوئی کب ہوں امی......؟ نیند ہی نہیں آئی۔ رات فرح بھابی سے نیند کی گولی مانگنے گئی تو انہوں نے

مجھے بے بھاؤ کی سنانی شروع کر دی۔"

سلمٰی بیگم ایک دم چونک پڑیں، پھر بہت رسانیت سے بولیں۔

"نہیں......! تمہاری غلط فہمی ہوگئی۔ فرح ایسی نہیں ہے۔"

"امی......! آپ کو کیا پتا......؟ جو آپ کے ساتھ اتنی طرح اچھی بات کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت اچھا ہے۔ میں محسوس کرتی ہوں کہ بھابی اب بات بات پر طنز کرتی ہیں اور مجھے کچھ احساس دلانے کی کوشش کرتی ہیں۔"

انعم نے آف موڈ میں کہا۔

"ارے نہیں بیٹا......! فرح بہت اچھی بچی ہے۔ یقین کرو، اتنے برس ہوگئے اُس کی شادی کو، مگر مجھے کبھی محسوس نہیں ہوا کہ وہ میری بہو ہے۔ وہ بالکل ایک بیٹی کی طرح میرا خیال رکھتی ہے۔ بہرحال ہوسکتا ہے کہ کچھ ہوا ہو، بہت معمولی سا، مگر تمہیں بہت زیادہ محسوس ہوا ہو۔"

"امی......! آپ تو اسی طرح کہیں گی۔ بس وہ اپنے نمبر بنانے کے لئے جو مرضی کرتی رہیں۔ میری بات کا یقین نہیں کریں گی۔"

انعم جیسے ایک دم پھٹ پڑی۔

"خود کو سنبھالو بیٹا......! اب تم وہ پہلے انعم نہیں ہو، جو ناصر کے گھر ایک سوٹ کیس اُٹھا کر پاؤں پٹختے ہوئی ماں کے گھر آجاتی تھی۔ حقیقت کو Face کرنا سیکھو، یہ تمہارا گھر نہیں ہے، تمہاری بھاوج کا گھر ہے۔"

انعم، ماں کی یہ بات سن کر چند لمحے دم بخودسی اُن کی شکل دیکھتی رہی۔ پھر بڑے ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کوئی بھی انسان غلطی کرسکتا ہے امی......! اب بھابی ہر ہر لمحہ مجھے میری غلطی کا احساس دلاتی رہیں گی......؟"

"ایسی بات نہیں ہے بیٹا......! ہم سب گھر والے مل کر تمہاری بہتری کے لئے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ تمہیں پتا ہے ناں کہ تمہارے بابا ناصر سے ملنے اسلام آباد گئے ہیں......؟"

"فضول کی بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ آپ خود سوچیے، میں ناصر کو ٹھکرا کر اُس گھر سے نکلی تھی۔ وہ اتنا بھی نیک نہیں ہے کہ مجھے بابا کہ کہنے سے دوبارہ اپنے گھر میں رکھ لے گا، اور اب تو اُس کی نئی بیوی بھی آچکی ہے۔ میری جگہ کہاں ہے اُس کے گھر میں......؟"

انعم غصے کی کیفیت میں ماں سے نظریں چُراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سلمٰی بیگم نے بہت پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"دیکھو بیٹا......! اب بہت بڑے بڑے نقصان سے بچنے کے لئے ہمیں اُن چھوٹے نقصانات سے سمجھوتہ کر کے زندگی گزارنا ہوگی۔ مسئلہ صرف تمہارا نہیں ہے۔ ہمارے سامنے ایک چھوٹی سی بچی بھی ہے، تمہاری اپنی بیٹی۔

آج وہ بچی ہے، کل کو جوان ہوگی۔ اگر اسے تم ناصر کے گھر میں نظر نہ آئی تو جوان ہونے کے بعد بیہ کو اس سوسائٹی کی بہت سی باتیں سننا پڑیں گی، بہت سے نامناسب روّیوں کو Face کرنا ہوگا۔ اب جو بھی سہی، جیسا بھی سہی، جس طرح بھی سہی، تمہارے لئے اُسی گھر میں جگہ نکالنا ہے۔ اب تمہیں پاؤں رکھنے کے لئے زمین پر جو جگہ چاہئے، وہ جگہ تمہیں ناصر کے گھر میں ہی ملے گی۔ تمہارے باپ کے گھر میں بھی نہیں۔ اس لئے کہ یہ گھر اب تمہارا نہیں، تمہاری بھاوج کا ہے، اور میں اُس کا اتنا آزمانا نہیں چاہتی کہ اُس کی ساری محنت اکارت چلی جائے، جو وہ شروع دن سے اس گھر کو اپنا بنانے میں کر رہی ہے۔‘‘

’’امی......! یہ آپ کے خواب ہیں اور خواب ہی رہیں گے۔ ناصر ایک مرد ہے، وہ اتنا بڑا دل کبھی بھی نہیں کر سکتا۔ بیہ کی خاطر بھی نہیں۔ بہرحال، اگر آپ لوگ بضد ہیں اور ناصر کو آزمانا چاہتے ہیں تو آزمائیں۔ لیکن کیا اگر ناصر نے مجھے قبول نہ کیا تو آپ اور پاپا بھی مجھے گھر سے نکال دیں گے......؟ معذرت کرلیں گے مجھ سے......؟‘‘

سلمٰی بیگم نے تڑپ کر ایک دم انعم کو گلے سے لگا لیا اور آنسو بھری آواز میں بولیں۔

’’بیٹا......! ہم تو ماں باپ ہیں۔ کوئی تمہیں اس گھر سے نکالے گا تو ہم خود اس گھر سے نکل جائیں گے۔ مگر اپنی آنکھوں کے سامنے تمہیں اس گھر سے اکیلا نہیں نکلنے دیں گے۔ نہیں چھوڑیں گے۔ تم ہماری اولاد ہو۔ ہمارے جسم کا حصہ ہو۔ لوگ تمہاری غلطیوں کو ضرور یاد رکھیں گے مگر ہم تو تمہاری غلطی تمہاری شکل دیکھتے ہی بھول گئے۔ بس اللہ سے اچھی اُمیدیں باندھ کر تمہارے سکھ اور عزت کے لئے بھاگ دوڑ میں لگے ہوئے ہیں۔‘‘

یہ کہہ کر وہ انعم کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگیں۔ چند آنسو لڑھک کر اُن کے گال تک آگئے تھے۔

☆......☆......☆

بیہ اسکول یونیفارم میں ملبوث نانا کے ساتھ ناشتہ کرنے میں مصروف تھی۔ اُجالا ناشتے کے لوازمات ٹیبل پر رکھتی جا رہی تھی۔ ناصر ابھی آفس جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ فیاض احمد، بیہ کو بہت پیاری بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔ بیہ بہت لاڈ سے اپنے نانا سے پوچھ رہی تھی۔

’’نانا جان......! نانو کیوں نہیں آئیں......؟ انہوں نے فون پر تو کہا تھا کہ میں بھی آؤں گی......؟‘‘

فیاض احمد، بیہ کی خاطر مسکرائے کیونکہ اُن کی نظریں اور سوچ مسلسل اُجالا کی طرف تھی۔

’’اوہو بھئی......! کیا کریں......؟ جلدی میں آنا پڑا بیٹا......! اور جلدی میں جب بندہ نکلتا ہے ناں تو بعض دفعہ کوئی چیز بھول جاتا ہے۔ ہم آپ کی نانو کو بھول گئے۔ میرا مطلب ہے، ہم آپ کی نانو کو وہیں بھول کر آگئے۔ وہ تو راستے میں یاد آیا۔ اوہو بھئی......! اصلی سامان تو گھر پر ہی رہ گیا۔‘‘

وہ بیہ سے مذاق کرنے لگے۔ اُسی وقت ناصر اندر داخل ہوا تھا اور بیٹی کی طرف بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

’’انکل......! یہ بیہ نے تو پورے پاکستان کی خبریں آپ کو سنا دی ہوں گی، بہت بولتی ہے یہ۔‘‘

فیاض احمد ہنس پڑے۔

''ماشاءاللہ......! میری بیٹی بہت پیاری باتیں کرتی ہے۔''

پھر بیہ سے کہنے لگے۔

''ارے بھئی بیہ......! یہ تو بتاؤ، تم کسی سے لڑتی وڑتی تو نہیں ہو......؟ اچھی بچی ہو ناں......؟''

بیہ نے فوراً انکار میں زور زور سے اپنا سر ہلایا۔

''نہیں......! بالکل نہیں......! لڑائی کرنا بری بات ہوتی ہے۔ جب ہم لڑائی کرتی ہے تو کُٹی ہو جاتی ہے جیسے ماما اور پاپا کی کُٹی ہوگئی۔''

بیہ کی بات سن کر ماحول پر جیسے اُداسی یہاں سے وہاں چکر کاٹنے لگی۔ ناصر اور فیاض احمد دم بخود سے اپنی اپنی جگہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو کر رہ گئے۔ بیہ نے پریشان ہو کر دونوں کی طرف دیکھا اور بڑی معصومیت سے بولی۔

''پپا......! کیا میں نے کوئی غلط بات کہی ہے......؟ آپ چپ کیوں ہیں......؟''

ناصر نے جلدی سے خود کو سنبھالا، ساتھ میں فیاض احمد نے بھی زبردستی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجائی اور پلیٹ بیہ کی طرف سرکا کر بولے۔

''بیٹا......! یہ دیکھیں، میں نے آپ کے Slice پر Butter لگا دیا ہے۔ اب آپ جلدی جلدی آپ ناشتہ کرلیں، کیونکہ آپ کی ماما کہہ رہی ہیں کہ آپ کی Van آنے والی ہے۔''

بیہ نے بڑا برا سا منہ بنایا اور اپنے پاپا کی طرف دیکھ کر بولی۔

''پاپا......! آج میں نہیں جاؤں گی۔''

ناصر حسین نے بڑی حیرت سے مسکرا کر اُس کی طرف دیکھا۔

''ارے بھئی......! آج کیا ہوا......؟ کیوں نہیں جاؤ گی......؟''

بیہ بڑے شرمائے شرمائے انداز میں بولی، جیسے اُسے خود بھی احساس ہوا کہ وہ غلط بات پر ضد کر رہی ہے۔

''وہ میں آج چھٹی کروں گی۔ میں نانا جان کے ساتھ کھیلوں گی۔''

فیاض احمد ہنس پڑے اور بولے۔

''ارے بھئی......! اب ہم بوڑھے ہوگئے ہیں۔ اب ہم نے کھیلنا ویلنا چھوڑ دیا ہے۔ آپ سکول جائیں اور اپنے Class Fellows کے ساتھ کھیلیں۔''

بیہ نے فیاض احمد کی طرف دیکھا پھر اپنے باپ کی طرف دیکھ کر بولی۔

''نانا جان......! آپ بڈھے کہاں ہوئے ہیں......؟ بڈھے ایسے تھوڑی ہوتے ہیں۔''

فیاض احمد ناصر کی طرف دیکھ کر بولے۔

''ماشاءاللہ......! بچی کتنی پیاری باتیں کر رہی ہے۔ میں تو اپنے اندر بڑی توانائی محسوس کرنے لگا ہوں۔

اس نے تو مجھے آج سے تیس سال پہلے والے ماحول میں پہنچا دیا۔ واہ بھئی واہ......! بیٹا......! جیتی رہو، خوش رہو۔"
وہ بول رہے تھے تو اُجالا ہنستی ہوئی اندر آ گئی۔ وہ بھی کچن میں اپنے کام میں مصروف ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اب آ کر بولی۔

"بس......! نانا جان کو ناشتہ تو کرنے دو، بولے ہی چلی جا رہی ہو۔"

فیاض احمد نے کھوئی کھوئی نظروں سے اُجالا کی طرف دیکھا۔

"ایک باپ کے دل پر قیامت سی گزر رہی تھی۔ اس گھر میں اُن کی بیٹی ملکہ کی طرح رہتی تھی، اپنی شرائط پر رہتی تھی، اپنی من مانیاں کرتی تھی، آج ٹھیک اُسی جگہ پر کوئی اور لڑکی اُن کے سامنے کھڑی تھی۔ ناصر حسین کو وہ گھر جو اُن کو اپنا دوسرا گھر لگتا تھا، آج سامنے کھڑی ہوئی اُجالا کا گھر محسوس ہو رہا تھا۔ احساسات میں خود بخود تکلفات کا اثر ہو گیا تھا۔ اپنائیت تکلف کے اثر سے اکڑ سی گئی تھی اور بیٹی کی خاطر وہ سر جُھکا کر، سر سے پاؤں تک اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کچھ کرنے کی لگن کو اپنے اندر جگائے ہوئے تھے۔ بہت نازک موڑ تھا، قیامت کا وقت تھا۔ اولاد کی ایک ذرا سی لغزش اُن کی پچاس سال کی کمائی ہڑپ کر گئی تھی۔ بے قصور ہوتے ہوئے بھی انہوں نے تمام ہتھیار پھینک دیئے تھے۔ اُس فوجی کی طرح جو اپنے اندر ہر طرح کا جذبہ رکھنے کے باوجود تنہا رہ جانے کی وجہ سے ہتھیار ڈال دیتا ہے، حقیقت کو قبول کر لیتا ہے۔ ناصر کرسی کھینچ کر فیاض احمد کے سامنے بیٹھ گیا۔

"انکل......! آپ کیا سوچنے لگے......؟ پلیز ناشتہ کریں۔"

اُجالا نے بھی ایک پلیٹ اُٹھا کر فیاض احمد کے سامنے رکھ دی۔

"انکل......! یہ Try کریں۔ میں اکثر یہ انڈوں کا حلوہ ناشتے میں ضرور بناتی ہوں۔ مجھے اُمید ہے، آپ کو ضرور پسند آئے گا۔"

پھر ایک دم چونک کر بولی۔

"I am sorry انکل......! میں آپ سے یہ پوچھنا تو بھول ہی گئی کہ وہ آپ شوگر تو Avoid نہیں کرتے......؟"

فیاض احمد اس پرائی لڑکی کی طرف دیکھ کر مسکرائے جو اُن سے یہ یقین چھین چکی تھی کہ ناصر حسین اُن کا اپنا ہے۔ پھر انہوں نے خود کو سنبھالا اور ہنس پڑے۔

"ارے نہیں بیٹا......! الحمد اللہ......! احتیاط بہت کرتا ہوں، اس لئے شکر ہے، مناسب موقع محل سے شوگر کا استعمال کرتا ہوں۔"

ناصر نے برجستہ انداز میں ماشاء اللہ کہا اور بولا۔

"یہ تو ہے، میں شروع سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں، آپ کھانے پینے میں بہت احتیاط کرتے ہیں۔ ورنہ آپ کی عمر کے ہر تیسرے بندے کو Diabetic ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ صحت یاب رکھے۔"

اُجالا نے بڑی محبت اور سادگی سے آمین کہا تو فیاض احمد نے اُس کی طرف دیکھا۔ اُن کو یوں لگا کہ اس

آمین کے بعد یہ لڑکی بھی ایک دم اپنی اپنی سی لگنے لگی ہے۔ اُجالا کا یہ انداز دیکھ کر اُن کو بڑا حوصلہ سا محسوس ہو رہا تھا۔ بیٹی سے لگا زخم رِسنے لگا۔

☆......☆......☆

مریم کے سر سے علینہ کا عذاب ٹلا تو اُسے انعم یاد آنے لگی۔ اُس کی اُجڑی ہوئی بہن جس نے بڑے گھمنڈ اور غرور سے سارے رشتوں کو ٹھکرا کر کسی سے دل کا رشتہ دیوانہ وار قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ فضیل کی Nap کو سب سمجھا کر بتا کر انعم سے ملنے ماں کے گھر چلی آئی۔ سلمیٰ بیگم اُسے سارے حالات سے باخبر کر رہی تھیں اور انہوں نے فوراً ہی بتا دیا تھا کہ فیاض احمد، انعم کے سلسلے میں ناصر سے ملنے اسلام آباد گئے ہیں۔ مریم کو یہ سب کچھ جیسے بہت اُلجھا رہا تھا۔ وہ ماں سے بحث کرنے لگی کیونکہ ابھی انعم اُس کے سامنے نہیں آئی تھی۔ سلمیٰ بیگم نے بتایا تھا کہ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی سوئی ہے ساری رات جاگتی رہی ہے۔ اس لیے مریم نے سوچا کہ تھوڑی دیر ماں سے باتیں کر کے واپس چلی جائے۔ شام کو پھر آجائے گی انعم سے ملنے کے لئے۔ لیکن وہ سوال جو اُسے تنگ کر رہا تھا، اُس نے جاتے جاتے ماں سے پوچھ ہی لیا۔

''امی......! آپ کو اتنی خوش اُمیدی کیوں ہے......؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ ناصر، انعم کو دوبارہ قبول کر لے، وہ بھی اُس صورت میں کہ وہ دوسری شادی بھی کر چکا ہے......؟''

سلمیٰ بیگم نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر دبایا، جیسے مریم کے سوال نے اُن کو نئے سرے سے پریشان کر دیا ہو۔ پھر بڑے بوجھل لہجے میں بولیں۔

''بیٹا......! جو اندیشے تمہیں اور الاں فلاں کو ستاتے ہیں، یقیناً وہ ہمارے ذہن میں بھی آئے ہوں گے۔ لیکن اب مسئلہ خوشیاں حاصل کرنے کا نہیں، عزت بچانے کا ہے، اور صرف اپنی عزت بچانے کا نہیں، وہ نئی نسل جو ہمارے سامنے اب پروان چڑھ رہی ہے، وہ چھوٹی سی بچی، میں بیبہ کی بات کر رہی ہوں۔''

''وہ تو سب ٹھیک ہے امی......! آپ بالکل ٹھیک سوچ رہی ہیں۔ لیکن ناصر......''

مریم کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔ سلمیٰ بیگم نے جیسے اُس کی اُدھوری بات میں اُس کا پورا سوال سمجھ لیا تھا۔

''بیٹا......! جب ہمیں ناصر کی بیٹی کی اتنی فکر ہے، وہ تو پھر اس کا باپ ہے۔ جب ہم اتنا کچھ سوچ رہے ہیں تو یقیناً وہ بھی بہت کچھ سوچے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ اپنی بچی کی خاطر انعم کے لئے گھر میں جگہ نکالنے کا حوصلہ کر ہی لے گا۔''

سلمیٰ بیگم نے جس انداز میں کہا تھا، مریم نے جیسے اُن کی آس کو اُمید کی پوری قوت کے ساتھ محسوس کر لیا تھا اور وہ سمجھ گئی تھی کہ سلمیٰ بیگم جو اُمید کے چراغ روشن کر رہی ہیں، اُس کی بنیاد کیا ہے......؟

''امی......! آپ تو انعم کے لئے ناصر کے گھر میں ایک کونہ تلاش کر رہی ہیں، لیکن آپ انعم کی طبیعت کو اچھی طرح سمجھتی ہیں۔ وہ کسی کونے میں چھپ کر زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکتی۔''

مریم نے ہچکچاتے ہوئے کہہ ہی دیا۔

''پہلے کی بات اور تھی مریم......! مگر اب کی بات کچھ اور ہے۔ انعم پہلے آنکھیں بند کر کے چل رہی تھی، اب وہ ہر قدم آنکھیں کھول کر اُٹھا رہی ہے۔ اُس نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے، سیکھ لیا ہے۔ اب وہ پہلے والی انعم نہیں ہے بیٹا......! بہت بڑی ٹھوکر لگی ہے اسے، اور شاید اللہ نے اسی میں اس کی بہتری سوچی تھی۔''

مریم چند لمحے خاموش رہی جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔ پھر جیسے اُس نے طے کر لیا کہ ماں سے کوئی سوال نہیں کرے گی۔ وہ اپنے باپ کا پوچھنے لگی۔

''امی......! کیا بابا سے آپ کی بات ہوئی ہے......؟ اور کیا بابا کی ناصر سے اُن کی ملاقات ہوئی ہے......؟ ناصر کے تاثرات کیا ہیں......؟''

وہ یوں ہی بات بنائے بات کر رہی تھی۔ کیونکہ اندازہ تو اُسے بھی تھا کہ ناصر نے اُس کے باپ کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی ہوگی۔ وہ بہت بامروّت انسان ہے، بااخلاق اور حیادار بھی۔

''ہاں......! زیادہ بات تو نہیں ہوئی۔ کیونکہ جب تمہارے بابا بات کر رہے تھے تو ناصر اُن کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ بیہ سے بھی ہوئی ہے میری اور ناصر سے بھی۔ تمہارے بابا کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ وہاں سکون سے بیٹھے ہیں۔ ناصر نے اُن کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جو وہ پہلے کرتا تھا۔ وہ بہت اچھا بچہ ہے مریم......! اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آزمائش کے اس دور میں ناصر جیسا نیک فطرت انسان ہمارے سامنے ہے۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو بہت مشکل ہو جاتی۔ اگر ناصر نے معذرت کی بھی تو میں خود جاؤں گی۔''

''آپ ناصر کے پاس جائیں گی......؟''

مریم نے چونک ماں کی شکل دیکھی۔

''ہاں......! دس دفعہ بھی جانا پڑا تو میں ضرور جاؤں گی۔ بات خون کے رشتوں کی نہیں، صرف بھرم و عزت کی ہے۔ جان پر بنی ہے، عزت کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے......؟''

سلمٰی بیگم بڑے افسردہ انداز میں اور کرب ناک لہجے میں بول رہی تھیں۔

☆......☆......☆

عدیل بڑی زور زور سے مسز سارہ کے بیڈ روم کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ مسز سارہ بُری طرح گھبرا گئی تھیں۔ انہوں نے بدحواسی کے انداز میں دروازہ کھولا تھا۔ سامنے عدیل وحشت زدہ انداز میں بال بکھرائے کھڑا تھا۔ مسز سارہ نے اُس کی طرف دیکھا۔

''کیا مسئلہ ہے......؟ کیا ہوا ہے......؟''

عدیل بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں اور پریشانی کی کیفیت میں بولا۔

''ممی......! وہ مریم گھر میں نہیں ہے۔ میں نے گھر میں سب جگہ دیکھ لیا، اوپر، نیچے، کہیں بھی نہیں ہے وہ۔''

مسز سارہ نے اُس کی بات سن کر ایک گہری سانس لی، پھر بڑے سکون سے بولیں۔
''بے وقوف......! یہیں کہیں گئی ہوگی۔ صبح صبح کہاں جائے گی......؟ آفس بھی Monday سے جانا شروع کرے گی، ابھی تو چھٹیوں پر ہے۔''
''ممی......! میں آپ کو بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں، وہ گھر میں نہیں ہے۔ میں اسے سب جگہ دیکھ چکا ہوں۔ میں نے میٹ سے پوچھا تو وہ کہہ رہی تھیں، مجھے نہیں پتا۔ وہ بس یہ بتا کر گئیں ہیں کہ وہ کام سے جا رہی ہیں اور فضیل کا خیال رکھنا۔ آپ نے دیکھا، یہ کوئی طریقہ ہے......؟ چھوٹی گاڑی لے کر گئی ہے۔''
مسز سارہ نے لاپرواہی سے جواب دیا، بلکہ اب ان کے لہجے میں تھوڑی سی تلخی اور غصے کی کیفیت تھی۔
''حد ہے تم سے بھی عدیل......! صبح صبح شور مچا کر پریشان کر دیا۔ وہ گاڑی لے کر اپنے کسی کام سے گئی ہوگی۔ اُس کے اپنے بھی تو کام ہو سکتے ہیں ناں......؟ سب سو رہے تھے اس لئے Distrub کرنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ آ جائے گی تھوڑی دیر میں، اتنا Tense ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''
''ممی......! رات کو جو گھر میں تماشہ ہوا ہے، اُس کی وجہ سے شاید کہیں وہ......''
مسز سارہ نے اب گھور کر عدیل کی طرف دیکھا۔
''جاؤ، جا کر اپنے کمرے میں آرام کرو۔ وہ اس طرح کی لڑکی نہیں ہے کہ چوروں کی طرح گھر سے نکل جائے، اور جب میں اس گھر میں موجود ہوں، وہ مجھے بتائے بغیر کوئی Step نہیں لے سکتی۔ مجھے اتنا اعتماد ہے اُس پر۔ وہ بہت Bold اور باہمت لڑکی ہے۔ کوئی چھوٹی حرکت نہیں کرے گی۔''
عدیل اتنا زیادہ پریشان تھا کہ ماں کے دلائل بھی اُس کی پریشانی کو دُور نہیں کر سکے۔ وہ مزید چڑ کر بولا۔
''بس......! آپ اسی خوش فہمی میں رہیئے گا۔''
مسز سارہ جو اپنے بیڈ کی طرف بڑھ رہی تھیں، پلٹ کر بولیں۔
''یہ خوش فہمی نہیں، اعتماد ہے، اور اعتماد کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ جاؤ جا کر آرام کرو۔''
''ممی......! میں اس کی غلط فہمی دُور کرنے کے لئے کیا کچھ نہیں کر رہا......؟ میں تو اُسے چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''
''ہاں ہاں......! میں سب سمجھ رہی ہوں۔ اب مجھے تم آرام کرنے دو، رات بھر سو نہیں سکی ہوں۔ تم محنت کرتے رہو، شاید اُسے اعتبار آ جائے۔ یہ جو کمبخت دل ہے ناں، ایک مرتبہ ٹوٹ جائے تو پھر بہت مشکل سے جڑتا ہے۔ بعض دفعہ تو جڑتا ہی نہیں۔''
مسز سارہ بڑبڑاتے ہوئے غصے سے بولیں۔
''ممی......! آپ تو پتا نہیں کس طرح کی باتیں کرتی رہتی ہیں......؟ آپ کے سامنے اور اُس کے سامنے میں نے علینہ کی کتنی Insult کی ہے۔ اُس سے آپ لوگوں کو اندازہ نہیں ہوا کہ مجھے اُس کا کتنا احساس ہے......؟''
''اچھا اچھا......! ٹھیک ہے......! بہت احساس ہے تمہیں، اب پلیز مجھے تھوڑی دیر Rest کرنے دو۔''

مسز سارہ نے جیسے عاجز ہو کر کہا تھا۔ سمجھانے بجھانے والا ایک مقام پر زِچ بھی ہو جاتا ہے۔ عدیل کی تشویش اپنی جگہ قائم تھی مگر اب چپ سادھ لی تھی۔

☆......☆......☆

مریم بہت خاموشی اور آہستگی سے دروازہ کھول کر انعم کے کمرے میں داخل ہوئی۔ انعم سے ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے اُس کے اندر ایک عجیب سی بے چینی تھی۔ وہ بہت کچھ جاننا چاہتی تھی، محسوس کرنا چاہتی تھی۔ انعم اُس کی سگی بہن تھی۔ قدرتی طور پر اُس کے دل میں ایک لگن اور تڑپ تو تھی اور دُکھ کی تو کوئی حد ہی نہیں تھی۔ لیکن اُس نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری تھی۔ بہن ہونے کے ناطے وہ سوچ رہی تھی کہ اگر اُس نے کوئی غلطی کی تھی تو اُسے سزا بھی بڑی جلدی مل گئی۔ انعم بیڈ پر چت لیٹی ہوئی تھی۔ اُس نے دروازہ کھلنے کی چرچراہٹ محسوس کر لی تھی۔ اس لئے فوراً سیدھی ہو کر دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ سامنے مریم بڑے دوستانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ انعم اُس کی طرف دیکھتی رہی، بولی کچھ نہیں۔ تب مریم نے خود ہی پہل کر ڈالی۔

''السلام علیکم......! میں تم سے ملنے آئی ہوں اور تم کمرے میں بند ہو کر بیٹھی ہو۔ کیا مسئلہ ہے......؟ نیند پوری نہیں ہوئی......؟''

مریم نے اس انداز میں بات شروع کی جیسے درمیان میں کچھ بھی نہ ہوا ہو اور وہ دونوں بہنیں ہمیشہ سے اسی طرح بات چیت کرتی آ رہی تھیں۔

''میرا تماشہ دیکھنے آئی ہو......؟''

انعم کی سپاٹ آواز کمرے میں اُبھری جس نے مریم کا دل جیسے چیر کر رکھ دیا، وہ تڑپ سی گئی۔ دُکھ کی ایک ایسی لہر اُبھری تھی کہ یوں لگا، پورے جسم کو رگیدتی ہوئی گزر گئی۔ وہ آگے بڑھی اور انعم کے پاس بیٹھ گئی۔ بہت پیار سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی۔

''میں تمہاری سگی بہن ہوں، دُنیا والوں کی نمائندہ نہیں ہوں۔''

انعم نے بے زاری سے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

''کام تو تم نے دُشمنوں والے کئے ہیں۔''

یہ سن کر مریم کو دُکھ تو بہت ہوا، مگر اُس نے بڑے صبر و ضبط سے کام لے کر بڑی نرم اور ملائمت سے جواب دیا۔

''یہ تمہاری اپنی سوچ ہے انعم......! اگر میں غلط ہوں تو Prove کر دو۔ سگی بہن پر الزام تراشی کوئی اچھی بات نہیں۔''

''میری تکلیفوں کا اندازہ تم لگا ہی نہیں سکتی۔ میری اُن اذیتوں کو تم محسوس ہی نہیں کر سکتی۔ اے وَن لائف Enjoy کرتی ہوئی شوہر کے گھر چلی گئیں Broadminded, Upper class, Handsome شوہر۔

مجھ سے پوچھو۔‘‘

انعم جیسے پھٹ پڑی تھی اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہی تھی۔

’’ایک تنگ نظر، تنگ دل انسان کے ساتھ گزارہ کرنا کوئی مذاق ہوتا ہے......؟‘‘

مریم نے یہ سب کچھ بڑے صبر وتحمل سے سنا اور اسی طرح آہستگی اور نرمی سے جواب دیا۔

’’تم نے ناصر کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی انعم......! وہ سو فیصد تمہارے ساتھ سینسیئر تھا۔ تمہارے علاوہ اُس کی زندگی میں کسی عورت کا سایہ بھی نہیں تھا۔‘‘

مریم کا انداز سمجھانے والا تھا۔

صرف Sincare ہونا کافی نہیں ہوتا۔ تم کیا سمجھتی ہو میں صرف Sincarety کی Base پر اُس کی تمام غلط باتیں برداشت کرتی......؟ کرلیتا کسی لڑکی سے دوستی، مجھے تو Comfortable رکھتا۔‘‘

’’کتنی آسانی سے کہہ دیا تم نے......؟‘‘

مریم بے ساختہ بولی تھی۔

’’اگر تمہاری موجودگی میں کسی اور لڑکی کو اپنے ساتھ رکھتا تو تم سال تو کیا پانچ منٹ بھی اُس کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھیں۔‘‘

مریم کے لہجے میں محسوس ہونے والا کرب تھا۔ انعم نے بہت خوداعتمادی اور غرور سے جواب دیا۔

’’میں تمہاری طرح تنگ نظر نہیں ہوں۔ اگر وہ کوئی اچھی دوست رکھتا تو میں سمجھتی اُس نے مجھے Comfortable کیا ہوا ہے۔‘‘

مریم کے دل میں جیسے چھن چھن کر کے کچھ ٹوٹا تھا۔ دُکھ کی لہریں بڑی غضب ناک ہوگئیں تھیں۔ وہ بہتی چلی جارہی تھیں۔ انعم نے اُس کو اُس مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں پر اس کی اذیت کمال کو چھوتی تھی۔ انجانے میں انعم نے اُس کے دل کی دُنیا میں قیامت برپا کر دی تھی۔ بڑی دیر بعد خود کو سنبھال کر وہ گویا ہوئی۔

’’ایسا کچھ اصل میں تمہارے ساتھ ہوا نہیں۔ تم کیا جانو شراکت کیا چیز ہوتی ہے......؟ Share کرنے کا احساس وہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ کتنا اذیت ناک ہوتا ہے۔‘‘

مریم لاشعوری طور پر اپنے دُکھوں کا اعلان کررہی تھی۔ بظاہر وہ انعم کو سمجھا رہی تھی۔ انعم نے پھر اُس کو کاٹتی نظروں سے دیکھا اور طنزیہ لہجے میں بولی۔

’’تم بھی آج تک مزے کررہی ہو۔ ایک شاندار لائف پارٹنر مل گیا ہے، تمہیں ہری ہری سوجھ رہی ہے۔ اس لئے مجھے جلانے چڑانے آئی ہو۔‘‘

مریم نے بے اختیار انعم کا ہاتھ دبا دیا اور جیسے تڑپ کر بولی۔

’’پلیز انعم......! مجھ پر نہیں تو خود پر رحم کرو۔‘‘

انعم نے بڑی بے مروّتی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور اُسی طرح خفا خفا لہجے میں بولی۔

''کیسے کروں......؟ زندگی میں سکون نام کی کوئی شئے تو ہو۔ بہن نے تو جو کیا تھا، وہ کیا تھا، اور بھابی صاحبہ کو دیکھو، غبارے کی طرح منہ پھولا ہوا ہے۔ پتا نہیں کیا چھین لیا ہے میں نے ان کا......؟''

مریم نے انعم کی نادانی پر جیسے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔ بڑی بے بسی کی کیفیت میں بولی۔

''انعم......! اب بھی غور نہیں کرو گی تو کب کرو گی......؟ روّیے کیوں بدلتے ہیں......؟ ذرا سکون سے بیٹھ کر سوچو، غور کرو۔ اتنی ٹھوکریں کھا کر بھی تمہارا ذہن نہیں بدلا......؟''

انعم نے آگ برساتی نظروں سے مریم کو گھورا۔

''یہ ٹھوکریں میں نے تمہاری وجہ سے کھائی ہیں۔''

مریم نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

''میں نے تمہیں اپنی پسند سے جینے کا سیدھا راستہ بتایا تھا انعم......! اگر تم نے راستے کے انتخاب میں غلطی کی تھی تو اس میں میرا کیا قصور......؟''

انعم نے یہ سن کر آنکھیں بند کیں اور گہری گہری سانس لینے لگی جیسے خود کو کنٹرول کر رہی ہو۔ پھر بڑبڑانے والے انداز میں بولی۔

''اُس سے صرف میری دوستی تھی......''

''دوستی یوں بھی چل سکتی ہے، اُسے رشتے کا نام دینا ضروری نہیں ہوتا۔''

مریم نے اب تیزی سے انعم کی بات کاٹی تھی۔

''اگر یہ سب غلط نہیں تھا تو شوہر کے سامنے بیٹھ کر ساری باتیں ہونا چاہئیں تھیں۔ اُس سے چھپ کر رات کے اندھیرے میں نہیں۔''

انعم اسی طرح سے بھڑک کر بولتی ہے۔

''اگر شوہر Modern اور Broadminded ہو تو۔''

مریم نے انعم کی طرف دیکھا اور کھڑی ہو گئی جیسے وہ انعم کو سمجھانے میں ناکام ہو کر جانے کیا سوچ رہی ہو......؟ اُس نے چند لمحے گہری نظروں سے انعم کی طرف دیکھا اور بڑے غیر جذباتی لہجے میں گویا ہوئی۔

''سب مرد شوہر بن کر ایک جیسے ہوتے ہیں۔ شوہروں کی ایک ہی کلاس ہوتی ہے۔ یہ بات تمہیں اب بھی سمجھ نہیں آئی اور شاید آئے گی بھی نہیں۔''

یہ کہہ کر وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔ انعم نے بڑی نفرت اور بے زاری سے دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ یہ اُس کی ناکامی اور بے بسی کا ردِعمل تھا کہ غصہ نکالنے کے لئے لگے ہاتھوں اُس کے سامنے مریم ہی تھی۔

☆......☆......☆

علینہ، شکیلہ خاتون کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی۔ قریب ہی اس کی شیر خوار بچی سو رہی تھی۔ شکیلہ خاتون بڑے

پیاز سے علینہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''ارے بیٹا......! وہ جو کہتے ہیں ناں کہ برے وقت میں تو سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ ابھی عارف کے سر پر غصہ سوار ہے۔ خود کو سنبھال بیٹا......! تیری ماں تیری خوشی کے لئے جو کچھ کر سکتی ہے، ضرور کرے گی۔ میں اپنی بچی کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ تیری خوشی کی خاطر اگر میری جان بھی چلی جائے تو مجھے پرواہ نہیں۔ ارے......! ایک ہی میری بیٹی ہے اور اُس کی بھی آنکھ میں آنسو دیکھوں......؟''

اتنا سن کر واقعی علینہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ ماں کی محبت کا اثر تھا اور مامتا کی قوت سے لبریز پُرکشش مقناطیسی الفاظ۔ تھوڑی دیر کے لئے تو یوں محسوس ہوا کہ سارے دُکھ اُس نے جیسے ہاتھوں سے نوچ کر کچرے دان میں ڈال دیئے ہوں۔ پھر اُس نے خود کو سنبھالا اور آنکھیں کھول کر ماں کی طرف دیکھا۔

''اماں......! میں ایک جگہ چین سے بیٹھی ہوئی تھی۔ بس میری شامت نے دھکا دیا۔ ایک رات بس عدیل کے بارے میں سوچ رہی تھی تو جیسے میرے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ میں نے کہا، میں اُجڑی ہوئی برباد، ہر رشتے سے دُور اکیلی بیٹھی اپنے نصیب کا ماتم کر رہی ہوں اور جو میرے دُکھوں کا ذمہ دار ہے، وہ بھی اور اُس کی بیوی بھی، دونوں عیش کر رہے ہیں۔ بس مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ اماں......! وہ آگ ہی ایسی تھی کہ میں عدیل کے گھر چلی گئی۔ میں نے سوچا، میں اگر کچھ نہیں کر سکتی، کم سے کم اُس پر خوشیاں تو حرام کر سکتی ہوں۔''

علینہ دانت پیستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ شکیلہ تو اتنا سن کر بیٹی پر واری صدقے ہونے لگی اور بہت پیار سے جھک کر اُس کا ماتھا چوم لیا۔

''تو نے بالکل ٹھیک سوچا تھا۔ ارے......! جو ہمارے سکھ حرام کریں، اُن کو سکھ سے جینے کا کوئی حق ہی نہیں۔ تھوڑا سا صبر کر۔ عارف کا غصہ تھوڑا اُتر جائے تو پھر دیکھ میں کیا کرتی ہوں......؟ عارف تجھے وہاں سے کھینچ کر لے آیا ہے ناں، وہ اپنی کر کے بیٹھ گیا۔ لیکن جب تو عدیل کے نکاح میں آجائے گی تو یہ اس طرح سے تجھے اُس کے گھر سے کھینچ کر نہیں لا سکے گا۔''

پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر بڑے رازدارانہ انداز میں علینہ کے کان میں بولی۔

''ارے...... تو سمجھ ناں، بڑا جوروں کا غلام بنا پھرتا تھا، اب تیری وجہ سے اُس نے فوزیہ کو نکال کے باہر کیا۔ لیکن دُکھ تو ہوگا، اب اپنا غصہ تو کسی طرح سے نکالے گا ناں......! تھوڑے دن کی بات ہے، تھوڑا ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ میں اس کے لئے کسی اچھی سی لڑکی کا رشتہ دیکھوں گی تو پھر سارے معاملات ٹھیک ہو جائیں گے۔ فوزیہ کی جگہ کوئی اور عورت آکر بیٹھ جائے گی۔ یہ بھی اپنے راستے پر لگ جائے گا۔ مجھے جلدی تو بہت ہے، مگر کیا کروں......؟ کام بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہے۔ ہاں......! بعض دفعہ جلدی کا کام جو ہوتا ہے، اُلٹا گلے پڑ جاتا ہے۔''

شکیلہ خاتون، علینہ کو تسلیاں بھی دے رہی تھیں اور شاباش بھی۔ مگر علینہ کا ذہن ابھی تک عدیل کے گھر میں اٹکا ہوا تھا۔ اُس کی نظروں کے سامنے وہ عدیل تھا جو اپنی بیوی مریم کے سامنے اُس کو ذلیل کر رہا تھا، جس نے اپنی ماں کے سامنے بڑی نفرت سے مخاطب کیا تھا۔ اُس کا ذہن نہیں قبول کر رہا تھا کہ یہ وہی عدیل ہے جو کسی دن اُس

سے بات نہیں کرتا تھا تو بے چین ہو جاتا تھا اور جب بات کرنے لگتا تھا تو کرتا ہی چلا جاتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے علینہ کے سوا اُسے کوئی کام نہیں ہے اور علینہ کے بغیر اُس کی زندگی میں جو بھی خوشی ہے، وہ اُدھوری ہے۔ علینہ پھر اندرونی جنگ میں مبتلا ہو چکی تھی اور پیشانی کو زور زور سے دبا رہی تھی۔ شکیلہ خاتون بڑے تسلی دینے والے انداز میں اُس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

مریم، انعم کی طرف سے اُلجھی اُلجھی، پریشان ہو کر جب اپنے گھر واپس آئی تو دیکھا کہ سامنے عدیل کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ لگتا تھا اُس کا موڈ بہت آف ہے۔ وہ اسے دیکھتے ہی برس پڑا۔

"یہ تم بغیر بتائے کہاں چلی گئی تھیں......؟"

مریم نے اُس کا سوال نظر انداز کر کے اپنے بچے فضیل کی آیا کو آواز دی۔

"رابعہ......! رابعہ......!"

رابعہ کسی طرف سے دوڑتی ہوئی چلی آئی۔

"جی بیگم صاحبہ......؟"

مریم، عدیل کو یکسر نظر انداز کر کے آیا سے یوں مخاطب ہوئی جیسے عدیل وہاں موجود ہی نہ ہو۔

"فضیل نے تنگ تو نہیں کیا......؟ زیادہ رویا تو نہیں......؟"

"نہیں بیگم صاحبہ......! ماشاء اللہ بہت ہنسنے کھیلنے والا بچہ ہے۔ دودھ پلا دیا تھا، تھوڑی دیر کھیل کر پھر سو گیا۔"

یہ کہہ کر وہ مریم کی طرف دیکھنے لگی کہ اب مریم اُس سے کیا بات کرے گی یا کیا کام بتائے گی......؟ مریم نے آگے بڑھتے ہوئے اُسے جیسے اپنی طرف سے فارغ کیا۔

"اچھا تم جاؤ، دیکھو فضیل کے کپڑے سوکھ گئے ہیں تو اوپر سے لے آؤ۔"

یہ کہہ کر وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھی۔ عدیل اُس سے بھی زیادہ تیزی سے آگے بڑھتا ہوا اُس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے......؟ کہاں گئی تھی بغیر بتائے......؟"

مریم نے بڑی طنزیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا اور سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"کیوں پوچھ رہے ہیں......؟"

عدیل اُس کے اعتماد اور اُس کی سچائی کی قوت سے جیسے اپنی جگہ پتھر کا بن کر کھڑا رہ گیا۔ پھر اُس کی آو میں تھوڑا سا دھیما پن در آیا۔

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ گھر میں کسی کو تو بتا کر جاتی، پریشانی ہو جاتی ہے۔"

عدیل کی تبدیل شدہ Tone کو مریم نے محسوس کر لیا تھا۔ اس لئے وہ پہلے سے ذرا نرم ہو کر بولی۔

''میں چور دروازوں سے جانے والی نہیں ہوں۔''

عدیل نے اپنے سر پر زور سے ہاتھ مارا۔

''لاحول ولا قوۃ......! میں اس طرح سے نہیں سوچتا۔''

مریم نے بڑی بے نیازی سے اُس کی طرف دیکھا اور بڑی تلخی و لا پرواہی سے گویا ہوئی۔

''آپ جس طرح سے مرضی سوچیں، مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔''

''وہی تو میں تم سے ہزار مرتبہ کہہ چکا ہوں، جب کوئی تعلق نہیں، ضرورت نہیں تو تم ایک طرف کیوں نہیں ہو جاتیں......؟ کوئی فیصلہ کیوں نہیں کر لیتیں......؟''

مریم طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ عدیل کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ پھر بڑے سکون اور اطمینان سے گویا ہوئی۔

''میں فیصلہ کر چکی ہوں، الگ ہو چکی ہوں، آپ نے غور نہیں کیا......؟''

یہ کہہ وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ چاروں طرف شعلے بھڑکا کر جا چکی تھی۔ عدیل بھڑ بھڑ جل رہا تھا۔

☆......☆......☆

بشر علی کی طبیعت اگرچہ خاصی سنبھل چکی تھی، وہ گھر پر ہی ہوتے تھے اور سلمٰی بیگم اُن کا یوں خیال رکھ رہی تھیں جیسے انڈے سے باہر آنے والے نئے نئے چوزے کا۔ بشر علی کی طبیعت اب خاصی بہتر ہو چکی تھی۔ سلمٰی بیگم اور فیاض احمد اپنے تئیں کوشش کر رہے تھے کہ اُنہیں ہر تکلیف دہ اور اذیت ناک خبر سے بے خبر رکھا جائے۔ لے دے کر باپ ہی تو رہ گیا تھا جس کے کمزور وجود سے پھوٹنے والی دُعاؤں سے انہیں بڑی ڈھارس تھی، حوصلے زندہ تھے۔ انہوں نے گھر میں سب کو تاکید کی تھی کہ پاپا کو کسی بات کا پتا نہیں چلنا چاہئے۔ وہ دل کے مریض ہیں۔ ابھی ایک نیا جھٹکا کھا کر فارغ ہوئے ہیں۔ انعم گھر میں تھی، مگر بشر علی کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ وہ واپس گھر آ چکی ہے۔ وہ تو مکمل صحت یابی کے بعد انعم کے گھر اسلام آباد جانے کے پروگرام پر غور کر رہے تھے۔ بشر علی بوڑھے تھے، بیمار بھی تھے، لیکن بہت کچھ محسوس تو کر رہے تھے۔ آج وہ بڑی ہمت کر کے بغیر سہارے کے زینہ اُتر کر نیچے آئے تو سلمٰی بیگم اُن کو دیکھ کر تھوڑی سی بدحواس ہو گئیں اور اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہیں انعم تو باہر نظر نہیں آ رہی۔ اُن کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ پھر آگے بڑھتے ہوئے باپ کو سنبھال کر بولیں۔

''پاپا......! آپ مجھے بلا لیتے۔ آپ اس طرح سے آ گئے، ڈاکٹر نے آپ کو زیادہ چلنے پھرنے سے منع کیا ہے اور چڑھنے اُترنے سے تو ویسے ہی منع کیا ہے۔ میں تو آپ کا کمرہ نیچے سیٹ کر رہی تھی، آپ نے ہی منع کر دیا کہ میں کون سا بار بار نیچے اُتروں گا، بس جو میرا کمرہ ہے، وہی رہنے دو۔''

''ہاں تو میں نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ چار دن کی بات ہے، اللہ نے چاہا تو پھر بھلا چنگا ہو جاؤں گا۔ پھر تم

دیکھنا، انشاء اللہ کرکٹ کھیلنے جاؤں گا۔‘‘
وہ شوخی سے بولے تاکہ اُن کی بیٹی اُن کو تازہ دم اور اچھا محسوس کر کے خوش ہو جائے۔ سلمٰی بیگم نے اُن کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر بڑے پیار سے صوفے پر بٹھا دیا۔

’’پاپا......! میں بھی چاہتی ہوں کہ بس آپ ہر وقت خوش رہیں اور مریم آئی تھی، آپ سے بات ہوئی......؟‘‘

بشر علی، مریم کے نام پر ایک دم کھل اُٹھے۔

’’ہاں بھئی......! وہ ذرا سی دیر کے لئے میرے کمرے میں آئی تھی۔ میری خیر خیریت پوچھی اور کہنے لگی۔ ’’نانا جان......! میں ذرا اس وقت جلدی میں ہوں، بعد میں آؤں گی اور دیر تک بیٹھ کر باتیں کروں گی۔ پتا نہیں یہ آج کل کے بچوں کو کیا ہو گیا ہے......؟ جسے دیکھو جلدی میں دکھائی دیتا ہے۔ یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی پالتو پرندہ اُڑ گیا ہے، جس کو پکڑتے پھر رہے ہیں۔‘‘

سلمٰی بیگم ہنس پڑیں

’’پاپا......! پالتو جانور بھاگ جائے تو اُس کو ڈھونڈا جاتا ہے۔ اُڑے پرندوں کو کون پکڑنے جاتا ہے......؟‘‘

بشر علی کہتے ہیں۔

’’ارے بھئی......! میرا تو دماغ بھی گھس گیا ہے۔ مثالیں بھی غلط غلط دے دیتا ہوں۔ برداشت کر لیا کرو۔‘‘

سلمٰی بیگم اس مرتبہ بڑے دل سے ہنس پڑیں۔ وہ اپنے باپ کو ہنستا کھیلتا دیکھ کر سچ مچ بہت خوش ہو رہی تھیں۔ بشر علی نے چند لمحے کچھ سوچا پھر کہنے لگے۔

’’سلمٰی......! میں سوچ رہا ہوں کہ Just for Change میں ایسا کرتا ہوں کہ کچھ دنوں کے لئے مریم کے پاس چلا جاتا ہوں۔ ارے بھئی......! اس لڑکی نے تو اپنے اتنے کام پھیلا لئے ہیں کہ اسے کہاں ٹائم ملے گا کہ وہ اپنے نانا جان کے پاس آ کر دو دو، تین تین گھنٹے بیٹھی رہے۔ میں اس کے گھر میں رہوں گا، چلتے پھرتے اس سے بات تو ہوتی رہے گی، تھوڑی سی طبیعت بھی بہل جائے گی۔‘‘

سلمٰی بیگم نے بدحواس ہو کر بلکہ حواس باختہ ہو کر باپ کی شکل دیکھی۔

’’مریم کے گھر......؟‘‘

بشر علی اپنی گہری گہری سانسوں کو کنٹرول کرتے ہوئے مسکرائے۔

’’ہاں بھئی......! مریم کے گھر، اب اس شہر میں ایک اختر کا گھر ہے، ایک تمہارا گھر ہے۔ اب ماشاء اللہ خیر سے تیسرا مریم کا گھر ہو گیا ہے اور تم بتا رہی تھیں کہ انعم کے تو شوہر کی ٹرانسفر اسلام آباد ہو چکی ہے۔ اس سے ملنے کے لئے تو اب اسلام آباد جانا پڑے گا۔‘‘

سلمٰی بیگم پریشان ہو کر بولیں۔

"جی جی پاپا......! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

بشر علی نے سلمٰی بیگم کی اُلجھی اُلجھی کیفیت کو بھانپ لیا تھا، لیکن کچھ سمجھ نہیں پائے تھے، بولے۔

"ارے بھئی......! تو یہاں پر مقابلے کی بات تو ہو ہی نہیں رہی، جس پر تم ٹھیک اور غلط کا حکم لگاؤ۔ ایک حقیقت ہے یہ تو۔"

سلمٰی بیگم خجل سی ہو کر کہتی ہیں۔

"جی جی پاپا......! وہی میں کہہ رہی تھی کہ آپ ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں کہ اب تین ہی تو گھر ہیں۔ آپ ایسا کریں، دو چار دن کے لئے پہلے اختر بھائی کے پاس چلے جائیں، پھر مریم کے پاس کچھ دن رُک جایئے گا۔ میں روز چکر لگا لیا کروں گی۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اچھا ہے، ذرا آپ کی طبیعت بھی بہل جائے گی۔"

بشر علی نے جیسے سلمٰی بیگم کی تجویز قبول کر لی۔ کہنے لگے۔

"بھئی......! تم نے تو Trip لمبا کر دیا ہے۔ مگر اس میں فائدہ ہے، کچھ دن اختر میاں سے اور ان کے بیوی بچوں سے باتیں کروں گا پھر مریم کی طرف چلا جاؤں گا۔ ماشاء اللہ اب تو اُس کا بھی پیارا سا بچہ ہے، اُس سے بھی کھیلا کروں گا۔ اب تو جتنی بھی زندگی رہ گئی ہے، انشاء اللہ ہنستے کھیلتے گزر جائے گی۔"

سلمٰی بیگم جلدی سے گویا ہوئیں۔

"جی پاپا......! انشاء اللہ......!"

یہ الگ بات تھی کہ وہ اندر سے پوری طرح اُلجھ گئی تھیں۔ ایک نہیں، دو دو بیٹیوں کے مسئلے تھے۔ وہ بوڑھے اور دل کے مریض باپ کو کب تک حقیقت سے دُور رکھ سکتی تھیں......؟ اس وقت یہی ایک سوچ، ایک نکتے پر آ کر ٹھہر چکی تھی۔

"سلمٰی......! وہ فیاض صاحب ابھی تک اسلام آباد سے واپس نہیں آئے کیا......؟ کہہ رہے تھے کہ دو تین دن لگ جائیں گے۔"

سلمٰی بیگم مسکرائیں۔

"پاپا......! وہ دو تین دن کا کہہ کر گئے تھے ناں، ابھی تو دو ہی دن ہوئے ہیں۔"

بشر علی ہنس پڑے۔

"اچھا بھئی......! دو ہی دن ہوئے ہیں......؟ لو بھئی......! میں تو سمجھ رہا تھا شاید ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔"

سلمٰی بیگم نے بہت پیار سے باپ کی طرف دیکھا۔

"کوئی بات نہیں پاپا......! آپ نے زندگی بھر بہت کام کیا ہے اور اب اتنی بڑی تکلیف اُٹھائی ہے۔ پہلے جیسا ذہن تو نہیں ہوگا، لیکن انشاء اللہ آپ بہت جلد بہتر ہو جائیں گے۔"

بشر علی مسکرائے۔

''خدا میری بیٹی کی خوشیوں کو سلامت رکھے۔''
سلمیٰ بیگم نے یہ سنا تو جیسے عظیم دُکھ سے اُن کی ذات ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے لگی۔ بڑی مشکل سے انہوں نے خود کو سنبھالا۔

☆......☆......☆

اُجالا، فیاض احمد اور بیبہ کیرم کھیل رہے تھے۔ بیبہ بہت خوش اور پُر جوش نظر آ رہی تھی۔ فیاض احمد، بیبہ سے مذاق کر رہے تھے۔

''آج کوئین میری ہو کر رہے گی۔''
بیبہ نے ایک دم ناراض نظروں سے نانا کی طرف دیکھا اور بولی۔
''جی نہیں......! Queen ہمیشہ میں Win کرتی ہوں۔ آپ دُلہن ماما سے پوچھ لیں۔ یہ بھی ہمیشہ ہار جاتی ہیں۔''
اُجالا جو کسی سوچ میں تھی، ایک دم خود کو سنبھال کر زبردستی مسکرائی۔
''جی جی انکل......! بیبہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ یہ بہت اچھا کیرم کھیلتی ہے۔ میرا اتنا دل چاہتا ہے کہ میں جیتوں مگر یہ جیتنے ہی نہیں دیتی۔''
بیبہ نے اُجالا کی گواہی کو سن کر خوشی سے تالیاں بجائیں۔
''دیکھا، دُلہن ماما نے بتا دیا ناں آپ کو Queen ہمیشہ میری ہوتی ہے۔''
فیاض احمد ہنسنے لگے۔
''آپ تو خود Queen ہو اور بھئی ہم جو ہیں ناں یعنی کہ نانا King ہیں تو نانا کو Queen ملنا چاہیے۔''
بیبہ کھلکھلا کر ہنس پڑا اور بڑی ذہانت سے جواب دیا۔
''نانا جان......! نانو آپ کی Queen ہی تو ہیں۔ ہے ناں......!''
اُجالا نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا جیسے کہہ رہی ہو۔
''اُف......! اتنی سی بچی نے لاجواب کر کے رکھ دیا۔''
وہ مسکرائی اور ایک انگلی سے اُس کا گال چھوتے ہوئے بولی۔
''بس......! بہت سارا کھیل ہو گیا، اب کچھ تھوڑا سا کھا پی لو۔''
بیبہ نے اپنے نانا کی طرف بڑی شکایتی نظروں سے دیکھا۔
''نانا جان......! یہ جو دُلہن ماما ہیں ناں، یہ ایک دن مجھے کھلا کھلا کر موٹا کر دیں گی اور سب مجھے گیند گیند یا بال بال کہہ کر چھیڑا کریں گے۔''

فیاض احمد ہنس پڑے اور انہوں نے بڑی محبت بھری نظروں سے بیہ کی طرف دیکھا یوں جیسے وہ ماضی کے اُس Period میں پہنچ گئے ہوں۔ جب انعم، بیہ کی عمر میں تھی تو وہ بھی اسی طرح کی خوب صورت باتیں کرتی تھی۔ اس وقت یہ درد کی لہر بڑی شدید تھی۔ انہوں بڑی مشکل سے دبائی تھی اور بیہ کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''جاؤ بیٹا......! دُلہن ماما کی بات مان لو۔ تھوڑا سا کچھ کھالو پھر دوبارہ سے بیٹھیں گے۔''

اُن کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ بیہ کو ہتھیار ڈالنا پڑے۔

''چلیں دُلہن ماما......! دکھائیں مجھے کیا کھلا رہی ہیں آپ......؟''

وہ اُجالا کے پیچھے چلتے چلتے کہہ رہی تھی اور فیاض احمد اُجالا کے پیچھے جاتی ہوئی بیہ کو دیکھ کر ایک عذاب سے دوچار تھے۔ یہ گھر اُن کی بیٹی کا تھا، اُن کی بیٹی کی راجدھانی تھی، آج ایک پیاری سی اور اچھی لڑکی اُس کی جگہ لے چکی تھی۔ ایک باپ کے لئے یہ بہت بڑی قیامت تھی۔ اس مرحلے پر دل کو نہیں سمجھایا جاسکتا تھا۔ کمال اذیت تھی۔

☆......☆......☆

عاطف، اظفر کمال کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔

''سر......! کل سے مس مریم آفس آنا شروع کر دیں گی۔ بہتر تو یہی ہے کہ یہ Draft وہ خود تیار کر لیں، باقی میں یہ پیپرز فاروقی صاحب کو بھجوا دیتا ہوں۔''

اظفر کمال نے گھور کر عاطف کی طرف دیکھا۔

''مسٹر......! کل Sunday ہے۔''

عاطف ایک دم سٹپٹا گیا۔

''جی سر......! I mean next day میں Monday کی بات کر رہا تھا۔''

اظفر کمال ایک دم دھاڑے۔

''مسٹر عاطف......! آپ نے کل کی بات کی تھی نہ Sunday کی، نہ Monday کی۔''

عاطف نے جیسے اپنا سر پیٹ لیا، بولا۔

''سر......! غلطی سے نکل جاتا ہے بندے کے منہ سے، روزانہ کی عادت ہوتی ہے ناں، کل کل کہنے کی۔''

اظفر کمال نے اُسے گھورا۔

''ارے......! وہ آپ ہی جیسے لوگ تو ہیں جو کل کل کرتے رہتے ہیں اور آج کا کام کل پر ٹالتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے ہم ترقی یافتہ قوموں سے دوسو سال پیچھے ہیں۔''

اب غلطی ہوگئی تھی۔ عاطف کو جھاڑ تو سننا ہی تھی، سنتا رہا۔ اظفر کمال کو جیسے خود ہی بولتے بولتے خیال آگیا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گئے ہیں، پھر بولے۔

''اُٹھاؤ یہ فائلیں اور لے جاؤ۔ ٹھیک ہے، اگر مس مریم Monday کو آرہی ہیں تو وہ اپنا کام خود کر لیں

گی۔ آپ اپنا کام کیجئے اور وقت پر کیجئے۔''
عاطف سر جھکا کر چلا گیا۔ اظفر کمال نے اپنے بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے سیٹ کی بیک سے اپنا سر ٹکایا اور سوچنے لگے۔
''ابھی درمیان میں ایک Sunday اور بھی ہے۔''
پھر جیسے اپنی سوچ پر خود ہی لاحول پڑھی اور ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئے۔
''لاحول ولاقوۃ......! میں کیوں بار بار بھول جاتا ہوں کہ وہ صرف شادی شدہ ہی نہیں، بلکہ ایک بچے کی ماں بھی بن چکی ہے۔''
انہوں نے اپنی اُنگلیاں پیشانی پر رگڑنا شروع کیں۔ کام سے اُن کا ذہن ہٹ گیا تھا۔ سامنے مریم کھڑی مسکرا رہی تھی اور اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ لڑکی آناً فاناً اُن کے حواس پر کیوں چھا گئی ہے......؟ وہ اُس کے کنٹرول میں کیوں چلے گئے ہیں......؟ اور اُسی کے بارے میں زیادہ کیوں سوچنے لگے ہیں......؟

☆......☆......☆

مریم کی دوست اور کزن سین کافی دنوں کے بعد اُس کے گھر آئی تھی۔ وہ آج کل پی ایچ ڈی کر رہی تھی تو لامحالہ اُس کی مصروفیات بہت زیادہ ہوگئی تھیں۔ تھیسس مکمل کرنے کے چکر میں وہ دن رات لگی ہوئی تھی۔ لیکن فون پر مریم کا ٹوٹا ہوا لہجہ اُسے بے چین کر گیا۔ اُس نے محسوس کر لیا کہ کچھ ہے جو مریم اتنی بکھری بکھری اور نڈھال سی ہے۔ اُس کا اپنے کام میں دل نہیں لگ سکا اور وہ جیسے دوڑی چلی آئی تھی۔ مریم نے اپنی رازدار بچپن کی سہیلی کو اپنے دل کا حال کہہ دیا جو اُس نے ابھی تک کسی سے Share نہیں کیا تھا۔ مسز سارہ اُس کی ساس تھیں، وہ اُن سے معاملات تو Share کر سکتی تھیں، احساسات Share کرنے کے لئے اُسے ایک سچے اور سین جیسی دوست ہی کی ضرورت تھی۔ سین نے سب کچھ بہت دُکھ سے سنا اور بڑے صبر سے سنا۔ ساتھ ساتھ وہ تجزیہ بھی کرتی جا رہی تھی۔ جب مریم اپنے دل کے بوجھ اُتار چکی، تب اُس نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔
''اس طرح زندگی نہیں گزرتی مریم......! تمہیں ایک قطعی فیصلہ کرنا ہوگا یا تو عدیل کو معاف کر دو یا سب کچھ بھلا دو یا پھر اپنا راستہ الگ کر لو اور یا پھر نیا ساتھی چن لو۔''
مریم بڑی اُداسی سے مسکرائی جیسے سین نے کوئی بہت بچپنے کی بات کہی ہو۔
''کہنے کی حد تک یہ بہت آسان ہے مگر یہ جو پاؤں میں رشتوں کی زنجیریں ہوتی ہیں ناں، یہ ہمیں کھل کر اُڑان بھرنے نہیں دیتیں، اور پھر نئے ساتھی کی کوئی ضمانت ہے......؟ محبت کرتے نہیں ہیں، محبت تو بس ہو جاتی ہے۔ میں نے تو شادی سے پہلے بھی کسی کے لئے کچھ محسوس نہیں کیا۔ میں نے تو جیسے اپنا ایک ایک قیمتی احساس تک اپنے ہونے والے شوہر کی امانت سمجھ کر سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ میری قسمت میں کھوٹا ساتھی لکھا ہے......؟''
سین نے تڑپ کر مریم کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور پھر اُس کے ہاتھ چوم کر بولی۔

''تم خود کو اذیت دے رہی ہو مریم......! میرا دل کہتا ہے کہ عدیل تمہارے ساتھ Sincere ہے۔''
مریم کے منہ سے ایک سرد آہ نکل گئی۔
''یہ یقین مل جاتا تو سب مسئلے ہی حل ہو جاتے۔''
سبین نے جیسے ٹھان لی کہ وہ مریم کا دُکھ دُور کر کے ہی یہاں سے اُٹھے گی۔ چاہے اُسے عدیل کے لئے کتنی لمبی وکالت کرنی پڑے۔ کیونکہ یہی ایک حل تھا کہ وہ عدیل کو معاف کر دے اور دن رات کی اس اذیت سے چھٹکارا حاصل کر لے۔
''وہ جان دے دے تو کیا مان جاؤ گی......؟''
اب سبین نے برجستہ انداز میں کہا۔ اُس کی کوشش تھی کہ مریم کا موڈ تھوڑا اچھا ہو جائے۔
''تم نے خود ہی بتایا ہے مریم......! کہ اُس نے تمہارے سامنے علینہ کی اِنسلٹ کی تھی۔ ثبوت تو دے دیا ہے اُس نے تمہیں کہ وہ تم پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔''
مریم کے انداز میں وہی ضد تھی۔ وہ ذرّہ برابر بھی ٹس سے مس نہ ہوئی اور بولی۔
''کسی کو اتنی جرأت تو دی تھی کہ وہ اُس کی بیوی کے ہوتے ہوئے اس کے گھر میں آ کر بیٹھ جائے۔''
''دیکھو مریم......! یہ دن رات کا جلنا کُڑھنا تمہارا بہت نقصان کر دے گا۔''
مریم نے سپاٹ لہجے میں برجستہ جواب دیا۔
''میں Monday سے دوبارہ آفس جوائن کر رہی ہوں۔ بہلا لوں گی خود کو......''
سبین نے تیزی سے اُس کی بات کاٹی۔
''دھوکہ دیتی رہو گی خود کو۔ بہلانا اور خود کو دھوکہ دینا ایک ہی بات ہے۔''
مریم اسی طرح ضدی اور فیصلہ کن لہجے میں بولی۔
''سنبھال لوں گی خود کو، بہت سی عورتیں رہتی ہیں شوہروں کے بغیر، بچے بھی پالتی ہیں، میں نے آج تک شوہر کے غم میں کسی عورت کو مرتے نہیں دیکھا ہے۔ میں بھی نہیں مروں گی، تم فکر نہیں کرو۔''
مریم کے انداز میں اتنا قطعی پن تھا کہ سبین کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی اڑیل ہو سکتی ہے۔ یہ وہ مریم تو نہیں تھی۔ دھیمی دھیمی، نرم نرم سی، اَمن کی باتیں کرنے والی، شور و تکرار اور جھگڑے سے بھاگنے والی، وہ بڑے دُکھ سے مریم کو دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

فوزیہ کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ وہ بالکل ہی مردہ حالت میں Hospital لے جائی گئی تھی۔ ڈاکٹر نے اُسے دیکھتے ہی Drip لگا دی تھی اور Admit بھی کر لیا تھا۔ وہاج اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بہت دُکھ سے سوچ رہا تھا کہ اپنی بہن کے دُکھوں کا ذمہ دار میں ہوں۔ خدانخواستہ اگر کوئی حل نہ نکالا گیا یہ تو اپنے بچے کے بغیر مر

جائے گی۔ کچھ کرنا ہوگا بہن کی خاطر۔ عارف کے پاؤں بھی چھونا پڑے تو کوئی بڑی قیمت نہیں اس خوشی کی جو اس کی بہن کو مل سکتی ہے، جس کے اُمید دل میں جاگتی ہے۔ اتنا سوچ کر وہ باہر آ گیا تھا اور عارف کا فون ملایا تھا۔ Ring پاس ہونے لگی لیکن لائن فوراً کاٹ دی گئی۔ وہاج سمجھ گیا کہ عارف نے اُس کا نام دیکھ کر لائن ڈسکنیکٹ کر دی ہے۔ اُس نے پھر Try کیا۔ عارف نے پھر پہلی Ring پر ہی لائن کاٹ دی۔ وہاج نے تیسری بار Try کیا مگر پھر لائن کٹ گئی۔ وہاج نے ہار نہیں ماننا تھی، کیونکہ سامنے اُس کی بہن کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ وہ پھر بھی Try کرتا رہا، یہاں تک کے عارف کی دھاڑتی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''کس کو فون کر رہے ہو......؟ کون رہتا ہے یہاں تمہارا......؟''

وہاج نے جیسے منت، خوشامد کے انداز میں کہا۔

''پلیز عارف......! فون بند مت کرنا، صرف دو منٹ کے لئے میری بات سن لو۔''

''لیکن ہم کس حوالے سے بات کریں......؟''

عارف نے اُسی طرح دھاڑتے ہوئے بڑی برہمی سے سوال کیا۔

''مجھ سے ہر رشتہ ختم کر دو مگر میری بہن تمہارے بچے کی ماں بھی تو ہے......''

عارف نے ایک دم وہاج کی بات کاٹ دی۔

''مر گئی......مر گئی میرے بچے کی ماں۔''

''تم یہ بات اپنے بیٹے کے سامنے تو ذرا کر کے دیکھو۔ وہ بھی تو اپنی ماں کے لئے تڑپ رہا ہوگا۔''

عارف نے جیسے غصے سے دانت پیسے اور بُری طرح سے دھاڑا۔

''مجھے ایموشنلی بلیک میل کرنے کی ضرورت نہیں۔ بہن کو دو وقت کی روٹی نہیں کھلا سکتے......؟''

''میری بہن روٹی کے لئے محتاج نہیں ہے۔ عارف......! یہ بُت تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔ اس کا تعلق بھی اُسی خاندان سے جس خاندان سے تمہارا تعلق ہے۔''

''مطلب کی بات پر آؤ......!''

عارف نے بڑی بے مروّتی اور بے رُخی سے کہا۔

''میں تمہارے سامنے بیٹھ کر تم سے صرف دو منٹ بات کرنا چاہتا ہوں عارف......!''

''خدا کرے قیامت تک میرا تمہارا سامنا نہ ہو۔''

عارف نے یہ کہہ کر فون Powered off کر دیا۔ کیونکہ فون بند ہوتے ہی وہاج نے دوبارہ Try کیا تو Powered off ہونے کی Recording چل رہی تھی۔

☆......☆......☆

عارف کا بیٹا بخار میں جل رہا تھا۔ علینہ گم سم، کھوئی کھوئی، اُلجھی اُلجھی سی بچے کے پاس بیٹھی تھی۔ اُس کے

ذہن نے کام کرنا بند کر دیا تھا۔ اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اتنے گمبھیر مسئلے کا حل کیا نکلے گا......؟ کس طرح نکلے گا......؟ ماسی برکتے ایک باؤل میں ٹھنڈا پانی اور Cotton کی پٹیاں لے کر اندر آئی۔ علینہ نے کھوئی کھوئی کیفیت میں باؤل اُس کے ہاتھ سے لے لیا اور پٹی نچوڑ کر بچے کی پیشانی پر رکھ دی۔ ماسی برکتے، علینہ کا کھویا کھویا پن محسوس کر رہی تھی۔ کیونکہ علینہ بہت دیر سے مکمل خاموشی اختیار کئے ہوئے تھی۔ ماسی اپنے اُسی خوشامدانہ انداز میں گویا ہوئی۔

''علینہ بی بی......! ترس تو بہت آتا ہے۔ بچہ آئے دن بیمار رہنے لگا ہے۔ دیکھیں ناں، کتنا کمزور ہو گیا ہے۔''

علی نے تیز بخار سے جلتی ہوئی آنکھیں ایک لمحے کے لئے کھولیں اور علینہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

''پھپھو......! میری ماما کہاں چلی گئی ہیں......؟ وہ گھر کب آئیں گی......؟''

علینہ بچے کی آواز سن کر تڑپ گئی۔ اُس نے جھک کر بچے کی گال پر پیار کیا۔

''علی بیٹا......! اگر آپ کھانا ٹھیک سے کھائیں ناں تو آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں گے۔ اسکول جائیں اور بہت سارے فرینڈز بنائیں۔ اب دیکھیں، آپ بیمار ہی رہیں گے تو اُسکول کیسے جائیں گے......؟''

''مجھے اسکول نہیں جانا۔ مجھے ماما کے پاس جانا ہے، آپ اُن کو بلائیں۔''

علی نے پھر دوسری بات ماں ہی کی کی۔ علینہ نے بڑی بے بسی سے ماسی برکتے کی طرف دیکھا تھا۔ ماسی برکتے نے بھی ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہنے لگی۔

''بس......! یہی ضد کرتا رہتا ہے۔ بڑی مشکل سے تھوڑا سا دودھ پیتا ہے، کچھ نہیں کھاتا۔''

علینہ نے پٹی ہٹا کر دوسری پٹی نچوڑنا شروع کی۔

''ماسی......! اسے بہت تیز Temperature ہے۔ اتنے تیز بخار میں تو بچہ ویسے ہی کھانا نہیں کھاتا۔''

ماسی برکتے نے بہت تاسف کا اظہار کرتے ہوئے جیسے وہ بہت زیادہ غم زدہ ہو، بولی۔

''ارے بیٹا......! بھینسوں کی لڑائی میں جُھنڈوں کا نقصان، بڑوں کے جھگڑوں میں بیچارے معصوم بچے مارے جا رہے ہیں۔''

علینہ نے چونک کر ماسی برکتے کی شکل دیکھی۔ ماسی نے انجانے میں اس کے ذہن پر ایک چوٹ سی لگا دی تھی۔ علینہ نے چند لمحے سوچا اور بولی۔

''ماسی......! پریشان اسے ہونے نہ دو۔ آہستہ آہستہ اسے بھی صبر آ جائے گا۔''

ماسی برکتے نے پھر بڑی چاپلوی اور دُکھ سے کہا۔

''وٹے سٹے کی شادیوں میں آج تک برکت نہیں دیکھی۔ بھائی کے کئے کی سزا فوزیہ کو ملی۔''

علینہ بے معانی سے مسکرائی۔

''تکلیف دینے والوں کو تکلیف تو ملے گی۔ تکلیف ملے گی تو اپنی زیادتی کا احساس کریں گے۔''

اُس کا انداز خود کلامی کا تھا، وہ جیسے یہ بات خود سے کر رہی تھی، مگر شکیلہ خاتون کے کان بہت تیز تھے۔ وہ اندر آتے آتے سن چکی تھی۔ ایک دم نہال ہو کر بولی۔

''سولہ آنے ٹھیک بولی میری بیٹی......! میری بے قصور بچی کو طلاق کا داغ لگاتے اُسے اپنی بہن کا خیال نہ آیا......؟''

علینہ کی آنکھوں میں غصے کی چنگاریاں چمکنے لگیں۔

''اماں......! وہ تو مجھے جان سے مار رہا تھا۔''

شکیلہ خاتون نے برجستہ کہا۔

''اب مزہ چکھ رہا ہے ناں......! اسے کہتے ہیں، اس ہاتھ دے، اُس ہاتھ لے۔''

علینہ، ماں کی طرف خالی خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''اماں......! بھائی کی فوراً دوسری شادی کر دیں، وہ تو اب گھر میں نظر ہی نہیں آتے۔''

شکیلہ خاتون بولیں۔

''میں بھی دیکھ رہی ہوں، تو بھی ذرا اپنی سہیلیوں میں دیکھ۔''

یہ کہتے ہوئے وہ علینہ کے پاس بیٹھ گئیں اور اُس کا گال چوم لیا۔

''ارے......! تیری اتنی پیاری پیاری سہیلیاں تھیں۔ سب کی شادی تو نہیں ہوگئی ہوں گی ناں......؟ کوئی نہ کوئی تو بچی ہوگی۔ ذرا آس پاس نظر تو مار......!''

علینہ نے گہری سانس لی اور مسکرائی۔

''دیکھتی ہوں اماں......! خدا کرے بھائی کی دوسری شادی ہو جائے۔ میرے تو کلیجے میں ٹھنڈک پڑ جائے گی۔ پھر دیکھنا اپنی بہن کے دُکھ میں کیسے جلے گا دن رات۔ کتنا بدل جاتے ہیں لوگ......؟''

''ارے بھئی......! صرف اسی کام سے ٹھنڈک نہیں پڑے گی میرے کلیجے میں، ٹھنڈک تو تب پڑے گی جب تیرا نکاح عدیل کے ساتھ ہوگا۔ دُشمن انگاروں پر تو تب لوٹیں گے۔''

شکیلہ خاتون نے پہلے اپنی ران پر ہاتھ مارا، پھر وہی ہاتھ سینے پر رکھ لیا۔ علینہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

''دُشمن......؟''

پھر گہری سانس لی۔

''اماں......! کیسی بے اعتبار زندگی ہے، نہ دوستی کا بھروسہ نہ دُشمنی کا پتا۔ کتنی جلدی بدل جاتے ہیں لوگ......؟''

''میں تو تیری بھی دوسری شادی جلدی کروں گی۔ ارے......! میری بچی کی عمر ہی کیا ہے......؟ اور انشاء اللہ عدیل سے ہی کروں گی۔ تجھے بھی سنبھالے گا، تیری بیٹی کو بھی سنبھالے گا۔ اُس سے بدلہ نہیں لینا کیا......؟

ارے......!اس ساری جنگ میں وہ بھی تو برابر کا شریک ہے۔ایک منٹ چین سے نہیں بیٹھنا چاہئے اُسے۔اُصول اور قانون تو یہی کہتا ہے۔"

ماسی برکتے نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں اور پوچھا۔

"اچھا چوہدرانی جی......! قانون میں بھی یہ لکھا ہے......؟ آپ کو کس نے بتایا......؟"

"چل تو چپ کر، بڑی آئی، اگر میں تجھے قانون پڑھا بھی دوں گی تو تجھے تھوڑی دیر بعد یاد ہوگا......؟ بڑی آئی قانون کا پوچھنے والی، جا کر اپنا کام کر۔"

شکیلہ خاتون نے بڑی بے زاری سے ماسی برکتے کو جھاڑ پلائی اور باہر کا راستہ دکھایا۔ ماسی برکتے کو اپنی بہت توہین محسوس ہوئی تھی۔ساری محنت ایک سیکنڈ میں اکارت چلی جاتی تھی۔چوہدرانی کے موڈ کا کوئی پتا ہی نہیں چلتا تھا۔وہ دل ہی دل میں غصہ کھاتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔شکیلہ خاتون نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا۔

"ایک تو یہ اس بڑھیا کے ٹانگ درد نے میرا جینا حرام کر دیا ہے۔روز پانچ سو روپے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں، مگر اس کی ٹانگ ٹھیک ہو کر نہیں دے رہی۔"

شکیلہ خاتون نے اب اپنے اندر کا غصہ کسی طرح سے تو نکال کر باہر پھینکنا تھا، اور کوئی نہیں تو ماسی برکتے ہی سہی۔

☆......☆......☆

فیاض احمد کو اسلام آباد پہنچے آج تیسرا دن بلکہ تیسری رات تھی۔کئی مرتبہ انہوں نے ناصر حسین سے تنہائی میں بات کرنے کی کوشش کی۔مگر ان کی ہمت جواب دے جاتی تھی۔آج وہ اسی شش و پنج میں سرگرداں بیٹھے تھے کہ ناصر انہیں اتنی رات کو تنہا خیال میں ڈوبا دیکھ کر ان کے پاس چلا آیا اور اخلاقاً مسکراتے ہوئے ان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔جس سے فیاض احمد کو ایک مورل سپورٹ کا احساس ہوا اور بات ہونٹوں تک لانے کا حوصلہ ملا۔ناصر کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس سے انعم کے بارے میں کوئی بھی بات کر سکتے ہیں۔فیاض احمد نے جب اُس سے درخواست کی کہ وہ انعم کو بیوی سمجھ کر نہ سہی، اپنی بیٹی کی ماں سمجھ کر ہی اس گھر میں سر چھپانے کی اجازت دے دے تو جیسے ناصر کو اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا۔گڑے مردے اُکھڑ سکتے ہیں، یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔وہ تو اپنی خوشیوں کی دُنیا بسا کر روح کو چھلنی کر دینے والی حقیقتوں سے فرار حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگا رہتا تھا۔چند لمحے تو وہ جیسے بات کرنے کے قابل ہی نہ رہا۔سانس بھی رُک رُک کر آنے لگی۔یہ ایک نئی ناگہانی تھی اور کتنی ظالم حقیقت کہ انعم جو اس کی نظروں سے گر چکی تھی، بہر حال اس کی لختِ جگر کی ماں تھی۔قسمت نے اُسے ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔وہ حیران پریشان کھوئی کھوئی کیفیت میں فیاض احمد کی طرف دیکھ رہا تھا جو اپنی بات کہہ کر نظریں جھکائے ناصر کے جواب کے منتظر تھے جیسے کوئی مجرم اعترافِ جرم کرنے کے بعد سزا سننے کے لئے چوکس اور مستعد ہو اور منصف کی آواز اُبھرنے کا انتظار کر رہا ہو۔

ناصر نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں چند لمحے کے لئے آنکھیں بند کیں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ باپ جس کا اپنا کوئی قصور نہیں، جو ہمیشہ اس پر شفیق اور مہربان رہا ہے، جس سے اس کو کبھی کوئی شکایت نہیں رہی، اس کو ایسا کیا جواب دے کہ بات بھی رہ جائے اور اس کا دل بھی دُکھے......؟ لیکن اسے کوئی مناسب جملہ نہیں سوجھ رہا تھا۔ بہر حال اُسے ہمت تو کرنا تھی۔ کچھ دیر بعد جب خاموشی کی طوالت چبھنے لگی، بہت محسوس ہونے لگی، تو اُسے کہنا ہی پڑا۔

''آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں انکل......؟ نصیب سے تو گھر کا سکھ ملا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں اپنے ہاتھوں سے اپنی پُرسکون دُنیا کو آگ لگا دوں......؟ انعم آپ کی بیٹی سہی مگر میرے دماغ کا ناسور ہے۔ انکل......! آپ نے ابھی تک بڑے حوصلے سے کام لیا ہے، تو اب وہ باتیں بھی آپ سن لیں جو بڑی تلخ حقیقت ہیں، مگر اُن کا اظہار بھی بڑا ضروری ہے۔''

فیاض احمد نے بڑے کرب سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنا دایاں ہاتھ اُٹھا کر ناصر کے کاندھے پر رکھ دیا تھا۔ یوں جیسے وہ گرنے لگے ہوں اور گرتے گرتے جیسے کسی دیوار کا سہارا لے رہے ہوں۔

''انکل......! یقین کیجئے، مجھے یہ کہتے ہوئے بڑا دُکھ ہو رہا ہے، مگر بات یہ ہے کہ انعم اگر جلتی ہوئی آگ پر بیٹھ کر بھی کوئی بات کہے تو میں اس کا اعتبار نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اعتبار ایک دفعہ کا ہوتا ہے۔''

فیاض احمد نے بڑے حوصلے اور صبر سے ناصر حسین کا جواب سنا۔ چند لمحے ان کو اپنا خشک حلق تر کرنے میں لگ گئے، پھر بڑی مشکل سے گویا ہوئے۔

''بیٹا......! ہم تم سے اس کے حقوق کا مطالبہ نہیں کر رہے۔''

ناصر حسین نے فوراً فیاض کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑی محبت سے دبایا۔ جیسے کوئی مزید سخت بات کہنے سے پہلے ان کو حوصلہ دے رہا ہو۔ پھر بولا۔

''سیدھی سی بات ہے انکل......! اس کا تو اب کوئی حق ہی نہیں ہے، نہ میرے گھر پر نہ میری ذات پر۔''

فیاض احمد نے اِک گہری سانس کھینچی اور بڑے دُکھ سے مسکرائے۔

''ہم تو بیٹا......! اس گرد کو یہ سوچ کر دبانا چاہتے ہیں، سامنے اِک بچی ہے، کل کو پرائے گھر چلی جائے گی۔ ہم اُس کو عمر بھر کی گالی سے بچانا چاہتے ہیں۔''

یہ کہہ کر انہوں نے اپنی سانس درست کی۔ پھر قدرے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوئے۔

''اور ٹھوکر کھانے کے بعد انعم وہ پہلے والی انعم نہیں رہی ناصر......! یقین کرو بیٹا......!''

ناصر حسین نے فیاض احمد کی طرف بڑے غور سے دیکھا تھا۔ فیاض احمد کے ساتھ تلخ مگر حقیقت پر مبنی باتیں کرتے ہوئے اسے صرف اس بات کا دُکھ تھا کہ وہ ایسے شخص کو مزید دُکھ پہنچا رہا ہے جس کا اس پورے جرم کے کھیل میں کوئی کردار نہیں۔

''ٹھیک ہے انکل......! میں اسے طلاق کے پیپرز دے دیتا ہوں۔ آپ اس کی کہیں اور شادی کر دیجئے۔ میرے خیال میں یہی مناسب ہے۔''

فیاض احمد نے تڑپ کر ناصر حسین کا بازو اپنی مٹھی میں دبوچ لیا۔

''رات کے اندھیرے میں دہلیز پار کرنے والی لڑکی کسی معزز آدمی کی بیوی بن سکتی ہے بیٹا......! انعم کی دوسری شادی کوئی آسان کام تو نہیں۔ ہمارا بڑھاپا اور تمہاری بیٹی تمہارے رحم کے منتظر ہیں۔ تم بہت نرم دل ہو بیٹا......! تمہاری نرم دلی سے ہم کوئی ناجائز فائدہ اُٹھانا نہیں چاہتے۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تماشہ نہ بنے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آنے والی نسلیں ہماری مغفرت کے لئے ہاتھ اُٹھانا بھی گوارہ نہ کریں اور ہم ان کے لئے ننگے نام بن جائیں۔''

فیاض احمد کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔ ایک کسک، ایک تڑپ سی تھی۔ ناصر کے دل پر ایک چوٹ سی پڑی۔ اس نے اپنے بازو پھیلا کر فیاض احمد کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔ وہ فیاض احمد کے سامنے اس سے زیادہ صاف گوئی سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی رحم دلی سچا ہونے کے باوجود اسے حساس دلی میں مبتلا کر رہی تھی۔ فیاض احمد اور ناصر ایک دوسرے میں اتنے محو ہو چکے تھے کہ انہیں پتا بھی نہ چلا کہ دُور کھڑی اُجالا کتنے غور سے ان دونوں کی بات چیت سن رہی تھی اور اس کے دل پر آرے چل رہے تھے۔ زمین اس کے پاؤں کے نیچے یوں ہل رہی تھی جیسے پانی پر تختہ۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے اس خوب صورت گھر کی دیواریں اس کے اوپر آ رہی ہوں۔ اسے فیاض احمد کی سچائی، بے بسی اور محرومی سے بے تحاشہ خوف آ رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ اسے آنے والے مہمان کے سچے دُکھ کہیں اس کے دُکھوں کی بنیاد نہ بن جائے۔

''بیٹا......! میں یہ نہیں کہتا کہ تم ابھی کوئی فیصلہ کرو اور مجھے سنا دو۔ تم مجھ سے وقت لے لو، مگر غور ضرور کرو۔''

اُجالا نے دیکھا کہ ناصر حسین نے فیاض احمد کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ سر جھکائے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ اُجالا جہاں تک آئی تھی، بڑی مشکل سے خود کو سنبھالتی ہوئی وہیں سے پلٹ گئی۔ اپنے آپ کو سمجھاتے سمجھاتے کاموں میں خود کو اُلجھا کر کچھ وقت تو گزر گیا تھا۔ مگر رات ہوتے ہی ناصر سو گیا تو اُجالا کو خوف ستانے لگے کہ کہیں اس کی جاگی ہوئی قسمت پھر سے نہ سو جائے۔ وہ ایک ٹک ناصر حسین کو دیکھ رہی تھی۔ اسے ناصر کا اعتبار تو بہت تھا مگر دُنیا کے سارے لوگ تو ناصر جیسے نہیں تھے، اس کے لئے ناصر تو نہیں تھے۔ انجانے وہم اور اندیشے اس کا سکون لوٹ چکے تھے، آنکھوں میں دُور دُور تک نیند کا نام و نشان نہ تھا۔

''فیاض انکل رحم کی بھیک مانگ رہے ہیں کہ ناصر حسین جیسا آدمی جو اتنا رحم دل شخص ہو، جو کسی کی آنکھ میں آنسو نہ دیکھ سکتا ہو، میری بات کو ٹھکرا دے گا، لیکن میرے علاوہ ناصر کی ایک بیٹی بھی تو ہے جس کی ماں انعم ہے۔ اولاد بڑی پیاری ہوتی ہے اور پیار کے اس مضبوط رشتے میں کچھ لوگ خود بخود بندھ جاتے ہیں۔ چاہتے ہوئے بھی ان سے رُخ نہیں موڑے جاتے۔ اگر انعم اس گھر میں آ گئی تو......؟''

یہ سوالیہ نشان اُجالا کے سامنے پھانسی کے پھندے کی طرح جھول رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہاج کمرے کی تیز روشنیاں بجھائے خالی آنکھوں سے دیوار کی سمت یوں گھورے جا رہا تھا جیسے اسکرین پر کوئی فلم چل رہی ہو اور اس کی نظریں ایسی ہی جمی ہوں۔ اسی وقت فوزیہ دروازے پر دستک دے کر اندر چلی آئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ جہاں تک وہاج کو یاد پڑتا تھا، اس نے فوزیہ کی خشک آنکھیں کئی دن سے نہیں دیکھی تھیں۔ وہ جب بھی اس کی طرف دیکھتا تھا، اس کی آنکھیں برسنے کے لئے بے تاب دکھائی دیتی تھیں۔

''آؤ آؤ فوزیہ......! وہاں کیوں کھڑی ہوگئی ہو......؟''

''بھائی......! میں صرف یہ پوچھنے آئی ہوں کہ کیا عارف سے آپ کی بات ہوئی......؟''

وہاج پہلے تو چونکا پھر بڑی مہارت سے خود کو سنبھال کر زبردستی مسکرایا۔

''ہاں ہاں......! بات ہوئی ہے۔''

فوزیہ بے یقینی کی کیفیت میں وہاج کی طرف دیکھنے لگی۔

''تو آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا......؟ کتنی دیر سے آپ گھر میں ہیں۔ مجھ سے ایک پل کاٹے نہیں کٹ رہا۔ کیا کہا عارف نے......؟''

فوزیہ کی آواز آنسوؤں کے اثر میں گھر چکی تھی۔

''وہ میں نے اُسے تمہارا بتایا تھا کہ تمہاری طبیعت خراب ہے، تم بیمار ہو، تو وہ یہ سن کر تھوڑا سا فکر مند ہوگیا۔ اگرچہ ابھی اس کو غصہ ہے۔ لیکن اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی جیسے وہ پہلے کر رہا تھا۔''

''بھائی......! آپ سچ کہہ رہے ہیں......؟''

فوزیہ کی آنکھوں میں خوشی کے ساتھ ساتھ بے یقینی کی کیفیت بھی تھی۔

''جھوٹ بولنے کا کیا فائدہ......؟ مجھے لگ رہا تھا کہ اسے اپنے فیصلے پر پچھتاوا ہے۔ انشاء اللہ کچھ دنوں میں حالات اپنے معمول پر آجائیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔ اب کوئی کھیل بگڑ جائے تو سنبھالنے میں تھوڑا وقت تو لگتا ہے ناں......!''

فوزیہ نے بڑی تیزی سے وہاج کی بات کاٹی۔

''آپ سب باتیں چھوڑیں، مجھے یہ بتائیں انہوں نے اور کیا کہا ہے......؟''

''کچھ نہیں......! بس مجھے برا بھلا کہہ رہا تھا۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنی اَنا کی وجہ سے اپنی بات پر قائم ہے۔ مجھے اس کے اندر کافی تبدیلی محسوس ہوئی ہے۔ ایک آدھ دفعہ اس سے باتیں کروں گا تو پھر معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔''

فوزیہ نے بڑی بے بسی سے وہاج کی طرف دیکھا۔ مایوسی کی کیفیت پھر اُسے ڈھانپ چکی تھی۔

''پتا نہیں کب ہوگا ٹھیک سب کچھ......؟ تب تک تو میں مر چکی ہوں گی۔''

''مایوسی گناہ ہے فوزیہ......! تم اگر مجھے اسی طرح دُکھ دو گی تو میں بھی بیمار ہو جاؤں گا۔ میں بھی تو ہمت سے کام لے رہا ہوں۔''

فوزیہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''مجھے پتا ہے، کچھ دنوں بعد آپ بھی مجھ سے بیزار ہو جائیں گے۔''

وہ روتے روتے کہنے لگی۔

''تم میری سگی بہن ہو فوزیہ......! تمہارے دُکھ سکھ سب میرے اپنے ہیں۔ خوشیوں کے انتظار میں ٹائم لگتا ہے تو دُکھ کے لمحات میں ٹائم درکار ہوتا ہے۔ ایک چھو منتر میں سارے دُکھ ہوا نہیں ہو جاتے۔''

فوزیہ نے وہاج کی طرف دیکھا۔ پھر جس جگہ آکر کھڑی ہوئی تھی، چپ چاپ وہیں سے پلٹ گئی۔ وہ جارہی تھی، وہاج نے اسے روکا بھی نہیں۔ شاید وہ چاہتا تھا کہ وہ اس کے سامنے سے چلی جائے کیونکہ جھوٹ بولنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ بہلانے کے لئے یہ دو چار باتیں کافی تھیں۔

☆......☆......☆

فیاض احمد نے گھر میں چھائی گہری خاموشی سے اندازہ لگا لیا کہ بیہ، ناصر اور اُجالا گہری نیند سو چکے ہیں۔ تب انہوں نے سلمٰی سے بات کرنے کے لئے اپنا موبائل اُٹھایا اور باہر لان میں چلے آئے۔ انہیں پتا تھا کہ سلمٰی بیگم بڑی بے تابی سے ان کے فون کا انتظار کر رہی ہوں گی اور یہی ہوا، اور جیسے ہی انہوں نے نمبر ڈائل کیا۔ سلمٰی بیگم نے پہلی رِنگ پر ہی کال ریسیو کی۔ ان کے انداز میں بڑی بے قراری اور بڑی بے تابی تھی۔

''السلام علیکم......! فیاض......! بڑی دیر سے میں آپ کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔ کیا کر رہے تھے آپ......؟ آپ کو اندازہ ہے کہ ایک ایک پل مجھ پر کیسا بھاری ہے......؟''

''موقع محل دیکھ کر ہی تم سے بات کر سکتا ہوں سلمٰی......! اب سب کے سامنے تو یہ سب کچھ نہیں کہا جا سکتا ناں۔ اُجالا اور بیہ زیادہ تر سب کے سامنے ہی ہوتی ہیں۔''

سلمٰی بیگم کے دل پر ایک برچھی سی پڑی۔

''اُجالا......؟''

ان کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

''اُجالا، ناصر کی بیوی، بہت اچھی لڑکی ہے۔ اتنی اچھی لڑکی ہے کہ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اللہ نے ناصر کو اس کے صبر کا پھل عطا کیا ہو۔''

''کیا کہہ رہے ہیں فیاض آپ......؟ وہاں بیٹھ کر اُس لڑکی کے گُن گا رہے ہیں جو آپ کی بیٹی کی جگہ پر بیٹھی ہے......؟''

سلمٰی بیگم جیسے تڑپ کر بولی تھیں۔

''حقیقت کو ماننے میں ہی بہت سارے مسئلے سمٹ جاتے ہیں۔ حقیقت بہت بے رحم ہوتی ہے، لیکن مانے بغیر چارہ نہیں ہے۔''

''آپ تو اپنی بیٹی کے لئے اس گھر میں جگہ بنانے گئے تھے۔اب اتنی رات کو اس لڑکی کے گُن گا رہے ہیں......؟''

سلمٰی بیگم کے انداز میں بڑی بے بسی بھی تھی اور تھوڑی سی تلخی بھی۔

''گُن نہیں گا رہا سلمٰی......! جو حقیقت ہے، وہ بتا رہا ہوں۔''

''مجھے کچھ نہیں پتا فیاض......! آپ کو کچھ کرنا ہوگا۔''

''میں نے ناصر سے بات کی تھی۔''

اتنا کہہ کر فیاض احمد رُک گئے اور سلمٰی بیگم کے دل پر جیسے پنکھے لگ گئے۔

''ہاں ہاں......! بولیں، آپ نے بات کی تو ناصر نے کیا کہا......؟''

''تم خود ہی سوچو، ناصر کیا کہہ سکتا ہے......؟ کیا یہ سب کچھ اتنا آسان ہے......؟''

''لیکن فیاض......! ناصر بہت اچھا ہے۔آپ اسے بتائیں ناں کہ انعم بہت بدل چکی ہے اور اپنے کئے پر پچھتا رہی ہے۔ٹھوکریں کھا کر اُس کی آنکھیں کھل چکی ہیں۔''

''میں انعم کے بارے میں ناصر کو سب کچھ بتا چکا ہوں سلمٰی......! اب ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی بات نہ کرو۔یہ پیچیدہ گتھی ہے۔اسے سلجھانے میں ٹائم تو لگے گا ناں......!''

''اچھا، تو ناصر کچھ بھی نہیں بولا......؟ چلیں ٹھیک ہے، کم سے کم آپ نے اپنے وہاں جانے کی وجہ تو بتا دی۔''

''وہ سوچے گا، غور کرے گا، اللہ کرے اسے ہماری بے بسی پر رحم آجائے اور اللہ بھی ہمارے اوپر رحم کر دے، ہماری خطاؤں کو معاف کر دے۔آمین......!''

فیاض احمد نے بڑی دل سوزی سے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے فیاض......! میں انتظار کر رہی ہوں۔لیکن بھولیے گا نہیں، آپ جس مقصد سے گئے ہیں، اس مقصد میں کامیابی حاصل کر کے ہی لوٹنا ہے۔''

''دُعا کرو سلمٰی......! کوئی راستہ نکل آئے۔خدا حافظ......!''

فیاض احمد نے کھوئی کھوئی کیفیت میں کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔نیند ویران ہوئے تو زمانے ہو رہے تھے۔نہ بستر اپنی طرف کھینچتا تھا نہ آنکھوں میں نیند بھرنے کی تمنا تھی۔

☆......☆......☆

وہ انعم جس کو گھر کی چار دیواری میں بوریت محسوس ہوتی تھی، آج ایک کمرے تک محدود ہو چکی تھی۔سلمٰی بیگم نے بہت سوچنے کے بعد اسے کمرے سے باہر لانے کا حل نکالا۔انہوں نے سوچا۔

''بغیر کسی وجہ کے بہنوں کے درمیان دُوریاں آچکی ہیں۔انہیں مٹانا چاہئے۔بہن کو بہن سے ڈھارس ہوتی

ہے۔''

مریم کی طرف سے تو انہیں اطمینان تھا کہ وہ انعم کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کرے گی۔لیکن اصل مرحلہ تو انعم کو مریم کے گھر لے جانے کے لئے تیار کرنے کا تھا۔انہوں نے اپنے میڈیکل چیک اَپ کا بہانہ بنایا اور انعم سے بولیں۔

''بیٹا......! ڈرائیور کے ساتھ تو میں اکثر جاتی رہتی ہوں۔آج گاڑی تم ڈرائیو کرو۔میں تمہارے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔''

انعم بستر پر لیٹی ہوئی چھت کی طرف گھور رہی تھی۔اس نے آنکھوں کو جنبش دی اور بغیر گردن ہلائے ماں کی طرف دیکھا۔

''امی......! میرا بالکل موڈ نہیں ہے۔''

''چلو ناں بیٹا......! یوں پڑے پڑے تو پتھر بھی اُکتا جاتا ہے۔جو ہونا تھا، وہ ہو چکا اور جو ہونے والا ہے، ہم نہیں جانتے۔بیٹا......! اس طرح تو زندگی نہیں گزرتی۔چلو شاباش اُٹھو......!''

انعم جو اس وقت محبتوں کی کمی کو شدت سے محسوس کر رہی تھی، ماں کا غم اس کے دل میں تھا جو اس کی ساری غلطیوں کو بھلا کر پھر اسی کی دلجوئی میں لگی تھی، اب اس سے انکار نہ ہو سکا۔

''چلیں امی......! میں چلتی ہوں آپ کے ساتھ۔''

یہ کہہ کر سرہانے پڑا ہوا دوپٹہ اُٹھایا اور باہر جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے۔

''اسی لباس میں بیٹا......؟''

سلمیٰ بیگم نے پھر کہا۔

''امی......! ٹھیک ہے، میرا موڈ نہیں ہے۔کیا خرابی ہے ان کپڑوں میں......؟ ہاسپٹل ہی تو جا رہے ہیں۔''

سلمیٰ بیگم نے زیادہ زور اس لئے نہیں دیا کہ کہیں میرے منہ سے یہ نہ نکل جائے کہ میں اسے مریم کے گھر لے کر جا رہی ہوں اور یہ سن کر انعم دوبارہ بستر پر نہ بیٹھ جائے۔

''ٹھیک ہے بیٹا......! چلو، میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی۔''

انہوں نے گہری سانس لے کر انعم کی طرف دیکھا اور انعم کے کمرے سے باہر نکل گئی۔انعم ان کے پیچھے کمرے سے باہر آ گئی۔

☆......☆......☆

مریم، مسز سارہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔اس کی گود میں فضیل تھا۔وہ اسے فیڈر سے دودھ پلا رہی تھی اور مسز سارہ بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔یوں لگتا تھا کہ اس کے گھر میں کبھی کچھ ہوا ہی نہیں۔ساس بہو کی محبت اور اپنائیت کا تاثر ایسا منظر پیش کر رہا تھا جیسے یہ گھر تو جنت ہے۔لیکن یہ نظر کا دھوکہ تھا۔مریم جس طرح اپنے

آپ کو کھینچ کر گھسیٹ کر یہ دن گزار رہی تھی، یہ وہی جانتی تھی یا اس کا اللہ۔ لیکن وہ مسز سارہ کے ساتھ پہلے ہی کی طرح بات چیت کرتی تھی کیونکہ یہ اس کا مزاج نہیں تھا۔ یہ اپنی آگ میں دوسروں کو بغیر کسی وجہ کے لپٹنے کی کوشش کر رہی ہے۔

''آج ایک بڑی زبردست پارٹی ہے، میں سوچ رہی ہوں کہ تمہیں ساتھ لے جاؤں۔''

مسز سارہ نے بڑی پیار بھری نظروں سے مریم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مریم کو یوں لگا جیسے وہ کوئی بچی ہے اور مسز سارہ اسے کوئی لولی پاپ دے کر بہلا رہی ہیں۔ اس نے بہت احتیاط سے اور بڑی تابعداری سے انکار کر دیا۔

''نہیں امی......! آپ چلی جائیں۔ آج مجھے ضروری کام کرنا ہے۔ اب دیکھیں ناں، اس کے بھی بہت کام ہوتے ہیں اور میری چھٹیوں کی وجہ سے بڑا مسئلہ ہو رہا ہے۔ پینڈنگ کام نمٹانے ہیں۔''

وہ اتنا ہی بول پائی تھی کہ نوکر نے آ کر اطلاع دی کہ سلمٰی بیگم آئی ہیں۔ مریم بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک تھی۔

''امی آئی ہیں، اتنی صبح......؟ امی اتنا سویرے سویرے کیسے آ گئیں......؟''

وہ ماں کی آمد کا سن کر جیسے سب کچھ بھلا بیٹھی، لیکن اس وقت اس کی حیرت کی انتہاء نہ رہی جب اس نے سلمٰی بیگم کے ساتھ انعم کو اندر آتے دیکھا۔ وہ ایک دم سنبھل گئی۔ اس نے ماں کو سلام کیا اور انعم کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ اسے حیرت بھی تھی اور اس کے ذہن بہت سے سوال بھی مچلنے لگے تھے، لیکن موقع محل نہیں تھا۔

''آؤ آؤ انعم......! مجھے تو حیرت ہے کہ تم آج کیسے گھر سے نکل پڑیں......؟''

''کیوں......؟ کیا اس کے گھر سے نکلنے پر پابندی ہے......؟''

مسز سارہ نے ہنستے ہوئے سلمٰی بیگم کی طرف دیکھا۔ سلمٰی بیگم سیدھے سے جملے سے بھی گھبرا کر پریشان ہو کر ایک دم بدحواس ہو کر مسکرائیں اور انعم کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''نہیں نہیں......! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ اصل میں اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔ مجھے بھی اپنا چیک اَپ کروانا تھا۔ اب ہاسپٹل جاتے ہیں تو آپ کا گھر راستے میں پڑتا ہے۔ میں انعم کو لے کر ادھر آ گئی کہ مریم اور آپ کی خیریت ہی پوچھتے چلیں۔''

''بہت شکریہ......!''

مسز سارہ کو جیسے سلمٰی بیگم کا اخلاق اور محبت دیکھ کر ہمیشہ تکلیف ہونے لگی۔ انہوں نے بڑی تعریفی نظروں سے مریم کی طرف دیکھا تھا۔ انہوں نے لاشعوری طور پر اسے سراہا تھا کہ وہ اتنا سنبھل کر چل رہی ہے کہ کم از کم اس نے ساس کی عزت تو رکھی ہوئی ہے۔ انعم، سلمٰی بیگم کے ساتھ مریم اور مسز سارہ کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔ انعم کی گہری خاموشی کو مسز سارہ نوٹ کر رہی تھیں۔ انعم پر نگاہ پڑتے ہی عدیل کے منہ سے نکلا ہوا ایک جملہ گونجنے لگا تھا۔

''ممی......! یہ گھر بسانا ہی نہیں چاہتی۔ اس کی بہن بھی اپنے شوہر سے علیحدگی لے چکی ہے۔''

مسز سارہ نے سلمٰی بیگم کی طرف دیکھا۔ ایک سوال ذہن سے پھسل کر زبان پر آیا ہی تھا کہ انہوں نے خود کو

روک دیا۔ جب بھی سب کچھ چھپا ہوا ہے۔ سلمٰی بیگم نے اپنی زبان سے کچھ نہیں بتایا کہ اُن سے پوچھو کہ کیا اُن کی بیٹی کو طلاق ہو چکی ہے......؟ ویسے بھی مناسب نہیں لگتا۔ انہوں سے جلدی سے بات بدل ڈالی اور حالات حاضرہ پر بات کرنے لگیں۔ انہوں نے موضوع چینج کیا۔ مریم اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ممی......! میں فیصل کو کاٹ میں لٹا کر چائے لے کر آتی ہوں۔''

پھر اپنی بات کہہ کر خود ہی ہنس پڑی اور ماں کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

''امی......! میں نے خود ہی کہہ دیا کہ چائے لے آتی ہوں۔ آپ سے اور انعم سے تو پوچھا ہی نہیں کہ آپ دونوں چائے پئیں گے یا ٹھنڈا......؟''

انعم جیسے جبراً مسکرائی۔

''ٹھیک ہے مریم......! چائے ہی ٹھیک ہے۔''

سلمٰی بیگم بولیں۔

''ارے بیٹا......! کیوں تکلف کر رہی ہو......؟ آرام سے ماں کے پاس بیٹھو۔ یہ چائے پانی تو گھر میں چلتا ہی رہتا ہے۔''

''ارے نہیں سلمٰی......! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں......؟ اتنے دنوں بعد تو آپ آئی ہیں، اب چائے یا ٹھنڈا، کچھ تو ہونا چاہئے۔ جاؤ مریم بیٹا......! فیصل کو لٹا کر چائے لے آؤ۔''

مسز سارہ نے مریم کی طرف دیکھ کر کہا۔ مریم وہاں سے چلی گئی۔ مسز سارہ کے ذہن نے انعم کے بارے میں بے شمار سوال تھے۔ وہ بظاہر سلمٰی بیگم سے بات کر رہی تھیں لیکن ان کے کانوں میں ایک بار پھر عدیل کی آواز گونج رہی تھی۔

''ممی......! یہ گھر بسانا ہی نہیں چاہتی۔ اس کی بہن بھی طلاق لے چکی ہے۔''

مسز سارہ نے جیسے سر جھٹک کر خیالات سے پیچھا چھڑایا اور انعم کی طرف دیکھ بولی۔

''بہت چپ چپ ہو انعم......! سب خیریت ہے ناں بیٹا......؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......؟''

''ہاں......! اُس کی طبیعت اچانک بگڑ جاتی ہے۔ کچھ بی پی کا مسئلہ ہے۔''

''اچھا اچھا......! چلو، یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔''

انعم نے گہری سانس لی اور ماں کی طرف دیکھا۔

''بس آنٹی......! کبھی لو ہو جاتا ہے تو کبھی ہائی۔ پتا ہی نہیں چلتا۔''

''ارے بھئی......! تمہاری عمر ہی کیا ہے......؟ اپنے آپ کو سنبھالو، ایک چھوٹی سی بچی کا ساتھ ہے۔ ظاہر ہے، ماں صحت مند، گھرانہ صحت مند۔''

مسز سارہ نے مزاحیہ انداز میں بات کی اور ہنس پڑیں۔ سلمٰی بیگم بھی ان کا ساتھ دینے لگیں۔ پھر سلمٰی بیگم بولیں۔

''ہاں......! آج کل یہ میرے پاس آئی ہوئی ہے۔ بس وہ دونوں میاں بیوی میں ٹینشن ہو جاتی ہے تو میں اسے بلا لیتی ہوں دو چار دن ریسٹ کرنے کے لئے۔''

سلمٰی بیگم سے جھوٹ بولنا مشکل ہو رہا تھا، وہ بات کرتے ہوئے مسلسل نظریں بھی چرا رہی تھیں۔ انعم نے بڑی معنی خیز نظروں سے اور گہری سانس لینے کے بعد ماں کی طرف بہت غور سے دیکھا۔ مسز سارہ بہت کچھ نوٹ کر رہی تھیں اور محسوس بھی کر رہی تھیں۔ فوراً بولیں۔

''ہاں......! انڈر اسٹینڈنگ کا ایشو تو ہر رشتے میں ہو سکتا ہے۔ میں تو مریم کو بھی سمجھاتی ہوں کہ بیٹا......! میاں بیوی کے درمیان کچھ چھوٹی موٹی بات چیت تو چلتی رہتی ہے۔ اس کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔''

''جی بالکل بالکل......!''

سلمٰی بیگم نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور گھبرا کر انعم کی طرف دیکھا۔ انعم اُلجھی اُلجھی نظروں سے مسز سارہ کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی ذہن میں سوال اُٹھ رہے تھے کہ مریم کو کیوں سمجھاتی ہیں......؟ مریم کو کیا مسئلہ ہے......؟ وہ تو ٹھیک ٹھاک ہے، خوش ہے۔ پھر خود ہی دھیرے سے ہنس کر بولی۔

''آنٹی......! کیا مریم کے ساتھ بھی کوئی مسئلہ ہے......؟''

''ارے نہیں نہیں......! ویسے ہی مثال کے طور پر ایک بات کی تھی۔ چھوڑو خیر......! ان باتوں میں کیا رکھا ہے......؟ آپ اپنی سنائیے مسز سارہ......! آپ کا لندن جانے کا تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔ اب آپ میری بیٹی کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔''

سلمٰی بیگم نے کمال مہارت اور ذہانت سے ایک دم پینترا بدل کر دوسری بات شروع کر دی۔ مسز سارہ بات بدلنے والی اس ادا سے بہت کچھ سمجھ گئی تھیں اور انہوں نے بڑے وقار سے مسکرا کر سلمٰی بیگم کی طرف دیکھا جیسے انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ کسی کے پردے زبردستی نہیں اُتارنے چاہئے، ہنس کر بولیں۔

''اب وہ آپ کی بیٹی نہیں، میری بیٹی ہے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے لاشعوری طور پر ایک نگاہ انعم کی طرف ڈالی۔ انعم، مسز سارہ کے لہجے کی محبت اور چاشنی کو محسوس کئے بنا نہ رہ سکی۔ کچھ شکوک تو فوراً ہی رفع ہو گئے۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ مسز سارہ کتنی محبت کرنی والی ساس ہے، مریم بھی خوش نصیب ہے۔ پھر اِدھر اُدھر کی باتوں میں چند منٹ گزرے اور مریم چائے لوازمات کے ساتھ لے کر اندر آ گئی۔ مسز سارہ نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور اپنی جگہ سے کھڑی ہوتے ہوئے بولیں۔

''مریم......! سلمٰی اور انعم کو چائے پلاؤ۔ میں ذرا اِک ضروری فون کر کے آتی ہوں۔''

انہوں نے جان بوجھ کر مریم اور سلمٰی بیگم کو تنہائی میں بات کرنے کا موقع دیا۔ یہ سوچ کر کہ جانے ماں اپنی بیٹی سے دل کی کوئی بات کہنا چاہتی ہو اور ان کی موجودگی میں کہہ نہ پا رہی ہو۔

''ارے نہیں نہیں......! آپ بھی تو ہمارے ساتھ چائے پیجئے۔''

سلمٰی بیگم بولیں۔

''نہیں......! وہ آپ کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے ہی میں نے بہت زور دار، زبردست، گرما گرم کافی کا بڑا سامگ خالی کیا ہے۔''

''چلیں ٹھیک ہے، آپ فون کر کے آجائیں پھر آپ سے باتیں ہوتی ہیں۔ ابھی ہم تھوڑی دیر بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''آپ زیادہ دیر بیٹھئے بلکہ میں کہتی ہوں کہ آج آپ لنچ بھی ہمارے ساتھ ہی کریں۔''

مسز سارہ ہنستے ہوئے بولیں۔

''ارے......! لنچ میں تو بہت ٹائم ہے، پھر انشاء اللہ کسی دن سہی۔''

''میں آتی ہوں۔''

مسز سارہ یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔ مسز سارہ کے جاتے ہی مریم نے انعم کی طرف دیکھا اور پھر دائیں بائیں دیکھتے ہوئے آہستہ آواز سے میں بولی۔

''امی......! بابا کو گئے ہوئے بہت دن ہوگئے، کوئی بات ہوئی......؟''

انعم نے بڑی سپاٹ نظروں سے مریم کی طرف دیکھا۔

''چھوڑو مریم......! دل جلانے کے لئے اور لوگ کم تھے، میں تمہارے گھر تم سے ملنے آئی ہوں۔ اس لئے نہیں کہ تم میرے زخموں پر نمک چھڑکو۔''

''ارے ارے......! خبردار جو ایسی باتیں شروع کیں۔ میں تو تمہیں اس لئے مریم کے پاس لے کر آئی ہوں کہ تم دونوں بہنیں ایک دوسرے سے اچھی اچھی باتیں کرو۔ دو ہی تو تم بہنیں ہو۔ لڑائی اچھی بات نہیں ہوتی بیٹا......! ایک دوسرے کا خیال کرو گی تو ہر مشکل ہلکی لگے گی۔''

''میں کوئی لڑائی وڑائی نہیں کر رہی می......! بس مجھ سے اس طرح کا ٹاپک نہ چھیڑیں۔''

''چلو ٹھیک ہے......! اگر تمہیں اس ٹاپک پر تکلیف ہوتی ہے تو چھوڑ دیتے ہیں۔ تم چائے پیئو، بلکہ میں کوشش کروں گی کہ آئندہ کوئی ایسی بات نہ کروں جس سے تم مینٹلی ٹارچر ہو۔''

یہ کہہ کر مریم چائے بنانے لگی۔ انعم نے مریم کی طرف دیکھا۔

''Thank you''

سلمیٰ بیگم اب خاموش سی ہو کر رہ گئیں۔ مختلف قسم کی سوچوں نے اسے اس ماحول سے دُور لے جا کر کھڑا کر دیا۔ مریم نے انہیں چائے کا کپ تھمایا۔ انہوں نے بڑی غائب دماغی کی کیفیت میں اُس سے چائے کا کپ لیا۔

☆......☆......☆

ناصر حسین آفس سے آکر سیدھے فیاض احمد کے پاس چلے جایا کرتے۔ آج وہ دن بھر آفس میں بہت اُلجھا رہا۔ کوئی کام بھی ٹھیک سے نہیں کر پایا۔ اس نے شل ہوتے ہوئے دماغ کے ساتھ آخرکار یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ فیاض

احمد کو ہوا میں معلق نہیں رکھے گا، دوٹوک اور فیصلہ کن بات کر کے اس معاملہ کو ایک طرف کر دے گا، تا کہ فیاض احمد اس سے مایوس ہو جائیں اور اس کے ہنستے بستے گھر میں کسی طوفان کے اُٹھنے کی باتیں نہ کریں۔ اپنی بیٹی کے پردے رکھنے کے لئے اُسے اور اُجالا کو استعمال نہ کریں۔ اُجالا اُس کے پیچھے آ رہی تھی۔ ناصر نے اُجالا کو اپنے پیچھے آتا دیکھا تو روک دیا اور بولا۔

''اُجالا......! میرے اور فیاض انکل کے لئے اچھی سی چائے بنا کر لے آؤ۔ مجھے فیاض انکل سے کچھ بات کرنی ہے۔ پھر میں آتا ہوں۔''

اُجالا اپنی جگہ پر رُک گئی اور بڑے جبر سے مسکرائی۔

''ٹھیک ہے ناصر......! میں چائے لے کر آتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ پلٹ گئی۔ ناصر حسین، فیاض احمد کے پاس چلا آیا۔ رسمی سلام دُعا کے بعد وہ دل مضبوط کر کے فیاض احمد کی طرف دیکھنے لگا۔ فیاض احمد اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آنکھوں میں معصوم سی تشویش تھی۔ ناصر حسین نے فوراً نظریں چرا لیں۔

''وہ انکل......! آپ نے ایک بات کی تھی، میں مسلسل اس پر غور کرتا رہا۔''

''ہاں بیٹا......! میں نے اس لئے بات کی تھی کہ تم غور کرو۔''

فیاض احمد کا صبر لبریز ہونے لگا۔ وہ بڑی اُمید بھری نظروں سے ناصر کی طرف دیکھنے لگے۔

''میں غور کر چکا ہوں انکل......! میں اصل میں اسے آپ کی سادگی ہی کہہ سکتا ہوں، اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہوں......؟ آپ دیکھ رہے ہیں ناں کہ اس گھر میں کتنی روشنی ہے اور یہ بھی کتنی خوش ہے۔''

''ماشاءاللہ، ماشاءاللہ......!''

فیاض احمد نے برجستہ کہا۔

''اللہ تمہیں یہ خوشیاں مبارک کرے اور ان خوشیوں کو ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین......!''

''آپ نے دُعا دے دی ناں انکل......! اس دُعا کی قبولیت کا انحصار اس بات پر ہے کہ اب میرے، اُجالا اور یہ کے درمیان کوئی نہ آئے، تبھی ہماری خوشیاں محفوظ اور Scure ہیں۔''

فیاض احمد کے دل میں جیسے کوئی شیشہ ٹوٹا تھا۔ چھن چھن کی آوازوں کے ساتھ اُن کے اعصاب شل ہو گئے۔ ناصر کی اس مختصر سی بات میں ان کے سارے صبر کا حاصل تھا۔ بے اختیار ان کی آنکھیں چھلک پڑیں کیونکہ اب اُمید ٹوٹ گئی تھی اور اس طرح سے ٹوٹ گئی تھی کہ گرہ نہیں لگائی جا سکتی تھی۔ بہر حال انہوں نے کچھ تو کہنا تھا۔ وہ کچھ پل خود پر قابو پاتے ہوئے بمشکل گویا ہوئے۔

''ہاں بیٹا......! اُجالا بہت اچھی لڑکی ہے۔ ماشاءاللہ بہت نیک بچی ہے۔''

''اس لئے تو کہہ رہا ہوں انکل......! کوئی بہت اچھا ہو تو اُسے اتنا نہیں آزمانا چاہئے۔ مجھے تو سوچ کر بھی شرم آتی ہے کہ میں اس بے قصور لڑکی پر اپنے بوجھ ڈالوں۔''

''بیٹا......! ہم نے تمہیں یہ نہیں کہا کہ تم انعم کے بوجھ اُٹھالو۔ اللہ کا شکر ہے، اس کے پاس اتنا کچھ ہے کہ وہ تم سے کبھی روٹی کپڑے کا مطالبہ نہیں کرے گی۔''

فیاض احمد جلدی سے بولے۔

''انکل......! کیسی باتیں کر رہے ہیں......؟ گھر میں دو تین نوکر ہوتے ہیں، وہ بھی روٹی کھا لیتے ہیں تو بھی میں گھبراتا نہیں۔ میں روٹی کپڑے کی بات نہیں کر رہا۔ ذرا آپ اس گھر کا تصور کیجئے جہاں دو میاں بیوی ایک دوسرے سے بہت خوش رہ رہے ہوں اور ان کے بیچ کوئی تیسرا آجائے کہ جس کے ہوتے ہوئے انہیں اپنی خوشی کرکری محسوس ہونے لگے، اپنی خوشی پھیکی پڑتی ہوئی دکھائی دینے لگے۔''

ناصر نے اب بڑی بے بسی سے جیسے اُنہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ مگر ایک لُٹے پٹے باپ کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ اس وقت شدید گرد میں گِھر کر عزتِ نفس نے ان کی سوچ کے سارے دروازے بند کئے ہوئے تھے، اور وہ کسی ضدی بچے کی طرح جیسے ناصر سے بس ہاں سننا چاہتے تھے۔ اُس ضدی بچے کی طرح جو مسلسل ایک فرمائش کئے جارہا ہو اور نہ سننے کے بعد اُس کی ضد بڑھتی جارہی ہو۔

''انکل......! کاش میں آپ کو کوئی خوش خبری دے سکتا۔ آپ اپنی جس خوشی کا مطالبہ کر رہے ہیں، اس خوشی کی قیمت کئی بے گناہ انسانوں کو ادا کرنے پڑے گی اور یہ سراسر ناانصافی ہے۔ میرے خیال میں یہ باب اب کلوز ہو چکا ہے۔ مجھے بہت دُکھ ہے کہ میں آپ کو مایوس کر رہا ہوں۔''

اُسی وقت اُجالا چائے لے کر کمرے میں داخل ہوگئی۔ اس نے کھوجتی ہوئی نظروں سے دونوں کے چہروں پر کچھ لکھا ہوا پڑھنے کی کوشش کی۔ یہ تو اُسے سمجھ میں آگیا کہ دونوں میں سے خوش کوئی نہیں ہے، لیکن ان دونوں کی آنکھوں سے جھلکنے والا تفکر اور دُکھ اُس کی سمجھ سے باہر تھا۔ فیاض احمد نے بڑی حسرت بھری نظروں سے اُجالا کی طرف دیکھا تھا۔ ناصر سر جھکائے کسی گہری سوچ میں کھو چکا تھا۔ اُجالا قریب بیٹھ کر چائے بنانے لگی۔ لیکن ان دونوں کی کیفیت دیکھ کر کوئی بات کرنے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا۔ جانے اُسے کیوں ڈر لگ رہا تھا......؟ یوں جیسے ان دونوں کی خاموشی کے پیچھے بڑے قیامت خیز طوفان چھپے ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

فوزیہ اور عارف کا اکلوتا بیٹا، چھوٹا سا معصوم بچہ اس وقت بخار میں جھلس رہا تھا۔

شکیلہ خاتون اور ماسی برکتے اُس کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں۔ عارف اُس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ پریشان نظر آرہا تھا۔ بچے کی بس ایک ہی رَٹ تھی۔

''میں دوائی نہیں پیئوں گا، میں دوا نہیں پیئوں گا۔ مما کو بلائیں، مما کو بلائیں۔''

عارف کو غصہ تو بہت آرہا تھا، مگر بچے کی حالت کے پیش نظر وہ بڑے ضبط سے کام لے رہا تھا۔

''بیٹا......! آپ دوا پی لو، اگر آپ دوا نہیں پیئو گے تو میں آپ کو بڑی دادی کے پاس گاؤں چھوڑ آؤں گا۔

پھر اکیلے رہو گے آپ بڑی دادی کے پاس۔ میں بھی نہیں آؤں گا۔“

اس نے بچے کو دھمکی دی۔ بچہ رونے لگا۔

”مجھے ماما کے پاس جانا ہے، مجھے ماما کے پاس جانا ہے۔“

عارف نے بڑی بے بسی سے شکیلہ خاتون کی طرف دیکھا۔

”اماں......! آپ سنبھالیں اس کو، کسی طرح دوا تو پلائیں اس کو۔“

”ارے بیٹا......! کب سے جتن کر رہی ہوں۔ اسی لئے تو تمہیں بلایا تھا کہ بھئی ہمارے قابو میں تو نہیں آ رہا۔ تم ہی دوا پلا دو۔“

علی نے پھر ضد شروع کر دی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ دائیں بائیں سر پٹخ رہا تھا۔ ماتھے پر گیلی پٹی رکھی ہوئی تھی۔ وہ پھسل کر اِک طرف جا پڑی۔

”ماما کو بلائیں، میں ماما کے پاس جاؤں گا، میں ماما کے پاس جاؤں گا۔ میں یہاں نہیں رہوں گا، میں ماما کے پاس جاؤں گا۔“

اب عارف کی قوتِ برداشت جیسے جواب دے گئی۔ دماغ میں ایسی آندھیاں اُٹھیں کہ وہ ہوش وحواس کھو بیٹھا۔ بخار میں تپتے ہوئے بچے کو تھپڑ لگانے کے لئے ہاتھ بلند ہی کیا تھا کہ علینہ نے تیزی سے بڑھ کر اس کا ہوا میں معلق ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

”کیا کر رہے ہیں بھائی......؟ معصوم بچے کا کیا قصور ہے......؟ دیکھ نہیں رہے آپ کیا حالت ہو رہی ہے اس کی......؟ آپ کا اپنا بیٹا ہے۔ اس حال میں بھی آپ اسے ماریں گے......؟“

علینہ غصے اور دُکھ کی ملی جلی کیفیت میں عارف سے کہہ رہی تھی۔ عارف نے ایک جھٹکے سے علینہ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

”بھئی......! میں پاگل ہو گیا ہوں اور دیکھا جائے تو ان ساری مصیبتوں کا سلسلہ تم سے شروع ہوتا ہے۔“

”خبردار......! جو تم نے میری بچی کو لعن طعن کی۔ جن کے قصور ہیں، وہ سزا بھگتے۔ یہ خوب رہی، گدھے پر زور نہ چلا تو کمہار کے کان اینٹھ دیئے۔ آئندہ کوئی ایسی ویسی بات کہنے کی ضرورت نہیں۔ ارے......! تمہارا بچہ دوائی نہیں پی رہا تو اس میں میرا یا میری بیٹی کا کیا قصور......؟“

علی نے پھر شور شرابہ سن کر پہلے سے زیادہ رونا شروع کر دیا۔

”پھپھو......! مجھے ماما کے پاس لے چلیں، پھپھو......! مجھے ماما کے پاس لے چلیں، مجھے ماما کے پاس جانا ہے۔“

علینہ جھک کر علی کی پیشانی چھو کر بخار کا اندازہ کرتے ہوئے بولی۔

”بیٹا......! آپ دوا پی لو۔ تھوڑے سے اچھے ہو جاؤ پھر ماما کے پاس چلیں گے۔“

”نہیں......! مجھے ابھی جانا ہے، مجھے ابھی جانا ہے۔“

شکیلہ خاتون نے اپنے سر پر دونوں ہاتھ رکھ لیے اور خود ہی اپنا سر دبانے لگیں۔

''ارے......! اس بچے نے میرا سر پھوڑا کر دیا ہے۔ یا اللہ......! یہ ہم پر کیسا عذاب ٹوٹا ہے۔ ہم پر رحم کر دے۔''

ماسی برکتے نے جلدی سی ''آمین'' کی آواز لگائی کہ کہیں ایسا نہ ہو آمین کہنے میں ذرا دیر ہو جائے تو دوائی کے پیسے بھی نہ ملیں۔

''اماں......! پلیز آپ جائیں، آرام کریں، میں علی کے پاس ہوں۔ میں اسے بہلا پھسلا کر دوائی دے دوں گی، اور میں اسے اس کی ماما کے پاس بھی لے کر جاؤں گی۔ بلکہ آپ سب لوگ یہاں سے چلے جائیں۔''

اس نے عارف کو سنانے کے لئے یہ آخری جملہ بولا۔ عارف بھی جیسے وہاں سے اُٹھنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کی اپنی ذہنی حالت خراب ہو رہی تھی۔ وہ اس سے پہلے کمرے سے باہر نکل گیا۔

''توبہ توبہ......! ارے......! پتا نہیں کس پر پڑا ہے......؟ اتنی ضد تو میرے پورے خاندان میں کسی کی نہیں تھی۔ تین گھنٹے ہو گئے، اس بچے نے ہمیں دماغ سڑا کر رکھ دیا ہے۔''

شکیلہ خاتون نے جیسے اب اپنی بپتا بیٹی کو سنائی۔

''تو اماں......! آپ مجھے بلا لیتیں۔ میں سمجھی آپ علی کے پاس بیٹھی ہیں، ٹمپریچر دیکھ رہی ہیں۔''

''ارے......! تو، تو خود اپنی بیٹی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا دودھ ودھ پلا کر سُلا رہی ہو گی، اب میں کیوں تجھے پریشان کروں......؟ تو نے کیا ٹھیکہ لیا ہے......؟''

''ہاں اماں......! علی سے میرا خون کا رشتہ ہے اور جو یہ خون کے رشتے ہوتے ہیں ناں، اس کے ٹھیکے لئے جاتے ہیں۔ بس آپ بھی جائیں یہاں سے۔ میں علی کو دوا پلاتی ہوں۔''

پھر وہ علی کو پیار کر کے بولی۔

''علی......! چپ کر کے دوا پی لو، پھر میں آپ کو ماما سے ملوانے لے جاتی ہوں۔''

شکیلہ خاتون نے ہکا بکا ہو کر علینہ کی شکل دیکھی۔

''ارے......! کیا کہہ رہی ہے......؟''

علینہ نے ماں کی طرف دیکھا اور بولی۔

''اماں......! پلیز آپ جائیں۔''

ماسی برکتے نے دانت نکالے اور شکیلہ خاتون کو بولیں۔

''ارے چوہدرانی جی......! علینہ بی بی بچے کو بہلا رہی ہیں، سمجھا کریں ناں......!''

''بہلا نہیں رہی ہوں میں۔ اس بچے کا اور اس کی ماں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں اُسے اس کی ماں سے ملانے لے جا سکتی ہوں، کیونکہ اس کی ماں سے تو میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔''

شکیلہ خاتون پھر کچھ بولنے لگیں۔ لیکن ماسی برکتے نے ان کا بازو زور سے دبا دیا۔

''چوہدرانی جی......! بچہ دوا پی لے، اچھا ہو جائے، باتیں تو بعد میں بھی ہو جائیں گی۔ آجائیں، بچے کو بہت تیز بخار ہے۔ خدانخواستہ بخار سر کو چڑھ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ دیکھیں، علینہ بی بی نے اُسے اتنا تو سمجھا لیا۔ آپ آئیں میرے ساتھ، میں آپ کے سر میں تیل ڈالتی ہوں۔''
شکیلہ خاتون نے ایک نظر علینہ طرف اور دوسری بچے کی طرف دیکھا۔ پھر خود کو کنٹرول کرتی ہوئی ماسی برکتے کے ساتھ باہر چلی گئیں۔

☆......☆......☆

اُجالا لاؤنج میں بیٹھ ہوئی اپنے دوپٹے پر خوب صورت سی لیس لگا رہی تھی۔ سامنے ایسے کہ اسکرین پر کوئی فلم بھی چل رہی ہو۔ وہ اپنے کام میں بالکل کھوئی ہوئی تھی، محو تھی۔ آس پاس کا اسے کچھ پتا نہیں تھا۔ اسے پتا ہی نہ چلا کہ فیاض احمد کب اس کے پاس آکر کھڑے ہوئے۔ جب فیاض احمد نے دیکھا کہ وہ اتنی زیادہ بے خبر ہے کہ اسے احساس ہی نہ ہوا کہ وہ اس کے پاس کھڑے ہیں، تو انہوں نے ہلکے سے کھنکھار کر اسے متوجہ کیا۔ اُجالا نے چونک کر اپنی دائیں جانب دیکھا، پھر سر اُٹھا کر فیاض احمد کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔
''اوہ......! سوری انکل......! آپ کھڑے کیوں ہیں......؟ بیٹھیے پلیز......! مجھے پتا ہی نہیں چلا آپ کب آگئے......؟''
''ہاں بیٹا......! میں وہی دیکھ رہا تھا کہ آپ اپنے کام میں بہت کھوئی ہوئی تھیں۔ ماشاء اللہ سلائی کڑھائی سب آتی ہے۔''
''نہیں انکل......! یہ تو بس ایک لیس ہے اور یہ تو کوئی اناڑی بھی لگا سکتا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ جس کو سلائی کڑھائی نہیں آتی، وہ بھی لگا سکتا ہے۔ ٹانکا ہی تو لگانا ہوتا ہے۔''
فیاض احمد زبردستی مسکراتے ہوئے اس کے سامنے گئے تھے۔ اُجالا کو محسوس ہوا جیسے وہ بڑے اہتمام سے اس کے پاس آئے ہیں اور اس سے کچھ کہنا چاہ رہے ہیں۔ بظاہر ان کے ہونٹ خاموش تھے، مگر ان کی آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ اُجالا کا دل گھبرانے لگا کہ وہ اس سے کیا بات کریں گے......؟ کہیں وہ ایسی بات نہ کر ڈالیں جس کا جواب دینا ہی مشکل ہو۔ ناصر بھی موجود نہیں تھا۔ ناصر کی موجودگی میں فیاض احمد سے باتیں کرتے ہوئے اسے کچھ بھی Feel نہیں ہوتا تھا۔
''بیٹا......! آپ زیادہ مصروف تو نہیں ہو......؟ میرا مطلب ہے، کوئی بات کی جاسکتی ہے......؟''
اُجالا کا دل دھک سے رہ گیا۔
''ارے نہیں انکل......! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں......؟ بات کرنے کے لئے آپ کو اجازت کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی وقت کی کوئی پابندی ہے۔ آپ کا جو دل چاہتا ہے، آپ بات کر سکتے ہیں۔''
''شکریہ بیٹا......! حقیقت یہ ہے کہ آپ اتنی سمجھدار بچی ہو کہ میں اپنے دل کی بات کرنے کا حوصلہ کر رہا

ہوں۔“

فیاض احمد محاذ فتح کرنے گئے تھے۔ جو بات وہ اب کہنا چاہتے تھے، وہ زبان پر آتے ہوئے بار بار رُک رہی تھی۔ اُجالا اُن کی طرف مسلسل سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ کچھ اندیشے سر تو اُٹھا رہے تھے، مگر ابھی اس پر کچھ واضح نہیں ہوا تھا کہ فیاض احمد اس سے کیا بات کرنا چاہ رہے تھے......؟ انہوں نے جو تمہید باندھی تھی، وہ اُسے بہت خوفزدہ کر رہی تھی۔

”وہ بات یہ ہے کہ بیٹا......! کہ نیکی کا اجر انسان کسی انسان کو نہیں دے سکتا۔ نیکی کا اجر تو صرف اللہ سے ہی ملتا ہے۔“

”آپ مجھ سے کیا نیکی کروانا چاہ رہے ہیں......؟“

بولتے ہوئے اُجالا کا دل جیسے کانپ گیا۔

”بیٹا......! ایک ریکویسٹ کر رہا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ تم ضرور اس بات غور کرو گی اور اپنا دل بڑا کرو گی۔“

اُجالا کی زبان پر لفظ نہیں تھے لیکن اس کا دل ”نہیں، نہیں“ کرنے لگا۔ جیسے اسے فیاض احمد کی بات کچھ کچھ سمجھ آنے لگی تھی۔

”بیٹا......! بیہ کی آیا سمجھ کر انعم کو اس گھر میں جگہ دے دو۔“

بالآخر فیاض احمد نے کہہ دیا۔ اُجالا پر جیسے چھت ہی آن گری۔ پتھر کے بُت کی طرح چند لمحے وہ بولنے کے ہی قابل نہ رہی۔ ایک ٹک فیاض احمد کی طرف دیکھتی رہی۔ اتنی بڑی بات کتنی آسانی سے کہہ دی تھی۔ عورت کو تو ہلکا سا شک بھی ہو جائے کہ اس کا شوہر کسی عورت کو نظر بھر کر دیکھتا ہے اور اس کے بارے میں سوچتا ہے تو اس کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ انعم تو پھر ناصر کی پہلی بیوی تھی، بیہ کی ماں تھی۔ فیاض احمد کتنی معصومیت سے کہہ رہی تھے کہ اسے بیہ کی آیا بنا کر اس گھر میں جگہ دے دو۔ ایسا تو کچھ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اُجالا کبھی اس گھر کی مالکن رہی چکی تھی۔ وہ آیا بن کر رہ سکتی تھی۔ یہ بات اس کے حلق سے نیچے نہیں اُتر رہی تھی۔ فیاض احمد نے اُس کی مشکل کچھ آسان کرنے کی کوشش کی۔

”بیٹا......! یہ وہ انعم نہیں ہے جو ناصر کو بڑے غرور سے چھوڑ کر آگے بڑھ گئی تھی۔ آپ اس کی حالت دیکھو، اس وقت وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح ہے جو اپنی آخری پونجی گنوا کر خالی ہاتھ بیٹھا ہے۔ وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گی۔ تم سے یا ناصر سے کوئی مطالبہ نہیں کرے گی۔ اس کے پاس اپنا اتنا کچھ ہے کہ وہ شاید زندگی بھر ناصر کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ بس بیٹا......! بھرم اور عزت کا سوال ہے۔ آپ کی انسانیت، خدا ترسی اور رحم دلی پر ہمارے پورے خاندان کی عزت کا اسی پر انحصار ہے۔“

فیاض احمد کی اس بات پر اُجالا ایک دم چونک پڑی اور بے اختیار بولی۔

”انکل......! پلیز، ایسا نہ کہیں۔ آپ یقین کیجئے میں بہت بے حیثیت ہوں۔ میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔

مسز سارہ نے جیسے عاجز ہو کر کہا تھا۔ سمجھانے بجھانے والا ایک مقام پر زِچ بھی ہو جاتا ہے۔ عدیل کی تشویش اپنی جگہ قائم تھی مگر اب چپ سادھ لی تھی۔

☆......☆......☆

مریم بہت خاموشی اور آہستگی سے دروازہ کھول کر انعم کے کمرے میں داخل ہوئی۔ انعم سے ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے اُس کے اندر ایک عجیب سی بے چینی تھی۔ وہ بہت کچھ جاننا چاہتی تھی، محسوس کرنا چاہتی تھی۔ انعم اُس کی سگی بہن تھی۔ قدرتی طور پر اُس کے دل میں ایک لگن اور تڑپ تو تھی اور دُکھ کی تو کوئی حد ہی نہیں تھی۔ لیکن اُس نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری تھی۔ بہن ہونے کے ناطے وہ سوچ رہی تھی کہ اگر اُس نے کوئی غلطی کی تھی تو اُسے سزا بھی بڑی جلدی مل گئی۔ انعم بیڈ پر چت لیٹی ہوئی تھی۔ اُس نے دروازہ کھلنے کی چرچراہٹ محسوس کر لی تھی۔ اس لئے فوراً سیدھی ہو کر دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ سامنے مریم بڑے دوستانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ انعم اُس کی طرف دیکھتی رہی، بولی کچھ نہیں۔ تب مریم نے خود ہی پہل کر ڈالی۔

''السلام علیکم......! میں تم سے ملنے آئی ہوں اور تم کمرے میں بند ہو کر بیٹھی ہو۔ کیا مسئلہ ہے......؟ نیند پوری نہیں ہوئی......؟''

مریم نے اس انداز میں بات شروع کی جیسے درمیان میں کچھ بھی نہ ہوا ہو اور وہ دونوں بہنیں ہمیشہ سے اسی طرح بات چیت کرتی آ رہی تھیں۔

''میرا تماشہ دیکھنے آئی ہو......؟''

انعم کی سپاٹ آواز کمرے میں اُبھری جس نے مریم کا دل جیسے چیر کر رکھ دیا، وہ تڑپ سی گئی۔ دُکھ کی ایک ایسی لہر اُبھری تھی کہ یوں لگا، پورے جسم کو رگیدتی ہوئی گزر گئی۔ وہ آگے بڑھی اور انعم کے پاس بیٹھ گئی۔ بہت پیار سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی۔

''میں تمہاری سگی بہن ہوں، دُنیا والوں کی نمائندہ نہیں ہوں۔''

انعم نے بے زاری سے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

''کام تو تم نے دُشمنوں والے کئے ہیں۔''

یہ سن کر مریم کو دُکھ تو بہت ہوا، مگر اُس نے بڑے صبر و ضبط سے کام لے کر بڑی نرم اور ملائمت سے جواب دیا۔

''یہ تمہاری اپنی سوچ ہے انعم......! اگر میں غلط ہوں تو Prove کر دو۔ سگی بہن پر الزام تراشی کوئی اچھی بات نہیں۔''

''میری تکلیفوں کا اندازہ تم لگا ہی نہیں سکتی۔ میری اُن اذیتوں کو تم محسوس ہی نہیں کر سکتی۔ اے وَن لائف Enjoy کرتی ہوئی شوہر کے گھر چلی گئیں Broadminded, Upper class, Handsome شوہر۔

مجھ سے پوچھو۔"

انعم جیسے پھٹ پڑی تھی اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہی تھی۔

"ایک تنگ نظر، تنگ دل انسان کے ساتھ گزارہ کرنا کوئی مذاق ہوتا ہے......؟"

مریم نے یہ سب کچھ بڑے صبر و تحمل سے سنا اور اسی طرح آہستگی اور نرمی سے جواب دیا۔

"تم نے ناصر کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی انعم......! وہ سو فیصد تمہارے ساتھ سینسیئر تھا۔ تمہارے علاوہ اُس کی زندگی میں کسی عورت کا سایہ بھی نہیں تھا۔"

مریم کا انداز سمجھانے والا تھا۔

صرف Sincare ہونا کافی نہیں ہوتا۔ تم کیا سمجھتی ہو میں صرف Sincarety کی Base پر اُس کی تمام غلط باتیں برداشت کرتی......؟ کرلیتا کسی لڑکی سے دوستی، مجھے تو Comfortable رکھتا۔"

"کتنی آسانی سے کہہ دیا تم نے......؟"

مریم بے ساختہ بولی تھی۔

"اگر تمہاری موجودگی میں کسی اور لڑکی کو اپنے ساتھ رکھتا تو تم سال تو کیا پانچ منٹ بھی اُس کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھیں۔"

مریم کے لہجے میں محسوس ہونے والا کرب تھا۔ انعم نے بہت خود اعتمادی اور غرور سے جواب دیا۔

"میں تمہاری طرح تنگ نظر نہیں ہوں۔ اگر وہ کوئی اچھی دوست رکھتا تو میں سمجھتی اُس نے مجھے Comfortable کیا ہوا ہے۔"

مریم کے دل میں جیسے چھن چھن کر کے کچھ ٹوٹا تھا۔ دُکھ کی لہریں بڑی غضب ناک ہوگئیں تھیں۔ وہ بہتی چلی جارہی تھیں۔ انعم نے اُس کو اُس مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں پر اس کی اذیت کمال کو چھوتی تھی۔ انجانے میں انعم نے اُس کے دل کی دُنیا میں قیامت برپا کر دی تھی۔ بڑی دیر بعد خود کو سنبھال کر وہ گویا ہوئی۔

"ایسا کچھ اصل میں تمہارے ساتھ ہوا نہیں۔ تم کیا جانو شراکت کیا چیز ہوتی ہے......؟ Share کرنے کا احساس وہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ کتنا اذیت ناک ہوتا ہے۔"

مریم لاشعوری طور پر اپنے دُکھوں کا اعلان کر رہی تھی۔ بظاہر وہ انعم کو سمجھا رہی تھی۔ انعم نے پھر اُس کو کاٹتی نظروں سے دیکھا اور طنزیہ لہجے میں بولی۔

"تم بھی آج تک مزے کر رہی ہو۔ ایک شاندار لائف پارٹنر مل گیا ہے، تمہیں ہری ہری سوجھ رہی ہے۔ اس لئے مجھے جلانے چڑانے آئی ہو۔"

مریم نے بے اختیار انعم کا ہاتھ دبا دیا اور جیسے تڑپ کر بولی۔

"پلیز انعم......! مجھ پر نہیں تو خود پر رحم کرو۔"

انعم نے بڑی بے مروّتی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور اُسی طرح خفا خفا لہجے میں بولی۔

''کیسے کروں......؟ زندگی میں سکون نام کی کوئی شئے تو ہو۔ بہن نے تو جو کیا تھا، وہ کیا تھا، اور بھابی صاحبہ کو دیکھو، غبارے کی طرح منہ پھولا ہوا ہے۔ پتا نہیں کیا چھین لیا ہے میں نے ان کا......؟''

مریم نے انعم کی نادانی پر جیسے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔ بڑی بے بسی کی کیفیت میں بولی۔

''انعم......! اب بھی غور نہیں کرو گی تو کب کرو گی......؟ روّیے کیوں بدلتے ہیں......؟ ذرا سکون سے بیٹھ کر سوچو، غور کرو۔ اتنی ٹھوکریں کھا کر بھی تمہارا ذہن نہیں بدلا......؟''

انعم نے آگ برساتی نظروں سے مریم کو گھورا۔

''یہ ٹھوکریں میں نے تمہاری وجہ سے کھائی ہیں۔''

مریم نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

''میں نے تمہیں اپنی پسند سے جینے کا سیدھا راستہ بتایا تھا انعم......! اگر تم نے راستے کے انتخاب میں غلطی کی تھی تو اس میں میرا کیا قصور......؟''

انعم نے یہ سن کر آنکھیں بند کیں اور گہری گہری سانس لینے لگی جیسے خود کو کنٹرول کر رہی ہو۔ پھر بڑبڑانے والے انداز میں بولی۔

''اُس سے صرف میری دوستی تھی......''

''دوستی یوں بھی چل سکتی ہے، اُسے رشتے کا نام دینا ضروری نہیں ہوتا۔''

مریم نے اب تیزی سے انعم کی بات کاٹی تھی۔

''اگر یہ سب غلط نہیں تھا تو شوہر کے سامنے بیٹھ کر ساری باتیں ہونا چاہئیں تھیں۔ اُس سے چھپ کر رات کے اندھیرے میں نہیں۔''

انعم اسی طرح سے بھڑک کر بولتی ہے۔

''اگر شوہر Modern اور Broadminded ہو تو۔''

مریم نے انعم کی طرف دیکھا اور کھڑی ہوگئی جیسے وہ انعم کو سمجھانے میں ناکام ہو کر جانے کیا سوچ رہی ہو......؟ اُس نے چند لمحے گہری نظروں سے انعم کی طرف دیکھا اور بڑے غیر جذباتی لہجے میں گویا ہوئی۔

''سب مرد شوہر بن کر ایک جیسے ہوتے ہیں۔ شوہروں کی ایک ہی کلاس ہوتی ہے۔ یہ بات تمہیں اب بھی سمجھ نہیں آئی اور شاید آئے گی بھی نہیں۔''

یہ کہہ کر وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔ انعم نے بڑی نفرت اور بے زاری سے دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ یہ اُس کی ناکامی اور بے بسی کا ردِعمل تھا کہ غصہ نکالنے کے لئے لگے ہاتھوں اُس کے سامنے مریم ہی تھی۔

☆......☆......☆

علینہ، شکیلہ خاتون کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی۔ قریب ہی اس کی شیر خوار بچی سو رہی تھی۔ شکیلہ خاتون بڑے

پیار سے علینہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''ارے بیٹا......! وہ جو کہتے ہیں ناں کہ برے وقت میں تو سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ ابھی عارف کے سر پر غصہ سوار ہے۔ خود کو سنبھال بیٹا......! تیری ماں تیری خوشی کے لئے جو کچھ کر سکتی ہے، ضرور کرے گی۔ میں اپنی بچی کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ تیری خوشی کی خاطر اگر میری جان بھی چلی جائے تو مجھے پرواہ نہیں۔ ارے......! ایک ہی میری بیٹی ہے اور اُس کی بھی آنکھ میں آنسو دیکھوں......؟''

اتنا سن کر واقعی علینہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ ماں کی محبت کا اثر تھا اور ممتا کی قوت سے لبریز پُرکشش مقناطیسی الفاظ۔ تھوڑی دیر کے لئے تو یوں محسوس ہوا کہ سارے دُکھ اُس نے جیسے ہاتھوں سے نوچ کر کچرے دان میں ڈال دیئے ہوں۔ پھر اُس نے خود کو سنبھالا اور آنکھیں کھول کر ماں کی طرف دیکھا۔

''اماں......! میں ایک جگہ چین سے بیٹھی ہوئی تھی۔ بس میری شامت نے دھکا دیا۔ ایک رات بس عدیل کے بارے میں سوچ رہی تھی تو جیسے میرے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ میں نے کہا، میں اُجڑی ہوئی برباد، ہر رشتے سے دُور اکیلی بیٹھی اپنے نصیب کا ماتم کر رہی ہوں اور جو میرے دُکھوں کا ذمہ دار ہے، وہ بھی اور اُس کی بیوی بھی، دونوں عیش کر رہے ہیں۔ بس مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ اماں......! وہ آگ ہی ایسی تھی کہ میں عدیل کے گھر چلی گئی۔ میں نے سوچا، میں اگر کچھ نہیں کر سکتی، کم سے کم اُس پر خوشیاں تو حرام کر سکتی ہوں۔''

علینہ دانت پیستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ شکیلہ تو اتنا سن کر بیٹی پر واری صدقے ہونے لگی اور بہت پیار سے جھک کر اُس کا ماتھا چوم لیا۔

''تو نے بالکل ٹھیک سوچا تھا۔ ارے......! جو ہمارے سکھ حرام کریں، اُن کو سکھ سے جینے کا کوئی حق ہی نہیں۔ تھوڑا سا صبر کر۔ عارف کا غصہ تھوڑا اُتر جائے تو پھر دیکھ میں کیا کرتی ہوں......؟ عارف تجھے وہاں سے کھینچ کر لے آیا ہے ناں، وہ اپنی کر کے بیٹھ گیا۔ لیکن جب تو عدیل کے نکاح میں آجائے گی تو یہ اس طرح سے تجھے اُس کے گھر سے کھینچ کر نہیں لا سکے گا۔''

پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر بڑے رازدارانہ انداز میں علینہ کے کان میں بولی۔

''ارے...... تو سمجھ ناں، بڑا جوروں کا غلام بنا پھرتا تھا، اب تیری وجہ سے اُس نے فوزیہ کو نکال کے باہر کیا۔ لیکن دُکھ تو ہوگا، اب اپنا غصہ تو کسی طرح سے نکالے گا ناں......! تھوڑے دن کی بات ہے، تھوڑا ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ میں اس کے لئے کسی اچھی سی لڑکی کا رشتہ دیکھوں گی تو پھر سارے معاملات ٹھیک ہو جائیں گے۔ فوزیہ کی جگہ کوئی اور عورت آکر بیٹھ جائے گی۔ یہ بھی اپنے راستے پر لگ جائے گا۔ مجھے جلدی تو بہت ہے، مگر کیا کروں......؟ کام بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہے۔ ہاں......! بعض دفعہ جلدی کا کام جو ہوتا ہے، اُلٹا گلے پڑ جاتا ہے۔''

شکیلہ خاتون، علینہ کو تسلیاں بھی دے رہی تھیں اور شاباش بھی۔ مگر علینہ کا ذہن ابھی تک عدیل کے گھر میں اٹکا ہوا تھا۔ اُس کی نظروں کے سامنے وہ عدیل تھا جو اپنی بیوی مریم کے سامنے اُس کو ذلیل کر رہا تھا، جس نے اپنی ماں کے سامنے بڑی نفرت سے مخاطب کیا تھا۔ اُس کا ذہن نہیں قبول کر رہا تھا کہ یہ وہی عدیل ہے جو کسی دن اُس

سے بات نہیں کرتا تھا تو بے چین ہو جاتا تھا اور جب بات کرنے لگتا تھا تو کرتا ہی چلا جاتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے علینہ کے سوا اُسے کوئی کام نہیں ہے اور علینہ کے بغیر اُس کی زندگی میں جو بھی خوشی ہے، وہ اُدھوری ہے۔ علینہ پھر اندرونی جنگ میں مبتلا ہو چکی تھی اور پیشانی کو زور زور سے دبا رہی تھی۔ شکیلہ خاتون بڑے تسلی دینے والے انداز میں اُس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

مریم، انعم کی طرف سے اُلجھی اُلجھی، پریشان ہو کر جب اپنے گھر واپس آئی تو دیکھا کہ سامنے عدیل کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ لگتا تھا اُس کا موڈ بہت آف ہے۔ وہ اسے دیکھتے ہی برس پڑا۔

''یہ تم بغیر بتائے کہاں چلی گئی تھیں......؟''

مریم نے اُس کا سوال نظر انداز کر کے اپنے بچے فضیل کی آیا کو آواز دی۔

''رابعہ......! رابعہ......!''

رابعہ کسی طرف سے دوڑتی ہوئی چلی آئی۔

''جی بیگم صاحبہ......؟''

مریم، عدیل کو یکسر نظر انداز کر کے آیا سے یوں مخاطب ہوئی جیسے عدیل وہاں موجود ہی نہ ہو۔

''فضیل نے تنگ تو نہیں کیا......؟ زیادہ رویا تو نہیں......؟''

''نہیں بیگم صاحبہ......! ماشاء اللہ بہت ہنسنے کھیلنے والا بچہ ہے۔ دودھ پلا دیا تھا، تھوڑی دیر کھیل کر پھر سو گیا۔''

یہ کہہ کر وہ مریم کی طرف دیکھنے لگی کہ اب مریم اُس سے کیا بات کرے گی یا کیا کام بتائے گی......؟ مریم نے آگے بڑھتے ہوئے اُسے جیسے اپنی طرف سے فارغ کیا۔

''اچھا تم جاؤ، دیکھو فضیل کے کپڑے سوکھ گئے ہیں تو اوپر سے لے آؤ۔''

یہ کہہ کر وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھی۔ عدیل اُس سے بھی زیادہ تیزی سے آگے بڑھتا ہوا اُس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے......؟ کہاں گئی تھی بغیر بتائے......؟''

مریم نے بڑی طنزیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا اور سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

''کیوں پوچھ رہے ہیں......؟''

عدیل اُس کے اعتماد اور اُس کی سچائی کی قوت سے جیسے اپنی جگہ پتھر کا بن کر کھڑا رہ گیا۔ پھر اُس کی آواز میں تھوڑا سا دھیما پن دَر آیا۔

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ گھر میں کسی کو تو بتا کر جاتی، پریشانی ہو جاتی ہے۔''

عدیل کی تبدیل شدہ Tone کو مریم نے محسوس کرلیا تھا۔اس لئے وہ پہلے سے ذرا نرم ہوکر بولی۔

''میں چور دروازوں سے جانے والی نہیں ہوں۔''

عدیل نے اپنے سر پر زور سے ہاتھ مارا۔

''لاحول ولاقوۃ......! میں اس طرح سے نہیں سوچتا۔''

مریم نے بڑی بے نیازی سے اُس کی طرف دیکھا اور بڑی تلخی و لاپرواہی سے گویا ہوئی۔

''آپ جس طرح سے مرضی سوچیں، مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔''

''وہی تو میں تم سے ہزار مرتبہ کہہ چکا ہوں، جب کوئی تعلق نہیں، ضرورت نہیں تو تم ایک طرف کیوں نہیں ہو جاتیں......؟ کوئی فیصلہ کیوں نہیں کرلیتیں......؟''

مریم طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ عدیل کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ پھر بڑے سکون اور اطمینان سے گویا ہوئی۔

''میں فیصلہ کر چکی ہوں، الگ ہو چکی ہوں، آپ نے غور نہیں کیا......؟''

یہ کہہ وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ چاروں طرف شعلے بھڑکا کر جا چکتی تھی۔ عدیل بھڑ بھڑ جل رہا تھا۔

☆......☆......☆

بشر علی کی طبیعت اگرچہ خاصی سنبھل چکی تھی، وہ گھر پر ہی ہوتے تھے اور سلمیٰ بیگم اُن کا یوں خیال رکھ رہی تھیں جیسے انڈے سے باہر آنے والے نئے نئے چوزے کا۔ بشر علی کی طبیعت اب خاصی بہتر ہو چکی تھی۔ سلمیٰ بیگم اور فیاض احمد اپنے تئیں کوشش کر رہے تھے کہ اُنہیں ہر تکلیف دہ اور اذیت ناک خبر سے بے خبر رکھا جائے۔ لے دے کر باپ ہی تو رہ گیا تھا جس کے کمزور وجود سے پھوٹنے والی دُعاؤں سے انہیں بڑی ڈھارس تھی، حوصلے زندہ تھے۔ انہوں نے گھر میں سب کو تاکید کی تھی کہ پاپا کو کسی بات کا پتا نہیں چلنا چاہئے۔ وہ دل کے مریض ہیں۔ ابھی ایک نیا جھٹکا کھا کر فارغ ہوئے ہیں۔ انعم گھر میں تھی، مگر بشر علی کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ وہ واپس گھر آ چکی ہے۔ وہ تو مکمل صحت یابی کے بعد انعم کے گھر اسلام آباد جانے کے پروگرام پر غور کر رہے تھے۔ بشر علی بوڑھے تھے، بیمار بھی تھے، لیکن بہت کچھ محسوس تو کر رہے تھے۔ آج وہ بڑی ہمت کر کے بغیر سہارے کے زینہ اُتر کر نیچے آئے تو سلمیٰ بیگم اُن کو دیکھ کر تھوڑی سی بدحواس ہو گئیں اور اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہیں انعم تو باہر نظر نہیں آ رہی۔ اُن کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ پھر آگے بڑھتے ہوئے باپ کو سنبھال کر بولیں۔

''پاپا......! آپ مجھے بلا لیتے۔ آپ اس طرح سے آ گئے، ڈاکٹر نے آپ کو زیادہ چلنے پھرنے سے منع کیا ہے اور چڑھنے اُترنے سے تو ویسے ہی منع کیا ہے۔ میں تو آپ کا کمرہ نیچے سیٹ کر رہی تھی، آپ نے ہی منع کر دیا کہ میں کون سا بار بار نیچے اُتروں گا، بس جو میرا کمرہ ہے، وہی رہنے دو۔''

''ہاں تو میں نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ چار دن کی بات ہے، اللہ نے چاہا تو پھر بھلا چنگا ہو جاؤں گا۔ پھر تم

دیکھنا، انشاء اللہ کرکٹ کھیلنے جاؤں گا۔"
وہ شوخی سے بولے تاکہ اُن کی بیٹی اُن کو تازہ دم اور اچھا محسوس کر کے خوش ہو جائے۔ سلمٰی بیگم نے اُن کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر بڑے پیار سے صوفے پر بٹھا دیا۔

"پاپا......! میں بھی چاہتی ہوں کہ بس آپ ہر وقت خوش رہیں اور مریم آئی تھی، آپ سے بات ہوئی......؟"

بشر علی، مریم کے نام پر ایک دم کھل اُٹھے۔

"ہاں بھئی......! وہ ذرا سی دیر کے لئے میرے کمرے میں آئی تھی۔ میری خیر خیریت پوچھی اور کہنے لگی۔

"نانا جان......! میں ذرا اس وقت جلدی میں ہوں، بعد میں آؤں گی اور دیر تک بیٹھ کر باتیں کروں گی۔ پتا نہیں یہ آج کل کے بچوں کو کیا ہوگیا ہے......؟ جسے دیکھو جلدی میں دکھائی دیتا ہے۔ یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی پالتو پرندہ اُڑ گیا ہے، جس کو پکڑتے پھر رہے ہیں۔"

سلمٰی بیگم ہنس پڑیں

"پاپا...... ! پالتو جانور بھاگ جائے تو اُس کو ڈھونڈا جاتا ہے۔ اُڑے پرندوں کو کون پکڑنے جاتا ہے......؟"

بشر علی کہتے ہیں۔

"ارے بھئی......! میرا تو دماغ بھی گھس گیا ہے۔ مثالیں بھی غلط غلط دے دیتا ہوں۔ برداشت کر لیا کرو۔"

سلمٰی بیگم اس مرتبہ بڑے دل سے ہنس پڑیں۔ وہ اپنے باپ کو ہنستا کھیلتا دیکھ کر سچ مچ بہت خوش ہو رہی تھیں۔ بشر علی نے چند لمحے کچھ سوچا پھر کہنے لگے۔

"سلمٰی......! میں سوچ رہا ہوں کہ Just for Change میں ایسا کرتا ہوں کہ کچھ دنوں کے لئے مریم کے پاس چلا جاتا ہوں۔ ارے بھئی......! اس لڑکی نے تو اپنے اتنے کام پھیلا لئے ہیں کہ اسے کہاں ٹائم ملے گا کہ وہ اپنے نانا جان کے پاس آکر دو دو، تین تین گھنٹے بیٹھی رہے۔ میں اس کے گھر میں رہوں گا، چلتے پھرتے اس سے بات تو ہوتی رہے گی، تھوڑی سی طبیعت بھی بہل جائے گی۔"

سلمٰی بیگم نے بدحواس ہو کر بلکہ حواس باختہ ہو کر باپ کی شکل دیکھی۔

"مریم کے گھر......؟"

بشر علی اپنی گہری گہری سانسوں کو کنٹرول کرتے ہوئے مسکرائے۔

"ہاں بھئی......! مریم کے گھر، اب اس شہر میں ایک اختر کا گھر ہے، ایک تمہارا گھر ہے۔ اب ماشاء اللہ خیر سے تیسرا مریم کا گھر ہوگیا ہے اور تم بتا رہی تھیں کہ انعم کے تو شوہر کی ٹرانسفر اسلام آباد ہو چکی ہے۔ اس سے ملنے کے لئے تو اب اسلام آباد جانا پڑے گا۔"

سلمٰی بیگم پریشان ہو کر بولیں۔

''جی جی پاپا......! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

بشر علی نے سلمٰی بیگم کی اُلجھی اُلجھی کیفیت کو بھانپ لیا تھا، لیکن کچھ سمجھ نہیں پائے تھے، بولے۔

''ارے بھئی......! تو یہاں پر مقابلے کی بات تو ہو ہی نہیں رہی، جس پر تم ٹھیک اور غلط کا حکم لگاؤ۔ ایک حقیقت ہے یہ تو۔''

سلمٰی بیگم خجل سی ہو کر کہتی ہیں۔

''جی جی پاپا......! وہی میں کہہ رہی تھی کہ آپ ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں کہ اب تین ہی تو گھر ہیں۔ آپ ایسا کریں، دو چار دن کے لئے پہلے اختر بھائی کے پاس چلے جائیں، پھر مریم کے پاس کچھ دن رُک جایئے گا۔ میں روز چکر لگا لیا کروں گی۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اچھا ہے، ذرا آپ کی طبیعت بھی بہل جائے گی۔''

بشر علی نے جیسے سلمٰی بیگم کی تجویز قبول کر لی۔ کہنے لگے۔

''بھئی......! تم نے تو Trip لمبا کر دیا ہے۔ مگر اس میں فائدہ ہے، کچھ دن اختر میاں سے اور ان کے بیوی بچوں سے باتیں کروں گا پھر مریم کی طرف چلا جاؤں گا۔ ماشاءاللہ اب تو اُس کا بھی پیارا سا بچہ ہے، اُس سے بھی کھیلا کروں گا۔ اب تو جتنی بھی زندگی رہ گئی ہے، انشاءاللہ ہنستے کھیلتے گزر جائے گی۔''

سلمٰی بیگم جلدی سے گویا ہوئیں۔

''جی پاپا......! انشاءاللہ......!''

یہ الگ بات تھی کہ وہ اندر سے پوری طرح اُلجھ گئی تھیں۔ ایک نہیں، دو دو بیٹیوں کے مسئلے تھے۔ وہ بوڑھے اور دل کے مریض باپ کو کب تک حقیقت سے دُور رکھ سکتی تھیں......؟ اس وقت یہی ایک سوچ، ایک نکتے پر آ کر ٹھہر چکی تھی۔

''سلمٰی......! وہ فیاض صاحب ابھی تک اسلام آباد سے واپس نہیں آئے کیا......؟ کہہ رہے تھے کہ دو تین دن لگ جائیں گے۔''

سلمٰی بیگم مسکرائیں۔

''پاپا......! وہ دو تین دن کا کہہ کر گئے تھے ناں، ابھی تو دو ہی دن ہوئے ہیں۔''

بشر علی ہنس پڑے۔

''اچھا بھئی......! دو ہی دن ہوئے ہیں......؟ لو بھئی......! میں تو سمجھ رہا تھا شاید ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔''

سلمٰی بیگم نے بہت پیار سے باپ کی طرف دیکھا۔

''کوئی بات نہیں پاپا......! آپ نے زندگی بھر بہت کام کیا ہے اور اب اتنی بڑی تکلیف اُٹھائی ہے۔ پہلے جیسا ذہن تو نہیں ہو گا، لیکن انشاءاللہ آپ بہت جلد بہتر ہو جائیں گے۔''

بشر علی مسکرائے۔

''خدا میری بیٹی کی خوشیوں کو سلامت رکھے۔''
سلمیٰ بیگم نے یہ سنا تو جیسے عظیم دُکھ سے اُن کی ذات ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے لگی۔ بڑی مشکل سے انہوں نے خود کو سنبھالا۔

☆......☆......☆

اُجالا، فیاض احمد اور بیہ کیرم کھیل رہے تھے۔ بیہ بہت خوش اور پُر جوش نظر آ رہی تھی۔ فیاض احمد، بیہ سے مذاق کر رہے تھے۔
''آج کوئین میری ہو کر رہے گی۔''
بیہ نے ایک دم ناراض نظروں سے نانا کی طرف دیکھا اور بولی۔
''جی نہیں......! Queen ہمیشہ میں Win کرتی ہوں۔ آپ دُلہن ماما سے پوچھ لیں۔ یہ بھی ہمیشہ ہار جاتی ہیں۔''
اُجالا جو کسی سوچ میں تھی، ایک دم خود کو سنبھال کر زبردستی مسکرائی۔
''جی جی انکل......! بیہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ یہ بہت اچھا کیرم کھیلتی ہے۔ میرا اتنا دل چاہتا ہے کہ میں جیتوں مگر یہ جیتنے ہی نہیں دیتی۔''
بیہ نے اُجالا کی گواہی کو سن کر خوشی سے تالیاں بجائیں۔
''دیکھا، دُلہن ماما نے بتا دیا ناں آپ کو Queen ہمیشہ میری ہوتی ہے۔''
فیاض احمد ہنسنے لگے۔
''آپ تو خود Queen ہو اور بھئی ہم جو ہیں ناں یعنی کہ نانا King ہیں تو نانا کو Queen ملنا چاہیے۔''
بیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بڑی ذہانت سے جواب دیا۔
''نانا جان......! نانو آپ کی Queen ہی تو ہیں۔ ہے ناں......!''
اُجالا نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا جیسے کہہ رہی ہو۔
''اُف......! اتنی سی بچی نے لاجواب کر کے رکھ دیا۔''
وہ مسکرائی اور ایک انگلی سے اُس کا گال چھوتے ہوئے بولی۔
''بس......! بہت سارا کھیل ہو گیا، اب کچھ تھوڑا سا کھا پی لو۔''
بیہ نے اپنے نانا کی طرف بڑی شکایتی نظروں سے دیکھا۔
''نانا جان......! یہ جو دُلہن ماما ہیں ناں، یہ ایک دن مجھے کھلا کھلا کر موٹا کر دیں گی اور سب مجھے گیند گیند یا بال بال کہہ کر چھیڑا کریں گے۔''

فیاض احمد ہنس پڑے اور انہوں نے بڑی محبت بھری نظروں سے بیہ کی طرف دیکھا یوں جیسے وہ ماضی کے اُس Period میں پہنچ گئے ہوں۔ جب انعم، بیہ کی عمر میں تھی تو وہ بھی اسی طرح کی خوب صورت باتیں کرتی تھی۔ اس وقت یہ درد کی لہر بڑی شدید تھی۔ انہوں بڑی مشکل سے دبائی تھی اور بیہ کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''جاؤ بیٹا......! دُلہن ماما کی بات مان لو۔ تھوڑا سا کچھ کھالو پھر دوبارہ سے بیٹھیں گے۔''

اُن کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ بیہ کو ہتھیار ڈالنا پڑے۔

''چلیں دُلہن ماما......! دکھائیں مجھے کیا کھلا رہی ہیں آپ......؟''

وہ اُجالا کے پیچھے چلتے چلتے کہہ رہی تھی اور فیاض احمد اُجالا کے پیچھے جاتی ہوئی بیہ کو دیکھ کر ایک عذاب سے دوچار تھے۔ یہ گھر اُن کی بیٹی کا تھا، اُن کی بیٹی کی راجدھانی تھی، آج ایک پیاری سی اور اچھی لڑکی اُس کی جگہ لے چکی تھی۔ ایک باپ کے لئے یہ بہت بڑی قیامت تھی۔ اس مرحلے پر دل کو نہیں سمجھایا جاسکتا تھا۔ کمال اذیت تھی۔

☆......☆......☆

عاطف، اظفر کمال کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔

''سر......! کل سے مس مریم آفس آنا شروع کر دیں گی۔ بہتر تو یہی ہے کہ یہ Draft وہ خود تیار کر لیں، باقی میں یہ پیپرز فاروقی صاحب کو بھجوا دیتا ہوں۔''

اظفر کمال نے گھور کر عاطف کی طرف دیکھا۔

''مسٹر......! کل Sunday ہے۔''

عاطف ایک دم ٹپٹا گیا۔

''جی سر......!I mean next day میں Monday کی بات کر رہا تھا۔''

اظفر کمال ایک دم دھاڑے۔

''مسٹر عاطف......! آپ نے کل کی بات کی تھی نہ Sunday کی، نہ Monday کی۔''

عاطف نے جیسے اپنا سر پیٹ لیا، بولا۔

''سر......! غلطی سے نکل جاتا ہے بندے کے منہ سے، روزانہ کی عادت ہوتی ہے ناں، کل کل کہنے کی۔''

اظفر کمال نے اُسے گھورا۔

''ارے......! وہ آپ ہی جیسے لوگ تو ہیں جو کل کل کرتے رہتے ہیں اور آج کا کام کل پر ٹالتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے ہم ترقی یافتہ قوموں سے دو سو سال پیچھے ہیں۔''

اب غلطی ہو گئی تھی۔ عاطف کو جھاڑ تو سننا ہی تھی، سنتا رہا۔ اظفر کمال کو جیسے خود ہی بولتے بولتے خیال آگیا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گئے ہیں، پھر بولے۔

''اُٹھاؤ یہ فائلیں اور لے جاؤ۔ ٹھیک ہے، اگر مس مریم Monday کو آرہی ہیں تو وہ اپنا کام خود کر لیں

گی۔آپ اپنا کام کیجئے اوروقت پر کیجئے۔''
عاطف سر جھکا کر چلا گیا۔اظفر کمال نے اپنے بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے سیٹ کی بیک سے اپنا سر ٹکایا اور سوچنے لگے۔
''ابھی درمیان میں ایک Sunday اور بھی ہے۔''
پھر جیسے اپنی سوچ پر خود ہی لاحول پڑھی اور ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئے۔
''لاحول ولا قوۃ......! میں کیوں بار بار بھول جاتا ہوں کہ وہ صرف شادی شدہ ہی نہیں، بلکہ ایک بچے کی ماں بھی بن چکی ہے۔''
انہوں نے اپنی اُنگلیاں پیشانی پر رگڑنا شروع کیں۔کام سے اُن کا ذہن ہٹ گیا تھا۔سامنے مریم کھڑی مسکرا رہی تھی اور اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ لڑکی آناً فاناً اُن کے حواس پر کیوں چھا گئی ہے......؟ وہ اُس کے کنٹرول میں کیوں چلے گئے ہیں......؟ اور اُسی کے بارے میں زیادہ کیوں سوچنے لگے ہیں......؟

☆......☆......☆

مریم کی دوست اور کزن سین کافی دنوں کے بعد اُس کے گھر آئی تھی۔وہ آج کل پی ایچ ڈی کر رہی تھی تو لامحالہ اُس کی مصروفیات بہت زیادہ ہوگئی تھیں۔تھیسس مکمل کرنے کے چکر میں وہ دن رات لگی ہوئی تھی۔لیکن فون پر مریم کا ٹوٹا ہوا لہجہ اُسے بے چین کر گیا۔اُس نے محسوس کر لیا کہ کچھ ہے جو مریم اتنی بکھری بکھری اور نڈھال سی ہے۔اُس کا اپنے کام میں دل نہیں لگ سکا اور وہ جیسے دوڑی چلی آئی تھی۔مریم نے اپنی رازدار بچپن کی سہیلی کو اپنے دل کا حال کہہ دیا جو اُس نے ابھی تک کسی سے Share نہیں کیا تھا۔مسز سارہ اُس کی ساس تھیں، وہ اُن سے معاملات تو Share کر سکتی تھیں، احساسات Share کرنے کے لئے اُسے ایک سچے اور سین جیسی دوست ہی کی ضرورت تھی۔سین نے سب کچھ بہت دُکھ سے سنا اور بڑے صبر سے سنا۔ساتھ ساتھ وہ تجزیہ بھی کرتی جا رہی تھی۔جب مریم اپنے دل کے بوجھ اُتار چکی، تب اُس نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔
''اس طرح زندگی نہیں گزرتی مریم......! تمہیں ایک قطعی فیصلہ کرنا ہوگا یا تو عدیل کو معاف کر دو یا سب کچھ بھلا دو یا پھر اپنا راستہ الگ کر لو اور یا پھر نیا ساتھی چن لو۔''
مریم بڑی اُداسی سے مسکرائی جیسے سین نے کوئی بہت بچپنے کی بات کہی ہو۔
''کہنے کی حد تک یہ بہت آسان ہے مگر یہ جو پاؤں میں رشتوں کی زنجیریں ہوتی ہیں ناں، یہ ہمیں کھل کر اُڑان بھرنے نہیں دیتیں، اور پھر نئے ساتھی کی کوئی ضمانت ہے......؟ محبت کرتے نہیں ہیں، محبت تو بس ہو جاتی ہے۔میں نے تو شادی سے پہلے بھی کسی کے لئے کچھ محسوس نہیں کیا۔میں نے تو جیسے اپنا ایک ایک قیمتی احساس تک اپنے ہونے والے شوہر کی امانت سمجھ کر سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔مجھے کیا پتا تھا کہ میری قسمت میں کھوٹا ساتھی لکھا ہے......؟''
سین نے تڑپ کر مریم کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور پھر اُس کے ہاتھ چوم کر بولی۔

"تم خود کو اذیت دے رہی ہو مریم......! میرا دل کہتا ہے کہ عدیل تمہارے ساتھ Sincere ہے۔"

مریم کے منہ سے ایک سرد آہ نکل گئی۔

"یہ یقین مل جاتا تو سب مسئلے ہی حل ہو جاتے۔"

ثبین نے جیسے ٹھان لی کہ وہ مریم کا دُکھ دُور کر کے ہی یہاں سے اُٹھے گی۔ چاہے اُسے عدیل کے لئے کتنی لمبی وکالت کرنی پڑے۔ کیونکہ یہی ایک حل تھا کہ وہ عدیل کو معاف کر دے اور دن رات کی اس اذیت سے چھٹکارا حاصل کر لے۔

"وہ جان دے دے تو کیا مان جاؤ گی......؟"

اب ثبین نے برجستہ انداز میں کہا۔ اُس کی کوشش تھی کہ مریم کا موڈ تھوڑا اچھا ہو جائے۔

"تم نے خود ہی بتایا ہے مریم......! کہ اُس نے تمہارے سامنے علینہ کی اِنسلٹ کی تھی۔ ثبوت تو دے دیا ہے اُس نے تمہیں کہ وہ تم پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔"

مریم کے انداز میں وہی ضد تھی۔ وہ ذرہ برابر بھی ٹس سے مس نہ ہوئی اور بولی۔

"کسی کو اتنی جرأت تو دی تھی کہ وہ اُس کی بیوی کے ہوتے ہوئے اس کے گھر میں آ کر بیٹھ جائے۔"

"دیکھو مریم......! یہ دن رات کا جلنا کُڑھنا تمہارا بہت نقصان کر دے گا۔"

مریم نے سپاٹ لہجے میں برجستہ جواب دیا۔

"میں Monday سے دوبارہ آفس جوائن کر رہی ہوں۔ بہلا لوں گی خود کو......"

ثبین نے تیزی سے اُس کی بات کاٹی۔

"دھوکہ دیتی رہو گی خود کو۔ بہلانا اور خود کو دھوکہ دینا ایک ہی بات ہے۔"

مریم اسی طرح ضدی اور فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

"سنبھال لوں گی خود کو، بہت سی عورتیں رہتی ہیں شوہروں کے بغیر، بچے بھی پالتی ہیں، میں نے آج تک شوہر کے غم میں کسی عورت کو مرتے نہیں دیکھا ہے۔ میں بھی نہیں مروں گی، تم فکر نہیں کرو۔"

مریم کے انداز میں اتنا قطعی پن تھا کہ ثبین کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی اڑیل ہو سکتی ہے۔ یہ وہ مریم تو نہیں تھی۔ دھیمی دھیمی، نرم نرم سی، اَمن کی باتیں کرنے والی، شور و تکرار اور جھگڑے سے بھاگنے والی، وہ بڑے دُکھ سے مریم کو دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

فوزیہ کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ وہ بالکل ہی مردہ حالت میں Hospital لے جائی گئی تھی۔ ڈاکٹر نے اُسے دیکھتے ہی Drip لگا دی تھی اور Admit بھی کر لیا تھا۔ وہاج اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بہت دُکھ سے سوچ رہا تھا کہ اپنی بہن کے دُکھوں کا ذمہ دار میں ہوں۔ خدانخواستہ اگر کوئی حل نہ نکالا گیا یہ تو اپنے بچے کے بغیر مر

جائے گی۔ کچھ کرنا ہوگا بہن کی خاطر۔ عارف کے پاؤں بھی چھونا پڑے تو کوئی بڑی قیمت نہیں اس خوشی کی جو اس کی بہن کو مل سکتی ہے، جس کے اُمید دل میں جاگتی ہے۔ اتنا سوچ کر وہ باہر آ گیا تھا اور عارف کا فون ملایا تھا۔ Ring پاس ہونے لگی لیکن لائن فوراً کاٹ دی گئی۔ وہاج سمجھ گیا کہ عارف نے اُس کا نام دیکھ کر لائن ڈسکنیکٹ کر دی ہے۔ اُس نے پھر Try کیا۔ عارف نے پھر پہلی Ring پر ہی لائن کاٹ دی۔ وہاج نے تیسری بار Try کیا مگر پھر لائن کٹ گئی۔ وہاج نے ہار نہیں ماننا تھی، کیونکہ سامنے اُس کی بہن کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ وہ پھر بھی Try کرتا رہا، یہاں تک کے عارف کی دھاڑتی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''کس کو فون کر رہے ہو......؟ کون رہتا ہے یہاں تمہارا......؟''

وہاج نے جیسے منت، خوشامد کے انداز میں کہا۔

''پلیز عارف......! فون بند مت کرنا، صرف دو منٹ کے لئے میری بات سن لو۔''

''لیکن ہم کس حوالے سے بات کریں......؟''

عارف نے اُسی طرح دھاڑتے ہوئے بڑی برہمی سے سوال کیا۔

''مجھ سے ہر رشتہ ختم کر دو مگر میری بہن تمہارے بچے کی ماں بھی تو ہے......''

عارف نے ایک دم وہاج کی بات کاٹ دی۔

''مرگئی......مرگئی میرے بچے کی ماں۔''

''تم یہ بات اپنے بیٹے کے سامنے تو ذرا کر کے دیکھو۔ وہ بھی تو اپنی ماں کے لئے تڑپ رہا ہوگا۔''

عارف نے جیسے غصے سے دانت پیسے اور بُری طرح سے دھاڑا۔

''مجھے ایموشنلی بلیک میل کرنے کی ضرورت نہیں۔ بہن کو دو وقت کی روٹی نہیں کھلا سکتے......؟''

''میری بہن روٹی کے لئے محتاج نہیں ہے۔ عارف......! یہ بُت تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔ اس کا تعلق بھی اُسی خاندان سے جس خاندان سے تمہارا تعلق ہے۔''

''مطلب کی بات پر آؤ......!''

عارف نے بڑی بے مروّتی اور بے رُخی سے کہا۔

''میں تمہارے سامنے بیٹھ کر تم سے صرف دو منٹ بات کرنا چاہتا ہوں عارف......!''

''خدا کرے قیامت تک میرا تمہارا سامنا نہ ہو۔''

عارف نے یہ کہہ کر فون Powered off کر دیا۔ کیونکہ فون بند ہوتے ہی وہاج نے دوبارہ Try کیا تو Powered off ہونے کی Recording چل رہی تھی۔

☆......☆......☆

عارف کا بیٹا بخار میں جل رہا تھا۔ علینہ گم سم، کھوئی کھوئی، اُلجھی اُلجھی سی بچے کے پاس بیٹھی تھی۔ اُس کے

ذہن نے کام کرنا بند کر دیا تھا۔اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اتنے گمبھیر مسئلے کا حل کیا نکلے گا......؟ کس طرح نکلے گا......؟ ماسی برکتے ایک باؤل میں ٹھنڈا پانی اور Cotton کی پٹیاں لے کر اندر آئی۔علینہ نے کھوئی کھوئی کیفیت میں باؤل اُس کے ہاتھ سے لے لیا اور پٹی نچوڑ کر بچے کی پیشانی پر رکھ دی۔ماسی برکتے،علینہ کا کھویا کھویا پن محسوس کر رہی تھی۔کیونکہ علینہ بہت دیر سے مکمل خاموشی اختیار کئے ہوئے تھی۔ماسی اپنے اُسی خوشامدانہ انداز میں گویا ہوئی۔

''علینہ بی بی......! ترس تو بہت آتا ہے۔بچہ آئے دن بیمار رہنے لگا ہے۔دیکھیں ناں،کتنا کمزور ہو گیا ہے۔''

علی نے تیز بخار سے جلتی ہوئی آنکھیں ایک لمحے کے لئے کھولیں اور علینہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

''پھپھو......! میری ماما کہاں چلی گئی ہیں......؟ وہ گھر کب آئیں گی......؟''

علینہ بچے کی آواز سن کر تڑپ گئی۔اُس نے جھک کر بچے کی گال پر پیار کیا۔

''علی بیٹا......! اگر آپ کھانا ٹھیک سے کھائیں ناں تو آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں گے۔اسکول جائیں اور بہت سارے فرینڈز بنائیں۔اب دیکھیں،آپ بیمار ہی رہیں گے تو اُسکول کیسے جائیں گے......؟''

''مجھے اسکول نہیں جانا۔مجھے ماما کے پاس جانا ہے،آپ اُن کو بلائیں۔''

علی نے پھر دوسری بات ماں ہی کی کی۔علینہ نے بڑی بے بسی سے ماسی برکتے کی طرف دیکھا تھا۔ماسی برکتے نے بھی ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہنے لگی۔

''بس......! یہی ضد کرتا رہتا ہے۔بڑی مشکل سے تھوڑا سا دودھ پیتا ہے،کچھ نہیں کھاتا۔''

علینہ نے پٹی ہٹا کر دوسری پٹی نچوڑنا شروع کی۔

''ماسی......! اسے بہت تیز Temperature ہے۔اتنے تیز بخار میں تو بچہ ویسے ہی کھانا نہیں کھاتا۔''

ماسی برکتے نے بہت تاسف کا اظہار کرتے ہوئے جیسے وہ بہت زیادہ غم زدہ ہو،بولی۔

''ارے بیٹا......! بھینسوں کی لڑائی میں جُھنڈوں کا نقصان،بڑوں کے جھگڑوں میں بیچارے معصوم بچے مارے جا رہے ہیں۔''

علینہ نے چونک کر ماسی برکتے کی شکل دیکھی۔ماسی نے انجانے میں اس کے ذہن پر ایک چوٹ سی لگا دی تھی۔علینہ نے چند لمحے سوچا اور بولی۔

''ماسی......! پریشان اسے ہونے نہ دو۔آہستہ آہستہ اسے بھی صبر آ جائے گا۔''

ماسی برکتے نے پھر بڑی چاپلوسی اور دُکھ سے کہا۔

''وٹے سٹے کی شادیوں میں آج تک برکت نہیں دیکھی۔بھائی کے کئے کی سزا فوزیہ کو ملی۔''

علینہ بے معانی سے مسکرائی۔

''تکلیف دینے والوں کو تکلیف تو ملے گی۔تکلیف ملے گی تو اپنی زیادتی کا احساس کریں گے۔''

اُس کا انداز خود کلامی کا تھا، وہ جیسے یہ بات خود سے کر رہی تھی، مگر شکیلہ خاتون کے کان بہت تیز تھے۔ وہ اندر آتے آتے سن چکی تھی۔ ایک دم نہال ہو کر بولی۔

''سولہ آنے ٹھیک بولی میری بیٹی......! میری بے قصور بچی کو طلاق کا داغ لگاتے اُسے اپنی بہن کا خیال نہ آیا......؟''

علینہ کی آنکھوں میں غصے کی چنگاریاں چمکنے لگیں۔

''اماں......! وہ تو مجھے جان سے مار رہا تھا۔''

شکیلہ خاتون نے برجستہ کہا۔

''اب مزہ چکھ رہا ہے ناں......! اسے کہتے ہیں، اس ہاتھ دے، اُس ہاتھ لے۔''

علینہ، ماں کی طرف خالی خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''اماں......! بھائی کی فوراً دوسری شادی کر دیں، وہ تو اب گھر میں نظر ہی نہیں آتے۔''

شکیلہ خاتون بولیں۔

''میں بھی دیکھ رہی ہوں، تو بھی ذرا اپنی سہیلیوں میں دیکھ۔''

یہ کہتے ہوئے وہ علینہ کے پاس بیٹھ گئیں اور اُس کا گال چوم لیا۔

''ارے......! تیری اتنی پیاری پیاری سہیلیاں تھیں۔ سب کی شادی تو نہیں ہوگئی ہوں گی ناں......؟ کوئی نہ کوئی تو بچی ہوگی۔ ذرا آس پاس نظر تو مار......!''

علینہ نے گہری سانس لی اور مسکرائی۔

''دیکھتی ہوں اماں......! خدا کرے بھائی کی دوسری شادی ہو جائے۔ میرے تو کلیجے میں ٹھنڈک پڑ جائے گی۔ پھر دیکھنا اپنی بہن کے دُکھ میں کیسے جلے گا دن رات۔ کتنا بدل جاتے ہیں لوگ......؟''

''ارے بھئی......! صرف اسی کام سے ٹھنڈک نہیں پڑے گی میرے کلیجے میں، ٹھنڈک تو تب پڑے گی جب تیرا نکاح عدیل کے ساتھ ہوگا۔ دُشمن انگاروں پر تو تب لوٹیں گے۔''

شکیلہ خاتون نے پہلے اپنی ران پر ہاتھ مارا، پھر وہی ہاتھ سینے پر رکھ لیا۔ علینہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

''دُشمن......؟''

پھر گہری سانس لی۔

''اماں......! کیسی بے اعتبار زندگی ہے، نہ دوستی کا بھروسہ نہ دُشمنی کا پتا۔ کتنی جلدی بدل جاتے ہیں لوگ......؟''

''میں تو تیری بھی دوسری شادی جلدی کروں گی۔ ارے......! میری بچی کی عمر ہی کیا ہے......؟ اور انشاء اللہ عدیل سے ہی کروں گی۔ تجھے بھی سنبھالے گا، تیری بیٹی کو بھی سنبھالے گا۔ اُس سے بدلہ نہیں لینا کیا......؟

ارے......! اس ساری جنگ میں وہ بھی تو برابر کا شریک ہے۔ ایک منٹ چین سے نہیں بیٹھنا چاہئے اُسے۔ اُصول اور قانون تو یہی کہتا ہے۔"

ماسی برکتے نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں اور پوچھا۔

"اچھا چوہدرانی جی......! قانون میں بھی یہ لکھا ہے......؟ آپ کو کس نے بتایا......؟"

"چل تو چپ کر، بڑی آئی، اگر میں تجھے قانون پڑھا بھی دوں گی تو تجھے تھوڑی دیر بعد یاد ہوگا......؟ بڑی آئی قانون کا پوچھنے والی، جا کر اپنا کام کر۔"

شکیلہ خاتون نے بڑی بے زاری سے ماسی برکتے کو جھاڑ پلائی اور باہر کا راستہ دکھایا۔ ماسی برکتے کو اپنی بہت توہین محسوس ہوئی تھی۔ ساری محنت ایک سیکنڈ میں اکارت چلی جاتی تھی۔ چوہدرانی کے موڈ کا کوئی پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں غصہ کھاتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔ شکیلہ خاتون نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا۔

"ایک تو یہ اس بڑھیا کے ٹانگ درد نے میرا جینا حرام کر دیا ہے۔ روز پانچ سو روپے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں، مگر اس کی ٹانگ ٹھیک ہو کر نہیں دے رہی۔"

شکیلہ خاتون نے اب اپنے اندر کا غصہ کسی طرح سے تو نکال کر باہر پھینکنا تھا، اور کوئی نہیں تو ماسی برکتے ہی سہی۔

☆......☆......☆

فیاض احمد کو اسلام آباد پہنچے آج تیسرا دن بلکہ تیسری رات تھی۔ کئی مرتبہ انہوں نے ناصر حسین سے تنہائی میں بات کرنے کی کوشش کی۔ مگر ان کی ہمت جواب دے جاتی تھی۔ آج وہ اسی شش و پنج میں سرگرداں بیٹھے تھے کہ ناصر انہیں اتنی رات کو تنہا خیال میں ڈوبا دیکھ کر ان کے پاس چلا آیا اور اخلاقاً مسکراتے ہوئے ان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ جس سے فیاض احمد کو ایک مورل سپورٹ کا احساس ہوا اور بات ہونٹوں تک لانے کا حوصلہ ملا۔ ناصر کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس سے انعم کے بارے میں کوئی بھی بات کر سکتے ہیں۔ فیاض احمد نے جب اُس سے درخواست کی کہ وہ انعم کو بیوی سمجھ کر نہ سہی، اپنی بیٹی کی ماں سمجھ کر ہی اس گھر میں سر چھپانے کی اجازت دے دے تو جیسے ناصر کو اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا۔ گڑے مردے اُکھڑ سکتے ہیں، یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ تو اپنی خوشیوں کی دُنیا بسا کر روح کو چھلنی کر دینے والی حقیقتوں سے فرار حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگا رہتا تھا۔ چند لمحے تو وہ جیسے بات کرنے کے قابل ہی نہ رہا۔ سانس بھی رُک رُک کر آنے لگی۔ یہ ایک نئی ناگہانی تھی اور کتنی ظالم حقیقت کہ انعم جو اس کی نظروں سے گر چکی تھی، بہرحال اس کی لختِ جگر کی ماں تھی۔ قسمت نے اُسے ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔ وہ حیران پریشان کھوئی کھوئی کیفیت میں فیاض احمد کی طرف دیکھ رہا تھا جو اپنی بات کہہ کر نظریں جھکائے ناصر کے جواب کے منتظر تھے جیسے کوئی مجرم اعترافِ جرم کرنے کے بعد سزا سننے کے لئے چوکس اور مستعد ہو اور منصف کی آواز اُبھرنے کا انتظار کر رہا ہو۔

ناصر نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں چند لمحے کے لئے آنکھیں بند کیں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ باپ جس کا اپنا کوئی قصور نہیں، جو ہمیشہ اس پر شفیق اور مہربان رہا ہے، جس سے اس کو کبھی کوئی شکایت نہیں رہی، اس کو ایسا کیا جواب دے کہ بات بھی رہ جائے اور اس کا دل بھی دُکھے......؟ لیکن اسے کوئی مناسب جملہ نہیں سوجھ رہا تھا۔ بہر حال اُسے ہمت تو کرنا تھی۔ کچھ دیر بعد جب خاموشی کی طوالت چبھنے لگی، بہت محسوس ہونے لگی، تو اُسے کہنا ہی پڑا۔

''آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں انکل......؟ نصیب سے تو گھر کا سکھ ملا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں اپنے ہاتھوں سے اپنی پُرسکون دُنیا کو آگ لگا دوں......؟ انعم آپ کی بیٹی سہی مگر میرے دماغ کا ناسور ہے۔ انکل......! آپ نے ابھی تک بڑے حوصلے سے کام لیا ہے، تو اب وہ باتیں بھی آپ سن لیں جو بڑی تلخ حقیقت ہیں، مگر اُن کا اظہار بھی بڑا ضروری ہے۔''

فیاض احمد نے بڑے کرب سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنا دایاں ہاتھ اُٹھا کر ناصر کے کاندھے پر رکھ دیا تھا۔ یوں جیسے وہ گرنے لگے ہوں اور گرتے گرتے جیسے کسی دیوار کا سہارا لے رہے ہوں۔

''انکل......! یقین کیجئے، مجھے یہ کہتے ہوئے بڑا دُکھ ہو رہا ہے، مگر بات یہ ہے کہ انعم اگر جلتی ہوئی آگ پر بیٹھ کر بھی کوئی بات کہے تو میں اس کا اعتبار نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اعتبار ایک دفعہ کا ہوتا ہے۔''

فیاض احمد نے بڑے حوصلے اور صبر سے ناصر حسین کا جواب سنا۔ چند لمحے ان کو اپنا خشک حلق تر کرنے میں لگ گئے، پھر بڑی مشکل سے گویا ہوئے۔

''بیٹا......! ہم تم سے اس کے حقوق کا مطالبہ نہیں کر رہے۔''

ناصر حسین نے فوراً فیاض کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑی محبت سے دبایا۔ جیسے کوئی مزید سخت بات کہنے سے پہلے ان کو حوصلہ دے رہا ہو۔ پھر بولا۔

''سیدھی سی بات ہے انکل......! اس کا تو اب کوئی حق ہی نہیں ہے، نہ میرے گھر پر نہ میری ذات پر۔''

فیاض احمد نے اِک گہری سانس کھینچی اور بڑے دُکھ سے مسکرائے۔

''ہم تو بیٹا......! اس گرد کو یہ سوچ کر دبانا چاہتے ہیں، سامنے اِک بچی ہے، کل کو پرائے گھر چلی جائے گی۔ ہم اُس کو عمر بھر کی گالی سے بچانا چاہتے ہیں۔''

یہ کہہ کر انہوں نے اپنی سانس درست کی۔ پھر قدرے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوئے۔

''اور ٹھوکر کھانے کے بعد انعم وہ پہلے والی انعم نہیں رہی ناصر......! یقین کرو بیٹا......!''

ناصر حسین نے فیاض احمد کی طرف بڑے غور سے دیکھا تھا۔ فیاض احمد کے ساتھ تلخ مگر حقیقت پر مبنی باتیں کرتے ہوئے اسے صرف اس بات کا دُکھ تھا کہ وہ ایسے شخص کو مزید دُکھ پہنچا رہا ہے جس کا اس پورے جرم کے کھیل میں کوئی کردار نہیں۔

''ٹھیک ہے انکل......! میں اسے طلاق کے پیپرز دے دیتا ہوں۔ آپ اس کی کہیں اور شادی کر دیجئے۔ میرے خیال میں یہی مناسب ہے۔''

فیاض احمد نے تڑپ کر ناصر حسین کا بازو اپنی مٹھی میں دبوچ لیا۔
"رات کے اندھیرے میں دہلیز پار کرنے والی لڑکی کسی معزز آدمی کی بیوی بن سکتی ہے بیٹا......! انعم کی دوسری شادی کوئی آسان کام تو نہیں۔ ہمارا بڑھاپا اور تمہاری بیٹی تمہارے رحم کے منتظر ہیں۔تم بہت نرم دل ہو بیٹا......! تمہاری نرم دلی سے ہم کوئی ناجائز فائدہ اُٹھانا نہیں چاہتے۔ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تماشہ نہ بنے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ آنے والیں نسلیں ہماری مغفرت کے لئے ہاتھ اُٹھانا بھی گوارہ نہ کریں اور ہم ان کے لئے ننگے نام بن جائیں۔"

فیاض احمد کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔ایک کسک،ایک تڑپ سی تھی۔ناصر کے دل پر ایک چوٹ سی پڑی۔اس نے اپنے بازو پھیلا کر فیاض احمد کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔وہ فیاض احمد کے سامنے اس سے زیادہ صاف گوئی سے بات نہیں کر سکتا تھا۔اس کی رحم دلی سچا ہونے کے باوجود اسے حساس دلی میں مبتلا کر رہی تھی۔فیاض احمد اور ناصر ایک دوسرے میں اتنے محو ہو چکے تھے کہ انہیں پتا بھی نہ چلا کہ دُور کھڑی اُجالا کتنے غور سے ان دونوں کی بات چیت سن رہی تھی اور اس کے دل پر آرے چل رہے تھے۔زمین اس کے پاؤں کے نیچے یوں ہل رہی تھی جیسے پانی پر تختہ۔یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے اس خوب صورت گھر کی دیواریں اس کے اوپر آرہی ہوں۔اسے فیاض احمد کی سچائی، بے بسی اور محرومی سے بے تحاشہ خوف آرہا تھا۔اسے یوں لگ رہا تھا کہ اسے آنے والے مہمان کے سچے دُکھ کہیں اس کے دُکھوں کی بنیاد نہ بن جائے۔

"بیٹا......! میں یہ نہیں کہتا کہ تم ابھی کوئی فیصلہ کرو اور مجھے سنا دو۔تم مجھ سے وقت لے لو،مگر غور ضرور کرو۔"

اُجالا نے دیکھا کہ ناصر حسین نے فیاض احمد کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔وہ سر جھکائے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔اُجالا جہاں تک آئی تھی، بڑی مشکل سے خود کو سنبھالتی ہوئی وہیں سے پلٹ گئی۔اپنے آپ کو سمجھاتے سمجھاتے کاموں میں خود کو اُلجھا کر کچھ وقت تو گزر گیا تھا۔مگر رات ہوتے ہی ناصر سو گیا تو اُجالا کو خوف ستانے لگے کہ کہیں اس کی جاگی ہوئی قسمت پھر سے نہ سو جائے۔وہ ایک ٹک ناصر حسین کو دیکھ رہی تھی۔اسے ناصر کا اعتبار تو بہت تھا مگر دُنیا کے سارے لوگ تو ناصر جیسے نہیں تھے،اس کے لئے ناصر تو نہیں تھے۔انجانے وہم اور اندیشے اس کا سکون لوٹ چکے تھے،آنکھوں میں دُور دُور تک نیند کا نام ونشان نہ تھا۔

"فیاض انکل رحم کی بھیک مانگ رہے ہیں کہ ناصر حسین جیسا آدمی جو اتنا رحم دل شخص ہو، جو کسی کی آنکھ میں آنسو نہ دیکھ سکتا ہو، میری بات کو ٹھکرا دے گا، لیکن میرے علاوہ ناصر کی ایک بیٹی بھی تو ہے جس کی ماں انعم ہے۔اولاد بڑی پیاری ہوتی ہے اور پیار کے اس مضبوط رشتے میں کچھ لوگ خود بخود بندھ جاتے ہیں۔چاہتے ہوئے بھی ان سے رُخ نہیں موڑے جاتے۔اگر انعم اس گھر میں آگئی تو......؟"

یہ سوالیہ نشان اُجالا کے سامنے پھانسی کے پھندے کی طرح جھول رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہاج کمرے کی تیز روشنیاں بجھائے خالی آنکھوں سے دیوار کی سمت یوں گھورے جا رہا تھا جیسے اسکرین پر کوئی فلم چل رہی ہو اور اس کی نظریں ایسی ہی جمی ہوں۔ اسی وقت فوزیہ دروازے پر دستک دے کر اندر چلی آئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ جہاں تک وہاج کو یاد پڑتا تھا، اس نے فوزیہ کی خشک آنکھیں کئی دن سے نہیں دیکھی تھیں۔ وہ جب بھی اس کی طرف دیکھتا تھا، اس کی آنکھیں برسنے کے لئے بے تاب دکھائی دیتی تھیں۔

''آؤ آؤ فوزیہ......! وہاں کیوں کھڑی ہو گئی ہو......؟''

''بھائی......! میں صرف یہ پوچھنے آئی ہوں کہ کیا عارف سے آپ کی بات ہوئی......؟''

وہاج پہلے تو چونکا پھر بڑی مہارت سے خود کو سنبھال کر زبردستی مسکرایا۔

''ہاں ہاں......! بات ہوئی ہے۔''

فوزیہ بے یقینی کی کیفیت میں وہاج کی طرف دیکھنے لگی۔

''تو آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا......؟ کتنی دیر سے آپ گھر میں ہیں۔ مجھ سے ایک پل کاٹے نہیں کٹ رہا۔ کیا کہا عارف نے......؟''

فوزیہ کی آواز آنسوؤں کے اثر میں گھر چکی تھی۔

''وہ میں نے اُسے تمہارا بتایا تھا کہ تمہاری طبیعت خراب ہے، تم بیمار ہو، تو وہ یہ سن کر تھوڑا سا فکر مند ہو گیا۔ اگرچہ ابھی اس کو غصہ ہے۔ لیکن اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی جیسے وہ پہلے کر رہا تھا۔''

''بھائی......! آپ سچ کہہ رہے ہیں......؟''

فوزیہ کی آنکھوں میں خوشی کے ساتھ ساتھ بے یقینی کی کیفیت بھی تھی۔

''جھوٹ بولنے کا کیا فائدہ......؟ مجھے لگ رہا تھا کہ اسے اپنے فیصلے پر پچھتاوا ہے۔ انشاء اللہ کچھ دنوں میں حالات اپنے معمول پر آ جائیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔ اب کوئی کھیل بگڑ جائے تو سنبھالنے میں تھوڑا وقت تو لگتا ہے ناں......!''

فوزیہ نے بڑی تیزی سے وہاج کی بات کاٹی۔

''آپ سب باتیں چھوڑیں، مجھے یہ بتائیں انہوں نے اور کیا کہا ہے......؟''

''کچھ نہیں......! بس مجھے برا بھلا کہہ رہا تھا۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنی اَنا کی وجہ سے اپنی بات پر قائم ہے۔ مجھے اس کے اندر کافی تبدیلی محسوس ہوئی ہے۔ ایک آدھ دفعہ اس سے باتیں کروں گا تو پھر معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔''

فوزیہ نے بڑی بے بسی سے وہاج کی طرف دیکھا۔ مایوسی کی کیفیت پھر اُسے ڈھانپ چکی تھی۔

''پتا نہیں کب ہو گا ٹھیک سب کچھ......؟ تب تک تو میں مر چکی ہوں گی۔''

''مایوسی گناہ ہے فوزیہ......! تم اگر مجھے اسی طرح دُکھ دو گی تو میں بھی بیمار ہو جاؤں گا۔ میں بھی تو ہمت سے کام لے رہا ہوں۔''

فوزیہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
"مجھے پتا ہے، کچھ دنوں بعد آپ بھی مجھ سے بیزار ہو جائیں گے۔"
وہ روتے روتے کہنے لگی۔
"تم میری سگی بہن ہو فوزیہ......! تمہارے دُکھ سکھ سب میرے اپنے ہیں۔ خوشیوں کے انتظار میں ٹائم لگتا ہے تو دُکھ کے لمحات میں ٹائم درکار ہوتا ہے۔ ایک چھومنتر میں سارے دُکھ ہوا نہیں ہو جاتے۔"
فوزیہ نے وہاج کی طرف دیکھا۔ پھر جس جگہ آ کر کھڑی ہوئی تھی، چپ چاپ وہیں سے پلٹ گئی۔ وہ جا رہی تھی، وہاج نے اسے روکا بھی نہیں۔ شاید وہ چاہتا تھا کہ وہ اس کے سامنے سے چلی جائے کیونکہ جھوٹ بولنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ بہلانے کے لئے یہ دو چار باتیں کافی تھیں۔

☆......☆......☆

فیاض احمد نے گھر میں چھائی گہری خاموشی سے اندازہ لگا لیا کہ بیبہ، ناصر اور اُجالا گہری نیند سو چکے ہیں۔ تب انہوں نے سلمٰی سے بات کرنے کے لئے اپنا موبائل اُٹھایا اور باہر لان میں چلے آئے۔ انہیں پتا تھا کہ سلمٰی بیگم بڑی بے تابی سے ان کے فون کا انتظار کر رہی ہوں گی اور یہی ہوا، اور جیسے ہی انہوں نے نمبر ڈائل کیا۔ سلمٰی بیگم نے پہلی رِنگ پر ہی کال ریسیو کی۔ ان کے انداز میں بڑی بے قراری اور بڑی بے تابی تھی۔
"السلام علیکم......! فیاض......! بڑی دیر سے میں آپ کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔ کیا کر رہے تھے آپ......؟ آپ کو اندازہ ہے کہ ایک ایک پل مجھ پر کیسا بھاری ہے......؟"
"موقع محل دیکھ کر ہی تم سے بات کر سکتا ہوں سلمٰی......! اب سب کے سامنے تو یہ سب کچھ نہیں کہا جا سکتا ناں۔ اُجالا اور بیبہ زیادہ تر سب کے سامنے ہی ہوتی ہیں۔"
سلمٰی بیگم کے دل پر ایک برچھی سی پڑی۔
"اُجالا......؟"
ان کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔
"اُجالا، ناصر کی بیوی، بہت اچھی لڑکی ہے۔ اتنی اچھی لڑکی ہے کہ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اللہ نے ناصر کو اس کے صبر کا پھل عطا کیا ہو۔"
"کیا کہہ رہے ہیں فیاض آپ......؟ وہاں بیٹھ کر اُس لڑکی کے گُن گا رہے ہیں جو آپ کی بیٹی کی جگہ پر بیٹھی ہے......؟"
سلمٰی بیگم جیسے تڑپ کر بولی تھیں۔
"حقیقت کو ماننے میں ہی بہت سارے مسئلے سمٹ جاتے ہیں۔ حقیقت بہت بے رحم ہوتی ہے، لیکن مانے بغیر چارہ نہیں ہے۔"

''آپ تو اپنی بیٹی کے لئے اس گھر میں جگہ بنانے گئے تھے۔اب اتنی رات کو اس لڑکی کے گُن گا رہے ہیں......؟''

سلمیٰ بیگم کے انداز میں بڑی بے بسی بھی تھی اور تھوڑی سی تلخی بھی۔

''گُن نہیں گا رہا سلمیٰ......! جو حقیقت ہے، وہ بتا رہا ہوں۔''

''مجھے کچھ نہیں پتا فیاض......! آپ کو کچھ کرنا ہوگا۔''

''میں نے ناصر سے بات کی تھی۔''

اتنا کہہ کر فیاض احمد رُک گئے اور سلمیٰ بیگم کے دل پر جیسے پنکھے لگ گئے۔

''ہاں ہاں......! بولیں، آپ نے بات کی تو ناصر نے کیا کہا......؟''

''تم خود ہی سوچو، ناصر کیا کہہ سکتا ہے......؟ کیا یہ سب کچھ اتنا آسان ہے......؟''

''لیکن فیاض......! ناصر بہت اچھا ہے۔آپ اسے بتائیں ناں کہ انعم بہت بدل چکی ہے اور اپنے کئے پر پچھتا رہی ہے۔ٹھوکریں کھا کر اُس کی آنکھیں کھل چکی ہیں۔''

''میں انعم کے بارے میں ناصر کو سب کچھ بتا چکا ہوں سلمیٰ......! اب ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی بات نہ کرو۔ یہ پیچیدہ گتھی ہے۔اسے سلجھانے میں ٹائم تو لگے گا ناں......!''

''اچھا، تو ناصر کچھ بھی نہیں بولا......؟ چلیں ٹھیک ہے، کم سے کم آپ نے اپنے وہاں جانے کی وجہ تو بتا دی۔''

''وہ سوچے گا، غور کرے گا، اللہ کرے اسے ہماری بے بسی پر رحم آجائے اور اللہ بھی ہمارے اوپر رحم کر دے، ہماری خطاؤں کو معاف کر دے۔آمین......!''

فیاض احمد نے بڑی دل سوزی سے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے فیاض......! میں انتظار کر رہی ہوں۔لیکن بھولیے گا نہیں، آپ جس مقصد سے گئے ہیں، اس مقصد میں کامیابی حاصل کر کے ہی لوٹنا ہے۔''

''دُعا کرو سلمیٰ......! کوئی راستہ نکل آئے۔خدا حافظ......!''

فیاض احمد نے کھوئی کھوئی کیفیت میں کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔نیند ویران ہوئے تو زمانے ہو رہے تھے۔نہ بستر اپنی طرف کھینچتا تھا نہ آنکھوں میں نیند بھرنے کی تمنا تھی۔

☆......☆......☆

وہ انعم جس کو گھر کی چار دیواری میں بوریت محسوس ہوتی تھی، آج ایک کمرے تک محدود ہو چکی تھی۔سلمیٰ بیگم نے بہت سوچنے کے بعد اسے کمرے سے باہر لانے کا حل نکالا۔انہوں نے سوچا۔

''بغیر کسی وجہ کے بہنوں کے درمیان دُوریاں آچکی ہیں۔انہیں مٹانا چاہئے۔بہن کو بہن سے ڈھارس ہوتی

ہے۔"

مریم کی طرف سے تو انہیں اطمینان تھا کہ وہ انعم کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کرے گی۔ لیکن اصل مرحلہ تو انعم کو مریم کے گھر لے جانے کے لئے تیار کرنے کا تھا۔ انہوں نے اپنے میڈیکل چیک اَپ کا بہانہ بنایا اور انعم سے بولیں۔

"بیٹا......! ڈرائیور کے ساتھ تو میں اکثر جاتی رہتی ہوں۔ آج گاڑی تم ڈرائیو کرو۔ میں تمہارے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔"

انعم بستر پر لیٹی ہوئی چھت کی طرف گھور رہی تھی۔ اس نے آنکھوں کو جنبش دی اور بغیر گردن ہلائے ماں کی طرف دیکھا۔

"امی......! میرا بالکل موڈ نہیں ہے۔"

"چلو ناں بیٹا......! یوں پڑے پڑے تو پتھر بھی اُکتا جاتا ہے۔ جو ہونا تھا، وہ ہو چکا اور جو ہونے والا ہے، ہم نہیں جانتے۔ بیٹا......! اس طرح تو زندگی نہیں گزرتی۔ چلو شاباش اُٹھو......!"

انعم جو اس وقت محبتوں کی کمی کو شدت سے محسوس کر رہی تھی، ماں کا غم اس کے دل میں تھا جو اس کی ساری غلطیوں کو بھلا کر پھر اسی کی دلجوئی میں لگی تھی، اب اس سے انکار نہ ہو سکا۔

"چلیں امی......! میں چلتی ہوں آپ کے ساتھ۔"

یہ کہہ کر سرہانے پڑا ہوا دوپٹہ اُٹھایا اور باہر جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے۔

"اسی لباس میں بیٹا......؟"

سلمٰی بیگم نے پھر کہا۔

"امی......! ٹھیک ہے، میرا موڈ نہیں ہے۔ کیا خرابی ہے ان کپڑوں میں......؟ ہاسپٹل ہی تو جا رہے ہیں۔"

سلمٰی بیگم نے زیادہ زور اس لئے نہیں دیا کہ کہیں میرے منہ سے یہ نہ نکل جائے کہ میں اسے مریم کے گھر لے کر جا رہی ہوں اور یہ سن کر انعم دوبارہ بستر پر نہ بیٹھ جائے۔

"ٹھیک ہے بیٹا......! چلو، میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی۔"

انہوں نے گہری سانس لے کر انعم کی طرف دیکھا اور انعم کے کمرے سے باہر نکل گئی۔ انعم ان کے پیچھے کمرے سے باہر آ گئی۔

☆......☆......☆

مریم، مسز سارہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی گود میں فضیل تھا۔ وہ اسے فیڈر سے دودھ پلا رہی تھی اور مسز سارہ بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ اس کے گھر میں کبھی کچھ ہوا ہی نہیں۔ ساس بہو کی محبت اور اپنائیت کا تاثر ایسا منظر پیش کر رہا تھا جیسے یہ گھر تو جنت ہے۔ لیکن یہ نظر کا دھوکہ تھا۔ مریم جس طرح اپنے

آپ کو کھینچ کر گھسیٹ کر یہ دن گزار رہی تھی، یہ وہی جانتی تھی یا اس کا اللہ۔ لیکن وہ مسز سارہ کے ساتھ پہلے ہی کی طرح بات چیت کرتی تھی کیونکہ یہ اس کا مزاج نہیں تھا۔ یہ اپنی آگ میں دوسروں کو بغیر کسی وجہ کے لپیٹنے کی کوشش کر رہی ہے۔

''آج ایک بڑی زبردست پارٹی ہے، میں سوچ رہی ہوں کہ تمہیں ساتھ لے جاؤں۔''

مسز سارہ نے بڑی پیار بھری نظروں سے مریم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مریم کو یوں لگا جیسے وہ کوئی بچی ہے اور مسز سارہ اسے کوئی لولی پاپ دے کر بہلا رہی ہیں۔ اس نے بہت احتیاط سے اور بڑی تابعداری سے انکار کر دیا۔

''نہیں امی......! آپ چلی جائیں۔ آج مجھے ضروری کام کرنا ہے۔ اب دیکھیں ناں، اس کے بھی بہت کام ہوتے ہیں اور میری چھٹیوں کی وجہ سے بڑا مسئلہ ہو رہا ہے۔ پینڈنگ کام نمٹانے ہیں۔''

وہ اتنا ہی بول پائی تھی کہ نوکر نے آ کر اطلاع دی کہ سلمٰی بیگم آئی ہیں۔ مریم بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک تھی۔

''امی آئی ہیں، اتنی صبح......؟ امی اتنا سویرے سویرے کیسے آ گئیں......؟''

وہ ماں کی آمد کا سن کر جیسے سب کچھ بھلا بیٹھی، لیکن اس وقت اس کی حیرت کی انتہاء نہ رہی جب اس نے سلمٰی بیگم کے ساتھ انعم کو اندر آتے دیکھا۔ وہ ایک دم سنبھل گئی۔ اس نے ماں کو سلام کیا اور انعم کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ اسے حیرت بھی تھی اور اس کے ذہن بہت سے سوال بھی مچلنے لگے تھے، لیکن موقع محل نہیں تھا۔

''آؤ آؤ انعم......! مجھے تو حیرت ہے کہ تم آج کیسے گھر سے نکل پڑیں......؟''

''کیوں......؟ کیا اس کے گھر سے نکلنے پر پابندی ہے......؟''

مسز سارہ نے ہنستے ہوئے سلمٰی بیگم کی طرف دیکھا۔ سلمٰی بیگم سیدھے سے جملے سے بھی گھبرا کر پریشان ہو کر ایک دم بدحواس ہو کر مسکرائیں اور انعم کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''نہیں نہیں......! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ اصل میں اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔ مجھے بھی اپنا چیک اَپ کروانا تھا۔ اب ہاسپٹل جاتے ہیں تو آپ کا گھر راستے میں پڑتا ہے۔ میں انعم کو لے کر ادھر آ گئی کہ مریم اور آپ کی خیریت ہی پوچھتے چلیں۔''

''بہت شکریہ......!''

مسز سارہ کو جیسے سلمٰی بیگم کا اخلاق اور محبت دیکھ کر ہمیشہ تکلیف ہونے لگی۔ انہوں نے بڑی تعریفی نظروں سے مریم کی طرف دیکھا تھا۔ انہوں نے لاشعوری طور پر اسے سراہا تھا کہ وہ اتنا سنبھل کر چل رہی ہے کہ کم از کم اس نے ساس کی عزت تو رکھی ہوئی ہے۔ انعم، سلمٰی بیگم کے ساتھ مریم اور مسز سارہ کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔ انعم کی گہری خاموشی کو مسز سارہ نوٹ کر رہی تھیں۔ انعم پر نگاہ پڑتے ہی عدیل کے منہ سے نکلا ہوا ایک جملہ گونجنے لگا تھا۔

''ممی......! یہ گھر بسانا ہی نہیں چاہتی۔ اس کی بہن بھی اپنے شوہر سے علیحدگی لے چکی ہے۔''

مسز سارہ نے سلمٰی بیگم کی طرف دیکھا۔ ایک سوال ذہن سے پھسل کر زبان پر آیا ہی تھا کہ انہوں نے خود کو

روک دیا۔ جب بھی سب کچھ چھپا ہوا ہے۔ سلمٰی بیگم نے اپنی زبان سے کچھ نہیں بتایا کہ اُن سے پوچھو کہ کیا اُن کی بیٹی کو طلاق ہو چکی ہے......؟ ویسے بھی مناسب نہیں لگتا۔ انہوں سے جلدی سے بات بدل ڈالی اور حالات حاضرہ پر بات کرنے لگیں۔ انہوں نے موضوع چینج کیا۔ مریم اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ممی......! میں فضیل کو کاٹ میں لٹا کر چائے لے کر آتی ہوں۔''

پھر اپنی بات کہہ کر خود ہی ہنس پڑی اور ماں کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

''امی......! میں نے خود ہی کہہ دیا کہ چائے لے آتی ہوں۔ آپ سے اور انعم سے تو پوچھا ہی نہیں کہ آپ دونوں چائے پئیں گے یا ٹھنڈا......؟''

انعم جیسے جبراً مسکرائی۔

''ٹھیک ہے مریم......! چائے ہی ٹھیک ہے۔''

سلمٰی بیگم بولیں۔

''ارے بیٹا......! کیوں تکلف کر رہی ہو......؟ آرام سے ماں کے پاس بیٹھو۔ یہ چائے پانی تو گھر میں چلتا ہی رہتا ہے۔''

''ارے نہیں سلمٰی......! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں......؟ اتنے دنوں بعد تو آپ آئی ہیں، اب چائے یا ٹھنڈا، کچھ تو ہونا چاہیے۔ جاؤ مریم بیٹا......! فضیل کو لٹا کر چائے لے آؤ۔''

مسز سارہ نے مریم کی طرف دیکھ کر کہا۔ مریم وہاں سے چلی گئی۔ مسز سارہ کے ذہن نے انعم کے بارے میں بے شمار سوال تھے۔ وہ بظاہر سلمٰی بیگم سے بات کر رہی تھیں لیکن ان کے کانوں میں ایک بار پھر عدیل کی آواز گونج رہی تھی۔

''ممی......! یہ گھر بسانا ہی نہیں چاہتی۔ اس کی بہن بھی طلاق لے چکی ہے۔''

مسز سارہ نے جیسے سر جھٹک کر خیالات سے پیچھا چھڑایا اور انعم کی طرف دیکھ بولی۔

''بہت چپ چپ ہو انعم......! سب خیریت ہے ناں بیٹا......؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......؟''

''ہاں......! اُس کی طبیعت اچانک بگڑ جاتی ہے۔ کچھ بی پی کا مسئلہ ہے۔''

''اچھا اچھا......! چلو، یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔''

انعم نے گہری سانس لی اور ماں کی طرف دیکھا۔

''بس آنٹی......! کبھی لو ہو جاتا ہے تو کبھی ہائی۔ پتا ہی نہیں چلتا۔''

''ارے بھئی......! تمہاری عمر ہی کیا ہے......؟ اپنے آپ کو سنبھالو، ایک چھوٹی سی بچی کا ساتھ ہے۔ ظاہر ہے، ماں صحت مند، گھرانہ صحت مند۔''

مسز سارہ نے مزاحیہ انداز میں بات کی اور ہنس پڑیں۔ سلمٰی بیگم بھی ان کا ساتھ دینے لگیں۔ پھر سلمٰی بیگم بولیں۔

''ہاں......! آج کل یہ میرے پاس آئی ہوئی ہے۔ بس وہ دونوں میاں بیوی میں ٹینشن ہو جاتی ہے تو میں اسے بلا لیتی ہوں دو چار دن ریسٹ کرنے کے لئے۔''

سلمٰی بیگم سے جھوٹ بولنا مشکل ہو رہا تھا، وہ بات کرتے ہوئے مسلسل نظریں بھی چرا رہی تھیں۔ انعم نے بڑی معنی خیز نظروں سے اور گہری سانس لینے کے بعد ماں کی طرف بہت غور سے دیکھا۔ مسز سارہ بہت کچھ نوٹ کر رہی تھیں اور محسوس بھی کر رہی تھیں۔ فوراً بولیں۔

''ہاں......! انڈر اسٹینڈنگ کا ایشو تو ہر رشتے میں ہو سکتا ہے۔ میں تو مریم کو بھی سمجھاتی ہوں کہ بیٹا......! میاں بیوی کے درمیان کچھ چھوٹی موٹی بات چیت تو چلتی رہتی ہے۔ اس کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔''

''جی بالکل بالکل......!''

سلمٰی بیگم نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور گھبرا کر انعم کی طرف دیکھا۔ انعم اُلجھی اُلجھی نظروں سے مسز سارہ کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی ذہن میں سوال اُٹھ رہے تھے کہ مریم کو کیوں سمجھاتی ہیں......؟ مریم کو کیا مسئلہ ہے......؟ وہ تو ٹھیک ٹھاک ہے، خوش ہے۔ پھر خود ہی دھیرے سے ہنس کر بولی۔

''آنٹی......! کیا مریم کے ساتھ بھی کوئی مسئلہ ہے......؟''

''ارے نہیں نہیں......! ویسے ہی مثال کے طور پر ایک بات کی تھی۔ چھوڑو خیر......! ان باتوں میں کیا رکھا ہے......؟ آپ اپنی سنائیے مسز سارہ......! آپ کا لندن جانے کا تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔ اب آپ میری بیٹی کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔''

سلمٰی بیگم نے کمال مہارت اور ذہانت سے ایک دم پینترا بدل کر دوسری بات شروع کر دی۔ مسز سارہ بات بدلنے والی اس ادا سے بہت کچھ سمجھ گئی تھیں اور انہوں نے بڑے وقار سے مسکرا کر سلمٰی بیگم کی طرف دیکھا جیسے انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ کسی کے پردے زبردستی نہیں اُتارنے چاہئے، ہنس کر بولیں۔

''اب وہ آپ کی بیٹی نہیں، میری بیٹی ہے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے لاشعوری طور پر ایک نگاہ انعم کی طرف ڈالی۔ انعم، مسز سارہ کے لہجے کی محبت اور چاشنی کو محسوس کئے بنا نہ رہ سکی۔ کچھ شکوک تو فوراً ہی رفع ہو گئے۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ مسز سارہ کتنی محبت کرنی والی ساس ہے، مریم بھی خوش نصیب ہے۔ پھر اِدھر اُدھر کی باتوں میں چند منٹ گزرے اور مریم چائے لوازمات کے ساتھ لے کر اندر آ گئی۔ مسز سارہ نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور اپنی جگہ سے کھڑی ہوتے ہوئے بولیں۔

''مریم......! سلمٰی اور انعم کو چائے پلاؤ۔ میں ذرا اِک ضروری فون کر کے آتی ہوں۔''

انہوں نے جان بوجھ کر مریم اور سلمٰی بیگم کو تنہائی میں بات کرنے کا موقع دیا۔ یہ سوچ کر کہ جانے ماں اپنی بیٹی سے دل کی کوئی بات کہنا چاہتی ہو اور ان کی موجودگی میں کہہ نہ پا رہی ہو۔

''ارے نہیں نہیں......! آپ بھی تو ہمارے ساتھ چائے پیجئے۔''

سلمٰی بیگم بولیں۔

''نہیں......! وہ آپ کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے ہی میں نے بہت زور دار، زبردست، گرما گرم کافی کا بڑا سا مگ خالی کیا ہے۔''

''چلیں ٹھیک ہے، آپ فون کر کے آجائیں پھر آپ سے باتیں ہوتی ہیں۔ ابھی ہم تھوڑی دیر بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''آپ زیادہ دیر بیٹھیۓ بلکہ میں کہتی ہوں کہ آج آپ لنچ بھی ہمارے ساتھ ہی کریں۔''

مسز سارہ ہنستے ہوئے بولیں۔

''ارے......! لنچ میں تو بہت ٹائم ہے، پھر انشاء اللہ کسی دن سہی۔''

''میں آتی ہوں۔''

مسز سارہ یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔ مسز سارہ کے جاتے ہی مریم نے انعم کی طرف دیکھا اور پھر دائیں بائیں دیکھتے ہوئے آہستہ آواز سے میں بولی۔

''امی......! بابا کو گئے ہوئے بہت دن ہو گئے، کوئی بات ہوئی......؟''

انعم نے بڑی سپاٹ نظروں سے مریم کی طرف دیکھا۔

''چھوڑو مریم......! دل جلانے کے لئے اور لوگ کم تھے، میں تمہارے گھر تم سے ملنے آئی ہوں۔ اس لئے نہیں کہ تم میرے زخموں پر نمک چھڑکو۔''

''ارے ارے......! خبردار جو ایسی باتیں شروع کیں۔ میں تو تمہیں اس لئے مریم کے پاس لے کر آئی ہوں کہ تم دونوں بہنیں ایک دوسرے سے اچھی اچھی باتیں کرو۔ دو ہی تو تم بہنیں ہو۔ لڑائی اچھی بات نہیں ہوتی بیٹا......! ایک دوسرے کا خیال کرو گی تو ہر مشکل ہلکی لگے گی۔''

''میں کوئی لڑائی وڑائی نہیں کر رہی ممی......! بس مجھ سے اس طرح کا ٹاپک نہ چھیڑیں۔''

''چلو ٹھیک ہے......! اگر تمہیں اس ٹاپک پر تکلیف ہوتی ہے تو چھوڑ دیتے ہیں۔ تم چائے پیؤ، بلکہ میں کوشش کروں گی کہ آئندہ کوئی ایسی بات نہ کروں جس سے تم مینٹلی ٹارچر ہو۔''

یہ کہہ کر مریم چائے بنانے لگی۔ انعم نے مریم کی طرف دیکھا۔

''Thank you''

سلمٰی بیگم اب خاموش سی ہو کر رہ گئیں۔ مختلف قسم کی سوچوں نے اسے اس ماحول سے دُور لے جا کر کھڑا کر دیا۔ مریم نے انہیں چائے کا کپ تھمایا۔ انہوں نے بڑی غائب دماغی کی کیفیت میں اُس سے چائے کا کپ لیا۔

☆......☆......☆

ناصر حسین آفس سے آ کر سیدھے فیاض احمد کے پاس چلے جایا کرتے۔ آج وہ دن بھر آفس میں بہت اُلجھا رہا۔ کوئی کام بھی ٹھیک سے نہیں کر پایا۔ اس نے شل ہوتے ہوئے دماغ کے ساتھ آخر کار یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ فیاض

احمد کو ہوا میں معلق نہیں رکھے گا، دوٹوک اور فیصلہ کن بات کر کے اس معاملہ کو ایک طرف کر دے گا، تاکہ فیاض احمد اس سے مایوس ہو جائیں اور اس کے ہنستے بستے گھر میں کسی طوفان کے اُٹھنے کی باتیں نہ کریں۔ اپنی بیٹی کے پردے رکھنے کے لئے اُسے اور اُجالا کو استعمال نہ کریں۔ اُجالا اُس کے پیچھے آرہی تھی۔ ناصر نے اُجالا کو اپنے پیچھے آتا دیکھا تو روک دیا اور بولا۔

''اُجالا......! میرے اور فیاض انکل کے لئے اچھی سی چائے بنا کر لے آؤ۔ مجھے فیاض انکل سے کچھ بات کرنی ہے۔ پھر میں آتا ہوں۔''

اُجالا اپنی جگہ پر رُک گئی اور بڑے جبر سے مسکرائی۔

''ٹھیک ہے ناصر......! میں چائے لے کر آتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ پلٹ گئی۔ ناصر حسین، فیاض احمد کے پاس چلا آیا۔ رسمی سلام دُعا کے بعد وہ دل مضبوط کر کے فیاض احمد کی طرف دیکھنے لگا۔ فیاض احمد اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آنکھوں میں معصوم سی تشویش تھی۔ ناصر حسین نے فوراً نظریں چرالیں۔

''وہ انکل......! آپ نے ایک بات کی تھی، میں مسلسل اس پر غور کرتا رہا۔''

''ہاں بیٹا......! میں نے اس لئے بات کی تھی کہ تم غور کرو۔''

فیاض احمد کا صبر لبریز ہونے لگا۔ وہ بڑی اُمید بھری نظروں سے ناصر کی طرف دیکھنے لگے۔

''میں غور کر چکا ہوں انکل......! میں اصل میں اسے آپ کی سادگی ہی کہہ سکتا ہوں، اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہوں......؟ آپ دیکھ رہے ہیں ناں کہ اس گھر میں کتنی روشنی ہے اور بیہ بھی کتنی خوش ہے۔''

''ماشاءاللہ، ماشاءاللہ......!''

فیاض احمد نے برجستہ کہا۔

''اللہ تمہیں یہ خوشیاں مبارک کرے اور ان خوشیوں کو ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین......!''

''آپ نے دُعا دے دی ناں انکل......! اس دُعا کی قبولیت کا انحصار اس بات پر ہے کہ اب میرے، اُجالا اور بیہ کے درمیان کوئی نہ آئے، تبھی ہماری خوشیاں محفوظ اور Scure ہیں۔''

فیاض احمد کے دل میں جیسے کوئی شیشہ ٹوٹا تھا۔ چھن چھن کی آوازوں کے ساتھ اُن کے اعصاب شل ہوگئے۔ ناصر کی اس مختصر سی بات میں ان کے سارے صبر کا حاصل تھا۔ بے اختیار ان کی آنکھیں چھلک پڑیں کیونکہ اب اُمید ٹوٹ گئی تھی اور اس طرح سے ٹوٹ گئی تھی کہ گرہ نہیں لگائی جاسکتی تھی۔ بہرحال انہوں نے کچھ تو کہنا تھا۔ وہ کچھ پل خود پر قابو پاتے ہوئے بمشکل گویا ہوئے۔

''ہاں بیٹا......! اُجالا بہت اچھی لڑکی ہے۔ ماشاءاللہ بہت نیک بچی ہے۔''

''اس لئے تو کہہ رہا ہوں انکل......! کوئی بہت اچھا ہو تو اُسے اتنا نہیں آزمانا چاہئے۔ مجھے تو سوچ کر بھی شرم آتی ہے کہ میں اس بے قصور لڑکی پر اپنے بوجھ ڈالوں۔''

''بیٹا......! ہم نے تمہیں یہ نہیں کہا کہ تم انعم کے بوجھ اُٹھا لو۔ اللہ کا شکر ہے، اس کے پاس اتنا کچھ ہے کہ وہ تم سے کبھی روٹی کپڑے کا مطالبہ نہیں کرے گی۔''

فیاض احمد جلدی سے بولے۔

''انکل......! کیسی باتیں کر رہے ہیں......؟ گھر میں دو تین نوکر ہوتے ہیں، وہ بھی روٹی کھا لیتے ہیں تو بھی میں گھبراتا نہیں۔ میں روٹی کپڑے کی بات نہیں کر رہا۔ ذرا آپ اس گھر کا تصور کیجئے جہاں دو میاں بیوی ایک دوسرے سے بہت خوش رہ رہے ہوں اور ان کے بیچ کوئی تیسرا آ جائے کہ جس کے ہوتے ہوئے انہیں اپنی خوشی کرکری محسوس ہونے لگے، اپنی خوشی پھیکی پڑتی ہوئی دکھائی دینے لگے۔''

ناصر نے اب بڑی بے بسی سے جیسے اُنہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ مگر ایک لٹے پٹے باپ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس وقت شدید گرد میں گھِر کر عزتِ نفس نے ان کی سوچ کے سارے دروازے بند کئے ہوئے تھے، اور وہ کسی ضدی بچے کی طرح جیسے ناصر سے بس ہاں سننا چاہتے تھے۔ اُس ضدی بچے کی طرح جو مسلسل ایک فرمائش کئے جا رہا ہو اور نہ سننے کے بعد اُس کی ضد بڑھتی جا رہی ہو۔

''انکل......! کاش میں آپ کو کوئی خوش خبری دے سکتا۔ آپ اپنی جس خوشی کا مطالبہ کر رہے ہیں، اس خوشی کی قیمت کئی بے گناہ انسانوں کو ادا کرنے پڑے گی اور یہ سراسر ناانصافی ہے۔ میرے خیال میں یہ باب اب کلوز ہو چکا ہے۔ مجھے بہت دُکھ ہے کہ میں آپ کو مایوس کر رہا ہوں۔''

اُسی وقت اُجالا چائے لے کر کمرے میں داخل ہوگئی۔ اس نے کھوجتی ہوئی نظروں سے دونوں کے چہروں پر کچھ لکھا ہوا پڑھنے کی کوشش کی۔ یہ تو اُسے سمجھ میں آ گیا کہ دونوں میں سے خوش کوئی نہیں ہے، لیکن ان دونوں کی آنکھوں سے جھلکنے والا تفکر اور دُکھ اُس کی سمجھ سے باہر تھا۔ فیاض احمد نے بڑی حسرت بھری نظروں سے اُجالا کی طرف دیکھا تھا۔ ناصر سر جھکائے کسی گہری سوچ میں کھو چکا تھا۔ اُجالا قریب بیٹھ کر چائے بنانے لگی۔ لیکن ان دونوں کی کیفیت دیکھ کر کوئی بات کرنے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا۔ جانے اُسے کیوں ڈر لگ رہا تھا......؟ یوں جیسے ان دونوں کی خاموشی کے پیچھے بڑے قیامت خیز طوفان چھپے ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

فوزیہ اور عارف کا اکلوتا بیٹا، چھوٹا سا معصوم بچہ اس وقت بخار میں جھلس رہا تھا۔

شکیلہ خاتون اور ماسی برکتے اُس کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں۔ عارف اُس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ بچے کی بس ایک ہی رَٹ تھی۔

''میں دوائی نہیں پیوں گا، میں دوا نہیں پیوں گا۔ مما کو بلائیں، مما کو بلائیں۔''

عارف کو غصہ تو بہت آ رہا تھا، مگر بچے کی حالت کے پیش نظر وہ بڑے ضبط سے کام لے رہا تھا۔

''بیٹا......! آپ دوا پی لو، اگر آپ دوا نہیں پیؤ گے تو میں آپ کو بڑی دادی کے پاس گاؤں چھوڑ آؤں گا۔

پھر اکیلے رہو گے آپ بڑی دادی کے پاس۔ میں بھی نہیں آؤں گا۔"

اس نے بچے کو دھمکی دی۔ بچہ رونے لگا۔

"مجھے ماما کے پاس جانا ہے، مجھے ماما کے پاس جانا ہے۔"

عارف نے بڑی بے بسی سے شکیلہ خاتون کی طرف دیکھا۔

"اماں......! آپ سنبھالیں اس کو، کسی طرح دوا تو پلائیں اس کو۔"

"ارے بیٹا......! کب سے جتن کر رہی ہوں۔ اسی لئے تو تمہیں بلایا تھا کہ بھئی ہمارے قابو میں تو نہیں آرہا۔ تم ہی دوا پلا دو۔"

علی نے پھر ضد شروع کر دی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ دائیں بائیں سر پٹخ رہا تھا۔ ماتھے پر گیلی پٹی رکھی ہوئی تھی۔ وہ پھسل کر اِک طرف جا پڑی۔

"ماما کو بلائیں، میں ماما کے پاس جاؤں گا، میں ماما کے پاس جاؤں گا۔ میں یہاں نہیں رہوں گا، میں ماما کے پاس جاؤں گا۔"

اب عارف کی قوتِ برداشت جیسے جواب دے گئی۔ دماغ میں ایسی آندھیاں اُٹھیں کہ وہ ہوش وحواس کھو بیٹھا۔ بخار میں تپتے ہوئے بچے کو تھپڑ لگانے کے لئے ہاتھ بلند ہی کیا تھا کہ علینہ نے تیزی سے بڑھ کر اس کا ہوا میں معلق ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"کیا کر رہے ہیں بھائی......؟ معصوم بچے کا کیا قصور ہے......؟ دیکھ نہیں رہے آپ کیا حالت ہو رہی ہے اس کی......؟ آپ کا اپنا بیٹا ہے۔ اس حال میں بھی آپ اسے ماریں گے......؟"

علینہ غصے اور دُکھ کی ملی جلی کیفیت میں عارف سے کہہ رہی تھی۔ عارف نے ایک جھٹکے سے علینہ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"بھئی......! میں پاگل ہو گیا ہوں اور دیکھا جائے تو ان ساری مصیبتوں کا سلسلہ تم سے شروع ہوتا ہے۔"

"خبردار......! جو تم نے میری بچی کو لعن طعن کی۔ جن کے قصور ہیں، وہ سزا بھگتے۔ یہ خوب رہی، گدھے پر زور نہ چلا تو کمہار کے کان اینٹھ دیئے۔ آئندہ کوئی ایسی ویسی بات کہنے کی ضرورت نہیں۔ ارے......! تمہارا بچہ دوائی نہیں پی رہا تو اس میں میرا یا میری بیٹی کا کیا قصور......؟"

علی نے پھر شور شرابہ سن کر پہلے سے زیادہ رونا شروع کر دیا۔

"پھپھو......! مجھے ماما کے پاس لے چلیں، پھپھو......! مجھے ماما کے پاس لے چلیں، مجھے ماما کے پاس جانا ہے۔"

علینہ جھک کر علی کی پیشانی چھو کر بخار کا اندازہ کرتے ہوئے بولی۔

"بیٹا......! آپ دوا پی لو۔ تھوڑے سے اچھے ہو جاؤ پھر ماما کے پاس چلیں گے۔"

"نہیں......! مجھے ابھی جانا ہے، مجھے ابھی جانا ہے۔"

شکیلہ خاتون نے اپنے سر پر دونوں ہاتھ رکھ لیے اور خود ہی اپنا سر دبانے لگیں۔

''ارے......! اس بچے نے میرا سر پھوڑا کر دیا ہے۔ یااللہ......! یہ ہم پر کیسا عذاب ٹوٹا ہے۔ ہم پر رحم کر دے۔''

ماسی برکتے نے جلدی سی ''آمین'' کی آواز لگائی کہ کہیں ایسا نہ ہو آمین کہنے میں ذرا دیر ہو جائے تو دوائی کے پیسے بھی نہ ملیں۔

''اماں......! پلیز آپ جائیں، آرام کریں، میں علی کے پاس ہوں۔ میں اسے بہلا پھسلا کر دوائی دے دوں گی، اور میں اسے اس کی ماما کے پاس بھی لے کر جاؤں گی۔ بلکہ آپ سب لوگ یہاں سے چلے جائیں۔''

اس نے عارف کو سنانے کے لئے یہ آخری جملہ بولا۔ عارف بھی جیسے وہاں سے اُٹھنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کی اپنی ذہنی حالت خراب ہو رہی تھی۔ وہ اس سے پہلے کمرے سے باہر نکل گیا۔

''توبہ توبہ......! ارے......! پتا نہیں کس پر پڑا ہے......؟ اتنی ضد تو میرے پورے خاندان میں کسی کی نہیں تھی۔ تین گھنٹے ہو گئے، اس بچے نے ہمیں دماغ سڑا کر رکھ دیا ہے۔''

شکیلہ خاتون نے جیسے اب اپنی بپتا بیٹی کو سنائی۔

''تو اماں......! آپ مجھے بلا لیتیں۔ میں ابھی آپ علی کے پاس بیٹھی ہیں، ٹمپریچر دیکھ رہی ہیں۔''

''ارے......! تو، تو خود اپنی بیٹی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا دودھ ودھ پلا کر سُلا رہی ہو گی، اب میں کیوں تجھے پریشان کروں......؟ تو نے کیا ٹھیکہ لیا ہے......؟''

''ہاں اماں......! علی سے میرا خون کا رشتہ ہے اور جو یہ خون کے رشتے ہوتے ہیں ناں، اس کے ٹھیکے لئے جاتے ہیں۔ بس آپ بھی جائیں یہاں سے۔ میں علی کو دوا پلاتی ہوں۔''

پھر وہ علی کو پیار کر کے بولی۔

''علی......! چپ کر کے دوا پی لو، پھر میں آپ کو ماما سے ملوانے لے جاتی ہوں۔''

شکیلہ خاتون نے ہکا بکا ہو کر علینہ کی شکل دیکھی۔

''ارے......! کیا کہہ رہی ہے......؟''

علینہ نے ماں کی طرف دیکھا اور بولی۔

''اماں......! پلیز آپ جائیں۔''

ماسی برکتے نے دانت نکالے اور شکیلہ خاتون کو بولیں۔

''ارے چوہدرانی جی......! علینہ بی بی بچے کو بہلا رہی ہیں، سمجھا کریں ناں......!''

''بہلا نہیں رہی ہوں میں۔ اس بچے کا اور اس کی ماں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں اُسے اس کی ماں سے ملانے لے جا سکتی ہوں، کیونکہ اس کی ماں سے تو میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔''

شکیلہ خاتون پھر کچھ بولنے لگیں۔ لیکن ماسی برکتے نے ان کا بازو زور سے دبا دیا۔

''چوہدرانی جی......! بچہ دوا پی لے، اچھا ہو جائے، باتیں تو بعد میں بھی ہو جائیں گی۔ آ جائیں، بچے کو بہت تیز بخار ہے۔ خدانخواستہ بخار سر کو چڑھ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ دیکھیں، علینہ بی بی نے اُسے اتنا تو سمجھا لیا۔ آپ آئیں میرے ساتھ، میں آپ کے سر میں تیل ڈالتی ہوں۔''

شکیلہ خاتون نے ایک نظر علینہ طرف اور دوسری بچے کی طرف دیکھا۔ پھر خود کو کنٹرول کرتی ہوئی ماسی برکتے کے ساتھ باہر چلی گئیں۔

☆......☆......☆

اُجالا لاؤنج میں بیٹھ ہوئی اپنے دوپٹے پر خوب صورت سی لیس لگا رہی تھی۔ سامنے ایسے کہ اسکرین پر کوئی فلم بھی چل رہی ہو۔ وہ اپنے کام میں بالکل کھوئی ہوئی تھی، محو تھی۔ آس پاس کا اسے کچھ پتا نہیں تھا۔ اسے پتا ہی نہ چلا کہ فیاض احمد کب اس کے پاس آ کر کھڑے ہوئے۔ جب فیاض احمد نے دیکھا کہ وہ اتنی زیادہ بے خبر ہے کہ اسے احساس ہی نہ ہوا کہ وہ اس کے پاس کھڑے ہیں، تو انہوں نے ہلکے سے کھنکھار کر اسے متوجہ کیا۔ اُجالا نے چونک کر اپنی دائیں جانب دیکھا، پھر سر اُٹھا کر فیاض احمد کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔

''اوہ......! سوری انکل......! آپ کھڑے کیوں ہیں......؟ بیٹھیے پلیز......! مجھے پتا ہی نہیں چلا آپ کب آ گئے......؟''

''ہاں بیٹا......! میں وہی دیکھ رہا تھا کہ آپ اپنے کام میں بہت کھوئی ہوئی تھیں۔ ماشاء اللہ سلائی کڑھائی سب آتی ہے۔''

''نہیں انکل......! یہ تو بس ایک لیس ہے اور یہ تو کوئی اناڑی بھی لگا سکتا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ جس کو سلائی کڑھائی نہیں آتی، وہ بھی لگا سکتا ہے۔ ٹانکا ہی تو لگانا ہوتا ہے۔''

فیاض احمد زبردستی مسکراتے ہوئے اس کے سامنے گئے تھے۔ اُجالا کو محسوس ہوا جیسے وہ بڑے اہتمام سے اس کے پاس آئے ہیں اور اس سے کچھ کہنا چاہ رہے ہیں۔ بظاہر ان کے ہونٹ خاموش تھے، مگر ان کی آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ اُجالا کا دل گھبرانے لگا کہ وہ اس سے کیا بات کریں گے......؟ کہیں وہ ایسی بات نہ کر ڈالیں جس کا جواب دینا ہی مشکل ہو۔ ناصر بھی موجود نہیں تھا۔ ناصر کی موجودگی میں فیاض احمد سے باتیں کرتے ہوئے اسے کچھ بھی Feel نہیں ہوتا تھا۔

''بیٹا......! آپ زیادہ مصروف تو نہیں ہو......؟ میرا مطلب ہے، کوئی بات کی جا سکتی ہے......؟''

اُجالا کا دل دھک سے رہ گیا۔

''ارے نہیں انکل......! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں......؟ بات کرنے کے لئے آپ کو اجازت کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی وقت کی کوئی پابندی ہے۔ آپ کا جو دل چاہتا ہے، آپ بات کر سکتے ہیں۔''

''شکریہ بیٹا......! حقیقت یہ ہے کہ آپ اتنی سمجھدار بچی ہو کہ میں اپنے دل کی بات کرنے کا حوصلہ کر رہا

ہوں۔''

فیاض احمد محاذ فتح کرنے گئے تھے۔ جو بات وہ اب کہنا چاہتے تھے، وہ زبان پر آتے ہوئے بار بار رُک رہی تھی۔ اُجالا اُن کی طرف مسلسل سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ کچھ اندیشے سر تو اُٹھا رہے تھے، مگر ابھی اس پر کچھ واضح نہیں ہوا تھا کہ فیاض احمد اس سے کیا بات کرنا چاہ رہے تھے......؟ انہوں نے جو تمہید باندھی تھی، وہ اُسے بہت خوفزدہ کر رہی تھی۔

''وہ بات یہ ہے کہ بیٹا......! کہ نیکی کا اجر انسان کسی انسان کو نہیں دے سکتا۔ نیکی کا اجر تو صرف اللہ سے ہی ملتا ہے۔''

''آپ مجھ سے کیا نیکی کروانا چاہ رہے ہیں......؟''

بولتے ہوئے اُجالا کا دل جیسے کانپ کانپ گیا۔

''بیٹا......! ایک ریکویسٹ کر رہا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ تم ضرور اس بات غور کرو گی اور اپنا دل بڑا کرو گی۔''

اُجالا کی زبان پر لفظ نہیں تھے لیکن اس کا دل ''نہیں، نہیں'' کرنے لگا۔ جیسے اسے فیاض احمد کی بات کچھ کچھ سمجھ آنے لگی تھی۔

''بیٹا......! بیہ کی آیا سمجھ کر انعم کو اس گھر میں جگہ دے دو۔''

بالآخر فیاض احمد نے کہہ دیا۔ اُجالا پر جیسے چھت ہی آن گری۔ پتھر کے بُت کی طرح چند لمحے وہ بولنے کے ہی قابل نہ رہی۔ ایک ٹک فیاض احمد کی طرف دیکھتی رہی۔ اتنی بڑی بات کتنی آسانی سے کہہ دی تھی۔ عورت کو تو ہلکا سا شک بھی ہو جائے کہ اس کا شوہر کسی عورت کو نظر بھر کر دیکھتا ہے اور اس کے بارے میں سوچتا ہے تو اس کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ انعم تو پھر ناصر کی پہلی بیوی تھی، بیہ کی ماں تھی۔ فیاض احمد کتنی معصومیت سے کہہ رہے تھے کہ اسے بیہ کی آیا بنا کر اس گھر میں جگہ دے دو۔ ایسا تو کچھ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اُجالا بھی اس گھر کی مالکن رہی چکی تھی۔ وہ آیا بن کر رہ سکتی تھی۔ یہ بات اس کے حلق سے نیچے نہیں اُتر رہی تھی۔ فیاض احمد نے اُس کی مشکل کچھ آسان کرنے کی کوشش کی۔

''بیٹا......! یہ وہ انعم نہیں ہے جو ناصر کو بڑے غرور سے چھوڑ کر آگے بڑھ گئی تھی۔ آپ اس کی حالت دیکھو، اس وقت وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح ہے جو اپنی آخری پونجی گنوا کر خالی ہاتھ بیٹھا ہے۔ وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گی۔ تم سے یا ناصر سے کوئی مطالبہ نہیں کرے گی۔ اس کے پاس اپنا اتنا کچھ ہے کہ وہ شاید زندگی بھر ناصر کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ بس بیٹا......! بھرم اور عزت کا سوال ہے۔ آپ کی انسانیت، خدا ترسی اور رحم دلی پر ہمارے پورے خاندان کی عزت کا اسی پر انحصار ہے۔''

فیاض احمد کی اس بات پر اُجالا ایک دم چونک پڑی اور بے اختیار بولی۔

''انکل......! پلیز، ایسا نہ کہیں۔ آپ یقین کیجئے میں بہت بے حیثیت ہوں۔ میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔

میں کسی زعم یا احساسِ برتری کی وجہ سے یہ بات نہیں کہہ رہی کہ انعم مجھ سے اس گھر میں برداشت نہیں ہوگی۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں دل بڑا بھی کرلوں تو ناصر دل بڑا نہیں کر سکتے۔ آپ کے ساتھ انعم آپ کے گھر میں رہے گی۔ کم ازکم ناصر کے سامنے ہر وقت شرمندہ ہونے سے تو بچے گی۔ یہاں پر رہنا تو اس کا بہت بڑا امتحان ہوگا۔‘‘

’’نہیں بیٹا......! نہیں......!‘‘

فیاض احمد نے فوراً اُجالا کی بات کاٹ دی جو بے انتہاء منتشر ہو چکی تھی اور کوئی جملہ ٹھیک سے کہہ نہیں پا رہی تھی۔ سارے الفاظ اِدھر اُدھر یوں اُڑتے پھر رہے تھے جیسے اُس کے ہاتھوں سے کبوتر چھوٹ گئی ہوں اور پھر بڑی بے بسی سے تک رہی ہو۔

’’یہ بات نہیں بیٹا......! اصل امتحان تو اس کا یہ ہے جو اس وقت وہ ہمارے گھر میں رہ رہی ہے۔ ہر آنے والا ہم سے سوال کر رہا ہے۔ ابھی بات دبی ہوئی ہے لیکن کچھ دنوں کے بعد لوگ ہم سے ملنے کی بجائے صرف سوال کرنے کے لئے ہمارے گھر آیا کریں گے۔ میرے بڑھاپے پر رحم کرو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں بیٹا......! اگر انعم نے تمہاری خوشیوں بھری زندگی میں کبھی غلطی سے بھی اپنا حق جتانے کی کوشش کی تو میں اسے یہاں سے لے جاؤں گا کیونکہ ابھی اُسے برداشت کرنا ہمارا فرض بنتا ہے، تمہارا یا ناصر کا نہیں۔‘‘

یہ کہہ کر فیاض احمد خاموش ہو گئے۔ جیسے اُجالا کے فیصلے کا بڑی بے قراری سے انتظار کر رہے ہیں۔ ان کی سماعتیں اُجالا کے منہ سے نکلنے والے کسی بے رحم یا کسی مہربان لفظ کی منتظر تھیں۔ دونوں کے درمیان کافی دیر خاموشی حائل رہی۔ جب اُجالا نے محسوس کیا کہ فیاض احمد اب کچھ نہیں بولیں گے، انہوں نے جو کہنا تھا کہہ دیا، تب اس نے بڑی دیر سے رُکی ہوئی سانس اپنے سینے سے آزاد کی۔ دل درد کی اتھاہ میں گر رہا تھا، مگر کچھ تو کہنا تھا۔

’’انکل......! مجھے معاف کر دیجئے گا، مگر ایک بڑا بے رحم سوال کر رہی ہوں۔‘‘

’’بولو بیٹا......!‘‘

فیاض احمد اسی طرح نظریں جھکا کر گویا ہوئے۔

’’انکل......! اگر میری جگہ آپ کی سگی بیٹی ہوتی اور کوئی آپ سے اس طرح کی رحم کی اپیل کرتا تو سنتے ساتھ ہی آپ کے ذہن میں پہلی سوچ کیا آتی......؟‘‘

فیاض احمد نے جیسے اُجالا کے سوال پر بہت گہرائی میں جا کر غور کیا۔ ذرا سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر اُتر آئی۔

’’بیٹا......! میرے خیال میں یہ ایسا معاملہ ہے کہ کچھ نہیں فرض کیا جا سکتا۔ اب تو یوں سمجھو کہ سر پر پڑی ہے بلکہ جان بچانے کی پڑی ہے۔ کیونکہ یہ بے عزتی کا احساس مجھ جیسے دل کے مریض کو اس دُنیا کی فضاء میں زیادہ دیر سانس نہیں لینے دے گا۔‘‘

فیاض احمد کے جملے میں اس قدر کرب اور بے بسی تھی کہ اُجالا کا جی چاہا کہ سب کچھ ان کے حوالے چھوڑ کر واپس اپنی دُنیا میں چلی جائے۔ اُسے تو یوں لگ رہا تھا جیسے اس خاندان کے دُکھوں کی واحد ذمہ دار وہ ہے اور یہ تمام

لوگ جو یہاں سے وہاں تک پریشان اور اُداس نظر آ رہے ہیں، صرف اسی کی وجہ سے ہیں۔ اگر وہ اس گھر میں نہ آتی تو بات سنبھالنا شاید آسان ہو جاتا۔ فیاض انکل، ناصر کی منت خوشامد کرتے۔ شاید وہ راضی ہو جاتا۔ بیٹی کی خاطر ہی موم ہو جاتا۔ وہ تو خود کو ہی قصوروار سمجھ رہی تھی۔

''انکل پلیز......! آپ مجھے کچھ سوچنے دیں۔ ناصر سے بات کرنے دیں۔ بڑا سخت امتحان ہے، بلکہ میں تو یہ سمجھتی ہوں، ناصر کو چھوڑ کر اپنی دُنیا میں واپس چلے جانا بہت آسان ہے، نہ کہ میں اس کی پہلی بیوی کے ساتھ اس چھت کے نیچے ساری زندگی گزاروں۔''

اُجالا نے اتنا کہا اور کہتی ہوئی بڑی تیزی سے وہاں سے چلی گئی جیسے اب اس کے پاس بولنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ وہ فیاض احمد کے کسی سوال کا جواب دینے کے قابل نہیں تھی۔ فیاض احمد بڑی حسرت بھری نگاہوں سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ جیسے ان کی آخری اُمید بھی دم توڑ گئی تھی۔

☆......☆......☆

ناصر حسین اپنے آفس میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے کُہنیاں ٹیبل پہ ٹکائے بہت دیر سے خیالات میں اُلجھا ہوا تھا۔ فیاض احمد نے جیسے دُکھی تاروں کو چھیڑ کر غم و حزن کے گیت چھیڑ دیئے تھے۔ زخم ہرے ہو گئے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا۔

''ابھی یہ امتحان بھی باقی تھا......؟ کیا واقعی وہ اپنے کیئے پر شرمندہ ہے......؟''

اس نے ایک گہری سانس لے کر اب کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

''انعم کی طرف سے ضرور کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس نے انکل کو اتنا حوصلہ دیا ہے کہ وہ اسلام آباد چلے آئے۔ کیا میں نے دوسری شادی کرنے میں جلدی کی ہے......؟ نہیں نہیں......! انعم نے تو سمجھوتے کے سارے دروازے بند کر دیئے تھے۔ اس نے میری پیٹھ میں چھرا مارا ہے۔ میں تو کیا، اب تو کوئی مرد بھی اس کا اعتبار نہیں کر سکتا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عورت کے معاملے میں تو ہر مرد کی سوچ ایک ہی جیسی ہوتی ہے۔ چاہے وہ دقیانوسی نظر آتا ہو یا نرم ہو۔ اندر سے عورت کے معاملے میں سب ہی حساس ہوتے ہیں۔ بے غیرتی کا طعنہ شاید دُنیا کا سب سے بڑا طعنہ ہے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں۔''

اس نے گہری سانس لی پھر آنکھیں کھول کر دائیں بائیں دیکھا اور سر جھٹک کر خیالات سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔

''سوری فیاض انکل......! وقت مشکل سہی، لیکن میں اس مشکل وقت میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

☆......☆......☆

فیاض احمد نے سلمیٰ بیگم اور ناصر کو مطلع کیئے بغیر کراچی کے لئے اپنی سیٹ کنفرم کرا لی۔ ان کا یہاں رہنا بے

معنی تھا۔ٹوٹے ہوئے دل اور شکست خوردہ احساسات کے ساتھ وہ جیسے اُجالا اور ناصر حسین کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہے تھے۔ وہ اپنا سب کچھ ہار کر آخر کار جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ نہ ان کے پاس کوئی سوال تھا جس کے انتظار میں وہ کچھ دن اور رُک جاتے۔ سلمٰی بیگم نے فون پر ان سے کھوج لگانے کی بہت کوشش کی، مگر فیاض احمد ایک ہی بات کرتے رہے کہ جو کچھ کہنا سنا ہے، وہ گھر آ کر بتاؤں گا۔ فی الحال اس گھر میں بیٹھ کر باتیں کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ سن کر سلمٰی بیگم کو پنکھے تو ضرور لگے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بے تابی سے فیاض احمد کا انتظار کرنے لگیں تھیں۔ پھر انہوں نے اصرار نہیں کیا جیسے ان کے سارے اندیشوں نے ایک جگہ سمٹ کر انہیں صبر کرنے کی پُر جوش تاکید کی تھی۔

فیاض احمد نے گھر میں کسی کو سُن گُن کئے بغیر رختِ سفر باندھنا شروع کر دیا۔ انہوں نے سوچا تھا، رات دو بجے کی فلائٹ ہے۔ رات کے کھانے پر ناصر اور اُجالا کو بتا دیں گے کہ وہ جا رہے ہیں۔ انہیں یہ دیکھ کر بہت شرمندگی اور دُکھ محسوس ہو رہا تھا کہ اُجالا جو تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ان کے سامنے آ جاتی تھی، کافی دیر سے نظر نہیں آئی تھی۔ دل پر بوجھ سے بڑھنے لگے تھے۔ یوں جیسے انہوں نے اسلام آباد آ کر اپنے گناہوں کی فہرست میں مزید اضافہ کر لیا ہو۔

☆......☆......☆

اُجالا، بیہ کو سُلانے کے بعد لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ فیاض احمد نے اسے اور ناصر حسین کو رات کے کھانے کے دوران بتایا تھا کہ میں آج رات واپس جا رہا ہوں۔ اسے یہ سن کر نہ خوشی ہوئی نہ دُکھ۔ لیکن کچھ ایسا تھا کہ دل پر ایک بوجھ سا تھا، طبیعت میں بڑی گرانی تھی۔ اسی وجہ سے وہ ناصر کے سامنے جانے سے کترا رہی تھی۔ جانے ناصر اس وقت کیا سوچ رہا ہو......؟ کہیں وہ نرم دل مہربان انسان کسی نازک لمحے کی گرفت میں نہ آ جائے اور اس سے کوئی ایسا مطالبہ نہ کر بیٹھے کہ وہ اس کے جواب میں اس گھر سے چلی جائے۔ کیونکہ وہ خود میں اتنا حوصلہ نہیں پاتی تھی۔ اپنے گھر میں ناصر کے سامنے اس کی پہلی بیوی ہو اور خوشی خوشی اپنی زندگی گزار رہے ہوں، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سو لاؤنج میں بیٹھ کر اپنے آپ کو سمجھانے اور بہلانے لگی کہ وہ ٹھیک کر رہے ہیں۔ اس کا اس سارے قصے میں قصور ہی نہیں نکلتا۔ اس کا کیا اختیار ہے کہ وہ کسی کی اُمید پوری کر دے یا مایوس کر دے۔ ابھی وہ اسی طرح سے منتشر منتشر بیٹھی خالی آنکھوں سے دیوار کو تکے جا رہی تھی کہ فون کی گھنٹی نے اُسے چونکا دیا۔ گھر میں لگے ہوئے سارے ایکسٹینشن گونجنے لگے۔ اس نے بے سوچے سمجھے، بے اختیار جیسے گھبرا کر ریسیور تھام لیا۔

''ہیلو......! اس کی آواز بے حد دھیمی تھی۔ دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز اُبھری، جیسے اس کا وجود طوفان کی زد میں آ گیا۔

''میں بیہ کی مدر انعم بات کر رہی ہوں۔''

''کیا یہ وہی ہے جس سے اس کی چار دن کی خوشیاں برداشت نہیں ہو سکیں اور اس نے اپنے باپ کو بھیج

دیا......؟''

اور واقعی اس کا اندیشہ درست نکلا۔ دوسری طرف سے انعم کہہ رہی تھی۔

''ہیلو......! آپ کون ہیں......؟ دیکھیے، میں بیبہ کی مما بات کر رہی ہوں۔ بیبہ جاگ رہی ہے تو پلیز میری اس سے بات کروادیں۔''

اُجالا تو جیسے اپنی جگہ پتھر کی سی ہو کر رہ گئی۔ دوسری طرف کوئی جواب نہ پا کر انعم ''ہیلو، ہیلو'' کیے جا رہی تھی۔ اُجالا نے جیسے اپنے خشک حلق کو کھنکار کر صاف کیا۔ پھر بمشکل گویا ہوئی۔

''وہ اس وقت سو جاتی ہے۔ آپ کل فون کرنا، میرا مطلب ہے شام کے وقت۔''

''اوکے......! کیا......آپ ناصر کی......مسز بات کر رہی ہیں......؟''

دوسری طرف انعم اٹک اٹک کر پوچھ رہی تھی۔ اُجالا نے کوئی جواب دیئے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ اس کا دل خزاں کے خشک پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

''ابھی خود نہیں، لیکن آواز تو آ گئی ہے۔''

اس نے اپنے ڈوبتے دل کو جیسے سنبھالا لیکن دل تھا کہ قابو میں نہیں تھا۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔ پیشانی پر پسینے کی بوندیں گر رہی تھیں۔ وہ کافی دیر تک اپنی جگہ سے اُٹھنے کے قابل نہیں ہوئی۔

☆......☆......☆

ناصر حسین اپنے کمرے میں ریسیور کان سے لگائے ہوئے پتھر بنا ہوا ایک سمت گھورے جا رہا تھا۔ اس کے کانوں میں بار بار انعم کی آواز گونج رہی تھی۔

''میں بیبہ کی مما بات کر رہی ہوں، میں بیبہ کی مما بات کر رہی ہوں۔''

ناصر حسین نے اُجالا کی طرف ریسیور رکھنے کی آواز سن لی تھی۔ اس کے ساتھ اس نے محسوس کیا تھا کہ انعم نے بھی فون بند کر دیا ہے۔ لیکن اس کے ہاتھ جیسے بے جان ہو رہے تھے۔ اس میں اتنی ہمت اور طاقت نہیں تھی کہ وہ ہاتھ بڑھا کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیتا۔ وہ بے دم انداز میں بستر پر بیٹھ گیا اور نظریں اُٹھا کر وال کلاک کی طرف دیکھنے لگا۔

''مجھے سو جانا چاہیے۔ میں اس وقت اُجالا کا سامنا نہیں کر سکتا۔''

اس نے سوچا اور بمشکل ریسیور کریڈل پر رکھا اور گرنے کے انداز میں بیڈ پر گر گیا۔

☆......☆......☆

علی کا ٹمپریچر ابھی تک کم نہیں ہوا تھا۔ عارف بہت پریشان تھا۔ علینہ بھی علی کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی اور آہستہ آہستہ اس کا سر دبا رہی تھی۔

''دیکھو بیٹا......! آپ نے اگر پاپا کی بات نہیں مانی اور دوا نہیں پی تو میں صبح آپ کو گاؤں چھوڑ آؤں گا، بڑی دادی کے پاس۔''

''مجھے نہیں جانا بڑی دادی کے پاس۔ مجھے بس مما کے پاس جانا ہے۔''

علی نیم بے ہوشی کی کیفیت میں بڑبڑانے لگا۔ عارف نے بڑی بے بسی سے علینہ کی طرف دیکھا۔

''بھائی......! آپ جا کر آرام کریں، میں علی کو دوا پلا دوں گی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ انشاء اللہ صبح تک اس کا ٹمپریچر اُتر جائے گا۔ ایک خوراک تو دے چکی ہوں۔ سونے سے پہلے اس کی ایک اور خوراک دے دوں گی۔ میں یہیں ہوں اس کے پاس، آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔''

علینہ اپنے بھائی کو تسلی دے رہی تھی۔

''پھپھو......! مجھے مما کے پاس جانا ہے، مجھے مما کے پاس لے چلیں ناں......!''

عارف نے علینہ کی طرف دیکھا جیسے اُسے علینہ کی بات سمجھ آ گئی ہو۔ وہ بکھرا بکھرا سا، پریشان سا علینہ کے پاس کھڑا ہو گیا۔

''ٹھیک ہے علینہ......! اس کا خیال رکھنا، کیونکہ میرا اس کے پاس بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے دیکھ کر یہ اسی طرح ضد کرے گا۔''

عارف یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ عارف کے نکلتے ہی شکیلہ خاتون اندر آ گئیں اور بڑے حاکمانہ انداز میں کمر پر دونوں ہاتھ ٹکا کر علی کو گھورتے ہوئے بولیں۔

''کیوں تنگ کر رہا ہے......؟ دوائی نہیں پی ابھی تک اس نے......؟''

''اماں......! پلیز، اسے بہت تیز بخار ہے اور دوسرے یہ کہ ابھی یہ چھوٹا بچہ ہے۔ آپ اس کے سامنے اس طرح بات نہ کریں۔''

''ارے......! دادی ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھتی ہے۔ دُشمن ہوں میں اس کی......؟ فکر ہو رہی ہے مجھے۔ اتنا تیز بخار ہو رہا ہے صبح سے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے اماں......! مجھے پتا ہے دُشمن نہیں ہیں آپ اس کی، لیکن پلیز، آپ جائیں، آپ آرام کریں۔ میں ہوں اس کے پاس، دیکھ لیں گے اس کو۔''

''مجھے ماما کے پاس جانا ہے۔''

علی پھر بڑبڑایا۔

''ہاں بیٹا......! صبح چلیں گے مما کے پاس۔ ابھی آپ دوا پیئو گے۔ آپ کا بخار اُتر جائے گا پھر میں آپ کو آپ کی مما کے پاس لے کر جاؤں گی۔''

''کیا کہہ رہی ہے......؟''

شکیلہ خاتون کے سر پر تو جیسے علینہ نے پھر سے کوئی بم پھوڑا تھا۔ ہکا بکا ہو کر شکیلہ خاتون، علینہ کی شکل

دیکھنے لگی۔

''اماں......! بچہ ہے۔ ذرا سوچئے، میں آپ سے دُور ہوگئی تھی تو کتنی بے قرار تھیں آپ۔ اس کی ماں کا بھی یہی حال ہوگا جو آپ کا تھا، اور پھر بچوں کا کیا قصور ہوتا ہے......؟ اتنے معصوم بچوں کو سخت سزا نہیں دیتے۔''

علینہ جیسے پہلے سے کچھ سوچے بیٹھی تھی۔ اب اس نے ماں کو سمجھانا شروع کر دیا۔ وہ حیران پریشان علینہ کی شکل تکے جا رہی تھیں اور بات کرنا بھول گئیں۔

''ارے......! اب جو قصے تھے، وہ ختم ہو گئے۔ اب نئی کہانی شروع ہوں گی۔ مذاق میں بھی نہیں کرنا یہ بات میرے ساتھ، تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے میرے۔''

''دادو......! مجھے مما کے پاس جانا ہے۔''

علی جیسے شکیلہ خاتون سے فریاد کرنے لگا۔ شکیلہ خاتون جو پہلے ہی تپی ہوئی تھیں، علی کی فریاد سن کر مزید بھڑک اُٹھیں۔

''ارے بیٹا......! مرگئی ہے وہ۔''

پھر آگے بڑھ کر پیار سے علی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سلگ سلگ کر بولنے لگیں۔

''میرے بچے......! جو مر جاتا ہے، وہ واپس نہیں آتا۔''

اب علی نے ایک دم آنکھیں کھول کر دادی کی طرف دیکھا اور بڑی معصومیت سے بولا۔

''مما مرگئی ہیں......؟ اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی ہیں......؟''

''ہاں میرے راج دُلارے......! مرگئی ہے وہ۔''

علینہ ایک دم اپنی جگہ سے اُٹھی اور شکیلہ خاتون کا بازو پکڑ لیا۔

''اماں......! پلیز، آپ اپنے کمرے میں جا کر سو جائیں۔ میں آپ کے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ اس معصوم بچے پر رحم کریں۔ یہ میرا اور آپ کا بھی کچھ لگتا ہے۔''

شکیلہ خاتون تو علینہ کے انداز پر اندر ہی اندر بری طرح سہم گئی تھیں۔ یوں جیسے اُن کی اپنی بیٹی سارے نمک پر پانی پھیرنے کی تیاری کر چکی ہے۔ وہ پھر کچھ بولنے لگی تھیں کہ علینہ نے ان کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ زور سے جوڑ دیئے۔

''اماں......! پلیز، بچے کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرتے۔ پلیز اماں......!''

وہ ماں کو پکڑ کر زبردستی دروازے تک لے گئی اور شکیلہ خاتون کو مجبوراً کمرہ چھوڑنا پڑا۔ علینہ گہرا سانس لے کر پھر علی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں ایسی سوچ کا عکس تھا۔ جیسے کہ وہ کچھ کرنے کا عزم کر چکی ہو۔

☆......☆......☆

انعم بڑی بے قراری سے اپنی اُنگلیاں چٹکاتی ہوئی کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی۔ اُجالا کی آواز سن

کر جیسے ایک قیامت برپا ہوگئی تھی۔ وہ بیہ کی ماں بن چکی تھی۔ کہہ رہی تھی، بیہ سو رہی تھی۔

''یہ کیسا وقت آیا ہے کہ میں اپنی معصوم بچی سے بات بھی نہ کر سکی......؟ اس سے بات کرنے کے لئے میں اس عورت کی پابند ہوگئی ہوں جو نہ صرف اس گھر میں میری جگہ آ بیٹھی ہے۔''

یہاں تک سوچ کر اس کے اعصاب شل ہوگئے۔ وہ تھک کر پاس پڑی ہوئی کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ اس کی ٹانگیں بے جان ہو رہی تھیں اور دماغ بھی ماؤف تھا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اسے اب احساس ہو رہا تھا کہ کوئی نقصان نہیں ہوا۔ صرف چھوٹا موٹا نقصان۔

''بابا کو گئے ہوئے کتنے دن ہوگئے ہیں۔ مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ وہ اپنا وقت ضائع کریں گے۔ فضول میں وہاں جا رہے ہیں۔ مجھے پتا ہے، ناصر نے انہیں کیا کہا ہوگا......؟''

وہ یہیں تک سوچ پائی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ چونک پڑی، جلدی سے خود کو سنبھالتے ہوئے کرسی کے ہتھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوئی۔

''کون ہے......؟''

وہ یوں ہی محتاط انداز میں پوچھ رہی تھی۔ جیسے وہ کسی اجنبی جگہ پر غیر اور نامانوس چہرے سے گھبرا رہی تھی۔

دروازہ کھلا اور ملازم اندر داخل ہوا۔ وہ بڑے ادب سے گویا ہوا۔

''انعم بی بی......! کوئی مہمان آپ سے ملنے آیا ہے۔''

انعم کو جیسے زبردست دھچکا سا لگا۔

''مہمان......؟ اور وہ بھی مجھ سے ملنے آیا ہے......؟ اس گھر میں آنے والے مہمان تو امی، بابا یا پھر بھائی سے ملنے آئیں گے۔ مجھ سے کوئی کیوں ملنے آنے لگا......؟ تم می کو جا کر بتا دو، میرے پاس کیوں آ گئے......؟''

وہ ملازم سے بڑی سختی سے گویا ہوئی۔

''بی بی......! وہ آپ سے ملنے آئے ہیں۔ آپ کا نام لے رہیں کہ مجھے انعم بی بی سے ملنا ہے۔''

انعم یہ سن کر فکر مندسی ہوگئی۔ اس کا لہجہ اور انداز ہی بدل گیا۔ اب اس نے ذرا دھیمے لہجے میں پوچھا تھا۔

''تم نے ان کا نام تو پوچھ لیا ہوتا، کون ہے......؟''

''جی......! میں نے پوچھا تھا۔ وہ اپنا نام دولت خان بتا رہے ہیں۔''

دولت خان کا نام سن کر اس کا سارا وجود زلزلے کی زد میں آ گیا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر ملازم کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت تھی۔ اسے اپنی سماعتوں پر اعتبار ہی نہیں آیا کہ دولت خان یہاں تک پہنچ گیا۔ اس کے باپ کے گھر پر۔

''ہاں، حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ اگر وہ یہاں تک آ ہی گیا ہے تو اس میں حیرت کیا ہے......؟''

اس نے اپنی گہری سوچ کو جھٹکا اور ملازم سے کہنے لگی۔

''تم چلو، میں ابھی آتی ہوں۔''
انعم نے ملازم کو دونوں ہاتھوں سے جانے کا اشارہ کیا۔ اسے اس وقت تھوڑی دیر کے لئے تنہائی چاہئے تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ بنا سوچے سمجھے ایک دم سے دولت خان کے سامنے جا کھڑی ہوتی۔ ابھی تو اسے بہت کچھ سوچنا تھا، خود کو سمجھنا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ دولت خان کسی ملازم کے کہنے سے یہاں سے نہیں جائے گا۔ اسے کس بات کا ڈر تھا جو وہ کسی سے ڈر کر یہاں سے چلا جائے۔
''سامنا تو کرنا ہی ہوگا۔''
انعم خود کو سنبھال رہی تھی، سمجھا رہی تھی۔ چند لمحے وہ اسی طرح اُلجھی رہی، پھر بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا۔ آخر کار دروازے پہ پہنچ کر اس کے قدم من من بھر کے ہوگئے تھے۔

☆......☆......☆

''بزرگوار......! آپ بتاتے کیوں نہیں کہ آپ کون ہیں......؟ اور کس سلسلے میں انعم سے ملنا چاہتے ہیں......؟ میں نے تو کبھی آپ کا نام بھی نہیں سنا۔''
سلمٰی بیگم حیران اور پریشان دولت خان کی شکل دیکھ کر کہہ رہی تھیں۔ دولت خان نے بڑی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ سلمٰی بیگم کی طرف دیکھا۔
''ارے بھئی......! گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی سنا ہے، یہاں پہنچ گئی ہے۔''
سلمٰی بیگم یہ سن کر جیسے اپنے اوسان ہی کھو بیٹھیں۔ بڑی مشکل سے گویا ہوئیں۔
''آپ ذرا تمیز سے بات کیجئے۔ آپ ایک عزت دار گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔''
سلمٰی بیگم جلدی سے بولیں۔ خود بخود لہجے میں ایک ناگواری کی کیفیت اُتر آئی۔
''ہاں بھئی......! جانتے ہیں آپ لوگ ماشاء اللہ بہت عزت دار ہیں۔ غالباً آپ انعم کی والدہ ہیں۔''
دولت خان بہت غور سے سلمٰی بیگم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ نظریں چرا کر کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ دولت خان سے نظریں ملانے کی ہمت ہی نہ تھی۔
''جی......! میں انعم کی والدہ ہوں۔ کہئے، آپ نے کیسے زحمت کی......؟''
''وہ زحمت تو کرنا پڑی۔ لاکھوں روپے ٹھکانے لگ گئے۔ اب بھئی......! یا تو لڑکی میرے ساتھ واپس جائے گی، جس نے دھوکے بازی کی ہے یا پھر میرا نقصان پورا کیا جائے۔''
دولت خان بہت مغرور انداز میں گردن اکڑا کر سلمٰی بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
''مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا۔ آپ مجھے سمجھائیے تو سہی کہ انعم نے کس سلسلے میں آپ سے لاکھوں روپے لئے تھے......؟ اس کو کیا ضرورت پڑ گئی تھی......؟''
''ارے بھئی......! اسے ضرورت نہیں پڑی تھی۔ ضرورت تو اصل میں ہمیں پڑی تھی۔ خیر......! ضرو،

Pakistanipoint
Waqar
Azeem

مند تو وہ بھی تھی۔ ضرورت مند ہی ایک دوسرے کے ساتھ سمجھوتہ اور کمپرومائز کرتے ہیں۔''

دولت خان ابھی یہیں تک بولا تھا کہ اس کی نظر زینہ اُترتی ہوئی انعم پر پڑی۔

''یہ لیجئے، ہمیں اب کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی صاحبزادی آپ کے سامنے ہیں۔ جو کچھ معلوم کرنا ہے، ان صاحبزادی سے پوچھ لیجئے بلکہ یہ بھی پوچھئے کہ یہ ہمیں جانتی ہیں۔''

سلمیٰ بیگم نے پیچھے گردن موڑ کر دیکھا اور اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئیں۔ وہ تیزی سے انعم کی طرف بڑھی تھیں۔

''انعم......! یہ حضرت اپنا نام دولت خان بتاتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ تم ان کے لاکھوں روپے کی قرض دار ہو۔ کہاں خرچ کئے ہیں تم نے ان سے لاکھوں روپے لے کر......؟''

انعم نے ایک نظر دولت خان پر اور دوسری نظر ماں پر ڈالی اور پھر بڑے سپاٹ لہجے میں بولی۔

''وہ لاکھوں روپے ان ہی کے گھر میں خرچ ہوئے ہیں۔ میں اپنے ساتھ لے کر نہیں آئی۔''

سلمیٰ بیگم نے انعم کی طرف دیکھا مگر ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب وہ انعم سے کیا سوال کریں......؟ انعم خود ہی بول پڑی۔

''ممی......! میں ان کے گھر میں ملازمت کرتی تھی۔ میں ان کی ملازمہ رہی ہوں۔ انہوں نے مجھے تنخواہ دی۔ میرے ڈریسز منگوائے مجھے مینٹین کیا۔ یہ اپنا بل اگر لاکھوں میں بتا رہے ہیں تو ٹھیک بتا رہے ہوں گے، کیونکہ کیش میں نے ان سے نہیں لیا۔''

دولت خان، انعم کی طرف بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ انعم کی بات سن کر اس نے زوردار دبکا لگایا۔

''ہاں......! کیش تو ہم نے تمہارے ہاتھ میں نہیں دیا۔ مگر تمہارے لئے بہت خریداری کی۔ وہ ساری خریداری کی فہرست ہمارے پاس ہے۔ سارے بل موجود ہیں اور اس پر یہ بھی واضح ہے کہ کون سی تاریخ کو کون سی چیز خریدی گئی......؟''

''وہ تو جو چیز آپ نے خریدی تھی، وہ میں آپ کے گھر میں چھوڑ کر آ گئی تھی۔ اپنے گھر تو کچھ نہیں لائی۔''

دولت خان تیزی سے بات کاٹ کر بولا۔

''ساتھ لے کر نہیں آئی مگر میرے اکاؤنٹ سے تو نکل گیا ناں......! وہ جیولری، وہ کپڑے، وہ کھانا پینا، وہ سب غائب ہے۔ اب میں کپڑے جیولری تو پہننے سے رہا۔''

سلمیٰ بیگم نے یہ سن کر ایک نظر انعم پر ڈالی، دوسری دولت خان پر۔ ان کی نظروں سے لگ رہا تھا کہ وہ بڑی گہری سوچ میں پڑ چکی ہیں۔

''انعم......! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔''

وہ بولیں تو دولت خان فوراً اپنی وہیل چیئر Move کرتا ہوا تیزی سے انعم کی طرف آیا۔

''خبردار......! جب تک فیصلہ نہیں ہوتا، یہ کہیں نہیں جائے گی۔''

''آپ کس قسم کا فیصلہ کرانے آئے ہیں......؟''

سلمٰی بیگم آگے جا کر پوچھ رہی تھیں۔

''بھئی ......!اس بات کا فیصلہ کہ یا تو یہ لڑکی پیسہ واپس کرے یا پھر میرے ساتھ چلے۔''

سلمٰی بیگم نے بڑے صبر وضبط کا مظاہرہ کیا حالانکہ اندر تو جیسے آگ بھڑک اُٹھی تھی۔ بڑی مشکل سے انہوں نے خود کو سنبھالا۔ پھر اپنی بے ترتیب سانسیں ٹھیک کرتے ہوئے بولیں۔

''شرم کیجئے......! آپ اپنی اور اس کی عمر دیکھئے۔''

دولت خان نے سلمٰی بیگم کی بات سن کر قہقہہ لگایا۔

''یعنی شرم بھی میں ہی کروں......؟ خرچہ تو میں نے کیا ہی ہے اور اب شرم بھی میں ہی کروں......؟''

''سبحان اللہ......!''

''آپ نے کبھی اپنی بیٹی سے کہا کہ اسے گھر سے بھاگتے ہوئے شرم آنی چاہئے تھی......؟ اتنا شاندار گھر، عزت دار ماں باپ، سب کچھ تو تھا اس کے پاس......؟ یقیناً کسی کی خاطر اس نے منہ کالا کیا ہوگا......؟ مگر یہ تو آپ لوگوں کو بھی چونا لگا گئی اور مجھے بھی۔''

سلمٰی بیگم نے ہاتھ اُٹھا کر ایک دم دولت خان کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

''بس کیجئے، بہت ہو چکا۔ میری اولاد نے کیا کیا، کیا نہیں کیا، اس کی ذمہ دار میں ہوں۔ اس کے والد صاحب گھر پر نہیں ہیں۔ آپ سے کوئی سوال پوچھنے نہیں آئے گا۔ آپ تشریف لے جائیے۔ اس کے والد صاحب گھر پر نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے، وہ ایک دو دن میں آجائیں گے۔ آپ کچھ دن بعد تشریف لائیے اور اپنا بل بھی ساتھ لائیے گا جو ہم نے Pay کرنا ہے۔ کمال کرتے ہیں آپ بھی، ایک ماں سے کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی بوڑھے معذور شخص کے حوالے کر دے......؟ بچوں سے بھول ہوتی ہے، ماں باپ پردہ ڈالتے ہیں۔ میں وعدہ کر رہی ہوں، آپ کی پائی پائی ادا کروں گی۔ اب جو بات بھی ہوگی، میرے شوہر کے سامنے ہوگی۔ آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔''

سلمٰی بیگم نے انعم کا ہاتھ پکڑا اور زینے کی طرف بڑھ گئی۔ انہوں نے پلٹ کر دولت خان کی طرف دیکھنا گوارہ نہیں کیا۔ دولت خان دونوں ماں بیٹی کو زینہ چڑھتے ہوئے دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اور چہرے پر اطمینان تھا جو اس کی دلی کیفیت کا آئینہ دار تھا۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ یہ شریف لوگ ہیں۔ رقم ڈوبی نہیں، اور رہی یہ لڑکی تو پتا نہیں کیا حماقت کر بیٹھی تھی......؟ اب یہ تو یہی لوگ جانتے ہیں۔ وہ سوچنے لگا۔ پھر ایک اپنے دھیان سے چونک کر اپنے ملازم کو آواز دی۔

''توفیق......!''

ملازم باہر جیسے اس کی آواز کا ہی منتظر تھا۔ فوراً ہی اندر آگیا اور آتے ہی اس نے وہیل چیئر کے ہینڈل تھام لیے اور باہر کی طرف Move کرنے لگا۔ سلمٰی بیگم، انعم کو اس کے کمرے کے دروازے تک چھوڑ کر دوبارہ نیچے کی طرف جانے کے خیال سے آگے بڑھیں، کیونکہ ذہن میں کھدبد تو ہو رہی تھی کہ وہ بڈھا چلا گیا یا ابھی تک بیٹھا

ہے......؟ انہیں عجیب سی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اسی لمحے انہیں اپنی پشت پر سے اپنے مہربان شفیق باپ کی آواز سنائی دی۔

''ارے بھئی سلمٰی......! کہاں ہو......؟ تم تو باپ کو پرانے سامان کی طرح ایک طرف ڈال کر جیسے بھول ہی گئی۔''

بشر علی شگفتہ انداز میں بیٹی سے ہم کلام تھے۔ سلمٰی بیگم ایک دم پہلے تو گھبرائیں پھر ٹپٹائیں، لیکن فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔ زبردستی مسکراتے ہوئے باپ کی طرف دیکھا اور اندر ہی اندر کلمہ شکر ادا کیا کہ پاپا تھوڑی دیر پہلے کمرے سے باہر نہیں آئے۔

''یا اللہ......! تو کتنا مہربان ہے۔ یقیناً تو نے میرے ماں باپ پر رحم کیا۔ ہم تو اس قابل نہیں۔ اگر پاپا دولت خان سے مل لیتے اور اس کی باتیں سن لیتے تو اس وقت ان پر کیا بیت رہی ہوتی......؟''

سلمٰی بیگم اس وقت جیسے سکون کی کیفیت میں سوچ رہی تھیں اور ان کا رُواں رُواں جیسے اللہ کا شکر گزار تھا۔

بشر علی ان کے قریب آ گئے اور بہت محبت سے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''بھئی......! تم تو کچھ سوچنے لگیں۔ میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی تھی کہ بُرا مان گئیں......؟''

سلمٰی بیگم جلدی سے سنبھلی۔

''نہیں نہیں پاپا......! آپ کی بات کا میں کیسے بُرا مان سکتی ہوں......؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مجھے تو یاد ہی نہیں پڑتا کہ جب سے ہوش سنبھالا ہے، آپ نے مجھ سے ایسی بات کی ہو جو مجھے بُری لگی ہو۔ مجھے تو آپ کا بولنا اچھا لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے آپ بولتے رہیں اور میں سنتی رہوں۔ آپ ایک لفظ بھی فضول اپنی زبان سے ادا نہیں کرتے، جب بات کرتے ہیں، کوئی کام ہی کی بات کرتے ہیں۔''

بشر علی نے بہت پیار بھری نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھا اور ان کے سر پہ سے اپنا ہاتھ مسکراتے ہوئے اُٹھایا۔

''بیٹا......! وہ جو کہتے ہیں ناں محبت اندھی ہوتی ہے، تم اپنے باپ سے اتنا پیار کرتی ہو کہ تمہیں اپنے باپ میں کوئی عیب ہی نظر نہیں آتا۔ حالانکہ بشر تو ہوں، بندہ بھی ہوں۔ اس لئے بندہ اور بشر ایک ساتھ نہیں کہا۔ غلطی کا امکان تو ہے ناں، اور ہوتی بھی ہوگی۔ یہ الگ بات کہ دکھائی نہیں دیتی۔''

وہ ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔ سلمٰی بیگم ان کی خوش گوار ہنسی کو سن کر مبہوت سی ان کی طرف دیکھ رہی تھیں اور پھر وہ دل ہی دل میں دُعا کرنے لگیں۔

''یا اللہ......! میرے ابں ہنستے ہوئے باپ کے چہرے پر کبھی اُداسی نہ آئے۔ اب زندگی کے آخری دور چل رہے ہیں، میرے باپ نے جوانی تنہائی میں کاٹ دی میری خاطر۔ یا اللہ......! میری اولاد کے دُکھوں سے ان کو دُور رکھنا اور ان پر بھی اور مجھ پر رحم کر دینا۔''

انہیں اپنی بیٹیوں کے دُکھ یاد آ گئے تو خوف کی اِک لہر ان کی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کرنے لگی۔ وہم

ستانے لگے کہ بشر کو کہیں بھنک نہ لگ جائے۔ عمر کی اس منزل پر مسئلے مسائل حل کرنا ان کے بس کی بات نہیں رہی۔ انہوں نے بشر علی کا بازو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

''آیئے پاپا......! نیچے چلتے ہیں۔ میں آپ کو اچھی سی کافی پلاتی ہوں۔ پھر ہم باتیں کریں گے۔''

بشر علی بیٹی کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے۔

''ہاں بھئی......! اب کرنا ہی کیا ہے......؟ باتیں ہی کرنی ہیں۔''

سلمیٰ بیگم بھی ہنس پڑیں اور بہت پیار سے اپنے باپ کا بازو تھام لیا۔

☆......☆......☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا، اُجالا کی آنکھ خود بخود کھل گئی تھی۔ بڑی مشکل سے تو نیند آئی تھی، مگر جانے کیوں خود سے آنکھ کھل گئی......؟ اس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسے فوراً احساس ہوگیا کہ ناصر حسین اپنے بستر پر نہیں ہے۔ وہ ایک دم گھبرا کے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''یہ ناصر کہاں چلے گئے......؟''

اس نے جیسے خود سے پوچھا پھر ہاتھ بڑھا کر موبائل اُٹھایا۔ اس نے نیند بھری آنکھوں سے ٹائم دیکھا۔ صبح ہونے والی تھی، چار بج چکے تھے۔

''مگر یہ ناصر کہاں ہیں......؟''

اس نے پریشان ہو کر ٹیبل لیمپ روشن کر دیا اور ایک دم بستر سے نیچے اُتر آئی۔ کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن ناصر نظر نہیں آیا۔ اس نے چار قدم آگے بڑھ کر واش روم کا دروازہ بڑی آہستگی سے کھولا جو کھل گیا۔ مطلب یہ تھا کہ ناصر حسین اندر بھی نہیں ہیں۔ واش روم میں بھی اندھیرا تھا۔ اس نے گھبرا کر دروازہ کی طرف دیکھا۔ دروازہ تو بند تھا۔ ناصر حسین کتنی خاموشی سے کمرے سے نکلا تھا کہ اسے دروازہ کھلنے اور بند ہونے تک احساس نہ ہوا۔ ایک وہم نے ستایا کہ شاید ناصر باہر لاؤنج میں تھے۔

''ہو سکتا ہے کہ فون پر کسی سے بات کر رہے ہوں۔''

اس خیال کے ساتھ اس نے اپنے بے قرار اور شک زدہ دل پر ہاتھ رکھ کر خود سنبھالنے کی کوشش کی۔ بمشکل آگے بڑھی اور آہستگی سے فون کا ریسیور کان سے لگا لیا۔ نمبر بزی نہیں تھا۔ وہ ابھی ریسیور رکھ ہی رہی تھی کہ ناصر حسین کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے جاگتی ہوئی اُجالا کو فون کا ریسیور تھامے ہوئے دیکھا تو بڑی حیرت سے اور بے ساختہ انداز میں بولا تھا۔

''کیا ہوا اُجالا......؟ کس کو فون کر رہی ہو اس وقت......؟''

اُجالا گھبرا کر اور بے قراری کی کیفیت میں فون کا ریسیور ہاتھ سے رکھ کر ہکلا کر بولی۔

''نہیں نہیں......! میں تو کسی کو فون نہیں کر رہی ہوں۔ میں اس وقت بھلا کس کو فون کروں گی......؟''

''لیکن ریسیور تو تمہارے ہاتھ میں تھا۔''

ناصر حسین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی تھی اور آنکھوں میں ترس بھی تھا۔

''نہیں نہیں......! وہ ریسیور ٹھیک سے نہیں رکھا ہوا تھا تو میں ٹھیک سے رکھ رہی تھی۔''

وہ اتنی زیادہ بوکھلائی اور گھبرائی ہوئی تھی کہ ناصر حسین کے دماغ نے بڑی تیزی سے کام کیا کہ وہ کیوں گھبرا رہی تھی......؟ اور جیسے دل کا دل سے رابطہ ہوگیا۔ وہ بے ساختہ مسکرایا اور اس نے اُجالا کو شانوں سے تھام لیا۔ اس کی ٹھوڑی کو اُنگلی سے چھوکر چہرہ اوپر کیا۔ اُجالا کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

''کیا انویسٹی گیشن ہو رہی تھی......؟ جاسوسی ہو رہی ہے میری......؟''

اُجالا نے ایک دم ناصر کا ہاتھ پیچھے ہٹا دیا۔ اسے بڑی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی اور ساتھ ہی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح کے تاثرات پیش کرے......؟ کس طرح سے ناصر کے ذہن میں آنے والے کسی شک کو دُور کرنے والی بات کرے......؟ اسے اپنی گھبراہٹ پر جیسے اختیار نہیں تھا۔ وہ سنبھلنے کی کوشش میں اور بگڑے چلے جا رہی تھی۔

ناصر حسین نے اس کا ہاتھ تھاما اور آہستگی سے اسے کھینچ کر بیڈ پر بٹھایا اور خود برابر میں بیٹھ گیا۔

''تم کیا سمجھ رہی ہو......؟''

اُجالا نے گھبرا کر ناصر کی طرف دیکھا۔

''میں کچھ نہیں سمجھ رہی۔ یقین کیجئے......!''

''اُجالا......! مجھ سے جھوٹ نہ بولنا۔ میں نے تمہیں سچائی کے راستوں پر چلتے دیکھا ہے۔ خالصتاً تمہارا خلوص، تمہاری بچوں جیسی سادگی اور بچوں جیسی ہی سچائی نے مجھے تمہارے قریب کر دیا ہے۔ اتنا قریب کہ میں اس ہر دُکھ کو بھلانے لگا جس نے برسہا برس میرے زخموں کو ہرا رکھنا تھا۔ مجھ پر شک نہ کرنا اُجالا......! میرا اس عورت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے بیہ کی ماں کی حیثیت سے فون کیا تھا۔ آئندہ بھی کر سکتی ہے کیونکہ یہ ایک تلخ حقیقت ہے۔ کم از کم ماں کو بیٹی سے بات کرنے سے نہیں روکا جا سکتا۔ لیکن بیہ کی ماں جو بھی ہے، میری زندگی میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ ہی میرے دل میں۔''

اب اُجالا نے جیسے سکون کا سانس لیا اور بڑے اطمینان سے ناصر حسین کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''اگر ایسی بات نہیں تو کیوں جاگ رہے ہیں......؟ کچھ تو ہے ناں جس کی وجہ سے آپ سو نہیں پا رہے۔''

ناصر حسین نے اُجالا کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اُسے خود سے قریب کر لیا۔ بہت دوستانہ اور اپنائیت بھرے لہجے میں بولا۔

''اُجالا......! کوئی پُرسکون تالاب میں پتھر پھینکتا ہے تو کچھ دیر کے لئے تالاب میں لہریں تو پیدا ہوتی ہیں ناں، تھوڑی سی حقیقت پسند بن جاؤ۔ ہم دونوں کی زندگی ہی میں آسانی رہے گی۔''

اُجالا نے اپنے ضمیر کی پوری قوت کے ساتھ حقیقت کو جیسے قبول کر لیا۔ پھر مسکرا کر ناصر کی طرف دیکھا اور شرمائے شرمائے لہجے میں بولی۔

''آئی ایم سوری ناصر......! آپ بہت اچھے ہیں۔ بلکہ آپ اتنے اچھے کہ میں خود بھی اتنی اچھی نہیں ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ناصر کے کندھوں پر ٹکائے اور ہاتھوں پر اپنا سر رکھ کر آنکھیں موندھ لیں۔ ناصر من چاہی عورت کی قربت میں سب کچھ بھلا کر روحانی مسرت کے گہرے احساس سے گزر رہا تھا، جو اس دُنیا میں ہر انسان کی تمنا ہے۔

☆......☆......☆

مریم گہری نیند سو رہی تھی اور عدیل جاگ رہا تھا۔ اس نے اپنے لیے کافی تیار کی اور بہت سوچ سوچ کر گھونٹ بھر رہا تھا۔ جیسے کا ہر گھونٹ اسے وقت گزرنے کی خوش خبری دے رہا تھا کیونکہ وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ مریم نے اُسے غلط فہمی اور ذہنی اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے اپنے مردانہ پن کا جو فائدہ اُٹھایا تھا، ان تمام جرائم کو جنہیں اس نے کبھی جرائم نہیں سمجھا تھا، مریم نے ہر طرح سے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ ایسا جرم جو مریم جیسی بیوی قیامت تک معاف نہیں کر سکتی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بہت سارے جرائم ایسے ہیں جن سے تاوان ادا کرنے کے بعد جان چھوٹ جاتی ہے۔ ضمیر سے بھی اور جیل سے بھی، دونوں سے آزادی مل جاتی ہے۔ شاید سزا کا عمل بنایا ہی اسی لئے گیا ہے کہ انسان اپنے جرم کی سزا سے گزر جائے اور ضمیر کا پھندا اس کے گلے سے اُتر جائے۔ اس نے چند گھونٹ بھرے اور وسیع و عریض بیڈ پر سوئی ہوئی مریم پر نظر ڈالی۔

''تم کیا سمجھتی ہو، میں آسانی سے تم سے دستبردار ہو جاؤں گا......؟ میں تمہیں اپنے خلوص کا یقین دلائے بغیر نہیں مروں گا مریم......! تمہارے جیسی بیوی پر ہزاروں اور جانیں بھی قربان کر سکتا ہوں۔ کہاں تم......؟ کہاں علینہ......؟ تم روشنی ہی روشنی، وہ اندھیرا ہی اندھیرا۔ جب وہ اپنے شوہر سے چھپ کر گھنٹوں گزارتی تھی تو کبھی کبھی میں سوچتا تھا، یہ تو مجھ سے چھپ کر کسی اور کے ساتھ بھی وقت گزار سکتی ہے۔ لیکن مریم......! تم اتنی سچی ہو کہ میں تمہیں کھو کر زندگی بھر پچھتانا نہیں چاہتا۔ تمہیں منانے کے لئے مجھے جو کچھ بھی کرنا پڑا، میں کروں گا۔ مجھے دوسری بیوی مل سکتی ہے، تیسری بھی مل سکتی ہے اور چوتھی بھی۔ لیکن شاید مریم دوبارہ نہیں ملے گی۔''

''مریم تو تمہارے ساتھ Sincere رہی ہے، کیسے یقین دلاؤ گے......؟''

اس نے سوچتے سوچتے ایک دبی ہوئی سانس سینے سے آزاد کی۔ اس کا ذہن اب جیسے ماؤف ہو رہا تھا۔ اس سے زیادہ سوچنے کی جیسے طاقت نہیں تھی۔ اس نے مگ رکھ دیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر دبانے لگا۔

☆......☆......☆

وہاج ایک مفتی صاحب سے ملنے ان کے آفس آیا ہوا تھا۔ مفتی صاحب نے ساری تفصیلات سننے کے بعد بہت اطمینان اور اعتماد سے جواب دیا۔

''وہاج صاحب طلاق بائن لاگو ہو چکی ہے۔''

وہاج نے اُلجھی اُلجھی نظروں سے مفتی صاحب کی طرف دیکھا اور بولا۔

''طلاق بائن......؟''

مفتی صاحب نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''وہاج صاحب......! ایک طلاق رجعی ہوتی ہے اور ایک طلاق بائن ہوتی ہے۔ طلاق رجعی اس کو کہتے ہیں جس میں شوہر کے پاس ایک رجوع کا حق باقی ہوتا ہے اور طلاق بائن اُس کو بولا جاتا ہے جس کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں ہوتی اور حتمی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ آپ نے طلاق کے پیپرز روانہ کر دیئے اور وہ وصول بھی کر لیے گئے اور آپ نے تینوں طلاقیں اعلانیہ دی ہیں، پیپرز پر لکھ دیا ہے۔ اس لئے اس معاملے کو اب ختم سمجھئے۔ ہمارے پاس اس معاملے کا کوئی حل نہیں ہے۔''

وہاج نے چونک کر مفتی صاحب کی طرف دیکھا۔

''کوئی حل نہیں ہے......؟''

اس نے بے ساختہ سوال کیا تھا اور اپنے سوال پر خود ہی سوچنے لگا تھا کہ وہ حل کیوں لینے آرہا ہے......؟ اسے خود اپنی سمجھ نہیں آرہی تھی۔

''وہاج صاحب......! اس کا کوئی حل نہیں ہے۔ اس کا واحد حل حلالہ ہے، لیکن جس طرح کا حلالہ آپ دیکھتے سنتے آئے ہیں، اُس کی شریعت میں حیثیت نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک انتہائی مکروہ اور بہت نامناسب حل ہے۔''

''کیا مطلب ہے......؟''

وہاج نے مفتی صاحب کی طرف دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

''میں تو پشتوں سے یہ سنتا آرہا ہوں کہ حلالہ کرنے کے بعد طلاق یافتہ عورت اپنے پہلے شوہر پر حلال ہو جاتی ہے۔''

''مطلب یہ ہے کہ حقیقی حلالہ وہ ہوتا ہے کہ فرض کیجئے آپ کی سابقہ بیوی کی دوسری شادی ہو جاتی ہے اور دوسرے شوہر سے بھی خدانخواستہ نہیں بنتی یا حادثاتی طور پر شوہر ہی دُنیا سے چلا جاتا ہے۔ عورت پھر تنہا ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں وہ عورت عدت پوری کرنے کے بعد اپنے پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ شادی کر سکتی ہے۔ لیکن یہ جو آج کل طریقہ رائج ہے اور لوگوں نے نکاح، حلالہ اور طلاق کو مذاق بنا لیا ہے۔ استغفراللہ......! یہ سمجھئے کہ بہت ہی خوفناک قسم کی بدعت شروع ہوگئی ہے۔ اس میں ہوتا یہ ہے کہ عورت کو وقتی طور پر کسی مرد کی بیوی بنا دیا جاتا ہے، نکاح ہوتا ہے اور اس طریقہ سے جیسے شادی بیاہ ہوتے ہیں اور اس میں یہ کنڈیشن رکھی جاتی ہے کہ وہ ایک مخصوص عرصے کے بعد وہ شخص اس عورت کو چھوڑ دے گا۔ چھوڑنے کے بعد وہ عورت عدت پوری کرے گی اور پھر وہ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ شادی کر سکتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حدیث پاکؐ ہے کہ حلالہ کرانے والے اور کرنے والے دونوں پر خدا کی لعنت ہے۔''

وہاج کا وجود تو جیسے زلزلے کے جھٹکوں کی زد میں آ گیا تھا۔آج تک وہ یہی سمجھتا رہا کہ خدانخواستہ زندگی کے کسی موڑ پر اگر میاں بیوی غلط فہمی یا غصہ کی وجہ سے الگ ہو جائیں تو حلالہ کا راستہ موجود ہے، بڑی آسانی ہے۔ لیکن مفتی صاحب نے تو جیسے اُسے مایوس کر دیا تھا۔اس کے سارے امکانات کے راستے بند کر دیئے تھے۔ یہ تو ناممکن تھا کہ وہ علینہ کی دوسری شادی کا انتظار کرے اور پھر اس کے طلاق یافتہ یا بیوہ ہونے کا انتظار کرے۔

''اوہ میرے خدا......!''

اس نے بے بسی سے اپنا سر تھام لیا۔مفتی صاحب اُس کی طرف بڑی ہمدردی سے دیکھ رہے تھے۔ چند لمحے تک وہ اسی کیفیت میں بیٹھا رہا۔مفتی صاحب نے صرف اتنا کہا۔

''وہاج صاحب......! اس لئے تو غصہ حرام ہے۔بعض اوقات غصے میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے کہ زندگی بھر کا پچھتاوا بن جاتی ہے۔''

وہاج نے اپنی آنکھیں کھول کر دیکھا اور بڑی اُداسی سے مسکرا دیا۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم، انعم کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔نوکر ابھی ابھی ناشتہ رکھ کے گیا تھا۔سلمیٰ بیگم تو صبح ہی ناشتہ کر لیتی تھیں۔اس وقت دن کے دس بج رہے تھے۔اب یہ ان کا معمول بن گیا تھا کہ گھر کے ضروری کام نمٹا کر انعم کے کمرے میں آ جاتی تھیں۔فی الحال وہ بڑی اچھی اُمید کے ساتھ فیاض احمد کی طرف سے کسی خوش خبری کے انتظار میں تھیں۔اس لئے ان کی حتی الامکان کوشش تھی کہ انعم اور بشیر علی کا سامنا نہ ہو، کسی نہ کسی طرح انعم، بشر علی کی لاعلمی میں ہی اسلام آباد روانہ ہو جائے۔بشر علی کو ہوا بھی نہ لگے کہ انعم اس گھر میں جس حال میں آئی تھی اور اس کے بعد کس طرح سے کتنے جتن کے بعد اسلام آباد گئی۔انعم کا موڈ بہت بگڑا ہوا تھا۔آنکھوں میں غصے کی کیفیت تھی۔ بظاہر وہ سلائس پر مارجرین لگا رہی تھی۔سلمیٰ بیگم بہت غور سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''امی......! آپ اور بابا فضول کوشش کر رہے ہیں۔''

اس نے سلائس پلیٹ میں رکھ کر چائے میں شکر ملاتے ہوئے بگڑے ہوئے لہجے میں ماں سے کہا۔سلمیٰ بیگم نے اس کی بات سن کر فوراً ہاتھ اُٹھا کر اُسے مزید بولنے سے روکا۔

''تم جو بھی کرنا چاہتی تھیں، وہ کر چکیں۔اب جو ہم کر رہے ہیں، ہمیں کرنے دو۔''

انعم نے ماں کی طرف دیکھا اور چائے کا مگ اُٹھا کر ایک گھونٹ بھرا۔اس کی آنکھوں میں ایک سوچ اُبھری۔پھر آہستگی سے بولی۔

''میری فون پر ناصر کی بیوی سے بات ہوئی ہے امی......! وہ بہت چالاک محسوس ہوتی ہے۔اس نے میری بیہ سے بات نہیں ہونے دی۔اب یہ سوچئے، اتنی چالاک عورت اس گھر میں اپنے ہوتے ہوئے میری جگہ نکالے گی......؟ کچھ بھی نہیں ہوگا۔بابا کی بہت اِنسلٹ ہوگی۔بابا کو وہاں نہیں جانا چاہیئے تھا۔''

''بیٹا......! میری بات بہت غور سے سنو۔''

سلمیٰ بیگم نے اس کی بات سننے کے بعد بڑے تحمل کا مظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''یہ اِنسلٹ اس اِنسلٹ سے کم ہے جو آئندہ ہم سب کی ہوسکتی ہے۔ اگر تم ناصر کے یہاں نہیں گئی تو ایک گالی ہماری قبر تک ہمارا پیچھا کرے گی کہ ہم رات کے اندھیر میں گھر سے بھاگی ہوئی بیٹی کے ماں باپ ہیں۔ اس سے بڑی اِنسلٹ دُنیا میں نہیں ہوسکتی۔ تمہاری غلطیوں اور ناشکریوں کی سزا ہم کاٹ رہے ہیں۔ ہم اس سزا سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔''

''امی......! ٹھیک ہے، آپ نے ناصر کو کہہ دیا، میں بہت بدل گئی ہوں، چینج ہوگئی ہوں۔ آپ کا کیا خیال ہے، وہ یقین کرلے گا......؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''ایک معصوم بچی اور تم جیسی بے وقوف اولاد کی خاطر ہم جو کرسکتے ہیں، کریں گے۔ انعم......! جو ہم کر رہے ہیں، ہمیں کرنے دو۔''

سلمیٰ بیگم نے اب قطعی اور فیصلہ انداز میں کہا تھا۔

''امی......! آپ بیٹی کی بات کر رہی ہیں تو میں اسے کورٹ کے ذریعے بھی لے سکتی ہوں۔ مجھے اس دوزخ میں جا کر بیٹھنے کی کیا ضرورت ہے......؟''

انعم نے اپنے مخصوص اکھڑ اور خودسر انداز میں کہا تھا۔

سلمیٰ بیگم نے جیسے انعم کی بات سنی اور اپنا سر پیٹ لیا تھا اور واقعی انہیں یقین ہوگیا کہ انعم حد سے زیادہ بے وقوف اور احمق ہے۔

''بیٹا......! کورٹ میں حلف اُٹھانے پڑتے ہیں۔ اگر ناصر نے حلف اُٹھا کر کورٹ میں سچ بول دیا تو کورٹ بھی تم پر اعتبار نہیں کرے گی۔ کسی بھی صورت میں بچی تمہارے حوالے نہیں کرے گی۔ تم بہت من مانی کر چکی، اب بس کردو۔''

''امی......! میں پہلے ہی بہت عذاب میں مبتلا ہوں۔ اگر آپ لوگ اسی طرح مجھے بات بات پر ہرٹ کرتے رہیں گے، طعنے مارتے رہیں گے تو میں خودکشی کرلوں گی۔''

انعم کی بات سن کے تو سلمیٰ بیگم کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔ ایک دم ہڑبڑا کے اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئیں اور آگے بڑھ کر انعم کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''خبردار......! اب یہی کسر رہ گئی ہے۔ جو غلطیاں ہو چکی ہیں، باقی عمر میں معافی مانگو، اللہ سے توبہ کرو۔ وہ بڑا غفور الرحیم ہے، توبہ قبول کرنے والا ہے، رحم کرنے والا ہے۔ ایک گناہ کے بعد اس سے بھی بڑے گناہ کی بات کرنے لگی ہو......؟ جان چھڑاؤ، بند کردو یہ گناہوں کا سلسلہ۔ یہ جان بوجھ کر کیے گئے گناہ معاف نہیں ہوتے بیٹا......! انجانے میں کی گئی غلطیاں معاف ہو جاتی ہیں۔ توبہ کرو اور اپنے ماں باپ کا راستہ صاف کرو جو صرف اور صرف تمہارے لئے دن رات کوشش کر رہے ہیں۔''

یہ کہہ کر انہوں نے ماں بن کر محبت اور نرمی سے انعم کے بالوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک تھی۔

☆......☆......☆

فیاض احمد علی الصبح گھر پہنچ گئے تھے۔ سلمٰی بیگم کی رات کے آخری پہر اس وقت آنکھ لگی تھی، جب صبح ان کے قدموں کی آہٹیں بہت پاس سے محسوس ہونے لگیں تھیں۔ انہیں خبر ہی نہ ہوئی کہ کب فیاض احمد چپ چاپ کمرے میں داخل ہوئے، کب انہوں نے چینج کیا اور کس وقت وہ خاموشی سے نماز کرنے کے بعد ان کے پہلو میں دراز ہوگئے۔ دھوپ اچھی خاصی چڑھ آئی تھی، جب ان کی آنکھ کھلی تو وہ فیاض احمد کو دیکھ کر چونک پڑیں اور سر جھٹک کر یاد کرنے لگیں کہ وہ کب سوئیں تھیں......؟ فیاض احمد کب آئے......؟ اور آنے کی اطلاع کیوں نہیں دی......؟ ان کو کچھ سمجھ نہیں آئی تھی لیکن یہ احساس ضرور تھا کہ وہ بہت تھکے ہوئے آئے ہوں گے اور اب ان کو آرام کرنے کا موقع دینا چاہئے۔ جو کچھ بھی وہاں کہہ سن کر آئے ہیں، اب تو آ گئے ہیں، باتیں بھی ہو جائیں گی، لیکن اندر سے ایک آواز پوری قوت کے ساتھ انہیں یقین دلا رہی تھی کہ وہ جس مقصد کے لئے گئے تھے، اس میں وہ کامیاب ہو کر نہیں لوٹے ہیں۔ اگر کامیابی کا ہلکا سا شائبہ بھی وہ محسوس کر لیتے تو خوشی سے بے قابو ہو کر وہیں سے سلمٰی بیگم کو اطلاع ضرور دیتے۔ موبائل فون کا گھنٹوں بند ہونا، پھر بنا اطلاع واپس آ جانا، سلمٰی بیگم کی سمجھ میں سب کچھ آ رہا تھا۔

پھر وہ بے چینی سے فیاض احمد کے جاگنے کا انتظار کیوں کرتیں......؟ وہ گھر آ گئے تھے اور بات بھی سمجھ آ گئی تھی۔ انہیں یوں لگا جیسے دل کسی گہری اتھاہ میں ڈوبتا جا رہا ہو۔ وہ بمشکل خود کو سنبھال کر اُٹھیں اور واش روم کی طرف بڑھیں۔ آج ان کی فجر کی نماز قضاء ہوگئی تھی۔ سوچا پہلے قضاء نماز ادا کر لیں، شاید اس وقت تک فیاض احمد بھی جاگ جائیں اور پھر نہ بھی جاگیں تو کیا فرق پڑتا ہے......؟ دلچسپی کی بات تو صرف اتنی تھی جو وہ جاننا چاہتی تھیں کہ ناصر حسین کی زندگی میں آنے والی وہ نئی لڑکی کیسی ہے......؟ انہوں نے واش روم میں جانے سے پہلے پلٹ کر لاشعوری طور پر سوئے ہوئے فیاض احمد کی طرف دیکھا۔ پھر سینے سے جیسے رُکی ہوئی سانس آزاد کی اور آہستگی سے دروازہ کھول کر واش روم میں داخل ہوگئیں۔

☆......☆......☆

''سر......! یہ میم نے دیئے ہیں۔''

مریم کا کولیگ عاطف بیٹھ کر اظفر کمال کے سامنے ڈرتے ڈرتے فائل رکھ رہا تھا۔ اظفر کمال نے ابرو تان کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا

''او بھائی......! کس میم کی بات کر رہے ہو......؟''

''سر......! مریم میم کی۔''

عاطف گھبرا کر فوراً بولا۔ عاطف کی گھبراہٹ دیکھ کر اظفر کمال نے خود کنٹرول کر لیا۔ سمجھ گئے کہ بچہ کچھ ضرورت سے زیادہ گھبرا گیا ہے۔ ویسے بھی مریم کا نام غصہ اُتارنے کے لئے کافی تھا۔ موڈ خود بخود اچھا ہو گیا۔ گویا آج وہ آفس آ گئی۔ انہوں نے ایک خوشگوار سی کیفیت اپنے اندر اُترتی ہوئی محسوس کی، مگر اب اپنا بھرم بھی تو بنانا تھا۔ اسی Tone میں کہا۔

''جائیے! مس مریم کو میرے پاس بھیجئے۔''

عاطف نے چونک کر اظفر کمال کی طرف دیکھا اور بولا۔

''مس مریم کو سر...؟''

اظفر کمال نے اس کے باوجود کہ ان کی طبیعت خوش گوار تھی، مصنوعی خفگی سے عاطف کی طرف دیکھا اور بولے۔

''تو اور کیا موت کے فرشتوں کو بھیجو گے......؟''

عاطف گھبرا کر جلدی سے چلا گیا، بلکہ اس نے تو جیسے دوڑ لگائی تھی کہ جان بچی سو لاکھوں پائے۔ اظفر کمال بظاہر فائل کھول کر اُلٹ پلٹ کر رہے تھے، مگر کان ان کے آہٹوں پر لگے ہوئے تھے۔ وہ آہٹیں جو ان کی زندگی میں گھنگھرو بجانے لگیں تھیں۔ چند لمحے بعد ہی مریم نے کمرے میں جھانکا۔

''مے آئی کم اِن سر......؟''

اظفر کمال نے چونکنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بڑے پُر وقار اور سنجیدہ انداز میں دیکھا اور بولے۔

''یس......! کم اِن......!''

مریم اندر آ گئی۔

''السلام علیکم......!''

''وعلیکم السلام......! بھئی......! چھٹیوں کے بعد آپ آفس آئیں، آپ کو خود ہی آ جانا چاہئے تھا۔ یعنی میرا مطلب ہے، صبح کا سلام ہی کر لیتیں......؟''

مریم نے شرمندہ ہو کر اظفر کمال کی طرف دیکھا۔

''سوری سر......! بس یوں ہی میں نے آپ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔''

اظفر کمال نے بے ساختہ نظریں اُٹھا کر مریم کی طرف دیکھا۔

''ساری زندگی ڈسٹرب کر کے رکھ دی ہے تم نے۔ یعنی کے حد ہو گئی، آج تو آتے ہوئے میں بیلا کے کمرے میں جانا بھول گیا۔''

وہ سوچ رہے تھے اور مریم بڑی حیرت سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''کیا میں بیٹھ سکتی ہوں سر......؟''

آخر کار اُسے خود ہی کہنا پڑا۔ اظفر کمال ایک دم اپنے خیالات سے چونک پڑے۔

''جی جی......! بالکل، تشریف رکھئے۔ بہت سے کام آپ کی غیر حاضری کی وجہ سے پینڈنگ پڑے ہیں۔ آج ان کو ڈسکس کرتے ہیں اور آج ہی کے دن ان کو نمٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''جی جی سر......! بالکل ٹھیک ہے۔''

''وہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ کا بے بی کیسا ہے......؟ مسکراتا تو ہوگا......؟ مجھے مسکراتے ہوئے بچے بہت اچھے لگتے ہیں۔''

اظفر کمال کی رو بہک گئی تھی۔ وہ اپنی دُھن میں یوں بولے جا رہے تھے کہ مریم نے ٹوک دیا۔ اسے پتا نہیں کیوں اظفر کمال سے خوف سا محسوس ہوتا تھا......؟ ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ کہیں کسی دن ایسی بات کر بیٹھیں گے کہ پھر وہ ان کے سامنے نہیں بیٹھ پائے گی۔ آخر عورت ذات تھی اور عورت مرد کے تاثرات پہنچاننے میں بہت کم دھوکہ کھاتی ہے۔

''ہم پینڈنگ کام نمٹا رہے ہیں۔ شاید آپ بھول گئے......؟''

اس نے اظفر کمال کو جلدی سے بتا دیا، اس سے پیشتر وہ مزید کام سے ہٹ کر بات کرتے۔ اظفر کمال خفیف سے انداز میں مسکرائے۔

''اوکے......! کام بہت ہے۔ آج آپ میرے ساتھ میرے کمرے میں اس وقت تک بیٹھیں گی، جب تک ہمارے پینڈنگ کام نہیں نمٹ جاتے۔''

انہوں نے مریم کو سامنے بٹھانے کا بہانہ بالآخر ڈھونڈ ہی لیا۔ مریم پھر ٹپٹا سی گئی۔

''سر......! وہ میرا موبائل، لیپ ٹاپ......؟''

اس کی بات اُدھوری تھی کہ اظفر کمال نے فوراً کہا۔

''ارے بھئی......! موبائل اور لیپ ٹاپ کون سا 100 کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں، برابر والے کمرے میں ہیں، منگا لیتے ہیں۔''

مریم نے جیسے بے بسی سے اظفر کمال کی طرف دیکھا پھر گہری سانس لے کر ایک فائل اُٹھا کر دیکھنے لگی۔

اظفر کمال چور نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے Peon کو بلانے کے لئے گھنٹی بجا رہے تھے۔

☆......☆......☆

''کچھ نہیں ہوسکتا سلمٰی......! کچھ نہیں ہوسکتا۔ اب تم اسے ناصر کی خوش قسمتی کہو یا کچھ اور، مگر اُسے ایسا جیون ساتھی مل گیا ہے کہ وہ جیسے اپنا ماضی بھول گیا ہے۔''

سلمٰی بیگم نے چونک کر سر اُٹھایا۔

''ماضی بھول گیا ہے......؟''

فیاض احمد سر جھکائے خود کلامی کے انداز میں بول رہے تھے۔

''ہاں سلمٰی......! وہ بہت خوش باش زندگی گزار رہا ہے۔ اس کی بیوی بھی بہت اچھی ہے۔ میں اُس لڑکی کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ شاید وہ ان زخموں کا مرہم بنا کر ناصر کے گھر بھیجی گئی ہے جو زخم اسے ہماری بیٹی کے ہاتھوں لگے ہیں۔''

''بس کریں فیاض......! آپ اس لڑکی کی تعریف کئے چلے جا رہے ہیں جو آج میری بیٹی کی جگہ بیٹھی ہے۔''

سلمٰی بیگم نے جیسے تڑپ کر فیاض احمد کو ٹوک دیا۔

''وہ زبردستی آ کر نہیں بیٹھی سلمٰی بیگم......! تمہاری بیٹی نے وہ جگہ خوشی سے خالی کی تھی۔''

فیاض احمد نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''اب کیا ہوگا فیاض......؟ میں نے تو اسے جیسے قید خانے میں قید کیا ہوا ہے۔ پاپا کی وجہ سے وہ کمرے میں قید ہو کر رہ گئی ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ کچھ ہو جائے گا، بات بن جائے گی، یہ اپنے گھر چلی جائے گی تو میرا باپ ایک دل ہلا دینے والے صدمے سے بچ جائے گا۔''

''کیا کر سکتے ہیں سلمٰی......؟ ہم جو کوشش کر سکتے تھے، کر ڈالی۔ اب اسے قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرو، اور اسے کیوں قید رکھا ہوا ہے......؟ میں ماموں جان کو بڑے طریقے سے بتا دیتا ہوں۔ آخر اس دُنیا میں شادیاں ناکام بھی تو ہوتی ہیں۔ ماموں جان کو اتنا تو پتا ہی ہے کہ انعم کی ناصر کے ساتھ کبھی نہیں بنی۔ وہ بہت کچھ سنتے رہتے تھے۔ دُکھ تو انہیں ہوگا۔''

''بس کریں فیاض......! کہیں پاپا نہ سن لیں۔ میرے باپ کو دوسری زندگی ملی ہے۔ میں اپنے باپ کی زندگی اولاد کی خاطر داؤ پر نہیں لگا سکتی۔ میں کچھ کرنا چاہتی ہوں، مجھے کرنے دیں۔''

سلمٰی بیگم کی آواز آنسوؤں سے بوجھل ہونے لگی۔

''تم کیا کرنا چاہتی ہو......؟ اور بھئی......! وہاں سے صاف انکار ہو گیا ہے۔ اس گھر میں انعم کے لئے کوئی کونہ، کوئی جگہ نہیں ہے۔ اب خود کو سمجھاؤ اور صورتِ حال کا مقابلہ کرو۔''

فیاض احمد نے ذرا چڑ کر سلمٰی بیگم سے کہا تھا۔

''مجھ سے پوچھ تو لیں، میں کیا کرنا چاہتی ہوں......؟''

سلمٰی بیگم اپنے لہجے کو کنٹرول کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''ہاں......! بتاؤ، کیا کرنا چاہتی ہو......؟''

''میں چاہتی ہوں کہ اب انعم کو لے کر میں خود ہی اسلام آباد چلی جاؤں۔''

فیاض احمد نے چونک کر سلمٰی بیگم کی طرف دیکھا۔ جیسے انہیں سلمٰی کی ذہنی حالت پر شک ہو رہا ہو۔ پھر اُداس اور بے معنی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے۔

''دماغ خراب ہے تمہارا......! انعم کو لے کر ناصر کے گھر جاؤ گی......؟ جبکہ وہ صاف انکار کر چکا ہے۔''

''ہاں......! اس لئے کہ انعم آج بھی محفوظ نہیں ہے کچھ اور لوگ بھی اس کے پیچھے لگ چکے ہیں۔''

فیاض احمد نے پریشان ہو کر سلمٰی بیگم کی طرف دیکھا۔

''کچھ اور لوگ......؟''

''ہاں......! جس گھر سے حماد، انعم کو لے کر آیا تھا، اس گھر کا مالک انعم کو لینے آیا تھا۔''

''واہ بھئی واہ! کیا حوصلہ ہے، یعنی کہ ایک بیٹی کو اس کے باپ کے گھر سے لینے آ گیا، کون تھا وہ سورما؟''

فیاض احمد کے لہجے میں تلخی اُمڈنے لگی۔

''ایک بڈھا دولت مند، اس کا نام بھی دولت خان ہے۔ انعم نے اس کی نوکری کی ہے۔ کہہ رہا تھا کہ اس نے انعم پر لاکھوں روپے لگا دیئے ہیں۔''

''تو پھر اس میں ہمارا کیا قصور ہے......؟ کیوں لگائے تھے اس نے لاکھوں روپے......؟ ہم نے کہا تھا......؟''

فیاض احمد پریشان تو بہت تھے لیکن اُلجھی اُلجھی کیفیت میں اور بے رخت انداز میں بول پڑے تھے۔

''یہ باتیں تو بعد میں بھی ہو جائیں گی۔ میں نے اُسے کہہ دیا ہے کہ انعم کے بابا آ جائیں گے تو ہم آپ کے پیسے واپس کر دیں گے۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اُسے اپنے پیسوں سے زیادہ انعم سے دلچسپی ہے۔ بہت بااثر نظر آ رہا تھا۔ میں بہت ڈر گئی تھی فیاض......! بڑی مشکل سے اس کو ٹالا تھا۔''

''چلو ٹھیک ہے......! بلا ٹل گئی ناں، میں آ گیا ہوں۔ آئے گا تو دیکھ لوں گا۔''

''نہیں نہیں......! آپ اس سے غصے میں بات نہیں کریں۔ وہ بہت خطرناک دکھائی دیتا ہے۔ لاکھوں روپے ہماری بیٹی سے زیادہ تو نہیں ہیں۔ آپ اسے اس کی مطلوبہ رقم واپس کر دیجئے۔ میں آج ہی انعم کو لے کر اسلام آباد چلی جاؤں گی۔ اب آپ جو کہیں۔''

سلمٰی بیگم نے گویا اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''خواہ مخواہ اپنی بے عزتی کراؤ گی اور میری بھی۔''

فیاض احمد فوراً بولے۔

''کوئی بے عزتی نہیں ہوگی۔ مجھے اتنا تو یقین ہے کہ وہ ہم ماں بیٹی کو دھکے دے کر تو نہیں نکالے گا۔ میں اس کے پاؤں پڑ جاؤں گی فیاض......! اس لئے کہ اب ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔''

سلمٰی بیگم بڑی جذباتی کیفیت میں کہہ رہی تھیں۔

''تم ہوش و حواس کھو بیٹھی ہو سلمٰی......! یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تمہیں محسوس ہو رہا ہے۔ تم اس لڑکی سے ملو گی تو تمہیں خود ہی پتا چل جائے گا کہ اس گھر میں کسی شرط پر اور کسی قیمت پر ہماری بیٹی کی جگہ نہیں نکل سکتی۔ تم کیا سمجھ رہی ہو کہ میں صرف ناصر سے بات کر کے واپس چلا آیا ہوں۔ میں نے اس لڑکی سے بھی بات کی تھی مگر سوائے مایوسی کے کچھ ہاتھ نہیں لگا۔''

فیاض احمد بہت دل گرفتہ انداز میں کہہ کر یوں چپ ہو گئے جیسے ان کے پاس کہنے کو اب کچھ بھی نہیں بچا۔

"آپ کچھ بھی کہیں فیاض......! میں انعم کو لے کر آج ہی چلی جاؤں گی۔ اس لئے کہ میں پاپا کی طرف سے بہت فکر مند ہوں۔ بڑی مشکل سے ان کی طبیعت سنبھلی ہے۔ میں انہیں اب کوئی اور صدمہ نہیں دینا چاہتی۔"

سلمیٰ بیگم یہ کہہ کر اُٹھیں اور تیز قدموں سے اوپر جانے کے لئے زینے کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کے انداز سے یوں لگتا تھا کہ وہ حتمی فیصلہ سنا چکی ہیں اور اب وہ فیاض کی ایک نہیں سنیں گی۔ فیاض بڑی بے بسی سے سر ڈال کر گہری سوچ میں گم ہو چکے تھے۔

☆......☆......☆

علی کی حالت مزید بگڑ گئی تھی۔ اب وہ جیسے گہری بے ہوشی میں اُتر چکا تھا اور عارف کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ چکے تھے۔ وہ اسے مڈوے ہاسپٹل لیا گیا تو علی کو وہاں ایڈمٹ کر لیا گیا۔ اس کا اکلوتا بیٹا جو اسے اپنی جان سے پیارا اور عزیز تھا، اس کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔ آخر کار اسے گھٹنے ٹیکنے پڑے اور اس نے بے اختیاری کی کیفیت میں وہاج کا نمبر ملا دیا۔ دوسری طرف سے وہاج نے فوراً ہی اس کی کال ریسیو کی تھی اور بڑی بے تابی سے "ہیلو" کہا تھا۔ عارف اس وقت صرف اور صرف اپنے بیٹے کی محبت میں کھویا ہوا تھا۔ اس وقت اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا۔ اس نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں وہاج سے کہا تھا۔

"یار وہاج......! فوزیہ سے بات کراؤ۔"

وہاج نے بڑے دُکھی لہجے میں اسے مطلع کیا تھا کہ فوزیہ کی حالت بہت خراب ہے۔ وہ آج ہی ہاسپٹل میں دوبارہ ایڈمٹ ہوئی ہے۔ یہ سن کر تو عارف کے رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے۔ پھر بھی اس نے کہا۔

"وہاج......! کسی طرح سے تم فوزیہ کو مڈوے ہاسپٹل لے آؤ۔ علی کی حالت بہت سیریس ہے۔ وہ اپنی ماں کو بہت مِس کر رہا ہے۔"

وہاج نے یہ سن کر ایک گہری سانس لی۔ اُداس سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیلنے لگی۔ اب اسے عارف کے فون کرنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ وہ خواہ مخواہ کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو چکا تھا۔

"میں کوشش کرتا ہوں عارف......! فوزیہ کو ڈرپ لگی ہوئی ہے، اسے میں بے ہوشی کی کیفیت میں ہاسپٹل لے کر آیا تھا۔ دیکھتا ہوں، اگر تھوڑا چلنے پھرنے کے قابل ہے تو میں اسے ہاسپٹل لے کر آتا ہوں۔"

"کسی بھی طرح وہاج......! کسی بھی طرح تم فوزیہ کو لے آؤ۔ اس وقت میرا بیٹا بہت بری حالت میں ہے۔ شاید ماں سے ملنے کے بعد اس کی حالت سنبھل جائے۔"

اتنا کہہ کر عارف نے فون بند کر دیا تھا۔ دوسری طرف وہاج نے سکون کا گہرا سانس لیا تھا۔ اب اسے اپنی بربادی کا دُکھ محسوس نہیں ہو رہا تھا کیونکہ بہن کے آباد ہونے کے مواقع روشن تھے۔

☆......☆......☆

ناصر کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ سر میں بہت بھاری پن تھا اس لئے آج اس نے چھٹی کر لی تھی۔ اس نے ناشتہ بھی دیر سے کیا تھا۔ ناشتے کے بعد وہ کچھ ضروری فون کالز کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اُجالا اُس کے پاس آکر کمرے میں بیٹھ گئی۔ ناصر نے PA کو کچھ ہدایات دینے کے بعد فون بند کر دیا اور چہرہ موڑ کر اُجالا کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی کیونکہ اُجالا کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

''بھئی......! آج تو تم شکل سے سقراطن بقراطن لگ رہی ہو۔ کیا سوچ رہی ہو......؟''

ناصر نے اُجالا سے چھیڑ چھاڑ کی، جیسے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ اُجالا کے ساتھ بہت خوش ہے اور اس وقت اس کا موڈ بہت اچھا ہے۔ اُجالا نے خالی خالی نظروں سے ناصر حسین کی طرف دیکھا۔ پھر سر جھکا کر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

''کیا سوچے جا رہی ہو......؟ بس بھئی......! اب کچھ بولو بھی، بہت سوچ لیا۔''

ناصر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بغور دیکھا۔ اُجالا نے پھر نظریں اُٹھا کر ناصر کی طرف دیکھا اور فوراً نظریں چرا لیں۔ ناصر جیسے اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

''بتاؤ ناں اُجالا......! کیا سوچ رہی ہو......؟ کوئی پریشانی والی بات ہے تو شیئر کرو۔ ہر پریشانی کا کوئی نہ کوئی حل تو ہوتا ہے۔''

اُجالا نے گہری سانس سینے سے آزاد کی اور آہستہ آواز میں گویا ہوئی۔

''ناصر......! پتا نہیں کیوں میرے سینے پر ضمیر کا ایک بوجھ ہے......؟ یوں جیسے میں کسی ماں کو اس کی اولاد سے دُور رکھنے کا سبب بن گئی ہوں۔''

''دماغ خراب ہے تمہارا......!''

ناصر نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

''تمہارا کیا قصور ہے......؟ تم کسی غلط طریقے یا کسی غلط راستے سے میری زندگی میں داخل نہیں ہوئی ہو۔ میں بکھر رہا تھا، تم نے سمیٹ لیا۔ مجھے مخلص اور سچے جیون ساتھی کی تلاش تھی، میں نے تمہارا انتخاب کر لیا اور بس......!''

''آپ اُنہیں لے آئیں ناصر......!''

بالآخر اُجالا نے بڑے حوصلے سے بہت بڑی بات کہہ ہی ڈالی۔ ناصر چند لمحے کے لئے ہکا بکا سا ہو کر اس کی شکل دیکھتا رہا۔ پھر اس کے چہرے پر ناگواری کی لکیریں کھنچ گئیں۔

''تم تو میرے حال پر رحم کرو اُجالا......!''

''رحم ہی تو کر رہی ہوں۔''

اُجالا نے برجستہ جواب دیا۔

''تم اس عورت کو نہیں جانتی۔''

ناصر نے پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''مجھے جاننے کی ضرورت بھی ہے۔''

ناصر، اُجالا کی بات سن کر بری طرح کھول اُٹھا تھا۔ اسے اُجالا کی حماقت پر غصہ آ رہا تھا۔ پھر وہ بڑی بے بسی سے چڑ کر گویا ہوا۔

''دل بھر گیا ہے تمہارا مجھ سے......؟''

اُجالا نے ایک دم آنکھیں پھاڑ کر ناصر کی طرف دیکھا، جیسے اسے ناصر کی بات سن کر دلی صدمہ ہوا ہو۔ بے اختیار اس کی آنکھیں برسنے کو تیار ہوگئیں۔ اس نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

''بڑی جلدی یاد دلا دیا......؟ میں نے تو آپ کو پہلے ہی کہا تھا کہ میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔ ہم جیسی عورتیں جتنی بھی پارسا نظر آئیں، جتنی بھی پاک دامن بن جائیں، کوئی ہمارا اعتبار نہیں کرتا۔''

بولتے بولتے اُجالا کی آواز جیسے آنسوؤں میں ڈوبنے لگی۔ ناصر حسین ایک دم ٹپٹا گیا۔ اسے اپنی ایک سادہ سی بات کے اتنے بھاری ردِعمل کی توقع نہیں تھی۔ اس نے ایک دم اُجالا کو بازو سے کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔

''آئی ایم ساری اُجالا......! میرا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا۔ میری جان......! میں اپنے اور تمہارے بیچ اب کسی تیسرے کو برداشت نہیں کر سکتا۔''

اس نے بھرپور طریقے سے اُجالا کو اپنی محبت کا یقین دلانے کی کوشش کی۔

''مجھے آپ کی محبت پر شک نہیں ہے ناصر......! تبھی تو اتنا بڑا دل کر رہی ہوں۔''

''تمہارے دل کا بڑا پن تمہیں تکلیف دے گا اُجالا......! اور تمہیں سمجھ نہیں آ رہی۔''

اُجالا نے خود کو ناصر کی گرفت سے چھڑا لیا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''کتنی تکلیف ہوگی مجھے ناصر......! اتنی ہی جتنی میں برداشت کر سکوں، لیکن آپ کو کچھ ہوگیا تو میں بالکل خالی ہو جاؤں گی۔ آپ ڈسٹرب تو ہیں ناں جب ہی آفس بھی نہیں گئے۔''

اُجالا کی یہ بات سن کر ناصر حسین نے نظریں چرا کر دوسری سمت دیکھنا شروع کر دیا۔

''یہ وقتی باتیں ہوتی ہیں اُجالا......! سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''نہیں ناصر......! آپ کے سر میں بہت شدید درد تھا اور آپ کے اس سر درد نے مجھے خوف زدہ کر دیا۔ یہ بہت بڑے خطرے کی گھنٹی ہے۔ وہ آجائیں گی تو انہیں میں احساس دلاؤں گی کہ ناصر کی صحت اور زندگی کی ضرورت پہلے سے بھی زیادہ ہے۔ مجھے اور انہیں بھی......''

ناصر حسین نے ایک دم تلخی سے اُجالا کی بات کاٹ دی۔

''وہ تو خود آ کر چاہے گی کہ میں مر جاؤں، اس کی جان چھوٹے۔ تم کس پتھر سے سر پھوڑو گی......؟ تم اسے نہیں جانتی۔ میں نے اس کے ساتھ پانچ سال گزارے ہیں اور میں بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ فیاض انکل اور سلمٰی

آنٹی نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے ہوں گے، اس کے پاؤں پکڑے ہوں گے، اپنی عزت کے واسطے دیئے ہوں گے۔ وہ اتنی ضدی اور مغرور عورت ہے کہ سمجھوتہ کرنا اس کی فطرت میں نہیں۔"

ناصر حسین نے اُجالا کے ذہن سے جیسے وہ سب کچھ کھرچنے کی کوشش کی جو اُجالا کے دماغ میں جم چکا تھا۔

"کچھ بھی ہے ناصر......! وہ رضامند ہوئی ہوں گی تو فیاض انکل آپ سے بات کرنے آئے تھے۔ ان سے بات کئے بغیر وہ یہاں کیسے آسکتے تھے......؟"

ناصر حسین نے چونک کر اُجالا کی طرف دیکھا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ فیاض انکل......"

اُجالا اب اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی اور ناصر کی طرف سے رُخ موڑ کر بولی۔

"اس گھر میں رہتی ہوں، مجھ سے کوئی بات چھپ سکتی ہے......؟"

ناصر حسین بھی کھڑا ہوگیا۔ اس نے اُجالا کے کندھوں کو تھام لیا اور اس کا رُخ اپنی طرف موڑتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"نہیں......! ضرور فیاض انکل نے تم سے کچھ کہا ہے......؟"

اُجالا نے نظریں چُرا کر پھر رُخ موڑنے کی کوشش کی۔

"آپ ٹاپک سے ہٹ رہے ہیں ناصر......!"

"کوئی ٹاپک واپک نہیں......! تم نے ایک فضول سی بات کی تھی جو اسی وقت ختم ہوگئی۔ آئندہ میں تمہارے منہ سے کسی قسم کی بات نہ سنوں۔ میں تمہارے ساتھ اور اپنی بیٹی کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ جس نے جو کیا ہے، وہ اپنے کئے کی سزا بھگتے۔ تم بے قصور ہو، میں تمہیں کیوں عذاب میں ڈالوں......؟ آئندہ سے کبھی اس بارے میں سوچنا بھی نہیں۔"

یہ کہہ کر ناصر حسین اپنے کمرے میں جانے کے لئے زینے کی طرف چڑھ گیا۔ اُجالا بڑی بے بسی کی کیفیت میں ناصر حسین کو جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

مریم، اظفر کمال کے سامنے بیٹھی ہوئی ان کے بتائے ہوئے پوائنٹ نوٹ کرتی جا رہی تھی۔ وہ اپنے کام میں بہت منہمک تھی۔ اسے اسی طرح سکون بھی محسوس ہو رہا تھا کہ اظفر کمال اس وقت بڑی سنجیدگی سے اپنے کام میں مصروف تھے اور اتنی دیر سے انہوں نے اپنے کام سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کی تھی۔ اسی وقت ان کے موبائل پر رِنگ ہوئی تھی۔ مریم کا چلتا ہوا پین رُک گیا۔ اظفر کمال نے فائل پر پیپر ویٹ رکھ کر فون اٹینڈ کیا۔ ان کے چہرے سے لگتا تھا کہ جس نمبر سے کال آئی ہے، ان کے لئے وہ تشویش کا باعث ہے۔ کیونکہ ان کی آنکھوں سے بہت فکرمندی جھلک رہی تھی۔

''ہیلو......!''

اظفر کمال دوسری طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ مریم لاشعوری طور پر ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اظفر کمال ''ہیلو'' کہنے کے بعد دوسری طرف سے ہونے والی بات سن رہے تھے۔ سنتے سنتے جیسے ان کی آنکھوں میں وحشت ناچنے لگی۔

''میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے مت ستاؤ، بس کرو۔ مر رہی ہے تو مرنے دو۔ پاگل کر دیا ہے اس عورت نے، مر جانے دو اسے۔ اب یہ سب کچھ میری برداشت سے باہر ہو گیا ہے۔ میں بہت مصروف ہوں۔ اس کی نرس سے کہو کہ وہ سنبھالے۔ میرے پاس اب کوئی فون کال نہیں آنی چاہئے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے رابطہ منقطع کر دیا اور پٹخنے کے انداز میں ٹیبل پر اپنا سیل فون رکھ دیا تھا۔ مریم ہکا بکا ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے کچھ بھی تو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ کس کی کال ہو سکتی ہے......؟ اور کس کے مر جانے کی بات ہو رہی ہے......؟ اصغر کمال کو ایک دم مریم کی موجودگی کا احساس ہوا اور انہوں نے فوراً خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ پہلے اپنی ٹائی کی ناٹ درست کی، پھر کھنکھار کر گلا صاف کیا اور پھر بولے۔

''جی مس مریم......! آپ نے کیا لکھا......؟''

مریم ان کی طرف ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔

''یہ کون عورت ہے جس نے اظفر کمال کو پاگل کر دیا تھا......؟ کس سے بات کر رہے تھے اتنے بے رحم اور ظالمانہ انداز میں......؟''

اس کا ذہن اپنے کام سے ہٹ گیا تھا۔ آخر وہ کشمکش میں تھی اور اپنے مزاج سے ہٹ کر اس نے دفتری ماحول میں پہلی بار اپنی طرف سے اظفر کمال سے سوال کر ہی لیا۔

''سر......! آپ بہت ڈسٹرب نظر آ رہے ہیں۔ کس کی کال تھی......؟ اور کس کے مر جانے کی باتیں ہو رہی تھیں......؟ میں تو سن کر سچ مچ بہت ڈسٹرب ہو گئی ہوں۔''

''نہیں نہیں مس مریم......! آپ کو ڈسٹرب ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایکچولی میری بیوی ذہنی مریضہ ہے۔ گھر سے ملازمہ کا فون تھا۔ اس کو دورے پڑتے ہیں تو وہ بہت توڑ پھوڑ کرتی ہے۔ ایک زمانہ ہو گیا، مجھے تو عادت سی ہو گئی ہے۔ پلیز......! آپ اپنا کام کیجئے۔''

مریم کو یہ سب کچھ سن کر اور جان کر جیسے بہت دُکھ ہوا۔ وہ صدمے کی کیفیت میں اظفر کمال کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ہم کس کے بارے میں اندازے لگانے میں کتنی جلدی کرتے ہیں۔ قیاس آرائیاں کرنے کا کتنا شوق ہوتا ہے۔ وہ جیسے خود کو لعن طعن کرنے لگے۔ اظفر کال کے بارے میں کیا کچھ سوچنے لگی تھی۔ جبکہ اس وقت اظفر کمال اسے انتہائی مظلوم انسان دکھائی دے رہے تھے۔

''سر......! وہ آپ کے بچے تو ہوں گے ناں......؟''

مریم اپنی نرم دل حساس طبیعت کی وجہ سے ایک اور سوال کر بیٹھی تھی۔ کیونکہ اظفر کمال کی جو وحشت اس

نے دیکھی تھی، اس سے اُس کا ذہن منتشر ہو چکا تھا۔

''بچے ہوتے تو رونا ہی کیا تھا......؟ بچے نہ ہونے کی وجہ سے تو آج اس صورتِ حال سے دوچار ہوں۔''

مریم نے چونک کر اظفر کمال کی طرف دیکھا۔

''اوہ......! سوری، آئی ایم ویری سوری سر......! ایکسٹریملی سوری......!''

''نہیں نہیں مس مریم......! ظاہری بات ہے، آپ کو میرے بارے میں کچھ نہیں پتا، اور پھر میں آپ کے سامنے اپنا ٹیمپرامنٹ کھو بیٹھا۔ آپ کے ذہن میں سوال تو پیدا ہونے ہی تھے۔ خیر چھوڑیئے اس بات کو، اس میں کچھ نہیں رکھا۔ مگر آپ کو سچ سچ بتا دیتا ہوں کہ میری بیوی کئی مرتبہ ماں بننے کے عمل سے گزر چکی ہے، لیکن ہر مرتبہ اس نے مردہ بچے کو جنم دیا اور اسی وجہ سے وہ اپنا ذہنی توازن بھی کھو بیٹھی۔''

''اوہ......!''

مریم کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''سر......! ڈاکٹر کیا کہتے ہیں......؟ ان کا علاج تو آپ نے کرایا ہی ہوگا ناں......؟''

''آج تک کرا رہا ہوں، چودہ سال سے مسلسل زیرِ علاج ہے۔''

یہ سن کر تو مریم کی حساس طبیعت پر جیسے ایک اور تازیانہ پڑا۔

''اُف میرے خدایا......! چودہ سال سے اتنی بڑی دوزخ میں جل رہا ہے......؟ شاید اسی وجہ سے اپنا سارا سٹریس آفس میں آ کر شفٹ کر دیتے ہیں......؟''

مریم کو ایک دم سے اظفر کمال کے چڑچڑے پن کا جواز مل گیا۔

''آج تک علاج ہو رہا تھا۔ لیکن اب تو ڈاکٹرز بھی یہ کہتے ہیں کہ اس کا علاج ایک بچہ ہے، جیتا جاگتا بچہ۔ وہ اپنی گود میں ہنستا کھیلتا بچہ دیکھے گی تو ہوش وحواس کی دُنیا میں واپس پلٹ آئے گی۔ لیکن اب میں اس کے لئے بچہ کہاں سے لاؤں......؟''

''سر......! وہ انفنٹ ایدھی سنٹر سے مل جاتے ہیں۔''

مریم نے ہچکچاتے ہوئے ایک نقطہ کی طرف اظفر کمال کی توجہ مبذول کرائی۔ بلکہ اُسے حیرانی ہوئی کہ آج تک اتنی سخت زندگی گزارتے ہوئے اظفر کمال کو خود یہ خیال کیوں نہ آیا......؟

''بات صرف اتنی ہے مس مریم......! کہ میں مستقل طور پر بچہ لینے کا رِسک نہیں لے سکتا اور ایدھی سنٹر والے چند دن یا چند ماہ کے لئے بچہ نہیں دیتے۔ اب دیکھئے ناں، بچہ لانے کے بعد بھی اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہ ہوئی تو میرے ذمہ ایک اور کام لگ جائے گا، یعنی میں اب مسز کے ساتھ ساتھ لے پالک بچے کی ذمہ داری بھی اُٹھاؤں۔ میرے اعصاب جواب دے چکے ہیں۔ مجھ میں اتنی اہلیت نہیں ہے کہ شیر خوار بچے کی پرورش کر سکوں، اس کی ذمہ داریاں اُٹھا سکوں اور لوگ چند دن یا چند ماہ کا اپنا دودھ پیتا بچہ حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ میری بیوی کی حالت دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے، کون اتنا بڑا رِسک لے گا......؟ خیر چھوڑیئے......! جہاں

استنے سال کٹ گئے ہیں، باقی زندگی بھی گزر ہی جائے گی۔"

پھر بولے۔

"جی......! وہ ہم کس پوائنٹ پر بات کر رہے تھے......؟"

اظفر کمال نے جیسے محسوس کیا کہ وہ لاحاصل گفتگو کر رہے ہیں۔ انہوں نے خود ہی اپنی بات مختصر کر کے کام کی بات شروع کر دی۔ مریم اپنے ذہن کو مرتکز کرنے کے لئے اندرونی طور پر بہت جتن کر رہی تھی۔ اظفر کمال کے دُکھ نے اُسے بہت روحانی اذیت پہنچائی تھی۔

"اس دُنیا میں کیا نہیں ہوتا......؟ کچھ نیا، حیرت انگیز، عجیب اور دل ہلا دینے والا"

وہ اپنے لکھے ہوئے پر ایک نظر دوڑاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہاج، فوزیہ کو لے کر ہاسپٹل تو آ گیا تھا لیکن فوزیہ کے ساتھ اندر جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ شاید اسی جگہ علینہ سے ملاقات ہو جائے اور علینہ اس کے ساتھ کیسا رویہ اپنائے گی......؟ اسے قریب اندازہ تو تھا۔ اس وجہ سے وہ کار میں بیٹھا رہا اور فوزیہ کو اندر جانے کے لئے کہہ دیا۔ فوزیہ کے اندر جانے کے بعد اس نے سیٹ کو Comfertable کیا اور نیم دراز ہو کر آنکھیں موندھ لیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی شیر خوار بچی جسے اس نے ابھی تک دیکھا نہیں تھا، گھومنے لگی۔

"یہ بچی میری ہے۔ کیا میں ساری زندگی اپنی ہی اولاد کی شکل نہیں دیکھ پاؤں گا......؟ اگر میں علینہ سے درخواست کروں گا تو کیا وہ مان جائے گی......؟"

وہ اُلجھی ہوئی سوچوں میں بری طرح اُلجھ گیا۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون تو فوزیہ کی شکل دیکھتے ہی کمرے سے باہر چلی گئیں۔ البتہ علینہ نے اُٹھ کر بڑی بے ساختگی سے فوزیہ کو گلے سے لگایا تھا جو انتہائی کمزور اور بہت نڈھال نظر آ رہی تھی اور جیسے بڑی مشکل سے اپنے پاؤں پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی بے تاب نظریں علی کے چہرے کو تلاش کرنے لگی تھیں۔ اسے علینہ کا والہانہ پن، گلے سے لگانا کچھ بھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس کا ذہن تو اپنے بیٹے کی طرف تھا۔ وہ علینہ سے خود کو چھڑا کر دیوانہ وار اپنے بیٹے کی طرف بڑھی۔ علینہ بھاگتی ہوئی اس کے پیچھے گئی اور بڑی نرمی سے اس کے کندھے کو تھام لیا۔

"بھابی......! پلیز، آپ آرام سے بیٹھ جائیں، کوئی بات نہ کریں۔"

فوزیہ نے بے قرار نظروں سے علی کی طرف دیکھتے ہوئے علینہ سے پوچھا۔

"کیا یہ بے ہوش ہے علینہ......؟"

علینہ نے نظریں جھکا لیں۔ اس کی خاموشی میں جیسے ہاں چھپی ہوئی تھی۔ فوزیہ، علینہ کی خاموشی پر مزید تڑپ گئی۔

''یہ کب سے بے ہوش ہے علینہ......؟''

''اب آپ آ گئیں ہیں بھابی......! تو یہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایک دو دن میں اس کی حالت سنبھل جائے گی، اسے ہوش آ جائے گا، آپ بالکل پریشان نہ ہوں، یہ آپ کو دیکھے گا تو بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ اصل میں تو اس کی دوا آپ ہیں۔''

''مجھے پتا ہے علینہ یہ سب کچھ تم نے کیا ہے اور میں زندگی بھر تمہارا یہ احسان یاد رکھوں گی۔''

''احسان کی کیا بات ہے بھابی......؟ علی آپ کا بیٹا ہے تو میرا بھی کچھ لگتا ہے۔ میں تو کل سے جیسے دُعاؤں میں لگی ہوئی ہوں۔ آپ گھبرائیے نہیں، یہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔''

علینہ نے فوزیہ کو گلے سے لگا لیا۔ فوزیہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ وہ بمشکل اپنی ہچکیاں کنٹرول کر رہی تھی۔

''میں تمہارا یہ احسان مرتے دم تک نہیں بھولوں گی۔''

فوزیہ نے علینہ کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑی محبت سے کہا۔ علینہ کے ہونٹوں پر ایک اُداس سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بھابی......! میں نے کوئی احسان نہیں کیا، آپ جس تکلیف سے گزر رہی تھیں، اس کی وجہ بھی میں ہی تھی۔ زخم میں نے لگایا تھا تو مرہم رکھنے کی کوشش بھی میں نے ہی کی ہے۔''

یہ کہہ کر وہ فوزیہ سے دُور ہٹ گئی اور علی کے قریب جا کر اس کے سر پر بہت محبت سے ہاتھ پھیرنے لگی۔

فوزیہ بڑی حیرت سے علینہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہ وہ علینہ تو نہیں تھی، لاپرواہ اور اپنی ذات میں مگن رہنے والی، جسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنی طرف سے عشق میں مبتلا ہے، اپنے علاوہ اسے کسی کی پرواہ نہیں۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم، فیاض احمد کے آنے کے بعد سے بہت زیادہ ڈسٹرب تھیں۔ ان کا ذہن مسلسل ایک ہی نقطے پر کھڑا تھا کہ انعم کا کیا ہوگا......؟ اور اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ انعم کو ناصر کے پاس لوٹ جانا چاہیے۔ اسی میں اس کی بقاء ہے اور سارے خاندان کی عزت بھی۔ اس لئے کہ وہ آج بھی انعم کی طرف سے تشویش میں مبتلا تھیں۔ انہیں آج بھی انعم پر یا اس کے مزاج پر اعتبار نہیں تھا۔ مگر ان کے سامنے ایک بہت بڑا مرحلہ تھا کہ وہ انعم کو ناصر حسین کے پاس جانے کے لئے کسی طور آمادہ کریں۔ ایسی کیا دلیل دیں کہ انعم بغیر مزاحمت ناصر کے پاس جانے کے لئے آمادہ ہو جائے......؟ ان کے ذہن میں بار بار یہی سوال آ رہا تھا کہ وہ بڈھا دولت خان انعم کے لئے بہت خوف کا باعث بن گیا ہے۔ انہوں نے پہلی بار انعم کو بہت سہما ہوا، خوفزدہ سا محسوس کیا تھا، جب اسے دولت خان کے سامنے کھڑا پایا تھا۔

ایک ترکیب انہیں سوجھ رہی تھی کہ انعم کے دل میں دولت خان کی طرف یہ خوف بٹھا دیں کہ وہ پیسے لینے کے لئے تیار نہیں ہے، وہ صرف اور صرف انعم کو واپس اپنے گھر میں دیکھنا چاہتا ہے۔ شاید دولت خان کے خوف سے انعم ان کی بات مان لے۔ بس ایک بار وہ ناصر حسین کے گھر پہنچ جائے، اس کے بعد تو وہ ساری صورتِ حال کو سنبھال لیں گی۔ انہیں اتنا تو خود پہ اعتماد تھا۔ کافی سوچ بچار کے بعد بالآخر انھوں نے طے کر لیا کہ وہ انعم کو کسی بھی طرح قائل کر کے ناصر حسین کے پاس چھوڑ آئیں گی۔ انہوں نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔

''انعم ابھی جاگ رہی ہوگی، آج کل تو اس کے سونے جاگنے کا کوئی وقت ہی مقرر نہیں۔ لیکن دیکھ لینے میں کیا حرج ہے......؟''

وہ یہ سوچ کر انعم کے کمرے کی طرف چل پڑیں۔ دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور ہینڈل گھما دیا۔ دروازہ اندر سے لاک نہیں تھا۔ انہوں نے آہستگی سے دروازہ کھول، سر اندر کر کے جھانکا، انعم ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی سگریٹ پی رہی تھی۔ سلمٰی بیگم کو یہ منظر بہت اذیت دے رہا تھا۔ وہ تیزی سے انعم کے پاس آئیں اور اس کی اُنگلیوں سے سگریٹ کھینچ لیا۔

''بس......! اس کی کسر رہ گئی تھی......؟''

وہ بڑی خفگی سے گویا ہوئیں۔

''امی......! میں عادی نہیں ہوں، بس کبھی کبھی ڈیپریشن ہوتا ہے تو ایک دو سگریٹ پی لیتی ہوں تو تھوڑی دیر کے لئے ریلکس ہو جاتی ہوں۔''

انعم نے بڑی وضاحت سے جواب دیا۔

''عادی نہیں ہو تو ہو جاؤ گی۔ عادی کس طرح ہوتے ہیں......؟ فرار کے راستے ڈھونڈنے سے حقیقتیں بدل نہیں جاتیں۔ انعم......! بعض اوقات زندگی بہت سخت فیصلوں کا تقاضہ کرتی ہے اور وہ فیصلے کر لینے کے بعد بھی بڑے بڑے مسئلے حل ہوتے ہیں۔ جب تک انسان کسی فیصلے، کسی نتیجے پر نہیں پہنچ جاتا، اس کا ذہن اسی طرح منتشر رہتا ہے۔''

سلمٰی بیگم نے خفا خفا انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''امی......! اب کیا فیصلہ رہ گیا ہے......؟ سارے فیصلے تو ہو چکے ہیں۔ آپ پتا نہیں کس قسم کا فیصلہ چاہ رہی ہیں......؟''

انعم نے اسی طرح آف موڈ میں ماں کو جواب دیا۔

''انعم......! میرے سر پر بہت فکریں ہیں۔ تمہاری طرح سگریٹ پی کر دُھوئیں میں نہیں اُڑا سکتی۔''

سلمٰی بیگم نے جیسے دانت پیس کر انعم کی طرف دیکھا تھا۔

''ہاں تو امی......! آپ کوئی Solution نکال لیجئے۔ میں کب کہہ رہی ہوں کہ آپ میری طرح سے سگریٹ پینے لگیں......؟''

''شٹ اَپ......! تمہارے تعاون کے بغیر میری فکریں دُور نہیں ہوسکتیں۔ مجھے تمہارے نانا جان کی فکر ہے، مریم کے سسرال کی فکر ہے، مجھے تمہاری بچی کی فکر ہے، اور تمہاری فکر تو ہے ہی کہ تم اولاد ہو۔ تمہیں میرے ساتھ ناصر حسین کے گھر جانا ہوگا انعم......!''

سلمٰی بیگم دل کی بات زبان پر لے آئیں۔ انعم کا وجود جیسے کسی زلزلے کی زد میں آگیا تھا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر ماں کی طرف دیکھا۔

''کیا ناصر سے بات ہوگئی ہے آپ کی......؟ وہ دوسری بیوی کے ہوتے ہوئے اس گھر میں مجھے رکھنے کو تیار ہوگیا ہے کیا......؟''

انعم نے قدرے حیرانی سے سوال پر سوال کئے۔

''اگر تیار نہیں بھی ہوا تو تیار ہو جائے گا۔ اس لئے کہ تمہاری کوکھ سے پیدا ہونے والی بچی اس کی بھی بیٹی ہے، اس کی بھی اولاد ہے۔ بالآخر وہ کچھ نہ کچھ سوچے گا ضرور۔''

سلمٰی بیگم نے جواب دیا۔

''امی......! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں......؟ خود سوچئے، میں اس کی دوسری بیوی کے ہوتے ہوئے اس کے ساتھ کیسے رہ سکتی ہوں......؟ کیا حقیقت ہوگی اس گھر میں میری......؟''

انعم اُلجھ کر جیسے پھٹ پڑی۔

''حیثیت نہیں ہے تو حیثیت بنانے کی کوشش کرنا پڑے گی انعم......! وہ جو کہتے ہیں ناں کہ گناہ کو نیکی سے مٹانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ ایک غلطی ہوگئی ہے، غلطی کرنے کے بعد ان سب لوگوں کو احساس تو دلاؤ کہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے اور تم ایسی غلطی دُہرانا نہیں چاہتی۔ اس غلطی پر تمہیں شرمندگی ہے، ندامت ہے۔ جب تمہاری اس طرح کی بات دوسروں تک پہنچے گی تو سب کے دلوں میں خود بخود نرم گوشہ پیدا ہوگا۔ اس لئے کہ غصہ انسان کو تب آتا ہے، جب انسان اپنی غلطی پر اصرار کرتا ہے۔ لیکن جو لوگ اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے ہیں تو اکثر انہیں معاف کر دیا جاتا ہے۔''

انعم نے ماں کی بات سن کر اُلجھے اُلجھے انداز میں انہیں دیکھا۔ سلمٰی بیگم کے دلائل بہت مضبوط تھے۔ وہ فوراً کوئی جواب دینے کے قابل نہ تھی، لیکن سوچ میں ضرور پڑ گئی تھی۔ سلمٰی بیگم نے اسے سوچتے ہوئے پایا تو دوسرا ہتھیار اُٹھا لیا۔

''اور وہ جو دولت خان ہے، جس کی تم نوکری چاکری کر کے بڑی مشکل سے نجات پا کر یہاں آئی ہو۔ صبح، دوپہر، شام اس کے فون آجاتے ہیں۔''

سلمٰی بیگم زندگی میں پہلی بار اتنے سارے جھوٹ بول رہی تھیں۔ اس لئے وہ انعم کی طرف دیکھنے کی بجائے نظریں چرا رہی تھیں۔ انعم نے جیسے خوفزدہ سی ہو کر سلمٰی بیگم کی طرف دیکھا تھا بلکہ وہ دولت خان کے ذکر پر ششدر رہ گئی تھی۔

''دولت خان کے فون......؟ وہ کیوں فون کر رہا ہے امی......؟ اسے کہہ تو دیا تھا کہ اسے پیسے مل جائیں گے۔''

''ہاں......! مگر اسے پیسوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ تمہیں اپنے گھر میں دیکھنا چاہتا ہے۔ مجھے تو یہ فکر ہے کہ پاپا کو یہ ساری صورتِ حال پتا چلی تو وہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکیں گے اور مجھے تو لگتا ہے کہ وہ ایک دو دن چھوڑ کر دوبارہ یہاں آ کر بیٹھ جائے گا۔''

''امی......! آپ اس سے کہہ دیجئے کہ اس کے جتنے پیسے ہیں، وہ اس سے زیادہ لے لے۔ اس شہر میں لڑکیاں مر نہیں گئیں۔ وہ کسی اور لڑکی کو اپنا دل بہلانے کے لئے رکھ لے۔''

سلمیٰ بیگم نے بڑے غور سے اس کی بات سنی اور کرب سے اسے دیکھا۔ ان کی بیٹی ایک بوڑھے کا دل بہلا رہی تھی۔ مرنے کے لئے تو یہ بھی بہت تھا۔ صدمے سے ان کا دل بیٹھ رہا تھا۔ مگر وہ جس مقصد کے لئے انعم کے پاس آئیں تھیں، وہ مقصد ابھی اُدھورا تھا۔ انعم نے ناصر حسین کے گھر جانے کی حامی نہیں بھری تھی۔ سلمیٰ بیگم اپنے طور پر واپس آ گئیں۔

''میں آج شام کی فلائٹ سے تمہاری اور اپنی سیٹ کنفرم کرا رہی ہوں۔ تمہیں جو تیاری کرنا ہے کر لو۔ پھر تم خود ہی سوچو کہ اس کمرے میں کس طرح بند رہو گی......؟ یاد رکھو انعم......! تمہاری وجہ سے میرے باپ کو کچھ ہوا تو میں مرتے دم تک تمہیں معاف نہیں کروں گی۔ دو چار کپڑے کسی بیگ میں ڈال لو۔ ہم آج شام ہر صورت اسلام آباد کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔''

آخری جملہ انہوں نے حکم سنانے کے لئے کہا تھا اور کمرے سے باہر جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے تھے۔ مگر دروازے کے قریب پہنچ کر مُڑ کر انعم کی طرف دیکھا جو کسی مجسمے کی طرح ساکت بیٹھی ماں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''دیکھو انعم......! دولت خان جیسے بااثر بندے سے دیر تک مقابلہ کرنے کی ہم میں ہمت نہیں ہے۔ جو کچھ ہو چکا، بس وہی بہت ہے۔ اب میں اور تمہارے بابا شاید اس سے زیادہ برداشت کر بھی نہیں سکتے۔ ہم جو کچھ سوچ رہے ہیں، تمہارے بھلے کے لئے ہی سوچ رہے ہیں۔''

انہوں نے اتنا کہا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ انعم اسی طرح بُت بنی اپنی جگہ بیٹھی تھی۔

☆......☆......☆

عارف کے بیٹے علی کو ہوش آ گیا تھا۔ عارف نے سکون کا سانس لیا تھا۔ چوبیس گھنٹوں سے اس کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔ علی کو ہوش آیا تو اس نے تھوڑی دیر بڑی کمزور آواز میں اپنی ماں سے کچھ باتیں کیں اور پھر فوزیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر گہری نیند سو گیا۔ عارف اور فوزیہ کے درمیان ابھی تک کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ نہ عارف نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی نہ فوزیہ نے اس سے ضروری یا غیر ضروری کلام کیا۔ مگر شکیلہ خاتون جل بھن کر خاک ہو رہی تھیں۔ فوزیہ کی موجودگی کا ایک ایک پل ان پر بھاری تھا۔ علی کے سوتے ہی وہ کمرے ذرا فاصلے پر اپنے

بیٹے عارف کے قریب جا کر بیٹھ گئی اور کھسر پھسر کے انداز میں بڑی ناگوار کیفیت کے ساتھ کہنے لگیں۔

''ارے بیٹا......! بچے کو تو ہوش آ گیا۔ اب اسے کہہ دو کہ اپنے بھائی کے گھر واپس چلی جائے۔''

عارف جانے کس خیال میں تھا کہ ماں کی بات سن کر ایک دم چونک پڑا۔ اس کے چہرے پر برہمی اور ناگواری کی لکیریں بہت واضح نظر آنے لگیں۔ اس نے بڑے شکوے کے انداز میں ماں کی طرف دیکھا اور اتنی آواز میں بولا کہ فوزیہ اس کی بات نہ سن سکے۔

''حد کرتی ہیں اماں......! آپ بھی۔ علی کو ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ہوش آیا ہے اور دیکھئے، وہ اپنی ماں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دے کر سویا ہوا ہے۔ وہ اس قدر خوفزدہ ہو گیا ہے کہ شاید اب اسے اعتبار ہی نہیں کہ ماں کہیں اس سے دُور نہ چلی جائے، اسے چھوڑ کر نہ چلی جائے۔''

''ارے......! بچے تو بچے ہوتے ہیں۔ دو چار دن کی بات ہے، اللہ آہستہ آہستہ صبر دے ہی دیتا ہے۔''

شکیلہ خاتون اپنی بات پر اَڑی ہوئی تھیں اور جو کچھ انہوں نے فوزیہ کے لئے سوچا ہوا تھا، اس سے ہٹ کر وہ کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھیں۔ پھر اس طرح سے تو کسی دلیل میں وزن نہیں ہوتا۔ ہر دلیل کسی دیوانے کی بَڑ ہوتی ہے۔

''اماں......! صبر ان باتوں کا آتا ہے جو قدرت کی طرف سے طے کر دی جاتی ہیں۔ جان بوجھ کر اپنی کوششوں سے کسی کو دُکھ دینا ظلم کہلاتا ہے۔''

شکیلہ خاتون نے ہکا بکا ہو کر عارف کی شکل دیکھی۔ وہ بیوی کو دیکھتے ہی بدل گیا تھا۔ کتنی مصیبتوں سے تو اسے پکا کیا تھا۔ کتنے دن کی مشقتیں اُٹھا کر تو وہ دن دیکھا تھا جب عارف نے فوزیہ کو دھکے دے کر گھر نکالا تھا۔ پھر کسی اڑیل گھوڑے کی طرح بدک گیا۔ وہ سوچ رہی تھیں مگر ہمت ہارنا ان کی سرشت نہیں تھی۔

''ارے بیٹا......! دیکھو، وہ سو کر اُٹھے گا ناں، تو ہم اسے سنبھال لیں گے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ ہوش میں ہے۔''

عارف نے ماں کی طرف دیکھا۔ وہ شکیلہ خاتون کا بیٹا تھا، اس سے زیادہ اپنی ماں کو کون جا سکتا تھا......؟ اس نے بڑے تحمل سے ماں کو جواب دیا۔

''اماں......! علی کو ہوش میں آئے ابھی چند گھنٹے ہی ہوئے ہیں۔ خدانخواستہ اس کی حالت دوبارہ بگڑ گئی تو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ وہ ہمارا کیا لے رہی ہے......؟ اپنے بچے کے ساتھ بیٹھی ہے۔ کتنی ہی دُشمنیاں ہوں اور کتنی ہی کدورتیں ہوں، لیکن حقیقت تو نہیں بدلی جا سکتی۔ وہ علی کی ماں تو ہے۔ یہ سچائی تو مجھے اور آپ کو ماننا ہی پڑے گی ناں......!''

عارف نے شکیلہ خاتون کے ہتھیار ایک ہی وار میں کند کر دیئے تھے۔ شکیلہ خاتون کو اندازہ ہو گیا کہ فوزیہ سامنے بیٹھی ہے، بچہ سکون میں ہے، اس وقت فوزیہ کے خلاف بات کرنا ناممکن ہے۔ انہوں نے ہمیشہ کی طرح یہ سوچ کر خود کو سمجھا لیا کہ اس وقت کام نہیں بنا تو کل بن جائے گا، کچھ دن بعد بن جائے گا۔ ہو گا تو وہ جو میں کرنا چاہتی

ہوں۔ ان کا زعم جو کسی کینسر کی طرح ان کے وجود میں سرائیت کر چکا تھا، اس وقت ان کو پُرسکون رکھنے کے کام آرہا تھا۔ فوزیہ کی پشت عارف کی طرف تھی لیکن عارف تو فوزیہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ساتھ گزارے ہوئے سارے پل زنجیر کی کڑیوں کی طرح جڑ کر اس کو اس تعلق کی مضبوطی کا احساس دلانے لگے۔ وہ لمحوں کی زنجیر کو دیکھ رہا تھا جس کی کڑیوں میں ایک کڑی اس کا اپنا بیٹا بھی تھا۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم سوٹ کیس میں اپنے کپڑے اور کچھ ضروری چیزیں رکھ رہی تھیں۔ فیاض احمد ان سے ذرا فاصلے پر ایزی چیئر پر جھولتے ہوئے بڑی فکرمندی سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''ایک مرتبہ پھر غور کر لو سلمٰی......! ویسے تو اتنی بڑی بے عزتی ہوگئی ہے کہ اس بے عزتی کے بعد تو کسی بے عزتی کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔''

وہ بظاہر ہنس رہے تھے۔ ان کی ہنسی کی ہر لہر تلخی سے آلودہ تھی۔ سلمٰی بیگم نے کپڑے رکھتے ہوئے پلٹ کر فیاض احمد کی طرف دیکھا۔

''ہاں تو جب مان چکے ہیں، بے عزت کی آخری حدوں کو چھو لیا ہے تو پھر اب کس بات کا ڈر......؟ اب تو وہ ہمیں دھکے مار کر بھی پھینک دے، تب بھی ہماری بے عزتی نہیں ہوگی۔''

سلمٰی بیگم غصے کی کیفیت میں بولی تھیں۔ اب وہ چڑ گئیں تھیں۔ ان کو فیاض احمد کی بار بار مداخلت بہت چبھنے لگی تھی اور فیاض احمد اپنی جگہ درست تھے جو ناصر حسین کے گھر سے اُٹھ کر آئے تھے۔ وہ گھر جس کو سویٹ ہوم کہنا بجا تھا، اس کے کسی کونے میں پالتو بلی تک کی گنجائش نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ گھر کے افراد ہی ایک دوسرے کے ساتھ اتنا شیر وشکر تھے۔ لیکن ایک موہوم سی اُمید اندر جاگ پڑتی تھی کہ سلمٰی عورت ہے، شاید وہ اپنے ڈھنگ سے بات کرے۔ ناصر نہ سہی، اُجالا ہی سہی۔ اُجالا کے دل میں کوئی ایسی بات آجائے کہ اسے ہمارے جیسے اُجڑے ہوئے تباہ حال لوگوں پر رحم آجائے۔ عورت بہت جذباتی ہوتی ہے اور جذبات میں بندہ وہ کچھ کہہ اور کر جاتا ہے جو سوچ سوچ کر اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے والا کبھی نہیں کر پاتا۔ سلمٰی کے اندر اتنا جوش وخروش اور جذبے کی قوت تھی کہ ان کی ساری دانائی اور فراست مٹی کا ڈھیر بنی ایک طرف پڑی تھی۔ سلمٰی کچھ سننے کو تیار نہیں تھی۔ انہوں نے آخری مرتبہ بھی کوشش کر کے دیکھ لیا۔ سلمٰی بیگم نے ضروری لوازمات کپڑے وغیرہ رکھ کر سوٹ کیس بند کیا اور سیدھی کھڑی ہوگئیں اور گم سم سی ہو کر فیاض احمد کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''کوشش کرنا ہر انسان کا حق ہے۔ چاہے اس کوشش میں انسان کی جان چلی جائے۔ مجھے نااُمید ہونے کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ میں آخری کوشش سے پہلے نااُمید کیوں ہو جاؤں......؟''

وہ فیاض احمد سے پوچھ رہی تھیں اور واقعی اس وقت انہوں نے فیاض احمد کو لاجواب کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

مریم ضروری ڈاکومنٹ تیار کر کے بڑے مصروف انداز میں تیز تیز چلتے ہوئے اظفر کمال کے آفس تک آئی تھی۔ اس سے بیشتر کے وہ دروازے کا ہینڈل گھماتی یا دروازہ ناک کرتی، اندر سے اظفر کمال کے دھاڑنے کی آوازیں آنا شروع ہوگئیں۔

''میں کہہ رہا ہوں ناں، میری طرف سے اجازت ہے، اس کو کسی پاگل خانے میں ڈال دو۔ خدا کے لئے، اس پر بھی رحم کرو اور مجھ پر بھی۔ اب مجھے آفس فون کرنے کی ضرورت نہیں۔ بے ہوش ہوئی ہے ناں، اب تو زیادہ آسان ہے۔ ہاسپٹل فون کرو، ان کے بندے خود آکر لے جائیں گے۔ میں اس عورت کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا، جس نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔ وہ صبح سے لے کر رات تک یہ ثابت کرتی رہتی ہے، جیسے اس کے دُکھوں کا ذمہ دار ہی میں ہوں۔ ہاں ہاں......! سمجھ رہا ہوں میں۔ بے ہوش پڑی ہے، نرس کو کہو، اس وقت انجکشن لگا کر ہوش میں لانے کی ضرورت نہیں، اسے فوراً ہسپتال لے جائے اور ہاسپٹل والوں سے بات کرے کہ جب تک یہ زندہ ہے، اسے اپنے پاس ہی رکھیں۔ میں ان کو بل سے زیادہ ہی دوں گا، کم نہیں۔ بلکہ ان سے کہہ دو، وہ جو مانگیں گے، میں اُن کو دوں گا۔ مگر اس منحوس عورت کو اپنے پاس ہی رکھیں۔ بائیس بائیس گھنٹے ہو جاتے ہیں، مجھے جاگتے ہوئے۔ پتا نہیں کس ناکردہ گناہ کی سزا کاٹ رہا ہوں......؟''

اس کے ساتھ ہی اظفر کمال نے فون بند کر دیا تھا۔ مریم سکتے کی کیفیت میں دروزے کے پاس کھڑی تھی۔ اب اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ دروازہ کھول کے اندر آجاتی اور اظفر کمال کو دیکھتی جو حالات سے تنگ آکر وحشت اور درندگی میں مبتلا ہو چکا تھا، جس نے مشکل حالات سے ہار مان کر سفاکی اوڑھ لی تھی اور انسانیت کو خدا حافظ کہہ دیا تھا۔ اگرچہ اس کا کام بہت اہم تھا لیکن درحقیقت اس کے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اظفر کمال کے کمرے میں داخل ہو جاتی۔ وہ چپ چاپ وہیں سے پلٹ آئی۔ اگر انہیں ضرورت محسوس ہوئی تو خود کو سنبھال کر خود ہی بلا لیں گے۔ وہ آہستہ قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دل پر ایک بوجھ سا تھا۔ سفاکی، لاچاری، بے بسی اور نہ جانے کیا کیا......؟ اس کی حساس طبیعت بڑی بوجھل ہوگئی تھی۔ اس کی نظروں میں وہ اس کا ہنستا کھیلتا بچہ گھومنے لگا جس کی ایک مسکراہٹ اس کی ساری تھکن اُتار دیتی تھی، جس کے دُنیا میں آنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو بے انتہاء مصروف اور مخصوص کیا تھا۔ یوں لگا تھا جیسے یہ بچہ نہیں ہے، کوئی قلعہ ہے اونچی اونچی فصیلوں والا، جن فصلیوں کو پھلانگ کر کوئی اسے تنگ کرنے نہیں آسکتا۔ اس نے اس عورت کے کرب اور دُکھ کو بڑی شدت سے محسوس کیا جس نے کئی بار اپنے آنگن میں بچے کی آہٹیں محسوس کیں اور پھر وہ آہٹیں ہمیشہ کے لئے دُور ہوگئیں۔ اظفر کمال کی جذباتی حالت نے اسے بھی وقتی طور پر ناکارہ کر کے رکھ دیا تھا۔

☆......☆......☆

عارف کو تو کمرے سے گئے ہوئے کافی دیر ہوگئی تھی۔ شکیلہ خاتون بھی نظر نہیں آرہی تھیں۔ ڈاکٹر نرسوں

کے ساتھ وزٹ کے لئے کمرے میں آیا تو فوزیہ نے اس کے چند سوالوں کا جواب دیا اور کھلی ہوا میں سانس لینے کے لئے باہر نکل آئی۔ علی کو ہوش میں دیکھ کر اس کی اپنی طبیعت بھی سنبھل گئی تھی۔ اپنے بچے کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ سب کچھ بھول گئی تھی۔ وہ صرف اور صرف اس خوشی سے سرشار تھی کہ اس کا بچہ اب اس کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ علینہ بھی کافی دیر سے نظر نہیں آ رہی تھی۔ علینہ کے ہوتے ہوئے بھی اس کو ڈھارس محسوس ہوتی تھی۔ عارف ابھی تک بالکل اجنبی تھا۔ شکیلہ خاتون کی نظروں سے شعلے اُگلتے رہتے تھے۔ علی کی طبیعت سنبھلی تو اپنے نقصان اور ملال یاد آ گئے اور ایک عجیب سے بوجھ نے اُسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ کوریڈور میں دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے کھڑی ہو گئی۔ زیادہ آگے اس لئے نہیں گئی کہ وہ ڈاکٹر کے باہر آتے ہی دوبارہ کمرے میں چلی جائے گی۔ وہ آنکھیں بند کئے بالکل ساکت و جامد کھڑی تھی۔ اسے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔ وہ بُری طرح چونک پڑی۔ آنکھیں کھولیں تو سامنے شکیلہ خاتون کھڑی پلکیں جھپکائے بنا اسے گھور رہی تھیں۔ نفرتوں کا گویا آتش فشاں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ فوزیہ نے جلدی سے خود کو سنبھالا اور زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

''جی اماں......! ڈاکٹر اور نرسیں اندر تھیں اس لئے میں باہر آ گئی تھی۔''

''اب باہر آ ہی گئی ہو تو بس اسپتال سے بھی باہر ہی چلی جاؤ۔''

شکیلہ خاتون نے سفاک لہجے میں حکم دیا۔ فوزیہ نے آنکھیں پھاڑ کر شکیلہ خاتون کی طرف دیکھا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں اماں......؟''

''ارے......! کیا بہری ہے......؟ سنائی نہیں دیتا......؟ تیرے کان کے پاس منہ کر کے بات کر رہی ہوں۔''

شکیلہ خاتون نے اسی طرح چڑ کر جلے بھنے انداز میں کہا۔

''لیکن میں علی کے پاس سے کیوں جاؤں......؟ اس کی طبیعت ابھی سنبھلی ہے۔ ٹھیک نہیں ہے۔''

فوزیہ نے بمشکل کہا۔

''ارے......! تو کیا ہم مر گئے ہیں......؟ باپ کے گھر سے لائی تھی......؟ ہمارا بچہ ہے، ہم سنبھال لیں گے، اور بھئی......! ظاہر ہے، چھوٹا بچہ ہے۔ پہلی بار ماں سے دُور ہوا ہے، اس لئے طبیعت خراب ہو گئی۔ مگر اب اللہ کا شکر ہے، اس کی حالت کنٹرول میں ہے۔ ہمیں تمہاری ضرورت نہیں۔''

شکیلہ خاتون نے بغیر لگی لپٹی صاف صاف بول دیا۔ دُکھ کی ایک برچھی جگر کے آر پار ہو گئی [illegible] سب سے بڑی بیماری ہے اور شاید ساری روحانی بیماریاں خود غرضی کی کوکھ سے جنم لیتی ہیں، اور [illegible] سامنے والا شخص اس روحانی امراض میں گھرا ہے تو اس کے سامنے انسانیت کے ناطے اپیل کرنا [illegible] آگے بین بجانا یا منزل کا تعین کئے بغیر سفر اختیار کر لینا۔ فوزیہ لب بستہ کھڑی شکیلہ خاتون کو دیکھ [illegible] استعداد کے حساب سے جتنے الفاظ کا ذخیرہ اس کے پاس تھا، اس ذخیرے میں ایک لفظ بھی [illegible] کر کے وہ شکیلہ خاتون کی فطرت کو بدل سکتی اور خاموشی کی یہی وجہ تھی۔ اسی لئے اس [illegible]

ہوئے دیکھا جو چھوٹی سی ہیل پہنے کھٹ کھٹ کرتی ہوئی بڑی تیزی سے ان دونوں کی طرف آرہی تھی۔علینہ کو دیکھ کر فوزیہ کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی نجات دہندہ آگیا ہو۔اس نے دیر سے رُکی ہوئی سانس اپنے سینے سے آزاد کی۔شکیلہ خاتون بھی بیٹی کو سامنے پا کر ایک دم ہڑبڑا سی گئیں تھیں، کیونکہ ان کی بولتی اگر کوئی بند کرسکتا تھا تو وہ ان کی اپنی بیٹی تھی۔اس کے سامنے وہ بڑی بے بس ہو جاتی تھیں۔صحیح کہتے ہیں، ہم جس سے محبت کرتے ہیں، وہی ہم پر حکومت کرتا ہے۔علینہ نے قریب آکر باری باری فوزیہ اور ماں کی طرف دیکھا۔کچھ کچھ اندازہ تو ہوگیا تھا اُسے کہ اس کی ماں فوزیہ سے کیا بات کرسکتی ہے......؟ پھر بھی اس نے انجان بن کر سوال کیا۔

''خیریت......؟ آپ دونوں باہر کیوں کھڑی ہیں......؟''

شکیلہ خاتون اتنی دیر میں خود کو سنبھال چکی تھیں اور ان کو پینترا بدلنے میں جتنی مہارت تھی، اس میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں تھا۔

''ارے بیٹا......! اندر ڈاکٹر نرسیں گئی ہوئی ہیں۔وہاں وہ اپنی گٹ پٹ میں لگی ہوں گی۔اس لئے ہم باہر آکر کھڑے ہو گئے۔''

فوزیہ نے لاشعوری طور پر نظریں اُٹھا کر شکیلہ خاتون کا بدلہ ہوا انداز ملاحظہ کیا۔اسے یوں محسوس ہوا کہ یہی علینہ جو بہت ساری بربادیوں کا شاخسانہ بنی ہے، کچھ دلوں کی آبادی کا باعث بھی یہی بنے گی۔اسے علینہ کو دیکھ کر بڑا حوصلہ محسوس ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

مریم اپنے روم میں آکر بیٹھ گئی تھی لیکن اس کا ذہن مکمل طور پر اپنے کام سے ہٹ چکا تھا۔اس کے کانوں میں ابھی تک اظفر کمال کے جملے گونج رہے تھے۔وہ بہت ہائیپر تھے۔روٹین میں ان کا غصہ کنٹرول سے باہر ہوتا تھا۔اس وقت تو صورتِ حال ہی ایسی تھی کہ مریم خود ان کے پاس جانے یا ان سے رابطہ کرنے کی خود میں ہمت نہیں پا رہی تھی۔اسی وقت Peon اندر داخل ہوا۔مریم نے سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا جیسے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ وہ کسی غرض سے آیا ہے یا اظفر کمال کا کوئی پیغام لایا ہے......؟ Peon دروازہ کھول کر وہیں کھڑا ہوگیا اور بڑے محترم انداز میں مریم سے گویا ہوا۔

''میم......! اظفر سر آپ کو اپنے روم میں بلا رہے ہیں۔وہ کہہ رہے ہیں کہ فائلیں اپنے ساتھ لے کر آئیں۔''

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔مریم نے اپنے اندر ایک سکون کی کیفیت اُترتی ہوئی محسوس کی۔

''اس کا مطلب ہے کہ اظفر کمال نے خود کو کنٹرول کرلیا ہے اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں۔''

اس نے سامنے رکھی ہوئی فائل اُٹھائی۔کچھ فائلیں اس نے لاکر سے نکالیں، پھر اپنے موبائل کی سمت دیکھا اور ہاتھ بڑھایا، پھر کچھ سوچ کر موبائل وہیں پڑا رہنے دیا اور فائلیں لے کر اظفر کمال کے کمرے میں چلی آئی۔ہلکی سی

دستک دے کر اس نے خود ہی دروازہ کھول لیا تھا۔ اظفر کمال چیئر پر بیٹھے جیسے اسی کی راہ تک رہے تھے۔ مریم کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں لاشعوری طور پر محسوس ہونے والی چمک پیدا ہوئی جیسے انہیں روحانی اطمینان نصیب ہوا ہو۔ وہ خود بھی سوچتے تھے کہ اس لڑکی میں ایسا کیا ہے......؟ وہ جب بھی اس کی طرف دیکھتے ہیں تو سارے غم بہت دُور چلے جاتے ہیں اور اب تو وہ ایک بچے کی ماں بھی ہے۔ مگر دل تھا کہ جیسے اس کی طرف کھنچا چلا جاتا تھا۔ عجیب بے بسی کی کیفیت ہوتی تھی۔ شعوری طور پر پوری کوشش کرتے تھے کہ مریم کچھ محسوس نہ کرنے پائے۔ مگر مریم بھی ایک لڑکی تھی، عورت ذات تھی جو مرد کی نظر کا مطلب سمجھنے میں یا اس کی آنکھوں کا لکھا پڑھنے میں دھوکہ نہیں کھا سکتی تھی۔ لیکن انجان بن جانے میں ہی اس کی نجات تھی اور محسوس کر کے کچھ ظاہر کر دینے میں اس کے لئے بڑی مصیبت تھی۔ پھر وہ بہرحال اس دفتر میں کام کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ وہ بہت کچھ محسوس کرنے کے باوجود اظفر کمال کے سامنے اس طرح سے بیٹھی ہوئی تھی جیسے وہ ساری دُنیا سے بے خبر ہے، کچھ نہیں جانتی۔

''مس مریم......! کام مکمل ہے......؟''

اظفر کمال نے ایک نظر اس پر ڈالی مگر فوراً ہی نظریں چرا کر پوچھا۔

''جی سر......! کام تو میں نے بارہ بجے سے پہلے ہی مکمل کر لیا تھا۔''

''تو پھر آپ میرے پاس لے کر کیوں نہیں آئیں......؟ آپ کو پتا ہے، یہ کام کتنا امپورٹنٹ ہے۔ ایک گھنٹے سے میرے پاس فون کالز آ رہی ہیں۔ مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ کام ابھی مکمل ہوا ہے یا نہیں......؟''

''سر......! وہ میں آئی تو تھی، مگر......''

مریم کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔ اس نے فوراً ہی خود کو روک لیا۔ مگر اظفر کمال نے اس کا اُدھورا جملہ پکڑ لیا تھا۔

''مگر......مگر کیا......؟''

''سر......! وہ شاید آپ کسی سے فون پر بات کر رہے تھے۔ آپ کا موڈ بہت خراب تھا۔ میں اس لئے واپس چلی گئی تھی۔''

اظفر کمال نے یہ جملہ سن کر بہت چونک کر مریم کی طرف دیکھا تھا۔

''کیا کچھ سن چکی ہے......؟''

ان کے ذہن میں سوال اُبھرا مگر فوراً ہی انہوں نے خود کو ذہنی خلفشار سے بچا کر بڑے سرد انداز میں کہا۔

''میں غصے میں تھا یا میرا موڈ خوش گوار تھا، آپ کو اپنے کام سے غرض ہونی چاہیے۔ اگر میں غصے میں بھی تھا تو غصہ آپ پر نہیں تھا۔ آپ نے بلاوجہ وقت ضائع کیا۔ آپ آ جاتیں تو میں فون بند کر دیتا اور اپنا کام شروع کر دیتا۔ آئندہ سے Kindly آپ یہ بہانہ مت بنایئے گا۔''

مریم کو ناگوار تو بہت گزرا مگر بہرحال باس آخر باس ہوتا ہے۔ وہ صبر کرنے کے علاوہ اور کیا کر سکتی تھی......؟ خاموشی اس سارے مسئلے کا حل تھی۔ اب اس نے طے کر لیا کہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرے گی۔ اظفر کمال

جواس سے بات کریں گے، وہ صرف اس کا جواب دے گی۔ وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ اظفر کمال فائل دیکھ رہے تھے۔ فائل دیکھتے دیکھتے انہوں بڑی گم صم سی کیفیت میں بیٹھی مریم کی طرف دیکھا پھر ہچکچاتے ہوئے بولے۔

''آئی ایم سوری مریم......! مجھے آپ سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ آپ بہت ڈیوٹی فل ہیں۔ اپنا کام وقت پر کرنے والی ہیں۔ آئی ایکسٹریملی سوری......!''

مریم نے حیران ہو کر اظفر کمال کی طرف دیکھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس شخص کو اپنی کسی غلطی کا احساس ہوسکتا ہے اور وہ کسی سے معذرت بھی کرسکتا ہے۔ وہ بڑے جبر سے مسکرائی اور آہستگی سے بولی۔

''کوئی بات نہیں سر......! نو پرابلم......! آپ ایسا کہہ سکتے ہیں۔''

اظفر کمال اب دوبارہ فائل کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ مریم ٹیبل کے شیشے کی سطح پر آہستہ آہستہ اُنگلیاں پھیر رہی تھی۔ کیونکہ جب تک اظفر کمال فائل نہیں لیتے، کوئی نئی بات شروع نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اظفر کمال نے فائل پڑھتے ہوئے بھی اس سے ہم کلام ہونے کا راستہ نکال ہی لیا تھا۔

''وہ آپ Uncomfortable تو فیل نہیں کر رہی ہیں......؟''

انہوں نے ایک نظر مریم پر ڈال کر پھر پیپرز پر نظریں مرکوز کر دی تھیں۔ مریم کا دل چاہا کہ پھٹ پڑنے کی حد تک سچ بول دے اور صاف صاف کہہ دے کہ سر، چوبیس گھنٹوں میں سب سے زیادہ اذیت ناک مرحلہ آپ کے سامنے پیشی اور چند منٹ بیٹھنا ہی ہے۔ لیکن نوکری پھر نوکری ہے۔ دل تو بہت کچھ چاہتا ہے لیکن کہا تو نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔

''جی نہیں سر......! میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں اور آن ڈیوٹی Comfortable یا Uncomfortable کوئی معنی نہیں رکھتا، کیونکہ ڈیوٹی از ڈیوٹی۔''

اظفر کمال نے اس کی کھنک دار آواز یوں محسوس کی جیسے ان کی سماعتوں میں گھنٹیاں سی بجنے لگی ہوں۔ مبہوت سا ہو کر انہوں نے مریم کی طرف دیکھا تھا۔

''کتنی باوقار ہے یہ لڑکی......!''

وہ سوچ رہے تھے۔ مریم ان کو اپنی جانب دیکھتا پا کر کچھ ڈسٹرب سی تو ہوگئی تھی لیکن نجات تو انجانے پن میں ہی تھی۔ اس نے ایک فائل سرکا کر کھولی اور صفحات اُلٹ پلٹ کرنے لگی۔ کیونکہ اس وقت اظفر کمال کی اجازت سے بھی نہیں جاسکتی تھی۔ اظفر کمال جو فائل پڑھ رہے تھے، اس پر ڈیسیشن بھی کرنا تھی۔ بہر حال وہ بہت کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود درحقیقت یہ پھر نہیں سمجھ پائی تھی کہ وہ اظفر کمال کی روح کا خاموش تقاضہ بن چکی ہے۔ وہ اسے دیکھ کر ہی بہت پرسکون ہو جاتے ہیں۔ جیسے صبر کے راستوں پر گزرتے ہوئے اتنا بھی ان کے لئے بہت تھا۔ اظفر کمال بہت انہماک سے فائل پڑھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم نے ابھی اپنے بیٹے حماد سے اپنے اس بہت بڑے فیصلے کا ذکر نہیں کیا تھا لیکن فرح، حماد کی بیوی تھی۔ تنہائی میں اس سے معلوم ہو گیا کہ امی جان انعم کو لے کر ناصر کے پاس جارہی ہیں۔ اتنا سنتے ہی حماد جیسے کسی بھونچال کی زد میں آ گیا تھا۔ چند لمحے تو وہ بے یقینی سے فرح کی طرف دیکھتا رہا، پھر بڑی برہمی سے گویا ہوا۔

''جتنی ذلت مقدر میں ہے، امی اس پر راضی نہیں ہیں۔ شاید انہیں اور زیادہ چاہیے۔''

فرح ایک دم سے ہراساں ہوگئی کہ کہیں یہ ماں سے اُلجھنے نہ جا کھڑا ہو اور وہ خواہ مخواہ بری بن جائے۔ بہر حال سلمٰی بیگم اس سے ماں کی طرح پیار کرتی تھیں، مگر پھر بھی وہ بہو تھی۔

''چھوڑیئے آپ، امی نے پتا نہیں یہ صرف سوچا ہے، خود ہی اپنے فیصلے کو بدل دیں گی۔ ابھی آپ ان سے بات مت کیجئے گا، مجھے ڈر لگتا ہے۔''

فرح نے فوراً حماد کو ٹوک دیا۔ حماد نے غصے بھری نظریں اُٹھا کر فرح کو دیکھا۔

''تمہیں کس بات سے ڈر لگتا ہے......؟''

''اسی بات سے کہ امی یہ نہ سوچیں کہ میں نے آپ تک یہ بات کیوں پہنچائی......؟ ہوسکتا ہے کہ وہ خود آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہوں اور آج ہی کرلیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہیں خود ہی خیال آجائے، وہ اپنا فیصلہ بدل دیں۔ پلیز حماد......! میرا نام نہ آنے پائے۔''

فرح نے بڑی اِلتجا کے انداز میں حماد سے کہا تھا۔ حماد فوراً ہی اس کا مطلب سمجھ گیا اور گہری سانس لے کر خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرنے لگا اور چند لمحے بعد گویا ہوا۔

''تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں ہوا میں اُڑتے ہوئے تیر پکڑنے کی کوشش کروں۔ امی اگر مجھ سے بات کریں تو پھر دیکھ لیں گے۔ تم نے دیکھا ناں، بابا خاموشی سے واپس آگئے۔ میں تو ان کے وہاں جانے کے حق میں بھی نہیں تھا۔ انعم اور ناصر کے درمیان ایک بچی ہے۔ شاید ناصر بچی کی خاطر کچھ سوچ لے۔ حالانکہ میرے اپنے اندر سے مسلسل آواز آرہی ہے کہ ایک مرد اتنا بڑا دل نہیں کرسکتا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، لیکن کوشش کرنے سے کیا جاتا ہے......؟ کم سے کم انسان ذہنی طور پر ایک طرف تو ہو جاتا ہے۔''

فرح نے ہچکچا کر یہ کہا۔

''ہاں......! چلو یہ بھی سہہ لیا۔ باپ کی مزید بے عزتی آخر کار ہوگئی، لیکن بڑی بے بسی کا مقام ہے کہ میں کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ کاش میں کوئی دیہاتی یا قبائلی ہوتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے بہن کو جان سے مار دیتا۔ پھر باقی زندگی یا تو پولیس سے چھپ کر بھاگ دوڑ میں رہتا ہے یا چودہ سال کی سزا کاٹنا شروع کردیتا۔''

فرح نے ایک دم سہم کر حماد کی طرف دیکھا اور اپنے پھڑکتے ہوئے دل پر جیسے ہاتھ رکھ لیا۔

''توبہ توبہ......! حماد......! آپ کیسی خوفناک باتیں کرتے ہیں......؟ اس مقام پر تو بعض اوقات پڑھے لکھے کا فرق بھی مٹ جاتا ہے۔ اپنے ظرف کو قائم رکھئے گا۔ میرا اور میری بچی کا کیا قصور ہے کہ آپ اپنوں کے تاوان

اداکرتے پھریں اور ہم مفت کے عذاب جھیلیں......؟''
یہ کہہ کرفرح بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ بہرحال حماد کو ایک سوچ تو مل گئی تھی جس کی وجہ سے وہ خودکو مزید سنبھال سکتا تھا۔

☆......☆......☆

بالآخر مریم کی جان چھوٹی تھی۔ اس نے اپنے روم میں آکر سکون کا گہرا سانس لیا تھا۔ صرف ایک گھنٹے کے اندر اس کے اعصاب اتنے شل ہو چکے تھے کہ جیسے کئی میل دُھوپ میں پیدل چلی ہو۔ وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور خود ہی دبانے لگی۔
''کیا میری کوئی مجبوری ہے جو میں اس جگہ ملازمت کروں......؟ میں کہیں اور بھی تو جاب کر سکتی ہوں......؟''
معاً اسے خیال آیا تھا۔ ایک دم چونک پڑی۔
''ہاں......! یہ ٹھیک ہے۔ مجھے کہیں اور ٹرائی کرنا چاہیے۔ میں اتنے اسٹریس والے ماحول میں کام نہیں کر سکتی۔ میرے نصیب میں کون سا گھر کا سکھ لکھا ہوا ہے جو باقی ماندہ کسر میں دفتر میں پوری کروں......؟''
وہ اتنی زیادہ شل ہو چکی تھی کہ انتہائی فیصلوں پر آ گئی تھی۔ ایک انتہائی فیصلہ تو اس نے کیا تھا، مگر اپنے نانا کی وجہ سے وہ اسے اُدھورا رکھنے پر مجبور تھی۔ عجیب سی بے بسی تھی، جیسے وہ پاؤں میں زنجیریں ڈالے چل رہی ہو۔ اسی لمحے Peon اندر داخل ہوا تھا اور دو تین فائلیں مریم کے سامنے رکھتے ہوئے بولا تھا۔
''میم......! یہ سر نے دی ہیں۔ ان پر کام کل ہوگا۔ سر اس وقت کہیں جا رہے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں آپ دو منٹ کے لئے آکر ان سے مل لیں۔''
مریم نے آنکھیں پھاڑ کر Peon کی طرف دیکھا تھا۔
''یا اللہ......! ابھی تو ایک گلاس ٹھنڈا پانی بھی نہیں پیا۔ کیا مصیبت ہے......؟''
وہ کڑھتے ہوئے سوچنے لگی۔
''اچھا اچھا......! تم چلو میں آ رہی ہوں۔''
مریم نے فائلیں اپنی طرف سرکائیں اور اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگی کہ وہ کس قسم کی فائلیں ہیں......؟ اور ان کا کیا کرنا ہے......؟''
Peon جاتے جاتے پھر رُکا۔
''میم......! سر کہہ رہے ہیں، آپ جلدی آ جائیں۔ کیونکہ وہ بس آفس سے جا رہے ہیں۔''
مریم نے بمشکل خود کو کنٹرول کیا۔ اب وہ Peon پر کس حساب سے برستی......؟ وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ گئی۔

''ہاں ہاں......! آ رہی ہوں، تم چلو میں آ رہی ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے فائل کھول کر دیکھنی شروع کر دی تا کہ Peon سمجھے کہ وہ واقعی بزی ہے۔ حالانکہ اسے ابھی ان فائلوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ Peon کے باہر جاتے ہی اس نے اُٹھ کر ٹھنڈا پانی پیا اور اللہ دُعا کی کہ اللہ اس کو صبر، ہمت اور استقامت عطا فرمائے۔ پھر خود پر جبر کرتے ہوئے اظفر کمال کے کمرے میں چلی گئی۔ اظفر کمال کھڑے ہو کر کوٹ پہن رہے تھے بلکہ پہن چکے تھے، سیٹنگ میں لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے رومال اپنی جیب میں اٹکاتے ہوئے مریم کی طرف دیکھا۔ وہ ڈسٹرب اور اُلجھے اُلجھے دکھائی دیئے۔

''مس مریم......! میں گھر جا رہا ہوں۔''

مریم بری طرح چونک پڑی۔

''گھر......؟''

اسے آفس میں بیٹھ کر ہی گھر کا اندازہ ہو چکا تھا۔ دونوں کے پاس گھر تھا اور دونوں ہی بے گھر تھے۔ دردِ مشترک نے یک لخت مریم کو نرم دل بنا دیا تھا۔ حساس طبیعت کی وجہ سے وہ اپنی پریشانی بھول کر اظفر کمال کو دیکھنے لگی۔

''جی......! مجھے اس وقت ایمرجنسی میں گھر جانا پڑ رہا ہے۔ اس پاگل عورت نے نرس کو زخمی کر دیا ہے۔ کئی مرتبہ مجھ پر بھی حملہ کر چکی ہے، لیکن میری بات اور ہے، وہ ملازمہ ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ کہیں اچھا خاصا ہیڈک نہ بڑھ گیا ہو۔''

وہ بے انتہا ڈسٹرب لہجے میں بات کر رہے تھے۔ اس وقت ان کا ذہن آفس اور مریم سے بالکل ہٹ چکا تھا۔

''یہ فائل آپ کے سامنے ہے، پلیز......! اس کو دیکھ لیجئے گا۔ آج یہ سمجھئے کہ آپ شام تک میری اس سیٹ پر میری جگہ کام کر رہی ہیں۔ Kindly آپ یہ سب کچھ دیکھ لیجئے گا۔ کیونکہ میں اگر آفس میں بیٹھوں گا بھی تو میرا ذہن کام کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔''

مریم کی سوئی ایک ہی جگہ اٹک کر رہ گئی تھی کہ اظفر کمال کی بیگم نے اپنی نرس کو زخمی کر دیا ہے۔ اس نے بڑی فکرمندی سے پوچھا۔

''سر......! جب ان کی کنڈیشن ایسی ہے تو آپ انہیں ہاسپٹل میں کیوں نہیں رکھتے......؟ اس طرح کے پیشنٹ کو گھر میں نہیں رکھا جاتا۔''

مریم نے ہچکچاتے ہوئے آخر کہہ دیا کیونکہ اسے حیرت تھی کہ یہ بندہ تو مہنگے سے مہنگا ہاسپٹل بھی اَفورڈ کر سکتا ہے تو اتنے خطرناک پیشنٹ کو گھر میں کیوں رکھا ہوا ہے......؟ اظفر کمال نے جیسے آگ برساتی نظروں سے مریم کو دیکھا تھا۔ وہ غصہ اور تپش مریم کے لئے نہیں تھی، وہ تو کہیں اندر ہر وقت چھپی رہتی تھی اور موقع پاتے ہی باہر آ جاتی تھی۔

''کتنا رکھوں ہاسپٹل میں......؟ سب کچھ کر کے دیکھ چکا ہوں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ یہ میڈیسن سے بس اتنا ہی چل سکتی ہے۔ اس کا علاج صرف بچہ ہے۔ میں اس کو بچہ کہاں سے لا کر دوں......؟''

انہوں نے اتنا کہا اور پھر اپنا بریف کیس اُٹھایا اور جیسے پاؤں پٹختے ہوئے آفس سے باہر چلے گئے۔ ایک منٹ کے لیے انہوں نے مریم کی طرف بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس وقت بے انتہا ذہنی دباؤ کا شکار تھے۔ مریم گم سم، حیران پریشان اپنی جگہ کھڑی تھی۔

''بچہ......؟ اسے تو بغیر انتظار کے بلکہ ایک پری میچور بچہ مل گیا۔ شاید اظفر کمال کی بیوی کا دُکھ کوئی بے اولاد عورت ہی اچھی طرح سمجھ سکتی ہے۔ مجھے تو صرف اتنا احساس ہو رہا ہے ناں کہ ایک عورت بچہ نہ ہونے کی وجہ سے نفسیاتی مریضہ یا پاگل ہو چکی ہے۔''

وہ اپنی جگہ کھڑی سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

''حماد......! تم بات سمجھنے کی کوشش کرو۔''

سلمیٰ بیگم جانے سے پہلے حماد کے علم میں سب کچھ لانے کے لئے اس کے پاس آ بیٹھی تھیں اور سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں کیونکہ وہ ہتھے سے اُکھڑا ہوا تھا۔

''امی......! آخر ہم کب تک اور کتنا ذلیل ہوتے رہیں گے......؟''

حماد نے پھٹ پڑنے کے انداز میں ماں سے کہا تھا۔ اس کے لہجے میں اتنی تڑپ تھی کہ سلمیٰ بیگم کے کلیجے پر جیسے چھریاں سی چل گئیں۔ انہوں نے بمشکل خود کو سنبھالا کیونکہ وہ جو فیصلہ کر چکی تھیں، اب حماد یا کوئی اور بڑی سے بڑی دلیل دے کر بھی فیصلے میں تبدیل نہیں کرا سکتا تھا۔ انہوں نے بہت کوشش کر کے خود کو پُرسکون کیا اور نارمل لہجے میں حماد سے بولیں۔

''بیٹا......! اب عزت کے خواب دیکھنا تو بند کر دو، کیونکہ ہم ذِلت کے جس مقام سے گزر آئے ہیں، اس کے بعد ذِلت کی انتہاء ہو جاتی ہے۔ پر یہ ذِلت کی حد ہے، اینڈ ہے۔ عزت اور ذِلت کے فلسفے کو ذہن سے ہٹا لو۔ ہمیں صرف یہ کرنا ہے کہ جو باقی ماندہ وقت ہمارے پاس بچ گیا ہے یا جو سانسیں ہمیں اس دُنیا میں لینا ہیں، وہ کھل کر لے لیں۔ اس لئے بیٹا......! کہ ہم مسلمان ہیں۔ اسے اپنی آزمائش سمجھ رہے ہیں۔ خودکشی کر کے حرام موت نہیں مر سکتے۔ کچھ تو کرنا ہے۔ جب کچھ کرنا ہی ہے، تو یہ بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں۔''

سلمیٰ بیگم نے اتنے بھرپور اور مضبوط لہجے میں حماد سے بات کی کہ حماد لاجواب ہو کر ماں کی شکل دیکھنے لگا۔ چند لمحے سر جھکائے سوچتا رہا اور دل سے جو لہریں بُلند ہو رہی تھیں، وہ طغیانی براہِ راست چھلکنے کو بے تاب ہو رہی تھی۔ لیکن اس نے بڑی بھرپور مردانگی کے ساتھ اپنے آپ کو سنبھالا۔

''ٹھیک ہے امی......! واقعی میں بھول گیا تھا کہ اب کیسی عزت......؟ اور کیسی ذِلت......؟ ہمارا تو سارا

سامانِ تجارت ہی بک گیا۔ ہم تو فارغ ہیں۔ اب کبھی یہ کر کے دیکھیں گے، کبھی وہ کر کے دیکھیں گے۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ سلمٰی بیگم اس کو اُٹھتا پا کر خود بھی کھڑی ہو گئیں۔ پھر آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"بیٹا......! بڑی بڑی جنگیں ہوتی ہیں، شہر کے شہر تباہ ہو جاتے ہیں۔ بلکہ یہاں سے وہاں تک راکھ اُڑتی ہے۔ راکھ کے اس ڈھیر پر بیٹھ کر پھر آبادکاری کی باتیں ہوتی ہیں۔ پھر بستیاں بنانے کے منصوبے بنتے ہیں۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔ یوں سمجھو، ہم بھی راکھ کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور بستی بسانے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔"

بولتے بولتے سلمٰی بیگم کی آواز آنسوؤں سے بوجھل ہو گئی۔ حماد نے تڑپ کے ماں کو سینے سے لگا لیا۔ بیٹے کی اتنی قربت اور اپنائیت نے جیسے سارے بند توڑ دیئے۔ وہ تڑپ تڑپ کر ہچکیاں لے کر رو رہی تھیں۔ اب حماد انہیں سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

انعم بہت اُلجھی اُلجھی سی سوٹ کیس میں اپنے کپڑے اور ضرورت کی کچھ چیزیں رکھ رہی تھی۔ سوچ اب بیبہ کے گرد گھوم رہی تھی، جس کی آواز سننے سے بھی وہ ترس گئی تھی۔ اس نے بیبہ کو جنم دیا تھا، نو مہینے اپنے پیٹ میں ایک چھوٹے سے پودے کو سینچا تھا، وہ جو اس کے جسم کا حصہ تھی اور وہ جو اس کی خود غرضی کی بھینٹ چڑھی تھی، ماں کے زندہ ہوتے ہوئے بھی ماں سے محروم ہو گئی تھی۔ اس وقت صرف اور صرف اس کا چہرہ نظروں میں گھوم رہا تھا۔ شاید اسے ابھی بھی اتنی گہرائی میں جا کر احساس نہ ہوتا لیکن اس پر تو جیسے آسمان ٹوٹا تھا۔ ایک بالکل نئی انجان عورت اس کی بچی پر اپنا حق جتا رہی تھی اور اسے بتا رہی تھی کہ اس کی بیٹی سو رہی ہے۔ کسی اور وقت بات کر لینا۔ آج اپنی بچی سے بات کرنے کے لئے اس عورت سے ہو کر گزرنا تھا، جسے ابھی تک خود ماں بننے کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے تخلیق کا کرب نہیں سہا تھا اور ایک پلی پلائی بچی کی ماں بن گئی تھی۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ زندگی میں اس نے بڑے گھاٹے کا سودا کیا ہے۔ اب اسے ماں کی باتیں بھی سمجھ آ رہی تھیں اور انا بی کی نصیحتیں بھی۔

"بیٹا......! جا کر اپنی اولاد کو اپنا لو۔ ناصر خود بخود تمہارا خیال رکھے گا اور شاید وہ تمہارا سارا کرا کرایا بھول بھی جائے اپنی اولاد کی خاطر۔"

بس ایک یہی سوچ تھی جس نے اسے اُٹھا کر کھڑا کر دیا تھا اور اس کا انکار اقرار میں بدل گیا تھا اور بالآخر اس نے اسلام آباد جانے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر سوٹ کیس بند کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

"بیگم صاحبہ......! آپ اتنی دیر سے اکیلی بیٹھی کیا سوچ رہی ہیں......؟ میں دو چکر لگا چکی ہوں، مگر آپ

جیسے بیٹھی تھیں ویسے ہی بیٹھی ہیں۔ خیریت تو ہے ناں......؟ میرا کچھ حق بنتا تو نہیں ہے کہ میں مالکوں سے سوال کروں، لیکن مجھے لگا کہ آپ کچھ پریشان ہیں۔"

مہرو کچن میں اپنا کام اُدھورا چھوڑ کر پھر اُجالا کر دیکھنے چلی آئی تھی، کیونکہ اس کے اپنے ذہن میں ایک کھوج سی لگ گئی تھی۔ اسے اُجالا بہت فکرمند اور تشویش میں نظر آ رہی تھی۔ مہرو کی بات سن کر اُجالا زبردستی مسکرائی اور اپنے مخصوص نرم لہجے میں گویا ہوئی۔

"ارے نہیں مہرو......! آپ اپنا کام کرو۔"

وہ مہرو کو "آپ" ہی سے مخاطب کرتی تھی اور دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہتی تھی کہ مہرو پھر بھی اس سے بہتر ہے، کیونکہ اس کا ماضی بے باک ہے۔ اس کا حسب نسب گالی نہیں ہے۔

"بیگم صاحبہ......! اگر پھر بھی میں کسی قابل ہوں تو مجھ سے کہئے، آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہیں۔ جب سے آپ اس گھر میں آئی ہیں، میں نے آپ کو ہنستا مسکراتا ہوا دیکھا ہے۔ لیکن اب کئی روز سے دیکھ رہی ہوں کہ آج بہت پریشان ہیں۔"

مہرو نے بڑی اپنائیت اور بہت ہمدردی سے اُجالا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اُجالا نے خالی خالی نظریں مہرو کے چہرے پر جما دیں پھر گہری سانس لے کر مسکرائی۔

"کچھ نہیں مہرو......! بس آپ مجھے ایک بات بتائیں۔ کیا بیہ کی ماں بیہ سے بہت محبت کرتی تھی......؟ اُس کو ٹائم دیتی تھی......؟"

اُجالا کی بات سن کر مہرو بے ساختہ ہنس پڑی۔ عجیب سی ہنسی تھی جس میں خوشی کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ پھر بولی۔

"بیگم صاحبہ......! اچھا تو نہیں لگتا، مگر سچی بات یہ ہے کہ اگر انہیں اپنی اولاد سے پیار ہوتا تو وہ اسے اس طرح چھوڑ کر نہیں جاتیں۔ کہتے ہیں ناں کہ بری سے بری شادی بھی بچوں کی خاطر نبھالی جاتی ہے۔ بیہ کی ماں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا، بلکہ جاتے جاتے مجھے کہہ کر گئیں تھیں کہ مہرو، بیہ کا بہت خیال رکھنا، تمہیں ڈبل سیلری ملے گی۔ ناصر بھی تمہیں سیلری دیں گے اور میں الگ سے دیا کروں گی۔ بس تم میری بچی کا خیال رکھنا۔ آپ ہی بتائیے، ایک ماں جو ہر شئے کو پیسے سے تولتی ہو، جسے اولاد سے بھی دُور ہونے کا غم نہ ہو، اولاد کی جدائی جس کے لئے کوئی خاص بات نہ ہو تو پھر کیسے یقین کر لیں کہ وہ اپنی بچی سے بہت محبت کرتی تھی......؟ اتنا چھوٹا بچہ آپ سے دُور ہو تو ماں کو نیند نہیں آتی۔ جب اللہ آپ کو اپنی اولاد دے گا تو آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا۔"

مہرو اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"اپنی اولاد......؟"

اُجالا نے ایک دم چونک کر مہرو کی طرف دیکھا۔ بیہ کے ساتھ رہتے ہوئے اسے بھی تک یہ خیال ہی نہیں آیا کہ اس کا اپنا بچہ بھی تو ہونا چاہئے۔ وہ تو بیہ میں بالکل ہی کھو کر رہ گئی تھی۔ مہرو نے آج باتوں باتوں میں اسے

احساس دلا دیا تھا کہ آخر اسے بھی تو ماں بننے کا حق ہے۔

''ہاں ہاں......! ٹھیک ہے مہرو......! یہ سب تو ٹھیک ہے۔ بیہ بھی تو میری اولاد ہے، میرے شوہر کی پیاری بیٹی ہے، مجھے بھی تو بہت پیاری ہے۔''

اُجالا نے جلدی سے کہا۔

''یہ آپ کا بڑا پن ہے بیگم صاحبہ......! اور بیہ کی خوش قسمتی کہ اُسے آپ جیسی ماں ملی۔ لیکن ایک شادی شدہ عورت کو کسی بھی وقت یہ خیال تو آتا ہی ہے ناں کہ اُسے بھی ماں بننا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد آپ کی گود بھرے۔ آپ بھی اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھیں۔ آمین......!''

مہرو نے بہت پیار بھرے لہجے میں دُعا دی تو اُجالا کو مہرو ایک دم سے بہت زیادہ اپنی اپنی سی لگنے لگی۔

''مہرو......! یہ تو مجھے پتا ہے کہ انعم اور ناصر کی کبھی نہیں بنی، لیکن تم کیا سمجھتی ہو، دونوں کی لڑائی میں غلطی انعم کی ہی ہے......؟ ناصر مرد ہیں، وہ بھی تو کبھی غصے میں آجاتے ہوں گے......؟''

اُجالا بات اُدھوری چھوڑ کر مہرو کی طرف دیکھنے لگی۔

''ارے نہیں نہیں بیگم صاحبہ......! ناصر صاحب تو اتنے اچھے ہیں کہ میں بیان ہی نہیں کر سکتی۔ بس انعم بی بی کو غصہ بہت آتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی بات پر غصہ بہت زیادہ کرتی تھیں۔ آفرین ہے ناصر صاحب پر جنہوں نے پانچ سال تک اس تیز مزاج عورت کے ساتھ بڑے صبر سے گزارے۔ وہ بولتی رہتی تھیں، ناصر صاحب زیادہ تر چپ ہی رہتے تھے۔ میں نے کبھی ان کے چیخنے چلّانے کی آواز نہیں سنی۔ پھر پتا نہیں اچانک کیا ہوا......؟ میں نے ناصر صاحب کی بہت اونچی آواز سنی۔ وہ انعم بی بی پر بہت ناراض ہو رہے تھے۔ انہیں ہمیشہ کے لئے گھر سے جانے کا کہہ رہے تھے۔ یوں لگا تھا جیسے بارود کو کسی نے آگ دکھا دی اور دھماکہ ہوگیا۔ میں نے پہلی اور آخری بار ناصر صاحب کو غصے میں دیکھا تھا۔ ایمانداری کی بات ہے، مجھے آج تک پتا نہیں چلا کہ انہوں نے اس روز اتنا غصہ کیوں کیا تھا......؟''

مہرو بڑی معصومیت سے کہہ رہی تھی اور اُجالا اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔ اتنا تو اسے اندازہ ہوگیا کہ مہرو کو اصل حقائق معلوم نہیں اور ہونے بھی نہیں چاہئیں۔ یہ تو ایسی بات ہے، بندہ دیواروں سے بھی کہتے ہوئے شرماتا ہے گھر کے ملازم سے کہنا تو دُور کی بات ہے۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم مریم سے فون پر بات کر رہی تھیں۔

''بیٹا......! میں ڈھائی بجے گھر سے نکلوں گی۔ پاپا مجھے رُخصت کرنے باہر تک آئیں گے اور میرے جانے کے بعد وہ بہت اکیلے ہو جائیں گے۔ اس لئے میں سوچتی ہوں کہ وہ کچھ دنوں کے لئے تمہارے پاس چلے جائیں۔''

مریم ماں کی یہ بات سن کر سوچ میں پڑ گئی تھی۔ عدیل کی اور اس کی تکرار کسی بھی وقت شروع ہو جاتی تھی اور دوسرا بوجھ جو ایک دم سے اس پر آ گرا تھا، وہ یہ کہ وہ بشر علی کے سامنے کس طرح اور کس دل سے عدیل سے مسکرا کر

بات کرے گی......؟ جبکہ اس کی شکل تک دیکھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔

''کیا سوچنے لگی بیٹا......؟ پاپا تو ویسے ہی تمہاری طرف جانے کا بہت کہہ رہے ہیں، بلکہ کہہ رہے تھے کہ کچھ دن تمہارے پاس رہیں گے۔ پھر اختر بھائی کے گھر بھی چلے جائیں گے۔ سوچ رہی ہوں کہ پہلے تمہارے پاس چلے جائیں۔ تمہارے پاس رہنے سے ان کا دل بہلا رہے گا۔ تم قریب ہوگی تو وہ خوشی ہی محسوس کریں گے اور شاید تمہاری کمی وہ آج بھی بہت محسوس کرتے ہیں۔ تمہارے عادی ہو گئے تھے ناں، اور جو دیکھا جائے تو پالا بھی انہوں نے ہی ہے۔''

سلمٰی بیگم، مریم کو خاموش پا کر فکر مندی ہو کر کہہ رہی تھیں اور ایک طرح سے اسے کنوینس بھی کر رہی تھیں۔ اتنا تو وہ سمجھتی تھیں کہ مریم کی خاموشی کی کیا وجہ ہے......؟ لیکن ساتھ ہی وہ سوچ رہی تھیں کہ کیا خبر، پاپا کے قدموں کی برکت سے مریم اور عدیل کے درمیان جو فاصلے پیدا ہو چکے ہیں، وہ مٹ جائیں......؟ انسان ہمیشہ اُمیدیں باندھتا ہے، کیونکہ اُمیدیں باندھنا زندہ رہنے کی شرط ہے۔ کوئی اُمید نہ ہو تو انسان دُنیا کی اندھیری قبر میں گھٹ کر مر جائے۔

''ٹھیک ہے امی......! آپ نانا جان کو میرے پاس چھوڑ دیں۔''

''نہیں بیٹا......! یہ بہت برا لگے گا۔ اگر تم خود آ کر انہیں لے جاؤ تو یہ ان کی عزت افزائی بھی ہوگی اور وہ خوش بھی ہوں گے۔ کسی طرح سے تم انہیں آٹھ بجے سے پہلے آ کر لے جانا، کیونکہ میری رات دس بجے کی فلائٹ ہے۔ میں انعم کو لے کر چلی جاؤں گی۔''

سلمٰی بیگم بولی تھیں۔

''ٹھیک ہے امی......! مگر ایک مرتبہ پھر سوچ لیں۔ خدانخواستہ انعم کو اگر واپس آنا پڑا، پھر بھی تو نانا جان کو حقیقت بتانا ہی پڑے گی۔ کیونکہ حقیقت کتنے دن چھپی رہے گی......؟ بلکہ چھپ ہی نہیں سکتی۔''

مریم بہت سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔

''اچھی بات منہ سے نکالو مریم......! اب تو بس اُمید بھری باتیں کرنے کے بہانے ڈھونڈو۔ کیونکہ زندگی بوجھ بنتی جا رہی ہے۔''

سلمٰی بیگم کی آواز ایک دم سے آنسوؤں میں ڈھل گئی۔ مریم نے فوراً خود کو سنبھالا۔

''امی جی......! آپ پریشان نہ ہوں، میں نے تو ویسے ہی کہہ دیا تھا۔ اللہ کرے جو کچھ آپ سوچ کر جا رہی ہیں، وہ صحیح ہو۔ آپ فکر نہ کریں، میں آ کر نانا جان کو لے جاؤں گی۔ بس آپ اتنا کیجئے کہ نانا جان کو کہہ دیجئے کہ وہ میرے آنے تک بالکل ریڈی رہیں۔ جو بھی اپنی ضروری چیزیں ہیں، میڈیسن وغیرہ رکھنا ہیں، یاد سے رکھ لیں، کیونکہ میں بہت جلدی میں ہوں گی۔ ابھی ابھی آفس سے آئی تھی اور فیصل کو لے کر بیٹھی ہوئی ہوں۔ پتا نہیں کیوں آج بہت رو رہا ہے......؟''

مریم بولی۔

''پریشان ہونے کی بات نہیں بیٹا......! بچے ایسا کرتے ہیں۔ تم آنے کی تیاری کرو۔ میں پاپا کو تیار کرتی

ہوں۔"

سلمٰی بیگم نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

"بتاؤ اظفر......! تم نے میرے بچے کہاں چھپائے ہیں......؟ اگر تم نے مجھے نہیں بتایا تو میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔"

بیلا، اظفر کمال کا گریبان پکڑے ہوئے بڑی زور سے جھنجوڑ رہی تھی۔ اظفر کمال نے ایک جھٹکے سے اپنا گریبان چھڑایا اور بیلا کو بیڈ پر دھکا دیا۔

"پاگل کر دیا ہے تم نے مجھے، کہتے ہیں کہ ایک پاگل سو کو پاگل کرتا ہے۔ اس گھر میں سو تو نہیں ہیں، لیکن میں ضرور پاگل ہو رہا ہوں۔ لعنت ہے ایسی زندگی پر۔ پتا نہیں کیسی زندگی گزار رہا ہوں......؟"

وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر جانے لگے۔ بیلا اپنی جگہ سے اُٹھی اور تیر کی طرح جا کر انہیں پیچھے سے دبوچ لیا۔

"ایسے نہیں جا سکتے تم، میرے مجرم ہو تم، میرے بچے یہیں کھیل رہے تھے۔ اچانک کیسے غائب ہو گئے......؟ مجھے جواب دو اس بات کا۔ کہاں چھپائے ہیں تم نے میرے بچے......؟ میں جانتی ہوں کہ تم میرے دُشمن ہو۔ میں نے تم پر بھروسہ کر کے غلطی کی اور اپنے بچے کھو دیئے۔ لیکن میں ہار نہیں مانوں گی۔ جلدی سے بتاؤ تم نے کہاں چھپائے ہیں میرے بچے......؟"

بیلا، اظفر کمال کو گھسیٹتی ہوئی دوبارہ بیڈ تک لے آئی اور ان کا بازو پکڑ کر زور زور سے ہلانے لگی۔ وہ بری طرح چلا رہی تھی۔ اظفر کمال نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے رُخسار پر رسید کیا۔

"پاگل عورت......! مر جاؤ، پیچھا چھوڑ دو میرا، ورنہ میں اب تم سے بڑا پاگل ہو کر تمہیں جان سے مار دوں گا۔"

انہوں نے صرف تھپڑ ہی نہیں مارا تھا، زور سے بیلا کو بیڈ پر دھکا بھی دیا تھا۔

"وہ تو شکر ہے کہ نرس ایک شریف عورت ہے ورنہ پرچہ کٹ چکا ہوتا میرے نام کا۔ اب پولیس کو بھی بھگتا تا پھروں گا، یہی کسر رہ گئی ہے۔"

بیلا گر تو گئی تھی، مگر جتنی تیزی سے گری تھی، اس سے کہیں زیادہ تیزی سے دوبارہ اُٹھ کھڑی ہوئی، کیونکہ اس وقت اس پر جنون اور وحشت کی کیفیت طاری تھی۔ اس نے تھپڑ کھانے سے کچھ بھی محسوس نہیں کیا۔ اس نے اظفر کمال کو جا کر پھر دبوچ لیا بلکہ اب گریبان کو چھوڑ کر گردن پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔ مجھے میرے بچے لا کر دو۔ اگر تم آج میرے بچوں کو لے کر نہیں آئے تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ یاد رکھو اظفر......! میں تمہیں بہت اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔ پوری دُنیا میں اگر میرا

کوئی دُشمن ہے تو وہ تم ہو۔‘‘

اظفر کمال نے بڑی بے بسی سے بیلا کی طرف دیکھا تھا۔ دھکے بھی دے چکے تھے، تھپڑ بھی مار دیا تھا۔ وہاں تو کسی بات کا اثر ہی نہیں تھا۔ ایک دُکھ کی کیفیت ان کی آنکھوں سے جھلکنے لگی۔ بے بسی اور دُکھ کی اس ملی جلی کیفیت میں انہوں نے اپنی آنکھیں موندھ لیں تھیں۔ بیلا ان کا گلا دبا رہی تھی، ان کا دم گھٹ رہا تھا لیکن جی چاہ رہا تھا کہ آج ان کی جان چھوٹ ہی جائے۔ بیلا ہی کے ہاتھوں سے سہی، انہیں زندگی کی قید سے نجات مل جائے۔ ان کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔ اسی وقت گھر کی دوسری ملازمہ ٹھنڈے پانی کا جگ لے کر اندر داخل ہوئی۔ اس کے منہ سے بڑی ہولناک سی چیخ نکلی اور شیشے کا جگ نیچے گر کر چور چور ہو گیا۔ وہ جگ ٹوٹنے کے عمل سے بے نیاز ہو کر دیوانہ وار آگے بڑھی اور بیلا کو کھینچنے لگی۔

’’بیگم صاحبہ......! بیگم صاحبہ......! یہ آپ کیا کر رہی ہیں......؟ اور سر......! یہ آپ اس طرح کیوں کھڑے ہیں......؟ آپ کو کیا ہو گیا ہے......؟ ان کا دماغ ٹھیک نہیں ہے، آپ کا تو ٹھیک ہے۔‘‘

’’نہیں فریدہ......! میرا بھی دماغ خراب ہو چکا ہے اور یہ تم کیوں آ گئی اس وقت......؟ یہ مجھے مار بھی دیتی تو بھی قانون کی گرفت سے بچ جاتی۔ میں کچھ کروں گا تو روز مروں گا۔‘‘

اظفر کمال تھکے تھکے شکستہ حال لہجے میں اپنی ملازمہ سے کہہ رہے تھے جو ابھی تک سہمی ہوئی خوفزدہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی اظفر کمال اور کبھی بیلا کی طرف دیکھ رہی تھی۔

’’صاحب......! پلیز، آپ اپنے کمرے میں جائیں۔ میں دیکھ لوں گی بیگم صاحبہ کو۔‘‘

ملازمہ نے اظفر کمال کو بڑی منت سے کہا تھا۔

☆......☆......☆

عارف ہاسپٹل کے کوریڈور میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ فوزیہ کمرے سے نکل کر باہر آئی۔ اسے عارف کی ہی تلاش تھی جو اسے کافی دیر سے دکھائی نہیں دیا تھا۔ جب سے وہ بچے کے پاس آئی تھی، ابھی تک عارف نے اس سے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اب علی کو ہوش آ چکا تھا۔ وہ ماں کو قریب پا کر بے حد خوش تھا بلکہ طبیعت اتنی سنبھل چکی تھی کہ وہ ماں سے گھر جانے کی ضد کرنے لگا تھا۔ ابھی دوائی کے زیر اثر وہ گہری نیند سویا ہی تھا کہ فوزیہ کو اچانک خیال آیا کہ عارف پانچ منٹ کے لئے کمرے میں آیا تھا، اس کے بعد کمرے سے چلا گیا تھا۔ اسے بہت سی اُلجھنیں ستا رہی تھیں۔ بچہ ہوش میں آ چکا تھا اور تیزی سے صحت یاب بھی ہو رہا ہے۔ ہنسنے مسکرانے بھی لگا ہے۔ اب اس کا کیا ہوگا......؟ اسے اب کہاں جانا ہے......؟ یہ سب کچھ تو اسے عارف نے ہی بتانا تھا۔ اس لئے وہ باہر آ کر عارف کو تلاش کرنا چاہتی تھی۔ اسے ایک یقین سا تو تھا کہ ابھی وہ ہاسپٹل میں ہی ہوگا، گھر نہیں گیا ہوگا۔ اسے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے ایک کرسی پر عارف بیٹھا ہوا نظر آ گیا، جو سر جھکائے اتنی گہری سوچ میں گم تھا کہ اسے خبر تک نہ ہوئی کہ فوزیہ کب اس کے قریب آ کھڑی ہوئی......؟ فوزیہ نے انتظار کیا کہ شاید وہ سر اُٹھائے،

اسے دیکھے، بات کرنے میں پہل کرے، کیونکہ اپنا اعتماد تو وہ کھو چکی تھی۔ عارف کو سامنے پا کر اس کا دل سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگا تھا کہ جانے وہ کب کیا کہہ بیٹھے......؟

وہ اپنی اُنگلیوں کو مسلتی ہوئی منتظر رہی لیکن عارف کا تصور اتنا مضبوط تھا کہ اسے آس پاس کا کچھ ہوش نہیں تھا۔ تب وہ اس کے برابر والی کرسی پر بہت آہستگی سے بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی جیسے عارف کو کچھ احساس ہوا۔ اس نے چونک کر سر اُٹھایا۔ فوزیہ پر نظر پڑتے ہی اس نے رُخ موڑ لیا۔ یہ عمل فوزیہ کا دل دہلانے کے لئے کافی تھا۔ اسے یوں لگا کہ جیسے، رُخ موڑنے کے اس عمل سے عارف نے اسے واپس وہاج کے گھر جانے کے لئے کہا ہے۔ پھر بھی اسے اولاد کی خاطر ہمت تو کرنا ہی تھی۔ اس نے کھنکھار کے گلا صاف کیا اور بڑی مشکل سے گویا ہوئی۔

''عارف......! علی اس وقت سو رہا ہے۔''

عارف نے لاشعوری طور پر گردن موڑ کر فوزیہ کی طرف دیکھا، بولا کچھ نہیں۔

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ شاید کل تک علی کو ڈاکٹرز ڈسچارج کر دیں۔ مجھے بس یہ پتا کرنا تھا کہ مجھے علی کے ساتھ جانا ہے یا میں آج ہی وہاج بھائی کے گھر واپس چلی جاؤں......؟''

عارف جیسے ایک دم ہوش میں آ گیا تھا۔ اس نے مُڑ کر چونک کر فوزیہ کی طرف دیکھا۔ ابھی تک تو اس نے اس نقطہ پر غور ہی نہیں کیا تھا کہ علی جو اس کے جگر کا ٹکڑا ہے، موت کے منہ سے واپس آیا ہے، ماں کو دیکھ کر خوش ہے اور اس نے اس کی، ماں کے لئے کیا فیصلہ کرنا ہے......؟ وہ چند لمحے فوزیہ کو دیکھتا رہا۔ فوزیہ نے گھبرا کر نظریں چرا لیں۔

''میرا خیال ہے، ہمیں بچے کے مفادات کی خاطر کمپرومائز کے مرحلے پر لوٹ آنا ہوگا۔''

عارف نے چند لمحے سوچ کر بڑے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔

''کمپرومائز......؟ لیکن میں نے کیا غلطی کی ہے کہ میں آپ کے دل سے نکل گئی ہوں......؟ کیونکہ دلوں میں جب گنجائش ختم ہو جاتی ہے تو کمپرومائز کا مرحلہ آتا ہے۔''

فوزیہ نے یہ سن کر کہ وہ اسے علی کے ساتھ لے جانا چاہتا ہے، بہت حوصلہ محسوس کیا اور دل کی بات کہنے سے ایک لمحے کو نہیں چونکی۔ عارف اس کے سوال کے جواب میں کچھ نہیں بولا۔

''میں آپ سے کچھ پوچھ رہی ہوں عارف......!''

''میں تمہیں اپنے بچے کی آیا سمجھ کر گھر لے جانے کے لئے تیار ہوں، مگر میں اس شخص کی بہن کو اپنے گھر میں وہ مقام اور عزت نہیں دے سکتا جس کی وجہ سے میری بہن آج دربدر کی ٹھوکریں کھا رہی ہے، برباد ہو چکی ہے۔''

عارف نے آخر کار دوٹوک فیصلہ سنا دیا۔ فوزیہ کا دل کسی اتھاہ میں ڈوب ڈوب گیا۔ اس نے بمشکل آنسوؤں کو بہنے سے روکا۔ اس لئے کہ جرم کی سزا انسان کے ضمیر کو مطمئن کر دیتی ہے، لیکن ناکردہ جرم کی سزا ایک پل چین سے نہیں رہنے دیتی۔ ضمیر کا بوجھ تو نہیں ہوتا لیکن پھر بھی دل پر بہت بوجھ ہوتا ہے۔

''عارف......! سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اب ہم گاؤں کے سو سال پرانے باشندے نہیں ہیں۔ اب یہ بدلے کی شادیاں یا وٹے سٹے کی شادی ایک غلط رسم ہے جو صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔ اس میں اکثر بے

گناہوں کو سزا ملتی ہے، مگر اب کیونکہ اس رسم کے مطابق ہماری شادی ہو ہی چکی ہے تو کم از کم ہم اس غلط رسم کے برے اثرات سے تو پیچھا چھڑائیں۔ میرا کوئی قصور ہو تو آپ مجھے جو سزا دے لیں، لیکن روایتوں اور رسموں کی وجہ سے میری زندگی مجھ پر تنگ نہ کریں۔''

عارف نے فوزیہ کی بات سنی۔ فوزیہ کے الفاظ میں سچائی کی قوت تھی، بے گناہی کے اثرات تھے، دل پر اثر تو ہوا، مگر ایک Landlord کی اَنا، ایک مرد کا زعم اور مردانگی اسے جھک جانے سے باز رکھ رہی تھی۔

''روایتیں اور رسمیں خاندانی لوگوں کی ہی ہوتی ہیں فوزیہ......! ہم کوئی گرے پڑے لوگ نہیں کہ منٹ منٹ میں اپنے طور طریقے بدلیں۔''

اس نے پھر اپنے جذبات سے یکسر اُلٹی بات کی۔ اب فوزیہ اس کے ذہن کو تو نہیں پڑھ سکتی تھی۔ اس نے تو عارف کے الفاظ پر ہی غور کرنا تھا۔ الفاظ بہت بے رحم تھے لیکن فوزیہ کو اب ماں، بن کر ایک فیصلہ تو کرنا تھا۔ بھائی کے گھر میں بچے سے دُور بیٹھی ہوئی ایک عورت جتنی بے حیثیت اور بے مقام ہوتی ہے، بچے کے ساتھ رہنے والی عورت چاہے وہ نوکرانی ہی بن کر رہے، پھر بھی اس کا معاشرے میں بھرم تو ہوتا ہے۔ وہ جوان تھی مگر اس وقت جوانی کے تمام تقاضے پسِ پشت جا پڑے تھے۔ اسے صرف اور صرف ماں بن کر کانٹے بھرے راستے پر چلنے کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔ کیونکہ عورت ہر رشتہ بھلا سکتی ہے لیکن ماں ہونا کبھی نہیں بھلا سکتی۔ اس کے سینے سے ایک سرد آہ خارج ہوئی۔ عارف اس کی طرف سے رُخ موڑے کسی اور سمت دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ کوریڈور میں بالکل تنہا ہو۔ اس کا یہ اندازِ بے نیازی فوزیہ کو اُلٹی چھری سے ذبح ضرور کر رہا تھا مگر یہ سکون بھی اسے بہت حوصلہ دے رہا تھا کہ وہ اب اپنے بچے کے قریب رہ سکتی ہے۔

☆......☆......☆

''ارے ماسی برکتے......! میرے دل کو تو پنکھے لگ رہے ہیں۔''

شکیلہ خاتون اپنے سینے پر دونوں ہاتھ باندھے یوں جھوم رہی تھیں جیسے کوئی بہت مدھر گیت سن کر جھوم رہا ہو۔

''آے ہائے چوہدرانی جی......! ایسا کیا ہوا جو آپ کے دل کو پنکھے لگ گئے......؟''

''ارے کمبخت ماری......! ایسا کیا نہیں ہوا......؟ عارف نے مجھے گھر بھیج دیا اور وہ بیٹھی ہوئی اسے پٹیاں پڑھا رہی ہوگی۔ ارے......! خدا سے دُعا کرو کہ وہ اس گھر میں پلٹ کر نہ آئے۔ میری بچی اس کو دیکھے گی تو جھلتی رہے گی۔ زخم ہمیشہ ہرے رہیں گے۔ کم از کم وہ اپنے بھائی کے گھر پر پڑی ہوگی تو میری بیٹی کے کلیجے میں تو ٹھنڈک پڑی رہے گی ناں کہ اس کے بھائی کو سزا مل رہی ہے۔ میری بچی کو آٹھ آٹھ آنسو رُلایا ہے۔''

شکیلہ خاتون نے اپنے سینے پر افسوس سے ہاتھ مار کر جیسے ماتمی انداز اختیار کر لیا تھا۔

''ارے چوہدرانی جی......! جنھوں نے آٹھ آٹھ آنسو رُلایا، وہ آٹھ آٹھ آنسو روئیں گے۔ فکر ہی نہ کریں،

اِس ہاتھ دیں، اُس ہاتھ لیں۔ آپ کا دل دُکھا کر وہ کبھی آباد نہیں رہ سکتے۔ آپ کیوں غم کر رہی ہیں......؟''

''ارے......! بولے چلی جا رہی ہے، بولے چلی جا رہی ہے۔ میری بات سمجھ نہیں آئی تجھے......؟ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ فوزیہ بھی ہسپتال میں ہے اور عارف بھی ہسپتال میں ہے۔ میرا بچہ زمانے بھر کا سیدھا، وہ عورتوں کے چلتر کیا جانے......؟ وہ بیٹھی ہوئی اس کے کان بھر رہی ہوگی۔ میرا دل ڈوب رہا ہے۔ کہیں وہ اس گھر میں دوبارہ نہ آجائے۔ اب آئی تجھے میری بات سمجھ......؟''

شکیلہ خاتون نے اپنے دُکھڑے بھی روئے اور ماسی برکتے کو بے حساب بھی سنا دیں۔ ماسی برکت پکی ہو چکی تھی۔ ڈرنے کی ایکٹنگ تو کرتی تھی، مگر اب ڈرتی نہیں تھی۔ اسے پتا تھا کہ دو چار چکنی چپڑی باتیں کر کے، خوشامد کر کے چوہدرانی جی کا موڈ ٹھیک کر دے گی۔

''ارے چوہدرانی جی......! کیوں پریشان ہوتی ہیں......؟ فرض کریں، اگر فوزیہ بی بی چھوٹے چوہدری جی کے ساتھ واپس آ بھی جاتی ہیں تو ہم کون سا انہیں یہاں ٹکنے دیں گے......؟ ارے......! دو چار دن میں بستر گول ہو جائے گا، وہ خود ہی اپنا بوریا بستر باندھ کر ایسا بھاگے گی کہ مُڑ کے نہیں دیکھے گی۔ ارے......! ان کا ٹاکرا ہماری چوہدرانی جی سے ہے، کسی عام عورت سے نہیں۔ اللہ رکھے میری چوہدرانی جی کو، جیسی عقل میری چوہدرانی کو اللہ سائیں نے دی ہے، ایسی عقل تو بڑے بڑے پروفیسروں کو نہیں ملتی۔''

چوہدرانی جی تو اتنی تعریف سن کر پھولی نہ سمائی۔ ایک دم سے انگوٹھا چھاپ چوہدرانی کو پروفیسروں کے برابر لا کھڑا کیا تھا ان کی نمک خوارنے۔

''بات تو ٹھیک کہہ رہی ہے تو......! چلو آ بھی جائے، میرے ٹھینگے پر، میں کون سا اسے یہاں ٹکنے دوں گی......؟ شاہ صاحب کب کام آئیں گے......؟ پھر لا کے تعویذ گاڑھ دوں گی اس کے کمرے میں کہیں۔ مگر بھئی......! یہ دو چار دن بھی اسے برداشت کرنا کوئی مذاق کی بات نہیں۔ ارے......! دُشمن سامنے بیٹھا ہو تو ایک نوالہ بھی کھانا حرام ہوتا ہے بلکہ روٹی ہی زہر ہو جاتی ہے۔''

شکیلہ خاتون جل بھن کر بولیں۔

''چوہدرانی جی......! اب اتنا تو آپ کو صبر کرنا پڑے گا۔ ارے......! بچہ بیمار نہ ہوتا تو یوں سمجھو ہماری تو جان چھوٹ گئی تھی۔ اب اللہ رکھے، بچہ صحت مند ہو گیا ہے، اب آپ یوں کریں کہ بچے کو فوزیہ بی بی سے جتنا دُور رکھ سکتی ہیں، اسے دُور رکھیں، اسے ہر وقت اپنے ساتھ ساتھ لگا کر رکھیں، بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ اسے سکول چھوڑنے جائیں اور اسکول سے لے کر بھی آئیں۔ راستے میں اسے چیزیں کھلائیں، آئسکریم کھلائیں، اس سے باتیں کریں، شام کو اسے لے کر پارک چلی جائیں، رات کو جب اس کے سونے کا ٹائم ہو تو جا کر اسی کے بستر پر لیٹ جائیں کہ میں اپنے بچے کو سلاؤں گی۔ ارے......! آہستہ آہستہ آپ کا عادی ہو جائے گا تو ماں کو بھی بھول جائے گا۔''

شکیلہ خاتون نے آنکھیں مٹکائیں اور بڑے داد دینے والے انداز میں ماسی برکتے کی طرف دیکھا۔ اب ان کا موڈ بہت اچھا ہو چکا تھا۔

''ارے......! تو مجھے پروفیسر کہہ رہی ہے۔تو،تو خود سب سے بڑی پروفیسر ہے۔ پتانہیں کتنے پروفیسر مرے ہوں گے تو،تو پیدا ہوئی ہوگی۔اتنی عقل کی بات کی ہے تو نے۔ بھئی......! میں تو اس کا سایہ بن جاؤں گی۔ ماں کے پاس جانے نہیں دوں گی زیادہ۔اگر کسی ٹائم میں گھر پر نہ ہوں تو،تو علی کو اپنے پاس رکھنا اور فوزیہ بلائے تو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دینا۔تیری مالکن میں ہوں کہ وہ......؟''

شکیلہ خاتون نے ساتھ ساتھ اقرارِ وفا لینا بھی ضروری سمجھا۔

''میرا مائی باپ آپ ہیں۔ارے......! آپ کے نمک خوار ہیں۔ ہماری سات پشتوں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔''

ماسی برکتے نے خوشامدانہ انداز میں ہاتھ جوڑ کر سر بھی جھکا دیا،جس کے اوپر شکیلہ خاتون فدا ہو جاتی تھیں۔ اسے تو اس طرح سے سر جھکانے والے لوگوں کی خوشی ملتی تھی، جو اس کے سامنے سوال جواب کرتے تھے،وہ تو گویا اس کی دُم پہ پاؤں رکھتے تھے۔اب ہزار شکایتیں ماسی برکتے سے کیں،مگر ان ہی اداؤں کی وجہ سے وہ ماسی برکتے کے بغیر ایک دن بھی نہیں رہ سکتی تھیں۔

''اچھا چل، جا بادام کا اچھا سا ٹھنڈا ٹھار شربت بنا کر لا۔توبہ......! سوچ سوچ کر میری تو دماغ کی نسیں پھٹنے لگیں۔بادام کا شربت پیئوں گی تو طاقت آئے گی۔''

''میں ابھی لائی، ہر چیز تیار رکھتی ہوں میں،اپنی چوہدرانی کو انتظار نہیں کراؤں گی۔''

ماسی برکتے اسی طرح خوشامدانہ انداز میں کہتی ہوئی اور ایک ٹانگ سے لنگڑاتی ہوئی باہر چلی گئی۔

''آے ہائے......! کیا کہہ رہی ہوگی......؟ عارف سے میری برائیاں ہی کر رہی ہوگی۔''

شکیلہ خاتون اپنے آپ سے ہم کلام ہوئی۔

☆......☆......☆

''ایک تو ساری زندگی مجھے تمہاری ماں کی سمجھ نہیں آئی۔ایک دم سے فیصلہ کر لیتی ہیں، آناً فاناً۔ آندھی طوفان بن کر یہاں سے وہاں اُڑ جاتی ہیں۔اب بتاؤ اتنی ایمرجنسی میں انعم کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی......؟''

بشر علی، مریم سے کہہ رہے تھے۔مریم کار ڈرائیو کر رہی تھی اور بشر علی اس کی برابر والی سیٹ پر اُلجھے اُلجھے سے بیٹھے تھے۔وہ بظاہر مسکرا رہے تھے۔

''بس نانا جان......! ساری زندگی سمجھ نہیں آئی تو اب کیا آئے گی......؟ امی کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔''

مریم نے شگفتہ لہجے میں بشر علی کو جواب دیا۔

''ہاں بھئی......! ہم نے تو شروع سے ہی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ایک ہی بیٹی تھی ہماری اور ماشاء اللہ بہت لائق فائق۔میں نے اُس پر اندھا اعتماد کیا اور اللہ کا احسان ہے،اس نے ہمیشہ میرے اعتماد کو قائم رکھا۔''

بشر علی کو سلمیٰ بیگم کی یاد آ رہی تھی۔ بہت خوب صورت احساسات کے درمیان وہ اپنی دلی کیفیت بیان کر

رہے تھے۔

''ویسے کچھ آئیڈیا ہے تمہیں، ابھی فیاض احمد آئے تھے، پھر فوراً ہی سلمیٰ بھی چلی گئی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کچھ گڑ بڑ ہے......؟ اور آپ سب لوگ مجھ سے چھپا رہے ہوں......؟''

بشرعلی کو کسی اندیشے نے ستانا شروع کیا تو آخر پوچھ ہی بیٹھے۔

''ارے نہیں نہیں نانا جان......! آپ سے کیا چھپانا......؟ آپ سے چھپائیں گے تو کدھر جائیں گے......؟ اور کوئی بات کتنی ہی چھپائی جائے، زیادہ دیر چھپتی نہیں۔''

مریم اپنے اسی شگفتہ انداز میں بات کر رہی تھی اور بشرعلی کو احساس دلانا چاہتی تھی کہ وہ بہت خوش باش ہے، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

بشرعلی، مریم کی یہ بات سن کر مطمئن ہو گئے۔

''تو بھئی......! مجھے ساتھ لے کر کیوں نہیں گئی......؟ میں نے کہا بھی کہ بھئی......! میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے، اب تو میں بہتر ہوں۔ لیکن کہنے لگی، پاپا میں کوئی رِسک نہیں لے سکتی۔ آپ کو ہاسپٹل سے آئے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے۔ جب تک مجھے تسلی نہیں ہو جائے گی، میں آپ کو کہیں بھی ڈرائیو نہیں کرنے دوں گی۔ نہ کسی شہر کی طرف نہ کسی ملک کی طرف۔ عاصم بھی وہاں سے فون پر فون کر رہا ہے کہ پاپا آپ تو وہیں کے ہو کر رہ گئے، کچھ دنوں کے لئے آجائیں میرے پاس۔ لیکن سلمیٰ نہیں مانتی۔ کہتی ہے نہیں ابھی آپ چھ مہینے تک فلائی نہیں کریں گے۔ جب تک ڈاکٹر مجھے یہ نہیں کہہ دیتا کہ آپ کی حالت اب بالکل بہتر ہے اور اب آپ کسی بھی قسم کے رِسک میں نہیں ہیں، تب میں سوچوں گی۔''

''اصل میں نانا جان......! امی آپ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ وہ چاہتی ہی نہیں کہ اب آپ ان کے پاس سے جائیں۔ آپ عاصم ماموں کو کہہ دیں کہ بس اب مجھے بھول جاؤ۔ میں تو یہیں کا ہو گیا ہوں۔''

مریم نے ہنستے ہوئے شوخ انداز میں کہا۔ بشرعلی بھی ہنسنے لگے۔

''کمال کرتی ہو۔ تمہارا ماموں بھی تمہاری ماں کی طرح مجھ سے بہت پیار کرتا ہے اور مالک کا کرم ہے کہ اسے بیوی بھی اچھی مل گئی ہے۔ بہت عزت دیتی ہے مجھے۔ بہت خیال رکھتی ہے میرا۔ لیکن یہ سلمیٰ دو دن کے لئے اسلام آباد کیوں گئی ہے......؟ کچھ سمجھ نہیں آئی۔ ایک دم سے ایمرجنسی میں چلی گئی۔''

بشرعلی کی رو پھر بہک گئی تھی، سوئی پھر اسی جگہ آ کر اٹک گئی تھی۔ مریم اندر ہی اندر فکرمند تو بہت تھی کیونکہ جھوٹ بولنے کی نہ اسے پریکٹس تھی نہ عادت۔ اسے نانا کی خاطر مسلسل غلط بیانی سے کام لینا پڑ رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی، بشرعلی خود ہی یہ ٹاپک ختم کر دیں۔ اپنے ذہن کو کسی اور طرف لے جائیں، لیکن شاید بشرعلی، سلمیٰ بیگم کے یوں اچانک اسلام آباد جانے سے کافی اُلجھ گئے تھے اور پھر انعم کی گزشتہ پانچ سال کی کارکردگی کی بنیاد پر جو اندیشے ان کے دل میں سر اُٹھا رہے تھے، وہ بھی ایک حقیقت تھی۔ کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ انعم ان کی موجودگی میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس اُٹھائے پاؤں پٹختی ہوئی گھر میں داخل ہوئی اور آتے ہی اعلان کر دیا کہ اب وہ ناصر کے گھر نہیں جائے گی۔ سب نے مل کر

اُسے سمجھایا بجھایا، قائل کیا اور واپس چھوڑ آئے۔ اتنے دنوں سے اسی طرح کے مناظر چل رہے تھے۔ فکر اور اندیشہ پیدا ہونا تو ایک فطری عمل تھا۔ لیکن مریم کا مطمئن چہرہ دیکھ کر بہر حال اتنی تسلی تھی کہ اگر کوئی سیریس بات ہوتی تو مریم کے چہرے سے کچھ نہ کچھ ظاہر ہو جاتا ہے، مگر وہ تو ہنس رہی تھی، مسکرا رہی تھی۔ شوخ انداز میں ان کو جواب دے رہی تھی۔

''نانا جان......! آج ایسا کرتے ہیں کہ چائینیز کرتے ہیں۔''

مریم نے اب خود ہی ان کا ذہن کسی اور طرف لگانے کی کوشش کی۔

''بھئی......! یہ تو مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ہم لوگ پاکستانی کرتے ہیں یا چائینیز کرتے ہیں۔ آخر جاپانی کیوں نہیں کرتے......؟''

یہ کہہ کر بشر علی ہنسنے لگے۔

''نانا جان......! تھائی لینڈ کا بھی چلتا ہے اور ملائیشین بھی چلتا ہے، اٹالین بھی چلتا ہے، لیکن دو بہت زیادہ چلتے ہیں، ایک پاکستانی، ایک چائینیز۔ آج ہم کسی چائینیز ریسٹورینٹ میں جا کر جی بھر کر چائینیز ڈشز سے اِنجوائے کرتے ہیں۔''

مریم نے اسی طرح شوخ انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے......! عدیل میاں کو اتنی فرصت ہوگی کہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر چائینیز ڈشز لیں......؟ بھئی......! وہ بزنس مین بندہ ہے۔ اس کا اپنا شیڈول ہوتا ہے۔ بہر حال میں بہت خوش قسمت ہوں کہ مجھے دونوں داماد، میرا مطلب ہے کہ تمہارے باپ کو ملا کر تینوں داماد بہت اچھے ملے ہیں۔ ناصر بھی بہت نائس بندہ ہے۔ بڑا صبر و تحمل والا ہے اور عدیل بھی بڑا پیارا بچہ ہے۔ اصل بات تو یہ ہوتی ہے بیٹا......! کہ کوئی آپ کو کتنا سمجھتا ہے......؟ کتنا آپ کے احساسات کا خیال رکھتا ہے......؟''

بشر علی بولتے جا رہے تھے اور مریم کا ہاتھ اسٹیئرنگ پر لرزنے لگا تھا، جو اس کے کانپتے ہوئے دل کا آئینہ دار تھا۔ پھر وہی بات، پھر گھوم پھر کر وہی نام، جو اس کی روح کا کینسر بن چکا ہے۔ اس نے بڑے کرب سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے ایک موڑ کاٹا تھا۔

''ارے ارے......! آہستہ چلاؤ بیٹا......! یہ کیا تم لونڈے لپاڑوں کی طرح گاڑی چلا رہی ہو......؟ تمہاری ڈرائیو تو مشہور ہے۔ ایسی ڈرائیو تو مرد بھی نہیں کرتے۔''

بشر علی نے اسپیڈ بڑھتے دیکھ کر مریم کو ٹوکا تھا۔ وہ اس کے اندر اُٹھنے والے طوفانوں سے بے خبر تھے جو انجانے میں انہوں نے خود برپا کر دیئے تھے۔

☆......☆......☆

فیاض احمد کافی دیر سے اپنی کسی بزنس پارٹنر سے بات چیت میں مصروف تھے۔ دوسری طرف سے بات زیادہ تھی۔ فیاض احمد کی طرف سے بہت مختصر جملے تھے۔ خاصے فاصلے پر بیٹھی ہوئی انابی جو اپنا پان بنانے میں بڑی

مصروف تھیں، گاہے بگاہے نظر اُٹھا کر فیاض احمد کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ فیاض احمد کے فون بند ہونے کا انتظار کر رہی تھیں اور کچھ اندر ہل چل سی ہے جیسے طویل دورانیے کی خاموشی نے ان کو گفتگو کے لئے بے تاب کیا ہوا تھا۔ فیاض احمد کو انابی کی موجودگی کا احساس نہیں تھا۔ وہ اپنے ضروری اُمور کی بات چیت میں اتنے محو تھے کہ انہیں آس پاس کا ہوش ہی نہیں تھا۔ شاید کوئی بہت اُلجھن والی بات تھی۔ کیونکہ بات کرتے ہوئے فیاض احمد بار بار اُلجھے ہوئے دکھائی دینے لگے تھے۔ اناّبی نے پان کی گلوری تو بنا لی لیکن منہ میں رکھنے سے پہلے پھر ایک نظر فیاض احمد پر ڈالی کہ شاید وہ فون بند کر دیں تو وہ ان سے ضروری بات کر کے یہ بلوری پان منہ میں ڈالیں۔ ایسا نہ ہو کہ گلوری منہ میں ڈالتے ہی فیاض احمد فون بند کر دیں اور ان سے بات کرنا مشکل ہو جائے کیونکہ فیاض احمد، انابی کو بڑی سختی سے تاکید کرتے تھے کہ جب منہ پان سے فارغ ہو تو آپ ہم سے ہم کلام ہوا کریں۔ اس لئے کہ جب آپ پیک روک روک کر ہم سے بات کرتی ہیں تو آپ کی آدھی بات سمجھ میں آتی ہے، آدھی بات گم ہو جاتی ہے۔ اب وہ پانی کی گلوری ہاتھ میں پکڑے منتظر انداز میں فیاض احمد کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ فیاض احمد نے بالآخر خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ انابی کی جان میں جان آئی۔ اذیت و کوفت میں مبتلا کر دینے والے انتظار سے ان کی جان چھوٹی۔ ایک سیکنڈ کی تاخیر کیے بغیر وہ بول پڑیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی دل کی دل ہی میں نہ رہ جائے اور فیاض احمد فوراً ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اوپر کی طرف چل پڑے۔

’’ارے فیاض میاں......! وہ آپ نے سلمیٰ کو فون کر کے پتا کیا کہ اس وقت وہ کہاں ہیں......؟‘‘

فیاض احمد نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی اور بڑے تھکے تھکے انداز میں مسکرا دیئے۔

’’انابی......! چھری تلے دم تو لیا کرو۔ ابھی وہ اسلام آباد نہیں پہنچی ہوں گی۔ ان کا فون بند ہو گا اور پھر ظاہر سی بات ہے کہ وہ اسلام آباد پہنچتے ہی گھر فون تو لازمی کرے گی۔ میں آپ کو بتا دوں گا۔‘‘

’’ارے میاں......! میرا تو دل پریشان ہے۔ آپ اتنے عزت دار مرد ہیں۔ آپ کی تو وہاں چلی نہیں، نہ سُنی گئی، سلمیٰ عورت ذات ہے، پتا نہیں کیا ہوگا......؟‘‘

فیاض احمد نے انابی کی طرف دیکھا اور بڑی سرد آہ کھینچی۔ اسی طرح زبردستی کے انداز میں مسکرائے اور بولے

’’انابی......! کچھ ہو نہ ہو، حسرتیں پوری ہو جائیں گی۔ کم از کم زندگی میں کوئی خلش تو تنگ نہیں کرے گی، صبر آ جائے گا۔ بڑے بڑے طوفان آتے ہیں زندگی میں، بالآخر گرد بیٹھ ہی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور جب تک کی زندگی لکھی ہے پوری کرنے کے راستے بھی نکال ہی دے گا۔‘‘

یہ کہہ کر فیاض احمد نے زینے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

’’ہاں......! مگر میں بہت پریشان ہوں۔ اگر ناصر نے انعم کو قبول نہ کیا تو پھر کیا سوچا آپ نے......؟ شیخ صاحب تو مریم کی طرف گئے ہوئے ہیں۔ جتنے دن انعم اس گھر میں رہی، ہماری تو جان سولی پر لٹکی رہی۔ خدانخواستہ انعم واپس آ گئی تو شیخ صاحب کا کیا ہوگا......؟ میں تو یہ کہہ رہی ہوں عاصم میاں امریکہ سے بار بار فون کرتے ہیں کہ

پاپا کو امریکہ بھیج دیں۔ آپ شیخ صاحب کو امریکہ بھجوا دیں۔"

"انابی......! ڈاکٹر نے انہیں جہاز میں بیٹھنے سے منع کیا ہوا ہے۔ ابھی ان کی حالت ایسی نہیں ہے۔ اب وہ خطرے سے باہر ہیں اور جب تک ڈاکٹر نہیں کہتا، ہم کوئی خطرہ مول نہیں لیتے۔ ماموں جان کو اِدھر اُدھر کچھ وقت گزارنے دیں پھر کسی مناسب ماحول اور وقت پر سارے حقائق بتا دیئے جائیں گے۔ اس لئے کہ اس کے سوا کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔"

"ارے میاں......! ایسا نہ بولیں، دُعا کریں، ناصر انعم کو قبول کر لے۔ اس سے کہیں اپنے گھر کے کسی کونے میں چھپر دے دیں۔ ہاں......! وہ چین سے اور عزت سے بیٹھ کر اپنا وقت گزار لے۔"

فیاض احمد نے چھت پر دیکھتے ہوئے بڑی دل سوزی سے کہا۔

"آمین......! اللہ آپ کی دُعا ہی قبول کر لے، ہم تو یہی چاہتے ہیں، اس لئے کہ اب اعتبار تو ہمیشہ کے لئے کھو چکا ہے۔ باقی کی جو زندگی ہے، وہ کسی بڑے امتحان کے بغیر گزر جائے تو اس کا مالک کا بہت بڑا احسان ہوگا۔"

یہ کہہ کر فیاض احمد زینہ چڑھنے لگے۔ ان کے اُٹھتے ہوئے ایک ایک قدم سے ان کے غموں کا وزن تولا جا سکتا تھا۔ انابی بہت افسردہ سی خاموش ہو کر فیاض احمد کو جاتا دیکھ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

ناصر حسین حسب معمول میڈیسن کے زیر اثر گہری نیند سو چکا تھا لیکن اُجالا جاگ رہی تھی۔ جانے کیوں عجیب عجیب سے وہم اس کو ستانے لگے تھے۔ بیٹھے بیٹھے اچانک ہی کوئی ایسا خیال آ جاتا تھا کہ دل سکڑ کر، سمٹ کر کسی خدشے کا اظہار کرنے لگا تھا اور آہستہ آہستہ قدموں سے آتی ہوئی نیند سرپٹ دوڑ جاتی تھی۔ وہ اپنے آپ سے پوچھنے لگی تھی کہ اس کی نیندوں کو کیا ہوا ہے......؟ اسے چین کیوں نہیں ہے......؟ بظاہر کچھ بھی تو ایسا نہیں ہوا جس سے ثابت ہو سکے کہ جس سے اس کی زندگی پریشان ہو چکی ہے۔ اپنے آپ سے اُلجھتے اُلجھتے انتہائی رات سر پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

وہ بیڈ پر ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ پہلو میں ناصر گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر ناصر کی طرف دیکھا۔

"آپ کو تو نیند کی گولی سے سہارا مل جاتا ہے ناصر......! کیا مجھے بھی نیند کی گولی کھانا ہوگی......؟"

ایک اُداس سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی۔

"ایک عورت کا وجود جسے ہر حال میں تسلیم کرنا پڑے گا، چاہے وہ اس گھر میں ہو یا اس گھر سے دُور۔ ناصر کی یادداشت کا ایک حصہ ہے وہ۔ جتنے بھی جتن کر لے، میں اسے کھرچ نہیں سکتی۔"

سینے میں عجیب سی درد کی ایک لہر اٹھی۔ شراکت کا ساگا دینے والا احساس رَگ و پے میں اُترنے لگا۔ مگر اتنی رات کو گھر میں گونجنے والی کال بیل نے اسے بری طرح چونکا دیا تھا۔ اس نے ہڑبڑا کر وال کلاک کی طرف دیکھا۔

"رات کے 2 بجے رہے ہیں، اس وقت کون آ گیا......؟"

وہ سوچ رہی تھی معاً اسے ایک فکر نے ستایا۔ شاید ماما آئے ہیں ورنہ اس گھر میں اتنی رات کو کون آ سکتا

ہے......؟ لیکن ماما بھی اتنی رات کو کیوں آئیں گے......؟"

وہ اپنے آپ سے اُلجھتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد کال بیل پھر رِنگ ہوئی تھی۔ وہ اس خیال سے کہ مسلسل کال بیل کی رِنگ سے ناصر جاگ نہ جائے، تیزی سے دوڑتی ہوئی باہر دروازے تک آئی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے چوکیدار کھڑا تھا اور چوکیدار کے پیچھے دو خواتین جن کو وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ چوکیدار نے ان کو اندر آنے دیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ناصر کے حوالے سے کوئی مضبوط رشتہ رکھتی تھیں۔ داخلی دروازہ اندر سے لاک ہوتا تھا۔ اس لئے وہ بیل بجائے بغیر اندر نہیں آسکتی تھیں۔ اُجالا دروازے کا پٹ پکڑے حیران پریشان ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سلمیٰ بیگم نے پلٹ کر انعم کی طرف دیکھا اور بڑے بے تاثر لہجے میں بولیں۔

"انعم......! میرا خیال ہے کہ یہ ناصر کی بیوی اُجالا ہے۔"

اُجالا پر تو جیسے آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔

"انعم......؟"

اس نے آنکھیں پھاڑ کر سلمیٰ بیگم کے پیچھے کھڑی ہوئی انعم کی طرف دیکھا۔ ایک دراز قامت، بہت خوب صورت الٹرا ماڈرن لڑکی جسے اللہ نے بڑے اہتمام سے بنایا تھا، کسی صورت بھی تو ماہ و سال کا اثر اس کے وجود پر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ کوئی اسے دیکھ کر سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ چھ سال پرانی شادی شدہ اور ایک بچی کی ماں ہے۔ اُجالا دم بخود سی اسے دیکھ رہی تھی۔ سلمیٰ بیگم نے خود ہی اسے متوجہ کرنے کے لئے اور سنبھالنے کے لئے سلام میں پہل کر ڈالی۔

"السلام علیکم بیٹا......! آپ اُجالا ہو ناں......؟"

خود کو سنبھالنا سمیٹنا بڑا مشکل تھا۔ مگر وہ اس مرحلے سے بخیر و خوبی نکل آئی اور زبردستی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر گویا ہوئی۔

"جی جی......! میں اُجالا ہی ہوں، مسز ناصر......!"

اس نے لاشعوری طور پر انعم کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا تعارف کرایا تھا۔ انعم اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔

"اتنی خوب صورت بیوی، اور وہ بھی اتنی جلدی مل گئی ناصر کو......؟ کیا مجبوری تھی اس لڑکی کی جو اس نے ایک شادی شدہ اور ایک عدد بچی کے باپ سے شادی کرنا منظور کر لیا......؟"

وہ اپنی فطرت کے حساب سے سوچنے لگی تھی۔

"آیئے ناں، آپ لوگ تو وہیں کھڑے ہو گئے۔ سوری......! وہ اصل میں ایک دم نیند سے جاگ کر آپ کے سامنے آئی تو جیسے......"

"کوئی بات نہیں بیٹا......! کوئی بات نہیں......!"

سلمیٰ بیگم نے جلدی سے اُجالا کی مشکل آسان کی۔

''ایسا ہو جاتا ہے بیٹا......! اور ہم تم سے بہت معذرت خواہ ہیں کہ ہم نے تمہیں بے وقت ڈسٹرب کیا۔''
اُجالا نے انعم کی طرف دیکھتے ہوئے بلکہ بڑی سہمی سہمی نظروں سے دیکھتے ہوئے سلمٰی بیگم سے کہا۔
''آیئے پلیز آنٹی......! اندر آیئے۔''

وہ ان کو لے کر لاؤنج میں چلی آئی۔ انعم بہت آہستہ قدموں سے چل رہی تھی اور چلتے ہوئے گھر کے چاروں طرف نظر دوڑا رہی تھی۔ صاف ستھرا بڑے سلیقے سے سجا گھر۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ ناصر ایک بڑا افضول سا شخص ہے اور وہ ناصر کے لئے کسی نعمت سے کم نہیں۔ ناصر کی خوش قسمتی تھی کہ انعم جیسی خوب صورت خاندانی لڑکی اسے مل گئی تھی اور یہ کہ اس کے بغیر ناصر کی کوئی حیثیت ہی نہیں، کچھ بھی نہیں، لیکن یہ پُرسکون خوب صورت سجا ہوا گھر اس کے سابقہ خیالات کا منہ چڑا رہا تھا۔ گھر کے در و دیوار کہہ رہے تھے کہ اس گھر میں رہنے والے مکین بہت خوش قسمت ہیں کیونکہ اس گھر کی فضاؤں میں محبت کے سُر بکھرتے ہیں۔ یہاں کوئی کسی سے خفا نہیں، ایک دوسرے کے ساتھ بڑی قربت کے رشتے میں دل و جان کے رشتے ہیں۔ روح اور ضمیر کے رشتے ہیں۔ گھر کی ایک ایک چیز پکار کر انعم کا اس کے مقام اور اس کی حیثیت کا تعین کر رہی تھی۔

''بیٹا......! ہم کیونکہ بے وقت آئے ہیں، فلائٹ خاصی لیٹ ہو گئی تھی۔ اس لئے اب مزید تمہیں پریشان نہیں کریں گے اور ناصر کو بھی بے وقت جگانے کی ضرورت نہیں۔ اس سے صبح ملاقات ہو جائے گی۔ بس اتنا بتا دو کہ اس وقت ہم دونوں کہاں رات گزار سکتے ہیں......؟ میرا مطلب ہے کہ کوئی روم ہمیں آپ خود بتا دو تو ہم آرام کر لیتے ہیں۔ آپ بھی آرام کریں۔ صبح انشاءاللہ ملاقات بھی ہو گی، بات چیت بھی ہو گی۔''

سلمٰی بیگم کا شائستہ، مہذبانہ انداز، شفیق لہجہ اُجالا کو بہت متاثر کر رہا تھا۔ کیوں نہ کرتا......؟ سلمٰی بیگم ایک خاندانی، حسبی نسبی اور تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ اُن کا رہن سہن رکھ رکھاؤ ان کے باپ کا مرہونِ منت تھا۔ جنہوں نے ان کی اس طرح سے تربیت کی تھی جیسے کوئی اینٹ اینٹ چن کر دیوار تعمیر کرتا ہے۔ سلمٰی بیگم سے نظریں ہوتی ہوئی پھر انعم پر جا کر ٹھہر گئیں۔ انعم اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دونوں کا انداز کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ ایک شخص کی دو بیویاں اور مختلف تجربات، شراکت کا سنگین احساس، کہیں ملال، کہیں خوف، اُلجھن سی اُلجھن تھی۔ چین، سکون تو کسی چڑیا کی طرح بہت دُور اونچی فضاؤں میں پرواز کر رہا تھا۔

''آیئے آنٹی......! میں آپ کو گیسٹ روم میں لے کر چلتی ہوں۔ بلاتکلف مجھے بتا دیجئے اگر ہلکا پھلکا کھانا یا چائے کافی......؟''

وہ اتنی محبت، اپنائیت اور شائستگی سے مخاطب تھی کہ سلمٰی بیگم کا دل بیٹھ بیٹھ گیا۔ اتنی مکمل، اتنی مہربان اور اتنی خوبصورت بیوی۔ ناصر کے گھر اور دل میں اب کہاں جگہ ہو گی......؟ مایوسی کے اندھیروں نے انہیں پھر اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پھر بھی سنبھل کر بولیں۔

''نہیں بیٹا......! بہت رات ہو چکی ہے۔ چائے کافی تو بالکل نہیں۔ کھانا تو ہم نے کچھ زیادہ ہی کھا لیا ویٹنگ لاؤنج میں۔ پلین میں بھی کچھ سینڈوچ وغیرہ تھے۔ میں بس اتنا ہی کھاتی ہوں۔ آپ بالکل بے فکر ہو کر سو جاؤ۔

انشاءاللہ پھر صبح ملتے ہیں۔''

وہ اُجالا کے ساتھ بات کرتیں ہوئی گیسٹ روم تک آگئیں تھیں۔ اُجالا نے ہاتھ بڑھا کر گیسٹ روم کا دروازہ کھولا۔ سامنے ایک صاف ستھرا، خوب صورت بیڈ روم تھا جس میں سہولت اور ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ سلمیٰ بیگم نے گیسٹ روم کی ایک ایک چیز سے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس گھر میں رہنے والی عورت بہت سلیقہ مند ہے اور جوں جوں انہیں اُجالا کی خوشیوں کا احساس ہوتا جاتا تھا، توں توں ان کا دل بیٹھ بیٹھ جاتا تھا۔ انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ انعم کے لئے اس گھر میں جگہ نکالنا کتنا کٹھن مرحلہ ہے اور آنے والے اس مرحلے میں کتنے جتن کرنا پڑیں گے۔ پھر بھی وہ بڑی رواداری سے مسکرائیں۔ اپنی سوچوں کا عکس چہرہ پر آنے نہیں دیا۔ بہت محبت سے اُجالا کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

''اب تم سو جاؤ بیٹا......!''

انعم نے بھی اُجالا کی طرف دیکھا اور بولی۔

''آپ ریسٹ کیجئے......!''

انعم کے انداز میں اس کا وہی اکھڑ پن اور تکبرانہ تاثر تھا۔ اُجالا کو چند منٹوں میں اندازہ ہو گیا تھا کہ ناصر نے اس خاتون کے ساتھ جو بھی وقت گزارا ہوگا، وہ واقعی بڑا صبر آزما ہوگا۔

''آنٹی......! فریج میں ٹھنڈا پانی موجود ہے۔''

''ہاں ہاں بیٹا......! ٹھیک ہے۔''

سلمیٰ بیگم نے اُجالا کی بات کے جواب میں فوراً کہا۔ اُجالا خاموشی سے پلٹ گئی۔ سلمیٰ بیگم نے فوراً انعم کی طرف پلٹ کر دیکھا۔

''دیکھ لیا انعم......! صبر کا پھل کتنا میٹھا ہوتا ہے۔''

انعم نے خفا خفا نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔

''امی......! جو ڈائیلاگ ناصر نے بولنا ہیں، وہ آپ تو نہ بولیں۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنا سوٹ کیس جو وہ کرالنگ کرتے ہوئے گیسٹ روم میں ساتھ لے آئی تھی، بیڈ پر پٹخنے کے انداز میں رکھا اور کھول کر اپنا شب خوابی کا لباس نکالنے لگی۔ سلمیٰ بیگم نے بڑی تاسف بھری نظروں سے انعم کی طرف دیکھا تھا۔

''کب احساس ہوگا اس لڑکی کو......؟ کب مانے گی یہ اپنی غلطی......؟''

وہ دُکھ سے سوچ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

نیند تو پہلے ہی روٹھی ہوئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہمیشہ کے لئے ہی روٹھ گئی ہو۔ اُجالا کا ذہن جیسے سکتے کی کیفیت میں تھا۔ انعم کا چہرہ، اس کا سراپا اس کے سامنے مسلسل گھوم رہا تھا۔

"کیا کمی تھی......؟ شاید قسمت کی کمی تھی......؟ اس طرح سے اپنا بسا بسایا گھر اپنے ہی ہاتھوں سے برباد کیا اور آج میرے سامنے آ کھڑی ہوئی ہے۔ مجھے تو حیرت سے زیادہ شرم آ رہی ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں انجانے میں حق مار بیٹھی ہوں۔ کیا ناصر نے دوسری شادی کرنے میں بہت جلدی کی......؟ انہیں سوچنا چاہئے تھا، انتظار کرنا چاہئے تھا، یا پھر......"

اس نے یہاں تک سوچ کر اپنی آنکھیں مسلنا شروع کیں۔ آنسوؤں کو روکنے کی وجہ سے آنکھوں میں خارش ہونے لگی تھی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لی۔

"......یا پھر ناصر کو اسے فوراً طلاق دے دینا چاہئے تھی۔ نہ تو انعم کے ساتھ اچھا ہوا اور نہ میرے ساتھ۔ ناصر نے آخر انعم کو طلاق کیوں نہیں دی تھی......؟ کیوں باندھ کر رکھا تھا......؟ ساتھ رہنا، ساتھ جینا گوارہ نہیں رہا تھا تو پھر یہ زنجیر کاٹ کر کیوں نہیں پھینکی تھی......؟ یہ میرے سر پر کیسی تلوار سی آ لٹکی ہے......؟ وہ تو اب میرے گھر میں آ گئی ہے، اب کیا ہوگا......؟"

اُجالا کو ہزار طرح کے اندیشے اور وسوسے پاگل کئے دے رہے تھے۔ اس کی جگہ دُنیا کی کوئی بھی عورت ہوتی، اس کا حال یہی ہوتا۔ اسے اب رہ رہ کر ناصر پر غصہ آنے لگا تھا۔

"دل میں جگہ نہیں، گھر میں جگہ نہیں، ذہن سے کھرچ نہیں سکتے تھے، بیڑیاں تو کاٹ سکتے تھے......؟ کیوں باندھ کر رکھا تھا اسے......؟ جو ایک بندھن بوجھ بن گیا تھا اسے توڑا کیوں نہیں......؟ آخر اس غلطی کی وجہ سے ہی تو آج ایک نیا امتحان درپیش ہے۔"

وہ بیٹھے بیٹھے تھک گئی۔ پھر بہت آہستگی سے سیدھی ہو کر لیٹ گئی، اس طرح کہ ناصر کی نیند میں خلل واقع نہ ہو۔ نیند تو کیا آنی تھی، آتی جاتی سانسیں بھی بوجھ بن گئی تھیں۔ نہ کوئی حل نہ کوئی راستہ۔ ایک نئے اندھیرے کا سفر درپیش تھا۔ اندھیرا بھی ایسا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اس نے اپنے لہو میں اذیت کی لہریں اُٹھتی محسوس کیں اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆......☆

عدیل اپنے بیڈ پر گود میں لیپ ٹاپ رکھے ہوئے بڑے انہماک سے کوئی میل پڑھنے میں مصروف تھا۔ مریم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ عدیل نے دروازے کی آہٹ سن کر دیکھا، مریم اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عدیل کو حیرت ہوئی کہ آج اس نے اتنا تکلف کیسے کر لیا......؟ وہ کیوں اس کی طرف دیکھ رہی تھی......؟ اچانک دل میں ایک خوش اُمیدی کسی نوزائیدہ بچے کی طرح ہمکنے لگی کہ شاید اسے عقل آ گئی ہے۔ ورنہ ایسا کیسے ممکن ہے کہ دو انسان ایک چھت تلے رہیں اور طویل مدت تک انجان بنے رہیں......؟ مریم نے آہستگی سے دروازہ بند کیا اور آہستہ آہستہ عدیل کے قریب آ کھڑی ہوئی تو جیسے عدیل کے اوسان جاتے رہے، خوشی سے حالت غیر ہونے لگی، مگر اُس نے خود پر قابو رکھا اور بڑی سنجیدگی سے مریم کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عدیل کی روح میں جیسے

سکون اُترنے لگا لیکن آخر کار وہ راہِ راست پر آ ہی گئی۔

''آپ سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔''

مریم کی آواز سے کمرے میں پھیلا ہوا ایک گمبھیر سکوت بالآخر ٹوٹ گیا۔ اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ انداز میں اجنبیت تھی۔ عدیل کی اُمیدوں پر فوراً ہی اُوس پڑ گئی۔ دل میں پھر خفگی کی لہریں پھر موجزن ہونے لگیں۔

''یہ بہت ہٹ دھرم ہے اور شاید مغرور بھی ہے۔ ایک تو دولت مند باپ کی بیٹی ہے، دوسرے بہت پرکشش تنخواہ لیتی ہے اور کسی کی دست نگر نہیں ہے اور یہی گھمنڈ اسے کچھ سوچنے نہیں دے رہا۔''

''ہاں......! بات کرو۔''

عدیل نے بڑی مشکل سے سوچوں سے پیچھا چھڑا کر اسی طرح اس کے انداز میں کڑک لہجے میں سوال کیا۔

''کیا کہنا چاہتی ہو......؟''

وہ سمجھ رہا تھا، وہ پھر گڑے مردے اُکھاڑے گی، پھر ایک عذاب ناک تکرار شروع ہو جائے گی، اعصاب شل ہو جائیں گے، طبیعت ناساز ہو جائے گی اور نیند کوسوں دُور چلی جائے گی۔

''میرے نانا جان میرے پاس آئے ہوئے ہیں، اس وقت آرام کر رہے ہیں۔ وہ جلدی سو جاتے ہیں۔''

عدیل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اتنی بڑی بڑی باتیں نظر انداز کر دینے والی اس وقت اسے اپنے نانا کی موجودگی کی اطلاع کیوں دے رہی ہے......؟

''اچھی بات ہے......! مجھے کیا اختلاف ہو سکتا ہے بھلا......؟ نانا جان چھوڑ، تمہارا پورا خاندان بھی آ جائے تو میرے لئے تو خوشی کی بات ہے۔''

عدیل نے اسی طرح سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''مجھے اس سے غرض نہیں کہ میرے رشتے داروں کے آنے سے آپ کو خوشی ہوگی یا غم......؟ میں صرف آپ کے نوٹس میں اس لئے لانا چاہتی ہوں کہ اب آپ ذرا اپنا شور شرابا کم رکھیں۔ کیونکہ نانا جان ہارٹ پیشنٹ ہیں، میرے اور آپ کے درمیان کچھ بھی ہے، وہ اس سے لاعلم ہیں۔''

''اوہ......!''

اب عدیل کی سمجھ میں سارا معاملہ آ گیا۔

''بہت خیال ہے تمہیں اپنے نانا جان کا۔''

اس نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جملہ پھینکا اور پھر اپنے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''ظاہر ہے، میرے نانا جان ہیں تو خیال بھی مجھے ہی رکھنا ہوگا۔''

مریم نے بھی اسی طرح ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''شور شرابا صرف میں نہیں کرتا ہوں، اس شور شرابے کی ذمہ داری تم پر بھی ہے۔''

عدیل اب ذرا غصے کے انداز میں کہا تھا۔

''میں مانتی ہوں سارا قصور ہی میرا ہے، آخر میں وہ عورت کیوں نہیں ہوں جو دو روٹی کے عوض ساری زندگی بلیک میل ہوتی ہے، ہر طرح کا ظلم سہتی ہے، مرد کی ایموشنل چیٹنگ برداشت کرتی ہے......؟''

عدیل نے لیپ ٹاپ دونوں ہاتھوں میں پکڑا اور ایک سائیڈ پر پٹخ دیا۔

''ایموشنل چیٹنگ......؟ کتنی بار تمہیں یاد دلانا پڑے گا کہ میں پاکستان میں پیدا ضرور ہوا تھا مگر میری پرورش UK میں ہوئی ہے۔ میں جس ماحول میں پلا بڑھا ہوں، اس ماحول کے مطابق زندگی گزار رہا تھا جسے تم ایموشنل چیٹنگ کہہ رہی ہو۔''

عدیل اب جیسے برس پڑا تھا۔ مریم نے ہاتھ اُٹھا کر اسے آواز دھیمی رکھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بڑی آہستہ آواز میں گویا ہوئی۔

''آپ کو ایموشنل چیٹنگ کی اہمیت کا اندازہ نہیں۔ یورپ میں کیا ایموشنل چیٹنگ پر یہ ایکٹ نہیں کیا جاتا......؟''

وہ پوچھ رہی تھی۔

''میں تمہیں کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ وہ میری دوست تھی، صرف دوست، جسے میں اب صرف تمہاری خاطر چھوڑ چکا ہوں۔''

مریم نے اس کی طرف دیکھا اور ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''چھوڑ چکے نہیں، چھوڑ چکنے کا ڈرامہ کر رہے ہیں۔ اگر چھوڑ چکے تھے تو پھر اس کی کال کیوں آئی تھی......؟ اتنے دھڑلے سے میرے گھر کیوں آ کر بیٹھ گئی تھی......؟''

اس نے اتنا کہہ کر ایک سکن لوشن کا جار کھولنا شروع کر دیا۔

''یہ صرف تمہارا گھر نہیں ہے۔ میرا گھر بھی ہے اور میرے ملنے والے دوست احباب بھی یہاں آ سکتے ہیں۔''

مریم نے پلٹ کر عدیل کی طرف دیکھا اور ایک مذاق اُڑانے والی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔

''دوست احباب ملنے آتے ہیں، دھرنا مارنے نہیں آتے، اور میں مزید اب کوئی بات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میں نے اپنے نانا جان کی بات صرف اس لئے کی تھی، انہیں میرے تباہ و برباد ہونے کی خبر ابھی نہیں پہنچی۔ برائے مہربانی......! اس بحث کو ختم کر دیجئے یہیں۔ پر اگر اس کو جاری رکھیں گے تو یہ کبھی بھی ختم نہیں ہوگی۔ لامحدود بحث جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں قبر میں اُتر جاؤں گی مگر یہ بحث ختم نہیں ہوگی۔''

مریم نے جار سے لوشن نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھا اور ہتھیلیاں آپس میں رگڑنے لگی۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ جیسے خاموشی کی زبان میں عدیل سے کہہ رہی تھی کہ اب وہ سر بھی پھوڑے تو وہ منہ نہیں کھولے گی۔ عدیل پھر اسی طرح

منتشر سی کیفیت میں بیٹھا تھا۔ جو خوش فہمی چند لمحوں میں پیدا ہو اور پیدا ہوتے ہی دم توڑ دے، وہ بڑی اذیت ناک ہوتی ہے۔ بڑا زور دار جھٹکا تھا۔ اس کے اعصاب جیسے پانی بن کر اُبل رہے تھے۔ وہ اپنی توانائی کھو رہا تھا۔ وہ اس لئے خاموش نہیں تھا کہ مریم نے اسے خاموش ہونے کے لئے کہا تھا بلکہ اس کی خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ اس میں اتنی قوت اور توانائی ہی نہیں تھی کہ وہ زبان ہلاتا۔ اس نے بڑی بے دلی سے لیپ ٹاپ آف کر دیا تھا۔

''یہ ہار سنگھار باہر جا کر کر لو، میں سونا چاہتا ہوں۔ پلیز......! لائٹ آف کر دو۔''

وہ بمشکل گویا ہوا تھا۔ ایک ایک لفظ شکستہ تھا۔ مریم اسی طرح سے اپنے ہاتھوں پر لوشن ملتی ہوئی اپنی جگہ سے اُٹھی اور آگے بڑھ کر لائٹ آف کر دی اور دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

''آپ نے تو اپنا ٹھکانہ گیسٹ روم کو بنا لیا تھا۔ پھر آج اس بیڈ روم میں کیسے تشریف لائے......؟''

عدیل کا دل چاہا کہ پھٹ پڑے وہ تو مسز سارہ کے بہت زیادہ فورس کرنے پر آج اس بیڈ روم میں چلا آیا تھا۔ انہوں نے بھی اس کی منت کرتے ہوئے کہا تھا کہ گھر میں مہمان آئے ہیں۔ بشر علی، مریم کے نانا بہت بوڑھے ہیں، بزرگ ہیں، پیشنٹ ہیں، انہیں کچھ خبر نہیں۔ اگر وہ تم دونوں کو الگ الگ کمرے سے نکلتا ہوا دیکھیں گے تو پھر سوال بھی کریں گے اور جو جواب ان کو ملے گا وہ شاید ان کو برداشت نہیں ہوگا۔ وہ مریم کی بات کے جواب میں خاموش رہا۔

☆......☆......☆

ناصر حسین آفس جانے کے لئے تیاری میں مصروف تھا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑا ہوا ٹائی کی ناٹ بنا رہا تھا۔ اُجالا بستر پر بیٹھی تھی اور گہری سوچ میں تھی۔ وہ ساری رات کی جاگی ہوئی تھی، مگر اس نے ابھی تک ناصر کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس میں اتنا حوصلہ ہی نہیں تھا کہ وہ ناصر کو انعم اور سلمیٰ بیگم کے آنے سے مطلع کر دے۔ وہ اسی شش و پنج میں بیٹھی تھی۔ ناصر نے اس گہری خاموشی اور اُلجھن کو محسوس کیا تھا، تبھی بولا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو......؟''

اُجالا ایک دم چونک پڑی، پھر زبردستی مسکرائی۔

''نہیں......!''

پھر بولی۔

''نہیں بس......! ویسے ہی آپ لیٹ ہو رہے ہیں۔ ناشتہ کر لیں۔''

ناصر حسین نے اُجالا کی طرف کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ اسے بھی جیسے اچانک کوئی خیال آیا تھا۔

''فیاض انکل نے گھر پہنچنے کے بعد فون تو نہیں کیا ناں......؟''

اُجالا نے بڑی گہری سانس لی تھی اور بولنے کی بجائے انکار میں سر ہلا دیا تھا۔ ناصر حسین اس کی بدلی بدلی کیفیت اور اُلجھن کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ٹائی کی ناٹ بنا کر آئینے میں اپنا جائزہ لینے کے بعد وہ آہستہ قدموں سے اُجالا

کے قریب چلا آیا۔

''کوئی تو بات ہے......؟ بہت اُلجھی ہوئی ہو۔ ابھی میں دیکھ رہا تھا کہ تمہیں اپنے آس پاس کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ آخر ایسی کیا بات ہے جو تم اتنی سوچ بچار میں ہو......؟''

اُجالا نے نظریں اُٹھا کر ناصر حسین کی طرف دیکھا۔ آج وہ کئی دن کے بعد فریش اور خوش گوار موڈ میں دکھائی دے رہا تھا۔

''چلیں، آپ ناشتہ کرلیں۔ لیٹ ہو جائیں گے۔''

ناصر حسین بے ساختہ مسکرایا۔

''کبھی کبھی لیٹ ہونے پر سزا نہیں ملتی۔ روزانہ لیٹ ہو جائے بندہ تو مسئلہ ہوتا ہے۔''

اسی وقت مہرو کمرے میں آگئی تھی اور بڑی سادگی سے اُجالا کو مخاطب کر کے بولی۔

''بیگم صاحبہ......! وہ مہمان آپ کا پوچھ رہے ہیں۔ ناشتہ تو میں نے لگا دیا ہے۔''

اُجالا نے گھبرا کر ناصر حسین کی طرف دیکھا۔ ناصر حسین بھی لفظ ''مہمان'' سن کر اُجالا کی ہی طرف دیکھ رہا تھا۔ مہرو حیران ہو کر دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اس لئے حیران تھی کہ اُجالا نے ناصر کو ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں اور وہ بھی رات سے۔ اُجالا نے مہرو کو اپنی دیکھتا پا کر کہا۔

''مہرو......! آپ اپنا کام کیجئے، میں ابھی آتی ہوں۔''

مہرو کے جاتے ہی اُجالا اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔ اس نے پہلے اپنا ذہن بنایا، خود پہ کنٹرول کیا، سمجھایا کہ آخر کار ناصر کو بتائے بنا گزارہ بھی تو نہیں، اور ناصر سے کسی مہمان کی آمد کیسے چھپائی جاسکتی ہے......؟ اس نے نظریں چراتے ہوئے بڑی آہستگی سے کہا۔

''وہ سلمٰی آنٹی رات کو کافی لیٹ آئی تھیں تو میں نے آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ انہوں نے بھی منع کر دیا تھا۔ اگر آپ گہری نیند میں نہ ہوتے تو میں آپ کو ضرور جگا دیتی۔''

وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی اور ناصر حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

''سلمٰی آنٹی......؟ ابھی تو فیاض انکل روانہ ہوئے ہیں کہ سلمٰی آنٹی آ گئیں......؟ تم سلمٰی آنٹی کی ہی بات کر رہی ہو ناں......؟''

ناصر حسین کی تو ذہنی دُنیا جیسے تہہ و بالا ہو کر رہ گئی تھی۔ اتنا بڑا دھماکہ وہ کتنے سکون سے کر رہی تھی۔ فیاض احمد کو وہ بحیثیت مرد بہت آسانی سے، بہت طریقے سے ہینڈل کرسکتا تھا لیکن ایک عورت کو سمجھانا، اس کی جذباتیت کو فیس کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ اسے خوب اندازہ تھا۔ کھڑے کھڑے اسے جیسے چکر آنے لگے۔ اُجالا اس کے سوال کے جواب میں خاموش تھی۔ اس کی خاموشی ہی اس بات کی تصدیق تھی کہ وہ سلمٰی آنٹی ہی ہیں۔ وہی سلمٰی آنٹی جو کبھی اسے بہت پیار سے اپنا بیٹا کہا کرتی تھیں۔ بلکہ یہاں تک کہتی تھیں کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ حماد میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ اللہ نے مجھے تمہاری شکل میں پلا پلایا بہت پیارا سا ایک اور بیٹا دیا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ سلمٰی آنٹی اس سے کھوٹی محبت نہیں کرتیں

بلکہ تمام گھر والے ہی اس سے صرف محبت ہی نہیں کرتے بلکہ بہت عزت بھی دیتے ہیں۔ کیونکہ شاید انہیں بھی یہ احساس ہے کہ ان کی بیٹی کو نبھانا اس کی ضد، اس کی ہٹ دھرمی اور صرف اپنی بات پہ اُڑ جانے کی عادت کو برداشت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ وہ اتنی گہری سوچ میں ڈوب چکا تھا کہ اب اُجالا نے اسے متوجہ کیا۔

''آیئے ناصر......! باہر سلمیٰ آنٹی بھی ناشتہ کی ٹیبل پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔''

اس سے پہلے کہ ناصر اس سے مزید کوئی بات کرتا یا کوئی سوال پوچھتا، وہ کمرے سے باہر چلی آئی۔ ناصر نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا پھر فیصلہ کن انداز میں خود بھی اُجالا کے ساتھ چل پڑا۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم بڑی سی ڈائننگ ٹیبل کی ایک کرسی پر بیٹھی سامنے سجے ہوئے ناشتے کے لوازمات کو دیکھتے ہوئے بڑے غور سے سوچ رہی تھیں یہ اتنا اہتمام تو ہوا ہے مگر ابھی تک ناصر اور اُجالا آتے نظر نہیں آرہے۔ انعم کو وہ جان بوجھ کر باہر اپنے ساتھ نہیں لائیں تھیں کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ انعم اور ناصر کا اچانک آمنا سامنا ہو اور خدانخواستہ ناصر کو کوئی مسئلہ ہو جائے۔ وہ چاہتی تھی کہ پہلے وہ ناصر سے خود بات کریں، اگرچہ انہیں انداز تھا کہ اُجالا نے ناصر کو بتا دیا ہوگا، لیکن پھر بھی وہ بہت محتاط تھیں۔ اسی لمحے انہوں نے اُلجھے اُلجھے ناصر حسین اور آگے چلتی ہوئی اُجالا کو دیکھا اور بڑی مہارت سے خود کو سنبھالا اور مسکراتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ ناصر کو بھی رسم و روایات نبھانا تھیں۔ سابقہ تعلقات میں ایسی کوئی بدمزگی کا عنصر نہیں تھا کہ وہ سلمیٰ بیگم سے بے رُخی یا تکلف سے بات کرتا۔

''السلام علیکم آنٹی......!''

اس نے قریب آکر سلام کیا۔ اُجالا نے بھی فوراً ہی سلمیٰ بیگم کو سلام کیا تھا۔

''آپ پلیز بیٹھئے آنٹی......!''

اُجالا کہہ رہی تھی۔ ناصر حسین کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آنٹی سے کیا بات شروع کرے......؟ فی الحال یہی کر سکتا تھا کہ وہ تشریف رکھیں لیکن اس سے پہلے یہ کام اُجالا انجام دے چکی تھی۔ سلمیٰ بیگم بیٹھ گئیں تھیں۔ ناصر ان کے بالمقابل بیٹھ گیا۔ اُجالا ابھی بیٹھی نہیں تھی بلکہ وہ ناصر اور سلمیٰ بیگم کے سامنے ناشتے کے لوازمات پھل فروٹ کے ساتھ سرو کرنے میں لگ گئی تھی۔

''آپ اچانک چلی آئیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ اسلام آباد آپ اپنی کسی دوست سے ملنے آئی ہوں......؟''

ناصر نے دل بہلانے کے لئے وہ سوال پوچھ لیا تاکہ جو بھی جواب آئے، اس کے بعد اس کا ذہن کسی ایک طرف ہو جائے۔ وہ مسلسل اُلجھ رہا تھا کہ سلمیٰ بیگم کے آنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے......؟

''نہیں بیٹا......! میں کسی دوست سے ملنے نہیں آئی ہوں۔ میں کراچی سے ڈائریکٹ تمہارے گھر آئی ہوں۔''

ناصر کے لئے یہ ایک اور موقع تھا۔ یقیناً فیاض انکل نے جو کچھ کہا ہوگا، اس کے بعد شاید سلمیٰ بیگم کو یہی کرنا

چاہئے تھا، کیونکہ بات ہی ایسی تھی کہ ناصر کے ایک دفعہ کے جواب میں معاملہ ختم نہیں کیا جاسکتا تھا۔

''کوشش کرنا ہر انسان کا حق ہے۔ شاید سلمٰی آنٹی مزید کوشش کرنے آئی ہیں۔ میں اس معصوم اور بے خطا خاتون کا دل کیسے توڑوں......؟ کیسے کہوں کہ خدا کے لئے مجھ پر رحم کریں......؟ بار بار اس عورت کا تذکرہ میرے سامنے نہ لے کر آئیں جس کو میں سوچ میں بھی لانا نہیں چاہتا، جو میری یادداشت کا زخم بن چکی ہے۔

وہ سوچ تو رہا تھا مگر کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ سلمٰی بیگم بھی اُجالا کی موجودگی میں کوئی ایسی خاص بات ناصر حسین سے نہیں کرسکتی تھیں۔ وہ بظاہر ناشتہ کرنے میں مصروف ہوگئیں۔ انہیں اچھی طرح اندازہ تھا کہ ناصر حسین ان کی آمد کی وجہ سے بہت ڈسٹرب ہوگیا ہوگا۔ فی الحال وہ ناشتے کی ٹیبل پر ملاقات کو بہتر سمجھ رہی تھیں۔ اب جو بھی کرنا تھا، وہ انہیں سوچ سمجھ کر ہی کرنا تھا۔ اُجالا کے سامنے تو وہ ویسے بھی انعم کے ٹاپک پر ناصر حسین سے بات کر ہی نہیں سکتی تھیں۔

''آنٹی......! آپ فریش جوس لیں گی یا چائے کافی......؟''

اُجالا، سلمٰی بیگم سے پوچھ رہی تھی۔ سلمٰی بیگم نے اپنے خیال سے چونک کر اُجالا کی طرف دیکھا۔ ایک مہربان اور خوب صورت چہرہ جس کے لئے ان کی بیٹی نے جگہ خالی کی تھی، اس کی اپنائیت کو محسوس کرتے ہوئے جیسے ان کا دل رو پڑا۔ وہ بڑا سخت امتحان تھا۔ بیٹی کی جگہ پر ایک پرائی لڑکی کو دیکھنا کسی ماں کے لئے بڑے دل گردے کا کام تھا۔ جیسے آگ کا دریا ہو اور دُور تک جانا ہو۔

''ہاں بیٹا......! میں ناشتے میں چائے لیتی ہوں۔''

''اُجالا......! آنٹی کو یہ آملیٹ دو ناں، اتنا سا ناشتہ کرتی ہیں آنٹی......!''

ناصر حسین نے تمام تاثرات سے پیچھا چھڑانے کے لئے آدابِ میزبانی نبھانے لگا۔

''ارے بیٹا......! میں نے بہت لیا ہے۔ بس میں اتنا ہی کرتی ہوں۔ کوئی تکلف نہیں ہے، میرا اپنا ہی گھر ہے۔''

وہ بڑی محبت سے کہہ رہی تھیں۔

''اپنا گھر......؟''

ناصر کے دماغ پر ایک پتھر سا کہیں سے آکر گرا۔ بہرحال اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

☆......☆......☆

مریم، بشر علی کے ساتھ ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھی۔ وہ بڑی عجلت میں ناشتہ کر رہی تھی۔ بشر علی ناشتہ کرتے ہوئے مسکراہٹ سجائے مریم کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''بیٹا......! کوئی ایسی خاص ضرورت تو نہیں تھی۔ تم نے فضول میں یہ بندھن باندھ لیا۔''

مریم نے اپنے کسی خیال سے چونک کر سر اُٹھایا اور بشر علی کی طرف حیرانی سے دیکھا۔

''بندھن......؟ کس بندھن کی بات کر رہے ہیں......؟''

وہ پوچھ رہی تھی اور اندر ہی اندر اُلجھ رہی تھی کہ نانا جان کو اندازہ ہوگیا کہ صبح صبح انہوں نے کیسی بات کی......؟

''اوہو بھئی......! میں تمہاری نوکری کے بندھن کی بات کر رہا ہوں۔ بھلا تمہیں کیا ضرورت تھی، ایسی افراتفری میں ناشتہ کر رہی ہو۔ اب عدیل میاں ناشتے کی میز پر نہیں ہیں۔ اس کا مطلب ہے، وہ ناشتہ بعد میں کریں گے۔ اب تم دونوں کے اوقات الگ الگ ہو چکے ہیں۔ ناشتے کی ٹیبل پر بھی تم نہیں ملو گے، لنچ کی ٹیبل پر تم نہیں ملو گے، پھر رات کو تھکے ہارے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھو گے۔ میں تو کہتا ہوں، کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔''

''ارے نہیں نانا جان......! میں سب مینج کر چکی ہوں۔ عدیل کو بھی عادت ہو چکی ہے۔''

مریم نے جلدی سے جواب دیا۔

''بھئی......! وہ تمہاری ساس صاحبہ بھی نظر نہیں آ رہیں......؟''

بشر علی نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔

''پاپا......! ممی صبح ناشتہ نہیں کرتیں، صرف فریش جوس لیتی ہیں۔ وہ بھی نماز کے بعد صبح ہی صبح۔ پھر وہ دس گیارہ بجے کے قریب کچھ ہلکا پھلکا سا لے لیتی ہیں۔ جب سے انہیں ہائی بلڈ پریشر کی تکلیف ہوئی ہے، وہ بہت محتاط ہیں۔''

مریم نے اب ذرا سکون سے جواب دیا۔

''اوہو بھئی......! یہ ہائی بلڈ پریشر، ماشاء اللہ تمہاری ساس کو کیا مسئلہ ہے......؟ شکر الحمد اللہ، دو بیٹے ہیں، دونوں ہی فرمانبردار اور نیک ہیں۔ بھئی دیکھو ناں، باہر پڑھے ہوئے لڑکے کی فرمانبرداری کا ثبوت تو اس بات سے ملتا ہے کہ اس نے اپنی ماں کی پسند سے شادی کی، اس سے بڑی فرمانبرداری کی مثال کہاں ملے گی......؟''

مریم نے بشر علی کی طرف دیکھا۔ دل ڈوب ڈوب سا گیا۔

''کچھ لوگ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں، اپنی من مانیاں کرتے ہیں اور بڑا اچھا نیگ چھوڑتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے حصے سے زیادہ محنت کرتے ہیں پھر بھی زمانے بھر کی برائی انہی کے سو الگتی ہے۔''

وہ بڑے دُکھ سے سوچ رہی تھی۔

''اچھا خیر......! میری باتوں کی وجہ سے تم مزید لیٹ نہ ہو جاؤ۔ تم ناشتہ مکمل کرو اور تھوڑی ایمانداری کے ساتھ اپنا کام کرو۔ اس لئے کہ کمٹ منٹ از کمٹ منٹ......!''

بشر علی ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔ مریم بھی بڑے جبر سے مسکرائی۔

''جی نانا جان......! یہ تو آپ نے ٹھیک کہا۔ مگر آج کل کے زمانے میں ان کی حیثیت ہی کہاں رہی ہے......؟ لوگ صبح وعدہ کرتے ہیں، شام کو بھلا دیتے ہیں۔''

وہ جلدی جلدی نیپکن سے ہاتھ منہ پونچھتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''نانا جان......! مجھے اس بات کی فکر ہے، میری غیر موجودگی میں آپ بہت بور ہوں گے۔''
وہ کرسی دھکیلتے ہوئے بولی۔
''ارے نہیں بیٹا......! ماشاءاللہ، اتنا پیارا سا بچہ ہے۔ ہم اس سے باتیں کریں گے۔ وہ سب سمجھتا ہے۔ فکر نہ کرو، ہمیں عادت ہے۔''
''نانا جان......! پلیز آپ ٹھیک سے ناشتہ کر لیجئے گا اور دیکھئے، یاد سے آپ نے میڈیسن بھی لینی ہے، ورنہ امی نہیں چھوڑیں گی مجھے، وہ کہہ رہی تھیں، اگر تم نے میرے پاپا کا خیال نہیں رکھا تو میں تمہیں سمجھ لوں گی۔''
مریم نے سابقہ تاثرات سے پیچھا چھڑانے کے لئے بھرپور شوخی کا مظاہرہ کیا تاکہ گھر سے نکلتے وقت اس کا ذہن پرسکون ہو۔ بشرعلی، مریم کی بات سن کر ہنس پڑے۔
''ارے بھئی......! تمہاری ماں سمجھتی ہے، دُنیا میں صرف اسی کو میرا خیال ہے۔ ماشاءاللہ، میری مریم بھی کم نہیں ہے۔ بہت خیال کرتی ہے میرا۔''
وہ بڑے محبت بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ مریم ان کے قریب آئی اور ان کو کندھوں سے تھام لیا۔
''اللہ حافظ نانا جان......! امی تھوڑی دیر بعد آپ کے پاس ضرور آئیں گی۔ آپ پلیز اپنا بہت خیال رکھئے گا اور کوئی بھی بات ہو تو میرا نمبر آپ کے پاس ہے۔''
''ارے بھئی......! نانا کو خدا حافظ کہہ دیا۔ تمہارا شوہر کہاں ہے......؟ اس کو خدا حافظ کہہ کر نہیں جاتی کیا......؟''
بشرعلی نے ڈانٹنے والے انداز میں مریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر اک سایہ سا آکر گزر گیا۔
''جی نانا جان......! میں اسی طرف جا رہی تھی اور اب تو اسی طرح کا خدا حافظ ہوتا ہے، جلدی جلدی والا۔''
وہ زبردستی ہنستے ہوئے بولی اور جلدی سے ڈائننگ سے باہر چلی گئی۔ بشرعلی سر جھکا کر مسکرا رہے تھے۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم، ناصر کے جانے کے بعد اُجالا سے پہلو بچاتی ہوئی گیسٹ روم میں واپس چلی آئیں تھیں۔ فی الحال انہیں خود بھی نہیں پتا تھا کہ اُجالا سے کسی طرح کی بات کرنا ہے اور اگر اس نے کوئی چبھتا سا سوال کر لیا، جس کا جواب دینا دوبھر ہو گیا تو وہ کیا کریں گے......؟ بس یہی سوچ کر وہ اُجالا کو ڈھونڈنے اور اس سے بات کرنے کا موقع نکالنے کی بجائے سیدھی گیسٹ روم میں آگئیں تھیں جہاں انعم ناشتہ کر کے ٹرالی ایک طرف کر چکی تھی۔ انعم نے ماں کو اندر آتے ہوئے دیکھا تو اس نے ماں کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔ سلمیٰ بیگم نے نظریں چرائیں اور بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ گئیں۔ جیسے وہ کسی گہری سوچ میں تھیں۔ انعم نے چند لمحے ماں کو دیکھا پھر ذرا حوصلہ کر کے آہستہ آواز میں بولی۔
''امی......! ناصر سے ملاقات ہوگئی......؟''

سلمٰی بیگم نے فوراً ہی جواب دیا۔

''ہاں......! ہوگئی۔''

انعم نے اب پھر چونک کر ماں کی شکل دیکھی لیکن وہ ان کے انداز سے کچھ اندازہ نہیں لگا پا رہی تھی۔

''پھر آپ نے ناصر کو میرے یہاں آنے کا کہا تو وہ کیا بولا......؟''

''ابھی میں نے اس سے تمہارے متعلق کوئی بات نہیں کی اور یہ بھی نہیں بتایا کہ تم میرے ساتھ آئی ہو۔''

ماں کی یہ بات سن کر انعم نے حیران اور پریشان ہو کر دیکھا اور بولی۔

''امی......! کیا مطلب نہیں بتایا......؟ پھر کیا کرنا ہوگا......؟ آپ ابھی اسے فون کر کے بتایئے کہ میں اس کے گھر میں بیٹھی ہوئی ہوں۔''

انعم نے آف موڈ میں ماں سے سوال کیا۔

''ضرورت نہیں ہے اسے فون کرنے کی۔''

سلمٰی بیگم نے فوراً ٹوکتے ہوئے کہا۔

''میں چاہتی ہوں کہ وہ خود تمہیں دیکھ لے۔ اس کے بعد دیکھتے ہیں کہ وہ مجھ سے کیا بات کرتا ہے......؟''

''لیکن آپ نے تو مجھے اس کمرے سے ہی باہر نکلنے سے منع کر دیا۔ اُسے کیا پتا کہ اندر کون بیٹھا ہے......؟''

انعم بڑے تلخ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''ارے......! پتا نہیں ہے تو پتا چل جائے گا۔ میں فوراً اچانک صبح ہی صبح اس کے سامنے یہ دھماکہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ آفس جا رہا ہے، تمہیں پتا ہے بندہ کام پر جا رہا ہو تو اسے اپنے گھر سے Relax ہو کر نکلنا چاہیے۔ ورنہ وہ کام کی جگہ پر پہنچ کر کیا خاک کام کرے گا......؟''

''تو کیا اُجالا نے بھی نہیں بتایا......؟''

انعم نے پھر اسی طرح ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

''اسی بیس پہ میں نے تم سے یہ بات کی ہے کہ میں نے جان بوجھ کر نہیں بتایا۔ میں انتظار کرتی رہی کہ ناصر اپنے طور پر خود سے کوئی بات کرے۔ لیکن اس کی بات چیت سے اندازہ ہوا مجھے کہ اُجالا نے ابھی اسے تمہارے آنے کی خبر نہیں دی ہے۔''

''ایسا کیسے ممکن ہے......؟''

انعم فوراً بولی۔

''ممکن ہے، اس کے لئے بھی کوئی آسان نہیں ہے کہ وہ تمہاری آمد کی اطلاع ناصر کو دے۔''

''ممی......! آپ کچھ نہ بولیں۔ ناصر جان کر انجان بن رہا ہوگا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کی بیوی نے اسے نہ بتایا ہو کہ میں اس گھر میں آ گئی ہوں۔''

"چلو خیر......! اگر بتا بھی دیا تو میں اپنے طور پر کیوں بات کرتی......؟ اگر اس کے علم میں آ چکا ہے تو اسے مجھ سے بات کرنا چاہئے۔ اوّل تو اس نے تمہارے موضوع پر کوئی بات نہیں کی بلکہ اشارے کی حد تک بھی کوئی بات نہیں کی۔"

سلمٰی بیگم نے قطعی انداز میں بات مکمل کی اور کھڑی ہو کر بولیں۔

"میں تھوڑا ریسٹ کرنا چاہوں گی انعم......! اس لئے کہ میں رات کو سو نہیں سکی۔"

سلمٰی بیگم نے ذرا تھکے تھکے لہجے میں انعم سے کہا کہ وہ کوئی نئی بات نہ شروع کر دے۔

"آپ نہیں سوئیں می......! تو میں کب سوئی ہوں......؟ نیند ہی نہیں آئی۔"

"ہاں......! ایسا ہوتا ہے۔ ظاہری بات ہے، جب تک کوئی فیصلہ کن صورتِ حال سامنے نہیں آ جاتی، سکون کی نیند کہاں آئے گی......؟"

سلمٰی بیگم یہ بولتے ہوئے بیڈ پر دراز ہو گئیں اور بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ انعم خاموشی سے بند دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

"ناصر کا اور جب میرا آمنا سامنا ہوگا تو وہ کیا کہے گا......؟"

وہ سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

عدیل لاؤنج میں بشر علی کی گرفت میں آ چکا تھا۔ بشر علی گھر میں آنے والے اُردو اور انگریزی اخبارات کے مطالعے میں مصروف تھے کہ عدیل آفس جانے کی تیاری کے ساتھ بریف کیس ہاتھ میں اُٹھائے لاؤنج میں داخل ہوا، مگر جیسے اس کے چاروں طبق روشن ہو گئے۔ وہ بشر علی سے بات چیت کئے بغیر کیسے گزر سکتا تھا......؟

"السلام علیکم نانا جان......!"

وہ بڑی پُر اخلاق مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بشر علی کو سلام کر رہا تھا۔ بشر علی نے چونک کر سامنے سے اخبار ہٹایا اور اپنے گلاسز اُتار کر ٹیبل پر رکھ دیئے اور بڑے بے ساختہ انداز میں کھڑے ہو گئے۔

"وعلیکم السلام بیٹا......! بھئی کہاں ہو......؟ بہت لیٹ ناشتہ کرتے ہو، مگر یہ تنقید نہیں ہے۔ بس بولنے کی عادت ہے، بول بیٹھے ہیں، بُرا مت منانا۔"

بشر علی نے عدیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑی محبت سے کہا۔

"نہیں نہیں نانا جان......! آپ ہمارے بزرگ ہیں۔ آپ کی بات کا برا مان کر ہم کہاں جائیں گے......؟ بلکہ ہمیں تو یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں آپ کو ہماری کوئی بات بری نہ لگ جائے۔"

عدیل نے بڑے خوش گوار موڈ میں بشر علی کو جواب دیا۔

"بھئی......! رات کو تو تم بڑے لیٹ آئے تھے۔ تمہاری ماں نے بتایا تھا کہ عدیل اکثر لیٹ ہو جاتا ہے اور

ہم جلدی سو جاتے ہیں۔ اس لئے اپنے کمرے میں جانے کی بجائے یہاں آ کر بیٹھ گئے کہ بھئی چلتے چلتے ہی سہی، سلام دُعا تو ہو جائے گی۔ آج کل کے بچے تو مشین ہی بن کر رہ گئے ہیں۔ میں مریم کو بھی کہہ رہا تھا کہ خواہ مخواہ تم نے یہ بندھن باندھ لیا ہے، میرا مطلب ہے، یہ نوکری بھی ایک بندھن ہی ہوتی ہے۔ اب چھوٹا سا بچہ ہے، آفس جانے کی جلدی میں افراتفری میں ناشتہ کر رہی ہے۔ اس کو دیکھ کر تو مجھے بڑی ٹینشن ہونے لگی۔ خیر......! اگر وہ خوش ہے تو ہم بھی خوش ہیں۔ کہیں میری وجہ سے تم لیٹ تو نہیں ہو رہے بیٹا......؟''

عدیل نے فوراً کہا۔

''نہیں نہیں نانا جان......! میرا اپنا آفس ہے۔ مجھ سے کوئی پوچھ گچھ کرنے، کوئی کال کرنے والا تو نہیں۔ آپ کہیں تو میں یہاں آ کر بیٹھ جاتا ہوں، آپ کو کمپنی دیتا ہوں۔''

بشر علی، عدیل کی بات سن کر پھولے نہ سمائے۔ بے ساختہ انہوں نے عدیل کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور بولے۔

''میں تو سب کو کہتا ہوں، جیسے داماد سلمیٰ کو ملے، اللہ پاک سب کو ایسے داماد دے۔ اتنے پیارے بچے ہیں کہ دل ہی دل میں ماشاء اللہ کہتا رہتا ہوں اور اللہ انہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔''

عدیل نے بشر علی کا جذباتی، پُر تاثر اور مخلصانہ لہجہ اپنی روح میں اُترتا ہوا محسوس کیا۔ ایک عجیب سا بوجھ اس کے دل پر آ پڑا۔

''کم از کم مریم اتنی اچھی تو ہے کہ اپنے گھر والوں کے سامنے مجھے رُسوا نہیں کیا۔ اتنی اچھی ہے، تبھی تو اس کے تعاقب میں بھاگ رہا ہوں۔''

عدیل بڑی افسردگی کی کیفیت میں گِھرنے لگا، مگر بشر علی نے پھر اسے منجدھار سے کھینچ نکالا۔

''بیٹا......! وہ جو کہتے ہیں ناں کہ تکلف میں ہے تکلیف سراسرا۔ تو تمہیں تکلف کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنا کام کرو۔ میں ابھی کئی دنوں تک اس گھر میں ہوں۔ انشاء اللہ کسی مناسب موقع پر بیٹھتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ بچوں کے کام کا حرج ہو۔''

عدیل نے جان چھوٹنے پر جیسے اللہ کا شکر ادا کیا۔ پتا نہیں کیوں جب انسان کے ہاتھ صاف نہ ہوں تو اسے سیدھی سادھی بات بھی معنی خیز لگنے لگتی ہیں۔ وہ بشر علی کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

''اچھا جی خدا حافظ نانا جان......!''

عدیل نے جانے کے لئے قدم بڑھائے۔ بشر علی نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بڑی محبت سے دبایا۔

''اللہ کی امان میں بیٹا......!''

عدیل آگے بڑھ گیا۔ بشر علی بڑی محبت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جیسے نظروں ہی نظروں میں اس کی بلائیں لے رہے ہوں۔ پھر بڑی گہری سانس لی اور واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے گویا ہوئے۔

''کیا ہیرا بچہ ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔ آمین......!''

☆......☆......☆

''امی......! ہم رات سے آئے ہوئے ہیں۔ مگر بیہ سے ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ آپ نے پتا نہیں کیا کہ بیہ کہاں ہے......؟ میں نے تو ابھی تک اس کی آواز ہی نہیں سنی۔''

انعم، سلمٰی بیگم کا بازو ہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سلمٰی بیگم ابھی غنودگی ہی میں تھیں، ایک دم پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ انہیں ناصر کے ساتھ بات کرنے کے سوا جیسے کچھ یاد ہی نہیں رہا تھا۔ کتنی حیرت کی بات تھی۔

''واقعی یہ تو انعم ٹھیک کہہ رہی ہے۔ نہ بیہ دکھائی دی، نہ اس کی آواز سنائی دی۔''

سلمٰی بیگم نے انعم کی طرف دیکھا اور بولیں۔

''ناصر گھر سے جا چکا ہے۔ تم اس کمرے سے باہر جاؤ اور اُجالا سے پوچھو، کہیں خدانخواستہ بیہ کی طبیعت تو خراب نہیں......؟''

انعم نے گہری سانس لی۔ چند لمحے سوچا پھر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ٹھیک ہے امی......! میں پتا کرتی ہوں۔''

''ارے بھئی......! وہ بیہ کی پرانی میڈ ہی یہاں پر کام کر رہی ہے۔ یہ تو میں تمہیں بتانا بھول گئی۔ کیا نام تھا اس کا......؟''

انعم نے فوراً کہا۔

''مہرو......!''

''ہاں ہاں......! وہی۔ تم اس سے پتا کرو، وہ تمہیں ٹھیک بتائے گی۔''

سلمٰی بیگم اُلجھے اُلجھے انداز میں بولیں۔ دل پر اندیشوں کے بادل منڈلانے لگے تھے۔

''کہیں ناصر اور اُجالا نے بیہ کو کہیں اور تو نہیں بھیج دیا......؟ مگر ناصر کو تو ابھی یہی نہیں پتا کہ انعم بھی میرے ساتھ آئی ہوئی ہے۔''

وہ سوچ رہی تھیں اور انعم باہر جا رہی تھیں۔

☆......☆......☆

انعم بہت احتیاط سے آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے چاروں طرف نظریں دوڑا رہی تھی۔ اسے مہرو کی تلاش تھی۔ اُجالا بھی سامنے ہوتی تو شاید وہ اس سے بات کرتے ہوئے کچھ عجیب سا ہی محسوس کرتی۔ اس کی خواہش تھی کہ مہرو سے پہلے اس کا سامنا اُجالا سے نہ ہو۔ وہ مزید آگے بڑھی تو اُسے کچن سے برتنوں کی کھٹر پٹر سنائی دی۔ اب اسے یہ تو نہیں معلوم تھا کہ مہرو کچن کا کام بھی کرتی ہے یا اس گھر میں کچن کا کام کرنے کے لئے کوئی اور ملازم بھی

ہے۔ پھر بھی وہ ایک اُمید کے سہارے کہ مہرو اسے مل جائے گی، وہ آگے بڑھی۔ کچن کے دروازے پر پہنچ کر اس نے تھوڑا سا سر اندر کی طرف کر کے جھانکا اور ایک گہرے سکون کا سانس لیا۔ مہرو چائے کے کپ وغیرہ دھونے میں مصروف تھی۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی کچن میں داخل ہوگئی۔ مہرو کو کسی کا آنا محسوس ہو چکا تھا، وہ فوراً چونک کر پلٹی تھی۔ سامنے اپنی پرانی مالکن کو دیکھ کر نہ جانے کیوں اس کی نظریں جھک گئیں، جیسے وہ انعم کی آنکھوں میں دیکھنے کا حوصلہ نہ رکھتی ہو۔

''السلام علیکم بیگم صاحبہ......!''

وہ اسی طرح نظریں جھکائے جھکائے سلام کر رہی تھی۔

''وعلیکم السلام......! مہرو......! وہ بیبہ نظر نہیں آئی، نہ ہی اس کی آواز سنائی دی۔ خیریت تو ہے......؟ اس کی طبیعت ٹھیک ہے ناں......؟ کہاں ہے وہ......؟ انعم بہت غور سے مہرو کی شکل دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ جیسے اسے مہرو کے منہ سے نکلنے والے لفظوں کا اعتبار نہ ہو اور وہ اس کے چہرے سے حقیقت کا پتا چلانا چاہ رہی ہو۔

''بیگم صاحبہ......! بیبہ اسکول گئی ہوئی ہے۔''

''تو وہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ کیا وہ اتنی خاموشی سے اسکول چلی جاتی ہے کہ اس کی آواز ہی سنائی نہیں دی......؟''

''نہیں نہیں بیگم صاحبہ......! وہ تو کافی باتیں کر کے گئی ہے۔ بیگم صاحبہ، میرا مطلب ہے آپ کی امی ناشتہ کر کے اوپر چلی گئیں تھیں، تب وہ ناشتے کی ٹیبل پر آئی تھی۔ آج وہ ذرا لیٹ اُٹھی تھی۔''

''اوہ......! اچھا اچھا......!''

انعم سوچتے ہوئے بولی۔

''اصل میں آپ جس کمرے میں ہیں، اس کمرے کا دروازہ بند ہو تو کہیں سے آواز سنائی نہیں دیتی اور کیونکہ آج وہ لیٹ ہو رہی تھی اس لئے اُجالا بی بی نے کہا، وہ سکول سے آکر آپ سے مل لے گی کیونکہ وہ وین سے جاتی ہے اور آپ کو پتا ہے ناں وین چلی جائے تو پھر بڑی پرابلم ہوتی ہے، کیونکہ صاحب تو اس سے پہلے ہی چلے جاتے ہیں۔''

''ہاں ہاں......! ٹھیک ہے......!''

انعم کو اب قدرے اطمینان ہوگیا تھا کہ مہرو اس سے سچ بیانی کر رہی ہے، کچھ چھپا نہیں رہی۔

''وہ مہرو......! ایک بات ہے، کیا بیبہ کبھی تم سے میرا ذکر کرتی ہے......؟''

انعم نے بہت ہچکچاتے ہوئے مہرو سے پوچھا تھا۔

''بیگم صاحبہ......! سچی بات بتاؤں، شروع شروع میں تو بیبہ نے آپ کو کافی یاد کیا۔ اکثر رات کو سونے سے پہلے آپ کو یاد کرتی تھی۔ پوچھتی تھی کہ ماما نانو کے گھر سے کب آئیں گی......؟ پھر ناصر صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی اور وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوگئے تو بچی پریشان ہوگئی۔ اتنا پیار کرنے والا باپ آنکھوں سے دُور ہوگیا تو ہر وقت اسے

باپ ہی کی پڑ گئی۔ پھر وہ آپ کو یاد نہیں کرتی تھی۔ جیسے آپ کی طرف سے اللہ نے اُسے صبر دے دیا تھا۔ بس اپنے باپ کا پوچھتی رہتی تھی کہ پاپا گھر کب آئیں گے......؟ ناصر صاحب کی حالت ایسی تھی کہ ہم بیہ کو ان سے ملوانے ہاسپٹل بھی نہیں لے جاسکتے تھے۔ پھر ناصر صاحب کی بہن آگئیں۔ انہوں نے بیہ کو بہت سنبھالا۔ وہ اسے لے کر باہر چلی جاتی تھیں، چیزیں دلاتی تھیں، اس کا ذہن اِدھر اُدھر کرتی تھیں اور پھر کچھ عرصہ کے لئے بیہ آپ کے پاس کراچی بھی تو آئی تھی۔ بالآخر اللہ کو اس بچی پر رحم آ گیا۔ ناصر صاحب صحت یاب ہو کر گھر آ گئے تو بیہ بھی کراچی سے واپس آ گئی اور کچھ دنوں بعد اُجالا بی بی بھی آ گئیں۔ اُجالا بی بی نے بیہ کو اتنا پیار دیا، اتنا پیار دیا کہ سوتیلی ماں کا تصور ہی غلط کر کے رکھ دیا۔ وہ اُس کے ساتھ سوتی ہیں، اس کے ساتھ جاگتی ہیں، کبھی طبیعت خراب ہو جائے تو خود جاگتی ہیں۔''

مہرو بہت تفصیل سے بتا رہی تھی اور انعم کا دل نیچے کسی گہری اتھاہ میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ دُور دُور اس کے لئے اس کی جگہ کوئی گنجائش نظر نہیں آ رہی تھی۔ ساری خالی جگہیں بھر چکی تھیں۔ وہ سکتے کی کیفیت میں مہرو کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مہرو کو اس کی شکل دیکھ کر جیسے ترس سا آ گیا کہ وہ بے انتہاء نرم مزاج عورت تھی۔ اس نے سر جھکا کر بڑے مؤدبانہ انداز میں انعم کو تسلی دی۔

''بی بی......! آپ خود چل کر آئی ہیں اور ظاہری سی بات ہے، اولاد کی خاطر آئی ہیں۔ اللہ کرے آپ کی بچی آپ کی ماتا کی چھاؤں تلے اپنی زندگی گزارے۔ آمین......!''

اتنا کہہ کر مہرو خاموش ہو گئی۔ اس نے جو کہنا تھا، کہہ کر فارغ ہو چکی تھی۔ مہرو کی مکمل خاموشی نے انعم کو سنبھلنے کا موقع دیا۔ اس نے خود کو سنبھالا پھر زبردستی مسکرائی، ایسے جیسے اپنے نصیب پر مسکرا رہی ہو اور پھر آہستہ سے بولی۔

''ٹھیک ہے مہرو......! میں بیہ کا انتظار کروں گی۔ کتنے بجے تک آ جاتی ہے وہ......؟''

''جی وہ ایک بجے تک آ جائے بیگم صاحبہ......!''

انعم نے سر ہلایا۔

''ہوں......!''

اور پھر وہ باہر چلی گئی۔ مہرو بے انتہاء دُکھ کی کیفیت میں ڈوب چکی تھی۔ اسے اس اُجڑی ہوئی عورت پر بڑا رحم آ رہا تھا۔

☆......☆......☆

مریم اپنا کام کرتے کرتے رُک گئی، اس نے ایک فائل اُٹھا کر کچھ سوچا اور Peon کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی۔ Peon فوراً ہی آ گیا تھا۔

''یس میم......!''

مریم نے سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا پھر فائل اسے دیتے ہوئے بولی۔

''اشرف......! یہ فائل اظفر صاحب کو دے دو اور ان سے کہنا یہ Complete ہے۔''

Peon نے مریم کو دیکھتے ہوئے بڑے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''بیگم صاحبہ......! آج تو سر آفس نہیں آئے ہیں۔''

مریم بے انتہاء چونک پڑی کیونکہ جب سے وہ آفس آ رہی تھی، اس نے کبھی ایک دن بھی اظفر کمال کو غیر حاضر نہیں پایا تھا۔

''خیریت......؟ ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......؟ کوئی کال وغیرہ آئی ان کے گھر سے......؟''

''یہ تو مجھے نہیں پتا میم......! یہ تو تیمور صاحب کو یا عاطف صاحب کو پتا ہوگا۔ آپ ان سے پوچھ لیں۔''

مریم عجیب سی اُلجھن میں پڑ گئی تھی، کیونکہ اس نے کل جو اظفر کمال کے چیخنے چلّانے اور دھاڑنے کی آوازیں سنیں تھیں، اس کا ذہن دوبارہ سے وہیں جا لگا تھا۔

''یقیناً کوئی سیریس بات ہے۔ بتا تو رہے تھے کہ ان کی بیوی نے نرس پر حملہ کیا تھا۔ اللہ رحم کرے......!''

Peon اس کے اگلے حکم کے انتظار میں ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ مریم نے خود کو جلدی سے سنبھالا اور فائل واپس ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے......! تم جاؤ۔ میں خود بات کرلوں گی۔''

Peon واپس چلا گیا۔ مریم پھر ذہنی خلفشار میں مبتلا ہوگئی۔ عجیب طرح کے وسوسے اسے ستانے لگے۔

''شاید عاطف کو کچھ پتا ہو، کیونکہ بہت ساری خبریں سب سے پہلے اس کو ہی ملتی ہیں۔''

وہ یہ سوچ کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی کہ عاطف کو بلانے کی بجائے خود جا کر اظفر کمال کی خیر خیریت معلوم کرے۔

☆......☆......☆

''ارے عارف......! تو ہسپتال میں بیٹھا کیا کر رہا ہے......؟ اس کی ماں ہے ناں، اور یہ بتا، اب علی کی طبیعت کیسی ہے......؟''

شکیلہ خاتون فون پر چوہدری عارف سے بات کر رہی تھیں۔ دوسری طرف سے عارف کہہ رہا تھا۔

''اماں......! علی کی طبیعت بہتر ہے۔ مگر لگتا ہے ڈاکٹر علی کو آج ڈِسچارج نہیں کریں گے۔ ابھی دو تین دن ہاسپٹل میں رُکنا ہوگا۔''

''ارے......! جب تو وہاں بیٹھا ہوا اولاد کی چوکیداری کر رہا ہے تو وہ جھومر ٹیکا اپنے ماتھے پر سجانے کی کیا ضرورت ہے......؟ اسے واپس بھیج اپنے بھائی کے گھر۔''

شکیلہ خاتون نے اپنے دل کی بات کہنے میں ذرا دیر نہیں لگائی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں اماں......؟ علی اپنی ماں ہی کی وجہ سے تو سنبھلا ہوا ہے۔ وہ ابھی ہسپتال میں ہی

ہے، میں دوبارہ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔“
عارف نے اس مرتبہ بڑی ناگواری سے جواب دیا تھا۔ ظاہر ہے، اولاد کا معاملہ تھا، ساری باتیں ساری دُشمنیاں وقتی طور پر پسِ پشت جا پڑی تھیں۔

”ارے......! کیا مطلب ہے تیرا......؟ بچہ ہوش میں آ گیا ہے، ٹھیک ہو گیا ہے، اب تو اسے سنبھال۔“

شکیلہ خاتون نے فوراً ہی کہا۔

”نہیں اماں......! میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔ بعد میں سوچیں گے کیا کرنا ہے......؟ فی الحال صرف علی کے بارے میں سوچیں۔“

یہ کہہ کر عارف نے فون بند کر دیا۔ شکیلہ خاتون ہکا بکا اپنے موبائل کو گھورنے لگیں۔ پھر زور دار آواز میں ماسی برکتے کو پکارا۔

”ارے ماسی......! آج کہاں مر گئی......؟ میں کہتی ہوں کہ میرے پاس نہ ہلا کر، پتا نہیں کب مجھے دل کا دورہ پڑ جائے۔ ارے......! کوئی تو پانی منہ میں ڈالنے والا پاس ہو۔ یہ علینہ بھی صبح سے پتا نہیں کہاں نکلی ہوئی ہے......؟ کہہ رہی تھی کہ اسپتال جاؤں گی۔ اسپتال سے پتا نہیں کہاں چلی گئی......؟“

اسی وقت ماسی برکتے لنگڑاتی ہوئی اندر آ رہی تھی۔

”چوہدرانی جی......! میں تو آپ کے پاس کبھی نہ ہلوں، مر کے بھی نہ ہلوں، آپ خود ہی اُٹھا کر باہر پھینک دینا۔ مگر کیا کروں......؟ علینہ بی بی گھر پر نہیں ہیں، بچی کو بھی تو دیکھنا ہوتا ہے۔“

ماسی برکتے نے آ کر اپنی صفائی پیش کی۔

☆......☆......☆

شکیلہ خاتون کا غصہ فوراً جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ یہ تو ان کو خیال ہی نہیں رہا تھا کہ علینہ کی بیٹی بھی تو گھر پر ہے۔ آخر اس کو بھی تو کوئی دیکھے گا، پھر خود بڑبڑانے لگیں۔

”ارے......! یہ علینہ گئی کہاں......؟ کب کی نکلی ہوئی ہے، فون بھی نہیں کیا......؟“

ماسی برکتے نے فوراً کہا۔

”فون آیا تھا ان کا، کہہ رہی تھی کہ بازار کی طرف ہو آتی ہوں۔ بچی کا پوچھ رہی تھیں۔ میں نے کہا، اللہ کا شکر ہے، چین سے سو رہی ہے، آپ فکر نہ کریں۔“

”تو بھی اپنے نام کی ایک ہی ہے۔ ارے......! اسے کہہ دیتی، بچی رو رہی ہے، تنگ کر رہی ہے، اسی بہانے جلدی آ جاتی وہ، تو نے تو اس کی تسلی کر دی۔“

شکیلہ خاتون، ماسی برکتے پر برسنے لگیں۔ ماسی برکتے جیسے گناہ گار سی سر جھکائے صلواتیں سن رہی تھی۔

☆......☆......☆

مسز سارہ گود میں اپنے پوتے فضیل کو لئے بیٹھی تھیں۔ ان کے چہرے پر فضیل کی طرف دیکھتے ہوئے ایک نور سے آرہا تھا۔ وہ بڑی نہال نظر آرہی تھیں۔ بشر علی بڑی دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور بہت خوش نظر آرہے تھے۔ پھر مسز سارہ سے مخاطب ہوئے۔

''بھئی......! ماشاءاللہ آپ نے گھر کا انتظام خوب اچھی طرح سنبھالا ہوا ہے۔ آپ ہی کی وجہ سے مریم کتنی بےفکری سے جاب پر بھی چلی جاتی ہے۔ خدا آپ جیسی ساس ہر بچی کو دے۔''

بشر علی تعریف کئے بنا رہ نہ سکے۔ مسز سارہ کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ اُبھری جیسے اندر کہیں دُکھوں کے سوز چھڑ گئے تھے، پھر وہ بولیں۔

''یہ آپ کی عزت افزائی ہے، میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ لوگ اپنا اپنا کام ایمانداری سے کریں، اپنی ذمہ داری کو پہچانے تو مسئلے نہیں آتے۔ مسئلہ جبھی ہوتا ہے، جب ہم ضرورت سے زیادہ توقعات باندھتے ہیں اور ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے چور دروازے تلاش کرتے ہیں۔''

مسز سارہ نے بڑے پُروقار انداز میں جواب دیا تھا۔ بشر علی کے دل میں ان کی قدر، منزلت مزید بڑھ گئی تھی۔ دل ہی دل میں وہ مریم کی قسمت پر رشک بھی کر رہے تھے اور اللہ کا شکر بھی ادا کر رہے تھے۔

''جی......! میں اسی بات پر بہت خوش ہوں کہ مریم کو بہت اچھا گھر ملا ہے۔ آپ نے بچوں کی بہت اچھی تربیت کی ہے۔ بیٹی اپنے گھر میں سکھی ہو تو ماں باپ کے لئے سب سے بڑا سکون یہی ہوتا ہے۔''

مسز سارہ نے دھیرے سے پلکیں اُٹھا کر بشر علی کی طرف دیکھا۔ پتا نہیں کیوں ان کا دل بیٹھ گیا......؟

''یہ نفیس سا انسان جو بزرگی کی انتہاء کو پہنچ چکا ہے، اس کے لئے تو اس وقت صرف اور صرف خوش خبریاں درکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ پردے پڑے رہنے دے، بھرم بنائے رکھے، اللہ کرے بشر علی کو میری طرف سے کبھی کوئی بری خبر نہ ملے۔''

وہ دل ہی دل میں دُعا کرنے لگیں۔ بشر علی فضیل کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے چٹکیاں بجانے لگے تھے۔

''بھئی......! ابھی اس بچے کی شکل دیکھ کر ٹھیک اندازہ نہیں ہو پاتا کہ یہ باپ پر زیادہ جائے گا یا ماں پر......؟''

مسز سارہ نے فضیل کا گال بڑے پیار سے چھوا۔

''کیوں......؟ دادی کی شکل کیا بہت بری ہے......؟ دادی پر بھی تو جا سکتا ہے۔''

بشر علی بڑی خوش دلی سے ہنس پڑے اور کہنے لگے۔

''ارے بھئی......! میں تو کہتا ہوں، پورا کا پورا دادی پر چلا جائے، صورت میں بھی اور سیرت میں بھی۔ ماشاءاللہ، اللہ آپ کے گھر کو ہمیشہ یوں ہی ہنستا مسکراتا رکھے۔ آپ اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھیں۔''

''آمین......!''

مسز سارہ نے بڑی دلسوزی سے کہا تھا۔

☆......☆......☆

انعم مین گیٹ کے قریب بڑی بے قراری سے ٹہلتے ہوئے بیہ کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ آج بیہ گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اُسے دیکھے۔ اس نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر دوڑائی اور سوچنے لگی۔

''ایک تو بج گیا ہے۔ بیہ کی وین ابھی تک نہیں آئی۔ شاید کبھی کبھی لیٹ ہو جاتی ہو......؟''

اسی وقت گیٹ پر بڑے زوردار ہارن کی آواز سنائی دی۔ انعم نے چوکیدار سے پہلے گیٹ وا کیا۔ بیہ وین سے اُتر کر اپنی دُھن میں بھاگتی ہوئی اندر کی طرف آ رہی تھی لیکن راستے ہی میں اسے انعم دکھائی دی۔ بیہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ آنکھوں میں بے انتہاء بے یقینی کی کیفیت تھی۔ چند لمحے وہ انعم کی طرف دیکھتی رہی، انعم بھی اس کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ بیہ کا تو جیسے سانس ہی اٹک کر رہ گیا تھا۔ خوشی کے ساتھ ساتھ حیرت اپنے انتہاء پر تھی۔ بڑی مشکل سے اس کے منہ سے نکلا تھا۔

''ماما......! ماما......!''

اب انعم نے اس کا بیگ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مہرو نے بھی اندر اس کی وین کے ہارن کی آواز سن لی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی آ رہی تھی۔ انعم نے بیہ کو تھوڑا اندر آنے دیا۔ پھر فرش پر ہی بیٹھ گئی اور بڑی بے قراری اور بے تابی سے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

''میرا بیٹا......! ماما کی پیاری سی بیہ......!''

بیہ ابھی تک حیرت کی انتہاء پر تھی۔ وہ جلدی سے انعم سے الگ ہو کر اس کا چہرہ غور سے دیکھ رہی تھی۔

''ماما......! آپ کب آئیں......؟ مجھے تو پتا ہی نہیں چلا۔''

''بس بیٹا......! جب میں آئی تو آپ سو رہی تھیں، اور جب میں سو رہی تھی تو آپ اسکول چلی گئیں تھیں۔''

بیہ نے بڑے معصومانہ انداز میں حیرت سے سوال کیا۔

''لیکن مجھے تو کسی نے نہیں بتایا کہ آپ آئی ہوئی ہیں۔ کیا آپ پاپا سے لڑائی کرنے آئی ہیں......؟''

مہرو جو خاموشی سے دُور کھڑی دونوں ماں بیٹی کی بات چیت سن رہی تھی، ایک دم پریشان ہو کر پاس چلی آئی۔

''اچھا اندر تو چلو، کیا ساری باتیں یہیں کرلو گی......؟ آرام سے بیٹھ کر اندر باتیں کرو، آؤ شاباش......!''

مہرو نے قریب آ کر بیہ کا بیگ اُٹھا لیا۔ انعم گھٹنوں پر دونوں ہاتھوں کا زور ڈال کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور بیہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بیہ کے سوال نے اسے گم صم سا کر دیا تھا۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتی تھی، بھول گئی۔ بڑی مشکل سے اس نے خود کو سنبھالا تھا۔

''نہیں بیٹا......! میں کسی سے لڑنے نہیں آئی۔''
اسی وقت جب وہ لاؤنج کے قریب پہنچ چکی تھی، اُجالا آتی دکھائی دی۔ بیہ نے اُجالا کو دیکھا تو خوشی سے ایک زوردار چیخ مار کر بھاگتی ہوئی اُجالا سے لپٹ گئی۔

''السلام وعلیکم دُلہن ماما......!''

اُجالا نے جھک کر بیہ کا گال چوما۔

''وعلیکم السلام جانو......!''

انعم سکتے کی کیفیت میں دونوں کی طرف دیکھنے لگی۔ بالکل اسی جواری کی طرح جو اپنی آخری بازی بھی ہار چکا ہو اور نئی بازی کھیلنے کے لئے اس کے پاس کچھ بھی نہ بچا ہو۔ اس کی اپنی بیٹی اس سے فاصلے پر کھڑی دوسری عورت کے ساتھ اس محبت کا اظہار کر رہی تھی، جو بچہ صرف اپنی ماں سے ہی کرتا ہے۔ بیہ ایک دم کسی خیال کے تحت پلٹی۔ ابھی تک اس نے اُجالا کو تھاما ہوا تھا۔

''ماما......! آپ ایک بات تو بتایئے۔''

انعم نے زبردستی مسکرا کر کہا۔

''پوچھو بیٹا......! کیا پوچھنا چاہتی ہو......؟''

''ماما......! آپ ہمارے گھر کیوں آئی ہیں......؟''

ایک دھماکہ تھا۔ ایسا لگا، پوری کائنات خط و خاشاک کی طرح اس دھماکے کی زد میں اُڑ رہی ہو۔ اُجالا نے فوراً صورتِ حال سنبھال لی تھی۔ وہ اور مہرو، انعم کی کیفیت کو سمجھ سکتی تھیں۔ اُجالا نے کہا۔

''بری بات بیہ بیٹا......! یہ ماما کا بھی گھر ہے۔''

''لیکن ماما اس گھر میں تو نہیں رہتی، وہ تو مجھ سے ملنے آئی ہیں، پھر چلی جائیں گی۔ ہے ناں ماما......؟''

وہ ماں سے تردید چاہنے لگی۔

''بیہ بیٹا......! ماما سے ایسی باتیں نہیں کرتے۔ ماما کا جب تک دل چاہے گا، وہ رہیں گی۔''

مہرو نے فوراً شرمندہ سی ہو کر بیہ کو ٹوکا۔

''وہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ تھوڑے دن کے بعد تو ماما چلی جائیں گی۔''

انعم نے اُجالا کی طرف دیکھا۔ اس کی انا پر بڑی کاری ضرب لگی تھی۔ اس کی بیٹی اُجالا کے سامنے اس کے جانے کی بات کر رہی ہے اور اسے کچھ محسوس بھی نہیں ہو رہا۔ بالکل عام سے انداز میں بات کر رہی ہے۔

''بیٹا......! آپ چینج کرو، پھر لنچ کرنا، پھر اس کے بعد ماما کے ساتھ بہت ساری باتیں کرنا۔''

بیہ نے بالکل تابعدار بچی کی طرح ہاں میں سر ہلایا اور اُجالا کی طرف دیکھ کر بولی۔

''یہ والی ماما بھی ہمارے ساتھ لنچ کریں گی ناں دُلہن ماما......!''

انعم کو پھر کہیں سے آ کر ایک پتھر سا لگا تھا۔

"یہ والی ماما......؟"

اس کی کانوں کی لَویں جلنے لگی تھیں۔

"یہ والی ماما......؟ ماں تو وہ ہے بیہ کی، یہ والی......؟ اور وہ والی ......؟ یہ زندگی کس موڑ پر لے آئی ہے......؟"

وہ سکتے کی کیفیت میں کھڑی سوچ رہی تھی۔ اُجالا نے بہتر یہی سمجھا کہ بیہ کو فی الحال انعم کے سامنے سے لے جائے تاکہ وہ مزید سوال نہ کر ڈالے۔ اس نے انعم کی طرف دیکھا اور بڑی پُر اخلاق مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی۔

"میں اِسے چینج کرا کر لاتی ہوں، پھر ہم ساتھ بیٹھ کر لنچ کرتے ہیں۔"

انعم، اُجالا کی طرف دیکھ رہی تھی اور مہرو، انعم کی طرف۔

☆......☆......☆

مریم کو ایک کھوج سی لگی ہوئی تھی کیونکہ اظفر کمال کی کل کی چیخ و پکار نے اس کے اعصاب ہلا کر رکھ دیئے تھے اور آج وہ غیر متوقع طور پر غیر حاضر بھی تھے۔ عاقب نے بتایا تھا کہ سر نے صبح میل کر دی تھی کہ وہ آج نہیں آئیں گے کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بہر حال اس کے اپنے طور پر معلوم کرنے کے لئے ان کا سیل نمبر ملا ہی دیا۔ چند لمحے رِنگ پاس ہوتی رہی۔ مریم کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ کال ریسیو نہیں کریں گے۔ لیکن دوسری طرف سے کال ریسیو ہوگئی۔ اظفر کمال کی نیند میں دُکھ بھری آواز سماعت سے ٹکرائی۔

"ہیلو......! جی کہئے مس مریم......! خیریت ہے......؟"

"جی ہاں سر......! یہاں سب خیریت ہے، سب کام ٹھیک جا رہا ہے۔ میں نے تو آپ کی طبیعت کا پوچھنے کے لئے فون کیا ہے۔ کیسے ہیں آپ......؟"

اظفر کمال کی اسی طرح نیند میں بھری آواز سماعت سے ٹکرائی۔

"میں ٹھیک نہیں ہوں، میری روح بیمار ہوگئی ہے اور روح کی بیماری کا علاج آسانی سے نہیں ہوتا۔ میں نے بڑی صاف ستھری زندگی گزاری ہے۔ ایک عورت کے ساتھ عہد وفاداری نبھاتے نبھاتے اس موڑ پر آ کھڑا ہوا ہوں کہ اب وفاداری کے نام سے بھی نفرت ہونے لگی ہے۔ میں تنگ آ گیا ہوں، اب آپ مجھ سے میری خیریت کبھی مت پوچھیے گا۔ آپ جب پوچھیں گی، آپ کو یہی جواب ملے گا اور اب خواب دیکھنے کی عمر نہیں رہی۔ چند لمحے کا بہلاوا ملا تھا، مگر میرے ایسے نصیب نہیں کہ مجھے زیادہ دیر بہلایا جاتا۔ خدا حافظ......!"

یہ کہہ کر اظفر کمال نے اپنی طرف سے ہی فون بند کر دیا۔ مریم کو عجیب سے احساسِ جرم نے آ لیا کہ جیسے اس نے ان کی خیریت پتا کرنے کے لئے جو قدم اُٹھا لیا تھا، وہ غلط تھا۔ اسے تو ویسے بھی محتاط رہنا چاہئے۔ جبکہ وہ اظفر کمال کی نظروں کو پہنچانتی ہے، ان کی خاموش گفتگو کو سن سکتی ہے، محسوس کر سکتی ہے، تو اس نے یہ کیا کیا......؟ اسے

ضرورت ہی کیا تھی......؟ وہ اپنے آپ کولعنت ملامت کرنے لگی۔

☆......☆......☆

اُجالا، انعم اور بیہ ڈائننگ میں لنچ کر رہی تھیں۔ اُجالا نے جان بوجھ کر بیہ کوانعم کے برابر والی چیئر پر بٹھایا تھا۔ وہ اتنی حساس تھی کہ اسے لفظوں کے سہارے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ایک عورت ہونے کے ناطے انعم کی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہی تھی۔ اس کے اپنے اندر ایک زبردست سی جنگ چھڑی ہوئی تھی اور اتنی ہمت، طاقت اس میں نہیں تھی کہ چارطرف کی جنگ میں مبتلا ہو جائے۔ اس نے اپنی ضمیر کی آواز کے مطابق ماں بیٹی کو اپنی موجودگی میں فاصلے پر نہیں بیٹھنے دیا۔ وہ تو ناصر کی بیوی بن جانے کے بعد رب العالمین کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی تھی جس نے اسے ایک عزت دار مرد کا منظورِنظر بنا دیا تھا۔ ایک شخص نے بڑے خلوص سے اسے اپنے دل میں جگہ دی تھی۔ وہ تو قدرت کی اتنی مہربانی کو بھی بہت سمجھتی تھی، اور اس کا رُواں رُواں شکرگزار تھا بلکہ تھوڑی دیر پہلے تو وہ یہاں تک سوچ رہی تھی کہ انعم کے دُکھ اس کے سکھ کے بنیاد بن گئے۔ نہ انعم اس طرح کرتی نہ وہ ناصر کی نظروں میں آتی اور نہ ہی اتنی پیاری سی بچی اس سے اتنی محبت کرتی۔ بیہ اور انعم ایک دوسرے سے باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔ مہرو گرم گرم چپاتیاں لے کر آئی تو اُجالا نے اسے دیکھا اور سلمٰی بیگم کی بابت پوچھنے لگی۔

''مہرو......! آپ دیکھے ناں آنٹی ابھی تک نہیں آئیں۔ نماز تو پڑھ لی ہوگی۔''

مہرو سر جھکا کر بولی۔

''میں بیگم صاحبہ کو بلا کر لاتی ہوں۔''

بیہ، انعم سے پوچھ رہی تھی۔

''آپ کو کیا ہو گیا تھا ماما......؟ کیا آپ کو تیز ٹمپریچر ہو گیا تھا......؟''

انعم زبردستی مسکرائی اور اسی طرح سے اُجالا سے نظریں چراتے ہوئے بیہ سے کہنے لگی۔

''ہاں بیٹا......! ماما کے دماغ میں بخار چڑھ گیا تھا اور یہ بہت سیریس بیماری ہوتی ہے۔''

اُجالا نے اس جملے کو سن کر بارہا انعم کی طرف دیکھنے سے گریز کیا اور سالن کی ڈش اُٹھا کر انعم کے بالکل سامنے رکھ دی۔ بیہ ماں کی بات سن کر پریشان ہو گئی تھی۔

''ماما......! کیا پھر آپ کے دماغ کا آپریشن ہوا تھا......؟''

انعم اسی طرح اُجالا سے نظریں چراتے ہوئے مسکرانے لگی۔

''بیٹا......! پہلے آپ لنچ کرو، اس کے بعد ہم بہت ساری باتیں کریں گے۔''

اسی وقت سلمٰی بیگم بھی ڈائننگ روم میں آ گئی تھیں۔ اُجالا ان کے انتظار میں ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی پلیٹ ابھی تک خالی تھی۔ اس نے آدابِ میزبانی نبھائی اور کھڑی ہو کر سلمٰی بیگم کو سیٹ پیش کی۔ سلمٰی بیگم نے ایک نظر انعم اور بیہ کی طرف اور دوسری نظر اُجالا کی طرف دوڑائی پھر نظریں جھکا کر بیٹھ گئیں۔

’’کیا باتیں ہو رہی ہیں بیہ......! ماما سے......؟‘‘

وہ نواسی سے پوچھنے لگیں۔

’’نانو......! ماما کی اتنی زیادہ طبیعت خراب تھی اور آپ نے مجھے فون پر بتایا ہی نہیں۔‘‘

سلمٰی بیگم نے چونک کر انعم کی طرف دیکھا۔ پھر جیسے خود ہی بہت کچھ سمجھ گئیں۔

’’بھئی......! بچوں کو ایسی باتیں نہیں بتاتے، وہ رونے لگتے ہیں، پریشان ہو جاتے ہیں۔ ہم نے سوچا تھا کہ جب آپ کی ماما ٹھیک ہو جائیں گی تو بس ایک دم سے بیہ کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیں گے۔‘‘

بیہ، نانی کی بات سن کر بہت خوش ہوگئی۔ بچی ہی تو تھی، اس کو بہلانا کیا مشکل تھا......؟ البتہ سلمٰی بیگم نے چوری چوری اُجالا کی طرف دیکھا تھا۔ انعم اپنی پلیٹ میں سالن ڈال رہی تھی۔ پتا نہیں کیوں اُجالا کے سامنے اس کا پیدائشی ازلی اعتماد ساتھ چھوڑے دے رہا تھا......؟ اور وہ سوچ رہی تھی۔

’’ناصر نے اپنی زندگی کی ساری کہانی سنا کر ہی اس لڑکی کو اپنا شریک حیات بنایا ہوگا، اور ناصر نے اپنی پہلی بیوی کی ساری کارگزاریاں ضرور اس کے گوش گزار کی ہوں گی۔ اس کی نظر میں میری کیا حیثیت ہوگی......؟ شاید ایکٹنگ کر رہی ہے۔ ناصر سے تو تنہائی میں یہیں کہے گی ناں کہ اس کو نکالو یا مجھے چھوڑ دو۔‘‘

’’انعم......! پلیز، آپ یہ فرائی چکن بھی تو دیکھیں ناں، بہت اچھا کھانا بناتا ہے ہمارا کُک Cook‘‘

انعم نے خالی خالی نظروں سے اُجالا کی طرف دیکھا۔ یہ جملہ بڑی بے ساختگی میں اُجالا کے منہ سے نکل گیا تھا۔

’’ہمارا کُک......؟‘‘

اس نے بمشکل اپنے سینے میں رُکی ہوئی سانس آزاد کی۔ سلمٰی بیگم نے بھی انعم کی طرف لاشعوری طور پر دیکھا تھا۔ بیٹی کی راجدھانی آنکھوں کے سامنے لُٹ گئی تھی۔ شاید انعم سے زیادہ دُکھ تو اس کی ماں کو تھا۔ ان کی آنکھوں کے کنارے پر جلن سی ہونے لگی، آنسوؤں کو باہر آنے سے زبردستی روکا تھا، اور وہ کناروں پر رُک کر احتجاج کر رہے تھے۔

☆......☆......☆

مریم سے اس کے بعد کام نہیں ہو سکا تھا۔ اظفر کمال کی بے مروّت، اجنبی سی پتھر پھوڑتی ہوئی آواز واقعی اس کے اعصاب پر ابھی تک پتھر مار رہی تھی۔ وہ اپنا سر پکڑے بیٹھی تھی۔ سیل فون پر رِنگ ہوئی، اس نے چونک کر اپنے سیل فون پر نمبر دیکھا اور ایک گہری سانس لی۔

’’اوہ عدیل......؟ یہ انہوں نے مجھے اس وقت کیوں فون کیا......؟ کیا مسئلہ ہے......؟‘‘

اس کا موڈ ایک دم بدل گیا۔ اب دُکھ کی جگہ پھر غصے کی کیفیت نے لے لی تھی۔ اس نے اس احساس کے بعد کہ اس کا پیارا نانا گھر میں موجود ہے اور وہ اس بات کو کچھ دنوں تک اپنی طرف سے مزید ہوا نہیں دینا چاہتی، عدیل

کی کال ریسیو کر لی۔

’’ہیلو......!‘‘

اس نے بڑے سپاٹ لہجے میں ’’ہیلو‘‘ کہا تھا۔

’’ہاں مریم......! میں سوچ رہا تھا کہ بری سی بات ہے، نانا جان کے ساتھ ناشتہ بھی نہیں ہوا اور رات میں بھی ان سے نہیں مل سکا تھا۔ ایسا کرتے ہیں کہ ہم لنچ کے لئے گھر چلتے ہیں۔‘‘

عدیل کے اتنے مہربان انداز پر مریم کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔

’’اُف میرے خدایا......! یہ شخص ایک وقت میں دو عورتوں کو نہیں، دو سو عورتوں کو بھی بے وقوف بنا سکتا ہے۔‘‘

وہ اندر ہی اندر کھولتی ہوئی سوچ رہی تھی۔

’’میں بہت مصروف ہوں۔ آج ہمارے باس بھی آفس میں نہیں ہیں۔ مجھ پر خاصا برڈن ہے۔ اگر آپ نے اتنا اچھا سوچ ہی لیا ہے تو جائیں، نانا جان کے ساتھ لنچ کر لیں۔ میں آپ کا یہ احسان یاد رکھوں گی۔‘‘

’’یار مریم......! کسی وقت تو سیدھے منہ بات کر لیا کرو۔ کیا ہو گیا ہے......؟ تم مجھے بتاؤ، میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ تم کتنا زیادہ سوچ رہی ہو، جتنا زیادہ کچھ تھا نہیں۔‘‘

عدیل پھر دوبارہ سے یقین دہانیاں کرانے لگا۔ کیونکہ آج بڑا اچھا دن تھا۔ دن کے ٹائم میں مریم سے بات کرنے کا موقع مل گیا، اور ماحول بھی بہت اچھا لگ رہا تھا۔ سوچا تھا، نانا کی وجہ سے وہ ٹھیک سے بات کرے گی تو وہ آہستہ آہستہ اسے لائن پر لانے کی کوشش کرے گا۔ مریم نے عدیل کی بات کے جواب میں اب ایک لفظ بھی نہیں کہا، فون بند کر دیا بلکہ پاوَرڈ آف ہی کر دیا اور PTCL والا فون Hold up کر دیا۔ پھر اپنی اُنگلیوں سے اپنی پیشانی ملنے لگی جیسے سر میں اُٹھنے والی درد کی لہروں کو دبانے لگی۔

☆......☆......☆

شام ڈھل رہی تھی۔ سلمٰی بیگم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد انعم کو مخاطب کیا۔ گیسٹ روم کا دروازہ اگرچہ بند تھا اور سلمٰی بیگم اتنی آہستہ آواز میں بات کر رہی تھیں کہ کوئی دروازے سے کان بھی لگا کر سننا چاہے تو سن نہ پائے۔

’’بیٹا......! میں نے اُجالا سے پتا کیا تھا کہ ناصر کس وقت گھر آتا ہے۔ ابھی تک ناصر کو تمہارے یہاں آنے کا نہیں پتا۔‘‘

انعم نے جیسے چڑ کر ماں کی طرف دیکھا۔

’’امی......! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ......؟ اُجالا اتنی دیر تک یہ بات ناصر سے چھپا سکتی ہے بھلا......؟ ناصر کو پتا چل گیا ہوگا۔‘‘

سلمٰی بیگم نے جیسے بہت عاجز آ کر انعم کی طرف دیکھا۔

''بیٹا......! بات صرف اتنی ہے، میں نے اُجالا سے پتا کیا ہے۔ وہ کہنے لگی، آنٹی میری تو ہمت ہی نہیں ہوئی۔''

انعم یہ سن کر طنزیہ انداز میں مسکرائی اور بولی۔

''اچھا......! یعنی میرے آنے کا بتانا ہمت کی بات ہے......؟''

سلمٰی بیگم نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

''بس کرو انعم......! اب تم وہ پہلے والی انعم نہیں ہو، جو کچھ بھی بولنا چاہتی ہو، بولنے سے پہلے سوچ لیا کرو۔''

انعم، ماں کی برہمی دیکھ کر خاموش ہوگئی کیونکہ یہ اب مصلحت کا تقاضہ تھا۔

''میں تم سے یہ کہہ رہی ہوں کہ ناصر اس وقت گھر آجاتا ہے۔ تم باہر جا کر لاؤنج میں بیٹھ جاؤ، اور جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہو، تم خود کھڑی ہو کر اسے سلام کرنا۔''

انعم نے چونک کر ماں کی شکل دیکھی اور بہت اُلجھے اُلجھے لہجے میں بولی۔

''ناصر کو سلام کروں......؟''

سلمٰی بیگم اس کی بات سن کر جیسے ہتھے سے اُکھڑ گئیں۔ دانت پیس کر بڑے دھیمے انداز میں بولیں۔

''سو مرتبہ سلام کرنا پڑے تو سو مرتبہ کرنا۔ ابھی تم نے اس کے پیروں میں پڑنا ہے۔ انعم......! ہوش میں آجاؤ۔ دیکھو، تمہارے ماں باپ اس وقت کتنے بڑے عذاب سے گزر رہے ہیں اور تمہاری بہتری کے لئے مزید دبے ہوئے ہیں۔''

انعم نے ایک گہری سانس لی اور جیسے خاموشی کی زبان میں کہا۔

''ٹھیک ہے......!''

''جاؤ پھر جا کر کوئی اچھا سا ڈریس پہنو، فریش ہو جاؤ۔''

انعم نے ماں کی طرف دیکھا، پھر چند لمحے کچھ سوچا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''اوکے......!''

سلمٰی بیگم نے بہت دُکھ بھری نظریں اس پر ڈالیں، وہ نظریں بظاہر انعم پر تھیں، دل تو بیہ پر لگا ہوا تھا کہ یااللہ ہمارے گناہوں کو، ہماری غلطیوں کو معاف کر دینا۔ جو راستے بند ہوگئے ہیں، انہیں کھول دینا۔

انعم اپنا سوٹ کیس کھول کر ماں کی ہدایت کے مطابق کوئی اچھا سا ڈریس منتخب کرنے میں مصروف ہوگئی تھی۔ سلمٰی بیگم سر سے پاؤں تک دُعا بنی خاموش بیٹھی تھیں۔

☆......☆......☆

اُجالا اپنے روزانہ کے معمول کے مطابق ناصر کے آنے سے پہلے تیار ہو رہی تھی۔ آج تیار ہوتے ہوئے اس کے چہرے پر وہ شگفتگی اور انتظار کی کیفیت نہیں تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اپنی ذات کا حصہ بنتی جا رہی تھی۔ اسے شام کو

تیار ہو کر ناصر کا انتظار کرنا، پھر اسے سامنے پا کر خوشی سے کِھل اُٹھنا بہت اچھا لگتا تھا۔لیکن آج یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے کوئی بہت چھوٹے سے دورانیے کا خواب دیکھا تھا۔ اس نے انعم کو کوئی ایسی بات کرتے نہیں پایا تھا جس سے یہ اندازہ ہو رہا ہو کہ وہ پچھتا رہی ہو یا نئے سرے سے ناصر کی توجہ چاہ رہی ہو۔لیکن پھر بھی شراکت کا احساس اسے اُلٹی چھری سے ذبح تو کر رہا تھا۔ اس نے تیار ہو کر اپنے سراپے پر نظر دوڑائی اور ناصر کا پسندیدہ پرفیوم اُٹھا کر ہلکا سا اِسپرے کیا۔ اس عمل کے دوران بھی اندر کچھ اُداسی رہی۔ خوشی تھی کہ جیسے کسی کونے میں منہ چھپا کر بیٹھ گئی تھی۔ رات سے اب تک وہ خود کو سمجھا سمجھا کر تھک سی گئی تھی، لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ دل کو سمجھانا آسان نہیں ہوتا، دوست کو سمجھایا جا سکتا ہے، دل کو نہیں۔ کیونکہ دل تو دوست نہیں ہوتا، دل کو تو دُشمن ہی کہتے ہیں۔ اس نے بڑی بے معنی سی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجائی اور پرفیوم کی شیشی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی۔ بیڈ پر رکھا ہوا دوپٹہ اُٹھا کر کندھے پر ڈالا اور گم صم کیفیت میں کمرے سے باہر نکلنے لگی۔ اسی وقت جبکہ اس نے دروازہ تھوڑا سا ہی کھولا تھا، ناصر کی کار کا ہارن سنا۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ آج پتا نہیں کیوں اسے ناصر کے سامنے جاتے ہوئے عجیب سا محسوس ہو رہا تھا......؟ وہ کیا محسوس کر رہی تھی......؟ ان احساسات کو وہ الفاظ دینے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی۔ مگر کچھ تھا جس کی وجہ سے اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ وہ آہستگی سے دروازہ بند کرتی ہوئی کوریڈور میں آ گئی اور اس طرح آہستہ آہستہ قدم رکھتی ہوئی لاؤنج کے دروازے تک پہنچ گئی۔

''مگر یہ کیا......؟''

سامنے انعم بہت خوب صورت وائٹ، سلور گرے کے امتزاج کا سوٹ پہنے ہوئی صوفے پر بیٹھے ہوئی ایک فیشن میگزین دیکھ رہی تھی۔ اُجالا کے قدم اپنی جگہ پر جم کر رہ گئے تھے۔ ناصر نے اپنے بیڈ روم آنے سے پہلے لاؤنج کا راستہ طے کرنا تھا اور لاؤنج میں انعم آ کر بیٹھ چکی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ناصر، انعم سے گزرے بغیر مزید آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ دل میں ایک چبھن سی ہوئی۔ چور دروازے سے کسی شک نے سر اُٹھایا۔ اس کے اندر ایک خواہش پیدا ہوئی کہ وہ دیکھے تو سہی جب انعم اور ناصر کا آمنا سامنا ہوتا ہے تو ناصر کیا ردِعمل ظاہر کرتا ہے۔ یہ وہ عورت ہے جس کے ساتھ ناصر نے پانچ سال گزارے، جو اس کی بہت پیاری اور لاڈلی بیٹی کی ماں ہے۔ اُجالا آگے بڑھنے کی بجائے ایک سائیڈ پر ہو گئی اور اس انداز میں کھڑی ہوئی تاکہ آنے والے کی نظر اس پر ایک دم سے نہ پڑ سکے، لیکن وہ لاؤنج کا منظر دیکھ سکے۔ وہ ناصر کے قدموں کی آہٹوں کا انتظار کر رہی تھی اور پھر ناصر اپنا بریف کیس اُٹھائے، ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتا ہوا اپنی دُھن میں سر جھکائے لاؤنج میں داخل ہوا۔

انعم جیسے ناصر کی آمد کو محسوس کر چکی تھی۔ اس نے بھی کار کا ہارن سن کر اندازہ کر لیا تھا کہ ناصر گھر میں داخل ہو چکا ہے۔ ناصر کو دیکھتے ہی انعم نے فیشن میگزین ٹیبل پر رکھ دیا اور اسی وقت ناصر کی نظر انعم پر پڑی تھی۔ وہ تو اپنی جگہ پر جیسے پتھر کی طرح جم سا گیا تھا۔ آنکھوں میں بے یقینی کی سی کیفیت تھی۔ ردِعمل صرف اتنا تھا کہ جیسے وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ خالی خالی آنکھوں سے وہ انعم کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ کونے میں چھپی ہوئی اُجالا دل پر ہاتھ رکھے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ انعم نے ناصر کی یہ کیفیت دیکھی تو بہت آہستگی سے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑی ہوئی۔ وہ اس وقت

عورت بن کر تمام ہتھیار سے آراستہ تھی۔ بڑے ادائے دلبرانہ سے انداز میں اس نے ناصر کو سلام کیا۔

''السلام وعلیکم ناصر......!''

انعم کی آواز ماحول میں گونجی تو ناصر جیسے اپنی ہوش وحواس کی دُنیا میں واپس آ گیا۔ اُجالا کو ناصر کے تاثرات ٹھیک سے دکھائی نہیں دے رہے تھے، مگر اس نے سنا۔ ناصر نے ''وعلیکم السلام'' کہا تھا۔ اُجالا کا دل جیسے کسی پرندے کی طرح اس کے سینے میں پھڑ پھڑانے لگا۔ ایک چاہنے والی عورت کے لئے یہ منظر دیکھنا کسی قیامت کا سامنا کرنے کے برابر تھا۔ ناصر سلام کا جواب دینے کے بعد اسی طرح سر جھکا کر لاؤنج سے نکلنے لگا تھا کہ انعم نے پیچھے سے آواز دی۔

''ایک منٹ ناصر......! میری بات سنو۔''

ناصر جس جگہ تھا، وہیں سے مُڑ کر انعم کی طرف دیکھا۔ انعم آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب آ گئی۔

اُجالا کے دل و دماغ کی دُنیا زیر وزبر ہونے لگی کیونکہ انعم بہت لگاوٹ اور اپنائیت سے ناصر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اُجالا نے دیکھ کے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں، مگر اس نے سنا۔ انعم ناصر سے کہہ رہی تھی۔

''ناصر......! آپ نے تو میری خیر خیریت بھی نہیں پوچھی، اور میں اتنی دُور سے چل کر آپ کے پاس آئی ہوں۔ مجھے پتا ہے، میری طرف سے زیادتی کی انتہاء ہو گئی تھی۔ مگر میں باقی کی زندگی آپ کے قدموں میں گزارنے کے لئے آئی ہوں۔ اس چھت کے سوا میرا کوئی سائبان نہیں ہے۔ اس گھر کے سوا میری کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ آپ کو اختیار ہے، آپ میرا ہاتھ پکڑ کر اس وقت گھر سے نکال سکتے ہیں اور میں کچھ بھی نہیں کر سکوں گی۔''

ناصر اتنی دیر میں جیسے خود کو کافی سنبھال چکا تھا۔ اس نے بہت آہستہ آواز میں انعم سے کہا۔

''تم اپنی مرضی سے اس گھر میں آئی ہو انعم......! میں نے تمہیں نہیں بلایا تھا۔ لیکن تم خود سے جا بھی سکتی ہو، مجھے دھکے دے کر نکالنے کی ضرورت نہیں......''

''لیکن ناصر......! میں جانے کے لئے نہیں آئی ہوں اور اگر آپ چاہیں گے کہ میں یہاں سے چلی جاؤں تو واقعی آپ کو مجھے دھکے دے کر ہی نکالنا ہوگا۔ میں صرف اور صرف اپنی بیٹی کی ماں بن کر رہنے کے لئے آئی ہوں۔ آپ نے دوسری شادی کر لی ہے تو یہ خوشی آپ کو مبارک ہو۔ لیکن مجھ سے میری بیٹی کو دُور نہ کریں۔ میں اس سے زیادہ آپ سے کچھ نہیں چاہوں گی۔''

انعم نے ناصر کی بات کاٹ کر جلدی سے کہا تھا۔ ناصر اب انعم کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں اب فرش پر مرکوز تھیں۔

''جب تمہیں پتا چل گیا تھا کہ میں دوسری شادی کر چکا ہوں تو تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا اور پھر میں فیاض انکل سے صاف صاف کہہ چکا ہوں کہ اب میرے اور تمہارے درمیان اتنا بڑا سمندر آ چکا ہے جسے نہ تم عبور کر سکتی ہو اور نہ میں۔''

ناصر نے قطعی اور فیصلہ کن انداز میں بات کی تو اُجالا کے رَگ و پے میں جیسے وہی خوشی دوڑنے لگی، وہ خوشی

جو اسے ناصر نے محبت کا یقین دلا کے دی تھی۔

''اگر ایسا کچھ تھا تو آپ نے مجھے طلاق کے پیپرز کیوں نہیں بھجوائے......؟ میں تو یہی سمجھتی رہی کہ شاید بیہ کی وجہ سے آپ نے کوئی گنجائش رکھی ہے۔''

انعم نے بڑی ذہانت سے بروقت ایک بہت بڑی دلیل پیش کی تھی اور ناصر کو چونکا دیا تھا۔ ناصر نے ہڑبڑا کر انعم کی طرف دیکھا تھا۔ اسے ماضی کی اس بہت بڑی بھول یا غلطی کا بڑی شدت سے احساس ہوا۔

''ہاں......! یہ میں نے بہت بڑی غلطی کی تھی۔''

کتنا آسان مرحلہ تھا اور کتنا آسان تھا اس وقت اس کو طلاق کے پیپر بھجوانا۔ محض اس کو سزا دینے کے خیال سے اس نے کتنی بڑی حماقت کی ہے۔ اگر وہ طلاق کے پیپرز بھجوا چکا ہوتا تو آج انعم کے اس گھر میں کھڑے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ناصر نے چند لمحے سوچنے کے بعد صرف ایک لمحے کے لئے، ایک پل کے لئے انعم کی طرف دیکھا اور پھر کہا تھا۔

''ہاں......! غلطی ہوئی مجھ سے، میں کل ہی پیپرز تیار کرا لوں گا۔''

اتنا کہہ کر ناصر رُکا نہیں بلکہ تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگا۔ اُجالا ایک ہی جست میں بیہ کے کمرے میں گھس گئی جو صرف دو قدم کے فاصلے پر تھا۔ اس نے سکون کی گہری سانس لی۔ ناصر نے اپنا خلوص، اپنی سچائی بالآخر ایک مرتبہ پھر ثابت کی۔ اس کے دل میں ناصر کی محبت کا سمندر پھر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ اس نے اپنی خوش قسمتی پر ناز کیا جیسے اسے دُنیا کی سب سے بڑی نعمت میسر ہو۔ یعنی سچا ساتھی، پُرخلوص محبت۔ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اسے نہیں معلوم کہ اسے ناصر کے اس جواب پر انعم پر کیا گزری......؟ اور ابھی وہ لاؤنج میں ہی ہے یا وہاں سے چلی گئی ہے......؟

☆......☆......☆

''امی......! میں نے آپ سے کیا کہا تھا......؟''

انعم جیسے بُری طرح بھڑکی ہوئی تھی۔

''میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ آپ اور بابا بہت بڑی خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ لیکن آپ لوگوں نے میری ایک نہیں سنی۔ ناصر نے میری کھڑے کھڑے ایسی بے عزتی کی ہے کہ آپ سوچ نہیں سکتیں۔''

سلمٰی بیگم جو بہت ڈوبے ہوئے دل کے ساتھ انعم کی بات سن رہی تھیں۔ بڑی مشکل سے گویا ہوئی۔

''انعم......! اب لفظ بے عزتی استعمال کرنا بند کر دو۔ بے عزتی ان کی ہوتی ہے جن کی کوئی عزت ہوتی ہے۔ عزت سے محروم لوگ بے عزتی کے خوف سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جاتے ہیں۔''

سلمٰی بیگم کا لہجہ بے انتہاء ٹوٹا ہوا تھا۔ انعم کے تاثرات نے ان کو صاف صاف سمجھا دیا تھا کہ ناصر نے اس کے ساتھ کس انداز میں بات کی ہے اور وہ کیوں ایک دم سے نااُمید نظر آنے لگی اور نااُمید بھی ایسی کہ جیسے اسے اندھا

یقین ہو کہ اس راہ میں کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔

''ٹھیک ہے امی......! جب بے عزتی ہو ہی گئی تھی تو پھر نئے سرے سے ہمیں اس طرح کے ڈرامے کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی......؟ ہمیں صبر کر کے بیٹھ جانا چاہئے ناں......!''

سلمٰی بیگم نے اس طرح اس کی طرف دُکھ بھری نظروں سے دیکھا، جیسے انعم کے اس انداز نے ان کے اندر شکست وریخت کا عمل تیز تر کر دیا ہو اور وہ اپنے وجود کے بکھرتے ہوئے ٹکڑوں کو سمیٹنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

''کیا کہا ہے تم سے ناصر نے......؟''

انہوں بڑے درد سے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں......! وہ تو مجھے دیکھ کر جیسے پریشان ہو گیا۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر آپ نے کوئی راستہ نہیں چھوڑنا تھا تو طلاق کے پیپرز کیوں نہیں بھیجے......؟''

''بے وقوف......! تمہیں یہ بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔ وہ بات جو وہ اپنے ذہن سے نکالے بیٹھا تھا، تم نے اسے یاد دلا دی......؟ کیا ضرورت تھی یہ بات کرنے کی......؟''

سلمٰی بیگم نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

''تو امی......! کیا کرتی میں......؟ وہ کون سا مجھ سے آرام سے بات کر رہا تھا......؟ تو مجھے پھر کہنا ہی پڑا۔''

سلمٰی بیگم نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور ان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''او میرے خدا......!''

''بس امی......! آپ سیٹ کنفرم کرا لیجئے، ہمیں یہاں سے جانا ہی ہوگا، اس سے پہلے کہ ناصر ہمیں دھکے دے کر نکال دے۔''

انعم نے بہت قطعی اور فیصلہ کن انداز میں کہا تھا۔

''میں تمہیں لے جانے کے لئے نہیں آئی انعم......! تمہیں تمہاری بیٹی کے پاس بٹھانے آئی ہوں۔ اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھو اور اس بات کی گارنٹی دیتی ہوں کہ ناصر تمہیں دھکے دے کر یہاں سے نکالے گا۔ یہ کام بہت ذلیل اور کمینے لوگ کرتے ہیں کہ اپنی ہی عزت کو سڑکوں پر تماشہ بناتے ہیں۔ ناصر ایک خاندانی مرد ہے، کچھ بھی ہو جائے، وہ ایسا نہیں کرے گا۔''

سلمٰی بیگم کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

''لیکن امی......! میں کس طرح رہوں گی......؟ مر مر کر جیوں گی اور جی جی کر مروں گی......؟''

انعم نے اس طرح بڑی بے دلی اور بے زاری سے کہا۔

''اُٹھاؤ اپنی اولاد کی خاطر یہ دُکھ کیونکہ اس کی ذمہ دار تم خود ہو۔ مجھے بتاؤ میرے گھر میں بہو ہے، وہ تمہیں کتنے دن قبول کرے گی......؟ کتنے دن برداشت کرے گی......؟ اور ہر کسی سے جھوٹ بول کر دھوکہ دے کر تمہاری دوسری شادی کر بھی دیں، کل کو اگر پول کھلے تو اپنا انجام سوچ لو۔ ہم نے ہر طرح سے غور کیا ہے تو اس کڑوے گھونٹ

کو پینے پر راضی ہوئے ہیں۔انعم......! میں نے تمہیں کہا تھا،تم ناصر سے اُلٹی سیدھی باتیں مت کرنا،اس کے پیروں میں گِر جانا اور اس سے معافی مانگنا۔"

سلمٰی بیگم بہت غصہ اور دُکھ کی کیفیت میں باتیں کر رہی تھیں۔

"امی......! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں......؟ آپ جانتی ہیں کہ میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

سلمٰی بیگم نے غصے کی انتہاء پر بمشکل اپنے آپ کو کنٹرول کیا۔

"تم ایسا نہیں کر سکتی تھی،مگر تمہیں اب ایسا کرنا پڑے گا۔"

"میں ایسا نہیں کر سکوں گی امی......! یہ میری نیچر نہیں ہے۔آپ کہیں تو میں زہر کھا کر مر جاؤں۔"

انعم نے اب بہت بدلی ہوئی tone میں ماں سے کلام کیا اور وہ ہتھیار استعمال کیا جو ہمیشہ ٹھیک نشانے پر لگتا تھا۔سلمٰی بیگم بھر بھری مٹی کی طرح ڈھے کر رہ گئیں۔دل میں سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا اور آنکھوں کے راستے باہر نکلنے کی تگ و دو کرنے لگا۔وہ اپنی جگہ سے اُٹھیں اور انعم کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"انعم......! تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا،اب پھر کہتی ہوں بیٹا......! یہ زندگی تو حرام کر لی ہے تم نے،اب جو مرنے کے بعد کی زندگی ہے اور جس کی حد اور جس کا کنارہ کسی انسان کی سوچ میں نہیں آ سکتا،وہ حرام بنانے کا مت سوچو۔بیٹا......! مہلت ملی ہے تو اللہ سے جی بھر کے توبہ کرو۔اللہ ہمیشہ مہلت دیتا ہے۔تم سوچو تو سہی،ایک بہت بڑی غلطی کرنے کے بعد تمہیں اللہ پھر مہلت دے رہا ہے۔شاید تمہاری توبہ کا کوئی آنسو اسے پسند آ جائے اور ناصر کے دل میں تمہارے لئے اللہ کوئی رحم ڈال دے۔میرا بیٹا......! اس طرح کی بات نہ کیا کرو۔" یہ کہہ کر سلمٰی بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔انعم ماں کو اس طرح تڑپتا ہوا دیکھ کر موم سی ہوگئی۔پھر اولاد تھی اور سامنے ماں۔اس کے دُکھوں پر رو رہی تھی۔ایسی ماں جس نے بہت احتیاط سے زندگی گزاری اور ساری دُنیا نے جس کی عزت کی،اس ماں کی آنکھوں میں اس کی وجہ سے آنسو تھے۔اب اسے کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔وہ خاموش سی یوں ہی بیٹھی رہ گئی تھی۔

"بیٹا......! جس طرح تمہاری ماں اپنی اولاد کا سوچ رہی ہے اور سب کچھ بھول بیٹھی ہے۔تم بھی اسی طرح ماں بن جاؤ۔صرف بیبہ کے لئے سوچو۔اس کے قریب رہنے کا سوچو۔اسے ماں کا پیار دینے کا سوچو۔"

سلمٰی بیگم روتے روتے کہہ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

ناصر سکتے کی کیفیت میں بیڈ کے کنارے پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔کوئی سوچ نہیں تھی،نہ دُکھ تھا نہ ملال،نہ خوشی تھی نہ حسرت،نہ صبر تھا نہ بے چینی۔ذہن بالکل برف کی سِل کی طرح جامد تھا۔اُجالا خود کو سنبھال کر بڑی ہمت کر کے کمرے میں داخل ہوئی۔وہ ناصر کو اس حال میں بیٹھا ہوا دیکھ کر فکرمند سی ہوگئی۔اسے تو ہر وقت ناصر کی صحت کے ہی دھڑکے لگے رہتے تھے۔کیونکہ وہ ناصر کے تکلیف کے وقت میں پَل پَل اس کے پاس رہی تھی۔وہ اس کے تمام رت جگوں اور نیندوں سے واقف تھی۔اس نے قریب آ کر کھنکار کر گلا صاف

کیا۔

''السلام علیکم......! آپ کب آئے......؟ مجھے پتا ہی نہیں چلا''

جھوٹ بولنے کی پریکٹس نہیں تھی اس لئے زبان لڑکھڑانے لگی۔ ناصر نے اُجالا کی طرف دیکھا اور چند لمحے پلکیں جھپکاتے دیکھتا ہی رہا۔ اُجالا نے اس کی نظریں اپنے چہرے پر جمی پا کر بہت گھبراہٹ سی محسوس کی اور نظریں چرا لیں۔

''اس طرح کیا دیکھ رہے ہیں ناصر......؟ کیا ہوا ہے......؟ کیا سوچ رہے ہیں......؟''

ناصر نے ایک گہری سانس سینے سے یوں آزاد کی جیسے کافی دیر سے سانس روکے بیٹھا تھا۔

''تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ وہ بھی سلمٰی آنٹی کے ساتھ آئی ہوئی ہے......؟''

اُجالا ایک دم پہلے زیادہ تو گھبرائی مگر فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور پھر بولی۔

''دراصل ناصر......! میری ہمت ہی نہیں پڑی۔ پتا نہیں کیوں مجھے خوف سا آ رہا تھا کہ خدا جانے آپ کس طرح ری ایکٹ کریں......؟''

ناصر نے اُجالا کے معصوم چہرے کی طرف دیکھا اور سوچا۔

''اس معصوم بے خطا سی لڑکی پر غصہ کرنے کا کیا فائدہ......؟ یہ جو حالات ہیں، اس کی ذمہ دار اُجالا تو نہیں ہے، پھر برے اور ناگوار لہجے کو یہ کیوں برداشت کرے......؟''

اس نے سوچا۔

''ٹھیک ہے......! کوئی بات نہیں......! میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ تمہیں مجھے بتانا تو چاہئے تھا۔ خیر......! تم سلمٰی آنٹی کو میری طرف سے کہہ دو کہ وہ جو چاہ رہی ہیں، جس مقصد کے لئے یہاں آئی ہیں، وہ ناممکن ہے۔ میرے ظرف اور میرے حوصلے سے زیادہ ہے۔''

اُجالا نے ایک گھبرا کر دونوں ہاتھ اُٹھا کر ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں نہیں ناصر......! میں یہ سب کچھ ان سے نہیں کہہ سکتی۔''

''اُجالا......! میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں نے آج تک سلمٰی آنٹی سے بہت اچھی طرح بات کی ہے۔ میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں اور وہ بھی میری ہی طرح بالکل بے قصور ہیں۔ لیکن میں ان کا دل دُکھانا نہیں چاہتا۔ تم اپنے انداز میں میرا پیغام اُن تک پہنچا سکتی ہو۔''

''ناصر......! میں سوچ رہی ہوں کہ میرے بات کرنے سے وہ بہت زیادہ ہرٹ ہوں گی اور اِنسلٹ فیل کریں گی۔''

ناصر، اُجالا کا یہ جواب سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ جیسے اس نے اُجالا کی بات سے آمادگی کا خاموش اظہار کیا تھا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر جیسے اسے ایک دم خیال آیا تو بولا۔

''کیا تمہاری بیہ کی اپنی ماں سے ملاقات ہوئی......؟''

اُجالا بڑے عجیب سے انداز میں مسکرا پڑی تھی۔

''دیکھئے، آپ بھی انعم کا نام لینے کی بجائے اسے بیبہ کی ماں کہہ رہے ہیں۔ مانتے ہیں بیبہ کی ماں تو ہے۔''

اُجالا کی یہ بات سن کر ناصر ایک دم ٹپٹا سا گیا، کیونکہ جو کچھ اس کے منہ سے نکلا تھا، وہ لاشعوری طور پر نکلا تھا۔

''جو حقیقت ہے اُجالا......! اس سے تو انکار نہیں کیا سکتا ناں، میں اس سے کتنی بھی نفرت کروں، اس کی صورت دیکھنے کا روادار نہ ہوں، مگر یہ تلخ حقیقت ہے کہ وہ بیبہ کی ماں ہے۔''

ناصر نے بڑی صاف گوئی سے کہہ دیا تھا۔

''میں آپ سے ریکویسٹ کروں گی کہ آپ مجھے سارے معاملے سے الگ رکھیں۔ آپ اپنے طور پر جو بھی قدم اُٹھانا چاہیں، خود سے پوچھ کر اُٹھائیں۔''

ناصر نے اُجالا کی بات سنی پھر تھکے تھکے انداز میں مسکرا کر اُجالا کی طرف دیکھنے لگا۔

''تم کتنی ذہین ہو اُجالا.....!''

''میں بالکل بھی ذہین نہیں ہوں ناصر......! مجھے تو بس پَل پَل آپ کا خیال رہتا ہے۔ میں آپ کو صحت مند اور خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ آپ میری اور بیبہ کی خوشیوں کی ضمانت ہیں۔''

اُجالا اب بہت بھرپور طریقہ سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اسے اب ناصر سے کچھ اچھا کہنا چاہئے۔ ناصر کے ذہن سے اس شاک کو ہٹانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ ناصر بھی جیسے اُجالا کی مسکراہٹ دیکھ کر سب کچھ فراموش کر بیٹھا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

''ٹھیک ہے......! اس مسئلے پر بھی کچھ سوچتے ہیں۔ میں نے تمہاری ریکویسٹ تو پوری کر دی۔ تمہیں استعمال نہیں کروں گا۔ جو کچھ ہے، اسے خود ہی فیس کروں گا۔ چلو اب اچھی سی چائے پلوا دو۔ میں چینج کر کے دو منٹ میں آتا ہوں۔''

ناصر کو اُجالا کے معصوم سے چہرے پر جیسے ترس سا آ گیا۔ اس بے قصور سی لڑکی کو آخر کس وجہ سے اعصابی دباؤ میں رکھا جائے......؟ وہ اس کی ہو چکی ہے۔ اس کی خوشیوں کو محفوظ رکھنے کے جتن کرتی رہتی ہے۔ تو اسے بھی اُس کا خیال رکھنا چاہئے۔ وہ سوچ رہا تھا۔

☆......☆......☆

''انعم......! میں تم سے پھر کہہ رہی ہوں اور بہت پیار سے کہہ رہی ہوں، تم ناصر سے معافی مانگ لو اور یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ رات کے اندھیرے میں گھر چھوڑنے والی لڑکیاں زندگی بھر اندھیرے میں بھٹکتی ہیں اور کوئی ان کا اعتبار نہیں کرتا۔ دولت خان کے سونے کے پنجرے میں واپس جانا چاہو تو تمہاری مرضی، لیکن میری بہو تمہیں زیادہ عرصے میرے گھر میں برداشت نہ کر سکے گی۔ میں اپنے بیٹے کا ہنستا بستا گھر کیوں اُجاڑوں......؟ اس کا کیا قصور

ہے......؟"

"امی......! حماد بھائی آپ کے اکلوتے بیٹے ہیں اسی لئے آپ کو بس انہی کا سب سے زیادہ خیال ہے۔"

انعم نے جیسے اب شکوہ کر ہی دیا۔

"نہیں انعم......! میرے اکلوتے بیٹے نے خاندان کی عزت میں چار چاند لگائے ہیں۔اس سے میرے خاندان کو زینت ملی ہے اور میں نہیں چاہتی کہ وہ ذہنی مریض بن جائے، زندگی بھر کے لئے راکھ ہو جائے۔قصہ مختصر یہ کہ بے قصوروں کو سزا ملنا ہی نہیں چاہئے۔دیکھو، تم توبہ کرتے ہوئے سزا سے گزرنے کا ارادہ کرلو۔کون جانے کب اللہ تمہارے دل سے نکلی ہوئی سچی توبہ قبول کرلے، اور تمہاری مشکلوں کو آسان کردے۔بس بیٹا......! میری بات مان لو۔ناصر سے معافی مانگ لو۔معافی مانگ لینے کا عمل پتھر جیسے دل کو بھی پگھلا لیتا ہے۔تم تو پھر اس کی بیٹی کی ماں ہو۔"

سلمٰی بیگم، انعم کو اپنے گلے سے لگائے ہوئے بہت متحمل اور محبت سے سمجھا رہی تھیں اور انعم جیسے قائل ہو ہی گئی تھی۔کیونکہ بیہ، اُجالا کی گود میں کھیلتی ہوئی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور یہ بہت نا قابل برداشت عورت کی گود میں کھیلتی ہوئی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور یہ بہت نا قابل برداشت منظر تھا۔اس کی روح نے جیسے ہار مان لی۔پہلی بار اس نے خود کو بہت ہارا ہوا اور ٹوٹا ہوا محسوس کیا۔یہی تو وہ بچی ہے، جس کی وجہ سے اس نے دولت خان کے پنجرے سے آزادی حاصل کی تھی۔یہی تو ہے وہ، جس کی خاطر وہ ماں کا کہنا مان کر یہاں تک چلی آئی تھی۔

وہ سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

اظفر کمال ٹرنکولائیزر کے زیر اثر بڑی گہری نیند میں تھے۔کسی نے بہت بری طرح ان کے بیڈروم کا دروازہ پیٹا تھا۔دھڑ دھڑ کی آواز سے ان کی نیند ٹوٹی۔انہوں نے ایک دم اپنے سینے پر یوں ہاتھ رکھا جیسے دل سینہ توڑ کر نکل بھاگ رہا ہو۔نیند میں ڈوبی آواز میں انہوں نے بمشکل پوچھا تھا۔

"کون ہے......؟"

باہر سے ان کی ملازمہ کی آواز آئی تھی۔

"صاحب......! مالکن اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔بلکہ سارا گھر چھان مارا ہے، وہ کہیں بھی نہیں ہیں۔"

اظفر کمال نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

"یا اللہ......! کیا اتنا کچھ سن کر بھی موت نہیں آتی......؟ پھر وہ اور کون سی قیامت ہوگی جو پیغام اجل بن کر آئے گی......؟"

وہ بڑی بے بسی کی کیفیت میں سوچ رہے تھے۔بستر سے اُترنے کی ان میں ہمت نہیں تھی۔ٹانگیں جیسے بے جان سی ہو رہی تھیں۔بڑی مشکل سے وہ کہہ رہے تھے۔

"ارے بھئی......! اوپر نیچے ہر جگہ دیکھو۔کہاں جائے گی......؟ وہ باہر گیٹ پر چوکیدار بیٹھا ہوا ہے، کیا وہ

افہیم کھا کر سویا ہوا تھا......؟ کیا اس نے دیکھا نہیں ہوگا......؟''

''صاحب......! چوکیدار کہہ رہا ہے کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے باتھ روم میں گیا تھا، واپس آیا تو گیٹ کھلا ہوا تھا۔''

اب اظفر کمال کے صحیح معنوں میں ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے تھے۔ وہ بمشکل اپنی جگہ سے اُٹھے اور دروازہ کھول کر فریدہ کو دیکھا جو حواس باختہ ان ہی کی طرف دیکھ رہی تھی اور بہت سہمی ہوئی اور خوفزدہ دکھائی دے رہی تھی۔ وہ بری طرح دھاڑے۔

''چوکیدار تو باتھ روم چلا گیا تھا۔ تم کہاں مری ہوئی تھیں......؟''

''صاحب......! میں تو...... میں تو آپ کے لئے کھانا بنا رہی تھی۔ میں نے سوچا تھا، آپ اُٹھیں گے تو کھانے کا پوچھیں گے اور بیگم صاحبہ تو اپنے بستر پر ہی سو رہی تھیں۔ میں نے دو تین دفعہ جھانک کر دیکھا تھا۔''

فریدہ یوں بول رہی تھی جیسے اب رو پڑے گی۔ اظفر کمال نے اپنی پیشانی رگڑنا شروع کر دی، جیسے ذہن پر جمے ہوئے نیند کے بادلوں کو زبردستی ہٹا رہے ہوں۔

''اچھا اچھا......! ٹھیک ہے......! تم جاؤ، دیکھتا ہوں میں۔ اچھا ہی ہے چلی گئی۔ جان چھوٹی ہماری بھی اور تمہاری بھی، اور بھئی......! تم خوش نہیں ہوئی......؟ بڑی سخت ڈیوٹی تھی تمہاری تو۔''

فریدہ ہکا بکا ہو کر اظفر کمال کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے یوں لگا جیسے اظفر کمال کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہو، اس کا خوف پہلے سے زیادہ ہو گیا ہو۔ وہ اُلٹے قدم پیچھے ہٹی تھی۔ اظفر کمال نے اب اس سے کوئی اور بات نہیں کی تھی اور دھڑ سے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ فریدہ حیران پریشان بند دروازے کی طرف دیکھتی ہوئی سوچ رہی تھی۔

''اچھا......! تو صاحب خوش ہو رہے ہیں۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں۔ بیگم صاحبہ نے بہت تنگ کیا ہوا تھا۔ صاحب کی جان چھوٹ گئی، میرا خیال ہے کہ صاحب اب انہیں تلاش نہیں کریں گے۔ تنگ بھی تو بہت کرتی تھی۔''

وہ کچن کی طرف بڑھتے ہوئے بہت بوجھل دل کے ساتھ سوچ رہی تھی۔ بہر حال مالکن کے ساتھ ایک ہمدردی کا رشتہ تو تھا۔

☆......☆......☆

بیلا بال بکھرائے وحشت زدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی ایک اَن دیکھی سمت چلتی جا رہی تھی۔ چلتے چلتے اس نے ایک ریسٹورینٹ کے سامنے کار رُکتی دیکھی۔ بیک سیٹ سے ایک بوڑھی عورت کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی اور فرنٹ ڈور سے ایک عورت گود میں شیر خوار بچی اُٹھائے باہر آئی تھی۔ بیلا ٹکٹکی باندھ کر یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ عورت جس کی گود میں شیر خوار بچی تھی، کار سے اُتر کر سوئی ہوئی بچی کے بال ٹھیک کرنے لگی۔ دوسری طرف سے اس کا شوہر گاڑی سے اُتر رہا تھا۔ بیلا اسی طرح ٹکٹکی باندھ کر اس عورت کی طرف اور بچی کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک دم چیل کی طرح جھپٹی، اس نے اس عورت کی گود سے شیر خوار بچی کو چھین لیا۔ حملہ اتنا اچانک تھا کہ وہ

عورت کچھ سمجھ نہ پائی۔لیکن بیلا کی گود میں اپنی بچی دیکھ کر اس عورت نے ایک زوردار چیخ ماری۔اس کا شوہر بونٹ کی طرف سے گھوم کر بڑی تیزی سے بیوی کے پاس آیا تھا۔کیونکہ ابھی تک وہ کچھ سمجھا نہیں تھا۔عورت بولنے کی بجائے چیختے ہوئے اس سمت اشارہ کر رہی تھی۔تب اس کے شوہر نے دیکھا کہ بیلا ان کی شیرخوار بچی کو سینے سے لگائے بہت تیز دوڑتی جا رہی تھی اور ساتھ ساتھ چیختے ہوئے بول رہی تھی۔

''میرا بچہ لے کر پتا نہیں کہاں چلی گئی تھی یہ ظالم عورت......؟ یا اللہ......! تیرا شکر ہے، مجھے میری بچی مل گئی۔''

اس عورت کا شوہر جس سے بیلا نے بچی چھینی تھی، بیلا کے پیچھے سرپٹ دوڑا تھا۔آس پاس گزرتے ہوئے لوگ اس چیخیں سن کر قریب آ رہے تھے۔بوڑھی عورت ایک چھوٹی سی بچی کے ساتھ اس عورت کے قریب آ کر اس کی کمر سہلانے لگی، جو غالباً اس بوڑھی عورت کی بہو تھی۔

''ارے......! کیوں پریشان ہو رہی ہو......؟ شکیل گیا ہے ناں اس پگلی کے پیچھے۔ارے......! وہ شاید پاگل ہے کوئی۔''

وہ عورت جس کی گود سے بیلا بچی چھین کر بھاگی تھی، اب ذرا پُرسکون نظر آنے لگی تھی اور بیلا کے پیچھے اپنے شوہر کو بھاگتا ہوا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ایسی بے چینی اور بے کلی تھی کہ جیسے بس وہ چاہ رہی تھی کہ پلک جھپکتے ہی اس کا شوہر اس پاگل عورت سے بچہ واپس لے لے۔بیلا پاگل سہی مگر ایک عورت تھی۔اس عورت کے شوہر نے بیلا کو جالیا تھا اور بڑی پھرتی سے بچی اس کے گود سے واپس لے لی تھی۔جس وقت وہ بچی کو چھین رہا تھا، بیلا اس شخص کو دو ہتھڑ مار رہی تھی، اس کے بال نوچ رہی تھی۔لیکن وہ شخص اپنی بچی کو اس سے دُور کرنے کے چکر میں بیلا کی کسی حرکت کا نوٹس لینے کو تیار نہیں تھا۔اس نے فوراً اپنی بچی کو گود میں لیا اور تیز تیز دوڑتا ہوا کار کی طرف بڑھنے لگا۔لوگوں کا وہاں اچھا خاصا رَش لگ گیا تھا۔مختلف آوازیں آ رہی تھیں۔

''ارے......! پاگل ہے۔شاید اس کا بچہ گم ہو گیا ہے یا مر گیا ہے۔اسی لئے بچہ لے کر بھاگی تھی اور کہہ رہی تھی میرا بچہ ہے۔''

اسی طرح مختلف ملی جلی آوازیں ماحول میں اُبھر رہی تھیں۔عورت نے اپنے شوہر کی گود میں بچی دیکھی تو لپک کر آگے بڑھی اور بچی کو سینے سے لگا لیا اور یوں آنکھیں بند کیں جیسے اس کی روح کو قرار مل گیا ہو۔ بیلا اب واپس دوڑتی ہوئی ان ہی کی طرف آ رہی تھی۔اس کی چیخیں بہت بلند تھیں۔

''یہ میرا بچہ لے کر جا رہے ہیں۔میں انہیں جان سے مار دوں گی۔میرا بچہ مجھے دے دو، ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔''

کچھ لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ایک آواز آئی۔

''اس پگلی کو پولیس کے حوالے کرو، یہ بہت خطرناک ہے۔پتا نہیں کب کس کا بچہ لے کر بھاگ جائے......؟''

ایک بوڑھا ضعیف آدمی مجمے میں کھڑے ہوئے ہر شخص سے مخاطب تھا اور اپنی دانست میں صحیح مشورہ دے رہا تھا۔ دو ہٹھے کٹے مردوں نے بیلا کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور اسے اس کار کی طرف جانے سے روک رہے تھے جس کار میں وہ جوڑا، بوڑھی عورت اور وہ بچی بیٹھ چکے تھے۔ جیسے ہی وہ کار روانہ ہوئی، بیلا نے پوری قوت سے خود کو ان دونوں مردوں کی گرفت سے چھڑایا اور کار کے پیچھے بھاگی۔

''وہ میرا بچہ لے کر بھاگ رہے ہیں۔ وہ میرا بچہ لے کر بھاگ رہے ہیں۔ ارے پکڑو......! وہ میرا بچہ لے کر جا رہے ہیں۔''

وہ دیوانہ وار بھاگ رہی تھی اور مجمے میں کھڑے لوگ بڑی گمبھیر نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

''چوہدرانی جی......! آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں......؟ شاہ سائیں سے کوئی چوبیس گھنٹے والا تعویذ لے آئیں۔''

''ارے......! شاہ صاحب چلّے میں بیٹھے ہیں ورنہ میں کب کا لے آتی۔''

شکیلہ خاتون نے بڑی مایوسی کی کیفیت میں کہا تھا۔

''ہائے چوہدرانی جی......! ملک جبار کی بیٹی کہیں ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ کیسے وقت پر کام خراب ہو رہا ہے......؟''

ماسی برکتے نے جیسے ہاتھ ملتے ہوئے کہا تھا۔

''ارے......! تیرے منہ میں خاک......!''

شکیلہ خاتون ایک دم بھڑک اُٹھیں۔

''ارے......! میں ہار ماننے والی نہیں ہوں۔ تو کیا سمجھ رہی ہے کہ وہ اس گھر میں آئے بیٹھ گئی تو میں اپنے بیٹے کی دوسری شادی نہیں کروں گی۔ گھر میں ہو یا گھر سے باہر، آخر اس کی دوسری شادی تو میں نے کرنی ہی کرنی ہے۔ چاہے دُنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے۔''

ماسی برکتے نے بہت تعریفی نظروں سے شکیلہ خاتون کی طرف دیکھا پھر بولی۔

''ہائے چوہدرانی جی......! آپ بڑے دل والی ہیں، پکی ہیں، ہار نہیں مانتیں۔ آپ کے سامنے تو مردوں کا حقہ پانی بند ہوتا ہے۔''

شکیلہ خاتون نے بڑے فخر سے گردن اکڑائی اور بولیں۔

''چین کا سانس نہیں لینے دوں گی اس فوزیہ کو جس کے بھائی نے میری بیٹی کو طلاق دی۔ اب تم دیکھنا، فوزیہ کو عارف نے اس گھر میں ٹکا بھی دیا، تب بھی اپنی نئی بہو کی جوتیاں سیدھی کراؤں گی اس سے، پھر پتا چلے گا۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔''

ماسی برکتے نے فوراً آگے بڑھ کے شکیلہ خاتون کی بلائیں لیں۔

''ارے......! جُگ جُگ جیوے میری چوہدرانی۔ ایسی زور والی عورت ہے کوئی جو میری چوہدرانی کا مقابلہ کر سکے......؟''

شکیلہ خاتون نے یوں مسکرا کر دیکھا جیسے ماسی برکتے نے اُسے بہت بڑا اعزاز دیا ہو، جیسے سرٹیفکیٹ جاری کر دیا ہو۔

''میری بچی ویران پھر رہی ہے۔ میرے دل پر چھریاں چل رہی ہیں۔ جب تک میں اپنی بچی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں دیکھوں گی، قسم ہے اس پیدا کرنے والے کی، میں فوزیہ کو چین کا ایک سانس نہیں لینے دوں گی۔ خیر سے وہ گھر آ جائے، لے آئے عارف اسے۔ مگر میں بھی اپنے نام کی ایک ہی ہوں۔ خود اس گھر سے نکل کر نہ بھاگی تو میرا نام بھی شکیلہ خاتون نہیں۔''

شکیلہ خاتون کی آنکھوں میں مضبوط قوتِ ارادی کا عکس چمک رہا تھا۔

''ارے ہاں نہیں تو......! ہماری معصوم بچی کیسے خراب خراب گندے الزام لگاتی ہے۔ ارے......! اس کی شکل دیکھ کر کوئی کہے گا۔ اسے تو ابھی دُنیا کا کچھ پتا ہی نہیں۔ چھوٹی سی تھی جو شادی ہو گئی تھی۔ کیا کہتے ہیں اسے، سر منڈاتے ہی اولے پڑ گئے تھے۔''

ماسی برکتے خوشامدانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

☆......☆......☆

اظفر کمال نے پولیس اسٹیشن میں بیلا کی گمشدگی کی رپورٹ تو درج کرا دی تھی لیکن وہ ایک عجیب سی آگ میں جل رہے تھے۔ بیلا کے وجود سے خالی گھر کو دیکھتے تھے تو عجیب سا سکون محسوس ہوتا تھا، جیسے وحشت ناک چیخوں سے چھٹکارہ ملنے کا احساس بہت خوش گوار ہے۔ لیکن اگلے ہی لمحے بہت پرانا اور خلوص کا تعلق دل میں بے چینی پیدا کر دیتا تھا۔

''نہ جانے کہاں ٹھوکریں کھا رہی ہوگی......؟ کس حال میں ہوگی......؟''

اب ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ جو کچھ کر سکتے تھے، وہ کر چکے تھے۔ اس کو تلاش کرنے، ڈھونڈنے کہاں جاتے......؟ ہوش و حواس سے عاری عورت نہ جانے کہاں نکل گئی تھی......؟ کہاں پہنچی تھی......؟ صرف اور صرف پولیس کی بھاگ دوڑ پر ہی اب تو اس کے ملنے یا نہ ملنے کا انحصار تھا۔ اندر کی جنگ نے جب انہیں انتہائی مجبور کیا تو انہوں نے پھر ٹرنکولائیز لے لی کیونکہ بے بسی کی ایسی کیفیت تھی کہ اس کا علاج گہری نیند میں ڈوب جانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ پاس کوئی ہمدرد تھا نہ غم گسار، ابھی انہوں نے دُور دراز رہنے والے قریبی رشتہ داروں کو بھی اطلاع نہیں دی تھی۔ ایک آواز آتی تھی۔

''خدا کرے، بیلا ہمیشہ کے لئے گم ہو جائے۔''

اور دوسری آواز آتی تھی۔

''نہیں وہ بے قصور عورت تو بہت مظلوم ہے جس کو دُکھوں نے پاگل کر دیا ہے۔''

جب تک ٹرنکولائیز نے اپنا اثر نہیں دکھایا تھا، ذہن ایک بھٹی میں سلگتا رہا۔ پھر آخر کار نیند کا غلبہ ہوا اور وہ گہری نیند سو گئے۔

☆......☆......☆

وہاج لاؤنج میں بڑی بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ وہ علینہ کا انتظار کر رہا تھا۔ فوزیہ سے فون پر بات ہوئی تھی تو وہ کہہ رہی تھی کہ علینہ صبح سے ہاسپٹل نہیں آئی لیکن شاید اب آ جائے۔ وہاج کے لئے ''اب آ جائے'' بھی بڑی مضبوط اُمید بن چکی تھی۔ فوزیہ نے یہ بھی بتایا تھا کہ علینہ اس سے بے حد ہمدردی کا اظہار کر رہی ہے۔ جانے کیوں وہاج کے دل میں طرح طرح کے خیال آنے لگے کہ شاید وہ بھی اسے کھو کر پچھتا رہی ہے......؟ تبھی تو اس کی بہن سے ہمدردی کر رہی ہے۔ وہ ایک گھنٹے سے لان میں بیٹھا تھا، بیٹھے بیٹھے تھک جاتا تو اُٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیتا تھا، کبھی اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالتا۔ انتظار ایک قیامت سا تھا۔ جانے کیوں آج وہ علینہ سے بات کرنے کے لئے بے چین تھا......؟ اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ معاً اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں۔ علینہ پرس میں کار کی چابی ڈالتے ہوئے بہت تیز تیز قدموں سے اندر جا رہی تھی۔ وہاج اس سے بھی زیادہ تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب جا پہنچا تھا۔ علینہ اپنی دُھن میں تھی، اسے خیال تک نہیں تھا کہ کوئی اس کے برابر میں آ گیا ہے، اس کے ساتھ چل رہا ہے۔

''علینہ ......! کیا تم میری ایک منٹ بات سن سکتی ہو......؟''

اس نے بہت ہچکچاتے ہوئے آخر کار علینہ کو مخاطب کیا۔ علینہ بری طرح چونک پڑی تھی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر اس طرف دیکھا تھا جہاں سے وہاج نے اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر جیسے جم کر رہ گئی۔ آنکھیں اس طرح پھٹی پھٹی تھیں بلکہ وہ پوری آنکھیں پھاڑے اسے گھور رہی تھی، آنکھوں میں عجیب بے یقینی کی کیفیت تھی۔

''مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنا ہے علینہ......! صرف ایک بار میری بات سن لو۔ علینہ......! اگر میری ایک منٹ بات سن لو گی تو یہ تمہارا مجھ پر بہت بڑا احسان ہو گا۔''

علینہ نے بہت مشکل سے اپنی حیرت پر قابو پایا تھا اور ایک دم ہی جیسے اسے بے شمار خیالات نے گھیر لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم شعلے سے لپکنے لگے تھے۔

''تمہاری بہن اپنے بچے کے پاس ہے۔ اس کے علاوہ تم دوسری بات کیا کرو گے......؟ میرا تمہارا بات چیت کا کوئی رشتہ نہیں۔''

''ایسے نہ کہو، ہمارے درمیان ابھی ایک رشتہ موجود ہے۔ تم جس بچی کی ماں ہو، میں اس کا باپ ہوں۔''

علینہ تو یہ سن کر جیسے انگاروں پر جا بیٹھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ حلق پھاڑ کر چیختی۔ پھر بھی اس نے

خود کو سنبھال لیا تھا اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے دبی دبی آواز میں بولی تھی۔

''تم اُس بچی کو Disown کر چکے ہو اور اسی بیس پر طلاق ہوئی تھی۔ اب یہ کیا نئی باتیں کر رہے ہو......؟''

علینہ کسی ناگن کی طرح پھنکاری تھی۔

''علینہ کہیں بیٹھ کر بات کرلو تو زیادہ بہتر ہوگا۔''

وہاج نے اس کی جیسے منت کی تھی۔

''لیکن کیوں......؟ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں اپنی جان خطرے میں ڈالوں......؟ میں تو حیرت سے مر رہی ہوں کہ تم میری بچی کو اپنی بچی کہہ رہے ہو......؟''

علینہ کے لہجے میں تلخی اور طنز کے تیر تھے۔

''اس لئے تو کہہ رہا ہوں کہ میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔''

علینہ نے اسی طرح آگ برساتی نظروں سے وہاج کو سر سے پاؤں تک گھورا اور دانت پیس کر بولی۔

''خدا حافظ......!''

اتنا کہہ کر وہ پوری تیز رفتاری کے ساتھ اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ وہاج بڑی بے بسی سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

فوزیہ، علی کے بالوں پر بہت پیار سے ہاتھ پھیر رہی تھی۔ علی بھی ماں کو دیکھ کر بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری طمانیت تھی اور فوزیہ بھی جیسے اسے اپنی نظروں کے سامنے پا کر سب کچھ بھلا بیٹھی تھی۔ شکیلہ خاتون تو ہاسپٹل نہیں آئی تھیں البتہ عارف ایک چکر لگا کر جا چکا تھا۔ فوزیہ سے ابھی تک بات کرتے ہوئے اس کے لہجے میں سرد پن چھلک پڑتا تھا۔ مگر فوزیہ اولاد کی خاطر اب سب کچھ سہنے کے لئے خود کو تیار کر چکی تھی۔ علی کا بخار اب بہت حد تک کم ہو چکا تھا۔ وہ ہلکا پھلکا کھانے بھی لگا تھا اور ماں سے باتیں بھی کر رہا تھا۔ اسی وقت دروازہ کھلا تھا اور علینہ اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے خود کو کنٹرول کر رہی تھی۔ وہاج سے آمنا سامنا اس کے لئے کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ وہ فوزیہ کے سامنے خود کو بہت کنٹرول میں رکھنا چاہتی تھی۔ فوزیہ اسے دیکھتے ہی بڑی خوشی سے کھِل اُٹھی۔

''آؤ علینہ......! میں بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ پتا نہیں آج تم نے چکر نہیں لگایا۔''

فوزیہ بہت والہانہ انداز میں بولی تھی۔ وہ علینہ کی شکر گزار تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے بیٹے سے قریب تھی۔

علینہ نے بہت تگ و دو کے بعد خود کو سنبھالا تھا اور زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی تھی۔

''علی کی طبیعت کیسی ہے......؟ یہ بتائیے۔''
فوزیہ نے علی کو بہت پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
''ماشاءاللہ......! اب تو بہت بہتر ہے۔''
''شکر ہے اللہ پاک کا۔''
علینہ نے یہ سن کر جیسے سکون کا گہرا سانس لیا۔
''اچھی خبر ہے۔''
فوزیہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہاج بھانجے کو اندر دیکھنے کی بجائے باہر اپنی بچی کی خاطر علینہ کا انتظار کر رہا تھا۔ علینہ نے نظریں چرا کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے فوزیہ سے پوچھا۔
''بھائی آئے تھے......؟''
فوزیہ نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔
''ہاں......! مگر کافی دیر پہلے آئے تھے۔''
علینہ نے پھر اس طرح نظریں چراتے ہوئے ایک اور سوال کر دیا۔
''اور تو کوئی نہیں آیا......؟''
فوزیہ نے چونک کر نظریں اُٹھائیں۔ اس کی نظروں میں اُلجھن سی تھی، جیسے اسے سمجھ نہ آئی ہو کہ اور کس کو آنا تھا......؟
''کیا تم اماں کا پوچھ رہی ہو......؟ آج اماں نہیں آئیں۔ ظاہر ہے، مجھ سے خفا ہیں، میرے سامنے آتے ہوئے کتراتی ہوں گی۔''
فوزیہ نے اب دُکھ بھرے لہجے میں کہا تھا۔
''نہیں......! میرا مطلب یہ تھا کہ اماں کے علاوہ اور تو کوئی مہمان علی کو دیکھنے نہیں آیا......؟''
علینہ نے فوراً کہا۔
''نہیں......! اور کس نے آنا تھا......؟ اور تو کوئی نہیں آیا۔ وہاج بھائی آنا چاہ رہے تھے۔ میں ڈر گئی، میں نے کہا، کہیں عارف سے ان کی تو تو، میں میں نہ ہو جائے۔ میں نے خود ہی انہیں روک دیا تھا۔''
علینہ نے اب چونک کر فوزیہ کی طرف دیکھا۔
''گویا فوزیہ کو پتا ہی نہیں، وہاج ہاسپٹل میں موجود ہے۔''
''ہاں علینہ......! بڑی مشکل سے حالات قابو میں آئے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ مزید کوئی بدمزگی ہو جائے۔ وہاج بھائی تو علی کو دیکھنا چاہتے تھے اور مجھ سے ملنا چاہتے تھے، مگر میں نے خود ہی انہیں آنے سے روکا ہے اور صاف کہہ دیا ہے کہ انہیں یہاں آنا ہی نہیں چاہئے۔''
''اوہ......!''

علینہ نے اب ایک گہری سانس لی۔ وہ تو فوزیہ کو دو چار سنانے کے موڈ میں آ گئی تھی۔ لیکن اب اس نے خود ہی اپنا ارادہ بدل دیا اور اب کہنے والی باتیں آئندہ پر اُٹھا رکھیں۔ پھر علی کے قریب بیٹھ کر اس کے بالوں میں پیار سے ہاتھ پھیرنے لگی۔

''اب کیسا ہے میرا بیٹا......؟ ماما آ گئیں ہے ناں، خوش ہے ناں......!''

علی نے مسکرا کر ''ہاں'' میں گردن ہلا رہا تھا۔ فوزیہ بہت محبت سے اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے ذہن وگمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ اس کے قریب بیٹھی ہوئی علینہ ایک دوزخ میں جل رہی ہے اور اس کے ذہن میں بلا کی قیامت برپا ہو چکی ہے۔

☆......☆......☆

''ارے بھئی......! تمہاری ماں تو اسلام آباد جا کر ہمیں بھول ہی گئی ہے۔ صرف ایک مرتبہ اس نے فون کیا، وہ بھی وہاں پہنچنے کا۔ ذرا اس کا نمبر تو ملاؤ بیٹا......!''

بشر علی، مریم کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ مریم نے اپنے بیٹے فضیل کو چمچ سے پورج کھلا رہی تھی۔ اس نے بہت پریشان ہو کر بشر علی کی طرف دیکھا تھا اور سوچنے لگی تھی کہ پتا نہیں امی وہاں کن حالات سے گزر رہی ہیں......؟ ورنہ ان کے جانے کے بعد دو تین فون تو آ ہی جاتے۔

''ایک منٹ نانا جان......! میں اس کو ذرا پورج کھلا دوں، پھر ان کا نمبر ملاتی ہوں، بات کراتی ہوں آپ کی۔''

مریم نے ٹالنے والے انداز میں کہا تھا اور دل ہی دل میں یہ دُعا کر رہی تھی کہ کوئی ایسی بات ہو جائے کہ فون ملانا ہی نہ پڑے یا امی کا خود ہی فون آ جائے۔ پتا نہیں کیوں اسے طرح طرح کے اندیشے تنگ کر رہے تھے......؟ سلمیٰ بیگم، انعم کو لے کر ناصر حسین کے گھر گئی تھیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ایک بہت اہم موڑ تھا اور سلمیٰ بیگم کی خاموشی اسے ڈرا رہی تھی، طرح طرح کے وہم جگا رہی تھی۔

''ہاں ہاں بیٹا......! تم اس کو کھلاؤ۔ بھئی......! وہ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا۔ میری توجہ ہی نہیں رہی کہ تم اسے پورج کھلا رہی ہو۔ کوئی بات نہیں بیٹا......! تم بچے کا کام کرو، پھر دیکھ لیتے ہیں۔''

اسی وقت لاؤنج میں فون کی گھنٹی بہت زور سے چیخی تھی اور مریم کی گود میں بیٹھا ہوا فضیل بھی ذرا چونک کر مُڑ کر دیکھنے لگا تھا۔ بشر علی اپنی جگہ سے اُٹھے۔

''تم اپنا کام کرو بیٹا......! میں دیکھ لیتا ہوں، کس کا فون ہے......؟''

مریم فکرمندی سے بشر علی کی طرف دیکھ رہی تھی جو آگے بڑھ کر ریسیور اُٹھا چکے تھے۔

''ہیلو......!''

یہ کہہ کر انہوں نے دوسری طرف سے کالر کی آواز سننے کا انتظار کیا۔ پھر ایک دم خوشی سے بولے۔

''ارے سلمٰی......! بھئی......! بہت لمبی عمر ہے تمہاری، ماشاء اللہ......! ابھی میں مریم سے یہیں بات کر رہا تھا کہ بھئی تمہاری ماں تو اسلام آباد جا کر اپنے باپ کو بھول گئی، اور تو سب خیریت ہے ناں......؟''

بشر علی پوچھ رہے تھے اور مریم بدستور ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بچے کے ہلنے جلنے پر وہ چونک پڑی تھی اور پھر چیچ میں تھوڑا سا پورج لے کر اس کے منہ میں ڈال دیتی تھی۔ لیکن اب اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ جلدی سے سلمٰی بیگم سے بات کرے اور پوچھے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے......؟ ناصر کا روّیہ ان دونوں کے ساتھ کیسا ہے......؟ یا وہ جس مقصد کے لئے گئی تھیں، اس میں انہیں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے......؟ مگر اس وقت بشر علی کو اپنی بیٹی سے کافی دیر کے بعد بات کرنے کا موقع ملا تھا، وہ اتنی آسانی سے ریسیور مریم کو دینے والے نہیں تھے۔ مریم کو اب صبر سے انتظار تو کرنا تھا، البتہ وہ بہت توجہ سے بشر علی کی بات سن رہی تھی۔ سلمٰی بیگم کی بات کے جواب میں وہ جو کچھ کہہ رہے تھے، اس سے وہ کچھ کچھ اندازہ لگا رہی تھی۔

''ارے بھئی......! وہ اس شیطان انعم سے میری بات کراؤ جو اپنی دُنیا میں ایسی مگن ہوگئی ہے، مجھ سے بات کرنے کا تو اسے خیال ہی نہیں آتا......؟ ارے بھئی......! ابھی تو میں زندہ ہوں۔''

وہ ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔ مریم نے بڑی سہمی سہمی نظروں سے بشر علی کی طرف دیکھا تھا۔ بس یہی دُعا تھی، بشر علی کے سامنے کوئی ایسی بات نہ بڑھے کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ وہ بشر علی کی طرف دیکھ رہی تھی، ساتھ ہی بچے کو پورج بھی کھلاتی جا رہی تھی۔ بشر علی بہت خوشی سے ''وعلیکم السلام'' کہہ رہے تھے۔ یقیناً انعم سے بات ہو رہی تھی۔

''ارے بھئی......! بیٹا......! کیا بات ہے......؟ اتنا خون سفید ہو گیا ہے......؟ کیا اتنی مصروفیات بڑھ گئی ہیں کہ نانا کی یاد ہی نہیں آتی......؟''

وہ یہ کہہ کر دوسری طرف سے انعم کی بات سن رہے تھے۔ پھر بات سن کر بولے۔

''اچھا اچھا......! بیہ میں مصروف ہو، پڑھا رہی تھیں۔ بھئی......! اب تم بہت اچھی بچی بن گئی ہو۔ تمہاری ماں بتا رہی تھی کہ تم بہت ذمہ دار ہوگئی ہو، بہت اچھی طرح اپنا گھر بار چلا رہی ہو۔ شاباش بیٹا......! شاباش......! لڑکیوں کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ دیکھو، اب وہی تمہارا گھر ہے، وہی تمہاری پناہ گاہ اور وہی تمہارا ہمیشہ کا ٹھکانہ۔ اپنا گھر بار سنبھالو گی تم بچی کا خیال رکھو گی، ناصر کا خیال رکھو گی۔ یقین کرو، تمہیں خود سچی خوشی ملے گی۔ اندر سے تمہاری خوشی پھوٹے گی۔''

بشر علی، انعم کو اب نصیحتیں کرنے لگے تھے۔ مریم کو کچھ کچھ اچھا محسوس ہونے لگا۔ یوں لگا جیسے بات کچھ سنبھلی ہے اور انعم جو بشر علی سے اتنی اچھی طرح بات کر رہی ہے، یقیناً ناصر حسین کے گھر میں شاید اسے پاؤں رکھنے کی جگہ دے دی گئی ہے۔ وہ اب بچے کو گود میں لے کر باؤل ٹیبل پر رکھ کر فون کی طرف آئی۔

''نانا جان......! میری بھی بات کرا دیں۔''

بشر علی نے نظریں اُٹھا کر مریم کی طرف دیکھا۔

''اچھا تو بھئی......! تم بھی ہماری طرح ہو۔تم سے بھی انعم بات نہیں کرتی۔لو بھئی انعم......! بہن سے بات کرو۔ یہ بھی جیسے تم سے بات کرنے کو ترس رہی ہے۔ بیٹا......! وقت نکال کر بہن سے بات کر لیا کرو۔''

یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور مریم کی طرف بڑھا دیا۔مریم نے ریسیور کان سے لگایا تو بشر علی نے فضیل کو اپنی گود میں لے لیا اور اسے بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔اس وقت سلمٰی اور انعم دونوں سے بات ہوگئی تھی۔ وہ بہت خوش نظر آرہے تھے۔مریم نے ''ہیلو'' کہا تو انعم نے جواب میں اس کو بہت سرد انداز میں سلام کیا تھا۔مریم کا دل ڈوب ڈوب سا گیا۔انعم کی آواز میں کسی خوش خبری کی چمک نہیں تھی۔اس کا لہجہ سرد اور سپاٹ تھا۔

''کیسی ہو مریم......؟''

''کیسی ہونا ہے مجھے......؟ آگئی ہوں میں، اب تو سب لوگوں کو سکون مل گیا ہوگا ناں......؟''

وہ بڑے عجیب سے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''تم سناؤ، میں تو ٹھیک ہوں۔''

مریم نے خود کو سنبھال کر کہا۔

''اور گھر میں سب خیریت ہے ناں انعم......؟''

اس نے بہت ہچکچاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ہاں......! سب خیریت ہے۔فی الحال ناصر نے دھکے دے کر گھر سے باہر نہیں نکالا۔''

انعم نے پھر پتھر پھوڑے تھے۔مریم کے اندر اذیت کی لہریں دورہ کرنے لگیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ سلمٰی بیگم اس وقت بہت ذہنی دباؤ سے گزر رہی ہیں۔اس نے تو ڈر کے مارے ماں کو خود ہی فون نہیں کیا تھا۔وہ خود اتنی زیادہ اعصابی دباؤ کا شکار تھی کہ مزید دباؤ برداشت کرنے کی گنجائش باقی نہیں بچی تھی۔کیونکہ اظفر کمال کے غیر حاضر ہونے کی وجہ سے آفس میں کام کا دباؤ بہت زیادہ تھا۔پھر اس کے اپنے گھر میں کون سا خوشیاں کھیل رہی تھیں......؟

''ٹھیک ہے انعم......! میری امی سے بات کراؤ۔اپنا خیال رکھنا۔''

مریم نے جیسے خود ہی اپنی طرف سے انعم کو ''خدا حافظ'' کہہ دیا، کیونکہ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ مزید بات بھی ہوئی تو اسی انداز میں ہوگی۔دوسری طرف سلمٰی بیگم کی آواز اُبھرنے لگی تھی۔

''ہاں بیٹا......! کیسی ہو مریم......؟''

''امی......! آپ سنائیے، مجھے تو بہت فکر ہو رہی ہے۔انعم کے انداز سے تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہاں اب بھی مسئلہ ہے۔آپ کے ساتھ تو ناصر ٹھیک ہے ناں......؟''

مریم بڑے تیز تیز انداز میں بولی تھی۔

''ہاں بیٹا......! ناصر نے مجھے اسی طرح سے عزت دی جس طرح سے وہ پہلے دیتا آرہا ہے۔اس نے مجھ سے کسی قسم کی کوئی ایسی بات نہیں کی جو مجھے اس سے شکایت پیدا ہو۔لیکن بیٹا......! رہا میاں بیوی کا معاملہ تو میرا خیال ہے، یہ مرحلہ اتنا آسان نہیں ہے، بہت وقت لگے گا، کیونکہ ایک بہت پیاری سی لڑکی ناصر کی دُنیا میں داخل ہو چکی ہے

اور ناصر کے گھر اور دل میں مزید گنجائش نہیں ہے۔''

''تو پھر آپ واپس آ جائیں ناں......! کیا فائدہ وہاں رُکنے کا......؟''

مریم نے ذرا فاصلے پر بیٹھے ہوئے بشر علی کی طرف دیکھتے ہوئے بہت آہستہ آہستہ آواز میں کہا تھا۔

''ہاں......! میں نے اپنی سیٹ کنفرم کرالی ہے اور تمہارے بابا کو بھی بتا دیا ہے۔ میں آج رات تک آ جاؤں گی اور یہی بتانے کے لئے میں نے تمہیں فون کیا تھا۔ انعم چھوڑ کر آ رہی ہوں۔ اب اتنی بھی کمزور نہیں ہے۔ اس گھر میں اس کی بیٹی رہتی ہے۔ شکر ہے کہ اس کے پاؤں کے نیچے زمین موجود ہے۔''

سلمٰی بیگم نے جواب دیا۔

''لیکن امی......! زبردستی اسے اس طرح چھوڑنے کا کیا فائدہ......؟ مجھے تو انعم کے لہجے سے لگ رہا تھا......''

مریم نے آدھی بات منہ میں ہی روک لی، کیونکہ وہ بشر علی کی وجہ سے بہت احتیاط سے بات کر رہی تھی۔

بشر علی، فضیل میں گم تھے لیکن بہر حال کان تو کھلے ہوئے تھے۔

''بس بیٹا......! جو میں کر رہی ہوں، مجھے کرنے دو۔ اللہ تمہیں بھی اپنے گھر میں سکھ دے۔ تم اپنے گھر کا خیال کیا کرو۔''

سلمٰی بیگم نے فوراً ہی ''خدا حافظ'' کہہ دیا تھا۔ مریم نے بڑی آہستگی سے کریڈل پر ریسیور رکھا اور خود کو سنبھال کر زبردستی مسکراتی ہوئی بشر علی کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ بشر علی تو اس وقت خوشی سے محال تھے۔ انعم کی طرف سے ان کو جیسے بہت اطمینان حاصل ہوا تھا۔ انعم کا گھر بسانا، چلانا ان کے لئے تو جیسے دُنیا کی یہ سب سے بڑی خوش خبری تھی۔

☆......☆......☆

بیہ اکیلی اپنے کمرے میں ہوم ورک کر رہی تھی۔ انعم اس کو اِدھر اُدھر ڈھونڈتی ہوئی وہ کمرے تک آ گئی تھی۔ چند لمحے وہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی معصوم سی بیٹی کو بہت پیار سے دیکھتی رہی۔ ایک خوب صورت سا جذبہ جسے ماما کہتے ہیں، جو ہر تخلیق کے عمل سے گزرنے والی ماں کے اندر قدرت ودیعت کرتی ہے اور قدرت کے اُصول کے مطابق اس جذبے سے عاری تو وہ بھی نہیں تھی۔ یہ الگ بات کہ خواہش کی غلامی اور من مانی کرنے کی عادت نے اسے تمام لطیف جذبوں سے وقتی طور پر دُور کیا تھا۔ جذبے ایک بار تخلیق ہو جائیں تو پھر مرتے نہیں ہیں۔ کسی دُھول میں اَٹ جاتے ہیں، کسی اُوٹ میں چلے جاتے ہیں، لیکن اپنی موجودگی کا احساس ہمیشہ دلاتے ہیں۔ وہ جیسے تڑپ کر بیہ کے قریب آئی تھی اور بے اختیار اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا تھا۔ بیہ، انعم کے اس بے ساختہ انداز پر بری طرح چونک پڑی تھی۔ اس نے سر اُٹھا کر بڑی معصومیت سے ماں کی طرف دیکھا اور بولی۔

''ماما......! آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔''

انعم ہنس پڑی تھی۔
''آپ دن میں بھی ڈر جاتی ہو بیٹا......؟ آپ اتنی ڈرپوک تو نہیں تھیں۔ اب کیا ہوا ہے......؟''
''نہیں ماما......! میں ڈرپوک تو نہیں ہوں۔ وہ بس اچانک آپ آگئیں ناں، اس لئے میں ڈر گئی تھی۔''
اس نے وضاحت کی تھی۔ انعم نے اس کی نوٹ بک پر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔
''اچھا تو انگلش کا ہوم ورک ہو رہا ہے۔ ?.....May I Help You''
بیہ نے بڑی شانِ بے نیازی سے جواب دیا۔
''نو ماما......! مجھے سب آتا ہے۔''
انعم خوشی سے کھلکھلا پڑی۔
"Excelent"
بیہ نے اپنی پنسل نوٹ بک پر رکھی اور سر اُٹھا کر انعم کی طرف بڑے غور سے دیکھنے لگی۔
''کیا دیکھ رہی ہو بیٹا......؟ ماما ہوں میں آپ کی۔ چینج تو نہیں ہوئی وہی ہوں ناں۔''
بیہ مسکرا پڑی۔ بڑی عجیب سی مسکراہٹ تھی، جیسے وہ مسکراتے ہوئے کچھ سوچ بھی رہی ہو۔
''ہاں ماما......! آپ میری ماما ہو۔ ویسے میں بہت لکی ہوں کیونکہ میری دو دو ماما ہیں۔ کسی کی تو ایک بھی نہیں ہوتی۔''
''دو دو ماما......؟''
انعم کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔ بیہ کی آواز بازگشت کی طرح ماحول میں گونجنے لگی۔
''ارے ہاں......! اسکول میں ناں ایک لڑکی ہے، اس کا نام ہے علیشہ۔ ماما......! اس کی ایک مدر نہیں ہیں، ایک بھی نہیں ہے۔''
انعم نے جلدی سے خود کو سنبھالا اور جلدی سے بولی۔
''لیکن آپ کی اصلی والی ماما تو میں ہوں۔''
بیہ نے بڑی اُلجھن بھری نظروں سے انعم کی طرف دیکھا تو کہا۔
''اُجالا ماما، میرا مطلب ہے، دُلہن ماما جو ہیں، وہ نقلی ماما ہیں۔''
''تو کیا ماما نقلی بھی ہوتی ہے......؟''
انعم بڑی لاجواب سی ہو کر ایک لمحے کے لئے خاموش ہوگئی۔ پھر اس نے ایک دم بات پلٹ دی۔
''آئی ایم سوری بیہ......! میں اب پہلے والی ماما نہیں ہوں۔ میں پہلے پیشنٹ تھی، اب ٹھیک ہوگئی ہوں۔''
بیہ نے بڑی معصومیت سے انعم کی طرف دیکھا اور بولی۔
''اچھا تو آپ اب اچھی بچی بن گئی ہیں۔ آپ نے کڑوی میڈیسن کھائی ہوں گی، پھینکی نہیں ہوں گی نانو سے چھپ کر، ہے ناں......؟''

انعم، بیہ کی معصومانہ بات پر بے ساختہ مسکرا پڑی اور بڑی محبت سے اس نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا۔

''ہاں بیٹا......! میں نے جو میڈیسن لی ناں، وہ میڈیسن بندے کا غصہ ٹھیک کر دیتی ہیں۔ اب مجھے غصہ نہیں آتا۔''

بیہ کی آنکھوں میں انتہائی بے یقینی اور خوشی کی کیفیت دکھائی دی۔

''رئیلی ماما......! اب آپ کو غصہ نہیں آتا......؟''

''ہاں میری جان......! اب مجھے غصہ نہیں آتا۔ بلکہ مجھے بھی حیرت ہے کہ مجھے اب غصہ کیوں نہیں آتا......؟''

اس نے بیہ کا بازو کھینچ کر اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ اس کے سر پر اپنی ٹھوڑی رکھ کر کھو جانے کی دُھن میں جھومنے لگی جیسے وہ کوئی سریلی دُھن سن رہی ہو۔

''اب آپ کسی سے بھی نہیں لڑیں گی ناں ماما......؟''

بیہ پوچھ رہی تھی۔

''پاپا سے بھی نہیں......؟ دُلہن ماما سے بھی نہیں......؟''

انعم نے انکار میں سر ہلایا اور منہ سے بھی کہا۔

''نہیں میرا بیٹا......! اب میں کسی سے بھی نہیں لڑوں گی۔''

''ویری گڈ......! اب آپ بہت اچھی والی ماما بن گئیں ہیں۔ آپ ایسا کریں، دُلہن ماما کو بھی اپنی فرینڈ بنالیں۔ وہ بہت اچھی ہیں۔ آپ دونوں فرینڈ بن جائیں گی تو آپ کو کسی اور فرینڈ کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔''

بیہ اپنی دانست میں بڑا دانشمندانہ مشورہ دے رہی تھی اور ماں کے سینے میں برپا قیامت سے بے خبر بڑی معصومیت سے سر اُٹھا کر اس کا چہرہ بھی دیکھ رہی تھی۔ انعم نے ایک ٹھنڈی گہری سانس اپنے سینے سے آزاد کی اور بیہ کے گالوں پر پیار کرتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

''بیہ......! ایک کام کروگی بیٹا......!''

''ماما......! آپ بولیں، میں سارے کام کروں گی۔ آپ اتنی اچھی والی ماما بن گئی ہیں، اب میں آپ کے سارے کام کروں گی۔''

بیہ کہہ رہی تھی۔ انعم نے ایک لمحے کو جیسے کچھ سوچا، پھر بیہ کا گال چوم کر بولی۔

''بیٹا......! پاپا سے کہنا، ماما نے سوری بولا ہے۔''

جس وقت وہ یہ جملہ بیہ سے کہہ رہی تھی، اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ اُجالا دروازے کے پاس آ کر رُک گئی تھی اور اس آخری جملے نے اس کی ہستی کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

☆......☆......☆

دولت خان بالآخر اپنا چیک وصول کرنے کے لئے فیاض احمد کے گھر پہنچ چکا تھا۔ فیاض احمد بے انتہا ذِلت محسوس کرتے ہوئے، سر جھکائے ہوئے اس کی ایک ایک بات سن چکے تھے۔ دولت خان کے خاموش ہونے کے بعد انہوں نے سر اُٹھا کر بڑی بے بسی کی نظروں سے دولت خان کا چہرہ دیکھا تھا۔

''آپ جو کوئی بھی ہیں، بہرحال آپ کو شرم کرنا چاہئے کہ آپ ایک باپ سے کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی آپ کے حوالے کر دے۔''

دولت خان تو لفظ ''شرم'' پڑھتے ہی اُکھڑ گیا اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اگر اس کی ٹانگیں کام کرتیں تو وہ زمین سے چار چار فٹ اُچھل کر غصے کا اظہار کرتا۔

''میاں......! آپ کو تو باپ بننا ہی نہیں آیا۔ آپ کی بیٹی کٹی پتنگ کی طرح تھی جس نے اس کو شرٹر کیا اور آپ مجھے شرم دلا رہے ہیں......؟ شرم تو آپ کو کرنا چاہئے۔''

دولت خان نے اپنے مخصوص دوٹوک متکبرانہ انداز میں فیاض احمد کو لگے ہاتھوں کھری کھری سنا دیں۔

فیاض احمد نے بڑی سادگی سے اور عاجزی سے جواب دیا تھا۔

''آپ کا شکریہ ہی ادا کر سکتا ہوں اور بتایئے کیا خدمت کروں......؟''

دولت خان نے فیاض احمد کی بات سن کر بڑے تمسخرانہ انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

''آپ کی بیٹی میری ملازمہ رہی ہے، میں نے اسے ایڈوانس پے کیا تھا۔''

فیاض احمد کو سلمٰی بیگم سارا معاملہ بتا چکی تھیں، اس لئے فیاض احمد چونکے نہیں، بلکہ بڑے صبر و تحمل سے دولت خان کی یہ بات سنی اور پھر بولے۔

''آپ کو کتنے اماؤنٹ کا چیک بنا کر دوں......؟''

دولت خان نے ایک سیکنڈ کا وقفہ کئے بغیر فوراً ہی جواب دیا تھا۔

''ایک کروڑ کا......!''

لفظ ''ایک کروڑ'' سن کر فیاض احمد بری طرح چونک پڑے۔ انہوں نے سر سے لے کر پاؤں تک دولت خان کا نئے سرے سے جائزہ لیا اور بڑے سپاٹ لہجے میں گویا ہوئے۔

''بلیک میلر ہو......؟''

دولت خان، فیاض احمد کی یہ بات سن کر طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

''یہ ایک کروڑ ہرجانہ ہے، تاوان ہے، اس مینٹلی ٹارچر کا جو آپ جیسے غیر ذمہ دار لوگوں کی وجہ سے میں Bear کر رہا ہوں۔''

فیاض احمد کو پتا تھا کہ اب ان کا غصہ کرنا ناحق ہے، انہیں تو جو کوئی جو کچھ سنائے گا، بڑے صبر سے سننا ہے۔ اس وجہ سے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

''آپ اپنے ذہنی علاج پر توجہ فرمایئے۔''

دولت خان نے فوراً جواب دیا۔
''میں آپ کے مشورے پر ضرور غور کروں گا۔ ایک منٹ کے لئے انعم سے میری بات کرائیں، اپنے سامنے اسے بٹھائیں اور کہیں کہ وہ میرے سوالات کے جواب دے۔''
''وہ آپ کے کسی سوال کا جواب دینے کے لئے یہاں موجود نہیں ہے۔ بالفرض وہ ہوتی بھی تو میرے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور میری کوئی مجبوری نہیں ہے کہ میں اپنی بیٹی کو آپ کے سامنے بٹھا کر سوال جواب کراؤں۔ جو کچھ آپ نے کہا، میں نے سن لیا اور میری معلومات میں بڑا قیمتی اضافہ ہوا۔ آپ اب فضول باتیں کرنے کی بجائے اپنی اس رقم سے سروکار رکھیں جو بقول آپ کے آپ نے میری بیٹی پر خرچ کی ہے۔ میں وہ رقم اس وقت آپ کو دینے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن رہی ایک کروڑ کی بات، تو میں بلیک میلنگ میں نہیں آتا۔ اگر آپ بہت بااثر اور دولت مند شخص ہیں تو الحمدللہ، اس شہر میں دو چار لوگ مجھے بھی جانتے ہیں۔''
دولت خان نے زبردست طنزیہ قہقہہ لگایا تھا اور فیاض احمد کی طرف دیکھ کر مذاق اُڑانے والے انداز میں بولا تھا۔
''آپ کو مشہور اور بدنام کا فرق اچھی طرح پتا ہوگا۔ بچپن میں ہی بتا دیا جاتا ہے اور انگلش میں کہتے ہیں، Notorious and Famous''
''برائے مہربانی......! آپ Notorious and Famous کا فرق ملحوظ رکھتے ہوئے مجھ سے بات کیجئے۔''
''دو چار لوگ آپ کو جانتے ہیں، ضروری نہیں کہ وہ آپ کی عزت کرتے ہیں، جس شخص کی بیٹی انعم جیسی ہو......''
فیاض احمد کا بی پی شوٹ کرنے لگا۔ انہیں یوں لگا کہ جیسے دولت خان انہیں ننگی ننگی گالیاں دے رہا ہو۔ مگر ان کی مجبوری تھی اور ان کی قسمت تھی کہ اولاد کے ہاتھوں ذِلت کی اس انتہاء سے بہرحال گزرنا تھا۔ انہوں نے برابر میں رکھے ہوئے بریف کیس سے چیک بک نکالی اور دولت خان کی طرف دیکھا۔
''کروڑوں کی بات کرنے کی بجائے مجھ سے صرف اور صرف اس خرچ کی بات کیجئے جو آپ نے اپنے بے راہ روی پر خرچ کیا ہے۔''
دولت خان غصے سے جیسے ناچ ناچ گیا۔
''میں بے راہ روی کا شکار ہوں، اور آپ کی صاحبزادی ماشاءاللہ بہت پارسا ہے اور باکردار......؟''
فیاض احمد نے ایک اور ننگی گالی برداشت کی۔ لیکن اب انہوں نے طے کر لیا تھا کہ کچھ نہیں بولیں گے، صرف چیک پر اماؤنٹ لکھ کر دستخط کریں گے اور دولت خان کے سامنے رکھ کر اس سے پہلے اپنی کار میں بیٹھ کر اپنے دفتر چلے جائیں گے۔ وہ چیک لکھ رہے تھے اور چھپ کر کھڑی ہوئی انابی کے دل میں دُکھ کی اذیت ناک لہریں اُٹھنے لگیں۔ انہوں نے اس معزز گھرانے کی عزت کے پرخچے اُڑتے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ ان کی باتیں اپنے

کانوں سے سنیں تو انہیں یوں محسوس ہوا کہ انسان کو کسی بھی مقام پر نہیں بھولنا چاہئے کہ اگلے ہی لمحے جو کچھ ہو سکتا ہے، وہ ناقابل برداشت بھی ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اس بڑھاپے کی منزل پر ایک نئے تجربہ کا سکہ اپنے گلّے میں ڈالنا تھا۔

☆......☆......☆

ناصر حسین جان بوجھ کر آج گھر دیر سے آیا تھا۔ آج سارا دن اس نے اپنا سیل پاوٴرڈ آف رکھا تھا۔ جانے کیوں وہ مختلف قسم کے اندیشوں میں گھرا ہوا تھا اور اسے یوں لگتا تھا کہ جیسے گھر سے کوئی فون کال آئے گی اور پھر کوئی نیا دھماکہ ہوگا۔ حالانکہ وہ روزانہ بیبہ سے اور اُجالا سے ایک مخصوص ٹائم میں ضرور بات کرتا تھا۔ آج اس نے وہ فون بھی نہیں کیا۔ جب سے اُس نے انعم کو اپنے گھر میں دیکھا تھا، اس کی ذہنی حالت ابتر ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے ہی گھر میں بڑے سہمے سہمے انداز میں قدم رکھا تو اُجالا اس کے سواگت کو سامنے ہی کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شکوے مچل رہے تھے۔ اس نے سلام اور سلام کے جواب کے بعد پہلی بات یہی کی۔

''آج تو آپ نے فون بھی نہیں کیا ناصر......! خیریت ہے......؟ کیا بہت زیادہ مصروف رہے......؟''

''ہاں......! دیکھ رہی ہو ناں، میں لیٹ آیا ہوں۔ اس کا مطلب ہے، کچھ زیادہ ہی مصروفیت تھی۔''

اس نے پہلی بار اُجالا سے جھوٹ بولا تھا۔ وہ اس لئے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

''پتا نہیں میں نے کتنی ٹرائی کیا۔ آفس کا نمبر ٹرائی کیا تو پتا چلا کہ آپ میٹنگ میں ہیں۔ آپ کے سیل پر فون کیا تو پاوٴرڈ آف ملا۔ میں تو پریشان ہی ہوگئی تھی۔ بیبہ کب کی سو چکی ہے۔ سلمٰی آنٹی بھی واپس کراچی جا چکی ہیں۔''

اُجالا کی اس بات پر ناصر حسین نے ایک دم چونک کر اُجالا کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

''صرف سلمٰی آنٹی......؟''

''جی......! صرف سلمٰی آنٹی۔''

اُجالا نے نظریں جھکا کر بہت آہستہ آواز میں جواب دیا۔ پھر ایک دم کسی خیال سے چونک کر سر اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ ایک عجیب سے اندیشے نے سر اُٹھایا کہ کہیں فاصلے پر کھڑی انعم ان کی باتیں تو نہیں سن رہی۔ ناصر صرف سلمٰی بیگم کے واپس کراچی جانے کا سن کر مزید پریشان ہو گیا تھا۔

''وہ ٹھیک ہے......!''

اس کے منہ سے بلا ارادہ بے وقعت سا جملہ نکل گیا۔ اُجالا اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''کیا ٹھیک ہے ناصر......؟''

اُجالا اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگی۔ ناصر نے ایک گہری سانس لی اور لاوٴنج میں ہی صوفے پر بیٹھ گیا اور اپنی ٹائی گلے سے اُتارنے لگا۔

''محبت کے نام پر یہ لوگ میرے ساتھ بہت زیادتی کر رہے ہیں۔''

اس نے بڑے کرب کے ساتھ یہ الفاظ ادا کئے تھے۔ اُجالا نے بڑی سادگی سے فوراً ہی کہہ دیا تھا۔

''ان کے ساتھ تو خود زیادتی ہوئی ہے ناصر......!''

ناصر نے بڑی حیرت اور غصے سے اُجالا کی طرف دیکھا، جیسے اسے اُجالا کی بات کی کچھ سمجھ نہ آئی ہو اور پھر بڑے ضبط سے گویا ہوا۔

''اپنی بیٹی کو تمہارے سر پر بٹھا کر چلی گئیں ہیں سلمیٰ آنٹی اور تم ان کو فیور کر رہی ہو......؟''

ناصر نے اسے اس کی حماقت کا جیسے احساس دلانے کی کوشش کی۔

''وہ تو میرے سر پر جب بیٹھے گی ناصر......! جب آپ انہیں میرے سر پر بٹھائیں گے۔ ایک بیوی کی سب سے بڑی ٹینشن یہ ہوتی ہے کہ اس کے شوہر کے دل میں اس کے علاوہ کسی اور کے لئے بھی جگہ ہو، اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آپ صرف میرے ہیں۔''

اُجالا کے لہجے میں اتنی چاہ اور اتنا اعتماد تھا کہ ناصر جیسے لاجواب سا ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگ گیا۔ لیکن فوراً ہی جیسے اس کے سوال کے تحت بولا۔

''انعم کے اس گھر میں رہتے ہوئے ہم خوش نہیں سکتے اُجالا......! تمہیں سمجھ کیوں نہیں آ رہی......؟''

''میں ایک ماں کو جو اپنی بچی کے ساتھ رہنا چاہ رہی ہو، ہرٹ نہیں کر سکتی۔ خواہ مجھے کتنی ہی تکلیف برداشت کرنا پڑے۔''

ناصر کے ہونٹوں پر ایک تلخ اور طنزیہ مسکراہٹ اُبھری۔

''اب یاد آئی ہے اُسے بچی......؟''

اُجالا نے ناصر کی بات پوری ہوتے ہی بڑا برجستہ جواب دیا۔

''اب اتنی زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی۔ کون سا جوان ہوگئی ہے بچی......؟ یہ اور بات ہے کہ آپ نے نیا فیصلہ کرنے میں جلدی کی۔''

ناصر نے اب اُجالا کی طرف بڑے بے ساختہ انداز میں مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ اُجالا کی معصومیت اور سادگی نے وقتی طور پر اسے ذہنی خلفشار سے دُور کر دیا تھا۔ اس نے آہستگی سے اُجالا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا بات کی تم نے کہ میں نے فیصلہ کرنے میں جلدی کی......؟ جو بندہ مر رہا ہو، لائف سیونگ میڈیسن دی جاتی ہیں اس کو، مجھے لائف سیونگ میڈیسن کی ضرورت تھی، مجھے مل گئی۔ کبھی کسی نے سیریس پیشنٹ کو ٹھیک ہونے کے بعد اس سے یہ کہا ہے کہ جب آپ مرنے والے تھے تو لائف سیونگ ٹیبلیٹ Use کرنے میں اتنی جلدی کیوں کی......؟ ایسی بھی کیا جلدی تھی......؟ آرام سے کھا لیتے۔''

وہ اب اُجالا سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا، کیونکہ اسے احساس ہو رہا تھا کہ مسلسل انعم کو موضوع بنا کر اُجالا کی زبردست حق تلفی کر رہا ہے۔ ناصر کو مسکراتا دیکھ کر جیسے اُجالا کی جان میں جان آ گئی۔ اس نے ناصر کی ٹائی اور کوٹ

اپنے ہاتھ میں لیا اور بہت محبت سے ناصر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''ناصر......! آپ میرا کتنا خیال کرتے ہیں۔ میں شاید اس کا بدلہ آپ کو دے نہیں پاؤں گی۔''

ناصر مسکراتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

''چلو، پہلے تو اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے مجھے کھانا کھلاؤ، پھر اس کے بعد سوچیں گے کہ پیار کا بدلہ کیا ہوسکتا ہے......؟''

وہ اس وقت واقعی بڑی شعوری کوشش سے اُجالا کا موڈ اچھا کرنا چاہتا تھا۔ یہ سوچ کر کہ اس سارے جھگڑے میں اس معصوم کا کیا قصور تھا......؟

☆......☆......☆

علینہ کی طرف سے قطعی طور پر مایوس ہونے کے بعد وہ کافی دیر تک دل شکستہ انداز میں تاریکی میں بیٹھا رہا۔ علینہ ابھی ہاسپٹل میں تھی اور پتا نہیں کیوں اس کا ہاسپٹل سے جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا......؟ اندر فوزیہ بھی تھی لیکن فوزیہ نے اسے اندر آنے سے منع کر دیا تھا۔ وہ عارف سے بہت ڈر رہی تھی اور اب وہاج سوچ رہا تھا کہ علینہ شاید اب فوزیہ کی طرح عارف سے بدل گئی ہوگی۔ اسے اپنے کیے پر پچھتاوا تھا یا نہیں، لیکن اولاد کے لئے ایک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ اس کی بیٹی جس کے لئے اس نے کئی سال انتظار کیا، پانچ سال شادی کو ہوگئے تھے اور وہ اولاد کا انتظار کرتا رہا۔ جب اولاد ہوئی تو اس نے اس کی شکل نہیں دیکھی۔ ایک ذرا سی جذباتیت نے ساری زندگی کا کیا دھرا غارت کر دیا تھا۔ زندگی کیا تھی، ناکامی کا دوسرا نام۔ لیکن چند لمحے کا ہی اسے خیال آیا تھا کہ وہ عارف سے ہی بات کر کے دیکھے۔ علینہ اس سے لامحدود فاصلوں پر جاچکی ہے۔ اتنی دُور کہ وہ اسے دیکھ تو سکتا ہے، مگر چھو نہیں سکتا۔ لیکن بیٹی کے لئے اسے عارف کے سامنے گھٹنے ٹیکنا ہوں گے، اس کی منت و خوشامد کرنا ہوگی۔ وہ اب عارف کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ عارف ہاسپٹل ضرور آئے گا۔ اس لئے کہ اس کا بیٹا ہاسپٹل میں داخل ہے۔ وہ اپنے بہت ضروری کام بھی چھوڑے گا، مگر آئے گا ضرور۔ وہاج کے اندر یقین کی لہریں دورہ کر رہی تھیں اور وہ بہت پُراُمید ہو کر عارف کی راہ تک رہا تھا۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم اور فیاض احمد دونوں اپنے بیڈ روم میں تھے۔ سلمٰی بیگم کا ابھی تک فرح سے آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ اندر سے ڈری ہوئی تھیں۔ وہ اُڑ کر آ تو گئی تھیں، لیکن اب دھڑکے بھی لگے ہوئے تھے۔ وہ فی الحال فرح اور حماد سے انعم کے موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن فیاض احمد کے ساتھ تو ایک کمرے کا، ایک بستر کا تعلق تھا۔ ان سے تو ہر بات ہی کرنا پڑتی تھی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ فیاض احمد کہہ رہے تھے۔

''انعم کو چھوڑ کر تو آ گئی ہو، آنے کے بعد کیا اس کی خیر خیریت بھی پتا کی ہے......؟''

سلمیٰ بیگم [illegible] سے نظریں اُٹھا کر شوہر کی طرف دیکھا اور بولیں۔

''میں جان بوجھ کر اس سے بات نہیں کر رہی۔ میں چاہتی ہوں کہ اب وہ اپنے دماغ سے بھی کام لے۔ [illegible]''

وہ اپنی دانست میں بڑی منطقی بات کر رہی تھیں۔ فیاض احمد بڑی اُداسی سے مسکرائے اور بولے۔

''وہ بہت کچھ کر کے بھی بتا سکتی ہے۔ اسے کام کا نام بھی بتا دیتی ورنہ خدا معلوم کیا کر ڈالے......؟''

وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے تھے۔

''آپ فکر نہ کریں، میں نے اسے سمجھا دیا ہے اور میں دیکھ کر آئی ہوں کہ وہ بیبہ کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اب بیبہ بھی اس سے خود سے باتیں کر رہی ہے۔ بیٹی کی خاطر تو ناصر اس کا خیال کرے گا ناں......! اسے یہی سمجھا کر آئی ہوں۔ اگر بیبہ اپنی ماں سے قریب ہوگئی تو ناصر چاہتے ہوئے بھی ماں بیٹی کو دُور نہیں کر پائے گا۔ اب یہی آخری ہتھیار اور راستہ ہے۔''

سلمیٰ بیگم سوچتے ہوئے بول رہی تھیں۔ فیاض احمد ہاں کے انداز میں گردن ہلا رہے تھے، جیسے وہ سلمیٰ بیگم سے اتفاق کر رہے ہوں۔

''خدا کرے اس کی عقل میں آجائے اور اللہ ہمیں اس آزمائش سے نکال دے۔ آمین......!''

سلمیٰ بیگم نے بڑی دلسوزی سے کہا تھا۔ پھر جیسے ایک دم فیاض احمد کو دولت خان کا آنا یاد آ گیا، بولے۔

''اور وہ بزرگ بھی آئے تھے۔''

سلمیٰ بیگم کہیں اور پہنچی ہوئی تھیں، اس لئے فوراً فیاض احمد کی بات سمجھ نہ پائیں۔ چونک کر بولیں۔

''کون بزرگ......؟''

''وہی جن کے خوف سے تم انعم کو لے کر یہاں سے بھاگی تھیں۔''

''اوہ......!''

سلمیٰ بیگم کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''شکر خدا کا، کیا آپ نے اسے چیک دے دیا......؟ کتنے کا چیک دیا......؟''

سلمیٰ بیگم نے پوچھا۔

''بس چھوڑو، جتنے کا بھی دے دیا۔ وہ موصوف تو ایک کروڑ کا کلیم کر رہے تھے۔''

سلمیٰ بیگم نے آنکھیں پھاڑ کر فیاض احمد کی طرف دیکھا۔

''ایک کروڑ......؟ مگر وہ کس حساب میں......؟ اس نے کیا میری بیٹی کو ہیرے جواہرات کھانے میں پکا کر کھلا دیئے تھے......؟''

وہ اب تلخی سے بولی تھیں۔

''بھئی......! وہ کیا کہتے ہیں، اصل پر ہزار گنا سود لینے کا منصوبہ بنا کر آیا تھا۔ لیکن میں نے بھی اس کی چلنے

نہیں دی، صاف صاف بات کی۔"

"بہت اچھا کیا آپ نے۔ دیکھیں تو سہی، بڑے معزز نظر آنے والے لوگ بھی دوسرے لوگوں کی مجبوریوں سے کس کس طرح فائدہ اُٹھاتے ہیں......؟"

سلمٰی بیگم نے دل شکستہ انداز میں کہا تھا۔ فیاض احمد بستر پر سیدھے دراز ہو گئے۔

"نیند نہیں آتی اور آنکھیں ہر وقت جلتی رہتی ہیں۔ کمرے میں اندھیرا کر دو سلمٰی......! یہ روشنی مجھے بہت چبھتی ہے۔"

فیاض احمد بڑے اُداس لہجے میں بولے۔ بہت کچھ ہو چکا تھا، لیکن بہت کچھ ہو جانے کے دھڑکے بھی تھے۔ ابھی زندگی میں چین کہاں تھا......؟

☆......☆......☆

آخر وہ گھڑی آ ہی گئی تھی۔ وہاج، عارف کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا اور بڑی منت انداز میں کہہ رہا تھا۔

"یار......! ہم فرسٹ کزن بھی تو ہیں۔"

عارف کے چہرے پر بڑی سختی تھی، نفرت تھی، اس نے ترش اور دو ٹوک لہجے میں وہاج کو صاف صاف جواب دیا۔

"بات بری طرح بگڑ کر خراب ہو چکی ہے وہاج......! کیوں لکیر پیٹ رہے ہو......؟"

"لکیر نہیں پیٹ رہا عارف......! میں یہ بات سنبھالنا چاہتا ہوں۔"

"تم نے ہماری زندگی کو تماشہ بنا کر رکھ دیا ہے وہاج......! اب بس کر دو۔ کھلونا بنا کر کیوں ہم سے کھیل رہے ہو......؟"

عارف نے اب بڑے شکستہ لہجے میں بڑی بے زاری سے کہا تھا۔

"یہ تو مرد ہونے کے ناطے تم بھی مانو گے کہ غلطی صرف میری نہیں تھی۔ ہاں......! لیکن میں نے شک کرنے میں انتہاء کی، یہ میں مانتا ہوں۔"

وہاج نے بڑے اچھے انداز میں اپنی غلطی کا اعتراف کیا تو عارف بھی تھوڑا سا موم ہو گیا۔

"اب کیا چاہ رہے ہو......؟ میری سمجھ میں تمہاری بات نہیں آ رہی۔ صاف صاف بات کرو۔"

اس نے وہاج سے کہا تھا۔

"بس......! میں اتنا چاہتا ہوں عارف......! کہ مجھے میری بیٹی سے ملنے سے نہ روکا جائے۔ یہ تو میرا حق ہے ناں......!"

عارف کی رَگوں میں جیسے خون کھولنے لگا تھا۔ اسے ایک دم سے سب کچھ یاد آ گیا تھا، لیکن ہاسپٹل کے

کوریڈور میں وہ حلق پھاڑ کر چلا نہیں سکتا تھا۔ اس نے بڑی بے بسی سے آنکھیں بند کر لی تھیں، جیسے خود کو سنبھال رہا ہو۔

''یار وہاج......! اتنا نہ آزماؤ۔ تم نے دُکھتی رَگ کو چھیڑ دیا ہے۔ حساب تو بہت ہیں جو کرنے باقی ہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ تم راستے میں بار بار نہ آؤ۔ یہ بہت اچھا ہوگا کہ تمہارا اور ہمارا سامنا نہ ہو۔ تمہاری شکل دیکھتے ساتھ ہی مجھے وہ سب کچھ یاد آ جاتا ہے۔ تمہاری وجہ سے علینہ کہیں کی نہیں رہی۔ اس نے غلطی کی، جو کچھ بھی کیا، لیکن آج تم اس بچی کو اپنی اولاد تسلیم کر رہے ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے انتہاء پسندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اگر تم ذرا سا صبر و تحمل سے کام لیتے تو بات اتنی نہ بگڑتی۔''

''عارف......! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں بار بار سامنے نہیں آؤں گا۔ مگر مجھے اپنی بیٹی سے ملنے سے نہ روکو۔''

وہاج نے جیسے التجا کی۔

''میں کون ہوتا ہوں تمہیں تمہاری بیٹی سے ملنے سے روکنے والا......؟ مگر میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اگر علینہ نے انکار کر دیا تو میں اسے مجبور نہیں کروں گا، بات کر سکتا ہوں۔''

عارف نے انکار بھی نہیں کیا اور اقرار بھی نہیں کیا، بلکہ ساتواں گھر کر لیا۔

''یار......! یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ اس سے بات تو کر کے دیکھو۔''

عارف اب کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ٹھیک ہے......! میں جب کسی وقت مناسب سمجھوں گا، بات کر لوں گا۔ اب تم ہاتھ دھو کر میرے پیچھے مت پڑ جانا۔ علینہ کے سامنے تمہارا نام لینا یا تمہاری بات کرنا اتنا آسان بھی نہیں۔ خدا حافظ......!''

یہ کہہ کر عارف آگے بڑھ گیا۔ عارف کے بے مروّت، دوٹوک اور اجنبی انداز نے وہاج کو مزید بے سکون کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا......؟ انعم بڑی بے قراری ہو کر کمرے سے باہر آ گئی تھی۔ ماحول پر گہرا سناٹا طاری تھا بلکہ شاید ساری خدائی ہی بہت گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ انعم زینہ اُتر کر نیچے آئی، چند لمحے نیم تاریک لاؤنج میں بیٹھی رہی پھر اُٹھ کر ٹہلنے لگی۔ لاشعوری طور پر ٹہلتے ٹہلتے وہ ناصر اور اُجالا کے بیڈ روم کے باہر آ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کی نظریں بار بار بیڈ روم کے بند دروازے کی طرف اُٹھ رہی تھیں اور اسے کیا کچھ یاد نہیں آ رہا تھا......؟ اسی بند دروازے کے پیچھے وہ شخص اپنی نئی خوب صورت اور من چاہی بیوی کے ساتھ شاید میٹھی نیند سو رہا تھا جو کبھی اس کا تھا، جو کبھی اس کے نخرے اُٹھاتا تھا، غلطی ہونے کے باوجود ہمیشہ ہتھیار ڈال دیتا تھا، اسے مناتا تھا، اور جب تک وہ مسکرا نہیں پڑتی تھی، وہ کوئی اور کام نہیں کرتا تھا۔ ہاں......! وہی شخص جو زمین کے دوسرے کنارے پر جا کھڑا ہوا تھا،

ایک اور عورت کے ساتھ، وہ عورت جو اس کا سب کچھ بن چکی تھی۔ انعم کے اندر جیسے جوار بھاٹا اُٹھ رہا تھا۔ اسے خود معلوم نہیں تھا کہ اس کی کیفیت اس طرح کیوں ہو رہی ہے......؟ خود ہی تو اس شخص کو اس نے ٹھکرایا تھا اور ہزاروں مرتبہ کہا تھا کہ یہ شخص اس کے بس کا نہیں۔ اس کی کیمسٹری اس سے میچ نہیں ہوئی، وہ اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اکثر یہ بھی کہا تھا کہ اسے اس کی شکل سے نفرت ہے، لیکن اس وقت یہ بند دروازہ اس کو کیوں تنگ کر رہا ہے......؟ پھر وہ کیوں اتنی بے چین ہو رہی ہے......؟ سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق ہی تو ہے۔ اب وہ شخص اس کو کچھ نہیں کہتا۔ اب وہ اس سے بات بھی نہیں کرتا۔

''پھر یہ سب کچھ کیا ہے......؟''

وہ سوچتے سوچتے شل ہو چکی تھی۔ نہ جانے اچانک اسے کیا ہوا......؟ اس نے دونوں ہاتھوں سے دروازہ دھڑ دھڑا دیا تھا اور پھر خود ہی اپنی اس حرکت پر پریشان سی ہو کر دروازے سے چار قدم پیچھے ہٹ گئی تھی اور اب اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ یہاں سے کیسے بھاگ جائے......؟ کیونکہ اگر وہ بھاگی بھی تو ناصر یا اُجالا نے اسے دیکھ ہی لینا تھا۔

''یہ میں نے کیا کیا......؟''

وہ اپنے آپ سے اُلجھنے لگی۔ اسی وقت دروازہ کھل گیا تھا۔ اُجالا کی آنکھوں میں گہری نیند کا تاثر تھا جس سے لگتا تھا کہ وہ بہت دیر سے سو رہی تھی۔ اُجالا نے انعم کو سامنے کھڑا پایا تو اس کی نیند بھک سے اُڑ گئی۔ حیرت کی انتہاء کو پہنچتے ہوئے اس نے انعم سے پوچھا تھا۔

''جی......! خیریت ہے......؟''

انعم خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سوچ رہی تھی کہ اُجالا کی بات کا کیا جواب دے......؟ پھر جیسے فوراً ہی اسے کچھ سوجھ گیا، جلدی سے بولی۔

''وہ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اور سر درد سے پھٹ رہا ہے۔ اگر میں ابھی کچھ دیر تک نہ سوئی تو لگتا ہے مجھے کچھ ہو جائے گا۔ تمہارے پاس ٹرنکولائیز ہے......؟''

انعم نے جلدی سے کہا اور اپنی کنپٹیاں یوں دبانے لگی جیسے واقعی درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی ہوں۔ اُجالا ایک دم سے فکر مند نظر آنے لگی، پھر کچھ سوچنے لگی۔ چند لمحے سوچنے کے بعد جیسے اسے یاد آ گیا کہ ناصر کی ٹرنکولائیز بیڈ روم فرج میں ہوتی ہیں۔

''ایک منٹ، آپ یہیں رُکیں۔ میں اندر سے لے کر آتی ہوں۔''

اُجالا یہ کہہ کر کمرے میں واپس چلی گئی لیکن وہ دروازہ بند کرنا نہیں بھولی تھی۔ اُجالا کا یہ جملہ کہ ''آپ یہیں رُکیں''، انعم کو پھر کسی زاویے سے تنگ کر رہا تھا۔

''اب میں اس شخص کے بیڈ روم میں بھی نہیں جا سکتی، اس عورت کی اجازت کے بغیر۔''

وہ جیسے اندر ہی اندر ریزہ ریزہ ہو گئی۔ اس کی اَنا اور اس کا تکبر ریت کے بے حیثیت ذرّوں کی طرح اِدھر

اُدھر بکھرے پڑے تھے۔ اُجالا فوراً ہی آ گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرنکولائیزر تھیں جو اس نے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بڑی سرد مہری سے کہا تھا۔

''یہ دس بارہ ہیں، میرے خیال سے سب رکھ لیں۔ مجھے تو لگتا ہے جیسے سخت ضرورت ہے آپ کو اس کی۔ بلکہ میں صبح ناصر کی میڈیسن لینے جاؤں گی تو آپ کو پورا پیک لا دوں گی۔ اس کے علاوہ بھی آپ کوئی میڈیسن Use کرتی ہیں تو مجھے بتا دیجئے گا، میں لا دوں گی۔''

اُجالا نے بڑے بے تاثر اور سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔ اس سے قبل کہ انعم کچھ بولتی، اُجالا فوراً کمرے میں چلی گئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ صرف دروازہ ہی بند نہیں کیا تھا بلکہ ہلکی سی ٹھک کی آواز میں بتایا تھا کہ اس نے دروازہ لاک بھی کر لیا تھا۔ انعم گہری سانس سینے سے آزاد کر کے اسی راستے پر چل پڑی جس راستے سے گزر کر اسے ایک چھوٹی سی پناہ گاہ میں جانا تھا جو ناصر نے رحم کے طور پر بخش دی تھی۔

☆......☆......☆

مریم اپنے آفس میں کام کرنے میں مصروف تھی۔ عاطف دروازہ ناک کر کے اندر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک دو نہیں، پانچ فائلیں تھیں۔ اس نے اندر آ کر مریم کو سلام کیا۔

''السلام علیکم میم......!''

مریم اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''وعلیکم السلام......! بھئی یہ صبح صبح اتنا سارا کام کیا میرے لئے ہے......؟ یا ڈسٹری بیوٹ کرو گے......؟''

مریم نے شگفتہ انداز میں عاطف سے پوچھا۔ عاطف بھی اس کی بات پر مسکرا دیا اور بولا۔

''میم......! یہ سب کچھ آپ کے لئے ہے اور مزید بھی آنے والا ہے اور اس کے بعد بھی مزید آ سکتا ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

مریم نے اب حیرت اور سنجیدگی سے عاطف کی شکل دیکھی۔

''مطلب یہ کہ باس کئی دنوں کی چھٹیوں پر چلے گئے ہیں۔ ان کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ سب کچھ اب آپ دیکھیں۔''

''باس کی طبیعت خراب ہے یا ان کی مسز کی......؟''

مریم نے جیسے اپنا شک رفع کرنے کی خاطر اسے پوچھا تھا، کیونکہ اس کے ذہن میں تو یہی تھا کہ اظفر کمال اپنی مسز کی وجہ سے چھٹیاں کر رہے ہیں اور اسے بھی بتا چکے ہیں کہ ان کی وائف بہت سیریس بیمار ہیں۔ ذہنی اور نفسیاتی مریضہ ہیں۔

''تم نے فون کر کے پتا کیا کہ سر کی طبیعت کیوں خراب ہے......؟''

عاطف نے فائلیں ٹیبل پر رکھ دی تھیں۔ اب اس کے ہاتھ آزاد تھے۔ اس نے جھٹ اپنے دونوں ہاتھ

کانوں کو لگاتے ہوئے کہا۔

''میم......! اب سر چھٹیوں پر چلے گئے ہیں تو اتنے دن مجھے ان کی آواز سے دُور ہی رکھئے۔ ان کی آواز سنتے ہی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سامنے ہی کھڑے ہوئے ہیں۔ بس ایک خوف سا بیٹھ گیا ہے۔''

مریم اس کے انداز پر مسکرا پڑی اور بولی۔

''ٹھیک ہے......! میں خود پتا کرلوں گی۔ بری بات......! تمہارے باس ہیں، بہت اچھے باس ہیں۔ محنت سے کام کرتے ہیں اور ان کی محنت کی وجہ سے ہماری اس کمپنی کی گڈ ویل ہے۔ ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ ہم اپنے باس کی خیر خیریت معلوم کرنے جاتے ہیں۔ اپنا لنچ ہاتھ میں پکڑ لیں گے، گاڑی میں باتیں کرتے ہوئے چلے جائیں گے۔''

مریم نے تجویز پیش کی۔ عاطف ذرا اُلجھا ہوا نظر آیا۔ پھر اس نے آہستگی سے ہاں کے انداز میں سر ہلایا اور بولا۔

''میم......! پھر کیوں نہ آف ہونے کے بعد چلیں......؟ اگر واپسی میں دیر ہوگئی ہو تو سارے کام پینڈنگ میں چلے جائیں گے۔''

''نہیں عاطف......! میں آف ہونے کے بعد گھر سے باہر رہنا نہیں چاہتی۔ تمہیں پتا ہے، میرا بچہ ابھی چھوٹا ہے اور میرے نانا جان بھی میرے گھر آئے ہوئے ہیں۔ ہم زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔ سر کا گھر میرا خیال ہے زیادہ دُور بھی نہیں ہے۔ اگر ہم آدھا گھنٹہ لیٹ بھی ہوگئے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آدھے گھنٹے میں ہم کتنا کام کر لیں گے۔''

مریم نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ اس کے انداز میں اتنا قطعی پن تھا کہ عاطف کو انکار کرتے ہوئے شرم محسوس ہوئی۔ وہ کسی اخلاقی فرض سے دوٹوک منع کیسے کر سکتا تھا......؟

''ٹھیک ہے میم......! آپ یہ فائلیں دیکھ لیجئے، اور ہوسکتا ہے کہ ان فائلوں سے متعلق بھی سر آپ سے کوئی بات کریں، اگر آپ یہ کام کر کے نکلیں گی تو زیادہ اچھا ہے۔''

''اوکے اوکے......! میں یہ دیکھ لیتی ہوں۔ تم فکر مت کرو۔ ٹھیک ہے پھر، ہم لنچ بریک میں چلتے ہیں۔ بلکہ لنچ بریک سے پانچ منٹ پہلے ہم اُٹھ جائیں گے۔ ڈرائیور سے کہنا گاڑی بالکل ریڈی رکھے۔''

''اوکے میم......!''

عاطف یہ کہہ کر نکل گیا اور مریم سوچنے لگی کہ اس نے کبھی کسی سے سنا تھا کہ ایک پاگل سو کو پاگل بناتا ہے۔

''یقیناً حد ہی ہوگئی۔ سر بھی بیچارے کیا کریں......؟ دیکھا جائے تو یہ شخص بہت عظیم انسان ہے جو بہر حال ایک تعلق، ایک رشتہ، ایک کمٹ منٹ نبھا تو رہا ہے۔''

اس نے اظفر کمال کے لئے دل میں بہت اچھا محسوس کیا۔

☆......☆......☆

انعم لاؤنج میں بیٹھی ہوئی کوئی فیشن میگزین یوں ہی اُلٹ پلٹ کر رہی تھی۔ ذہن تو اس کا کسی ایک جگہ پر مرکوز نہیں ہوتا تھا۔ جتنی دیر جاگتی رہتی تھی، اِدھر اُدھر دوڑتا رہتا تھا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا، بڑی آہستگی سے چلتی ہوئی اُجالا اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

''آیئے انعم......! لنچ کر لیتے ہیں۔''

اُجالا کی آواز پر انعم بری طرح چونک پڑی۔ پھر اس نے گردن موڑ کر اُجالا کی طرف دیکھا۔ اُجالا کو دیکھتے ہی اس کے اندر اَلاؤ دہکنے لگے۔ وہ غیر ارادی طور پر کہہ بیٹھی۔

''میرا لنچ آپ میرے بیڈ روم میں بھجوا دیا کریں اور بیہ کو بھی۔''

اُجالا نے حیران ہو کر انعم کی طرف دیکھا اور بڑی سادگی سے پوچھنے لگی۔ انعم نے اب اُجالا کو گھور کر دیکھا۔

''میں بیہ کی بات کر رہی ہوں، اپنی بیٹی کی۔ میں نہیں چاہتی کہ میں کسی نہ کسی وجہ سے آپ کے سامنے بار بار آتی رہوں اور آپ کو یوں محسوس ہو کہ میں نے جیسے اس گھر پر دوبارہ سے قبضہ کر لیا ہو۔ میں آپ کو یہی فیل کرانا چاہتی ہوں۔ اس لئے آپ میرا اور بیہ کا لنچ روم میں بھجوا دیا کریں۔''

اُجالا نے پھر حیران ہو کر انعم کی شکل دیکھی تھی کہ اس وقت یہ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی ہے، لاؤنج سے اُٹھ کر ڈائننگ میں بھی جا سکتی ہے۔ آخر لاؤنج میں بیٹھی ہے، تب بھی تو سامنا ہو رہا ہے۔ اسے یوں لگا جیسے انعم کا دماغ ٹھکانے نہیں ہے اور وہ بس یوں ہی کچھ بول رہی ہے۔ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، وہ خاموش ہو کر رہ گئی۔ انعم نے اس کو خاموش پا کر بڑے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''آپ کو کوئی اعتراض ہے تو کہیے......! مگر آپ مجھے یہ بتا دیجئے کہ اگر میں اپنی بیٹی کے ساتھ لنچ کرنا چاہتی ہوں تو اس سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ میری بیٹی ہے۔''

اُجالا اندر سے سہم سی گئی، مگر اس نے بڑی مہارت سے خود کو سنبھال لیا تھا۔

''نہیں انعم......! مجھے کیوں اعتراض ہونے لگا......؟ بے شک آپ بیہ کی ماں ہیں، ساری دُنیا نہ مانے، کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن بیہ آپ کی بیٹی ہے، یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔''

انعم نے سر سے پاؤں تک اُجالا کو دیکھا۔ خوب صورت، صاف ستھری اور رنگوں کے کھلتے ہوئے کپڑوں میں ملبوس وہ دل میں اُتر جانے کی حد تک خوب صورت دکھائی دے رہی تھی۔ انعم کا دل بڑی قوت سے سمٹا پھر پھیلا، پھر سمٹا۔

''یہ تو بڑی سخت سزا ہے امی......!''

اس نے جیسے خیال ہی خیال میں ماں کو مخاطب کر کے دُہائی دی۔

''یہ تو مجھے پاگل کر دے گی۔ اس کو برداشت کرنا اتنا آسان تو نہیں۔''

وہ سوچ رہی تھی، لیکن وہ یہ نہیں سوچ سکتی تھی کہ انعم کو برداشت کرنا اُجالا کے لئے بھی آسان نہیں۔ اسی

وقت مین گیٹ سے چوکیدار نے اِنٹر کام کی گھنٹی بجائی۔ اُجالا نے آگے بڑھ کر اِنٹر کام کا ریسیور اُٹھایا۔ دوسری طرف سے چوکیدار کہہ رہا تھا۔

''بیگم صاحبہ......! ایک مہمان عورت آیا ہے، مہمان بولتا ہے ہمارا نام میڈم شعلہ ہے، اور بولتا ہے کہ ہم تمہارا بیگم کا ماں ہے۔''

اُجالا کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

''ماما آئی ہیں......؟''

اُجالا کا یہ جملہ سن کر انعم نے چونک کر اس کی شکل دیکھی تھی۔

''اُجالا کی ماں آئی ہے، اس سے تو ملنا چاہئے۔''

انعم نے [illegible]حا۔ اُجالا نے بمشکل چوکیدار کہا تھا۔

''ٹھیک ۔ ..! ماما کو اندر آنے دو۔''

یہ کہہ کر اس نے اِنٹر کام کا ریسیور رکھا اور واپس پلٹی تو انعم کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا۔

''تمہاری ماما آئی ہیں۔ میری امی سے تو تم مل چکی ہو۔ ہم بھی تمہاری ماما سے مل لیتے ہیں۔''

انعم نے بڑی عجیب سے انداز میں اُجالا سے مسکرا کر کہا تھا۔ مگر اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ماں کے آنے پر اُجالا خوش ہونے کی بجائے اتنی پریشان کیوں دکھائی دے رہی ہے......؟ ابھی بس وہ اتنا ہی سوچ پائی تھی کہ اسے اپنے پیچھے ہیل کی کھٹ کھٹ سنائی دی۔ اس نے بے ساختہ گردن موڑ کے دیکھا۔ ایک الٹرا ماڈرن خاتون سلیولیس بلاؤز اور بڑی قیمتی ساڑی میں ملبوس کھٹ کھٹ کرتی اندر کی طرف چلی آرہی تھیں۔ چھوٹا سا مگر قیمتی پرس ان کے ہاتھ میں جھول رہا تھا۔ انعم نے اتنی شاندار، اتنی طرح دار اور اتنی ماڈرن عورت کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھا جو کہیں سے بھی اُجالا کی ماں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ دونوں ماں بیٹی میں اتنا ہی فرق نظر آرہا تھا جتنا کہ زمین اور آسمان میں۔ اُجالا اس وقت بھی بڑے شائستہ لباس میں ملبوس تھی اور بڑے خاص انداز میں اس نے سر پر دوپٹہ بھی اوڑھ رکھا تھا۔ اکثر وہ اُجالا کو سر ڈھانپے ہی دیکھتی تھی اور دل ہی دل میں اس نے سوچا بھی تھا کہ شاید یہ اپنے آپ کو بہت شریف اور نیک ظاہر کرنے کے لئے ایسا حلیہ بنائے رکھتی ہے۔

''السلام علیکم ماما......!''

اُجالا کی آواز نے انعم کا تصور توڑ دیا۔ میڈم شعلہ، اُجالا کی طرف بڑھیں، اسے گلے لگایا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''کیسی ہو میری جان......؟ بہت دل چاہ رہا تھا تم سے ملنے کو۔ تم سے تو اتنا نہیں ہوتا کہ ماں کو ایک منٹ کی فون کال ہی کرلو۔''

انعم بڑی گہری نظروں سے دونوں ماں بیٹی کو دیکھ رہی تھی۔ انعم نے بھی اب میڈم شعلہ کو اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی کوشش کی اور سلام کر ہی ڈالا۔

''السلام علیکم آنٹی......!''

میڈم شعلہ نے ایک دم چونک کر انعم کی طرف دیکھا، پھر اُجالا سے پوچھا۔

''ارے......! کیا گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں......؟ کون ہے یہ......؟''

اُجالا بری طرح گھبرا گئی تھی۔ اتنی بری طرح سے کہ یوں لگتا تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں اس کا ساتھ چھوڑے دے رہے ہیں۔

''ہماری رشتہ دار ہیں ممی......! آپ بیٹھیں، میں آپ کے لئے کچھ چائے ٹھنڈا منگواتی ہوں۔''

''نہیں نہیں......! میں تو کھڑے کھڑے تم سے ملنے آئی تھی۔ ظاہری بات ہے، تمہارا دل پتھر ہو چکا ہے۔ مگر میں تو ماں ہوں، میں تو اپنا دل پتھر نہیں کر سکتی ناں، میں بھی دیکھ رہی تھی آخر تم مجھے کتنے دن فون نہیں کرو گی......؟''

میڈم شعلہ نے اُجالا کو جیسے کھری کھری سنانا شروع کر دیں۔ انعم پر جیسے حیرت کا آسمان ٹوٹ پڑا تھا کہ یہ ماں بیٹی کے درمیان کیسی گفتگو ہو رہی ہے......؟ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے اُجالا اس کی موجودگی میں اپنی ماں سے بات کرتے ہوئے کترا رہی ہے۔ انعم کو یہ کھٹکا ہوا کہ دال میں کچھ کالا ہے، کیونکہ ماں بیٹی کے تعلقات میں تکلف بڑا صاف محسوس ہو رہا تھا اور کوئی گڑبڑ بھی۔ وہ بہت تیز ذہن کی تھی۔ کھٹاک سے اس کے ذہن میں یہ بات آئی۔

''میرے سامنے تو دونوں بہت محتاط انداز میں بات چیت کر رہی ہیں۔ کیوں نہ ان کی باتیں چھپ کر سنی جائیں تاکہ پتا چلے کہ آخر معاملہ کیا ہے......؟ آخر اُجالا اپنی ماں کے یہاں آجانے پر اتنا گھبرا کیوں رہی ہے......؟ اور ماں اس سے فون نہ کرنے کی شکایت کیوں کر رہی ہے......؟''

یہ سوچ کر انعم نے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی اور اُجالا سے بولی۔

''اُجالا......! میں اپنے روم میں جا رہی ہوں۔ میں کافی دیر سے یہاں بیٹھی ہوں، اب تھک گئی ہوں۔ تم اپنی ممی سے باتیں کرو اور ان کو چائے وغیرہ پلاؤ۔ ٹھیک ہے......!''

یہ کہہ کر انعم بڑے انداز سے چلتی ہوئی لاؤنج سے باہر چلی گئی۔ لاؤنج سے باہر نکلنے کے بعد وہ زینے کی طرف نہیں گئی بلکہ وہ اس طرف مڑ گئی جس طرف بیبہ کا کمرہ تھا۔ بیبہ کے کمرے اور لاؤنج کی دیوار کے درمیان ایک آڑ تھی جہاں وہ کھڑی ہو کر بہت آرام سے سن سکتی تھی۔ اُجالا کو لاؤنج سے باہر آتا پا کر وہ تیزی سے بیبہ کے کمرے میں بھی جا سکتی تھی۔ وہ چھپ کر دونوں ماں بیٹی کی باتیں سننے لگی۔ اُجالا اپنی ماں سے کہہ رہی تھی۔

''ممی......! آپ یہاں کیوں آئی ہیں......؟''

''میں تمہاری ماں ہوں اُجالا......! آخر میں تمہارے گھر کیوں نہیں آ سکتی......؟ اور مجھے یہاں آنے سے کون روک سکتا ہے......؟''

میڈم شعلہ نے اپنے پرس سے سگریٹ اور لائٹر نکالا۔ پھر سگریٹ ہونٹوں میں دبائی اور لائٹر سے سلگانے لگیں۔

''ممی......! آپ سمجھا کریں، کسی کو مان نہیں ہے کہ آپ میری ماں ہیں۔''

اُجالا بہت آہستہ سے بات کر رہی ہے ن انعم کان لگائے کھڑی تھی اور اس کی ساری توجہ لاؤنج میں ہونے والی ماں بیٹی کی گفتگو پر تھی۔

''ارے......! کیا وہ تمہارے سرکاری افسر نے پابندی لگائی ہے......؟''

انہوں نے سگریٹ ایک کش لیتے ہوئے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ اُجالا کی دھیمی آواز لاؤنج میں اُبھری۔

''انہوں نے کچھ نہیں کہا اور انہوں نے مجھ پر بھی کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی۔ بس مجھے خود خوف آتا ہے۔ ماما......! کبھی کبھی میں خود آپ سے ملنے آجایا کروں گی۔ پلیز آپ یہاں نہ آیا کریں۔ ناصر بہت عزت دار ہیں۔''

اُجالا ذومعنی انداز میں ماں سے کہہ رہی تھی اور انعم کی آنکھیں حیرت سے پھٹی جا رہی تھیں۔ میڈم شعلہ کی آواز ایک دم سے پورے گھر میں گونجی۔

''اور کیا ہم بے عزت لوگ ہیں......؟ اگر اتنا عزت دار تھا تو ہماری لڑکی سے شادی کیوں کی تھی......؟ چلا جاتا عزت داروں میں، اس زمانے میں عزت کا معیار دولت سے ہے۔ تمہاری ماں کے پاس بے پناہ دولت ہے۔ تمہارے شوہر کے باس مجھے سلامی دیتے ہیں۔ کیا سمجھی......؟''

انعم نے بے اختیار لاؤنج میں سر آگے کر کے دیکھا جیسے وہ اس خوف سے بھی بے نیاز ہوگئی کہ میڈم شعلہ یا اُجالا اسے نہ دیکھ لیں۔ بات ہی ایسی تھی۔ میڈم شعلہ سگریٹ کے کش پر کش لگا رہی تھیں اور دُھوئیں نے اس کے چہرے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ ساتھ ہی کہہ رہی تھیں۔

''جس لڑکی کی بیک کمزور ہوتی ہے، اس کا شوہر بھی اس کی پرواہ نہیں کرتا۔''

اُجالا نے فوراً ماں کی بات کاٹ دی تھی۔

''ماما ناصر ایسے نہیں ہیں، میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔''

میڈم شعلہ طنزیہ انداز میں قہقہہ لگا کر بولیں۔

''ابھی نیا نیا معاملہ ہے میری جان......! ابھی تمہاری خوب صورتی اور حسن نے اس کا دماغ سُن کیا ہوا ہے۔ اس کی بیٹی بھی تمہارے ساتھ رہ رہی ہے۔ کیوں......؟ رہ رہی ہے ناں......؟ اس کا بچہ پال رہی ہو۔''

اُجالا نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا اور بولی۔

''ماما......! آہستہ بولیں، کوئی سن نہ لے۔ ظاہر ہے، ناصر کی بیٹی ہے، باپ کو چھوڑ کر کہاں جائے گی......؟''

''میں نے تو سنا ہے کہ اس کی ماں زندہ ہے۔ ارے......! اولاد پیدا کی ہے تو ذمہ داری کیوں نہیں اُٹھاتی......؟ تمہیں کیا فالتو شئے سمجھا ہوا ہے......؟ میں نے ناصر کو آیا نہیں دی ہے۔ اپنے خزانے کا سب سے قیمتی ہیرا دیا ہے۔''

اُجالا نے جیسے ماں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''ماما......! آہستہ بولیں، پلیز۔''

میڈم شعلہ نے جیسے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی تھی، اب قدرے پُرسکون ہوگئی تھیں۔ چند لمبے سگریٹ کے کش لگانے کے بعد بولیں۔

''اچھا چلو، ٹھیک ہے......! تھوڑی دیر کے لئے میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں کچھ شاپنگ کرا دوں۔ تم تو یہاں اچھی اور مہنگی چیزوں کو بھی ترس گئی ہوگی۔ جتنی تمہاری شوہر کی تنخواہ ہے، اس سے زیادہ میرا منیجر لے لیتا ہے۔''

وہ بہت مغرورانداز میں کہہ رہی تھیں۔

''مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ماما......! ناصر نے مجھے سب کچھ دیا ہوا ہے اور میں آپ سے ریکویسٹ کرتی ہوں کہ پلیز آپ یہاں سے چلی جائیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں خود آپ سے ملنے آجایا کروں گی۔ پلیز......! آپ آئندہ یہاں مت آیئے گا۔''

میڈم شعلہ کی ایک دم پھر گرج دار آواز پورے ماحول میں گونجی۔

''آج ماں سے منہ موڑ رہی ہے، کل کو ماں یاد بہت آئے گی۔ ٹھیک ہے......! میں چلی جاتی ہوں، اگر مجھ سے کانٹیکٹ نہ کیا تو میں پھر آجاؤں گی۔ اس لئے کہ میں تمہاری ماں ہوں اور مجھے تمہاری بہت فکر ہے۔''

یہ کہہ میڈم شعلہ نے اپنا پرس ٹیبل سے اُٹھایا اور لاؤنج سے باہر جانے لگیں۔ انعم نے بس اتنا ہی سنا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے چلتی ہوئی زینے کی طرف آئی تھی۔ باتیں سننے کا ارمان پورا ہوگیا تھا۔ حیرت کم ہونے کی بجائے اور بڑھ گئی تھی۔ اب اسے اندیشہ لاحق ہورہا تھا کہ کہیں اُجالا اسے نہ دیکھ لے۔ اسے تو یہ محسوس ہورہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے اور گڑبڑ کیا ہے......؟ یہ ابھی وہ نہیں سمجھ سکتی تھی۔ لیکن ایک عجیب سا سکون اندر ضرور ہورہا تھا کہ جو بھی گڑبڑ ہے، ہو سکتا ہے کہ آنے والے کل میں اسے اس سے کوئی فائدہ ہو۔ اس کا شیطانی دماغ بڑی تیزی سے کام کررہا تھا۔

☆......☆......☆

اظفر کمال، بیلا کو تلاش کرنے میں آخر کامیاب ہو ہی گئے۔ انہوں نے بہت بھاگ دوڑ کی تھی۔ وہ کمرے سے تو نکل نہیں پائے تھے مگر تمام شہر میں جیسے انہوں نے فون کی گھنٹیاں بجا دی تھیں۔ وہ شہر میں بہت عزت دار آدمی کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ ان کے بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات تھے۔ آخرکار پولیس نے بیلا کو ڈھونڈ نکالا تھا اور کچھ دیر پہلے وہ اظفر کمال کے حوالے کرگئی تھی۔ بیلا کو اس کی نرس نے فوراً ہی انجکشن دے کر گہری نیند سلا دیا تھا۔ اظفر کمال اپنے اسی بیڈروم میں قیدِ تنہائی کاٹ رہے تھے جو پندرہ سال پہلے ان کا مقدر بن گئی تھی۔ طبیعت میں اتنی بے زاری تھی کہ جی چاہتا تھا کہ بس کچھ نہ کریں۔ بس اس نیم تاریک کمرے میں اکیلے پڑے رہیں۔ لیکن اس وقت وہ چونک پڑے جب نوکر نے آکر یہ بتایا کہ ان کے آفس سے مریم اور عاطف عیادت کے لئے آئے ہیں۔ نیم تاریک کمرے میں قوس وقزح اُتری ہوئی تھی۔ ایک ملکوتی دودھیا سی روشنی نے کمرہ منور کردیا تھا۔

''مریم آئی ہے میری خیریت معلوم کرنے......؟ او میرے خدا......! میں تو مر رہا تھا، کیسے ایک دم سے زندہ

ہوگیا......؟ یہ مجھے کیا ہوگیا......؟ مجھے ایسے محسوس نہیں کرنا چاہئے۔ وہ ایک شادی شدہ لڑکی ہے اور ایک بچے کی ماں ہے۔ یہ مجھے کیا ہوتا جارہا ہے......؟ میرا ذہن مریم سے ہٹتا کیوں نہیں ہے......؟ یہ تو بہت غلط بات ہے۔''

وہ بری طرح اُلجھنے لگے تھے۔نوکر حیران ان کو منتظر کھڑا دیکھ رہا تھا۔

''صاحب......! مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔کیا آپ آرہے ہیں......؟''

نوکر پوچھ رہا تھا۔اظفر کمال نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا اور پھر دوسری نظر اپنے حلیے پر ڈالی۔

''ہاں ہاں......! جب تک تم ان لوگوں کو چائے ٹھنڈے کا پوچھو اور میں چینج کر کے آتا ہوں۔بس میں ابھی پانچ منٹ میں آرہا ہوں۔''

ان کے ہاتھوں پیروں میں جیسے برقی رو دوڑنے لگی تھی۔مریم کا نام جیسے کوئی برقی تاثر رکھتا تھا۔وہ اس بستر سے اُٹھ کھڑے ہوئے جس بستر سے اُترنا ان کو بہت بڑا کام دکھائی دے رہا تھا،اب وہ کام انہوں نے پلک جھپکنے میں کرلیا اور تیزی سے سوچتے ہوئے چلے گئے۔مریم اور عاطف، اظفر کمال کے شاندار گھر کے خوب صورت ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ڈرائنگ روم میں بہت ساری آرائشی اشیاء تھیں۔لیکن ان تمام آرائشی اشیاء کے بیچ میں ایک فریم شدہ تصویر مریم کو اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔ یہ تصویر اظفر کمال اور بیلا کی شادی کی تصویر تھی۔ بیلا دُلہن بنی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھی تھی۔اظفر کمال اس کے دائیں جانب کھڑے تھے اور انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا۔ دونوں کے چہروں پر مسکراہٹیں تھیں اور آنکھوں میں بڑے رنگین خوابوں کا عکس تھا۔مریم بہت مبہوت سی اس تصویر کو دیکھے جارہی تھی۔وہ سوچ رہی تھی کہ اس تصویر کے بنتے وقت کتنا خوب صورت وقت اظفر کمال کی مٹھی میں تھا۔

''اُف خدایا......! کچھ لوگوں پر شادیوں کا بہت برا اثر ہوتا ہے۔''

اس نے جیسے جھرجھری لے کر سوچا۔

''اظفر کمال کو شادی سے کسی اور طرح کا نقصان ہوا،اور مجھے کسی اور طرح کا۔لیکن جب کس کی شادی شدہ زندگی ناکام ہوتی ہے۔تو یوں لگتا ہے جیسے......''

تصویر دیکھتے ہوئے اس کا ذہن منتشر ہوگیا، جبکہ عاطف بڑے قیمتی اور نادر قسم کے ڈیکوریشن پیسز کی طرف متوجہ تھا اور دل ہی دل میں اظفر کمال کے اعلیٰ ذوق کی داد دے رہا تھا۔مریم کی نظریں تصویر سے ہٹ نہیں رہی تھیں اور اسی وقت اظفر کمال ڈرائنگ روم میں چلے آئے تھے۔

''السلام علیکم......!''

انہوں نے عاطف پر ایک سرسری اور مریم پر تفصیلی مگر لاشعوری نگاہ ڈالی تھی۔مریم اور عاطف اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''وعلیکم السلام......!''

انہوں نے سلام کا جواب دیا۔

''آپ کی طبیعت اب کافی بہتر دکھائی دے رہی ہے۔''

مریم نے شگفتہ انداز میں بات شروع کی۔ اظفر کمال نے دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر بڑے معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولے۔

''کچھ دیر پہلے تو بستر سے اُٹھا نہیں جا رہا تھا لیکن اس وقت میں جسم کے اندر بہت توانائی محسوس کر رہا ہوں۔''

مریم اس معنی خیز جملے پر اندر ہی اندر ٹپٹا کر رہ گئی۔ اسے اظفر کمال سے اس جملے کی توقع بالکل نہیں تھی بلکہ وہ تو یہ سوچ کر آئی تھی کہ اظفر کمال تو اتنے زیادہ بیمار ہیں کہ وہ زیادہ بات ہی نہیں کر سکیں گے، لیکن وہ بڑے چاق و چوبند دکھائی دے رہے تھے۔ مریم کو ایک دم خیال آیا کہ ان کی بیماری کی وجہ تو ان کی بیگم کی گمشدگی تھی۔ اس نے چونک کر سوال کیا تھا۔

''سر......! آپ کی مسز لاپتہ ہوگئی تھیں، کیا ان کا کچھ پتہ چلا......؟''

اظفر کمال نے ایک گہری ٹھنڈی سانس سینے سے بڑے اہتمام کے ساتھ آزاد کی جیسے انہیں جواب دینے کی کوئی جلدی نہ ہو۔

''خیر سے آگئیں ہیں محترمہ......! اور ان کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ نئے سرے سے امتحان شروع۔ لیکن میں خود حیران ہوں کہ یہ میری قسمت ہے تو میں عادی کیوں نہیں ہو جاتا......؟''

وہ بول رہے تھے، مریم سن رہی تھی اور عاطف حیرت سے آنکھیں پھاڑے اظفر کمال کو دیکھ رہا تھا۔ وہ چیختا چنگھاڑتا باس جس کے سامنے کھڑا ہونے سے اس کی جان جاتی تھی، اس وقت کتنا ٹوٹا اور تھکا تھکا دکھائی دے رہا تھا۔ بلکہ وہ اظفر کمال تو کہیں سے بھی جھلک نہیں رہا تھا جس اظفر کمال کو وہ آفس میں دیکھتا تھا۔

''آپ کوشش کریں سر......! بہت زیادہ کوشش کرنے سے پہلے ہمت ہارنا بھی اچھی بات نہیں ہوتی۔ بہت سارے غریب گھر کے لوگ ہیں اور سننے میں آیا ہے کہ بہت سے لوگ غربت سے تنگ آ کر اپنی اولاد کو فروخت بھی کر دیتے ہیں۔ آپ ان لوگوں میں دیکھیں۔ آپ کہہ رہے تھے ناں کہ آپ کی مسز کا علاج صرف اور صرف ایک ہنستا کھیلتا ہوا بچہ ہے۔''

''میں نے ٹھیک کہا تھا مس مریم......! اور آج بھی کہہ رہا ہوں کہ اس کا علاج ہی بچہ ہے۔ ڈاکٹر، اسپیشلسٹ سب آخر کار اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ایسی کوئی دوا ایجاد ہی نہیں ہوئی جو اسے ہوش کی دُنیا میں واپس لے آئے یا اس کا دماغ ٹھیک کر دے۔''

اتنا کہتے ہوئے اظفر کمال کے لہجے میں ترشی اور تلخی کی کیفیت جھلکنے لگی تھی۔

''اور رہی آپ کے مشورے کی بات تو آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں ذہنی طور پر اتنا شل ہو چکا ہوں کہ ایک چھوٹے سے بچے کا گارجین نہیں بن سکتا۔ بچہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہوتا ہے مس مریم......! اور وقتی طور پر کوئی اپنا بچہ دینے کو تیار بھی نہیں ہوتا۔ میں نے تو اپنے دوستوں میں بہت کہا کہ دو چار مہینے کے لئے ہی مجھے اپنی فیملی سے کوئی شیر خوار بچہ لا دیں، لیکن لوگ ڈر جاتے ہیں، اور ٹھیک ہی ہے، کوئی اپنا چھوٹا سا دودھ پیتا بچہ کسی پاگل

عورت کے حوالے کرنا بڑا ہائیپر لی رسک ہے۔‘‘

مریم بہت توجہ سے ان کی بات سن رہی تھی۔ اظفر کمال کی بات مکمل ہونے کے بعد اس نے کہا۔

’’سر......! یہ تو بچے سے بہت پیار کریں گی، بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ وہ جو اتنی خطرناک ہو جاتی ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے ناں کہ ان کی گود میں بچہ نہیں ہے، پھر لوگ کیوں ڈر جاتے ہیں......؟ یقیناً یہ بات آپ نے اپنے بہت قریبی ملنے والے لوگوں سے کی ہوگی۔‘‘

مریم نے اظفر کمال کی طرف دیکھا۔ عاطف بھی بہت غور سے اظفر کمال کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا جو سر جھکائے کچھ سوچ رہے تھے۔

’’جی......! آپ نے ٹھیک کہا۔ بچہ پا کر تو وہ خود کو بالکل بھول جائے گی۔ لیکن آپ خود بھی ماں ہیں مریم......! سوچو تو سہی، دو چار مہینے کے لئے کون اپنا دودھ پیتا بچہ کسی کی گود میں دینے لگا......؟ اس لئے تو میں نے اب اس ٹاپک پر سوچنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کے اوپر دوائیاں بھی اثر کرنا چھوڑ چکی ہیں کیونکہ اس کی اپنی Will بالکل ختم ہو چکی ہے۔ اس نے ریت کی طرح اپنے آپ کو گرا دیا ہے، بکھیر دیا ہے اور میڈیسن بھی تبھی کام کرتی ہے جب بندہ اپنا ارادہ استعمال کرے، ٹھیک ہونے کی نیت بھی کرے۔ وہ تو ٹھیک ہونا ہی نہیں چاہتی۔ اسے تو صرف بچہ چاہئے۔‘‘

اتنا کہہ کر اظفر کمال خاموش ہو گئے۔ نوکر چائے کے ساتھ خاصے لوازمات لے کر اندر داخل ہوا تھا۔ مریم نے اظفر کمال کی طرف دیکھا اور بڑی شرمندہ شرمندہ انداز میں بولی۔

’’سر......! ہم تو آپ کی عیادت کے لئے آئے تھے۔ آپ نے یہ اتنا تکلف کیوں کر دیا......؟‘‘

عاطف نے بھی جلدی سے کہا۔

’’جی سر......! آپ تو آلریڈی ڈسٹرب ہیں۔ یہ مہمانداریاں اور تکلفات، یہ تو سمجھیں ہم نے آپ پر بوجھ ڈال دیا بلکہ ڈسٹرب کر دیا اس وقت آ کر۔‘‘

اظفر کمال نے لاشعوری طور پر نظریں اُٹھا کر مریم کی طرف دیکھا۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں، مگر انہوں نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا۔

’’ٹھیک ہے......! مجھے پتا ہے، آپ لنچ ٹائم میں آئے ہیں۔‘‘

’’جی سر......! لیکن ہم نے راستے میں کھا لیا تھا۔ لنچ ہم لوگ گاڑی میں لے کر بیٹھ گئے تھے۔‘‘

’’یہ تو فارمیلٹی ہے۔ اتنا تو چلتا ہے، پلیز آپ کچھ لیں۔‘‘

وہ مریم کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ بات کرنے کا بھی کیا خوب بہانہ تھا۔ اس بہانے سے اس چہرے کا بھرپور دیدار ہو جاتا تھا۔ جواب انہیں تنہائی میں بہت ڈسٹرب کرنے لگا تھا اور وہ خود کو سمجھا سمجھا کر ہار جاتے تھے۔

☆......☆......☆

بشر علی، مسز سارہ اور مریم تینوں لاؤنج میں تھے۔ فضیل کی آیا ابھی ابھی سوتے ہوئے فضیل کو مریم کی گود سے لے کر لاؤنج سے گئی تھی۔

''ممی ......! اگر آپ سر کی مسز کو دیکھیں تو آپ کو دُکھ ہوگا۔ ان کا دُکھ تو اتنا بڑا دُکھ ہے کہ اپنے دُکھ بہت چھوٹے لگتے ہیں۔''

بشر علی نے مریم کی بات سن کر فوراً ہی ٹکڑا لگایا۔

''ارے بھئی ......! بیٹا ......! خدانخواستہ تمہیں کیا دُکھ ہے ......؟ اللہ کا شکر ادا کرو۔ اللہ نے ہر نعمت سے مالا مال کیا ہے۔ ایک اچھا شوہر، اچھی ساس اور اولاد۔ یہی تو اس دُنیا کی نعمتیں ہیں جو پروردگار نے تمہیں عطا کیں۔''

مریم نے نانا کی بات سن کر بڑے بے اختیار انداز میں مسز سارہ کی طرف دیکھا تھا اور مریم کو اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ نظریں چرانے لگیں تھیں۔ مریم نے ایک گہری سانس لی۔

''نانا جان ......! ایک عورت کے لئے یہ کتنا اذیت ناک ہے کہ وہ کئی مرتبہ ماں بنی اور ہر مرتبہ گود میں مردہ بچہ آیا ......؟''

''بہت بڑی بات ہے بیٹا ......! اور محسوس کرنے کی بات ہے۔ میں تمہارے باس کی ہمت کو شاباش دیتا ہوں، جس نے ایک بیمار ذہن کے ساتھ ساری زندگی گزار دی۔ وہ تو بہت عظیم انسان ہے۔''

بشر علی بہت دلسوزی اور ہمدردی سے کہہ رہے تھے۔

''بیٹا ......! آج کل ایسی کون سی بیماری ہے جس کا علاج نہیں ہے ......؟ اگر توجہ سے علاج معالجہ کرایا جائے تو ہوسکتا ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔''

مسز سارہ نے کہا تھا۔

''ممی ......! میں نے بھی یہ بات سر کو کہی تھی تو سر نے یہی جواب دیا کہ ان کا علاج صرف بچہ ہے۔ کیونکہ ساری دوائیں ان پر فیل ہو چکی ہیں اور ان کو سلانے کے لئے بہت زیادہ ہائی پوٹینسی کا نیند کا انجکشن دینا پڑتا ہے۔ ٹیبلٹ تو ان پر اب جیسے اثر ہی نہیں کرتیں۔''

''بس بیٹا ......! اسے کہتے ہیں آزمائش، اور اس دُنیا کو کہتے ہیں آزمائش گاہ۔ کوئی کسی طرح آزمایا جا رہا ہے تو کوئی کسی طرح سے آزمایا جا رہا ہے۔ بس سب کو قدرت نے کام میں لگا رکھا ہے۔''

بشر علی بڑی اُداس سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے۔

''اب تم اپنے سر کے بارے میں ہی سوچتی رہو گی یا ہمیں کوئی اچھی سی کافی بھی ملے گی ......؟''

بشر علی نے بات کا رُخ موڑنے کے لئے بڑے شگفتہ انداز میں کہا کیونکہ ماحول بہت اُداس ہو گیا تھا۔

''نانا جان ......! کافی تو میں آپ کو ضرور پلاؤں گی۔ اس وقت آپ سے اور ممی سے ایک بات کرنا ہے۔ دیکھیں، آپ بہت تحمل سے میری بات سنئے گا۔''

مریم نے کچھ زیادہ ہی لمبی تمہید باندھی تھی۔ بشر علی اور مسز سارہ، دونوں حیرت سے مریم کو دیکھنے لگے۔

''ہاں ہاں بیٹا......! کہو، اللہ کا شکر ہے، تحمل بہت ہے۔ ہر بات ہم تحمل سے سنتے ہیں۔ اس لئے کہ جذباتی ہونے میں نقصان بہت ہے۔ زندگی نے یہی سکھایا ہے۔''

مسز سارہ بے ساختہ مسکرا پڑیں اور منہ سے نکل گیا۔

''کاش بہت سے لوگوں کو یہ بات زندگی بہت جلدی سکھا دیا کرے۔''

مریم نے ساس کے لہجے میں چھپا ہوا طنز پہچان لیا تھا، مگر وہ انجان بن گئی اور یوں ہوگئی جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

''ہاں ہاں......! بولو بیٹا......! کیا کہہ رہی تھیں......؟''

بشر علی نے کہا۔

''نانا جان......! میں یہ سوچ رہی تھی کہ میں سر کو کئی مرتبہ بچہ لینے کا مشورہ دے چکی ہوں اور ہر مرتبہ انہوں نے یہی کہا ہے کہ کوئی اپنا بچہ ڈر کی وجہ سے، خوف کی وجہ سے نہیں دیتا، کیونکہ بیلا کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے......''

اس وقت مسز سارہ نے مریم کی بات بیچ میں سے اُچک لی اور بولیں۔

''ہاں تو وہ ٹھیک ہی ڈرتے ہیں۔ ایک پاگل عورت کو کون اپنا بچہ دے گا......؟ دماغ ہی خراب ہوگا اس کا۔''

مریم نے ساس کی بات سن کر اندازہ کرلیا کہ وہ جو بات کرنے جا رہی ہے، اس کے بعد اسے کتنے سخت ردِعمل کا سامنا ہوسکتا ہے۔

''یہ بات تو ٹھیک ہے، لیکن وہ بچے کو پاکر اتنی ریلیکس ہو جائیں گی تو پاگل محسوس ہی نہیں ہوں گی۔ ان کا تو علاج ہی بچہ ہے۔''

بشر علی اب کچھ اُلجھ گئے اور بولے۔

''مطلب کیا ہے تمہارا......؟''

مریم نے کہا۔

''مطلب یہ ہے نانا جان......! کہ اگر میں چند دن کے لئے فضیل کو بیلا کی گود میں دے دوں، تاکہ پتا چل جائے کہ ان کا علاج یہی ہے یا ڈاکٹروں کا اندازہ غلط ہے......؟''

مسز سارہ جیسے ایک دم ہتھے سے اُکھڑ گئیں اور پہلی بار مریم سے بڑے سخت لہجے میں بولیں۔

''مریم بیٹا......! ہوش میں تو ہو......؟ کیسی باتیں کر رہی ہو......؟ ارے......! اپنا دودھ پیتا ہوا شیر خوار بچہ اس پاگل کی گود میں دو گی تم......؟ نہیں نہیں......! یہ بہت ہائی رِسک ہے۔ ایسا سوچنا بھی نہیں۔''

بشر علی بھی فوراً بولے۔

''ہاں......! ٹھیک ہے، ہمدردی اپنی جگہ، مگر یہ ہمدردی نہیں پاگل پن ہے۔ تم خود بتا رہی ہو کہ وہ خاتون تو

ہوش وحواس سے بیگانہ ہو چکی ہیں اور گھر سے بھی نکل گئیں تھیں، نرس پر بھی انہوں نے حملہ کیا تھا۔ کچھ عقل کی بات کرو بیٹا......! مجھے تم سے یہ اُمید نہیں تھی۔''

مریم نے دونوں کو باری باری دیکھا اور بڑے سکون سے کہا۔

''آپ میرے نانا جان ہیں اور ممی......! آپ فضیل کی دادی، لیکن میں فضیل کی ماں ہوں۔ مجھ سے زیادہ اپنے بچے کے لئے حساس کون ہوسکتا ہے......؟''

مسز سارہ نے مریم کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی فوراً کہا۔

''بس کرو مریم......! اس طرح کی باتیں تو تمہیں بالکل سوٹ نہیں کرتیں۔ یہ بے انتہاء جذباتی پن ہے۔ آخر سب ہی لوگوں کو ان سے ہمدردی ہوگی اور کوئی دوسرا ہمدردی میں اتنا پاگل کیوں نہیں ہوا......؟ تمہارا کیا اِنٹرسٹ ہے......؟''

''ممی......! میرا صرف یہ اِنٹرسٹ ہے کہ وہ عورت ٹھیک ہو جائے۔ مجھے بس ایک عورت کا یہ دُکھ کہ وہ ماں بننے کے باوجود بھی اپنے بچے سے نہیں کھیل سکی، بہت تکلیف دیتا ہے اور اس وجہ سے کافی لوگ بڑی تکلیف دہ زندگی گزار رہے ہیں۔''

''بیٹا......! اپنی اپنی قسمت ہوتی ہے۔ رہنے دو، اس طرح سے آئندہ کبھی سوچنا بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری گود بھری رکھے۔ تم اپنے بچے کی خوشیاں دیکھو۔ ٹھیک ہے، ہمدردی اچھی چیز ہے۔ لیکن ہمدردی کرنے سے پہلے غور و فکر بھی ہونی چاہئے۔''

''اور نہیں تو کیا......؟''

بشریٰ علی کی بات پوری ہوتے ہی مسز سارہ نے بھی فوراً گرہ لگائی۔ مریم نے جیسے ہار نہیں مانی تھی۔ وہ جیسے کچھ سوچ کر بیٹھی تھی اور اس وجہ سے سوچ کر بیٹھی تھی کہ وہ دوسروں کے بچوں کے لئے مشورہ دے رہی ہے۔ خود اپنے آپ کو بھی تو چیک کرے، کسی کا دُکھ دُور کرنے کے لئے اس میں کتنا حوصلہ ہے......؟

''اور عدیل کے سامنے تو تم یہ بات کرنا بھی نہیں۔''

مسز سارہ نے نہ جانے کیوں کہہ دیا تھا......؟

''مجھے عدیل کے سامنے بات کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے ممی......! یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔''

''یہ تمہارا ذاتی مسئلہ نہیں ہے۔ فضیل، عدیل کا بھی بیٹا ہے، صرف تمہارا نہیں، اور جتنا حق تمہارا ہے اس بچے پر، اتنا ہی اس کے باپ کا بھی ہے، اور تم نے عدیل سے بات کئے بغیر یہ سوچ بھی کیسے لیا......؟ چلو میں ساس ہوں، مجھے تو رہنے دو، لیکن بچے کا باپ تو موجود ہے، اس کے باپ کے ہوتے ہوئے تم اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر سکتی ہو......؟''

''تمہاری ساس بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بیٹا......! عدیل بچے کا باپ ہے اور تم اس سے صلح ومشورہ کئے بغیر بچے کے معاملے میں کوئی چھوٹا یا بڑا فیصلہ کبھی نہیں کر سکتیں۔''

مریم نے بشرعلی کی طرف دیکھا تو بڑی اُداس سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلنے لگی۔

''چھوڑیں نانا جان......! اس دُنیا سے دُکھ کبھی دُور نہیں ہوں گے۔ کیونکہ کسی کا دُکھ دُور کرنے کے لئے بہت حوصلہ چاہئے۔ میں آپ کے لئے کافی لاتی ہوں۔''

مریم یہ کہہ کر اُٹھی اور کچن کی طرف چل پڑی۔ بشرعلی اور مسز سارہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دونوں مسکرا دیئے۔ بشرعلی جیسے اپنی طرف سے نواسی کی صفائی پیش کرنے لگے۔

''ارے بھئی......! مسز سارہ......! خیال نہ کیجئے گا۔ یہ بہت ہمدرد طبیعت کی لڑکی ہے۔ شروع سے ہی ایسی ہے۔ ہر کسی کا دُکھ دُور کرنے کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے۔''

مسز سارہ بھی زبردستی مسکرائیں۔ مریم کی بات نے جو کوفت ان کی رَگ و پے میں بھر دی تھی، اس سے چھٹکارہ اتنا آسان تو نہیں تھا۔ لیکن بشرعلی کی خاطر انہیں زبردستی مسکرانا پڑا۔

☆......☆......☆

عدیل شاور لے کر باتھ گاؤن میں باتھ روم سے باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ مریم صوفے پر لیٹی ہوئی کسی خیال میں گم ہے۔ عدیل نے گلا کھنکھار کر جیسے اسے متوجہ کیا۔ مریم کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ وہ اسی طرح لیٹی رہی۔ عدیل اس کے قریب چلا آیا۔

''مراقبہ ہو رہا ہے کیا......؟ مگر کیا لیٹ کر بھی مراقبہ ہوتا ہے......؟''

مریم نے تھوڑا سا چہرہ موڑ کر اس کی طرف دیکھا اور سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی۔

''میں یہ سمجھتی ہوں کہ ہمارے درمیان اس انداز کی بات چیت یا رشتہ نہیں ہے۔''

عدیل کا دماغ گھوما مگر اس نے بڑی مہارت سے خود کو سنبھال لیا۔

''میں نے آج تمہارے آفس فون کیا تھا، کیونکہ تمہارا سیل تو پاوَرڈ آف تھا، تو پتا چلا تم اپنے کسی باس کی عیادت کے لئے آفس سے باہر گئی ہوئی ہو۔''

عدیل نے جس انداز میں بات کی، اس پر مریم اب ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''آپ نے میرے آفس کیوں فون کیا تھا......؟ کیا میری جاسوسی کرنے کے لئے......؟ میری طرف سے آپ ایک چھوڑ، دس ہزار فون کیا کریں، لیکن میں آپ کو بتانے کی پابند نہیں ہوں کہ میں کہاں گئی تھی......؟ اور کیوں گئی تھی......؟''

''تم میری پابند ہو، اس لئے کہ تم میرے نکاح میں ہو۔''

عدیل نے بھی اب بڑی سرد مہری سے جواب دیا تھا۔

''مرد تو پتا نہیں کیا کیا کرتے ہیں......؟ تم ایک ہی راگ اَلاپے جا رہی ہو۔ ایک ہی بات کو روئے جا رہی ہو۔''

وہ بڑبڑاتے ہوئے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا اور آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے گیلے بالوں میں بُرش چلانے لگا۔ مریم چند لمحے گھور کر اسی کی طرف دیکھتی رہی جیسے ضبط کی منزلوں سے گزر رہی ہو۔ پھر آخر کار پھٹ پڑی۔

''آپ وہ سب کچھ کر لیجئے جو اس دُنیا میں باقی مرد کرتے ہیں، لیکن کسی غلط فہمی میں مت رہئے گا۔ میرے اندر کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ یہ بہتر ہے، آپ کھل کر کھیلیں۔ جیسا جی چاہے ویسا جئیں۔ اندر کچھ باہر کچھ۔ اس منافقت والی زندگی سے چھٹکارا پالیں۔''

عدیل نے پٹخنے والے انداز میں بُرش رکھ دیا تھا اور وہیں کھڑے کھڑے مریم کی طرف گھورتے ہوئے بولا۔

''تم جیسی خودسر اور نادان عورتیں ایک روز بہت پچھتاتی ہیں۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ......! سچ بولنے والی عورت کی زندگی میں صرف اور صرف خسارہ ہوتا ہے، ہر معاملے میں گھاٹے کا سودا۔ مکار اور ڈبل گیم کھیلنے والی عورتوں کو اس دُنیا میں بہت کچھ ملتا ہے۔''

عدیل نے اس کی طرف دیکھنے کی بجائے دراز کھولی اور جانے کیا تلاش کرنے لگا......؟

''میں انتظار کر رہا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ تمہارا دماغ ٹھیک ہو جائے گا۔ مرد کی غلطیوں کو بار بار نہیں دُہراتے۔ بعض مرد ضد میں آکر کچھ بھی کر جاتے ہیں۔''

مریم نے عدیل کی بات سنی اور اس مرتبہ بڑے صبر و تحمل کے ساتھ گویا ہوئی۔

''اچھا......! اب اور کیا کرنا باقی رہ گیا ہے......؟ لیکن مجھے اس سے کیا کہ آپ مزید کیا کرنے والے ہیں......؟ میرا آپ سے کوئی رشتہ ہے نہ تعلق، اور رہی آپ کی یہ بات کہ میں اس گھر میں کیوں بیٹھی ہوں......؟ اس لئے بیٹھی ہوں کہ یہ میرا گھر ہے، میں نے کسی کا کوئی نقصان نہیں کیا، کسی کو دھوکہ نہیں دیا، جھوٹ نہیں بولا، اس لئے اس گھر سے بے عزت ہو کر جانا بنتا نہیں۔ البتہ آپ کو میرے اس گھر میں ہونے سے تکلیف ہوتی ہے تو آپ کہیں اور جا کر رہ سکتے ہیں۔''

عدیل نے اب دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

''بس کر دو مریم......! بس کر دو، خدا کے لئے، کوئی عورت اس طرح سے نہیں کرتی۔ جا کر باہر دیکھو، نکلو باہر دُنیا میں۔ دیکھو کیا کیا ہوتا ہے......؟ اور کیسے کیسے مردوں کو عورتیں نبھاتی ہیں......؟ میں تو پھر بھی تمہاری قدر کرتا ہوں، عزت کرتا ہوں۔''

وہ اب بڑے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''وہی پرانا راگ، وہی پرانی تقریر، محبت......؟ کاش پتا ہوتا ہے کہ محبت کس کو کہتے ہیں......؟ محبت کیا ہوتی ہے......؟ آپ تو محبت کا ذکر بھی اس طرح سے کرتے ہیں جیسے کہ بازار سے آلو پیاز خرید رہے ہوں۔''

یہ کہہ کر مریم اُٹھی اور جھٹکے سے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں نانا جان ہمارے

جھگڑے کا شور سن کر اپنے روم سے باہر نہ آجائیں۔ عدیل دانت پیتا ہوا ڈریسنگ کی طرف جارہا تھا۔ بہرحال اسے برداشت تو کرنا تھا، اس لئے کہ وہ اندر سے تو مانتا تھا کہ غلطی ہوئی ہے۔

☆......☆......☆

انعم، بیہ کو تیار کرنے کے بعد اس کا گال چومتے ہوئے بولی۔

''بیہ......! پتا ہے، آج ماما نے آپ کے لئے کیا بنایا ہے......؟''

بیہ نے بڑی معصومیت سے ماں کی طرف دیکھا، پھر پوچھا۔

''کون سی ماما نے......؟ آپ نے یا دُلہن ماما نے......؟''

انعم کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا، خون کھولنے لگا، مگر اس نے بڑی مہارت سے خود کو سنبھال لیا اور زبردستی مسکرا کر بولی۔

''بیٹا......! جب میں ماما کہتی ہوں تو میرا مطلب ہوتا ہے کہ میں خود، آپ کی اپنی ماما، رئیل گڈ ماما، اصلی والی ماما۔ مجھے تو یاد بھی نہیں رہتا کہ آپ کی دوسری ماما بھی ہیں۔''

''لیکن ماما......! مجھے تو پتا ہے ناں، دوسری ماما بھی ہیں۔''

''اچھا تم چھوڑو، میں تو تمہیں یہ بتا رہی تھی کہ لنچ بکس میں آج تمہاری بڑی فیورٹ چیز رکھی ہے۔ مگر گیس کرنے کا ٹائم نہیں ہے۔ اسکول وین آنے والی ہے۔''

''ماما......! پلیز بتائیں ناں کیا بنایا ہے......؟ وین آنے میں دو منٹ باقی ہیں۔ آپ تو 30 سیکنڈ میں جواب دے دیتی ہیں۔''

بیہ نے انعم کا ہاتھ پکڑ کر زور زور سے جھٹکا دیتے ہوئے پوچھا۔ اسے بڑا تجسس ہو گیا تھا۔

''میں نے آج آپ کے لئے بہت Tasty بڑے مزے دار کٹیلس بنائے ہیں۔''

بیہ کی آنکھوں میں بڑی خوشی کی چمک پیدا ہوئی اور اس نے زور سے تالی بجائی۔

''اوہ......! آئی لو کٹیلس۔ تھینک یو ماما......!''

اسی وقت باہر سے اُجالا کی آواز آئی تھی۔

''بیہ......! آجاؤ بیٹا......! پاپا آپ کا ناشتے پر ویٹ کر رہے ہیں۔''

بیہ نے انعم کی طرف دیکھا اور منہ بسور کر بولی۔

''لیکن میں صرف دودھ پیئوں گی اور کھاؤں گی کچھ بھی نہیں۔''

اسی دوران اُجالا وہیں آگئی تھی۔ اس نے ایک نظر انعم کی طرف دیکھا پھر بیہ کی طرف اور پھر مسکرا کر بولی۔

''بیٹا......! تھوڑا بہت ناشتہ ضرور کرنا چاہیے، نہیں تو بچے وِیک ہو جاتے ہیں۔''

بیہ نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"یہ ا۰۰ا نہیں ہے۔"

انعم اب فرش پر گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گئی اور اس نے بیہ کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور بہت محبت بھرے انداز میں بولی۔

"اچھا......! ایک بوائل ایگ تو کھالو بیٹا......! بچے جب بوائل ایگ کھاتے ہیں تو سارا دن Energetic رہتے ہیں۔ بھاگتے بھاگتے نہیں تھکتے اور گیم میں کبھی نہیں ہارتے۔"

بیہ نے انعم کی بات سنی، کنوینس بھی ہوئی، لیکن اس کا کھانے کا موڈ نہیں تھا، اس لئے منہ پھولا پھولا ہی دکھائی دیا۔

"آجاؤ بیٹا......! تھوڑا سا کھالو۔ پاپا ویٹ کر رہے ہیں۔"

اُجالا نے کہا۔ انعم نے اُجالا کی طرف دیکھا اور بڑے سپاٹ لہجے میں بولی۔

"آپ چلیئے، میں ابھی بیہ کو لے کر آتی ہوں۔"

اُجالا نے سر جھکا دیا اور واپس جانے کے لئے پلٹ گئی۔ بیہ فوراً بولی تھی۔

"دُلہن ماما......! آپ پریشان نہ ہوں۔ ماما بہت اچھی بچی بن گئی ہیں۔ اب پاپا سے لڑیں گی نہیں۔"

اُجالا جاتے جاتے بے اختیار مُڑی تھی اور انعم کی طرف دیکھا تھا۔ انعم نظریں چرا کر بیہ کی بات پر جیسے ہنسنے لگی۔ وہ یوں ظاہر کر رہی تھی کہ جیسے وہ اپنی بیٹی کی بات پر بہت اِنجوائے کر رہی ہے۔ اُجالا پھر سر جھکا کر آگے بڑھ گئی تھی اور اسے یہ پتا نہیں تھا کہ انعم کتنی کاٹ دار نظروں سے اس کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی ہے۔ انعم پھر بیہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"آپ یہیں بیٹھو بیٹا......! میں آپ کے لئے یہیں دودھ لے کر آتی ہوں۔ جب آپ کا موڈ نہیں تو رہنے دو، مت کرو ناشتہ۔ میں نے آپ کا اتنا اچھا لنچ بنایا ہے، آپ بریک میں کیٹلس کھالینا۔ ٹھیک ہے......!"

بیہ کی جان میں جان آگئی۔ اس کا واقعی کھانے کا موڈ نہیں تھا اور انعم نے اس وقت اس کی بہت بڑی مشکل حل کر دی تھی۔ وہ اپنی ماں کی طرف دیکھ کر بڑی محبت سے مسکرا رہی تھی اور انعم کو یوں لگا جیسے وہ جیت گئی ہو۔

☆......☆......☆

فوزیہ بچے کے ساتھ گھر آچکی تھی اور گھر آنے کے بعد ابھی تک عارف نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی اور نہ وہ اس کے سامنے آیا تھا۔ اس کے باوجود فوزیہ کو کوئی ایسا بوجھ یا ملال نہیں تھا۔ وہ تو اس بات پر اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اللہ نے اسے اس کے بچے پاس پہنچا دیا ہے۔ علینہ البتہ اس سے وقفے وقفے سے آکر ملتی تھی اور باتیں کرتی تھی، جیسے وہ اس وقت اس کے لئے کچھ کیٹلس فرائی کر کے لائی تھی۔ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ علینہ ایک دم سے اتنی اچھی کیوں بن گئی ہے......؟

"تم نے مجھ پر جو احسان کیا ہے علینہ......! میں سوچتی ہوں کہ میں تو وہ کبھی بھی نہیں اُتار سکتی۔"

فوزیہ کا لہجہ جذبۂ تشکر سے چور تھا۔

''بھابی......! میں نے ایک معصوم بچے کی زندگی بچانے کے لئے روایتوں کی دیوار گرائی ہے۔ مجھے نہیں پتا کہ یہ احسان ہے یا کچھ اور......؟ بس پتا نہیں کیا ہوا، اور میں یہ سب کچھ کرنے کے لئے بے قرار ہوگئی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں ایک بچے کو ماں سے ملا دوں تو میرے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔''

''تم اتنی بدل گئی ہو علینہ......! اور تم نے جو میرے ساتھ نیکی کی ہے، اس وجہ سے میں ایک جرأت کر رہی ہوں۔ ایک بات کہوں، برا تو نہیں مانو گی......؟''

علینہ نے سوالیہ نظروں سے فوزیہ کی طرف دیکھا۔

''جی کہیے......!''

''علینہ......! جب تمہارا دل اتنا اچھا ہوگیا ہے، تم میرے ساتھ اتنی ہمدردی کر سکتی ہو، اپنے بھتیجے کا احساس کر سکتی ہو تو ایک باپ کو اس کی اولاد سے نہ ترساؤ۔''

فوزیہ نے بڑے ہچکچاتے ہوئے، ڈرتے ڈرتے یہ بات کی تھی۔ علینہ چونک پڑی۔

''کیا کہہ رہی ہیں بھابی......؟ آپ کس کی بات کر رہی ہیں......؟''

میں وہاج بھائی کی بات کر رہی ہوں۔ دیکھو ناں، وہ اپنی بیٹی کو دیکھنے کے لئے بہت بے قرار ہیں۔ مگر کسی سے کہہ نہیں سکتے۔ بس ایک دفعہ باتوں باتوں میں انہوں نے مجھ سے یہ بات کی تھی کہ کسی طرح موقع دیکھ کر بچی سے ملوا دو۔''

علینہ یہ سن کر ایک دم اپنی جگہ پر اُٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''فوزیہ بھابی......! کوئی اور بات کیجئے۔ ٹھیک ہے، وہاج آپ کا سگا بھائی ہے، لیکن میرا تو اب کچھ بھی نہیں ہے۔ میرے سامنے اس کی بات مت کیا کیجئے۔''

''علینہ......! وہاج بھائی تمہارے کچھ نہیں لیکن اس بچی کے تو باپ ہیں۔ وہ بچی کو ایک نظر دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ اتنی چھوٹی ہے، تم سے چھین کر تو نہیں لے جائیں گے۔ وہ تو بس ایک نظر اپنی اولاد کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے دل میں تو اولاد کی شدید تمنا تھی۔ آج جب اولاد موجود ہے تو وہ اسے دیکھنے کو ترس رہے ہیں۔''

''ہاں تو اپنی غلطیوں کی وجہ سے ترس رہے ہیں۔ میں اسے اس بچی کی شکل تک نہیں دیکھنے دوں گی۔ فوزیہ بھابی......! پلیز آپ مائنڈ نہ کریں۔ یہ میرا اور وہاج کا معاملہ ہے، آپ بیچ میں نہ آئیں۔ آپ علی کی ماں بن کر اس گھر میں رہیں اور مجھ سے وہاج کی بہن بن کر کبھی بات مت کیجئے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ جو زخم ہمارے آہستہ آہستہ ٹھیک ہونے لگے ہیں، ان کو نئے سرے سے نہ کھرچا جائے۔ ورنہ زندگی بھر کوئی کچھ نہ کر سکے گا۔''

یہ کہہ کر علینہ بڑی تیزی سے کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔ اس کا موڈ سخت خراب ہوگیا تھا۔ فوزیہ کو اس بات کا اطمینان تھا کہ اب علینہ اس کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں کرے گی کہ علی اسے دُور ہو جائے۔

☆......☆......☆

جس دن سے میڈم شعلہ آ کر گئیں تھیں، انعم کے اندر کھد بد سی لگی ہوئی تھی۔ اس کا دل کہتا تھا کہ اسے کچھ نہ کچھ ایسا مل جائے گا جس کے بعد وہ اُجالا پر بھاری ہو جائے گی اور اُس گھر پر اُجالا کی بجائے اس کا سکہ چلنے لگے گا کیونکہ اُجالا کا بھی کھونٹا مضبوط نہیں ہے جبکہ وہ بہت زیادہ نقصان اُٹھانے کے باوجود اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ مضبوط ہے۔ لیکن ناصر کی بیٹی اس کی کوکھ سے پیدا ہوئی ہے۔ کھوج لگانے کی انتہاء یہ تھی کہ وہ ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتی تھی کہ بس اُجالا کو گھیرے اور ایسے سوال کرے کہ کچھ نہ کچھ ہاتھ لگ جائے اور اس وقت اس نے اُجالا کو گھیر لیا تھا، کیونکہ اُجالا فرصت سے بیٹھی ہوئی نظر آئی تھی۔

''آپ کے پیرنٹس کہاں رہتے ہیں اُجالا......؟''

اس نے بڑے ذو معنی انداز میں اُجالا سے سوال کیا۔ اُجالا حیرت زدہ سے ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ یہ کیا کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، سیدھے سیدھے پیرنٹس کی بات شروع ہو گئی، اور اس کو اس کے پیرنٹس سے کیا دِلچسپی ہو سکتی ہے......؟ اُجالا نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

''بس......! میری ماما ہیں میرے فادر نہیں ہیں۔''

''ہاں ہاں......! وہ تو میں نے اس دن دیکھا تھا کہ تمہاری ماما آئی تھیں۔ سلام دُعا تو میری بھی ہوئی تھی ان سے۔ لیکن اُجالا......! مجھے تو بہت حیرت ہوئی یہ دیکھ کر کہ تم میں اور تمہاری ماما میں کتنا فرق ہے......؟ وہ اتنی الٹرا ماڈرن اور تم ایسی دبی دبائی۔ خیر چھوڑو......! اپنا اپنا لائف سٹائل ہوتا ہے۔ لیکن جو بھی دیکھتا ہوگا، وہ یہ تو ضرور کہتا ہوگا کہ ماں بیٹی میں کتنا فرق ہے......؟''

اُجالا نے نظریں اُٹھا کر انعم کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔ پھر بڑے پُر وقار انداز میں اس نے جواب دیا تھا۔

''آپ سوچنے کی بات کرتی ہیں، لوگ تو اندازے لگا لگا کر پتا نہیں کیا کیا کہتے رہتے ہیں......؟ لیکن کسی کو کیا فرق پڑتا ہے......؟''

اُجالا نے بڑا ڈپلومیٹک جواب دیا تھا۔ اس نے انعم کو اور اُلجھا دیا تھا۔

''ویسے اُجالا......! مائنڈ نہ کرنا، تمہاری ماما کا لائف اسٹائل بڑا چونکا دینے والا ہے اور بڑی زور آور خاتون لگتی ہیں۔ حیرت ہوتی ہے، اتنی اسٹرونگ ماں کی اتنی خاموش خاموش سی بیٹی......؟ اور ناصر سے بھی تم اتنا دب کر رہتی ہو کہ جیسے پتا نہیں تم اس سے کتنی کم تر ہو، یا پھر شاید میرا اندازہ ہی ہے۔''

اُجالا نے بڑے صبر و ضبط سے انعم کا یہ جملہ سنا تھا اور سہہ بھی لیا تھا۔

''میں ناصر سے دب کر نہیں رہتی انعم......! ناصر تو میرا بہت خیال کرتے ہیں۔ میں تو بس بہت محتاط ہوں۔ اصل میں جب وہ بہت زیادہ بیمار تھے تو ان کی وہ حالت آپ نے نہیں، میں نے دیکھی ہے۔ اس لئے میں بہت احتیاط کرتی ہوں، کیونکہ ناصر کی زندگی سے تو اس گھر میں زندگی ہے، ساری رونقیں ہی ان کے دم سے ہیں۔ ان کا خیال

کرنا چاہئے مجھے بھی اور آپ کو بھی۔"

اُجالا نے بالآخر اسے جتا ہی دیا تھا۔ انعم نے فوراً ہی بات بدل ڈالی کہ اُجالا کوئی اور بات کر ڈالتی۔ کوئی ایسی نازک سی بات جس کا انعم کے پاس جواب ہی نہ ہو۔

"اوکے اوکے......! ایکچوئلی میں اس وقت باہر جا رہی ہوں اور تمہیں ڈھونڈ رہی تھی کہ تمہیں بتا دوں کہ میں اپنی کار کی ڈیلیوری لینے جا رہی ہوں۔"

اُجالا نے چونک کر انعم کی طرف دیکھا۔

"کیا ناصر نے انعم کے لئے کار بک کرائی تھی......؟"

اس نے سوچا، مگر بولی نہیں۔

"وہ میری امی نے میرے لئے ایک کار بک کرائی تھی۔ اصل میں، میں کار کے بغیر کبھی رہی نہیں۔ خود ڈرائیو کرتی ہوں اور ڈرائیور وغیرہ کے جھنجٹ نہیں پالتی۔ بہت ٹائم بچتا ہے۔"

"اچھا اچھا......! آپ کی امی نے کار بک کرائی ہے۔ بہت بہت مبارک ہو آپ کو......!"

انعم آگے بڑھ چکی تھی۔ مُڑ کر بڑے معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"کس بات کی مبارک باد دے رہی ہو......؟"

"نئی کار کی۔"

اُجالا نے جواب دیا۔

"بھئی......! کاریں تو میں بدلتی رہتی ہوں۔ سال میں دو تین مرتبہ بھی مبارک باد دینا پڑ سکتی ہے۔"

انعم نے بڑی شانِ بے نیازی سے کہا تھا۔

"آپ شوروم تک کیسے جائیں گی......؟ کار لے جائیں۔"

اُجالا نے کہا۔

"لیکن کار تو ناصر لے گئے ہیں۔"

"ناصر کو ڈراپ کر کے ڈرائیور کار واپس لے آتا ہے۔ پھر میں اپنے کچھ ضروری کام نمٹا لیتی ہوں۔ ڈرائیور کو میں واپس بھیج دیتی ہوں۔ کار بھی موجود ہے اور ڈرائیور بھی، اور آپ ڈرائیور کو لے کر چلی جائیں۔"

اُجالا نے بہت مہربان اور شائستہ انداز میں انعم کو پیش کش کی تھی۔

"Thanks a lot!"

انعم کھل کر مسکرائی۔

"اس وقت تو تم نے میری کنوینس پرابلم ہی solve کر دی۔ شکریہ......!"

انعم اپنے لئے ایک آسانی پا کر کھل اُٹھی ورنہ اسے باہر جا کر کوئی ٹیکسی ہائر کرنا پڑتی۔

"ارے نہیں......! شکریہ کس بات کا......؟ آپ ہی کی کار ہے۔"

جانے کیوں لاشعوری طور پر اُجالا کے لہجے میں اُداسی کے رنگ اُتر آئے تھے......؟ یہ کہہ کر وہ رُکی نہیں تھی بلکہ اندر کی جانب جانے کے لئے مُڑ چکی تھی۔ انعم نے اس کی پشت کی طرف دیکھا اور ایک تلخ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔

''ہاں......! کار میری ہی ہے اور کار والا تمہارا۔''

یہ کہہ کر وہ لاؤنج سے باہر نکلنے لگی۔ اس کا رُخ پورچ کی طرف تھا۔ نیند تو پہلے ہی روٹھی ہوئی تھی اور اب یوں لگ رہا تھا کہ ہمیشہ کے لئے روٹھ گئی ہو۔ اُجالا کا ذہن جیسے سکتے کی کیفیت میں تھا۔ انعم کا چہرہ، اس کا سراپا، نظروں کے سامنے مسلسل گھوم رہا تھا۔

''کیا کمی تھی......؟ شاید قسمت کی کمی تھی۔ کس طرح سے اپنا بسا بسایا گھر اپنے ہی ہاتھوں سے برباد کیا اور آج میرے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ مجھے تو حیرت سے زیادہ شرم آ رہی ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے انجانے میں کسی کا حق مار بیٹھی ہوں۔ کیا ناصر نے دوسری شادی کرنے میں بہت جلدی کی......؟ انہیں سوچنا چاہئے تھا یا پھر......''

اس نے یہاں تک سوچ کر اپنی آنکھیں مسلنا شروع کیں۔ آنسوؤں کو روکنے کی وجہ سے آنکھوں میں خارش ہونے لگی تھی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لی۔

''......یا پھر ناصر کو اسے طلاق دے دینی چاہئے تھی۔ نہ تو انعم کے ساتھ اچھا ہوا اور نہ میرے ساتھ۔ ناصر نے آخر انعم کو طلاق کیوں نہیں دی تھی......؟ کیوں باندھے رکھا تھا......؟ ساتھ رہنا، ساتھ چلنا گوارہ نہیں تھا تو پھر...... تو پھر یہ زنجیر کاٹ کر کیوں نہیں پھینکی تھی......؟ یہ میرے سر پر کیسی تلوار سی آلٹکی ہے۔ آج وہ گھر میں بھی آ گئی ہے۔ مگر اب آگے کیا ہوگا......؟''

اُجالا کو ہزار طرح کے اندیشے اور وسوسے ایک بار پھر پاگل کئے دے رہے تھے۔ اس کی جگہ دُنیا کی کوئی بھی عورت ہوتی تو اس کا حال یہی ہوتا۔ اسے اب رہ رہ کر ناصر پر غصہ آنے لگا تھا۔

''دل میں جگہ نہیں، گھر میں جگہ نہیں، ذہن سے کھرچ نہیں سکتے تھے، بیڑیاں تو کاٹ سکتے تھے۔ کیوں باندھ کر رکھا تھا اسے......؟ جو ایک بندھن بوجھ بن گیا تھا اسے توڑا کیوں نہیں......؟ آخر اس غلطی کی وجہ سے ہی تو آج ایک نیا امتحان درپیش ہے۔''

وہ بیٹھے بیٹھے تھک گئی۔ پھر بہت آہستگی سے سیدھی ہو کر لیٹ گئی۔ اس طرح کہ ناصر کی نیند میں خلل واقع نہ ہو۔ نیند تو کیا آنی تھی، آتی جاتی سانسیں بھی بوجھ بن گئیں تھیں۔ نہ کوئی حل، نہ کوئی راستہ۔ ایک نئے اندھیرے کا سفر درپیش تھا۔ اندھیرا بھی ایسا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اس نے اپنے لہو میں اذیت کی لہریں اُٹھتی ہوئی محسوس کیں اور پھر اس نے اپنی آنکھیں کرب سے موندھ لیں۔

☆......☆......☆

فوزیہ مسلسل گھڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عارف ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔ علی بہت گہری نیند سو چکا تھا

لیکن فوزیہ کی آنکھوں سے نیند کوسوں دُور تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ عارف جان بوجھ کر گھر دیر سے آئے گا۔ وہ اَن دیکھے فاصلے جو اس کے اور عارف کے درمیان پیدا ہو چکے تھے، دُور ہوتے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ وہ بستر سے اُٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ معاً اسے محسوس ہوا کہ کوئی گھر کے پورچ میں داخل ہوئی ہے۔ دل نے کہا، آنے والا عارف ہی ہے۔ مگر وہ کھڑکی کے سامنے سے ہٹی نہیں، اسی جگہ کھڑی دیکھتی رہی۔ کھڑکی سے پورچ کا حصہ دکھائی نہیں دیتا تھا، صرف سامنے ایک بڑا سا لان تھا۔ لیکن پورچ میں داخل ہونے والی کار کی روشنی لان سے جھلک جاتی تھی۔ پھر اس نے کار کے دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنی۔ چند منٹوں بعد آہستگی سے دروازہ کھلا اور عارف اندر داخل ہوا۔ فوزیہ نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''السلام علیکم......!''

عارف نے بہت سپاٹ انداز میں اس کی طرف دیکھے بغیر اس کے سلام کا جواب دے دیا تھا۔ فوزیہ کو تو یہ بھی بڑی مہربانی لگی۔ عارف تھکے تھکے انداز میں فوزیہ سے کوئی بات کئے بغیر اپنا کوٹ اُتارنے لگا۔ فوزیہ آگے بڑھی اور کوٹ صوفے پر اُچھال دیا۔ یہ اجنبی انداز جیسے فوزیہ کو کھڑے کھڑے مار گیا۔ اس نے آہستگی سے نظریں اُٹھائیں اور عارف کی طرف دیکھا جو اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا۔

''آپ میری وجہ سے ڈسٹرب ہو گئے ہیں عارف......! میرے اور آپ کے بیچ میں ایک سچا رشتہ تھا جو شاید اب نہیں ہے۔''

عارف نے ٹائی اپنے گلے سے اُتار کر بڑے بیزار کن لہجے میں جواب دیا۔

''مجھے اکیلا چھوڑ دو فوزیہ......!''

''میں آپ کو یہی کہنا چاہتی ہوں کہ میں آپ کے سامنے رہوں گی تو آپ کے سر میں درد رہے گا اور کبھی تھکن نہیں اُترے گی۔ میں علی کے ساتھ ایک چھوٹے سے گھر میں الگ رہ سکتی ہوں۔ آپ تائی اماں کی خوشی پوری کر دیں اور دوسری شادی کر لیں۔''

فوزیہ کی اس بات پر عارف نے بری طرح چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا کیونکہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فوزیہ اس سے اس قسم کی بات کر سکتی ہے۔ وہ تو بس کچھ اتنا زیادہ اُلجھا ہوا تھا کہ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ کسی سے بات نہ کرے۔ کہیں کونے میں منہ چھپا کر لیٹا رہے۔

''فوزیہ......! میں تم سے نفرت نہیں کرتا۔ میں تو وہاج کو ایک سوچ دینا چاہتا تھا۔ تا کہ وہ محسوس کرے، جب ایک بہن اُجڑ کر بھائی کی دہلیز پر آتی ہے تو دل و دماغ کی کیا کیفیت ہوتی ہے......؟''

عارف نے اسی طرح سپاٹ لہجے میں فوزیہ سے کہا اور واش بیسن کی طرف جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے۔

''آپ نے کون سا نیا کام کیا ہے......؟ ادلے بدلے کی شادی کا مطلب ہی شاید سزا اور موت ہے۔ یہ ایسا بندھن ہے جس میں انسان روز مرتا ہے۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے۔''

فوزیہ نے ذرا تلخی سے کہا تھا۔ عارف جاتے جاتے رُک گیا تھا اور پلٹ کر فوزیہ کی طرف دیکھا تھا۔

''مجھے ظالم قرار دینے سے پہلے اپنے بھائی کا ظلم یاد کرو۔''

فوزیہ برجستہ بولی۔

''بھائی اپنی غلطی مان تو رہے ہیں۔''

عارف کی آنکھوں میں جیسے خون اُتر آیا۔ اس نے بڑی مشکل سے خود کو کنٹرول کیا پھر بولا۔

''غلطی اور جرم میں بہت فرق ہوتا ہے فوزیہ......!''

فوزیہ نے بھی فوراً برجستہ کہا تھا۔

''میرا بھائی علینہ کی غلطی کو چھوٹی غلطی اور اپنی غلطی کو بڑی غلطی کہہ رہا ہے۔ پھر بھی آپ کی نظر میں وہ بُرا ہے......؟''

عارف ایک دم بھونچکا رہ گیا اور فوزیہ کی طرف دیکھا۔ علینہ کی غلطی تو وہ بھول ہی جاتا تھا۔ خون کا رشتہ تھا، اس لئے رحم کھانے میں جلدی ہوتی تھی۔ مگر فوزیہ نے اچھا یاد دلایا تھا۔

'علینہ کی ایک غلطی کے بعد ہی تو یہ سب کچھ ہوا ہے، اور علینہ کے بعد وہاج کی غلطی۔ کیسے انصاف کیا جائے کہ کس کی غلطی کا بوجھ کم ہے......؟ ماننے والی بات تو تھی غلطی دونوں طرف سے ہوئی تھی۔'

اب عارف بالکل خاموش ہو گیا بلکہ لاجواب ہو گیا اور تیزی سے ڈریسنگ روم میں داخل ہو کر پردے کھینچ لیے۔ فوزیہ اسی طرح اپنی جگہ کھڑی سہمی جا رہی تھی کہ شاید اس نے سچ بول کر اپنی راہیں مزید دُشوار بنا لی ہیں۔

☆......☆......☆

انعم لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں ٹی وی پر جمی ہوئی تھیں اور ریموٹ ہاتھ میں تھا۔ اس وقت اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے گیٹ کھلا ہے اور کار اندر داخل ہوئی ہے۔ انعم نے وال کلاک کی طرف دیکھا اور سوچنے لگی۔

''شاید ناصر آ گیا ہے۔ لیکن ناصر اس وقت کیسے آ سکتا ہے......؟ وہ تو شام ڈھلے آتا ہے۔ ہو سکتا ہے کبھی اس وقت بھی آ جاتا ہوگا۔''

وہ اس طرف دیکھنے لگی جہاں سے ناصر کے آنے کی توقع تھی۔ لیکن یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کہ سامنے سے میڈم شعلہ بڑے طمطراق سے چلی آ رہی ہیں۔ ساتھ ایک ملازم بھی ہے جس نے پھل یا مٹھائی کا سجا ہوا بڑا سا ٹوکرا اُٹھایا ہوا تھا۔ انعم ایک دم ہکا بکا ہو کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور گھبرا کر جلدی سے سلام کیا۔ اس لئے کہ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ وہ کیا کرے......؟ اس پر غضب میڈم شعلہ کا اسٹائل تھا، جیسے دُنیا فتح کر کے آ رہی ہوں۔ میڈم شعلہ نے اندر داخل ہو کر اپنے ملازم کو پلٹ کر دیکھا اور بولیں۔

''قادر بخش......! یہ مٹھائی کا ٹوکرا یہاں پر رکھ دو اور وہ فروٹ کے ٹوکرے بھی اُٹھا کر لے آؤ، اور ہاں......! دیکھو وہ ڈِگی میں چھوٹا سا سوٹ کیس رکھا ہے، وہ بھی نکال لو، بھول نہ جانا۔''

قادر بخش بڑے مؤدبانہ انداز میں سر کو خم دے کر واپس چلا گیا تھا۔ اب میڈم شعلہ نے انعم کی طرف توجہ کی۔ ان کی آنکھوں میں حیرت کی تھوڑی سی جھلک نظر آئی۔

''ارے بھئی......! کون ہو تم......؟ اُجالا کہاں ہے......؟''

''آپ تشریف رکھئے، میں اُجالا کو بلواتی ہوں۔''

''میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔ پلیز آپ جو کوئی بھی ہیں، اُجالا کو بلوا دیں۔''

میڈم شعلہ اپنے ہاتھ پر بندھی ہوئی ریسٹ واچ دیکھتے ہوئے بڑی عجلت کے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''جی جی......! میں بلواتی ہوں۔ آپ بیٹھیں تو سہی۔ دو منٹ تو بیٹھیں، کچھ ٹھنڈا گرم......؟''

میڈم شعلہ نے اس کے سٹائل پر چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں ایک سوچ اُبھری۔

''آپ کون ہیں......؟ میں نے آپ کو پہچانا نہیں، بلکہ میں تو آپ کو پہلی مرتبہ دیکھ رہی ہوں۔''

''جی......! مگر میں آپ کو پہچان گئی تھی، کیونکہ آپ پہلے بھی ایک مرتبہ آ چکی ہیں۔''

انعم نے جلدی سے کہا۔

''میری بیٹی کا گھر ہے، دس مرتبہ آؤں گی۔ مجھے یاد نہیں آ رہا ہے کہ آپ نے مجھے کب دیکھا تھا......؟ کیونکہ اگر آپ نے مجھے دیکھا تھا تو میں نے آپ کو کیوں نہیں دیکھا تھا......؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی۔''

''چلیں خیر......! یہ تو بعد کی بات ہے، میں اُجالا کو بلاتی ہوں۔ آپ تشریف تو رکھیں ناں......!''

انعم نے اسی طرح بڑی شائستگی سے کہا اور پھر بولی۔

''آپ اتنے تحفے تحائف ساتھ لائی ہیں، یقیناً کوئی بہت بڑی خوش خبری ساتھ لے کر آئی ہیں۔ میں ابھی اُجالا کو بلا کر لاتی ہوں۔''

''اُجالا کی ایک چھوٹی بہن ہے، اس کا نکاح کیا ہے میں نے۔ رئیس ابن رئیس لوگ ہیں۔ الیکشن میں کھڑے کھڑے بیس بیس لاکھ ووٹ خرید لیتے ہیں۔ بہت بڑا نام ہے سیاست میں۔ بس اُجالا ہی کی قسمت خراب تھی۔ بہت روکا تھا میں نے اسے، آج تک پچھتاتی ہوں۔''

میڈم شعلہ نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا اور پرس سے سگریٹ کی ڈبیہ نکال کر سگریٹ نکالنے لگیں۔ انعم آنکھیں پھاڑے حیرت سے دیکھتے ہوئے اُجالا کو بلانے چلی گئی۔ اس کا دماغ تو جیسے ہوا میں معلق تھا۔ میڈم شعلہ کے انداز نہ اس دن سمجھ میں آئے تھے، نہ آج۔ لیکن کچھ ایسا تھا کہ اس کو تھوڑا سا اشارہ مل رہا تھا۔ لگ رہا تھا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اُجالا اور ناصر کے درمیان کسی گڑبڑ کا ہونا انعم کے لئے بہت باعث تقویت تھا۔ ہر اس مجرم کی طرح جو چور راستے سے جیل کی دیواریں پھلانگ کر آزاد ہونا چاہتا تھا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی اُجالا کے کمرے کی طرف آئی تھی اور بڑی آہستگی سے دستک دی تھی۔ دروازہ فوراً ہی کھل گیا تھا۔ اُجالا اس کو سامنے کھڑا دیکھ کر قدرے فکر مندسی ہوگئی اور نظریں چرا کر پوچھنے لگی۔

''خیریت......؟''

''ہاں......! خیریت ہے۔ وہ تمہاری ماما آئی ہیں اور بہت جلدی میں ہیں۔ کہہ رہی تھیں کہ تمہیں جلدی سے بلاؤں۔ بہت ساری مٹھائی اور فروٹ لے کر آئی ہیں۔ مبارک ہو......! بتا رہی تھیں کہ تمہاری بہن کا نکاح ہوا ہے۔''

انعم نے معنی خیز انداز میں کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ اُجالا تو جیسے کھڑے کھڑے مرگئی۔ طرح طرح کے وہم ستانے لگے۔

''پتا نہیں ماما نے انعم سے کیا کہا......؟ کوئی مسئلہ نہ ہوگیا ہو۔''

وہ فکرمندسی ہو کر آگے بڑھی اور چند سیکنڈ بعد ہی میڈم شعلہ کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''السلام علیکم ماما......!''

''وعلیکم السلام......! یہ تمہارے گھر میں مہمان آئے ہیں۔ کون ہے یہ لڑکی......؟''

میڈم شعلہ کا ذہن ابھی تک انعم سے نہیں ہٹا تھا۔

''چھوڑیں امی......! مہمان تو مہمان ہوتے ہیں۔ آپ بتائیے، سب خیریت ہے ناں......؟ یہ مٹھائی، یہ فروٹ اور یہ سوٹ کیس......؟ یہ سب کیا سلسلہ ہے......؟''

''ارے بھئی......! تم مبارک باد دو مجھے بھی اور اپنی بہن پنکی کو بھی۔ اس کا نکاح ہوگیا ہے، بہت اچھی جگہ۔''

''اوہ......!''

اُجالا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''بہت مبارک ہو ماما......! یقیناً آپ کی پسند سے یہ سب کچھ ہوا ہے۔''

''ظاہری بات ہے، وہ تمہاری طرح پاگل تھوڑی ہے۔ اسے اپنی ماں پر پورا بھروسہ تھا۔ اس نے ماں پر بھروسہ کیا اس کا فائدہ ہوا۔ بہت بڑے رئیسوں کے یہاں جارہی ہے۔''

میڈم شعلہ نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کہا۔

''چلیں، یہ تو بہت اچھا ہوگیا۔ کم از کم پنکی نے تو آپ کا کہنا مانا۔ آپ کا دل خوش ہوگیا۔''

''ہاں......! ظاہری بات ہے، اگر تمہارا دماغ خراب نہ ہوتا تو تم بھی آج کسی رئیس کے گھر میں بیٹھی ہوتی۔ اب ساری زندگی اسی طرح ترس ترس کر گزارو گی۔''

''ماما......! میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا اور آج بھی کہہ رہی ہوں کہ میں کسی چیز کو نہیں ترس رہی۔ مجھے ہر چیز کی سہولت میسر ہے اور اللہ کا شکر ہے، ضرورت کی ہر چیز کے ساتھ ساتھ مجھے سچی خوشی بھی میسر ہے۔ ناصر میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔''

ابھی اُجالا یہیں تک بولی تھی کہ انعم لہراتی ہوئی اور بڑے سٹائل سے چلتی ہوئی دوبارہ اندر آگئی۔ جانے کیوں ایک تجسس سا تھا جو اسے چین سے بیٹھنے نہیں دے رہا تھا۔ اس نے دروازے سے باہر ماں بیٹی کی اچھی خاصی گفتگو تو سن لی تھی اور وہ سب کچھ سننے کے بعد اس کے دل میں گویا لڈو سے پھوٹ رہے تھے۔ اسے یقین ہوگیا کہ

اُجالا اور ناصر کے درمیان ایسی گڑبڑ ضرور ہے جو آگے چل کر اسے کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ وہ آکر بڑی بے نیازی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ میڈم شعلہ نے ایک اُلجھی ہوئی ایک نظر انعم پر ڈالی، پھر اُجالا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''بھئی......! تعارف تو کراؤ، یہ کون ہیں......؟ کہاں سے آئی ہیں......؟''

میڈم شعلہ چونکہ انعم کی موجودگی میں پرسنل باتیں نہیں کر سکتیں تھیں، اس لئے بات برائے بات کے لئے پوچھا۔ اُجالا نے گھبرا کر انعم کی طرف دیکھا اور خود کو فوراً ہی سنبھال کر بولی۔

''چھوڑیں امی......! مہمان تو مہمان ہوتے ہیں۔ میں پنکی کو فون کر کے مبارک باد ضرور دوں گی۔ آپ چائے لیں گی یا ٹھنڈا......؟''

اُجالا نے جلدی سے میڈم شعلہ کا سوال ہوا میں اُڑانے کی کوشش کی۔ انعم بہت اعتماد سے مسکرا کر دونوں ماں بیٹی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جانے اسے کیا ہوا ایک دم بول پڑی۔

''ارے آنٹی......! یہ اُجالا پتا نہیں کیوں آپ سے میرا تعارف نہیں کرا رہی، حالانکہ ایسی تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں ناصر کی پہلی بیوی ہوں۔''

اور جیسے چھت میڈم شعلہ کے سر پر آ رہی ہو۔ انہوں نے آنکھیں پھاڑ کر پہلے انعم کی طرف پھر اُجالا کی طرف دیکھا۔

''ناصر کی پہلی بیوی......؟ لیکن اس نے تو مجھے کہا تھا کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو چھوڑ چکا ہے۔ تو یہ اس کی ایکس وائف کے گھر میں کیا کر رہی ہے......؟''

میڈم شعلہ نے آتش زدہ نگاہیں انعم کی پر ڈالیں۔ انعم نے اسی طرح بہت اعتماد سے مسکرا کر میڈم شعلہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ ویسے وہ ماں بیٹی کی اس حالت سے بہت لطف اندوز ہو رہی تھی۔ میڈم شعلہ نے ایک دم ہذیانی انداز میں چیخ کر اُجالا سے پوچھا۔

''کیا بکواس ہے یہ......؟ یہ کیا تماشہ ہے......؟ یہ ناصر کی پہلی بیوی کا کیا سلسلہ ہے......؟''

اُجالا کی ٹانگیں جیسے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ اسے سمجھ نہیں آئی کہ انعم نے یہ کیا حرکت کی......؟ اسے تو میڈم شعلہ کے سامنے نہیں آنا چاہئے تھا۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں اُجالا......! کیا ناصر نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا......؟ اس نے تو یہی کہا تھا ناں تم سے بھی اور مجھ سے بھی کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو چھوڑ چکا ہے......؟''

اُجالا نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں ماں کی طرف دیکھا اور بمشکل گویا ہوئی۔

''ماما......! ناصر نے آپ سے اور مجھ سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ لیکن اس گھر میں ان کی بیٹی بھی تو ہے، ملنے بھی تو آ سکتی ہیں۔''

میڈم شعلہ جیسے مزید بھڑک اُٹھیں۔

''ارے ! تم کل کی چھوکری مجھے کیوں بے وقوف بنا رہی ہو......؟ اور طلاق کے بعد کون عورت اپنے ایکس ہزبینڈ کے گھر آکر اپنے بچوں سے ملتی ہے......؟ شرفاء میں تو ہم نے نہیں دیکھا۔ اب پتا نہیں یہ کون لوگ ہیں ؟''

میڈم شعلہ نے گالی دے کر جانے کون کون سے قرضے بے باک کیے......؟ انعم اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور بڑا معصوم سا چہرہ بنا کر بولی۔

''آئی ایم سوری آنٹی......! مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ میری وجہ سے ہرٹ ہو سکتی ہیں۔ لیکن آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ناصر نے ابھی تک مجھے طلاق نہیں دی ہے۔ طلاق ہو جاتی تو میں اس گھر میں کیسے آسکتی تھی......؟''

اتنا کہہ کر وہ بڑے آرام سے چلتی ہوئی لاؤنج سے باہر چلی گئی۔ میڈم شعلہ نے آگے بڑھ کر دونوں کندھوں سے اُجالا کو پکڑا اور جھنجوڑتے ہوئے بولیں۔

''یہ کیا تماشہ ہو رہا ہے......؟ اُجالا......! تم بولتی کیوں نہیں......؟ پھوٹتی کیوں نہیں ہو اپنے منہ سے......؟ یہ سوکن والا گھر تم نے اپنی خوشی سے چنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ناصر نے جو کچھ مجھ سے چھپایا، وہ تمہیں پتا تھا۔ اس نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق نہیں دی، تم نے پھر بھی اس سے شادی کی، تم نے اپنی ماں کے ساتھ جھوٹ بولا......؟ دھوکہ دیا اپنی ماں کو......؟ تمہیں پتا ہے سوکن کا عذاب کیا ہوتا ہے......؟ دیکھ لو، آ کر بیٹھ گئی ہے ناں تمہارے سر پر......؟ چار دن میں تمہیں آٹے دال کا بھاؤ پتا چل جائے گا۔ اُٹھاؤ اپنے دو جوڑے اور چلو میرے ساتھ......!''

میڈم شعلہ غصے سے تھر تھر کانپتے ہوئے بڑی مشکل سے بول رہی تھیں۔ اُجالا نے بڑی آہستگی سے میڈم شعلہ کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑایا اور چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''ممی......! آپ جو کچھ سمجھ رہی ہیں، ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔ انعم کا ناصر کی زندگی میں کوئی عمل دخل نہیں ہے اور نہ ناصر کو ان سے کوئی دلچسپی ہے۔ آپ میری بات کا یقین کریں۔ ناصر صرف میرے ہیں۔ وہ اس عورت کو اپنے دل سے نکال چکے ہیں۔''

میڈم شعلہ نے آگ برساتی نظروں سے اُجالا کی طرف گھورا۔

''بس......! اب مجھے مزید بے وقوف بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دل میں جگہ نہیں، گھر میں تو رکھ لیا ہے ناں......؟ گھر میں تو بیٹھی ہوئی نظر آ رہی ہے ناں......؟ دل میں نہیں تھی تو گھر میں کیسے نظر آ رہی ہے......؟ وہ تمہیں بے وقوف بنا سکتا ہے مگر مجھے نہیں۔ میں کہتی ہوں، تمہیں کپڑے بھی لینے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری ماں کے پاس کمی نہیں، بس تم میرے ساتھ چلو۔ پہلے ناصر سے صاف صاف بات ہوگی پھر سوچوں گی کہ کیا کرنا ہے......؟''

اُجالا مزید چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''نہیں ماما......! میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی۔ میری شادی ہو چکی ہے، اب آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتیں۔''

میڈم شعلہ نے غصے سے مٹھیاں بھینچ کر اُجالا کی طرف دیکھا۔ وہ سر سے پاؤں تک کسی قیامت سے گزر رہی تھیں، زمین ان کے پاؤں تلے نہیں تھی، آسمان سر پر پھٹ چکا تھا۔ اس پر ان کی بیٹی ان کے ساتھ جانے سے انکار کر رہی تھی۔ ناصر کے ساتھ حساب کتاب کرنے کے راستے بند کر رہی تھی۔ اُجالا ان کی اپنی بیٹی تھی جسے انہوں نے نو مہینے اپنی کوکھ میں رکھا تھا۔ وہ اتنی آسانی سے سارے معاملات کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھیں۔ بیٹی کے گھر میں سوتن دیکھ کر تو وہ جیسے ہوش و حواس ہی کھو بیٹھی تھیں۔

''میں کہتی ہوں، تم اسی وقت میرے ساتھ چلو۔ پہلے میں ناصر سے بات کروں گی۔''

''ممی......! آپ یہاں سے چلی جائیں۔ اب آپ میرے اوپر زبردستی نہیں کر سکتیں۔ میں ناصر کی بیوی ہوں۔ میں نے اپنی مرضی اور خوشی سے ان سے شادی کی ہے۔ جب مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے تو آپ کو کیا مسئلہ ہے......؟''

میڈم شعلہ نے اُجالا کی طرف دیکھا اور اس کا قطعی انداز دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ اس وقت وہ اُجالا کو زبردستی اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتیں۔ انہوں نے کلائی میں بندھی ہوئی ریسٹ واچ کی طرف دیکھا اور خود کو کنٹرول کرتے ہوئے بولیں۔

''ٹھیک ہے......! اس وقت تو میں جا رہی ہوں، یہ مت سوچنا کہ ماں اس وقت گھر سے نکل کر سب کچھ بھول بیٹھی ہے۔ جب تک میں ناصر سے بات نہ کرلوں، میں اس کو گھر میں چین سے نہیں بیٹھنے دوں گی۔ آخر اس نے کیا سمجھ کر اپنی ماں کو دھوکہ دیا......؟ اتنا بڑا جھوٹ......؟ اتنا بڑا فراڈ......؟ میں تو اس کو پولیس کے حوالے کر دوں گی۔''

یہ کہہ کر وہ پلٹی اور تیزی سے باہر نکل گئیں۔ اُجالا دھک سے گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی اور اس کے منہ سے بے اختیار ہی نکال تھا۔

''انعم......! زندگی کیا پہلے ہی کم مشکل تھی، یہ تم نے کیا کیا......؟''

وہ اندر سے بری طرح سہم گئی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ میڈم شعلہ جو دھمکی دے کر گئی ہیں، وہ صرف دھمکی نہیں ہے۔ وہ بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ اُجالا کو یہ سوچ کر جیسے چکر آنے لگے تھے۔

☆......☆......☆

مسز سارہ بڑے دل شکستہ انداز میں سلمیٰ بیگم سے بات کر رہی تھیں اور سلمیٰ بیگم ٹکر ٹکر ان کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ کیونکہ ابھی ابھی مسز سارہ نے انکشاف کیا تھا کہ ان کا شوہر زندہ ہے اور وہ اس سے چھپ کر زندگی گزار رہی ہیں۔ وہ اپنے دو چھوٹے معصوم بیٹوں کو لے کر ایک رات خاموشی سے اس کا گھر چھوڑ کر آ گئی تھیں۔ اس کے بعد زندگی میں انہوں نے بہت تکلیفیں اُٹھائیں۔ وہ کہہ رہی تھیں۔

''سلمیٰ بہن......! میں نے مرد کے ہوتے ہوئے دونوں بچوں کو کس طرح پروان چڑھایا ہے، یہ میں ہی جانتی ہوں۔ بیٹوں کی پرورش کوئی آسان بات نہیں ہوتی۔''

سلمیٰ بیگم نے ایک گہری سانس لی اوران کی طرف دیکھا۔

''خیر جو ہونا تھا، وہ ہو چکا۔ بچے بھی پل گئے اورسب کچھ ٹھیک ہے۔ مجھے آپ کی باتیں سمجھ نہیں آرہیں۔''

مسز سارہ نے آگے جھک کر سلمیٰ بیگم کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''میں صرف آپ سے اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ مریم کو اس کی من مانی نہ کرنے دیں۔ مرد مستقل مزاج نہیں ہوتا۔ بعض اوقات اچانک سامنے والی عورت ایسا اپنا رنگ جماتی ہے کہ پرانی محبتیں کسی پرانی گرد کی تہہ میں چھپ جاتی ہیں لیکن وہ صرف چھپتی ہیں، مٹتی نہیں ہیں۔ مرد کو کسی بھی وقت اپنی بھول چوک یا کئے ہوئے کا احساس ہو سکتا ہے۔ میں اس لئے نہیں کہہ رہی کہ عدیل میرا بیٹا ہے بلکہ میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ میں مریم کو اس گھر سے بیٹی بنا کر لے گئی تھی اور میں جانتی ہوں کہ مرد کے بغیر جوان عورت کا اس طرح سے تنہا وقت گزارنا کتنا سخت امتحان ہوتا ہے۔''

مسز سارہ بہت دُکھی لہجے میں بول رہی تھیں۔ سلمیٰ بیگم اب ان کی بات بہت اچھی سے سمجھ گئیں تھیں۔ دُکھ کی کیفیت ان کے چہرے سے ظاہر تھی، وہ خود بھی مسز سارہ کے سوالات کی حامی تھیں۔ وہ بڑی بے بسی کی کیفیت میں بولیں۔

''مسز سارہ......! میں تو سمجھا سمجھا کر پاگل ہوگئی ہوں، مگر اس کی بس ایک ہی رَٹ ہے کہ عدیل نے اس کے اعتماد کو دھوکہ دیا ہے اور اعتماد ایک دفعہ کا ہوتا ہے۔ ٹوٹا ہوا اعتماد بحال ہونا بہت مشکل ہے۔''

مسز سارہ نے بہت توجہ سے سلمیٰ بیگم کی بات سنی، پھر چند لمحے کے توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

''میں پڑھی لکھی روشن خیال عورت ہوں۔ بہت عرصہ یورپ میں گزارا ہے۔ آج بھی یورپ جاتی ہوں، مگر میں جانتی ہوں کہ اندر سے عورت بہت ہی کمزور ہے۔ چاہے وہ کتنی ہی خود انحصار ہو جائے، کتنی ہی خود مختار ہو جائے، لیکن اپنا آپ بچاتے اس کے پاؤں میں چھالے پڑ جاتے ہیں۔''

سلمیٰ بیگم نے فوراً ہاں کے انداز میں گردن ہلائی اور بولیں۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں اور مریم کے بابا اس کو جتنا سمجھا سکتے تھے، سمجھا چکے۔ اب بس ایک یہی راستہ ہے کہ میں اپنے پاپا سے بات کروں، کیونکہ مریم کو کسی کی بات سمجھ آئے نہ آئے، پاپا کی بات سمجھ آتی ہے۔''

''تو پھر آپ اپنے پاپا سے بات کیوں نہیں کرتیں......؟ کس بات کا انتظار کر رہی ہیں......؟''

مسز سارہ نے بڑی بے تابی سے کہا تھا۔

''میں اپنے اندر ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ مسز سارہ......! میرے پاپا بہت پرانے ہارٹ پیشنٹ ہیں۔ وہ مریم سے ہمیشہ بہت اچھی اُمیدیں اور توقعات رکھتے ہیں۔ ہم نے یہ سب کچھ ابھی ان سے چھپایا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ مریم کا دُکھ سہہ نہیں سکتے۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے پاپا میری یا میری کسی اولاد کی بھول چوک کی وجہ سے کسی تکلیف سے دوچار ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ پاپا سے بات کروں تو کس طرح کروں......؟''

سلمیٰ بیگم بڑی بے بسی کی کیفیت میں کہہ رہی تھیں۔

''آپ کو بات تو کرنا ہی ہوگی سلمیٰ......! دیکھیں ناں، جب ایک راستہ موجود ہے تو ہمیں اس راستے سے

گزرے بغیر ہار تو نہیں ماننا چاہئے۔ کیا کہتی ہیں......؟''

مسز سارہ اپنی بات میں سوال میں بھی کر رہی تھیں۔ سلمیٰ بیگم نے ایک گہری سانس لی اور بولیں۔

''مسز سارہ......! ایک طرف باپ ہے، دوسری طرف بیٹی کا گھر ہے۔ میں بہت سخت امتحان میں ہوں۔ تھوڑا سا سوچ لینے دیں۔''

مسز سارہ کو جیسے سلمیٰ بیگم پر ترس سا آ گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھیں اور سلمیٰ بیگم کے برابر میں آ کر بیٹھ گئیں اور بہت پیار سے ان کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

''میں آپ کی تکلیف سمجھ رہی ہوں اور آپ سے بہت شرمندہ ہوں کہ میرے بیٹے کی غیر ذمہ داری اور لاپرواہی کی وجہ سے آپ لوگ میرے ساتھ ساتھ اتنا بڑا دُکھ اُٹھا رہے ہیں۔''

سلمیٰ بیگم کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی، مگر ان کے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ وہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں کہ بہت کچھ برا ہوا ہے، مگر شکر ہے کہ مریم کی ساس روایتی ساس نہیں ہے۔ مریم سے سچ مچ محبت کرتی ہے۔ مریم کو خود سے دُور نہیں دیکھنا چاہتی۔ وہ سوچ رہی تھیں۔ مسز سارہ آہستہ آہستہ ان کی پشت بڑی محبت سے سہلا رہی تھیں۔ سلمیٰ بیگم نے اندھیرے راستے پر ایک چراغ تو جلا ہی دیا۔ بڑی اچھی اُمید ان کو توانائی فراہم کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

انعم بڑی تیزی سے زینہ اُتر کر آ رہی تھی۔ اُجالا ملازمہ کے ساتھ لاؤنج میں صفائی وغیرہ کرانے میں مصروف تھی۔ اس نے کھٹ کھٹ کی آواز پر پلٹ کر دیکھا تھا۔ انعم کے انداز میں بڑی بے نیازی تھی۔ وہ پرس سے کار کی چابیاں نکالتے ہوئے باہر کی طرف جانے لگی تو اس نے ٹوکا۔

''انعم......! آپ کہیں جا رہی ہیں کیا......؟''

اُجالا کے انداز میں ایک ہچکچاہٹ سی تھی۔ انعم نے پلٹ کر دیکھا اور اُجالا سے کہا۔

''ہاں......!''

''آپ بہت جلدی میں دکھائی دے رہی ہیں۔ خیریت تو ہے ناں......؟''

انعم نے اب اُجالا کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور بڑی سرد مہری سے بولی۔

''بائے......! واپس آ جاؤں گی۔''

یہ کہہ کر وہ کھٹ کھٹ کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اُجالا دم بخود سی کھڑی رہ گئی اور سوچنے لگی۔

''آخر میں ہوتی کون ہوں......؟ مجھے انعم سے پوچھنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ کہاں جا رہی ہے......؟ مجھے کیا حق ہے، وہ کہیں بھی جائے......؟ ان سے کوئی رشتہ ہے نہ تعلق، نہ دوستی نہ دُشمنی۔''

وہ سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

ناصر اپنے آفس میں بہت توجہ سے فائل دیکھنے میں مصروف تھا کہ اس کے موبائل پر رِنگ ہونے لگی۔ اس نے بڑے مصروف انداز میں ہاتھ بڑھا کر اپنا موبائل اُٹھایا اور کالر کا نمبر دیکھا۔ دماغ میں ایک دم سے جیسے دھماکے ہونے لگے کیونکہ سامنے موبائل کی اسکرین انعم کا نام چمک رہا تھا۔ ناصر کا موڈ ایک دم آف ہوگیا۔ اس نے کال سائیلنٹ کر دی اور موبائل واپس رکھ دیا۔ وہ خود کو لعنت ملامت کرنے لگا کہ اس نے انعم کا نمبر کیوں Save کیا ہوا ہے......؟ شاید بھول گیا ہوگا۔ اس نے اپنے آپ کو دوبارہ کام کی طرف متوجہ کرنے کے کی کوشش کی، لیکن ذہن ماؤف سا ہوگیا تھا، چکر سے آنے لگے تھے۔

''اس کو کیا ضرورت تھی......؟ وہ مجھے کیوں کال کر رہی ہے......؟''

وہ چڑ کر سوچ رہا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں کھولیں اور موبائل کی طرف دیکھا۔ اسی وقت میسج ٹون ہوئی۔ ناصر نے نڈھال انداز میں میسج دیکھا۔ انعم کا میسج تھا۔

''یااللہ......! یہ کیا مصیبت ہے......؟ ابھی کال کر رہی تھی اور ابھی میسج بھی آ گیا۔ مسئلہ کیا ہے اسے......؟''

وہ میسج پڑھے بغیر موبائل رکھ دینا چاہتا تھا مگر اس نے میسج اوپن کر لیا اور میسج پڑھتے ہوئے اپنی جگہ سے بے اختیار کھڑا ہوگیا۔

''بیٹا ہاسپٹل میں ہے۔''

انعم کا یہ میسج آیا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے موبائل کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''بیٹا ہاسپٹل میں ہے......؟ انعم کو پتا ہے تو اُجالا کو کیوں نہیں پتا......؟ اُجالا نے مجھے فون کیوں نہیں کیا......؟ اس نے مجھے کیوں نہیں بتایا......؟''

اس نے موبائل رکھ کر جلدی سے لینڈ لائن نمبر پر گھر کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف مہرو نے فون اُٹھایا۔ ناصر نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔

''مہرو......! اُجالا کہاں ہے......؟''

''وہ تو کچن میں ہیں۔ میں بلاتی ہوں۔ آپ ہولڈ کریں۔''

یہ کہہ کر اس نے فون ہولڈ اَپ کر دیا۔ چند لمحے بعد اُجالا کی آواز ائیر پیس سے اُبھری۔

''السلام علیکم ناصر......! جی خیریت ہے......؟''

وہ پوچھ رہی تھی۔ ناصر نے بڑی عجلت میں سوال کیا۔

''بیٹا کہاں ہے......؟''

''وہ سکول گئی ہوئی ہے۔ آپ کو صبح مل کر تو گئی تھی۔''

اُجالا کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''اور وہ انعم......؟''

ناصر بہت ہچکچاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔اُجالا نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

''انعم تھوڑی دیر پہلے کہیں گئی ہیں۔بڑی جلدی میں دکھائی دے رہی تھیں، کچھ بتایا نہیں۔''

ناصر کے اوپر جیسے کوئی ایک چھت سی آگری تھی۔

''انعم نے تمہیں کچھ نہیں بتایا......؟''

''نہیں ناصر......! میں آپ سے کہہ رہی ہوں ناں کہ انہوں نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا، بلکہ میں نے پوچھا تھا کہ وہ اتنی جلدی میں کیوں ہیں......؟ انہوں نے کوئی جواب ہی نہیں دیا۔بس خدا حافظ کہہ کر چلی گئیں۔خیریت تو ہے ناں......؟ آپ کچھ پریشان محسوس ہو رہے ہیں......؟''

ناصر حسین نے فوراً خود کو سنبھالا اور سر کو ہلکا سا جھٹکا دے کر بولا۔

''ہاں ہاں......! خیریت ہے......! ٹھیک ہے، میں ابھی تمہیں تھوڑی دیر میں فون کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر ناصر نے فون بند کر دیا تھا۔اُجالا اپنی جگہ پر سناٹے میں بیٹھی تھی۔اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

☆......☆......☆

انعم بہت تیز ڈرائیو کر رہی تھی۔اس کے ہونٹوں پر عجیب سی پُراسرار مسکراہٹ تھی۔اس نے لاشعوری طور پر یہ حرکت کی تھی کہ اُجالا کو جان بوجھ کر نہیں بتایا تھا۔شاید وہ اُجالا کو اپنی قوت کا احساس دلانا چاہتی تھی کہ بظاہر اُجالا آج اس گھر کی مالکن ہے، لیکن انعم کا اس گھر سے آج بھی بڑا گہرا رشتہ ہے۔اس لئے کہ اس گھر میں اس کی بیٹی جو ناصر کے جگر کا ٹکڑا ہے، رہتی ہے۔ناصر اس بیٹی کے لئے دُنیا تیاگ سکتا ہے۔وہ تو سمجھ رہی تھی کہ جیسے قدرت نے اس کی مدد کی۔وہ تو اپنی دُھن میں لاؤنج سے واپس اندر آرہی تھی، جب فون کی گھنٹی بجی۔اس نے ریسیور اُٹھایا تو دوسری طرف سکول کی پرنسپل بات کر رہی تھی۔اس نے تو سب سے پہلے یہی کنفرم کیا تھا کہ فون اٹینڈ کرنے والے کون ہے......؟ جب انعم نے اسے بتایا کہ وہ بیہ کی ماں کی بات کر رہی ہے تو پرنسپل نے اسے اطلاع دی کہ بیہ جھولے سے گر گئی ہے اور اسے خاصی چوٹ آئی ہے اور اسے ہاسپٹل لے جاچکے ہیں۔اس لئے آپ ہاسپٹل آجائیں۔انعم نے بہت دُکھ اور صدمے کے ساتھ یہ خبر سنی تھی۔اس وقت تو واقعی اس کا ذہن ماؤف ہوگیا تھا۔بس اس نے ہاسپٹل کا نام پوچھ کر فون بند کر دیا تھا، اور جس حال میں تھی، اسی حال میں تیزی سے دوڑتی ہوئی گیسٹ روم میں گئی اور وہاں سے اپنا پرس اور چابیاں اُٹھا کر تیزی سے واپس آگئی۔لیکن جب وہ آرہی تھی تو اس نے اُجالا کو سامنے دیکھا تو اس کے ذہن میں اچانک خیال آیا اور اسے بھی نہیں پتا چلا کہ یہ خیال اسے کیوں آیا......؟ شاید اندر دبی ہوئی اَنا پھن اُٹھا کر پھنکارنے کی منتظر تھی۔اس نے اپنے گھر پر اس عورت کا راج دیکھا جو ناصر کی زندگی میں دھیرے دھیرے بہت زیادہ اہمیت اختیار کرتی جارہی تھی۔چند سیکنڈ میں ہی اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اُجالا کو کچھ نہیں بتائے گی اور اپنے آپ کو سمجھایا تھا کہ اُجالا کو بتانے کی کیا ضرورت ہے......؟ وہ بیہ کی ماں ہے، اس نے فون اٹینڈ کر لیا، اسے پتا چل گیا۔اب بیہ کے پاس اسے جانا چاہئے، اُجالا کو اس سے کیا مطلب......؟

انعم نے یہ سوچتے سوچتے گاڑی کو سپیڈ دی کیونکہ اسے وہ ہاسپٹل اب سامنے دکھائی دے رہا تھا۔اسے یوں محسوس ہوا، بس ناصر بھی پہنچنے والا ہوگا۔اور ناصر کو بھی پتا چلنا چاہئے کہ وہ انعم کو جتنا بھی دھتکار دے، جتنا بھی نظر انداز کرے، جتنا بھی اپنے حافظے سے کھرچنے کی کوشش کرے، یہ بچی اسے سب کچھ کرنے نہیں دے گی۔اب اس کی کار ہاسپٹل کے پارکنگ ایریا کی طرف رُخ کر چکی تھی۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم نے نہایت غصے سے مریم کی طرف گھورا تھا۔ان کے تو ذہن میں تو جیسے جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔ یہ مریم نے کتنی عجیب بات کی تھی۔

''دماغ تو صحیح ہے تمہارا......؟ یہ ہمدردی نہیں، اسے اعلیٰ درجے کی حماقت کہتے ہیں۔بھئی......! دُنیا میں لاکھوں ہزاروں نہیں، بے شمار لوگ مسائل سے گزرتے ہیں۔اس دُنیا کو مسائل کا گھر کہتے ہیں۔تم کس کس کا ٹھیکہ لو گی......؟ دماغ تو صحیح ہے......؟''

سلمٰی بیگم نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا تھا۔

''امی......! آپ یہ دیکھیں، دُنیا کی ہر دوا اس عورت پر فیل ہو چکی ہے۔وہ گھر تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ایک چھوٹے سے بچے کی موجودگی سے یہاں زندگی پلٹ آئے گی۔بہت سارے مسائل حل ہو جائیں گے،اور سر کہہ رہے تھے کہ وہ جیسے ہی تھوڑا سا کنٹرول میں آئیں گی، وہ انہیں لے کر باہر چلے جائیں گے اور ان کا علاج باہر ہی کروائیں گے۔''

مریم نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''تو اب لے کر چلے جائیں۔یہاں علاج نہیں ہو رہا، وہاں تو ہو جائے گا۔گورے تو آئے دن جھک مارتے رہتے ہیں۔ایک سے ایک چیز نکالتے رہتے ہیں۔ہو جائے گا وہاں ان کا علاج۔خبردار جو آئندہ تم نے اس طرح کی بات سوچی۔تم ایک پاگل کو اپنا بچہ دینے جا رہی ہو......؟''

''امی......! میں بچہ دینے نہیں جا رہی، میں تو دو دن یا زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کی بات کر رہی ہوں۔''

مریم نے پھر سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔

''اچھا......! اب بس کرو۔بہت سن لی تمہاری احمقانہ باتیں۔کیسی ماں ہو تم......؟ ایک پاگل کو اپنا بچہ دینے کا سوچ رہی ہو......؟ جو انسان اپنے ہوش میں نہیں، وہ بچہ کیا سنبھالے گا......؟''

سلمٰی بیگم اب پھر بگڑ اُٹھیں۔

''امی......! یہ بات نہیں کر رہی ہوں کہ بچہ وہ سنبھالیں گی۔بچہ تو آیا ہی سنبھالے گی۔بس وہ بچے کو اپنے قریب دیکھیں گی، اس کو محسوس کریں گی، اس کو چھوئیں گی اور وہ جو میڈیسن نہیں کھاتیں جس کی وجہ سے ان کا مسئلہ حل نہیں ہو رہا، تو وہ ریلکس ہو جائیں گی، میڈیسن کھانے لگیں گی اور جیسے جیسے میڈیسن کھائیں گی تو بہت سے پرابلمز

ٹھیک ہوتے جائیں گے۔"
مریم نے پھر سمجھایا۔ سلمیٰ بیگم نے کڑے تیوروں سے مریم کو گھورا۔
"یہ ساری پٹیاں تمہارے باس نے تمہیں پڑھائی ہیں......؟ اسے اس پوری دُنیا میں تم ہی ایک قربانی کی بکری نظر آئی ہو......؟"
مریم کی ہنسی چھوٹ گئی۔
"امی......! آج تک تو قربانی کا بکرا سنتے چلے آرہے تھے، یہ بکری کہاں سے آ گئی......؟"
سلمیٰ بیگم نے اس طرح سنجیدگی اور خفگی سے کہا۔
"اچھا بس......! مجھے بے وقوف بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا موڈ تم نے سخت خراب کر دیا ہے اور تم ہوتی کون ہو......؟ کیا بچہ صرف تمہارا ہے......؟ بچے کا باپ ہے، دادی ہے۔"
سلمیٰ بیگم نے اچھی خاصی ڈانٹ پلا دی۔
"امی......! می سے تو خیر میں نے ذکر کیا تھا۔ می نے بھی آپ ہی کی طرح جواب دیا۔ لیکن میں نے اپنی بات پر زور بھی نہیں دیا تھا۔ بس ایک بات کرنے کے انداز میں بات کی تھی۔"
سلمیٰ بیگم نے تو یہ سن کر اپنا سر ہی پیٹ لیا۔
"مریم......! سب تمہیں بے پناہ عقل مند، سمجھ دار، ہوش مند اور ذہین لڑکی سمجھتے ہیں۔ اتنے پاگل پن کی توقع تو تم سے کسی کو بھی نہیں ہوگی۔ تم نے تو میرے چھکے چھڑا دیئے۔ ارے......! تم آفس جاتی ہو۔ بچہ نہیں سنبھالا جاتا تو مجھے دو، میں سنبھال لوں گی۔"
مریم، ماں کی اس خفگی کو محبت کی انتہا محسوس کر رہی تھی۔ مسکرا اس نے ماں کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔
"یہی تو مسئلہ ہے امی......! کوئی بھی اس اندھیرے میں ڈوبے ہوئے گھر میں چراغ جلانا نہیں چاہتا اور میں اس لئے انجان نہیں بن پا رہی کہ مجھے سارے حالات معلوم ہو چکے ہیں۔ پتا نہیں میرے ضمیر پر ایک بوجھ سا ہے۔ سر نے تو مجھ سے نہیں کہا کہ میں انہیں اپنا بچہ دے دوں، بلکہ وہ تو یہی کہہ رہے تھے کہ انہوں نے اپنے بہت قریبی لوگوں سے ریکویسٹ کی تھی کہ وہ کچھ عرصے کے لئے اپنا بچہ بیلا کی گود میں دے دیں۔ دیکھ بھال، نگرانی، سب کچھ ہماری ذمہ داری ہوگی، مگر کوئی نہیں مانا۔"
سلمیٰ بیگم نے مریم کی بات سنتے ساتھ ہی ایک دم گرم لہجے میں کہا۔
"تمہاری طرح پاگل تھوڑی ہی ہیں سب لوگ، جس نے بھی منع کیا، ٹھیک منع کیا۔ ارے......! اپنی اولاد پاگلوں کی گود میں کون دیتا ہے......؟ اور اچھا جاؤ، تم اپنا کام کرو، اور خبردار......! آئندہ تم نے اس طرح کی بے وقوفانہ بات میرے سامنے کی۔ شکر کرو کہ تم نے عدیل کے سامنے یہ بات نہیں کی۔ تم نے تو پہلے ہی اس کو اپنے سے دُور کیا ہوا ہے۔ اسے تو اچھا بہانہ مل جائے گا۔ بچہ اُٹھا کر باہر چلا گیا تو......؟ بس......! جو بات آج تم نے میرے سامنے کی ہے، وہ یہیں پر ختم سمجھو۔ ایسی غلطی کون کرتا ہے......؟ نہ کبھی دیکھا نہ کبھی سنا۔ ماں اپنی اولاد کی خاطر خواہشات قربان

کر سکتی ہے، اپنی جان قربان کر سکتی ہے، اپنی اولاد کی قربانی دینے کے لئے کون آگے بڑھتا ہے......؟''

مریم ایک دم دہل کر رہ گئی۔ بالآخر ماں ہی تو تھی، فوراً بولی۔

''امی......! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں......؟ اللہ نہ کرے، اللہ نہ کرے، اگر مجھے محسوس ہوتا کہ میرے بچے کو ذرا سا بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے تو میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ بچے کو تو آپا ہی نے سنبھالنا ہے۔ پہلے بھی سنبھال رہی ہے اور میں بھی چکر لگاتی رہتی۔ بس صرف اتنا تھا کہ بیلا کنٹرول میں آجائے، بات سننے لگے، وہ نہ تو کوئی بات سننا چاہتی ہے نہ کچھ سمجھنا چاہتی ہے۔ ساری دوائیاں پھینک دیتی ہے۔ کئی کئی دن روتی رہتی ہے۔ بے ہوش کر کے ڈرپ لگانی پڑتی ہے۔ میں کیسے بتاؤں امی......! کہ وہ گھر کیسے عذاب میں مبتلا ہے......؟''

مریم نے بہت ہمدردانہ لہجے میں کہا تھا۔

''ٹھیک ہے بیٹا......! اچھی بات ہے، تم کسی کے دُکھ کو اپنا دُکھ سمجھتی ہو۔ تم روپے پیسے سے، اپنی جان سے کسی کی بھی خدمت کرو۔ میری طرف سے کبھی کوئی اعتراض نہیں سنو گی۔ لیکن بیٹا......! ایک چھوٹا سا، معصوم سا، دودھ پیتا بچہ تم خود کیسے کسی پاگل کی گود میں ڈال سکتی ہو......؟ توبہ توبہ......!''

سلمیٰ بیگم نے یہ کہہ کر کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ بھی ساتھ ہی کر ڈالی۔ مریم کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ مرحلہ انتہائی دُشوار ہے۔ جب اس کی ماں کا یہ ردِعمل ہے تو باقی لوگوں کا تو کوئی حساب ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ بہر حال اب وہ خاموش ہو گئی تھی کیونکہ اس کو پتا تھا کہ اب مزید بات کرنا فضول ہے۔ ماں نے تو جیسے اپنی سماعتوں پر قفل ڈال لئے تھے اور اپنا ذہن بنا لیا تھا کہ مریم کی طرف سے اس موضوع پر مزید کوئی بات نہیں سنیں گی۔ مریم تھکے تھکے انداز میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا امی......! اب میں جاتی ہوں۔ کافی لیٹ ہو گئی ہوں۔''

سلمیٰ بیگم بھی خود کو سنبھال کر کھڑی ہو گئیں۔ مسکرائی تو نہیں، البتہ مریم کے سر پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے بولیں۔

''جاؤ بیٹا......! اپنا گھر بار دیکھو۔ اللہ تمہارے گھر میں ہمیشہ تمہیں خوشیوں کے ساتھ آباد رکھے اور تمہیں عقل دے۔''

دُعا کا یہ آخری جملہ مریم کے دل پر تازیانہ بن کر لگا تھا۔ یہ جنم دینے والی ماں بھی آخر کار اسی طرح سے سوچ رہی ہے جیسے کہ زمانہ سوچ رہا ہے۔ وہ اسے انجانے میں احساس دلا رہی تھیں کہ وہ عدیل سے محاذ آرائی کر کے کسی حماقت کی مرتکب ہو چکی ہے۔ ماں بھی دل میں نہیں جھانکتی، جو ایک بار ٹوٹ جائے تو دوبارہ کب جڑتا ہے......؟ وہ سینے سے ایک طویل سانس آزاد کر کے زبردستی مسکرائی اور ماں کے گال پر بوسہ دے کر آگے بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

بیہ کے سر پر بینڈ تیج لگی ہوئی تھی۔ بلیڈنگ زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کو ڈرپ لگا دی گئی تھی۔ وہ بہت

کمزور اور نڈھال سی اپنی ماں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے نڈھال ہونے کا ثبوت یہ تھا کہ جیسے اسے پلکیں جھپکنا بھی دُشوار تھا۔ انعم، بیہ کی حالت دیکھ کر اندر سے بہت تڑپ رہی تھی۔ کچھ بھی سہی، ماں تو تھی۔ شاید اس وقت اس نے خودغرضی کے راستے پر چلنے کا فیصلہ کیا تھا، تو شیطان نے اسے یہی کہہ کر سمجھایا تھا کہ بیہ کی اتنی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا باپ تو سو ماؤں کے برابر ہے۔ اس کو معمولی سا ٹمپریچر ہو جائے تو ساری رات جاگتا ہے۔ لیکن اب اولاد کی تکلیف دیکھ کر اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ معصوم بچے کو ماں کی ہر پل ضرورت ہوتی ہے۔ چاہے کتنا ہی چاہنے والا باپ کیوں نہ ہو......؟ ماں، ماں ہوتی ہے۔ بیہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں یوں دبوچے ہوئے تھی جیسے اسے دھڑکا ہو کہ انعم کہیں چلی نہ جائے۔ انعم بہت پیار سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ بیہ نے بہت کمزور آواز میں پوچھا تھا۔

''ماما......! پاپا کب آئیں گے......؟''

''بس......! آتے ہی ہوں گے بیٹا......! میں نے انہیں فون بھی کیا تھا اور میسج بھی۔ وہ میرا خیال ہے، بس پہنچنے ہی والے ہیں۔''

''ماما......! کیا خالی پاپا کو آپ نے بلایا ہے......؟ دُلہن ماما کو نہیں بلایا......؟ دُلہن ماما کو بھی فون کریں اور کہیں کہ وہ میرے پاس آجائیں۔''

انعم کی نس نس میں جیسے زہر اُتر گیا۔ سگی ماں کے ہوتے ہوئے اس معصوم بچی کو وہ پرائی عورت یاد آرہی ہے۔ اس نے فوراً اپنے سر کو جھٹک کر جیسے منفی خیالات سے چھٹکارہ پانے کی کوشش کی۔

''بیٹا......! آپ کی مما آپ کے پاس ہیں۔ اب آپ کو کسی کی کیا ضرورت ہے......؟''

اس کے منہ سے پھر بھی نکل گیا تھا۔ بیہ نے بڑی معصومیت سے انعم کو دیکھا اور بولی۔

''وہ بھی تو میری مما ہیں۔ پاپا تو یہی کہتے ہیں۔''

''ہاں......! ٹھیک ہے......! وہ بھی تمہاری مما ہیں۔ لیکن جب اصلی والی ماما پاس ہوتی ہے تو پھر کسی اور ماما کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

انعم نے بڑی مشکل سے اپنے لہجے کی ناگواری پر قابو پا کر کہا تھا۔ بیہ کی آنکھوں میں اندیشے سے جاگے۔ اس نے انعم کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''لیکن آپ پھر مجھے چھوڑ کر چلیں گئیں تو......؟''

انعم کے دل پر ایک برچھی سی لگی تھی۔ کتنی بدگمان تھی اس کی بیٹی، جیسے سارے اعتبار ایک ہی مرتبہ میں کھو گئے تھے۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور بیہ کا رُخسار چوم کر بولی۔

''اب میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی بیٹا......! ماما سے غلطی ہوگئی تھی، اور غلطی ایک بار ہوتی ہے۔ پر ماما نے آپ کو سوری بھی تو بولا ہے ناں......!''

وہ یہ جملے کہہ رہی تھی، اسے خبر بھی نہ ہوئی کہ ناصر حسین کمرے میں آچکا ہے۔ ناصر نے وہیں کھڑے

کھڑے گلا کھنکار کر جیسے اپنے آنے کی اطلاع دی۔ انعم نے چونک کر سر اُٹھایا اور بستر سے اُتر کر کھڑی ہوگئی اور بیہ سے بولی۔

''بیٹا......! آپ کے پاپا آ گئے ہیں۔''

بیہ نے دروازے کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں جیسے زندگی دوڑنے لگی۔

''پاپا آ گئے......!''

ناصر اپنی بیٹی کو اس حال میں دیکھ کر جیسے تڑپ کر آگے بڑھا تھا اور اس نے بیہ کا ہاتھ تھام کر بڑی بے ساختگی سے بوسہ دیا تھا۔

''میں آ گیا ہوں میری جان......! زیادہ چوٹ تو نہیں لگی......؟''

''بہت سارا خون نکلا تھا پاپا......!''

ناصر حسین نے جیسے تڑپ کر کہا تھا۔

''اومیرا خدا......!''

انعم بھی اب ناصر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''کافی بلیڈنگ ہوئی تھی، اس لئے ڈرپ لگائی ہے۔''

ناصر حسین نے جیسے انعم کی بات سنی اَن سنی کرتے ہوئے بیہ کا ہاتھ ایک دفعہ پھر چوما اور بہت محبت سے پوچھنے لگا۔

''بیٹا......! کسی بچے نے دھکا دیا تھا کیا......؟''

بیہ نے انکار میں سر ہلایا اور بولی۔

''نہیں پاپا......! میں بہت تیز Swing کر رہی تھی۔''

ناصر حسین نے بیہ کے رُخسار پر بہت پیار سے ہاتھ پھیرا اور کہا۔

''آئندہ اتنی فاسٹ Swing تو نہیں کرو گی ناں بیٹا......؟''

بیہ نے فوراً سر ہلا کر کہا۔

''نیور......! کبھی نہیں پاپا......!''

پھر ناصر کی طرف بڑے بے اختیار انداز میں دیکھ کر پوچھا۔

''دُلہن ماما آپ کے ساتھ کیوں نہیں آئیں......؟''

ناصر کا موڈ ایک دم سے جیسے خراب ہوگیا تھا۔ اسے بہت کچھ یاد آ گیا تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے خود کو سنبھال کر نارمل انداز میں بیہ کو جواب دیا۔

''اُنہیں تو پتا ہی نہیں کہ آپ کو چوٹ لگی ہے اور آپ ہاسپٹل میں ہیں۔''

اس نے بہت کوشش کی تھی مگر ایک ہلکی سی تلخی اس کے لفظ لفظ میں چھپی محسوس ہو رہی تھی۔

''اب آپ ٹھیک ہو۔اب جب ڈاکٹر کہیں گے،جبھی آپ کو گھر لے کر جائیں گے۔آپ آرام کرو۔ میں تھوڑی دیر بعد گھر جاؤں گا تو آپ کی دُلہن ماما کو لے کر آؤں گا۔''

ناصر کی بات اُدھوری رہ گئی اور انعم نے بہت برجستہ انداز میں کہا۔

''میں بیہ کے پاس موجود ہوں۔ میرے ہوتے ہوئے اسے کسی کی ضرورت نہیں۔ میں اپنی بیٹی کی دیکھ بھال کر سکتی ہوں۔''

اس نے یہ جملے بڑے سپاٹ لہجے میں کہے تھے۔ ناصر کے چہرے پر برہمی کے آثار تو پیدا ہوئے مگر اس نے خود کو بڑی ہمت کے ساتھ کنٹرول کر لیا اور بیڈ سے کھڑا ہوتے ہوئے بیہ سے مخاطب ہوا۔

''بیٹا......! میں ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں، ابھی تھوڑی دیر میں آپ کے پاس واپس آتا ہوں۔ اوکے......!''

بیہ نے مسکرا کر کہا۔

''اوکے......!''

ناصر کمرے سے یوں نکل گیا جیسے ناصر اور بیہ کے علاوہ کمرے میں کوئی تیسرا وجود ہی نہیں تھا۔انعم تیز تیز سانسوں کو کنٹرول کرتے ہوئے ناصر کو کمرے سے باہر جاتا دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

علینہ،فوزیہ کے کمرے میں تھی۔ اس نے اپنی بیٹی سفینہ کو علی کے پہلو میں لٹا دیا تھا۔علی بہت خوش نظر آرہا تھا۔فوزیہ اور علینہ دونوں بچوں کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ علینہ کی آنکھوں میں سنجیدگی اور گہری سوچ تھی، جیسے وہ بظاہر کمرے میں ہو، لیکن ذہن کہیں اور ہو۔فوزیہ نے ذرا ہچکچاتے ہوئے چور نظروں سے علینہ کی طرف دیکھا تھا پھر سفینہ کے رُخسار کو بہت پیار سے چھو کر بولی۔

''ماشاءاللہ......! بہت پیاری ہے۔تم پر گئی ہے۔''

علینہ نے بڑے تلخ اور تند لہجے میں فوراً جواب دیا۔

''شکر ہے کہ مجھ پر گئی ہے۔کم سے کم ساری زندگی اس بات کا یقین تو کرے گی کہ اسے میں نے ہی جنم دیا ہے۔مجھ پر شک تو نہیں کرے گی کہ کہیں سے لے کر پالی ہے۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو علینہ......؟ خون کی کشش کو کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بچہ اپنی ماں کو پہچانتا ہے۔''

''خیر......! ایسا بھی نہیں ہے۔ بھابی......! وہ بچے جو گود لئے جاتے ہیں، جب وہ ہوش سنبھالتے ہیں تو پالنے والی کو ہی اپنی ماں سمجھ رہے ہوتے ہیں اور کھنچ کھنچ کر اسی کی طرف جاتے ہیں۔ اگر کوئی انہیں ساری زندگی نہ بتائے تو ان کو پتا ہی نہیں چلے کہ وہ گود لئے ہوئے بچے ہیں، لے پالک ہیں۔''

فوزیہ نے گہری سانس لے کر ہنکارا بھرا۔

''ہوں......! ویسے علینہ......! میں تمہاری بہت احسان مند ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ علی کے بغیر ایک پل کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ میں سوچتی ہوں، زندگی میں تمہارا یہ احسان کس طرح اُتاروں گی......؟ تمہارا یہ احسان تو شاید میں مرتے دم تک نہیں اُتار سکتی۔''

فوزیہ کے لہجے میں جذبہ تشکر ٹھاٹیں مار رہا تھا۔

☆......☆......☆

''میں نے کسی پر کوئی احسان نہیں کیا۔ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں اور اب بھی کہہ رہی ہوں، اور انکساری و عاجزی کی وجہ سے نہیں کہہ رہی ہوں، اپنے دل کی پوری سچائیوں کے ساتھ کہہ رہی ہوں۔ میں نے کوئی غلطی کی تھی، مجھ سے کوئی بھول ہوئی تھی تو اس کی سزا صرف مجھے ملنا چاہیے، آپ کو یا علی کو نہیں، اور بھابی......! سیدھی سی بات یہ ہے کہ میں نہ وہاج کو سمجھ سکی اور نہ کسی اور کو۔''

علینہ نے لفظ ''کسی اور'' استعمال کیا تو فوزیہ کے دل پر گھونسہ سا لگا۔ اس کے بھائی کا نام لیتے ہوئے وہ ''کسی اور'' کو بھی یاد کر رہی تھی۔ ایک قیامت سی بیت گئی۔

''چھوڑو علینہ......! جو کچھ بھی ہوا، اسے بھول جاؤ۔ جب اتنے بڑے نقصان سے گزر گئے جس کی تلافی ہی ممکن نہیں تو پھر اسی نقصان کو یاد کرنے کا یا ذکر کرنے کا فائدہ بھی کیا......؟''

فوزیہ نے جیسے ماحول کے بوجھل پن کو پوری کوشش سے مٹانا چاہا۔ علینہ گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ فوزیہ نے اسے بولنے کے لئے اُکسایا نہیں، بلکہ شاید وہ تو شکر کرنے لگی کہ اچھا ہوا علینہ خاموش ہوگئی ہے۔ کیونکہ علینہ کے منہ سے جو کچھ بھی نکلتا تھا، وہ فوزیہ کے لئے بہت اذیت ناک ہوتا تھا۔ بات ختم ہو جاتی مگر پہروں اذیت روح کی گہرائیوں میں ٹھہر جاتی تھی۔ پھر بھی آج اسے علینہ بہت اپنی اپنی سی محسوس ہوئی تو اس نے ایک مرتبہ پھر جرأت کر ہی ڈالی اور بڑی محبت سے علینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف متوجہ کیا۔

''علینہ......! تم بہت اچھی ہو......''

''میں کہاں اچھی ہوں بھابی......؟''

علینہ نے فوراً بات کاٹ دی۔

''اگر اچھی ہوتی تو اس حال میں ہوتی......؟ میں تو شاید بہت بری ہوں۔''

''یہ بات نہیں ہے علینہ......! جو بندہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے، اپنی غلطی کو محسوس کرے، تو وہ بہت بڑا انسان ہوتا ہے، بہت اچھا ہوتا ہے، اور اللہ کو بھی وہ شخص بہت اچھا پسند ہے، جس سے کوئی غلطی ہو جائے تو وہ اپنی غلطی پر دل سے نادم ہو اور اللہ سے معافی مانگتا ہو، بے چین رہتا ہو۔''

فوزیہ نے اپنی بات کہنے کے لئے مزید راستہ ہموار کیا۔

''خیریت تو ہے......؟ میں آج آپ کو اتنی اچھی کیوں لگ رہی ہوں......؟''

علینہ بڑی اُداسی سے مسکرائی۔ علینہ کی بات سن کر فوزیہ نے لفظ اکٹھا کرنا شروع کئے اور ترتیب دینے لگی۔ وہ چاہتی تھی کہ آج علینہ اس کی بات سکون سے سنیں۔ اس سے پیشتر کہ وہ کچھ کہتی، علینہ پھر بول پڑی۔

''بھابی......! آپ کی ہمت نہیں ہو رہی، لیکن آپ کی ہمت نہ ہونے سے میں نے آپ کی بات سن بھی لی اور سمجھ بھی لی، اور آئی ایم سوری......! میرا جواب آج بھی وہی ہے۔ اس بچی کو نو مہینے میں نے اپنے پیٹ میں رکھ کر جو عذاب سہے ہیں، اس کے باپ نے تو اس کو اپنی اولاد ماننے سے انکار کیا دیا تھا، میں نے یہ قیامت اپنے دل پر جھیلی ہے۔ اس لئے کہ میں نے وہاج کے ساتھ کوئی بد دیانتی نہیں کی تھی۔ بس الٹرا ماڈرن سوسائٹی کا لبادہ اوڑھ کر میں نے انجانے میں اس راستے پر قدم بڑھائے جس کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ الٹرا ماڈرن لوگ ایک وقت میں پتا نہیں کتنی کتنی دوستیاں چلا رہے ہوتے ہیں اور شوہر بھی یہ سب کچھ دیکھ کر اسے ماڈرن سوسائٹی کا حصہ جان کر خاموش رہتے ہیں۔ وہ الگ سے اپنی دوستیاں پال رہے ہوتے ہیں۔ میرے لئے تو یہ روٹین کی بات تھی۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہاج میرے بارے میں اتنا آگے جا کر سوچ سکتا ہے۔''

''یہ صرف لبادے ہیں، حقیقتیں نہیں۔ علینہ......! مرد اور عورت کی دوستی کا ہمیشہ سے ایک ہی مطلب لیا جاتا ہے۔ اسے بہن بھائی کی دوستی تو نہیں سمجھا جاتا۔ نہ اسے کسی اور پاکیزہ رشتے کا نام دیا جاتا ہے۔ پتا نہیں وہ کون لوگ ہیں جو عورتوں کی اتنی آزادی کو روشن خیالی کا نام دے کر چھوٹ دیتے چلے جاتے ہیں......؟ مگر میں سمجھتی ہوں، عورت کو اپنی ذمہ داری کا احساس خود ہونا چاہئے۔ کیونکہ آگے جا کر بات اولاد پر آتی ہے اور انسان کی زندگی کا حاصل وصول یا تو اس کے نیک اعمال ہوتے ہیں یا اس کی اچھی یا بری اولاد۔''

''ہاں بھابی......! میں عدیل کو صرف اس لئے زچ کرنا چاہتی ہوں، اس لئے عاجز کرنا چاہتی ہوں کہ اسے یہ سب کچھ جاننے کے بعد وہاج کے پاس جانا چاہئے تھا، معافی مانگنا چاہئے تھی اور حلف اُٹھا کر کہنا چاہئے تھا کہ اس کی مجھ سے صرف دوستی تھی، لیکن وہ تو ایسے مجھ سے دُور ہو گیا جیسے کبھی ملا ہی نہیں تھا۔ ہمارے درمیان عشق عاشقی کا رشتہ نہیں تھا۔ لیکن اسے تو دوستی نبھانا بھی نہیں آئی۔''

علینہ اس وقت کسی کمزور لمحے کی گرفت میں تھی۔ اس نے فوزیہ کے سامنے دل کھول کر رکھ دیا۔ یہ بھی نہیں سوچا ایک وقت گزرا، وہ اس کے بھائی کی امانت، عزت تھی اور آج اس کی بچی کی ماں بھی ہے۔ فوزیہ سانس روکے ہوئے یہ سب کچھ سنتی رہی۔ وہ لاجواب سی ہو کر رہ گئی تھی۔ علینہ نے ایک ہی وار میں سارے محاذوں پھر کھیل لیا تھا۔ اس نے ظاہر کر دیا تھا کہ وہ وہاج کو کسی صورت بیٹی کی شکل نہیں دیکھنے دے گی۔ اب فوزیہ خاموش تھی اور اس کی خاموشی اس کی بے بسی کی انتہا تھی۔

☆......☆......☆

انعم، بیبہ کو چینج کرانے کے بعد اس کے بالوں میں برش کر رہی تھی۔ وہ بہت احتیاط سے برش کر رہی تھی کہ

ابھی پیشانی پر بینڈ تیج بندھی ہوئی تھی۔لیکن دو ڈرپ لگنے کے بعد بیہ اب بہت بہتر تھی۔ ڈاکٹر نے اسے گھر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ گھر کا سن کر بیہ کے اندر بڑا جوش و خروش پیدا ہو گیا تھا۔ وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

''ماما......! تھینک گاڈ......! اب ہم گھر جا رہے ہیں۔ ہاسپٹل میں تو میں بور ہو گئی تھی۔ بالکل بھی مزہ نہیں آیا۔''

انعم، بیہ کی معصومانہ بات سن کر بے ساختہ ہنس پڑی تھی اور ہلکے سے اس کے گالوں پر چپت لگا کر بولی تھی۔

''ہاسپٹل میں ٹھیک ہونے کے لئے آتے ہیں، مزے کرنے کے لئے نہیں۔''

بیہ بڑے شرمندہ سے انداز میں مسکرا پڑی۔

''پھر بھی ماما......! ہاسپٹل اچھا ہوتا ہے۔ نیٹ اینڈ کلین ہوتا ہے۔لیکن دل تو نہیں لگتا ناں......!''

''ہاں تو بیٹا......! ہاسپٹل میں علاج کرانے آتے ہیں، دل لگانے تھوڑی آتے ہیں۔ اچھا، اب جلدی سے شوز پہنو، پاپا آتے ہی ہوں گے۔''

''پاپا کہاں گئے ہیں ماما......؟''

''وہ شاید ڈاکٹر کے پاس میڈیسن وغیرہ لکھوا رہے ہیں۔ کہہ کر تو گئے ہیں، پانچ منٹ میں تیار ہونا۔ چلو شاباش......! اب بیڈ سے اُتر جاؤ۔ اب تم بالکل ٹھیک ہو۔کوئی بیمار شمار نہیں ہو۔ میرا مطلب ہے، بالکل زخمی وخمی نہیں ہو۔کوئی انجری نہیں آئی۔''

انعم نے بیہ کی بغلوں میں ہاتھ دیئے اور اسے اُٹھا کر بیڈ سے اُتارا اور زمین پر کھڑا کر دیا۔

''چلو شاباش......! اب بھاگ کر دکھاؤ۔''

''ماما......! ابھی پین تو ہو رہی ہے ناں......!''

''جب چوٹ لگتی ہے بیٹا......! تو کچھ دیر تو پین تو رہتا ہے ناں......! صبح تک یہ بھی ختم ہو جائے گا۔ بس اب پین کے بارے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سوچو کہ تم اب بالکل ٹھیک ہو۔ خدانخواستہ کوئی سیریس میٹر نہیں تھا۔ اوکے......!''

بیہ نے بھی سر ہلایا، گویا ماں کو ''اوکے'' کہہ رہی ہو۔ اس وقت ناصر حسین ڈسچارج کارڈ اور میڈیسن کی سلپ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ماں بیٹی کی محبت کا یہ نظارہ دیکھا۔ اس کے چہرے کی سنجیدگی اور خفگی میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ ناصر کو دیکھ کر انعم اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی اور اس نے اپنے پرس سے کار کی چابی نکال کر ناصر کی طرف بڑھائی تھی۔

''یہ اپنے ڈرائیور کو دے دیجئے اور اس کہیں کہ میری گاڑی گھر لے جائے۔ کیونکہ میں اور بیہ تو آپ کے ساتھ جائیں گے ناں......!''

انعم کی بات سن کر ناصر کچھ کہہ نہیں سکا۔ کیونکہ بیٹی بھی اس کا چہرہ بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ بیٹی کی خاطر زبردستی مسکرایا اور بادل نخواستہ انعم کے ہاتھ سے اس کی کار کی چابی تھام لی۔

"آؤ بیہ......! بس اب چلتے ہیں۔"

وہ ان دونوں سے پہلے کمرے سے باہر نکل گیا۔ انعم نے اپنا بیگ اُٹھایا اور بیہ کے کپڑوں والا چھوٹا سا بیگ بھی اُٹھا لیا اور دونوں بیگ ایک ہاتھ میں لے کر دوسرے ہاتھ سے بیہ کا ہاتھ تھام لیا۔ بیہ کے ساتھ چلتے ہوئے اسے یوں محسوس ہوا جیسے کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔

☆......☆......☆

اُجالا کو ناصر نے اپنے آنے کا بتا دیا تھا۔ وہ بڑی بے قراری سے انتظار کر رہی تھی، جیسے ہی ہارن کی آواز اس کے کانوں میں پڑی، وہ لاؤنج سے بھاگتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ ناصر کی کار گیٹ میں داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے پیچھے ڈرائیور انعم کی کار ڈرائیو کرتا ہوا آ رہا تھا۔ دونوں کاریں آگے پیچھے آ کر پورچ میں رُک گئیں۔ اُجالا دم بخود سی سامنے دیکھ رہی تھی۔ انعم، ناصر کے برابر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ بیہ پچھلا ڈور کھول کر نیچے اُتری اور بھاگتی ہوئی اُجالا سے لپٹ گئی تھی۔

"دُلہن ماما......! میں آ گئی۔ آپ تو مجھے دیکھنے ہاسپٹل بھی نہیں آئیں۔ بہت خراب ہیں آپ......!"

وہ اُجالا سے کہہ رہی تھی اور اُجالا کا ذہن کسی اور نقطہ پر یوں جم گیا تھا جیسے برف باری کے موسم میں گرنے والا پانی کا قطرہ پلک جھپکنے میں برف کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ناصر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ناصر اس سے نظریں چرا رہا تھا۔ ناصر کا نظر چرانا کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ اس کا دل اس بری طرح سے ڈوبا کہ جیسے بس اب دھڑکنا بند کر دے گا۔ ناصر دروازہ کھول کر باہر آیا۔ اُجالا اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مگر ناصر نے اُجالا کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ بڑی تیزی سے اُجالا کے پاس سے گزر کر اندر چلا گیا تھا۔

"نہ سلام نہ دُعا۔"

اُجالا کو طرح طرح کے اندیشے ستانے لگے۔ شاید کچھ ہو گیا ہے۔ شاید وہ ہو گیا ہے جس کے اندیشوں نے اس کی راتوں کی نیندیں ویران کر دی تھیں۔ انعم اور ناصر ایک ساتھ تھے۔ ناصر نے مجھے نہیں بتایا کہ ہاسپٹل میں انعم اس کے ساتھ ہے۔ یقیناً ناصر نے ہی انعم کو بلایا ہوگا، اور کیوں نہ بلاتا......؟ اس لئے کہ بیہ کی ماں تو انعم ہے۔ وہ کیوں بار بار بھول جاتی ہے کہ وہ بیہ کو کتنا بھی چاہے، کتنا بھی پیار دے، اس کی زندہ ماں کے ہوتے ہوئے وہ جگہ تو نہیں لے سکتی......؟

انعم بڑی جانچتی ہوئی نظروں سے اُجالا کا جائزہ لے رہی تھی، جو اپنے آس پاس سے بے خبر گہری سوچوں میں اُلجھ رہی تھی۔ انعم نے جان بوجھ کر اس کو چونکانے کے لئے اپنی ہیل سے کھٹ کھٹ کی آواز پیدا کی۔ اُجالا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ انعم اس کے پاس سے گزرتے ہوئے دو منٹ کے لئے رُکی اور بہت نہال لہجے میں گویا ہوئی۔

"بیہ نے تو ہماری جان ہی نکال دی تھی۔ میں اور ناصر تو جیسے پاگل ہو گئے تھے۔ تھینک گاڈ......! اب بیہ

بالکل ٹھیک ہے۔ زخم تو ہے، وہ تو آہستہ آہستہ ہی ٹھیک ہوگا۔“

اُجالا زبردستی مسکرائی۔

”جی، شکر ہے اللہ کا، بیہ خیریت سے ہے۔“

انعم اس کی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہی تھی۔ بس اسے کچھ ملا تھا یا نہیں، لیکن اس کی خود پسندی اور اَنا نے چند لمحے کے لئے بڑی تسکین پائی تھی۔ بظاہر بے نیازی سے چلتی ہوئی وہ بھی لاؤنج کی طرف چلی گئی۔ لیکن اُجالا کو جیسے قدم اُٹھانا دوبھر تھا۔

☆......☆......☆

ناصر کمرے میں آتے ہی جیسے اُجالا کا سامنا کرنے سے بچنے کا راستہ ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو کمپوز کرنا چاہتا تھا، سنبھالنا چاہتا تھا۔ جانے کیوں اسے اُجالا کے سامنے بڑی شرمندگی سی محسوس ہو رہی تھی......؟ اس لئے وہ فوراً ہی شاور لینے واش روم میں چلا گیا تھا، تاکہ شاور لینے کے دوران وہ خود کو سنبھال لے اور اُجالا کو یہ بات سمجھا دے کہ وہ اسے اور انعم کو ساتھ دیکھ کر بدگمانی کا شکار نہ ہو۔ پتا نہیں کیوں اسے یہ بات کہنے کے لئے اتنا کیوں سوچنا پڑ رہا تھا......؟ جبکہ اس کے دل میں کوئی چور نہیں تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے اُجالا کے جذبات کا پورا پورا احساس تھا۔ وہ محسوس کرسکتا تھا کہ اُجالا جو اسے دل و جان سے چاہتی ہے، اس کے ساتھ اس کے سائے کو بھی مشکل سے برداشت کرتی ہے، کیونکہ انسان کا سایہ ایک حقیقت ہے۔ ورنہ تو شاید وہ سایہ بھی برداشت نہ کرتی۔ پتا نہیں وہ کیا کہے......؟ کیا سوال کرے......؟ اور وہ کیا جواب دے......؟ اور جب جواب مل جائے تو اس جواب سے جانے کون کون سے معنی نکالے......؟ ناصر کا ذہن چکرانے لگا تھا۔ انعم نے جو کچھ کیا تھا، اس پر اسے بہت زیادہ غصہ تھا لیکن اب وہ غصہ ایک طرف ہوگیا تھا۔ اس وقت اسے صرف اُجالا کی فکر پڑی ہوئی تھی۔ وہ کافی غور و خوض کرنے کے بعد خود کو سنبھالنے کے بعد ہاتھ ٹاول سے اپنا گیلا سر رگڑتا ہوا واش روم سے باہر آیا تو وہی ہوا جس کا اسے اندیشہ تھا۔ اُجالا بیڈ پر ایک کنارے پر ٹکی ہوئی خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔ ناصر حسین ٹاول صوفے پر پھینک کر بڑی تیزی سے اس کے پاس گیا اور اس کے برابر میں بیٹھ کر اسے کندھوں سے تھام لیا۔

”بے وقوف بننے کی ضرورت نہیں......! اعتبار نہیں ہے مجھ پر......؟ انعم نے بہت غلط حرکت کی۔ اس نے تمہیں سکول سے آنے والے فون کا نہیں بتایا اور خود ہی ہاسپٹل چلی گئی اور راستے میں اس نے مجھے فون کیا۔ ظاہری بات ہے، میں فون سن کر اتنا پریشان ہوگیا تھا کہ مجھے تو صرف ہاسپٹل پہنچنے کی جلدی تھی۔ مسئلہ یہ ہے کہ میں انعم سے سوال جواب کا کوئی رشتہ رکھنا ہی نہیں چاہتا۔ ورنہ میں اس سے ضرور پوچھتا کہ اس نے یہ گری ہوئی حرکت کیوں کی......؟ کیا تمہیں جلانے اور ستانے کے لئے......؟ لیکن وہ بھول رہی ہے کہ اس کے جلانے اور ستانے، اس کی ان چھوٹی چھوٹی حرکتوں سے میرے اور تمہارے درمیان کوئی دیوار نہیں کھڑی ہوسکتی۔ اُجالا......! میں تمہاری دل سے قدر کرتا ہوں۔ تمہارا رونا اس بات کی ملامت ہے کہ تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں۔“

اُجالا نے یہ سن کر، چونک کر ایک دم سر اُٹھایا اور شرمندہ شرمندہ لہجے میں بولی۔

"ناصر......! یہ بات نہیں ہے، آپ پر بھروسہ تو مجھے خود سے بھی زیادہ ہے۔ اتنا تو میں اپنے آپ پہ بھی بھروسہ نہیں کرتی۔ بس پتا نہیں مجھے کیا ہوا......؟ کسی کو آپ کے ساتھ دیکھا تو عجیب سی کیفیت ہوگئی۔ بس ویسے ہی مجھے رونا آگیا۔"

ناصر، اُجالا کے اس معصومانہ جواب پر بے ساختہ مسکرا دیا۔

"ایک تو تمہیں رونے کا بہانہ چاہئے۔ بہت دن سے روئی نہیں تھی ناں، تو انعم نے تمہیں یہ موقع فراہم کر دیا۔ یاد رکھو اُجالا......! ہمارا رشتہ اعتبار کا رشتہ ہے اور یہ دُنیا کا سب سے مضبوط ترین رشتہ ہوتا ہے اور اعتبار کا رشتہ وہ رشتہ ہوتا ہے جس کا کوئی عنوان نہیں ہوتا، جس کو نام کی زنجیر میں نہیں باندھا جاتا۔ اس کو محسوس کیا جاتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی روحانی خوشی ہے جو نصیب سے ملتی ہے۔"

ناصر کتنی اپنائیت سے اسے سمجھا رہا تھا، بہلا رہا تھا۔ اُجالا کے اُنگ اُنگ سے خوشی پھوٹنے لگی۔ شاید کبھی کبھی عورت چاہتی ہے کہ شوہر تجدید وفا کرے اور اپنے احساسات کو الفاظ کا ملبوس بھی پہنائے۔ کیونکہ الفاظ کسی بھی وقت جادو کا سا اثر کر جاتے ہیں۔ وہ بہل گئی تھی اور اب مسکرا رہی تھی۔ آنسو پونچھتے ہوئے اس نے ناصر کی طرف دیکھا اور بولی۔

"میں آپ کے لئے چائے لے کر آتی ہوں۔"

وہ یوں شرمائی شرمائی سی اپنی جگہ سے اُٹھی جیسے چوتھی کی دُلہن ہو۔ ناصر بھی مسکرا رہا تھا۔

☆......☆......☆

انا بی نے دوہتھڑ اپنے سینے پر مارے۔

"آئے ہائے سلمیٰ بیگم......! کیا بولیں......؟ ارے......! کیا سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکلنے لگا......؟ کیسی انہونی بات بتا رہی ہو......؟ کیا ہوگیا ہے مریم کو......؟"

"انا بی......! ابھی کچھ ہوا نہیں اور خدا نہ کرے کہ کچھ ہو۔ میں تو آپ کو یہ بتا رہی ہوں کہ مریم کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ ارے......! اس لڑکی سے تو ہمیں اس طرح کی اُمید ہی نہیں تھی۔ سوچ بھی نہیں سکتے تھے ہم۔ ارے......! یہ کوئی ہمدردی ہے......؟"

"نرا پاگل پن ہے۔"

انا بی نے فوراً ٹکڑا لگایا۔

"آئے ہائے......! اس کے کون سے چھ سات بچے ہیں جو کسی کو اُٹھا کر ایک پکڑا دے اور وہ بھی ایک پاگل کو......؟ ارے سلمیٰ بیگم......! اس پر نظر رکھو۔ یہ بہت من مانی کرنے لگی ہے۔"

انا بی نے وارننگ کے انداز میں سلمیٰ بیگم کو تنبیہ کی۔

''نظر تو میں رکھے ہوئے ہوں انا بی......! اس نے تو اپنی طرف سے سارا کھیل بگاڑ دیا ہے۔ میں اور عدیل کی ماں، ہم دونوں اس گھر کی ہلتی ہوئی دیواروں کو تھامنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''ارے سلمٰی......! عورت ذات پھر عورت ذات ہے۔ کتنی پڑھ لکھ جائے، ڈاکٹر بنے، انجینئر بنے، ہوا میں جہاز اُڑاتی پھرے۔ عورت پھر عورت ہی ہے۔ بس عورت کو یہ نہیں بھولنا چاہئے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں انا بی......! لیکن وہ یہ کہتی ہے، مجھ سے بے ایمانی، بددیانتی اور دلوں کا کھوٹ برداشت نہیں ہوتا، جو جیسا ہے ویسا ہی دکھائی دے۔ میں برے کے ساتھ سمجھوتہ کرلوں گی، منافق کے ساتھ نہیں۔ اب اسے کون سمجھائے کہ اس دُنیا میں تو قدم قدم پر مصلحتوں کا دامن تھامنا پڑتا ہے......؟''

سلمٰی بیگم بہت افسردہ انداز میں کہہ رہی تھیں۔ وہ بے انتہاء پریشان تھیں۔ وہ انعم کو ناصر کے گھر زبردستی بٹھا کر آگئیں تھیں تو کون سا چین سکون تھا......؟ دماغ تو ہر وقت اسی کی طرف لگا رہتا تھا۔ انعم کی خودسری، ہٹ دھرمی، اَنا اور ضد، اس سے تو ہزار طرح کے دھڑکے ہی تھے۔ یہ مریم نے کون سی کسر چھوڑی تھی......؟

''میں تو کہتی ہوں سلمٰی......! اس کے ذہن میں یہ بٹھانے کی کوشش کرو کہ بیٹا، بددیانتی، دھوکہ، جھوٹ، یہ کوئی نئی باتیں ہیں......؟ جب سے انسان دُنیا میں آیا ہے، یہی کچھ ہو رہا ہے۔ نیکی اور بدی کا اسی طرح سے مقابلہ ہو رہا ہے۔ وقتی طور پر کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ شیطانی قوت جیت رہی ہو، لیکن یہ بس ایک خیال کا دھوکہ ہوتا ہے۔ جیت تو ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔ جو عورتیں صبر کرتی ہیں، وہ بھی ایک دن فتح حاصل کرہی لیتی ہیں۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں انا بی......! ہمارے معاشرے میں ''بری عورت'' وہ نہیں ہوتی جو لوگوں سے چھپ چھپ کر برائیاں کرتی ہے، برے کام کرتی ہے۔ اس معاشرے میں تو ''بری عورت'' وہ ہوتی ہے جس کو خلقِ خدا اُنگلی اُٹھا اُٹھا کر ''بری عورت'' کہہ رہی ہوتی ہے، اور سچ بولنے والی، احتجاج کرنے والی عورت ہمیشہ سے بہت بری سمجھی جاتی ہے، اسے بدزبان کہا جاتا ہے۔''

سلمٰی بیگم بہت دُکھ بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ انا بی سے ان کا ایسا رشتہ تھا جو ماں بیٹی کا ہوتا ہے۔ ان کی پرورش اَنا بی کے ہاتھوں میں ہی ہوئی تھی۔ وہ باتیں جو وہ فیاض احمد کے سامنے کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھیں، انا بی کے سامنے کرلیا کرتی تھیں۔ دل ہلکا ہو جاتا تھا۔ انا بی نے آگے بڑھ کر سلمٰی بیگم کا سر اپنے سینے سے لگالیا۔

''بیٹا......! آج کل کے بچوں کو واقعی سمجھانا مشکل ہے۔ لیکن کچھ تو کرنا ہوگا۔ ہماری آنکھوں کے سامنے بچے پریشان حال پھریں تو پھرے ہمارے تجربے اور ہماری عقل کا کیا فائدہ......؟''

''انا بی...... میں نے سوچا ہے کہ میں پاپا سے بات کروں گی، کیونکہ مریم، پاپا کی بات سنتی بھی ہے اور مانتی بھی ہے۔ وہ یہ سمجھتی ہے کہ اس کا نانا سب سے زیادہ منطقی بات کرتا ہے۔ دُعا کریں کہ میں اچھے طریقے سے یہ بات پاپا تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤں، کیونکہ پاپا دل کے مریض ہیں۔ انہیں کوئی بھی اُداس خبر سناتے ہوئے مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔''

سلمٰی بیگم کے لہجے میں ذہنی انتشار اور خلفشار ہویدا تھا۔ انا بی کا دل تڑپ تڑپ گیا۔ ان کی سلمٰی پر اتنا

مشکل وقت آیا ہوا تھا۔ دونوں بیٹیوں نے ماں کو تگنی کا ناچ نچا کر رکھ دیا تھا۔

''بس......! یہ تو کرنا ہوگا سلمٰی......! میں تو شیخ صاحب سے واقعی بات کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی۔ لیکن تمہیں بڑی سمجھداری سے یہ معاملہ ان تک پہنچانا پڑے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پانی سر سے اونچا ہو جائے۔ میرے منہ میں خاک......!''

''ہاں انابی......! میں موقع محل دیکھ کر پاپا سے بات کروں گی۔ آپ دُعا کریں، بس اب انعم کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ آئے کہ یہ دل دھڑکنا ہی چھوڑ دے۔''

''ارے......! اللہ نہ کرے۔ میری بچی جُگ جُگ جیئے......! اللہ تمہاری مشکلیں آسان کرے۔ تمہیں اپنی اولاد کا سکھ دکھائے۔''

انابی دُعائیں کرنے لگیں۔

☆......☆......☆

فوزیہ ڈائننگ ہال میں ناشتے کے برتن سمیٹ رہی تھی کہ اچانک اس کے کان میں علینہ اور شکیلہ خاتون کی باتوں کی آواز آنے لگی۔ اس وقت وہ دونوں لاؤنج میں تھیں اور شاید ان کو اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت فوزیہ ڈائننگ ہال میں ہے۔ شکیلہ خاتون علینہ سے کہہ رہی تھیں۔

''ارے علینہ بیٹا......! میری ایک بات تو مان لو......!''

''جی اماں......! بولیں کیا بات ہے......؟''

''بس......! میرا ایک کام کر دو بیٹا......!''

شکیلہ خاتون کہہ رہی تھیں۔

''کام کرنے کا ہوگا تو ضرور کر دوں گی، کام تو بتائیں۔''

علینہ کی آواز فوزیہ کی سماعت سے ٹکرائی۔

''بیٹا......! وہ آج ملک فیروز کی بیوی اور اس کی شادی شدہ دو بیٹیاں ہمارا گھر بار دیکھنے آ رہی ہیں۔ تو کسی بہانے سے فوزیہ کو یہاں سے لے جا۔ دو چار ہزار دے دیتی ہوں، اس کو تو بازار سے کپڑے لتے دلا دے۔ ابھی ابھی فون آیا ہے ملکانی کا۔ میرے تو ہاتھ پیر پھول گئے۔''

شکیلہ خاتون کی بات سن کر علینہ بڑی حیرت سے کہہ رہی تھی۔

''لیکن اماں......! یہ ملک فیروز ہیں کون......؟ اور ان کی بیگم ہمارا گھر بار کیوں دیکھنے آ رہی ہیں......؟ اور میں فوزیہ بھابی کو کیوں لے جاؤں......؟ وہ تو اس گھر کی فرد ہیں۔ کیا وہ مہمانوں کے سامنے نہیں آ سکتیں......؟ آخر کیوں......؟''

علینہ سوال پہ سوال کیے جا رہی تھی۔ فوزیہ اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی دم بخود سی ہو گئی تھی۔

''کتنی مرتبہ بتاؤں تجھے کہ میں تیرے بھائی کی دوسری شادی کر رہی ہوں......؟''

''کیوں کر رہی ہیں دوسری شادی......؟ ان کی بیوی گھر میں تو ہے۔''

علینہ نے اب ذرا غصے سے ماں سے بات کی۔ فوزیہ سانس روکے دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔

''ارے......! وٹے سٹے میں ایک طرف کی شادی ختم ہوتی ہے تو دوسری طرف کی شادی کی بھی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔''

شکیلہ خاتون بڑے سمجھانے والے انداز میں علینہ سے مخاطب ہوئیں۔

''یہ کس کتاب میں لکھا ہے......؟''

علینہ بھڑک کر بولی۔

''ہم کسی کتاب وتاب کو کیا جانیں......؟ اَن پڑھ، جاہل برادری میں ایسا ہی ہوتا ہے۔''

شکیلہ خاتون نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر بڑے ٹھسے سے کہا۔

''یہ برادری کو قانون بنانے کا حق کون دیتا ہے......؟''

علینہ کی آواز میں اب بہت واضح غصہ تھا۔

''یہ صدیوں پرانے اُصول ہیں۔''

شکیلہ خاتون نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر برجستہ جواب دیا تھا۔

''دُکھ دینے والے اُصول، اماں......! پتا نہیں کتنے بے گناہ لوگوں کے گھر اُجڑے ہوں گے......؟ مگر برادری کو ابھی تک ہوش نہیں آیا......؟ جس کا قصور ہو، اسے سزا ملے۔ ملک فیروز کی بیوی اگر مجھے یہاں نظر آئی تو میں اسے بے عزت کر کے نکال دوں گی۔ میں پہلے سے بتا رہی ہوں۔''

علینہ کے انداز میں کھلی دھمکی تھی اور غصہ بھی تیز تر ہو چکا تھا۔

''ارے......! بہت بڑی زمینداری ہے ان کی۔ کیا سمجھی......؟''

شکیلہ خاتون نے علینہ پر جیسے رعب ڈالنا چاہا۔

''تو کیا ہم بھوکے مر رہے ہیں......؟''

علینہ ایک دم جیسے پھٹ پڑی۔

''اماں......! بس اب تک جو ہو چکا، وہ ہو چکا۔ اب یہ فضول اور جاہلانہ رسمیں آگے نہیں چلیں گی۔ ماڈرن سوسائٹی ہے تو وہ بھی تباہی کے طرف لے کر جاتی ہے۔ یہ گاؤں دیہات کے برادری کے اُصول، یہ بھی انسان کو جیتے جی مارتے ہیں۔ کوئی بیچ کا راستہ دیکھ لیں جس میں سب لوگ کھل کر سانس لیں۔ کھل کر جئیں اور اپنی زندگی خود گزاریں۔''

علینہ پاؤں پٹختی ہوئی لاؤنج سے نکل گئی تھی۔ اس کے قدموں کی دھپ دھپ فوزیہ نے وہیں کھڑے کھڑے سنی، جس سے اس کو اندازہ ہوا کہ علینہ اب لاؤنج سے جا چکی ہے۔ شکیلہ خاتون نے ایک زوردار آواز میں

ماسی برکتے کو پکارا تھا۔ بے بسی اور لاجواب ہونے کی کیفیت ان کے لہجے اور ان کی بلند آواز سے ظاہر تھی۔

”اری برکتے......! کہاں مرگئی......؟ میرا ناشتہ یہیں لے آ۔ کیا دوپہر تک بادام کا جو کھاتی رہوں......؟“

فوزیہ کو اب وہاں سے چلے جانا چاہئے تھا۔ کیونکہ ماسی برکتے نے کچن سے نکل کر پہلے ڈائننگ ہال میں آنا تھا۔ وہ جلدی سے زینے کی طرف بڑھ گئی۔ لیکن اس کے قدموں میں بوجھل پن نہیں تھا بڑی توانائی تھی۔ علینہ نے اس کو حیران کر دیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ علینہ جس نے اس کے بھائی کی زندگی تباہ کی ہے، وہ اس کی زندگی بنانے کے لئے باقاعدہ اپنی ماں سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جائے گی۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم کے دل کو ایک پل قرار نہیں تھا۔ وہ نکلی تو تھیں اپنے ماہانہ چیک اَپ کے لئے، لیکن انہوں نے سوچا کہ وہ بشر علی اور مریم سے بھی ملتی جائیں۔ شام کے چھ بجھ رہے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ مریم آفس سے گھر آ چکی ہوگی۔ پہلے تو وہ سوچنے لگیں کہ وہ کل صبح پھر بشر علی سے ملنے کے لئے مریم کے گھر پہنچیں، لیکن پھر خود ہی اپنے خیال کو مسترد کر دیا اور پلاننگ کرنے لگیں کہ بشر علی کو کس طرح لائن پر لا کر ہاتھ کے ہاتھ مریم کے سامنے ہی بات کر ڈالیں۔ کیونکہ اب انتہا ہو گئی تھی۔ مریم کیسے کیسے فیصلے کر رہی تھی، اپنا دودھ پیتا شیر خوار بچہ ایک پاگل عورت کی گود تک میں دینے کو راضی ہو گئی تھی۔ اس سے تو صاف ظاہر تھا کہ اس کا ذہن اس کے کنٹرول میں نہیں ہے اور وہ بے سمت چلی جا رہی ہے۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئیں تو مریم سامنے لاؤنج ہی مل گئی۔ وہ ماں کو دیکھ کر بڑی خوشی سے مسکرائی۔

”السلام علیکم ممی......! خیریت تو ہے......؟ آپ تو آنے سے پہلے فون کر دیتی ہیں اور آج تو آپ کا فون بھی نہیں آیا۔“

”بس......! کسی ایک کام سے نکلی تھی، واپسی میں سوچا پاپا سے اور تم سے بھی ملتی چلوں۔ پاپا کیا کر رہے ہیں......؟“

سلمٰی بیگم صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

”نانا جان تو عصر کی نماز پڑھ کر واک کرنے چلے جاتے ہیں۔ بس آنے ہی والے ہوں گے۔ آپ کے لئے چائے منگواؤں......؟“

”نہیں نہیں......! چائے وائے تو میں پی چکی ہوں۔ پتا ہے میں بہت زیادہ چائے نہیں پیتی، اور یہ عدیل کہاں ہے......؟ کیا آفس سے نہیں آیا ابھی تک......؟“

مریم نے عدیل کا نام سنا اور اس کے چہرے کے تاثرات یک لخت تبدیل ہو گئے۔ چہرے پر ہلکی ہلکی ناراضگی کی کیفیت نظر آنے لگی۔

”امی......! ایک بات آپ کے سامنے کلیئر ہو چکی، میں کیوں بار بار دُہراؤں......؟ مجھے کیا لینا دینا عدیل آیا ہے یا نہیں آیا......؟ اگر نہیں آیا تو کیوں نہیں آیا......؟ کہاں ہے......؟ اب میرا ان تمام معاملات سے کوئی تعلق

نہیں ہے۔ میں اپنی طرف سے اُسے آزاد کر چکی ہوں۔''

مریم نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا تھا۔ بشر علی گھر پر نہیں تھے، اس لئے وہ بہت کھل کر بات کر رہی تھی۔ سلمٰی بیگم اس کی بات سن کر ایک دم بگڑ اُٹھیں۔

''ارے .....! تم اُسے آزاد کر چکی ہو، مگر اس کے گھر میں تو بیٹھی ہو۔''

''یہ اس کا گھر نہیں ہے امی......! یہ میرا گھر ہے۔ اس میں ہمت ہے تو مجھے یہاں سے نکال کر دکھائے۔''

سلمٰی بیگم نے اپنی پیشانی پر زور سے ہاتھ مارا۔

''کیا تماشہ ہے......؟ اگر تم اسے چھوڑ چکی ہو، اس کی حقوق ادا نہیں کر رہی تو اس کی کسی چیز پر تمہارا کیا حق ہے......؟''

''میرا ہی تو حق ہے امی......! میں اسے پورے خلوص کے ساتھ سب کچھ دے رہی تھی، مگر اسے یہ سب کچھ نہیں چاہئے تھا۔''

مریم نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''اور تم......تمہیں کچھ نہیں چاہیے......؟ کیا اسی طرح زندگی گزار لو گی......؟''

سلمٰی بیگم نے بہت دُکھ اور ملی جلی خفگی کی کیفیت میں وہ جملہ کہا تھا۔

''گزار لوں گی۔ میرے ساتھ میرا بیٹا ہوگا، میں اکیلی نہیں ہوں۔''

مریم نے اب قدرے آہستہ آواز میں جواب دیا تھا۔

''تمہیں ایک ساتھ کی ضرورت نہیں ہوگی......؟ کیا عمر ہے تمہاری......؟ کچھ پتا ہے......؟ مرد کے بغیر اس معاشرے میں اکیلی عورت کا گزارہ کس طرح ہوتا ہے......؟ یہ ان عورتوں سے پوچھو جو بچاریاں کسی وجہ سے اکیلی رہ گئی ہوں۔''

سلمٰی بیگم نے اب ذرا کنٹرول کر کے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''میں کیوں پوچھوں ان عورتوں سے......؟ ان عورتوں کے اپنے دُکھ، میرے اپنے دُکھ۔ سب اپنا اپنا بوجھ اٹھا [illegible] ہیں، اور کسی کے دُکھ کسی دوسرے سے ضروری نہیں کہ ملتے جلتے ہوں۔ فی الحال تو میرے ذہن میں آندھیاں [illegible] ہیں اور میں نے آگے کا تو سوچا ہی نہیں۔ بس جیسے گزر رہی ہے، ویسے گزر رہی ہوں۔''

مریم نے بےرُخی کے ساتھ جواب دیا۔ سلمٰی بیگم چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر بڑی گہری سانس [illegible]

''تم اس گھر میں نظر آ رہی تھیں تو میری اُمید سی بندھ رہی تھی کہ شاید تم اس معاملے کو ختم کر دو گی، عدیل کو [illegible]''

''معا[illegible] بھی کسی اُمید، کسی تعلق کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں تو اس سے ہر قسم کا تعلق ختم کر [illegible]''

سلمیٰ بیگم نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔
''میرے خدا......! تم نے دُور دُور تک کوئی ایسی لڑکی دیکھی ہے......؟''
وہ مریم سے سوال کر رہی تھیں۔
''لاکھوں ہوں گی، مگر کونوں میں چھپی رو رہی ہوں گی۔ مجھے جتنا رونا تھا، میں رو کر فارغ ہو چکی۔ اب ساری زندگی نہیں روؤں گی۔''
مریم کے انداز میں اس وقت بہت اعتماد اور مضبوطی تھی۔ پھر بڑی اُداسی سے مسکرائی اور بولی۔
''اب تو انہیں رونا ہوگا امی......! جو بے قصور لوگوں کو اس طرح آنسو بانٹتے ہیں جیسے خدا رزق بانٹتا ہے۔''
سلمیٰ بیگم آخر مریم کی ماں ہی تو تھیں۔ بیٹی کے لہجے میں چھپے ہوئے کرب نے انہیں تڑپا کر رکھ دیا تھا۔ مگر انہیں اس وقت اپنا دل بہت مضبوط کرنا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ عورت بہت بڑے بڑے دُکھ اُٹھاتی ہے، لیکن اس کا عورت پن کسی نہ کسی موڑ پر سمجھوتے کی طرف لاتا ہی ہے۔ مریم ناتجربہ کار ہے، کم عمر ہے۔ شوہر کی بے وفائی پر بدک گئی ہے۔ لیکن زندگی آہستہ آہستہ اسے حقیقت پسند بنائے گی اور شاید ایک دن اس پر انکشاف ہو جائے کہ محبت کرنے کے لئے عورت کو تخلیق کیا گیا ہے۔ مرد کی محبت تو ہمیشہ سے معمہ رہی ہے۔ وہ جیسے اپنی چاہتوں کا یقین دلاتا ہے، وہ بھی مطمئن نہیں ہوتے۔ بے چین رہتے ہیں، اسے تو رونا ہی ہے۔
''میں آپ کے لئے کولڈ ڈرنک لے کر آتی ہوں۔ بس نانا جان میرا خیال ہے کہ آتے ہی ہوں گے۔''
اسے احساس ہو گیا تھا کہ ماں اس کے گھر آئی ہے۔ اسے ذرا خیال سے بات کرنی چاہئے۔
''تمہاری ساس میرا خیال ہے کہیں گئی ہوئی ہیں......؟''
سلمیٰ بیگم نے موضوع بدلنے کی خاطر مسز سارہ کی توجہ مبذول کی۔
''جی......! وہ دو چار ہفتوں کے لئے لندن جانے کی پلاننگ کر رہی ہیں۔ اسی سلسلے میں کچھ ضروری پیکنگ کر رہی ہیں۔''
سلمیٰ بیگم نے آنکھیں پھاڑ کر مریم کی طرف دیکھا۔
''لندن جانے کی پلاننگ کر رہی ہیں......؟''
ان کا دل دہلنے لگا، کیونکہ مسز سارہ کی موجودگی سے ان کو بہت ڈھارس ہوتی ہے۔
''وہ بہت سلجھی ہوئی خاتون ہیں۔''
وہ سوچ رہی تھیں۔
''وہ وہاں ظاہر ہے، نبیل بھی تو اکیلا ہوتا ہے ناں، جب سے ممی کو پتا چلا ہے کہ اس کی طبیعت کچھ خراب ہے تو وہ بہت بے چین ہیں۔ کہہ رہی تھیں کہ کچھ دن نبیل کے پاس رہ کر آتی ہوں۔''
مریم کچن کی طرف جاتے جاتے رُک کر ماں سے بولی۔ سلمیٰ بیگم کے چہرے پر گہری سوچ کا عکس اُبھرا۔ وہ سارہ بیگم کے متعلق سوچ رہی تھیں۔ اسی وقت بشر علی اپنی چھڑی ٹکاتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئے تھے۔ سلمیٰ کو

دیکھ کران کے چہرے پر بے انتہاء دلی خوشی کی کیفیت نمایاں ہوئی۔

''ارے بھئی سلمٰی......! تم کب آئیں......؟''

وہ آگے بڑھتے ہوئے بولے۔

''بس پاپا......! تھوڑی دیر پہلے ہی آئی ہوں۔''

''چلو اچھا کیا، بھئی......! تم یہاں آتی جاتی رہا کرو۔ میرا تو یہاں بہت دل لگا ہوا ہے۔ ایک تو یہاں مریم ہے، دوسرے وہ اس کا چھوٹا سا تحفہ کیا نام ہے اس کا، نیک بخت کا، ہاں فضیل، ماشاءاللہ، ماشاءاللہ......! بہت پیارا، بہت پُرامن بچہ ہے۔ اللہ اسے نظرِ بد سے بچائے۔''

سلمٰی بیگم نے بڑے دل و جان سے ''آمین'' کہا تھا کہ شاید وہ ہی گھڑی قبولیت کی ہو۔

''اللہ اس بچے پر رحم کردے اور یہ ہلتا ہوا گھر اپنی جگہ پر مضبوطی سے پھر سے جم جائے۔''

''پاپا......! مجھے آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنا تھی اور مجھے سمجھ نہیں آرہی ہے کہ میں کس طرح شروع کروں......؟ اور پھر یہ بھی ہے کہ......''

سلمٰی بیگم کچھ مزید بولنے سے پہلے رُک گئیں کیونکہ اندر پھر ایک جنگ سی چھڑ گئی تھی۔

''مریم کے گھر میں ہی بیٹھ کر مریم کے مسئلے کو بشرعلی کے سامنے بیان کرنا کیا مناسب ہے......؟''

وہ خود سے پوچھ رہی تھیں۔ مریم سے چھپ کر کریں گی تو وہ شک میں مبتلا ہوگی۔ سامنے کرتی ہیں تو مریم شاید نانا کو ان سے پہلے قائل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ پھر یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں بشرعلی، مریم کی حمایت نہ کردیں، اور اس گھڑی جس میں کوئی فیصلہ ہونا ہے، جو ابھی بہت دُور نظر آرہی ہے، ایک دم سامنے ہی نہ آکھڑی ہو، اور مریم سے زیادہ بشرعلی، عدیل پر غصہ نہ کرنے لگیں۔ انہیں اچانک ہی خیال آیا تھا اور انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر جیسے اپنا ارادہ خود ہی بدل ڈالا۔

''پاپا......! اب بس بھی کریں۔ میرا دل بھی تو آپ کے بغیر سنسان ہوگیا ہے۔ ساری رونق ختم ہوگئی ہے۔ چلیں آپ میرے ساتھ۔''

''ارے بھئی......! تمہارے پاس ہی رہنا ہے۔ اب جتنی دیر کی بنسی بجنی ہے، تمہارے گھر میں ہی بجے گی۔ بس دو چار دن مریم کے پاس رُکا ہوا ہوں پھر آجاؤں گا تمہارے پاس۔ اختر کے ہاں جانے کا پروگرام فی الحال میں نے کینسل کردیا ہے کیونکہ جو میرا شیڈول تھا، اس حساب سے تو وہ سارے دن میں نے مریم کے گھر میں خرچ کر ڈالے۔''

''پاپا......! کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ......؟ آپ شیڈول کیوں بناتے ہیں......؟ آپ کوئی باؤنڈ ہیں......؟ کہیں ملازمت کرتے ہیں......؟ حد کررہے ہیں آپ......! چلیں خیر......! آپ بس اسی وقت میرے ساتھ چلیں۔ مجھے آپ سے ایک دو بہت ضروری کام ہیں۔''

سلمٰی بیگم کے انداز میں اصرار تھا۔ اسی وقت مریم کولڈ ڈرنک کی ٹرے لیے اندر داخل ہوئی۔

''کوئی نہیں جارہے نانا جان، امی......! یہ آپ کیا کررہی ہیں......؟ اتنے دن سے نانا جان آپ کے پاس تھے۔ اب انہیں بس یہاں میرے پاس رہنے دیں۔ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔''

سلمیٰ بیگم اُلجھ سی گئیں۔ کریں تو کیا کریں......؟ وہ چاہتی تھیں کہ وہ جلد سے جلد بشرعلی سے بات کریں اور اس قصے کو جلد سے جلد ختم کریں۔ پھر وہ زبردستی مسکرا کر بولیں۔

''ارے......! تم نے تو میرے باپ پر پورا پورا قبضہ کرلیا ہے۔ چھین لیا ہے مجھ سے میرے باپ کو۔''

مریم اب دھیرے سے ہنس پڑی اور محبت سے بشرعلی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''وہ جو کہتے ہیں ناں، اصل سے سود پیارا ہوتا ہے، تو آپ اصل ہیں، میں سود ہوں۔ میں نانا جان کو پیاری ہوں اور نانا جان مجھے پیارے ہیں۔''

وہ بڑے اسٹائل سے کہہ رہی تھی۔ بشرعلی، نواسی کی محبت پر پھولے نہ سمائے۔ ان کی آنکھوں سے محبت کے سُوتے پھوٹنے لگے، جیسے وہ مریم کو دیکھ دیکھ کر جی رہے ہوں۔ سلمیٰ بیگم نے جیسے اپنا سر تھام لیا۔

''یااللہ......! کیا کروں......؟ کیسے بات ہوگی پاپا سے......؟ پاپا سے بات ہو تو بات آگے بڑھے۔ مجھے تو ہر وقت کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ خدانخواستہ مریم اور عدیل کے درمیان کوئی حتمی فیصلہ نہ ہو جائے......؟ اللہ نہ کرے......!''

وہ اپنے ہی خیال سے خوف کھانے لگیں۔ مریم نے کولڈ ڈرنک کا گلاس اُٹھا کر انہیں تھمایا تو انہوں نے بڑی بے خیالی کی کیفیت میں تھاما۔ مریم ماں کی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ جبکہ بشرعلی بہت روحانی خوشی سے سرشار دونوں ماں بیٹی کی طرف دیکھے جارہے تھے، جیسے وہ انہیں دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہے ہوں۔

☆......☆......☆

انعم، اُجالا کی اُڑی اُڑی سی رنگت اور اُلجھی اُلجھی کیفیت کو بہت گہری نظروں سے جانچ رہی تھی۔ میڈم شعلہ جو کچھ کہہ کر گئی تھیں، اس سے انعم کو بڑی تقویت سی مل رہی تھی۔

''یوں لگتا تھا کہ جیسے کچھ ایسا ہو جائے گا کہ اُجالا، ناصر کی زندگی سے دُور ہو جائے گی۔ پھر ناصر کیا کرے گا......؟ میں تو ناصر سے معذرت کرچکی ہوں اور اس کے گھر میں بھی آچکی ہوں، پھر وہ میرے ہی بارے میں سوچے گا۔ یہ تو بہت اچھا کیا ناں امی نے کہ زبردستی مجھے یہاں لے آئیں۔ مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ ایسا کچھ بھی ہوسکتا ہے۔''

اندر ہی اندر وہ بہت خوشی محسوس کررہی تھی۔ اگرچہ اس نے کبھی اپنی ذات کا تجزیہ نہیں کیا تھا۔ لیکن وہ کبھی یہ بھی اعتراف نہیں کرسکتی تھی کہ سوتن کے جلاپے میں حسد کی آگ نے اس کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ وہ اُجالا اور ناصر کی زندگی کو تباہ و برباد دیکھنے کی خواہش مند ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ ماضی میں وہ ناصر کے ساتھ کیا کرچکی ہے اور ایک حاسد کو اس وقت تک اپنے کلیجے میں ٹھنڈک پڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ جب اسے وہ شخص اُجڑا ہوا،

برباد ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے، جس کی خوشیاں اسے زہر لگ رہی ہوتی ہیں۔ اسے یوں لگا کہ جیسے بہت جلد بہت کچھ اس کے حق میں ہو جائے گا۔ عجیب سا سرور اور ہلکا پن اس نے اپنے وجود میں محسوس کیا، اور کچھ نہیں سوجھا تو مہرو سے باتیں کرنے کچن میں چلی آئی۔ مہرو، بیبہ کا سوپ بنانے میں مصروف تھی۔ اس نے انعم کو دیکھا تو گھبرا سی گئی۔ کیونکہ انعم کی آمد سے وہ کچھ خوف زدہ سی ہو جاتی تھی کہ جانے وہ کیا سوال جواب کرے......؟ کیا پوچھے......؟ بہر حال وہ اس گھر کے ہر فرد کی وفادار تھی، صرف انعم کی نہیں۔

''مہرو......! ایک کپ اچھی سی کافی تو بناؤ۔ آج میں نے صبح سے صرف ایک کپ چائے پی ہے۔ سر بھاری بھاری سا ہو رہا ہے۔''

''ابھی بناتی ہوں بیگم صاحبہ......!''

یہ کہہ کر مہرو نے الیکٹرک کیٹل کا پلگ لگایا اور کیبنٹ کھول کر کافی کی بوتل نکالنے لگی۔ انعم نے ذرا کھنکار کر اپنا گلا صاف کیا اور بولی۔

''وہ تمہاری نئی نویلی مالکن کہاں ہے......؟''

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں ایک محسوس ہونے والی کاٹ پیدا ہو گئی تھی۔

''شاید اپنے کمرے میں ہیں، ان کے سر میں صبح سے بہت درد ہے۔ کہہ رہی تھیں کہ وہ کھانا نہیں کھائیں گی، جب بھوک لگے گی تو خود ہی کھا لیں گی۔''

''اچھا اچھا......! سر میں درد ہے۔ خیریت تو ہے......؟ اسے ہوا کیا ہے......؟ پوچھا نہیں تم نے......؟''

مہرو نے پلٹ کر انعم کی طرف دیکھا۔ اسے انعم کے سوال پر حیرانی سی ہوئی کہ سر درد تو کسی کو بھی ہو جاتا ہے اور کبھی بھی ہو جاتا ہے، اس کا کوئی ٹائم تو مقرر نہیں ہوتا۔

''یہ کیسا سوال ہے......؟''

اس نے خود ہی سوچا مگر خاموش رہی، اور پھر بولی۔

''پتا نہیں بیگم صاحبہ......! کبھی کبھی ہو جاتا ہے۔''

''اچھا اچھا......! کبھی کبھی......؟ ویسے یہ جو اُجالا کی ماں ہے، تمہیں عجیب سی نہیں لگتی......؟''

انعم نے اب اصل موضوع چھیڑ ہی دیا۔

''بھئی......! مجھے تو وہ بہت عجیب لگتی ہے۔ اتنے اتنے تحفے لے کر آتی ہے، پتا نہیں کس پر رُعب ڈال رہی ہے......؟ شاید ناصر پر......؟''

مہرو سر جھکا کر بڑی آہستہ آواز میں بولی۔

''جی کیا کہہ سکتی ہوں میں......؟ یہ بیگم صاحبہ اور ان کی ماں کا معاملہ ہے۔ ہم نوکر ذات، ہمیں مالکوں کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ محنت مزدوری کرتے ہیں، اپنی تنخواہ لیتے ہیں۔''

''توبہ......! وہ عورت تو جس طرح سے بن ٹھن کر آتی ہے اور جو اس کا اسٹائل ہے، وہ شریف عورتوں والا تو

نہیں ہے۔"

اب انعم نے بڑی آہستہ آواز میں لیکن چبھتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ مہرو نے گھبرا کر انعم کی شکل دیکھی اور بولی۔

"توبہ توبہ......! بیگم صاحبہ......! ایسی باتیں نہ کریں۔ اُجالا بی بی تو اتنی نیک نمازی اور پرہیز گار ہیں کہ بتا نہیں سکتی۔ اتنے بڑے افسر کی بیوی ہیں مگر اتنا سا بھی غرور نہیں ہے۔ اتنی عاجزی سے بات کرتی ہیں کہ میں کیا بتاؤں......؟"

انعم نے فوراً ہاتھ اُٹھایا۔ اُجالا کی تعریف اب اس کے لئے نہایت ناقابل برداشت ہوگئی تھی۔ اس نے مہرو کو روک دیا۔

"اچھا بھئی......! بس چار دن ایک عورت کے ساتھ رہیں اور گُن گانے لگے ہیں۔ میں نے تمہیں کبھی کچھ کہا......؟"

مہرو اب اور زیادہ گھبرا گئی۔ اسے سمجھ ہی نہیں آئی کہ ایسا اس نے کیا کہہ دیا کہ انعم غصے میں آ گئی۔

"نہیں نہیں بیگم صاحبہ......! آپ نے بھی مجھے کبھی کچھ نہیں کہا۔ وہ آپ بیٹھئے، میں آپ کے کمرے میں ہی کافی لے آتی ہوں۔"

مہرو نے اب جان چھڑانے کی ترکیب بھی ہاتھ کے ہاتھ سوچ لی۔ کیونکہ انعم کی وہاں موجودگی سے اس کے پر جیسے کوئی پہاڑ کھڑا ہوا تھا۔ وہ بہت محتاط تھی اور عزت دار عورت تھی۔ اس بات سے گھبرا رہی تھی کہ انعم کے سوالوں سے اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو اُجالا اور ناصر کو ناگوار گزرے۔ انعم نے مسکرا کر مہرو کی طرف بڑی معنی خیز نظروں سے دیکھا اور بولی۔

"کچھ تو ہے، مجھے وہ عورت بہت کھٹک رہی ہے، وہ تو پولیس افسروں کی طرح بات کرتی ہے۔ لگتا ہی نہیں ہے کہ داماد کے گھر میں آئی ہوئی ہے۔"

انعم بول رہی تھی، مہرو نے جیسے چپ رہنے کی قسم کھالی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے......! تم کافی میرے کمرے میں ہی لے آؤ۔ وہ کچن میں تو بیٹھ کر نہیں پیئے گی۔"

یہ کہہ کر کچن سے باہر نکل گئی۔ مہرو حیران و پریشان اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"یااللہ......! آج تک کوئی انسان ایسا نہیں دیکھا جو سمجھ نہ آیا ہو۔ جانے انعم بی بی کس مٹی سے بنی ہیں......؟"

☆......☆......☆

ناصر حسین کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔ اُجالا کی نیند جانے کس خیال سے نہ جانے کس وجہ سے ٹوٹ گئی تھی......؟ نہ کوئی آہٹ تھی نہ کوئی کھٹکا۔ نیند ٹوٹنے پر تو وہ خود ہی اُلجھ گئی تھی۔ سوتے سوتے خود ہی کیوں اس کی آنکھ کھل

گئی......؟ اس نے اپنے پہلو میں دیکھا، ناصر حسین بیڈ پر نہیں تھا۔ اس نے کمرے میں نظر گھمائی تو وہ اسے کھڑکی میں کھڑا ہوا نظر آ گیا۔ اُجالا کو یوں لگا کہ جیسے وہ بہت ڈسٹرب ہے۔

''یقیناً اس نے آج نیند کی گولی بھی نہیں کھائی تھی، تبھی جاگ رہا تھا۔ مگر وہ کیوں جاگ رہا تھا......؟''

یہاں تک سوچ کر اُجالا کے دل پر بوجھ سا پڑ رہا تھا۔ یقیناً ماضی کا ایک زخم اس کو تنگ کر رہا ہوگا کیونکہ اب تو وہ گھر میں ہی موجود ہے۔ اُجالا نے کوشش کی کہ وہ ناصر کو محسوس نہ ہونے دے کہ وہ جاگ رہی ہے۔ کیونکہ اسے اب انعم کے موضوع پر بات کرتے ہوئے شرم سی آتی تھی۔ وہ کچھ بھی کہتی تھی، ناصر اسے لاجواب کر دیتا تھا اور وہ شرمندہ ہو جاتی تھی کہ ناصر جیسے مخلص ساتھ کو وہ اپنی باتوں سے پریشان کر دیتی ہے، ڈسٹرب کر دیتی ہے۔ محبت کی انتہاء کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ ناصر کے ذہنی سکون کا خیال رکھے۔ اس لئے وہ سوتی بنی پڑی رہی اور پھر اس نے دیکھا کہ ناصر کھڑکی سے ہٹ گیا۔ اُلجھے اُلجھے انداز میں وہ اُجالا کی طرف دیکھتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

اُجالا اسے دروازے کی طرف جاتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اس نے ہلکی سی آنکھیں کھول کر دیکھا۔ ناصر حسین کمرے کا دروازہ کھول چکا تھا لیکن اس نے یہ بھی دیکھا کہ دروازہ کھولتے ہی وہ دو قدم پیچھے ہٹا تھا، جس پر اُجالا نے اپنی پُوری آنکھیں کھول لی تھیں اور بیڈ پر لیٹے لیٹے ہی اسے ناصر کے عقب میں کھڑی ہوئی انعم نظر آ گئی تھی۔ ابھی وہ حیران بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ناصر نے اپنا ہاتھ فضاء میں بلند کر کے جیسے انعم کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ اُجالا کو یوں محسوس ہوا جیسے کمرے میں زلزلے کے جھٹکے لگنے لگے ہوں۔ پھر اس نے دیکھا کہ ناصر باہر نکل گیا تھا اور جاتے ہوئے ہاتھ پیچھے کر کے بڑی آہستگی سے دروازہ بھی بند کیا تھا۔ اُجالا ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اندیشوں کا مارا دل یوں پھڑ پھڑانے لگا جیسے کوئی پر کٹا پرندہ اور وہ بھی پنجرے میں، وہ وحشت زدہ سی ہو کر بیڈ سے نیچے اُتر آئی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے......؟ کیا انعم، ناصر کو بلانے آئی تھی......؟ کیا ناصر میرا خیال اس لئے رکھ رہے ہیں کہ وہ بہت نرم دل ہیں اور جانتے ہیں کہ اس ساری کہانی میں میرا کوئی قصور نہیں ہے......؟ تو کیا......''

''تو کیا'' کے آگے اس کے ذہن نے کام کرنا بند کر دیا تھا۔ وہ چند منٹ تو کمرے میں ٹہلتی رہی لیکن اسے قرار نہیں آیا۔ اس نے سوچا جو کچھ بھی ہے، وہ حقیقت کو فیس کرے گی۔ اس لئے کہ یہ اندیشے اور واہمے اسے ذہنی طور پر مفلوج کر دیں گے یا اس کی جان لے کر رہیں گے۔ وہ غیر جذباتی انداز میں بڑے سکون سے آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر آئی تھی۔ لیکن اسے لاؤنج سے آتی ہوئی ناصر کی آواز نے اپنی جگہ پر پتھر کر دیا تھا۔ وہ انعم پر بری طرح برس رہا تھا۔

''بکواس بند کرو......! تم نے میرے بیڈروم کے دروازے پر ناک کرنے کی کوشش کیوں کی......؟ تمہاری اتنی ہمت کیسے ہوئی......؟ تم کیا سمجھ رہی ہو کہ تم اس گھر میں آ گئی ہو تو میں یہ سمجھوں گا کہ تم آج سے پانچ سال پہلے والی انعم ہو......؟ تم میرے نزدیک مٹی کا ڈھیر ہو، پتھر کا بُت ہو، کوئی ایسا بھولا ہوا سامان جو گھر کے کسی کونے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ مجھ سے کسی قسم کی غلط توقعات مت باندھنا، بلکہ میری بیوی کا شکریہ ادا کرو جس نے تمہیں اس گھر میں سر چھپانے کی جگہ دی ہے۔''

اُجالا آنکھیں موندھے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"اتنی ذِلت......؟ اتنی ذِلت کا تو میں نے تصور ہی نہیں کیا تھا۔ ناصر، انعم کو اتنا ذلیل

اد میرے خدایا......!"

اسے ناصر پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ لیکن حساس عورت ہونے کے ناطے انعم کے حال پر دُکھ ۔ ناصر اس

کے پہلو میں آ کر لیٹ گیا تھا۔ اُجالا ساکت دِ سامت کروٹ کے بل آنکھیں موندھے پڑی تھی۔ بس وہ کوشش کر رہی

تھی کہ ناصر کو احساس نہ ہونے پائے کہ وہ جاگ رہی ہے۔

☆......☆......☆

"ارے بھائی......! آپ اس وقت......؟ آج اتنے دنوں بعد کیسے میری یاد آ گئی......؟"

مریم، حماد کو سامنے پا کر حیرت اور خوشی سے پوچھ رہی تھی۔

"آفس میں ہی لیٹ ہو گیا تھا۔ سیدھا اُٹھ کر تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ بس تھک گیا ہوں، ایک کپ

چائے پلا دو۔"

عارف گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ مگر مریم کھٹک گئی تھی۔ حماد رات کو اس وقت آفس

سے سیدھا اس کے پاس کیوں آ رہا ہے......؟

"چائے تو میں آپ کو ایک منٹ میں پلا دیتی ہوں، مگر یہ بتائیے، خیریت تو ہے ناں......؟ آپ کچھ

ڈسٹرب سے نظر آ رہے ہیں......؟"

"ہاں ہاں......! تم چائے لے کر آؤ، پھر بات کرتے ہیں۔"

حماد نے تھکے لہجے میں کہا تھا۔ مریم چائے کا ملازم کو کہنے کے لئے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ حماد اس کے

سجے سجائے وسیع و عریض لاؤنج میں نظریں دوڑانے لگا۔ کتنا خوب صورت گھر ہے یہ۔ دیکھنے والے پر پہلا تاثر یہی

پڑتا ہے کہ یہ بہت خوش قسمت لوگوں کا گھر ہوگا۔ مگر اس کی بہن اس گھر میں خوش نہیں ہے۔ ایک بھائی کے لئے اس

سے بڑا دُکھ کیا ہو سکتا ہے......؟ جب سے سلمیٰ بیگم نے اسے بتایا تھا کہ وہ عدیل سے اپنے طور پر علیحدہ ہو چکی ہے تو یہ

اس کے لئے بہت بڑا دھچکا تھا۔ تفصیلات جاننے کے بعد اس نے ماں کو تسلی دی تھی کہ وہ موقع دیکھ کر مریم کو ضرور

سمجھائے گا۔ کئی دنوں کی سوچ بچار کے بعد آخر آج وہ مریم کے گھر چلا ہی آیا۔ انعم کے مسئلے سے نجات ملی کہ یہ ایک نیا

مسئلہ سامنے آ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بات کس طرح شروع کرے......؟ اور مریم کو قائل کس طرح کرے......؟ سلمیٰ

بیگم نے تو اسے کہا تھا کہ وہ مریم کو سمجھانے کی کوشش نہ کرے، وہ کسی کی بات نہیں سنے گی۔ اس لئے اب پاپا ہی اس کو

سمجھائیں گے۔ اس پر اس نے ماں سے کہا تھا کہ ابھی آپ نانا جان کو اس مسئلے میں لے کر نہ آئیں۔ وہ پہلے ہی کافی

دن ہاسپٹل رہ کر آ چکے ہیں۔ میرا خیال ہے، آپ مجھے مریم سے ایک مرتبہ بات کر لینے دیں۔ سلمیٰ بیگم یہ کہہ کر خاموش

ہو گئی تھیں کہ حماد اسے قائل کرے گا۔ شاید بھائی کی بات ہی اسے سمجھ میں آ جائے۔ وہ ابھی انہی سوچوں میں اُلجھا بیٹھا

تھا کہ مریم واپس آ گئی تھی۔

''جی بھائی......! لگتا ہے کہ کوئی بہت خاص بات کرنے آئے ہیں۔''

وہ بول رہی تھی، حالانکہ اس کے دل میں ایک کھد بدی ہو رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کی ماں نے اپنا سارا اسٹریس اپنے بیٹے میں شفٹ کر دیا ہے اور حماد اسی سلسلے میں اس سے بات کرنے آیا ہے، اور پھر ہوا بھی اس کی سوچ کے مطابق ہی تھا۔

''امی بہت پریشان ہیں تمہاری طرف سے۔''

حماد نے ہچکچاتے ہوئے مریم کی طرف دیکھا۔

''امی بلاوجہ پریشان ہیں۔ میں کوئی کمزور عورت نہیں ہوں اور ایموشنل چیٹنگ، یہ بہت بڑا دھوکہ ہوتا ہے۔ بھائی......! جو عورتیں یہ سب کچھ چپ چاپ سہہ جاتی ہیں، وہ ان کو شاباشی دیتی ہیں، لیکن میں کسی منافق مرد کے ساتھ گزارہ نہیں کر سکتی۔ بس بھائی......! آپ اس بات کو یہیں پر ختم کر دیں، اور فضول میں مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کریں۔ مجھے جو سمجھنا تھا، میں نے سمجھ لیا ہے بلکہ زندگی سمجھانے کے لئے خود ہی بہت ہے۔''

مریم ایک تسلسل کے ساتھ بول رہی تھی اور حماد اس کی طرف آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔ مریم نے تو اس کو آدھے راستے میں ہی چت کر دیا تھا۔ اتنا قطعی اور فیصلہ کن انداز تھا کہ حماد کو نئے سرے سے سوچنا پڑا تھا کہ اب وہ کیا کہے......؟ مریم خاموش ہو گئی تھی۔ حماد بھی خاموش بیٹھا تھا۔ دونوں کے درمیان گہرا سکون طاری ہو گیا تھا۔ حماد کے ذہن نے فوراً کام کرنا شروع کر دیا اور پھر بولا۔

''مریم......! تمہارا ایک بچہ بھی ہے، جسے ماں کی ضرورت بھی ہے اور باپ کی بھی۔ صرف اپنے لئے جینا خود غرضی ہے، جو ہمارے مذہب میں بھی پسند نہیں کی جاتی اور اخلاقاً بھی اس کو بہت بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔''

''لیکن بھائی......! زیادتی سہنا بھی تو ظلم ہے اور ظلم بھی تو حرام ہے۔ امی بتا رہی تھیں کہ وہ تم سے معافی بھی مانگ چکا ہے۔''

''امی نے آپ کو ٹھیک بتایا ہے۔''

مریم نے حماد کی بات بعد فوراً کہا تھا۔

''لیکن شاید آپ کو یہ نہیں پتا کہ معافی کے اس عمل سے گزرنے کے بعد بھی اس نے علینہ سے کانٹیکٹ کیا تھا اور وہ اس گھر میں آ کر دھرنا دے کر بیٹھ گئی تھی۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں اتنی بے وقوف ہوں کہ بسے بسائے گھر کو اپنے ہی ہاتھوں سے آگ لگا دوں......؟ اور دُنیا کی نظر میں تماشہ بن جاؤں......؟''

وہ حماد سے پوچھنے لگی۔

''مریم......! تماشہ تو بہر حال عورت ہی کا بنتا ہے۔ قربانی دینے والی عورت ہی آخر ایک دن سرخرو ہوتی ہے۔''

حماد نے سمجھانے کی کوشش کی اور نصیحت کا انداز اپنایا۔

"بھائی......! مجھے کمزور نہ کریں۔ مجھے اتنا مجبور نہ کریں کہ میں گھٹ گھٹ کر ذہنی توازن کھو بیٹھوں اور باقی زندگی کسی پاگل خانے میں گزار دوں۔ مجھ سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہوتا۔"

"پھر یہاں تک تو بات ہوگئی۔ آگے کا کیا سوچتی ہو......؟"

حماد اب ذرا بے بسی کی کیفیت میں سوال کر رہا تھا۔

"آگے کا کیا سوچنا......؟ ایک بچہ ہے جس کی پرورش اور تربیت میری ذمہ داری ہے۔ یہ اچھی خاصی مصروفیت ہے۔"

حماد نے اپنی بہن کی طرف یوں دیکھا جیسے اس کا دل پھٹ گیا ہو۔

"مریم......! جانے کتنی زندگی ہے......؟ یہ تنہائی بھی تو تمہیں پاگل کر دے گی۔"

"نہیں بھائی......! میں فیصلہ کرنے کے بعد ایک منافق سے جان چھڑانے کے احساس کے ساتھ بہت پُرسکون ہوں۔ آپ یقین کیجئے۔ میں اکیلی نہیں روتی، مجھے کوئی ملال، کوئی پچھتاوا نہیں۔ آپ سوچ نہیں سکتے کہ اعتبار ٹوٹنے کے بعد رشتے ایک لاش کی طرح بوجھل ہوتے ہیں۔ گھسیٹتے ہوئے چلنا روز مرنے کے برابر ہے۔ آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ میں آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گی۔ اپنے کسی مسئلے کا حل لینے آپ کے پاس نہیں آؤں گی۔ آپ کی پُرسکون زندگی میں کوئی بھی پریشانی پیدا نہیں کروں گی۔"

مریم اتنا کہہ کر سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ جو وہ سمجھ رہی تھی کہ جو کچھ وہ کہنا چاہ رہی تھی، وہ کہہ چکی اور اسے اُمید تھی کہ اب حماد بھی اسے مزید سمجھانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ حماد کو تو جیسے سکتہ طاری ہوگیا۔ وہ بالکل ماؤف ذہن بیٹھا بہن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر اپنا ہاتھ بلند کیا اور مریم کے سر پر رکھ دیا۔

"کیسی باتیں کرتی ہوں مریم......! میں تمہارا بھائی ہوں میں تمہاری پریشانی کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ تمہارے لئے میرے گھر کے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ لیکن خیر چھوڑو، میرا خیال ہے کہ تم نے اپنا ذہن بنا لیا ہے اور تم کسی کی بات سمجھنے کے لئے، سننے کے لئے تیار ہی نہیں ہو تو بہتر ہے کہ تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے۔"

"بہت بہت شکریہ بھائی......! کم سے کم آپ تو میری بات بڑی جلدی سمجھ گئے۔"

اسی وقت نوکر چائے کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوگیا۔ مریم نے اس کے ہاتھ سے ٹرے لی اور چائے بنانے لگی۔ حماد سر جھکائے بیٹھا تھا۔ مریم چائے بنا رہی تھی۔ گہری خاموشی تھی لیکن خاموشی کی بہت لمبی زبان تھی۔ دونوں اپنے اپنے حصے کے الفاظ سمیٹ رہے تھے اور اپنی اپنی حیثیت کے مطابق معنی پہنا رہے تھے۔

☆......☆......☆

مریم اپنے بیڈروم میں بیڈ پر لیٹی تھی۔ فضیل برابر میں سو رہا تھا۔ وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے بشر علی کو دوا کھلا کر آئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ وہ اپنے نانا کو سب کچھ بتا دے۔ کیونکہ اپنے ایکشن کے بعد وہ سب کے ری ایکشن دیکھ

چکی تھی۔ صرف بشرعلی کے تاثرات کی کمی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ اس کا نانا اس کی اُصولی بات سے اختلاف نہیں کرے گا، کیونکہ جھوٹ اور منافقت سے سمجھوتہ نہ کرنے کا درس بشرعلی نے ہی تو دیا تھا۔ وہ یہاں تک سوچ پائی تھی کہ عدیل دھڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بریف کیس تھا اور دوسرے ہاتھ سے وہ ٹائی کی گرہ ڈھیلی کر رہا تھا۔ چہرے پر بڑے غم و غصے کی کیفیت تھی۔ آتے ہی بڑبڑانے لگا۔

''پتا نہیں کب تک یہ ڈرامے زندگی میں چلتے رہیں گے......؟ بندے سے نفرت ہے، گھر پر قبضہ کیا ہوا ہے... جس کو جہاں جانا ہے چلا جائے، مجھ پر احسان کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن میرا بچہ یہاں سے لے جانے کی ضرورت نہیں۔''

مریم نے اس کی گرما گرم مگر مختصر تقریر سنی، مگر بڑے سکون سے اسی طرح لیٹی رہی۔ جیسے بڑا مدھر سنگیت سن رہی ہو۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ ردِعمل ظاہر کرکے ''آ بیل مجھے مار'' کے مصداق عدیل کو شور شرابے کی دعوت دے۔ اس لیے اس کے موبائل پر رِنگ ہوئی تھی۔ عدیل بھی موبائل کی رِنگ سن کر ذرا دھیما پڑ گیا تھا۔ یعنی اس نے اپنے آپ کو بولنے سے روک دیا تھا۔ مریم نے موبائل پر کالر کا نام دیکھا۔ اظفر کمال کا نام بلنک ہو رہا تھا۔ مریم اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کال ریسیو کی اور بڑے اعتماد سے اظفر کمال کو سلام کیا۔

''السلام علیکم سر......! خیریت......؟ اس وقت کیسے زحمت کی......؟''

دوسری طرف اظفر کمال کہہ رہے تھے۔

''آپ اُمید کا ایک دِیا اس گھر میں روشن کر کے گئی تھیں۔ مگر بڑی خاموشی ہے۔ انتظار بڑا صبر آزما تھا۔ مزید صبر نہ ہوسکا تو آپ کو فون کر ڈالا۔ معذرت خواہ ہوں۔''

مریم، اظفر کمال کی بات سن کر جیسے وقتی طور پر کمرے کے ماحول سے باہر چلی گئی۔ ذہنی طور پر تھوڑی سی شرمندگی بھی اسے محسوس ہو رہی تھی۔ واقعی اس نے اظفر کمال کے ذہن میں یہ بات ڈالی تھی، مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی سنجیدگی سے اس کا انتظار بھی کرنے لگے ہیں۔

''سر......! وہ اکچوئلی وہی مسئلہ آرہا ہے لیکن میں ہینڈل کرلوں گی۔ امی بھی پریشان ہوگئی ہیں اور یہی ہے کہ بچہ بہت چھوٹا ہے۔''

اظفر کمال نے یہاں تک سنا تو فوراً بات کاٹ دی۔

''میں تو آپ سے پہلے ہی کہہ رہا تھا مریم......! مگر آپ نے کہا تھا کہ آپ خود Decission لے رہی ہیں۔ فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں ہیں اور آپ کے معاملات میں کوئی اِنٹرفیئر نہیں کرتا تو ایک ہلکی سی اُمید جاگ پڑی تھی، مگر کوئی بات نہیں۔ مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ یہ سب قسمت کا لکھا ہے جو بہرحال فیس کرنا ہوگا۔ آپ آرام کیجئے اور میری خاطر پریشان مت ہوں۔ میں نے کچھ محسوس نہیں کیا۔ آپ جو کہہ رہی ہیں، ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لوگ بھی جو کہتے ہیں، ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ قسمت خراب ہو تو کوئی چیز حق میں نہیں جاتی، سب کچھ خلاف ہوتا ہے۔''

اظفر کمال کہہ رہے تھے، مریم سن رہی تھی۔ اس سے پیشتر کہ اظفر کمال ''خدا حافظ'' کہتے، وہ فوراً بولی۔

''سر......! آپ اتنی جلدی مایوس نہ ہوں۔ میرا بچہ ہے، اگر میں وہ بچہ آپ کے حوالے کر دیتی ہوں تو یہ میرا اپنا فیصلہ ہوگا اور میری ذمہ داری ہوگی۔ آپ مجھے تھوڑا سا وقت دیجئے اور یہ بتائیے کہ بیلا کی طبیعت کیسی ہے......؟ اب وہ کیا کر رہی ہیں......؟''

مریم بول رہی تھی اور عدیل واش روم جاتے جاتے رُک گیا تھا۔ اس کی کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں۔ اس کے بچے کی بات کر رہی تھی مریم کہ وہ صرف اس کا بچہ ہے۔ وہ فون بند ہونے کا شدت سے منتظر تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ مریم کو دونوں ہاتھوں میں اُٹھائے اور کمرے سے باہر پھینک دے۔ بچے کی دعویدار بن رہی ہے۔ بچے کے باپ کے سامنے کہہ رہی ہے کہ صرف اس کا بچہ ہے۔ وہ اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ دوسری طرف اظفر کمال کہہ رہے تھے۔

''بیلا...... بیلا کیسے ٹھیک ہوگی......؟ اس کی تو دوا ہی نہیں مل رہی۔ جو حال پہلے تھا، وہی اس کا اس وقت بھی ہے۔ بڑی مشکل سے تین بندوں نے قابو کر کے اسے نیند کا انجکشن لگایا تھا۔ اس وقت سے سو رہی ہے۔ لیکن وہ زیادہ دیر سوتی نہیں ہے اور جب وہ سو جاتی ہے تو مجھے خوف سے نیند نہیں آتی کہ بس اب وہ جاگ پڑے گی اور گھر میں ہنگامہ شروع ہو جائے گا۔''

اظفر کمال کے لہجے میں ایک عجیب سی شکستگی تھی۔ اسے کوئی حساس دل ہی محسوس کر سکتا تھا۔ مریم کے دل پر ایک بوجھ سا پڑ گیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اظفر کمال کی بیوی ٹھیک ہو جائے جس کو وہ پندرہ سال سے بڑی ذمہ داری سے نبھا رہے ہیں تو ان کی زندگی میں کتنی خوشیاں بکھر جائیں۔ اولاد نہ ہونے کے باوجود ان کے گھر میں کم از کم سکون تو ہوگا۔

''ٹھیک ہے سر......! میں آپ سے بعد میں بات کروں گی۔ خدا حافظ......!''

مریم نے موبائل ایک طرف رکھ دیا اور عدیل جیسے تیر کی طرح اس کی طرف بڑھا اور اس کی طرف گھورتے ہوئے بولا۔

''یہ تم اپنے سر کو بتا رہی تھیں کہ یہ صرف تمہارا بچہ ہے......؟ مجھے نہیں پتا، اس بچے کا کیا ایشو چل رہا ہے......؟ لیکن میں یہ ضرور پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس بچے کا ذکر کس سلسلے میں ہو رہا ہے......؟ تم نے اگر کہیں جانا ہے، الگ رہنا ہے، اور اعتبار نہیں کرنا ہے تو تم ابھی اسی وقت اس گھر سے جا سکتی ہو۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ مگر خبردار......! اس بچے پر تمہارا کوئی کلیم نہیں ہے۔''

مریم اتنا سنتے ہی بستر سے اُٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اسے نے براہِ راست عدیل کی آنکھوں میں گھورا اور چلا کر بولی۔

''اس بچے پر صرف میرا کلیم ہے۔ اس لئے کہ میں جانتی ہوں کہ یہ ایک دھوکے کی نشانی ہے، مگر میری کوکھ میں پروان چڑھی ہے۔''

''آہستہ بولو۔ تمہیں پتا بھی ہے مرد عورتوں کو کس کس طرح دھوکہ دیتے ہیں۔ ان کے مرد نہیں مارتے بھی

ہیں۔"

عدیل بھی جیسے غصے سے پاگل ہو کر چیخ رہا تھا۔

"کیوں بولوں آہستہ......؟ کیوں پرواہ کروں تمہاری اور تمہارے رشتے داروں کی......؟ جب تمہیں میری کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی، جب تم مجھ سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہ رہی۔ حتیٰ کہ تم اس بچے تک کو مجھ سے چھین لینا چاہتی ہو، اسے جیتے جی باپ سے محروم کر دینا چاہتی ہو۔"

عدیل اسی طرح پوری قوت سے چلایا۔ مریم کو اب مصلحت سے کام لینا پڑا۔ صرف اور صرف اپنے عزیز از جان نانا کی خاطر اس نے ایک گہری سانس لی۔ وہ چند لمحے عدیل کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی اور سر جھکا لیا۔ عدیل شاید اس کی طرف سے کسی تیز و تند جملے کا منتظر تھا۔ اس کو یوں خاموش بیٹھا پا کر وہ خود بھی ذرا دھیما پڑ گیا۔

"دیکھو مریم......! بہت ہو چکی ہے۔ اب بچے کا معاملہ بیچ میں آ گیا ہے۔ چلو اچھا ہوا اس بہانے تم نے اپنے ارادے ظاہر کر دیئے۔ لیکن کان کھول کر سن لو، یہ کوئی غیر قانونی بچہ نہیں ہے۔"

"آپ میرے سامنے اس قسم کی باتیں نہ کریں۔ یہ بچہ اس طرح کا ہو بھی نہیں سکتا، اس لئے کہ اس بچے کی ماں کمٹ منٹ کی پابند ہے اور تم مجھ سے میرے بچے کو چھین کر دکھاؤ۔ مجھے تم سے کوئی خوف اور ڈر نہیں ہے۔ اس لئے کہ میرے ہاتھ صاف ہیں۔"

"میں تمہارا حق گھر سے باہر جا کر کسی دوسری عورت کو نہیں دیا۔ لوگوں سے بڑی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ کوٹھوں پر جاتے ہیں لوگ، طوائفوں کے ساتھ ساری رات رہتے ہیں۔ صبح کو اپنا بہت کچھ گنوا کر اپنی بیوی کے پاس معصوم شکل لے کر آ جاتے ہیں۔ میں نے تمہارے ساتھ اس طرح کی کوئی حرکت نہیں کی مریم......! لیکن تم مجھے مجبور کر رہی ہو کہ میں تمہارے ساتھ سختی کروں، کیونکہ اب میں چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی اگنور نہیں کر سکتا۔ تم نے کہا ہے کہ اس بچے پر میرا کوئی کلیم نہیں۔ جا کر باہر دُنیا والوں کو بتاؤ اور پھر تم سوالات کا سامنا کرو۔ میرے بچے پر میرا کلیم نہیں ہے۔ پھر اس بچے پر اور کون کلیم کرے گا......؟"

عدیل کی یہ بات سن کر مریم کے رَگ و ریشے میں ایک طوفان برپا ہو گیا۔ وہ بڑی پستی پر آ کر اُس سے مخاطب تھا۔ مریم نے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ آخری والی آپ نے سنبھال کر رکھی تھی۔ مگر گالی کا برا وہ مانتا ہے جس کی کیمسٹری اس کی گالی سے میچ کرتی ہے۔ مگر مجھے یہ جان کر بڑا روحانی سکون محسوس ہو رہا ہے کہ آخر میں نے آپ کی سوچ کی انتہاء بھی دیکھ لی۔ میرے دل میں تو ویسے ہی کب آپ کے لئے گنجائش ہے......؟ اچھا ہوا آپ نے فضول کی سوچ و بچار سے بچا لیا۔"

مریم اتنا کہہ کر اُٹھی اور بہت آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس کی چال نڈر اور بے خوف تھی جیسے اسے پورا یقین ہو کہ عدیل پیچھے سے اس پر حملہ نہیں کرے گا، اسے جھپٹ کر روکے گا نہیں۔ اس نے عدیل کی گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا تھا اور اس کی گالی پر ردِعمل کی انتہاء دکھانے کی بجائے وہ جگہ ہی چھوڑ کر جا رہی تھی۔

عدیل اپنے اندر بھڑکتی ہوئی آگ سے فارغ ہوتا تو مزید ردِعمل کا سوچتا۔ اس وقت تو واقعی اس کا جی چاہ رہا تھا کہ خود پر تیل چھڑک کر آگ لگا لے۔ مریم باہر جا چکی تھی مگر دروازہ کھلا چھوڑ گئی تھی۔

☆......☆......☆

”ناصر حسین......! اپنی اوقات پہچانو۔ تم نے کس سے ٹکر لی ہے......؟ میڈم شعلہ سے اتنا بڑا دھوکہ......؟ ارے......! مجھے چونا لگا گیا۔“

میڈم شعلہ، ناصر کے موبائل پر ناصر سے بات کر رہی تھیں۔ بات کیا کر رہی تھیں، بری طرح برس رہی تھیں۔ انداز یوں تھا جیسے زخمی ناگن پلٹ پلٹ کر اُن دیکھے ٹارگٹ کو ڈنگ مارنے کی کوشش کر رہی ہو۔

”آنٹی......! آپ میری بات تحمل سے سنیں۔ میرا اس عورت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ میرے گھر آئیں، سامنے بیٹھ کر بات کریں، میں آپ کو سمجھاتا ہوں۔ آپ بدگمان نہ ہوں۔ میں نے کوئی دھوکہ نہیں دیا۔ اُجالا ساری حقیقت سے واقف ہے۔ اگر میں نے دھوکہ دیا ہوتا تو آپ کی بجائے اُجالا میرے ساتھ وہ کچھ کرتی جو ایک عورت کر سکتی ہے۔“

ناصر حسین بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں میڈم شعلہ کو پُرسکون کرتے ہوئے اپنی بات سمجھانے کے لئے پُرسکون کر رہا تھا۔

”دیکھو، تم اپنی چالاکیاں اپنے پاس رکھو۔ اُجالا ایک کم عمر اور بے وقوف لڑکی ہے۔ اگر وہ بے وقوف نہ ہوتی تو وہ تم جیسے تنخواہ دار بندے سے شادی ہی نہ کرتی۔ اسے ماں کی بات سمجھ نہیں آئی لیکن میں نے اسے لے کر نہیں پالا تھا۔ اسے نو مہینے اپنے پیٹ میں رکھا ہے اور جنم دیا ہے۔ اس لئے مجھ سے اس کے آنسو دیکھے نہیں گئے۔ پھر میں نے سوچا تھا کہ میرے پاس جو کچھ ہے، میری بیٹیوں کا ہی تو ہے۔ اگر اس کا شوہر غریب فقیر ہے تو کیا ہوا......؟ اُجالا کے پاس اپنا بہت کچھ ہے۔“

میڈم شعلہ کا لہجہ اتنا توہین آمیز تھا کہ ناصر کو خود پر قابو رکھنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ پھر بھی اسے معاملے کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے خود کو کنٹرول کرنا ہی تھا۔

”آنٹی......! وہ میری بیوی صرف پیپر کی حد تک ہے۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اور وہ جملہ جو میں نے شاید اکیلے میں دیواروں سے کہا ہوگا، صرف اور صرف آپ کی بدگمانی دُور کرنے کے لئے کہہ رہا ہوں کہ میں تھوکتا ہوں اس پر۔“

ناصر کو اپنے گھر کے دَر و دیوار جلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اب وہ کسی مصلحت کا دامن تھام کر نہیں چل سکتا تھا۔ اسے اپنے دل کی بات کہنا ہی پڑی جو شاید اسے خود سے کہتے ہوئے بھی شرم آئی تھی۔ مگر وہ اُجالا سے دُوری کا تصور کرتے ہی کانپ اُٹھتا تھا۔ وہ اس کی زندگی کی ساتھی ہی نہیں، مسیحا بھی تھی۔ چند دنوں کی رفاقت نے اسے احساس دلا دیا تھا کہ گھپ اندھیروں کے بعد اللہ نے واقعی اس کی زندگی میں اُجالے بکھیر دیئے ہیں۔

''واہ بھی واہ......! یعنی کہ جس عورت پر تم تھوکتے ہو، وہ تمہارے گھر میں بیٹھی ہے اور بڑے دھڑلے سے بیٹھی ہے۔ کیا غضب کی ڈریسنگ کرتی ہے، کیا اس کے انداز ہیں، جیسے بڑی رئیسوں کی بیٹی ہو۔ میں تو اس کو دیکھتے ہی کھٹک گئی تھی اور جب مجھے پتا چلا تم نے تو میری بیٹی کے سر پر سوکن بٹھائی ہوئی ہے، تو میرے پاؤں تلے زمین سرک گئی۔ ارے......! میری معصوم بچی اس تیز طرار عورت کو مقابلہ نہیں کر سکتی۔ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی ناصر حسین......!''

میڈم شعلہ فیصلہ کن انداز میں بات کر رہی تھیں۔

''آنٹی......! آپ تھوڑا سا صبر و تحمل سے کام لیں۔''

''میں صرف اور صرف اس شرط پر صبر و تحمل سے کام لینے کے لئے تیار ہوں کہ تم مجھے اپنی پہلی بیوی کے طلاق کے پیپرز، اوریجنل پیپرز اپنے ہاتھوں سے دو۔ میں تمہیں یہ نہیں کہہ رہی کہ تم اُس کو دھکے مار کر گھر سے نکال دو۔ تم بہت طریقے سے، سمجھداری سے اس کو طلاق دے سکتے ہو، اور بھئی......! جب مرد کسی عورت پر تھوکتا ہے تو اس کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے کہ وہ اسے طلاق دے رہا ہے، یا دے چکا ہے۔''

میڈم شعلہ تو بیٹھے پر ہاتھ نہیں دھرنے دے رہی تھیں۔ لیکن اس نے ناصر کے ذہن میں ایک سوچ تو پیدا کر دی تھی۔ وہ ایک نقطے پر آ کر رُک گیا تھا۔

''طلاق......؟ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے......؟ میرے اور اسے کے درمیان ایسے اَن دیکھے فاصلے ہیں جو صدیوں کا سفر طے کر کے بھی ختم نہیں ہو سکتے۔ تو پھر اسے کیوں نہ آزاد کر دیا جائے......؟ میں فیاض انکل، نانا بشر علی ور سلمٰی آنٹی کا لحاظ ضرور کرتا ہوں، لیکن کیا میں ان کی خاطر اپنے ہنستے بستے گھر کو آگ لگا دوں۔''

وہ سوچ رہا تھا۔ دوسری طرف میڈم شعلہ بری طرح برسنے کے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''ارے میاں......! کیا سوچ رہے ہو......؟ چکرا گئے ناں، تھوک بھی رہے ہو اور طلاق بھی دینا نہیں چاہتے......؟ بہت زبردست ڈرامہ چل رہا ہے۔ دیکھو، اگر تم نے ایک دو دن کے اندر اپنی پہلی بیوی کے طلاق کے پیپرز مجھے نہیں دیئے تو میں اُجالا کو تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہاری موجودگی میں تمہارے گھر سے آ کر لے جاؤں گی اور کسی مائی کا لال اتنی ہمت نہیں رکھتا جو میڈم شعلہ کو روک سکے۔''

یہ کہہ کر میڈم شعلہ نے کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا اور ناصر کو ایک قیامت خیز دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔ ایک طرف اس کی بچی کی ماں تھی جو ہار مان کر اس کے گھر میں آ بیٹھی تھی، جس کو آزاد کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ بیبہ کو اس کی حقیقی ماں سے محروم کر رہا ہے اور بیبہ کے لئے ایک کبھی نہ ختم ہونے والے سوالات کا سلسلہ شروع کر رہا ہے۔ دوسری طرف وہ راستہ ہے جہاں زندگی امن کے ساتھ ہے، بہت خوش گوار سکون ہے، جنت کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں ہیں اور ایک خوش اطوار، وفادار مزاج، سادہ لوح شریک سفر۔ وہ اپنی جگہ پر کسی پتھر کی طرح ایستادہ تھا۔

☆......☆......☆

اُجالا کمرے میں آئی تو اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ناصر حسین اس کا انتظار کئے بغیر لائٹس آف کر کے سو چکا تھا۔ اس نے اُجالا کے آنے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ اُجالا کو طرح طرح کے وہم ستانے لگے۔ چند دن پہلے گزرے دن نظر کے سامنے کسی فلم کی طرح چلنے لگے۔ سینے میں درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں، درد کے کمال پر کمالِ ضبط کا مرحلہ بڑا ہی کٹھن تھا۔ پتا نہیں کیوں اس کا دل بھر آیا تھا......؟ یوں لگا جیسے زندگی اب اسی طرح سے گزرے گی۔ کیونکہ اب اس گھر میں ناصر اور اس کے بیچ کوئی اور بھی ہے۔ ایک زندہ وجود جو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اُجالا کا دل بھر آیا۔ اسے یوں لگا کہ زندگی بہت بوجھل ہوگئی ہے اور خوشی کی کوئی آہ بھر اُمید بھی نہیں۔ وہ گھڑیاں ہاتھ سے ریت کی طرح پھسل گئی ہیں جن گھڑیوں میں انہوں نے خوشی کو پوری قوت اور سچائیوں کے ساتھ محسوس کیا تھا۔ وہ خود کو بہت خالی خالی سا محسوس کرنے لگی تھی اور پھر وہ آہستگی سے دروازہ بند کر کے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ تک آئی۔ چند لمحے سوئے ہوئے ناصر حسین کی طرف دیکھا اور بہت محتاط انداز میں اس کے پہلو میں دراز ہوگئی۔ ناصر حسین کا ہاتھ اس کے کندھے پر آیا تو اسے جیسے زور کا کرنٹ سا لگا۔

''آپ جاگ رہے ہیں......؟''

وہ اپنے ہی خیالات پر شرمندہ شرمندہ انداز میں دیکھنے لگی۔

''ظاہری بات ہے، تمہیں شب بخیر کئے بغیر کیسے سو سکتا ہوں......؟''

''لیکن آپ نے تو پورے کمرے کا ماحول ایسے بنایا ہوا جیسے آپ گہری نیند سو رہے ہوں۔''

اُجالا نے اسی طرح شرمندگی سے کہا۔

''ماحول بنانے سے کیا ہوتا ہے......؟ ہم ماحول زبردستی بنا بھی لیں تو حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔ مجھے پتا تھا کہ تم آؤ گی اور کمرے میں اندھیرا پا کر طرح طرح کے اندیشوں میں گھر جاؤ گی۔ کیونکہ تمہیں بدگمان ہونے کی بڑی جلدی پڑی رہتی ہے۔''

ناصر حسین نے اس کے بالوں پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بہت محبت سے کہا تھا۔

''آپ اسے بدگمانی کہتے ہیں ناصر......؟ محبت شراکت میں بہت اذیت محسوس کرتی ہے۔''

اُجالا کے منہ سے بے سوچے سمجھے نکل گیا۔ ناصر حسین نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ آن کر دیا۔ کمرے میں ہلکی سی روشنی پھیل گئی اور وہ خود بستر سے اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اُجالا ایک دم حواس باختہ سی ہوگئی کہ ایسا اس نے کیا کہہ دیا کہ ایک دم سے ناصر بستر سے ہی اُتر گیا......؟ ناصر نے اُجالا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''آؤ میرے ساتھ......!''

اُجالا نے حیران ہو کر بلکہ حیرت سے زیادہ پریشان ہو کر پوچھا۔

''کہاں......؟ کہاں لے جا رہے ہیں آپ مجھے......؟''

''میں کہہ رہا ہوں کہ آؤ میرے ساتھ......!''

اُجالا ہچکچاتی ہوئی اُٹھی اور بیڈ سے اُتر کر ناصر کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"مگر مجھے بتائیں تو سہی کہ کہاں لے کر جا رہے ہیں......؟"

ناصر نے اب اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس کا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ میں بڑی سختی سے دبوچنے کے انداز میں دبا کر تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور تقریباً اسے کھینچتا ہوا باہر لے آیا۔ اُجالا خود کو بمشکل سنبھال رہی تھی۔ کیونکہ ناصر حسین کی چال میں اتنی تیزی تھی اور اس کے قدموں میں احتیاط۔ ناصر حسین اسے اسی طرح تقریباً پوری قوت سے کھینچتا ہوا زینے کی طرف بڑھا۔ اُجالا جیسے قوتِ گویائی ہی کھو چکی تھی۔ وہ اندر ہی اندر بری طرح سہم گئی تھی۔ اسے ناصر کا اچانک بدل ہوا انداز بھی بالکل سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ بھی لڑکھڑاتی ہوئی اس کے ساتھ زینہ طے کرنے لگی۔ زینہ طے کر کے ناصر حسین گیسٹ روم کے دروازے کی طرف بڑھا جہاں پر آج کل انعم کا قیام تھا۔ اس نے شہادت کی اُنگلی سے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کوئی ردِعمل نہیں ہوا۔ ناصر حسین نے اب ذرا پہلے کے مقابلے میں زیادہ تیز دستک دی۔ مگر اب بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ اُجالا اپنے ہاتھ سے بکھرے ہوئے بال سمیٹتے ہوئے دوسرا ہاتھ جو ناصر کی گرفت میں تھا، چھڑانے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ وہ اندر ہی اندر خوف سے جیسے مری جا رہی تھی کہ جانے ناصر کیا کرنے والا ہے......؟ دو تین دفعہ کی دستک کے بعد بھی جب کوئی جواب نہ آیا تو ناصر نے دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ ہینڈل گھوم گیا جس کا مطلب تھا دروازہ اندر سے لاک نہیں ہے۔ ناصر نے اب دھڑ سے دروازہ کھول دیا۔ کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی مگر بیڈ خالی تھا۔ ناصر حسین، اُجالا کو اسی طرح کھینچتا ہوا کمرے کے بیچ میں آ کھڑا ہوا اور گردن گھما کر اِدھر اُدھر جیسے انعم کو تلاش کیا۔ پھر اس کی نظر واش روم کے دروازے پر گئی۔ وہ اسی طرح غصے میں واش روم کے دروازے تک پہنچا اور دروازے کا ہینڈل گھما کر جیسے یقین کر لینا چاہا کہ انعم واش روم میں ہے۔ مگر اس نے ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھل گیا۔ واش روم میں تاریکی تھی اور انعم وہاں بھی نہیں تھی۔ اُجالا نے سر اُٹھا کر ناصر حسین کی طرف دیکھا۔ ناصر حسین نے چند لمحے سوچا اور پھر اسی رفتار سے اور اس جذبے سے اُجالا کو کھینچتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ انعم کہیں پر بھی دکھائی نہیں دی۔ اوپر لاؤنج کا دروازہ اندر سے بند تھا جس کا مطلب تھا کہ انعم چھت یا بالکونی میں نہیں جا سکتی۔

"وہ یہیں کہیں ہے۔"

اس نے کہا اُجالا کو لے کر زینہ اُتر گیا۔ اُجالا، زینہ یوں اُتر رہی تھی کہ جیسے گر پڑے گی۔ وہ اپنے ارادے سے تو چل ہی نہیں رہی تھی۔ اسے تو ناصر حسین کھینچ رہا تھا۔ ناصر حسین نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر جیسے اسے کچھ خیال آیا۔ اس نے بڑی آہستگی سے بیہ کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ بیہ کے خوب صورت سنگل بیڈ پر انعم، بیہ کو سینے سے لپٹائے گہری نیند سو رہی تھی۔ سائیڈ میں روشن ٹیبل لیمپ کی ہلکی ہلکی روشنی دونوں کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ ناصر یہ منظر دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ اُجالا کے ہاتھ پر یک لخت گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اُجالا نے گرفت ڈھیلی محسوس ہوتے ہی اپنا ہاتھ ناصر حسین کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ ناصر لاجواب سا بیہ اور انعم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں بڑی گہری نیند میں تھیں۔ بیہ کا سر انعم کے سینے سے لگا ہوا تھا۔ انعم نے اسے اپنے بازو کے گھیرے میں سمیٹا ہوا تھا۔ ناصر حسین نے چند لمحے سوچا، پھر چپ چاپ واپس پلٹ گیا۔ اُجالا اس کے پیچھے چل پڑی۔ لیکن کمرے سے باہر نکلتے ہوئے آہستگی سے دروازہ بند

کرنا نہیں بھولی۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر ناصر حسین گرنے کے انداز میں بیڈ پر لیٹ گیا۔ اُجالا اس کے بالکل قریب آ کھڑی ہوئی۔

''کیا کر رہے تھے آپ......؟ کیا کرنا چاہ رہے تھے......؟ کیوں زبردستی مجھے اس کمرے سے لے گئے تھے......؟ اور انعم کے کمرے میں لے جانے کا کیا مطلب تھا......؟ وقت دیکھا ہے آپ نے......؟''

ناصر حسین نے کھوئی کھوئی، گم سم نظروں سے اُجالا کا چہرہ دیکھا، پھر آنکھیں بند کر لیں۔

''میں کیا پوچھ رہی ہوں ناصر......؟ آخر آپ کیا کرنا چاہ رہے تھے......؟ کیوں گئے تھے مجھے انعم کے کمرے میں لے کر......؟''

ناصر حسین نے گہری سانس لی، پھر ایک لمحے کے لئے آنکھیں کھولیں اور بند کر لیں۔

''میں تمہیں اس لئے اس کمرے سے لے کر اس کے پاس گیا تھا تاکہ تمہیں کہوں کہ تم خود اسے اس گھر سے نکال دو۔''

ناصر بہت رُک رُک کر اور بہت اُلجھے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔ اُجالا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں تھیں۔

''اس وقت......؟ اس وقت آپ انہیں گھر سے نکالنے کا سوچ رہے تھے اور وہ بھی میرے ذریعے سے......؟ آپ کو یقین تھا کہ آپ مجھے آرڈر کریں گے اور میں بیبہ کی ماں کو ہاتھ پکڑ کر اس گھر سے نکال دوں گی......؟ مجھے اگر یہی سب کچھ کرنا تھا تو میں آپ سے انہیں اس گھر میں پناہ دینے کے لئے کیوں کہتی......؟''

''تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے اُجالا......! زندگی بھر پچھتاؤ گی۔ اس نے کمال ہوشیاری سے بچی کو قابو کر لیا ہے......''

''ناصر......! کیا کہہ رہے ہیں آپ......؟ بچی کو قابو کر لیا ہے......؟ وہ تو ان کی اپنی بچی ہے، بیٹی ہے۔''

اُجالا نے ناصر کی بات تیزی سے کاٹ کر کہا تھا۔

''ہاں......! مگر یہ وہی بیٹی ہے جسے چھوڑ کر اس نے دوسرا سلیکشن کیا تھا۔ میرا خیال ہے، اس بندے نے بھی اس پر تھوک دیا ہے۔ میں اس کی طرف دیکھتا ہوں تو خودکشی کر کے اس دُنیا سے چلے جانے کو جی چاہتا ہے۔ بیٹی کی طرف دیکھتا ہوں تو ایک نئے عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہوں۔ اُجالا......! مجھے پھر کہیں کچھ نہ ہو جائے۔''

اُجالا ایک دم تیزی سے گرنے کے انداز میں ناصر کے پاس بیٹھ گئی۔

''ناصر......! ناصر......! پلیز، خدا کے لئے، آپ ایسا سوچئے گا بھی نہیں۔ بیبہ اپنی ماں کے پاس چلی جائے، بیبہ کی ماں اسے جہاں مرضی اپنے پاس رکھے، اس لئے کہ وہ اس کی سگی ماں ہے اور وہ اس کی اولاد ہے۔ مگر مجھے ناصر چاہئے۔ میں ناصر کے بغیر ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔''

اُجالا، ناصر کے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ناصر اس کے بالوں پر نرمی سے ہاتھ پھیر رہا تھا۔ محبت کے بے ساختہ اظہار نے اس کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ پر جیسے پانی چھڑک دیا تھا۔ محبت کی قوت کا ادراک

ہوتے ہی تمام روحانی منفی قوتیں منہ کی کھا کر کسی کنوئیں میں جا پڑی تھیں۔ اُجالا کی سسکیاں جیسے کمرے میں مدھر گیت چھیڑنے لگی تھیں۔ وہ سب کچھ بھلا کر اسے سنبھالنے کے جتن کرنے لگا۔

☆......☆......☆

''ممی......! آپ میری بات غور سے سن لیں۔ دیکھیں، میں نے اب سارے جھگڑے ختم کر دیئے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ مریم اب جاب نہ کرے۔''

عدیل ماں کے کمرے میں بیٹھا ہوا بہت غصے سے کہہ رہا تھا۔ مسز سارہ نے اس کی طرف گھور کر دیکھا۔ اسے ماں کے گھورنے سے جیسے مزید کوفت ہوئی۔

''ممی......! آپ اسے اس طرح سے نہ دیکھیں۔ آپ، آنٹی، نانا، سب مل کر جو رہی سہی کسر ہے ناں، وہ پوری کر رہے ہیں۔ آپ مجھے اپنی سی کر لینے دیں۔ میں اس کا دماغ ایک دن میں ٹھکانے لگا سکتا ہوں۔''

مسز سارہ نے فوراً ہاتھ بلند کر کے جیسے عدیل کو مزید بات کرنے سے روکا۔

''اچھا بس......! مریم وہ لڑکی نہیں ہے جس کا تم ایک دن میں دماغ ٹھکانے لگا دو گے۔ تمہارے تو اس نے چودہ طبق روشن کر دیئے ہیں۔''

مسز سارہ نے ناراضگی سے بلکہ ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔

''ہاں......! وہ اسی وجہ سے کہ آپ لوگوں نے اسے سر پر چڑھایا ہے۔ وہ جاب پر نہیں جائے گی، سیدھی سی بات ہے، مجھے پسند نہیں ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ لیٹ آورز میں اس کا باس اس سے باتیں کرتا ہے۔ میں بھی تو اعتراض کر سکتا ہوں کہ میری بیوی کا باس لیٹ آورز میں کیوں بات کرتا ہے......؟''

مسز سارہ، عدیل کی بات سن کر جیسے غصے سے بھڑک گئیں۔ وہ آگ برساتے ہوئے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''شرم کرو عدیل......! تمہاری بیوی تمہارے ہوتے ہوئے اپنے کمرے میں بات کر رہی ہے، تمہاری غیر موجودگی میں نہیں۔''

''آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں اپنے کمرے میں تھا......؟''

''بھئی......! تم کمرے میں تھے تبھی تو تمہیں پتا چلا ناں کہ مریم کس سے بات کر رہی ہے......؟ جس عورت کے دل میں چور ہوتا ہے، وہ اپنے شوہر کی موجودگی میں غیر مردوں سے باتیں نہیں کرتی۔ اپنا دماغ ٹھیک کرو......!''

عدیل کا ذہن کھٹ سے علینہ کی طرف گیا تھا مگر اس نے اپنی اس سوچ کو فوراً جھٹک دیا۔

''لیکن اس شخص کو اتنی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ لیٹ آورز میں اپنی ایمپلائر کو ڈسٹرب کرے......؟ آور ٹائم آفس میں ہوتا ہے، ایمپلائر کو گھر پر بزی نہیں کیا جاتا۔ یقیناً وہ شخص ٹھیک نہیں ہے۔ میں تو بہت پہلے ہی کھٹک گیا تھا۔''

عدیل، ماں سے نظریں چراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مسز سارہ حیران پریشان سی اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

''تم کس بات پر کھٹک گئے تھے......؟''

''ممی......! بس، باس از باس، وہ تو کچھ زیادہ ہی پرسنل ہوتا ہے۔ جب فضیل پیدا ہوا تھا، وہ اس کے لئے toys لے کر آیا تھا۔ لیٹ آورز میں قیمتی، خوب صورت toys شاندار سی پیکنگ میں، وہ بھی اتنے ڈھیر سارے۔''

مسز سارہ نے بڑے صبر و تحمل سے عدیل کی بات سنی اور بڑے پرسکون انداز میں گویا ہوئیں۔

''عدیل......! تمہیں شاید اسی شخص کی ٹریجڈی پتا نہیں۔ وہ بہت دُکھی انسان ہے۔ جس نے کئی مرتبہ اولاد کی خوش خبری سنی اور اپنے ہاتھوں سے ننھی ننھی روحوں کو کفن پہنا کر منوں مٹی تلے دبایا۔ ایسے لوگ بڑے اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں، جو دوسروں کی خوشی کو بھی اپنی کی خوشی کی طرح مناتے ہیں۔ کچھ ایمپلائرز ایسے ہوتے ہیں، آفس میں بہت عزت کی جاتی ہے، ان کے سنیئرز ان کا احترام کرتے ہیں، اور مریم میں ایسے گیٹس ہیں۔ اسے اپنی عزت کرانا آتی ہے۔ تم نے بہت چھوٹی بات کی ہے عدیل......!''

''ممی......! مجھے مریم کی طرف سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مجھے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ وہ ایک بے وقوف لڑکی ہے اور اس کا باس فضول میں فری ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔''

عدیل جیسے ہتھے سے اُکھڑ گیا تھا۔ آخر اس نے اپنی جھنجلاہٹ اور اپنا انتشار کسی راستے سے باہر تو نکالنا تھا۔

مسز سارہ البتہ اس کا یہ جملہ سن کر جیسے اپنی جگہ سوچ میں پڑ گئیں کہ ابھی تو عدیل کو یہ نہیں پتا کہ مریم اس باس کی بیوی کو چند دنوں کے لئے ہی سہی، اپنا بچہ دینے کے لئے بھی تیار ہوگئی ہے۔ اگر عدیل کو یہ بات پتا چلی تو کتنی بڑی قیامت برپا ہوگی، اور قیامت بھی ایسی کہ پھر اس کے بعد کسی قیامت کا تصور ہی باقی نہ بچے گا۔ سب کچھ تہس نہس ہو جائے گا۔ وہ سب کچھ جو اس وقت پھر بھی کنٹرول میں دکھائی دے رہا ہے۔ کہیں کہیں اُمیدیں کسی روزن سے جھانک ہی لیتی ہیں۔ اس کے بعد تو کچھ بھی نہیں بچے گا۔

''او میرے خدایا......! زندگی کس موڑ پر آ کھڑی ہوئی ہے......؟ میں عدیل کی ماں بن کر سوچوں یا ایک عورت کی طرح مریم کے دُکھ محسوس کروں......؟ مگر جو کچھ بھی بولوں، سچ بولوں، حق بولوں۔''

مسز سارہ بہت بڑے عذاب میں گرفتار ہوگئیں تھیں۔ ان کا دل انجانے اندیشوں سے لرز رہا تھا کہ کہیں کسی روز مریم اپنی سوچ کو عملی جامہ نہ پہنا دے، اور بچہ لے کر گھر سے نہ نکل کھڑی ہو۔ ابھی عدیل کو کچھ نہیں معلوم تو اس کا یہ حال ہے اور پھر مریم کو بھی تجربہ نہیں ہے، اس لئے وہ اندازہ نہیں لگا سکتی کہ مرد اپنی غلطی پر بہت کم شرمند ہوتے ہیں۔ لیکن عورت کی معمولی سی بھول چوک پر بھی بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ چاہے وہ مرد ان کا بیٹا ہو یا شوہر۔ مرد، مرد ہی ہوتا ہے۔ شوہر کی یاد کا ہلکا سا پردہ ان کے دل پر لہرایا اور وہ دُکھ کے گہرے سمندر میں اُترنے لگیں۔ یادوں کے آسیب ان کے دل پر منڈلانے لگے۔ ایک لمحے میں ماضی کی پوری فلم ان کی نظروں کے سامنے گھوم گئی۔ انہوں نے بھی تو کبھی ایک انتہائی فیصلہ کیا تھا۔ انہوں نے بھی تو مریم ہی کی طرح احتجاج کیا تھا اور پھر اس احتجاج کے بعد زندگی بھر کی تنہائی ان کا مقدر بن گئی تھی اور انہوں نے تنہائی کے اس اندھیرے رستوں پر جس طرح سے سنبھل سنبھل کر قدم رکھا تھا، وہ مریم کی اس کیفیت کو سمجھ رہی تھیں، جن سے وہ آج کل گزر رہی تھی، اور اسی لئے شاید ان کے لہجے

میں طاقت نہیں تھی کہ وہ عدیل کو حق پر اور مریم کو ناحق قرار دیتیں۔ ان کی بہوان کی تصویر ہی تو بنی کھڑی ہوئی تھی۔ ایک آئینہ جس میں وہ خود کو دیکھ رہی تھیں۔ اس وجہ سے شاید ان کے پاس مریم کو قائل کرنے کے لئے کوئی دلیل باقی نہیں بچی تھی۔ اس خواہش کے باجود کہ ان کے بیٹے کا گھر نہ ٹوٹے، وہ مریم کو کسی بھی صورت دباؤ میں لانے پر تیار نہیں تھیں، اور ایک اور دُکھ کا سامنا کرنے کو تیار تھیں۔ لیکن وہ کھوکھلے لہجے سے مریم کو جھوٹ سے لڑنے سے منع نہیں کرسکتیں تھیں۔

☆......☆......☆

ناصر کو گھر پہنچے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ اُجالا اس کے شام کے پہننے کے لئے کپڑے وارڈ روب سے نکال رہی تھی کہ مہرو نے آکر اطلاع دی۔

''بیگم صاحبہ......! میڈم شعلہ تشریف لائی ہیں اور صرف ناصر صاحب سے ملنا چاہتی ہیں۔''

ناصر اور اُجالا ایک لمحے کے لئے چکرا کر رہ گئے تھے۔ بلکہ اُجالا کی تو کچھ زیادہ ہی بری حالت تھی۔ اس نے وارڈروب سے نکالے ہوئے کپڑے ہینگر سمیت بڑی آہستگی سے بیڈ پر ڈال دیئے اور ناصر کے قریب چلی آئی۔ پھر بڑی نرمی سے ناصر کے شانے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر بولی۔

''آپ ماما کے پریشر میں بالکل نہیں آئیں گے۔ وہ بہت غصے میں ہیں لیکن آپ نے غصہ نہیں کرنا۔''

ناصر نے اُجالا کی طرف دیکھا اور جیسے اس کا دل رکھنے کے لئے مسکرا دیا۔

''میں کیوں غصہ کرنے لگا بھلا......؟ ان کے پاس تو غصہ کرنے کی کوئی وجہ ہے۔ میرے پاس غصہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کہیں گی، میں سن لوں گا۔ تم پریشان مت ہو۔''

''آپ کو ماما کے غصے کا نہیں پتا۔ ہمارے نوکر کہتے ہیں، میڈم شعلہ کے غصے سے تو دیواریں بھی کانپتی ہیں۔''

اُجالا بہت گھبرائی ہوئی تھی کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ میڈم شعلہ، ناصر سے دوبدو کیا بات کرنے آئی ہیں اور وہ کیا کچھ کہہ سکتی ہیں......؟

''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُجالا......! تم اپنے گھر میں ہو۔ آنٹی کتنا بھی شور مچائیں، کتنا بھی غصہ کریں، آخر اپنے گھر چلی جائیں گی۔ تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں۔ میں ان کی بات سن کر آتا ہوں۔''

''میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔''

ناصر نے آگے بڑھتے ہوئے اُجالا کی طرف دیکھا۔ چند لمحے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

''ٹھیک ہے......! آجاؤ، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

اُجالا اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئے۔ انہوں نے

میڈم شعلہ کو دیکھا جو زخمی ناگن کی طرح بل کھاتے ہوئے لاؤنج میں اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھیں۔ سلگتا ہوا سگریٹ اس کی اُنگلیوں میں دبا تھا۔ پورے لاؤنج میں سگریٹ کا دُھواں اور بُو پھیلی ہوئی تھی۔ ناصر نے بہت آہستہ آواز میں اسے سلام کیا تھا۔ میڈم شعلہ نے ناصر کو سر سے پاؤں تک گھورا اور آگے بڑھ کر بچا کُچا سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر اُجالا کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

''مجھے ناصر سے اکیلے میں بات کرنا ہے۔ تم فی الحال یہاں سے چلی جاؤ۔''

''ماما......! آپ نے جو بھی بات کرنی ہے، میرے سامنے کر لیں۔ میرے ہونے یا نہ ہونے سے آپ کو فرق بھی کیا پڑتا ہے......؟''

اُجالا نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا تھا۔ میڈم شعلہ نے یہ سنا اور چند لمحے کچھ سوچا، پھر جیسے وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اور جیسے وہ ناصر پر چڑھ دوڑی۔

''میری بیٹی کے سر پر سوکن بٹھائی ہوئی ہے......؟ ہوں......! اتنا بڑا جھوٹ بولا مجھ سے کہ پہلی بیوی کو چھوڑ چکا ہوں۔ ارے......! تم نے مجھے سمجھا کیا تھا......؟''

ناصر حسین نے بہت صبر اور برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہت ہی نرم لہجے میں میڈم شعلہ کی بات کا جواب دیا۔

''آنٹی......! آپ کو حقیقت کا علم نہیں ہے۔ اس لئے میں آپ کے جذبات کو سمجھ سکتا ہوں، مگر آپ تحمل سے میری بات سنیں۔''

میڈم شعلہ نے تیزی سے ناصر کی بات کاٹ دی تھی۔

''یعنی نئے سرے سے تمہارے جھوٹ سنوں......؟ میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے۔ مجھے پتا ہے، اب تم کوئی نئی کہانی گھڑ کر لائے ہو گے۔ حقیقت تو مجھے پتا چل چکی ہے۔ ارے......! میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ تمہاری حقیقت بہت خوش نظر آتی ہے اور ذرا میری بیٹی کی شکل دیکھو۔''

''ماما......! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

اُجالا نے جلدی سے جیسے ناصر کی جان بچانے کے لئے صفائی پیش کرنا ضروری سمجھا۔ میڈم شعلہ نے اُجالا کی طرف دیکھا اور زور سے دھاڑ کر بولیں۔

''تم خاموش ہو جاؤ۔ تمہیں میرے اور ناصر کے درمیان بولنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھ لیا اپنی ضد کا نتیجہ......! اُٹھو، تم اب یہاں نہیں رہو گی۔''

ناصر حسین جو میڈم شعلہ سے کافی فاصلے پر کھڑا تھا، بڑی تیزی سے ان کے قریب آیا۔

''آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں آنٹی......؟''

''ماما......! جب مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے تو آپ کو کیا تکلیف ہو رہی ہے......؟''

اُجالا نے بھی فوراً ہی کہا تھا۔ میڈم شعلہ نے آگ برساتی ہوئی نظروں سے اُجالا کو دیکھ اور بری طرح چلا

کر بولیں۔

''تم بے وقوف بن رہی ہو۔ میں سمجھ رہی ہوں، مگر یادرکھو......! اب تم اس گھر میں نہیں رہوگی۔ اس شخص کے ساتھ یہی ہونا چاہئے۔ اس نے بہت بڑا فراڈ کیا ہے۔''

''کوئی فراڈ نہیں کیا ماما......! مجھے سب کچھ پتا تھا اور یہ شادی زبردستی نہیں ہوئی ہے۔ میری مرضی اور رضا مندی کے ساتھ ہوئی ہے۔''

ناصر حسین کو اُجالا کی بات نے بڑا حوصلہ دیا تھا۔ وہ اسی طرح بڑے تحمل سے گویا ہوا۔

''سن لیا آپ نے، میں نے اگر اُجالا سے شادی کی ہے تو اُجالا ساری حقیقتوں سے پہلے ہی باخبر تھی۔ میں نے اس کو بے وقوف نہیں بنایا۔''

''کہتے رہو، تم تو یہی کہو گے، مگر میں اب مزید بے وقوف نہیں بن سکتی۔ میں آج اسے یہاں سے لے کر جاؤں گی۔ جب تک تم اپنی بیوی کا پتہ صاف نہیں کرو گے، اس کے بارے سوچنا بھی نہیں۔ ارے......! جب جوان، خوب صورت بیوی گھر میں موجود تھی تو تمہیں کیا مصیبت آئی تھی......؟''

میڈم شعلہ نے ناصر کی طرف گھورتے ہوئے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا تھا۔

''ماما......! میں آپ سے کہہ رہی ہوں ناں، یہ شادی میری مرضی سے ہوئی ہے اور پوری رضا مندی سے ہوئی ہے۔ میں ناصر کے ساتھ خوش ہوں تو آپ کو کیا تکلیف ہو رہی ہے......؟''

میڈم شعلہ کی چیخ و پکار انعم نے سن لی تھی۔ اب وہ تجسس کے مارے ایک آڑ میں چھپ گئی تھی۔ اس نے بہت کچھ نہیں سنا تھا لیکن یہ ایک جملہ ''اُٹھو، تم اب یہاں نہیں رہوگی'' سن کر اس کے دل کو عجیب سا قرار مل رہا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس جنگ کا نتیجہ کیا نکلتا ہے......؟ وہ تو دل کی گہرائیوں سے چاہتی تھی کہ اُجالا کی ماں اس کو ساتھ لے جائے۔ لیکن یہ کیا ناصر تو میڈم شعلہ سے کہہ رہا تھا۔

''آنٹی......! اُجالا یہاں سے نہیں جائے گی۔ میں اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اُجالا یہاں سے ہرگز نہیں جائے گی۔ کسی قیمت پر بھی نہیں جائے گی۔''

انعم ایک دم جیسے کھٹک گئی۔ پھر میڈم شعلہ کی آواز بلند ہوئی۔

''ارے میاں......! اب میں تمہاری ان خوب صورت باتوں میں نہیں آؤں گی اور نہ میں تمہارے وعدوں پر بہلوں گی۔ آج کی تاریخ میں تو یہ میرے ساتھ جائے گی۔ ہاں......! اگر تم نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر طلاق کے اصل کاغذات مجھے دکھا دیئے تو میرا وعدہ ہے، اُجالا واپس آجائے گی۔''

میڈم شعلہ نے قطعی اور فیصلہ کن انداز میں بات کی تھی۔ انعم جو میڈم شعلہ کے منہ سے دھمکیاں سن کر خوش ہو رہی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُجالا کی ماں اسے ساتھ لے جانے کی ضد کر رہی تھی، اس نے انعم کو جس روحانی مسرت سے ہمکنار کیا تھا، وہ روحانی مسرت اب پلک جھپکنے میں ہوا ہوگئی تھی۔ ناصر نے تو ایک لمحہ ضائع کئے بغیر پہلی بیوی کو طلاق دینے کی بات کی تھی۔ انعم اب اپنی جگہ یوں کھڑی تھی جیسے سانسوں کا آنا جانا بھی اس پر بھاری ہو۔ ناصر

نے تو جیسے کھڑے فیصلہ سنا دیا تھا۔ ذلت کے بعد مزید ذلت، پھر اس کے بعد مزید ذلت۔

''امی اور بابا نے تو میرا تماشہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ آخر ایسی کیا بات ہے مجھ میں جو ناصر، اُجالا کو چھوڑ کر اس کے پاس واپس پلٹ آئے......؟''

اس میں مزید کچھ سننے کا یارا نہ رہا۔ وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف کی پلٹ گئی تھی۔ وہ خوشیاں جو آہستہ آہستہ اس کو ہلکورے دیتی رہتی تھیں، اب اتنی دُور جا چکی تھیں کہ ان کے رنگ اور ان کے سائے بھی دکھائی نہیں دے سکتے تھے۔ میڈم شعلہ کی چیخ و پکار اب بھی اس کے تعاقب میں تھی۔ وہ چلا چلا کر کہہ رہی تھی کہ اُجالا ہر صورت ان کے ساتھ جائے گی۔ جب تک طلاق کے کاغذات ان کے سامنے نہیں آئیں گے، اُجالا اس گھر میں واپس نہیں آئے گی۔ انعم تیزی سے اپنے کمرے میں داخل ہوئی تھی اور اس نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ ناصر اور اُجالا لاؤنج میں ابھی تک ششدر سے کھڑے میڈم شعلہ کو دیکھ رہے تھے جو غصے کی انتہاء پر پہنچی ہوئی تھیں اور ایک فیصلہ سنائے جا رہی تھیں کہ جب تک طلاق کے پیپرز تیار ہوں گے، اُجالا ان کے گھر میں رہے گی۔ ناصر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینے کے بعد پیپرز لے کر ان کے پاس آئے۔ ان کی تسلی ہو، تب وہ اُجالا کو ناصر کے پاس آنے کی اجازت دیں گے۔ اُجالا مسلسل انکار کئے جا رہی تھی۔

''ماما......! میں اس گھر سے نہیں جاؤں گی۔ ناصر نے آپ سے جو بات کہہ دی ہے، آپ اس پر یقین کیوں نہیں لیتیں......؟''

''ارے......! اس کی باتوں پر یقین کر کے دیکھ لیا۔ اتنا بڑا دھوکہ کھایا دیا ہے۔ کیا تمہاری سوکن سے ملاقات نہیں ہوئی میری......؟ کیا بیٹھی ہوئی نہیں ہے وہ تمہارے گھر میں......؟ اس نے تو مجھے کہا تھا کہ یہ اپنی بیوی کو چھوڑ چکا ہے۔ تم اب بھی مجھے کہتی ہو کہ میں اس کا بات یقین کروں......؟ ہرگز نہیں......! میں جب تک طلاق کے پیپرز نہیں دیکھوں گی، اب اس کی کسی بات کا یقین نہیں کروں گی۔ تمہیں یہاں سے کچھ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی وقت اُٹھو اور میرے ساتھ چلو۔''

''ماما......! آپ تھوڑا سا غصہ کم کر کے سوچیں، آپ ناصر کی بات پر یقین نہیں کر رہی ہیں تو میری بات کا یقین کر لیں۔ مجھے ناصر پر یقین ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اور جو انہوں نے کہا ہے، وہ ضرور کریں گے۔ ناصر میرے ساتھ سچے ہیں۔ وہ میری خاطر سب کچھ کر سکتے ہیں۔''

اُجالا ماں کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ارے ہٹو......! تم کل کی بچی، یہ شخص تو میڈم شعلہ کو چُنا لگا گیا، جو دُنیا کو ایک اُنگلی پر ایک اشارے پر نچاتی ہے۔ تمہیں بھی اس نے اسی طرح شیشے میں اُتارا ہوگا۔ میں کہتی ہوں، سیدھی طرح میرے ساتھ چلو۔''

یہ کہہ کر میڈم شعلہ نے ناصر حسین کی طرف دیکھا اور دھمکی آمیز لہجے میں گویا ہوئیں۔

''مسٹر ناصر حسین......! تم میڈم شعلہ کے اثر و رسوخ کو اچھی طرح جانتے ہو۔ میں تمہارے گھر سے اپنی بیٹی بھی اُٹھوا سکتی ہوں اور تمہیں اریسٹ بھی کروا سکتی ہوں۔''

ناصر حسین سے کہنے کے بعد وہ پھر اُجالا کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''سنو لڑکی......! اگر تم نے ماں کا کہنا نہیں مانا تو پھر مزید تماشہ بنے گا۔ میں ناصر حسین کو اریسٹ کرا دوں گی اور یہ میرے لئے بہت آسان ہے۔ اس لئے کہ اس نے غیر قانونی طور پر دوسری شادی کی ہے اور جانتی ہو اس کی کتنی سخت سزا ہے......؟ اس لئے میں اب اسے نہیں چھوڑوں گی۔ میرے ساتھ بہت بڑا فراڈ ہوا ہے۔ ارے......! میڈم شعلہ کے ساتھ فراڈ کیا ہے اس نے، کیا اسے اندازہ نہیں تھا کہ یہ کس سے ٹکر لے رہا ہے......؟ اب میں تم سے دوبارہ نہیں کہوں گی۔ دیکھو اُجالا......! اگر تمہارے میاں کو پولیس اس گھر میں آ کر ہتھکڑی لگائے تو تمہارے لئے بھی یہ کوئی اچھی بات نہیں ہوگی۔ کیس بنے گا، پھر کیس چلے گا، اس لئے میں کہہ رہی ہوں کہ بس یہی ایک شاٹ کٹ ہے، تم اس گھر سے باہر آ جاؤ گی تو یہ بھی طلاق کے پیپر جلدی تیار کروائے گا۔ چلو......!''

اتنا کہہ کر میڈم شعلہ نے اُجالا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اُجالا نے ناصر کی طرف تڑپ کر دیکھا، جس پر پہلے ہی قیامتیں گزر رہی تھیں۔ اس نے کہنے کو تو کہہ دیا تھا لیکن ابھی اسے بہت کچھ سوچنا تھا۔ میڈم شعلہ نے اسے سوچنے کا ایک پل بھی نہیں دیا تھا۔ میڈم شعلہ نے اُجالا کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا۔ اُجالا نے پوری قوت سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا تو میڈم شعلہ نے ایک زوردار تھپڑ اُجالا کے چہرے پر رسید کیا۔

''اس شخص کی خاطر تم اپنی ماں کو مسلسل دُکھ دے رہی ہو۔ یہ محبت نہیں ہے، سر سے پاؤں تک جھوٹ ہے، فراڈ ہے، دھوکہ ہے، عقل کی اندھی......!''

یہ کہہ کر انہوں نے اُجالا کو پوری قوت سے گھسیٹا اور باہر کی طرف چل پڑیں۔ اُجالا بھرپور مزاحمت کر رہی تھی۔ ناصر بھی جیسے ایک دم ہوش میں آ گیا۔ وہ تیزی سے میڈم شعلہ اور اُجالا کے پیچھے دوڑا۔

''اُجالا......! دیکھو، تم اس وقت آنٹی کے ساتھ چلی جاؤ کیونکہ بہرحال وہ تمہیں لے کر تو ضرور جائیں گی۔ اس لیے مزاحمت نہ کرو، انکار نہ کرو، بس خاموشی سے چلی جاؤ۔ میں آنٹی کا مطالبہ پورا کرنے کے بعد تمہیں لینے آ جاؤں گا۔''

اُجالا نے جیسے قیامتوں کے بیچ میں اپنے قدم جمانے کی بے معنی سی کوشش کرتے ہوئے چند لمحے رُک کر ناصر سے کچھ کہنا چاہا۔ مگر میڈم شعلہ ایک پل کے لئے اسے مہلت نہیں دے رہی تھیں۔ وہ ہٹی کٹی زورآور تو تھیں، ضد اور غصے کی قوت نے انہیں مزید طاقتور بنا دیا تھا۔ اُجالا ان کے ساتھ یوں کھینچتی ہوئی چلی جا رہی تھی جیسے آندھیوں میں سوکھا پتہ اُڑا چلا جا رہا ہو۔ ناصر اسے روکنا نہیں چاہتا تھا۔ ناصر کو پتا تھا کہ وہ جو بھی مزاحمت کرے گا، وہ اس وقت کارآمد نہیں ہوگی۔ اس لئے اس نے بڑے ٹھنڈے دماغ سے سوچا کہ اس وقت اُجالا کا اس گھر سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔ اس کے بعد وہ سکون سے گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اس مسئلے کا کوئی حل نکال پائے گا۔ اُجالا پلٹ پلٹ کر ناصر حسین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ناصر حسین نے یوں نظریں چرا لیں جیسے اُجالا کی نظروں میں جھانکا تو سارے مضبوط فیصلے ریت کی طرح بکھر جائیں گے، مزاحمت طویل ہو جائے گی، جنگ بھیانک ہو جائے گی۔ وہ بہت جلدی اس بحران سے خود کو اور اُجالا کو نکالنے کی نیت کر چکا تھا۔ میڈم شعلہ کے گارڈز جیپ کے دروازے کھولے مستعد کھڑے تھے۔

میڈم شعلہ نے ناصر کی آنکھوں کے سامنے اُجالا کو زبردستی بڑی تگ و دو سے جیپ میں سوار کرایا، پھر خود بھی بیٹھ گئیں اور کھٹ سے دروازہ بند کیا۔ جیپ بیک ہوئی۔ چوکیدار گیٹ کھولے جیپ کے باہر آنے کا منتظر کھڑا تھا۔ جیپ بیک ہوتی ہوئی گیٹ سے باہر چلی گئی۔ چوکیدار نے فوراً ہی گیٹ بند کر دیا۔ گیٹ بند ہوتے ہی ناصر حسین نے بڑے کرب سے اپنی آنکھیں بھی بند کر لیں تھیں۔ وہ زندگی کے پھر ایک نازک موڑ پر آکھڑا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

انعم کمرہ بند کئے ہوئے سلمٰی بیگم کو فون کر رہی تھی۔ وہ بڑی فکر مند نظر آ رہی تھی۔

''امی......! تھوڑی دیر پہلے جو کچھ ہوا، اس کے بعد تو میں اس گھر میں رہ ہی نہیں سکتی۔ میں نے آپ کو پہلے کہا تھا کہ آپ جو کچھ کر رہی ہیں، وہ فضول کی محنت ہے۔ ناصر کبھی بھی میرا ہاتھ پکڑ کر اس گھر سے نکال دے تو کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔''

''دماغ خراب ہے تمہارا......!''

سلمٰی بیگم ڈانٹنے کے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''اگر اس نے کوئی انتہائی فیصلہ کرنا ہوتا تو اسی وقت کر دیتا، جب میں تمہیں لے کر اس کے گھر میں گئی تھی۔''

''آخر وہ ہم سے اتنی مروّت کیوں کرے گا......؟''

''وہ اپنی بیٹی کی خاطر بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہے ہماری طرح۔''

بولتے بولتے سلمٰی بیگم کی آواز پر آنسو غالب آ گئے۔

''امی......! میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ ناصر نے اپنے منہ سے کہا ہے، اس نے اپنی ساس سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنی دوسری بیوی کی خاطر پہلی بیوی چھوڑنے کے لئے تیار ہے۔''

انعم ایک ایک لفظ پر زور دے کر ماں سے کہہ رہی تھی۔ اس کے انداز میں جھنجلاہٹ بھی تھی اور بے بسی بھی۔

''ہاں تو ظاہری بات ہے، جب سامنے اتنی تیز عورت کھڑی ہوئی ہو، لڑنے مرنے کو تیار ہو، شریف آدمی جان چھڑانے کے لئے ایسی باتیں تو کرے گا ہی۔ نہیں کرے گا تو پھر کیا کرے گا......؟''

سلمٰی بیگم نے بھی اپنے آپ کو دھوکہ دے کر بہلانے کی کوشش کی کیونکہ وہ کسی صورت بھی یقین کرنے کو تیار نہیں تھی کہ ناصر ایک عورت کے دباؤ ڈالنے پر انعم کو طلاق دے دے گا۔ یہ کام تو اس وقت زیادہ آسان تھا جب انعم اسے اور اپنی بیٹی کو چھوڑ کر ڈنکے کی چوٹ پر گھر سے باہر آئی تھی۔

''بیٹا......! عموماً ایسا ہوتا ہے، جب جھگڑا کسی طور ختم ہونے کا نام نہ لے تو کوئی ایسی بات کرنا پڑتی ہے کہ جھگڑا ختم ہو جائے۔ آخر اسے اس خاتون کو بھی تو گھر سے باہر پھینکنا تھا۔ مجھے یہ بتاؤ، پھر آگے کیا بات ہوئی......؟''

سلمٰی بیگم اب انعم سے پوچھنے لگیں۔

''مجھے آگے کی بات کا پتا نہیں ہے۔ امی......! میری تو خوف سے ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور میں بس وہاں سے چلی آئی تھی۔ اس سے آگے میں نے کچھ نہیں سنا۔ مجھے نہیں پتا کہ کیا ہوا......؟ اور کیا باتیں ہوئیں......؟ کیا فیصلے ہوئے......؟ میرا تو دماغ بالکل ماؤف ہو گیا تھا۔ میں تو اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔''

انعم نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''جب تم نے پوری بات ہی نہیں سنی تو خواہ مخواہ مجھے اتنی دُور بیٹھ کر پریشان کیا۔ ایک ذرا سی بات سنی اور مجھے فون کرنے بیٹھ گئیں۔ ارے بے وقوف......! اس عورت کا انجام تو دیکھتی۔ سنتی تو سہی، آخر بات کس جگہ پر آ کر ختم ہوئی ہے......؟''

''مجھے کوئی ضرورت ہے کیا سننے کی......؟ امی......! میں پریشان ہو گئی تھی اور آپ کو بھی زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک دل پسند، جوان، خوب صورت بیوی ناصر کے پاس موجود ہے۔ وہ اپنی بیوی کی خاطر سب کچھ کر جائے گا اور یہ جو آپ کے فلسفے، دُور اندیشیاں اور دانشورانہ مشورے ہیں، یہ سب کچھ دھرے کے دھرے رہ جائیں گے، کچھ نہیں ہو گا۔ اگر آپ اس خاتون کو دیکھ لیں جو ناصر کی ساس صاحبہ ہیں، تو آپ کو اچھی طرح اندازہ ہو جائے گا کہ کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ وہ خاتون تو ناصر کو گرفتار کرانے کی دھمکی بھی دے چکی ہیں اور صرف دھمکی نہیں دی ہے انہوں نے، وہ بڑے اثر و رسوخ والی ہیں، کرا بھی دیں گی۔ پھر آپ سوچئے، ناصر گرفتار ہونا پسند کرے گا یا مجھے چھوڑنا......؟''

یہ کہتے ہی انعم نے لائن ڈس کنیکٹ کر دی تھی بلکہ فون ہی پاوَرڈ آف کر دیا تھا۔ ایک انجانا سا خوف اس کی رَگ وپے میں سرایت کر چکا تھا۔ اُجالا کی موجودگی سے اسے بہرحال یہ محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ناصر اور اس کے درمیان ایک پردہ ہے اور ناصر اس پردے کو سرکا کر اس کو لعن طعن کرنے سامنے تو نہیں آ کھڑا ہو گا......؟ اب اسے یوں لگ رہا تھا کہ ناصر کسی بھی لمحے آئے گا اور اس کا ہاتھ پکڑ اسے گھر سے باہر نکال دے گا اور ساتھ ہی تین لفظ بھی بول دے گا، اور اس کا جی چاہا کہ وہ خود ہی اس گھر سے نکل کھڑی ہو اور اس کا ناصر سے سامنا ہی نہ ہو۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر گرنے کے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ ایک دم سے اس کی ٹانگیں جیسے بے جان سے ہو گئی تھیں۔

☆......☆......☆

ناصر کے سر میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں بڑی بے قراری سے ٹہل رہا تھا۔ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گزر رہا تھا جب میڈم شعلہ، اُجالا کو اس کے گھر سے کھینچتے ہوئے لے جا رہی تھیں۔ یقیناً اس حادثے کی ذمہ دار بھی انعم ہے۔ وہ اور اُجالا تو بہت پُرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ انہیں اب کسی چیز کی تمنا تھی نہ خواہش۔ وہ ایک دوسرے کی قربتوں میں سرشار تھے۔ یہ آگ پھر انعم ہی کی وجہ سے لگی ہے۔ پہلے کی طرح جس طرح وہ اس کے گھر کو راکھ بنا کر روانہ ہوئی تھی، آج پھر اسی کی وجہ سے اس کا گھر شعلوں کی زد میں تھا۔ وہ سوچتے سوچتے

جیسے جھلا کر لڑکھڑانے لگا تھا۔ بڑی مشکل سے بیڈ کے کنارے پر ٹک گیا تھا اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

آخر کار یہ عورت خود مجھے احساس دلا رہی ہے کہ میں نے اسے طلاق دینے میں اتنی دیر کیوں کی......؟ جب اس کا کوئی حق ہی نہیں اور یہ اپنے تمام حقوق سے خود ہی دستبردار ہو چکی ہے تو میں نے اس کو اتنی مہلت کیوں دی کہ اس کی ماں اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے گھر میں بٹھا کر چلی گئی......؟ میں اسے آج ہی اس گھر سے نکال دوں گا، آج ہی اسے چھوڑ دوں گا۔ نہ اسے میری ضرورت ہے اور نہ مجھے اس کی۔ مجھے صرف اُجالا کی ضرورت ہے اور اُجالا کو میری۔ تو پھر کانٹے بھرے راستے پر چلنے کا فیصلہ کیوں کیا جائے......؟ جبکہ ایک صاف ستھرا راستہ نظروں کے سامنے موجود بھی ہے اور اس پر چلنا ہمارا حق بھی ہے۔ انعم میرے دل سے نکل چکی ہے، اسے میرے گھر سے بھی نکل جانا چاہیئے۔"

ناصر سوچتے سوچتے آخر کار فیصلہ کن مقام پر آ گیا۔ اس نے دونوں مٹھیاں بڑی سختی سے بھینچی ہوئی تھیں جو اس کے مضبوط فیصلے کا مظہر تھیں اور اس فیصلے کے بعد اس نے کئی گہری گہری سانسیں لیں اور اپنے آپ کو متوازن کرنے کی کوشش کی۔ ایک فیصلہ کن کیفیت سے گزر جانے کے بعد اب اس کے اندر سکون سا اُتر رہا تھا۔

☆......☆......☆

انعم جلدی جلدی بیہ کے بیڈ روم میں ایک چھوٹے سے بیگ میں کچھ کپڑے وغیرہ رکھ رہی تھی۔ بیہ بڑی معصومیت سے ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"ماما......! کیا ہم کہیں جا رہے ہیں......؟"

آخر کار اس نے پوچھ ہی لیا۔

"ہاں بیٹا......! بس ایسے ہی ذرا اپنی ایک دوست کی طرف جا رہی ہوں۔ سوچا تمہیں بھی ساتھ لے چلوں۔"

انعم نے جلدی جلدی بیگ کی زِپ بند کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تو ماما......! میرے کپڑے کیوں لے کر جا رہی ہیں......؟ کیا ہم وہاں رہے گے......؟"

بیہ نے پھر بڑی اُلجھی ہوئی کیفیت میں ماں سے سوال کیا۔ انعم نے چونک کر بیہ کی طرف دیکھا پھر بولی۔

"ہاں بیٹا......! ہوسکتا ہے کہ ہم ایک دن وہاں رُکیں۔ کیونکہ وہاں پہنچتے پہنچتے رات ہو جائے گی، تو میری دوست مجھے آنے نہیں دے گی۔"

"لیکن ماما......! آپ نے تو اتنے سارے کپڑے رکھے ہیں......؟"

بیہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں بیٹا......! اتنے سارے تو نہیں، صرف دو تین سوٹ رکھے ہیں۔ بچے بڑی جلدی جلدی کپڑے گندے کرتے ہیں ناں، اور بعض اوقات پہنتے ساتھ ہی خراب کر دیتے ہیں، اس لئے بچوں کے زیادہ کپڑے رکھتے

ہیں تاکہ کوئی مسئلہ نہ ہو۔ اوکے......! میں اپنا بیگ لے کر آتی ہوں۔ بس اب ہم نکلیں گے۔''

بیہ اپنے بیڈ سے چھلانگ مار کر اُتری۔

''میں پاپا کو بتا کر آتی ہوں کہ میں آپ کے ساتھ جارہی ہوں۔''

انعم جاتے جاتے پلٹ آئی، یہ تو اسے خیال ہی نہیں رہا تھا کہ بیہ کو ذہنی طور پر تیار کرنا ہے اور اس طرح سے کرنا ہے کہ ناصر کو پتا بھی نہ چلے کہ وہ اسے گھر سے لے کر نکل گئی ہے۔ وہ تیزی سے بیہ کے پاس آئی۔

''نہیں بیٹا......! پاپا کی طبیعت خراب ہے۔ وہ اپنے بیڈ روم میں ریسٹ کر رہے ہیں۔ ہم انہیں ڈسٹرب نہیں کریں گے۔ میں انہیں فون کر کے بتا دوں گی۔ ڈونٹ وری......!''

بیہ نے پریشانی کی کیفیت میں انعم کی طرف دیکھا۔

''پاپا کی طبیعت خراب ہے اور دُلہن ماما کیا کر رہی ہیں......؟ ہم ان کو بتا دیتے ہیں۔''

انعم نے جیسے زِچ ہو کر بیہ کی طرف دیکھا۔

''کہاناں بیٹا......! دُلہن ماما بھی پاپا کا سر دبا رہی ہوں گی، وہ ان کو میڈیسن دے رہی ہوں گی۔ اس وقت انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں۔ میں انہیں میسج کر دوں گی، فون کر کے بتا دوں گی۔ ہم کوئی بہت دنوں کے لئے تو نہیں جارہے ناں، پھر پریشانی کی کیا بات ہے......؟ کل تو ویسے بھی آپ کی چھٹی ہے۔ وِیک اینڈ شروع ہو رہا ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ٹھیک ہے ناں......!''

اس نے بیہ کے رُخسار پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ بیہ نے بڑی تابعداری سے گردن ہلا دی۔

''اوکے ماما......!''

انعم نے کچھ سوچا، پھر ایک ہاتھ سے بیہ کا بیگ اُٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے بیہ کا ہاتھ پکڑا۔

''ایک منٹ......! میرے ساتھ میرے روم میں آؤ۔''

اب وہ بیہ کو اس کے کمرے میں تنہا چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ مہرو کو اس نے اپنی میڈیسن اپ دے کر دوائیاں لینے گھر سے باہر بھیجا ہوا تھا۔ لیکن بچی ہی تو تھی، کیا خبر جذبات میں آکر باپ کے بیڈ روم کا دروازہ بجا ہی دیتی اور باہر سے کہہ دیتی کہ وہ ماما کے ساتھ تو جارہی ہے۔ جبکہ انعم نہیں چاہتی تھی کہ ناصر کو اس کے اور بیہ کے گھر سے باہر جانے کی ہوا بھی لگے۔ وہ بیہ کو تقریباً کھینچتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لے جارہی تھی۔ بیہ اس کے ساتھ یوں تیزی سے دوڑ رہی تھی جیسے انعم کی تیز رفتار کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہی ہو۔

☆......☆......☆

مریم فضیل کو کندھے سے لگائے اپنے بیڈم روم میں ٹہل رہی تھی۔ فضیل سو چکا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر گھنٹی بجائی اور فضیل کی آیا رضیہ کو بلایا۔ بند کمرے میں باہر گھنٹی گونجنے کی آواز اس نے خود بھی سنی تھی۔ رضیہ فوراً ہی دروازہ کھول کر اندر آگئی تھی۔ جیسے کہ وہ گھنٹی بجنے کی منتظر تھی۔

''رضیہ......! یہ سو گیا ہے، اسے اندر لٹا دو۔''

رضیہ نے آگے بڑھ کر بہت محبت اور اپنائیت کے ساتھ فضیل کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور جھک کر اس کے رُخسار پر بوسہ دیا۔ مریم، رضیہ کا یہ اپنائیت بھرا عمل دیکھ کر مسکرا دی۔ رضیہ جیسے ہی فضیل کو لے کر کمرے سے باہر نکلنے لگی، مریم کے موبائل پر رِنگ ہوئی۔ مریم نے اس خیال سے فوراً ہی موبائل اُٹھا لیا کہ موبائل کی رِنگ سے فضیل کی نیند نہ ٹوٹ جائے اور اس نے جلدی سے کال بھی ریسیو کر لی اور کال ریسیو کرتے وقت اس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ کال اظفر کمال کی ہے۔ اس نے فوراً موبائل کانوں سے لگایا اور جاتی ہوئی رضیہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''السلام علیکم سر......!''

دوسری طرف سے اظفر کمال کی شکستہ سی، تھکی تھکی سی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

''وعلیکم السلام مس مریم......! بہت انتظار کرایا آپ نے۔ آپ آج بھی نہیں آئیں۔ آپ نے تو کہا تھا کہ بے بی کو لے کر آپ بہت جلدی ہمارے گھر آئیں گی......؟''

مریم چونک پڑی اور عجیب سی شرمندگی نے اسے آن گھیرا۔ اسے تو یاد ہی نہیں تھا کہ وہ ان سے وعدہ کئے بیٹھی ہے۔ وہ فضیل کو لے کر اظفر کمال کے گھر جانا تو چاہتی تھی، یہ دیکھنے کے لئے کہ بیلا ایک چھوٹا سا بچہ سامنے پا کر کیا ردِعمل ظاہر کرتی ہے......؟ مگر اسے ایک دم سے خیال آ گیا تھا کہ بشر علی گھر پر ہیں۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد فضیل کو پوچھتے رہتے ہیں اور کافی دیر تک وقت اس کے ساتھ کھیلتے بھی ہیں، اس سے باتیں بھی کرتے ہیں۔ وہ فی الحال یہ سب کچھ بشر علی کے سامنے نہیں لانا چاہتی تھی۔ وہ احتیاط کی ضمن میں ایسا سوچ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ بشر علی بھی اور لوگوں کی طرح اسے ایسا کرنے سے روکیں گے۔ لیکن نانا کے سامنے صاف انکار کرنا اس کے لئے آسان نہ تھا۔ اس نے آج تک بھی ایسا نہ کیا تھا۔

''جی سر......! وہ ایکچوئلی میرے نانا جان میرے گھر آئے ہوئے ہیں۔ میں تو آفس چلی جاتی ہوں۔ نانا جان، فضیل کے ساتھ خاصا وقت گزارتے ہیں۔ شاید وہ دو چار دن بعد میری امی کے پاس واپس چلے جائیں، کیونکہ وہ وہیں رہتے ہیں، تو پھر میں انشاءاللہ فضیل کو لے کر آتی ہوں۔''

''''اوہ......! ابھی دو چار دن مزید......؟ او کے او کے......! میں تو سوچ رہا تھا کہ اتنی بڑی خلقت میں ایک خاتون ہی ہمت کر رہی ہیں۔''

دوسری طرف سے اظفر کمال کہہ رہے تھے۔

''سر......! آپ کی ستائش کا بہت بہت شکریہ......! لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ انسان کی زندگی کا ہر پل کسی مقصد کے تحت ہونا چاہئے۔ جب سے مجھے پتا چلا ہے کہ ایک زمانے سے آپ گھر کے سکھ سے محروم ہیں اور آپ شریکِ سفر ہونے کا حق ادا کر رہے ہیں، میرے دل میں آپ کی عزت مزید بڑھ گئی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ روزانہ کوئی نہ کوئی ایسا کام ان ہاتھوں سے انجام پائے کہ جیسے روز کوئی نیا دِیا جلایا جائے۔ پتا نہیں لوگ اتنا ڈرتے کیوں ہیں......؟ میرا تو ایمان ہے۔ جب انسان کی نیت صاف ہوتی ہے اور اس کی حدِ نظر صرف اور صرف کسی کی بھلائی ہوتی ہے تو اللہ

بھی اس کو ہر طرح کا تعاون فراہم کرتا ہے۔“
مریم اپنی دُھن میں بولے چلی جارہی تھی۔ اسے اندازہ بھی نہ ہو سکا کہ کب عدیل کمرے میں داخل ہوا؟ دوسری طرف سے اظفر کمال کہہ رہے تھے۔
”مریم......! میں تہہ دل سے آپ کا بہت احترام کرتا ہوں۔ میں نے کبھی آپ کو جونیئر نہیں سمجھا۔ آپ بہت باوقار اور بہت سمجھدار ہیں۔ اگر آپ کے ہمت کر لینے سے میرے گھر میں بہار اُتر آتی ہے، ایک دِیا جو آپ کے ہاتھ سے جلنا ہے، اس کے جلنے سے میرے گھر میں روشنی بکھر جاتی ہے تو میں آخری سانس تک آپ کا شکر گزار رہوں گا۔ بہر حال انتظار کر رہا ہوں۔“
”جی سر......! یہ تو آپ کی ذرّہ نوازی ہے کہ آپ اس طرح سوچتے ہیں۔ میں فضیل کو لے کر آپ کے گھر ضرور آؤں گی۔ اس کی میڈ اس کے ساتھ رہے گی۔ ہم دیکھ لیتے ہیں کہ بچے کو پا کر بیلا پر کیا اثر ہوتا ہے......؟“
”او کے......!“
دوسری طرف سے اظفر کمال نے کہا تھا۔
”بہت بہت شکریہ مس مریم......! اس سے زیادہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔“
”خدا حافظ سر......!“
مریم نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ فون بند کر کے وہ موبائل کارنر ٹیبل پر رکھنے کے لئے جیسے ہی مُڑی، اس کی نظر عدیل پر پڑی۔ عدیل پلکیں جھپکائے بغیر ایک ٹک اس کی طرف گھورے جا رہا تھا۔
”فضیل کو لے کر کہاں جا رہی ہو......؟“
مریم باہر جانے لگی تو اس نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا اور سامنے ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔ چھ فٹ سے اونچا قد، چوڑا چکلا، مضبوط جسم، مریم جب اس کے بہت قریب ہوتی تھی تو باقاعدہ سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھتی تھی۔ عدیل کے سامنے کھڑے ہو کر اس کا وجود نازک سا، کمزور سا محسوس ہوتا تھا۔ کبھی بھلے وقتوں میں عدیل کے اس مضبوط سراپے کو دیکھ کر ایک عجیب سے احساسِ تحفظ کا اور بھرپور رومانس کا احساس ہوتا تھا۔ لیکن اب جتنی قربت بڑھتی تھی، اتنی ہی اندر آگ بھڑکتی تھی۔ ایسی آگ جس کو نہ محبت کا نام دیا جا سکتا تھا اور نہ نفرت کا۔ لیکن وہ ایسی آگ ہوتی تھی کہ لگتا تھا جیسے ہر طرف موجود ایک ایک شئے لمحہ بھر میں جل کر راکھ ہو جائے گی۔ وہ عدیل کے وجود سے کترا کر آگے قدم بڑھانے لگی۔ عدیل نے اپنا بازو پھیلا کر پھر اس کا راستہ روکا۔
”تم میری بات کا جواب دیئے بغیر اس کمرے سے نہیں جا سکتی۔“
عدیل اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔
”میں اپنے بچے کے بارے میں سوال کر رہا ہوں۔“
”اگر میں اس کمرے سے چلی جاؤں تو آپ کیا کر لیں گے......؟ شوٹ کر دیں گے مجھے......؟ ڈیورس پیپرز مجھے پکڑا دیں گے......؟ مجھ پر تیزاب پھینک دیں گے......؟ یا پٹرول چھڑک کر آگ لگا دیں گے......؟“

مریم بہت سکون کے ساتھ اس سے سوال پہ سوال کر رہی تھی۔''
عدیل نے شدتِ جذب سے جیسے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔
''مریم......! یہ بہت زیادہ ہے۔''
''نہیں عدیل......! کہاں زیادہ ہے......؟ وہ جو اندر ایک آگ بھڑکی تھی، اس کے شعلے تو روز بروز آسمانوں سے باتیں کرنے لگے ہیں۔ نہ جل کر راکھ ہوتی ہوں نہ معاملہ ایک طرف ہوتا ہے۔''
''تم نے خود ساختہ سوچوں سے اپنے اندر آگ لگائی ہوئی ہے۔ میں تمہارا ہوں، صرف تمہارا۔ مگر تم شک کی جس آگ میں جل رہی ہو، اس کی ذمہ دار تم خود ہو۔ میں نے کسی کے ساتھ خفیہ شادی نہیں کی، خفیہ مراسم قائم نہیں کیے۔''
مریم نے ایک دم ہاتھ اُٹھا کر عدیل کو بولنے سے روک دیا۔
''بس کریں عدیل......! وہی گھسے پٹے جملے، وہی روزانہ کی ایکسکیوز، میں نے کہہ دیا ناں کہ میں صرف اور صرف اپنے نانا جان کی وجہ سے فی الحال کمپرومائز پر مجبور ہوں۔ مگر بات ہے اعتبار کی، جو دوبارہ قائم ہونا مشکل ہے، اور وہی پہلے والی بات، شادی اعتبار کے رشتے کا نام ہے۔ جب ہمارے درمیان اعتبار کا رشتہ ہی ٹوٹ چکا تو کاغذوں پر لکھا ہوا عہد نامہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔''
مریم یہ کہہ کر پھر آگے بڑھی۔ عدیل نے پھر سے روکا۔
''مریم......! سب کچھ چھوڑو۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تم فضیل کو لے کر اپنے باس کے گھر میں کیوں جا رہی ہو......؟ میرا بچہ آیا کے پاس کیوں رہے گا......؟''
عدیل ایک ایک لفظ پر زور دے کر پوچھ رہا تھا۔
''میرے اور آپ کے درمیان اب ایسا کوئی رشتہ نہیں کہ میں اپنا سب کچھ آپ کے ساتھ شیئر کروں۔ برائے مہربانی......! مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں اور میرے معاملات میں مداخلت کرنا بند کر دیں۔''
مریم نے دوٹوک انداز میں کہا پھر ایک قدم بڑھایا۔ عدیل اب اس کا بازو اپنے ہاتھ کی گرفت میں لے لیا۔
''تم اس طرح نہیں جا سکتی۔ یہ میرے بچے کا معاملہ ہے۔ تمہاری خودسری کتنی بھی بڑھ جائے، میں برداشت کر لوں گا۔ لیکن اپنے بچے سے متعلق کوئی چیز، کوئی بات، کوئی بھی معاملہ ہو، میری برداشت سے باہر ہوگا۔''
مریم نے ایک جھٹکے سے بازو چھڑایا اور عدیل کی طرف نظریں اُٹھا کر دیکھا۔
''آپ کا جو جی چاہے کر لینا، ویسے مرد کے پاس سب سے بڑا ہتھیار طلاق ہوتا ہے۔ آپ چاہیں تو اپنا یہ ہتھیار استعمال کر سکتے ہیں۔ میں نے تو ہر ڈر اور خوف سے نجات حاصل کر لی ہے۔''
وہ یہ کہہ کر عدیل کو پوری قوت سے ایک طرف دھکیل کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ عدیل بڑی بڑی باتیں کرنے کے باوجود بڑی بے بسی سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر ایک دم اس کی

آنکھوں میں چمک آ گئی۔ یہ اس طرح نہیں مانے گی۔ شاید یہ صرف اپنے نانا کے قابو میں آئے گی اور مجھے اب نانا جان سے بات کرنا پڑے گی۔ کیونکہ اب اس کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ عدیل ایک مستحکم سوچ کے ساتھ فوراً ریلیکس ہو گیا، جیسے اسے پورا یقین ہو کہ اب بہت سارے مسائل کا حل نکل آئے گا۔

☆......☆......☆

ناصر حسین، اُجالا کے جانے کے بعد سے اتنا زیادہ ڈسٹرب تھا کہ اس نے خود کو اپنے بیڈروم میں قید کر لیا تھا۔ اسے نہ بھوک کا احساس تھا نہ نیند کا۔ ذہن سوچتے سوچتے شل ہو چکا تھا۔

"انعم کو طلاق دینا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ بیہ کو جواب سچ مچ اپنی ماں کے قریب ہو چکی ہے اور ماں کی محبتوں پر یقین کرنے لگی ہے، ماں کی موجودگی کو محسوس کرنے لگی ہے، ماں کو دیکھ کر خوش ہونے لگی ہے، ایک دم سے اسے ہولناک صدمے سے کیسے دو چار کروں......؟ کاش کہ انعم خود یہ مطالبہ کر دے۔ خود ہی چھوڑ کر چلی جائے، پہلے کی طرح۔ آخر وہ جاتی کیوں نہیں ہے......؟"

وہ بری طرح چڑ کر بے رخت انداز میں سوچنے لگا۔ اسی وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔ اس نے بڑے بے زار کن لہجے میں پوچھا تھا۔

"کون ہے......؟"

"صاحب......! میں ہوں، مہرو۔"

ناصر حسین کی سماعت سے مہرو کی آواز ٹکرائی تو اس نے آواز کے زیر و بم سے اندازہ لگایا کہ مہرو کی آواز میں غیر معمولی پن ہے۔ وہ فوراً سے کچھ سوچنے کے قابل نہیں تھا۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے فوراً اُٹھ گیا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا تو مہرو بہت حواس باختہ اور پریشان دکھائی دی۔ اس نے ناصر حسین کی طرف دیکھتے ہوئے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"صاحب......! وہ بیہ اور انعم بی بی گھر پر نہیں ہیں۔ بہت رات ہو گئی ہے۔"

وہ اتنا ہی بول پائی تھی کہ ناصر حسین بری طرح سے چونک کر بولا تھا۔

"بیہ اور انعم گھر پر نہیں ہیں......؟ اس وقت تو آدھی رات ہو رہی ہے، یہ تم مجھے اب بتانے آئی ہو......؟"

"وہ صاحب......! میں سمجھی کہ انعم بی بی، بیہ کے ساتھ اپنے کمرے میں ہیں۔ میں ان کے کمرے میں بار بار نہیں جاتی۔"

"لیکن تمہیں بیہ کا کمرہ خالی دیکھ کر تو پتا تو کرنا چاہئے تھا ناں......؟"

ناصر حسین پر ایک نئی قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ اس کے اعصاب میں اب اتنی قوت کہاں تھی کہ وہ کوئی غیر معمولی بات برداشت کر سکے۔ اس کا ذہن تو جیسے ہوا میں معلق ہو گیا تھا۔

"صاحب......! بیہ اکثر اپنی ماں کے پاس ان کے کمرے میں ہوتی ہے، اس لئے میں کھوج نہیں کی۔"

''اوہ میرے خدایا......!''

ناصر کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''اسے کہاں تلاش کروں......؟ ایک منٹ......! تم نے انعم کو فون کر کے پتا کیا کہ وہ کہاں ہے......؟''

مہرو بڑی آہستہ آواز میں بولی تھی بلکہ مجرمانہ انداز میں بولی تھی۔

''صاحب......! وہ میرے پاس انعم بی بی کا نمبر نہیں ہے۔''

ناصر حسین کے تو جیسے مزید چھکّے چھوٹ گئے۔ ایک دم چلّا کر بولا۔

''مہرو......! تم اس گھر کی سب سے پرانی ملازمہ ہو۔ تمہارے پاس سب کے کانٹیکٹ نمبرز ہونے چاہئیں۔ کمال کی بات ہے کہ تمہارے پاس انعم کا نمبر نہیں ہے۔''

''وہ صاحب......! جو پہلے والا نمبر تھا ناں، وہ اب نہیں ہے اور پھر مجھے ضرورت بھی نہیں پڑی۔ وہ گھر پر ہی تو ہوتی ہیں۔ گھر سے باہر تو بہت کم ہی جاتی ہیں۔''

مہرو جلدی سے صفائی پیش کرنے لگی۔ ناصر حسین نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چکراتا ہوا سر تھام لیا تھا۔ اس کے موبائل میں بھی تو وہ پہلے والا ہی نمبر تو تھا اور ابھی کچھ دنوں پہلے اس نے اسی نمبر سے تو کال کی تھی، میسج کیا تھا۔ وہ جلدی سے ٹیبل کی طرف بڑھا جہاں اس کا اپنا موبائل رکھا ہوا تھا۔ اس نے موبائل اُٹھا کر کانٹیکٹ لسٹ میں انعم کا نمبر تلاش کیا جو اسے فوراً ہی نظر آ گیا۔ اس نے نمبر ڈائل کیا، نمبر بند تھا، ایک سیکنڈ بعد ہی اس کے کانوں میں ریکارڈنگ گونج رہی تھی۔

''آپ کا مطلوبہ نمبر اس وقت بند ہے، برائے مہربانی کچھ دیر بعد کوشش کیجئے۔''

ناصر حسین کا ہاتھ کٹی ہوئی شاخ کی طرح نیچے گرا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی بے بسی تھی اور آنکھوں میں وحشت۔ مہرو ٹکٹکی باندھے، خوف زدہ، پریشان اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ناصر حسین نے اب موبائل بیڈ پر پھینک دیا تھا اور اپنے چکراتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا۔ اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے مہرو کو مخاطب کیا تھا۔

''مہرو......! پلیز، مجھے ایک گلاس پانی پلاؤ۔ میرے چاروں طرف اندھیرا پھیل رہا ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ بس شاید میں مر رہا ہوں۔ میرے اعصاب جواب دے رہے ہیں۔ سوائے اندھیرے کے میرے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔''

وہ بڑبڑا رہا تھا۔ مہرو اتنی بری طرح خوف زدہ ہوئی تھی کہ پانی لینے کے لئے وہ تقریباً بھاگتی ہوئی باہر گئی تھی۔ اسے شاید حواس باختہ ہونے کی وجہ سے یہ یاد نہیں رہا تھا کہ پانی تو کمرے میں بھی موجود ہوتا ہے۔ ناصر حسین اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھامے اسی طرح بیٹھا تھا۔ لیکن اب یوں لگ رہا تھا کہ اسے کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ وہ بالکل سنگ مرمر کا مجسمہ محسوس ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم کو جب گھر کے ملازم نے انعم اور بیہ کے آنے کی اطلاع دی تو رات کے اس پہر جیسے ان پر آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔انہوں نے سوئے ہوئے فیاض احمد کی طرف دیکھا تھا اور جس حال میں تھیں،اسی حال میں اُٹھ کر پاؤں میں سلیپر تک ڈالنے کا ان کو ہوش نہ تھا۔وہ نیچے آ گئی تھیں۔یوں لگ رہا تھا جیسے بس ان کی روح قصرِ عنصری سے پرواز کرنے والی ہے۔

''یہ انعم نے پھر کیا کر دیا......؟ بیہ کو لے کر اسلام آباد سے کراچی آ گئی......؟''

وہ زینہ اُترتی ہوئی بلکہ دوڑتی ہوئی زینہ اُتر رہی تھیں اور سوچ رہی تھیں۔انعم،بیہ کے ساتھ بہت سکون اور اطمینان سے بیٹھی تھی۔اس نے ماں کے قدموں کی آواز سنی تو گردن موڑ کر ماں کی طرف دیکھا اور بڑے سپاٹ لہجے میں سلام کیا۔

''السلام علیکم ممی......!''

سلمٰی بیگم نے بمشکل اس کے سلام کا جواب دیا۔وہ آنکھیں پھاڑے اس کی اور بیہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''وعلیکم السلام......!''

''بیہ......! نانو کو سلام کرو۔کیا ٹکر ٹکر بیٹھی دیکھ رہی ہو......؟''

بیہ نے بڑی معصومانہ مسکراہٹ کے ساتھ نانو کو سلام کیا۔سلمٰی بیگم نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور تشویش بھرے لہجے میں انعم سے مخاطب ہوئی۔

''انعم......! یہ اتنی رات کو تم اسلام آباد سے آ رہی ہو......؟''

انعم نے اپنا چہرہ دوسری طرف موڑتے ہوئے بالکل بے تاثر لہجے میں جواب دیا۔

''کیوں امی......؟ کیا نہیں آ سکتی......؟''

سلمٰی بیگم نڈھال سے انداز میں بالکل اس کے برابر میں یوں بیٹھیں جیسے خود کو انہوں نے گرنے سے بچایا ہو۔

''یہ تم نے کیا حرکت کی انعم......؟ کیا ناصر کو بتا کر آئی ہو......؟''

''امی......! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ......؟ ناصر کو بتا کر آتی تو کیا وہ بیہ کو میرے ساتھ آنے دیتا بھلا......؟''

یہ سن کر تو جیسے سلمٰی بیگم کا رہا سہا حوصلہ مٹی کے ڈھیر کی طرح بکھر گیا۔انہوں نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر انعم کی طرف دیکھتے ہوئے یوں کہا تھا کہ جیسے اب رو پڑیں گی۔

''یہی کسر رہ گئی تھی انعم......! ہم تھک گئے ہیں انعم......! بھاگتے بھاگتے،دوڑتے دوڑتے،اور تمہاری بے وقوفیوں کا علاج اب ہمارے پاس نہیں ہے۔یہ تم کیا حرکت کر بیٹھی ہو......؟ وہ تو اپنی بیٹی کو کبھی بھی آ کر لے جا سکتا

ہے۔تمہارا کیا بنے گا......؟"

"وہ بیہ کو میری مرضی اور اجازت کے بغیر یہاں سے نہیں لے جا سکتا۔"

انعم نے بہت خود اعتمادی سے جواب دیا تھا۔

"بے وقوف ہو تم......! پاگل ہو تم......! کوئی ایسی حیثیت نہیں تمہاری اس کی نظر میں۔مٹی ہو، خاک ہو، دُھول ہو، جان لو کہ تم نے ایک بہت بڑی غلطی کی تھی اور اس کے بعد اب تم وہ انعم نہیں ہو جو خود کو سمجھ رہی ہو اور اتنے بڑے بڑے فیصلے کر رہی ہو۔"

سلمٰی بیگم بری طرح سے پھٹ پڑی تھیں۔

"جانے دیجئے امی......! بس ہو گئی تھی ایک بھول، چھوڑ تو دیا ہے سب کچھ۔آپ کو کیا پتا وہاں کیا ہونے جا رہا تھا جس کی وجہ سے مجھے وہ گھر چھوڑنا پڑا......؟"

پھر بیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بہت آہستہ ماں سے بولی۔

"امی......! پلیز بیہ کے سامنے اس طرح سے نہ کریں، وہ ڈر جائے گی، وہ پریشان ہو جائے گی۔میں اس کو سُلا دوں، پھر اس کے بعد آپ کو سب کچھ بتاؤں گی۔تب آپ کو اندازہ ہوگا کہ میں نے کتنی مجبوری میں وہ جگہ چھوڑی ہے اور بیہ کو یہاں لے کر آ گئی۔"

سلمٰی بیگم نے بھی جیسے اس کی اس دلیل کو دل سے تسلیم کیا۔بیہ بڑی معصومیت سے سہمی سہمی سی دونوں کی طرف ٹکر ٹکر دیکھے جا رہی تھی۔سلمٰی بیگم اپنی جگہ سے اُٹھی اور بیہ کو اپنے گلے سے لگا لیا۔

"بیٹا......! سوری، ہم اپنی بات کر رہے تھے۔بس کوئی بات نہیں ہے۔تھوڑی سی دیر کی پریشانی ہے۔آپ کے پاپا بھی آ جائیں گے اور ماما بھی۔آپ بالکل پریشان نہ ہونا۔جاؤ آپ ماما کے ساتھ جا کر سو جاؤ۔پھر صبح کو ہم ناشتے پر ملیں گے اور آپ سے بہت ساری باتیں ہوں گی۔ٹھیک ہے بیٹا......!"

سلمٰی بیگم تھوڑی دیر پہلے کا تاثر ماحول سے مٹانے کے لئے بیہ کو بہلانے اور پھسلانے لگیں اور دل ہی دل میں پچھتا رہی تھیں کہ بچی کے سامنے کیا کہہ بیٹھی ہیں......؟ وہ بہت حساس بچی ہے۔

"کوئی بات نہیں نانو......! آپ ماما کو ڈانٹ رہی ہیں ناں، تو کیا ہوا......؟ کبھی کبھی ماما بھی تو مجھے ڈانٹتی ہیں۔سب کی ماما ڈانٹتی ہیں۔"

بیہ مسکرا کر جیسے نانی کے پیار سے بہل کر کہہ رہ تھی۔انعم اُٹھ کھڑی ہوئی۔اس نے اپنے سوٹ کیس کی طرف دیکھا اور ماں سے بولی۔

"امی......! کسی سے کہہ کر یہ میرے کمرے میں رکھوا دیں۔وہ میرا کمرہ......"

سلمٰی بیگم نے ایک گہری سانس اپنے سینے سے آزاد کی۔

"تمہارا کمرہ ہمیشہ تیار رہتا ہے۔"

ان کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ انعم اب نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ماں کو کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ جانتی تھی کہ ماں کے منہ سے جو کچھ نکلا، وہ بڑی سچی بات تھی، جو شاید وہ کبھی نہ کہہ پاتی جو انجانے میں نکل گئی تھی۔
وہ جانتی تھی اس بات کا مطلب کہ اس کا کمرہ ہمیشہ تیار کیوں رہتا ہے......؟ وہ بیہ کا ہاتھ تھام کر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ سلمٰی بیگم دونوں کو جاتا ہوا دیکھتی رہیں اور جیسے ہی دونوں آنکھوں سے اوجھل ہوئیں، سلمٰی بیگم نے اپنا سر پکڑ لیا۔
''یا اللہ......! ایک اور امتحان......؟ یا اللہ......! مجھے معاف کر دے۔ میں نہیں جانتی مگر تو جانتا ہے۔ میری کوئی ایسی خطا ضرور ہے جس کی تو نے گرفت کی ہے اور میری زندگی سے سکھ چین رُخصت ہو چکا ہے۔''
وہ سوچ رہی تھیں اور خاموش آنسوان کے گالوں پر پھسل گئے تھے۔

☆......☆......☆

اُجالا نے رو رو کر اپنی بری حالت کر لی تھی۔ میڈم شعلہ کے سمجھانے بجھانے اور دلائل دینے سے اس کو کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ میڈم شعلہ کو اس کے آنسوؤں سے اُلجھن تو بہت ہو رہی تھی۔ لیکن وہ بھی اپنی جگہ پر مضبوط بنی بیٹھی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اُجالا بہت نا تجربہ کار اور نا سمجھ ہے۔ وہ ابھی نہیں جانتی کہ اس کی ماں اس کی بہتری کے لئے ہی کچھ کر رہی ہے۔
''پاگل مت بنو اُجالا......! کچھ دیر صبر بھی کر لو۔ تمہارے ہی بھلے کو کر رہی ہوں۔ اسی گھر میں بٹھاؤں گی، اسی کے حوالے کروں گی، مگر اس طرح نہیں۔''
میڈم شعلہ نے جیسے اپنے انداز میں اُجالا کو سمجھایا تھا۔
''ممی......! آپ مجھے جانے دیں، آپ کو نہیں پتا کہ ناصر کی کیا حالت ہے......؟ وہ اتنا اسٹریس برداشت نہیں کر سکتے کہ انہیں کچھ ہو جائے گا اور انہیں کچھ ہو گیا تو میرے سارے نفع نقصان کے مسئلے بھی ختم ہو جائیں گے۔ مگر میں پھر آپ کو زندگی بھر شکل نہیں دکھاؤں گی۔''
ناصر کی محبت کی قوت نے اس کو بہت دلیر بنا دیا تھا۔ اب وہ بہت دوٹوک انداز میں ماں سے بات کر رہی تھی۔ مگر وہ میڈم شعلہ تھیں، جس نے بہت کم عمری میں ہی زمانے کے سرد و گرم سے دو دو ہاتھ کر لئے تھے۔ وہ ایک ایسے جذباتی مناظر سے فوراً متاثر ہونے والی نہیں تھی۔ کیونکہ جو کچھ وہ دیکھ چکی تھی، اور جن تجربات سے گزر چکی تھی، اُجالا ابھی ان کی دُھول کو بھی نہیں پہنچی تھی۔
''کچھ نہیں ہوگا اسے، تم فضول میں ٹینس ہو رہی ہو۔ تمہارے لئے جیئے گا، وہ تمہاری خاطر انتظار کرے گا۔ بقول تمہارے وہ تم سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔''
میڈم شعلہ نے بجی کچی سگریٹ ایش ٹرے میں مسلی اور اپنی ساڑھی سنبھالتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔
''ویسے اگر تمہیں شوق ہے کہ تم رو رو کر رات گزارو تو تم رو لو۔ اس لئے کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جسم کے کسی حصے میں زہر پھیل جائے تو مریض کی صحت اور جان کی خاطر اس حصے کو جسم سے الگ کرنا پڑتا ہے۔ بہت ضروری سرجری ہوتی ہے وہ۔ میں تم پر رحم نہیں کھاؤں گی، اس لئے کہ تم خود پر رحم نہیں کھا رہی ہو۔ لیکن کل کلاں کو میرا

کیا تمہارے سامنے آئے گا تو تمہیں پتا چلے گا کہ ماں کیا ہوتی ہے......؟ اور کس طرح سے اپنی اولاد کی بہتری کا سوچتی ہے......؟''

یہ کہہ کر وہ پاؤں پٹخنے کے انداز میں اسے اس کے کمرے میں چھوڑ کر باہر چلی گئی تھیں اور جاتے ہوئے دھاڑ سے دروازہ بند کیا تھا۔ صرف اور صرف یہ جتانے کے لئے کہ اُجالا کے رونے دھونے کا ان پر کوئی اثر نہیں ہے۔ اُجالا نڈھال سے انداز میں گھٹنوں پر سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔ آنسو خود بخود تھم گئے تھے۔ اب وہ ناصر کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ وہ کیا کر رہا ہوگا......؟

☆......☆......☆

فیاض احمد تو فجر کی نماز کے لئے اپنے معمول کے مطابق اُٹھ ہی گئے تھے، لیکن سلمٰی بیگم اس لئے اُٹھ گئی تھیں کہ وہ انعم کے آنے کے بعد سو ہی نہیں پائی تھیں۔ لیکن انہوں نے فوراً فیاض احمد پر کچھ ظاہر نہیں کیا۔ وہ انتظار کرنے لگیں کہ وہ نماز اور اپنی روزانہ والی واک سے فارغ ہو کر گھر واپس آ جائیں تو ناشتے کی ٹیبل پر انہیں انعم کی آمد کے بارے میں بتا کر صلاح مشورہ کرے گی کہ کیا کرنا چاہئے......؟ ویسے تو سب سے پہلا خیال ان کے ذہن میں یہی آیا تھا کہ سب سے اچھی بات یہ ہوگی کہ ناصر کو پہلی فرصت میں اِنفارم کر دیں کیونکہ جتنی دیر سے اس کو مطلع کیا جائے گا، اتنی ہی بات بگڑ جائے گی اور ناصر جو آج تک ان لوگوں کا لحاظ اور احترام کرتا ہے، شاید وہ اس سے دستبردار ہو جائے، اور یہ لحاظ اور احترام کا پردہ وہ قائم رکھنا چاہتی تھیں۔ کیونکہ اس پردے کے پیچھے بڑی بڑی آفتیں پوشیدہ تھیں۔ بہت گھمبیر مسائل کا کوئی نہ کوئی حل موجود تھا۔ لیکن وہ کوئی بھی قدم اُٹھانے سے پہلے فیاض احمد سے صلح مشورہ کرنا ضروری خیال کر رہی تھیں۔ فیاض احمد کی گھر واپسی تک ان کے لئے گزرنے والا ایک ایک لمحہ، ایک ایک صدی کے برابر تھا۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ ناصر پر کیا بیت رہی ہوگی......؟ کیونکہ وہ اچھی جانتی تھیں کہ ناصر کی جان اس کی بیٹی میں ہے اور بیٹی کو گھر میں نہ پا کر اس پر کیا بیت رہی ہوگی......؟

☆......☆......☆

بشر علی نماز اور تلاوت اور اپنے روزانہ کے وظائف سے فارغ ہو کر حسب معمول لان میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ عدیل نے اپنی بیڈروم کی کھڑکی کا پردہ سرکار کر اپنی تسلی کر لی تھی کہ بشر علی اپنے روزانہ والے معمول میں مصروف ہیں۔ وہ بڑی تیزی سے زینہ اُتر کر ان کے پاس آیا تھا۔ وہ ساری رات ٹھیک سے سو نہیں سکا تھا۔ دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ بس اسی وقت جا کر بشر علی کا دروازہ کھٹکھٹا دے اور ان سے کہے کہ اس گرتے ہوئے گھر کو بچانے کے لئے وہ اپنا کردار ادا کریں۔ وہ اس کے لئے بھی تیار تھا کہ وہ بشر علی کے سامنے سر جھکا کر ان سے بھی معافی مانگ لے گا اور اعتراف جرم بھی کر لے گا۔ یقیناً وہ شفیق اور مہربان بزرگ معافی کے اس عمل سے گزرنے کے بعد اسے لعن طعن نہیں کریں گے بلکہ غور سے اس کی بات سنیں گے اور سب لوگوں کی طرح اس گھر کی ہلتی ہوئی دیواروں کو مضبوطی سے

دوبارہ اپنی جگہ کھڑا کرنے میں کوئی کردار ضرور ادا کریں گے۔ بشر علی نے اپنی طرف آتے ہوئے عدیل کی طرف دیکھا تو مسکرا پڑے۔ ایک شفیق، مہربان، محبت بھری مسکراہٹ سے انہوں نے عدیل کو دیکھا کیونکہ وہ ان کی لاڈلی نواسی مریم کا شوہر تھا۔ لیلیٰ کا تو کتا بھی پیارا ہوتا ہے، مگر یہ تو ان کی پیاری بلکہ جان سے پیاری نواسی کا شریک حیات تھا اور نواسی ہی کی طرح ان کے وجود کا حصہ بن چکا تھا۔

''آؤ آؤ عدیل میاں......! آج تو بڑا خوش قسمت دن ہے۔ جب سے اس گھر میں آیا ہوں، آج صبح صبح آپ سے شرف ملاقات حاصل ہو رہا ہے۔''

عدیل کے ہونٹوں پر بڑی شرمندہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

''السلام علیکم نانا جان......! آپ نے تو شرمندہ ہی کر دیا۔ اصل میں ابھی عادت نہیں پڑی۔ ایکچوئلی وہ رات کو بہت دیر ہو جاتی ہے ناں تو آنکھ نہیں کھلتی۔''

بشر علی آگے بڑھے اور انہوں نے محبت بھرے انداز میں عدیل کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''چلو خیر......! آج اُٹھ گئے ہو تو سمجھو اُٹھ سکتے ہو۔ عادت ڈالو بیٹا......! صبح کی نماز اور صبح کی چہل قدمی، یہ انسان کو بے حساب دوائیوں سے دُور رکھتی ہے۔ آج کی نئی جنریشن اس بات کو سمجھ نہیں رہی یا شاید ہم اس جنریشن کو نہیں سمجھ رہے۔ خیر......! آپ سے مل کر، آپ کو دیکھ کر صبح کے اس پُرنور اُجالے میں جو اس دل کی حالت ہے، وہ بیان نہیں ہو سکتی۔''

بشر علی ابھی بھی شگفتہ انداز میں عدیل سے کہہ رہے تھے اور عدیل دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔

''یااللہ......! جو بات میں ان سے کہنے کے لئے آیا ہوں، اس کا ماحول کیسے بناؤں......؟ کہاں سے شروع کروں......؟''

اسے ترس بھی آ رہا تھا کہ اتنے بوڑھے آدمی کو اتنے گمبھیر اور اُلجھے ہوئے حالات میں پھنسا کر کہیں وہ بڑا گناہ تو نہیں کر رہا ہے......؟ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اب اس راستے کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔

''نانا جان......! آپ صبح کی چائے پیتے ہیں......؟ میرا مطلب ہے، آپ چائے پی چکے ہیں کیا......؟ اگر نہیں تو منگواؤں......؟''

بشر علی اسی طرح محبت بھرے انداز میں عدیل کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

''بیٹا......! مریم نے سب کچھ بہت اچھی طرح مینج کیا ہوا ہے۔ میں بستر سے اُٹھتا ہوں تو نوکر بڑی خوشبودار گرما گرم چائے لے کر کمرے میں آ جاتا ہے۔ اس کے بعد چائے کا دوسرا کپ میں ناشتے پر ہی پیتا ہوں۔''

''اوہ اچھا......!''

عدیل بے ساختہ انداز میں بولا۔

''نانا جان......! ناشتے کے بعد میں نے سنا ہے کہ آپ میڈیسن لیتے ہیں اور تھوڑا ریسٹ بھی کرتے ہیں۔ لیکن کیا ناشتے کے بعد آپ آج پندرہ بیس منٹ مجھ سے بات کر سکتے ہیں......؟''

عدیل نے جیسے جنگی پیش قدمی کرنے سے پہلے حفاظتی حصار تعمیر کرنا شروع کیا۔ بشر علی کی آنکھوں میں ایک گہری سوچ کا تاثر اُبھرا۔ ان کے مسکراتے چہرے پر لحہ بھر کے لئے سنجیدگی طاری ہوگئی۔ جیسے انہوں نے خیال سے خیال تک کا سفر طے کر لیا ہو اور انہیں کچھ محسوس ہو گیا ہو۔

''ایسی بھی کیا بات ہے بیٹا......! جو اتنے اہتمام سے کی جائے گی......؟ میں تمہارے سامنے موجود ہوں، بات تو اب بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن ٹھیک ہے، جیسے تم کمفر ٹیبل فیل کرو۔ آ جاؤ فریش ہو کر، پھر کر لیتے ہیں بات۔''

عدیل نے بشر علی کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ آواز میں بولا۔

''نانا جان......! وہ مریم کو ابھی کچھ نہ بتایئے گا۔''

بشر علی بے ساختہ انداز میں بلکہ بڑی سادگی سے ہنس دیئے۔

''تم نے مجھے ابھی کچھ بتایا ہی نہیں بیٹا......! تو میں مریم کو کیا بتاؤں گا......؟''

''نہیں نانا جان......! میرا مطلب یہ ہے کہ آپ ابھی مریم کو یہ نہیں بتایئے گا کہ میں آپ سے کوئی بات کرنا چاہتا ہوں۔''

یہ بات سن کر بشر علی کے چہرے پر ایک مرتبہ پھر سنجیدگی طاری ہوگئی۔ وہ بہت حساس تھے اور بڑھاپے میں تو اعصاب ویسے ہی بہت زیادہ کمزور ہو چکے ہوتے ہیں، احساسات بہت زیادہ طاقتور ہو جاتے ہیں، لفظوں سے زیادہ تاثرات اور خیالات کا اثر گہرا ہوتا ہے۔

''ٹھیک ہے بیٹا......! میں مریم کو نہیں بتاؤں گا۔ ناشتے کے بعد میں اپنے کمرے میں، میرا مطلب یہ ہے کہ بھئی......! میرا جہاں تم نے ٹھکانہ بنایا ہوا ہے، وہاں میں تمہارا انتظار کروں گا۔ ٹھیک ہے بیٹا......؟''

انہوں نے دایاں ہاتھ عدیل کے بائیں کندھے پر رکھ کر بڑی محبت سے دبایا۔ عدیل زبردستی مسکرایا کیونکہ مسکرانا بہت ضروری تھا اور پھر واپس اندر کی طرف پلٹ گیا۔ بشر علی کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ ان کی آنکھوں میں تفکرات جھلکنے لگے تھے۔

''اتنے اہتمام سے جب کوئی بات ہوتی ہے تو واقعی وہ بات، بات ہوتی ہے۔''

وہ سوچ رہے تھے۔

☆......☆......☆

''سلمٰی......! یعنی کہ حد ہوگئی، تمہیں رات کو ہی ناصر کو فون کر دینا چاہیئے تھا۔ میرے اُٹھنے کا، میرے جاگنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ یوں سمجھو جو رعایت یا نرمی ہم اس سے حاصل کر سکتے تھے، اب اس سے بھی گئے۔ وہ ہرگز انعم کو اب معاف نہیں کرے گا۔ اولاد کا معاملہ ہی ایسا ہوتا ہے۔''

''توبہ......! کتنی بڑی غلطی کی ہے میں نے آپ کو بے آرام نہیں کیا۔ ناصر کے لئے میں نے سوچا تھا کہ وہ میڈیسن لے کر سوتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اسے ڈسٹرب کر دوں اور خدانخواستہ اسے کچھ ہو جائے۔ اس لئے میں

نے صبح کا انتظار کیا تھا۔"
سلمیٰ بیگم پریشان بھی تھیں اور خفا خفا انداز میں اپنے احسانات بھی گنوا رہی تھیں۔
"اور سچی بات یہ ہے فیاض......! مجھ میں ہمت ہی نہیں ہے ناصر سے بات کرنے کی۔ آپ ہی اسے فون کیجئے اور بتا دیجئے کہ انعم یہاں آگئی ہے، بیہ کے ساتھ......"
فیاض احمد نے یہ سن کر ایک بہت گہری سانس سینے سے آزاد کی اور کوئی جواب دیئے بغیر اپنی جگہ سے اُٹھے اور لینڈ لائن نمبر پر نمبر ڈائل کرنے لگے۔ سلمیٰ بیگم نے قدرے سکون کا سانس لیا کہ فیاض احمد نے انہیں مزید بے بھاؤ کی سنانے کی بجائے فوراً عملی قدم اُٹھایا تھا، اور یہ تو صدیوں سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ بیٹا ہو یا بیٹی، غلطیاں ہوں تو ماں کی، کارنامے انجام دے دیئے جائیں تو کریڈٹ باپ کا کہ بھئی خون ہی ایسا ہے، خاندان ہی ایسا ہے۔ وہ سوچتے ہوئے فیاض احمد کی طرف دیکھ رہی تھیں، جو نمبر ڈائل کر کے فون اٹینڈ ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ دوسری طرف ناصر حسین نے بڑی بے تابی سے فون اُٹھایا تھا۔ یقیناً اس نے دیکھ لیا ہوگا کہ آنے والی کال کراچی سے ہے۔
"ہیلو......!"
وہ دوسری طرف سے بولا تھا۔ اس کی آواز میں بڑا بھاری پن تھا جیسے بہت نڈھال ہو یا بہت گہری نیند سے جاگا ہو۔
"کیا سو رہے تھے بیٹا......؟"
فیاض احمد نے بڑی نرمی سے پوچھا۔
"اوہ......! السلام علیکم......!"
ناصر حسین نے فیاض احمد کی آواز فوراً پہچان کر بے ساختہ کہا تھا۔
"جیتے رہو......!"
"خیریت تو ہے انکل......! اتنی صبح ہی صبح کیسے یاد آگئی میری......؟ یا کہیں اور سے کوئی فون پہنچ گیا ہے آپ کو......؟"
لاشعوری طور پر بھی، نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں تلخی اُتر آئی تھی۔ ہر حرف زہریلا ہو گیا تھا۔
فیاض احمد یہ سب کچھ سہنے، سننے اور محسوس کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار تھے، اس لئے بڑے تحمل سے بولے تھے۔
"بیٹا......! یقیناً تم بہت پریشان ہوگے۔ اصل میں، میں رات کو سویا ہوا تھا جس وقت انعم، بیہ کے ساتھ گھر پر آئی ہے۔ تمہاری آنٹی نے تمہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا، بلکہ یوں سمجھو کہ ان کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کیا کریں......؟ وہ اتنی زیادہ پریشان ہوگئی تھیں اور انہوں نے انعم کو سخت جھاڑ بھی پلائی ہے۔"
"تو اس سے مجھے کیا فرق پڑتا ہے انکل......؟"
ناصر حسین کو یہ جان کر کہ اس کی بیٹی کراچی میں اپنی نانی کے گھر ہے، جیسے ایک سکون تو ہوا تھا۔ لیکن نئے سرے سے غصے کی آگ نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ سارے زخم جن پر وہ ہر وقت مرہم رکھنے کی کوشش کرتا

رہتا تھا، ایک دم تازہ ہو گئے تھے۔ ایک ایک زخم سے کھرنڈ اُتر گیا تھا، ہر اُٹھتی ہوئی ٹیس نئے زخم جیسے تھی۔

''بیٹا......! غلطی کی ہے اس نے، لیکن وہ بہت خوفزدہ ہو کر اس گھر سے نکلی ہے۔''

فیاض احمد اب ہچکچاتے ہوئے صفائی پیش کرنے کی طرف آ گئے۔

''کیوں......؟ کیا اُسے کوئی یہاں جان سے مار رہا تھا......؟ یا اس پر کسی نے ریوالور تان لیا تھا......؟''

ناصر حسین آج اس انداز میں فیاض احمد سے بات کر رہا تھا جس انداز میں اس نے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔

''یہ بات نہیں بیٹا......! وہ کہہ رہی ہے کہ تمہاری دوسری بیوی کی ماں اپنی بیٹی کو تمہارے گھر سے لے گئی ہے اور اس نے یہ شرط رکھی ہے کہ تم جب تک انعم کو طلاق نہیں دو گے، وہ گھر واپس نہیں آئے گی۔''

ناصر حسین اب یہ بات سن کر ایک لمحے کے لئے لاجواب سا ہو گیا۔ فوری طور پر کوئی جواب اس کے ذہن میں نہیں آیا۔ یوں بھی اس کا ذہن نیند کے غلبے میں تھا۔ نیند ہی تھی جو سولی پر بھی آ جاتی ہے اور اذیت بھی تھی جس سے ابھی ابھی نجات ملی تھی۔ ایسے منتشر دماغ کے ساتھ وہ کتنا حاضر دماغی کا مظاہرہ کر سکتا تھا......؟

''تو بیٹا......! بس وہ ڈر گئی تھی۔ اپنی بیٹی کو لے کر ہمارے پاس آ گئی۔ اب وہ چاہتی ہے کہ کوئی ایسا سلوشن نکل آئے کہ تمہاری بیوی تمہارے پاس آ جائے اور بیبا اپنی ماں کے ساتھ رہے۔ ہم بیٹھ کر بات کر لیں گے بیٹا......!''

فیاض احمد بہت شفیق انداز میں مہربان لہجے میں ہم کلام تھے اور سلمیٰ بیگم دل ہی دل میں اپنے شوہر کی فراست اور معاملہ فہمی کی داد دے رہی تھیں۔

''انکل......! بیبا اپنی ماں کے پاس تنہا رہ ہی نہیں سکتی۔ مجھے اچھا نہیں لگ رہا، مگر مجبوراً کہنا پڑ رہا ہے۔ جو عورت اتنا سب کچھ کر چکی ہو، کوئی باپ اس کے ساتھ اپنی بیٹی کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔''

''تو بیٹا......! بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں کیونکہ انعم کو یقین ہے اور ہمیں خطرہ ہے کہ اس بار تم انعم کو چھوڑ دو گے، اور بیٹا......! یقین کرو، ہم تمہیں اخلاقی طور پر مجبور نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ مجبوریوں کے بندھن بہت کچے ہوتے ہیں۔ ہم تو یہ سوچ کر اسے تمہاری دہلیز پر بٹھا کر آ گئے تھے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے رہے گی۔ تم اس کے دن رات دیکھو گے اور جب تمہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ بدل چکی ہے اور اپنی بیٹی کی خاطر تمہارے گھر میں ایک قیدی کی سی زندگی گزارنے پر بھی تیار ہو گئی ہے۔ یقیناً ایک روز تم اسے معاف کر دو گے۔ کیونکہ ہم تمہیں یہاں سے خبریں دیتے تو تم کبھی یقین نہ کرتے۔''

''انکل......! فرض کر لینے سے مسائل حل نہیں ہو جاتے۔ انعم کو یہ حرکت نہیں کرنا چاہئے تھی۔ میں بہت سیریس پیشنٹ رہ چکا ہوں۔ مجھے کوئی بھی Shock ہمیشہ کی نیند سلا سکتا ہے۔ اسے یوں نہیں کرنا چاہئے تھا۔ وہ جانتی ہے کہ میں اپنی بیٹی سے کتنا پیار کرتا ہوں۔''

''تم پریشان مت ہو بیٹا......! میں بیبا کو لے کر خود تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ میں سیٹ کنفرم کرا لیتا ہوں۔ بیبا تمہارے پاس ہو گی تو تم بھی تھوڑا سکون سے کچھ سوچ سکو گے۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں اتنا زیادہ ذہنی دباؤ برداشت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم آج بھی تم سے محبت کرتے ہیں، تمہاری عزت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ تم نے

ہمیں کبھی کوئی تکلیف نہیں دی۔"

بولتے بولتے فیاض احمد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ان کا لہجہ آنسوؤں کا تاثر اور اس سے بھی بڑھ کر وہ اسے اس کی بیٹی سے ملانے کی بات کر رہے تھے، خود بیہ کو اس کے پاس چھوڑنے کی بات کر رہے تھے۔ اب وہ کیا کرتا......؟ اسے محبتوں کی اس قوت کے سامنے زیر ہونا پڑا۔

"ٹھیک ہے انکل......! آپ بیہ کو لے کر آ جائیں، میں انتظار کر رہا ہوں۔ خدا حافظ......!"

اس نے بڑے سکون، سہولت اور شائستگی سے اپنی بات کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ فیاض احمد نے سلمیٰ بیگم سے چھپ کر آنکھوں سے ٹپک پڑنے والے قطرے پونچھے تھے۔ پھر چند گہری گہری سانسیں لے کر اپنے حواس مجتمع کئے۔ سلمیٰ بیگم بھی شوہر کو اپنے سامنے اتنا زیادہ شکست خوردہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ مارے حیا کے ان سے بات کئے بغیر وہاں سے اُٹھ گئیں۔ آخر شوہر کے آنسوؤں کی ذمہ داری انہی پر تو آتی تھی، کیونکہ وہ انعم کی ماں تھیں۔

☆......☆......☆

بشر علی سکتے کی کیفیت میں عدیل کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ صورتِ حال اتنے نازک مرحلے سے گزر رہی ہے۔ عدیل نے بشر علی کو سکتے کی کیفیت میں دیکھا تو جھک کر ان کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"نانا جان......! خدا کے لئے مجھے معاف کر دیجئے۔ مریم تو شاید میری موت تک مجھے معاف نہیں کرے گی، مگر آپ کے بڑے دل سے مجھے بہت سہارا ملے گا۔ بہت بڑے عذاب سے میری جان چھوٹ جائے گی۔ میں مریم کو چھوڑنے کے علاوہ ہر طرح کا جرمانہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ آپ مجھے معاف کر دیجئے میں اپنی غلطی پر اصرار نہیں کروں گا۔ غلطی میں نے کی ہے، لیکن نانا جان......! یقین کیجئے کہ وہ غلطی میں نے اس لئے نہیں کی تھی کہ میں مریم کو دھوکہ دے رہا ہوں۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ مریم اتنی بری طرح سے ری ایکٹ کرے گی، ورنہ تو شاید......"

عدیل اپنی صفائی پیش کر رہا تھا اور جتنا زور وہ خود کو صاف ستھرا کرنے کے لئے لگا سکتا تھا، لگا رہا تھا۔ بشر علی بہت صبر و ضبط سے اس کی بات سن رہے تھے۔ عدیل نے پھر ان کے ہاتھوں کو بڑی نرمی اور محبت سے دبایا۔ جیسے وہ انہیں اپنائیت کا احساس دلا کر ان کو ریلکس کرنا چاہتا ہو۔

"نانا جان......! حد ہو گئی ہے۔ اب وہ میرے بچے کو مجھ سے اور اس گھر سے دُور کر رہی ہے۔ نانا جان......! یہ تو برے سے برا مرد بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ دیکھئے ناں، اولاد کے معاملے پر کوئی کمپرومائز نہیں ہوتا۔ بچہ تو میرا ہے ناں......!"

بشر علی جو ابھی تک صرف اور صرف عدیل کی سن رہے تھے، بلکہ صرف سن نہیں رہے تھے، بہت ٹھنڈے دماغ اور سکون سے ایک ایک لفظ پر غور بھی کر رہے تھے، کیونکہ ان کو اندازہ تھا کہ اگر انہوں نے اپنے اعصاب کو کنٹرول میں نہ رکھا اور خود کو نہ سنبھالا تو ان کی پیاری نواسی اسی طرح سے زندگی کے نشیب و فراز میں بھٹکتی پھرے گی۔

یہ وقت تو بہت بڑا کردار ادا کرنے کا وقت تھا۔ مریم کی نا سمجھی کو یا اس کے جذباتی پن کو انہوں نے ہی تو کنٹرول کرنا ہے۔

''یہ مریم کیا کر رہی ہے......؟ معافی تو خدا سے بھی مل جاتی ہے۔ پھر وہ عدیل کی معافی کیوں قبول نہیں کر رہی......؟''

وہ انتہائی سوچ کے عمل سے گزر رہے تھے۔

''نانا جان......! وہ علیحدگی لے کر الگ بھی تو نہیں ہو رہی۔ کوئی ایک فیصلہ تو کرے ناں......!''

عدیل بہت جھنجلائے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''کیا تم چاہتے ہو کہ مریم علیحدگی لے لے......؟''

بشر علی نے اپنے لرزتے، کانپتے اور ڈوبتے دل کو بمشکل سنبھال کر سوال کیا تھا۔ وہ دل جو ہر وقت انہیں دھوکہ دینے کے لئے تیار رہتا تھا، بڑی مشکل سے سنبھال رہے تھے۔ آواز اتنی آہستہ تھی جیسے کسی کنوئیں سے باہر آ رہی ہو۔

''نہیں نانا جان......! یہ تو اس کی مسلسل ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے میں کہہ رہا ہوں۔ میں نے تو آپ کے سامنے آنے تک اس طرح کی بات، میرا مطلب یہ ہے کہ بالکل معاملہ ختم کرنے والی بات سوچی تک نہیں تھی۔ اب آپ کے سامنے بیٹھا ہوں تو کہہ رہا ہوں کہ آپ ہی اس سے بات کیجئے۔ مجھے تو اس نے ایسا بیچ میں لٹکایا ہوا ہے کہ مجھے سمجھ ہی نہیں آ رہی کہ میں کس طرف جاؤں اور کیا کروں......؟''

بشر علی نے یوں دھیرے سے پلکیں اُٹھا کر دیکھا جیسے پلکیں اُٹھانا بھی وزن اُٹھانے کے برابر تھا۔

''بیٹا......! بعض دفعہ بہت بڑی مشکل آتی ہے اور اس مشکل کے آنے سے پہلے انسان نے کبھی ایسی مشکل کا تصور بھی نہیں کیا ہوتا اور اایسا اس کے وہم و گمان میں نہیں ہوتا۔ لیکن جب اچانک آفت پڑتی ہے تو انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے، حل نکالنے کے لئے بے تاب ہوتا ہے جو ایک فطری عمل ہے۔ لیکن یقیناً وہ مشکل اتنی بری نہیں ہوتی کہ انسان اپنی جان سے چلا جائے۔ میں مریم سے بات کرتا ہوں، ٹھیک ہے، بحیثیت انسان اس کے بھی تمام حقوق مسلم ہیں۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں نانا جان......! دلوں میں کدورتیں رکھ کر یا منافقت کے ساتھ کوئی بھی تعلق دیرپا نہیں ہوتا۔ میں تو خود چاہتا ہوں کہ وہ مجھے معاف کر دے یا پھر اس طرح سے اپنی راہیں علیحدہ کر لے کہ پھر میں اس کے بارے میں سوچوں بھی نہیں۔''

بشر علی نے آہستہ سے گردن ہلائی۔

''میں مریم سے آج ہی بات کروں گا۔ سارے کام چھوڑ کر یہی بات کروں گا۔ اس لئے کہ اس سے زیادہ ضروری کام کوئی نہیں ہے۔ میرے بچے تو مجھے کسی بات کی ہوا ہی نہیں لگاتے۔ اب ایسا کاغذ کا بنا ہوا بھی نہیں ہوں میں کہ ذرا سے غم کی ہوا مجھے اُڑا کر اِدھر سے اُدھر کر دے گی۔''

بشر علی کے ہونٹوں پر ایک اُداس سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ ان کی آنکھوں میں بہت سے مناظر گھومنے لگے۔ سلمٰی، فیاض، مریم، ان کے چہرے، ان کا نظریں چرانا، ان کا بات بدلنا، بیٹھے بیٹھے گہری سوچ میں کھو جانا، اب سب کچھ ان کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ اتنی بڑی قیامت کو ان سے چھپانے کے لئے جتن کئے جا رہے تھے۔ ان کے دل میں کسی کے لئے خفگی یا ناراضگی کا عنصر نہیں تھا بلکہ وہ تو حقیقتاً اپنے بچوں کی محبت کے سامنے شرمسار تھے۔ جو محبت کی وجہ سے ہر دُکھ، ہر درد، ہر پریشانی سے بچانے کی خاطر سب کچھ ان سے چھپاتے رہتے تھے۔

''آپ سمجھ رہے ہیں ناں نانا جان......! اس وقت جو میری ذہنی حالت ہے، بتایئے وہ کون سا باپ ہے جو اپنی زندگی میں اپنے بچے کو کہیں اور پرورش پاتا ہوا دیکھے......؟''

عدیل کے انداز میں جھنجلاہٹ تھی، جسے وہ چھپانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ بشر علی مسکرا دیئے۔

''بیٹا......! میرے لئے تو تم بالکل اولاد کی طرح ہو۔ کیونکہ میں نے تمہیں اپنے جگر کا ٹکڑا دیا ہے۔ لیکن عورت اور مرد کے سوچنے کے انداز میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اس لئے عورت کی گواہی آدھی ہے، اور یہ مرد کا کام ہے کہ اس جذباتی عورت کو کس طرح ہمت و مہارت سے سنبھالتا ہے۔ تمہارا بچہ کہیں نہیں جائے گا۔ اللہ اس کے باپ کو اس کے سر پر سلامت رکھے۔''

بشر علی آہستہ سے اپنی جگہ سے اُٹھے اور عدیل کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ عدیل کو تو جیسے ان کے ان کلمات نے خرید لیا۔ وہ شرمندگی کی بارش میں بری طرح بھیگ گیا۔ ضمیر کی ملامت نے اس کی نظریں جھکا دیں کہ آخر جو کچھ ہوا، اس کی وجہ سے ہوا، اس کی غفلت کی وجہ سے ہوا۔ ان کی وجہ سے ایک بوڑھے انسان کو کتنی تکلیف اُٹھانا پڑ رہی ہے۔ بشر علی نے عدیل کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''جاؤ بیٹا......! ہنسو، کھیلو، یوں سمجھو کہ جیسے کچھ نہیں ہوا۔ جو لوگ اپنی غلطی کو مانتے ہیں اور بڑے حوصلے کے ساتھ معافی مانگ لیتے ہیں، کیونکہ جو بندہ معافی مانگتا ہے، اپنی اَنا کو ایک طرف رکھ دیتا ہے، خود کو ریت کی طرح زمین پر بچھا دیتا ہے، اس لئے سامنے والے کو اس پر ضرور رحم کرنا چاہئے۔ یہ مذہبی اور اخلاقی فرض ہے۔ البتہ غلطی تو خدانخواستہ دوبارہ ہو تو پھر غور کرنا چاہئے۔''

عدیل نے گہری سانس لی، پھر آہستہ سے بشر علی سے بولا۔

''نانا جان......! آپ سے ایک بات کہوں......؟''

بشر علی مسکرا دیئے۔

''بیٹا......! جو کہنا چاہتے ہو، کہہ دو۔ مجھ سے خوف کھانے یا ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بوڑھا کمزور انسان بھلا تمہارا کیا بگاڑ لوں گا......؟''

ان کا یہ جملہ سن کر تو جیسے عدیل پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

''نانا جان......! وہی لڑکی ایک مرتبہ پھر مجھے ملی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ مریم سے جھگڑے کے بعد ان دنوں میں بہت زیادہ پریشان، بہت زیادہ ڈسٹرب تھا۔ مریم نے مجھے بالکل مایوس کر دیا تھا۔ مجھے ہر لمحے یہ محسوس ہوتا تھا کہ

تھوڑی دیر بعد ہماری راہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے الگ ہونے والی ہیں۔ جب وہ لڑکی مجھے ملی، پتانہیں کیوں مجھے اس کے ساتھ دوستی کا زمانہ یاد آ گیا۔ میں نے اس سے بات کر لی تھی نانا جان......! یہ میری دوسری غلطی تھی۔''

بشر علی سوچ میں پڑ گئے۔ پھر سر اُٹھا کر عدیل کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے بالکل سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''بیٹا......! بات ہوئی تھی یا پھر ملاقاتیں ہونا شروع ہوگئیں تھیں......؟ کیونکہ جب میں مریم سے بات کروں گا تو وہ بھی میرے سامنے ساری باتیں رکھے گی۔''

''نہیں نانا جان......! میری ملاقاتیں نہیں ہوئیں۔ ہاں، البتہ جب وہ مجھے دوبارہ ملی تو یوں محسوس ہوا تھا کہ مریم کے دھتکارنے کے بعد شاید یہی مجھے سہارا دے گی۔ یہ سوچ میرے ذہن میں آئی تھی، مگر اس سے آگے کچھ ہوا نہیں تھا۔''

بشر علی نے عدیل کی طرف دیکھا جو معصوم بچے یا دیوانے کی طرح سچ بولنے پر تُلا ہوا تھا۔ ان کو اتنا تو یقین تھا کہ اس وقت عدیل ان کے سامنے کوئی غلط بیانی نہیں کر رہا۔

''ٹھیک ہے بیٹا......! جاؤ تم اپنا کام کرو۔ اللہ نے چاہا تو اندھیروں کے بیچ کہیں نہ کہیں کوئی دِیا جل جائے گا۔''

یہ کہہ کر وہ سوچتے ہوئے واپس اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ عدیل سر جھکائے خاموشی سے باہر نکل گیا۔ اب اس کے اندر ایک سکون کی کیفیت تھی۔ کم از کم اسے اس بات کا پورا یقین تھا کہ اب مریم اس کے بچے کو اِدھر سے اُدھر نہیں کر سکتی۔

☆......☆......☆

ناصر حسین بالکل خالی الذہن چھت کی طرف گھور رہا تھا۔ یوں جیسے سوچتے سوچتے اس کے پاس خیالات کا ذخیرہ ختم ہوگیا تھا۔ معاً اسے اچانک خیال آیا کہ انعم جا چکی ہے۔ وہ میڈم شعلہ کو صاف صاف بتا دیتا ہے کہ اب نہ گھر میں انعم ہے نہ اس کی بیٹی۔ شاید پھر وہ اُجالا کو واپس آنے کی اجازت دے دے، اُجالا اس کے پاس آ جائے گی، تب ہی کچھ سوچنے سمجھنے اور آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دینے کے قابل ہو سکے گا۔ اس خیال کے آتے ہی جیسے اس کے وجود میں برقی رو دوڑنے لگی اور وہ ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا موبائل اُٹھایا اور میڈم شعلہ کا نمبر ملایا۔ دل بڑے بے ترتیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا کہ جانے اب وہ خاتون اس کے ساتھ کس قسم کی بات چیت کرتی ہیں......؟ اس نے بڑی بے تابی سے کال ریسیو ہونے کا انتظار کیا تھا۔ دوسری طرف سے میڈم شعلہ کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ میڈم شعلہ کہہ رہی تھیں۔

''ارے بھئی......! مجھے فون کھڑکانے کی ضرورت نہیں۔ بس تم طلاق کے کاغذات لے کر میرے گھر آ جاؤ، بات ختم......! صبح سویرے تم نے میری نیند حرام کر دی۔''

ناصر حسین جیسے اس کی ایک طرح سے جھاڑ سن کر سٹپٹا ہی گیا۔ بڑی مشکل سے بولا۔

''وہ آنٹی......! میں نے آپ کو یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ انعم اپنی بیٹی کے ساتھ اپنی ماں کے گھر چلی گئی ہے۔ اب وہ میرے گھر میں نہیں ہے۔''

''ارے بھئی......! وہ اپنے ماں باپ کے گھر گئی ہے، کالے پانی نہیں گئی ہے۔ ماں باپ کے گھر جانے والی تمہارے پاس دوبارہ بھی آسکتی ہے۔ مجھے بچوں کی طرح بہلانے کی ضرورت نہیں۔ جو میں نے کہا ہے، بس اس پر عمل کرو۔ ورنہ آئندہ مجھے فون مت کرنا۔''

میڈم شعلہ کو جیسے فون بند کرنے کی جلدی تھی۔ ناصر نے بڑی بے تابی سے ان کو روکا۔

''آنٹی......! پلیز، پہلے آپ میری بات سن لیں۔ فون بند مت کریں۔''

''بولو......!''

دوسری طرف سے گویا پتھر پھوڑے گئے۔

''آنٹی......! میں یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ اب یہاں دوبارہ نہیں آئے گی۔''

''ارے میاں......! میڈم شعلہ نے بہت ڈرامے دیکھے ہوئے ہیں۔ کسی اور کو جا کر بے وقوف بناؤ۔ میرے پاس طلاق کے پیپرز لے کر آنا اور مجھے فون کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

یہ کہہ کر میڈم شعلہ نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ ناصر بڑی بے بسی سے اپنے سیل فون کو گھورتا رہ گیا۔ درحقیقت آج سے پہلے اتنی تیز عورت سے نہ کبھی ملاقات ہوئی تھی نہ تعارف اور نہ ہی کبھی آمنا سامنا۔ یہ تو اسے اندازہ تھا کہ اتنی آسانی سے تو بات نہیں بنے گی۔ لیکن وہ چاہتا تھا کہ میڈم شعلہ کے کانوں میں یہ بات ڈال دے کہ انعم یہاں نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے میڈم شعلہ، اُجالا تک یہ بات پہنچائے اور اُجالا بھی اپنی سی جدوجہد شروع کر دے۔ اس کے دل کو یقین تھا کہ اُجالا پنجرے میں قید پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہی ہوگی۔ اسے اُجالا کی محبت پر اندھا یقین تھا اور وہ اب اُجالا کی خاطر سب کچھ کر گزرنے کے لئے تیار تھا۔

☆......☆......☆

''مریم بیٹا......! آج آپ آفس نہیں جاؤ گی۔''

مریم ناشتے کی ٹیبل پر بشر علی کے سامنے بیٹھی ہوئی اپنے خیالات میں گم تھی کہ بشر علی کے جملے نے اسے بری طرح چونکا دیا۔

''خیریت نانا جان......! آپ کی طبیعت ٹھیک ہے ناں......؟''

وہ بڑی فکرمندی سے پوچھنے لگی۔

''الحمدللہ......! میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے بیٹا......! مگر آج آپ آفس نہیں جاؤ گی۔ مجھے آپ سے کوئی ضروری بات کرنا ہے۔''

''ضروری بات......؟''

مریم نے اب بڑی کھوجتی ہوئی اور اُلجھی ہوئی نظروں سے بشرعلی کی طرف دیکھا تھا۔ بشرعلی اسے بالکل نارمل دکھائی دے رہے تھے۔

''کیا عدیل نے نانا جان کو سب کچھ بتا دیا......؟ لیکن نانا جان تو بالکل نارمل ہیں۔ ان کے لہجے سے تو کچھ ظاہر نہیں ہو رہا۔''

وہ اپنے آپ سے اُلجھنے لگی۔

''نانا جان......! ویسے تو واقعی آج آفس میں بہت زیادہ کام پڑا ہوا ہے، کیونکہ کل مکمل نہیں ہو سکا تھا۔ پھر بھی آپ نے پہلی بار مجھے کچھ کرنے کا حکم دیا ہے، ورنہ آپ نے تو مجھے کبھی حکم ہی نہیں دیا ہے۔''

وہ اپنی اُلجھنیں چھپا کر زبردستی مسکرائی۔ بشرعلی بھی اس کا دل رکھنے کی خاطر مسکرا دیئے ورنہ ان کے اندر تو بڑی قیامتیں برپا تھیں، جو وہ بڑی مہارت سے مریم سے چھپا رہے تھے۔

''آرام سے ناشتہ کر لو، پھر وہ تمہارا نوکر گیارہ بجے مجھے کافی دیتا ہے، آج نوکر کی بجائے کافی تم بنانا، اور کافی لے کر میرے کمرے میں آ جانا، وہیں تم سے بات ہو گی۔''

مریم نے سلائس پر مارجرین لگاتے لگاتے ایک لمحے کے لئے رُک کر بشرعلی کی طرف دیکھا۔ پھر سر جھکا کر کچھ سوچا اور مسکرائی۔

''ٹھیک ہے نانا جان......! آج میں آفس بھی نہیں جاؤں گی اور آپ کے لئے بہت اچھی سی کافی بنا کر آپ کے پاس آؤں گی۔''

بشرعلی نے اپنی چھڑی پر زور ڈال کر مریم کی طرف ایک مرتبہ بڑی گہری نظروں سے دیکھا۔

''ہاں بیٹا......! اب میں ریسٹ کروں گا۔''

''آپ نے ٹھیک سے ناشتہ کر لیا تھا ناں نانا جان......؟''

مریم نے بشرعلی کو اُٹھتا پا کر سوال کیا۔

''میں ناشتہ ٹھیک سے ہی کرتا ہوں۔ وہ جو کہتے ہیں ناں کہ ناشتہ بادشاہوں کی طرح کرنا چاہئے۔ ویسے تو اس کم بخت دل نے سارا شاہانہ پن ہی چھین لیا۔''

یہ کہہ کر وہ دھیرے سے ہنسے۔ مریم بھی مسکرا پڑی۔ وہ مسکرا رہی تھی مگر اندر بڑی بے ترتیبی سوچوں نے جال بچھا لیا تھا۔ بشرعلی جیسا نظم وضبط کا عادی بندہ بہت قاعدہ اور قرینے سے جینے والا، انہوں نے آج اسے آفس جانے سے منع کیا تھا۔ بات تو کوئی بہت خاص تھی، لیکن یہ یقین اسے اب بھی تھا کہ عدیل نے بشرعلی سے کوئی بات کی ہو گی۔ کیونکہ اس کا یہ خیال تھا کہ عدیل یہ بات بشرعلی سے کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس طرح کی بات کرنے میں اس کی اپنی ذِلت و رُسوائی ہے۔

☆......☆......☆

سلمیٰ بیگم یہ دیکھنے کے لئے کہ انعم سو رہی ہے یا جاگ رہی ہے، اس کے کمرے تک آئی تھیں اور بڑی آہستگی سے دروازے پر دستک دی تھی۔ دستک کے باجود اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔

''شاید دونوں ماں بیٹی سو رہی ہیں۔''

وہ یہ سوچ کر واپس پلٹنے لگیں، اسی وقت دروازہ کھلنے کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو بیہ نیند بھری آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

''السلام علیکم نانو......!''

سلمیٰ بیگم بڑی بے ساختگی سے آگے بڑھیں اور دونوں ہاتھوں میں بیہ کا چہرہ لے کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''اچھا تو میرا بیٹا جاگ رہا ہے۔''

انہوں نے بڑی محبت سے ایک اور بوسہ بیہ کے گال پر دیا۔

''جی نانو......! میں تو سو رہی تھی۔ آپ نے ناک کیا تو میں جاگ گئی۔''

''اوہ سوری......! میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔''

''نہیں نانو......! میں تو صبح صبح اُٹھتی ہوں، آج تو لیٹ اُٹھی ہوں۔ ہم کراچی میں ہیں ناں اس لئے میں اسکول بھی نہیں گئی۔''

''ماما جاگ رہی ہیں یا سو رہی ہیں......؟''

سلمیٰ بیگم نے اندر جھانکتے ہوئے دیکھا۔ کیونکہ بیڈ پر انعم انہیں دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سمجھ گئیں کہ وہ واش روم میں ہوگی۔

''ماما تو کب سے اُٹھی ہوئی ہیں۔''

''اچھا......!''

سلمیٰ بیگم یہ کہہ کر بیہ کا ہاتھ تھام کر اندر چلی آئیں اور ایزی چیئر پر بیہ کے ساتھ بیٹھ گئیں اور اس کے بالوں پر محبت سے ہاتھ پھیرنے لگیں۔ اسی وقت واش روم سے آنے والی انعم کی ابکائیوں کی آواز نے سلمیٰ بیگم کو پریشان ہی کر دیا۔ وہ بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی تھیں اور بیہ کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''ماما کی طبیعت خراب ہے بیٹا......؟''

بیہ نے بڑا عجیب سا منہ بنایا۔

''پتہ نہیں، ماما داش روم میں جاتی ہیں ناں تو اسی طرح سے کرتی ہیں۔''

سلمیٰ بیگم نے آنکھیں پھاڑ کر بیہ کی طرف دیکھا۔

''اسی طرح سے کرتی ہیں......؟ کیا مطلب......؟ ماما کو vomating ہوتی ہے......؟''

بیہ نے ہاں کے انداز میں سر ہلا دیا اور بڑی معصومیت سے جواب دیا۔
''جی نانو......! پتا نہیں ماما کو ہر وقت vomating کیوں ہوتی ہے......؟''
سلمٰی بیگم کے دماغ کے جیسے پرخچے اُڑنے لگے۔ پھر یک دم انہوں نے قدم آگے بڑھایا اور واش روم کے دروازے پر دستک دی۔ انعم کی نڈھال سی آواز آئی۔
''ہاں بیہ......! آ رہی ہوں بیٹا......!''
''انعم......! میں تمہاری ماں ہوں۔ کیا ہوا ہے تمہیں......؟ vomating ہو رہی ہے کیا......؟ ایسا کیا کھا لیا تھا......؟ کب سے ہو رہی ہے......؟''
وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں۔ انعم نے کھٹاک کی آواز سے واش روم کا دروازہ کھول دیا۔ بیسن پر پانی بہاتے ہوئے وہ بڑے نڈھال سے انداز میں بولی تھی۔
''امی......! پتا نہیں کیا ہوتا ہے......؟ کسی وقت صبح صبح ہوتی ہے، کسی وقت رات کو، سوتے سوتے بھی دل متلانے لگتا ہے۔ بعض دفعہ vomating نہیں ہوتی بلکہ اکثر vomating نہیں ہوتی، ابکائیاں بہت ہوتی ہیں۔''
سلمٰی بیگم نے جیسے دہل کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔
''یہ کب سے ہو رہا ہے انعم......؟''
اندیشوں کے ناگ چاروں طرف سے سر اُٹھا کر پھن لہرانے لگے۔ انہیں ایک دم خیال آیا کہ انعم بہت عرصہ گھر سے باہر رہی ہے اور اسے آئے ہوئے دو مہینے سے زیادہ نہیں ہوئے۔
''تو کیا وہ اپنے ساتھ کوئی بری خبر بھی لائی ہے......؟''
ان کی تو جیسے جان نکل گئی تھی۔
''تم میرے ساتھ چلو ڈاکٹر کے پاس۔ تمہارا چیک اَپ کرانا بہت ضروری ہے۔''
ان کا دل بھی ڈوب رہا تھا اور آواز بھی۔
''ممی......! آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ میں ٹیبلٹ لے لیتی ہوں تو تھوڑی دیر بعد ٹھیک ہو جاتی ہوں۔''
''تم نے ڈاکٹر کو دکھایا تھا......؟''
سلمٰی بیگم نے اندیشوں سے بوجھل آواز میں اس سے سوال کیا۔
''نہیں امی......! میں نے ڈاکٹر کو تو نہیں دکھایا تھا، لیکن وہاں پر ایک ڈاکٹر ہیں۔ میں اکثر ان سے فون پر advise لے لیتی ہوں، تو انہوں نے مجھے ٹیبلٹ کا نام بتا دیا تھا۔ وہ میں نے لکھ کر مہرو سے منگوا لی تھیں۔''
''سیلف میڈیکیڈٹ بہت بڑی جہالت ہے۔ جب تمہاری طبیعت اتنی زیادہ خراب ہے کہ تمہیں اکثر vomating ہونے لگتی ہے تو تمہیں ڈاکٹر کے پاس جانا چاہئے تھا۔ چلو اُٹھو، جلدی سے میرے ساتھ چلو۔ میں فرح کو کہتی ہوں، وہ بیہ کو دیکھ لے گی۔ بیہ بیٹا......! آپ برش کر کے چینج کرو۔ مامی آئیں گی آپ کے پاس، پھر آپ مامی

سلمٰی بیگم یہ دیکھنے کے لئے کہ انعم سو رہی ہے یا جاگ رہی ہے، اس کے کمرے تک آئی تھیں اور بڑی آہستگی سے دروازے پر دستک دی تھی۔ دستک کے باجود اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔

''شاید دونوں ماں بیٹی سو رہی ہیں۔''

وہ یہ سوچ کر واپس پلٹنے لگیں، اسی وقت دروازہ کھلنے کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو بیہ نیند بھری آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

''السلام علیکم نانو......!''

سلمٰی بیگم بڑی بے ساختگی سے آگے بڑھیں اور دونوں ہاتھوں میں بیہ کا چہرہ لے کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''اچھا تو میرا بیٹا جاگ رہا ہے۔''

انہوں نے بڑی محبت سے ایک اور بوسہ بیہ کے گال پر دیا۔

''جی نانو......! میں تو سو رہی تھی۔ آپ نے ناک کیا تو میں جاگ گئی۔''

''اوہ سوری......! میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔''

''نہیں نانو......! میں تو صبح صبح اُٹھتی ہوں، آج تو لیٹ اُٹھی ہوں۔ ہم کراچی میں ہیں ناں اس لئے میں اسکول بھی نہیں گئی۔''

''ماما جاگ رہی ہیں یا سو رہی ہیں......؟''

سلمٰی بیگم نے اندر جھانکتے ہوئے دیکھا۔ کیونکہ بیڈ پر انعم انہیں دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سمجھ گئیں کہ وہ واش روم میں ہو گی۔

''ماما تو کب سے اُٹھی ہوئی ہیں۔''

''اچھا......!''

سلمٰی بیگم یہ کہہ کر بیہ کا ہاتھ تھام کر اندر چلی آئیں اور ایزی چیئر پر بیہ کے ساتھ بیٹھ گئیں اور اس کے بالوں پر محبت سے ہاتھ پھیرنے لگیں۔ اسی وقت واش روم سے آنے والی انعم کی ابکائیوں کی آواز نے سلمٰی بیگم کو پریشان ہی کر دیا۔ وہ بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھیں اور بیہ کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''ماما کی طبیعت خراب ہے بیٹا......؟''

بیہ نے بڑا عجیب سا منہ بنایا۔

''پتہ نہیں، ماما واش روم میں جاتی ہیں ناں تو اسی طرح سے کرتی ہیں۔''

سلمٰی بیگم نے آنکھیں پھاڑ کر بیہ کی طرف دیکھا۔

''اسی طرح سے کرتی ہیں......؟ کیا مطلب......؟ ماما کو vomating ہوتی ہے......؟''

بیہ نے ہاں کے انداز میں سر ہلا دیا اور بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

''جی نانو......! پتا نہیں ماما کو ہر وقت vomating کیوں ہوتی ہے......؟''

سلمٰی بیگم کے دماغ کے جیسے پرخچے اُڑنے لگے۔ پھر یک دم انہوں نے قدم آگے بڑھایا اور واش روم کے دروازے پر دستک دی۔ انعم کی نڈھال سی آواز آئی۔

''ہاں بیہ......! آ رہی ہوں بیٹا......!''

''انعم......! میں تمہاری ماں ہوں۔ کیا ہوا ہے تمہیں......؟ vomating ہو رہی ہے کیا......؟ ایسا کیا کھا لیا تھا......؟ کب سے ہو رہی ہے......؟''

وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں۔ انعم نے کھٹاک کی آواز سے واش روم کا دروازہ کھول دیا۔ بیسن پر پانی بہاتے ہوئے وہ بڑے نڈھال سے انداز میں بولی تھی۔

''امی......! پتا نہیں کیا ہوتا ہے......؟ کسی وقت صبح صبح ہوتی ہے، کسی وقت رات کو، سوتے سوتے بھی دل متلانے لگتا ہے۔ بعض دفعہ vomating نہیں ہوتی بلکہ اکثر vomating نہیں ہوتی، ابکائیاں بہت ہوتی ہیں۔''

سلمٰی بیگم نے جیسے دہل کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''یہ کب سے ہو رہا ہے انعم......؟''

اندیشوں کے ناگ چاروں طرف سے سر اُٹھا کر پھن لہرانے لگے۔ انہیں ایک دم خیال آیا کہ انعم بہت عرصہ گھر سے باہر رہی ہے اور اسے آئے ہوئے دو مہینے سے زیادہ نہیں ہوئے۔

''تو کیا وہ اپنے ساتھ کوئی بری خبر بھی لائی ہے......؟''

ان کی تو جیسے جان نکل گئی تھی۔

''تم میرے ساتھ چلو ڈاکٹر کے پاس۔ تمہارا چیک اَپ کرانا بہت ضروری ہے۔''

ان کا دل بھی ڈوب رہا تھا اور آواز بھی۔

''ممی......! آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ میں ٹیبلٹ لے لیتی ہوں تو تھوڑی دیر بعد ٹھیک ہو جاتی ہوں۔''

''تم نے ڈاکٹر کو دکھایا تھا......؟''

سلمٰی بیگم نے اندیشوں سے بوجھل آواز میں اس سے سوال کیا۔

''نہیں امی......! میں نے ڈاکٹر کو تو نہیں دکھایا تھا، لیکن وہاں پر ایک ڈاکٹر ہیں۔ میں اکثر ان سے فون پر advise لے لیتی ہوں، تو انہوں نے مجھے ٹیبلٹ کا نام بتا دیا تھا۔ وہ میں نے لکھ کر مہرد سے منگوالی تھیں۔''

''سیلف میڈیکیڈٹ بہت بڑی جہالت ہے۔ جب تمہاری طبیعت اتنی زیادہ خراب ہے کہ تمہیں اکثر vomating ہونے لگتی ہے تو تمہیں ڈاکٹر کے پاس جانا چاہئے تھا۔ چلو اُٹھو، جلدی سے میرے ساتھ چلو۔ میں فرح کو کہتی ہوں، وہ بیہ کو دیکھ لے گی۔ بیہ بیٹا......! آپ برش کر کے چینج کرو۔ ماما آئیں گی آپ کے پاس، پھر آپ ماما

کے ساتھ ناشتہ کر لینا۔ میں آپ کی ماما کو لے کر ہاسپٹل جا رہی ہوں۔‘‘

سلمیٰ بیگم کو اس وقت کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ان کے دماغ میں تو جیسے دھماکے ہو رہے تھے اور دل ہی دل میں وہ سوچ رہی تھیں کہ شکر ہے، اُدھر ناصر کو کچھ پتا نہیں چلا۔ ورنہ ناصر کی نظروں میں دونوں میاں بیوی کی جو رہی سہی عزت ہے، وہ بھی خاک میں مل چکی ہوتی۔

’’کیا یہ سلیمان کا دیا ہوا روگ ہے......؟ یا اس معذور بڈھے کا......؟ لیکن وہ تو بہت بوڑھا اور معذور ہے۔ اب یہ تو رپورٹ ملنے کے بعد انعم خود ہی بتائے گی۔‘‘

’’امی......! آپ کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہیں......؟ آرام سے چلے جائیں گے۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے......؟‘‘

انعم کیونکہ اُبکائیاں لے لے کر نڈھال ہو چکی تھی، اس لئے بری طرح چڑ کر بات کر رہی تھی۔ سلمیٰ بیگم کا جی چاہا کہ ایک جما کر اس کے رُخسار پر دیں۔

’’میں جو کہہ رہی ہوں، وہ کرو۔ چلو میرے ساتھ......! میں ڈرائیور کو کہتی ہوں کہ گاڑی ریڈی کرے۔ تم پانچ منٹ میں نیچے آؤ۔‘‘

وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ اس وقت ان کا ذہن، ان کا دل کچھ بھی ان کے کنٹرول میں نہیں تھا۔ انعم نے بڑے جھنجلائے ہوئے انداز میں ان کی طرف دیکھا تھا۔ مگر اسے پتا تھا کہ اسے ماں کے ساتھ جانا ہی ہوگا۔ کیونکہ سلمیٰ بیگم کا انداز اتنا قطعی تھا کہ اب ان کی بات مانے بغیر کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔

☆......☆......☆

’’یار......! یہ میرے کام کی جگہ ہے۔ سو مسئلے ہوتے ہیں مجھے یہاں۔ تم یہاں مت آیا کرو۔‘‘

عارف بہت غصے سے وہاج سے مخاطب تھا جو اس کے آفس پہنچنے کے فوراً بعد ہی آن وارد ہوا تھا۔

’’یار عارف......! میں کیا کروں......؟ تم میرا فون اٹینڈ نہیں کرتے اور تائی اماں سے میں بات نہیں کر سکتا۔ علینہ سے تو بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مجھ پر رحم کرو عارف......! مجھے اپنی بچی سے تو ملا دو۔‘‘

’’تمہاری سزا یہی ہے وہاج......! تم ساری زندگی اسی طرح بھٹکتے رہو گے۔ تمہاری تمنائیں تمہیں بھگا بھگا کر تھکا دیں گی، تھک مرو گے تم۔ جاؤ پیچھا چھوڑ دو میرا۔ اب بات ختم ہوگئی ہے، حقیقت کو قبول کرلو۔ ہو سکے تو دوسری شادی کر کے اپنی نئی زندگی شروع کرو۔‘‘

عارف نے بڑے عقل کھرے کے انداز میں وہاج کو کھری کھری سنا دی تھیں۔ مگر وہاج پر جیسے اس کے لئے لہجے اور لفظوں کا کوئی اثر نہیں تھا۔ وہ اسی طرح اس کی اِلتجا کر رہا تھا۔ چہرے پر بڑی بے بسی کی کیفیت تھی۔

’’یار عارف......! ہمارا ایک بڑا مضبوط خون کا رشتہ بھی ہے۔ اس ناطے ہی میری بات سن لو۔‘‘

’’تم کیوں بار بار ہمارے زخموں پر نمک چھڑکنے آ جاتے ہو وہاج......؟ تمہاری بہن آ گئی ہے ناں میرے

گھر میں۔"

عارف نے چڑ کر کہا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ عارف......! میں تمہارا یہ احسان قبر میں اُترنے تک یاد رکھوں گا۔ مگر یار......! جہاں اتنا احسان کیا ہے، تھوڑا سا اور رحم کر دو۔ مجھے میری بچی سے تو مِلا دو۔ وہ اولاد جو مجھے شادی کے پانچ سال بعد ملی ہے اور جسے میں نے ابھی تک دیکھا نہیں ہے۔"

"وہی تو کہہ رہا ہوں ناں، تم جیسے جذباتی مرد کی یہی سزا ہے۔ تم سزا سے گزرو گے تو تمہارا ضمیر مطمئن ہو جائے گا۔ کچھ دنوں بعد تم ریلیکس ہو جاؤ گے۔"

عارف نے بڑے فلسفیانہ انداز میں بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"چھوڑو یار......! تم خود بھی ایک باپ ہو۔ ایسا ہو سکتا ہے بھلا......؟ اولاد بھی کوئی بھلائی جا سکتی ہے......؟"

"وہاج تم خواہ مخواہ مجھے غصہ دلا رہے ہو۔ یہ وہی بچی ہے ناں......"

ابھی عارف نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہاج نے ہاتھ بڑھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

"بس کرو یار......! غلطی مان لی ہے ناں میں نے، اور ساری سزائیں اپنے لئے خوشی خوشی قبول کر لی ہیں۔ لیکن یار......! باپ بن کر سوچو، میں اگر دوسری شادی بھی کر لوں گا تو کیا اپنی بیٹی کو بھول جاؤں گا......؟ کیا مجھے یاد نہیں ہوگا کہ اس دُنیا میں میری ایک بیٹی بھی ہے جو میرا اپنا خون ہے......؟"

عارف نے وہاج کی بات سن کر جیسے اپنا سر زور سے پیٹ لیا تھا۔

"وہاج......! میں کیا کروں......؟ تمہارا گلا بھی نہیں دبا سکتا، تمہیں شوٹ بھی نہیں کر سکتا۔ ہاں......! اتنا کر سکتا ہوں کہ اپنے پیئون سے کہوں کہ آئندہ تمہیں میرے آفس نہ آنے دے۔"

"دھکے مار کر نکال دینا یار......! کوئی گلہ نہیں کروں گا۔ لیکن یار......! مجھے میری بیٹی سے ملا دو۔ ایک دفعہ اس کی شکل دکھا دو۔"

عارف نے جیسے اب سوچ لیا کہ مزید لفظوں سے کھیلنا بیکار ہے۔ یہ شخص باز نہیں آئے گا۔ وہاج نے عارف کو خاموش پا کر جیسے نئے سرے سے حوصلہ پکڑا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اسے یوں لگا جیسے بیٹھنے کی بجائے کھڑے ہو کر بات کرے گا تو عارف زیادہ تحمل سے سنے گا۔ یہ سوچ کر کے وہ بس جانے لگا ہے۔

"عارف......! میری طرح تم بھی مرد ہو۔ جو مرضی بے رحم فیصلہ سناؤ۔ کتنے بھی سخت دل ہو جاؤ۔ مگر یار......! دل پر ہاتھ رکھ کر ایک دفعہ اتنا ضرور سوچو کہ اگر فوزیہ اتنی ہی غفلت اور بے وقوفی کا مظاہرہ کرتی تو کیا تم اسے معاف کر دیتے......؟ کیا تمہیں غصہ نہیں آتا......؟ کیا تمہارا ذہن اور دل تمہارے کنٹرول میں رہتا......؟ کیا تم اسے اپنے سامنے دیکھنا پسند کرتے......؟ میرے خیال میں تم بھی وہی کرتے جو میں نے کیا تھا۔ اس لئے کہ ہر غیرت مند مرد عورت کے معاملہ میں بے انتہاء حساس ہوتا ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی عقل مند اور مضبوط کیوں نہ ہو۔"

وہاج کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ عارف نے نظریں اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور سوچا۔ وہاج نے واقعی اسے ایک سوچ تو دی تھی۔

''تم میری جگہ خود کو رکھ کر سوچو، اور علینہ کی جگہ فوزیہ کو، اور وہ سارے واقعات اپنے ذہن میں لاؤ۔ فرض کرو میری اور علینہ کی جگہ عارف اور فوزیہ ہیں تو منظر کیا چل رہے ہیں......؟''

یہ کہہ کر وہاج اب رُکا نہیں بلکہ تیزی سے اس کے آفس سے باہر نکل گیا تھا۔ عارف اب لب بستہ بیٹھا تھا۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم حواس باختہ بوکھلائی بوکھلائی لیڈی ڈاکٹر کے پیچھے تیزی سے آرہی تھیں۔ دل اندیشوں کی آندھیوں سے خشک پتوں کی طرح کانپ رہا تھا۔

''وہ ڈاکٹر......! سب خیریت تو ہے ناں......؟''

وہ ڈاکٹر کے برابر میں چلتے ہوئے پوچھنے لگیں۔ ان کی بے تابی اس وقت اپنی انتہاء کو چھو رہی تھی۔ ڈاکٹر نے مسکرا کر سلمٰی بیگم کی طرف دیکھا۔

''آپ کیوں اتنی پریشان ہیں......؟ فی الحال تو vometing ہونے کی کوئی ریزن سمجھ نہیں آرہی۔ لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ ان کا ٹیسٹ کرا لینا بہتر ہوگا۔''

''وہ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی پریگنینسی وغیرہ کا تو کوئی......''

لیڈی ڈاکٹر نے پھر مسکرا کر سلمٰی بیگم کی طرف دیکھا۔

''اچھا تو آپ کسی خوش خبری کا انتظار کر رہی ہیں۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس اس وقت آپ کو دینے کے لئے کوئی خوشخبری نہیں ہے۔ کیونکہ وہ پریگنٹ نہیں ہے۔ ان کے تمام معاملات بخیر وخوبی چل رہے ہیں، اور رہی یہ بات کہ کافی عرصے ان کو کسی بھی وقت vometing ہو جانے کی شکایت ہو رہی ہے، اس کے لئے ٹیسٹ کرا لیتے ہیں۔''

سلمٰی بیگم نے سکون کا سانس لے کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ ان کا بس نہیں چلا کہ وہ وہیں زمین پر سجدۂ شکر بجا لائیں۔

''پریگنٹ نہیں ہے......؟''

لیڈی ڈاکٹر نے اسی طرح خوش اخلاقی سے مسکرا کر جواب دیا۔

''نہیں بیگم صاحبہ......! فی الحال تو ایسی کوئی بھی اچھی خبر نہیں ہے۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ اُمید پر دُنیا قائم [illegible] بہت جلد آپ کی مراد پوری کردے۔ ویسے آپ کی بیٹی کے پہلے کتنے بچے ہیں......؟''

[illegible] اس وقت خوشی سے بے حال ہو رہی تھیں، مگر بڑے ضبط کے ساتھ اپنے جذبات کو کنٹرول کئے

ہوئے تھیں، بولیں۔

''جی ماشاءاللہ......! ایک بیٹی ہے، پانچ سال کی۔''

ڈاکٹر اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سلمٰی بیگم سے بولیں۔

''ہاں......! وقفہ تو کافی ہوگیا ہے۔ اب سیکنڈ بی بی ہو جانا چاہئے۔ لیکن خیر، ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میاں بیوی کی پلاننگ میں ہو۔ میری اس ٹاپک پر آپ کی بیٹی سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ بہرحال میں میڈیسن لکھ رہی ہوں، آپ یہ میڈیسن ان کو دیں، پھر دیکھتے ہیں، اور دوسرا یہ کہ آج ٹیسٹ بھی کرا لیجئے۔ آج آپ ٹیسٹ کرائیں تو انشاءاللہ کل اسی ٹائم رپورٹ بھی آجائے گی۔ پھر جو کچھ ہے، وہ کل پتا چل جائے گا۔''

سلمٰی بیگم تو اتنی ہلکی پھلکی ہوگئی تھیں کہ اب ٹیسٹ رپورٹ وغیرہ نے بھی ان کو فکر مند نہیں کیا۔

''ہاں ہاں......! ٹھیک ہے......! میں آج ہی سارے ٹیسٹ کرا لیتی ہوں۔ جب وہ ہاسپٹل میں ہے تو ہاتھ کے ہاتھ ٹیسٹ بھی کرا لیتی ہوں۔''

وہ ڈاکٹر کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولیں۔ وہ بالکل ہلکی پھلکی ہو چکی تھیں۔ سر پر سے جیسے منوں بوجھ اُتر گیا تھا۔

☆......☆......☆

''میری بات ٹھنڈے دماغ سے سن، میں ماں ہو تیری۔ تیری وجہ سے میری نیندیں اُڑی ہوئی ہیں۔''

شکیلہ خاتون علینہ سے کمرے میں بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں۔

''کیوں......؟ اب کیا کیا ہے میں نے......؟ کیوں نیندیں اُڑی ہوئی ہیں آپ کی......؟''

علینہ نے بہت برا مان کر سوال کیا۔

''لو، تیری دوسری شادی نہیں کرنی کیا......؟ پوری جوانی کیا ایسے ہی گزر جائے گی......؟''

شکیلہ خاتون نے فوراً کہا۔

''مجھے نہیں کرنی دوسری شادی وادی، دیکھ لیا سب کچھ، اب مجھے کوئی حسرت نہیں ہے۔''

''بیٹا......! پانچوں اُنگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ اس دُنیا میں روزانہ بے شمار طلاقیں ہوتی ہیں اور اس سے کہیں زیادہ گھر روز بستے ہیں اور سارے گھر بسنے کے بعد اُجڑتے نہیں۔ اسی دُنیا میں وہ جوڑے بھی ہیں جو ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر جیتے ہیں، جوانی سے ساتھ چلتے ہیں اور آخری سانس تک ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ وہ بھی اسی دُنیا کے لوگ ہیں بیٹا......!''

''فی الحال میرا ذہن اس طرح نہیں سوچتا اماں......! اور نہ ہی میں دوسری شادی کرنا چاہوں گی۔ ایک بیٹی ہے میرے پاس، گزر جائے گا وقت، آپ میری طرف سے ٹینشن نہ لیا کریں۔''

شکیلہ خاتون نے غصے بھری نظروں سے علینہ کو گھورا۔

''ارے سات بیٹے بھی ہوں تو اولاد پھر اولاد ہے۔ ساتھی کی بات دوسری ہوتی ہے۔ عورت اولاد سے کچھ نہیں کہہ سکتی، لیکن اپنے شوہر سے دل کی باتیں کر سکتی ہے۔''

''اماں......! چھوڑیں بھی، نہیں ہیں میرے دل میں کوئی باتیں جو مجھے کسی ساتھی کی تلاش ہو کہ وہ ملے تو اس کے ساتھ دل کی باتیں کروں۔''

علینہ جل بھون کر ماں کو جواب دے رہی تھی۔ شکیلہ خاتون ہونٹوں پہ اُنگلی رکھ کر حیران و پریشان اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''ارے......! بالکل بڈھی روح ہوگئی ہے۔ ابھی تو نے دیکھا ہی کیا ہے......؟ آدھی عمر پڑی ہے۔ مجھے لوگوں نے دو تین رشتے بتائے تھے۔ مگر میں نے اس طرف دھیان نہیں دیا۔ میں آج بھی اپنی جگہ ڈٹی بیٹھی ہوں کہ تیری دوسری شادی عدیل سے ہوگی اور اسے تجھ سے شادی کرنا ہی پڑے گی۔''

''اماں......! بس کریں۔ مجھے نہیں کرنی عدیل سے شادی وادی، جس نے مجھے اپنے گھر میں اتنی ذلت دی کہ اس کے بعد میرے ذہن میں جب بھی اس کا نام آتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ میرے چاروں طرف آگ بھڑک اُٹھی ہے۔ وہ دن میں نہیں بھول سکتی۔ فرض کرلیں، اگر میری عدیل سے شادی ہو بھی جاتی ہے تو جو کچھ وہ میرے ساتھ کر چکا ہے، میں اس کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکتی، اور سچی بات بتا دوں اماں......!''

علینہ بولتے بولتے چند لمحے رُکی اور پھر ماں سے سوال پوچھنے لگی۔

''ارے......! ماں سے سچ ہی بولنا چاہئے۔ ایک ماں ہی تو پردے رکھتی ہے یا اللہ رکھتا ہے۔''

شکیلہ خاتون برجستہ بولیں تھیں۔

''سچی بات یہ ہے اماں......! اس کے بعد میں نے سوچا تھا کہ میں عدیل سے شادی کروں گی۔ اس سے انتقام لوں گی۔ اپنی اس ذِلت کا جو اس کی وجہ سے میں نے وہاج کے گھر میں اُٹھائی اور پھر اس کے بعد اس کے گھر میں اُٹھائی۔ دن رات میں اس آگ میں جلتی رہی۔ انتقام کی آگ میں بہت تپش ہوتی ہے۔ یہ لکڑیوں اور کوئلوں سے جلنے والی آگ سے کہیں زیادہ تپش والی آگ ہے۔ یوں سمجھو ماں......! کہ دوزخ کی آگ ہے۔ بندہ جیتا ہے نہ مرتا ہے۔''

علینہ بول رہی تھی اور شکیلہ خاتون ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

''لیکن پھر ایک رات میں نے سوچا۔ کیا میری زندگی اتنی فالتو ہے کہ میں کبھی وہاج سے انتقام لینے کے لئے اپنا قیمتی وقت برباد کروں اور کبھی عدیل سے انتقام لینے کے لئے......؟ میں نے وہاج کو بھی دیکھا، میں نے عدیل کو بھی دیکھا، اور ماں......! اب مجھے معاف کردو۔ مجھے کسی تیسرے مرد کو نہیں آزمانا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان دونوں سے بھی خوفناک ہو، ان دونوں سے بھی زیادہ برا ہو، ان دونوں کے ہاتھوں میری جان بچ گئی، ہوسکتا ہے تیسرا مجھے ذبح ہی کردے۔''

''ہائے میرے اللہ......!''

شکیلہ خاتون خوفزدہ ہو کر جیسے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور ایک دم علینہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔
''اب چپ کر جا، بس کر، ماں کا صبر نہیں آزماتے۔ ماں ایسی باتیں برداشت نہیں کر سکتی۔ منہ بند کر اپنا۔ پتا نہیں کیا پاگلوں کی طرح بولے جا رہی ہے......؟ ماں کی ممتا کو نہیں آزماتے بیٹا......! تو ایک ہی ایک بیٹی ہے میری، میرے جگر کا ٹکڑا، میری آنکھوں کا تارا ہے۔ خبردار جو اُلٹی سیدھی باتیں میرے سامنے آئندہ بولیں۔ ٹھیک ہے، ابھی تیرا دل نہیں مانتا تو چھوڑ، میں نہیں کرتی تیرے ساتھ یہ باتیں۔ مگر آئندہ منہ سے یہ اول فول نہ نکالنا۔ ہارٹ فیل ہو جائے گا میرا۔ اللہ میری بچی کو جیتا رکھے۔ اللہ مجھے اس کی بہاریں دکھائے۔
''وہ علینہ کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر چومنے لگیں۔
''ماں ماں ہوتی ہے، عورت دوسروں کے لئے ڈائن ہو سکتی ہے، سنگدل ہو سکتی ہے، بے رحم ہو سکتی ہے، لیکن اپنی اولاد کی صرف ماں ہوتی ہے۔''
شکیلہ خاتون کا دل تو جیسے ابھی تک پَر کٹے پنچھی کی طرح پھڑ پھڑا رہا تھا۔
''ہاں اماں......! آج کے زمانے تو بچے سچ بولتے ہی نہیں۔ یہ پاگل ہیں، باقی تو سب نے جیسے منافقت کے موٹے موٹے نقابوں کے پیچھے چہرے چھپائے ہوئے ہیں۔ کوئی کچھ بھی بولتا ہے، یقین نہیں آتا، اُلجھا دیتا ہے۔ پتا نہیں سچ بول رہا ہے یا جھوٹ......؟ میرا تو دُنیا کے ہر انسان پر سے اعتبار ہی اُٹھ گیا ہے۔ بس ماں......! مجھ سے نہ کیا کرو ایسی باتیں۔''
''مجھے پتا ہے نیا نیا دُکھ ہے، تازہ زخم ہے، ابھی تجھے ہماری بات سمجھ نہیں آئے گی، لیکن میں تجھے سمجھاتی رہوں گی۔ ایک دن تو ماں کی بات سمجھ ہی لے گی۔''
علینہ گہرا سانس لے کر ماں کی طرف دیکھتی ہے جیسے زِچ ہو گئی ہو۔
''اماں......! سمجھانے سے نصیب بدل جاتے تو دُنیا میں کوئی بدنصیب نہ ہوتا۔ اماں......! آپ اپنے دل کو سمجھا لیں۔ مجھے تو آپ نہیں سمجھا سکتیں۔''
یہ کہہ کر علینہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ شکیلہ خاتون نے اپنی پیشانی پر زور سے ہاتھ مارا تھا۔
''ارے......! دل ہی تو نہیں سمجھتا۔ یہ دل تو اولاد کی خوشی مانگتا ہے۔ اس سے ہٹ کر کچھ نہیں سوچتا۔ تیری بیٹی ابھی بہت چھوٹی ہے۔ جب تیری برابر کی ہو گی تو تجھے پتا چلے گا کہ میں تجھے کیوں سمجھاتی تھی......؟''
شکیلہ خاتون اب ذرا بڑبڑانے کے انداز میں بول رہی تھیں۔ علینہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اسے پتا تھا یہ علامت ہے نہ ہی بحث۔ اس کا سرا قیامت سے بندھا ہے۔ ماں سمجھاتی رہے گی اور وہ سمجھنے سے انکار کرتی رہے گی۔

☆......☆......☆

مریم آنکھیں پھاڑے بشر علی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ عدیل

اتنی ڈھٹائی سے اس کے نانا کے سامنے سب کچھ کہہ سکتا ہے۔ اس کی تو جیسے زبان پتھر کی ہوگئی تھی۔ حرکت دینا محال تھا۔ بشر علی نے چند لمحے اس کی یہ کیفیت دیکھی پھر بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولے۔

”بیٹا......! عورت کتنی ہی مضبوط ہو جائے اور نانا کی نصیحتوں پر عمل کرتی ہوئی کتنی ہی کامیاب ہو جائے، مگر عورت ہے۔“

مریم نے اب پلکیں جھپکیں اور گہری سانس لے کر بڑی اُداسی سے مسکرائی۔

”نانا جان......! آپ نے ہی تو مجھے سکھایا ہے کہ غلط بات پر کمپرومائز نہیں کرتے، سچائی کو نہیں چھپاتے، جھوٹ پر سمجھوتے نہیں کرتے۔“

بشر علی نے مریم کی بات سن کر سر جھکا لیا۔ اپنی ہی بات سے پھرنا آسان نہیں تھا۔ لیکن وہ اپنی بات سے پھر بھی نہیں رہے تھے۔ وہ تو آج مریم کو نیا سبق پڑھانا چاہتے تھے۔ وہ سبق جو پڑھانا باقی رہ گیا تھا، اور یہ اتنی بڑی کوتاہی بن گئی تھی جو آج ان کا پانی پتہ کئے دے رہی تھی۔ وہ جیسے جھرجھری لے کر اپنے آپ کو سنبھالنے لگے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ یہ نیا سبق کن الفاظ سے شروع کریں......؟ مریم ان کی طرف دیکھے جارہی تھی۔ ان کا سر ابھی تک جھکا ہوا تھا۔ آخر انہوں نے سر اُٹھایا اور ایک مرتبہ پھر مریم کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

”بیٹا......! میری بات بہت غور سے سنو......! پھر اس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں ناں، عورت مردوں جیسے کام کر کے مرد نہیں بن جاتی۔ ہم جس ماحول میں رہتے ہیں، اس ماحول کے اپنے کچھ تقاضے ہیں۔ ہم اپنی ذات میں تبدیلی لاسکتے ہیں، لیکن ماحول میں تبدیلی ہمیشہ کسی انقلاب کے بعد آتی ہے جو میرے اور تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ بیٹا......! معافی مانگنے والے کا قد بڑا ہو جاتا ہے اور جب کوئی معافی مانگے تو اسے معاف کر دینا چاہئے۔ جو تم سے معافی مانگ رہا ہے، وہ کوئی غیر نہیں ہے، تمہارے بچے کا باپ ہے۔ کل کو یہ بچہ تم سے بہت سے سوال کرے گا اور ہوسکتا ہے زندگی کے کسی موڑ پر وہ اپنے باپ جیسی غلطی ہی کر ڈالے۔ اولاد کو تو معاف کر دو گی ناں، یا اسے یہ کہو گی کہ تم بھی اپنے باپ جیسے ہو......؟ اس لئے میں آج تمہیں بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ رہی ہوں......؟ ایک مرد جو تمہارا شوہر ہے، دوسرا مرد وہ ہوگا جو تمہارا جوان بیٹا ہوگا۔ عقل کی انتہاء یہ ہے کہ وہ آنے والے لمحوں کو بھی آج ہی اپنی مٹھی میں جکڑنے کی کوشش کرے اور دُور اندیشی سے کام لے۔ ماں کا نام بچے کے لئے قربانی کی علامت ہوتا ہے۔“

یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئے، جیسے پھر الفاظ ترتیب دے رہے ہوں، مزید کچھ کہنے کے لئے۔ مریم حیران حیران نظروں سے نانا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آج نانا بھی سب کی آوازوں کے ساتھ اپنی آواز ملا رہا تھا۔ وہ تو سوچ رہی تھی کہ اس کا نانا اسے شاباشی دے گا اور کہے گا کہ تم نے بہت اچھا کیا کہ بددیانتی کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا۔ لیکن یہ کیا......؟ یہ نانا جان کیا کہہ رہے ہیں......؟ اب وہ کیا کہے......؟ اور کہاں جائے......؟

”نانا جان تو جیسے مجھے تپتی دُھوپ میں تمام سایوں سے دُور کھڑا کر دیا ہے۔ ایک بس نانا جان پر ہی تو بھروسہ تھا کہ وہ میرا ساتھ دیں گے۔ اس ظلم اور بددیانتی پر میری ہی طرح تکلیف محسوس کریں گے۔“

وہ سوچتے سوچتے بشرعلی کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر بہت اعتماد سے گویا ہوئی۔

''نانا جان......! آپ آنے والے دنوں کے خوف سے اور آنے والی تکلیفوں سے مجھے بچانے کے لئے آج دوسروں کی طرح سوچنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ اس لئے کہ آپ دل کے مریض ہیں اور بوڑھے بھی ہیں۔ آپ کے اعصاب میں ایسی جنگیں برداشت کرنے کی سکت نہیں، لیکن میرے اندر ابھی حوصلے کی کمی نہیں۔ میں غلط بات پر کیسے کمپرومائز کروں اور کیوں......؟''

بشرعلی نے اس کی بات سنی اور بڑے شفیق انداز میں مسکرا دیئے، جیسے ان کے سامنے پچیس چھبیس سال کی مریم نہ ہو، کوئی بہت چھوٹی سی بچی ہو۔

''تمہاری اس کیوں کا جواب میں نے دے دیا ہے بیٹا......! اس لئے کہ تم میری نواسی اور فیاض احمد کی بیٹی نہیں ہو، اس وقت جو تمہارا سب سے مضبوط کردار ہے، وہ ایک ماں کا ہے۔ تمہارا بیٹا بہت چھوٹا ہے، وہ ٹوٹے ہوئے گھر کا ذمہ دار جب تمہیں ٹھہرائے گا تو یہی بات کرے گا کہ ماں، میری خاطر ایک دفعہ میرے باپ کو معاف کر کے تو دیکھتیں۔ بات یہ ہے بیٹا......! کہ سچ بولنے والی اور غلط بات کو اعلانیہ کہنے والی عورت سوسائٹی میں بہت بری سمجھی جاتی ہے۔ اس کا اندازہ تمہیں جہاں تک آتے آتے بخوبی ہو چکا ہوگا۔ تم اکیلی اس معاشرے کی ذہنی حالت میں انقلاب برپا نہیں کر سکتیں۔ میں نے تمہیں جو سکھایا، جو تمہاری تربیت کی، اس میں ایک کمی یہ رہ گئی کہ میں نے تمہیں یہ نہیں سمجھایا کہ جب تم ماں بن جاؤ گی تو اولاد کی خاطر قربانیاں دینا تمہارے اہم ترین فرائض میں سے ہوگا۔''

''نانا جان......! لیکن اس طرح سے تو برائیاں پھیلتی ہی چلی جائیں گی۔ عورتیں گھٹ گھٹ کر روتی رہیں گی اور ان کے شوہران کے دلوں سے، ان کے جذبات سے کھیلتے رہیں گے، وہ اسی طرح سسک سسک کر جیئے گی اور مر جائے گی۔''

مریم نے اس مرتبہ خاصے تلخ لہجے میں کہا تھا۔

''تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے بیٹا......! جو کچھ تم نے آج تک کیا، اس میں سے کچھ بھی غلط نہیں ہے۔ یہ بات میں اس بند کمرے میں بھی کہہ رہا ہوں۔ اگر تم چاہو گی تو میں سارے خاندان کے سامنے بھی کہنے کا حوصلہ رکھتا ہوں۔ تم کل بھی صحیح تھیں، آج بھی صحیح ہو۔ مسئلہ تمہارے صحیح اور غلط ہونے کا نہیں ہے۔ مسئلہ تمہیں اس خودغرض دُنیا کی خودغرضیوں سے بچانے کا ہے۔ سچ بولنے والے معصوم لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں مکاری نہیں ہوتی اور یہ دُنیا ایسے لوگوں کو ہمیشہ اپنے مفادات کے لئے استعمال کرتی ہے۔ کیوں ہم غیروں کو موقع دیں کہ وہ ہم سے اپنے مفادات حاصل کریں......؟ ہمارے اپنے ہم سے فیض پائیں......؟ ہماری اپنی اولادیں کیوں نہ ہم سے راحت حاصل کریں......؟ جب ہم زندگی کے کسی موڑ پر مجبوراً دوسروں کے مفادات کا تحفظ کریں گے تو ہم آج اپنوں کے مفادات کا احساس کیوں نہ کریں......؟ ابھی ہمارا معاشرہ بہت بے شعور ہے۔ ابھی یہاں پر کسی کو نہیں پتا کہ ایموشنل چیٹنگ، جذباتی دھوکہ دہی اتنا بڑا جرم ہے۔ یہاں تو اسے ابھی کھیل سمجھا جاتا ہے اور یہ سب کچھ یہاں کسی نصاب میں نہیں ہے۔ جس پر ہم یہ اُمید کرلیں کہ بہت جلد لوگوں کی سوچ میں تبدیلی آجائے گی اور لوگ جذباتی دھوکہ دہی کا بھی شعور

حاصل کرلیں گے۔"

"نانا جان! جس بندے نے دل توڑ دیا، اعتبار توڑ دیا، اس کے ساتھ زندگی گزارنا کوئی مذاق تو نہیں۔"

مریم نے بہت دل گرفتہ انداز میں نانا کو جیسے کچھ سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں تمہارا دُکھ اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ لیکن تمہارا دُکھ خدانخواستہ اس دُکھ سے بڑا نہیں ہوگا، جب تم اپنی اولاد سے یہ الزام سنو گی کہ تم نے اسے ایک ٹوٹے ہوئے گھر کا تحفہ دیا، اس کے باپ کو معاف کیوں نہ کیا......؟ وغیرہ وغیرہ۔ ایک دفعہ معاف کر کے تو دیکھو۔ یقین کرو، جو کچھ تم نے عدیل کے ساتھ کیا، وہ بہت ہے، اور دیکھو بیٹا......! وہ آزاد معاشرے کا پلا بڑھا نوجوان ہے۔ اس کے لئے راستہ بدلنا یا ابھی بھی بدلنا کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ یہاں دوسری شادی نہ کرے، انگلینڈ میں کر سکتا ہے، وہاں کی نیشنیلٹی ہے اس کے پاس۔ یہ تو تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔ اسے یقیناً تم سے دلی لگاؤ ہے کہ آج وہ مجھ سے بات کرنے چلا آیا۔ جب وہ مجھ سے یہ سب کچھ کہہ رہا تھا تو میں اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے لفظ دھڑکنوں کی طرح دھڑک رہے تھے اور میرے سینے کے اندر دھڑک رہے تھے۔ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ ایک ہوشیار، تیز، چالاک لڑکی نے انجانے میں بہت بھیانک مذاق کیا۔ تم خود ہی سوچو، ایک عورت جس نے اپنے شوہر سے طلاق نہیں لی، جس کے نان نفقے پر اپنی زندگی گزار رہی تھی، اگر وہ عدیل سے دوستی کی، تو شادی کرنے کے لئے تو نہیں کی تھی۔ اگر وہ عدیل سے شادی کرنے کے لئے دوستی کا ہاتھ بڑھاتی تو سب سے پہلے اپنے شوہر سے فراغت حاصل کرتی۔ یہ بے وقوف لڑکیاں بعض اوقات بے سوچے سمجھے اتنا آگے بڑھ جاتی ہیں کہ پھر کوئی بہت بڑا نقصان اُٹھا کر ہی ان کو ہوش آتا ہے۔ بس، اب تم عدیل کو معاف کر دو بیٹا......! اگر ہم معاف کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے تو کم از کم اس وقت ضرور معاف کر دینا چاہئے جب کوئی سچ مچ معافی مانگنے ہمارے سامنے آکر کھڑا ہو جائے۔ اپنے بیٹے کے باپ کو معاف کر دو، میرے کہنے سے معاف کر دو، اور بیٹا......! میں تمہارے سامنے کھلے دل سے، بڑے حوصلے سے اپنی ایک غلطی کا اعتراف ضرور کروں گا۔"

مریم نے حیران ہو کر بشر علی کی طرح دیکھا۔

"آپ نے کیا غلطی کی ہے......؟"

"اس خاندان میں سب سے بڑی غلطی میں نے ہی تو کی ہے۔ میں نے تمہیں مردوں کی طرح جینا تو سکھا دیا مگر یہ بھول گیا کہ مردوں کی طرح جینے سے کوئی عورت مرد نہیں بن جاتی۔ مرد کے حصے میں اس معاشرے کی طرف سے بڑی رعائتیں آتی ہیں لیکن عورت کے لئے کوئی رعایت نہیں۔ میں نے اس کے لئے تمہیں تیار نہیں کیا۔ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے۔"

مریم ہکا بکا بشر علی کی شکل دیکھنے لگی۔ بشر علی مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھے اور بولے۔

"بیٹا......! میں یہ نہیں کہتا کہ تم اس کمرے سے نکلتے ہی عدیل کے پاس جاؤ اور اسے معاف کرنے کا اعلان کر دو۔ میں یہ چاہوں گا کہ میں نے جو کچھ تم سے کہا ہے، اس پر غور کرنا۔ جب میرا ایک ایک لفظ تمہاری روح کے اندر، تمہارے دل کے اندر اُتر جائے اور ایک سنسنی سی تمہارے وجود میں پیدا میں کر دے، جب میرا ایک ایک

حرف تمہیں اتنا ہی سچا لگے جتنی سچی تم خود اپنے آپ کو سمجھتی ہو تو پھر تم مسکراتی ہوئی عدیل کے پاس جانا۔ اس سے کہنا کہ وہ دُنیا میں اس کے لئے سب سے اہم ہے، کیونکہ وہ اس کے بچے کا باپ ہے۔''

بشر علی بول رہے تھے اور مریم گم سم، کھوئی کھوئی کیفیت میں ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بشر علی کے ہر جملے میں اتنی قوت تھی کہ وہ ہتھوڑے کی طرح اس کے اعصاب پر برسا تھا۔ وہ سحر زدہ سے کیفیت میں اور بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ بشر علی اس کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے، لیکن وہ اس کی خاموشی سے اندازہ ضرور لگا چکے تھے کہ وہ ہتھیار پھینک کر کچھ غور تو کر رہی ہے۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم ایک صدمے کی کیفیت میں جیسے بات کرنا بھولی ہوئی تھیں۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر ڈاکٹر کی طرف دیکھے جا رہی تھیں جس کے ہاتھ میں انعم کی ٹیسٹ رپورٹ تھی۔ ڈاکٹر بہت سنجیدگی اور تاسف سے کہہ رہا تھا۔

''بیگم صاحبہ......! آج کل کینسر کا علاج ہو جاتا ہے، لیکن ابھی کچھ اور ٹیسٹ ہوں گے جس سے یہ پتا چلایا جائے گا کہ کینسر اس وقت کس اسٹیج پر ہے......؟''

''لیکن وہ کچھ دن پہلے تک تو بالکل ٹھیک اور نارمل تھی۔ یہ وومٹنگ کا سلسلہ تو کچھ دن پہلے ہی شروع ہوا ہے ڈاکٹر......!''

سلمٰی بیگم جیسے خود کو سمجھانے کی کوشش میں ڈاکٹر سے بات کر رہی تھیں۔

''جی بیگم صاحبہ......! اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو کینسر کا پتا اس وقت چلتا ہے جب مریض اس مرض سے جنگ کرنے کی سکت ہی کھو چکا ہوتا ہے۔ میرا مطلب ہے، آخری مرحلے پر آ جاتا ہے۔''

ڈاکٹر نے اسی طرح سنجیدگی اور اُداسی کی کیفیت میں جواب دیا۔

''تو ایسا کیوں ہوتا ہے......؟ کوئی بھی بیماری ہوتی ہے تو اس کی شروع میں کچھ علامات تو ظاہر ہوتی ہیں۔ اسے تو کچھ بھی نہیں تھا۔ سب کچھ کھا رہی تھی، پی رہی تھی، چلتی تھی، پھرتی تھی۔''

''جی بیگم صاحبہ......! یہ مرض بہت عجیب و غریب ہے۔ اس لئے اس کے نام سے ہی انسان خوف کھاتا ہے۔ ہم تو یہاں ہاسپٹل میں بیٹھے ہیں۔ دن رات ایسے ہی تجربات سے گزر رہے ہیں۔ لیکن آپ مایوس نہ ہوں۔ انعم کے جو ٹیسٹ لکھے تھے، وہ آج ہو جائیں گے اور انشاء اللہ تعالٰی کوئی نہ کوئی ایسا راستہ نکل آئے گا کہ اس کا پراپر علاج شروع ہو سکے۔ ٹیسٹ رپورٹ آنے کے بعد ہی ہم یہ فیصلہ کریں گے کہ آپ اس کو کینسر ہاسپٹل ایڈمٹ کرا دیں۔''

ڈاکٹر کہہ رہا تھا اور سلمٰی بیگم کو یوں لگ رہا تھا جیسے ان کے جسم سے روح آہستہ آہستہ نکل رہی ہو۔ ان کی ٹانگیں تقریباً بے جان ہو چکی تھیں اور ان کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ بھیانک خبر وہ انعم کو کیسے سنائیں گی......؟

''انعم پڑھی لکھی لڑکی ہے، کب تک چھپا سکتے ہیں......؟ جب اسے کینسر ہاسپٹل میں ایڈمٹ کیا جائے گا تو کیا اسے پتا نہیں چلے گا......؟''

بُری عورت 420 حصّہ دوئم

’’بیگم صاحبہ......! حوصلے سے کام لیجئے اور اللہ کا شکر ادا کیجئے کہ آپ صحت مند ہیں۔ جس آزمائش سے آپ کی بیٹی گزر رہی ہے، اللہ میاں آپ کو اس سے محفوظ رکھے، اور اب آپ شکر گزاری کے طور پر ہمت اور حوصلے سے اس کا علاج کرائیں اور دُعا کریں کہ اللہ اسے اس خوفناک مرض سے نجات دے۔ آج کل ہر مرض کا علاج ہو جاتا ہے سوائے موت کے اور موت تو بستر پر لیٹے لیٹے بھی آجاتی ہے۔ موت کا نہ وقت مقرر ہے نہ عمر۔ آپ حوصلے سے کام لیجئے۔‘‘

ڈاکٹر کو بخوبی اندازہ تھا کہ اس وقت ایک ماں کتنی بری روحانی اذیت سے گزر رہی ہے۔ وہ اپنے اندازِ مسیحائی سے ان کو وہ قوت دے رہا تھا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائیں اور اپنی بیٹی کے لئے بلکہ اپنی بیٹی کی جان بچانے کے لئے بھاگ دوڑ کریں، ہر وسیلہ بروئے کار لائیں۔ ڈاکٹر کی بات میں اتنا اثر تو تھا کہ سلمٰی بیگم نے پوری توانائی سمیٹ کر کہا۔

’’ڈاکٹر......! مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ اپنے شوہر کو فون کر کے بلاتی ہوں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ یا اللہ......! میں کیا کروں......؟ کہاں جاؤں......؟ مجھے تو اپنے سامنے گھپ اندھیرا دکھائی دے رہا ہے۔ میں فیاض کو بلاتی ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے ہی کچھ ہو جائے۔‘‘

وہ کانپتے ہاتھوں سے اپنا بیگ کھول کر موبائل نکالنے لگی۔

☆......☆......☆

ناصر حسین نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ آج ہی کی تاریخ میں کراچی جائے گا۔ فیاض احمد اور سلمٰی بیگم سے حتمی بات چیت کرے گا۔ طلاق کے پیپرز وہیں تیار کرائے گا اور بیہ کو ساتھ لے کر واپس آجائے گا۔ جتنے دن وہ کراچی میں رُکے گا، اتنے دن اس کا قیام کسی ہوٹل میں رہے گا اور طلاق کے کاغذات کی تیاری مکمل ہوتے ہی وہ اس شہر کو چھوڑ دے گا۔ وہ شہر جہاں ہر گزرتے شخص پر یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ اسے دیکھ کر رُکے گا اور اُنگلی اُٹھا اُٹھا کر اشارہ کرے گا، اور چاروں طرف سے تمسخرانہ قہقہوں کی بازگشت اس کے اعصاب کو چُور چُور کر دے گی۔ اس نے کراچی روانگی کا ہر مرحلہ بہت خاموشی سے طے کیا۔ حتیٰ کہ اس نے سلمٰی بیگم کو فون کر کے بتانے کا یہ تکلف بھی نہیں کیا کہ میں کراچی آ رہا ہوں۔

☆......☆......☆

سلمٰی بیگم اور فیاض احمد دونوں ہاسپٹل میں ہی تھے، اور اب وہ انعم کو لے کر کینسر ہاسپٹل جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اُدھر ناصر نے فیاض احمد کے گھر میں قدم رکھا تھا۔ انعم ہاسپٹل میں ہی تھی کہ حفظ ماتقدم کے تحت ڈاکٹرز نے علاج کا ابتدائی مرحلہ بھی شروع کر دیا تھا۔ سلمٰی بیگم اور فیاض احمد نے ابھی یہ بری خبر سب سے چھپائی ہوئی تھی۔ [illegible] سے بھی۔ بلکہ ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ وہ کینسر ہاسپٹل شفٹ ہونے سے پہلے پہلے انعم کی برین واشنگ ضرور کر

دیں۔ کیونکہ مریض کے اچھا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر صحت یاب ہونے کی اُمنگ بھی ہو۔ مگر دونوں میاں بیوی کا حوصلہ نہیں پڑ رہا تھا کہ وہ کس طرح انعم کو اس دل خراش حقیقت سے آگاہ کریں۔ تب سلمیٰ بیگم کو یہی بات سمجھ میں آئی کہ کسی طرح مریم کو اس کے بارے میں بتا کر یہ فریضہ اس کے ذمے لگا دیں۔ مریم ہاسپٹل تو آگئی تھی لیکن اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ انعم کے ساتھ کیا مسئلہ ہے......؟ اور اس کی ماں نے اسے فی الفور ہاسپٹل پہنچنے کے لئے کیوں کہا ہے......؟ مریم گرتی پڑتی ہاسپٹل پہنچی تھی اور وہاں پہنچ کر جب اسے یہ دل خراش اور روح فرسا خبر ملی تو وہ جیسے سب کچھ بھول گئی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ انعم اتنی تیز رفتاری سے زندگی کے بہت سے مرحلے طے کرتی ہوئی موت سے ملنے کے لئے جا کھڑی ہوئی ہے۔ سلمیٰ بیگم نے گہری سانس لے کر اسے مزید مطلع کیا کہ انعم، بیہ کو لے کر آئی تھی۔ اس لئے کہ وہ یقین کر بیٹھی تھی کہ اس مرتبہ ناصر اسے اُجالا کی خاطر ہر صورت طلاق دے دے گا، اور فرح کا فون آیا ہے کہ ناصر بیہ کو لینے کراچی پہنچ چکا ہے اور ہمارا انتظار کر رہا ہے۔

''لیکن امی......! آپ ناصر کو بتائیں کہ اس وقت انعم کو اس کی بیٹی سے دُور کرنا بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ زندگی کی بازی جیتنے کی جدو جہد شروع کرے، لیکن بیٹی سے دُوری کی خبر اسے پھر توڑ ڈالے۔''

''ہاں ہاں......! میں گھر جارہی ہوں۔ تمہارے بابا ڈاکٹر سے بات کر رہے ہیں۔ انعم کو کینسر ہاسپٹل ایڈمٹ کرانے کی تیاری ہو رہی ہے۔ میں ناصر سے جا کر بات کرتی ہوں۔ تم پریشان نہ ہو۔ خود بھی ہمت سے کام لو اور انعم کو بھی ہمت دلاؤ۔ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں، آج کل کینسر کا علاج ناممکن نہیں رہا۔ روزانہ بہت سے مریض صحت یاب ہو کر زندگی کی طرف لوٹ رہے ہیں۔''

سلمیٰ بیگم نے شکستہ سی آواز میں پریشان حال کھڑی بیٹی کو حوصلہ دینے کی کوشش کی۔

''اللہ کرے امی......! اللہ ایسا ہی کرے۔ بس آپ ناصر سے کہیں، اس وقت وہ بیہ لے کر نہ جائے اور اسے یہ بھی بتا دیں کہ طلاق دینے کی بھی زحمت نہ کرے، کیا خبر......''

مریم کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔ سلمیٰ بیگم نے دہل کر مریم کی طرف دیکھا تھا اور اس کے کندھے پر دلاسہ دینے کے انداز میں ہاتھ رکھ دیا تھا۔

☆......☆......☆

ناصر حسین، بیہ سے باتیں کر رہا تھا۔ فرح اس کی آؤ بھگت میں لگی ہوئی تھی لیکن ناصر کے چہرے پر جیسے سرد مہری نے ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔ اس پر فرح کی آؤ بھگت اور خوش اخلاقی کا ذرّہ برابر اثر دکھائی نہ دیتا تھا۔

''وہ فرح بھابی......! آنٹی کب تک آجائیں گی......؟''

''ناصر......! ابھی آپ کو آئے ہوئی دیر ہی کتنی گزری ہے......؟ آپ کو بتایا ہے ناں کہ انعم ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے۔ امی اسے لے کر گئیں تھیں، بعد میں بابا کو بھی بلوالیا۔ پتا نہیں کیا مسئلہ ہے......؟ میں نے امی سے بہت پوچھا، لیکن انہوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا، لیکن ان کی آواز سے مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بہت زیادہ پریشان ہیں۔''

ناصر نے فرح کی بات سنی، پھر چند لمحوں کے لئے سوچ میں پڑ گیا، پھر نظریں اُٹھا کر بیٹی کی طرف دیکھا۔

''اب یہ دُکھ بیماری تو انسان کی زندگی کے ساتھ ساتھ ہیں۔ میں بیہ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔''

''ناصر......! آپ تھوڑا سا صبر سے کام لیں بلکہ ذہن سے کام لیں۔ امی اور بابا کے آنے کا انتظار کر لیں۔ وہ بس آتے ہی ہوں گے۔ امی بتا رہی تھیں کہ انہوں نے مریم کو بلوایا ہے کہ وہ انعم کے پاس ٹھہرے اور وہ دونوں گھر آ رہے ہیں۔ میں نے آپ کے آنے کا انہیں بتا دیا ہے۔ انہیں تو خود آپ سے ملنے کی جلدی ہوگی۔''

ناصر جو بہت بھرا ہوا اس گھر میں داخل ہوا تھا، یہاں کی صورتِ حال دیکھ کر اسے اپنا موڈ بدلنا پڑا۔ فی الحال اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح ری ایکٹ کرے......؟ اور اپنے حساب سے اپنے سابقہ سسرالیوں کے ساتھ کس انداز میں بات کرے......؟

''آپ تھوڑا ریسٹ کر لیجئے۔ پتا نہیں آپ کب سے بے آرام ہوں گے......؟''

فرح نے اپنی دانست میں اس کا دل نرمانے کی ایک چھوٹی سی کوشش کی۔ ناصر نے اپنی سپاٹ نظریں فرح کے چہرے پر جمائیں پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا۔

''بھابی......! آپ میرے آرام کی فکر نہ کریں۔ میں نے اپنی بچی کو دیکھ لیا ہے، اب مجھے آرام ہی آرام ہے۔ بہر حال انعم کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اس نے کچھ اچھا نہیں کیا۔''

''اب چھوڑیں بھی ناصر......! وہ تو اس وقت ہاسپٹل میں لیٹی ہے۔ اب کچھ نہیں پتا کہ اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے......؟ لیکن خبر یہ ہے کہ اسے ایڈمٹ کر لیا گیا ہے۔''

ناصر نے فرح کی یہ بات سنی تو اپنی طرف سے خود کو مزید کچھ کہنے سے روک لیا۔ یوں بھی وہ اس وقت شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھا۔ ایک سوچ اُجالا کی جانب جاتی تھی اور دوسری انعم کی طرف۔ اس نے بے بسی کی کیفیت میں جیسے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کو اس حال میں دیکھ کر فرح بھی خاموش سی ہوگئی۔ اسے یوں لگا کہ اب مزید بات کرنا فضول ہے۔ اسے سلمیٰ بیگم کے آنے کا انتظار کرنا چاہئے۔ وہ چپ چاپ ناصر کے سامنے سے اُٹھ کر اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔ بیہ، ناصر کے سینے سے لگی کہہ رہی تھی۔

''پاپا......! ماما کو بہت ساری وومٹنگ ہو رہی تھی۔ پاپا......! ماما ہاسپٹل سے کب آئیں گی......؟''

اور ناصر کو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے بیہ نے مزید کچھ سوالات کئے تو اس کے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔

☆......☆......☆

''مریم......! امی بتا رہی تھیں کہ وہ اور بابا مجھے لاہور لے کر جا رہے ہیں۔ یہاں کراچی میں تو ایک سے ایک اچھا ہاسپٹل موجود ہے۔ پھر امی بابا مجھے لاہور کیوں لے جا رہے ہیں......؟ وہاں ایسی کون سی مشینیں ہیں جو چھو منتر سے مجھے بستر سے اُٹھا کر کھڑا کر دیں گی......؟''

انعم بہت کمزور اور نڈھال انداز میں مریم سے بات کر رہی تھی اور مریم کے دل پر جیسے چھریاں چل رہی تھیں۔ ماں تو یہ کہہ کر گئی تھی کہ وہ انعم کو سمجھائے اور آہستہ آہستہ اس کا ذہن بنائے تا کہ وہ حقیقت کو برداشت کرنے کی ہمت کر سکے۔ لیکن جیسے ہی وہ منہ کھولتی تھی، اس کی قوتِ گویائی جیسے جواب دے جاتی تھی۔ وہ بڑی بے بسی سے انعم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے انعم کو ناصر کی آمد کا ابھی تک نہیں بتایا تھا بلکہ جو بتانے کی بات تھی، ابھی تو وہ بات بتانے کا بھی حوصلہ نہیں تھا۔

''مریم......! تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو......؟ یوں لگ رہا ہے کہ جیسے تمہیں ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آخری ملاقات کرلو۔''

مریم نے ایک ہاتھ بڑھایا اور انعم کے منہ پر رکھ دیا۔ اس کا دل جیسے سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگا تھا۔

''خدا کے واسطے انعم......! ہاسپٹل کے بیڈ پر لیٹ کر اس طرح کی باتیں نہ کرو۔ ہم پر رحم کرو۔''

مریم نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں کہا تھا۔ اس وقت وہ سب کچھ بھلا کر صرف اور صرف انعم کی ہو کر بیٹھی تھی۔ سب کچھ بھول چکی تھی۔ اپنے زخم، سارے دُکھ، اظفر کمال کے مسئلے، اپنا بیٹا، وہ تو بس بڑی بے قراری سے انعم کی طرف یوں دیکھے جا رہی تھی جیسے آج اسے جی بھر کے دیکھ لینا چاہ رہی ہو۔

''پتا نہیں کیوں مریم......! مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے میں توانائی کھو رہی ہوں......؟ میرے ہاتھ پاؤں آہستہ آہستہ بے جان ہو رہے ہیں......؟ پتا نہیں کیوں مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں بہت عرصے تک بستر سے نہیں اُٹھ پاؤں گی......؟''

انعم بول رہی تھی اور مریم کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ انعم کو کیسے بتایا جائے......؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔

''تم کیا سوچنے لگیں مریم......؟ میری باتوں کا جواب کیوں نہیں دیتیں......؟ تم کیوں مجھے اس طرح دیکھے جا رہی ہو......؟ مجھے تو تمہارے اس طرح دیکھنے سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔''

یہ کہہ کر انعم نے نڈھال انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔ مگر فوراً ہی اسے ابکائیاں آنے لگیں۔ یوں لگا جیسے وہ اب وومیٹ کر ڈالے گی۔ مریم ایک دم ڈاکٹر کو بلانے کے لئے دوڑی تھی۔ انعم کی ابکائیوں کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔

☆......☆......☆

فیاض احمد تو بہت حوصلہ دکھا رہے تھے لیکن سلمٰی بیگم، ناصر کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں اور ناصر ہکا بکا پلکیں جھپکائے بغیر ایک ٹک ان کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں انتہائی بے یقینی کی کیفیت تھی۔ وہ کیا کچھ سوچ کر آیا تھا، کیا کچھ کہنا چاہتا تھا، کون کون سے فیصلے سنانے کا تہیہ کر بیٹھا تھا......؟ سب کچھ جیسے اس کے ذہن سے یوں اُڑ گیا تھا جیسے تیز آندھی میں خاک۔ سلمٰی بیگم روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''ناصر......! بس ہم تم سے اتنی اِلتجاء کرتے ہیں کہ اس وقت بیہ کو انعم سے دُور نہ کرو۔ پتا نہیں وہ کتنے دن

کی مہمان ہے......؟ ڈاکٹر بہت دلاسے، تسلیاں دے رہے ہیں، لیکن کینسر کا نام ہی اتنا خوفناک ہے کہ انسان یہ نام سننے کے بعد اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے۔ مجھے ڈاکٹروں کی بات پر اعتبار نہیں۔ میں اپنی بچی کو لحہ بہ لحہ موت سے گلے ملنے کے لئے بے تاب دیکھ رہی ہوں۔''

فیاض احمد نے ہاتھ بڑھا کر سلمٰی بیگم کی کمر پر ہاتھ رکھ دیا جیسے تسلی دے رہے ہوں۔ وہ خود اس حد تک ٹوٹ چکے تھے کہ بات کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ ناصر کو تو ان دونوں پر جیسے رحم آنے لگا تھا۔ یہاں تک تو اس کی سوچ نے بھی کبھی اُڑان ہی نہیں بھری تھی۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ زندگی میں کچھ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ دیوانوں کی طرح سلمٰی بیگم کی طرف اور کبھی فیاض احمد کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ سلمٰی بیگم روتے ہوئے بولیں۔

''مجھے انعم نے بتایا تھا کہ تمہاری دوسری بیوی کی ماں انعم کو طلاق دینے کا مطالبہ کر رہی ہے اور وہ اپنی بیٹی کو ساتھ لے گئیں ہیں۔ بیٹا......! وہ تم سے طلاق کے کاغذات مانگ رہی ہے۔ ثبوت چاہتی ہے کہ تم انعم کو طلاق دے چکے ہو۔ میری مانو تو میرا بیٹا......! انعم کے ساری میڈیکل رپورٹس لے جاؤ۔ میرے خیال میں وہ طلاق کے کاغذات سے زیادہ مؤثر ہوں گی۔ جب اس عورت کو پتا چلے گا کہ انعم، ناصر کا گھر ہی نہیں، اس دُنیا کو ہی چھوڑ دینے کے درپے ہو چکی ہے تو مجھے اُمید ہے کہ وہ پھر تمہیں پریشان نہیں کرے گی اور اپنے مطالبے سے دستبردار بھی ہو جائے گی۔''

سلمٰی بیگم بلک بلک کر بچوں کی طرح روتے ہوئے ناصر سے کہہ رہی تھیں اور درحقیقت ان کے الفاظ نے ناصر پر جادو کا سا اثر کیا تھا۔ کیونکہ وہ فطرتاً ایک بامروّت اور نرم دل انسان تھا، اور لفظ ''موت'' اپنے اندر بڑا اثر رکھتا ہے۔ اس ایک لفظ پر بہت ساری تبدیلیاں آناً فاناً ہو جاتی ہیں۔ خاندانی دُشمنیاں پس پشت چلی جاتی ہیں۔ برسوں کے بچھڑے ہوئے ماتم کے لئے اکھٹے ہو جاتے ہیں۔ سالوں کی ناراضگیاں دُھواں بن کر اُڑ جاتی ہیں جیسے کہ انسان اکٹھا بیٹھنے کے لئے کسی مرگِ ناگہانی کا ہی انتظار کر رہے تھے۔ وہ لب بستہ خاموش بیٹھا تھا۔ اس کے اندر تو اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ وہ سلمٰی بیگم کی انسانیت کے ناطے دل جوئی کرتا۔ کوئی ایک ایسا لفظ بول دیتا جس سے انسانیت کی شرم رہ جاتی۔ وہ تو بات کرنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔ اس کے تو اعصاب کے پرخچے اُڑ گئے تھے۔ انتہائی ناقابلِ یقین واقعہ تھا۔ سلمٰی بیگم اب کچھ نہیں کہہ رہی تھیں۔ ان کی سسکیوں میں اتنی روانی اور قوت تھی کہ لفظ راستہ ڈھونڈ رہے تھے اور ہر راستہ بند مل رہا تھا۔ فیاض اپنی بیوی کا یوں تڑپ تڑپ کر رونا جس طرح برداشت کر رہے تھے، وہ ان کا دل ہی جانتا تھا۔

☆......☆......☆

رات دو بجے سلمٰی بیگم اور فیاض احمد انعم کو لے کر لاہور روانہ ہوئے تو اس وقت ناصر حسین کراچی میں ہی موجود تھا۔ سلمٰی بیگم نے چلنے سے پہلے ناصر حسین سے فون پر وعدہ لیا کہ وہ گزرے ہوئے تمام دنوں کا کچھ احساس کرتے ہوئے بس ایک مہربانی کرے کہ جب انعم، بیبہ کو بلائے تو وہ اسے لے کر لاہور آجائے۔ اسلام آباد سے لاہور آنا کچھ ایسا دُشوار نہیں۔ اگر انعم کو اللہ نے نئی زندگی دی تو وہ دوبارہ ناصر کو آزمانے کے لئے اسے لے کر اسلام آباد

نہیں آئیں گی اور جو بھی نصیب کی ذِلتیں ہیں، ان کو سہنے کی کوشش کرے گی۔ اب اس سے رحم کی بھیک نہیں مانگے گی۔ ناصر تو ان کے لاہور روانہ ہوتے ہی بیہ کو لے کر اسلام آباد کے لئے ایئر پورٹ کی طرف چل پڑا تھا، کیونکہ اب اسے اُجالا کو گھر لانے کی بڑی تڑپ تھی۔ وہ اُجالا سے سب کچھ شیئر کرنا چاہتا تھا۔ اس کو بتانا چاہتا تھا کہ قدرت نے اس کے راستے صاف کر دیئے ہیں۔ اب کوئی انعم اس کے دل میں اندیشے جگانے نہیں آئے گی۔ بیہ سارے راستے اپنی ماں کا پوچھتی رہی۔ بار بار یقین دہانی چاہتی رہی کہ اس کی ماں بہت جلد اسلام آباد واپس آجائے گی۔ ناصر کے پاس الفاظ تو بہت تھے مگر زبان بولنے کی قوت سے محروم ہو چکی تھی۔ اسے خود پر گونگا ہونے کا گمان گزرنے لگا تھا۔ وہ ابھی تک سکتے کی کیفیت میں تھا۔ اس کے اعصاب جیسے برف کے تلے دبے ہوئے تھے۔ اسے جیسے پتا ہی نہ چلا، کب وہ جہاز میں بیٹھا، بیہ نے اس سے کیا کیا پوچھا، کتنی باتیں کیں، اور کب وہ اسلام آباد ائیر پورٹ پر اُتر گیا۔

☆......☆......☆

مریم، فیاض احمد، سلمٰی بیگم اور انعم کو لاہور رُخصت کرنے کے لئے ایئر پورٹ تک گئی تھی۔ سلمٰی بیگم نے اسے بتا دیا تھا کہ ناصر گھر آیا ہوا ہے۔ لیکن سلمٰی بیگم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ناصر ان کے لاہور روانہ ہونے سے پہلے ہی اسلام آباد کے لئے فلائی کر چکا ہے۔ انہیں تو اس وقت صرف اور صرف اتنا ہوش تھا کہ کسی طرح وہ لاہور پہنچ جائیں اور انعم کا علاج شروع ہو۔ کیا ہوتی ہے ماں، اولاد کی تکلیف دیکھ کر بھی کچھ بھول جاتی ہے۔ یہی وہ اولاد تھی جس نے انہیں آٹھ آٹھ آنسو رُلائے اور ان کی اور ان کے خاندان کی سالہا سال کی محنت پل بھر میں دُھول کی طرح اُڑا کر رکھ دی تھی۔ مریم ماں سے یہ سن کر کے ناصر کراچی آیا ہوا ہے اور وہ گھر پر ہے، اپنے گھر جانے کی بجائے وہ سیدھی باپ کے گھر پہنچی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ناصر کو اس وقت موم کرنا بہت آسان ہوگا۔ پتا نہیں انعم کی زندگی کتنی ہے......؟ لیکن کیا ہی اچھا ہو کہ اس کے ضمیر سے ایک بوجھ اُتر جائے اور ناصر سے پوری سچائیوں کے ساتھ معافی مانگ لے۔ آخر بہن تھی اور بہن کو موت کے دروازے پر دستک دیتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اس وقت تو وہ سر سے پاؤں تک دُعا بنی ہوئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ شاید قدرت انعم کو معاف کر دینا چاہتی ہو۔ شاید انعم کا تنہائی میں کوئی بہایا ہوا آنسو اس کی نجات کا راستہ بن گیا ہو، اور قدرت کو اس پر رحم آ گیا ہو۔ وہ بڑی تیزی سے اندر داخل ہوئی تھی۔ فرح سامنے ہی مل گئی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کے خالی کپ تھے۔ وہ مریم کو تیزی سے اندر آتا دیکھ کر اپنی جگہ پر وہیں رُک گئی۔ اس کے روئیں روئیں سے صدا آئی کہ اللہ رحم کرے، مریم اتنی جلدی میں کیوں دکھائی دے رہی ہے......؟ خود سے کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہ تھا۔ بس سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ مریم نے فرح کو سلام کیا اور فوراً ہی ناصر کا پوچھا۔ فرح نے ایک گہری سانس لی۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلنے لگی۔

''وہ تو بیہ کو لے کر چلے گئے ہیں۔''

فرح نے کہا تھا۔

''ہیں......؟''

مریم کے سر پر جیسے آسمان ٹوٹ پڑا۔ ناصر کا اس طرح سے چلے جانا، اس کے باوجود کہ اس کو سب کچھ بتا دیا گیا تھا، مایوس کر دینے کے لئے بہت تھا۔ غبارے سے جیسے ساری ہوا ہی نکل گئی۔ وہ گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ناصر کب گئے......؟"

اس نے بڑی کمزور سے آواز میں پوچھا۔ فرح اس کی حالت کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔ مگر کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"وہ تو امی بابا کے ائیر پورٹ جانے سے کافی پہلے گھر سے نکل گئے تھے اور وہ بیبہ کو بھی ساتھ لے گئے ہیں۔"

فرح نے بتایا۔

"اوہ......!"

مریم کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ظاہری بات ہے، وہ اپنی بیٹی کو لینے ہی آیا ہوگا۔"

فرح نے نظریں چراتے ہوئے مریم سے کہا تھا۔ مریم کے اندر ایک بے قراری سی نئے سرے سے جاگ پڑی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آئی تو خالی خالی نظروں سے فرح کی طرف دیکھنے لگی۔

"خیریت تو ہے مریم......؟ ناصر کو کیا کہنا چاہتی تھیں......؟ فون پر بات کر لینا۔"

مریم، فرح کی طرف دیکھنے لگی جیسے اس کے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا ہو۔ فرح کو اس کی حالت دیکھ کر جیسے ترس سا آ گیا۔

"تمہارے لئے چائے لاؤں مریم......؟"

مریم نے بولنے کی بجائے سر کے اشارے سے انکار کر دیا۔

"بتاؤ، بیٹھے بیٹھے یہ کیا ہو گیا......؟ مجھے تو خود یقین نہیں آ رہا۔ دن میں دس مرتبہ زینہ اُترنا چڑھنا، باہر کا چکر، اتنی ایکٹو انعم دیکھتے ہی دیکھتے بستر پر لیٹ گئی......؟"

مریم نے فرح کی طرف دیکھا اور بمشکل گویا ہوئی۔

"ہاں بھابی......! لگتا ہے شاید اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی ہے۔ شاید وہ اذیتوں اور تکلیفوں سے گزر کر پاک ہو جائے۔ بخشش تو اللہ کے ہی ہاتھ میں ہے ناں......!"

فرح نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر مریم کی طرف دیکھا مگر کچھ بولی نہیں۔

"بھابی......! ناصر سے ملاقات ہو جاتی تو اچھا ہو جاتا۔ اگر صرف ناصر ایک مرتبہ اس کے سامنے جا کر کہہ دیتا کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا تو شاید اس کے لئے مرنا بہت آسان ہو جاتا۔"

بولتے بولتے مریم کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ فرح نے آگے بڑھ کر مریم کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''مریم......! اب کینسر کی موت کی علامت نہیں ہے۔ اتنا آگے جا کر مت سوچو۔ دیکھو، وہ کینسر ہاسپٹل میں علاج کے لئے گئی ہے ناں، کیا خبر دو چار دن میں کوئی اُمید بھری خبر آ جائے۔''

مریم نے ہاں کے انداز میں گردن ہلائی۔ حلق میں آنسوؤں کے پھندے لگ رہے تھے، بولنا محال تھا۔

☆......☆......☆

''مہرو......! میری ناصر سے بات کراؤ۔ میں دو گھنٹے سے ٹرائی کر رہی ہوں، فون بند مل رہا ہے۔ ماما دو دن کے لیے دُبئی گئی ہیں۔ میں نے بڑی مشکل سے فون کرنے کا موقع نکالا ہے۔''

اُجالا بڑی عجلت کے انداز میں فون پر مہرو سے بات کر رہی تھی۔

''بیگم صاحبہ......! ناصر صاحب تو کراچی گئے ہوئے ہیں۔''

مہرو نے جواب دیا۔

''کراچی......؟''

اُجالا ہکا بکا ہو کر پوچھ رہی تھی۔ ہر چیز جیسے دائروں میں ناچ رہی تھی۔ کسی چیز کو استحکام نہیں تھا۔

''ناصر کراچی اکیلے گئے ہیں......؟''

اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''بیگم صاحبہ......! پہلے وہ بڑی بیگم صاحبہ، میرا مطلب ہے کہ وہ پہلے والی بڑی بیگم صاحبہ، بیہ کو لے کراچی چلی گئی تھیں۔ وہ ان کے پیچھے پیچھے گئے ہیں، وہ بہت پریشان تھے۔''

مہرو نے بھی محتاط انداز میں جواب دیا۔

''انعم، بیہ کو لے کر کراچی چلی گئی تھی......؟''

اُجالا کو کچھ سمجھ نہیں آیا۔

''جی بیگم صاحبہ......! ناصر صاحب بہت پریشان تھے۔ آفس بھی نہیں گئے تھے۔ بس پھر ایک دم سے اُٹھے اور مجھے کہا کہ وہ کراچی جا رہے ہیں۔''

مہرو نے بتایا۔

''ظاہری بات ہے، انعم کو یہ حرکت نہیں کرنی چاہئے تھی۔ وہ بیہ کو لے کر گئی تھی۔ کم از کم ناصر کو تو بتانا چاہئے تھا۔ ناصر تو ویسے ہی پیشنٹ ہیں۔ وہ اس طرح کا Shock برداشت نہیں کر سکتے۔ شکر ہے کہ کچھ ہوا نہیں۔''

اُجالا اُلجھی اُلجھی کیفیت میں مہرو سے بات کر رہی تھی۔

''جی بیگم صاحبہ......! میرے تو خود ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے تھے۔ پاؤں تلے زمین سرک گئی تھی۔ میں سوچ رہی تھی، اب تو گھر میں آپ بھی نہیں ہیں۔ خدانخواستہ ناصر صاحب کو کچھ ہو نہ جائے۔''

''ٹھیک ہے مہرو......! میں بعد میں بات کروں گی۔ میں تو چاہ رہی ہوں کہ اُڑ کر گھر واپس پہنچ جاؤں، مگر

ماما باہر پہرے دار بٹھا گئی ہیں۔ میں گیٹ پار نہیں کر سکتی۔ میں اس وقت بہت مجبور ہوں۔ لیکن اگر ناصر کا فون آئے تو ان کو بتا دینا کہ میں نے حوصلہ نہیں ہارا ہے۔ جیسے ہی مجھے موقع ملا، میں ان کے پاس چلی آؤں گی۔"

اُجالا بہت دلسوزی سے کہہ رہی تھی۔ بولتے بولتے اس کی آواز پر آنسوؤں کا تاثر غالب آ گیا تھا۔

"جی بی بی جی......! آپ گھر کی فکر نہ کریں۔ میں سنبھال رہی ہوں۔"

"پتا نہیں ناصر کب آئیں گے......؟"

اُجالا خود کلامی کی کیفیت میں بولی۔

"جی بیگم صاحبہ......! ابھی کوئی اطلاع آئی تو نہیں۔ اللہ رحم کرے، مگر آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ جلدی آ جائیں گے اور مجھے یقین ہے کہ وہ بیبہ کو ساتھ لے کر ہی آئیں گے۔ وہ گئے ہی اسی لئے ہیں۔"

مہرو کہہ رہی تھی۔

"ہاں ہاں......! ٹھیک ہے......! میں پھر فون کروں گی۔ یہ میں اپنے ایک نوکر کے فون سے بات کر رہی ہوں۔ ماما نے تو یہاں سب کچھ لاک میں رکھا ہوا ہے۔ میرا فون بھی ماما ہی کے پاس ہے۔ اچھا خدا حافظ......!"

اُجالا نے یہ کہہ کر جلدی سے فون بند کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

"میں نے مریم سے بات کی ہے بیٹا......! اسے بہت سمجھایا ہے اور اس طرح سے نہیں سمجھایا کہ اس پر پریشر ڈالوں۔ میں نے تو سمپل اور لاجیکل بات کی ہے۔ خود سے کوئی بات نہ کرنا۔ اسے کچھ سوچنے اور غور کرنے کا موقع دو بیٹا......!"

بشر علی، عدیل کے ساتھ لاؤنج میں بات کر رہے تھے۔

"آج مریم ابھی تک گھر نہیں آئی۔ شاید آفس میں کام زیادہ تھا۔ کل بھی عجیب بھاگ دوڑ میں لگی ہوئی تھی اور آج بھی کچھ پتا نہیں ہے۔ میں تو جتنی مرتبہ نیچے آیا، وہ مجھے نہیں ملی۔"

بشر علی فکرمندی سے کہہ رہے تھے۔

"نانا جان......! آپ پریشان نہ ہوں۔ آ جائے گی وہ، شاید آفس میں کام زیادہ ہو۔"

عدیل نے اُلجھی اُلجھی کیفیت میں کہا تھا۔

"لیکن بیٹا......! وہ تمہیں نہ بتائے، کم از کم مجھے تو بتا سکتی ہے۔ مجھے تو فکر ہو رہی ہے کہ اس نے دیر سے آنا ہے تو مجھ سے بھی رابطہ نہیں کیا۔"

بشر علی بہت فکرمند نظر آ رہے تھے۔

"نہیں نہیں......! آپ ٹینس نہ ہوں۔ بعض دفعہ اس طرح کی مصروفیت ہوتی ہے کہ انسان پھنس جاتا ہے۔ فون کرنے کی بھی مہلت نہیں ملتی۔"

''ہاں......! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

بشر علی اتنا کہہ جیسے کچھ سوچنے لگے۔ عدیل نے چوری چوری ان کی طرف دیکھا۔ اس کی نظروں میں بے پناہ سوال تھے۔ مگر ایک سوال کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اپنے دل کی تسلی کے لئے بشر علی سے کچھ سننے کا خواہش مند تھا۔ وہ ان سے پوچھنا چاہتا تھا کہ بات چیت کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے......؟ مریم نے کچھ تو کہا ہوگا......؟ کیا اس نے کوئی ایسی بات کی جس سے اُمید بندھ جائے......؟ اسے اندر کی جنگ سے نجات مل جائے......؟ صبح کے آثار نظر آنے لگیں......؟ بشر علی نے جیسے اس کے دل کی آہٹیں اپنے دل میں محسوس کی تھیں اور اس کی خاموشی سے خود ہی بہت کچھ سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے عدیل کو کھنکار کر متوجہ کیا۔ عدیل چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''بیٹا......! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ پہلے سارا معاملہ میرے علم میں نہیں تھا اور مریم بھی بے فکر تھی۔ اب اسے یہ فکر ہوگی کہ اس کے نانا پر سب کچھ آشکار ہو چکا ہے۔ اب وہ مجھے خود سے الگ کر کے کوئی فیصلہ کر سکتی ہے نہ کچھ سوچ سکتی ہے۔ تم اطمینان رکھو۔ میری پوری کوشش ہے کہ یہ گھر ہمیشہ آباد رہے۔ میں اس گھر کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے اپنی آخری سانس تک کوشش کروں گا۔''

بشر علی کے لہجے میں اتنا اعتماد اور یقین تھا کہ عدیل کو واقعی صبح کے آثار دکھائی دینے لگے۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور بشر علی کے سامنے جا کر نیچے فرش پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ بشر علی کے گھٹنوں پر رکھ دیئے۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ بشر علی نے اس کا یہ انداز دیکھا تو بے ساختہ اس کے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''نانا جان......! میں کتنی بار بھی پیدا ہو جاؤں، آپ کے اس احسان کا بدلہ نہیں اُتار پاؤں گا۔ مجھے میرا بچہ بھی چاہئے اور مریم کے ساتھ آگے کا سفر بھی۔ آپ میری مدد کریں۔ آپ جیسا کہیں گے، میں ویسا ہی کروں گا۔ میں نے گھنے درخت کی چھاؤں چھوڑ کر شیشے کے سائبان تلے جو وقت گزارا ہے، اس کا ملال تو مجھے ایک پل چین سے جینے نہیں دے گا۔ لیکن نانا جان......! میں ہر طرح کی تلافی کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔ میں مریم کی عزت بھی کرتا ہوں اور قدر بھی۔ وہ ایک بہت مضبوط کردار کی وفادار عورت ہے۔ میں نے ناشکری اور ناقدری کی انتہاء کی اور بہت سخت سزا کاٹی۔''

بشر علی نے بہت پیار سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

''تم فکر نہ کرو عدیل......! وہ کسی کی بات پر غور کرے نہ کرے، اپنے نانا کی بات کو وہ نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اگر وہ آج تک میری سوچ سے دُنیا کو پڑھتی تھی تو آگے کا سفر بھی میری سوچ کے ساتھ ہی طے کرے گی۔ اس پر میرے بڑے گہرے رنگ کا سایہ ہے۔ ہمیں ایک پُرخلوص اور گہری محبت کے رشتے نے اتنی بری طرح جکڑا ہوا ہے کہ ہم نانا اور نواسی ہزاروں میل کے فاصلے پر بھی ہوں تو خاموشی کی زبان میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں۔''

بشر علی بڑے اعتماد سے کہہ رہے تھے اور ایک موہوم سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی جس نے عدیل کو بڑا حوصلہ دیا تھا۔

☆......☆......☆

''امی آپ لوگ وہاں کراچی میں مجھ سے چھپا رہے تھے اور آپ لوگوں کے چھپانے کی وجہ سے مجھے پتا چل گیا۔''

انعم بہت کمزور اور نڈھال سے انداز میں ماں سے بات کر رہی تھی۔ ابھی ابھی ابتدائی ٹیسٹ ہوئے تھے اور سلمٰی بیگم اسے روم میں لے کر آئی تھیں۔ فیاض احمد سٹور سے دوائیاں لینے گئے ہوئے تھے۔ سلمٰی بیگم نے نظریں چراتے ہوئے اور ہچکچاتے ہوئے انعم سے پوچھا۔

''بیٹا......! تمہیں کیا پتا چل گیا ہے......؟''

''یہی کہ کوئی ایسی بات ہے۔ امی......! میری جان پر بیت رہی ہے، مجھے پتا نہیں چلے گا......؟ میں چلتے چلتے لیٹ گئی ہوں۔ کھانے پینے کی جو چیز میرے معدے میں جاتی ہے، وومیٹ کر دیتی ہوں۔ اب بھی مجھے پتا نہیں چلے گا کہ میں مرنے جا رہی ہوں......؟''

اس مرتبہ انعم بڑے جذباتی اور جھلائے ہوئے انداز میں بولی تھی۔ سلمٰی بیگم نے ایک دم اس کی طرف تڑپ کر دیکھا اور اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''بیٹا......! ہم یہاں تمہیں علاج کے لئے لائے ہیں۔ یہاں وہ تمام فسیلیٹیز موجود ہیں جو دُنیا کے کسی بھی ترقی یافتہ ملک میں پائی جاتی ہیں۔ پھر بھی ہمیں اگر ڈاکٹر نے کہا کہ ہم تمہیں باہر لے جائیں تو ہم ایک دن بھی تاخیر نہیں کریں گے۔ کچھ اُلٹا سیدھا سوچنے کی ضرورت نہیں۔''

سلمٰی بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''امی......! انسان آخری ہچکی، آخری سانس لینے تک خود کو بہلاتا ہی رہتا ہے۔ میں اپنے آپ کو نہیں بہلا رہی، آپ بھی مجھے نہ بہلائیں۔ اب تو مجھے جلدی جلدی سارے کام کر لینے دیں۔ لگتا ہے کہ وقت کم رہ گیا ہے۔''

انعم اس طرح تھکے تھکے شکستہ سے لہجے میں ماں سے اپنے دل کی بات کہہ رہی تھی اور ماں کے دل پر جیسے آری چل رہی تھی۔

''اب کیا کام رہتے ہیں انعم......؟ بس بیٹا......! فی الحال تو یہی ایک کام ہے کہ تم اپنی صحت یابی پر یقین رکھو اور اللہ سے گڑگڑا کر دُعا مانگو۔''

سلمٰی بیگم نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ وہ اس کے سر پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرنے لگیں۔

''امی......! بہت کام ہیں۔ سب سے پہلا کام تو یہ ہے کہ مجھے ناصر سے معافی مانگنا ہے۔ کیونکہ امی......! ناصر نے مجھے معاف نہیں کیا تو اللہ بھی مجھے معاف نہیں کرے گا۔''

انعم کا اتنا کہنا تھا کہ سلمٰی بیگم کو خود پر اختیار نہ رہا۔ ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ اتنی بری طرح سے تڑپ تڑپ کر روئیں کہ انعم اپنی بات ہی بھول بیٹھی۔

''امی......! آپ کیوں رو رہی ہیں......؟ آپ خود ہی تو کہتی ہیں ناں، اگر غلطیاں ہو جائیں تو سچی توبہ کرنی

چاہئے، معافی مانگنا چاہئے۔ اللہ توبہ قبول کرتا ہے، معاف کر دیتا ہے۔''

سلمٰی بیگم اپنے آنسوؤں کو سنبھالنے میں لگ گئی تھیں جو رُکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ پھر بھی روتے روتے بمشکل گویا ہوئیں۔

''بیٹا......! میں نے اپنے آپ کو جان کر اپنے اللہ کو پہچانا ہے۔ اس لئے مجھے اللہ سے بہت اچھی اُمید ہے۔ دیکھو، میں نے تمہاری ایک غلطی، ایک ایک بھول چوک معاف کر دی ہے۔ مجھے تمہاری جان کی پڑی ہے۔ مجھے اس وقت کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔ مجھے صرف خوش خبری چاہئے کہ اللہ نے میری بیٹی کو زندگی بخش دی ہے، اس کو صحت یاب کر دیا ہے، اور وہ موت کے منہ سے واپس آگئی ہے۔ بس یہ کچھ سننے کے لئے میرے کان ترس رہے ہیں۔ مجھے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سننا۔''

سلمٰی بیگم بہت جذباتی انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''امی......! آپ کچھ بھی کہیں، لیکن میرے اندر سے بھی تو ایک آواز آرہی ہے۔ ابھی ایک مہینے پہلے تو میں بہت ہٹی کٹی تھی، نیچے اوپر بھاگتی دوڑتی رہتی تھی، مجھے کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ امی......! اب میں ذرا سی دیر بات کرتی ہوں تو سانس پھول جاتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ امی......! ناصر کو بلا دیں ورنہ میری روح آسمان اور زمین کے بیچ میں لٹکی رہے گی۔ میرا کیا ہوگا امی......؟ میری دُنیا تو تباہ ہوگئی امی......! کیا مجھے مرنے کے بعد بھی چین نہیں ملے گا......؟''

اب انعم بھی سسکیاں لے لے کر رونے لگی تھی۔ سلمٰی بیگم کہہ رہی تھیں۔

''انعم......! تم اپنے ذہن پر بالکل بھی دباؤ مت ڈالو۔ کوئی ٹینس کر دینے والی بات مت سوچو۔ بیٹا......! میں وہ سب کچھ کروں گی جو تم چاہتی ہو۔ میں ناصر کو بلاؤں گی۔ نہیں آیا تو خود لے کر آؤں گی۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ میں اس کی منت کروں گی، اسے سمجھاؤں گی کہ تم اس سے کچھ بھی نہیں مانگ رہی ہو۔ تمہاری طرف سے اب کوئی تقاضہ نہیں ہے۔ اب تم اس سے بھی کچھ نہیں مانگو گی، سوائے معافی کے۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ اتنا بڑا دل ضرور کرے گا کہ تمہارے بالکل خالی دامن میں معافی کی خیرات ڈال دے۔''

انعم نے ماں کی روح کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے الفاظ سنے تو جیسے پُرسکون سی ہوگئی، جیسے اسے فرشتوں نے تھپکی دینا شروع کر دی، جیسے اس پر کھویا ہوا سکون مہربان ہونے لگا۔

☆......☆......☆

ناصر، میڈم شعلہ کو کراچی سے دکھانے کے لئے کوئی ثبوت تو نہ لا سکا تھا لیکن اس کا یہ جملہ ہی میڈم شعلہ کے لئے بہت تھا وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے کینسر ہاسپٹل سے پتا کر لیں کہ انعم نام کی خاتون اس ہاسپٹل میں زیر علاج ہے یا نہیں......؟ اگر ان کی تسلی ہو جاتی ہے تو وہ سوچ لیں کہ اب ان کو طلاق کے ڈاکومنٹس کی ضرورت نہیں بلکہ انعم کے ڈیتھ سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہے، جو ان کی تسلی کے لئے کافی ہوگا۔ اُجالا کے لئے یہ بہت بھیانک انکشاف تھا۔

وہ نازک جذباتی اور کمزور دل لڑکی اپنی جگہ پر تھرا کر رہ گئی تھی۔ کوئی بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ حالات اچانک یوں کروٹ لیں گے......؟ وہ تو جیسے سنتے ہی تڑپ گئی تھی اور بڑی معصومیت بلکہ سادگی سے اس نے ناصر سے کہہ دیا تھا کہ وہ انعم کی اس حال میں دیکھ بھال ضرور کرے، کیونکہ بہرحال وہ ابھی اس کی بیوی ہے، اس کی بچی کی ماں ہے۔

ناصر نے اُجالا کا یہ تقاضہ سنا تو اپنی جگہ پر حیران سا بیٹھا رہ گیا کہ یہ اُجالا کیا ہے......؟ اس کو پتا ہے کہ انعم کے ساتھ اس کا کیا رشتہ ہے......؟ اور کتنے پاگل پن سے وہ کہہ رہی ہے کہ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر اس عورت کی دیکھ بھال کرے جس نے اُسے حادثوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا تھا......؟ اور ان حادثوں کے زخم، زخم نہیں ہوتے بلکہ ناسور ہوتے ہیں جو انسان کے ساتھ اس کی قبر میں اُترتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے عورت کو اتنی احتیاط کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ اس تخلیق کار نے اس تخلیق کو بناتے ہوئے ساری نزاکتوں کا خیال رکھا اور ساری نزاکتوں کو ساتھ رکھتے ہوئے قانون بنا دیئے اور قانون شکنی کی سزائیں بھی سنا دیں۔ ان سزاؤں پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ تمام سزاؤں سے بھیانک سزا عورت کی اسی بھول کی ہے، اور شاید یہ اتنی خوفناک سزا تخلیق کرنے کا مقصد ہی تھا کہ کوئی عورت خوف کے مارے ایسی بھول کرنے کا سوچے بھی نہیں۔ اس نے اُجالا کی بات کے جواب میں تو کچھ نہ کہا تھا۔ مگر وہ ایک اندر کی جنگ میں بہرحال مبتلا ہو چکا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے انعم اس گھر سے جا کر اسے پہلے سے زیادہ تنگ کر رہی ہے۔ اتنا تنگ تو اس نے اس کی زندگی میں رہتے ہوئے بھی نہ کیا تھا۔ اُجالا گھر واپس آ گئی تھی۔ وہ اپنے بیڈروم میں آرام کر رہی تھی۔ بیہ گہری نیند سو چکی تھی لیکن ناصر حسین محسوس کر رہا تھا کہ جیسے آج تو وہ خواب آور گولیوں پر بھی نہیں سو پائے گا۔ ایک ہتھیار ڈالی ہوئی عورت جس کے پاؤں میں قدرت نے قدرتی سزاؤں کی زنجیر ڈال دی تھی، بار بار زنجیر چھنکارتی اس کی طرف بڑھتی تھی اور وہ زنجیریں اس کے اعصاب توڑ ڈالتی تھیں۔ ناصر حسین اپنے چکراتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اس وقت بُت کی طرح ساکت بیٹھا تھا۔ اندر لیٹی ہوئی اُجالا محسوس کر سکتی تھی کہ اس کا محبوب اس وقت کس جنگ میں مبتلا ہے......؟

☆......☆......☆

عدیل، بشر علی کی ہدایت کے مطابق بہت ہوشیار تھا۔ اب تو اس نے اپنے بیڈروم میں تھوڑی دیر کے لئے جانا بھی بند کر دیا تھا۔ البتہ اسے باہر سے اپنے بیٹے اور مریم کی آوازیں سنائی دیتی تھیں تو اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ دروازہ کھول کر مریم کو متوجہ کرے، اسے اپنے پاس آنے کے لئے کہے، اس سے باتیں کرے، لیکن وہ خود کو روک لیتا تھا۔ اسے اپنے آپ سے ہی ڈر لگ رہا تھا کہ جانے اس کے منہ سے کیا نکل جائے......؟

''ہوسکتا ہے مریم کسی فیصلے کے مرحلے سے گزر رہی ہو۔ ہوسکتا ہے اپنے نانا جان کی باتوں نے اسے بولڈ کر دیا ہو، اس کے وجود پر جمی برف کی تہیں پگھلنا شروع ہوگئی ہوں اور وہ کچھ ایسا کہہ جائے کہ پھر سانپ اور سیڑھی کا کھیل بند جائے اور نزدیک آتی ہوئی فتح ایک دم سے شکست میں بدل جائے۔''

مسز سارہ بھی لندن جا چکی تھیں۔ وہ جلد آنے کا کہہ گئی تھیں۔ ماں پاس ہوتی تو شاید وہ اپنی اور نانا کی

ہونے والی بات چیت ان سے شیئر کرتا۔ وہ بھی کچھ ایسی بات کر جاتیں جس سے اس کا بوجھ اُترتا، اس کے اندر توانائی دوڑتی اور خوب صورت سی اُمیدیں پریوں کی طرح پر ہلاتی ہوئی اس کے اردگرد رقص کرنے لگتیں۔ ماں تو بہت ناراض ناراض سی گئی تھی۔ ان میں بات کرنے کا حوصلہ ہی نہیں ہوتا تھا، مگر جاتے جاتے اتنا ضرور کہہ گئی تھیں کہ عدیل، اگر مریم اور میرا پوتا اس گھر سے دُور ہوئے تو ماں کو بھی بھول جانا، اور عدیل کے لئے اس سے بڑی کیا قیامت ہوسکتی ہے کہ وہ ہر نعمت سے محروم ہونے کے ساتھ ساتھ دُنیا کی سب سے بڑی نعمت سے بھی جیتے جی محروم ہو جائے۔ باہر مریم کی آواز آرہی تھی۔ وہ فضیل کے ساتھ لاڈ پیار کر رہی تھی، وہ توتلی آواز بنا کر اس کے ساتھ بات کر رہی تھی۔

"یہ پیارا سا بیٹا......! یہ دودو پیتا ہے، یہ ماما کو تنگ نہیں کرتا۔"

عدیل بے قرار سا ہو کر اپنی جگہ سے تھوڑا کھڑا سا ہوگیا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ مریم کے پاس جائے اور وہ دونوں اپنے بیٹے سے پیار بھری باتیں کریں، اس کے ساتھ کھیلیں۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر جیسے بڑی بے بسی سے دروازے کی طرف دیکھتا ہوا دوبارہ بیٹھ گیا اور سر جھکا کر خیالات میں کھو گیا۔

☆......☆......☆

فیاض احمد، سلمیٰ بیگم کی طرف دیکھ رہے تھے اور سلمیٰ بیگم انہیں آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھیں۔ فیاض احمد نے ابھی بہت دل ہلا دینے والی خبر سنائی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ فوری انعم کا آپریشن کرنا پڑے گا۔ اس کے سوا اب کوئی چارہ نہیں، کیونکہ جو رپورٹس آچکی ہیں، وہ مرض کی تشخیص کے لئے ناکافی ہیں اور آپریشن بھی ہائی رِسک ہے۔ لیکن یہ رِسک لینا پڑے گا، ففٹی ففٹی چانس ہے۔ سلمیٰ بیگم نے تو یہ سن کر اپنا کلیجہ ہی پکڑ لیا تھا۔

"ففٹی ففٹی چانس......؟"

ان کا دماغ تو بس ان الفاظ کے بیچ میں ہی گردش کر رہا تھا۔

"ہاں سلمیٰ......! ڈاکٹر کہہ رہے ہیں، بلکہ پورا بورڈ کہہ رہا ہے کہ کیموتھراپی آخری راستہ ضرور ہے لیکن اس راستے میں بھی اب کامیابی کے چانس بہت کم ہیں۔ کیونکہ وہ اب ہلکا سا دو چمچ سوپ بھی ہضم نہیں کر پارہی۔ فوراً وومیٹ کردیتی ہے۔ ظاہر ہے، ڈاکٹروں کا اپنا Experience ہے۔"

فیاض احمد کہہ رہے تھے اور سلمیٰ بیگم لب بستہ ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"سلمیٰ......! حوصلے سے کام لو۔ ظاہر ہے، ڈاکٹرز کو اگر کوئی امکان نظر آرہا ہے، تبھی تو وہ آپریشن کا فیصلہ کر رہے ہیں۔"

سلمیٰ بیگم کو دم بخود دیکھ کر فیاض احمد تسلی دینے لگے۔ سلمیٰ بیگم نے بڑی مشکل سے اپنے حلق سے آواز نکالی۔

"فیاض......! میں کیا کروں؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی۔ انعم شام سے میرے پیچھے پڑی ہے کہ امی، ناصر کو بلا دیں، بیبہ کو بلا دیں۔ کس منہ سے ناصر کو بلاؤں؟ میرا تو حوصلہ نہیں پڑتا اور انعم سے کیا کہوں کہ اس کو صبر آجائے......؟"

سلمٰی بیگم رُندھے ہوئے گلے سے بات کر رہی تھیں۔ فیاض احمد کے رَگ و پے میں بھی اذیت کی لہر دوڑنے لگی۔ انہوں نے چند لمحے سر جھکا کر اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے ٹائل کے فرش کو رگڑا۔ پھر چند لمحے کچھ سوچا اور پھر سلمٰی بیگم سے گویا ہوئے۔

''سلمٰی......! میں ناصر سے بات کرتا ہوں۔ اسے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ اب انعم کی طرف سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں، کوئی دردِ سر نہیں۔ ایک بار اس کی بات سن لو، بچی کو لے کر آ جاؤ۔ درخواست کرتا ہوں، منت کرتا ہوں میں اس کی۔''

''ہاں فیاض......! یہ تو کرنا پڑے گا۔ کیا کریں......؟ آخر اولاد ہے۔''

سلمٰی بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ فیاض احمد نے آہستگی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''میں بات کرتا ہوں ناصر سے۔''

☆......☆......☆

''آپ کو جانا چاہئے ناصر......! اگر آپ بیہ کو لے کر انعم سے ملنے نہیں گئے اور خدانخواستہ وہ دُنیا سے چلی گئیں تو زندگی بھر مجھے ایک تقسیم شدہ شخص کے ٹکڑے سمیٹتے ہوئے زندگی گزارنا پڑے گی۔''

اُجالا نے کہا تو ناصر نے جیسے بدحواس ہو کر اُجالا کی شکل دیکھی تھی۔ آج اُجالا کے لہجے میں کوئی خاص بات تھی، نیا پن تھا۔

''کیا مطلب ہے......؟ کیا کہا تم نے......؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔''

ناصر واقعی کچھ نہیں سمجھ پایا۔

''میں آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ اگر آپ انعم سے ملنے نہیں گئے اور خدانخواستہ وہ دُنیا سے چلی گئیں تو ساری زندگی آپ کے دل پر ایک بوجھ رہے گا۔ کیا آپ نے اس عورت کی درخواست ٹھکرائی جس کے ساتھ آپ نے زندگی کے بہت قیمتی پانچ سال گزارے بلکہ پانچ سال سے کچھ زیادہ وقت گزارا، جو آپ کی بچی کی ماں تھی۔ جو آپ سے اپنے گناہوں اور غلطیوں کی معافی مانگنا چاہتی تھی۔ یہ بوجھ آپ کو دو چار قدم چلنے نہیں دے گا، نڈھال کر دے گا۔ زندگی کے اس آخری بڑے معرکے سے گزر جائیں ناصر......! سن لیں ان کی بات، ہلکے پھلکے ہو جائیں گے۔ جائیں، معاف کر دیں انہیں، بھلا دیں سب کچھ۔''

اُجالا جیسے ناصر کی منت کر رہی تھی۔

''تم کیسی عورت ہو اُجالا......؟ پتا نہیں کس انداز سے سوچتی ہو......؟ میں تم سے آج ایک بے رحم سچ بولنے جا رہا ہوں کہ مرد، ایک غیرت مند مرد یہ بھول بھلا نہیں سکتا۔ یہ بھول معاف کرنا پیغمبروں کی بات ہوگی، مگر میرے بس کی بات نہیں۔''

ناصر بڑی بے بسی سے کہہ رہا تھا۔ اُجالا نے آنکھیں پھاڑ کر ناصر کی طرف دیکھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہیں ناصر.....؟ یہ کیا کہہ دیا آپ نے.....؟ جو دُنیا سے چلا گیا، وہ اپنے حساب کتاب کا بوجھ اپنے ساتھ لے گیا۔ ہمارے سارے مسئلے زندہ لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں ناصر.....! مرنے والوں کے ساتھ نہیں۔ جو چلا گیا، اسے معاف کردینا چاہئے۔ کیونکہ آگے اس کے کیا حساب کتاب ہیں، وہ اور اس کا اللہ بہتر جانتا ہے۔ مرنے کے بعد اس کے سامنے کیا معاملہ ہے.....؟ یہ اللہ کے اختیار کی بات ہے۔ لیکن مرنے والوں کے ساتھ اپنے حساب کتاب بے باک کردینے چاہئیں۔ خدا جانے، جانے والا اس زندگی کے ابھی کون کون سے مرحلوں سے گزرے گا.....؟ ناصر.....! سارے قانون، سارے دُکھ درد، سارے گلے شکوے، ساری محرومیاں، ساری خوشیاں صرف اسی دُنیا کے لئے ہیں۔ دیکھیں، خود سے معاف کردینے میں تو بڑی عظمت ہے۔ وہ تو آپ کو معافی مانگنے کے لئے بلا رہی ہیں۔ ناصر.....! سلمیٰ آنٹی بہت رو رہی تھیں۔ آپ اتنے سنگ دل بنیں گے تو میں ساری زندگی آپ سے خوفزدہ رہوں گی۔ میرا اعتماد ختم ہو جائے گا۔ میں آپ کی ہوں اور آپ ہی کی ہو کر مرنا چاہتی ہوں۔ لیکن آپ کی یہ بے رحمی اور سنگ دلی ساری زندگی مجھے سہاتی رہے گی، ڈراتی رہے گی۔ میں بے چین رہوں گی۔ مجھے آپ سے ہمیشہ خوف آئے گا۔ جائیں ناصر.....! جائیں، اتنے بوجھ لے کر میرے ساتھ زندگی گزاریں گے تو میری اپنی زندگی بہت بوجھل ہو جائے گی۔ میرے کہنے سے، میری خاطر چلے جائیں ان کے پاس، بیہ کو بھی لے جائیں۔ اس کی ماں جارہی ہے ناصر.....! اسے اپنی ماں سے آخری بار بات کرنے کا موقع دے دیں۔"

"لیکن اگر وہ بچ گئی تو.....؟"

ناصر نے بہت اُلجھی اُلجھی کیفیت میں یوں ہی بے ساختگی میں ایک سوال کر دیا تھا۔ اُجالا نے ناصر کا بازو تھام لیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

"اگر وہ بچ گئیں تو میں ان کو اب کبھی یہاں نہیں آنے دوں گی۔ اب آپ کے اور میرے بیچ تیسرا کوئی نہیں آئے گا۔"

"تمہارا کوئی بھروسہ نہیں اُجالا.....! تم کل کو پھر ضد کرنے لگو گی، پھر کوئی دلیل نکال کر لے آؤ گی۔"

"نہیں ناصر.....! میں آپ کو اب اُلجھانے والی کوئی دلیل نہیں لاؤں گی۔ مجھے آپ کا سکون اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ میری بات کا اعتبار کریں۔ جو چاہیں مجھ سے وعدہ لے لیں، مگر ابھی بیہ کو لے کر اس کے پاس چلے جائیں۔ سلمیٰ آنٹی بہت رو رہی تھیں۔ ناصر.....! خدانخواستہ انہیں کچھ نہ ہو جائے۔ انہوں نے تو آپ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ ان کی خاطر چلے جائیں۔"

اُجالا کے اس آخری جملے میں بڑا وزن تھا۔ ناصر کی گہری خاموشی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اُجالا اسے قائل کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ اُجالا نے بھی سکون کا ایک گہرا سانس لیا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے ضمیر پر کوئی بوجھ تھا، وہ اُتر گیا ہے۔ روح میں اس طرح سے خوشی کے رنگ اُتر رہے تھے، جیسے اس نے کوئی بہت بڑی نیکی کا کام انجام دیا ہو۔ وہ بہت مطمئن نظر آنے لگی تھی، لیکن ناصر کی آواز نے اسے نئے سرے سے چونکا دیا۔ ناصر کہہ رہا تھا۔

"شاید عورت کو پتا نہیں کہ اس بھول کی معافی کن شرائط پر ملتی ہے.....؟"

اُجالا نے ہکا بکا ہو کر ناصر کی شکل دیکھی۔

''کن شرائط پر ملتی ہے معافی، ناصر......؟''

''مرنا شرط ہے، مگر ایسی عورت کے مر جانے کے بعد اس کے ستائے ہوئے مرد کو سکون ملتا ہوگا۔ زندگی میں تو ایسی عورت کو اس بھول کی معافی نہیں مل سکتی۔''

اُجالا نے سہمی سہمی نظروں سے ناصر کو یوں دیکھا جیسے اسے خدشہ ہو کہ ناصر اس وقت ذہنی توازن کھو چکا ہے اور ہزیان بول رہا ہے۔ خوف سے اس کا دل بیٹھنے لگا۔ ناصر کی آنکھوں میں ایک عجیب سی سنگ دلی اور بے رحمی کی جھلک رہی تھی۔ یوں جیسے وہ ماضی کے کسی منظر میں ٹھہرا ہوا ہو۔

''ایسی باتیں نہ کریں ناصر......! بری بات ہے۔ بھول تو کسی بھی انسان سے ہو سکتی ہے۔ مرد سے بھی ہو سکتی ہے کہ نہیں......؟''

اُجالا نے ناصر کا بازو جھنجوڑتے ہوئے سوال کیا۔

''مرد کی غلطی ہمیشہ بھول یا غلطی ہوتی ہے۔ عورت کی بھول جرم ہوتی ہے۔ جرم اور غلطی میں بڑا فرق ہوتا ہے اُجالا......!''

ناصر سپاٹ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اُجالا کا دل بیٹھ بیٹھ گیا۔ اس نے ناصر کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''ناصر......! اس وقت تو یہ باتیں نہ کریں۔ اس وقت تو کسی کو نہیں پتا کہ وہ بچے گی یا چلی جائیں گی......؟''

ناصر نے بہت ہی گہری سانس کھینچی تھی۔ یوں جیسے بہت دیر بعد سانس لی ہو۔ پھر اسی طرح سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔

''اس کا چلے جانا ہی بہتر ہے اُجالا......! میرے لئے بھی اور اس کے لئے بھی۔ شاید میں اس کو معاف کر دوں، شاید اس کی نجات ہو جائے۔''

ناصر نے اتنا کہا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ اُجالا کو بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ ناصر اس وقت اپنا بیڈروم چھوڑ کر کہاں اور کیوں گیا ہے......؟

☆......☆......☆

''یار میں کوشش کر رہا ہوں ناں، وہ نہیں مان رہی، مگر میں اسے منالوں گا۔ تم روزانہ آفس آ کر مجھے ڈسٹرب مت کرو۔''

عارف بہت جھنجلا کر بات کر رہا تھا۔

''عارف یار......! میں نے اپنے دل پر آخر کار پتھر رکھ لیا۔ اگر وہ نہیں مان رہی تو اب میں بھی تم سے یا اس سے اصرار نہیں کروں گا اور میں روزانہ تمہیں ڈسٹرب کرنے تمہارے آفس بھی نہیں آؤں گا۔ ہونا۔ میں کینیڈا جا رہا تھی کہا۔

ہوں۔''

عارف، وہاج کی بات سن کر تقریباً اپنی جگہ سے جیسے اُچھل پڑا۔

''یہ اچانک تم نے کینیڈا جانے کا فیصلہ کیوں کر لیا......؟ تمہارے پاس وہاں کا امیگریشن تو نہیں ہے۔''

وہاج نے عارف کی طرف دیکھا۔ چند لمحے اپنے ناخنوں کو گھورتا رہا، انگوٹھے سے اپنے ناخنوں کو مسلتا رہا۔ پھر آہستگی سے گویا ہوا۔

''مجھے وہاں امیگریشن مل جائے گا۔ میں نے ساجد بھائی سے بات کی تھی، کافی دن پہلے۔''

عارف نے وہاج کی طرف حیرت سے دیکھا۔

''ساجد بھائی سے......؟ میں تو ان کا بھائی ہوں، ہماری دو مائیں ہیں مگر باپ تو ایک ہے۔ انہوں نے آج تک مجھے تو پوچھا نہیں، تم پر کس حساب سے مہربانی کریں گے......؟''

عارف اپنے بڑے بھائی کے بارے میں بات کر رہا تھا جو اس کی بڑی ماں کا تیسرے نمبر کا بیٹا تھا اور گزشتہ ائیس سال سے کینیڈا میں سیٹل تھا۔

''وہ تمہارے سوتیلے بھائی ہیں مگر میرے تو سگے تایا زاد بھائی ہیں۔''

وہاج نے بے تاثر لہجے میں عارف کو جواب دیا تھا۔

''سوتیلے تو میرے بھی نہیں ہیں، ہمارا باپ ایک ہے اور ہماری سات پشتوں میں ہمارے دادا ایک ہیں۔ تیلے رشتے وہ ہوتے ہیں جب خاندان الگ ہو جاتے ہیں، خون الگ ہو جاتے ہیں۔''

عارف اُلجھی اُلجھی کیفیت میں یوں کہہ رہا تھا جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہو۔

''تم برا نہ ماننا عارف......! تائی جی کی وجہ سے سب رشتے ایک دوسرے سے دُور ہوئے ہیں۔ تائی جی نے ی کو اکٹھا بیٹھنے نہیں دیا لیکن میں اب گزری باتوں کو نہیں دُہراؤں گا۔ میں تو بس تمہیں یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ ں جا رہا ہوں اور یہ فیصلہ میں نے بڑی مجبوری میں کیا ہے۔ کیونکہ مجھے کافی عرصے سے محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس ذہنی دباؤ کی وجہ سے کسی بھی وقت ذہنی توازن کھو سکتا ہوں اور سر میں خاک ڈال کر دُھوپ چھاؤں سے بے پرواہ ایک دن نجانے کدھر سے کدھر نکل جاؤں......؟ میں اس بہت برے وقت کے آنے سے پہلے یہ جگہ، یہ لوگ چھوڑ چاہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے بالکل صحیح ٹائم پر صحیح فیصلہ کیا ہے۔ علینہ میری زندگی سے جا چکی ہے۔ ماں میرے ہیں نہیں۔ اگر کسی دن ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گیا تو کون ہے جو مجھے سنبھالے گا......؟ اور کسی کو ت بھی کیا ہے......؟''

بولتے بولتے وہاج کی آواز آہستہ آہستہ ہوتی چلی گئی۔ عارف کے احساسات میں اچانک تبدیلی آ گئی وہاج جا رہا تھا، ساری جنگیں ختم کر کے۔ اس نے وہاج کی طرف بڑی ہمدردی سے دیکھا اور بہت دلسوزی سے

''یار......! میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ سامنے سگی بہن

دے رہی تو میں اس سے جنگ نہیں کرسکتا۔ جتنا میں اسے سمجھا سکتا تھا، سمجھا لیا۔‘‘

عارف نے جیسے اعترافِ جرم کیا تھا۔ جانے والے کے دل میں اپنے لئے لاشعوری طور پر جگہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ بہر حال وہاج اس کا فسٹ کزن تھا، بچپن کا ساتھ تھا، وہ ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا اور گھوم کر وہاج کے قریب چلا آیا۔ وہاج سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ عارف نے اسے کندھے سے پکڑ کر پوری قوت لگا کر جیسے کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ وہاج خود ہی کھڑا ہوگیا۔ وہ عارف کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے کچھ اندازہ لگانا چاہ رہا ہو کہ عارف اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہے......؟ عارف نے اسے ایک دم گلے سے لگا لیا۔

’’کتنی عجیب بات ہے، میں تمہیں روک بھی نہیں سکتا، بلکہ تمہارے جانے کی خبر سن کر تو میں جیسے ہلکا پھلکا ہوگیا ہوں۔ یقیناً تبدیلی آئے گی، تمہاری زندگی میں بھی اور علینہ کی زندگی میں بھی۔ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے تم دونوں کبھی بھی ایک دوسرے سے دُور نہیں رہ سکتے۔ تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت ہو نہ ہو، یادداشت کے زخم ذہنوں میں موجود ہیں جو فاصلے بڑھ جانے کے بعد شاید مندمل ہو جائیں۔‘‘

وہ وہاج کو سینے سے لگائے کہہ رہا تھا۔ وہاج کے پاس اب کرنے کو کوئی بات نہیں تھی۔ وہ بچی سے ملنے کے لئے جتنا اصرار کرسکتا تھا، کر چکا تھا۔ جتنی منتیں اور خوشامدیں کر چکا تھا، اس سے زیادہ کی اس کے پاس گنجائش نہیں تھی یا صلاحیت نہیں تھی۔ لیکن عارف کو ضرور ایک اذیت اور دُکھ کا احساس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہاج کے دل میں کیا بات ہے......؟ اور وہ اپنی بیٹی کے لئے کتنا بے قرار ہے......؟ اس نے وہاج سے وعدہ تو نہیں کیا، لیکن اپنے آپ سے اتنا ضرور کہا کہ وہ ایک جانے والی کی یہ خواہش پوری کرنے کے لئے نئے سرے سے کوشش کرے گا۔

’’تم کب جا رہے ہو وہاج......؟‘‘

اس نے خیالات سے پیچھا چھڑا کر وہاج کو ذرا خود سے الگ کر کے اس کی آنکھوں میں غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہاج نے اس کی نظروں سے نظریں نہیں ملائیں بلکہ دوسری سمت دیکھنے لگا تھا۔

’’اندازہ ہے کہ دو تین دن میں میری سیٹ کنفرم ہو جائے گی۔ باقی تمام انتظامات مکمل ہیں۔‘‘

اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

’’اوکے......! گڈ لک......!‘‘

عارف نے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

ناصر، بیبہ کے ساتھ جانے کے لئے تیار تھا۔ اُجالا کار تک دونوں کو خدا حافظ کہنے کے لئے آئی تھی۔ ڈرائیور کار کا دروازہ کھولے منتظر کھڑا تھا۔ ڈرائیور کی طرف دیکھتے ہوئے ناصر کار کے قریب جاتے جاتے رُک گیا اور بہت آہستہ آواز میں اُجالا سے مخاطب ہوا۔

’’اُجالا......! تم ساتھ چلتی تو اچھا تھا۔‘‘

’’نہیں ناصر......! میں جان بوجھ کر انعم کو اذیت نہیں دینا چاہتی۔ جو اذیت وہ اپنے مقدر سے لکھی اُٹھا رہی ہیں، وہ ان کے لئے بہت ہے۔ ورنہ میں انسانیت کے ناطے سہی، ضرور جاتی۔ وہ مجھے دیکھیں گی تو پتا نہیں کون کون سے خیالات میں اُلجھ جائیں گی......؟‘‘

بیہ جس نے باپ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا، سر اُٹھا کر اُجالا کی طرف دیکھا۔

’’دُلہن ماما......! آپ دُعا کریں گی ناں، ماما جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔‘‘

پھر ناصر سے مخاطب ہوئی۔

’’پاپا......! ماما تو اچھی بن گئی ہیں۔ اب تو وہ آپ سے جھگڑا بھی نہیں کرتیں اور اب تو ان کو غصہ بھی نہیں آتا اور مجھے تو بہت بہت پیار کرتی ہیں۔‘‘

بیہ بول رہی تھی اور ناصر کے دل پر جیسے چھریاں چل رہی تھیں۔ اس نے اپنی روح میں اُترتی ہوئی درد کی لہروں کو یوں محسوس کیا جیسے کسی جانے والے کی جان اس کی شہ رگ کو چھوتی ہوئی اپنے انجام کو پہنچ رہی ہے۔ زبردستی مسکرا اس نے بیہ کے گال کو چھوا۔ اُجالا بھی دم بخودی بیہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس حساس لڑکی کے دل پر بھی بیہ کی باتوں سے منوں بوجھ آپڑا تھا۔

’’چلو بیٹا......! دیر ہو رہی ہے۔ ماما آپ کا ویٹ کر رہی ہیں۔‘‘

ناصر نے آہستگی سے بیہ کو کہا تو اُجالا نے چونک کر ناصر کی طرف دیکھا۔ ناصر آج بھی بیہ کی ماما کے بارے میں بات کر رہا تھا، اور اس کے لہجے میں کچھ نہیں تھا۔ نہ نفرت، نہ بے زاری اور نہ جھگڑا۔ اُجالا، بیہ کا ہاتھ تھام کر ناصر سے پہلے کار کی طرف بڑھ گئی اور بیہ کو گاڑی میں بیٹھنے میں مدد دینے لگی۔ ناصر قریب آچکا تھا، اُجالا پیچھے ہٹ گئی، ناصر بیٹھ گیا، گاڑی بیک ہونے لگی۔ اُجالا خدا حافظ کہتے ہوئے ہاتھ ہلا رہی تھی۔ گاڑی باہر گئی، چوکیدار نے گیٹ بند کر دیا اور اُجالا انجانے میں ہاتھ ہلاتی اسی طرح کھڑی رہی اور پھر جیسے اسے خود ہی اپنی حالت پر ادراک ہوا۔ اس نے سٹپٹا کر اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہیں کسی نے اس سے ہونے والی حرکت دیکھ تو نہیں لی......؟ پھر ایک گہری سانس لے کر وہ اندر کی طرف پلٹ گئی۔ آج اس نے پوری آمادگی اور خوشی کے ساتھ ناصر اور بیہ کو انعم کے پاس جانے دیا، اور اسے یوں لگا کہ جیسے اس زندگی میں بہت سے قرضے اُتارنے کے لئے مرنا شرط ہے۔

☆......☆......☆

مریم، بشر علی کو تسلی دینے کے انداز میں جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہی تھی، کیونکہ بشر علی کی آنکھوں میں اس نے خوف کی وہ پرچھائیاں دیکھی تھیں جو انسان کی جان لینے کے لئے کافی ہوتی ہیں۔ وہ اس درجہ دُکھی تھے کہ ان کا کلام انتہائی مختصر ہو گیا تھا، ایک چپ سی لگ گئی تھی انہیں، وہ مسلسل سوچ رہے تھے کہ سلمٰی اور فیاض احمد اس وقت کتنی بڑی آزمائش سے گزر رہے ہیں۔ انہیں بار بار معصوم بچی بیہ کا خیال آتا تھا۔ ابھی تک وہ اسی خواب میں تھے کہ انعم نے خود کو بہت بدل لیا تھا اور وہ ناصر کے ساتھ ہنسی خوشی رہ رہی تھی۔ یہ اچانک کیسی آزمائش آپڑی تھی......؟

''نانا جان......! امی سے فون پر با۔ ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ انعم کی حالت تسلی بخش ہے۔ آپ بالکل پریشان نہ اور میری طرف سے بھی آپ پریشان نہ ہوں۔ انشاء اللہ میں ایسی کوئی بات نہیں کروں گی جس سے آپ کو دُکھ ہو۔ بس آپ خود کو سنبھالئے، کیونکہ بہت زیادہ اسٹریس آپ کے لئے ٹھیک نہیں ہے۔ امی بار بار فون کر ۔رہی ہیں کہ میں آپ یال رکھوں۔''

م بوڑھے نانا کا کمزور ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے بہت پیار بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی اور بشر علی خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے۔

''یہ میری بیٹی َلمی پر کیسی آزمائش ہے......؟ ایسی کیا ادا بھا گئی ہے میرے ربّ کو میری بیٹی کی، کیا آزمائش لینا چاہ رہا ہے......؟ کبھی مریم کی طرف سے بے چینی، بے قراری لاحق ہو جاتی ہے، کبھی انعم کی طرف سے۔ یا اللہ......! ہم نے تو اپنی بچیوں کی بہترین تربیت کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہم سے کہاں بھول ہوئی......؟ ہم سے کیا غلطی ہوئی......؟ کون سا گناہ ہوا......؟''

انہوں نے ایک گہری سانس لی۔ پھر مریم کی طرف دیکھ کر زبردستی مسکرائے۔

''بیٹا......! ایک فطری سی بات ہے۔ بچے پریشان ہوں تو ماں باپ پریشان ہوتے ہی ہیں۔ لیکن میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم میری فکر نہ کرو اور میں کہاں خود کو سنبھال رہا ہوں......؟ اس مالک نے جو مجھے عقیدے کی قوت دی ہوئی ہے، وہ مجھے سنبھالا دیئے ہوئے ہے۔ وہی اس وقت کام آ رہی ہے اور انشاء اللہ مرتے دم تک میرے کام آئے گی۔ تم اپنے کام کرو۔ اپنے بیٹے کو دیکھو بیٹا......! عدیل کے کھانے پینے کا دیکھو۔''

عدیل کے نام پر مریم کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا، مگر اس نے بڑی مہارت سے خود کو سنبھال لیا اور جلدی سی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس سے پیشتر کہ بشر علی اس کو مزید نصیحتیں یا مشورے دینے لگیں۔

''ٹھیک ہے بیٹا......! اللہ تمہیں خوش رکھے اور جس طرح سے تم اپنے نانا کا خیال کرتی ہو، اللہ اس کا اجر تمہیں بہت جلد دے گا۔ اللہ تمہاری اولاد کو نیک بنائے۔''

بشر علی کی دُعا سن کر مریم ایک دم ہلکی پھلکی سی ہوگئی۔ اگرچہ آج بھی وہ اندر کی جنگ میں مبتلا تھی لیکن وہ جو چھپن چھپائی کا کھیل چلا آ رہا تھا کہ بشر علی کو علم نہ ہو جائے، بشر علی کو کچھ نہ ہو جائے، اس سے اس کی جان چھوٹ چکی تھی اور وہ محسوس کرتی تھی کہ وہ بشر علی کے ذہن کے ساتھ ساتھ محوِ سفر ہے۔ اس نے بشر علی کی طرف دیکھا اور مسکرا کر ان کا ہاتھ اپنے ہونٹوں کے قریب لے گئی اور پیار بھرے لہجے میں بولی۔

''میرے پیارے نانا جان......! گریٹ نانا جان......!''

یہ کہہ کر اس نے بشر علی کی ہاتھ کی پشت پر بوسہ دیا۔ بشر علی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر بڑے مان سے انہوں نے مریم کی طرف دیکھا تھا۔ یوں جیسے انجانے میں مریم نے انہیں یقین دلا دیا تھا کہ وہ اپنے نانا کے مشورے سے ہٹ کر زندگی میں کچھ نہیں کرے گی۔

☆......☆......☆

''بس بیٹا......! انعم کو آپریشن تھیٹر لے جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ میں ماں ہوں اور ماں تو سر سے پاؤں تک دُعا ہوتی ہے۔ بیٹا......! اگر موت کا وقت اللہ نے طے کر دیا ہو تو اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔ بس تم سے اتنی سی درخواست ہے کہ اسے اتنا ہلکا کر دو کہ اس کی روح پھڑ پھڑاتی نہ رہے، ہلکی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سب کو جان کنی کی اذیت سے اپنی پناہ میں رکھے۔ یہ وقت تو سب پر آنا ہی ہے۔''

سلمٰی بیگم، بیہ کو گود میں بٹھائے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اُلجھی ہوئی آواز میں ناصر حسین سے مخاطب تھیں جو سر جھکائے یوں بیٹھا تھا جیسے کسی گہری سوچ میں کھو چکا ہو۔

''نانو......! کیا ڈاکٹر مجھے ماما سے بات کرنے دیں گے......؟''

بیہ، سلمٰی بیگم کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر ان سے پوچھ رہی تھی۔ سلمٰی بیگم نے بے اختیار اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اپنے سینے سے زور سے لپٹا لیا۔

''میرا بیٹا......! نانو صدقے جائے۔ ڈاکٹر بچے کو اس کی ماں سے بات کرنے سے منع نہیں کرتے۔ بیٹا......! آپ دُعا کرو کہ اللہ کرے، آپ کی ماما اچھی ہو جائیں۔ آپ سے بہت پیار کرتی ہیں ناں ماما۔''

بیہ نے ہاں کے انداز میں گردن ہلائی۔ ناصر حسین نے سر اُٹھانے کی بجائے نظریں اُٹھا کر بیہ کی طرف دیکھا اور سوچا۔

''بچے کتنے معصوم ہوتے ہیں۔ بیہ کو اگر جوان ہونے کے بعد کچھ پتا چل بھی جائے تو وہ تب بھی اپنی ماں کو معاف کر دے گی۔ بلکہ حسرت سے سوچے گی کہ آخر وہ چھوٹی سی عمر میں اپنی ماں سے کیوں محروم ہو گئی......؟ یہ کتنی بڑی کمی رہ گئی اس کی زندگی میں......؟''

''ناصر......! چلو بیٹا، صرف ایک منٹ کے لئے اس سے بات کر لو۔ جتنی مرتبہ جاتی ہوں کمرے میں، اتنی مرتبہ پوچھتی ہے کہ امی، ناصر نہیں آیا؟ وہ کب آئے گا؟ اگر وہ میرے مرنے کے بعد آیا تو مجھے کیا فائدہ ہوگا......؟''

سلمٰی بیگم نے جذباتی انداز میں ناصر کا دل اپنی طرف سے نرمانے کی کوشش کی۔ ناصر بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''چلئے آنٹی......! کر لیتے ہیں بات، آؤ بیہ......!''

اس نے بیہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو بیہ اُچھل کر نانی کی گود سے اُتر گئی اور باپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سلمٰی بیگم آگے بڑھیں اور ناصر آہستہ آہستہ ان کے پیچھے چلنے لگا۔ چلتے ہوئے اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر لوگ خون کیسے معاف کرتے ہوں گے؟ خون معاف کرنا زیادہ آسان ہے یا عورت کی بھول؟ وہ ابھی تک بہت بوجھل ذہن کے ساتھ سوچ رہا تھا۔ سلمٰی بیگم کے پیچھے چلتے چلتے آخر کار وہ اُس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں انعم اس کا انتظار کر رہی تھی۔ بیہ بھاگ کر ماں کی طرف بڑھی تو ناصر نے اس کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

''بیٹا......! ماما کو ڈسٹرب نہ کرو۔ ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''نہیں ناصر......! اسے میرے پاس آنے دو۔ میں اس کی گرمی محسوس کرنا چاہتی ہوں۔ جاتے ہوئے کوئی ایک احساس تو میرے ساتھ ہو جو میری روح کو سکون دے۔''

انعم کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ناصر اپنی جگہ پر پتھر سا بن کر رہ گیا۔ سلمٰی بیگم نے بیہ کو اشارے سے کہا کہ جاؤ اپنی ماما کے پاس۔ بیہ بھاگ کر گئی۔ انعم نے ہاتھ بڑھا کر اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپکے اور بیہ کے بالوں میں جذب ہو گئے۔ ناصر حسین یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک دم سے نظریں چرا لیں اور سوچنے لگا۔

''یا اللہ......! مجھے ظرف اور حوصلہ عطا فرما۔ یا اللہ......! مجھے وہ دل عطا فرما، ایسا دل جو معاف کر دینے والا ہو، جو انتقام کے راستوں پر چلنے سے گھبرائے۔ ایسا بڑا دل، ایسا مہربان دل جس پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ یا اللہ......! میری یادداشت سے اس زخم کو کھرچ کر پھینک دے۔ میں بہت مجبور اور بے بس ہوں۔ میرے خیال میں گہری سوچ میرے اختیار میں نہیں۔ یا اللہ......! تو مجھے مجھ سے زیادہ جانتا ہے، تو مجھ پر رحم کر دے، مجھے ہلکا پھلکا کر دے۔''

وہ سر سے پاؤں تک یکسو ہو کر آنکھیں بند کئے اپنے ربّ سے مخاطب تھا۔ سلمٰی بیگم نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو ایک دم ان کا دھیان گیا کہ وقت بہت کم ہے۔ انعم کو اکیلے میں ناصر سے بات کرنے کا موقع دینا چاہئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بیہ کا بازو پکڑا اور کہا۔

''بیٹا......! آؤ تھوڑی دیر کے لئے باہر چلتے ہیں۔ ایسا کرتے ہیں کوئی آئس کریم کھا لیتے ہیں۔ ماما کو پاپا سے بات کرنے دو۔ ٹھیک ہے......! ہم بس تھوڑی دیر میں واپس آ جاتے ہیں۔''

سلمٰی بیگم نے بیہ کو چمکارتے ہوئے کہا۔ وہ جانے لگی تو ناصر حسین نے پلٹ کر سلمٰی بیگم کی طرف پلٹ کر دیکھا۔

''وہ آنٹی......! فیاض انکل بھی تو آئے ہوئے ہیں ناں، میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کہاں ہیں وہ؟''

''نماز پڑھنے گئے تھے بیٹا......! بس مسجد میں جا کر بیٹھ ہی جاتے ہیں۔ کریں بھی تو کیا کریں......؟ اس وقت سوائے اللہ کے سوچ کہیں اور نہیں جاتی۔''

سلمٰی بیگم بھرائے ہوئے لہجے میں بولیں اور بیہ کا ہاتھ نرمی سے تھام کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ انعم، ماں اور بیٹی کی طرف دیکھنے کی بجائے مسلسل ناصر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ناصر نے اپنے خیالات سے پیچھا چھڑا کر غیر ارادی طور پر انعم کی طرف دیکھا اور اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اس کی نظریں بے اختیار جھک گئیں۔

''ناصر......! میں تم سے یہ نہیں کہوں گی کہ تم میری طرف دیکھ کر بات کرو۔ نہ دیکھو میری طرف، میں تم سے یہ بھی نہیں کہوں گی کہ تم میرے مرنے کے بعد میری مغفرت کی دُعا کرتے رہنا۔ ناصر......! موت سر پر آ کھڑی ہوئی ہے اور اس نے مجھے لمحے کے اندر بوڑھا کر دیا ہے۔ اب تمہارے سامنے وہ انعم نہیں جو سرکش تھی، من مانی کرتی تھی، تمہیں غلط اور خود کو صحیح کہتی تھی۔ اس وقت تم سے وہ انعم مخاطب ہے جس نے چند لمحوں میں صدیوں کا سفر طے کر لیا ہے، اور انسانی سوچ میں کیا کچھ سما سکتا ہے، میں سب سے گزر گئی ہوں۔ وقتِ رُخصت ہے، ناصر......! اگر کہو گے تو

میں پاؤں چھو کر معافی مانگ لوں گی، مگر میں اُٹھ نہیں پا رہی۔ میں نے ساری دُنیا کے انسانوں سے مایوس ہونے کے بعد بہت قریب سے قدرت کی آواز سنی ہے، غضب ناک آواز، کیونکہ جب میرے پاس قوت تھی تو میں یہ آواز نہیں سنتی تھی۔ جب ساری آوازیں مجھ سے دُور ہو گئیں تو مجھے یہ آواز آنے لگی۔"

یہاں تک بولتے بولتے انعم کی سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگی اور ناصر سکتے کی کیفیت میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ وہ انعم ہے جو بے حد بگڑی ہوئی تھی، جس نے اس کی زندگی محال کر دی تھی، جس کی وجہ سے وہ موت کے دروازے کو چھو کے آ چکا تھا، جس کی وجہ سے وہ دیوانگی میں مبتلا ہو چکا تھا، جس کی وجہ سے اس کا ذہن ناسور بن چکا تھا، جس نے زندگی میں سارے اعتبار کھو دیئے تھے۔ انعم کی آواز بھی بدلی ہوئی تھی اور لہجہ بھی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ انعم کہیں گم ہو گئی ہو اور کوئی اور انعم اس کی جگہ لیٹی ہوئی بات کر رہی ہو۔ نام کا اشتراک تھا اور ماضی، حال میں اتنا فاصلہ تھا جتنا کہکشاں میں بسنے والے ستاروں کے بیچ۔

"مجھے معاف کر دو ناصر......! تم جب تک اپنے منہ سے نہیں کہو گے کہ تم نے مجھے معاف کر دیا، میں آپریشن تھیٹر نہیں جاؤں گی۔ اسی بستر پر مر جاؤں گی۔ پلیز......! مجھے ہلکا کر دو ناصر......! کیا خبر مرنے کے بعد میری سزاؤں کا عمل شروع ہو جائے اور میں جہنم رسید ہو جاؤں۔ قیامت تک ایک نہ ختم ہونے والے عذاب میں مبتلا کر دی جاؤں۔ مجھے معاف کر دو ناصر......!"

انعم کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ اتنا سننا تھا کہ ناصر کو یوں لگا جیسے دماغ پھٹ جائے گا۔ مرد ہوتے ہوئے بھی اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ عورتوں کی طرح چیخیں مار مار کر رونے لگے۔

"انعم کو یہ الفاظ کہاں سے مل گئے تھے......؟ انعم یہ کیسی آسمانی سی باتیں کر رہی تھی......؟ یہ لفظ، یہ لہجہ انعم کا تو نہیں تھا۔ یہ ایک دم سے کیا ہو گیا......؟ کیا موت سے بڑا اُستاد کوئی نہیں ہے......؟ ساری زندگی لوگ سمجھاتے بجھاتے رہے مگر اسے کچھ سمجھ نہ آئی۔ موت نے اس کو اپنی جھلکی دکھائی اور زندگی کے سارے سبق مختصر سے وقت میں سکھا دیئے۔ آج یہ مر رہی ہے۔ کل میں نے بھی تو اس ڈگر پہ چلنا ہے۔"

یہاں تک سوچتے سوچتے ناصر کو جھرجھری آ گئی۔ نہ اس وقت اس کے ذہن میں اُجالا تھی نہ بیبہ، نہ اس وقت اس کے ذہن میں گزرے ہوئے وقت کے زخم تھے، نہ گھاؤ۔ انعم نے فطرت سے باتیں کرتے ہوئے جادو اثر لفظ چن لئے تھے۔ اسے اندازہ ہوتا تھا کہ واقعی وہ رُخصت ہو رہی ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور انعم کے ہاتھ پر بڑی آہستگی سے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ انعم نے اپنی بند آنکھیں کھول کر ناصر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی دُھند تھی۔ ناصر کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے یوں دُھندلا رہا تھا، جیسے آئینے پر پانی گر گیا ہو۔

"میں تمہیں معاف کرتا ہوں انعم......! میں نے معاف کر دیا تمہیں، اس لئے کہ ہمارے سارے حواس اور سارے قانون اسی دُنیا کے لئے بنائے گئے ہیں۔ اگلے جہان میں ہم کیا ہیں......؟ اور ہمارے ساتھ فطرت کے کیا معاملات ہیں......؟ اس زندگی میں ہم اس کا شعور حاصل نہیں کر سکتے۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ ہمارا رشتہ اسی دُنیا تک ہے اور ہمارے جھگڑے بھی۔"

ناصر کے پاس شاید اس سے زیادہ الفاظ نہیں تھے، اس کے زبان سے جو کچھ بھی نکلا تھا، روح کی گہرائیوں سے نکلا تھا، دل سے نکلا تھا، یا شاید وہ اپنے آنسوؤں کی آہٹیں چھپانا چاہتا تھا۔ انعم کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت کم ہوگئی۔ اسے جیسے کسی اذیت ناک احساس سے چھٹکارہ مل گیا تھا۔ اس کی آنکھیں خودبخود بند ہوتی چلی گئیں۔ اسی وقت وارڈ بوائے اور نرسیں کمرے میں داخل ہوئیں۔ دونوں اپنی اپنی جگہ چونک گئے۔ ناصر نے ایک جھٹکے سے پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا۔ جبکہ انعم نے بہت آہستہ آہستہ آنکھیں کھولی تھیں جیسے پلکوں کو جنبش دینا بھی محال ہو۔

''ایسکیوزمی سر......! پیشنٹ کو آپریشن تھیٹر لے جانا ہے۔''

ناصر، نرس کی بات سن کر ایک سائیڈ پر ہوگیا۔ وارڈ بوائے اور نرسوں نے سہارا دے کر انعم کو اسٹریچر پر لٹایا۔ انعم نے اَدھ کھلی آنکھوں سے پھر ناصر کے چہرے کا دُھندلایا ہوا عکس اپنے حافظے میں اُتارا اور آنکھیں بند کر لیں۔ نرس اور وارڈ بوائے اسٹریچر کو دھکیلتے ہوئے کمرے سے باہر جارہے تھے۔ ناصر اس طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ سارے قرضے اُتار کر فارغ ہوگیا ہو۔ اسے کھڑے کھڑے یوں محسوس ہوا کہ معاف کر دینے اور معاف نہ کر دینے کے بیچ بالکل وہی کیفیت ہے جو جسم سے روح نکلتے وقت ہوتی ہے۔ جب انسان معاف کر دینے کے عمل سے گزر جاتا ہے، یوں لگتا ہے کہ روح وسیع اور فصیح فضاؤں میں ہلکی پھلکی ہو کر بے پَر کی اونچی اُڑان بھر رہی ہو، ہر فکر اور غم سے آزاد ہو کر سارے بوجھ اُتار کر، مٹی کا لباس اُتار کر۔

☆......☆......☆

''اچھا ہوا چلا گیا۔ جان چھوٹی ہماری۔ اب تو سوچ لے، اب تو بالکل آزاد ہے۔ دو تین رشتے ہیں......''

شکیلہ خاتون بول رہی تھیں اور علینہ نے ایک دم ان کو ٹوک دیا تھا۔ شکیلہ خاتون کی بات اُدھوری رہ گئی تھی۔ وہ بڑی بے زاری سے کہہ کر علینہ کی طرف دیکھنے لگی۔ علینہ کہہ رہی تھی۔

''اماں......! بس بھی کریں۔ چلا گیا......؟ یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ یہاں سے جا بھی سکتا ہے۔ لیکن مجھے اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے......؟ آپ تو یوں خوش ہو رہی ہیں جیسے اس نے کوئی بھاری زنجیر میرے پاؤں میں باندھی ہوئی تھی۔''

''بیٹا......! میں تو اس لئے کہہ رہی ہوں کہ اس شہر میں رہتا تو ظاہری بات ہے، تجھے سوچ آتی رہتی۔ اب تو تجھے ہلکا پھلکا ہو جانا چاہئے اور اپنا گھر بسانے کی سوچنا چاہئے۔''

''بس کریں اماں......! اب میں تیسرے مرد کو آزماؤں، تاکہ وہ پچھلے دونوں مردوں کے طعنے مار مار کر مجھے جیتے جی زندہ دفن کر دے۔''

علینہ نے بری طرح چیخ کر جواب دیا تھا۔ فوزیہ لاؤنج میں علی کو نوڈلز کھلا رہی تھی اور بہت غور سے علینہ اور شکیلہ خاتون کی بات سن رہی تھی۔ اس لئے کہ شاید دونوں کو اس کے لاؤنج میں موجود ہونے کا احساس نہیں تھا۔ ورنہ شکیلہ خاتون ہمیشہ دروازہ بند کر کے ہی بیٹی سے بات کرتی تھیں۔

''ارے بیٹا......! اب کیا کریں......؟ آخر جوان جہان ہو، ساری عمر ابھی سامنے پڑی ہے۔ بھول جاؤ ان دونوں کو، کوئی فرق نہیں پڑتا، کوئی کچھ نہیں کہتا۔ صرف تیرا وہم ہے یہ۔''

شکیلہ خاتون، بیٹی کو سمجھانے لگیں حالانکہ علینہ کی بات سن کر دل میں کچھ دھکڑ پکڑ تو ہوئی۔ تجربہ کار جہاندیدہ بچوں کی ماں تھیں آخر۔

''نہیں اماں......! بالکل بھی نہیں۔ اس دُنیا میں، میں اکیلی نہیں ہوں۔ مجھ جیسی بے شمار عورتیں ہیں۔ کسی کا میاں شہید ہو جاتا ہے تو وہ شہید کی بیوہ کی حیثیت سے زندگی گزارنا پسند کرتی ہے۔ کسی کو اپنے شوہر سے اتنی محبت ہوتی ہے کہ وہ اس کی یادوں کے سہارے زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیتی ہے اور اپنی سوچ پر دوسرے مرد کی پرچھائی بھی نہیں پڑنے دیتی۔ کسی کو طلاق ہو جاتی ہے تو وہ خوفزدہ ہو کر اکیلا رہنے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ کیا خبر آنے والا دوسرا مرد پہلے مرد سے بھی زیادہ اس کے لئے آزمائش بن جائے۔ نہیں اماں......! بالکل نہیں۔ مجھے پتا ہے، میں مرد کی فطرت کو بہت اچھی طرح پہچان چکی ہوں۔ ذرا سی بھی بھول چوک ہوئی تو وہ مجھے پہلے ہی کا طعنہ دے گا یا دوسرے کا۔ مجھے اتنے دباؤ والی زندگی اب قبول نہیں۔ میں بھول نہیں سکتی وہ رات جب موت میری آنکھوں تک آ گئی تھی۔ اگر صابر اس دن مجھے وہاج کی گرفت سے آزاد نہ کراتا تو آج آپ بھی بیٹھی مجھے تیسرے مرد کو آزمانے کا مشورہ نہ دے رہی ہوتیں۔''

علینہ یہ کہہ کر ایک جھٹکے سے اُٹھی اور باہر نکل گئی۔ وہ جیسے ہی باہر نکلی تھی، نظر فوزیہ پر پڑی۔ فوزیہ نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔ علینہ نے فوزیہ سے کوئی بات نہیں کی۔ البتہ اس احساس کے ساتھ کہ ماں بیٹی کی بات چیت وہ سن چکی ہے، اسے کچھ عجیب سا محسوس تو ہوا۔ لیکن ایک اطمینان کی کیفیت بھی تھی کہ اس نے ماں سے جو بھی بات کی ہے، اس سے اس کا قد تو بڑا ہوا ہوگا، کم نہیں ہوا ہوگا۔ وہ فوزیہ سے نظر بچاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی اور فوزیہ سوچ رہی تھی کہ شاید رشتے بنائے ہی اس لئے گئے ہیں کہ انسان آزمائے جائیں اور خود اپنے آپ کو پہچانیں۔ سب کے ساتھ نہ سہی، اکثر کے ساتھ اس آزمائش کا سفر جاری رہتا ہے اور رہتی دُنیا تک جاری رہے گا۔

☆......☆......☆

مریم کے کان سے اس کا موبائل لگا ہوا تھا۔ دوسری طرف سے سلمیٰ بیگم اس سے بات کر رہی تھیں۔

''بیٹا......! ہمیں ناصر سے یہی اُمید تھی۔ ہمیں تو اس نے کبھی شکایت کا موقع ہی نہیں دیا۔ لیکن ایک آخری احسان جو اس نے ہم پر کیا، وہ بہت بھاری ہے، جو ہم مرتے دم تک بھی نہیں اُتار سکتے۔ اس نے ہماری بیٹی پر موت آسان کر دی ہے۔ ورنہ وہ پتا نہیں جان کنی کی اذیت سے کتنا گزرتی......؟''

مریم سکتے کی کیفیت میں ماں کی بات سن رہی تھی۔

''مریم......! ناصر مرد ہے۔ اس نے آخر کار مرتی ہوئی انعم پر رحم کر دیا، اسے معاف کر دیا۔ یہ وہ بھول ہے جو مرد کبھی معاف نہیں کرتا۔ اس نے مرد ہو کر آخر کار اتنا حوصلہ دکھا دیا۔ بیٹی کو اسلام آباد سے لے کر ہمارے پاس بلکہ ہماری درخواست پر لاہور آ گیا، اور تم بیٹا، کیا تم بھی کسی کو معاف کرنے کے لئے اس کے مرنے کا انتظار کرو گی......؟''

سلمٰی بیگم بول رہی تھیں اور مریم زندگی میں پہلی مرتبہ لاجواب ہوئی تھی۔ بہن کی موت کا دُکھ تو اسے پہلے ہی اَدھ موا کر چکا تھا، اور اب وہ دم بخود بیٹھی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس عظیم دُکھ کو کیسے ظاہر کرے......؟ دیواروں میں اپنا سر مارے یا گود میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر روئے، یا زور زور سے چیخیں مار کر دُنیا کو بتائے کہ اس کی ایک ہی بہن تھی جس نے زندگی بھر نقصان کے سودے کئے اور آخر کار سب لوگوں کو ساری آزمائشوں سے نجات دیتی ہوئی اس جہاں سے گزر گئی۔ اس پر مستزاد سلمٰی بیگم نے یہ کہا کہ کیا وہ بھی معاف کرنے کے لئے کسی کی موت کا انتظار کر رہی ہے......؟ تو جیسے اس کی رہی سہی قوتِ گویائی بھی سلب ہوگئی۔

اس نے بہت مشکل سے بڑی ہی مشکل سے خود کو سنبھال کر ماں سے صرف اتنا کہا۔

''امی......! آپ ڈیڈ باڈی کے ساتھ کب پہنچ رہی ہیں......؟''

''بس بیٹا......! کارروائی ہو رہی ہے۔ ہم آدھے گھنٹے میں ہاسپٹل سے نکل جائیں گے۔ تم گھر جاؤ بیٹا......! وہاں پر انعم کے استقبال کی تیاریاں کرو۔ لوگ آنا شروع ہو جائیں گے۔''

سلمٰی بیگم اپنے آپ کو بمشکل سنبھالتے ہوئے مریم کو تاکید کر رہی تھیں۔ آخری الفاظ ادا کرتے کرتے وہ اتنی بے بس ہوگئیں کہ انہوں نے ''خدا حافظ'' کہے بغیر رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

سردیاں دبے پاؤں دھیرے دھیرے آرہی تھیں۔ دُھوپ کی تمازت بڑی جلدی پھیکی پڑ جاتی تھی۔ مریم لان چیئر پر بیٹھی بہت گہرے خیال میں بیٹھی گم تھی۔ فضیل اور اس کی آیا تھوڑے فاصلے پر بیٹھے تھے۔ اس کے سامنے اس کے من پسند کھلونے بکھرے تھے۔ آیا اس کو کسی بات پر ہنسانے میں کامیاب ہو جاتی تھی تو فضیل کی کلکاریوں سے گھر گنگنانے لگتا تھا۔ مریم جانے کتنی دیر اسی کیفیت میں بیٹھی رہی۔ عدیل کمرے کی بالکونی میں باہر کھڑا ہوا تھا۔ وہ بہت خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر خود بھی لان میں چلا آیا۔ مریم نے خالی خالی نظریں اُٹھا کر عدیل کی طرف دیکھا۔ عدیل کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

''میں بالکونی سے تمہیں دیکھ رہا تھا۔ تم کہیں بہت دُور پہنچی ہوئی تھیں۔ کیا سوچ رہی تھیں......؟''

مریم کے ہونٹوں پر پھیکی سی بے معنی مسکراہٹ اُبھری۔ اس نے نفی میں گردن ہلائی اور بولی۔

''کچھ نہیں......! بس ایسے ہی۔''

''ایسے ہی اتنی گہری سوچ......؟ یقیناً میرے بارے میں ہی سوچ رہی ہوگی کہ اب بھی اس کا اعتبار کروں یا نہ کروں......؟''

مریم دھیرے سے ہنس پڑی۔

''عدیل......! آپ دن رات خود کو منوانے کے لئے بہت محنت کر رہے ہیں اور یہ محنت میں دیکھ رہی ہوں۔ لیکن اعتبار کوئی کاغذ پر بکھرے ہوئے کوئی پکے رنگ نہیں جنہیں بکھرا ہوا دیکھ لو اور مطمئن ہو جاؤ۔ یہ تو شاید زندگی

کی آخری سانس میں فیصلہ ہوتا ہے کہ اعتبار ہے یا نہیں......؟ وگرنہ زندگی تو خود بے اعتبار ہے۔"

عدیل نے سوچتے ہوئے ہنکارا ابھرا۔ اس کے ہونٹوں پر ابھی بھی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"پتا نہیں میں نے زندگی میں کوئی اچھا کام کیا یا نہیں......؟ لیکن تمہیں فلاسفر بنا دیا۔"

یہ کہہ کر وہ خود ہی ہنس پڑا۔ کھیلتے ہوئے فضیل نے باپ کی ہنسی پر چہرہ موڑ کر چند لمحے اسکی طرف دیکھا تھا۔

"مریم......! یہ ایک بہت مضبوط حقیقت ہے جس کے رنگ کبھی پھیکے نہیں پڑتے کہ اولاد بہت بڑی زنجیر ہے۔ اگر فضیل ہمارے درمیان نہ آتا تو ہم اُدھورے اُدھورے احساسات کے ساتھ ایک دوسرے سے جنگ کرتے ہوئے شاید کہیں گم ہو چکے ہوتے۔"

مریم نے یہ بات سن کر سر جھکا لیا۔ عدیل اس کی طرف بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ مریم نے ایک دم اپنا سر اُٹھا کر عدیل کی طرف دیکھا اور گہری سانس لے کر گویا ہوئی۔

"عدیل......! حقیقتیں وہی ہیں جو ہم اپنے اپنے تجربات سے تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اظفر کمال اور بیلا، وہ تو چودہ پندرہ سال ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ رہے۔ ان کے درمیان تو کسی بچے کی زنجیر بھی نہیں تھی جس نے ان کو باندھا ہوا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو مریم......! اگر میاں بیوی کے درمیان خلوص کا رشتہ ہو تو وہ بہت ساری شرائط کے بغیر بھی ایک دوسری کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔"

عدیل کی بات سن کر مریم نے چونک کر عدیل کی طرف دیکھا تھا اور ایک دم نظریں چرا لی تھیں۔ اس کی نظروں میں اظفر کمال کا چہرہ گھوم گیا جن کی پیاسی نظریں اکثر لاشعوری طور پر اس کے چہرے کا طواف کیا کرتی تھیں۔ مریم نے اپنے اُڑتے ہوئے بالوں کو سمیٹا اور ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"لیکن جو زندگی اظفر کمال نے گزاری، اسے گزارہ نہیں کہیں گے۔ وہ تو جیسے ایک لمحہ بھی اپنی خوشی اور مرضی سے نہیں جئے۔"

"ہاں......! تم بتا رہی تھیں کہ ان کا سوتے میں ہارٹ فیل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد تو تم نے آفس ہی چھوڑ دیا۔ ان کی بیگم کا کیا ہوا......؟ کچھ پتا چلا......؟"

عدیل ایک دم سنجیدگی سے مریم سے پوچھنے لگا جیسے اچانک ہی اسے بہت کچھ یاد آ گیا ہو۔

"نہیں......! کچھ زیادہ تو نہیں۔ بس آفس والوں سے ہی پتا چلا تھا کہ ان کے کوئی دور پرے کے رشتہ داروں نے بیلا کو پاگل خانے میں داخل کرا دیا تھا، کیونکہ ڈاکٹروں نے انہیں ناقابل علاج قرار دے دیا تھا۔"

"ویری سیڈ......! بڑا افسوس ناک انجام ہے دونوں کا۔"

عدیل کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ مریم نے عدیل کی طرف دیکھا اور ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلنے لگی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی عدیل کے قریب آ گئی۔

"چلئے، اندر چلتے ہیں۔ میں آپ کو اچھی سی کافی بنا کر پلاتی ہوں۔"

پھر فضیل کی آیا سے مخاطب ہوئی۔

''رابعہ......! فضیل کو اندر لے چلو۔ ٹھنڈ بڑھ رہی ہے۔''

رابعہ نے فضیل کو گود میں لیا اور اس کے کھلونے سمیٹنے لگی۔ عدیل، مریم کی طرف بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا یہ کمپرومائز ہے......؟ یا واقعی اسے نانا جان کی بات سمجھ آ گئی ہے......؟''

مریم جیسے نانا کا تصور کر کے مسکرانے لگی۔

''میرے نانا جان بہت اچھے ہیں، بہت ہی اچھے ہیں۔ انہوں نے ایک عورت کو ''بُری عورت'' بننے سے بچا لیا ہے۔''

عدیل نے چونک کر مریم کی طرف دیکھا۔ وہ ایک دم ٹپٹا کر بولا۔

''خدانخواستہ تم کیوں ''بُری عورت'' ہونے لگیں۔ تمہیں مجھ پر اعتبار ہو نہ ہو، مگر میں شروع سے لے کر آج تک تم پر اندھا اعتماد کرتا ہوں۔''

''ارے......! یہی تو مسئلہ ہے ہمارے ہاں۔ سچ مچ کی ''بُری عورت'' کو ''بُری'' کہنے کا رواج نہیں۔ ہمارے ہاں ''بُری عورت'' تو وہ ہوتی ہے جو اپنے حق کے لئے آواز اٹھاتی ہے، دلیل دیتی ہے، جرح کرتی ہے اور بددیانتی برداشت کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔''

مریم ہنس پڑی اور اپنے اُڑتے ہوئے بالوں کو سمیٹتی ہوئی اندر کی طرف قدم بڑھانے لگی۔ عدیل اب اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک الوہی روحانی سکون اُترا ہوا تھا۔ یہ سکون اسی ''بُری عورت'' کا مرہونِ منت تھا جس نے سرینڈر ضرور کیا تھا، ہتھیار ضرور پھینکے تھے، لیکن کچھ لوگوں کو جھنجوڑا تھا کہ عورت کو صرف کھیلنے والی چیز نہ سمجھا جائے۔ وہ مرد کی طرح سوچتی اور محسوس کرتی ہے، اس کے احساسات بھی اتنے ہی نازک ہوتے ہیں جتنی کہ مرد کی غیرت۔ ایک بہت ''اچھی عورت'' برے مرد کو بھی اچھا بنا سکتی ہے۔ کبھی حادثاتی طور پر، کبھی شعوری طور پر کوشش کر کے۔

''میں بہت برا تھا مریم......! مگر ایک ''بُری عورت'' نے مجھے اچھا بنا دیا۔''

عدیل شریر لہجے میں مریم سے کہہ رہا تھا اور اس نے اپنا بازو پھیلا کر مریم کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ مغربی اُفق پر شفق اُتر رہی تھی اور مریم کی روح میں قوس و قزاح۔

یہ ایک عورت کی اَنا کی جنگ نہیں تھی، اپنے ہونے کو محسوس کرانے کی جنگ تھی، جو بہر حال اس نے جیت لی تھی۔ یہ الگ بات کہ یہاں تک آتے آتے ہڈیوں میں تھکن اُتر گئی تھی۔ دل کی ماننے والی عورت اور اُصولی مؤقف رکھنے والی عورت میں زمین و آسمان جتنا فرق ہے۔ فرق کی اس سرخ لکیر کا شعور رکھنے والی عورت بہر حال فتح یاب ہوتی ہے۔

وہ عدیل کے ہمراہ آہستہ آہستہ گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اسکا ہاتھ عدیل کے بازو پر تھا۔

اختتام

Pakistanipoint
Waqar Azeem